قومی راج

یکم جنوری سنہ ۱۹۷۵ء

قیمت ۵۰ پیسے

कुछ लोगों का विचार है कि बंगला राष्ट्रभाषा हो, क्योंकि इसमें उच्चकोटि का साहित्य है। हिंदी में उच्च साहित्य है अथवा नहीं, यह विवादग्रस्त विषय उठाना व्यर्थ है। हिंदी व्यापक रूप से भारत में बोली जाती है, और इसमें ग्रहणशक्ति है तथा यह सरल है!

□ नेताजी सुभाषचंद्र बोस

यदि हम प्रत्येक भारतीय नैसर्गिक अधिकारों के सिद्धांत को स्वीकार करते हैं, तो हमें राष्ट्रभाषा के रूप में उस भाषा को स्वीकार करना चाहिए जो देशके सबसे बडे भूभाग में बोली जाती है और जिसे स्वीकार करनेकी सिफारिश महात्माजी ने हम लोगों से की है— अर्थात् हिंदी और इसी विचार से हमें एक भाषा की आवश्यकता भी है।

□ विश्वकवि रवींद्रनाथ ठाकूर

قومی راج

جلد: ۲ یکم جنوری ۱۹۷۵ء شمارہ: ۱

قیمت فی پرچہ: ۵۰ پیسے سالانہ: ۱۰ روپے

زیرِ نگرانی: خواجہ عبدالغفور آئی اے ایس

ترسیلِ زر اور مراسلت کا پتہ:
ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومتِ مہاراشٹر، سچیوالیہ بمبئی ۴۰۰۰۳۲

فہرست

سخنہائے گفتنی

زبان اب محض اظہارِ خیال کا ذریعہ نہیں رہی بلکہ اپنے استعمال کرنے والے طبقہ کی تہذیب و ثقافت کا نشان بھی بن چکی ہے۔ یورپ میں زبان عرصہ سے قومیت کی اساس بنی ہوئی ہے۔

زبان کی اسی بنیادی اہمیت کے پیشِ نظر ہندوستانی ریاستوں کی تشکیلِ نو عمل میں آئی تھی۔ اس تشکیلِ نو کے ساتھ علاقائی زبانوں کو زبردست فروغ ہوا اور بہت کم عرصہ میں اکثر زبانوں نے ترقی کے ان دیکھے مدارج طے کر لئے۔ ظاہر ہے کہ علاقائی زبانوں کے اس ہجوم میں، جو اپنے اپنے خطّوں کے عوام کو تو یکجا و متحد کرنے میں بے حد کامیاب ثابت ہوئیں تاہم دیگر ریاستوں سے ان کا فاصلہ قدرے بڑھ گیا، ایک ایسی زبان کی ضرورت تھی جو تمام علاقوں میں رابطہ کا کام دے اور ہندوستان کی وسعت، عظمت اور یکجہتی کی علامت ہو۔ یہ کام ہندی نے انجام دیا جسے ہماری راشٹر بھاشا کا درجہ دیا گیا ہے۔

ہندی اب صرف ہندوستان تک محدود نہیں بلکہ دنیا کے مختلف چھوٹے بڑے ملکوں میں اس کا رواج اور شوق بڑھتا جا رہا ہے۔ ہندی سے دلچسپی رکھنے والے مختلف ممالک کے درمیان رابطہ پیدا کرنے اور ہندی کو جدید خطوط پر فروغ دینے کے اقدامات پر غور و خوض کیلئے اس ماہ ناگپور میں عالمی ہندی کنونشن کا انعقاد ہو رہا ہے جس میں امریکہ، روس، مغربی جرمنی، فیجی، ترینیداد، ماریشس، یوگوسلاویہ اور دیگر کئی ممالک کے نمائندے حصہ لے رہے ہیں۔

اس موقع پر "قومی راج" اپنا یہ خصوصی شمارہ پیش کرتے ہوئے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ہندی کو ترقی دینے اور مقبول بنانے میں اردو داں طبقہ بھی کسی سے پیچھے نہیں، کیونکہ وہ محسوس کرتا ہے کہ ہندی اور اردو ایسی جڑواں بہنیں ہیں جو ایک دوسرے کے تعاون اور سہارے سے بہت آگے بڑھ سکتی ہیں، بہت اونچی اٹھ سکتی ہیں۔

— خواجہ عبدالغفور

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس، بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا۔

لال بہادر شاستری

عرفانؔ قنوجی

حشر ساماں کیوں نہ ہو اے شاستری رحلت تری
تو نے دکھلایا زمانے کو کمالِ رہبری :

قدر و قیمت سے تری واقف ہیں اربابِ نظر
"قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند جوہری"

فکر نے سلجھا لیا تیری، وہ پیچیدہ سوال
کر گئی حیرت زدہ سب کو تری دانشوری

سرزمینِ روس پر کی، تو نے اپنی عقل سے
زخم خوردہ ہند و پاکستان کی چارہ گری

کارواں کو منزلِ مقصود تک پہنچا دیا
تو نے نازک مرحلوں میں کی وطن کی رہبری

یاد ہے تیرا خطابِ سادہ اپنی قوم سے
دل کی باتوں میں نہ تھی الفاظ کی جادوگری

کہہ گیا تو عظمتِ ہندوستاں کو الوداع
تیرے سر پر ہے مگر ناموسِ تاجِ سروری

داغ ہے تاریخ کے اوراق پر سالِ رواں
حشر دل پر ڈھا گئی عرفاںؔ گیارہ جنوری

عوام کے رہبر اور دوست بنئے

پولس کو شری کنبھار کی نصیحت

شری آر۔ بی۔ کنبھار، وزیر ریاست برائے داخلہ، اطلاعات اور پبلسٹی نے پولس کے افراد کو نصیحت کی کہ وہ عام لوگوں کے دلوں میں ایک رہبر اور دوست کی حیثیت سے پولس کے بارے میں صحیح تصور قائم کرنے کی کوشش کریں۔

ریاستی محکمہ پولس کی جانب سے جاری شدہ مراٹھی ماہنامہ "دکشتا" کے دسمبر ۱۹۷۶ء کے شمارہ میں شائع شدہ پیغام میں وزیر موصوف نے پولس اور عوام کے درمیان قریبی رابطہ قائم کرنے کی ضرورت جتائی۔

آپ نے فرمایا کہ پولس کا خاص فرض یہ ہے کہ سوسائٹی میں امن وضبط قائم رکھے۔ پولس کی اپنی خواہش کے خلاف کئی مواقع پر بیدبازی اور لاٹھی سے کام لینا پڑتا ہے اور کبھی کبھی گولی بھی چلانی پڑتی ہے۔ اس سے لوگوں میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ پولس اور محکمہ پولس کا کام ان کو ڈرانا دھمکانا اور ان میں خوف و ہراس پیدا کرنا ہے۔ درحقیقت پولس کا فرض تو لوگوں کی خدمت اور ان کی حفاظت کرنا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ پولس لوگوں کے دلوں میں یہ تصور قائم کرے کہ وہ عوام کے دوست اور رہبر ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے انھیں یہ خیال پیدا کرنے میں اتنی کامیابی نہیں ہوئی ہے جتنی کہ ہونا چاہیے۔

دوستانہ تعلقات

پولس اور عام لوگوں کے مابین صحت مندانہ اور دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کی ضرورت جتلاتے ہوئے وزیر موصوف نے فرمایا کہ ایک جمہوری اور سماجی نظام میں جیسا کہ ہمارے ہاں ہے، لوگوں کو چاہیئے کہ وہ پولس کو دوست اور رہبر سمجھیں۔ لوگوں کی حفاظت اور خدمت انجام دیتے وقت یہ نہایت ضروری ہے کہ پولس صورت حال سے نپٹنے کے لیئے پوری طرح سے چوکس رہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ اسے اس کی مناسب تربیت دی جائے۔

شری کنبھار نے آگے فرمایا کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیئے پولس کو چاہیئے کہ وہ سوسائٹی میں سماج دشمن عناصر کے خلاف برابر سخت اقدامات کرے۔ اسی کے ساتھ امن پسند اور پابند قانون شہریوں کو یہ بھروسہ ہونا چاہیئے کہ پولس ہمیشہ کٹھن وقت پر ان کی حفاظت کرے گی۔

سماج دشمن عناصر کے خلاف جنگ

آپ نے مزید بیان کیا کہ پولس کیلئے ضروری ہے کہ وہ بدعنوانی کے خلاف سخت جنگ کرے جو ہماری زندگی کے کم و بیش ہر شعبہ کو کھا رہی ہے۔ وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی کی زیر قیادت اسمگلروں، بلیک مارکیٹیروں، ذخیرہ اندوزوں اور بدعنوان اشخاص کیخلاف ایک بڑا محاذ کھول دیا گیا ہے تاکہ ہر قسم کی سماج دشمن سرگرمیوں کا انسداد کیا جائے۔ درحقیقت سماج میں ایسے عناصر کے خلاف اعلان جنگ کردیا گیا ہے۔ اب یہ پولس کا کام ہے کہ وہ معاشرہ کو ایسے برے عناصر سے پاک کرے۔

وزیر موصوف نے اس یقین کا اظہار کیا کہ اس مقصد کے لیئے مہاراشٹر کے لوگ ہر سطح پر پورے جوش و خروش سے تعاون کریں گے۔

لوگوں میں پولس کے متعلق جو بدگمانی پیدا ہوگئی ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے شری کنبھار نے فرمایا کہ پولس کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ تمام کام 'نیک نیتی' سے انجام دے۔ اس مقصد کیلئے یہ ضروری ہے کہ ایک طرف پولس اور محکمہ پولس اور دوسری طرف عوام کے درمیان قریبی رابطہ قائم رہے۔

بحیثیت وزیر ریاست برائے داخلہ امور میں پولس، محکمہ پولس نیز عوام کو یہ یقین دلاتا ہوں کہ محکمہ داخلہ کے امور اسی اصول پر انجام دیئے جائیں گے۔ میرا عقیدہ یہی ہے کہ بلا خوف و خطر انصاف اور سچائی کی حمایت کی جائے اور سماج کیلئے جو کچھ نقصان رساں ہے اسے پوری سختی سے کچل دیا جائے۔ ●●

ہندی کے مسلم شعراء

اقبال اعظمی (ایم۔ اے۔ بی۔ ایڈ)

اقتدار کے بھوکے ارباب سیاست کی بازیگریوں میں آج لسانی مسئلہ بالفاظِ دیگر زبان کا جھگڑا ایک اہم بازیگری ہے جس کے ذریعہ وہ وصل کے بجائے فصل اتحاد کے بجائے نفاق اور قومی یکجہتی کے بجائے فرقہ داریت کا زہر پھیلانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ مگر شاعر و ادیب سطحِ سیاست سے بلند نظر رکھتے ہیں اور چیخ اٹھتے ہیں:

قدم قدم ہے تباہی گلی گلی مقتل
رہینِ جذبِ رقابت یہ ذہنیت کب تک

صنفِ زبان و ادب کے ہزار رُخ بدلے گئے، مگر شاعر جس کا نظریہ ہے کہ زبان الگ ہو سکتی ہے ملک الگ ہو سکتے ہیں، رسوم الگ ہو سکتے ہیں لیکن دکھ سکھ کے احساسات الگ نہیں ہو سکتے خدا الگ نہیں ہو سکتا۔ بنیادی طور پر انسان ایک ہے، اس کی حسن کلامی پر حرف نہ آیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ جسطرح ہندو شعراء نے اردو کی مانگ کو ستاروں سے سجایا ہے اسی طرح گلشنِ ہندی کو بھی مسلم شعراء نے اپنے خونِ جگر سے سینچا ہے۔ اس گلشن کے بہت سارے سدا بہار اور سدا سہاگ پھول مثلاً مرگاوتی، مدھومالتی، پدماوت، چتراولی، گیان دیپ، ہنس جواہر، اندراوتی، انوراگ بانسری، پریم باٹیکا، ست سئی، بروے نائیکا بھید، مدن اشٹک، الگ شتک، تل شتک وغیرہ جو آج بھی اپنی بہار دکھا رہے ہیں مسلم شعراء نے ہی کھلایا ہے۔

ہندی شاعری کے مختلف دور میں مسلم شعراء بھی ملتے ہیں جو نام نہاد مسلمان نہیں بلکہ سچے مسلمان تھے جنھوں نے بلا امتیازِ ملت و مذہب ہندی کو اس طرح گلے لگایا کہ ہندی نے انھیں غیر نہیں بلکہ اپنا سمجھ لیا اور آج بھی ان پر ناز کرتی ہے۔ ہندی کے ان مسلمان شعراء نے غیر مسلم بزرگانِ دین و رہنمایانِ مذہب اور دیوی دیوتاؤں کی شان میں نظمیں لکھ کر مذہبی رواداری کا ثبوت دیا ہے۔

۱۔ ویر گاتھا کال:

ہندی کے قدیم دور میں جس کو ویر گاتھا کال کہتے ہیں، ایک طرف شارنگ دھر ہمیر کی بہادری کا گُن گا رہے تھے تو دوسری طرف خسرو میاں دلی میں بیٹھے عوام کی بول چال کی بھاشا میں پہیلیاں اور کہہ مکرنیاں کہہ رہے تھے۔

ایک نار نے اچرج کیا
سانپ مار پنجرے میں دیا

۲۔ (الف) بھگتی کال کی پریم مارگی شاخ:

ہندی شاعری کا دوسرا دور جسے بھگتی کال کہتے ہیں، اس دور میں پریم مارگی شاخ (صوفی مت) کے متعدد مسلم شعراء اپنی ہندی نوازی کا ثبوت دے رہے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) **کُتبن**: یہ چشتی سلسلہ کے شیخ برہان کے مرید تھے۔ انھوں نے جونپور کے بادشاہ حسین شاہ کے زیرِ سایہ سولھویں صدی کے وسط میں چوپائی دوہا کی شکل میں ۹۰۹ھ ہجری میں مرگاوتی نام کی کہانی نظم کی۔

(۲) **منجھن**: مرگاوتی کی طرح انھوں نے مدھومالتی لکھی۔

(۳) **ملک محمد جائسی**: جب بابر کی قوتِ بازو سے حاصل کی ہوئی سلطنت اس کے بیٹے ہمایوں نے کھو دی اور ہندوستان پر شیر شاہ سوری کی حکومت ہو گئی۔ اسی دور میں ہندی شاعری کے آکاش پر ملک محمد جائسی نام کا سورج بڑی ہی آب و تاب سے چمک رہا تھا جس سے تلسی داس نے بھی روشنی حاصل کی۔ ان کی ہندی شاعری کی کتابیں پدماوت، اکھراوٹ اور آخری کلام آج بھی موجود ہیں۔ ان میں سب سے مشہور اور ناقابلِ فراموش پدماوت ہے جو عوام میں بہت مقبول ہوئی جسکو

انھوں نے ۱۵۲۰ء عیسوی کے لگ بھگ لکھا تھا۔ اس کتاب میں داستانِ حسن و عشق بیان کی ہے جس میں تاریخ اور زورِ تخیل دونوں کا حسین امتزاج ہے۔

(۴) **عثمان** : ہندی شاعری کے بھگتی دور کے پریم مارگی سلسلہ کے یہ شاعر غازی پور (یو۔ پی) کے رہنے والے تھے جنھوں نے عہدِ جہانگیری میں ۱۶۱۳ء عیسوی میں چترادلی نام کی کتاب لکھی تھی ان کا تخلص مان تھا۔ انھوں نے پیرایۂ بیان بالکل جائسی کا اپنایا مگر کہانی خود ان کی اپنی کاوشِ فکر تھی۔

(۵) **شیخ نبی** : یہ بھی دورِ جہانگیری کے مشہور و معروف ہندی شاعر تھے۔ وہ جونپور ضلع میں مئو گاؤں کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے بھی ایک بیانیہ نظم "گیان دیپ" لکھی ہے۔

(۶) **قاسم شاہ**: یہ بھی بھگتی دور کے مشہور شاعر تھے جن کا وطن دریاآباد، بارہ بنکی تھا۔ انھوں نے "ہنس جواہر" نام کی کہانی ہندی زبان میں نظم کی ہے۔

(۷) **نور محمد** : دلی کے بادشاہ محمد شاہ کے دور میں نور محمد نام کے ہندی کے مشہور شاعر نے ۱۱۵۷ھ ہجری میں اندراوتی نام کی ایک حسین بیانیہ نظم لکھی۔ اس کے علاوہ ایک تمثیلی نظم "انوراگ بانسری" بھی لکھی۔

۲۔(ب) بھگتی دور کے کرشن بھگت شاعر:

رس خان : اس دور میں بھی ہمیں ہندی کے ایک مسلم شاعر ملتے ہیں جو تبدیلیٔ مذہب کے بغیر کرشن جی سے عقیدت اور گہری محبت رکھتے تھے جنھیں ہندو کرشن بھگتوں میں شمار کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھلے ہی مسلمان رہے ہوں مگر ان کی جذباتی ہم آہنگی، اتحاد اور یگانگت ناقابلِ فراموش ہے۔ ان کا نام رس خان تھا۔ دلی کے پٹھان سردار تھے۔ ان کی مشہور کتاب "پریم باٹیکا" ہے۔ ان کا طرزِ بیان ہندی شاعری کی ایک صنف سویّا ہے جس میں برج بھاشا کی سلاست اور شرابِ محبت کے شیریں چشمے کی روانی ہے۔

۲۔ (ج) دورِ بھگتی کے دیگر مسلم شعراء :

(۱) **جمال** : ان کے عشقیہ اور دیگر مسائلِ زندگی کی پیچیدہ گتھیوں سے متعلق دوہے راجپوتانہ میں بہت مقبول ہیں۔

(۲) **رحیم (عبدالرحیم خانخاناں)** : مغل شہنشاہ اکبر کے اتالیق مطلق سردار بیرم خانخاناں کے بیٹے تھے۔ وہ سنسکرت، عربی اور فارسی کے جید عالم، اکبر کے زمانہ میں سپہ سالارِ اعظم اور وزیر تھے۔ وہ جہانگیر کے دورِ حکومت تک زندہ تھے۔ ہندی کے نکتہ داں شاعر تھے جن کو ہندی زبان پر تلسی داس کی طرح عبور حاصل تھا۔ برج بھاشا اور اودھی دونوں میں مہارت تھی۔ ہندی اصنافِ شاعری کے بروے۔ کبت۔ سویّا اور سورٹھا میں طبع آزمائی کی ہے۔ ان کی مشہور کتابیں ست سئی۔ بربے نائیکا بھید۔ مدن ناشٹک ہیں۔

(۳) **قادر** : ان کا نام قادر بخش تھا۔ یو پی کے ایک ضلع ہردوئی کے ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ ان کے ہندی کلام کا نمونہ دستیاب ہے

(۴) **مبارک** : ان کا نام سید مبارک علی بلگرامی تھا۔ سنسکرت، فارسی اور عربی کے بڑے عالم، ہندی کے جمالیاتی شاعر جنھیں جذبات نگاری میں یدِطولیٰ حاصل تھا۔ محبوب کے سراپا کی مصوری بڑے ہی دلکش انداز میں کرتے تھے۔ ان کی مشہور کتابیں "الک شتک" اور "تل شتک" ہیں۔

۳۔ ہندی کے تیسرے دور "ریت کال" کے مسلم شعراء :

اس دور میں ہندی شاعری پورے شباب پر آچکی تھی۔ جمالیاتی شاعری کا دور دورہ تھا۔ رزمیہ شاعری کا بھی سہارا لیا جاتا تھا۔ اس دور میں بھی مسلم شعراء ملتے ہیں مگر ان میں مشہور حسبِ ذیل ہیں :

(۱) **علی محب خاں** : وہ آگرہ کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے "کھٹمل بائیسی" نام کی مزاحیہ کتاب لکھی ہے۔ ریت کال میں جمالیاتی شاعری کو فوقیت حاصل تھی۔ کبھی کبھی رزمیہ شاعری کا بھی سہارا لیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی اور طرزِ بیان اپنانے کی کسی نے ہمت بھی نہیں کی مگر علی محب خاں کا یہ حوصلہ قابلِ داد ہے کہ انھوں نے مزاحیہ رنگ اپنایا۔

(۲) **عالم** : یہ بھی ریت کال کے ایک اچھے شاعر تھے۔ "عالم کیلی" نام کی کتاب انکی یادگار ہے۔

مگر جب ہم ہندی شاعری کے چوتھے دور پر نظر کرتے ہیں جو دورِ جدید (آدھونک کال) کہلاتا ہے تو ہمیں ندامت ہوتی ہے کہ یہ دور مسلم شعراء سے خالی ہے جبکہ اردو شاعری کے دورِ جدید میں ہندو شعراء کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ کاش یہ دور بھی ہندی کے مسلم شعراء سے خالی نہ ہوتا۔

کتبن، منجھن، جائسی، رحیم اور رس خان
پیدا ہوں اس کال میں بڑھے بھاری شان

تصدق حسین

مہاراشٹر میں ہندی کی ترویج و ترقی

ابھی ہندوستان آزاد نہیں ہوا تھا۔ آزادی کی جدوجہد ہنوز جاری تھی۔ شاعرِ انقلاب لوگوں میں آزادی کا جوش پیدا کرنے کے لئے کہہ رہا تھا:

سنو اے ساکنانِ خطۂ خاک　　صدا یہ آرہی ہے آسماں سے
کہ آزادی کا اک لمحہ ہے بہتر　　غلامی کی حیاتِ جاوداں سے

اور لوگ حصولِ آزادی کے لئے تن من دھن کی بازی لگا رہے تھے کہ آزادی کے علم برداروں کے سامنے ایک اہم سوال پیدا ہوگیا۔ انھیں یقین ہوگیا کہ عنقریب ہندوستان آزاد ہوجائیگا۔ وہ اپنی گردن سے طوقِ غلامی اتار پھینکے گا۔ مگر کیا سیاسی آزادی حاصل کرنے کے بعد بھی وہ انگلستان کی ذہنی غلامی کا شکار رہے گا؟ حصولِ آزادی کے بعد، ایک ایسی زبان کی تلاش تھی جو ہندوستان کی قومی زبان بن جائے۔ اب تک حکومت کی زبان انگریزی تھی۔ سوال یہ تھا کہ کیا کوئی زبان انگریزی زبان کی جگہ لے سکے گی۔

ہندوستان کی تمام زبانوں میں، قومی زبان بننے کی سب سے زیادہ صلاحیت ہندی ہی میں نظر آتی تھی۔ یہ زبان ہندوستان کی مشترکہ زبان کی حیثیت ہی سے عالمِ وجود میں آئی تھی۔ مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے سے قبل بھی، ہندوستان کے ایک علاقے کے لوگ جب دوسرے علاقے کے لوگوں سے ملتے تو اسی زبان میں تبادلۂ خیالات کرتے تھے۔ ابتداء میں یہ صرف بول چال کی زبان تھی۔ جب لکھی جانے لگی تو کچھ لوگوں نے اسے دیوناگری رسم الخط میں قلمبند کیا اور کچھ لوگوں نے عربی رسم الخط میں۔ رسم الخط دو تھے لیکن زبان ایک ہی تھی۔ کچھ لوگ اسے اُردو کہتے تھے اور کچھ ہندی۔ غالب کے خطوط کے دو مجموعے شائع ہوئے۔ ایک کا نام عودِ ہندی ہے اور دوسرے کا اُردوئے معلّٰی۔

سچ تو یہ ہے کہ شمالی ہندوستان میں ہندو اور مسلمان دونوں کی زبان ایک تھی۔ ۱۸۰۲ء میں انگریزوں نے فورٹ ولیم کالج میں کچھ ایسی کتابیں لکھوائیں جن میں عربی، فارسی الفاظ کی بہتات تھی۔ انھیں فارسی رسم الخط میں لکھوایا گیا اور یہ اردو کی کتابیں کہلائیں۔ کچھ کتابوں میں سنسکرت الفاظ کی کثرت تھی اور دیوناگری رسم الخط میں لکھوائی گئی تھیں۔ انھیں ہندی کا نام دیا گیا۔ ہندوستانی عوام انگریزوں کے ممنون تھے کہ انھوں نے اس بول چال کی زبان میں کتابیں لکھوائیں۔ مگر سو سوا سو سال بعد جب آزادی کی تحریک عروج پر تھی، لوگوں نے محسوس کیا کہ ہندی اور اردو دو جداگانہ زبانیں بنتی جارہی ہیں

مہاتما گاندھی نے جو تمام ہندوستانیوں کو ہر طرح متحد اور متفق دیکھنا چاہتے تھے اس خطرے کو محسوس کیا۔ انھوں نے اس زبان کو رائج کرنے کا فیصلہ کیا جو دلی کے گرد و نواح کے عوام کی زبان تھی۔ نہ شدھ ہندی تھی اور نہ فارسی آمیز اردو۔ اردو اور ہندی کے جھگڑے سے بچنے کے لئے انھوں نے اس زبان کا نام ہندوستانی رکھا۔ گاندھی جی نے اس زبان کی خدمت کا کام پیرین کیپٹن کے سپرد کیا جو دادا بھائی نوروجی کی پوتی تھیں اور خود بھی جنگ آزادی میں شریک تھیں۔ انھوں نے اس زبان کی ترویج و اشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا اور تادم زیست اس کی خدمت میں مصروف رہیں۔ مہاتما گاندھی کی یہ دلی آرزو تھی کہ یہ مشترکہ زبان جو ہندوؤں اور مسلمانوں کا ورثہ ہے' ہندوستان کی قومی زبان بن جائے۔

مہاراشٹر کے عوام آزادی کی تحریک میں بھی پیش پیش تھے۔ اس زبان کی ترویج و اشاعت میں بھی انھوں نے اپنی روایات کو قائم رکھا۔ آزادی سے قبل ہی مہاراشٹر میں غیر سرکاری ہندی کے اداروں نے اپنا کام نہایت جوش و خروش کے ساتھ شروع کر دیا۔ ہندی راشٹر بھاشا سمیتی اور ہندوستانی پرچار سبھا کے پرچارک رضاکارانہ طور پر' لوگوں کو ہندی کی تعلیم دینے لگے۔ ہندی کی ان کلاسوں میں شریک ہونے والوں میں ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی' عیسائی بھی اور پارسی بھی۔ یہ کلاسیں قومی یکجہتی کا نمونہ بن گئی تھیں ہر سال ان سنستھاؤں کے امتحانوں میں سیکڑوں اور ہزاروں لوگ شریک ہوتے اور ہندی کی سندیں (سرٹیفکیٹ) حاصل کرتے۔ ہندوستانی پرچار سبھا کے طلبہ اور طالبات کے لئے دیوناگری رسم الخط اور فارسی رسم الخط دونوں کا جاننا ضروری تھا۔ اس وقت کے لوگ اپنے شوق سے ان امتحانات میں شریک ہوتے تھے۔ اس زمانہ میں ہندی کے امتحانات پاس کرنے کے بعد انھیں کوئی مالی فائدہ نہیں پہنچتا تھا' مگر وہ جانتے تھے کہ ہندی سرکاری زبان بننے والی ہے۔ حکومت کے کاروبار اس زبان میں انجام پائیں گے۔ اس میں مہارت حاصل کرنا ان کے لئے نہایت ضروری ہے۔

آزادئ ہند کے بعد لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اب وہ دن دور نہیں جب یہ زبان قومی زبان قرار دی جائے گی' اور ہوا بھی ایسا ہی ۱۹۵۰ء میں دستور ساز اسمبلی نے اسے قومی زبان قرار دے دیا۔ حکومت مہاراشٹر نے فوراً احکام جاری کر دئے کہ تمام سرکاری ملازمین کے لئے اس زبان سے واقفیت ضروری ہے۔ جب تک سرکاری عہدیدار ہندی سے واقفیت کا سرٹیفکیٹ نہ پیش کرتے ان کی تنخواہوں میں اضافۂ تدریجی (انکریمنٹ) نہیں ہوتا تھا اور ان کی ترقی رک جاتی تھی۔ اب مالی منفعت کی خاطر بھی لوگ ہندی کلاسوں میں شریک ہو کر ان کے امتحان پاس کرنے لگے۔

بمبئی میونسپل کارپوریشن کے مدرس جب ہندی امتحان پاس کر لیتے تو ان کی تنخواہوں میں پانچ روپے کا اضافہ ہو جاتا تھا۔

ہندی کا گیان قومیت کو اجاگر کرتا ہے'
اور ہندی دوسری زبانوں کے مقابلے میں
راشٹر بھاشا بننے کے زیادہ قابل ہے۔
مختلف زبانیں اپنے اپنے علاقوں میں اہم
رہیں گی لیکن بھارت کے اتحاد کیلئے
ہندی کو ہی راشٹر بھاشا ہونا چاہئے۔

پنڈت جواہر لال نہرو

پھر' ہندی کی تعلیم پڑھے لکھے بالغوں تک ہی محدود نہیں رہی۔ حکومت مہاراشٹر نے ہندی کو ہائی اسکولوں کے نصاب میں شامل کر دیا۔ پانچویں جماعت سے ہر اسکول میں یہ زبان پڑھائی جانے لگی۔ پانچویں کے طلبہ جب گیارہویں جماعت میں پہنچے تو ہندی ان کے لئے ایک اختیاری نہیں لازمی مضمون تھا۔ اب ہر سال صرف مہاراشٹر سے ہزاروں طلبہ ہندی کی سندیں حاصل کرنے لگے۔ ہر سال ایس۔ ایس۔ سی۔ کے طلبہ کی تعداد بڑھتی گئی اور اسی کے ساتھ ہندی جاننے والوں کی۔

ہائی اسکولوں کے بعد اپنی حکومت نے کالجوں میں بھی ہندی کی تعلیم کو لازمی قرار دے دیا۔ اس سے ہندی کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی۔ حکومت مہاراشٹر کے نزدیک ہندی کو کس قدر اہمیت حاصل تھی اس کا اندازہ صرف ایک بات سے کیا جا سکتا ہے۔ حکومت نے جب محسوس کیا کہ ایک طالب علم کے لئے اپنی مادری زبان کے علاوہ بیک وقت دو دو زبانوں کا سیکھنا نہایت مشکل ہے تو حکومت نے پانچویں' چھٹی اور ساتویں جماعت میں انگریزی کی تعلیم بند کر دی تاکہ طلبہ ہندی کو زیادہ وقت دے سکیں اور وہ اس زبان میں اچھی خاصی مہارت حاصل کر سکیں۔

مرہٹی کو سرکاری زبان قرار دینے کے بعد یہ اندیشہ ہوا کہ شاید ہندی کی اہمیت کم ہو جائے گی۔ اس کا تدارک یہ کیا گیا کہ غیر ہندی مدرسوں میں ہندی کی تعلیم لازمی قرار دی گئی۔

مہاراشٹر کی حکومت تو اس زبان کی سرپرستی کر ہی رہی تھی' یہاں کے عوام نے بھی اس زبان کی خوب سرپرستی کی۔ نیو تھیٹرز جیسی فلم کمپنیوں کے بند ہو جانے کے بعد' بمبئی فلم سازی کا سب

سے بڑا مرکز بن گیا - یہاں بے شمار فلمیں بننے لگیں - اِن فلموں میں سوائے معدودے چند کے تمام فلمیں ہندی زبان کی ہوتی تھیں فلموں میں جو زبان استعمال کی جاتی ہے وہ زیادہ تر عام فہم ہوتی ہے - ہندی کی فلمیں ہندوستان بھر میں سب سے زیادہ مقبول ہوئیں اور فلموں کی وجہ سے مہاراشٹر کے عوام کی سب سے بڑی اکثریت جن کی زبان ہندی نہیں ہے' ہندی خوب اچھی طرح سمجھنے لگے - ہندی کو عوام میں مقبول بنانے میں صنعتِ فلم سازی نے بھی ایک اہم کردار ادا کیا - فلموں کے علاوہ ہندی کے کوی سمّیلن اور اردو کے مشاعرے بھی ہندی زبان کی ترویج کا باعث ہیں -

یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ گزشتہ پچیس سال میں ہندی کو مہاراشٹر میں کس قدر فروغ حاصل ہوا ہے - اس وقت بمبئی سے ہندی زبان میں نو بھارت ٹائمز اور دینک وِشومتر جیسے کثیرالاشاعت روزنامے شائع ہو رہے ہیں - ہفتہ وار پرچوں میں دھرم یُگ اور بلٹز اور پندرہ روزہ پرچوں میں ساریکا جیسے پرچے شامل ہیں - ماہوار رسالوں میں پراگ کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہے -

ہندی کے اداروں میں' بمبئی ہندی ودیا پیٹھ کے امتحانوں میں ہر سال تقریباً ۲۵ ہزار طلبہ شریک ہوتے ہیں اور راشٹر بھاشا سبھا کے امتحانوں میں تقریباً ایک لاکھ - بمبئی پرانتیہ راشٹر بھاشا سبھا وردھا کے امیدواروں کی تعداد تو دو لاکھ تک پہنچ جاتی ہے - ان کے علاوہ اور ادارے بھی ہندی کی ترقی میں کوشاں ہیں -

غرض جس طرح ہندی کی ترقی و ترویج کا کام مہاراشٹر میں ابتک ہوتا رہا ہے اسی رفتار سے یہ کام جاری رہا تو وہ دن دور نہیں جب ہندی اس عظیم ملک میں اس مقام پر نظر آئے گی جسکی وہ مستحق ہے اور جسکا خواب مہاتما گاندھی نے برسوں پہلے دیکھا تھا -

شرف کمالی

امرت بانی' پریم کی بھاشا
سنت مہنتوں کی ابھلاشا

من بھاؤں کے اپنے اُتّر
سنت کبیرؔ کے دوہے سُندر

سُور کے پد، تُلسی کے ترانے
گیان ہو جس کو وہی کچھ جانے

پھار اُچھارت سیس پہ لیتا
سندیش اک گجراج ہے دیتا

دوہے رحیمؔ کے یہ سُندر[1]
سرتاسر بھگتی کے منتر

بھاشا کا اتہاس عجب ہے
اس میں کوئی غیر ہی کب ہے

بھاشا، بھاشا میں کیا انتر
اُردو' ہندی دونوں سُندر

دونوں بہنیں ایک ہی گھر کی
ٹھنڈک دونوں قلب و جگر کی

اردو کے اربابِ ہُنر سب
غالبؔ و مومنؔ' ذوقؔ و ظفرؔ سب

جوشؔ و جگرؔ مخدومؔ ہمارے
بھاشا کے پرچارک سارے

اُپدیشک اقبالؔ بڑا ہے[2]
باتوں میں من موہ لیتا ہے

بن تو گیا گفتار کا غازی
بن نہ سکا کردار کا غازی

جتنے بڑے وِدوان گئے ہیں
ہندی کو پہچان گئے ہیں
اِس کا لوہا مان گئے ہیں!!

(1) رحیم کا دوہا — پھار اُچھارت سیس پہ کہو رحیم کہی کاج ؛ جہی رج مُنی پتنی تری تہی کھوجت گج راج
ترجمہ: اے رحیم! ہاتھی اپنے سر پر خاک کیوں اُڑا رہا ہے؟ کیا اُسے اُس خاک کی تلاش ہے۔ (رامچندر جی کے قدموں کی خاک جس کے چھو لینے سے اہلیا پتھر سے پھر انسانی شکل میں آئی تھی)

(2) اقبالؔ کا مشہور شعر — اقبال بڑا اُپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے ؛ گفتار کا غازی بن تو گیا کردار کا غازی بن نہ سکا

ھندی کا ایک قومی شاعر

رام دھاری سنگھ "دِنکر"

ہندی شاعری کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ دورِ جدید میں ہندی کی قومی شاعری نے جسمیں قوم پرستی اور حب الوطنی کا دریا موجیں مار رہا ہے ابتک تین منزلیں طے کی ہیں۔ اس کی پہلی منزل وہ تھی جب کہ بھارتندو ہریشچندر نے عیش وعشرت کے خلوت کدوں اور حسن وجمال کے کنجوں کو چھوڑکر ملک کی بدحالی کی طرف بھیگی پلکوں سے دیکھا تھا۔ دوسری منزل میتھلی شرن گپت نے طے کرائی جبکہ اس نے زمانہ حال کی مجبوریوں کے ساتھ ساتھ عظیم الشان ماضی کی یاد تازہ کرائی۔ تیسری منزل وہ ہے جب وہ دنکر کی انگلی پکڑے آگے بڑھی اور ناانصافی ظلم وستم، سیاسی غلامی اور معاشی استحصال کے خلاف ببانگ دہل نعرۂ انقلاب بلندکیا۔

حریت وآزادی کے نغمہ خواں رام دھاری سنگھ دنکر کی پیدائش مونگیر ضلع کے سمریا گاؤں میں ایک بہت ہی معمولی کسان خاندان میں ۳۰ر دسمبر ۱۹۰۸ء کو ہوئی۔ ان کی ابتدائی تعلیم گاؤں کی پاٹھ شالہ اور اس کے بعد "موقاما" ہائی اسکول میں ہوئی اور ناموافق حالات سے لڑتے ہوئے میٹرک کا امتحان پاس کرلیا۔ پھر پٹنہ کالج سے ۱۹۳۲ء میں انھوں نے تاریخ میں اعزاز کے ساتھ بی۔اے۔ پاس کیا۔ ۱۹۵۲ء میں وہ مرکزی حکومت کی ہندی کمیٹی کے مشیرکار کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔

دِنکر مرکزی حکومت اور ریاستی حکومتوں سے متعدد بار انعامات حاصل کر چکے ہیں۔ انھیں حکومتِ ہندنے پدم بھوشن کے خطاب سے نوازا بھاگلپور یونیورسٹی نے ڈی۔لٹ کی اعزازی ڈگری سے اعزاز بڑھایا۔ ان کی کتاب "سنسکرت کے چار ادھیائے" سال کی سب سے اعلیٰ تصنیف کی حیثیت سے ساہتیہ اکاڈمی سے انعام حاصل کرچکی ہے۔ دِنکرنے پولینڈ کے قومی شاعر "متس کیوچ" کے جشنِ صدسالہ کے موقع پر سب ہندوستانی زبانوں کی نمائندگی کی تھی۔ بھارتی گیان پیٹھ نے ان کی مقبول عام بیانیہ نظم 'اُروشی' پر ایک لاکھ روپے کا 'گیان پیٹھ انعام' دےکر خراجِ عقیدت پیش کیا۔

دِنکر جذبۂ قومی کے ایک بےمثال نغمہ خواں ہیں۔ خاص طور سے دورِ غلامی میں ہم پر جو ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے، دنکر کے اندر چھپے ہوئے شاعرنے شدت سے اس کا احساس کیا اور اپنی شعلہ بیانی سے اس کی بیخ کنی کرنے کی کوشش کی۔

اقبال احمد شیخ
ایم۔اے۔ بی۔ایڈ

یوں تو جابر وقاہر حکومت کی بدعنوانیوں کی انگشت نمائی بھارتندو اور میتھلی شرن گپت کے یہاں پائی جاتی ہے مگر وہ جوش وخروش اور شدت جو دنکر کی شاعری کا نمایاں وصف ہے ان میں کہاں؟ دنکر کا حساس شاعرانہ دل فکر وعمل کا بہت بڑا نقیب ہے۔ زمانہ کا کوئی بھی صدمہ وحادثہ ایسانہیں جس کے ردِعمل کے نتیجے میں وہ پھوٹ نہ پڑا ہو۔ دورِ غلامی میں اس نے "ہمالیہ" کے پردے میں ملک کے نوجوانوں کو غلامی کی زنجیر توڑ پھینکنے کے لئے للکارا۔

لے انگڑائی اُٹھ ہلے دھرا، کرنج وراٹ سور میں نناد
توشیل رلٹ! ہنکار بھرے پھٹ جائے کُہا بھاگے پرماد

اور پھر پرنس آف ویلس کے استقبال میں نئی دلی کی سجاوٹ کو دیکھ کر اس کی سخت مذمت کی تھی:

ویبھو کی دیوانی دلّی
کرشن میدھ کی رانی دلّی
وہ دن ہی کے بال ڈانس میں ناچ ہوئی بے پانی دلّی
کیسی یہ نبلج نگنتا، کیسی یہ نادانی دلّی

پھر حصولِ آزادی کے بعد جب چند تنقید نگاروں کا خیال تھا کہ دنکر کی شاعری اپنی موت آپ مر جائے گی۔ چینی حملہ کی بربریت سے متاثر ہوکر پھر اسکے عزم وحوصلہ کی گھن گرج سنائی دینے لگی۔

یہ نہیں شانتی کی گُپھا یُدھ ہے رن ہے
تپ نہیں، آج کیول تلوار شرن ہے

للکار رہا بھارت کو سویم مرن ہے
ہم جیتیں گے یہ سمر ہمارا پرن ہے

دِنکر کا نقطۂ نظر اصلاحی نہیں انقلابی ہے۔ وہ انقلاب کے پجاری ہیں۔ چونکہ انقلاب کے لئے قوتِ بازو اور زورِ شمشیر اشد ضروری ہے اسی لئے دنکر تشدد کو بڑی حد تک ناگزیر سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں عبادت و ریاضت، رقیق القلبی، توبہ و استغفار، عجز و انکساری وغیرہ انسان کی انفرادی زندگی کے قابلِ تعریف اوصاف ہیں مگر جب پوری قوم یا جماعت کی بات آجائے تو ہمیں ان اوصافِ حمیدہ کو بالائے طاق رکھ کر درندگی کا مقابلہ درندگی سے کرنا پڑتا ہے۔ تشدّد کی حمایت کے دشتِ جنوں میں دنکر کا قدم پیکِ جہاں پیما کا قدم دکھائی دیتا ہے جس کی گردِ راہ کو بھی بہت سے لوگ نہ پا سکے۔ دنکر ان کو لعنت و ملامت کرتے ہیں جو تلوار کو پگھلا کر اس کے فولاد سے تکلی گھڑنے کا سبق دیتے پھرتے ہیں۔ عدم تشدد اور قوت کی حفاظت کے لئے قوتِ بازو ضروری ہے۔ شاعر نے ہند چین جنگ میں ملک کی شکست کا ذمّہ دار ان عدم تشدد کے ماننے والوں کو ٹھہرایا ہے۔ شاعر اہلِ وطن کو للکار کر کہتا ہے۔

ایک ہی پنتھ اب بھی جگ میں جینے کا
ابھیاس کرو چھاگیو رکت پینے کا

عملی زندگی میں دنکر کی ہمدردی غریبوں اور ٹھکرائے لوگوں کے ساتھ ہے۔ جب وہ ایک طرف امیروں کے کتّوں کو شاہی کھانا تناول فرماتے اور دوسری طرف کسانوں کے بچّوں کو ماں کی سوکھی چھاتیوں کو چوستے ہوئے اور سردی کی راتوں میں ٹھٹھر ٹھٹھر کر جان گنواتے دیکھتے ہیں تو ان کا خون کھول اٹھتا ہے اور وہ اس سرمایہ دارانہ نظام کو نیست و نابود کرنے کے لئے تڑپ اٹھتے ہیں :

ہو ویوم کے میگھ پنتھ سے سورگ لوٹنے ہم آتے ہیں
دودھ دودھ او وتس! تمہارا دودھ کھوجنے ہم جاتے ہیں

دِنکر خاص طور سے قطعات کے شاعر ہیں۔ ان کی زیادہ تر مشہور نظمیں قطعات کی شکل میں ہی ہیں۔ ان میں جوشِ جنوں کے عنصر کی مقدار اتنی زیادہ ہے کہ وہ بیانیہ نظموں کے اصول و قواعد میں مقید ہوکر بہت دور تک نہیں چل سکتے۔ پھر بھی انھوں نے تین بیانیہ نظمیں "کورکشیتر" "رشمی رتھی" اور "اروشی" کی بھی تخلیق کی ہے۔ کورکشیتر میں شاعر نے جنگ کے مسائل پر تاریخ کی روشنی میں غور و خوض کیا ہے۔ 'اروشی' میں دنکر نے نفس پرستی اور روحانیت کے درمیان حدِ اعتدال قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ زندگی میں نفس پرستی اور شہوانیت کا کیا مقام ہے۔ عشقِ مجازی کی راہ پر چل کر روحانیت اور حقیقت کی منزل تک پہنچا جا سکتا ہے یا نہیں! اس اہم نکتہ کو اروشی میں بڑی جاندار، مصورانہ اور تاثراتی زبان میں پیش کیا ہے۔ اروشی کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ اس میں جاندار و صحت بخش زبان کا زورِ ارتقا کی آخری منزل کو چھوتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس زاویۂ نظر سے دنکر کی اروشی 'جے شنکر پرساد کی' کامائنی سے بھی آگے کی کوئی شے اور پورے موجودہ ہندی ادب میں بے مثال ہے۔

دنکر ملکی اور غیر ملکی شاعری کی ترقی سے روشناس ایک بیدار مغز شاعر ہیں۔ وقت کی ہر پکار نہ صرف ان کے کانوں تک پہنچتی ہے بلکہ ان پر اس کا کچھ نہ کچھ ردِعمل بھی ضرور ہوتا ہے۔ اس بیداریٔ دماغ نے انھیں جدید ادبی تحریکوں کا صورِ اسرافیل سننے پر مجبور کر دیا ہے اور حقیقی شاعری کی تلاش میں قومیت سے بین الاقوامیت کی طرف گامزن ہوگئے ہیں۔

••

علاقائی زبانیں تو اپنی اپنی جگہ پر رہیں گی ہی۔ ہندی کا استعمال ایسی جگہوں پر لازمی ہوگا جہاں الگ الگ ریاستوں کے اور الگ الگ زبانیں بولنے والے لوگ اکٹھا ہوں گے اور کسی مشترک موضوع پر گفتگو کریں گے۔

ظاہر ہے کہ وہی زبان راشٹر بھاشا ہوسکتی ہے جسے شمالی ہند کے لوگ آسانی سے سمجھ لیتے ہیں۔ اس زبان کو ہم ہندی کہتے ہیں۔ جہاں کی یہ زبان نہیں ہے وہاں بھی ایسے لوگوں کی تعداد کافی ہے جو اِس زبان کو سمجھ اور بول لیتے ہیں۔ اس میں اتنی گنجائش اور لچک ہے کہ وہ ہر قسم کے جذبات اور خیالات کو آسانی سے ادا کر سکتی ہے۔

ڈاکٹر راجندر پرساد

نئے چمن میں نئے پھول مسکراتے رہیں

ستارہ جعفری

یہ ایک عام محاورہ ہے کہ جب کسی کی بات وار گذرتی ہے تو کہتے ہیں دل ٹکڑے ٹکڑے گیا۔ میں اپنے بچپن میں جب یہ الفاظ سُنتی تھی سوچتی تھی یہ دل کیسے ٹکڑے ہو جاتا ہے لیکن ۱۹۴ء میں یہ بات سمجھ میں آگئی کہ واقعی دل کے ی ٹکڑے ہو سکتے ہیں اور وہ بکھر بھی جاتے ہیں۔

ہندوستان اور پاکستان دو ملک بننے کے ہ زمین، جائداد اور انسان ہی نہیں بلکہ در یقت ہمارے دل بھی بٹ گئے۔ والدین یہاں ، گئے، اولاد پاکستان چلی گئی۔ خاندان کے کچھ راد یہاں آگئے تو باقی وہاں رہ گئے اور پھر میان میں وہ آہنی دیواریں حائل ہوئیں کہ ملنا درکنار ہم ایک دوسرے سے خط وکتابت ے لئے بھی ترس گئے۔ مگر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ وہ آہنی دیواریں اب موم کی طرح نرم ہو ہی ہیں اور میل ملاپ کی باتیں شروع ہوگئی ہیں۔ جھے یقین ہے کہ وہ دن اب بڑی جلدی آجائیگا ب ہمارے درمیان کوئی پابندی نہیں ہوگی - ہم چھے پڑوسی ہوں گے جو ایک دوسرے کی ہر مصیبت ں کام آئیں گے اور خوشیوں میں شریک ہوں گے۔

میری ایک دوست ہیں کنور جیت۔ اُن میں ے ہر وقت محبت کے فوارے سے چھوٹتے ہیں۔ ن کے شوہر انجینئر ہیں اور دو پھول سے پیارے یارے بچے ہیں۔ ہر طرح سے خوشحال ہیں۔ اُن ہ خدا نے ہر نعمت دے دی ہے۔ جب بھی ملتی یں وہ بات چیت کے درمیان اپنے اس پنجاب کے حسن کا ذکر ضرور کرتی ہیں جو اب پاکستان میں شامل ہے اور ساتھ میں اپنے وہاں کے دوستوں کو بھی یاد کرتی ہیں لیکن سب سے زیادہ ذکر اپنی بچپن کی سہیلی زینب کا کرتی ہیں بلکہ کبھی کبھی تو وہ مجھے بھی زینب کہہ کر مخاطب کرتی ہیں پھر کہتی ہیں مجھے تمہاری محبت میں زینب کی جھلک نظر آتی ہے اس لئے یہ نام منہ سے نکل جاتا ہے۔ ابھی دو تین ماہ قبل کی بات ہے۔ ایک روز ملیں تو بے حد اُداس نظر آئیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ابھی رو چکی ہیں۔

"کیا بات ہے کنور! کیوں فکر مند ہو؟ تمہیں تو خدا نے ہر خوشی سے نوازا ہے۔"

"ہاں: بھگوان نے مجھے سب کچھ دیا ہے مگر تمہیں نہیں معلوم کہ ان دنیا والوں نے مجھ سے ایک بہت ہی عزیز شئے چھین لی ہے جو مجھے اب کبھی نہیں مل سکتی۔"

"وہ کیا چیز ہے؟" میں نے تعجب سے پوچھا کنور کی بڑی بڑی نرگسی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ "دیکھو آدمی کے انگ کا ایک حصّہ کاٹ دیا جائے تو کچھ روز بعد زخم بھر جاتا ہے مگر میرا زخم تو ستائیس سال گزرنے کے بعد بھی نہیں بھرا بلکہ روز بروز بڑھتا ہی جاتا ہے۔"

میں سمجھی یہ کسی سے محبت کرتی تھی اور شادی مرضی کے خلاف ہو گئی۔

"کیا تم اپنے شوہر سے خوش نہیں ہو؟" میں نے پوچھا۔

"میرا شوہر تو دیوتا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"پھر کیا بات ہے جو تم روئی ہو؟"

"آج اپنے پنجاب کی یاد بہت ستا رہی ہے میں نے تمہیں بتایا تھا کہ تقسیم سے قبل ہم لاہور کے قریب ایک جگہ ہے شیخوپورا، وہاں رہا کرتے تھے۔ میرا اور زینب کا گھر اسی طرح پاس پاس تھا جیسے ہم اور تم رہتے ہیں۔ زینب میری بچپن کی سہیلی ہے اور ہمارے درمیان مذہب کا کوئی فرق نہیں تھا۔ میں اُس کے باپ سے ابا جان کہتی تھی اور وہ میرے باپ سے پتاجی کہتی۔ ہم ایک تھالی میں کھاتے تھے۔ ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے اور عید۔ دیوالی بھی ساتھ ساتھ مناتے تھے۔ کالج میں داخلہ لیا ہی تھا کہ حالات پلٹ گئے اور میں یہاں آگئی۔ وہ وہاں رہ گئی۔ ہمارے درمیان جو فاصلہ تھا اس کو بہت کچھ خطوط نے کم کر دیا تھا مگر پھر وہ بھی آنے جانے بند ہو گئے۔ آج کل زینب کسی کام سے لندن آئی ہوئی ہے۔ وہاں سے اُس نے مجھے خط لکھا ہے۔ اُس کو پڑھ کر میں بہت دکھی ہوگئی ہوں۔ لو زینب کا خط تم بھی پڑھ لو۔"

میں نے وہ خط کھول کر دیکھا۔ زینب نے اس طرح شروع کیا تھا:

از لندن

۲۸ ستمبر ۱۹۶۲ء

پیاری بہت پیاری کنورجیت

جب بھی کھل اُٹھتے ہیں تنہائی میں یادوں کے کنول
جگمگاتا ہے ترا پھول سا چہرہ کیا کیا

میں ان دنوں کسی کام سے لندن آئی ہوئی ہوں تو پہلی فرصت میں تمہیں خط لکھ رہی ہوں۔ اُف کتنے برس گذر گئے کہ ہم ایک دوسرے کی تحریر کے لئے بھی ترس گئے ہیں۔

ستائیس سال میں یاس کی طوفانی موجوں میں آس کا بیڑا ڈوب گیا تھا مگر یہاں آنے پر یادوں کی کشتی پھر اُبھر آئی ہے۔ تم بے حد یاد آتی ہو۔ اب تو خدا وہ دن جلد لائے کہ ہم پھر ملیں۔ ابھی تک تو ہم خط بھی نہیں لکھ سکتے اگر خط وکتابت ہی ہوتی تو وہ مختصر یا طویل خط سچے پیار کی دولت دینے والے، مسرت آفریں احساس دلانے والے کچھ تو ہماری زندگی میں اُمید کے دیئے روشن کرتے۔ ہائے میرے اللہ! کتنا عرصہ گذر گیا۔ آس بندھ بندھ کر ختم ہو جاتی ہے۔ کبھی تصور میں بھی نہیں تھا کہ ہم اور تم اس طرح الگ الگ ہو جائیں گے۔

اب تو ہمارے یہاں کی دنیا ہی بدل گئی۔ جو بچّے تھے وہ ماشاءاللہ جوان ہو گئے بلکہ کچھ تو بیوی بچّوں والے ہو گئے۔ تم اب دیکھو تو پہچان بھی نہ پاؤگی۔ ہاں کچھ بچّے نئے ملیں گے، لیکن ہمارے تمہارے سینے میں جو دل دھڑک رہے ہیں وہ اب بھی وہی ہیں۔ ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔

پیاری کنورجیت! اب کچھ اپنے شیخوپورا کا حال بھی سُن لو۔ تم لوگوں کے جانے کے بعد اب تمہارے گھر میں یو۔پی۔ کا ایک مسلم خاندان رہتا ہے۔ اُن کی ایک لڑکی تمہاری ہم عمر ہے اور اس کا نام بھی تمہارے نام کے پہلے حرف سے شروع ہوتا ہے، یعنی کنیز فاطمہ۔ میں نے کنیز سے بہت دوستی بڑھالی تھی کیونکہ تمہارا کمرہ جس میں ہم دونوں مل کر رہا کرتے تھے اور ساتھ پڑھتے تھے وہ کنیز کے حصّے میں آیا تھا۔ میں نے کنیز کو مشورہ دے کر بالکل اُسی جگہ پڑھنے لکھنے کی میز لگوائی جہاں پر تمہاری تھی اور تمہاری ہی جگہ پر میں نے اُس کا پلنگ بچھوایا۔ جو رنگ تمہیں پسند تھا اُسی رنگ کے پردے ڈلوائے تھے۔ اب جب میں اُس کمرے میں جاتی ہوں تو دماغ کو تھوڑا سا سکون مل جاتا ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کنیز کے روپ میں میری کنور رانی بیٹھی ہوئی ہے ورنہ تمہارے جانے کے بعد میری زندگی تو بالکل اُجڑ گئی تھی۔ ابھی کچھ عرصہ ہوا کنیز کی شادی ہو گئی اور وہ دوسری جگہ چلی گئی۔

ہاں! ایک قصہ اور سنو۔ کنیز کا بھائی اختر تین چار سال قبل ہندوستان گیا تھا۔ یہ لوگ آگرہ کے رہنے والے ہیں۔ وہاں ان کے باپ دادا کا بنوایا ہوا گھر ہے اور ایک جگہ ہے جو قاضی صاحب کا مزار کہلاتی ہے۔ وہاں ان کے بزرگوں کی قبریں ہیں۔ اختر کو تاج محل دیکھنے کا بھی اتنا شوق نہیں تھا جتنا وہ اپنا گھر دیکھنے اور اپنے بزرگوں کی قبروں پر فاتحہ پڑھنے کیلئے بے چین تھا۔

وہاں سے واپس آکر بتا رہا تھا کہ میں نے جب آگرہ میں اپنے گھر کی کنڈی کھٹکھٹائی تو ایک صاحب نکل کر آئے۔ یہ سندھی تھے۔

"آپ کو کس سے ملنا ہے؟" انھوں نے مجھ سے پوچھا۔

"میں پاکستان سے اس گھر کے دیکھنے کے شوق میں آیا ہوں۔ کبھی یہ ہمارا تھا۔ کیا آپ مجھے ایک نظر دیکھنے کی اجازت دیں گے؟ اب تو یہ آپ کا ہے۔"

"ضرور ضرور۔ اندر آجاؤ۔ اب بھی اس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھو۔" پھر انھوں نے پورا گھر دکھایا دالان میں تخت ویسے ہی بچھے ہوئے تھے جیسے ہم چھوڑ کر گئے تھے۔

انہوں نے کہا: "ہم نے آپ کے گھر کو خراب نہیں کیا۔ ہاں اپنی ضرورت کے مطابق کچھ تبدیلی ضرور کرلی ہے۔" پھر انھوں نے بڑے اصرار سے کھانا کھلایا اور بتایا کہ سندھ میں ہم بھی اپنا گھر چھوڑ آئے ہیں۔

کنور پیاری! یہ بتاؤ دونوں جگہ کے لوگوں کے دلوں میں جب یہ پیار اور محبت کا جذبہ موجود ہے تو پھر یہ ہمارے اور تمہارے درمیان دیواریں کیوں کھڑی ہیں؟

اب تو کچھ حالات بہتر ہونے کی امید ہے شاید میری واپسی تک ڈاک آنی جانی شروع ہو جائے۔ تم دونوں کیسے ہو؟ ان دیکھے بچّوں کو میری جانب سے بہت سا پیار۔

تمہاری زینب

۱۵ر اکتوبر سے ڈاک کی پابندی ختم ہو گئی۔ کنور نے بیحد خوبصورت عید کارڈ خرید کر زینب کو بھیجا۔ پھر دیوالی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ دیوالی ہندوستان کا بہت خوبصورت تیوہار ہے۔ سب گھروں کے بام و در چراغوں سے روشن ہو جاتے ہیں۔ ہندو اُس رات لکشمی پوجا بھی کرتے ہیں اور اُن کا عقیدہ ہے کہ لکشمی دیوی آتی ہے۔ لیکن اس سال ہندوستان میں لکشمی اپنے ساتھ امن اور محبت کی دیوی کو بھی لائی ہے۔ خدا کرے ان چراغوں کی روشنی دونوں ملکوں کو منوّر کردے۔

میں بمبئی سے باہر چلی گئی تھی۔ دیوالی کے کچھ روز بعد جب نئے سال کی مبارکباد دینے میں کنور کے پاس گئی تو وہ مجھے غیر معمولی طور پر خوش نظر آئی۔ دوڑ کر میرے گلے سے لپٹ گئی۔

" دیکھو یہ دیوالی کتنی مبارک ہے۔ ابھی ابھی میرے پاس زینب کا بھیجا ہوا دیوالی کارڈ آیا ہے۔ برسوں بعد ہم ایک دوسرے کی خوشی میں شریک ہوئے ہیں۔ زینب نے عید کارڈ کا شکریہ بھی ادا کیا ہے۔ وہ بڑی جلدی جلدی بول رہی تھی۔ دیکھو تو اس پر شیخو پورا کی مُہر ہے اور وہیں سے اُس نے بھیجا ہے!" یہ کہتے ہوئے کنور نے میرے ہاتھ سے کارڈ چھین کر بے تابی سے چوم لیا۔

" بھگوان! میری زینب اور میرا پنجاب دونوں آباد رہیں!"

" ارے مجھے یہ دیوالی کارڈ تو دیکھنے دو!" میں نے کنور سے کہا۔

اُس نے خوشی سے جھومتے ہوئے میرے ہاتھ میں دے دیا۔ بیحد خوبصورت کارڈ تھا، جو معلوم ہوتا تھا زینب نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا۔ کارڈ کے چاروں طرف ننھے ننھے چراغ بنے ہوئے تھے اور درمیان میں زینب نے اپنی تصویر لگا دی تھی۔ تصویر کے اوپر ایک مصرع لکھا ہوا تھا۔

آپ کے سامنے گر میں نہیں تصویر تو ہے

کنور نے پھر بیتاب ہو کر میرے ہاتھ سے کارڈ لے لیا۔ دیکھو میں نے اس مصرع کے جواب میں لکھا ہے:

ایک تیری خاموشی سے مجھ کو ہوتا ہے ملال
ورنہ سب باتیں پسند آئیں تری تصویر کی

پھر انہوں نے مجھے ایک خوشخبری اور سُنائی کہ اب گرو نانک جی کے جنم دن پر ننکانہ صاحب جانے کی پاکستان نے اجازت دیدی ہے اور بمبئی سے بھی سکھ جا رہے ہیں۔ میری ماں نے اپنے ایک جانے والے کو تھوڑے سے گیندے کے بیج دیئے ہیں اور کہا ہے۔

" بیٹا! جب تم سرحد پار کرو تو ان بیجوں کو وہاں بکھیر دینا تاکہ اب کبھی جنگ کے بادل گھر کر نہ آئیں۔ ہماری سرحد ہمیشہ گیندے کے سنہری پھولوں سے جگمگاتی رہے اور امن و شانتی کے پھول کھلتے رہیں۔

نیا سال

متین اچل پوری

کہنی ہے مجھے نظم نیا سال آگیا
سجتی ہی رہے بزم نیا سال آگیا

تکرار ہو بھاشا پہ، نہ صوبوں کی کریں بات
بھارت کے سبھی لوگ بہر حال رہیں ساتھ
اشلوک ہوں گیتا کے یا قرآن کی آیات
دونوں کے تئیں لپنے ہوں پاکیزہ خیالات

کرلیں سبھی یہ عزم، نیا سال آگیا
کہنی ہے مجھے نظم، نیا سال آگیا

اب مانگ کسی کی نہ یوں سیندور کو ترسے
اب "غیضِ برہمن" سے ہریجن نہ یوں لرزے
دولت کی بدولت نہ ہوں انسانوں کے چرچے
بسکے نہ کوئی بوڑھے رواجوں کے قہر سے

اب توڑ دو ہر رسم، نیا سال آگیا
کہنی ہے مجھے نظم، نیا سال آگیا

غربت کے شکنجہ میں نہ پھر اپنا وطن آئے
زد میں نہ خزاؤں کی کبھی اپنا چمن آئے
ماتھے پہ کسی کے نہ کبھی کوئی شکن آئے
پیاسا ہو جہاں کوئی وہیں گنگ و جمن آئے

پائے نہ کوئی زخم، نیا سال آگیا
کہنی ہے مجھے نظم، نیا سال آگیا

ہر شخص کو مل جائے یہاں بخت سکندر
ہر کوچہ و بازار بنے خلد کا منظر
قطرہ کی تمنا ہو تو مل جائے سمندر
ہنستا ہی رہے چاند امیدوں کے فلک پر

ٹوٹے نہ کوئی نجم، نیا سال آگیا
کہنی ہے مجھے نظم، نیا سال آگیا

اُردو کے فروغ وارتقاء کے لئے ... ایک نئی جہت میں جہدِ نو

بابائے اُردو مولوی عبدالحق کی دوررس نظروں نے دیکھ لیا تھا کہ ہندوستان میں کوئی بھی ایسا ادارہ نہیں ہے، کوئی بھی ایسا مرکز نہیں ہے جو اردو کی سرپرستی کر سکے، اُس زبان کی سرپرستی کر سکے جو ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں مقبول ہے اور جس کے فنِ شعروشاعری نے اپنی رنگینی، مسحورکن اندازِ بیان، اپنی جاذبیت اور دلکشی سے ہر دل کو موہ لیا ہے۔ جس طرح ملک کی ترقی کے لئے عوام اور خواص کا ایک پرچم تلے آجانا ضروری ہے، اُسی طرح ایک زبان کی ترقی کے لئے بھی یہ ازحد ضروری ہے کہ اُس کے لئے ایک مرکز ہو، اُس کی موافقت میں سب آوازیں اسی مرکز سے بلند ہوں، اس مرکز کی عزت ہو، احترام ہو۔ زبانِ اردو کے لئے بابائے اُردو کی یہی دلی خواہش تھی کہ اس زبان کو کم ازکم ایک مرکزی حیثیت مل جائے۔ اس زبان کی بقاء کے لئے ایک ادارہ قائم ہو جس کی آواز پر ہر شخص لبیک کہے مگر ایسا نہیں ہو سکا اور ان کا خواب ابتک شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا۔

ایک دور اردو زبان اور ادب پر سخت گذرا ہے۔ اُس کی ترقی کی ہر راہ خاموش، ویران اور اندھیری نظر آرہی تھی۔ اُس کے شیریں الفاظ زمانے کے شور و غوغا میں دب کر سسک رہے تھے مگر یہ حوادث، یہ صبر آزما دور بھی گذر گیا اور اب اُردو ادب کے لئے راہِ منزل روشن ہو گئی ہے۔ بے شمار ساتھی ہمراہ ہیں۔ نئے عزم اور نئی قوت کے ساتھ منزلِ مقصود کی طرف گامزن ہیں۔

انجمنِ ترقی اردو (ہند) نے اردو ادب کیلئے ایک مرکزی ادارہ قائم کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ دلی میں "اردو گھر" کی تعمیر کا کام شروع ہو چکا ہے جس کا سنگِ بنیاد وزیرِاعظم شریمتی اندرا گاندھی کے مبارک ہاتھوں سے ۱۹۷ء میں رکھا گیا تھا۔ "اردو گھر" کی تعمیر پانچ منزل تک ہو چکی ہے، جس میں اب تک ۶½ لاکھ روپے صرف ہو چکے ہیں۔ حکومتِ ہند کی طرف سے ۳ لاکھ ۶۰ ہزار اور حکومتِ جموں وکشمیر کی طرف سے ۲۰ ہزار کے عطیات ملے ہیں ۷ لاکھ روپیوں کی مالی امداد کی ضرورت ہے تاکہ بند پڑا ہوا کام شروع ہو اور اردو گھر کی تعمیر تکمیل تک پہنچے اور "اردو گھر" اردو ادب کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی دیگر زبانوں کی بھی خدمت کر سکے۔ بڑے پیمانے پر ایک لائبریری قائم ہو جس سے محققین فیضیاب ہوتے رہیں اور یہ چشمہ آبِ حیات پلاتا چلا جائے۔ ایک مقصد یہ بھی ہے کہ انجمن ترقی اردو اپنے ہفتہ وار اخبار "ہماری زبان" کو بھی خوبصورت طریقہ پر شائع کرے جس سے ہر خاص و عام مستفیض ہو سکے۔

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

خواجہ عبدالغفور آئی۔اے۔ایس کی قیام گاہ پر منعقدہ ایک جلسہ میں (بائیں سے دائیں) سید شہاب الدین دسنوی، کرنل بشیر حسین زیدی، سابق وائس چانسلر علیگڑھ مسلم یونیورسٹی، پروفیسر خلیق انجم، سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند، پدم شری نرگس دت اور خواجہ عبدالغفور، اردو گھر کے سلسلہ میں گفتگو کر رہے ہیں۔

سید احمد رضوی

ہندی اور قومی یکجہتی

ہمارا ملک ہندوستان گنگا جمنی تہذیب کا حامل ہے ۔ یہاں ہر پانچ سو میل پر زبان بدل جاتی ہے۔ کپڑوں کی شکل الگ ہو جاتی ہے کھانے پینے کی عادات مختلف ہو جاتی ہیں۔ لداخ اور لیہہ کے سمور کی کھال پہننے والوں سے لیکر تامل ناڈو اور کیرالا کے پنچی باندھنے والوں تک یوں دیکھئے تو سارے ہندوستان میں کوئی چیز مشترک نظر نہیں آتی - پھر ہمارے جغرافیائی حالات اتنے مختلف ہیں کہ کہیں برف باری ہوتی ہے تو کسی علاقے میں کڑاکے کی گرمی - ایک طرف دنیا کی سب سے اونچی چوٹی رکھنے والا پہاڑ ہے تو دوسری طرف بھیانک ریگستان - ساری دنیا کا جغرافیہ ہمارے ملک میں موجود ہے۔ ہمارے ملک میں مختلف مذاہب کے ماننے والے لوگ بستے ہیں۔ ان ساری باتوں کے باوجود ہم اس رنگا رنگی دیس میں ایک قدرِ مشترک دیکھتے ہیں اور وہ ہے اس دیس کے رہنے والوں کے سوچنے کا ڈھنگ یہ طرزِ فکر بالکل ایک ہے۔ چاہے وہ بنگالی ہو یا مدراسی، کشمیری ہو یا پنجابی، وہ ہندوستانی ڈھنگ ہی میں سوچے گا۔ اس کی زبان مختلف ہو سکتی ہے مگر اس کا طریقۂ اظہار ایک ہی رہے گا شاید اسی بات کو ظاہر کرنے کے لیے "کثرت میں وحدت" کی بات کہی گئی ہے۔

وحدتِ فکر کے علاوہ ہمارے ملک میں اگر کوئی اور قدرِ مشترک نظر آتی ہے تو وہ ہے یہاں کی وہ زبان جسے ہندی کہتے ہیں۔ ہندی وہ زبان ہے جو کسی زمانے میں کھڑی بولی، پراکرت اور ریختہ کہلاتی تھی۔ مغلیہ سلطنت سے قبل کے ہندوستان میں مختلف صوبوں کے رہنے والے آپس میں اسی زبان کے سہارے بات چیت کیا کرتے تھے۔ اُس وقت یہ بازاری زبان تھی مگر سنت صوفیوں نے اسے گلے سے لگائے رکھا تھا اور صوفی منش شاعروں نے اس زبان میں شاعری کی تھی۔ رفتہ رفتہ اس زبان کی شیرینی نے وہ جادو کیا کہ یہ بازاروں سے دانشوروں کی محفلوں میں آگئی اور اس کا اپنا ادب وجود میں آیا۔ اس زبان نے مختلف گوشوں سے خوشہ چینی کی اور اپنا مزاج اس طرح کا بنا لیا کہ جس سے مل بیٹھی وہ اسی کا ہولیا۔ اس رواداری اور گنجائش فراہم کرنے کی صلاحیت نے اس زبان میں اتنی وسعت دے دی کہ آج ہندوستان کی کوئی اور زبان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے۔ جب کوئی غیر ملکی ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھتا ہے اور یہاں کے عوام سے جو انگریزی نہیں جانتے، گفتگو کرنا چاہتا ہے تو وہ اسی زبان کا سہارا لیتا ہے۔ اس کی زبان میں چاہے قواعد کی غلطیاں کیوں نہ ہوں مگر وہ اپنا مافی الضمیر برابر ادا کر دیتا ہے ۔ ہندوستانی اس کی بات سمجھ بھی لیتے ہیں اور اسے اپنی بات سمجھا بھی دیتے ہیں۔

ہندوستان کی کسی ایک زبان جاننے والے کے لئے ہندی کا سیکھنا کچھ دشوار نہیں ۔ ہندوستان کی تمام زبانوں کی ساخت تقریباً ایک جیسی ہے۔ ہندوستان کی زبانوں میں کتنی مشابہت ہے اس کا اندازہ اس معمولی مثال سے کیا جا سکتا ہے :

یہ موہن کی کتاب ہے (اردو)
یہ موہن کی پُستک ہے (ہندی)
ہی موہن چی پُستک آہے (مرہٹی)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بنگلہ راشٹر بھاشا ہو کیونکہ اس میں اعلیٰ معیاری ادب ہے !
ہندی میں اعلیٰ معیاری ادب ہے یا نہیں، اس بحث طلب موضوع پر خیال آرائی کرنا فضول ہے ! ہندی عام طور پر بھارت میں بولی جاتی ہے اور اس میں ہمہ گیری ہے نیز یہ آسانی سے سمجھی جاتی ہے۔

نیتا جی سبھاش چندر بوس

آموہن نی پشتک ہے (گجراتی).

ہندوستانی زبانوں کی اس خصوصیت کی وجہ سے اگر بنگالی اور گجراتی ایک جگہ جمع ہوں اور وہ ایک دوسرے سے ہندی کے ذریعے تبادلۂ خیالات کریں تو ظاہر ہے کہ اس سے نہ صرف قومی یکجہتی میں مدد ملے گی بلکہ ہندوستان کی تمام زبانیں زیادہ تیزی سے پھلنے پھولنے لگیں گی۔ ہندوستان کی ہر زبان ایک خصوصیت کی حامل ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

بنگالی زبان میں ناول نگاری نے کافی ترقی کی ہے۔ اس صنف میں وہ یورپ کی زبانوں کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ مرہٹی زبان میں ڈرامہ کا معیار بہت بلند ہو چکا ہے۔ ایک طرف تو یہ زبانیں ہندی سے استفادہ کرتی ہیں اور دوسری طرف ہندی کے ذخیرۂ الفاظ میں ان کی وجہ سے اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ ایک بنگالی کے لئے گجراتی زبان کا سیکھنا اتنا آسان نہیں جتنا ہندی کا سمجھنا۔ اسی طرح ایک مرہٹی داں کے لئے آریا زبان کا سمجھنا اتنا سہل نہیں جتنا ہندی کا سمجھنا۔ ہندی ہی ایک ایسی زبان ہے جو ہندوستان کے اُتر، دکن اور پورب، پچھم کو ایک دوسرے سے ملا کر رکھ سکتی ہے۔ ہندی، ہندوستان کا مستقبل ہے اور اس کے اتحاد کا راز ہے۔

●●

گذارش

ترسیلِ زرکاپیوں کی عدم وصولی، مزید کاپیوں کے آرڈر، وی۔پی کی فرمائش اور ایجنسی کی شرائط کے بارے میں خط وکتابت ہندی، مراٹھی یا انگریزی میں کیجئے تاکہ متعلقہ سیکشن اس پر فوری توجہ دے سکے!

بقیہ اُردو گھر

انہیں نیک مقاصد کو لے کر ایک وفد بمبئی آیا اور عمائدینِ شہر اور سیاسی رہنماؤں سے رابطہ قائم کیا اور انہیں اردو گھر کی تعمیر کا نیک مقصد بتایا۔ اس حقیقت کا بھی اظہار کیا کہ "اردو گھر" کی تعمیر کا کام تکمیل تک نہ پہنچنے کی وجہ سرمائے کی کمیابی ہے۔ اس سلسلے میں روپیہ فراہم کرنے کی غرض سے ایک فنڈ کمیٹی تشکیل دینے کا منصوبہ بنایا ہے جس کی صدارت پدم شری نرگس دت نے قبول کرلی ہے۔

وفد نے بمبئی پردیش کانگریس کے صدر، شری رجنی پٹیل سے بھی ملاقات کی۔ شری رجنی پٹیل نے ۱۰ ہزار روپے کا عطیہ دیا اور ہر طرح کی مدد کا بھی وعدہ کیا۔

"اردو گھر" کی تعمیر میں نہ صرف اردو داں طبقہ بلکہ ہر جماعت اور ہر ہندوستانی کا ہاتھ ہوگا جو ملک میں قومی یکجہتی کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہوگی۔ قومی یکجہتی کو فروغ دینے میں ادب سے بہت مدد ملتی ہے۔ اردو زبان نے اس سلسلے میں بہت کام کئے ہیں اور آئندہ کے لئے بھی اس سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔ اردو گھر کی تعمیر کے بعد یہ کام اور نمایاں ہوگا جس کی روشنی تمام ملک کو منور کرے گی۔

پانی فراہمی اسکیم

حکومتِ مہاراشٹر نے ضلع احمد نگر کے تعلقہ پاتھرڈی میں واقع پاتھرڈی دیہی نل پانی فراہمی اسکیم کو انتظامی منظوری عطا کر دی ہے۔ اسکیم پر لاگت کا تخمینہ ۱۵٫۴۷٫۰۵۰ روپے کا ہے۔ مکمل ہونے پر تقریباً ۱۲٫۸۰۰ کی آبادی کی ضرورت آب پوری ہو سکے گی۔

کو قومی راج کو جاری ہوئے ایک سال ہو جاتا ہے۔ نیز اسی تاریخ کو ۱۹۷۵ء میں دستورِ ہند کے ۲۵ سال پورے ہو جاتے ہیں۔ اہلِ قلم حضرات سے گزارش ہے کہ اس خصوصی شمارے کے لئے مضامین، مقالات و دیگر تخلیقات ارسال فرمائیں۔

قومی راج

خوش نظر ہے پُرکشش ہے ہر ادائے "قومی راج"
سب کو اپنی سمت کھینچے سب کو بھائے "قومی راج"

ہو یہ اہلِ علم کا، اہلِ ادب کا مدعا
گونج اُٹھے گوشے گوشے میں نوائے "قومی راج"

از
صادق جمال

اسمبلی کی کارروائیاں

ہفتہ مختتمہ ۲۹ نومبر کے دوران ایوان نے مہاراشٹر زراعتی قرض سہولت بتوسط بنک بل بابت ۱۹۷۶ء پر بحث کی جو گذشتہ ہفتہ شری وائی۔ جے۔ موہیتے، وزیر امداد باہمی نے پیش کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بل تلوار کمیٹی کی سفارشات پر مبنی ہے اور قرض ہر ضلع میں قومیائے بنکوں کی منتخبہ شاخوں کے توسط سے کسانوں کو تقسیم کیا جائے گا۔

شری آر۔ اے۔ پاٹل نے زراعتی مزدوروں کو بل میں شامل کرنے کا مشورہ دیا۔

سرو شری ایس۔ ایس۔ مالی، جی۔ اے۔ دیش مکھ، شیوراج پاٹل، کے۔ ڈی۔ بھینگڈے، وی۔ کے۔ ٹھمبے، پی۔ بی۔ پاٹل، کے۔ بی۔ بھیکے، کے۔ این۔ دیش مکھ، وی۔ اے، دیش مکھ، ایس۔ ڈی۔ منڈلک، ڈولاجی پاٹل، اے۔ ٹی۔ پاٹل، بی۔ ایس۔ پاٹل، ڈی۔ ایس۔ نانڈیکر، ایس۔ این۔ دیسائی، جگیش دیسائی اور ڈی۔ بی۔ پاٹل نے بھی اظہار خیال فرمایا۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری وائی جے موہیتے، وزیر امداد باہمی نے فرمایا کہ قومیائے بنکوں کو قرض کی واپسی وصولی کا اختیار دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ قرطاس ابیض کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ قومیائے بنک فراہمی قرض کی سہولت کے کام میں اس طرح حصہ لیں گے جس سے امداد باہمی تحریک کو نقصان نہ پہنچے۔ زراعتی مقاصد کے لئے مختصر المدت قرضہ جات کی فراہمی کی ذمہ داری امداد باہمی سوسائٹیوں کے ہاتھ میں رہنا چاہیے، جبکہ آبپاشی جیسی اسکیمات کے لئے قومیائے بنکوں کو قرض مہیا کرنا چاہئے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ یہ بل امداد باہمی اداروں اور قومیائے بنکوں کے درمیان صحت مند مقابلے کے لئے موافق فضا ہموار کرے گا۔

بل کی دفعہ بہ دفعہ بحث کے دوران سرو شری اے۔ وی۔ دیش مکھ اور آر۔ اے۔ پاٹل نے بعض ترمیمات پیش کیں۔ ۲۸ نومبر کو یہ بل بعض ترمیمات کے ساتھ ایوان نے پاس کر دیا۔

۲۶ نومبر کو اسپیکر نے مراعات شکنی تحریک رد کر دی جو بیک بے کے سلسلے میں شری۔ آر۔ کے۔ مہالگی نے دوبارہ پیش کی تھی۔

امداد باہمی ادارہ جات کے ممبران پر بقایا

شریمتی مرینال گورے کی جانب سے ریاست میں امداد باہمی اداروں کے ممبران پر باقی رقم کے معاملہ پر اٹھائی گئی بحث کا جواب دیتے ہوئے شری وائی۔ جے۔ موہیتے، وزیر امداد باہمی نے فرمایا کہ کوآپریٹیو سیکٹر میں باقی رقم کا مسئلہ واقعی ایک بڑا اہم مسئلہ ہے۔ حکومت کی پالیسی کا مقصد یہ ہے کہ وصولی تیز کی جائے تاکہ زراعتی مقاصد کے لئے سرمایہ دستیاب ہو سکے۔

دانتے کمیٹی کی رپورٹ کا حوالہ دیتے ہوئے شری موہیتے نے فرمایا کہ رپورٹ صرف مہاراشٹر ہی نہیں بلکہ سارے ملک پر حاوی ہے۔ رپورٹ میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حکومت مہاراشٹر نے قرضہ جات کی جو رقم دی ہے وہ اس رقم سے دوگنی ہے جو ملک میں سب سے بڑی ریاست اتر پردیش نے مہیا کی ہے۔

وزیر موصوف نے آگے فرمایا کہ بنک اس سال سے ۲۰ تا ۲۵ فیصدی قرض چھوٹے کاشتکاروں کو دیں گے۔ جہاں تک بقایا کا تعلق ہے کسی حد تک رقم کا باقی رہ جانا ناگزیر ہے کیونکہ زراعت بارش کے رحم و کرم پر منحصر ہوتی ہے۔

آپ نے بحث کے دوران ممبران کی جانب سے لگائے گئے اس الزام کی کہ حکومت قرض وصولی کے وقت دباؤ میں آگئی، پرزور تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ مہاراشٹر اول ریاست ہے جس نے اخبارات میں نادہندگان کے ناموں کا اعلان کیا تھا۔

سرو شری ایس۔ ایس۔ منڈلک، جگیش دیسائی، کے۔ این۔ دیشمکھ، ڈی۔ ایس۔ نانڈیکر، جی۔ ایس۔ لوکے، کے۔ ڈی۔ بھینگڈے، ڈی۔ بی۔ پاٹل، بی۔ ایس۔ پاٹل اور ایس۔ ایس۔ مالی نے بحث میں حصہ لیا۔

اصطلاح میں تبدیلی کا مشورہ

شری ایچ۔ این۔ ترویدی نے ایک تجویز پیش کی کہ جس میں حکومت سے یہ گذارش کی گئی تھی کہ وہ مہاراشٹر ہاؤسنگ بورڈ کی مروجہ "مڈل انکم گروپ" اصطلاح کی تعریف میں تبدیلی کر کے آمدنی کی حد دوگنی کر دے۔ آپ نے یہ بھی مشورہ دیا کہ مکان کا کرایہ کرایہ دار کی آمدنی کے دس فیصد سے زیادہ نہ ہونا چاہیے۔

سرو شری آر۔ کے۔ مہالگی، جی۔ ایس۔ لوکے، ڈی۔ کے۔ بیتھے اور ڈی۔ جی۔ پالکر نیز شریمتی مرینال گورے نے بھی اظہار خیال فرمایا۔

شری ڈی۔ ٹی۔ روپاوتے، وزیر ہاؤسنگ نے جواب دیتے ہوئے بتایا کہ شری موہن دھاریہ مرکزی وزیر برائے مکانات کی زیر صدارت ایک کمیٹی قائم کی جا چکی ہے۔ کمیٹی کے آئندہ اجلاس میں ضروری کارروائی کی جائے گی۔

امراؤتی میں نئی یونیورسٹی

شری ڈی۔ این۔ مشکر نے نصف گھنٹہ کی بحث اٹھائی جس میں حکومت سے یہ گذارش کی گئی تھی کہ امراؤتی میں ایک نئی یونیورسٹی قائم کی جائے کیونکہ ناگپور یونیورسٹی کے لئے اپنی ذمہ داری پوری کرنا مشکل ہو گیا ہے جس سے ۱۳۶ کالج ملحق ہیں۔

شری۔ ایس۔ جی۔ پوار، وزیر تعلیم نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ گو حکومت اصولاً یہ مان چکی ہے کہ اضلاع اکولہ، امراؤتی، بلڈانہ اور ایوت محل کے لئے امراوتی میں ایک علیحدہ یونیورسٹی قائم کی جائے، تاہم مرکز نیز یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی جانب سے مالی امداد کے بغیر اس کا قیام ممکن نہ ہوگا۔ مرکز کو بھی ابھی تک اس بارے میں سب کمیٹی کی رپورٹ نہیں ملی ہے۔

شری ایس۔ ڈی۔ منڈلک نے اس اسٹڈی گروپ کی سفارشات پر نصف گھنٹہ کی بحث اٹھائی جو ریاستی حکومت نے مقرر کیا تھا تاکہ وہ کرشنا پانی کے تنازعہ سے متعلق ٹریبونل کے فیصلہ کے مطابق سود مند طریقہ سے پانی استعمال میں لانے کے بارے میں مشورہ دے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جن اضلاع کو پانی نہیں ملتا ہے انھیں ضرور پانی مہیا کیا جائے۔

پانی کا مناسب استعمال

وزیر آبپاشی اور پاور، شری وی۔ بی۔ پاٹل نے بحث کا جواب دیتے ہوئے بتایا کہ حکومت نے ٹریبونل کے فیصلہ کو مان لیا ہے نیز سانگلی، ستارہ اور کولہاپور اضلاع کے عوامی نمائندوں سے بات چیت کر چکی ہے تاکہ ان اضلاع میں مناسب طور سے پانی کا استعمال یقینی ہو جائے۔

اسپیکر، شری ایس۔ کے۔ وانکھیڈے نے ایک مراعات شکنی تحریک رد کر دی جو شری جی۔ ایس۔ لوکے نے پیش کی تھی اور انہوں نے بتایا تھا کہ ہاؤسنگ کارپوریشن کے قیام کا اعلان اخبارات میں اس وقت شائع ہوا تھا جب کہ ایوان کا اجلاس جاری تھا۔

شری ایم۔ ڈی۔ چودھری، وزیر مالیات نے بمبئی بکری ٹیکس (دوسری ترمیم) بل بابت ۱۹۷۴ء پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے ایکٹ کے زیر عمل لانے میں انتظامی رکاوٹیں دور ہوں گی۔

سرو شری جگدیش دیسائی اور دی۔ کے۔ ٹمبے نے محکمہ بکری ٹیکس میں مبینہ بدعنوانی پر تشویش کا اظہار کیا۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری چودھری نے فرمایا کہ اس بل کے ذریعہ حکومت کی آمدنی بڑھانے میں مدد ملے گی۔ آپ نے ممبران کو یقین دلایا کہ حکومت محکمہ بکری ٹیکس میں بدعنوانی کو دور کرنے کیلئے ضروری کارروائی کرے گی۔

ازاں بعد ایوان نے بل پاس کر دیا۔ نیز ایوان نے انڈین الیکٹریسٹی (مہاراشٹر ترمیم و توثیق) بل، ۱۹۷۴ء بھی منظور کر دیا۔

پٹواریوں کے مطالبات

وودھ میں پٹواریوں کے مطالبات پر سرو شری اے۔ ایے۔ وانکھیڈے اور کے۔ ڈی۔ بھیگڑے، کی جانب سے اٹھائی گئی بحث کا جواب دیتے ہوئے شری شیواجی راؤ پاٹل۔ نیلنگیکر، وزیر ریاست برائے محصول نے فرمایا کہ حکومت تلاٹھیوں اور پٹواریوں کی ہمدرد ہے جو اہم 'انتظامی رابطہ' ہیں۔ تلاٹھیوں کو بہم پہنچائی گئی سہولتوں کی عددی تفصیل بتاتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ بعض فنی وجوہات سے صرف ۹۶ تلاٹھیوں کی مستقل نہ ہو سکی۔ اگرچہ مالی مشکلات کے باعث انھیں مکانات اور دفتر کی مناسب سہولت نہ دی جا سکی تاہم حکومت نے انھیں دفتر کا کرایہ دیا۔

شری ایف۔ ایم۔ پنٹو نے مہاراشٹر کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹیز (ترمیم) بل، ۱۹۷۴ء پیش کیا جس کا مقصد ان مشکلات کو دور کرنا ہے جو لیو۔ لائسنس اور پگڑی سسٹم کے باعث ان سوسائٹیوں کو پیش آتی ہیں۔

شری شنکر راؤ گیڈم، وزیر ریاست برائے امداد باہمی نے ایوان کو یقین دلایا کہ آئندہ اجلاس میں کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹیوں کے لئے کرایہ مقرر کرنے کی غرض سے حکومت ایک بل پیش کرنے کی کوشش کرے گی۔

اس پر محرک نے بل واپس لے لیا۔

شریمتی مرینال گورے نے بمبئی بورڈنگ اور لاجنگ ہاؤس رینٹ کنٹرول بل، ۱۹۷۴ء پیش کیا اور فرمایا کہ اس سے کرایہ دار اس قابل ہو جائیں گے کہ خود اپنے مکان کی مرمت کرالیں اور انھوں نے جو رقم خرچ کی ہے وہ مالکان کو ادا کئے جانیوالے کرایہ میں سے وضع کرلیں۔ فی الحال مالکان عمارت کی مرمت کی ذمہ داری نہیں اٹھاتے ہیں۔ مرمت اور تعمیر مکانات کا بورڈ صرف مرمت کے بڑے کام انجام دیتا ہے۔ بل کے ذریعہ کرایہ داروں کو خود مرمت کا کام انجام دینے کا اختیار مل جائے گا۔

شری ڈی۔ ٹی۔ روپاوتے، وزیر ہاؤسنگ نے جواب میں ایوان کو یقین دلایا کہ حکومت اس بابت آئندہ اجلاس میں عمارت کے کرایہ داروں اور مالکان دونوں کے واسطے ایک بل پیش کرنے کی کوشش کرے گی۔ اس بات کا بھی خیال رکھنا ہوگا کہ اس قانون سے پرائیویٹ سیکٹر وغیرہ میں تعمیرات کی سرگرمیوں پر برا اثر نہ پڑے۔

داروں کی جماعتوں، مالکان کی جماعتوں کے
روں نیز ایم - ایل - اے حضرات پر مشتمل
کمیٹی اس مقصد کے لیے قائم کی جائے گی۔
بعد ازاں شریمتی مرینال گورے نے بل واپس
لیا۔

۱۷ دسمبر کو ختم ہونے والے ہفتہ کے دوران
، عبدالرحمٰن انتولے، وزیر قانون و عدالت نے
اعلیٰ کی جانب سے ایک قرار داد پیش کی
کا مقصد ایوان سے پارلیمنٹ کی پاس کردہ دستور
ترمیم کی تائید حاصل کرنا تھا تاکہ ہندو سکم
ات کو مضبوط کیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ سکم کی
بیس پارٹی نے اپنی پارلیمنٹ میں ایک قرارداد
کی تھی تاکہ ہندوستان کے سیاسی اور سماجی
دں میں نمائندگی حاصل کی جائے، یہ پاس
ی گئی تھی۔ اس ترمیم کے مطابق سکم ایک ایک
دہ لوک سبھا اور راجیہ سبھا میں بھیجے گا۔
سرو شری جی - این - بنات والا، ٹی - بی -
ئانس، اے - ایچ - مہالی، وی - کے - ٹھیمبے،
اے - وان کھیڈے، آر - اے - کھیرے،
- ایس - نانڈیکر اور جگیش دیسائی نے
ہ لی۔
بحث کا جواب دیتے ہوئے شری انتولے
اس ترمیم کو "ہندوستان کی تاریخ میں
، اہم اور یادگار قدم قرار دیا"۔
بعد ازاں ایوان نے یہ قرار داد منظور کر دی۔

بمبئی پولیس بل

بمبئی پولیس (ترمیم) بل بابت ۱۹۷۴ء وزیر اعلیٰ
رف سے پیش کرتے ہوئے شری پی - کے - کھنٹے
یر ریاست برائے شہری ترقی نے بمبئی میں بڑھتے
ئے جرائم پر تشویش کا اظہار کیا۔ آپ نے فرمایا
سب کے ساتھ ساتھ پولیس پر کام کا بوجھ
بھی بڑھ گیا ہے، لہٰذا اس بل کا مقصد ایک اور
ایڈیشنل پولیس کمشنر کی جگہ نکالنا ہے۔
شری ڈی - بی - پاٹل نے یہ خیال ظاہر کیا کہ
یہ سمجھنا غلط ہے کہ ایک مزید افسر کے تقرر سے
حکومت جرائم کو روکنے میں کامیاب ہو جائے گی۔
شری پرمود نولکر نے فرمایا کہ جرائم سے نمٹنے
کے لیے حکومت کے اقدامات ہنگامی نوعیت
کے ہیں، حالانکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ
مؤثر انسداد کے لیے ایک خاتمہ جرائم شعبہ قائم
کیا جائے۔
شریمتی مرینال گورے نے بتایا کہ پہلے کمیشن
کی سفارشات کے مطابق جرائم سے نمٹنے کے لئے
مزید عہدے قائم کرنا بے کار ہے۔
سرو شری جی - این - بنات والا، ایس -
کارخانس، آر - اے - کھیرے، ایچ - این - ترویدی
اور ڈی ایس نانڈیکر نے بھی اظہار خیال فرمایا۔
وزیر اعلیٰ کی جانب سے جواب دیتے ہوئے
شری ایس - جی - پوار، وزیر تعلیم نے فرمایا کہ ایڈیشنل
پولیس کمشنر مقرر کرنا ضروری ہے۔ اس تقرر کا اصل
مقصد یہ ہے کہ سماجی مسئلہ کی حیثیت سے جرائم
میں تحقیقات کو بڑھایا جائے نیز مجرمین کی
بحالی کے مسئلہ کا جائزہ لیا جائے۔ حکومت
اس معاملہ میں "ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ آف سوشل
سائنس" جیسے سماجی اداروں کا تعاون بھی حاصل
کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔
بعد ازاں ایوان نے بل پاس کر دیا۔

امداد باہمی شکر کارخانہ جات بل

مہاراشٹر کو آپریٹیو شکر فیکٹری (التوائے
انتخابات) بل بابت ۱۹۷۴ء پیش کرتے ہوئے
شری وائی - جے - موہیتے، وزیر امداد باہمی نے
فرمایا کہ سرمایہ وغیرہ کی کمی کے باعث کئی شکر
کارخانوں کے قیام میں تاخیر ہوئی۔ بل کا مقصد
آرڈی ننس کی جگہ قانون لانا ہے۔
سرو شری ٹی - آر - کارخانس، وی - کے -
ٹھیمبے اور آر - اے - پاٹل نے بحث میں حصہ لیا۔
بحث کا جواب دیتے ہوئے شری موہیتے
نے فرمایا کہ بدعنوانیوں کو دیکھ کر حکومت نے
بورڈوں کو ختم کر کے منتظمین مقرر کیے تھے۔
اس کے بعد ایوان نے بل پاس کر دیا۔

گنا ٹیکس بل

مہاراشٹر گنا خریداری ٹیکس (دوسری ترمیم)
بل بابت ۱۹۷۴ء پیش کرتے ہوئے شری رام ناتھ
پانڈے، وزیر ریاست برائے مالیات نے فرمایا
کہ وزیر مالیات نے اس ٹیکس کا اعلان اسوقت
کیا تھا جب انھوں نے بجٹ تخمینہ پیش کیا تھا۔ اگر
شکر کی طرح کھانڈ ساری پر ٹیکس نہ لگایا جاتا تو
شکر فیکٹریوں کو کم گنا ملتا۔ حکومت کو گنے
کی کٹائی شروع ہونے پر یکم نومبر کو آرڈی ننس
جاری کرنا پڑا۔ بصورت دیگر حکومت آمدنی سے
محروم رہ جاتی۔
شری آر - اے - پاٹل نے ایوان کو یاد دلایا
کہ یہ ٹیکس حکومت نے اس لئے عاید کیا تھا کہ
شکر کے کارخانوں تک جانے والی سڑکوں کی مرمت
کی جائے۔ ٹیکس بڑھانے پر اس سے درخواست
کی گئی کہ اگر زیادہ نہیں تو کم از کم اضافی ٹیکس ہی
مرمت پر صرف کیا جائے۔ حکومت نے کارخانوں
کو یقین دلایا تھا کہ ٹیکس کی نصف رقم اس مقصد
سے خرچ کی جائے گی۔ لیکن بل میں اس کی بابت
کچھ نہیں کہا گیا ہے۔
شری ٹی - ایس - کارخانس نے بھی یہ گذارش
کی کہ ٹیکس کی رقم سڑکوں کی مرمت پر صرف کی جائے۔
بحث کا جواب دیتے ہوئے شری پانڈے
نے فرمایا کہ یہ مطالبہ کرنا غلط ہے کہ ٹیکس اسی
علاقہ میں صرف کیا جائے جہاں سے یہ اکٹھا کیا گیا

ہے۔ بہرصورت آپ نے ایوان کو یقین دلایا کہ ٹیکس کی ایک خاص رقم سڑکوں کی مرمت پر صرف کی جائے گی۔

ایوان نے بل پاس کر دیا۔

یونیورسٹی بل

مہاراشٹر یونیورسٹیز (دوسری ترمیم) بل بابت ۱۹۷۴ء پیش کرتے ہوئے شری ایس۔ جی۔ پوار وزیر تعلیم نے فرمایا کہ بل کا مقصد ہے کہ یونیورسٹیوں کے سینیٹ کے انتخابات کی مدت بڑھانے کے لئے پیشگی آرڈی ننس کو قانون کی شکل دی جائے۔

شری آر۔ کے۔ مہالگی نے فرمایا کہ حکومت کو تعلیم جیسے میدان میں اپوزیشن کی جانب سے پیش کی جانے والی تعمیری تجاویز کا خیال رکھنا چاہئے۔ پہلا بل پیش کرتے وقت اگر اس نے اس بات کا خیال رکھا ہوتا تو پھر یہ ترمیمی بل پیش کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

سروشری ڈی۔ بی۔ پاٹل، ٹی۔ ایس۔ کارخانس اور ایس۔ این۔ دیسائی نیز شریمتی کملا رمن نے بحث میں حصہ لیا۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری پوار نے فرمایا کہ لوگوں کے سامنے اصل صورت حال اسوقت واضح ہوگی جب مختلف یونیورسٹیوں میں بے انتظامیوں کے بارے میں تحقیقاتی کمیٹیوں کی رپورٹیں مل جائیں گی۔

وزیر موصوف کے جواب کے بعد ایوان نے بل منظور کر دیا۔

۳؍ دسمبر کو اسپیکر شری ایس۔ کے۔ وانکھیڈے نے مراعات شکنی تحریک پر حکومت کا بیان پڑھ کر سنایا جو شری این۔ آر۔ گھرپال کر نے ایم۔ ایل۔ اے ہوسٹل کے سامنے اُنکے 'دھرنا' کے بعد اُن کی گرفتاری کے بارے میں پیش کی تھی۔

سروشری ڈی۔ بی۔ پاٹل، آر۔ کے۔ مہالگی اور ٹی۔ ایس۔ کارخانس نیز شریمتی مرینال گورے نے اس امر کی شکایت کی کہ اس واقعہ پر حکومت اور شری گھرپال کر کے بیانات میں تضاد ہے۔ انہوں نے حکومت سے مزید معلومات چاہی۔

اسپیکر نے حکومت کو واقعہ کے بارے میں مزید معلومات پیش کرنے کی ہدایت کی۔

ضمنی مطالبات

ہفتہ کے دوران شری ایس۔ بی۔ چوان، وزیر زراعت نے اپنے محکمہ کے ضمنی مطالبات پیش کئے۔

مطالبات پر بحث کے دوران شری ڈی۔ بی۔ پاٹل نے اس امر کی شکایت کی کہ حکومت نے جو بیج فراہم کئے تھے وہ ملاوٹی تھے۔ لہٰذا کسانوں کو نقصان اٹھانا پڑا۔

شری آر۔ اے۔ پاٹل نے مطالبہ کیا کہ ان ملاوٹی بیجوں سے کسانوں کو جو نقصان اٹھانا پڑا ہے اس پر انھیں ہرجانہ ادا کیا جائے۔

شریمتی مرینال گورے نے بیماریوں سے فصلوں کی حفاظت کے بارے میں ریسرچ پر زور دیا۔

سروشری ڈی۔ جی۔ پاٹل، جی۔ ایس۔ لوکے، کے۔ ڈی۔ بھیگڑے اور دیگر ممبران نے بھی اظہار خیال فرمایا۔

جواب دیتے ہوئے شری چوان نے بتایا کہ ۶,۵۰,۰۰۰ ہیکٹر پر اعلیٰ اقسام کے بیج بوئے گئے تھے۔ ملاوٹ کی صرف ۱۹ شکایتیں ملیں جن میں سے ۱۷ شکایتیں مقررہ ماہرین نے غلط پائیں۔

'گرو بکھی' کے مقابلے اور کھاد کی فراہمی کے لئے سرکاری اقدامات کی عددی تفصیل بتاتے ہوئے وزیر موصوف نے فرمایا کہ حکومت کھاد فراہم کرتے وقت چھوٹے کسانوں کو رعایت دینے کی کوشش کرتی ہے۔

شری چوان نے مزید فرمایا کہ گو فصل کو بیماریوں سے بچانے کی ذمہ داری خود کسان پر عائد ہوتی ہے تاہم حکومت اس معاملہ میں ان کی فوراً مدد کرتی ہے۔ بہرحال حکومت فصل کے نقصان پر قانوناً ہرجانہ ادا کرنے کی ذمہ دار نہیں ہے۔

ازاں بعد ایوان نے بل پاس کر دیا۔

محکمہ شہری ترقی سے متعلق مطالبات پر بحث کے دوران شری ٹی۔ ایس۔ کارخانس نے فرمایا کہ حکومت نے لائف انشورنس کارپوریشن (ایل۔ آئی۔ سی) کو تھانہ میونسپلٹی کو قرض دینے کی ضمانت دی تھی جس کی مالی حالت نازک تھی۔ میرے خیال میں حکومت کو یہ رقم خود ہی واپس ادا کرنی ہوگی۔

سروشری آر۔ اے۔ پاٹل اور وی۔ اے۔ دلیش مکھ نے بھی اظہار خیال کیا۔

قرض کیلئے سرکاری ضمانت

جواب دیتے ہوئے شری کنگنے، وزیر ریاست برائے شہری ترقی نے فرمایا کہ حکومت نے تھانہ میونسپلٹی کے لئے ایل۔ آئی۔ سی سے مبلغ ایک لاکھ بہتر ہزار روپے کے قرض کے لئے ضمانت دی تھی۔ نیز اس نے نومبر ۱۹۷۲ء سے میونسپلٹی کے لئے ایک منتظم بھی مقرر کیا تھا۔

اس کے بعد مطالبات منظور کر دیئے گئے۔

محکمہ دیہی ترقی کے مطالبات پر بحث کے دوران سروشری ٹی۔ ایس۔ کارخانس، ڈی۔ بی۔ پاٹل، آر۔ کے۔ مہالگی نیز شریمتی مرینال گورے نے حکومت کے اس فیصلہ کی مخالفت کی کہ ان ملازمین کو دو ترقیاں دی جائیں جنھوں نے اسٹرائک میں حصہ نہیں لیا تھا۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری آر۔ بی۔ والوی وزیر ریاست برائے دیہی ترقی نے فرمایا کہ حکومت نے ہڑتال کے دوران وفادار ملازمین کی خدمات کا

عتراف کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا ہے۔

اپوزیشن نے احتجاجاً واک آؤٹ کیا۔

محکمۂ داخلہ کے مطالبات پر بحث کے دوران شری ڈی۔ بی۔ پاٹل نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اسمگلنگ کے انسداد کے لئے کوئی کوشش نہیں کی گئی ہے اس کے برعکس حکومت نے ریاستی محفوظ پولس جمعیت بڑھادی ہے تاکہ لوگوں کو خوف زدہ کیا جائے نیز حکومت کی ناکام پالیسی کے باعث لوگوں میں پیدا ہونے والی بے چینی کو دبایا جائے۔

سروشری آر۔ کے۔ مہالگی، پرمود نولکر، ای۔ پی۔ سالوے نیز شریمتی کملارمن نے بھی بحث میں حصّہ لیا۔

تمام ریاستوں کا تعاون لازمی

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری رتنپاکنبھار وزیر ریاست برائے داخلہ امور نے فرمایا کہ ساحل پر واقع تمام ریاستوں کو اسمگلنگ کی روک تھام میں تعاون کرنا چاہیئے۔ اصولاً مرکز نے ضبط شدہ اسمگل مال کی قیمت کے نصف حصہ کے برابر رقم ریاستوں کو دینا مان لیا ہے۔

وزیر موصوف نے فرمایا کہ لوگوں میں بڑھتی ہوئی بے چینی کے مدنظر نظم وضبط برقرار رکھنے کے لئے اسٹیٹ ریزرو پولس بڑھانا ضروری تھا۔

اس کے بعد ایوان نے مطالبات منظور کر دیئے۔ نیز ایوان نے محکمہ سماجی بھلائی، ثقافتی امور اور اسپورٹس سے متعلق مطالبات بھی پاس کر دیئے۔

بعد میں بحث کے لئے وقت کی قید لگاکر بقیہ ضمنی مطالبات بھی منظور کر دیئے گئے۔

کابینہ کی توسیع پر بحث

شری آر۔ کے۔ مہالگی نے ایک قرارداد پیش کی تاکہ ریاستی کابینہ میں توسیع کے باعث پڑنے والے مالی بار پر بحث کی جاسکے۔ آپ نے فرمایا کہ مالی مشکلات کی وجہ سے اجارہ داری حصول کپاس جیسی اسکیموں پر اثر پڑا ہے۔ انتظامی اخراجات میں بھی ۱۰ کروڑ روپے کی تخفیف لگائی گئی ہے۔ اسٹڈی گروپ نے جس کے وزیر اعلیٰ بھی ممبر ہیں، صرف ۱۶ رکنی کابینہ کی سفارش کی تھی۔

شری ڈی۔ بی۔ پاٹل نے شکایت کی کہ جب ملازمین کے مہنگائی بھتہ، حصولِ کپاس یا تعلیمی اداروں کی امداد کا سوال ہوتا ہے تو حکومت کہتی ہے کہ اس کے پاس پیسہ نہیں ہے۔

سروشری کیشوراؤ پاٹل، وی۔ بی۔ لانگھے، جی۔ این۔ بنات والا، جیانند مٹکر، پرمود نولکر اور وی۔ بی۔ مہیکے نیز شریمتی مرینال گورے نے کابینہ کی توسیع کی مخالفت کی جبکہ سروشری شیواجی راؤ پاٹل، راجہ بھاؤ میراشی، آر۔ بی۔ منڈے اور پی بی۔ پاٹل نے اس کی حمایت کی۔

جواب دیتے ہوئے شری وی۔ پی۔ نائیک، وزیر اعلیٰ نے ایوان کو یاد دلایا کہ قبل ازیں اپوزیشن کے ممبران بھی کابینہ کی توسیع کو ضروری سمجھتے تھے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ کابینہ کی تشکیل کے وقت بھی ان کا یہی خیال تھا کہ وزراء کی تعداد کم ہے۔ توسیع یکایک نہیں کی گئی ہے۔ اسٹڈی گروپ کی سفارش ابھی تک ملک میں تسلیم نہیں کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں اس مقصد کے لئے مقررہ 'اعلیٰ اختیارات کمیٹی' نے یہ سفارش کی تھی کہ وزراء کی تعداد اسمبلی کے کل ممبران کی تعداد کے ۱۱ فیصد حصہ کے برابر ہونا چاہیئے۔

شری نائیک نے فرمایا کہ انگلینڈ جیسے بیرونی جمہوری ملک میں تناسب ۱۴ فیصد ہوتا ہے۔ ہندوستان جیسے ترقی پذیر جمہوری ملک میں عوام سے تعلقات بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ مہاراشٹر کے مختلف خطوں کو نمائندگی دی جائے۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ مرکزی ہدایات کے مطابق ریاستی حکومت نے چار کروڑ روپے سے زیادہ رقم کی کفایت کی ہے۔

سروشری راجہ بھاؤ میراشی، وی۔ جی۔ پربھوگاؤنکر، ٹی۔ ایس۔ کارخانیس، حسین دلوائی، بی۔ ایس۔ پاٹل، جیانند مٹکر، ایس۔ بی۔ ٹھاکرے، ایس۔ ڈی۔ نالوٹ اور ایچ۔ ای۔ حسین نے ضلع رتناگیری میں ایس۔ ٹی۔ سروس کو سدھارنے کی ضرورت پر بحث کی۔

جواب دیتے ہوئے شری جی۔ ایس۔ سرنائیک وزیر برائے اسٹیٹ ٹرانسپورٹ نے بتایا کہ ٹائر اور اسپیر پارٹس وغیرہ کی قلّت کے باعث بعض راستوں پر ایس۔ ٹی۔ بسیں چلانا بند کرنا پڑا تھا، تاہم ۱۸ مقررہ راستوں میں سے جنھیں ستمبر میں بند کیا گیا تھا، ۱۷ پر بس سروس شروع کی جا چکی ہے۔

ضلع رتناگیری میں چپلون اور کھیڈ مقامات پر زمین دھنس جانے کے واقعات کے سلسلے میں شری حسین دلوائی کی جانب سے اٹھائی گئی بحث کا جواب دیتے ہوئے شری ایچ۔ جی۔ ورتک، وزیر محصول نے فرمایا کہ متاثرہ اشخاص کو فوری امداد کے طور پر ۱۵٫۲۸۵ روپے کی رقم دی گئی ہے نیز وزیر اعلیٰ نے بھی ان کی باز آبادکاری کے لئے ۱٫۱۰٫۰۰۰ روپے کے عطیہ کا اعلان کیا ہے۔

شری وی۔ کے۔ شیٹھے نے فرٹیلائزرس کارپوریشن آف انڈیا کو چیمبور میں اس کے 'اکونومائزر یونٹ' کے باعث آلودگی فضا کے باوجود حکومت کی جانب سے اسکی توسیع کی اجازت دینے پر بحث اٹھائی۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری اودے سنگھ گائیکواڑ، وزیر ریاست برائے صحت عامہ نے بتایا کہ گو حکومت نے توسیع اصولاً مان لی ہے تاہم انتظامی منظوری اس وقت تک نہیں دی جائے گی جب تک کہ آلودگی فضا کے بارے میں ماہرین کی فنی رپورٹ نہ مل جائے۔

●●

کونسل کی کارروائی

۲۰ دسمبر کو ختم ہونے والے ہفتہ کے دوران ایوان نے ریاست میں اناج کی وصولی اور تقسیم پر مفصل بحث کی۔

محکمہ غذا اور سول سپلائی کے ضمنی مطالبات پر بحث کا جواب دیتے ہوئے شری دائی۔ جے۔ موہیتے، وزیر خوراک اور سول سپلائی نے بتایا کہ ریاست کو بارہ تیرہ لاکھ ٹن اناج کی ضرورت ہوتی ہے۔ اناج مختلف ذرائع (یعنی کاشتکاروں کی فصل خریف پر وصولی، تاجروں کے اناج کی وصولی حکومت کی جانب سے کھلے بازار میں خریداری، باغایت داروں سے لازمی وصولی نیز دیگر ریاستوں اور مرکز سے حصول اناج) سے جمع کیا جاتا ہے۔

طریقہ تقسیم کا ذکر کرتے ہوئے وزیر موصوف نے فرمایا کہ ریاستی حکومت بمبئی میں فی فرد فی ماہ کے حساب سے ۸ کلو اناج اور پونا، ناگپور اور شولاپور میں ۷½ کلو اناج فراہم کرے گی۔ اس طرح اضلاع کے صدر مقامات میں ۷ کلو اور دیہی علاقوں میں ۵ کلو مہیا کیا جائے گا۔

وزیر موصوف نے ایوان کو یقین دلایا کہ وہ مسئلہ کے حل کے لئے ممبران کی جانب سے پیش کئے گئے تمام مشوروں پر غور کریں گے۔

سرو شری اتم راؤ پاٹل، این۔ ڈی۔ پاٹل، اپا صاحب جادھو اور انا صاحب گوہانے وغیرہ نے بحث میں حصہ لیا۔

محکمہ داخلہ کے ضمنی مطالبات پر بحث کا جواب دیتے ہوئے شری رتنپا کنبھار، وزیر ریاست برائے داخلہ امور نے فرمایا کہ ریاستی حکومت نے مرکز کو لکھا ہے اور یہ درخواست کی ہے کہ ضبط شدہ اسمگل مال کا ۵۰ فیصدی حصہ مہاراشٹر کو دیا جائے۔ ریاستی حکومت کو اسمگلنگ کی سرگرمیوں کے انسداد کے لئے کافی اختیارات حاصل نہیں ہیں۔ بہرحال مزید اختیارات حاصل کرنے کی کوشش جاری ہے۔

ہریجنوں پر ڈھائے گئے مظالم کا ذکر کرتے ہوئے وزیر موصوف نے ایوان کو یقین دلایا کہ ہریجنوں کے حقوق کی حفاظت کی غرض سے پولس تمام ممکنہ احتیاطی اقدامات کرے گی۔

آپ نے ممبران سے یہ گذارش کی کہ وہ لوگوں او پولس کے درمیان خوش گوار تعلقات پیدا کرنے میں مدد دیں۔

شری منوہر جوشی، نے یہ خیال ظاہر کیا ک اسمگلنگ ابھی تک نہیں رکی ہے۔

شری این۔ ڈی۔ پاٹل نے اسٹیٹ ریزر پولس بڑھائے جانے پر برہمی کا اظہار کیا۔ شر ڈی۔ بھوسلے نے محکمہ داخلہ کے عارضی ملاز کو مستقل قرار دینے پر حکومت کو مبارکب پیش کی۔

شری کرشن بھاٹیہ کی وفات پر شری اندر کمار گجرال کا پیغام تعزیت

اطلاعات ونشریات کے مرکزی وزیر شری اندر کمار گجرال نے "دی ہندوستان ٹائمز" کے واشنگٹن کے نامہ نگار شری کرشن بھاٹیہ کی وفات پر ایک پیغام تعزیت میں کہا ہے کہ مجھے اپنے دوست کرشن بھاٹیہ کے گذر جانے سے بیحد صدمہ ہوا۔ وہ ایک ممتاز صحافی تھے اور انہوں نے واشنگٹن میں رہتے ہوئے واقعات عالم کے جو بامقصد اور تنقیدی جائزے پیش کئے وہ ہمارے لئے انتہائی مفید ثابت ہوئے۔ ان کا شمار نوجوان نسل کے آگے بڑھنے والے صحافیوں میں ہوتا تھا اور ان کا مستقبل تابناک تھا۔ ان کی وفات سے بھارتی اخبارات ایک نامور نامہ نگار اور معتقد مدبر سے محروم ہو گئے ہیں میں اسے اپنا ذاتی نقصان تصور کرتا ہوں۔

بھارت کا خاندانی منصوبہ بندی پروگرام ناروے کی طرف سے امداد

ناروے کی حکومت نے بھارت کے دیہ علاقوں میں فیملی ویلفیئر پلاننگ پروگرام کے استحکام کے لئے تقریباً ساڑھے سات کروڑ رو کی امداد دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ امداد سال ۱۹۷۵-۷۶ء سے چار برس کی مدت تک دستیا ہوگی۔

بھارت اور ناروے کے درمیان مذکورہ با فیصلے سے متعلق ایک معاہدے پر ۱۰ دسمبر ک دلی میں دستخط ہوئے۔

ناگپور میں صنعتی نمائش
وزیر اعلیٰ نے بھومی پوجا کی

شری وی۔ پی۔ نائیک، وزیر اعلیٰ مہاراشٹر نے ۵ دسمبر کو ناگپور میں کستورچند پارک میں ۲۸ جنوری سے ودربھ انڈسٹریز ایسوسی ایشن کی جانب سے منعقد کی جانے والی صنعتی نمائش کی رسم بھومی پوجن ادا کی۔

موقع پر تقریر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ ملک میں بڑی صنعتیں قائم کرنے کے لئے جن خام اشیاء مثلاً لوہا، کوئلہ، سیمنٹ وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے ودربھ ان سے مالا مال ہے۔

شری نائیک نے فرمایا کہ ضلع چندرپور جنگلاتی دولت اور دوسری خام اشیاء کی دولت رکھتا ہے اور وہاں مستقبل قریب میں دو بڑے کارخانے شروع کرنے کے زبردست امکانات ہیں۔ ایک کاغذ کا اور ایک انسانی ہاتھوں سے تیار کردہ جائے گا۔

وزیر اعلیٰ نے مزید فرمایا کہ صنعت کاری کا مقصد صرف بڑے کارخانے لگانا ہی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ دیسی اشیاء اور جانکاری کے استعمال سے زندگی آلات اور اوزار تیار کئے جائیں۔ ودربھ علاقہ کی صنعتی ترقی کے لئے یہ بے حد ضروری ہے کہ چھوٹی صنعتوں کا جال بچھا دیا جائے۔

وزیر اعلیٰ نے امید ظاہر کی کہ مجوزہ نمائش ودربھ کی صنعتی ترقی کے لئے موافق ماحول تیار کرے گی۔

صنعت و محنت کے وزیر شری نریندر تڑکے نے ودربھ علاقہ کی صنعتی ترقی کا خاکہ بتایا۔

شری ہنس راج گمبھیا، صدر ودربھ انڈسٹریز ایسوسی ایشن نے مہمانوں کا استقبال کیا۔

ایجوکیشن میں ڈپلوما امتحان ۱۹۷۵ء
درخواستیں ۱۰ جنوری تک دی جائیں

ایجوکیشن میں ڈپلوما کا امتحان برائے ۱۹۷۵ء ماہ اپریل ۱۹۷۵ء کے دوسرے ہفتہ میں منعقد ہوگا۔ یہ امتحان یوں ہیں: ڈپلوما ان ایجوکیشن سال اول اور سال دوئم، ایجوکیشن میں ڈپلوما خصوصی امتحان، ایجوکیشن میں ڈپلوما برائے غیر تربیت یافتہ مدرسین، برائے نیم تربیت یافتہ مدرسین اور ایڈہاک امتحان۔

یہ امتحان اُن کے لئے منعقد ہوگا جو کہ ۱۹۷۴-۷۵ء کے دوران ریگولر طالب علم کے طور پر تربیت حاصل کر رہے ہوں گے اور وہ جو کہ مراسلاتی تربیتی اسکیم کے تحت آتے ہوں گے اور وہ بھی جو کہ اس سے قبل ایجوکیشن میں ڈپلوما کے امتحان میں کامیاب طالب علم ہوں گے۔

شرکت کے خواہشمند طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی درخواستیں متعلقہ اسکولوں کے پرنسپلوں کے ذریعہ ۱۰ جنوری ۱۹۷۵ء تک روانہ کردیں۔

امتحان کی فیس یوں ہوگی: ایجوکیشن میں ڈپلوما کی پہلے سال کی امتحانی فیس تین سے زیادہ مضامین لینے والوں کیلئے ۱۵ روپے اور تین سے کم مضامین لینے والوں کیلئے ۷ روپے۔

متذکرہ فیس میں اضافہ حکومت کے زیر غور ہے۔ حکمنامہ کے بعد طلبہ کو زائد فیس روانہ کرنی ہوگی۔

ٹیکسیوں کیلئے سرکاری کوٹے کی کاریں

نئے ٹیکسی کے پرمٹ حاصل کرنے والے اور دوسرے ٹیکسی چلانے والوں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ سرکاری کوٹے کی پریمیئر پریسیڈنٹ کاریں ٹیکسی کے طور پر استعمال کیلئے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

ریاستی کوٹے کی کاروں کا فائدہ حاصل کرنے کے خواہش مند درخواست کنندگان کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی درخواستیں ریجنل ٹرانسپورٹ آفیسر، بمبئی کو، مقررہ فارم پر جو کہ اسی دفتر سے حاصل ہوسکتا ہے، داخل کریں۔

اناج اور آٹا تول کر نہ دینے پر
۳۷ فلور ملوں پر جرمانہ

ماہ دسمبر میں ڈائرکٹوریٹ آف انڈسٹریز نے محکمہ پولیس کے تعاون سے جو مہم چلائی تھی اس کے دوران ۱۳۴ خاص آٹا ملوں کو گرفت میں لیا گیا اور ان کے خلاف قانونی کارروائی ہو رہی ہے۔ ان میں سے ۳۷ آٹا ملوں پر بمبئی میں مختلف میٹرو پولیٹن عدالتوں کی جانب سے جرمانہ کیا جا چکا ہے۔ بمبئی تول اور ناپ (نفاذ) ایکٹ بابت ۱۹۵۸ء کے تحت حکومت مہاراشٹر کی جانب سے جاری کردہ قوانین کی رو سے فلور ملوں کیلئے یہ لازمی ہے کہ وہ تول کر اناج لیں اور تول کر آٹا واپس کریں۔

نرملا سدن ہاسٹل
ڈاکٹر رفیق زکریا نے افتتاح فرمایا

ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر شہری ترقیات، نیو ٹاؤن شپ، ٹورزم اور پروٹوکول نے ۸ر دسمبر کو اورنگ آباد کے کیمپ علاقہ میں تعمیر کردہ نرملا سدن ہاسٹل کا افتتاح فرمایا۔

موقع پر تقریر کرتے ہوئے وزیر موصوف نے ایسے ہاسٹلوں کی زیادہ سے زیادہ تعمیر پر زور دیا اور فرمایا کہ کیتھلک چرچ تعلیم اور صحت کے میدان میں عظیم خدمات انجام دے رہا ہے۔

اس سے قبل فادر ڈاکٹر تھامس نے وزیر کا استقبال کیا۔

خاندانی منصوبہ بندی کی خصوصی مہم

خاندانی منصوبہ بندی پروگرام کو آگے بڑھانے کی غرض سے مہاراشٹر میں ۱۴ر دسمبر ۱۹۷۴ء سے ۳۱ر جنوری ۱۹۷۵ء تک ایک خصوصی خاندانی منصوبہ بندی مہم شروع کی گئی ہے۔

گذشتہ مہم جو کہ ستمبر-اکتوبر ۱۹۷۴ء کے دوران شروع کی گئی تھی، اس کے دوران ریاست میں ۲۸,۲۵۹ نس بندی آپریشن کئے گئے۔

مہاراشٹر میں ۷۵-۱۹۷۴ء کے دوران نس بندی کے آپریشنوں کا نشانہ ۳,۲۸,۱۲۸ مقرر کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں یکم اپریل سے ۳۱ر اکتوبر ۱۹۷۴ء کے دوران ۱,۲۱,۴۰۷ آپریشن کئے جا چکے ہیں۔

بے تحاشہ آبادی پر روک لگانے کی فوری ضرورت کے تحت ہر شہری کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ خاندانی منصوبہ بندی کی ہر مہم میں پورا تعاون عطا کر کے اس کو زبردست کامیابی سے ہمکنار کریں۔

صنعتی میدان میں ادیباسیوں کا داخلہ

ادیباسیوں کی ملکیت کے پہلے امداد باہمی کارخانے
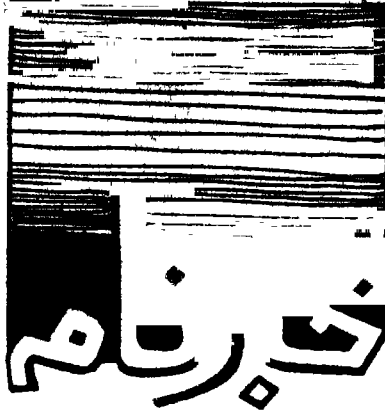
کا افتتاح ۱۵ر دسمبر کو ستپور انڈسٹریل اسٹیٹ، ناسک، میں کیا گیا۔ اس پراجیکٹ کو بڑے ڈویژن فاریسٹ لیبرز کوآپریٹیو سوسائٹی نے شروع کیا ہے جس کے ۳۵۰ ادیباسی اراکین ہیں۔ اس کارخانے میں بانسوں کو پراسیس کر کے چٹائیاں، پردے، جھاڑو وغیرہ تیار کی جائیں گی۔ کارخانے کی تعمیر میں ۱٫۶۷ لاکھ روپے کا سرمایہ لگایا گیا۔ اس کارخانے میں جاپانی مشینیں لگائی گئی ہیں اور امید ہے یہاں روزانہ ... ۲ روپے مالیت کی اشیاء تیار کی جا سکیں گی۔

آدان پراجیکٹ
وزیر اعلیٰ نے بھومی پوجا کی

شری وی۔ پی۔ نائیک، وزیر اعلیٰ مہاراشٹر نے ۱۶ر دسمبر کو اکولہ کے تعلقہ منگرول پیر میں سیپی گاؤں کے نزدیک آدان ندی پر تعمیر ہونے والے درمیانی آبپاشی پراجیکٹ کی بھومی پوجا ادا کی۔ شری جی۔ ایس۔ سرنائیک، وزیر نقل وحمل و مواصلات نے صدارت کی۔

موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری نائیک نے فرمایا کہ اراضی کی آبپاشی کے ذریعہ پیداوار میں اضافہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ فی الحال مہاراشٹر میں آبپاشی کے تحت زمین صرف آٹھ فیصدی ہے اور حکومت اس کو ۳۰ فیصدی تک کرنے کی پوری کوشش کر رہی ہے۔

حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ آبپاشی پراجیکٹ کے تحت جن کی زمینیں زیر آب ہو جائیں گی ان کو متبادل زمینیں دی جائیں۔

کاشتکاروں کو اس معاملہ میں حکومت سے تعاون کرنا چاہئے اور حکومت کے بقایا جات وغیرہ واپس ادا کرنا چاہئے۔

اس سے قبل شری گجدھر راٹھوڑ، ایم ایل اے نے وزیر اعلیٰ کا استقبال کیا۔ شری بابا صاحب ڈھابیکر، صدر ضلع پریشد نے شکریہ ادا کیا۔

ناکارہ کنوؤں کے لئے چھوٹ
افسران کو اختیارات

حکومت مہاراشٹر نے سپرنٹنڈنگ ایگریکلچرل افسران کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ ناکارہ کنوؤں کے معاملہ میں کاشتکاروں کو جو چھوٹ دی جاتی ہے اور جہاں پر ان کو اراضی ترقیاتی بینکوں یا قومیائے بینکوں کے ذریعہ قرض منظور کئے گئے ہیں اور دئے گئے ہیں، اُن پر آخری فیصلہ وہ کر سکتے ہیں۔

یہ افسران تقاوی قرضوں کے معاملات اور سفارشیں بھی آخری فیصلے کے لئے حکومت کے سامنے پیش کر سکیں گے۔ اب تک یہ کام ضلع کلکٹران کرتے تھے۔

قلمی معاونین سے

اپنی تخلیقات کے خاتمہ پر یا پشت پر اپنا مکمل پتہ ضرور تحریر فرمائیں۔ قلمی نام کے ساتھ اصل نام بھی درج فرمائیں۔

نا طلبیدہ مضامین کی ایک نقل اپنے پاس ضرور رکھیں:

قومی راج

جلد : ۲ — ۱۶ر جنوری ۱۹۷۵ء — شمارہ : ۲

قیمت فی پرچہ : ۵۰ پیسے — سالانہ : ۱۰ روپے

زیرِ نگرانی : خواجہ عبدالغفور آئی۔اے۔ایس

ترسیلِ زر اور مراسلت کا پتہ :
ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومت مہاراشٹر، سچیوالیہ، بمبئی ۳۲-۴۰۰

فہرست

سرورق کی تصویر،
وٹھل رامجی شندے

سخنہائے گفتنی

سالِ نو کا آغاز اپنے دامن میں جہاں نئی امیدیں لاتا ہے وہیں نئے خطرات سے بھی دوچار کرتا ہے۔ ۱۹۷۵ء کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا ہے۔ گو کہ عام طور پر اس سال کے لئے نیک امیدوں کا اظہار کیا گیا ہے، تاہم بعض رجحانات تشویشناک بھی ہیں۔ مرکزی وزیر شری ایل۔ این۔ مشرا کا قتل ان متشددانہ رجحانات کی نشاندہی کرتا ہے جو بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں تیزی سے پنپ رہے ہیں۔

تشدد ہرگز مسائل حل نہیں کر سکتا۔ ہماری محبوب وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی کی قیادت میں ملک نے کم از کم فرقہ وارانہ تشدد پر بڑی حد تک قابو پا لیا ہے۔ لیکن سیاسی تشدد کی یہ نئی لہر عوام اور حکومت دونوں کے لئے باعثِ تشویش ہے اور اس سے صرف فسطائی قوتوں کو فائدہ ہوگا جو ملک، اس کے عوام اور اس کے نظام کے دشمن ہیں۔ کاش ہندوستانی سماج کو اس لعنت سے نجات مل جائے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ شریمتی اندرا گاندھی اپنی مستقل مزاجی اور بلند حوصلگی سے اس خطرے کا بھی کامیابی سے مقابلہ کریں گی۔

"قومی راج" کا آئندہ شمارہ جمہوریت نمبر اور سالگرہ نمبر ہوگا اس کے لئے ہمیں بڑی حوصلہ افزا اعانت حاصل ہوئی ہے تاہم جو اہلِ قلم حضرات اب تک اپنی تخلیقات ارسال نہ کر سکے وہ فوری طور پر ہمیں نوازیں۔

—— خواجہ عبدالغفور

جاں نثار اختر

تمہارے جشن کو جشنِ فروزاں ہم نہیں کہتے
لہو کی گرم بوندوں کو چراغاں ہم نہیں کہتے

بہاروں سے جنوں کو ہر طرح نسبت سہی لیکن
شگفتِ گُل کو عاشق کا گریباں ہم نہیں کہتے

نظر کی اِنتہا کوئی نہ دل کی اِنتہا کوئی
کسی بھی حُسن کو، حُسنِ فراواں ہم نہیں کہتے

اگر حد سے گزر جائے دوا تو بن نہیں جاتا
کسی بھی درد کو دنیا کا دَرماں ہم نہیں کہتے

نہ بوئے گُل مہکتی ہے نہ شاخ گُل لچکتی ہے
ابھی اپنے گُلستاں کو گلستاں ہم نہیں کہتے

کسی عاشق کے شانے پر بکھر جائے تو کیا کہنا
مگر اُس زلف کو زلفِ پریشاں ہم نہیں کہتے

ہزاروں سال بیتے ہیں ہزاروں سال بیتیں گے
بدل جائے گی کل تقدیرِ انساں، ہم نہیں کہتے

جاں نثار اختر کو سوویت لینڈ نہرو ایوارڈ

اُردو کے مشہور شاعر جاں نثار اختر کو امسال سوویت لینڈ نہرو ایوارڈ دیا گیا ہے۔ جاں نثار اختر ۱۹۳۶ء سے ترقی پسند مصنفین کی تحریک سے وابستہ ہیں۔ بھوپال میں جہاں وہ حمیدیہ کالج میں شعبۂ اُردو و فارسی کے صدر تھے وہاں وہ ترقی پسند مصنفین کی انجمن کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔ آپ کے کئی مجموعے 'تارِ گریباں' 'جاوداں' 'نذرِ بتاں' 'گھر آنگن' اور 'خاکِ دل' شائع ہو چکے ہیں۔ جاں نثار صاحب عرصے سے فلموں کے گیت لکھ رہے ہیں لیکن یہاں بھی انھوں نے اپنے فن سے غداری نہیں کی اور ادبی اقدار کو ملحوظ رکھا۔ حال ہی میں انھیں ادبی سنگم نے ان کے گیت " یہ دل اور اُنکی نگاہوں کے سائے " پر اس سال کے بہترین ادبی گیت کا ایوارڈ دیا ہے۔

ایک فراموش کردہ مصلح اور مجاہدِ آزادی

کرم ویرِ وٹھل رامجی شندے

من نہ گویم از بُتاں بیزار شو
کافری شائستۂ زُنّار شو
(ڈاکٹر اقبالؔ)

بمبئی کے انگریزی ہفتہ وار "اِلسٹریٹیڈ ویکلی" نے "ہم ہندو کیوں ہیں؟" اس موضوع پر ممتاز ادیبوں اور سیاسی لیڈروں کے خیالات شائع کئے ہیں۔ ان حضرات نے اپنے جواب میں چند عالمانہ دلائل ضرور پیش کئے ہیں لیکن بہتیروں نے اپنی پیدائش کے اتفاق محض ہی کو اپنے ہندو ہونے کی خاص وجہ بتایا ہے۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو دین کے بارے میں روحانی سوز و گداز کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی! اور کتنے بدنصیب ہیں وہ جن کو دینی مسائل نے دیوانہ بنا ڈالا! وہ بیچارے اپنا غم غلط کرنے کے لئے صرف اس مقولے سے اپنے دل کو تسلی دے سکتے تھے کہ "دانشور کے دل کا ذکر شعور کے شکوہ سے بہتر ہے!" حقیقت بھی یہی ہے۔ جگت گرو شنکر اچاریہ نے کہا ہے "بچّے اپنے کھیلوں میں خوش، جوان اپنی محبوبہ کے ساتھ مشغول، بوڑھے اپنی چنتاؤں میں چُور، تو بتاؤ کہ سوائے تصوف کے سرو کار ہے؟" لیکن سو سال پہلے یہ بات نہیں تھی۔ یہ بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کیا وہ

اس خود ساختہ اخلاقی فرض کا بوجھ اپنے سر پر اُٹھا لیتا کہ دین، سماج، قوم اور ملک کی خدمت کرے اور ضرورت پڑنے پر دار و رسن کے لئے بھی تیار ہو جائے۔ وہ زمانہ ہی ایسا تھا۔ ملک میں اور خاص طور پر مہاراشٹر میں مختلف اور متضاد آدرشوں کو بھی لے کر دینی اور سیاسی اصلاح کے چرچے چل رہے تھے اور تحریکیں بھی زور پکڑ چکی تھیں، اور اُن میں سے کسی ایک کی دُھن میں تعلیم یافتہ نوجوان سرگرم رہتے۔ البتہ ایسے لوگوں کی قلت نہیں تھی جن کے نزدیک کامیاب زندگی کا یہ تصور تھا

آئینہ لفظِ خدا ہے بیسیوں مفہوم کا
اور ازآں جملہ مرادف ہے یا نامعلوم کا
سب کا حصّہ قوت و حالت کے لائق ہے یہاں
بس! یہی مطلب تو ہے اے مہوِل مقسوم کا

ملک اور سماج کی زبوں حالی اس بھیانک حد تک پہنچ گئی تھی کہ کسی دل و دماغ والے انسان کے لئے چین کی نیند سونا ناممکن ہو گیا تھا۔ بنگال میں آزادی کے متوالے بم پھینک رہے تھے، مہاراشٹر میں لوکمانیہ تلک نے انگریزوں کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی دینی معاملات میں بھی ہر طرف قدامت پرستی پر لعنت

گنّاتھ دیوکر

بھیجی جا رہی تھی، اس حد تک کہ پنڈتا رما بائی نے عیسائیت قبول کی۔ لیکن جسٹس رانا ڈے جیسے معتدل خیالات کے لیڈر بھی تھے جنھوں نے اپنی قوم کی خامیوں کو تسلیم کیا اور اصلاح کی کوشش کی اور ہندو دھرم کے اچھے عناصر پر فخر کیا اور ہندوستان کی تاریخی عظمت کا احترام کرنے کی تلقین کی۔ ان ہی کے ایک مُرید تھے وِٹھل رامجی شندے جنھوں نے ملک کی آزادی، دین کی اِصلاح اور مظلوم عوام کی خدمت بڑی جاں نثاری سے کی۔

جمکھنڈی

جمکھنڈی ایک قصبہ ہے جو کرناٹک میں بیجاپور سے ۳۶ میل کی دوری پر واقع ہے۔ وہ ایک ریاست تھی جو ہندوستان آزاد ہو جانے کے بعد بمبئی کے صوبے میں ضم ہو گئی۔ وہاں عوام کی بولی کنڑی ہے اور والیٔ ریاست کے مرہٹہ ہونے کی وجہ سے کاروبار، تعلیم اور سماجی زندگی میں مراٹھی کا غلبہ رہا۔ مراٹھوں کی فتوحات کے طفیل سیکڑوں مرہٹہ خاندان کرناٹک میں بس گئے تھے اور صدیوں کی حکومت کی وجہ سے ایک ملی جلی سی تہذیب پیدا ہو گئی تھی۔ مرہٹوں کی دلیری اور سیاسی چالاکی کا کنڑی عوام پر اچھا اثر ہوا اور کنڑی لوگوں کی کشادہ دلی اور سادگی کا مرہٹوں پر۔ وِٹھل رامجی شندے میں یہ [illegible] پیدا ہوئے۔ [illegible]

صدی میں سوندتی نامی قصبے کے رئیس تھے اور اس طرح کرناٹک کی سرزمین سے اُن کی کئی سو سال کی وابستگی تھی۔ وہاں کے لنگایتوں اور برہمنوں کے اثر سے اُن کے طریقِ زندگی میں بہت تبدیلی پیدا ہو چکی تھی اور انہوں نے گوشت کھانا ترک کیا تھا۔ اُن کے خاندان کے افراد کے نام بھی کچھ کنڑی وضع کے تھے مثلاً بسوتا (وٹھل راؤ کے دادا)، وینکپا (ماموں)، جانکا (بہن) وغیرہ۔ ان کے والد راجی مرہٹہ فرقہ کے پہلے مدرس تھے کیونکہ عام طور پر یہ پیشہ برہمنوں کی میراث سمجھا جاتا تھا۔ وہ دیندار تھے اور رہن سہن میں سفید پوش۔ اُن کے گھر میں ذات پات کا کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا تھا اور ہمیشہ سادھو، سنیاسی، پنڈت اور فقیروں کا آنا جانا رہتا۔ جکھنڈی کی اس ملی جلی تہذیب کا اُن کی شخصیت کی تعمیر میں نمایاں حصہ تھا اور ان کا مزاج شمال کے مرہٹوں سے علیحدہ سا بن گیا تھا۔ انھوں نے خود اپنی آپ بیتی میں اس بات کا ذکر اس طرح سے کیا ہے۔ "میرا وطن کرناٹک ہے۔ وہاں کے مرہٹوں میں بعض ایسے گُن پائے جاتے ہیں جو شمال کے مرہٹوں میں نہیں پائے جاتے کیونکہ اُن کی طرح ہم اپنے راجپوت ہونے پر ناز نہیں کرتے اور نہ اپنی عورتوں کو پردہ داری پر مجبور کرتے ہیں۔ جنوب کے مرہٹے اونچ نیچ کے احساس سے بَری ہوتے ہیں۔"

تعلیم

وٹھل راؤ کے والد راجی نے اپنے بیٹے کی تعلیم پر خاص توجہ دی۔ وہ خود دینی مسائل جو تیش اور آیوروید کے شوقین تھے اور اس لئے وٹھل راؤ کے دل میں رسمی تعلیم کے علاوہ مختلف قسم کی جانکاری حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ مراٹھی، انگریزی اور سنسکرت ادب کا مطالعہ بھی کرتے تھے۔ اُن کی تعلیم میں دو بڑی مشکلیں پیدا ہو گئیں۔ پہلے یہ کہ اُن کے والد نے، باوجود اپنی روشن خیالی کے، اُن کی شادی اُس وقت کرا ڈالی جب کہ اُن کی عمر صرف نو سال کی تھی اور اُن کی بیوی دو سال کی۔ اس کے علاوہ راجی بعض مکار سادھوؤں کی صحبت کے اثر سے شرابی بن گئے اور مقروض ہو گئے چنانچہ کئی پشتوں کی جائیداد اور کھیتی باڑی پر مہاجنوں نے قبضہ کر لیا اور یہ دیوالیہ خاندان وہاں سے ہجرت کر گیا۔ راجی کا سہارا ختم ہونے پر وٹھل راؤ پونہ گئے اور وہاں سے ۱۸۹۱ء میں انھوں نے میٹریکولیشن کا امتحان پاس کیا۔ کالج کی تعلیم بھی انھوں نے پونہ میں ہی حاصل کی۔ پونہ اُس وقت ملک گیر اہمیت کا علمی اور سیاسی مرکز تھا اور مایۂ ناز ادیب اور لیڈر وہاں آتے اور نوجوانوں کو علم اور ملک کی خدمت کرنے کی دعوت دیتے۔ وٹھل شندے جیسے روشن خیال نوجوان پر ایسے پُر کیف ماحول کے اثرات کا نافذ ہونا ناگزیر تھا، چنانچہ وہ پونہ کے دانشوروں کی انجمن میں شریک ہوئے۔ اُن دنوں اُن کے ہاں مشہور انگریز فلسفی اسپنسر کا چرچا زوروں پر تھا اور لاادریت کی ہوا چل پڑی تھی۔ اُس کے بہاؤ میں آن کر وٹھل راؤ اپنی دینداری کو بھلا کر مذہب کے منکر بن گئے۔

شندے کے مالی وسائل نہیں کے برابر تھے مگر بروڈہ کے مہاراجہ شریمنت سیاجی راؤ گائیکواڑ نے اُنھیں تردد سے نجات دلائی۔ تاہم ان کی کالج کی تعلیم کے زمانے میں اور دو مصیبتیں پیش آئیں۔ ۱۸۹۵ء میں پونہ میں طاعون کی وبا پھیل گئی۔ اُسی حالت میں ہندو مسلم فسادات بھی ہوتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسکول اور کالج بند رہے۔ اس طرح سے ایک سال کی تاخیر سے وہ بی۔اے۔ کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔ اگر وہ ملازمت تلاش کرتے جو اُن کے گھر کی پست حالی کے مدِنظر ضروری بھی تھا تو یقیناً کسی اعلیٰ عہدہ پر فائز ہو جاتے مگر انھوں نے اپنی مادی آسائش کو نظر انداز کرتے ہوئے ایل۔ ایل۔ بی۔ کی ڈگری حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔

میکس مُلر

بمبئی میں ۱۸۸۵ء میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کا اجلاس ہوا۔ اُس کے کرتا دھرتاؤں میں جسٹس راناڈے بھی تھے اور انھوں نے اس کے ساتھ ساتھ سماج سُدھار کانفرنسیں منعقد کی تھیں۔ یہی سلسلہ کانگریس کے ہر اجلاس کے ساتھ جاری رہا۔ شندے جی راناڈے سے اِرادت رکھتے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ راناڈے کی خدا پرستی سے متاثر ہوتے گئے۔ اسی دوران میں یورپ کے مشہور مستشرق میکس مُلر ہندوستان آئے ہوئے تھے اور انھوں نے اپنی تقریروں میں وید، اُپ نِشد اور ہندوستانی فلسفہ کی عظمت ثابت کرتے ہوئے بتا دیا کہ یورپ کے فلسفی ہندی علوم سے کافی متاثر ہیں۔ اُن کی تلقین کا یہ نتیجہ ہوا کہ قدیم ہندوستانی روایات کو زیادہ احترام سے دیکھا جانے لگا اور سماج کی تعمیرِ نو میں اُن سے استفادہ کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ اس سمت میں منظم طریقہ سے کوشش کرنے والی ایک جماعت تھی برہمو سماج اور راناڈے، ڈاکٹر بھنڈارکر، چنداورکر وغیرہ کی سرکردگی میں اُس کی ایک شاخ "پرارتھنا سماج" بمبئی میں قائم کی گئی تھی۔

برہمو سماج

برہمو سماج کے بانی راجہ رام موہن رائے تھے۔ وہ خدا پرست ضرور تھے مگر ہندوؤں کے بعض رسوم مثلاً بُت پرستی، عورتوں اور خاص طور سے بیواؤں کی مظلومیت وغیرہ کے سخت مخالف تھے۔ اُنھوں نے اُپ نِشد، عیسائیت، اسلام، سِکھ مذہب، بُدھ مذہب وغیرہ کے اچھے اصولوں پر مبنی ایک نیا نظام قائم کیا جو تعلیم یافتہ طبقوں میں اور اُن لوگوں میں جو سماجی اعتبار سے ظلم کا شکار بن گئے تھے، خوب مقبول ہوا تھا۔ شندے جی کو یہ "نو دھرم" بہت پسند آیا اور وہ سماج کے ایک مبلغ بن گئے۔ یہ کام بہت جوکھم کا تھا

کیونکہ اُن کے پرچار کی نوعیت اور عبادت کے
طریقے عیسائیوں جیسے لگتے تھے اس لئے عام ہندو
اُس جماعت کی طرف شک کی نظر سے دیکھتے تھے۔
دوسرے یہ کہ برہمو سماج کا اثر اعلیٰ طبقے کے تعلیم
یافتہ اور مغرب زدہ حلقوں ہی تک محدود تھا۔
شندے جی اس صورت حال کو بدلنا چاہتے تھے۔
برہمو سماج کے نیتاؤں کو بھی اُن کا یہ خیال پسند آیا
اور اس لئے انھوں نے شندے جی کو پرچار کے
کام میں زیادہ تربیت حاصل کرنے کی غرض سے
انگلینڈ بھیجا۔

مینچسٹر کالج

۱۸۵۴ء میں انگلینڈ کے چند خدا پرست
عیسائیوں نے جو دیگر مذاہب کی بھی عزت کرتے
تھے، ایک جماعت "مارنگٹن اکیڈیمی" قائم کی
تھی۔ اُس میں سبھی دھرموں کے لوگوں کو شرکت
کی رعایت دی گئی تھی اور وہاں پرچارکوں کی خاص
ٹریننگ کا انتظام موجود تھا۔ یہی اکیڈیمی ۱۸۸۶ء
میں "یونیٹیرین چرچ" میں تبدیل ہوگئی اور
اُس میں برہمو سماج کے ترجمان کی حیثیت سے
شندے جی کو بھیجا گیا۔ انھوں نے اس موقع کا
پورا فائدہ اٹھایا اور اپنی معلومات میں بھرپور
اضافہ کرلیا۔ انھوں نے برہمو سماج کے پرچار کے
لئے مناسب اور ضروری طریقوں کا مطالعہ بھی
کیا۔ یونیٹیرین والے آزاد خیال واقع ہوئے تھے
اور باغ و بہار طبیعت کے مالک تھے۔ شندے
ہندوستانیوں کی طرح شرماتے تھے اس لئے اس
نوجوان [illegible] کو "شرمیلا ہندی" کے نام سے
یاد کیا جاتا تھا لیکن حصول تعلیم و تربیت میں وہ
نہایت چست رہتے اور اُن کی مستعدی کی داد
دی جاتی تھی۔ ایک بحث و مباحثہ کے دوران
میں انھوں نے ایک مضمون بھی پڑھا جس میں
ہندوستانی عورتوں کی قربانیوں کا انھوں نے
بہت [illegible] طریقے سے ذکر کیا تھا اور جس کا
ترجمہ ایک فرانسیسی رسالے نے شائع کیا تھا۔
انھوں نے تعلیم ختم ہونے کے بعد یورپ کی سیر
کی اور وہ ۱۹۰۳ء میں ہندوستان لوٹے۔

بمبئی کا "پرارتھنا سماج"

انگلینڈ سے لوٹتے ہی اَنّا صاحب شندے
کو بمبئی کے برہمو سماج یعنی پرارتھنا سماج کے
پرچارک کے طور پر مقرر کیا گیا اور جنوبی ہند
کی تمام شاخوں کی نگرانی کا کام بھی انھیں سونپا
گیا۔ اس سلسلہ میں انھیں متعدد دشواریوں کا
سامنا کرنا پڑا۔ دھرم کے معاملہ میں حالت یہ
تھی کہ مہاراشٹر میں وارکری نامی ایک وشنوؤں
کی جماعت ہے جس کے افراد اونچ نیچ کے بھید بھاؤ
کو نہیں مانتے۔ وہ پنڈھرپور کے وٹھوبا کی سال میں
دوبار پیدل زیارت کرتے ہیں۔ اُن کا رہن سہن
قدامت پرست ہندوؤں کی طرح ہی ہوتا ہے۔
"پرارتھنا سماج" والوں کے ہاں بھی ہری بھجن کا
رواج ضرور تھا مگر اُن کی اُپاسنا کا ٹھاٹھ اکثر
عیسائی نما رہتا۔ اس وجہ سے عام ہندو ان کو
اکثر حقارت کی نظر سے دیکھتے۔ بعض اوقات
اُن کی سبھاؤں پر پتھراؤ بھی کیا جاتا تھا۔ چنانچہ
شندے جب اپنے وطن جمکھنڈی گئے تو
ان کو وہاں اپنے پرچار کا کام کرنا بہت
کٹھن ہوا کیونکہ اُن کے پرانے دوست اور خیرخواہ
بھی اُن کے مخالف ہوگئے تھے۔ بڑی مشکل سے
انھوں نے اپنی اور اپنے بال بچوں کی جان بچائی
اور ان کو اپنے ساتھ لے کر بمبئی لوٹے [۱]۔ اس
تجربے سے ان کو یقین ہوگیا کہ خواہ اپنا مشن
کتنا ہی اچھا اور بے ضرر کیوں نہ ہو اُس کا بدیسی
ڈھنگ کا پرچار بے سود ہے۔ اس خیال سے
انھوں نے سماج کے عبادت کے طریقوں سے
مغربیت کے آثار نکال ڈالے۔ ساتھ ہی ساتھ
انھوں نے بے کسوں اور محتاجوں کی امداد کرنے
کی غرض سے ۱۹۰۶ء میں "[illegible] سہایک منڈلی"
(انجمن امداد بے کساں) قائم کی۔ اُن کی صداقت
اور استعداد کا عوام پر خوشگوار اثر پڑا اور متعدد
کے مقامات میں بھی برہمو سماج کی شاخیں قائم
ہونے لگیں۔ ہُبلی، بنگلور، منگلور اور مدراس
کا بار بار سفر کرنا پڑتا تھا اور اُن کی شاندار
کامیابی سے متاثر ہوکر بنگال، بہار، آسام،
یو۔پی وغیرہ سے بھی اُن کو پرچار کی دعوتیں آتی
تھیں۔ وہ اپنا کام اس خیال سے کرتے تھے کہ
آئے دن کی قدامت پرستوں کی مخالفت بھی کم ہوتی
گئی۔ برہمو سماج سفید پوشوں کی جماعت نہیں
رہی۔ اس میں ملک بھر کے مظلوموں کی امداد کی
اسکیمیں بنائی گئیں۔ چنانچہ ایک دفعہ انھیں منگلور
بھی جانا پڑا جہاں بلوا فرقے کے شودروں پر طرح
طرح کے مظالم ڈھائے جا رہے تھے۔ وہ کاشتکار
تھے اور اُن کے مالکان اُن کے ساتھ غلاموں
کا سا سلوک کرتے تھے۔ شندے نے اُن کی
ایک آزاد تنظیم بنادی اور وہ لوگ بھی اپنے
روایتی اَن داتاؤں کی امداد سے بے نیاز ہوکر
مختلف پیشوں میں لگ گئے۔ اس بات کا ایک
نتیجہ یہ بھی ہوا کہ اُن کو برہمو سماج کی خدمت سے
زیادہ اچھوتوں اور پسماندہ طبقے کی سیوا کرنا ضروری
محسوس ہونے لگا اور اس لئے اُن کا پرارتھنا
سماج کے ساتھ کا سمبندھ ۱۹۱۰ء میں ختم ہوا
اور انھوں نے اپنی زندگی تباہ حال لوگوں کی فلاح
و بہبود کے لئے وقف کردی۔

اچھوت

اچھوت جن کو ہریجن کے نام سے یاد کیا
جاتا ہے کوئی ایک فرقہ یا جماعت نہیں ہے
اُن کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی ہندو دھرم کی
ہے۔ یوں تو مذہبی اصولوں کی خلاف ورزی
کرنے والوں اور باغیوں کو ہر مذہب سے خارج
کیا جاتا ہے لیکن چھوت چھات کی لعنت صرف
ہندو دھرم میں ہی پائی جاتی ہے۔ [illegible]

میں مذہب اور دیگر مقدس کتابوں میں "چانڈالوں" کا ذکر پایا جاتا ہے جو ایک فرقہ ہونے کی بجائے مختلف جاتیوں کی مخلوط اولاد ہے۔ جو بھی دھرم سے خارج کیا گیا وہ چانڈال بنا۔ کئی ہزار سال گذر جانے کے بعد جو ہندو دھرم کے قانون بنے اُن میں ایسے لوگوں کو شودر کہا گیا اور اس طرح "اسپرشیا" یا اچھوتوں کی ایک بڑی آبادی وجود میں آئی۔ اُس میں جہاں حلال خور، چمار، قصاب وغیرہ ہوتے ہیں وہاں ذات سے خارج کئے ہوئے برہمن کشتریہ وغیرہ بھی شامل ہیں۔ بُدھ مذہب کا اقتدار ختم ہونے پر بُدھ لوگ یا تو ہجرت کر گئے یا یہیں رہ کر اچھوت کہلائے۔ اسی زمانے میں ہندوستان میں کچھ مذہبی تحریکات وجود میں آئیں جو ان بدنصیب لوگوں کو سماج میں مساویانہ مقام دینے کی حمایت کرتی تھیں۔ ویشنوی، ویرشیوا (لنگایت) اور وارکری جماعتوں کے پیشواؤں نے اور آریہ سماج نے بھی اُنکی حالت سدھارنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس کے باوجود بھی چھوت چھات کی لعنت دور نہیں کی جا سکی۔ ۱۹ ویں صدی میں انگریزی تعلیم کے اثر سے ہندو قوم کے اندر ایک نیا شعور پیدا ہوا اور دینی، سماجی اور سیاسی سطح پر اچھوتوں کی مادی اور تعلیمی حالت بہتر بنانے کی منظم کوششیں کی جانے لگیں۔ مہاراشٹر کو اس سلسلہ میں قیادت کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ مہاتما جوتیبا پھولے نے اچھوت طلباء کے لئے ۱۸۴۸ء میں اسکول کھولا تھا۔ بعد میں بروڈہ کے مہاراج سیاجی راؤ گائیکواڑ اور کولہاپور کے راج رشی شاہو مہاراج نے اُن کی فلاح و بہبود کے لئے بڑی سرگرمی کا ثبوت دیا۔ چنانچہ شندے جی کو اپنا برہمو سماج مقبول بنانے کے لئے اس کارِ خیر میں شریک ہونا پڑا۔ انہوں نے ملک بھر میں ڈپریسڈ کلاسز مشن سوسائٹی کا کام بڑے جوش کے ساتھ چلایا۔ سنہ ۱۹۳۰ء کے بعد جب گاندھی جی کی ستیاگرہ کی تحریک ملک گیر ہوئی تو شندے جی نے انھیں اچھوتوں کے سوال کو کانگریس کے پروگرام میں شامل کرنے کیلئے راضی کیا اور اس طرح سے اُن کا کام کسی مصلح یا مہاتما کا مشن ہونے کی بجائے قومی مفادات کا جزو بن گیا۔ چھوت چھات کا جنازہ نکالنے کا کام دستور ہند نے کیا جو ۱۹۵۰ء میں نافذ ہوا۔

مجاہدِ آزادی

شندے جی کو ہندوؤں کی بت پرستی پسند نہ تھی۔ مگر وہ کوئی ہندو مذہب کی خاص نشانی نہیں تھی۔ اس لئے انہوں نے اس کو نظرانداز کرتے ہوئے خدا پرستی، رحم، بے لوثی اور اُپنشدوں کی تلقین جیسے "زنّاروں" یا ہندو دھرم کی نشانیوں کی حمایت کی مگر اُن کی خصوصیت یہ ہے کہ ہندو دھرم کے معاملات کو انہوں نے ملک کے مفادات سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔ چنانچہ انہوں نے سرکاری نوکری کرنے سے سماج کی سیوا کرنے کو بہتر سمجھا۔ اسی طرح اُن کے دنوں میں غیر برہمن پارٹی جنوب میں اور خاص طور سے مہاراشٹر میں بڑی طاقتور تھی۔ وہ آسانی سے اس کے ممبر اور لیڈر بن کر اپنی ذاتی دینی اور دنیوی ترقی حاصل کر سکتے تھے لیکن ان کو دیش پیارا تھا اور وہ دیش بھگتوں کی بڑی قدر کرتے تھے۔ ایک دفعہ پرارتھنا سماج کی ایک سبھا میں عبادت کے دوران بھگوان سے پرارتھنا کی کہ وہ لوکمانیہ تلک کو برطانوی ظلم سے بچائے۔ اسی برہمو سماج کے ممبران میں، جو اکثر وفادارانِ ازلی میں سے تھے، بڑا تہلکہ مچ گیا اور دو تین سال کے اندر اندر انھیں برہمو سماج کی ملازمت چھوڑنی پڑی اور اسطرح سے وہ تنخواہ، رہائشی مکان اور دیگر رعایات سے محروم ہو گئے۔ جب بھی انھیں موقع ملتا تھا خاموشی سے قومی مفاد کی خاطر اپنا رسوخ استعمال کرتے تھے اور قوم کی خدمت کرنے والوں کی ہر طرح سے امداد کرتے تھے۔ چنانچہ سنہ ۱۹۲۰ء کے بعد وہ گاندھی جی کی ہر تحریک سے وابستہ رہے اور سنہ ۱۹۳۰ء میں جیل گئے۔ اس سلسلہ میں انھیں انگریز حاکموں اور وفادار مرہٹوں کی مخالفت مول لینا پڑی اور انگریزوں کی دار و گیر کی پالیسی سے اُن کو سماجی کام کرنا بھی مشکل ہو گیا۔ انھوں نے ایک اور مہم چلائی تاکہ مرہٹوں کو فرقہ وارانہ رجحانات سے بچا کر اُن میں ملک و قوم کی خدمت کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ ملک میں اُن دنوں انتخابات کے تجربے ہو رہے تھے اور لوکل گورنمنٹ کی حد تک عوام کو اختیارات مل چکے تھے۔ وٹھل راؤ نے سنہ ۱۹۲۰ء میں "مراٹھا سوراج" پارٹی قائم کی اور اس کے ذریعہ راشٹریتا یا قومیت کا خوب پروپیگنڈا کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دس پندرہ سال کے اندر پھرتیلے نوجوان آزادی کی امنگوں کے ساتھ کانگریس میں شامل ہونے لگے اور سیاست میں غیر برہمن پارٹی کا زور ختم ہوا۔ حالانکہ طبیعت خراب ہونے کی بنا پر سنہ ۱۹۳۳ء سے وہ زیادہ سرگرمی سے کام نہ کر پاتے تھے، تاہم ان کے تعاون سے مہاراشٹر میں کانگریس کی تنظیم مرہٹوں میں بہت مقبول ہوئی۔ انہوں نے ہی جیدھے برادران کو کانگریس میں شامل ہونے کی ترغیب دلائی اور اُن کی رہنمائی میں کانگریس کو غیر معمولی تقویت پہنچی۔ چنانچہ سنہ ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں غیر برہمن پارٹی کو شکست فاش کا منہ دیکھنا پڑا اور صوبہ بمبئی میں صوبائی خود مختاری کے حقوق کے ساتھ کانگریس کا اقتدار قائم ہوا۔ حالانکہ کانگریس کے ساتھ اُن کے تعلقات اچھے تھے اور وہ کانگریس کے بڑے لیڈروں میں کافی رسوخ رکھتے تھے۔ انھوں نے ذاتی ترقی کا خیال بھی نہیں کیا اور گوشہ نشینی اختیار کی مگر بے کسوں اور ہریجنوں کی تنظیم کے کام میں ڈھیل نہیں آنے دی۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران میں بھی جب کہ انگریزی حکومت اُن کے تعاون کے لئے بڑی سے بڑی قیمت دینے کے لئے تیار تھی اور کمیونسٹوں سمیت بہت پارٹیاں اس کی حمایت کر رہی تھیں، شندے کی ہمدردیاں کانگریس اور دیگر قوم پرست پارٹیوں کے ساتھ رہیں۔ سنہ [illegible] میں جب وہ انتقال کر گئے ملک اور مہاراشٹر اپنے ایک مخلص سماجی کارکن اور آزادی کیلئے جان کی بازی [illegible] لیڈر سے محروم ہو گیا۔

غزلیں

اِس شہرِ کربلا میں کوئی کیا دہائی دے
آواز جس کو دو اُسے اونچا سنائی دے

ملتے ہیں آسمان و زمیں کِس مقام پر
دیکھو افق کی سمت جہاں تک دکھائی دے

اوروں کے خال و خط پہ بھی اک سرسری نگاہ
فرصت تمھیں جو تمکنتِ خود نمائی دے

اپنی لگائی آگ میں خود جل رہے ہیں ہم
پھر کون اس عذاب سے ہمکو رہائی دے

اے دینے والے تیری عطا پہ ہے منحصر
میں مانگتا تو ہوں مجھے ساری خدائی دے

پتھراؤ کِس غضب کا اِدھر ہو رہا ہے آج
یارب کسی کو ہمّتِ سر آزمائی دے

نقی یہ کون شخص مرے شہر آگیا
جھک جھک کے سارا شہر جسے پیشوائی دے

[illegible]

میں سمندر ہوں، مرا بھی تو کدھر جاؤں گا
اپنے ہی دائرۂ جاں میں بکھر جاؤں گا

ذہن ہوں، جسم کی مانند مزیّن نہ کرو
پیرہنِ خاک کا پہنوں گا تو مر جاؤں گا

اک ابد کیش تسلسل ہے یہ زنجیرِ وفا
میں وہ تہمت ہوں کہ ہر دَور کے سر جاؤں گا

یہ سرور اور ہی شئے ہے کہ تہی جام ہوں میں
ہوش آنے گا تو پیمانہ سا بھر جاؤں گا

اُفقِ صبح پہ سورج سا چمک لینے دو
شام آئی تو ستاروں سا بکھر جاؤں گا

رُکتا چلتا ہوں کہ بچھڑے ہوئے ساتھ آجائیں
یہ نہ سوچو کہ میں رستے میں ٹھہر جاؤں گا

اک ذرا دیکھ لوں، کِس حال میں ملتی ہے نسیم
خلوتِ شب میں تا حدِ سحر جاؤں گا

آئینہ ہوں، تجھے دکھلاتا ہوں چہرہ تیرا
کوئی پتھّر ہوں کہ تیشے سے سنور جاؤں گا

کیا ڈبوئے گا مجھے وقت، کہ میں خود حرمت
بھاگتے لمحوں کے دریا میں اُتر جاؤں گا

حرمت الاکرام

الزماں خاور

مراٹھی آنگن کے ناچ

ہم یہ تو جانتے ہیں کہ رامائن اور مہابھارت
خالق کون تھے مگر ہمارے لئے یہ معلوم کرنا دشوار
ہیں بلکہ ناممکن سا ہے کہ کون سا لوک گیت کس کا
ا ہوا ہے؟ کون سی لوک کہانی کس کی تخلیق ہے؟
ن سا لوک ناچ کس کا ایجاد کیا ہوا ہے؟ ہم
سوالوں کے جواب تلاش کرنے سے لاکھ معذور
ں' اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ
سے ملک میں عوامی ادب کی روایات ہزاروں سال
ن ہیں۔ ہمارا عوامی ادب' خواہ وہ لوک گیت ہو
کہانی ہو یا لوک ناچ ہو' عوام کے درمیان
رہتا اور عوام کے درمیان پھیلتا بڑھتا رہا ہے
عوام ہی کے ذریعے' ایک نسل سے دوسری نسل
منتقل ہوتا آیا ہے اور اسی عوامی ادب نے ہماری
ی تہذیب کی ہر دور میں حفاظت کی ہے۔

بھارت کی ریاستوں میں' مہاراشٹر کے مراٹھی
ن کا عوامی ادب جتنا وسیع ہے اتنا ہی رنگین اور
رع بھی ہے۔ اس ادب میں لوک گیتوں اور لوک
نیوں کے علاوہ لوک ناچوں کی بھی ایک بڑی تعداد
ل ہے۔ کسی علاقے کے عوامی ادب پر' اس
قے کے مخصوص تاریخی اور جغرافیائی حالات کا بھی
ا گہرا اثر پڑتا رہتا ہے۔ چنانچہ مراٹھی آنگن کے
سنگیت اور لوک ناچوں کا مطالعہ کرنے سے
قیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مراٹھی مرد' پرانے
نے ہی سے " ویر پرش " اور "ایشور بھگت "

چلے آ رہے ہیں اور مراٹھی عورتیں شروع ہی سے
بھولی بھالی قسم کی گھریلو عورتیں ہیں۔ اور غالباً
یہی وجہ ہے کہ مراٹھی عورتوں کو' اپنے ناچ کیلئے
پنجابی یا گجراتی عورتوں کی طرح کسی مخصوص ساز
کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اتفاق سے کوئی ساز
مل جائے تو ٹھیک ہے ورنہ وہ سازوں کی مدد کے
بغیر بھی نہایت ہی مسحورکن انداز میں رقص کر لیتی
ہیں۔ ان کے لوک ناچ بے حد خوبصورت اور لطیف
ہوتے ہیں۔ مراٹھی مردوں کے لوک ناچ عام طور پر
ویر رس سے بھرپور ہوتے ہیں۔ یہ لوک ناچ پیش
کرتے وقت' مہاراشٹر کے لوک سنگیت میں جو ساز
استعمال کئے جاتے ہیں ان میں ڈھول' ڈفلی'
مردنگ' مجیرے' نقارے' تنبورے' اِکتارے'
گھنگھرو' گھنٹی اور جھانجروں جیسی مختلف چیزیں
شامل ہوتی ہیں۔

مراٹھی عورتوں اور مردوں کے لوک ناچ'
طرح طرح کے ناموں سے پہچانے جاتے ہیں جن میں سے
ذیل کے چند لوک ناچ خصوصیت کے ساتھ قابلِ
ذکر ہیں۔

گوری پوجا کا ناچ

مراٹھی عورتوں کے لوک ناچوں میں "گوری
پوجا" کا ناچ سب سے زیادہ مقبول لوک ناچ
ہے۔ گوری کے تہوار پر مراٹھی عورتیں پوجا کا خاص
طور سے اہتمام کرتی ہیں۔ اس موقع پر گھروں کی

آرائش اور سجاوٹ کا بڑا خیال رکھا جاتا ہے۔ عورتیں
عموماً زری کی ساڑیاں پہنتی ہیں' بالوں میں پھولوں
کے گجرے لگاتی ہیں' کلائیوں کو چوڑیوں سے بھر
دیتی ہیں اور ماتھے پر بڑا سا تلک سجا لیتی ہیں اور
گوری پوجا کی تقریب میں شریک ہوتی ہیں۔ پوجا کے
لئے آنے والی عورتوں کا ہلدی کم کم اور آرتی کے ذریعے
استقبال کیا جاتا ہے۔ اس تقریب میں مراٹھی عورتیں
رات رات بھر جاگتی ہیں۔ گوری کی پوجا کرتی ہیں اور
ناچتی ہیں۔ یہ ناچ مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ دو
دو عورتوں کی جوڑیاں بنا کر' جو ناچ اس تقریب
میں ناچا جاتا ہے اُسے " پھگڑی " کہتے ہیں۔ پھگڑی
کھیلتے وقت' مراٹھی عورتیں ایک دوسری سے منظوم
پہیلیاں بجھواتی ہیں۔ پھگڑی کے بعد بہت سی عورتیں
مل کر' دائرہ کی شکل میں " پھیر کا ناچ " ناچتی ہیں
اور پھیر کے گیت گاتی ہیں۔ پھیر کا یہ ناچ ناگ
پنچمی کے دن بھی ناچا جاتا ہے۔

پھگڑی اور پھیر کے ناچ کے علاوہ' مراٹھی
عورتوں کے اور بھی کئی لوک ناچ دیکھنے سے تعلق
رکھتے ہیں' جن میں " بیلنوں " کے ناچ' " بھمّا "
" سوپ " کے ناچ' " شیری " " گوپھ " " کوسیلا "
" پکڑا پھو " اور " پنگا " وغیرہ کے نام خصوصیت
کے ساتھ لئے جا سکتے ہیں۔

دشاوتار

مہاراشٹر کے دیہی علاقوں میں جو لوک ناچ

سالہا سال سے ناچے جاتے آرہے ہیں۔ اُن میں "دشاوتار" کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ بھارت کے دوسرے صوبوں کی طرح ہی، مہاراشٹر میں بھی، بھاگوت، مہابھارت۔ یا پرانوں کی کتھاؤں کو رقص کی شکل میں پیش کرنے کا رواج عام ہے۔ اِس قسم کے رقص کو "دشاوتار" یا "لت" کہا جاتا ہے۔ دشاوتار کے ذریعے جو کتھا پیش کی جاتی ہے وہ پوری کی پوری منظوم ہوتی ہے اور اسے پیش کرتے وقت مختلف ساز استعمال کیے جاتے ہیں، طرح طرح کے سوانگ بھرے جاتے ہیں، اور اداکاری کے ساتھ رقص کیا جاتا ہے۔

گوندھل

مہاراشٹر میں مختلف تہواروں اور شادی بیاہ کے موقعوں پر ایک تقریب منعقد کی جاتی ہے جس میں گوندھلی نام کے ایک پیشہ ور فرقے کے لوگ، اپنے گیت اور رقص پیش کرکے، عوام کی تفریح کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ ان کے رقص کو "گوندھل" کہتے ہیں جو مہاراشٹر کے باشندوں کا ایک پسندیدہ اور مقبول ترین لوک ناچ ہے۔ گوندھلی لوگ بھوانی ماتا کے پجاری ہوتے ہیں اور اسی کے گیت گاتے ہیں۔

گوندھلیوں کی طرح ہی، واگھیا مُرلیوں کا ناچ بھی بڑا دلچسپ ہوتا ہے۔ مُرلیاں (عورتیں) ناچتی اور گاتی ہیں اور واگھیا (مرد) ان کا ساتھ دیتے ہیں۔ گھنگھرو اور دھمڑی ان کے پسندیدہ ساز ہیں اور یہ لوگ اپنی ساری زندگی کھنڈوبا کی آرادھنا اور سیوا میں بِتاتے ہیں۔

کولی ناچ

مہاراشٹر کے ساحلی علاقہ کوکن کے کولی ناچ اور گیت کے بڑے شوقین ہوتے ہیں۔ ان کے ناچ [illegible] اور چاندنی (چپو) کا ذکر جا بجا [illegible] ایک [illegible] ناچتے [illegible]

[illegible] ہو کر ناچتے ہیں۔ ان کے گیتوں کی طرح ہی ان کے ناچ بھی بڑے پیارے ہوتے ہیں۔ کوکن کے "بالو" یا "رام گڑی" بھی کولیوں کی طرح ہی ناچتے ہیں۔ ان کے ناچ کو "جاکڑی" کہتے ہیں۔

نکٹا ناچ

ہولی یا شمگے کے تہوار پر مہاراشٹر میں جو لوک ناچ ناچے جاتے ہیں اُن میں "نکٹا ناچ" اور "کانڈ کھیل" نام کے رقص سب سے زیادہ دلچسپ اور تفریحی ہوتے ہیں۔ "نکٹا ناچ" میں کولی۔ کولن اور نکٹے کے تین کردار ہوتے ہیں جو شخص نکٹے کا کردار ادا کرتا ہے وہ اپنے چہرہ پر نکٹے آدمی کا مکھوٹا (مصنوعی چہرہ) لگاتا ہے اور اُسے اس رقص میں مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اس ناچ کے وقت جو گیت گائے جاتے ہیں ان کے معنی و مفہوم کی روشنی میں یہ نکٹا رقص کرتا ہے اور رقص کرتے وقت اپنی اداکاری کے جوہر بھی دکھاتا ہے۔

"کانڈ کھیل" میں ٹپری سے ملتا جلتا رقص کیا جاتا ہے۔ البتہ اس میں ٹپری سے زیادہ زور ہوتا ہے اور اس کی رفتار بھی کافی تیز ہوتی ہے یہ رقص بنگال کے "کاٹھی ناچ" گجرات کے "ڈنڈیا ناچ" اور جنوبی بھارت کے "کولاٹم ناچ" سے بڑی حد تک مشابہت رکھتا ہے۔

ونڈی ناچ

مراٹھی سنتوں کے لکھے ہوئے ابھنگ، سیدھی سادی مگر رسیلی دھنوں پر گاتے ہوئے بھجن کرنے کا رواج مہاراشٹر کے دیہاتوں ہی میں نہیں بلکہ شہروں میں بھی عام ہے۔ مختلف موقعوں پر اس قسم کے بھجن ساری ساری رات چلتے رہتے ہیں۔ [illegible] کے [illegible] میں جب مہاراشٹر کے کونے کونے سے ہزاروں وارکری پنڈھرپور کے وٹھوبا کے درشن کے لئے نکلتے ہیں تب وہ [illegible] بھجن گاتے ہوئے اور رقص کے انداز میں قدم اٹھاتے ہوئے جاتے ہیں۔ ان کے رقص کو "ونڈی ناچ" کہا جاتا ہے۔

رادھا ناچ

مہاراشٹر میں گوکل اشٹمی کے موقع پر "دہی ہانڈی" یا "دہی کالا" کے ناچ کے علاوہ "رادھا ناچ" بھی بڑے شوق سے ناچا جاتا ہے۔ اس ناچ میں مرد اور عورتیں دونوں حصہ لیتے ہیں، اور یہ "گولن" کے نام سے بھی پہچانا جاتا ہے۔ اپنے فنی محاسن کی وجہ سے یہ ناچ مہاراشٹر کے لوک ناچوں میں ایک انفرادی اور ممتاز درجہ رکھتا ہے۔

تماشہ

تماشہ، مہاراشٹر کا ایک مشہور اور معروف عوامی فن ہے۔ اس کو اگر ناچ اور گانوں کی شاندار ضیافت کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا۔ بے پناہ شرنگار رس میں ڈوبی ہوئی لاونیوں اور جذبات انگیز لوک ناچوں کے دلدادہ مراٹھی عوام کی اکثریت آج بھی، تماشوں پر جان چھڑکتی ہے ناگپور اور وِدربھ کے علاقے میں تماشے کے ناچ کو "ڈنڈھار" کے نام سے بھی پہچانا جاتا ہے۔ مہاراشٹر کے لوک ناچ کے جمالیاتی پہلوؤں سے لطف اندوز ہونا ہے تو کوئی تماشہ ضرور دیکھنا چاہیے۔

ڈومباری ناچ

ڈومباری مہاراشٹر کی ایک خانہ بدوش جماعت ہے۔ اس جماعت کے لوگ گاؤں گاؤں گھوم کر مختلف کرتب دکھایا کرتے ہیں۔ ایک اعتبار سے ان کو مراٹھی دیہاتوں کے "سرکس والے" کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ ڈومباری عورتیں ناچنے میں بڑی مشاق ہوتی ہیں۔ ان کے رقص کو "ڈومباری ناچ" کہتے ہیں۔ تماشوں میں "[illegible] باری" کے نام سے جو رقص پیش کیا جاتا ہے وہ بنیادی طور پر اسی ڈومباری ناچ کا ایک [illegible] ہے

لیزم

لیزم: مہاراشٹر کا ایک مخصوص لوک ناچ ہے جس سے مراٹھا عوام کی مردانگی اور شجاعت کا اظہار ہوتا ہے۔ لیزم کے تال پر رقص کرنے کے لئے بانس کی کمان کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیزم کے ناچ میں بڑی جھانجھروں کے علاوہ اور بھی دوسرے ساز بھی استعمال کئے جاتے ہیں۔

ڈوری ناچ

مہاراشٹر کے ڈوری جاتی کے لوگ ڈمری اور ٹنٹنا بجاتے ہوئے قریہ قریہ بھٹکتے رہتے ہیں۔ وہ پیش آنے والے کسی بھی واقعہ کے بارے میں فی البدیہہ کوئی پوواڑا جوڑ لیتے ہیں اور اُسے گاتے ہوئے اپنے جسم کو بڑے عجیب و غریب طریقوں سے حرکت دے کر ناچتے ہیں۔ ان کے ناچ کو ان کی جاتی کے نام پر ڈوری ناچ کہا جاتا ہے۔

بھاروڈ ناچ

مہاراشٹر میں لگ بھگ پچھلے پانچ سو برسوں سے بھاروڈوں کے ناچ گانوں کا سلسلہ جاری ہے۔ سنت ایکناتھ مہاراج نے جو بھاروڈ یادگار چھوڑے ہیں ان میں گیتوں کے ساتھ ساتھ رقص کا بھی بہت بڑا حصہ ہے جس نے بھاروڈ ناچ کو جنم دیا ہے۔

ادیواسیوں کے ناچ

مہاراشٹر میں بھیل، وارلی، گونڈ، ٹھاکر اور بنجارہ جاتی کے جو ادیواسی لوگ آباد ہیں، وہ بھی ناچ گانے کے بڑے شوقین ہیں۔ شادی بیاہ اور تہواروں کے موقعوں پر یہ لوگ جن ناچوں کا اہتمام کرتے ہیں وہ مراٹھی آنگن کے دوسرے لوک ناچوں سے کچھ کم دلچسپ نہیں ہوتے یہ لوگ ناچتے وقت بھڑک دار پوشاک پہنتے ہیں اور نہایت اونچی آواز میں ساز بجاتے ہیں۔ وارلی لوگوں کے ناچوں میں "تار پے ناچ" "گوری ناچ" اور "گھور ناچ" کافی مشہور ہیں۔ گونڈ لوگوں کے ناچ بڑے بھرپور اور دلچسپ ہوتے ہیں۔ تمام ادیواسی جماعتوں کے لوگ اپنے اپنے طور طریقوں کے مطابق ناچتے ہیں اور طرح طرح کے گیت گاتے ہیں۔ ان ادیواسیوں میں "گھساڈا ناچ" کا رواج عام نظر آتا ہے۔ یہ ناچ شیطان بھوتوں کو بھگانے کے لئے، فصلوں کی کٹائی کے وقت، یا دیوالی کے تہوار پر ناچا جاتا ہے۔ اس رقص کو "دھانڈی ناچ" بھی کہتے ہیں۔ اس ناچ میں ڈھول، تاشے اور نقارے جیسے ساز استعمال کئے جاتے ہیں۔ ادیواسیوں کے لوک ناچوں میں "ڈھول ناچ" اور "تنبورہ کا ناچ" بھی قابلِ ذکر ہیں۔ یہ ناچ رقص کے وقت استعمال کئے جانے والے سازوں کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ مہاراشٹر میں بھیل ادیواسیوں کے "گھیر کے ناچ" اور "رتھ کے ناچ" کو بھی کافی مقبولیت حاصل ہے۔

گجا ناچ

مہاراشٹر کے ستارہ اور سانگلی کے علاقے میں "گجا ناچ" کو سب سے زیادہ پسندیدہ نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ اصل میں گھاٹ کے دھنگروں کا لوک ناچ ہے جو شنکر کی پوجا کے طور پر ناچا جاتا ہے۔ یہ رقص کرنے والے نرتک، ڈھول اور شہنائی کی لے پر، ہاتھ سے رومال ہلاتے ہوئے بڑے جوش و خروش کے ساتھ ناچتے ہیں۔ اکثر جگہوں پر شادی کی باراتوں میں بھی "گجا ناچ" کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

ان ناچوں کے علاوہ مہاراشٹر میں سماجی اور مذہبی نوعیت کے اور بھی کئی چھوٹے موٹے لوک ناچ، صدیوں سے رائج ہیں۔ یہاں تک کہ اگر باریک بینی سے کام لیا جائے تو انفرادی یا اجتماعی طور پر پوواڑے گانے والے شاعروں اور مراٹھی دیہاتیوں کو اپنے اکتارے کی دُھن پر گھنگھرو چھنکا کر ناچتے اور چھند ناتھ کے گیت سناتے پھرنے والے "گوکے والوں" کے آداب و انداز میں بھی لوک ناچ کی بہت سی خوبیاں تلاش کی جا سکتی ہیں۔ اور ہم ان سب حقائق کی روشنی میں یہ اطمینان حاصل کر سکتے ہیں کہ لوک ناچوں کے معاملے میں بھی مراٹھی آنگن ملک کے دوسرے صوبوں سے آگے نہ سہی، کچھ پیچھے بھی نہیں ہے۔

●●

غزل

● دمودر ذکی ٹھاکر

کہوں تو کیسے کہوں چاہ کیا رہا ہوں میں
ہیں اشک آنکھوں میں دامن بچھا رہا ہوں میں

بھٹک رہا ہوں کہ منزل پہ جا رہا ہوں میں
پتہ مقام کا اپنے لگا رہا ہوں میں

تمام عمر جو بے آسرا رہا ہوں میں
بڑے مزے سے بہ فضلِ خدا رہا ہوں میں

وقارِ میکدہ ساقی! نہ روٹھ جائے کہیں
مضائقہ نہیں پیاسا ہی جا رہا ہوں میں

تمہارے جور نہیں یہ کرم سہی لیکن
ہنسی تو خیر مگر مسکرا رہا ہوں میں

اثر کے نام سے کان آشنا نہیں میرے
گناہ گار کی بن کر دعا رہا ہوں میں

مری وفاؤں نے جینا سکھا دیا [illegible]
بجائے شوقِ جفا کام آ رہا ہوں میں

مرے گناہوں کو دھوتے ہیں [illegible]
ہنسی کی بات ہے آنسو بہا رہا ہوں میں

تمام عمر کا امیدوار ہوں [illegible] ذکی
کرم سے [illegible] رہا ہوں میں

تنقید میں تلاش و توازن کا عنصر

تنقید، بشرطیکہ علمی سطح اور فنی اساس پر، حقیقت پسندی، سائنٹفک انداز اور نگاہِ جوہرشناس کی بصارت کے ساتھ کی جائے تو واقعی ایک انتہائی نازک، مشکل اور ذمہ دارانہ فن ہے۔ یوں تو تنقید بظاہر رائے زنی کا ایک عام رواج معلوم ہوتی ہے مگر ذرا دقتِ نظر سے کام لیا جائے تو یہ حقیقت روشن ہوتی ہے کہ یہ الگ الگ تجزیات اور ملے جلے تاثرات کی مختلف ٹیڑھی ترچھی پگڈنڈیوں سے گذر کر معروضی بحث اور منطقی استدلال کے پس منظر میں، کسی سوچتے ہوئے ذہن کی تخلیق کے وقار کے ساتھ ایک انصاف پسند انتقادی عمل کی شاہراہ تک پہنچتی ہے۔ مگر بدقسمتی سے آج بھی اردو ادب میں تنقید کی بڑی عجیب و غریب روایات ملتی ہیں۔ یہ ہماری تنقید کا المیہ نہیں تو اور کیا ہے کہ کہیں [illegible] یا محض ذاتی تاثرات [illegible] کہیں [illegible]

برائے تشہیر ہے تو کہیں انتقاد برائے شہرت۔

اور فنون کی طرح تنقید کے میدان میں بھی نقاد کہلانے کی محض خواہش اور مشق سے ہی بات نہیں بنتی۔ یہ مزاج اور ذہن کے اعتبار سے اور ساتھ ہی ساتھ انداز فکر اور طرزِ تحریر کے لحاظ سے ادب اور ادب پاروں کا تقابلی مطالعہ ادبی اقدار کی جانچ پرکھ کی صلاحیت اور ریاضت کا مطالبہ کرتی ہے۔ ساتھ ہی ماحول کے سماجی اور تہذیبی تقاضوں اور فن کاروں کی تخلیقات کے سیاق و سباق کا پورا پورا ادراک و وقوف چاہتی ہے، ذاتی علم، مطالعے اور مشاہدے کی وسعت و گہرائی کی طلب گار ہوتی ہے! ادب، تہذیب اور زندگی کی دانش اور بصیرت بھی چاہتی ہے۔ جب تک کہ دانشورانہ خشیت اور آگہی کی مقدس آنچ قلب و نظر کے گوشوں میں نہ لپکتی ہو اس وقت تک ادب اور ادب کے مزاج، کردار اور ادبی ارتقا کی رفتار و سمت کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ یہی تعریف اور فیصلہ

ابوالفیض سحر

عملی تنقید ہے۔

یوں تو آج تک مشرق اور مغرب میں کئی طرح کی تنقیدیں لکھی جاتی رہی ہیں اور انھیں مختلف مقامات پر مختلف عنوانات سے اور مختلف اصطلاحات کے ذریعے سمجھایا جاتا رہا ہے جیسے کلاسیکی تنقید، رومانی تنقید، سائنٹفک تنقید اور ان کے ببول بچوں کی طرح اصولی تنقید، متنی تنقید، جمالیاتی تنقید، تاثراتی تنقید وغیرہ وغیرہ۔ کچھ اور نوع کی تنقیدیں بھی یقیناً ہوں گی جو کسی وجہ سے ہماری معلومات کے دائرے کی گرفت میں نہ آسکی ہوں۔ تنقید کے کچھ ایسے اصول اور طریقے بھی وضع کئے گئے ہوں گے جن سے ہم پوری طرح بہرہ ور نہ ہوں اور اگر بہرہ مند ہوں بھی تو ہو سکتا ہے کہ کلی طور پر متفق نہ ہوں۔ کسی ادبی نظریہ یا تنقیدی اصول سے یا فن کی جانچ کی کسوٹی سے ہر ایک کا اتفاق کرنا ضروری نہیں۔ زندگی، سماج اور تہذیب کے تقاضوں کے مطابق ہر دور اور ہر ملک میں ادب کی قدریں بدلتی رہی ہیں۔ کسی ملک یا کسی قوم کا ادب کسی دوسرے ملک یا کسی دوسری قوم کے [illegible]

[بیرونی] زبانوں کے ادب سے یقیناً کچھ جداگانہ خصوصیات [رکھتی] ہیں۔ یہ تنوع اور یہ اختلاف اس وقت تک باقی رہے گا جب تک کہ دنیا کے مختلف ممالک اور اقوام کے اختلافات جو بیشتر شعبہ جات حیات میں نمایاں ہیں، دور نہ ہوں اور جب تک کہ دنیا کے ہر ملک اور ہر قوم میں یکساں اندازِ فکر اور ایک جیسا نظامِ معیشت و معاشرت پروان نہ چڑھے۔ چند مشترک اقدار کو لے کر جو اتفاقاً بھی ہوسکتی ہیں یا ڈھونڈنے والے کی ذہانت کا نتیجہ بھی، ہم باقی تمام چیزوں کو نہ تو خلط ملط کر سکتے ہیں نہ ہی ان سب پر کوئی یکساں حکم لگا سکتے ہیں، اس لئے کسی کج فہمی، بے بصری یا تن آسانی سے سطحی نتائج اخذ کرنا بھی نقاد کے منصب سے ناانصافی کرنے کے مترادف ہوگا۔ اسی طرح یہاں وقت، رجحانات اور رویّوں کے اختلاف، نظریات اور نتائج کے فرق اور اس فرق کے درپردہ حقائق کو بھی ملحوظ رکھا جانا ضروری ہے۔

میں اور چھوٹی چھوٹی زبانوں کے ادب کی بات نہیں کرتا۔ انگریزی زبان اور ادب ہی کو لیجئے۔ انگریزی دنیا کی سب سے زیادہ بولی، سمجھی اور لکھی پڑھی جانے والی بین الاقوامی زبان ہے۔ اگر ہم انگریزی ادب کے محاسن و معائب کا جائزہ لینا چاہیں، اس کی روایات اور اس کے رجحانات کو دیکھنا اور آنکنا چاہیں یا اس کے مثالی کلاسکی فن پاروں کا تجزیہ اور پھر ان کی فنی اقدار کی جانچ کرنا چاہیں تو انگلستان ہی کے ادب کا انتخاب کریں گے۔ زیادہ سے زیادہ امریکہ کو بھی اس سلسلے میں گھسیٹا جاسکے گا، جب کہ انگریزی روس میں بھی بولی، سمجھی لکھی اور پڑھی جاتی ہے، انڈونیشیا میں بھی اور ہندوستان و جاپان میں بھی۔ اس کے علاوہ انگریزی ادب جتنا تہذیبی قدروں کا ناشر اور جن بشری نفسیاتی خصوصیات کا آئینہ دار ہوگا وہ تہذیبی اور خصوصیات افریقہ کی [illegible] ہونگی، چینیوں کی نہیں ہوں گی، روس اور ہندوستان کی بھی نہیں ہونگی حتیٰ کہ اس میں آسٹریلیا اور کنیڈا کی بھی اقوام اور ان کے معاشروں کی مشکل ہی سے نمائندگی ہوگی۔

زبان، ادب اور کلچر میں ایک فطری گہرا اور اٹوٹ رشتہ ہوتا ہے جو ملک اور قوم کے جغرافیائی حدود و سیاسی نظریات اور ثقافتی و مذہبی عقائد کی زنجیروں سے بندھا ہوتا ہے۔ دانشوری کی کسی بھی سطح پر فکری، تخیلی یا تخلیقی بنیادوں کے کسی بھی جواز کے بل بوتے پر شاید اس رشتے کو نہ تو توڑا جاسکتا ہے اور نہ ان زنجیروں کو پگھلایا جا سکتا ہے۔ اور اس کی برعکس صورت میں مختلف ملکوں اور مختلف قوموں میں اس رشتے کو غیر فطری طریقے پر استوار کرنا بھی دشوار ہی نہیں بلکہ بعض حالات میں ناممکن بھی ہوتا ہے۔ کم ازکم برٹرینڈ رسل کے خواب "ایک دنیا ایک حکومت" کے شرمندۂ تعبیر ہونے تک۔ اس لئے بے جوڑ طریقے پر اخذ کردہ یا غیر ضروری طور پر وضع کردہ ایسے مصنوعی طرز کے تنقیدی نظریات کو کسی بھی قیمت پر درست نہیں قرار دیا جاسکتا، جنھیں کسی زبان کے سماجی اور تہذیبی دائرے سے خارج نظریات اور تصوّرات کو غیر حقیقی بنیادوں پر محض مطالعے کی وسعت کے رعب اور ذاتی علم کی گہرائی کی دھاک جمانے کی غرض سے مختلف عنوانات اور مختلف دلیلوں کے ساتھ پیش کیا جائے اور انھیں کسی بھی زبان کے شعر و ادب پر منطبق کرنے کی کوشش کی جائے اور اگر ایسا کیا جائے تو یہ عمل خواہ شعوری طور پر کیا جائے یا غیر شعوری طور پر بہر صورت دونوں زبانوں کے ساتھ انصاف نہ کرنے کے برابر ہوگا۔ یہی بات اردو ادب میں وجودیت کے فلسفے کے تعلق سے بھی کہی جا سکتی ہے اور مارکسزم کے سلسلے میں بھی۔ ہاں مقصد اگر استفادہ کرنا ہو تو اس نقطۂ نظر کی اس حد تک حمایت کی جا سکتی ہے۔ ایسے تصورات (خواہ غیر ملکی ہی کیوں نہ ہوں) کے ان اجزاء اور ان عناصر پر بات کی جاسکتی ہے جو ہمارے معاشرے ہماری تہذیب اور ہمارے ادب کی وراثتی تاریخ اور اس کے فکری معیارے کے کسی موڑ پر منطبق ہو سکتے ہیں۔ یہی منزل تنقید میں تلاش اور توازن کی منزل ہوتی ہے خواہ اس تنقیدی اصول اور اندازِ فکر کو کوئی بھی نام دیا جائے۔

تنقید میں تلاش اور توازن کی جس منزل کی بات کی جارہی ہے وہ کوئی وقتی یا لمحاتی منزل نہیں بلکہ کسی زبان اور ادب کی تاریخ کی ترسیم تہذیبی روایات اور فکری پہلوؤں کا انتقاد اور دانشورانہ تجسس اور تجزیہ کی منزلوں سے گذرنے کے بعد آنے والی منزل ہوتی ہے۔ معروضی انداز میں غور کیا جائے اور اس کی توضیح و تشریح کی جائے تو اس اصولی اور سائنٹفک تنقید کے اہم اجزا — تلاش اور توازن معنوی اور ہیئتی طور پر ساتھ ساتھ جڑے ہوئے ہونے کے باوجود نوعیتاً کچھ حد تک مختلف بھی ہوتے ہیں۔

تنقید میں دیدہ وری اور نکتہ فہمی کے تلازمے کو میں نے یہاں تلاش کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ یہ تلاش دراصل اس طرزِ انتقاد کے تحقیقی پہلو سے متعلق ہوتی ہے جسے ہم دانشورانہ تجسس بھی کہہ سکتے ہیں۔ بنیادی طور پر یہ ایک شعوری کوشش کا نتیجہ ہوتی ہے جو کسی فن پارے کے متن اور ہیئت کے مضمرات اور اسلوب کے اظہاری پہلوؤں سے بحث کرتی ہے۔ شعوری کوشش کے الفاظ میں یہاں دانستہ طور پر استعمال کر رہا ہوں کیونکہ کسی بھی متن کو اس کے مفہوم کے مثبت اور منفی پہلوؤں کے جھکنے میں دیکھنا ضروری [illegible] آہنگ اور اسلوب کی اثر انگیزی اور ترسیل کے ذریعوں کے قرینوں کا احاطہ ناگزیر ہے ساتھ ہی متعلقہ صنفِ ادب اور ادیب کے معاشرتی اور تہذیبی پس منظر پر بھی نظر رکھنا ضروری ہے

فن پاروں کے وسیلوں سے پیش کردہ فکر و خیال کو بھی انسانی شعور کے ارتقاء کی کسی نہ کسی نسبت کی روشنی میں حقیقی و غیر حقیقی بنیادوں پر کھنگالا، جانچا اور پرکھا جانا چاہیئے تاکہ ادب اور تاریخ ادب، فن کار اور فن پارے کی فکری اور فنی کڑیوں اور ان کے دیگر متعلقات کو صحیح تناظر میں دیکھا اور تولا جا سکے۔ اگر ایسا نہ ہو تو تنقید کے وقت پوری تصویر سامنے ہوگی۔ نہ اندرونی سطحیں اور پرتیں نہ بیرونی رنگ اور خط و خال۔ اور پھر ایسے فیصلوں کا قوی احتمال ہوگا جو واقعات اور حالات کا کما حقہ جائزہ لئے بغیر کئے جائیں اس لئے جب تک کہ کسی بھی ادب پارے کی ادبی خصوصیات اور فنی اقدار تلاش نہ کر لی جائیں اُس وقت تک اس "عرضِ ہنر" کی قدر و قیمت اور اس کے مقام کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔

تنقید میں توازن کے مسئلے کی وضاحت قدرے مشکل ہے مگر اسے ایک غیر شعوری انداز فکر کہنا غلط ہوگا کیونکہ شعور کی رَو ہر مرحلے پر رواں دواں رہتی ہے مگر یہ اس طرح شعوری نہیں کہ اسے بالارادہ کوشش کا نام دیا جا سکے۔ دوسری طرف یہ غیر ارادی اس لحاظ سے نہیں ہو سکتا کہ یہ نقاد کے منشاء اور مقصد کے بالکل منافی بھی نہیں ہوتا۔ ہاں اسے غیر قصدی کوشش ضرور کہا جا سکتا ہے۔ یہ دراصل کسی فن پارے کا ایسا مطالعہ اور تجزیہ ہوتا ہے کہ جس کے نتائج کے بارے میں قبل از قبل ہی فیصلہ نہ کر لیا گیا ہو یا ہر قیمت پر جس کے محاسن کی وکالت کرنے کا قصد نہ کیا گیا ہو۔ بلکہ یہ بحث اور استدلال [illegible] ایک منطقی اور فکری عنصر کی صورت میں [illegible]۔ البتہ اس میں بھی تلاش کے [illegible] مشترک [illegible] جس کا تعلق [illegible]

کے لئے لازم و ملزوم کا حکم رکھتے ہیں اور ایک دوسرے سے مل کر ہی اپنا مقصد پورا کرتے ہیں۔ ان کے اتصال اور التزام سے ہی نقاد کا متوازن اور معقول رویّہ عبارت ہوتا ہے مگر متوازن نقطۂ نظر یہ نہیں کہ کسی چیز کو جتنا سیاہ کہا جائے اتنا ہی سفید بھی کہا جائے۔ یعنی جتنے نفی کے نکات نکالے جائیں اتنے ہی مثبت پہلو بھی تراشے جائیں۔ بلکہ متوازن زاویہ نگاہ یہ ہے کہ جس قدر کوئی چیز سیاہ ہو اسے اسی قدر سیاہ بتایا جائے خواہ اس کا احاطہ کم ہو یا زیادہ۔ مگر اس میں کہیں سفیدی بھی ہو تو اسے پوری دیانتداری اور جرأت مندی سے ظاہر کیا جائے اور اس کا اظہار اسی حد تک ہونا چاہیئے جس حد تک کہ وہ ہے، خواہ وہ محض ایک نقطہ کی حیثیت رکھتی ہو۔ اس خصوص میں جہاں غلو کی اجازت نہیں دی جا سکتی وہیں بخالت کو بھی جائز نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اس طرح تنقیدی مباحث کے دوران توازن کو عملی سطح پر حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر سے کسی جانب داری یا وابستگی کے جرم میں ملوث ہوئے بغیر تنقید کے اوّلین جز تلاش کے ساتھ پوری طرح ہم آمیز و ہم آہنگ ہو کر تنقیدی عمل کے تخلیقی عنصر کی حیثیت سے قارئین کے سامنے آنا چاہیئے۔

بیشتر ادبی تنقیدیں عملی تنقیدیں ہی ہوتی ہیں خواہ وہ تقریبی انداز میں ہی کیوں نہ ہوں۔ مگر تذکرہ تذکرہ ہی ہوتا ہے اور تبصرہ تبصرہ۔ تذکرہ کو کسی قیمت پر تنقید میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ تبصروں کو کچھ حد تک تنقید کا نام دیا جا سکتا ہے۔ مقدمہ نگاری بلاشبہ تنقید ہی کا حصہ ہے۔ اسی طرح تاثراتی، جمالیاتی اور معروضی تنقیدوں کے علاوہ تنقید کی اور بھی شکلیں [illegible] ہیں لیکن یہ ادھوری اور نامکمل [illegible] [illegible] ایک ایک پہلو ہی کو نمایاں کی [illegible]

کا ایک ایک رنگ ہی قرار پائیں گی۔ مکمل اور بھرپور تنقیدیں نہیں۔ اس لئے کہ انتقاد ایک ایسا ملا جلا تہہ دار اور ہمہ گیر عمل ہے جس میں نہ صرف نقاد کے اپنے تاثرات کارفرما ہوتے ہیں بلکہ دیگر دانشوروں کے محسوسات اور افکار کا بھی اثر شامل رہتا ہے۔ جس میں نہ صرف نقاد کے جمالیاتی ذوق کو دخل ہوتا ہے بلکہ یہ تاثر جمالیاتی حس اور جمالیات کے عمومی اور آفاقی ذوق و معیار پر بھی مبنی ہوتا ہے۔ موضوعی اور معروضی بحث تو بہر صورت ہوتی ہی ہے اس کے بغیر کوئی تنقید نہ اصولی تنقید ہوگی نہ سائنٹفک تنقید۔ اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ تلاش اور توازن کے اصول اور انداز نظر سے کی گئی تنقید ہی مکمل عملی، اصولی اور سائنٹفک تنقید ہوگی۔ ●●

---

۲۶ جنوری ۱۹۷۵ء

کو قومی راج کو جاری ہوئے ایک سال ہو جاتا ہے۔ نیز اسی تاریخ کو ۱۹۷۵ء میں دستورِ ہند کے ۲۵ سال پورے ہو جاتے ہیں۔ اہلِ قلم حضرات سے گذارش ہے کہ اس خصوصی شمارے کے لئے مضامین، مقالات و دیگر تخلیقات ارسال فرمائیں۔

گذارش

ترسیل زر، کاپیوں کی عدم وصولی، پتہ کی تبدیلی، مزید کاپیوں کے آرڈر، وی۔ پی۔ کی فرمائش اور ایجنسی کی شرائط کے بارے میں خط و کتابت ہندی، مراٹھی یا انگریزی میں کیجئے تاکہ متعلقہ سیکشن اسے بر وقت [illegible] کر سکے۔

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے ۲۷ دسمبر ۱۹۷۲ء کو کرکٹ کلب آف انڈیا کی طرف سے آل انڈیا مرچنٹس چیمبرز کے اجتماع سے خطاب کرتی ہوئی نظر آرہی ہیں۔ تصویر میں گورنر شری علی یاور جنگ اور وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ نائیک اور انڈین مرچنٹس چیمبر کے صدر شری گنیش پودار بھی نظر آرہے ہیں۔
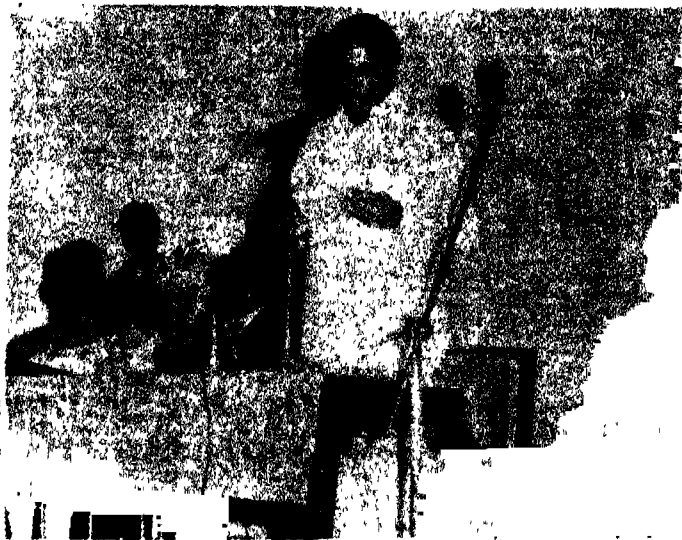
تصویروں کی زبانی

وزیر تعلیم شری شرد پوار نے ۲۴ دسمبر ۱۹۷۲ء کو جہانگیر آرٹ گیلری میں پندرھویں اسٹیٹ آرٹ ایگزیبیشن کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر لی گئی تصویر۔

شریمتی شندر راؤ سولنکے ریاستی وزیر برائے ثقافتی امور و مطابع نے ۹ جنوری ۱۹۷۳ء کو پچھلے برس بہترین پرنٹنگ پر پانچویں مہاراشٹر اسٹیٹ اوارڈز تقسیم کئے۔ اس موقع پر لی گئی تصویر

مہرشی وٹھل رامجی شندے

مصوّر: شری ایس-بی-پلے

قومی راج - ۱۶ر جنوری ۱۹۷۵ء

وزیراعلیٰ شری وی۔ پی۔ نائیک نے ۶ر جنوری ۱۹۷۵ء کو شری این۔ مردھا کی صدارت میں نیشنل کمیشن کی جانب سے زراعت پر کئے گئے مباحثہ میں حصہ لیا۔ اس موقع پر لی گئی تصویر۔

تصویروں کی زبانی
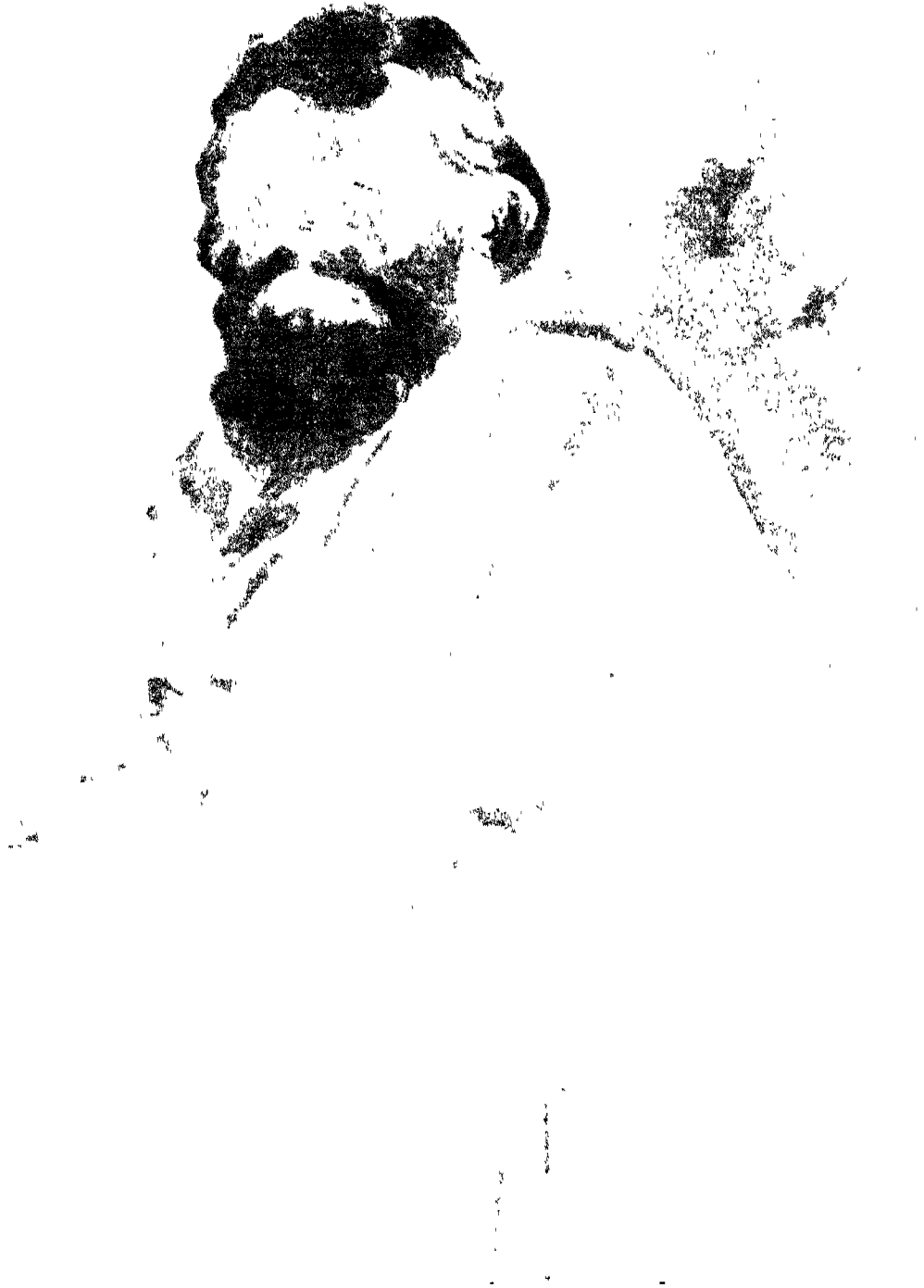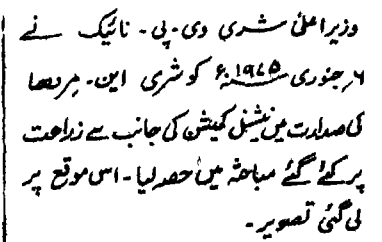
شری ایم۔ ڈی۔ چودھری، وزیر مالیات نے ۲۹ر دسمبر [illegible] کو انڈین مرچنٹس چیمبرز میں ایکونومک ڈیولپمنٹ کارپوریشن کے تیرھویں عام اجلاس کو خطاب کیا اور اس موقع پر انہوں نے کارپوریشن کے "ایکونومک ڈائجسٹ" کے پہلے خاص نمبر کی اشاعت کا اعلان کیا۔ اس تصویر میں وہ خاص نمبر کی اشاعت کا اعلان کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔

پروفیسر [illegible] ۔ [illegible] نے [illegible]
[illegible] سے شری [illegible] سے حلف اٹھایا
[illegible]

دو نظمیں

رباب جعفری

ہوائیں

ہوائیں گیت گاتی ہیں
فضائیں مسکراتی ہیں
ہوائیں لاتی ہیں خوشبو کے تحفے کہساروں سے
ہمالہ کے گلشن کی تازگی
غنچوں کی شادابی
مہک پھولوں کی اب تبدیل ہے
بارود کی بو میں

ہوا کے دوش پر الفاظ کا
سیلِ رواں جاری
ہوا میں کیسی پیاری پیاری
شکلیں مسکراتی ہیں
ہوائیں کتنے نغمے
آج بھی محفوظ ہیں لیکن
ہوائیں آج تو
بندوق کی جھنکار آتی ہے
بموں کا شور آتا ہے
لہو کا رنگ گاتا ہے
لیا ہے موت نے آغوش میں
کن ماہتابوں کو
ستانی سُن رہی ہوں
میں اُبھرتے آفتابوں کی
شفق جب پھولتی ہے
شام کی رنگینیاں لے کر
چمکنے لگتے ہیں قطرے زمیں پر خونِ ناحق کے
صداقت جگمگانے لگتی ہے نورِ سحر لے کر

دِل

یہ دِل قصرِ محبت ہے
وفا کا نقشِ لافانی
پرستش گاہِ عالم ہے
یہاں تکمیل ہوتی ہے خودی کی
سکھاتا ہے یہ آدابِ محبت
ہے اس میں قوتِ تسخیرِ عالم
زمانے پر ہے اس کی حکمرانی

یہاں انسان کی تعمیر کے
ایوان زرّیں ہیں
یہاں انسان کی عظمت کے بُت
صدیوں سے رکھے ہیں
یہاں اخلاق اور تہذیب کی
شمعیں فروزاں ہیں
محبت کے خزانے ہیں !

صابر دت

اُبھری سحر کی گرد سے سورج کی روشنی
جاگے قریب و دور نظارے چنار کے
کون آگیا ہے وقت کی دیوار پھاند کر
وادی میں گیت گونج اُٹھے آبشار کے

○

ٹیس اُٹھنے لگی، درد ہونے لگا
دِل تڑپنے لگا غم کی تنہائی میں :
یک بہ یک کس کے گیسو یہ لہرا گئے
کھو گئی یہ نظر کس کی انگڑائی میں
آگ جو تھی دبی جگمگانے لگی
پھول چٹکے تصوّر کی رعنائی میں
میں اُٹھا اور تا دور چلتا گیا
ہر قدم پر چراغ ایک جلتا گیا
گیت اُگتے رہے گیت چُنتا رہا
ایک کیا سینکڑوں خواب بُنتا رہا
کارواں رُک گئے، کارواں چل پڑے
آسماں رُک گئے، آسماں چل پڑے

○

ڈھونڈتا ہی رہا میں تیرا نقشِ پا

حمید سہروردی

سورج دن بھر کی مایوسیوں کے ساتھ
ان کی نظر سے دور چلا گیا ' اور رات اپنا
لئے آہستہ آہستہ بڑھتی رہی۔ فیاض
مایوسی کے ساتھ لاٹری کا ٹکٹ جیب سے
' اور کونے میں بڑی بے دردی سے پھینک
۔ اب اس کے ذہن میں پانچ سال کی مسلسل
کاری رقص کرنے لگی۔ اُس نے بی۔ اے۔
درجہ اوّل سے کامیابی حاصل کرلی تھی اور دنیا
ہر غریب طبقہ کے نوجوانوں کی طرح خوابوں کے
ین محل تعمیر کر رہا تھا۔ ویسے تو اس کا دل
ہتا تھا کہ تعلیم کا سلسلہ جاری رہے۔ مگر گھریلو
لات نے اُسے ایسے ہولناک خواب دیکھنے سے
کردیا۔ نوکری کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا۔
ن وقت کا ہر سورج اُس کے لیے امید کا
م لاتا اور شام کو مایوسی کے غار میں چھوڑ
چلا جاتا۔ اسی تگ و دو میں اُس کا ماحول اُس
لعنت کسنے لگتا۔ رفتہ رفتہ اُس کے قدم ہر
، بُرائی کے پیچھے بڑھتے رہے جن پر گامزن
ہنے کی اطلاع اُس کے ماحول نے بہت پہلے
دے دی تھی۔ وہ ضمیر اور ماحول کے درمیان
ر کو بے بس پاتا۔ کبھی وہ خودکشی کے بارے
سوچتا اور کبھی حسین زندگی گنوانے کے

خوابوں کو تازہ کرتا۔ لیکن اُس کے دل کی اندرونی پرتوں میں جینے کی خواہش باقی رہتی۔ اِنسان کی فطرت بھی عجیب ہے۔ جب وہ زندگی کا ذکر کرتا ہے تو چاہے وہ غمگین لمحے ہوں یا خوشی کے ' ہر لمحہ ایک انجانی مسرّت کا احساس اُس کی رگ و پے میں دوڑتا رہتا ہے۔ اور جب وہ موت کا کھٹکا سنتا ہے تو اُس کے چہرے پر پژمردگی چھا جاتی ہے۔ پھر موت کو بھلانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ زندگی میں ایسے لمحے بھی آجاتے ہیں' جو موت سے زیادہ تکلیف دہ محسوس ہوتے ہیں۔ مگر وہ موت کے تصور کے ساتھ ہی گھبرانے لگتا ہے۔ نجانے زندگی میں ایسی کون سی کشش دیکھتا ہے کہ زندہ رہنے کی خواہش کو ہمیشہ اپنے سینے سے لگائے رہتا ہے۔ جب تک یہ خواہش باقی ہے ایسا لگتا ہے کہ انسان کے دل میں سچائی کی قوت زندہ رہتی ہے۔ فیاض نے قدموں کی آواز کو اپنے مکان کی طرف آتے ہوئے محسوس کیا۔ اچانک ہی اُس کے چند دوست ' اُس کے کمرے میں داخل ہوئے اور آسے اپنے ہاتھوں میں اٹھائے ناچنے لگے۔ وہ تھوڑی دیر تک ان کی اس خوشی کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ ایک دوست نے خوشخبری سنائی کہ اس کی لاٹری کا نمبر اخبار میں آگیا ہے۔ دفعتاً اس کی نگاہیں گھر کا جائزہ لینے لگیں۔ وہ ٹکٹ اسے مسیحا سے کم نہ معلوم ہوا۔

اور جب وہ لاٹری کے پیسے لایا تو اسکے دل میں سماج سے بدلہ لینے کی خواہش اور اپنے اُس ماحول کو کچلنے کی شدید آرزو تھی جس نے اسے کچلنے کی ہر ممکن سعی کی تھی۔ اُس کے قدم زمین پر ٹھہرے ہوئے محسوس نہیں ہو رہے تھے۔ اس نے اپنے مفاد پرست دوستوں کو سخت سست کہہ کر الوداع کیا جو اس کی اس بے شمار دولت کے دوست بنے ہوئے تھے اس کا گھر قریب آرہا تھا۔ اور وہ تصور میں دیکھ رہا تھا کہ اس کا مکان کسی جادوئی ہاتھوں کی مدد سے ایک عالیشان بنگلے میں تبدیل ہوتا جا رہا ہے اور وہ اس بنگلے کی بالکنی میں کھڑا حقارت سے نیچے دیکھ رہا ہے۔ رات اپنی تمام ترسیاہیوں کے ساتھ سارے ماحول پر چھا رہی ہے اور اس کے قدم آگے ہی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

ایسی ہی چند سیاہ راتوں کے بعد' دن کے اُجالے میں لوگوں نے ایک عالیشان عمارت کو دیکھا۔ یہ سیٹھ فیاض الحسن کا بنگلہ تھا جن کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ اپنی دولت کے

بل بوتے پر اسی سماج میں ہر وہ بُرائی کئے جا رہے ہیں جس کو دیکھ کر انسانیت لرز اٹھتی ہے کبھی اسمگلنگ کے کاروبار میں لگے ہوئے ہیں تو کبھی عیش وطرب کی محفلوں میں روپیہ پانی کی طرح بہائے جا رہے ہیں - ان کرتوتوں کو دیکھ کر ہر دور کا سماج باز رہنے کی تلقین کرتا ہے اور ہر دور کا باا‌ثر آدمی کہتا ہے کہ یہ تلقین تو صرف نچلے طبقہ کے لئے ہے۔ یہ سچ ہے کہ فیاض الحسن جو کل تک فیّاض تھا' آج ہر محفل میں مسندِ صدارت پر جلوہ افروز رہتا ہے اور رات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں سماج کے جسم کے ایک ایک حصہ پر زنگ آلود کیل ٹھونکے جا رہا ہے۔ پھر رات کے آخری حصّہ میں اُس کے بنگلے سے آوازیں اُبھرتی ہیں ....
" خوب بدلہ لے رہا ہوں ... خوب بدلہ لے رہا ہوں ... خوب

ایک ایسی ہی رات وہ اپنے ضمیر سے لڑ تا رہا جو شاید ابھی تک اس کی ہستی کے کسی گوشہ میں زندہ تھا۔ جب اس کے ضمیر نے صد درجہ ملامت کی تو اسے سلانے کے لئے اس نے پے درپے نیند کی گولیاں کھا لیں۔ پھر بھی ضمیر کا وہ احساس جاگتا ہی رہا۔ آخر کار اس نے پیڈ اٹھایا اور اپنی ساری دولت قحط زدہ علاقے کے لئے وقف کر دی۔ تب کہیں جاکر اس کے ضمیر کو' اور اس کی ذات کو اس جہانِ فانی سے نجات مل گئی۔

رات کی سیاہی آہستہ آہستہ چھٹ رہی تھی اور ماحول پر گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ صبح ہوئی تو سماج میں اس کے گیت گونج رہے تھے اور مورخ اس کی انسانیت نوازی کی تعریف لکھ رہا تھا۔ فیاض کی آنکھیں اب بھی کھلی تھیں اور اس دنیا کو حیرت سے تک رہی تھیں۔

●●

آموزگار

مہاراشٹر اردو ثانوی مدارس کے ہیڈ ماسٹروں کی ایسوسی ایشن کا ترجمان سہ ماہی " آموزگار" جناب اکبر رحمانی کی ادارت میں جلگاؤں سے جاری ہوا ہے۔ جیسا کہ مسز فاطمہ انیس' ایسوسی ایشن کی جنرل سکریٹری' کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے' اس ایسوسی ایشن کا پہلا سالانہ اجلاس پونا میں سنہ ۱۹۷۱ء میں منعقد ہوا تھا جب کہ اس کے تیسرے سالانہ اجلاس منعقدہ جلگاؤں سنہ ۱۹۷۳ء میں ایسوسی ایشن کے ترجمان کی حیثیت سے ایک سہ ماہی رسالہ نکالنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ اور اس طرح ستمبر سنہ ۱۹۷۴ء کو ترجمان کا پہلا شمارہ منظرِ عام پر آچکا ہے۔

ادارتی نوٹ سے پتہ چلتا ہے کہ ایڈیٹر صاحب کے حوصلے بلند اور مقاصد واضح ہیں۔ مثلاً ایک جگہ لکھا ہے:

> "تمام ریاستوں میں ریاست مہاراشٹر کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ سب سے پہلے اسی نے نظامِ تعلیم' نصاب اور طریقۂ امتحان میں انقلابی تبدیلیاں کیں۔ ان انقلابی تبدیلیوں کو سمجھنا ہمارے لئے بہت ضروری ہے۔ اس کے سمجھنے اور برتنے میں ذرا سی غلطی اور کوتاہی اردو مدارس کے مستقبل کو معرضِ خطر میں ڈال سکتی ہے۔"

پہلے شمارے سے ظاہر ہے کہ یہ رسالہ تعلیم کے اصولی اور عملی مسائل کی بحث کیلئے مخصوص ہوگا اور عملی سیاست اور سستے ادب سے گریز کرتا ہوا نظری سیاسیات' اقتصادیات' سائنس وغیرہ موضوعات پر ایک قابلِ قدر جریدے کی حیثیت سے عروج پائے گا اور اردو مدارس کے تعلیمی مسائل کو حل کرنے میں خاطر خواہ رول ادا کرے گا۔

پہلا شمارہ جو ۶۸ صفحات پر مشتمل ہے' فکر انگیز پیغامات کے علاوہ روزگار اور پیشہ ورانہ تربیت' اردو نصابی کتابوں کا جائزہ' مہاراشٹر کے اردو اسکولوں میں دینی تعلیم' دس سالہ ایس۔ایس۔سی۔ امتحان سنہ ۱۹۷۵ء' اردو مدارس میں مراٹھی کی اہمیت اور اس کی تدریس' اور سالانہ یونٹ پلان کا مطالعہ اساتذہ و طلبہ دونوں کے لئے سود مند ثابت ہوگا۔

رسالہ کا سالانہ چندہ دس روپیہ ہے اور یہ کاشانۂ سہیل' ۳۷۔ بھوانی پیٹھ جلگاؤں (مہاراشٹر) سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

●●

دو شعر

ہماری بات اسیرانِ مصلحت میں کہاں
چلے تو راہ گزر' تھم گئے تو منزل ہم

سحر' سحر ہے' وہ مغموم و ملگجی ہی سہی
سیاہی ایک کرن سے شکست کھاتی ہے

اوج یعقوبی

حصولِ آزادی کے بعد گوآ کی رفتارِ ترقی

۱۹ دسمبر ۱۹۶۱ء کا دن گوآ کی تاریخ
زبردست اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اسی دن
ں ساڑھے چار سو برس پرانے پرتگال نوآبادیاتی
م کا خاتمہ ہوا تھا۔ اسی دن فطری حسن سے
ال اس سرزمین کی تاریخ میں جسے " مشرق
دم " بھی کہا جاتا ہے ایک نئے اور ترقی پسند
ر کا آغاز ہوا۔ اس دن گوآ کے عوام نے جو ایک
زار اور قدیم ثقافتی ورثے کے مالک ہیں، ایک
ہ آزاد ملک کی فضا میں سانس لی جس کے مستقبل
یصلہ انھیں خود کرنا تھا۔ بھارتی زندگی اور ثقافت
، مدغم ہونے کے باوجود گوآ کے عوام اپنی منفرد
صیت اور جداگانہ انفرادیت کو برقرار رکھے ہوئے
،۔ ۱۹۶۱ء کے بعد سے اب تک وہ تین بار اپنے
، رائے دہندگی کا استعمال کر چکے ہیں۔ اس حق کا
تعمال کر کے انھوں نے خود اپنے نمائندے منتخب کئے
، جو اپنے عوام کی ترقی اور خوشحالی کیلئے کام کرتے ہیں
گوآ کی آئندہ حیثیت کا فیصلہ ۱۴ مارچ ۱۹۶۲ء
لیا گیا جب کہ اس سلسلے میں لوک سبھا میں دو بل
ں کئے گئے۔ پہلے بل کے مطابق گوآ، دمن اور
ؤ کو مرکز کے زیر انتظام علاقے کے طور پر آئین
، دوسرے شیڈول میں شامل کیا گیا اور دوسرے
ہ کے مطابق اس علاقے کا انتظام ایک مقامی قانون
از اسمبلی کے سپرد کیا گیا جو عوام کے ۳۰ منتخبہ
ئندوں پر مشتمل ہے۔ اس بل کے تحت اس
لاقے کو پارلیمنٹ میں اپنے دو منتخب نمائندے
یجنے کا حق بھی دیا گیا۔ اس موقع پر تقریر کرتے
ہوئے سابق وزیر اعظم شری جواہر لال نہرو نے
ہا تھا: "ہم نے یہ واضح کر دیا ہے کہ ہم گوآ کی
انفرادیت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں ... ہم اسکی
حیثیت کو نہ تو بدلنا چاہتے ہیں اور نہ ہی اسے
دبا دینا چاہتے ہیں۔"

انتخاب

گوآ میں سب سے پہلا انتخاب ۹ دسمبر ۱۹۶۳ء کو ہوا۔ یہ انتخاب مرکز کے زیر انتظام اس علاقے کی زندگی میں ایک انتہائی اہم واقعہ تھا۔ اس سے پہلے گوآ کے عوام یہ نہیں جانتے تھے کہ جمہوری طرز زندگی کسے کہتے ہیں۔ ان کے جوش و خروش کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس انتخاب میں تقریباً ۷۶ فیصد ووٹروں نے اپنے حق رائے دہندگی کا استعمال کیا۔ اس طرح جب جنوری ۱۹۶۷ء میں گوآ کی آئندہ حیثیت کے بارے میں رائے شماری کرائی گئی تو اس موقع پر بھی ۸۲ فیصد سے زیادہ ووٹروں نے ووٹ دئے تھے۔

معدنی وسائل سے مالا مال گوآ کی بیشتر آبادی زراعت پیشہ ہے۔ اس علاقے کے تقریباً ۷۳ فیصد لوگ کھیتی باڑی ہی کرتے ہیں۔

زراعت

حصولِ آزادی کے بعد گوآ کی معیشت میں پیہم تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ کاشتکاری کے نئے طریقوں کے استعمال نیز زراعتی ترقی پر زیادہ سے زیادہ زور دینے کی بدولت اس علاقے کے ایک تہائی حصے کو جو عرصہ دراز سے بنجر پڑا ہوا تھا، اب زیر کاشت لایا جا چکا ہے۔ بہرحال نشانہ یہ ہے کہ گوآ میں زیر کاشت زمین کا رقبہ دوگنا کیا جائے۔ اس علاقے میں جن چیزوں کی کاشت زیادہ ہوتی ہے ان میں انناس، ناریل، کاجو، چھالیا، کیلا وغیرہ شامل ہیں۔ گوآ کی معیشت میں جنگلات کی کیا اہمیت ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جنگلات کی توسیع و ترقی کے لئے ایک علیحدہ شعبہ قائم ہے۔ ساگون، یوکلپٹس اور بانس کی پیداوار بڑھانے کے لئے کئی اقدامات کئے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ربڑ کی کاشت شروع کرنے کے امکانات کا بھی جائزہ لیا جا رہا ہے۔ توقع ہے کہ ان اقدامات سے گوآ کی معیشت کو ایک نئی قوت حاصل ہوگی۔

معدنی دولت

گوآ میں پائے جانے والے معدنی وسائل ملک کے لئے غیر ملکی زرمبادلہ کمانے کا ایک مستقل ذریعہ ہیں۔ کان کنی اس علاقے کی سب سے بڑی اور واحد صنعت ہے جس سے ۴۰ ہزار سے زیادہ اشخاص کو روزگار حاصل ہے۔ خام لوہے کی کانیں اعلیٰ قسم کے لوہے کا ایک زبردست ذخیرہ ہیں۔ کان کنی سے متعلق کئی نئے پروجیکٹ شروع کئے جا چکے ہیں۔ بعض مقامات پر کئی بڑی کانوں کا سراغ بھی ملا ہے۔

حصول آزادی کے بعد گوآ نے ماہی گیری کے میدان میں بھی قابل ذکر ترقی کی ہے۔ اس علاقے میں مچھلیوں کے وسائل افراط کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ گوآ کا ساحلی کنارہ ایک سو کلومیٹر لمبا ہے۔ اس کے علاوہ یہاں متعدد آبی راستے بھی ہیں۔ ایک تخمینے کے مطابق ۱۹۷۱ء کے دوران گوآ سے کل ۴۰ ہزار ٹن سمندری اشیاء کی بازیافت ہوئی جس کی مالیت پانچ کروڑ روپے سے بھی زیادہ ہے۔

وہاں بندوق کی گولی بنانے کا ایک کارخانہ بھی قائم ہے جو ۱۹۶۶ء میں شروع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ کئی نئی صنعتیں بھی قائم کی گئی ہیں

جن میں کپڑے کی ملیں، جراثیم کش دواؤں کے کارخانے اور مشروبات وغیرہ تیار کرنیکے کارخانے شامل ہیں۔ اس وقت گوآ میں چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کی تعداد ایک ہزار سے کچھ زیادہ ہی ہے۔

تعلیم

گوآ میں تعلیم کے فروغ پر کافی زور دیا گیا ہے۔ وہاں بچوں کو آٹھویں کلاس تک مفت تعلیم دی جاتی ہے۔ کالجوں کی تعداد ایک درجن ہے جن میں مختلف شعبوں کی تعلیم کا انتظام ہے۔ اب تو وہاں ڈاکٹری اور انجینئرنگ کے شعبے بھی قائم ہوچکے ہیں۔ ایک زرعی یونیورسٹی کے قیام کے بارے میں بھی غور کیا جارہا ہے۔ خواندگی کی جو قومی شرح ہے اس کے مقابلے میں گوآ کی شرح خواندگی بہت زیادہ ہے۔ وہاں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد ۲۱۶۲ فیصد ہے۔

گوآ ترقی اور خوشحالی کی راہ پر بڑی تیزی سے گامزن ہے۔ اب تو وہاں جدید کاری کی رفتار بھی کافی تیز ہوچکی ہے۔ اس کی معیشت میں ہمہ گیر ترقی ہونے کے آثار نمایاں ہیں نیز اس کی معاشی ترقی میں بتدریج اضافہ ہورہا ہے۔ مرکزی سرکار نے گوآ میں بجلی کی تیاری سے متعلق پروجیکٹوں کے لئے سات کروڑ ۲۰ لاکھ روپے منظور کئے ہیں۔ ان پروجیکٹوں کی تکمیل کے بعد جب گوآ اپنی بجلی کی ضرورتیں خود پوری کرنے لگے گا تو وہاں صنعت کاری کے فروغ نیز معاشی ترقی کی رفتار اور بھی تیز ہوجائیگی۔

۱۲۰۰ نادار بچوں کیلئے چلڈرنس ایڈ سوسائٹی کا پروگرام

'بال کلیان نگری' منصوبہ کے تحت چلڈرنس ایڈ سوسائٹی نے نادار بچوں کے تحفظ کے لئے بمبئی میں ایک پروگرام جاری کیا۔ وزیراعلیٰ شری وی۔پی۔ نائیک کے زیرصدارت اس سوسائٹی کے تمام کارکن اس کی سرگرمیوں کو بڑھاوا دینے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ ضرورتمند بچوں کی امداد کی جاسکے۔

وزیراعلیٰ شری وی۔پی۔ نائیک اور بمبئی کے شریف (۱۹۷۴ء) شری کانتی کمار۔ آر۔ پودار کو عطیہ کمیٹی کا صدر و نائب صدر مقرر کیا گیا تھا تاکہ ان بدنصیب بچوں کے لئے زیادہ عطیات جمع ہوسکیں نیز لوگوں میں اس بات کا شعور پیدا ہوسکے۔ بمبئی کے لوگوں نے حسب توقع اس مرتبہ بھی اس طرف توجہ کی اور بیس لاکھ روپوں کا چندہ جسمیں "فلیگ ڈے" کا چندہ بھی شامل ہے، جمع کیا گیا۔ اس سلسلہ میں ریڈیو، اخبار اور ٹی۔وی کی خدمات بھی قابل قدر ہیں۔ سوسائٹی مطمئن ہے کہ 'بال کلیان نگری' منصوبہ جلد ہی حقیقت کی شکل اختیار کرلے گا۔

حکومت ہند کا محکمۂ امداد باہمی بھی اس سلسلہ میں پیش پیش ہے۔ حکومت ہند کے عالیہ منصوبے کے تحت 'جو نادار بچوں کی امداد کے لئے بنایا گیا ہے'، حکومت ہند نے بے سہارا بچوں کیلئے ۹۰ کاٹیجوں کی تعمیر کیلئے فنڈ کی منظوری دے دی ہے۔ حکومت ہند نے مزید ابتدائی اخراجات کے لئے ۹۰ فیصدی مالی امداد کی منظوری پانچ سالوں کیلئے دے دی ہے۔ حکومت ہند سے ان پانچ سالوں میں تقریباً ساٹھ لاکھ روپیوں کی مدد ملے گی۔

اس منصوبہ کے تحت نادار بچوں کو داخلے ۱۰؍جنوری ۱۹۷۵ء، ۳۱؍مارچ ۱۹۷۵ء اور اکتوبر ۱۹۷۵ء میں ۵۰۰، ۴۰۰ اور ۸۰۰ بچوں کے حساب سے بالترتیب دئے جائیں گے۔

ان تمام نادار بچوں کیلئے کاٹیج نما گھر بنائے جائیں گے نیز ہر گھر میں ایک نگراں مقرر کی جائیگی۔ ان تمام نادار بچوں کو تعلیم و تربیت کے علاوہ دیگر سہولتیں بھی فراہم کی جائیں گی۔

سوشیل ورکرز یا سوشیل ادارے مثلاً لائینز کلب اور روٹری کلب وغیرہ کی سفارشات پر ان بے سہارا بچوں کا داخلہ کیا جائے گا۔ ابتدا میں محض ۶ سے ۱۲ برس کی عمر والے لڑکوں کا انتخاب کیا جائیگا۔

اس سلسلہ میں تحقیق و تفتیش کی جائے گی اور داخلے سے متعلق آخری فیصلہ داخلہ کمیٹی صادر کرے گی جس کی چیرمین ڈاکٹر اجناء این۔ گر ہیں ۱۸ سال کی عمر تک ان بچوں کی تعلیم و تربیت یہیں ہوگی تاکہ وہ ایک مہذب شہری بن سکیں۔

حکومت ہند نے ابتدائی ۹۰ فیصدی اخراجات کو پورا کرنے کا وعدہ کیا ہے لیکن بقیہ ۱۰ فیصدی سوسائٹی کو مہیا کرنا ہوگا جو تقریباً ۴ یا ۵ لاکھ روپے سالانہ ہوگا۔ سوسائٹی نے اس ذمہ داری کو قبول کرلیا ہے کیونکہ اسے بمبئی کے باشندوں پر پورا بھروسہ ہے جو اس سلسلہ میں مکمل تعاون سے کبھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

قطعہ

غلام سرور اشرف

غم کی ساعت نہ کوئی پاس آئے — کوئی لمحہ نہ اب اداس آئے

ہے خدا سے یہی دعا اشرف — یہ نیا سال سب کو راس آئے

اسمبلی کی کارروائیاں

۹ر دسمبر کو اسپیکر شری ایس۔کے۔ وانکھیڈے
ہحکومت اور ضلع پریشد کے ملازمین کے مطالبے
ران کی ۲۴ گھنٹے کی بھوک ہڑتال سے متعلق
دشری آر۔ کے۔ مہالگی ' اے۔ اے۔ وانکھیڈے'
ں۔ڈی۔ ناتو اور وی۔اے۔ دیشمکھ کی پیشکردہ
۔تحریکِ التوار کو رد کر دیا۔

بمبئی موٹر وہیکلس سے متعلق ایک بل پر
ث کا جواب دیتے ہوئے شری جی۔ ایس۔
رنائیک ' ریاستی وزیر برائے ٹرانسپورٹ
ے فرمایا کہ پہلے یہ ٹیکس بنگلہ دیش کے مہاجرین
بحالی کے لئے لاگو کیا گیا تھا اور بعد میں قلت
دہ علاقوں کی امداد کے لیے۔ لیکن اب اس
س کو حاملہ عورتوں اور اسکول کے بچوں کے
ذائی پروگرام کے لئے مستقل حیثیت دے دی
ئی ہے۔ حکومت نے اس سلسلہ میں اپنے بجٹ
ں گنجائش رکھی ہے اور وزیر مالیات کی بجٹ
تقریر میں بھی اس زائد ٹیکس کی طرف اشارہ
ہے۔ لہٰذا اب موجودہ بل میں اس کے لئے گنجائش
کھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ انھوں نے مزید بتایا
ہ اس منصوبہ کے تحت ادی باسیوں' پہاڑی اور
یگر پس ماندہ علاقوں کے لوگوں اور تقریباً ۴ ۲۶
کھ بچوں کو فائدہ پہنچے گا۔

ایوان نے بل پاس کر دیا۔

اس بل پر بحث کے دوران شری آر۔ کے۔
ہالگی نے شکایت کی کہ بل میں کوئی واضح گنجائش
یں ہے جس سے اس بات کا اندازہ لگایا جا
کے کہ ٹیکس سے وصول کردہ رقم بچوں کے
غذائی پروگرام پر صرف کی جائے گی۔

سر دشری ٹی۔ ایس۔ کارخانیس، آر۔ اے۔
پاٹل ' ایس۔ ڈی۔ ناتو ' جیانند منکر ' اے۔ ٹی۔
پاٹل ' وی۔ کے۔ ٹیمبے ' جگیش دیسائی ' ایف۔ ایم۔
پنٹو ' ایس۔ ایس۔ دیگھے ' کے۔ ڈی۔ بھیگڑے'
کے۔ این۔ دیشمکھ اور شریمتی کملا رمن اور شریمتی
یشودھرا بجاج نے بحث میں حصہ لیا۔

شیڈیولڈ کاسٹس و ٹرائبس کمیشن رپورٹ
۱۹۷۰ء کے فیصلہ پر جواب دیتے ہوئے شری
آر۔ پی۔ ولوی ' ریاستی وزیر سماجی امور نے کہا کہ
چھوت چھات محض قانون بنانے سے نہیں دور کی
جاسکتی۔ ۱۹۷۳ء میں ۲۴۳ چھوت چھات کے
واقعات میں سے ۹۶ واقعات باہمی سمجھوتے کے
تحت حل کیے گئے۔ ضلع وار وجیلنس کمیٹیاں
موثر طور پر ان مسائل کو حل کرنے کے لئے مقرر
کی گئیں۔

وزیر موصوف نے پسماندہ طبقوں کو راستوں کے
سدھار، بے زمینوں کو زمین کی فراہمی اور ملازمت
سے متعلق دی گئی سہولتوں کی تفصیلات بیان کیں۔

بحث کے دوران شری ڈی۔ بی۔ پاٹل نے
پس ماندہ طبقے کی لڑکیوں کے لئے ہوسٹل کی
سہولتوں کی فراہمی پر زور دیا۔

سر دشری آر۔ جی۔ بھوئے ' اے۔ ٹی۔ پاٹل '
بی۔ این۔ مداوی ' پی۔ بی۔ پاٹل ' ای۔ پی۔ سالوی '
دی۔ اے۔ دیشمکھ ' آر۔ اے۔ کھیرے ' ایس۔
ڈی۔ منڈلک ' اے۔ ٹی۔ پوار ' اے۔ اے۔ وانکھیڈے '
پی۔ بی۔ کادو ' جی۔ آر۔ شندے ' سداشیو مالی اور
ڈی۔ ایس۔ مانڈیکر اور شریمتی پربھاوتی شندے
نے بھی بحث میں حصہ لیا۔

بڑھتی ہوئی قیمتوں کی روک تھام

اسمبلی نے شری ڈی۔ بی۔ پاٹل کے پیش کردہ
مشورہ پر جو ضروری اشیاء کی بڑھتی ہوئی قیمتوں
اور اناج کی غلط تقسیم سے متعلق تھا ' بحث کی۔

شری ڈی۔ بی۔ پاٹل نے شکایت کی کہ بڑھتی
ہوئی قیمتوں کی روک تھام پر مرکز کے فیصلہ کے باوجود
ریاستی حکومت نے دوہری قیمت کا طریقہ اپنایا ہے۔
انھوں نے یہ بھی کہا کہ شہروں اور دیہاتوں میں
یکساں غذائی کوٹہ دیا جائے۔

شری دی۔ کے۔ ٹیمبے نے کہا کہ جسے کھلی
منڈی کہا جاتا ہے وہ بجائے خود ایک طرح کی
کالا بازاری ہے۔ انھوں نے انکم ٹیکس دینے والوں
پر اضافی طور پر لگائے ہوئے ٹیکس کو ناانصافی
قرار دیا۔

شریمتی مرینال گورے نے غذائی طریقۂ تقسیم
پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ یہ حکومت کی ذمہ داری
ہے کہ وہ ضروری اشیاء کی صحیح تقسیم کو عمل میں
لائے نیز اناج کی فروخت سے پہلے اس کی صفائی
کا کام مکمل کرے۔

شری مہالگی نے کہا کہ غذائی کمی اور معاشی
نازک حالی کا مقابلہ کل ہند پیمانے پر کیا جانا ضروری
ہے۔

سر دشری پرمود نولکر ' راجہ بھاؤ میراشی ' ایم
ڈی۔ منڈلک ' جگیش دیسائی ' بی۔ جی۔ پاٹل ' ایف۔

ایم۔ چنڈو، وی۔ اے۔ دلیشمکھ، پی۔ بی۔ کادو، بنڈوتی گیدھانی، آر۔ اے۔ کھیرے، جی۔ ایس۔ لوکے، ڈی۔ ایس۔ ناڈیکر، جی۔ آر۔ مشندے، جیانند مشکر، جے۔ کے۔ جھیر، وی۔ سی بھیکے، شریمتی نرملا شوکل اور شریمتی یشودھرا بجاج نے بھی بحث میں حصہ لیا۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری دائی تجے۔ موہیتے وزیر غذا و سول سپلائز نے کہا کہ مہاراشٹر کی غذائی حالت اطمینان بخش نہیں ہے اور لوگوں کا مطالبہ ہے کہ فی کس ۱۲ کلو غذائی کوٹہ دیا جائے جبکہ حکومت فی کس ۸ کلو غذائی کوٹہ بمبئی میں ۵۰ء۷ کلو پونہ، ناگپور، کولہاپور اور ۵ کلو دوسرے علاقوں میں فراہم کرنے میں بھی کامیاب نہیں ہوسکی ہے

وزیر موصوف نے کہا کہ اناج کی وصولی کے لئے ریاست میں لیوی ہی ایک خاص ذریعہ ہے۔ تقریباً ۲۶۵ لاکھ ٹن غلہ حاصل کیا جائے گا جو دو تین مہینوں کے لئے کافی ہوگا۔ حکومت نے شکر اور کپاس جیسی باغاتی فصلوں پر بھی ٹیکس نافذ کردیا ہے۔ ایسے موٹے اناج کی نقل وحرکت پر جس پر ۳۰ فیصدی ٹیکس لگایا گیا ہے، کوئی پابندی نہیں ہے۔ ریاستی حکومت پچھلے سال سے بھی زیادہ مقدار میں دوسری ریاستوں سے غلہ خریدنے کی کوشش کررہی ہے۔

شری موہیتے نے کہا کہ کسانوں کو معقول قیمتوں کی یقین دہانی ضروری ہے تاکہ ان کا حوصلہ بڑھایا جاسکے۔ نیز کالا بازاری پر نظر رکھی جاسکے۔ اسلئے حکومت نے اس سلسلہ میں دوہری قیمتوں کے طریقے کو اپنایا ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ ایک اندازے کے مطابق تقریباً ایک کروڑ بوگس راشن کارڈ ہیں جنھیں تلف کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح ذخیرہ اندوزی کے خلاف بھی حکومت ایک مہم چلانے والی ہے تاکہ چھپا ہوا اناج ضبط کیا جاسکے۔

بڑھتی ہوئی قیمتوں کے متعلق وزیر موصوف نے کہا کہ ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے پورا ملک اس مسئلہ سے دوچار ہوا ہے۔ مرکز نے اس سلسلہ میں کئی قانون نافذ کئے ہیں اور ریاستی حکومت ان پر پوری طرح عمل کررہی ہے۔ امید ہے اس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلے گا۔

۳ دسمبر کو اسپیکر شری وانکھیڈے نے اعلان کیا کہ شری وی۔ اے۔ دلیشمکھ اور شری آر کے۔ مہالگی بالترتیب مراٹھواڑہ یونیورسٹی اور ایس۔ این۔ ڈی۔ ٹی۔ ویمنز یونیورسٹی کے سینیٹ کیلئے چنے گئے۔

لیجسلیٹو ممبران کو سہولتیں

شری اے۔ ایچ۔ ہمدانی نے ممئی لیجسلیچر ممبران کی تنخواہ اور بھتہ سے متعلق سرکاری (ترمیم) بل ۱۹۷۴ء پیش کیا جس کے تحت اسٹیٹ لیجسلیچر کے ممبران کو ٹیلیفون، سفر کی سہولتیں اور دیگر سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔

شریمتی مرینال گورے نے کہا کہ فی الحال جو سہولتیں مجلس قانون ساز کے ممبران کو دی گئی ہیں وہ کافی نہیں ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ٹیلیفون کی سہولت کا مطالبہ معقول ہے۔

شری بی۔ جی۔ کادو نے ٹیلیفون کے علاوہ باقی تمام سہولتوں کی مخالفت کی۔

شری این۔ ایم۔ تڑکے، وزیر لیجسلیٹو امور نے حکومت کی جانب سے کہا کہ ٹیلیفون ضروریات میں شامل ہے لیکن سفر کی سہولتوں کا مطالبہ بھی غلط نہیں ہے۔ اس طرح ممبران دوسری ریاستوں کے ترقیاتی منصوبوں کا معائنہ بھی کرسکیں گے اور راجدھانی کا دورہ بھی کرسکیں گے۔ انھوں نے بل میں درج کی ہوئی تمام سہولتوں کی حمایت کی۔ ایوان نے بل پاس کردیا۔

⁂ ⁂ ⁂

اگریکلچرل اِنکم ٹیکس

شریمتی مرینال گورے نے ایک غیر سرکاری بل مہاراشٹر اگریکلچرل انکم ٹیکس (ترمیم) بل ۱۹۷۴ء پیش کیا جس کا مقصد زراعتی انکم ٹیکس حد کو گھٹا کر ۱۲،۰۰۰ روپے کرنا تھا۔ انھوں نے کہا کہ انکم ٹیکس کیلئے آمدنی کی عام حد ۶،۰۰۰ روپے مقرر کی گئی ہے جبکہ زراعت کیلئے یہ حد ۳۶،۰۰۰ روپے ہے۔ بل کا مقصد اس تفریق کو دور کرنا تھا۔

بل کی حمایت کرتے ہوئے شری جگیش دیسائی نے کہا کہ گذشتہ دس سالوں میں ریاست نے ۷۰۰ کروڑ روپے آبپاشی منصوبوں پر صرف کئے۔ اس لئے جن لوگوں کو ان منصوبوں سے فائدہ پہنچا ہے ان پر ٹیکس لگانا ضروری تھا۔ اس طرح حکومت کی آمدنی میں بھی اضافہ ہوگا۔

شری وی۔ اے۔ دلیشمکھ نے بھی بل کی حمایت کی۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری شنکر راؤ پاٹل، وزیر دیہی ترقیات نے کہا کہ حکومت نے گنّوں کی فروخت اور آبپاشی پر ٹیکس بڑھا دئے ہیں لہٰذا زراعتی انکم ٹیکس میں مزید اضافہ کرنا غیر عملی اقدام ہوگا۔

وزیر موصوف کے جواب کے بعد ایوان نے بل نامنظور کردیا۔

ضابطۂ فوجداری

شریمتی مرینال گورے نے دوسرا غیر سرکاری بل "ضابطۂ فوجداری (مہاراشٹر ترمیم) بل ۱۹۷۴ء" پیش کیا۔ انھوں نے کہا کہ وزیروں کی دیہی علاقوں میں آمد وہاں کے لوگوں کیلئے ایک ایسا موقع ہے جب وہ اپنے مطالبات پیش کرسکتے ہیں اور احتجاج کرسکتے ہیں۔ ایسے مواقع پر، پُرامن احتجاج کرنا ان کا جمہوری حق ہے مگر حکومت ایسے موقعوں پر ہمیشہ مخالف پارٹیوں کے لیڈروں کو گرفتار کرلیتی ہے۔ موجودہ بل کا مقصد ضابطے کی دفعہ ۱۵۱ میں ترمیم کرنا ہے تاکہ اس قاعدہ کا ناجائز فائدہ نہ اٹھایا جاسکے۔

سروشری جی-این- بنات والا اور کے- ڈی-
بھیگشے نے بل کی حمایت کی لیکن سروشری عمر قاضی
اور مادھو پاٹل نے بل کی مخالفت کی۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری رتنپا کنبھار
وزیر مملکت برائے امور داخلہ، اطلاعات و پبلسٹی نے
کہا کہ اس مسئلہ کو سیاسی نقطۂ نظر سے دیکھنا بجا نہ
ہوگا۔ کئی واقعات ایسے ہوئے ہیں جب مظاہرے
قابو سے باہر ہوگئے۔

وزیر موصوف کے جواب کے بعد شریمتی گورے نے
پیش کردہ بل واپس لے لیا۔

شری دی اللہ- دیشمکھ نے ایک غیر سرکاری بل
پیش کیا جس کا مقصد مذہبی قربانی کے لئے مویشیوں
اور پرندوں کے ذبیحے کو روکنا تھا۔ شری دیشمکھ نے
کہا کہ لوگ مذہب کے نام پر مویشیوں اور پرندوں کی
قربانی دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حکومت کو چاہئے کہ
اس سال جو کہ بھگوان مہاویر کے ۲۵۰۰ ویں مہا نروان
جینتی کا سال ہے ایک ایسا قانون وضع کرے جس
سے مہاراشٹر کا نام روشن ہوسکے۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری رتنپا کنبھار
وزیر مملکت برائے امور داخلہ نے کہا کہ حکومت ان
جذبات کا احترام کرتی ہے جو اس بل کے پیچھے
ہیں اور اگر ممکن ہوا تو وہ مہاویر جینتی سال کے
دوران اس قسم کا قانون بنانے کی کوشش کرے گی۔
اس جواب پر شری دیشمکھ نے بل واپس لے لیا۔

موٹر وہیکلز (پسنجر ٹیکس (ترمیم) بل ۱۹۷۴ء
پیش کرتے ہوئے شری کے۔ ڈی۔ بھیگشے نے
کہا کہ ایس- ٹی- کارپوریشن کا یہ کہنا ہے کہ ٹکٹوں
کی قیمتوں میں اضافہ کو روکنا ناگزیر ہے کیونکہ کارپوریشن
کو ہمیشہ خسارہ اٹھانا پڑتا ہے۔ اس ٹیکس سے
پچھلے تین سالوں میں حکومت کو ۵ ۷ کروڑ روپوں
کی آمدنی ہوئی ہے۔ اب یہ بل ۲۲ فیصدی اضافہ کو
گھٹاکر ۱۰ فیصدی کرنے کے بارے میں ہے تاکہ کرایہ میں
بڑھتے ہوئے اضافے کو روکا جاسکے۔

سروشری ایس- ڈی- ناتو اور جیانند ٹھکرنے
بل کی حمایت کی۔

سروشری سوشیل کمار شندے، وزیر ٹرانسپورٹ نے
کہا کہ مسافروں سے جمع کیا ہوا یہ ٹیکس سرکاری خزانہ میں
جمع کیا جاتا ہے اور قلت زدہ علاقوں کی امداد کے
پروگرام و تعلیم وغیرہ جیسے مفید کاموں پر صرف
کیا جاتا ہے۔

ایس- ٹی- کارپوریشن نے ایندھن اور ٹائر کی
قلت کے باعث کرایے میں اضافہ کیا ہے۔ حکومت
ترقیاتی منصوبہ سے متعلق اخراجات میں کمی نہیں کر
سکتی لہٰذا پسنجر ٹیکس گھٹایا نہیں جا سکتا۔

وزیر موصوف کے جواب کے بعد یہ بل واپس
لے لیا گیا۔

●●

دیہی گوٹھانوں کی توسیع

شہروں کی طرح دیہاتوں میں بھی رہائشی جگہوں
کی قلت کا محسوس کیا جانا ایک عام بات ہے خصوصیت
کے ساتھ جب حکومت منصوبہ بند اہتمام کے ساتھ

(۱) بڑھتی ہوئی آبادی
(۲) خانہ بدوش قبائلیوں
(۳) وِمُکت جاتیوں
(۴) پسماندہ طبقات اور
(۵) سیلاب سے متاثرہ یا سیلاب کے خطرے کو
محسوس کرکے بے گھر ہونے والے افراد کو بسانا چاہتی ہو۔

تیسرے پنچسالہ منصوبے کے ایک اجلاس میں بڑھتی
ہوئی آبادی کو بسانے کیلئے 'دیہی گوٹھان کی توسیع' کی ایک
اسکیم شامل کی گئی ہے۔ بعد ازاں مذکورۂ صدر فہرست کے
دیگر افراد کو بسانے کیلئے اس اسکیم کو اور وسیع کیا گیا۔

اس اسکیم کے تحت جہاں کہیں سرکاری اور دیہی پنچایت
کی زمینیں پائی جاتی ہوں وہ ان افراد کو بسانے کیلئے
دی جاتی ہیں اور جہاں کہیں ایسی جگہیں نہیں ہیں وہاں
خانگی زمینیں حاصل کرکے انہیں پلاٹوں میں تقسیم
کیا جاتا ہے اور وہ ایسے ضرورتمند خاندانوں اور
بے زمین زرعی مزدوروں کو رہائشی مکانات کے لئے
مفت دی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے لوگوں
کو قطعات زمین کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے جو وہ
تین قسطوں میں ادا کر سکتے ہیں۔

۳۱ مارچ سنہ ۱۹۷۰ء تک چھ ہزار پانچ سو
دیہات اس اسکیم کے تحت لائے گئے۔ اس پر
۸۳ لاکھ روپے خرچ ہوئے۔ بارہ ہزار ہیکٹیئر
زمین رہائشی مکانات کے لئے دی گئی۔

سیلاب سے متاثرہ یا سیلاب سے متاثر
ہونے کا خطرہ محسوس کرنے والے خاندانوں کو بسانے
کا اہتمام سنہ ۱۹۷۰ء سے غیر منصوبہ بند بجٹ
میں کیا گیا ہے۔

مالیاتی سال سنہ ۱۹۷۳-۷۴ء میں منصوبہ بند
اور غیر منصوبہ بند بجٹ میں بالترتیب ۱۲ لاکھ
۹۵ ہزار اور ۵ لاکھ روپے مختص کئے گئے۔

پانچویں پنچسالہ پلان کے دوران ۷۳ لاکھ
روپے کے صرفے سے ۵ ہزار دیہاتوں کو اس اسکیم
کے تحت لانے کا پروگرام ہے۔

اہل قلم حضرات

مضامین، مقالات اور منظومات کاغذ کی صرف ایک
صاف اور خوشخط لکھ کر ذیل کے پتہ پر ارسال فرمائیں:

ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز
حکومت مہاراشٹر، سچیوالیہ، بمبئی ۳۲-۴۰۰۰

قلعہ پر چڑھنے کا مقابلہ

چھترپتی شری شیواجی مہاراج کے سہ صد سالہ جشنِ تاجپوشی کی یادگار کے طور پر حکومت مہاراشٹر نے ریاست میں ۹ر فروری ۱۹۷۵ء کو قلعہ پر چڑھنے کا مقابلہ کرانے کا فیصلہ کیا ہے۔

یہ مقابلے صرف مہاراشٹر سے باہر سکونت پذیر لوگوں کے لئے ہیں۔ مقابلہ کی تفصیلات یہ ہیں:

گروپ ۱: قلعہ سینہ گڑھ تا قلعہ رائے گڑھ برائے قلعہ راج گڑھ، قلعہ تورنا اور قلعہ لن گانا (فاصلہ تقریباً ۱۰۰ کلومیٹر) پہلا انعام ۲۰۰۰ روپے، دوسرا انعام ۱۵۰۰ روپے اور تیسرا انعام ۱۰۰۰ روپے

گروپ ۲: قلعہ سینہ گڑھ تا قلعہ تورنا براہ قلعہ راج گڑھ (فاصلہ تقریباً ۳۲ کلومیٹر)، گروپ ۱ کے تحت انعامات

گروپ ۳: قلعہ راج گڑھ پر چڑھنا — پہلا انعام ۱۰۰۰ روپے، دوسرا انعام ۷۵۰ روپے اور تیسرا انعام ۵۰۰ روپے۔

گروپ ۱ مقابلہ ان اشخاص کے لئے جو ۱۸ سال کی عمر پوری کر چکے ہیں نیز قلعہ پر چڑھنے کے لئے جسمانی طور پر موزوں ہیں۔ گروپ ۲ صرف ۱۸ اور ۴۰ سال کے درمیان والوں کے لئے ہے۔

حکومت مہاراشٹر مقابلہ میں شرکت کرنے والوں کے لئے قیام وطعام کا انتظام کرے گی نیز مقابلہ پورا کرنے والوں کو اپنی جائے قیام سے پونا آنے اور واپس جانے کے لئے دوسرے درجہ کا ریلوے کرایہ ادا کرے گی۔

قومی زراعتی کمیشن کے ساتھ وزیر اعلیٰ کی گفتگو

نو ممبران پر مشتمل قومی کمیشن برائے زراعت کے ایک وفد کا ۱۴ر جنوری کو سچیوالیہ میں استقبال کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ شری وی۔ پی۔ نائیک نے زراعتی پیداوار میں اضافہ کے لئے موجودہ انسانی ذرائع کو پوری طرح استعمال کرنے کی اہمیت پر زور دیا۔ مہاراشٹر کی ضمانتِ روزگار اسکیم کی وضاحت کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ یہ اسکیم ایک حقیقی پیمانہ ہوگی۔

غیر لیوی خریداری پر کھلے بازار کی قیمت

حکومت مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ لیوی کے تحت نہ آنے والے کاشتکاروں سے اور لیوی ادا کرنے کے بعد باقی اناج فروخت کرنیوالے کاشتکاروں سے دھان، چاول اور جوار خریدنے پر کھلے بازار کی قیمت ادا کی جائے گی۔ اگر ان کو لیوی قیمت ادا کی گئی ہوگی تو ان کو بازار بھاؤ اور اس کے بیچ جو فرق ہوگا وہ رقم ادا کی جائیگی۔

باجری کی کھلے بازار کی قیمت ادا نہیں کی جائے گی۔ اگر کاشتکاروں نے باجری فروخت کرنا ہی چاہی تو ان کو صرف لیوی قیمت ہی ادا کی جائے گی۔ غیر لیوی شدہ باجری جو کہ اب تک خریدی جا چکی ہے وہ الگ رکھی جائے گی اور اس کی قیمت بعد میں مقرر کی جائے گی۔

کپاس اگانے والوں کو ادائیگی کا آرڈیننس

گورنر مہاراشٹر نے اجارہ داری کپاس حصولی اسکیم کو موثر طور پر نافذ کرنے اور کپاس پیدا کرنے والوں کے نمائندوں کے ساتھ نظرثانی شدہ ادائیگی کے طریقہ کار کا جو تصفیہ ہوا ہے اور جو ۱۷ر نومبر ۱۹۷۴ء سے نافذ مانا جائے گا، اس کو قانونی شکل دینے کی غرض سے مہاراشٹر خام کپاس (وصولیابی، پراسیسنگ اور مارکیٹنگ) (تیسری ترمیم) آرڈیننس بابت ۱۹۷۴ء جاری کیا ہے۔

کپاس فروخت کرنیوالوں کو رقوم کی ادائیگی کے طریقے پر نظرِ ثانی

حکومت مہاراشٹر نے مہاراشٹر خام کپاس (وصولیابی، پراسیسنگ اور مارکیٹنگ) (تیسری ترمیم) آرڈیننس بابت ۱۹۷۴ء کے ضابطوں کے مطابق ۱۹۷۴-۷۵ء کے کپاس فصل کے دوران کپاس اجارہ داری وصولیابی اسکیم کے تحت کپاس بغرض فروخت پیش کرنے والوں کو رقوم کی ادائیگی کے طریقہ پر نظر ثانی کی منظوری عطا کر دی ہے۔

اس کے تحت ضمانتی قیمت کا ۸۰ فیصدی یعنی پیشگی قیمت جو کہ کپاس فروخت کرنے والوں کو دو قسطوں میں ادا کی جائے گی اس کا طریقہ کار یہ ہوگا:

(الف) ضمانتی قیمت کا ۳۰ فیصدی نقد ادا کیا جائے گا یا کو آپریٹیو بنک میں اس کے کھاتے میں جمع کر دیا جائے گا۔

(ب) ضمانتی قیمت کا ۵۰ فیصدی اگر اس نے کو آپریٹیو سے قرض لیا ہوگا تو اس کی ادائیگی کی طرف ڈال دیا جائے گا۔

ایسی صورت میں کہ قرض کی ادائیگی کے بعد بھی رقم بچ جائے تو وہ رقم مارکیٹنگ فیڈریشن میں بطور

نجی لیجر کھاتے کے جمع کردی جائے گی۔ اس پر جس دن سے کپاس فروخت کی گئی اور جب تک کہ اصل رقم ادا نہ کی گئی اس مدت کے لئے دس فیصدی سود ادا کیا جائے گا۔

(ج) ایسا شخص جو کہ قرضدار رکن نہ ہوگا اُسکی ضمانتی رقم کا ۵۰ فیصدی اسی طرح نجی لیجر کھاتے میں مارکیٹنگ فیڈریشن میں جمع کر دیا جائے گا اور متذکرہ طریقے پر اس پر دس فیصد سود ادا کیا جائیگا۔

ضمانتی ادا کی جانے والی کل قیمت کا ۲۰ فیصدی کپاس فصل کے اختتام پر ادا کیا جائے گا اور اگر ادا نہ کیا گیا تو اصل ادائیگی تک اس پر بھی دس فیصد سالانہ سود ادا کیا جائے گا۔

حصولیابی مراکز پر کپاس کی درجہ بندی صحیح حالات کی وضاحت

بعض اخبارات میں اس طرح کی مبالغہ آمیز اور غلط خبریں شائع ہوئی ہیں کہ مہاراشٹر اسٹیٹ کوآپریٹیو مارکیٹنگ فیڈریشن کے عہدیداران حصولیابی مراکز پر پیش کی جانے والی کپاس کی درجہ بندی مناسب طریقے سے نہیں کرتے۔ خبروں میں کہا گیا کہ اعلیٰ درجہ دیا ہی نہیں جاتا اور تقریباً ۱۵ سے ۲۰ فیصدی حاصل شدہ کپاس کو 'ایکس' درجہ دیا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں کافی تعداد میں کاشتکاروں کو مالی نقصان ہوتا ہے۔

اخباروں کی یہ خبریں حقائق پر مبنی نہیں ہیں اور ان میں مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ۲۶ دسمبر ۱۹۷۴ء کو ودربھ، خاندیش اور مراٹھواڑہ حصولیابی علاقے میں ہر قسم کی حاصل کردہ کپاس کی مقدار ۹,۰۳,۳۹۰ کوئنٹل تھی۔ اس میں سے ۴,۸۰,۸۰۲ کوئنٹل کو اعلیٰ درجہ (سُپر)، ۴,۱۸,۸۶۲ کوئنٹل کو ایف اے کیو درجہ، اور صرف ۳,۷۲۶ کوئنٹل کو 'ایکس' درجہ میں رکھا گیا تھا۔ یہ اعداد بتائیں گے کہ مراکز پر پیش کردہ کل کپاس میں سے ۵۳٫۲ فی صد کو سُپر یعنی اعلیٰ درجہ دیا گیا ہے۔ ۴۶٫۳ فی صد کو ایف اے کیو اور صرف نصف فی صد کو ہی 'ایکس' درجہ میں رکھا گیا تھا۔ یہ اخباری اطلاع کہ ۱۵ سے ۲۰ فیصدی کپاس کو 'ایکس' درجہ دینے کی وجہ سے بڑی تعداد میں کاشتکاروں کو مالی نقصان ہوتا ہے، بالکل ہی غلط ہے۔

ایوت مال زون سے بھی اخبارات میں شکایات آئی ہیں۔ وہاں پر ۲۶ دسمبر ۱۹۷۴ء کو حاصل کردہ کل کپاس ۲,۱۶,۷۵۰ کوئنٹل تھی جس میں سے ۱,۲۴,۲۵۰ کوئنٹل یعنی ۵۷٫۴۳ فی صدی سُپر درجہ کی ۹۲,۲۴۱ کوئنٹل یعنی ۴۲٫۵۷ فی صدی ایف اے کیو اور صرف ۲۵۹ کوئنٹل یعنی ۰٫۱۲ فیصدی 'ایکس' درجہ کی تھی۔

اس طرح ناندیڑ زون میں جمع ہوئی کل کپاس ۲۶ دسمبر ۱۹۷۴ء کو ۳۲,۰۸۱ کوئنٹل تھی جسمیں سے ۲۰,۳۵۵ کوئنٹل یعنی ۶۳٫۴۴ فیصدی سُپر درجہ کی، ۱۱,۵۸۵ کوئنٹل یعنی ۳۶٫۱۱ فیصدی ایف اے کیو اور ۱۴۱ کوئنٹل یعنی ۰٫۴۵ فیصدی درجہ 'ایکس' میں تھی۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ ایوت مال اور ناندیڑ زون میں سُپر درجہ نہیں دیا جاتا ہے یا کپاس کی بڑی مقدار کو 'ایکس' درجہ دیا جاتا ہے اس میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔

مارکیٹنگ فیڈریشن مزید وضاحت کرتی ہے کہ اس طرح کی کوئی ہدایت جاری نہیں کی گئی ہے کہ سُپر درجہ جاری نہ کیا جائے یا زیادہ مقدار کو 'ایکس' درجہ دیا جائے۔ جو بھی کپاس آئیگی اسکو اس کی قسم کے لحاظ سے درجہ دیا جائے گا جیسا کہ گریڈنگ اینڈ مارکیٹنگ قوانین میں طریقہ رکھا گیا ہے۔ فیڈریشن بنیادی طور پر کاشتکاروں کی بہتری کے لئے کام کرتی ہے اور ایک بار پھر اس بات پر زور دیتی ہے کہ کپاس پیدا کرنے والے کاشتکار بے بنیاد پروپگنڈے اور غلط اخباری اطلاعات کے شکار نہ بنیں۔

بمبئی میٹروپولیٹن علاقے میں صنعتی قیام

صنعتوں کو پھیلانے کی موجودہ پالیسی کے پھر سے نفاذ نیز شہری زندگی کی حالت سُدھارنے کی غرض سے حکومتِ مہاراشٹر نے بمبئی میٹروپولیٹن ریجن میں صنعتوں کے قیام کی نئی پالیسی وضع کی ہے اس مقصد سے میٹروپولیٹن علاقہ حسب ذیل چار حلقوں میں تقسیم کیا گیا ہے: بمبئی جزیرہ، وڈالا، اپتک کا صنعتی علاقہ اور مضافات، نیا بمبئی علاقہ اور اس خطّہ کا بقیہ علاقہ۔

پالیسی کے نفاذ کے لئے حکومتِ مہاراشٹر نے حسب ذیل تین کمیٹیاں قائم کی ہیں: وزیر اعلیٰ کی زیر صدارت اعلیٰ اختیارات کمیٹی، وزیر صنعت کی زیر صدارت رابطہ کمیٹی اور اسپیشل سکریٹری انڈسٹریز اینڈ لیبر ڈپارٹمنٹ کی زیر صدارت کمیٹی جو متعلقہ درخواستوں کی جانچ کرے گی۔

مجاہدینِ آزادی کو سَنمان پتر

حکومتِ مہاراشٹر نے حسب ذیل اقسام کے اشخاص کو 'سَنمان پتر' دینے کا فیصلہ کیا ہے جو پنشن اسکیم کے تحت حکومتِ ہند سے پنشن پاتے ہیں:

(۱) ایسے اشخاص جن کو کم از کم ایک ماہ سزائے قید ہوئی۔ (۲) ایسے اشخاص جنھیں قبل از وقت رہا کر دیا گیا تھا اور انھیں پنشن ملتی ہے۔ (۳) وہ اشخاص جنھیں 'مجاہدینِ آزادی' کی حیثیت سے پنشن مل رہی ہے۔ (۴) ایسے اشخاص جنھیں حکومت کی قرارداد مورخہ ۱۲ اگست ۱۹۶۶ء میں کی گئی تعریف کے مطابق مجاہدینِ آزادی قرار دیا جا سکے، اور (۵) ایسے اشخاص جنھیں ریاستی حکومت کی مشاورتی کمیٹی کی سفارش کی بنیاد پر پنشن ملتی ہے۔

کلکٹران کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ایسے

مجاہدین آزادی کو جنھیں خاص اختیاری فنڈ سے مالی امداد دی گئی ہے ان کی درخواست کے بغیر انہیں سمّان پتر دے دیں ۔ انھیں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ سمّان پتر کے لئے مجاہدین کی درخواستوں پر غور کریں اور مالی امداد کے لئے مجاہدین آزادی کی درخواستوں پر حکومت کے فیصلہ کا انتظار نہ کریں۔

بھنڈار دارا ہالیڈے کیمپ دوبارہ کھُل گیا

ضلع احمد نگر میں واقع بھنڈار دارا گورنمنٹ ہالی ڈے کیمپ جو کہ تقریباً تین سال سے بند تھا وہ فوری طور پر عوام کے لئے کھول دیا گیا ہے ۔

بھنڈار دارا جو کہ خوبصورت مناظر میں گھرا ہوا ہے، بمبئی سے اگت پوری ہو کر ۱۸۵ کلو میٹر کی دوری پر واقع ہے ۔

ہالی ڈے کیمپ میں ہر چیز سے آراستہ ۲۲ بلاکس ہیں۔ فی بلاک ۱۶ روپیہ یومیہ کرایہ ہے جس میں دوسری خدمات شامل نہیں ہیں۔

ریزرویشن ڈائرکٹوریٹ آف ٹورزم، حکومتِ مہاراشٹر، ایکسپریس ٹاور، نویں منزل، نریمان پوائنٹ، بمبئی ۴۰۰۰۲۱ اور ڈیویژنل ٹورسٹ آفس، سنٹرل بلڈنگ، پونہ ۱ سے کیا جا سکتا ہے جہاں سے مزید تفصیلات بھی حاصل ہو سکتی ہیں۔

سینٹ جارجز ہسپتال کا بورڈ برائے وزیٹرز

وزیر صحت عامہ، شری کے۔ پی۔ پاٹل نے ۳ر جنوری کو بمبئی میں سینٹ جارجز ہسپتال میں بورڈ برائے وزیٹرز سے ملاقات کی۔

بیٹھک میں ہسپتال کی خدمات میں بہتری پیدا کرنے کے لئے مختلف موضوعات پر غور کیا گیا، خصوصاً نئے آپریشن تھیٹر کی تعمیر، میڈیکل چیک اپ کے لئے تشخیص مرکز کا آغاز۔

وزیر موصوف نے طبی خدمات میں بہتری لانے کے لئے فوری اقدامات کا وعدہ کیا۔

اس سے قبل ممبران نے شری ایل۔این مشرا کی موت پر رنج و غم کا اظہار کیا۔

مراٹھی ادب کو ریاستی اِنعامات

حکومت مہاراشٹر نے بہترین مراٹھی ادب کو ریاستی انعامات عطا کرنے کی اسکیم کے تحت داخلے ۱۰ر فروری ۱۹۷۵ء سے قبل طلب کئے ہیں جو کہ ڈائرکٹر، انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن، مہاراشٹر اسٹیٹ، پونہ ۳۰ کو بھیجے جائیں نہ کہ ڈائرکٹر آف ایجوکیشن، پونہ ۱ کو جیسا کہ پہلے اعلان کیا گیا تھا۔

چھوٹی بچت ایجنٹوں کو نقد انعامات

حکومتِ مہاراشٹر نے جنوری سے مارچ ۱۹۷۵ء کے تین مہینوں میں چھوٹی بچت کے ایجنٹوں کے ذریعہ بڑی رقم جمع کروانے پر نقد انعام دینے کا فیصلہ کیا ہے ۔

ان شہروں کے ایجنٹ انعام حاصل کرنے کے کافی مواقع رکھتے ہیں :

بمبئی، پونہ، ناگپور، اورنگ آباد، شولاپور، کولہاپور، رتناگیری، اکولہ، تھانہ، ناسک، امراوتی، سانگلی، جلگاؤں، دھولے، احمد نگر اور ناندیڑ۔

تیس ہزار روپے سے ایک لاکھ روپے تک جمع کروانے والے ایجنٹوں کو سو روپے سے ایک ہزار روپے تک کے نقد انعام دئے جائیں گے۔

ریاستی ڈرامہ مقابلے

'روٹی اور بیٹی' کو پہلا انعام

حکومتِ مہاراشٹر کے ڈائرکٹوریٹ برائے ثقافتی امور نے چودھویں مہاراشٹر اسٹیٹ ناٹیہ مہوتسو کے ایک حصہ کے طور پر ناگپور میں ہندی ڈراموں کا جو مقابلہ منعقد کیا تھا اس میں ویسٹرن ریلوے ہیڈ کوارٹرز ایسوسی ایشن، بمبئی کے ڈرامے "روٹی اور بیٹی" کو اوّل انعام کے طور پر ایک ہزار روپے اور سنٹرل بینک ریکری ایشن کلب، بمبئی کے ڈرامے "گِدھ" کو دوسرا انعام ۵۰۰ روپے کا ملا۔ تیسرا انعام ۲۵۰ روپے کا بمبئی ہندی ودیا پیٹھ کے ڈرامے 'بی بی ایک بالا' کو ملا۔

بہترین ہدایتکاری کا اوّل انعام 'روٹی اور بیٹی' کے لئے ۲۵۰ روپے شری گووند دھرم ادھیکاری کو ملا اور دوسرا انعام ۱۵۰ روپے کا "گِدھ" کے لئے شری امتیاز حسین نے حاصل کیا۔

چیچک سے لازمی حفاظت

حکومتِ مہاراشٹر نے بمبئی عظمیٰ کے علاقہ کو یکم جنوری ۱۹۷۵ء سے ۳۰ر جون ۱۹۷۵ء تک مزید چھ ماہ کے لئے چیچک سے لازمی حفاظت کا علاقہ قرار دے دیا ہے۔

کھاڑی سُدھار کمیٹی کی نئی تشکیل

حکومت مہاراشٹر نے تھانہ کھاڑی، اُلہاس ندی، بسین کھاڑی اور دھرم تر کھاڑی آبی راستہ کے سدھار کے لئے فنی ماہرین کی کمیٹی کی دوبارہ تشکیل کی ہے جس کے صدر مہاراشٹر اسٹیٹ پورٹس اتھارٹی و سکریٹری بلڈنگس اینڈ کمیونیکیشن ڈپارٹمنٹ ہیں۔

مدان کمیشن

حکومتِ مہاراشٹر نے اعلان کیا ہے کہ بھیمڑی، جلگاؤں اور مہاڈ کے فسادات کی تحقیقات کرنے والے مدان کمیشن کو ختم کر دیا گیا ہے کیونکہ کمیشن نے اپنی رپورٹ پیش کر دی ہے۔

●●

عالمی تعلیمی فیلوشپ کی بین الاقوامی کانفرنس
وزیرِ اعلیٰ کے ہاتھوں افتتاح

وزیرِ اعلیٰ شری وی۔پی۔نائیک نے ۲۹ دسمبر ۶۶ء کو بمبئی میں عالمی تعلیمی کانفرنس کا افتتاح کیا۔ اپنی تقریر میں شری وی۔پی۔نائیک نے کہا کہ ہمارا ملک کروڑوں روپے تعلیم اور نئی نسل کو سنوارنے کے لئے خرچ کرتا ہے تاکہ موجودہ تمام مسائل حل کئے جاسکیں اس لئے بہتر تعلیم کے لئے ٹیچرز کی ٹریننگ بہت اہم ہے تاکہ تعلیم کا مقصد پورا ہوسکے اور طلبار کو صحیح رہنمائی حاصل ہوسکے۔ انھوں نے ماہرینِ تعلیم سے اپیل کی کہ بدلتے ہوئے سماج کے تقاضوں کے پیش نظر تعلیمی نظام کی اصلاح کی طرف توجہ کریں۔

ڈاکٹر شریمتی مدھوری شاہ جنھوں نے عالمی تعلیمی کانفرنس کی صدارت کی، اس موقع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

میونسپل کمشنر شری ایم۔ڈبلیو۔دیسائی نے مہانوں کا استقبال کیا۔

بمبئی خاندانی منصوبہ بندی کانفرنس کا افتتاح

میونسپل کارپوریشن، بمبئی عظمیٰ کی ڈائرکٹوریٹ برائے خاندانی منصوبہ بندی کے تحت بمبئی خاندانی منصوبہ بندی کانفرنس کا افتتاح ۱۹ دسمبر ۶۶ء کو برلاکریڈا کیندر میں منعقدہ ایک جلسہ میں بمبئی کے میئر شری بومن بہرام کے دست مبارک سے ہوا۔ جلسہ کی صدارت بمبئی عظمیٰ میونسپل کارپوریشن کی اسٹینڈنگ کمیٹی کے چیرمین شری وجے پربھاکر نے کی۔

موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری بومن بہرام نے بمبئی عظمیٰ میونسپل کارپوریشن کی ڈائرکٹوریٹ
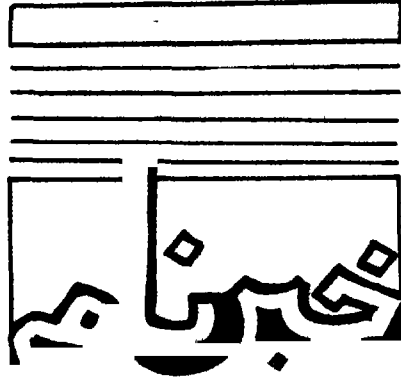
برائے خاندانی منصوبہ بندی کے ذریعے خاندانی منصوبہ بندی کے میدان میں کئے گئے کاموں کی بہت تعریف کی۔ انھوں نے فرمایا کہ ہندوستان کی آبادی کا ۵۳ فیصدی حصہ ۲۱ سال سے کم عمر کے افراد پر مشتمل ہے اور اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس نسل کو خاندانی منصوبہ بندی کی اہمیت سے روشناس کرایا جائے تاکہ بڑھتی ہوئی آبادی پر روک لگائی جاسکے۔ شری بومن بہرام نے مزید کہا کہ چوتھے پنجسالہ منصوبہ تک حکومتِ ہند نے خاندانی منصوبہ بندی پروگرام کے مختلف پہلوؤں پر زور دیا پھر بھی اضافۂ آبادی ۱۹۶۱ء کے دوران میں ۲۴ء۵ فیصد رہا۔ انھوں نے امید ظاہر کی کہ بمبئی خاندانی منصوبہ بندی کانفرنس ٹھوس تجاویز لے کر آئے گی تاکہ بے حساب بڑھتی ہوئی آبادی پر موثر روک لگائی جاسکے۔

اس سے قبل ڈاکٹر ڈی۔این۔پائی، خصوصی افسر انچارج خاندانی منصوبہ بندی نے مہمانوں کا استقبال کیا۔

ڈاکٹر ایس۔ڈبی۔کھانڈ والا، سکریٹری اسٹینڈنگ کمیٹی نے شکریہ ادا کیا۔

ہندوستانی کرکٹ ٹیم کے کپتان شری پٹودی

شری رتنپا کنبھار کی جانب سے ہندوستانی کرکٹ کھلاڑیوں کو مبارکباد

وزیر مملکت برائے داخلہ شری رتنپا کنبھار نے یکم جنوری کو کلکتہ میں ویسٹ انڈیز کے مقابلے میں زبردست فتح پر ہندوستانی کھلاڑیوں کو مبارکباد دی۔

ہندوستانی کپتان منصور علی خاں پٹودی کو ایک برقی پیغام میں وزیر مملکت نے ویسٹ انڈیز کے خلاف زبردست کامیابی پر اپنی دلی خوشی کا اظہار کیا ہے۔

'راجہ شیو چھترپتی' پر ٹیکس معاف

حکومتِ مہاراشٹر نے مراٹھی فلم 'راجہ شیو چھترپتی' کو بعض شرائط کیساتھ واجبی ٹیکس کی ادائیگی سے فوری طور سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔

بھگوان مہاویر کے انمول درس پر چلئے
..... شری رتنپا کنبھار

مادی سہولتوں کے حصول کے باوجود ہمارے ملک کی انسانی زندگی کردار کے زوال کی وجہ سے ناکارہ ہوگئی ہے، اس لئے آج وقت کی اہم ضرورت ہے کہ بھگوان مہاویر کے اصولوں کو عوام میں پھیلایا جائے جو کہ سچائی، اہنسا، ترک دنیا اور دوسری خصوصیات پر مبنی ہیں۔

یہ بات شری رتنپا کنبھار، وزیر مملکت برائے داخلہ، انفارمیشن اور پبلسٹی نے ناگپور کے آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن سے ۸ ردسمبر کو بھگوان مہاویر کے یوم دیکشا پر اپنی ایک نشری تقریر میں کہی۔

عالمی سال نسواں
خواتین ڈاک ملازمین پر مشتمل ڈاکخانے

تعمیرات اور مکانات کے مرکزی وزیر مملکت شری موہن دھاریہ نے عالمی سال نسواں کے سلسلے میں ۲ر جنوری کو پونہ میں خواتین ڈاک ملازمین پر مشتمل پانچ یونٹوں کے ایک سلسلے کا افتتاح کیا۔ ریاست مہاراشٹر میں محکمۂ ڈاک و تار کا یہ اپنی نوعیت کا پہلا اقدام ہے۔

پونہ میں خواتین ڈاک ملازمین پر مشتمل ڈاکخانوں کے نام یہ ہیں: ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر چوک، باجی راؤ چوک، فلم انسٹی ٹیوٹ اور شکروار پیٹھ پوسٹ اینڈ ٹیلیگراف آفس، اور پونہ کنٹونمنٹ ایسٹ پوسٹ اینڈ ٹیلیگراف آفس۔

اس کے علاوہ پونہ بستی اور پونہ ہیڈ پوسٹ آفس کے کاؤنٹروں پر بھی خواتین ڈاک ملازمین مقرر کی جائیں گی۔

نیویارک میں رامائن پر مبنی ڈرامہ

فروری ۱۹۷۵ء میں نیویارک شہر میں رامائن پر مبنی ایک ڈرامہ پیش کرنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ اس ڈرامہ میں مشہور و معروف بھارتی اداکارہ بالا ودیا پہلی بار اپنے فن کا کمال دکھائیں گی۔ یہ ڈرامہ ان کے شوہر گوپال شرمن نے لکھا ہے ۱۹۶۰ء سے اب تک یہ ڈرامہ چھ مختلف ملکوں میں کھیلا جا چکا ہے اور ۵۰ ہزار سے زیادہ اشخاص اسے دیکھ چکے ہیں۔

پاکستان میں زلزلے کی تباہ کاریاں
وزیراعظم کا پیغام ہمدردی

وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی نے پاکستان کے صدر مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو زلزلہ کی زبردست تباہ کاریوں پر ایک پیغام ہمدردی ارسال کیا ہے جس میں کہا ہے کہ اس زلزلے سے جو زبردست جانی نقصانات ہوئے ہیں ان پر انھیں بہت دکھ ہے۔ بھارت کے عوام اس مصیبت کا شکار ہونے والوں سے اظہار ہمدردی کرتے ہیں۔

سب سے زیادہ فی کس آمدنی والا گاؤں

مہاراشٹر کے جلگاؤں ضلع میں واقع وان پلنے نامی گاؤں میں رہنے والے دیہاتیوں کی فی کس آمدنی اس وقت ۹۹۷ روپے ہوگئی ہے۔ اُن کی آمدنی میں اضافے کی خاص وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کھیتی باڑی کے جدید طریقوں کا زیادہ سے زیادہ استعمال کیا جس کے سبب ان کے کھیتوں میں بہت زیادہ پیداوار ہوئی ہے۔

اس گاؤں کی ۵۰۷ ہیکٹیر زمین جس میں ۲۸۰ ہیکٹیر بگیت زمین بھی شامل ہے، اسوقت زیر کاشت ہے اور اس میں جوار، باجرہ، ربیع گیہوں وغیرہ کی بڑی اچھی پیداوار ہوتی ہے۔ اس گاؤں میں کل ۱۰۱ کنویں ہیں جن میں سے ۶۷ کنوؤں پر پمپ لگائے جا چکے ہیں۔ گاؤں کے لوگ کوآپریٹیو بنیاد پر ڈیری کا کاروبار بھی کرتے ہیں جس سے ہر سال ۱۹۲۰۰ لیٹر دودھ کی یافت ہوتی ہے۔ دودھ کا یہ کاروبار ان کی آمدنی کا ایک اور اہم ذریعہ بن گیا ہے۔

"بڑی ماں" پر تفریحی ٹیکس معاف

حکومت مہاراشٹر نے بعض شرائط کے تحت فوری طور پر پوری ریاست مہاراشٹر میں ہندی فلم "بڑی ماں" کی نمائش پر تفریحی ٹیکس معاف کر دیا ہے۔

مرکزی حکومت کے پینشنرز

مرکزی حکومت کے بہت سے پینشنرز جو اپنی پینشن پے اینڈ اکاؤنٹس آفس، بمبئی سے حاصل کرتے ہیں انھوں نے یکم جنوری ۱۹۷۳ء سے مرکزی حکومت کے منظور کردہ اضافہ کی رقم وصول نہیں کی ہے لہذا انھیں مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اضافی پینشن کے بقایا جات کے لئے متذکرہ دفتر سے ۱۵ فروری ۱۹۷۵ء سے قبل رابطہ قائم کریں۔

قلمی معاونین سے:

اپنی تخلیقات کے خاتمہ پر یا پشت پر اپنا مکمل پتہ ضرور تحریر فرمائیں۔ قلمی نام کے ساتھ اصل نام بھی درج فرمائیں۔ ناطلبیدہ مضامین کی ایک نقل اپنے پاس ضرور رکھیں۔

قومی راج

قومی راج میں شائع شدہ مواد حوالے کے ساتھ یا بلا حوالہ نقل کیا جاسکتا ہے تاہم جس شمارے میں یہ مواد شائع ہو اُس کی ایک کاپی ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز کو ضرور روانہ کی جائے!

جلد : ۲	شمارہ : ۳

یکم فروری سنہ ۱۹۷۵ء

قیمت فی پرچہ : ۵۰ پیسے	سالانہ ۱۰ روپے

زیرِ نگرانی : خواجہ عبدالغفور آئی۔اے۔ایس

ترسیلِ زر اور مراسلت کا پتہ :
ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز
حکومتِ مہاراشٹر، سچیوالیہ، بمبئی ۳۲...۴۰۰

یومِ جمہوریہ نمبر

سرورق نمبر ۲ کی تصویر:
مانکھرد چلڈرنس ہوم میں
بچوں کی کلاس

سرورق نمبر ۳ کی تصویر:
مانکھرد چلڈرنس ہوم میں بچے
اسکاؤٹ کی پین بنا رہے ہیں

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا!

ترتیب

سخنہائے گفتنی

"قومی راج" کا یہ شمارہ دو خوشیوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔
اور یہ دو خوشیاں دو کامیابیوں کا ثمر ہیں۔
پہلی کامیابی عالمگیر اہمیت کی حامل ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت نے اپنے ۲۵ سال بڑی کامیابی کے ساتھ مکمل کر لئے ہیں اور اس پر آزادی اور جمہوریت پر اعتماد رکھنے والے ہر فرد اور ہر قوم کا فخر کرنا عین فطری ہے۔

اپنی جمہوری رُبع صدی کے دوران ہندوستان کو متعدد مسائل اور دشواریوں کا سامنا ہوا۔ ان میں سے بیشتر پر اُس نے قابو پالیا، بہت سی باقی ہیں۔ لیکن سب سے اہم شئے آزاد اور جمہوری ہندوستان کا خود پر، اپنے عوام پر اور اُس جمہوری نظام پر اعتماد ہے جو ملک و قوم کے اعلیٰ ترین دماغوں نے پچیس سال قبل ترتیب دیا تھا۔ یہ نظام اور یہ اعتماد بلاشبہ ملک کو اس کے موجودہ مسائل سے نجات دلائے گا۔

دوسری کامیابی "قومی راج" کی سالگرہ ہے۔ آپ کے محبوب پندرہ روزہ نے اپنی زندگی کا اوّلین اور اہم ترین سال مکمل کر لیا۔ اس ایک سال میں "قومی راج" نے اردو پڑھنے والوں کے دلوں میں اپنے لئے ایک ایسی جگہ بنالی ہے جو اتنی کم مدت میں شاذ ہی کسی رسالہ کو حاصل ہوتی ہے۔ اُردو دوستوں نے "قومی راج" کو جس طرح نوازا ہے وہ ادارہ کے لئے نہایت حوصلہ افزا ہے اور اسی کے ساتھ اس سے اردو کی ترقی اور استحکام کا یقین بھی پختہ ہوجاتا ہے۔

"قومی راج" کے قارئین اور پرستاروں سے ہماری استدعا ہے کہ وہ اس رسالہ کو زیادہ سے زیادہ اُردو داں حضرات تک پہنچائیں اور اپنے اپنے حلقہ میں اس کے زیادہ سے زیادہ خریدار بنوائیں۔ اسی کے ساتھ وہ ایک بار پھر اس رسالہ کی کامیابی اور ترقی کا تنقیدی جائزہ لیں کہ آیا وہ بحیثیت قاری اس سے مطمئن ہیں! اور اگر نہیں تو وہ اس میں کیا تبدیلیاں دیکھنا پسند کریں گے۔
ہمیں آپ کے خطوط اور مشوروں کا بے تابی سے انتظار رہے گا۔

یوم جمہوریت پر

وزیرِ اعلیٰ شری وی۔پی۔نائیک کا پیغام

وزیراعلیٰ شری وی۔پی۔نائیک نے ۲۶ جنوری ۱۹۷۵ء کو یوم جمہوریت کے موقع پر عوام کے لئے اپنے پیغام میں فرمایا کہ ہماری جمہوریت کی بنیادی قوت کی وجہ سے ہمارا ملک کتنی ہی آفات کا مقابلہ کرنے میں کامیاب ہوا اور ایک طاقتور جمہوری ملک کے طور پر اُبھر کر سامنے آیا۔ وزیراعلیٰ نے فرمایا کہ جو کچھ بھی ترقی حاصل ہوئی وہ خالصتہً جمہوری ذرائع سے ہوئی اور ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ جمہوری سماج واد کی منزل صرف جمہوری ذرائع سے ہی حاصل ہوسکتی ہے۔

وزیراعلیٰ کے پیغام کا متن حسب ذیل ہے :

" جشنِ یوم جمہور کے موقع پر میں عوام کو اپنی مبارکباد پیش کرتا ہوں ۔

" اس سال پندرہ اگست کو ہمارا ملک آزادی کے ۲۸ سال پورے کرلے گا، لیکن بطور جمہوریہ ہم نے آج ۲۵ سال مکمل کئے ہیں ۔ جمہوریت کے گذشتہ ۲۵ سالوں کے دوران اپنی آزادی کو مستحکم اور مضبوط بنانے کے لئے ہم نے ٹھوس اقدامات کئے اور اب ہم اس ملک میں جمہوریت کی مضبوط بنیاد ڈال چکے ہیں ۔

" اس مدت کے دوران ملک کو کتنی ہی آفات کا سامنا کرنا پڑا لیکن اپنی جمہوریت کی بنیادی قوت کی بناء پر ہم ان پر غالب آئے اور ۲۵ سال کے چھوٹے سے عرصہ میں ایک طاقتور جمہوری مملکت کے طور پر اُبھر کر آئے ہیں۔

" کسی قوم کی زندگی میں ۲۵ سال کا عرصہ یقیناً ایک مختصر مدت ہے لیکن ہم نے اس مدت کے دوران جو ترقی حاصل کی وہ دنیا کے ترقی پذیر ممالک کے لئے وجدان کا ذریعہ ثابت ہوئی۔ اسی لئے یہ ترقی پذیر قومیں تعاون کے لئے ہماری طرف دیکھتی ہیں۔

" گذشتہ مئی میں ایک کامیاب ایٹمی دھماکہ اس سال کی ایک امتیازی کامیابی ہے۔ یہ واقعہ ایک عظیم اہمیت کا حامل ہے اور اس نے دوسری قوموں میں ہمیں ایک مقامِ فخر عطا کیا ہے۔ ہمارا ملک سائنٹیفک اور ٹیکنالوجیکل ترقی پر زور دیتا ہے اور آزادی کے بعد اس میدان میں ہم نے جو ترقی کی ہے اس کا ثبوت کامیاب ایٹمی دھماکہ سے ملتا ہے ۔ ہم نے ملک کی بہ سرعت ترقی کی ٹھانی ہے اور ہمیں اسکو دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں کی سطح تک لانا ہے ۔ ہمارے دل میں زبردست جذبہ ہے کہ اس مقصد کو جسقدر جلد ممکن ہو حاصل کیا جائے۔ اور یہ کام ہم ایٹمی قوت استعمال کرکے کریں گے۔ ہمارے سائنسدانوں اور ٹیکنالاجسٹوں نے انتھک محنت اور جدوجہد کی اور یہ ایٹمی دھماکہ کرکے ہمارے لئے یہ روشن کامیابی حاصل کی ہے ۔ ہماری جمہوریت کے ۲۵ ویں سال

کے موقع پر انھوں نے ملک کو یہ انمول تحفہ دیا ہے۔

• ہم نے جو ترقی حاصل کی ہے وہ قطعی جمہوری طریقوں سے حاصل کی گئی ہے۔ ہماری حکومت عوامی حکومت ہے کیونکہ یہ بالغ رائے دہندگی پر مبنی ہے لہٰذا ہمارا مفاد جمہوری طاقتوں کو تقویت دینے سے وابستہ ہے۔ ہمیں محسوس کرنا ہوگا کہ جمہوری سماج واد کا ہمارا مقصد صرف جمہوری ذرائع سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

• بلاشبہ سال گذشتہ ملک اور بیرون ملک میں پائے جانے والے حالات کی وجہ سے دشواریوں اور مشکلات کا سال تھا لیکن مرکز نے صورتحال پر قابو پانے کے لئے سرعت اور اعتماد سے کام کیا اور جو اقدامات کئے گئے انھوں نے یقینی طور پر قیمتوں کی روک تھام، اشیائے ضروریہ کی فراہمی میں سہولت اور کالے دھن کے استیصال میں مدد دی۔ اگر ہم اس بات کی ضمانت دیں کہ پیداوار میں رکاوٹ نہ ہوگی تو اس سے صورتحال مزید بہتر ہوگی۔

• یوم آزادی کے موقع پر میں نے اطمینان بخش بارش کی صورت حال کا ذکر کیا تھا اور اچھی فصل کی امید ظاہر کی تھی۔ اس وقت ظاہر کی ہوئی یہ توقع اب ایک حقیقت بن گئی ہے اور ہم ۸۰ لاکھ ٹن غذائی اجناس کا نشانہ حاصل کرنے کے بہت قریب پہنچ چکے ہیں۔ جمہوریت کے ۲۵ ویں سال میں یہ ایک اہم سنگ میل ہے۔

• ضمانت روزگار اسکیم اس سال کا ایک اور اہم واقعہ ہے۔ یہ اسکیم ریاست میں عمل میں آچکی ہے اور دونوں ایوانوں نے اس کی بھرپور حمایت کی ہے۔

• ذرائع کی مشکل حالت کے مدنظر ہم ریاست کے پنچسالہ منصوبہ کے دوران پیداواری پروگراموں مثلاً زراعت، آبپاشی، بجلی کی پیداوار اور تقسیم پر زور دے رہے ہیں۔ ریاست میں کسانوں کو آبپاشی کی مزید سہولتیں فراہم کرنے کیلئے گذشتہ سال ہم نے ضلع ناسک میں چنک پور بند مکمل کیا جو کہ ۶,۰۰۰ ہیکٹر اراضی کی آبپاشی کی اہلیت رکھتا ہے۔ اسکے علاوہ مراٹھواڑہ میں ۲۳,۵۰۰ ہیکٹر اراضی کی سینچائی کی اہلیت والا منار بند اور ودربھ میں ۷,۵۰۰ ہیکٹر آبپاشی کی اہلیت والا کالٹے پوریا بند مکمل کیا۔ اس کے علاوہ مراٹھواڑہ میں جائکواڑی پراجیکٹ کے پہلے اسٹیج کی تعمیر سے ہم کو ۲۴,۰۰۰ ہیکٹر اراضی کی آبپاشی کی صلاحیت حاصل ہوئی جسے ہم نے جزوی طور پر استعمال کیا۔ ضلع بھنڈارہ میں باغ پراجیکٹ کا بھی یہی حال رہا۔ حالانکہ یہ پراجیکٹ مکمل کرنا ہے مگر حاصل ہونے والا پانی خریف فصل کے لئے استعمال کیا گیا۔

گذشتہ سال کے واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے میں مہاراشٹر۔ مدھیہ پردیش بین الریاستی کنٹرول بورڈ برائے آبپاشی اور بجلی پروجیکٹ کی ترقی کا ذکر کسی قدر طمانیت کے ساتھ کروں گا۔ مدھیہ پردیش کے ساتھ ہمارے تعلقات بہت دوستانہ ہیں اور ہم ایک دوسرے کی مشکلات سے واقف ہیں۔ ان دونوں ریاستوں کی سرحد پر جو کہ سیکڑوں میل لمبی ہے آبپاشی اور بجلی کے کئی پراجیکٹ ممکن ہیں۔ یہ بورڈ انہی امکانات کو سر کرنے کے لئے قائم کیا گیا ہے اور آپسی تعاون اور گفتگو کے ذریعہ ایسے منصوبوں کے نفاذ میں آنے والی مشکلات کو دور کرے گا۔ ایسے بورڈ کا قیام ہندوستان میں ایک منفرد واقعہ ہے۔

• اورولی کنجن میں واقع بھارتیہ ایگرو انڈسٹریز فاؤنڈیشن کی مدد سے مراٹھواڑہ نے امسال ڈیری ترقیات کا جو پروگرام شروع کیا ہے وہ اس علاقے کی ترقی میں ایک اور سنگ میل ہے۔ اس پراجیکٹ کے ذریعہ مراٹھواڑہ کی دیہی معیشت یقیناً مضبوط ہوگی۔ ریاست کے دوسرے علاقوں میں بھی اس قسم کے پراجیکٹ شروع کرنے کا امکان ہے۔

• سرکاری مشینری کو عوام سے زیادہ قریب لانے کے مدنظر اس سال ہم نے تحصیل اور ضلع سطح کے عوامی نمائندوں پر مشتمل کمیٹیاں قائم کی ہیں۔ ان کمیٹیوں کو حکومت کی مشینری کو مدد فراہم کرکے عوام کی صحیح خدمت کرنے کا آدرش عوام کے سامنے پیش کرنا ہے۔

بہرحال ایسے واقعات ہیں جو ہمیں جمہوریت کے چھبیسویں سال میں داخل ہوتے وقت اعتماد عطا کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ایسے مواقع بھی آئے جو ہماری آزمائش کے تھے لیکن ہم نے ہمت سے ان کا مقابلہ کیا۔ ہم نے جمہوری ڈھانچہ کو مزید مضبوط بنانے کے لئے بھی جدوجہد کی۔

" مجھ کو بھروسہ ہے کہ ہم سب اپنے ملک کو مضبوط، خوشحال اور جمہوری بنانے کے کام میں جسکی بنیاد گذشتہ ۲۵ سالوں کے دوران ڈالی گئی، اپنا حصّہ ادا کریں گے "

بمبئی میٹروپولیٹن ریجنل ڈیولپمنٹ اتھارٹی

از : شری پی - کے - سینٹھے
وزیرِ مملکت برائے شہری ترقیات'
نئی ٹاؤن شپ اور ہاؤسنگ

بمبئی کی ترقیاتی ضروریات کے سلسلے میں وقتاً فوقتاً کئی کمیٹیوں نے غور و خوض کیا جس کا آغاز بردے کمیٹی سے ہوا تھا۔ آخری گاڈگل کمیٹی تھی جو ریاستی حکومت نے خاص طور پر بمبئی اور پونا علاقوں کے لئے سنہ ۱۹۶۵ء میں تشکیل دی تھی۔ گاڈگل کمیٹی نے اِن علاقوں کے لئے منصوبہ تیار کرنے کی غرض سے ایک ریجنل پلاننگ بورڈ تشکیل دینے کی خصوصی سفارش کی تھی۔ مختلف کمیٹیوں کی سفارشات پر غور کرنے کے بعد حکومتِ مہاراشٹر نے مہاراشٹر ریجنل اور ٹاؤن پلاننگ ایکٹ بابت سنہ ۱۹۶۶ء وضع کیا جو کہ حکومت کو مختلف علاقوں کے لئے علاقائی منصوبہ بورڈوں کے قیام کا اختیار دیتا ہے۔ ایکٹ نے ریجنل پلاننگ بورڈوں کو صرف پلاننگ اتھارٹی ہی بنایا نہ کہ منصوبہ میں موجود تجاویز کو نافذ کرنے والی اتھارٹی؛ وہ اس لئے کہ گاڈگل کمیٹی کی سفارش کے مطابق علاقائی اور مختلف مقامی اتھارٹیوں کو منصوبہ کی تجاویز کے نفاذ کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ بہرحال یہ محسوس کیا گیا کہ مختلف تجاویز کے نفاذ میں مختلف ریجنوں کے درمیان مفاہمت کی خاطر یہ ضروری ہے کہ ایک قانونی اتھارٹی ہو جو کہ مختلف منصوبہ تجاویز کے نفاذ کی دیکھ بھال کرے۔ ساتھ ہی منصوبہ تیار کرے، مختلف پروجیکٹوں کی درجہ بندی اور پروگرام تیار کرے اور اس پروجیکٹ کے لئے ضروری رقم مناسب طور پر فراہم کرے۔

اس مقصد کے لئے ضروری قانون جو کہ ودھان سبھا کے اگست سنہ ۱۹۷۴ء کے اجلاس میں بمبئی میونسپل کارپوریشن کے ردِعمل کے اظہار کے بعد پیش کیا گیا، نومبر-دسمبر سنہ ۱۹۷۴ء میں ناگپور میں منعقدہ ودھان سبھا اجلاس میں مجلسِ قانون ساز کے دونوں ایوانوں کی جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی کو بھیج دیا گیا۔ جوائنٹ کمیٹی کی ترمیم کے بعد اس بِل کو ۱۷ دسمبر سنہ ۱۹۷۴ء کو اسمبلی اور ۱۹ دسمبر سنہ ۱۹۷۴ء کو کونسل نے پاس کر دیا۔ صدرِ ہند نے اپنی منظوری ۱۸ جنوری سنہ ۱۹۷۵ء کو اس بِل کو عطا کر دی۔

بِل کی اہم خصوصیات

بِل کی اہم خصوصیات حسبِ ذیل ہیں :

(۱) ترتیب اتھارٹی :

یہ اتھارٹی ۴۴ اراکین پر مشتمل ہوگی جس میں نہ صرف ممبرانِ قانون ساز، بمبئی میونسپل کارپوریشن اور علاقہ کی میونسپل کونسلوں کو مناسب نمائندگی دی گئی بلکہ مقامی انتظامیہ کی نچلی سطح جیسے پنچایت سمیتیوں کو بھی نمائندگی دی گئی۔

(۲) چار پرت طریقہ :

اتھارٹی چار پرت کی ہوگی جس میں خود اتھارٹی، اسٹینڈنگ کمیٹی، ایکزیکیوٹیو کمیٹی اور فنکشنل بورڈ شامل ہوں گے۔ فنکشنل بورڈ پر ایکزیکیوٹیو کمیٹی، اسٹینڈنگ کمیٹی اور اتھارٹی کا کنٹرول ہدایات اور دیکھ بھال ہوگی جبکہ ایکزیکیوٹیو کمیٹی پر ایسا ہی کنٹرول اسٹینڈنگ کمیٹی اور اتھارٹی کا ہوگا اور اسٹینڈنگ کمیٹی اتھارٹی کو جوابدہ ہوگی۔

اتھارٹی کا حلقۂ اختیار

اتھارٹی کے حلقۂ اختیار میں آنیوالے علاقوں میں تقریباً ۳۹۶۵ مربع کلومیٹر کا علاقہ شامل ہے

، تقریباً ...ا مواضع آتے ہیں اور جس یے اس سے قبل بمبئی میٹروپولیٹن ریجن تیار کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اس میں اور علی باغ تعلقوں کے مزید علاقے (دھرمتر ی اور چوپل-پین اور پین-علی باغ سڑک کے علاقے) شامل ہوں گے۔ مزید علاقہ با ۳۷۰ مربع کلومیٹر پر مشتمل ہے۔

اختیارات اور کارکردگی

اتھارٹی کی خاص کارکردگی مندرجۂ ذیل ہے:

شہری ترقیات کے لئے پروجیکٹ اور اسکیم یاری اور میٹروپولیٹن علاقے کی تجدید۔

میٹروپولیٹن علاقے میں آنے والے کسی علاقے ترقی کے لئے پروجیکٹوں اور اسکیموں پر ، آوری۔

، میٹروپولیٹن علاقے میں کسی علاقے کی ترقی ے لئے پروجیکٹوں یا اسکیموں کی عمل آوری کے ے گنجائش اور

، میٹروپولیٹن علاقے کی ترقی کے لئے مالی مدد ہ پروجیکٹوں یا اسکیموں پر عمل آوری جسکے ے اتھارٹی نے ریاستی حکومت سے قبل منظوری اصل کرلی ہو۔

اتھارٹی کو دوسرے کاموں کے لئے بھی ہ دار قرار دیا گیا ہے جیسے ضروریاتِ زندگی کی ہمی اور گندگیوں کو ہٹانے یا صاف کرنے ے لئے اسکیموں کی تیاری تاکہ وہ آب پاشی ے لئے قابلِ استعمال ہو سکیں اور زراعت باغبانی وغیرہ کی ترقی کے لئے مفید ہو سکیں۔ کے علاوہ اتھارٹی ایسی اسکیموں کو بھی ہاتھ ں لے گی جو کہ اس کے کاموں کی وجہ سے ے گھر ہونے والے افراد کو متبادل جگہ ہ بازآبادکاری کی سہولت فراہم کرسکیں۔

مخصوص میدانِ عمل

بل یہ واضح کرتا ہے کہ کوئی بھی شخص یا ادارہ اس اتھارٹی کے لئے مخصوص ترقیاتی کاموں کو اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتا تاوقتیکہ اس کو اتھارٹی کی جانب سے خاص اجازت نہ دی گئی ہو۔ یہ اس لئے کیا گیا کہ یہ یقین دہانی ہو سکے کہ ریجن میں کسی فرد یا مختلف اداروں کی جانب سے شروع کردہ ترقیاتی کام ایسا نہ ہو کہ اتھارٹی کے شروع کردہ ترقیاتی کاموں میں رخنہ پڑے اور یہ بھی یقین ہو کہ پورے علاقے کی یکساں ترقی میں مزاحمت پیدا ہو سکے۔

اتھارٹی کا فنڈ

بل خصوصی طور پر یہ گنجائش رکھتا ہے کہ ریاستی حکومت سالانہ کم سے کم پانچ کروڑ روپے اتھارٹی کو فراہم کرے اور اتھارٹی کے ذریعہ قائم کردہ ریوالونگ فنڈ میں کم ازکم دس کروڑ روپے عطا کرے۔ بہتری اخراجات کے لئے بل لیوی کی گنجائش فراہم کرتا ہے۔ جائیدادوں پر ٹیکس صرف ریاستی حکومت عائد کرے گی جس کے لئے اتھارٹی گذارش کرے گی اور یہ ٹیکس جائیداد کی قیمت فروخت سے پانچ فیصدی سے زائد نہ ہوگا۔ بل یہ بھی فراہم کرتا ہے کہ یہ فیصلہ حکومت کرے گی کہ آیا ٹیکس پورے علاقے میں لگایا جائے یا علاقے کے کسی حصے میں، نیز ریجن کے اندر مختلف علاقوں میں ٹیکس مختلف ہو سکتا ہے۔

بازآبادکاری کی گنجائش

بل اتھارٹی پر یہ فرض عائد کرتا ہے کہ جب وہ اپنی کارروائیوں کے تحت زمین حاصل کرے تو اس عمل سے بے گھر ہونے والے افراد کو مناسب متبادل رہائشی جگہ فراہم کرے۔ اتھارٹی کے لئے یہ ناممکن ہوگا کہ اس علاقہ میں اسی قیمت کی رہائشی جگہ فراہم کی جائے جو کہ حاصل کی گئی ہو۔ اس لئے اتھارٹی کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ رہائشی جگہ کا رقبہ، طرز اور مقام جہاں اس کی جانب سے متبادل جگہ فراہم کی جائے گی، مقرر کرے اور ساتھ ہی وہ شرائط بھی جن کے تحت ایسی جگہیں فراہم کی جائیں گی۔

یہ قانون جو کہ اتھارٹی کو مزید عوامی نمائندگی فراہم کرتا ہے، اتھارٹی کو مناسب ٹیکنیکل امداد، مناسب فنڈ، جہاں ممکن ہو، لال فیتہ شاہی میں کٹوتی کی یقین دہانی کرتا ہے اور ساتھ ہی ترقی کے معاملے میں اتھارٹی کو اعلیٰ اختیار فراہم کرتا ہے۔ امید ہے کہ اتھارٹی کا قیام جلد ہی ہوگا کیونکہ اس کے بارے میں صدرِ ہند کی منظوری مل چکی ہے اور حکومت کو امید ہے کہ اتھارٹی کو ضروری اختیارات اور فنڈ فراہم ہونگے تاکہ وہ کام کو جلد سے جلد اور بہ سرعت مکمل کر کے وہ توقعات پوری کرے جو اس سے وابستہ ہیں۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جو قانون بنا ہے وہ آخری ہے اور اس میں ترمیم نہیں ہو سکتی۔ قانون کے زیرِ عمل آنے اور اتھارٹی کے سرگرم عمل ہونے کے بعد ہی معلوم ہوگا کہ قانون میں کیا خامی ہے۔ ایسی صورت میں حکومت اس خامی کو دور کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہے گی اور بوقتِ ضرورت اس میں مناسب ترمیم بھی کرے گی۔

●●

شہیدِ یگانہ

یعنی حوالدار عبدالحمید، جسکو یومِ شہیداں ۳۰ر جنوری کی
تقریب پر خلوص کے ساتھ یاد کرلینا ایک فریضہ ہی نہیں
بلکہ ایک صحیح شردھانجلی پیش کرنے کے مترادف ہے :

مردِ مومن، عسکریٔ کامراں عبدالحمید
فخرِ ملت، نازشِ ہندوستاں عبدالحمید

کج کلاہ و بے خطر بانکا جواں عبدالحمید
صف شکن، سینہ سپر، شیرِ زماں عبدالحمید

بن گیا اک عزم لے کر رزم کے طوفان میں
ذہنِ دشمن میں مقامِ الاماں عبدالحمید

کل جو ناموسِ وطن کا پاسبانِ خاص تھا
آج محبوبِ خدا ہے بے گماں عبدالحمید

دیدہ ور! ہاں دیکھ، معراجِ مسلمانی بھی دیکھ
جان دے کر ہوگیا ہے جاوداں عبدالحمید

حرفِ زرّیں میں ڈھلا ہر قطرۂ خونِ شہید
بن گیا تاریخ کی اک داستاں عبدالحمید

جذبۂ قرآں کیونکر حاملِ گیتا ہوا
ایکتا کا تھا انوکھا ترجماں عبدالحمید

روحِ وطنیت سلامت، مرحبا، یادش بخیر!
آج بھی راہیؔ ہے اپنے درمیاں عبدالحمید

آر۔ پی۔ کھورانہ راہیؔ

خلیلؔ شولاپوری

گاندھی اک انسان

گاندھی اک تنویر !
جس سے جاگی بھارت کی سوئی ہوئی تقدیر
گاندھی ایک پکار !
جس کے آگے پانی پانی سامراجی تلوار
گاندھی اک پیغام !
ستیہ، اہنسا اور شانتی کا پیار بھرا اک جام
گاندھی ایک ہمالہ !
جس سے پھوٹے امن کی گنگا، شانتی کی جے مالا
گاندھی اک مُسکان !
جس سے سیکھا درسِ محبت سارا ہندوستان
گاندھی اک شمشیر !
کاٹی جس نے ہریجنوں کے پاؤں کی زنجیر
گاندھی اک اوتار !
جس کے پیرو لال جواہر، خان عبدالغفار
گاندھی اک انسان !
مانوتا کی خاطر جس نے دے دی اپنی جان

پارلیمنٹ کو بنیادی حقوق میں ترمیم کا اختیار ہے!

سپریم کورٹ کا تاریخی اور معرکۃ آلارا فیصلہ

سپریم کورٹ کے ۱۳ فاضل ججوں نے ۲۴ اپریل ۱۹۷۳ء کو "کیشو آنند بنام اسٹیٹ آف کیرالا" کے مقدمہ میں (جسے عام طور پر "بنیادی حقوق کا مقدمہ" کہا جاتا ہے) جو فیصلے دیئے ہیں وہ بڑی تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس مقدمے کے دوران جو قانونی نکتے زیر بحث آئے۔ ان کا تعلق نہ صرف آئین اور قانون کی باریک موشگافیوں سے ہے بلکہ صحیح معنوں میں ہمارے ملک کے عوام کے مستقبل اور اُن کی امیدوں اور آرزوؤں کا ان قانونی نکتوں سے گہرا تعلق ہے۔ اس مقدمہ کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم آئین کے چند اہم آرٹیکلز پر غور کریں۔

اس مقدمہ میں یہ مرکزی مسئلہ زیر بحث تھا کہ آیا پارلیمنٹ کو آئین میں دیئے گئے حصہ ۳ کے آرٹیکل یعنی بنیادی حقوق سے متعلق آرٹیکل میں ترمیم کرنے کا اختیار ہے یا نہیں۔ آئین میں ترمیم سے متعلق آرٹیکل ۳۶۸ ہے جس میں پارلیمنٹ کو ایک مخصوص طریقہ پر آئین میں ترمیم کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا۔ سپریم کورٹ نے اس آرٹیکل کی تفسیر گولک ناتھ بنام اسٹیٹ آف پنجاب کے فیصلہ میں کچھ اس طرح کی تھی جس سے بنیادی حقوق سے متعلق آرٹیکل میں ترمیم کرنے کے اختیار سے پارلیمنٹ کو محروم کر دیا گیا تھا۔ اس صورت حال کی درستی کے لئے ۱۹۷۱ء میں پارلیمنٹ نے آئین کی ۲۴ ویں ترمیم کے ایکٹ کے ذریعہ آرٹیکل ۳۶۸ اور آرٹیکل ۱۳ میں ترمیم کرکے پارلیمنٹ کے اختیارات کی وضاحت کر دی۔ اور واضح طور پر پارلیمنٹ کو بنیادی حقوق میں ترمیم کا اختیار دے دیا۔ بنیادی حقوق کے مقدمہ میں یہ مرکزی سوال زیر بحث تھا کہ آئین میں ۲۴ ویں ترمیم کا قانون آئینی طور پر درست ہے یا نہیں؟ ۱۳ فاضل ججوں کی اکثریت نے اس قانون کو آئینی طور پر درست قرار دے دیا ہے اور اسطرح بنیادی حقوق میں ترمیم کرنے کے پارلیمانی اختیار کو تسلیم کر لیا ہے۔

کسی ملک کا آئین وہاں کے عوام کے آدرشوں کا آئینہ ہوتا ہے۔ ہمارے آئین کا تمہیدی بیان ہندوستانی عوام کے ان آدرشوں کا آئینہ دار ہے جن آدرشوں کے لئے انھوں نے جنگ آزادی کی صعوبتیں برداشت کیں۔

آئین کا یہ تمہیدی بیان نہ صرف ایک آزاد جمہوری نظام حکومت کے قیام کا اعلان کرتا ہے بلکہ اس عزم کا اظہار بھی کرتا ہے کہ ملکی نظام میں عوام کو سماجی، معاشی اور سیاسی

عبدالمجید سالک بارایٹ لاء

انصاف، فرد کی آزادی، مذہبی آزادی اور مساوات کے حقوق کی ضمانت دی جائے گی۔ اس تمہیدی بیان کو عملی شکل دینے کی غرض سے آئین کے حصہ ۳ میں "بنیادی حقوق" اور حصہ ۴ میں "ریاستی پالیسی کے رہنما اصول" دیئے گئے ہیں۔ اجمالی طور پر ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

حصہ ۳ میں دیئے گئے چند اہم بنیادی حقوق:- (۱) آرٹیکل ۱۴ ہر شہری کے ساتھ قانونی مساوات (۲) آرٹیکل ۱۵ مذہبی، جنسی، علاقائی اور فرقہ وارانہ بنیاد پر کسی قسم کا امتیاز نہیں برتا جانا چاہیے۔ (۳) آرٹیکل ۱۶ سرکاری ملازمت میں مساوی حقوق (۴) آرٹیکل ۱۹ فرد کی آزادی مثلاً اظہار خیال، نقل و حرکت، رہائش اور پیشہ کی آزادی وغیرہ (۵) آرٹیکل ۲۵ مذہبی آزادی (۶) آرٹیکل ۲۹ اور ۳۰ اقلیتوں کے حقوق (۷) آرٹیکل ۳۱ ذاتی ملکیت کا تحفظ۔ بنیادی حقوق سے متعلق سب سے اہم آرٹیکل ۱۳ ہے جس کی رو سے ہر وہ قانون جس سے حصہ ۳ میں دیئے گئے بنیادی حقوق پر ضرب پڑتی ہو، باطل قرار پاتا ہے۔

حصہ ۴ میں دیئے گئے "ریاستی پالیسی کے اصول" سے متعلق چند اہم آرٹیکل:-

(۱) آرٹیکل ۳۸ کے تحت حکومت پر یہ فرض

عائد ہوتا ہے کہ وہ عوامی فلاح و بہبود کے لئے ایسا سماجی نظام قائم کرے جس میں قومی زندگی کے تمام شعبے سماجی، معاشی اور سیاسی انصاف سے بھرپور ہوں۔ (۲) آرٹیکل ۳۹ میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ حکومت چند اہم اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی پالیسی بنائے۔ مثلاً تمام شہریوں کے لئے روزگار فراہم کرنا۔ ملک کے ذرائع پیداوار کو عوام کے فائدے کے لئے استعمال کرنا۔ معاشی نظام ایسا ہو کہ دولت اور پیداوار کے ذرائع ایک جگہ نہ جمع ہو جائیں۔ عورتوں کو مردوں کے برابر تنخواہ دی جائے۔ بچوں اور نوجوانوں کو اخلاقی اور مادی خرابی سے بچایا جائے وغیرہ۔ (۳) آرٹیکل ۴۰ دیہاتوں میں پنچایتی راج قائم کرنا۔ (۴) آرٹیکل ۴۱ حکومت یہ کوشش کرے کہ ہر شہری کو مناسب تعلیم ملے اور ہر ایک کو روزگار ملے۔ (۵) آرٹیکل ۴۳ مزدوروں کو مناسب اُجرت کی ضمانت دی جائے۔ (۶) آرٹیکل ۴۴ ۱۴ سال تک کی عمر کے بچوں کو مفت اور لازمی تعلیم کا انتظام (۷) آرٹیکل ۴۵ ہریجنوں اور دوسرے پچھڑے ہوئے فرقوں کے تعلیمی اور معاشی معادات کی حفاظت۔ (۸) آرٹیکل ۴۷ عوام کا معیار زندگی بلند کیا جائے اور عوام کی صحت کی حفاظت کی جائے۔

یہ اہم نکتہ قابلِ غور ہے کہ حصہ ۳ میں دئے ہوئے بنیادی حقوق کا تحفظ آرٹیکل ۱۳، آرٹیکل ۳۲ اور ۲۲۶ کیا گیا ہے جن کی رو سے ہر شہری کو حق ہے کہ وہ ان حقوق کے حصول کے لئے سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ سے رجوع ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس حصہ ۴ میں دئے گئے "رہنما اصول" کے نفاذ کے لئے کورٹ سے رجوع ہونے کا اختیار شہریوں کو نہیں دیا گیا ہے۔

حصہ ۳ میں دئے گئے بنیادی حقوق کی اوّلیت کو آئین نے تسلیم کیا ہے مگر حصہ ۴ میں دئے گئے "رہنما اصول" کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ صحیح معنوں میں مناسب طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ ان دونوں حصوں میں دئے گئے اصولوں کو عوام کے آدرشوں کا آئینہ دار سمجھتے ہوئے آئین کی ایسی تفسیر کی جائے جس سے ان دونوں حصوں میں ٹکراؤ نہ پیدا ہو بلکہ یہ ایک دوسرے کی تکمیل کریں۔

بنیادی حقوق سے متعلق آرٹیکل ۳۱ جو ذاتی ملکیت کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے، آئین کے نفاذ کے ایک سال کے اندر ہی نزاع کا شکار ہو گیا۔ ملک کی مختلف ریاستوں میں حصہ ۴ میں دئے گئے رہنما اصولوں کی بنیاد پر پالیسی اختیار کی گئی اور عوامی فلاح و بہبود کے لئے زرعی اصلاحات کے قوانین پاس کئے گئے۔ چونکہ یہ اصلاحات ذاتی ملکیت کے حق پر اثر انداز ہوتی تھیں اسلئے ان قوانین کو آرٹیکل ۳۱ کی خلاف ورزی کرنے کی بنیاد پر آئینی طور پر باطل قرار دینے کی کوشش کی گئی۔ اس صورت حال سے نپٹنے کیلئے ۱۹۵۱ء میں آئین میں پہلی ترمیم کا قانون پارلیمنٹ نے آرٹیکل ۳۶۸ کے ماتحت اپنے اختیار کو استعمال کرتے ہوئے پاس کیا۔ اس قانون کے ذریعہ آرٹیکل ۳۱ الف اور آرٹیکل ۳۱ ب کا اضافہ کیا گیا، جن کی رو سے زرعی اصلاحات کے قوانین کو آئینی حیثیت حاصل ہو گئی اس طرح یہ قابل غور بات ہے کہ آئین میں جو پہلی ترمیم پارلیمنٹ نے کی تھی وہ حصہ ۳ میں دئے گئے بنیادی حقوق میں سے ایک بنیادی حق یعنی ذاتی ملکیت کے حق میں ترمیم کا قانون تھا۔

اس قانون کو سپریم کورٹ کے سامنے ایک مقدمہ (شنکری پرشاد بنام یونین آف انڈیا) میں چیلنج کیا گیا۔ اس میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ پارلیمنٹ کو یہ اختیار نہیں کہ وہ حصہ ۳ کے بنیادی حقوق میں ترمیم کرے۔ دلیل یہ دی گئی کہ ترمیم کا یہ قانون آرٹیکل ۱۳ کی خلاف ورز[ی] کرتا ہے۔ یہ دلیل اس بنیاد پر مبنی تھی کہ آ[ئین] میں ترمیم کے قانون پر بھی آرٹیکل ۱۳ کا اطلا[ق] ہوتا ہے۔ اس مقدمہ کا فیصلہ ۵ ججوں [نے] متفقہ رائے سے یہ دیا کہ بنیادی حقوق [میں] ترمیم کا پارلیمنٹ کو مکمل اختیار ہے۔ ا[س] فیصلہ کی بنیاد یہ تھی کہ آرٹیکل ۱۳ کے تحت صرف عام قانون آتے ہیں۔ آئین میں تر[میم] کرنے والے قانون پر اس آرٹیکل کا اطلا[ق] نہیں ہوتا۔

شنکری پرشاد کے مقدمہ کا فیصلہ پارلی[منٹ] کے اختیارِ ترمیم کی وضاحت کے لئے اس[کے] بعد کے مقدموں کے لئے نظیر بن گیا۔ اسی [طرح] ۱۹۵۵ء میں پارلیمنٹ نے آئین میں چو[تھی] ترمیم کا قانون بنا کر ایک مرتبہ پھر آرٹیکل [۳۱] میں ترمیم کی تو اسوقت کسی نے اس قانو[ن کو] چیلنج کرنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی۔

۱۹۶۴ء میں پارلیمنٹ نے آئین میں ستر[ھویں] ترمیم کا قانون پاس کیا جس کی رو سے آرٹ[یکل] ۳۱ میں مزید ترمیم کی گئی۔ اس ترمیم کے ذ[ریعہ] آرٹیکل ۳۱ میں وسیع پیمانے پر تبدیلی کی گئی ا[ور] ساتھ ہی ساتھ زرعی اور معاشی اصلاحات [کے] ۴۴ قوانین کو آئینی حیثیت دی گئی۔ اس قا[نون] کو سجن سنگھ بنام اسٹیٹ آف پنجاب کے م[قدمہ] میں سپریم کورٹ کے سامنے چیلنج کیا گیا۔ ا[س] مقدمہ کا فیصلہ اس وقت کے چیف جسٹس گجندر[گڈکر] کے ساتھ مزید ۴ ججوں نے کیا۔ اس کا فیص[لہ] ۲ کے مقابل ۳ ججوں کی کثرت رائے سے [ہوا۔] جسٹس گجندر گڈکر، جسٹس وانچو اور جسٹ[س] رگھوبیر دیال نے یہ فیصلہ دیا کہ پارلیمنٹ کو آ[ئین] کے ہر حصہ میں (بشمول حصہ ۳ جسمیں بنیا[دی] حقوق دئے گئے ہیں) ترمیم کرنے کا اختی[ار] ہے۔ اس کے برعکس جسٹس ہدایت اللہ ا

جسٹس مدھولکر نے اس سوال کے بارے میں کوئی آخری رائے نہ دیتے ہوئے اس شبہ کا اظہار کیا کہ شاید آرٹیکل ۳۶۸ صرف ترمیم کرنے کا طریقہ طے کرتا ہے۔ وہ پارلیمنٹ کو آئین میں ترمیم کا اختیار نہیں دیتا۔ حالانکہ جسٹس ہدایت اللہ اور جسٹس مدھولکر نے باقی تینوں ججوں کے آخری فیصلے سے اتفاق کیا تھا مگر انھوں نے اپنے علیٰحدہ دئے گئے فیصلوں میں پارلیمنٹ کے اختیار کے بارے میں شبہ کا اظہار کیا تھا اس لئے ان فیصلوں نے اس نزاع کا بیج بو دیا جو آخر میں گولک ناتھ کے نزاعی فیصلہ کی صورت میں ظاہر ہوا۔

گولک ناتھ بنام اسٹیٹ آف پنجاب کا مقدمہ ۱۹۶۷ء میں سپریم کورٹ کے ۱۱ ججوں کے روبرو زیر بحث آیا۔ اس میں دو قوانین کی آئینی حیثیت کو چیلنج کیا گیا تھا جن کو پارلیمنٹ نے آرٹیکل ۱۳ میں ترمیم کرکے آئینی حیثیت دے دی تھی۔ اس طرح پھر سپریم کورٹ کے سامنے یہ سوال اٹھایا گیا کہ پارلیمنٹ کو بنیادی حقوق میں ترمیم کا اختیار نہیں۔ دلیل وہی دی گئی جو شنکری پرشاد اور سجن سنگھ کے مقدموں میں سپریم کورٹ نے رد کردی تھی۔ یعنی آرٹیکل ۱۳ کے تحت کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جاسکتا جو بنیادی حقوق پر اثرانداز ہو اور یہ کہ آرٹیکل ۳۶۸ کے تحت ترمیم کے قانون پر آرٹیکل ۱۳ کا اطلاق ہوتا ہے۔

اس مقدمہ کا فیصلہ ۶ ججوں نے ۵ ججوں سے اختلاف کرتے ہوئے دیا۔ اس طرح ایک جج کی اکثریت سے یہ فیصلہ دیا گیا کہ پارلیمنٹ کو بنیادی حقوق میں ترمیم کا اختیار نہیں ہے۔ یہاں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ تمام گیارہ ججوں کا اس پر اتفاق رائے تھا کہ بنیادی حقوق میں ترمیم کی جاسکتی ہے۔ اقلیت کا یہ فیصلہ تھا کہ پارلیمنٹ کو اس ترمیم کا اختیار ہے۔ اکثریت کی رائے یہ تھی کہ بنیادی حقوق میں ترمیم کیلئے یہ ضروری ہے کہ دوسری آئین ساز اسمبلی بلائی جائے۔

گولکناتھ کیس میں سپریم کورٹ کے فیصلہ نے پارلیمنٹ کے اختیارات پر بڑی زبردست ضرب لگائی۔ بنیادی حقوق کی اوّلیت کو اتنی زیادہ اہمیت دی گئی کہ عوام کی منتخب کی ہوئی نمائندہ پارلیمان کو بھی یہ اختیار نہیں کہ ان حقوق میں ترمیم کر سکے۔ یہ فیصلہ حکومت کے عوامی فلاح وبہبود کیلئے ان اقدام کی راہ میں رکاوٹ بن گیا جو وہ آئین کے حصہ ۴ میں دئے ہوئے رہنما اصولوں کے تحت کرنا چاہتی تھی۔

> "وہ آئین جسمیں تبدیلی نہ کی جاسکے، جو جامد ہو چاہے کتنا ہی اچھا اور مکمل کیوں نہ ہو ایک ایسا آئین ہے جو اپنی افادیت کھو چکا ہے، جو عالم ضعیفی میں ہے اور آہستہ آہستہ اپنی موت کی طرف پیشقدمی کررہا ہے۔ ایک ایسا آئین جو متحرک ہو، جو ماحول سے ہم آہنگ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو، جو لچکدار اور قابلِ تبدیل ہو، وہی آئین زندہ آئین ہے۔"
>
> .... جواہر لال نہرو

اس صورت حال سے نپٹنے کیلئے ۱۹۷۱ء میں پارلیمنٹ نے آئین میں چوبیسویں ترمیم کا قانون پاس کیا تھا۔ یہ قانون لوک سبھا میں ۵۱۸ اراکین میں سے ۲۳ کے خلاف ۳۸۴ کی زبردست اکثریت سے پاس ہوا۔ اسی طرح راجیہ سبھا کے ۲۴۳ اراکین میں سے اس قانون کی حمایت میں ۱۷۷ نے اور مخالفت میں ۸ نے ووٹ دئے۔ اس تاریخی قانون کی رو سے آرٹیکل ۱۳ میں یہ اضافہ کیا گیا کہ اس آرٹیکل کا اطلاق آرٹیکل ۳۶۸ کے تحت بنائے ہوئے آئینی ترمیم کے قانون پر نہیں ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ آرٹیکل ۳۶۸ میں بھی اس کی وضاحت کردی گئی کہ آرٹیکل ۱۳ کا اطلاق اس آرٹیکل کے تحت بنائے ہوئے قانون پر نہیں ہوگا۔

اس قانون کو بنیادی حقوق کے مقدمہ میں چیلنج کیا گیا۔ کیشو آنند بنام اسٹیٹ آف کیرالا کے علاوہ پانچ اور مقدموں میں بھی اس قانون کو چیلنج کیا گیا تھا اس لئے ان تمام مقدموں کی بحث ساتھ میں ہوئی۔ چونکہ گولکناتھ کیس کا فیصلہ ۱۱ ججوں نے کیا تھا اس لئے ان مقدموں کے لئے ۱۳ ججوں پر مشتمل اسپیشل بنچ بنایا گیا۔ اس مقدمہ میں ملک کے ممتاز ماہرینِ قانون نے بحث کی۔ مقدمہ کی کارروائی کئی مہینوں تک چلی اور ۲۴ر اپریل ۱۹۷۳ء کو اس کا فیصلہ سنایا گیا۔ مختلف ججوں نے مختلف فیصلے دئے۔ یہ تمام فیصلے تقریباً چھ سو صفحات پر مشتمل ہیں۔

ان تمام فیصلوں میں اختلاف رائے ہونے کی وجہ سے اکثریت کا فیصلہ صحیح سمجھا جائے گا اور اکثریت کا فیصلہ یہ ہے کہ ۲۴ ویں ترمیم جس کی رو سے پارلیمنٹ کو بنیادی حقوق میں ترمیم کے اختیار کی تصدیق کردی گئی ہے آئینی طور پر درست ترمیم ہے۔ اس حد تک سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ بنیادی حقوق میں پارلیمنٹ کے اختیارِ ترمیم کی وضاحت کردیتا ہے۔ اس فیصلہ کی رو سے گولکناتھ کیس کے فیصلہ کو رد کردیا گیا ہے۔

مگر مختلف ججوں کے مختلف فیصلوں میں اختلافِ رائے کی بناء پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آئین میں پارلیمنٹ کے اختیارِ ترمیم کی وضاحت

ادی طرح کردی گئی ہے ۔ اکثریت (۷ ججوں) کا
یصلہ یہ ہے کہ آرٹیکل ۳۶۸ کے تحت ترمیم کے
ختیار کو پارلیمنٹ صرف اس طرح استعمال کرسکتی
ہے کہ آئین کے " بنیادی ڈھانچے " میں کوئی
بدیلی نہ ہو۔ آئین کے بنیادی ڈھانچے کی وضاحت
رتے ہوئے مندرجہ ذیل خصوصیات بیان کی
ئی ہیں۔

(۱) آئین کی بالادستی (۲) جمہوری نظام
کومت (۳) آئین کا سیکولر کردار (۴) عدلیہ،
نظامیہ اور مقننہ کے اختیارات میں علیحدگی
(۵) آئین کا وفاقی کردار ۔

اکثریت کے اس فیصلہ کے برعکس اقلیت
ے ۶ ججوں کی رائے میں پارلیمنٹ کو آئین کے ہر
حصہ میں ترمیم کرنے کا مکمل اختیار ہے چاہے
ں سے آئین کا بنیادی ڈھانچہ ہی بدل جائے۔
س طرح اس کیس میں بھی ایک جج کی اکثریت سے
لیمنٹ کو مکمل اختیار ترمیم سے محروم رکھا گیا ہے.

اس اختلاف رائے کے باوجود یہ بات بغیر
شبہ کے کہی جاسکتی ہے کہ گولک ناتھ کیس کے
صلے نے بنیادی حقوق میں پارلیمنٹ کے اختیار
یم میں جو رکاوٹ پیدا کردی تھی، کیشو آنند
م اسٹیٹ آف کیرالا کے تاریخی فیصلہ کے بعد
رکاوٹ دور ہوگئی ہے ۔ اب یہ بات تسلیم کر
لئی ہے کہ پارلیمنٹ کو مکمل اختیار حاصل ہے
وہ حصہ ۳ میں دیئے ہوئے بنیادی حقوق
، مناسب ترمیم کرے۔

بنیادی حقوق میں ترمیم کے پارلیمنٹ کے
تیار کی تصدیق سپریم کورٹ سے ہوجانے
ہ بعد ایک طویل بحث اور تنازعہ کا خاتمہ ہو
ا ہے ۔ مگر ہمارے عوام کے سامنے آج
ادی سوال یہ ہے کہ پارلیمنٹ کے اس
یار کا استعمال عوام کی فلاح وبہبود کیلئے
کیا جائے۔ ہندوستانی عوام کے ان آدرشوں
کے حصول کے لئے جن کا آئین کے تمہیدی بیان
بیان میں ذکر ہے یہ ضروری ہے کہ پارلیمنٹ اپنے
اس حق کا استعمال اس طرح کرے کہ بنیادی
حقوق اور ریاستی پالیسی کے رہنما اصولوں میں
مناسب توازن قائم رہے ۔

بنیادی حقوق کے مقدموں کی بحث جن
۱۳ ججوں کے روبرو ہوئی ان میں سب سے
کم عمر جج، مہاراشٹر کے مایۂ ناز فرزند مسٹر جسٹس
چندرچود نے اپنے فیصلہ میں پارلیمنٹ کو بنیادی
حقوق میں ترمیم کا اختیار دینے کی پرزور حمایت
اِن الفاظ میں کی ہے ۔

" ننگے بھوکے اور جاہل عوام کی آرزوؤں
اور امیدوں کی ترجمانی ان کے منتخب
کیے ہوئے نمائندے ہی کرسکتے ہیں۔
اگر یہ نمائندے ناکام ہوگئے تو قوم کو
تباہی اور ہلاکت کا سامنا کرنا پڑے گا
اور اس صورت میں نہ تو عدالت اور
نہ ہی آئین ملک کو بچا سکے گا۔ خطرات
اور تباہیوں کے ایسے لمحات میں اچھائی
اور برائی کا فیصلہ عدالت میں انصاف
کی اندھی آنکھوں یا پارلیمنٹ میں اسپیکر
کی نگراں آنکھوں کے سامنے نہیں کیا جاتا
بلکہ سڑکوں اور گلیوں میں کیا جاتا ہے ۔
لہٰذا ہمیں چاہیے کہ آئین کی حدود میں
رہ کر پارلیمنٹ کو یہ اختیار دے دیں
کہ وہ اس بات کی ضمانت دے سکے
کہ آزادی کی نعمتیں سب ہی کو میسر
ہوں "

اپنے فیصلے کے آخری حصے میں مسٹر جسٹس
چندرچود نے پھر ایک مرتبہ اپنے جذبات کا
اظہار یوں کیا :

" مجھے اس امید کا اظہار کرنے
دیجیے کہ اس مقدمہ کی طویل بحث اور
فیصلوں کے نتیجہ میں کم ازکم ایک
خوشگوار بات عمل میں آئے گی یعنی
عام آدمی کی فلاح وبہبود ۔ ہم سب
کو اس کا احساس ہے کہ اس وسیع
وعریض ملک کے سامنے بے شمار
مسائل درپیش ہیں لہذا بابائے قوم
نے جو خواب دیکھا تھا کہ ہر بھیگی
آنکھ کا آنسو پونچھا جائے اس کی تعبیر
کوئی آسان بات نہیں ۔ لیکن پارلیمنٹ
کو یہ زبردست اختیار حاصل ہونے
کے باوجود اگر سماجی فلاح وبہبود کے
مقاصد صرف جذبات کی ٹوکری میں
پڑے رہ گئے تو سوائے ان لوگوں
پر افسوس کرنے کے کوئی چارہ نہیں
جن پر عوام نے بھروسہ کیا ہے ۔"

●●

گزارش

ترسیل زر، کاپیوں کی عدم وصولی، مزید
کاپیوں کے آرڈر، وی۔پی۔ کی فہمائش، پتہ کی
تبدیلی اور ایجنسی کی شرائط کے بارے میں
خط وکتابت ہندی، مراٹھی یا انگریزی میں کیجیے
تاکہ متعلقہ سیکشن اس پر فوری توجہ دے سکے!

حمید پٹھان

مذہبی آزادی کا حق ہماری شخصی آزادی اور تہذیبی آزادی سے منسلک ہے، جس کی ضمانت ہمارا دستور دیتا ہے:

دستورِ ہند میں مذہب کی آزادی

اس سے پہلے کہ مذہبی آزادی کے متعلق کچھ کہا جائے ایک بات بنیادی طور پر ذہن نشین کر لینی ضروری ہے کہ ہمارے دستور کا مزاج سیکولر ہے' لامذہبی نہیں۔

اسی وجہ سے ضمیر و احساس، عقائد و ایمان کی آزادی کو بنیادی حق مانا گیا ہے، اور تحفظ کی خاطر نہ صرف ہمارے دستور میں گنجائش رکھی گئی ہے بلکہ ضمانت دی گئی ہے۔

اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہر شہری اپنے عقائد و ایمان کے مطابق مذہبی رسومات و امور ادا کر سکتا ہے۔ یہ حق اور اس کی ضمانت ہمارے دستور کے آرٹیکل ۲۵ میں دی گئی ہے۔

اس سے ایک قدم آگے آرٹیکل ۲۶ ہر اس گروہ یا فرقے کو جو ایک عقیدہ' اعتقاد یا ایمان رکھتا ہو' یہ حق دیتا ہے کہ مذہبی رسومات کی ادائیگی اور اس سے متعلقہ امور کیلئے عبادت گاہ یا کوئی اور ادارہ قائم کرے اور بغیر کسی مداخلت کے اپنے مذہبی امور انجام دے۔

آرٹیکل ۲۷ ہمارے دستور کے سیکولر کردار کو واضح کرتا ہے اور کسی بھی مذہب کی خاطر ٹیکس عائد کرنے پر پابندی لگاتا ہے۔

ہمارے دستور میں مذہبی آزادی کے حق کا تصور ہماری تہذیب اور رجحان' احساس اور کلچر کی ارتقائی بلندیوں کا ثمر ہے۔

یہ مذہبی آزادی کے حق کا تصور کیا ہے؟ دستور میں اس حق کو کس طرح الفاظ کا جامہ پہنایا گیا ہے اور اس حق کو عوام کے لئے بامعنی اور عملی کیسے بنایا جا سکتا ہے؟ ان امور کی وضاحت ہمارے عدلیہ کے فیصلوں سے بخوبی ہوتی ہے۔

لفظ "مذہب" (Religion) کی تشریح ہمارے دستور میں نہیں کی گئی اور نہ ہی لفظ "مذہب" کی کوئی مخصوص تشریح ہو سکتی ہے۔ یہ فرض عدلیہ کو ادا کرنا پڑا۔ ایک فیصلے میں مذہب کا مفہوم یوں واضح کیا گیا۔

" مذہب کی تعریف دستور میں نہیں اور نہ ہی "مذہب" کے کوئی متعین یا بندھے ٹکے معانی و مطالب نکالے جا سکتے ہیں' نہ تشریح ہو سکتی ہے۔"

مذہب یقیناً عقیدے کی بات ہے' مگر یہ ضروری نہیں کہ وہ الہامی ہو یا خدا پرستی پر مبنی ہو۔ مثلاً بدھ اور جین مت کسی خدا کے وجود پر عقیدہ نہیں رکھتے اور نہ ہی کسی ازلی سبب اول پر۔

آرٹیکل ۲۵ نہ صرف عقیدے کی آزادی کا حامل ہے بلکہ عقائد و رسومات کی ادائیگی کی مکمل آزادی کا بھی ضامن ہے اور اس پہلو کو زیادہ صاف اور واضح کرنے کیلئے ہمارے عدلیہ نے دوسرے ممالک کی عدالتوں کے فیصلوں کو بھی زیر غور رکھا ہے۔

جسٹس آر نے چیف جسٹس لیتھام کے مندرجہ ذیل فیصلے سے اتفاق کیا ہے:

" مذہب کی کوئی ایسی جامع تعریف جو موجودہ و سابقہ تمام مذاہب کے ماننے والوں کو مطمئن کر سکے، ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہے۔

ایسے مذاہب بھی ہیں جو بنیادی طور پر مخصوص عقائد اور طریقِ زندگی یا نظریاتی اصول کے پابند ہیں۔ اگر اس طرح دیکھا جائے تو مذہب سچ اور جھوٹ دو خانوں میں بٹ جاتا ہے۔

اس پیمانے سے اگر ان دوسرے مذاہب کو جانچا جائے جو مذہب کے طریقِ زندگی اور انسانی میل جول کے اخلاقی اصول پر مبنی ہیں تو مذاہب اچھے اور برے کی تقسیم میں آجاتے ہیں۔

اور دیگر مذاہب بھی ہیں جن کی تمام تر توجہ مذہبی رسومات پر ہوتی ہے جو ایک خاص

طریقۂ کار سے متعین کی گئی ہیں۔

بہت سے مذاہب رسومات کے معاملے میں تضاد رکھتے ہیں۔ دفعہ ۱۱۶ کا نفاذ ان تمام مذہبی معاملات پر ہونا چاہئے اور یہ بات خاطر میں نہیں لانی چاہیئے کہ ان کے مذہبی عقائد، ان کی سچائی اور خیروشر کے پیمانے، مختلف مذاہب میں مختلف ہیں اور نہ ہی قانون ایک مذہب کو دوسرے مذہب پر ترجیح دے سکتا ہے۔

اسی طرح ہمارے عدلیہ نے بھی اپنے فیصلوں میں اسی اصول کو مدنظر رکھا ہے۔ یہ بات خالی از دلچسپی نہیں ہوگی کہ زرتشت مذہب کے عقائد کے متعلق جسٹس دادر کے فیصلے کو، جو انہوں نے جمشید جی بنام سُونا بائی صادر کیا تھا، اس سے اتفاق کیا ہے۔

" اگر زرتشتی سماج کا عقیدہ مسلّم ہے تو کوئی بھی سیکولر جج ان کے عقیدے کو منظور کرنے میں پس و پیش نہیں کرے گا۔ یہ اس کا فرض نہیں ہے کہ وہ عقیدے کی درستی یا نادرستی کے متعلق کوئی فیصلہ صادر کرے یا کسی مخیّر کے ضمیر اور احساس میں مداخلت کرے جس کے تحت وہ خیرات کرتا ہے، اس مذہب یا عقیدے کیلئے یا اُس کی ترقی کے لئے جسے وہ صحیح سمجھتا ہے اور جس میں وہ اپنی قوم کی اور انسانیت کی بھلائی گردانتا ہے۔"

اس طرح یہ ثابت ہے کہ ہمارے حقوقِ مذہبی آزادی، جو ہمیں دستور نے دیئے ہیں، کس طرح عملی روپ دھار رہے ہیں۔ دراصل ہمارے دستور نے انسان کو ضمیر، احساس اور ذہن کی ایسی وسعت کے ساتھ آزادی دی ہے جس میں کوئی طاقت مداخلت نہیں کر سکتی۔

مذہبی آزادی کا حق ہماری شخصی آزادی اور تہذیبی آزادی سے منسلک ہے، جس کی ضمانت ہمارا دستور دیتا ہے۔

آرٹیکل ۲۵ اس ضمن میں کچھ شرائط اور پابندیاں بھی عائد کرتا ہے۔ مثلاً حکومت مذہبی رسومات کے ساتھ اقتصادی، معاملاتی اور سیاسی یا دوسری سیکولر کارکردگی پر کچھ شرائط اور حق نگہداشت عائد کرتی ہے۔

آرٹیکل ۲۶ (۲) (ب)، مذہبی گروہ یا فرقے کو مذہبی آزادی کی ضمانت دیتا ہے۔ اس میں کوئی بیرونی طاقت، ادارہ یا حکومت مداخلت نہیں کرسکتی، لیکن اخراجات اور آمدنی کے متعلق کچھ قانونی شرائط عائد کرسکتی ہے کیونکہ اس طرح سے فضول خرچی نہ ہوسکے اور ادارہ اور مخیّر کی دی ہوئی رقم اچھی طرح خرچ ہو۔ مثلاً سپریم کورٹ نے اس کو یوں واضح کیا ہے۔

" اگر کسی ہندو فرقے کے عقائد کے مطابق اپنے دیوتا کو وقتِ مقررہ پر روزانہ کھانا بھینٹ چڑھایا جائے، وہ رسم وقتِ مقررہ پر سال میں ادا ہونی چاہیے، یا روزانہ مقدس کتابوں کا پاٹھ یا اگنی پوجا ہو، وہ تمام مذہبی عقائد اور رسومات میں شامل ہیں۔ صرف یہ پہلو کہ ان تمام کی ادائیگی میں روپیہ خرچ ہوتا ہے یا پنڈتوں اور ملازموں کی خدمات حاصل کرنی پڑتی ہیں یا بازار سے اشیاء لانی پڑتی ہیں، ان مذہبی رسومات کو اپنے کردار میں سیکولر یا تجارتی نہیں بناتا۔ یہ تمام مذہبی رسومات ہیں اور اسی آرٹیکل کی دفعہ (ب) کے پیشِ نظر اسے مذہبی کارکردگی سمجھنا چاہیئے۔"

آرٹیکل ۲۵ (۲) (ب)، مذہبی رسومات اور عقائد کی ادائیگی پر کوئی پابندی نہیں لگاتا اور نہ ہی حکومت کو مداخلت کا کوئی اختیار دیتا ہے۔ مگر جہاں رسومات کی ادائیگی امنِ عامہ، صحتِ عامہ و اخلاقِ عامہ پر اثر انداز ہوتی ہے وہاں حکومت کا اختیار عمل آتا ہے یا پھر اُس کارکردگی پر جس کا تعلق رسومات کی ادائیگی سے نہ ہو بلکہ جو اقتصادی، تجارتی اور سیاسی پہلو لئے ہوئے ہو، شرائط یا پابندی عائد کرنے کا حق حکومت کو ہے۔ مگر ہمارا عدلیہ بھی اس معاملے میں بیدار ہے۔

جب بھی کسی ریاستی یا مرکزی حکومت نے کوئی ایسا قانون نافذ کیا جو حقِ آزادی یا مذہب پر اثر انداز ہوتا ہے تو ہمارے عدلیہ نے اسے غیر آئینی قرار دیا ہے، جیسے بمبئی پبلک ٹرسٹ ایکٹ کے بعض پہلو غیر آئینی قرار دیئے گئے۔

اگر کوئی فرقہ مذہبی جلوس نکالنا چاہتا ہو تو اس کا یہ حق چھینا نہیں جا سکتا مگر امنِ عامہ کے پیشِ نظر حکومت کو یہ حق ہے کہ راستے میں تبدیلی کرے اور اس کے نظم و ضبط کی نگہداشت کرے مگر جلوس میں جو بھی مذہبی رسومات ادا کی جاتی ہیں ان میں کوئی دخل نہیں دیا جا سکتا۔

اسی طرح سکھ قوم کو یہ حق ہے کہ وہ کرپان اپنے ساتھ رکھے۔ یہ ان کا مذہبی فریضہ ہے۔ اگر کوئی قانون اس پر پابندی لگائے تو وہ غیر آئینی ہوگا تاہم امنِ عامہ کے پیشِ نظر یہ پابندی لگائی جا سکتی ہے۔ سکھ ایک کرپان تو رکھ سکتا ہے لیکن دوسرے کے لئے اجازت لینا ضروری ہے۔

اسی طرح مذہبی آزادی کا حق انسانی بھینٹ چڑھانے کی اجازت نہیں دے سکتا اور نہ ہی کسی مذہب یا اس کے بانی کی ہتک یا توہین کی اجازت دیتا ہے۔

اس طرح دستور میں مذہبی آزادی کے حق کو واضح طریقے سے درج کیا گیا ہے تاکہ عام شہری ہر قسم کے شکوک و شبہات سے بری رہے اور اسے یہ یقین رہے کہ جہاں تک اس کے عقیدے، ضمیر اور احساس کا سوال ہے، دستور کسی کو مداخلت کا حق نہیں دیتا اور اسے اپنے عقیدے کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کا کل حق ہے۔

اس طرح نہ صرف ہماری تہذیب، کلچر، ادب اور احساسِ لطیف بلکہ ضمیر سے تعلق رکھنے والے عناصر کی توسیع و ترویج ہوگی (باقی صفحہ ۴۸ پر)

قسط ۲

پونا کا ایک واقعہ مجھے کبھی نہیں بھولتا ایک دن میں تلک روڈ سے شنکر سیٹ روڈ کی جانب ایک منی بس میں سفر کر رہا تھا۔ پونا میں لوکل بسوں کا انتظام جب بھی کچھ اچھا نہیں تھا، اب بھی نہیں ہے۔ دراصل پونا بسوں کا شہر نہیں ہے، سائیکلوں اور سائیکل رکشا کا شہر ہے۔ سُنتے ہیں جتنے سائیکل پونا شہر میں پائے جاتے ہیں اتنے ہندوستان کے کسی دوسرے شہر میں نہیں پائے جاتے۔

بس مراٹھی مسافروں سے بھری ہوئی تھی۔ ممکن ہے میرے چہرے بُشرے سے میں انھیں اجنبی سا لگا۔ اتنا تو میں جان سکتا تھا کہ دو تین مسافر میرے متعلق باتیں کر رہے ہیں۔ آخر اُن میں سے ایک نے آگے بڑھ کے مجھ سے اپنی ٹوٹی پھوٹی اردو میں سوال کیا۔

"آپ ہندو ہو؟ کہ مسلمان؟ کہ پنجابی؟"

مجھے ہنسی آگئی۔ یہ لوگ پنجابی کو بھی ایک مذہب سمجھتے ہیں۔ مگر میں نے اپنی ہنسی روک کر اور بات کو ٹالنے کی خاطر آہستہ سے کہہ دیا۔ "پنجابی!"

بات ختم ہوگئی۔ لیکن میرے لیے بات وہیں سے شروع ہوگئی۔ ہم لوگ دوسرے ملکوں کے لوگوں کو الزام دیتے ہیں کہ وہ لوگ ہماری تہذیب، تمدّن، کلچر، مزاج اور اُفتادِ طبع سے ناواقف ہیں۔ لیکن خود ہمارے ملک میں ہم لوگ ایک دوسرے سے کتنے دور ہیں۔ صحیح معنوں میں ہندوستان آج بھی مختلف قومیتوں میں بٹا ہوا ہے۔ ان قومیتوں کو ایک قوم کی لڑی میں پرونے کے لیے ایک دوسرے کے قریب آنے اور ایکدوسرے کو جاننے پہچاننے کی شدید ضرورت ہے۔ اس ناسمجھی سے ایک دوسرے کے متعلق بڑی غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔

اس واقعے کا میں نے یہ تاثر بھی لیا کہ مجھے خود آگے بڑھ کے یہاں کے لوگوں سے دوستی بڑھانے کا آغاز کرنا چاہیے۔ مجھے پہلا مراٹھی دوست جو ملا وہ ایک مراٹھی ادیب تھا۔ شنکر تھنکر اُس کا نام تھا۔ اُس نے مراٹھی کا مشہور ناول رام شاستری لکھا تھا جس کو لے کر دی۔ شانتارام نے اپنی مشہور کلاسیک فلم "رام شاستری" بنائی۔ بہت جلد ہم ایک دوسرے کے دوست ہو گئے۔ شنکر تھنکر بہت ہی حسّاس مگر پُرخلوص انسان تھا۔ اپنی دُھن کا اس قدر پکّا کہ اُس نے ادب کی خدمت کی خاطر ساری عمر شادی نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اور وہ ہمیشہ اس پر کاربند رہا۔ اُس نے مجھے

پونا کے بہت سے مراٹھی ادیبوں سے ملایا۔ اور ایک مراٹھی کرسچین مصوّر سے بھی، جو عیسیٰ مسیح کی زندگی پر تصویریں بناتا تھا۔ اُس کا نام میں اس وقت بھولتا ہوں۔ مگر اُسکی تصویریں مجھے ہمیشہ یاد رہیں گی۔ کیونکہ اُس نے حضرت مسیح کو ہندوستانی خدوخال دیکر اور یہاں کا سانولا پن دے کر اور یہیں کا پسِ منظر دے کر عیسائیت کو ہندوستانیت کے قریب لانے کی کوشش کی تھی۔ وہ ایک چھوٹے سے عیسائی بورڈنگ ہاؤس میں رہتا تھا اور اُس نے بھی اپنی تصویروں کی خاطر عمر بھر مجرّد رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔

یہ میں جنگِ عظیم کے آخری دو تین سالوں کی بات کرتا ہوں۔ پونا مین اسٹریٹ کے پیچھے والی گلی میں دو بہت عمدہ چینی ریستوران تھے جہاں ہم لوگ اکثر دوپہر کا کھانا کھانے جایا کرتے تھے۔ پونا کے قریب ہی چند میل کے فاصلے پر اتحادیوں کا ایک فوجی کیمپ تھا جہاں سے فوجی چینی کھانے کے شیدائی اس گلی میں آیا کرتے تھے۔ اُن کے ساتھ ڈیکائی عورتیں بھی ہوتی تھیں۔ یعنی ایک قسم کی فوجیں نرسیں جنھیں ہم اپنی طنزیہ گفتگو میں ڈیکائی کے بجائے بکائی عورتیں کہا کرتے تھے۔ وہ ہمیں منہ نہیں لگاتی تھیں۔ انگریز فوجی بھی ہم سے رسم و راہ نہیں رکھنا چاہتے تھے کیونکہ ہم لوگ اُن کے محکوم تھے۔ مگر امریکی اور فرانسیسی فوجی آگے بڑھ کر ہندوستانیوں سے دوستی کرنےکی خواہش کا اظہار کرتے تھے۔ ایک فرانسیسی میجر تھا۔ پال۔ بے حد باتونی، ذہین، وحدہ خلاف، خودبت خود، طنز آمیز فقرے چُست کرنے والا، ادبی ذوق رکھنے والا، انتہائی دلچسپ شخصیت کا مالک۔ اُس کے بازو کی کمانی میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی خوبصورت عورت ٹنگی نظر آتی۔ اُس کے کردار کو لے کر میں نے اپنی کہانی "پال" لکھی ہے دوسرا دوست جو بنا وہ ایک امریکی تھا۔ ڈِک پاول۔ وہ نیویارک کا رہنے والا تھا اور وہاں وکالت کرتا تھا۔ پھر جنگ میں ڈرافٹ کرلیا گیا۔ اب پونا سے آسام جانے والا تھا۔ برما کی سرحد کی طرف۔ وہ بہت جلدی ہم میں گھل مِل گیا۔ جتنے دن پونا میں رہا۔ تقریباً ہر روز اُس سے ملاقات ہوتی تھی۔ وہ ہمارے گھر پر آجاتا۔ ہندوستانی آزادی کے متعلق کھُل کر اپنی ہمدردی کا اظہار کرتا۔ اُسے پال کی خرمستیاں بالکل پسند نہیں تھیں۔ عادات اور مزاج سے ایشیائی معلوم ہوتا تھا۔ اُس کی منگیتر امریکہ میں تھی جسے وہ لمبے لمبے خط لکھا کرتا تھا۔ ہماری صحبت میں رہ کر کرتہ پائجامہ بھی پہننے لگا۔ چندماہ پونا رہنے کے بعد آسام

چلا گیا۔ اور وہاں سے جانے کہاں؟ ۔ جنگ ختم ہوگئی تو نیویارک سے اُس کے خط آنے لگے۔ وہ صحیح سلامت اپنے وطن پہنچ گیا تھا۔ لیکن ڈِک کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ میجر پال جنگ میں مارا گیا۔ شاید اسی لئے وہ ذہین آوارہ جلدی جلدی جی رہا تھا کہ چند ماہ میں ساری زندگی جی لے۔

میں نے اپنی کہانی "موبی" اپنے امریکی دوست کے کردار کو لے کر لکھی ہے۔ یہ کہانی بھی پونا کی ہے۔ اِسمیں دوسرے جو کردار آتے ہیں وہ ہیں حمید بٹ، عذرا بٹ، شیام، مسعود پرویز اور دوسرے وہ دوست جن سے ڈِک بے تکلف تھا۔

"اَن داتا" بھی جنگ عظیم کے دوران لکھی گئی۔ بنگال کا قحط زوروں پر تھا اور اس کی لپیٹ میں لاکھوں لوگ آکر لقمۂ اجل بنتے جارہے تھے۔ اخباروں میں اکثر پڑھتا تھا، لیکن دل پر وہ گہری چوٹ نہ لگی جس سے کہانی پیدا ہوتی ہے۔ ایک روز اسٹوڈیو سے پیدل ہی تلک روڈ کی طرف جارہا تھا۔ اپنے گھر کی طرف کہ راستے میں ایک دُبلے پتلے سانولے بنگالی نے راستہ روک کر اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ بھوک سے نڈھال ہونے کے باوجود چہرے سے نجابت اور شرافت کے آثار ہویدا تھے۔ میں نے اُس کی طرف غور سے دیکھا۔ اُس نے کچھ نہیں کہا۔ پلک جھپکائے بغیر میری طرف دیکھتا رہا۔ میں نے جیب سے ایک روپیہ نکال کر اُس کی ہتھیلی پر رکھا۔ اُس کی آنکھوں میں کوئی روشنی

پیدا نہ ہوئی۔ پھر جانے میرے دل میں کیا آئی۔ میں نے اُسے پانچ روپے کا نوٹ دے دیا۔ جانے اُس کی آنکھوں میں کن حالات کا اندھیرا پھیل رہا تھا کہ پھر بھی مجھے اس کی آنکھوں میں روشنی کی رمق سی بھی نہ ملی۔ میں آگے بڑھ گیا۔

اُس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ میں نے اُس سے کچھ نہیں کہا لیکن چلتے چلتے آنکھوں کے سامنے بنگال کے دیہات گھومنے لگے۔ ناریل کی جھولتی ہوئی مور پنکھیاں اور وہ سرسراتے ہوئے کمر تک لٹکتے ہوئے ریشمی بال اور آنکھیں، پلک نہ جھپکنے والی آنکھیں۔ کتنی دور سے آیا تھا یہ بنگالی پونا میں بھیک مانگنے؟ بنگال کے کس گاؤں سے۔ کلکتے کی کس گلی سے۔ کہانی کا پس منظر میرے سامنے تھا۔ کیونکہ میں کالج کے دنوں میں بنگال جا چکا تھا اور اُس کے دیہات بھی دیکھ چکا تھا۔ ٹہلتے ٹہلتے بہت دور نکل گیا اور پاروتی کے مندر کی اونچی سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔ شام گہری اور اُداس، اور دل میں ایک کہانی، اُفق کے کنگرے سے ایک بھکاری کی طرح آتی ہوئی۔ مجھ سے کچھ مانگتی ہوئی۔

وہ رات بڑی بے چینی میں گزری۔ دوسرے دن صبح کہانی شروع کی۔ اسٹوڈیو نہیں گیا۔ ایک بجے تک کام کرتا رہا۔ میں بالعموم ایک کہانی ایک ہی بیٹھک میں ختم کرتا ہوں۔ مگر ایک بجے تک یہ کہانی ختم نہیں ہوئی۔ کھانا کھا کے کچھ دیر آرام کیا۔ پھر ٹہلنے نکل گیا۔ میرے چاروں طرف لوگ تھے، سڑکیں تھیں، دوکانیں تھیں، باغات تھے، پھول تھے، مگر میرے لئے گویا کچھ نہ تھا۔ میں اپنے آپ میں بند کہانی کے بہاؤ کے ساتھ بہتا چلا جا رہا تھا۔ آدھی رات گئے یکایک اُٹھ کر پھر لکھنا شروع کیا۔ پانچ بجے کے قریب پھر سو گیا۔ صبح اُٹھ کر پھر لکھنا شروع کیا۔ دو بجے پہر کے قریب یہ طویل کہانی ختم ہوئی جو اس وقت دنیا کی تمام بڑی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ کہنے کو تو کہانی لکھنے کے یہ دو دن تھے مگر میرے لئے ایک لمحہ جسمیں میں شعلے کی طرح بھڑک اٹھا تھا۔

دراصل اچھی کہانی اُسی وقت ہوتی ہے جب دل اور دماغ دونوں شعلے کی طرح جل اٹھیں۔ جب صرف دل جلتا ہے تو جذباتی کہانی ہوتی ہے۔ جب دماغ لو دینے لگتا ہے تو طنزیہ کہانی ہو سکتی ہے۔ سائنسی کہانی، بچوں کی کہانی، کوئی مضمون یا مقالہ مگر اچھی کہانی صرف دو شعلوں کے سنگم سے پیدا ہوتی ہے۔ مگر یہ کیفیت روز روز پیدا نہیں ہوتی اسلئے بلند و پست ہر ادیب کا مقدر ہے۔

•

اسٹوڈیو میں دن بھر شوٹنگ ہوتی۔ ہم لوگ اکثر صبح کی حاضری دیکر اسٹوڈیو سے باہر نکل جاتے۔ کبھی دن میں بھی کہانی، مکالمے اور اسکرین پلے پر گفتگو ہوتی۔ میں اُس وقت تک زیادہ باتیں بنانے کے فن سے ناواقف تھا۔ اسلئے دوچار فقرے کہہ کر سہم جاتا تھا۔ جوش صاحب بال کی کھال نکالنے کے ماہر، محمد حسن اور حمید بٹ ہر اچھے سین کی دھجیاں اُڑا دینے کے لئے چوکس۔ نتیجہ صفر۔ پھر پان کی ڈبیہ کھلتی اور شعر و شاعری میں وقت صرف ہونے لگتا۔

شام میں کوئی سات بجے کے قریب ڈبلیو۔ زیڈ۔ احمد یعنی پروڈیوسر صاحب کا دربار لگتا۔ اسٹوڈیو کے باغ میں کرسیاں بچھ جاتیں۔ صوفے باہر نکال کے لگا دئے جاتے۔ اُن دنوں مجھے پینے کی لت نہ تھی۔ کبھی کبھار پی لیتا تھا۔ مگر جوش تو بلا ناغہ بالالتزام پیتے تھے۔ شام کے چھ پیگ بندھے ہوئے تھے۔ روز آدھی بوتل گھر سے آتی تھی۔ کبھی سرور کم ہوتا تو دو پیگ اور منگوا بھیجتے۔ پھر پیتے ہی گلہ کرتے۔ "افوہ۔ بڑی بی نے پھر پانی مار دیا!" یہ اپنی بیوی کی طرف اشارہ تھا جو انھیں زیادہ پینے سے روکتی تھیں اور کبھی کبھی شراب میں پانی ملا دیتیں۔

کہانی پر کم گفتگو ہوتی تھی، اِدھر اُدھر کی باتیں زیادہ ہوتی تھیں۔ باتیں سیاست کی، ادب کی، صحافت کی، سائنس کی۔ پڑھے لکھے لوگ تھے۔ ذہین اور تیز و طرار۔ اتنی دور کی کوڑی لاتے تھے کہ میں حیرت سے ششدر رہ جاتا تھا اور ان لوگوں کے سامنے بونا سا محسوس کرتا۔ آخری تان شاعری پر ٹوٹتی اور جوش اور ساغر کا کلام سُنا جاتا۔ آدھی رات گئے گھر آتے۔

عباس نے 'اَن داتا' کا انگریزی میں ترجمہ کرکے اس کہانی کو سارے ہندوستان میں پھیلا دیا۔ پھر مجھے بمبئی بلایا۔ پونا کے دو سالوں میں بمبئی جانے کا یہ دوسرا موقع تھا۔ ترقی پسند مصنفین کی میٹنگ تھی۔ اس محفل میں بہت سے لوگ صرف مجھے دیکھنے اور سننے آئے تھے۔ بیچارے بے حد مایوس ہوئے ہوں گے کیونکہ میں شروع ہی سے تقریر کرنے سے گھبراتا رہا ہوں۔ یہ فن اپنے بس کا نہیں: کالج میں دو ایک مرتبہ رٹ رٹا کر تقریر کرلی، مگر جسے تقریر کہتے ہیں، جسمیں ذہن خود بخود پھل جھڑیاں چھوڑنے لگتا ہے اور آتش بازی کا سا سماں باندھ دیتا ہے وہ فن اپنے کو نہیں آتا جناب!

(باقی صفحہ ۴۴ پر)

دیارِ وطن

بہ طرزِ نو رواں دواں ہے، زندگی کا کارواں
دمک رہی ہے آسماں پہ گردِ پائے رہرواں

خلوص، پیار، درد کے، دلوں میں دیپ بال کے
شرابِ حسن زندگی کی پیالیوں میں ڈھال کے
کمندِ شوق، آسماں کی وسعتوں پہ ڈال کے
لئے نفس نفس میں لَو، نظر نظر میں کہکشاں
بہ طرزِ نو رواں دواں ہے زندگی کا کارواں

ہوا کچھ ایسے اس زمیں پہ عام عشق کا چلن
ہزار کوہسار ہیں تو صد ہزار کوہ کن
ہیں جنگلوں میں محفلیں تو پربتوں پہ انجمن
سنو کہ تیشۂ جنوں ہے کس ادا سے نغمہ خواں
بہ طرزِ نو رواں دواں ہے، زندگی کا کارواں

قدم پڑے تو راستوں کے پیچ و خم نکل گئے
لگا جو ہاتھ، زندگی کے نقش ہی بدل گئے
جدھر نگاہ اٹھ گئی، اُدھر چراغ جل گئے
منور اپنی روشنی سے آج قلب دو جہاں
بہ طرزِ نو رواں دواں ہے زندگی کا کارواں

زمیں تمام ایک ہے، زماں تمام ایک ہے
ملیں تمام ایک ہیں، مکاں تمام ایک ہے
خوشا نصیب پیار کا جہاں تمام ایک ہے
لئے ہوئے نظر نظر میں سرخوشی کا ارمغاں
بہ طرزِ نو رواں دواں ہے، زندگی کا کارواں

ہنروروں کا معجزہ، کرشمۂ کمال ہے
چمن میں اپنے گلفشاں بہارِ لازوال ہے
دیارِ شوق جیسے کوئی جنّتِ خیال ہے
مری زمین بن گئی ہے آج رشکِ آسماں
بہ طرزِ نو رواں دواں ہے زندگی کا کارواں

یہ بزمِ غیر کا نہیں، اِس انجمن کا ذکر ہے
دیارِ خلد کا نہیں، مرے چمن کا ذکر ہے
مرے عظیم ہند کا، مرے وطن کا ذکر ہے
وطن جو عظمتِ بشر کا آج بھی ہے پاسباں
بہ طرزِ نو رواں دواں ہے زندگی کا کارواں

کنول پرشاد کنول

ہندوستان کا قومی دستور

رشید الدین

۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء سے لے کر ۲۶ جنوری ۱۹۷۵ء تک ہندوستان کے قومی دستور کو نافذ ہوئے پورے پچیس سال کا عرصہ ہو رہا ہے۔ اس طرح ہم اس سال اپنے دستور کی سلور جوبلی منا رہے ہیں۔ نو آزاد ممالک اور ترقی پذیر قوموں کی تاریخ میں ابتدائی پچیس سال بڑی آزمائشوں اور مصیبتوں کے ہوتے ہیں، اور ایسی صورت میں جب کہ جمہوریت، مساوات اور ترقی پسندی کا راستہ اختیار کیا جائے تو ان آزمائشوں اور مصیبتوں میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے لیکن ہندوستان ایک خوش قسمت ملک اور ہندوستانی ایک نیک بخت قوم ہے کہ اس کی آزادی کے ابتدائی سال بہت شاندار گزرے ہیں اور اس کے جمہوری دستور نے ربع صدی کا عرصہ بڑے ہی اطمینان سے گزار لیا ہے۔ یہ بات یقیناً ہم سب کیلئے باعثِ امتنان ہے۔

ہندوستان کا قومی دستور ایک ضخیم اور عظیم دستور ہے اور اس کے مرتبین نے اسے مرتب کر کے بلاشبہ ایک چیلنج کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا ہے۔ دراصل ہندوستان جیسے وسیع و عریض ملک کے لئے جہاں ہر صوبے کی الگ زبان اور ایک الگ روش ہے اور جہاں کئی مذاہب اور مکاتبِ خیال کے لوگ بستے ہیں، ایک مکمل اور جامع دستور بنانا کوئی آسان کام نہ تھا لیکن ڈاکٹر امبیڈکر آنجہانی اور ان کے ساتھی (دستور ساز کمیٹی کے ارکان) قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے برسوں کی محنت اور جانفشانی کے بعد ایک ایسا دستور مرتب کیا جو اس ملک کے حالات کے عین مطابق تھا۔ اسے بڑے غور و خوض اور سوچ بچار کے بعد مرتب کیا گیا۔ اس کے ہر ہر لفظ اور ہر ہر فقرے پر کئی کئی دنوں تک بحثیں ہوتی رہیں۔ اس کی ہر دفعہ اپنے اندر خاص معنی اور مفہوم رکھتی ہے اور اس نے ہندوستان میں رائج اونچ نیچ، ذات پات اور نسل و مذہب کے فرق کو یکلخت ختم کر دیا۔ یہ جتنا ضخیم ہے اتنا ہی لچکدار بھی ہے اور جتنا نظری ہے اتنا ہی عملی بھی ہے۔ اس میں دنیا کے تمام دساتیر کی روح موجود ہے اور یہ صحیح جمہوری خطوط پر مرتب کیا گیا ہے۔

دستور کی ترتیب سے پہلے دستور ساز کمیٹی کے ارکان نے دنیا کے مختلف ممالک کا دورہ کیا اور وہاں کے دساتیر کا تفصیلی طور پر مطالعہ کیا اور انھیں عملی طور پر رائج بھی دیکھا۔ اس کے بعد طول طویل مباحثہ اور غور و خوض کے بعد جو باتیں ان دساتیر میں اچھی تھیں اور جو ہندوستان کیلئے بھی موزوں ہو سکتی تھیں انھیں اس دستور میں شریک کر لیا گیا۔ چنانچہ ہمارے دستور میں امریکہ، برطانیہ، فرانس، اسپین، سوئٹزرلینڈ، آسٹریلیا، کنیڈا کے دساتیر کی اچھی چیزیں جمع ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ہندوستان کا دستور ایک ایسا گلدستہ ہے جس میں ہر قسم کے پھول موجود ہیں اور اسکے ساتھ ساتھ یہ اپنی ایک انفرادیت بھی رکھتا ہے۔

جونہی ہم اپنا دستور کھولتے ہیں سب سے پہلے ہمیں ایک تمہید نظر آتی ہے۔ گو یہ ایک مختصر سی عبارت ہے لیکن اگر ہم اسے سارے دستور کی روح کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ اس میں صاف لفظوں میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ ہندوستان ایک مقتدر عوامی جمہوریہ ہوگا۔ دستور کی بنیاد انصاف، حریت، مساوات اور آزادی جیسے زرّیں اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ نیز تمہید میں یہ امر واضح کر دیا گیا ہے کہ اقتدار اعلیٰ کے اصل مالک عوام ہوں گے اور یہ فقرہ ہندوستان کے دستور کو ایک عوامی دستور بناتا ہے۔

ہندوستان کا دستور وفاقی ہے۔ یعنی یہاں ایک وفاقی طرز مملکت قائم ہے اور سارا انتظام مرکز اور ریاستوں میں منقسم ہے۔ ہندوستان ایک وسیع و عریض ملک ہے اور جتنی چیزیں ایک وفاقی ڈھانچہ کیلئے ضروری ہیں وہ سب یہاں پائی جاتی ہیں اور

حق تو یہ ہے کہ یہاں اس سے زیادہ موزوں اور کوئی طرزِ حکومت نہیں ہوسکتا تھا۔ ملک کا سارا نظم و نسق ریاستوں اور مرکز کے درمیان اس طرح تقسیم ہے کہ مرکز کا پلّہ بھاری رہے اور اس کی وجہ وہ مخصوص حالات ہیں جن سے ہندوستان کو آئے دن سابقہ پڑ رہا ہے۔ ۹۷ امور مرکز کے تحت اور ۶۶ امور ریاستوں کے تحت ہیں جبکہ ۴۷ امور مشترکہ ہیں۔ اس کے علاوہ اگر کوئی امور ہوں گے تو وہ مرکز کے تحت رہیں گے۔ اس طرح ہندوستان ایک وفاقی مملکت ہے جہاں مرکز ریاستوں کے مقابلہ میں طاقتور ہے۔

ہندوستان کا دستور عام حالات میں تو وفاقی ہوگا لیکن مفاجاتی صورتحال کے تحت یہ کسی وقت بھی عارضی طور پر وحدانی طرز میں تبدیل ہوسکتا ہے۔ مفاجاتی صورتحال بیرونی حملے یا اندرونی خلفشار کسی بھی صورت میں نمودار ہوسکتی ہے جس کے بعد پارلیمنٹ اور اسمبلیاں معطل ہوکر صدر جمہوریہ کو ہنگامی حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے وسیع اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں۔ یہ دفعہ بظاہر جمہوریت اور آزادی پر ایک کاری ضرب نظر آتی ہے لیکن ملک کی سلامتی اور بہبودی کے لئے یہ ضروری ہے۔

کوئی بھی دستور حرفِ آخر کا درجہ نہیں رکھتا بلکہ حالات کے لحاظ سے اس میں ترمیمات کی جاسکتی ہیں۔ ہندوستان کا دستور جتنا ضخیم ہے اتنا ہی لچکدار بھی ہے۔ اس میں بآسانی ترمیم کی جاسکتی ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ پارلیمنٹ میں دو تہائی کی اکثریت سے کوئی بھی ترمیم کی جاسکتی ہے البتہ بعض اہم دفعات میں ترمیم کے لئے ۵۰ فیصد ریاستوں کی بھی رضامندی ضروری ہے۔ ۲۵ سال کے عرصہ میں ہندوستان کے دستور میں ۲۵ ترمیمات ہوچکی ہیں جن میں سے بعض ترمیمات بے حد اہمیت کی حامل تھیں اور جو پارلیمنٹ سے لے کر اخبارات تک میں موضوعِ بحث رہیں۔

ہندوستان میں جہاں امریکہ کی طرح صدارتی طرز مملکت رائج ہے وہیں انگلستان کی طرح پارلیمانی جمہوریت قائم ہے۔ ہندوستان کا صدر جمہوریہ امریکہ کے صدر کی طرح طاقتور نہیں بلکہ انگلستان کے صدر مملکت (بادشاہ یا ملکہ) کی طرح برائے نام اور اعزازی ہوتا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ انگلستان کا صدر مملکت موروثی ہوتا ہے جبکہ ہندوستان کا صدر پانچ سال کے لئے پارلیمنٹ اور اسمبلیوں کے ارکان کی جانب سے منتخب کیا جاتا ہے۔ انگلستان کی طرح ہند میں ذمہ دار طرز حکومت رائج ہے اور برسراقتدار جماعت ہر وقت پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہوتی ہے اور اس کی میعاد عہدہ اس کے اعتماد پر منحصر ہوتی ہے۔ حکمراں پارٹی یہاں حزبِ مخالف کے سامنے ہر لحظہ ذمہ دار ہوتی ہے۔

امریکہ کی طرح ہندوستان بھی ایک وفاقی مملکت ہے لیکن وہاں کی طرح یہاں شہریت کا دوہرا طریقہ رائج نہیں ہے۔ امریکہ میں وقتِ واحد میں ایک شہری کو دو شہریت کے حقوق حاصل رہتے ہیں یعنی ایک تو وہ اپنی متعلقہ ریاست کا شہری ہوتا ہے اور دوسرے مرکزی حکومت کا۔ مگر اس کے برخلاف ہندوستان میں مرکز اور ریاست کے لئے ایک ہی شہریت ہے جو یقیناً ایک عمدہ اور سہل چیز ہے۔

"بنیادی حقوق" ہندوستان کے دستور میں خاص اہمیت کے حامل ہیں جنھیں ہم شخصی آزادی کا محضر بھی کہہ سکتے ہیں۔ بنیادی حقوق کے تحت ہندوستان کے شہریوں کو چند خاص حقوق دئے گئے ہیں اور کوئی حکومت یا عدالت انھیں ان سے محروم نہیں کرسکتی۔ ان پر عمل مرکزی اور ریاستی حکومتوں کا فرض ہے۔ اگر کہیں ان پر عمل نہیں ہورہا ہے تو کوئی بھی شہری اس سلسلہ میں کسی بھی عدالت سے دادرسی حاصل کرسکتا ہے۔ بنیادی حقوق میں حقِ آزادی، حقِ مساوات، حقِ آزادئ عقیدہ، حقِ جائیداد، حقِ تعلیم اور حقِ تمدن وغیرہ شامل ہیں۔ ان حقوق سے ہندوستانی شہری کو کوئی حکومت، کوئی قانون اور کوئی عدالت محروم نہیں کرسکتی۔

بنیادی حقوق کی طرح ہندوستان کے دستور میں چند "ہدایتی اصول" بھی شامل ہیں۔ یہ اسپین اور سوئٹزرلینڈ کے دساتیر سے اخذ کئے گئے ہیں۔ لیکن ان میں اور بنیادی حقوق میں فرق یہ ہے کہ بنیادی حقوق پر عمل پیرائی ہر حال میں لازمی ہے جبکہ ہدایتی اصولوں کا اطلاق لازمی نہیں۔ ان کے روبہ عمل نہ لانے پر متعلقہ حکومت کے خلاف کسی عدالت میں مقدمہ دائر نہیں کیا جاسکتا بلکہ ان کا مقصد صرف حکومت کو مشورہ دینا ہے کہ اگر ایسا کیا جائے تو اچھا ہے۔ یہ عوام کی بہبودی اور فلاح کے لئے مدون کئے گئے ہیں اور حکومت اور عوام کی باہمی مفاہمت پر منحصر نہیں۔ ویسے ہر نیک نیت حکومت اپنے طور پر ان پر یقیناً عمل پیرا ہوتی ہے بشرطیکہ حالات اس کا ساتھ دیں۔ چند ہدایتی اصول حسب ذیل ہیں،

حکومت کو چاہیئے کہ ہر بالغ شہری کے لئے مفت اور لازمی تعلیم کا انتظام کرے۔

حکومت کو چاہئے کہ وہ اپنے ہر شہری کو روزگار فراہم کرے۔

حکومت کو چاہیئے کہ وہ ہر شہری کے لئے روٹی، کپڑے اور مکان کا انتظام کرے وغیرہ۔

زبان کا مسئلہ ہندوستان میں بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ آزادی سے قبل یہاں کی مرکزی سرکاری زبان انگریزی تھی جبکہ ریاستوں میں مختلف زبانیں رائج تھیں۔ جب آزادی کا سورج طلوع ہوا تو اس نے اپنے جلو میں بہت سے مسائل اور الجھنیں بھی لائیں جن میں سے ایک زبان اور دوسرا اقلیتوں کا موقف تھا۔ دستورساز کمیٹی نے بڑی خوش اسلوبی سے اس مسئلہ کو حل کیا اور دیوناگری رسم الخط کیساتھ ہندی کو ہندوستان کی قومی زبان قرار دیا ریاستوں کو انکی متعلقہ زبانوں میں نظم و نسق چلانے کی آزادی دی گئی۔ جن زبانوں کا کوئی علاقہ یا حکومت نہیں تھی انھیں بھی دستوری تحفظ دیا گیا ہے۔ ان زبانوں میں سنسکرت اور سندھی کے ساتھ اردو بھی شامل ہے۔ ●●

تیری راہوں میں سنجوئے میں نے اشکوں کے دیے
میری تنہائی کے گہرے گھاؤ یادوں نے سیئے

بعدِ مدت کہہ رہا ہوں طرزِ کہنہ میں غزل
لاؤں گا لیکن کہاں سے آخر اتنے قافیے

منتظر رہتے تھے روز و شب ملن کی شام کے
کیا بتائیں دور رہ کر تم سے ہم کیونکر جیے

تھی وہ جنسی بھوک، بھٹکا یوگ دھارے چند لوگ
اپنے ہاتھوں، لوہے کے گولے لیے گھوما کیے

صاحبِ دولت کے گھر تھی منعقد بزمِ سخن تو
دیر تک بیٹھے رہے ہم بے مزہ غزلیں پیے

دیکھ اے نقادِ فن مقطعے میں بھی مطلعے کی شان
جوششِ جدت کر پیدا کی ہے بے کوشش کیے

سر میں جو کیڑا ہے اُس کی پرورش بھی چاہیے
کرشن موہن شاعروں میں گھومتے ہیں اسلیے

کرشن موہن

جگن ناتھ آزاد

دو غزلیں

۱

میں نے حیات کی بسر روح میں غم لیے ہوئے
لب پہ ہنسی لیے ہوئے آنکھ میں نم لیے ہوئے

دستِ کرم سے بے نیاز گذرے چلے گئے فقیر
دیکھتے رہ گئے امیر شانِ کرم لیے ہوئے

میں نے تو بتکدے میں بھی جاکے اذانِ شوق دی
تو بھی حرم کا طوف کر دل میں صنم لیے ہوئے

راہنما ترے بغیر میں نے کیا طوافِ دیر
روح میں دور دور تک سوزِ حرم لیے ہوئے

حادثے جو بھی ہیں نہاں میری نظر پہ ہیں عیاں
دل وہ ملا مجھے کہ ہے ساغرِ جم لیے ہوئے

۲

دیدۂ بے نیازِ دوست! یوں مری زندگی نہ دیکھ
دے کر شرابِ ناب بھی، شیشہ و جام ہی نہ دیکھ

تجھ کو ہے ذوقِ دید اگر پردۂ ظاہری نہ دیکھ
روح میں ہے جو کرب دیکھ، رخ پہ پڑی جو ہنسی نہ دیکھ

جسم کی تشنگی کا درد جسم کی تشنگی سے پوچھ
نطقِ جمیل پر نہ جا شوق کی تازگی نہ دیکھ

کم نگہی تری مجھے شکوہ سرا نہ کر سکی
تجھ سے گلے کا کیا سوال تو مجھے آج بھی نہ دیکھ

آج کل داڑھیاں کچھ زیادہ ہی نظر آتی ہیں۔ سکھوں کی داڑھی خاص سجی سجائی اور دیدہ زیب ہوتی ہے لیکن مَن چلے نوجوانوں کے چہروں پر ہر قسم کی داڑھیاں دِکھائی دیتی ہیں، لنگور کی طرح ہر طرف اُگی ہوئی، بکرے کی طرح صرف ٹھڈّی کے نیچے جس کو گوٹی کہتے ہیں۔ جارج پنجم کی بانکی داڑھی، دکن کے چھٹے نظام میر محبوب علی خان اور مہارانا پرتاپ سنگھ' مہارانا رنجیت سِنگھ کی داڑھیاں' گرو دیو رابندرناتھ ٹیگور کی پھلی پھولی داڑھی' کرسمس کے سانٹا کلاز کی داڑھی۔ غرض کہ ہر قسم کی داڑھی کے فیشن آج کل پھر عام ہو رہے ہیں۔ لیکن ہپّی کی داڑھی اور زُلفوں سے یہاں غرض نہیں کہ وہ تو محض اپنے چہرہ پر زیادہ سے زیادہ گندگی اور لاتعداد جوؤں کے بسیرے کے لئے اُگائی جاتی ہیں جن کے بغیر شاید اُن کا جینا ہی محال ہو۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہ داڑھی نئے فیشن اور نئے مزاج کی دلیل ہے؟ یا ظاہری آرائش و زیبائش سے مُنہ موڑنے کی علامت ہے؟ بظاہر تو یہ لگتا ہے کہ یہ بھی فیشن کا ایک چکّر یعنی cycle ہے کہ کبھی داڑھی کبھی گل موچھ کہیں صرف مونچھیں کہیں زلفیں اور شاذونادر صاف سُتھرے چہرے۔ تاریخ شاہد ہے کہ زمانۂ حجری کے مردوں کو تو قدرت اور فطرت کا ساتھ دینا تھا کہ ان کے پاس کوئی اور چارۂ کار نہ تھا۔ اس زمانہ میں داڑھی ایک سائن بورڈ یا نشانِ امتیاز تھی کہ جس سے مرد کا نہ صرف بالغ ہونا ثابت ہوتا تھا بلکہ یہ اس کے عاقل اور دانشور ہو چکنے کی بھی دلیل تھی۔ اس طرح یہ بے داڑھی مونچھ کے نوجوانوں سے مغز و ممیز سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ آج بھی قبائلی و صحرائی اقوام کے سردار اسی داڑھی کے طفیل اعلیٰ مرتبہ پاتے ہیں لیکن جب انسان کے ہاتھ میں ایسے ہتھیار آئے کہ جن سے وہ کاٹ کوٹ کے قابل ہو گیا تو اس نے اپنی ہاتھ کی صفائی کا پہلا تجربہ اپنی داڑھی پر کیا۔

تاریخ میں ہم کو سب سے پہلے یونانی نظر آتے ہیں کہ جنھوں نے داڑھی سے بغاوت کی۔ ان کے فلسفہ و فکر میں جوانی، قوت اور جسمانی خوبیاں بے حد اہمیت کی حامل ہو گئی تھیں۔ صفائی، حسنِ لباس اور نزاکت اُنکی زندگی کے جزو بن گئے تھے۔ اس دَور میں ڈھونڈنے سے بھی داڑھی والا یونانی نہیں ملتا تھا۔ چنانچہ سکندر اعظم نے تو داڑھی کو یکلخت ممنوع قرار دے دیا۔ یہ اس لئے کیا گیا کہ دست بدست لڑائی میں داڑھی پر دشمن کی گرفت بآسانی ہو سکتی تھی اور اس زمانہ میں تو دست بدست لڑائی ہی سب کچھ ہوتی تھی۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس حکمِ امتناع کے پس پردہ سکندر اعظم کے دماغ میں فخر و برتری کا احساس تھا کہ اس دور کی تہذیب و ثقافت کا وہ اپنے آپ کو علم بردار سمجھتا تھا۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ مشرقی عوام داڑھی رکھ سکتے ہیں لیکن مغربی اقوام کسی طرح بھی ان کا ساتھ نہیں دے
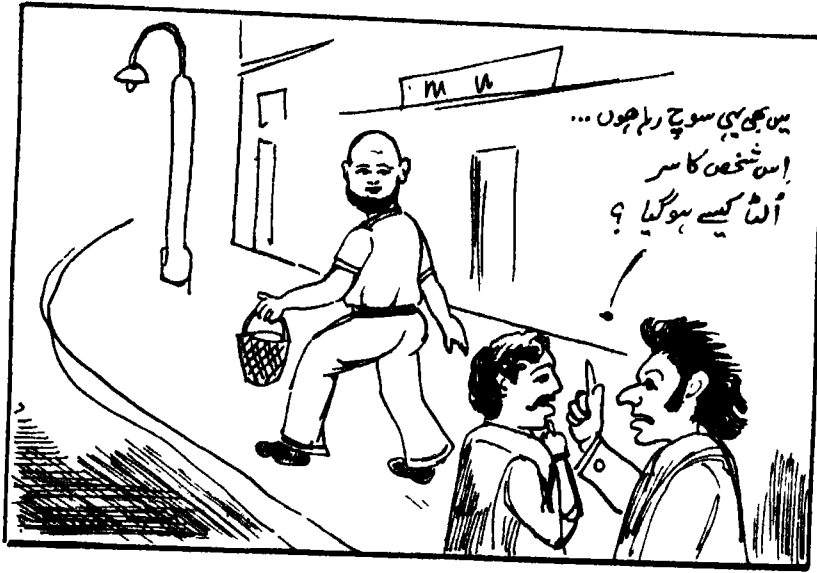
سکتیں۔ شاید یہی جذبہ سکندرِ اعظم کی عالمگیر فتوحات اور کامیابی کا راز تھا۔ اس دور سے پہلے کے فیشن میں داڑھی، زلفیں اور بڑے بڑے جبّے اور لمبے لمبے لباس شامل تھے جن سے معمولی آدمی بھی بارعب اور بامرتبہ نظر آتے تھے۔ داڑھی سے چہرہ کے عیوب اور لباس سے جسمانی کمزوریاں چھپ جاتی تھیں۔ اب بھی مشرقِ بعید یا مغربی ایشیا میں مرد کا چہرہ داڑھی سے اور جسم عمامہ کی وجہ سے چھپے ہونے کی وجہ سے بڑی حد تک پُراسرار اور رُعب دار لگتا ہے چاہے ان میں اوصلاحیتیں سرے سے مفقود ہوں۔ برخلاف اس کے روم اور یونان کے فیشن چہرہ کو اصلی روپ اور جسم کو پوری طرح نظروں کے سامنے پیش کرتے تھے۔ گیارھویں صدی عیسوی میں چہرہ کے بالوں کے خلاف بغاوت شروع ہو چکی تھی اور تیرھویں صدی میں مغرب کے مَردوں کے چہرے عورتوں جیسے ہو چکے تھے لیکن یورپ کی تبلیغی اور صلیبی جنگوں میں جب مشرق اور مغرب کا تصادم ہوا تو پھر مغربی جنگجو گھر لوٹتے لوٹتے اور کچھ چاہے نہ لے گئے ہوں، داڑھیاں اور لمبے لمبے چغے اور عمامے ضرور ان کی تزئین بڑھا رہے تھے۔ یورپ میں تیرھویں اور چودھویں صدی عیسوی میں داڑھیاں ہی داڑھیاں تھیں لیکن سنہ ۱۴۴۷ء کے انگلستانی قانون نے انگریزوں پر یہ لازم کر دیا کہ وہ آئرلینڈ میں ضرور داڑھی صاف کر دیں تاکہ وہ آئرش لوگوں سے الگ پہچانے جائیں۔ یہی اُن کے احساسِ برتری کی دلیل تھی۔ یہ فیشن شاید اسی طرح چلتے لیکن ہنری ہشتم نے سنہ ۱۵۳۵ء میں داڑھی رکھ لی اور پھر یہ فرانسیسی فیشن چل پڑا۔ برطانوی فوج میں مونچھیں عام ہو گئیں۔ سائیڈ وھسکر البتہ بٹلر، کوچوان، دربان، جاکی اور سائیسوں کے فیشن ہو کر رہ گئے۔

نپولین سوم کے زمانہ میں فرنچ کٹ داڑھی کا رواج عام ہوا۔ کریمیا کی جنگ میں انگریز اور فرانسیسی ایک ساتھ تھے اور صلیبی جنگوں کی طرح گھر لوٹتے وقت فرنچ جنرلوں کی داڑھیاں غائب تھیں۔ انگلستانی جنرل صاف چہروں کی بجائے داڑھی لے کر لوٹے تو ان کی تقلید اور پیروی میں ساری قوم لگ گئی۔ ہر طرف داڑھی اور مونچھ کی جھاڑیاں اور ان جھاڑیوں کے جنگل چار سو نظر آنے لگے۔

بیسویں صدی کے آغاز پر البتہ پھر سے مردوں کے چہروں سے داڑھیاں غائب ہوئیں تو ان کے چہرے چمکنے لگے۔ بلا مونچھ کی داڑھی برطانوی بحری بیڑے میں جائز قرار دی گئی اور فوج میں بغیر داڑھی کی مونچھ۔ اس طرح مغرب کی تاریخ سے جان پڑتا ہے کہ موسموں کی طرح داڑھیاں آتی اور جاتی رہیں۔ یہ ایسے زمانوں میں آتی رہیں کہ جب مغرب پست اور پسماندہ تھا۔ کہتے ہیں کہ اپنی ہزیمت اور شکست کو پس پردہ رکھنے اور چہرہ کے اتار چڑھاؤ، کم ہمتی اور بے عزتی کو چھپانے کا ذریعہ داڑھیاں تھیں۔ یورپ میں یہ دَور بہت خراب رہا جبکہ غیر موزوں لباس پہنے جاتے تھے۔ فرنچ بیحد تکلیف دہ، ڈرامہ تھیٹر بے جان، موسیقی بے سُری۔ شاید اسی لئے شرم سے منہ چھپانے اور اپنے خیالات کو ظاہر نہ ہونے کے وسیلہ کے لئے داڑھی کا سہارا لیا جاتا تھا۔ ایسے ہی دَور کی ایک کہانی ہے کہ محبوبہ نے جنگ پر جانے والے اپنے سپاہی سورما منگیتر سے وعدہ لیا کہ وہ دورانِ جنگ میں اپنی داڑھی کو نہیں مونڈے گا اور یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ اُس نے اپنی محبوبہ کو دل و جان سے لگائے رکھا اور ہر دم اسی کا دھیان رکھتا تھا۔ پچھلے زمانہ کی جنگیں برسوں لڑی جاتی تھیں اور یہ سپاہی دو برس بعد جب لوٹا تو اس کی داڑھی اتنی ہی بڑھی تھی کہ جتنی اس مدت میں ہونی چاہیئے تھی۔ لڑکی نے اپنی خوشی کا اظہار کیا اور اس کی محبت پر فخر۔ جب ان کی شادی ہونے چلی تو لڑکی نے اپنے ضمیر کی آواز پر اس بات کا اقرار کیا کہ وہ خود اس دوران کچھ بہت زیادہ وفادار نہیں رہی۔ منگیتر نے یہ بات سُنی تو اسے لگا کہ ایک بڑا بوجھ اس کے سر

سے اُتر گیا اور اُس نے فوراً ہی اپنی نقلی داڑھی نکال کر پھینک دی اور بتایا کہ وہ بھی ملکوں ملکوں نبرد آزمائی کرتے ہوئے اپنے وعدہ کو بھول گیا تھا۔ اسی لئے نقلی داڑھی لگانے کی ضرورت پیش آئی تھی۔

آج کل سر پر وِگ اور نقلی بال تو عورت مرد سب ہی لگاتے ہیں لیکن نقلی داڑھی کا فیشن ابھی نہیں چلا ہے، شاید چل بھی جائے۔ صرف ہمت کی ضرورت ہے ورنہ اس دنیا میں کیا نہیں چلتا؟

چہرہ خیالات کا آئینہ ہوتا ہے مگر جو چہرہ داڑھی سے ڈھکا چھپا ہو، وہاں خیالات کی ترجمانی کے لئے کس چیز کا سہارا لیا جائے یہ سوال کٹھن ہے۔ اسی لئے تو کہتے ہیں کہ آخر ہم ایک دوسرے کا چہرہ کیوں نہ دیکھیں۔ داڑھی کی آڑ میں شکار کھیلنا ایک محاورہ بھی تو بن گیا ہے کہ اپنی صورت داڑھی کے پیچھے چھپا کر انسان کچھ بھی کر سکتا ہے۔

ہاں یہ بھی تو ایک عجیب وغریب محاورہ ہے کہ "چور کی داڑھی میں تنکا"۔ یہ داڑھی والے چوروں پر صادق آتا ہے اور ان کی چوری کو پایۂ ثبوت کو پہنچانا ہوتا ہے تو ایسے دس بیس داڑھی والوں کو اکٹھا کیجئے کہ جن پر کچھ شک ہے اور یکایک کہئے کہ چور کی داڑھی میں تنکا اور پھر یہ کرشمہ دیکھئے کہ اصلی چور کس طرح اپنی داڑھی سے تنکا نکالنے کی بے ساختہ کوشش کرتا ہے اور شک کو یقین میں بدل دیتا ہے۔

پرانی وضع اور قماش کی داڑھی ویسے تو سنجیدگی، متانت اور بُردباری کی علامت ہے اور سمجھا یہ جاتا ہے کہ ایسی داڑھی والا آدمی کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کر سکتا چنانچہ ایک وقت کا واقعہ ہے کہ ایسے ہی ایک بزرگ صورت سیکل پر جا رہے تھے کہ ان کی سیکل بے قابو ہوگئی اور راستہ چلنے والے سے ٹکرا گئی۔ چونکہ اس راہ گیر کو سخت چوٹ آئی تھی، اُس نے جھنجھلا کر بے ساختہ کہا۔ "واہ صاحب واہ۔ اتنی بڑی داڑھی رکھی ہے اور اس طرح ٹکر دیتے پھرتے ہیں، شرم نہیں آتی"۔ داڑھی والے سیکل سوار نے خفت سے جواب دیا" تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ داڑھی سیکل کا بریک ہے؟"

داڑھی پھر سے status symbol یا دانشور اور مرفع الحال ہونے کی علامت قرار دیدی گئی ہے اور اس کے بغیر مرد خالی خالی یا نامکمل لگتے ہیں۔ داڑھی کے بغیر اگر نوجوان اپنی لمبی لمبی زُلفوں شوخ وشنگ لباس اور گلے میں ہار اور مالے پہنے گھومتے اگر کسی گھر کا دروازہ کھٹکھٹائیں تو گھر کا ننھا یہ سوال کر سکتا ہے۔" کیا آپ میری بہن کی سہیلی ہیں کہ میرے بھائی کے دوست؟" چہروں پر داڑھی بہت سارے نازک لمحوں اور نازک صورت حال سے بچا سکتی ہے۔

●●

قلمی معاونین سے

اپنی تخلیقات کے خاتمہ پر یا پُشت پر اپنا مکمل پتہ ضرور تحریر فرمائیں۔ قلمی نام کے ساتھ اصل نام بھی درج فرمائیں۔

ناطلبیدہ مضامین کی ایک نقل اپنے پاس ضرور رکھیں!

خواتین کا بین الاقوامی سال

ورکنگ گروپ کی

بھارتی تقاریب سے متعلق سفارشات

خواتین کے بین الاقوامی سال کی تقاریب کے تحت ۱۶ر فروری بسنت پنچمی کے دن آل انڈیا ویمنز ڈے (کل ہند پیمانے پر خواتین کا دن) منایا جائے گا۔ اس کی سفارش اس ورکنگ گروپ نے کی ہے جو اس سال کی تقاریب سے متعلق قومی کمیٹی کی صدر کی حیثیت سے وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی نے قائم کیا ہے۔

اس ورکنگ گروپ کی صدر شریمتی ارونا آصف علی ہیں۔ اس ورکنگ گروپ کی دو روزہ میٹنگ میں ایک ایسا پروگرام وضع کیا گیا ہے جو دیہی اور شہری علاقوں کی اُن عورتوں کے فائدے سے متعلق ہے جو سماج کے کمزور طبقوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ خواتین کو اُن حقوق سے آگاہ کرایا جائے گا جو انھیں آئین کی رُو سے حاصل ہیں۔ اس گروپ کے ارکان نے یہ خیال ظاہر کیا کہ چونکہ مرد اور عورت دونوں مساویانہ حیثیت کے مالک ہیں لہٰذا یہ فیصلہ کہ کنبہ کتنا بڑا ہونا چاہئے، عورت پر چھوڑنا چاہئے اور نس بندی کے لئے مرد کی بجائے عورت کی رضامندی ضروری ہونی چاہئے۔ گروپ کے ارکان نے یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ اس سال ایسے اقدامات کئے جانے چاہئیں جن سے جہیز کی وصولی یا پیشکش قابلِ دست اندازیٔ پولس جرم قرار دیا جائے۔

■■

غزلیں

کعبہ بھی ہے کاشی بھی یہاں دیر و حرم بھی
اس دل میں تو موجود خدا بھی ہے صنم بھی

مے خانے سے ہو آئیں تو پھر ساتھ چلیں گے
اے گردشِ دوراں تو ذرا دیر کو تھم بھی

اب ہم سے گریزاں ہو کوئی بات نہیں ہے
آئیں گے بہت یاد کسی روز تو ہم بھی

دعویٰ تھا جنھیں ساتھ نبھانے کا عدم تک
وہ ساتھ نہ دے پائے تھے دو چار قدم بھی

اب چاند کوئی خواب، کوئی راز نہیں ہے
کھل جائے گا اک روز ستاروں کا بھرم بھی

یہ دور تجارت ہے کہ اس دور میں ہم نے
بکتے ہوئے دیکھے ہیں کئی اہلِ قلم بھی

صادق ہے محبت تو پریشاں نہ ہو پرویز
پگھلیں گے کسی روز تو پتھر کے صنم بھی

کرشن پرویز

کیسے کہوں کہ اُس کے اثر سے میں بچ گیا
جب زہرِ لمس میری رگ و پے میں رچ گیا

گُم صُم تھا دن کے شور میں عفریتِ آرزو
شب کو بدن کی قبر میں کہرام مچ گیا

لمحہ جو آگیا مرے فن کی پناہ میں
دیوِ فنا کی تیز نگاہوں سے بچ گیا

سو نیکیاں بھی دے کے میں اسکو خرید لوں
جُرمِ حسیں جو اُس کی نگاہوں میں جچ گیا

ہونے کو کس عظیم حقیقت کا ہے ظہور؟
ناخن ہوا کا "ذاتِ انا" تک کھرچ گیا

غلطاں رہے سراب کی طغیانیوں میں لوگ
اک میں ہی اپنے آپ میں ڈوبا تو بچ گیا

جو پاپ پُن تھے وقت کی گنگا نے دھو دیئے
اک سیلِ بے صدا میں مرا 'جھوٹ سچ' گیا

س۔ یونس

ہندوستانی لوک ناچ

تولاپور (ریاست مہاراشٹر) کا بنجارہ ناچ

ہزاروں سال پہلے کی بات ہے۔ دن بھر کے تھکے ماندے کچھ ادیواسی، اپنے گھروں کی طرف لوٹ رہے تھے کہ جنگل کے بیچ اُنھوں نے بڑا حیرتناک منظر دیکھا۔ ایک مور بالکل بے سُدھ ہو کر مورنی کے آگے رقص کر رہا تھا۔ ادیواسیوں کو مور کے اُس ناچ نے بیحد رجھایا۔ وہ اپنی ساری تکان کو بھول کر مور کا رقص دیکھنے میں محو ہو گئے اور سرشاری کے عالم میں خود بھی اُسی طرح ناچنے کی کوشش کرنے لگے مگر ناچ نہ سکے۔ تب وہ ڈرتے ڈرتے اپنے سردار کے ساتھ مور کے پاس پہنچے مور نے اُن کی درخواست قبول کر لی اور ان کو اپنا ناچ سکھایا۔ وہ خوشی خوشی گھر آئے۔ جسموں پر مور کے پنکھوں جیسے رنگ مل لیے۔ سروں پر کلغیاں سجائیں اور مور کی طرح تھرک تھرک کر ناچنے لگے۔ پھر اُنہوں نے دوسرے لوگوں کو ناچنا سکھایا اور دھیرے دھیرے اُن کا ناچ پورے ہندوستان میں پھیل گیا۔

* * *

یہ ایک عوامی قصہ ہے۔ ہمارے ملک میں اس قسم کے کئی عوامی قصے مشہور ہیں، جن میں ہندوستانی رقص کا رشتہ مور کے ناچ یا فطرت کے ساتھ جوڑا جاتا ہے۔ اِن قصوں کے علاوہ وہ متعدد مذہبی داستانیں بھی بڑی دلچسپ ہیں اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں جن میں ہندوستانی رقص کی ابتدائی تعلیم و تربیت کا سہرا براہ راست شنکر اور پاربتی کے سر باندھا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ بھرت مُنی نے برہما سے "ناٹیہ وید" کا گیان حاصل کرنے کے بعد اپسراؤں اور گندھرووُں کے اشتراک سے جو اولین ناٹک تیار کیا اُسے انہوں نے کیلاش پر شنکر کے سامنے پیش کیا۔ شنکرجی یہ ناٹک دیکھ کر خوش تو ہوئے مگر اُس میں رقص کی کمی کو اُنھوں نے بڑی طرح محسوس کیا۔ بھرت مُنی چونکہ رقص جانتے نہیں تھے اِس لیے وہ اس کمی کو دور کرنے سے قاصر رہے۔ تب شنکر نے بھرت مُنی کو اپنے تانڈو نامی شاگرد کے ذریعے تانڈو ناچ کے اور پاربتی کے ذریعے لاسیہ ناچ کے تمام آداب اور اصول سکھائے جن کی روشنی میں بھرت مُنی نے رقص میں مہارت پیدا کرکے ہندوستانی رقص کا سنگِ بنیاد رکھا اور پھر نسل در نسل یہ فن بتدریج ترقی کرتا گیا۔

بدیع الزماں خاور

ن رقص کی تاریخ کی بنیاد چاہے کسی عوامی
پر رکھی جائے، خواہ کسی مذہبی داستان پرُ
مسلّمہ ہے کہ ہندستانی رقص ایک قدیم ترین
ہے اور ہمارے خالص کلاسیکی رقص کی طرح
ہندوستانی لوک ناچوں کی روایات بھی صدیوں
ی ہیں۔

عام طور پر دیہی علاقوں میں جو رقص سالہاسال
، رائج ہوتے ہیں اُن کو لوک ناچ کہا جاتا ہے۔ یہ
ـ ناچ موروثی حیثیت رکھتے ہیں اور جماعتی یا
اندانی ورثہ کے طور پر ایک پیڑھی سے دوسری
ڑھی تک منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ لوک ناچ کی
علیم و تربیت کے لیے نہ کسی ماہرِ فن اُستاد کی ضرورت
ڑتی ہے اور نہ یہ ناچ ناچنے کے لیے کوئی خاص
نگ منچ یا اسٹیج بنانا پڑتا ہے۔ گاؤں کے آس
پاس جہاں بھی کھلی جگہ ہوتی ہے وہاں یہ ناچ چلتے
رہتے ہیں۔ چونکہ کلاسیکی رقص بڑی حد تک ایک
اکتسابی فن ہے اس لیے اس کے مقابلے میں لوک
ناچ میں جذبات کا اظہار زیادہ فطری ہوتا ہے۔
آجکل کے کچھ پیشہ ور گروہوں کو چھوڑ دیا جائے تو
کوئی لوک ناچ فن کی نمائش یا دوسروں کی تفریح
کے مقصد کو پیش نظر رکھ کر ناچا نہیں جاتا۔ زیادہ
سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ لوک ناچ کے رَتک
اپنی ذاتی تفریح کے لیے ناچتے ہیں۔ یہ اور بات
ہے کہ اُن کے ناچنے سے دوسرے دیکھنے والوں
کی بھی تفریح ہو جاتی ہے

برکھا رُت میں ناچتی ہوئی بجلیوں اور جل
دھاراؤں کو، ہوا کے جھونکوں سے ڈولتی ہوئی لتاؤں
کو، چوکڑیاں بھرتے ہوئے چرندوں کو اور پھُدکتے
ہوئے پرندوں کو دیکھئے تو ماننا پڑتا ہے کہ
رقص کا جذبہ ایک فطری جذبہ ہے۔ اگر یہ کہا جائے
تو شاید غیر مناسب نہیں ہوگا کہ رقص کا جنم بھی
کائنات کی تخلیق کے ساتھ ہی ہوا ہے اور اس
حقیقت کی روشنی میں ہندوستانی لوک ناچوں کی
ابتدا کے بارے میں اکثر ماہرینِ رقص کا یہ قیاس
زیادہ ٹھوس معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے ادیواسیوں
نے سب سے پہلے اپنے اردگرد کے قدرتی ماحول
سے متأثر ہو کر ناچنا شروع کیا ہوگا۔ اور ابتدا میں
یہ لوگ کام دیو کی تحریک پر محض اظہارِ عشق و محبت
کے لیے ہی ناچتے رہے ہوں گے اور ان کے لوک
ناچوں میں مذہبی، سماجی یا دوسرے مختلف رنگ
بعد میں شامل ہوئے ہوں گے۔ چنانچہ آج ہم
دیکھتے ہیں کہ کچھ لوک ناچ دیوی دیوتاؤں کو خوش
کرنے کے لئے ناچے جاتے ہیں۔ کچھ لوک ناچ وحشی
جانوروں کو رام کرنے کے لیے ناچے جاتے ہیں۔
کچھ لوک ناچ لڑائی میں کامیابی حاصل کرنے کے
لیے ناچے جاتے ہیں تو کچھ لوک ناچ بھوتوں کو
بھگانے کے لیے ناچے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ
کہیں کہیں ایک آدھ لوک ناچ جادو ٹونے کی
نیّت سے بھی ناچا جاتا ہے۔

جہاں تک ہندوستانی لوک ناچوں کی نوعیت
کا تعلق ہے اکثر ماہرینِ رقص نے ان کی مذہبی لوک
ناچ، سماجی لوک ناچ، جنگی لوک ناچ اور
اجتماعی لوک ناچ جیسی متعدد قسمیں قرار دی ہیں
مگر چونکہ لوک گیتوں کی طرح ہی لوک ناچوں کی
خانہ وار تقسیم بھی ایک نہایت مشکل اور پیچیدہ
کام ہے، اس لیے قدرتی طور پر لوک ناچوں کی
اِن قسموں کے تعیّن میں بھی بڑی حد تک اختلافِ
رائے پایا جاتا ہے۔ اس اختلاف سے بچنے اور
مطالعے میں آسانی پیدا کرنے کے خیال سے اس
مضمون میں ہندوستانی لوک ناچوں کو "زنانہ لوک
ناچ" "مردانہ لوک ناچ" اور "مشترکہ لوک ناچ"
کے نام سے تین خانوں میں بانٹنا زیادہ مناسب
معلوم ہوتا ہے۔

ہندوستان میں عورتوں اور مردوں کے الگ
الگ لوک ناچ بہت بڑی تعداد میں رائج ہیں۔
ان زنانہ لوک ناچوں میں جن میں صرف عورتیں ہی
حصّہ لیتی ہیں دیپک ناچ، تھالی ناچ، کجری
ناچ، جھولا ناچ، جھومر ناچ، کل ناچ، چھوٹا
ناچ، پنہاری ناچ، گربا ناچ، جھما ناچ، کوتم
ناچ، گھومر ناچ وغیرہ کافی مقبول لوک ناچ
ہیں۔ مردوں کے مشہور ہندوستانی لوک ناچوں
میں بھانگڑا ناچ، لاما ناچ، ڈوم ناچ، میور
ناچ، جھانجھر ناچ، چھاؤ ناچ، کاٹھی ناچ،
ناگا ناچ، اٹاری ناچ، پھاگ ناچ، ساگر ناچ،
ڈھول ناچ، لیزم ناچ اور بِلشاچ ناچ وغیرہ کے
نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

بعض ادیواسی جماعتوں میں عورتوں اور
مردوں کے مشترکہ لوک ناچوں کا رواج بھی پایا
جاتا ہے اور چونکہ یہ ادیواسی لوگ ملک بھر میں
پھیلے ہوئے ہیں اس لئے ہندوستان کے تقریباً
ہر علاقے میں آج بھی عورتوں اور مردوں کا کوئی
نہ کوئی مشترکہ لوک ناچ رائج نظر آتا ہے۔ پانڈو
ناچ، ڈانگا ناچ، کالی ناچ، کھلم ناچ، پالی
ناچ، والر ناچ، دانڈیا ناچ، بنجارہ ناچ، کولی
ناچ وغیرہ وہ معروف ہندوستانی لوک ناچ ہیں
جن میں مرد اور عورت دونوں ایکساتھ حصّہ
لیتے ہیں۔

عام جسمانی حرکتوں اور کھیلوں سے فطری
مطابقت رکھنے والی سیدھی سادی اداکاری کو
ہندوستانی لوک ناچوں کی سب سے بڑی خصوصیت
کہا جاسکتا ہے۔ اس اداکاری کے اعتبار سے
بھی ہندوستانی لوک ناچوں کے طور طریقوں میں
بڑا تنوّع پایا جاتا ہے۔ گجرات کے "گربا ناچ"
جیسے لوک ناچ دائرہ بناکر ناچے جاتے ہیں۔
مدھیہ پردیش کے "کرما ناچ" جیسے لوک ناچوں
میں سپاہیوں کے سے انداز میں آگے پیچھے پاؤں
ڈالتے ہوئے قواعد کی جاتی ہے۔ مہاراشٹر کے
"دِنڈی ناچ" جیسے لوک ناچ جلوس کی شکل میں
ناچے جاتے ہیں تو پنجاب کے "بھانگڑا ناچ"

می پور ہ مسنرا لوک ا ی

جیسے لوک ناچوں میں پوری آزادی کے ساتھ من چاہی جسمانی حرکات سے کام لیا جاتا ہے۔ پیشہ ور گروہوں کے ناچ کے سوا باقی تمام اجتماعی لوک ناچوں میں اداکاری کی سادگی سب سے زیادہ پائی جاتی ہے۔

ہندوستانی لوک ناچوں کی ایک اور قابلِ ذکر خوبی یہ ہے کہ اِن لوک ناچوں کے ساتھ جو گیت گائے جاتے ہیں اُن کی دھنیں بھی ہلکی پھلکی ہوتی ہیں اور جو ساز بجائے جاتے ہیں وہ بھی سادہ ہی ہوتے ہیں۔ اِن سازوں میں ڈھول، ڈفلی، نقارہ، مردنگ، جھانجھ، شہنائی، بانسری اور نفیری جیسی چیزیں شامل ہوتی ہیں۔ "ٹپری" جیسے لوک ناچوں میں تو صرف تالیاں بجانے ہی کو کافی سمجھا جاتا ہے۔

اکثر ہندوستانی لوک ناچ چونکہ "اجتماعی رقص" کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان میں بہ یک وقت کئی کئی نرتک حصہ لیتے ہیں اس لئے ان میں کسی خاص شخصیت یا کردار کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ ان ناچوں کا تعلق فرد کی بجائے جماعت سے ہوتا ہے اس لئے فطری طور پر یہ پورے سماج کی عکاسی کرتے ہیں اور مختلف معاشرتی پہلوؤں کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔

سچ پوچھئے تو جماعتی اور علاقائی خصوصیات کے اعتبار سے ہندوستانی لوک ناچ ہمارا ایک اہم قومی سرمایہ ہیں۔ یہ لوک ناچ اگر ایک طرف ہمیں کسی جاتی یا جماعت کی مذہبی، سماجی اور معاشرتی زندگی کی رنگ برنگی تصویریں دکھاتے ہیں تو دوسری طرف ہندوستان کے مختلف صوبوں کی مخصوص علاقائی تہذیب اور وہاں کے تاریخی، تمدنی اور جغرافیائی حالات سے بھی روشناس کراتے ہیں اور اس سلسلے میں ہندوستان کے خاص خاص لوک ناچوں کا ایک سرسری سا صوبہ واری جائزہ بھی کافی مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔

اُتر پردیش

اُتر پردیش میں کمایوں کا پہاڑی علاقہ یاتراؤں کے لئے بہت مشہور ہے۔ کسی بھی یاترا کے دنوں میں اس علاقے کی پوری فضا لوک گیتوں اور لوک ناچوں کے رس میں ڈوبی ہوئی نظر آنے لگتی ہے۔ چھپیلی ناچ، چانچری ناچ اور جھوڑا ناچ اس علاقے کے مقبول ترین مشترکہ ناچ ہیں۔ چھپیلی ناچ میں پریمیوں کی جوڑی ایک ہاتھ میں شیشہ اور دوسرے ہاتھ میں رومال لے کر ناچتی ہے اور "چھپیلی گیت" گاتی ہے۔ چانچری ناچ اور جھوڑا ناچ دونوں پھیری کی صورت میں ناچے جاتے ہیں۔ ان میں سے جھوڑا ناچ میں جا ہے جتنے مرد اور عورت حصّہ لے سکتے ہیں۔ گڑھوال کے علاقے میں جھومیلا، چھوپتی، تاندی، لامن اور جاگر نامی لوک ناچ زیادہ مقبول ہیں۔ چھوپتی ناچ مردوں اور عورتوں کا مشترکہ ناچ ہے جس میں پہلے اور دوسرے نرتک کا ہاتھ تیسرے نرتک کی پیٹھ پر اور دوسرے اور چوتھے نرتک کا ہاتھ تیسرے نرتک کی پیٹھ پر ہوتا ہے۔

ہاتھوں کی اس زنجیر کے گھیرے میں تمام نرتک شانے سے شانہ ملا کر دو دو قدم آگے بڑھاتے اور ایک ایک قدم پیچھے ہٹاتے ہوئے رقص کرتے ہیں۔ "جاگر ناچ" بھوتوں سے حفاظت کے لئے ناچا جاتا ہے۔ اس علاقے میں "نرسنگھ ناچ" اور "بھیرو ناچ" بھی بڑے ذوق و شوق سے ناچے جاتے ہیں۔ ان سب ناچوں میں ڈھول نقارے اور ڈمرو جیسے مختلف ساز استعمال کئے جاتے ہیں۔

دیہ دون کے علاقے میں مذہبی اور سماجی تقریبات کے موقع پر مرد اور عورتیں مشترکہ طور پر "بردی نٹی" نامی رقص کرتے ہیں جس میں عورتیں انگلیوں پر تھالیاں گھمانے کا کمال بھی دکھاتی ہیں۔ پتھوراگڑھ کے علاقے میں "وجے ناچ" بہت مشہور ہے۔ یہ رقص ویروں کی یاد میں کیا جاتا ہے اور اس میں ڈھول، جھانجھ، نفیری اور بگل وغیرہ کی آوازوں پر تلواریں چلائی جاتی ہیں اور ناچا جاتا ہے۔

اتر پردیش کے میدانی علاقے میں عموماً اور متھرا اور اس کے آس پاس کے علاقے میں خصوصاً "راس" ناچوں کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہے۔ یہ رقص رادھا کرشن اور گوپی کرشن کی لیلاؤں کی بنیاد پر کیے جاتے ہیں۔ اتر پردیش کے برج کی ہولی بھی بہت مشہور ہے جو رنگوں کے ساتھ ساتھ گیتوں اور ناچوں سے بھی بھری ہوتی ہے۔ اتر پردیش کے گوالوں، کہاروں، چماروں، دھوبیوں اور گڈریوں کے لوک ناچ بھی بڑے پیارے ہوتے ہیں۔ یہاں کے زنانہ ناچوں میں کجری ناچ، جھولا ناچ، ہولی ناچ اور تھالی ناچ، مردانہ ناچوں میں کہروا ناچ، ڈوم ناچ، پاسی ناچ اور مشترکہ ناچوں میں لامن ناچ، دیوی ناچ، ہولی ناچ، پانڈو ناچ، ناگرما ناچ وغیرہ بھی قابل ذکر ہیں۔ اتر پردیش کے اکثر لوک ناچوں کا مذہبی داستانوں کے ساتھ بڑا گہرا رشتہ ہوتا ہے۔

اڑیسہ

اڑیسہ میں کوراپوٹ اور گنجم کے پہاڑی علاقوں میں مختلف ادیواسی جماعتوں کے لوگ آباد ہیں۔ ان لوگوں کے لوک ناچ زیادہ تر مذہبی اور سماجی نوعیت کے ہوتے ہیں اور یہ لوگ عام طور پر جلوس ہی کی شکل میں رقص کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے ناچنے کا بھی کوئی مخصوص ڈھنگ نہیں ہوتا۔ یہ لوگ ہاتھ میں تلوار، لاٹھی، مور چھل یا چھتری لے کر، کبھی چلتے ہوئے، کبھی دوڑتے ہوئے، کبھی کودتے ہوئے، کبھی لنگڑاتے ہوئے اور کبھی ہاتھ ہلاتے ہوئے رقص کرتے ہیں۔ ان کے ناچوں میں نقاروں، نفیریوں اور جھانجھروں کا بازار بھی بڑا گرم ہوتا ہے اور خود رقص کرنے والے نرتک بھی۔ بیچ بیچ میں زور زور سے صدائیں لگاتے رہتے ہیں۔
اڑیسہ کی بھوئیا جاتی کے مشترک لوک ناچوں میں کرم ناچ اور جدور ناچ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے "کرم ناچ" شیوجی کو خوش کرنے کے لئے اور "جدور ناچ" "برد بونگا" دیوی کو منانے کے لئے ناچا جاتا ہے۔ یہاں کے جوانگ نامی ادیواسی لوگوں کا پنچھی ناچ سب سے زیادہ قابل دید ہوتا ہے۔ یہ اڑیسہ کا ایک مشترکہ لوک ناچ ہے اور اس میں مختلف پرندوں کی نہایت کامیاب نقالی کی جاتی ہے۔ "پائیک ناچ" یہاں کا سب سے مشہور مردانہ لوک ناچ ہے۔ یہ ایک جنگی رقص ہے اور الاؤ کے گرد کیا جاتا ہے۔ ان ناچوں کے علاوہ اڑیسہ کے زنانہ لوک ناچوں میں مُریا جاتی کی عورتوں کا کس ناچ، مردانہ ناچوں میں مندری ناچ اور مشترکہ لوک ناچوں میں کونڈھ ناچ اور چھو ناچ بھی قابل ذکر ہیں۔

آسام

آسام اور اس سے ملحق ناگالینڈ، منی پور وغیرہ کے علاقے کو ہندوستانی لوک ناچوں کا بھنڈار کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ یہاں کے ناگاؤں میں جتنے لوک ناچ رائج ہیں اتنے لوک ناچ ہندوستان کے کسی اور علاقے میں شاید ہی پائے جاتے ہونگے۔ کھاسی پہاڑیوں میں رہنے والے کھاسی جاتی کے ناگاؤں کا مذہبی لوک ناچ "لونگ کریم" خاص طور پر دلچسپ ہوتا ہے۔ مرد اور عورت دونوں اس ناچ میں حصہ لیتے ہیں۔ عورتیں نظریں نیچی کیے ہوئے دھیرے دھیرے پاؤں ہلاتی رہتی ہیں اور مرد پالک بیلوں کی دُم پکڑ کر اُن کے اطراف ناچتے رہتے ہیں۔ کھاسی ناگا، بسنت کے دنوں میں بھی بڑا خوبصورت رقص کرتے ہیں۔
آسام کی بونڈو جاتی میں "بوئی سانکھو" اور "موساگلانگنائی" نام کے مشترکہ لوک ناچ مقبول ہیں۔ ان میں سے مؤخر الذکر مذہبی نوعیت کا لوک ناچ ہے۔ یہ رقص کرتے وقت مرد اپنے ہاتھوں میں ڈھال اور تلوار رکھتے ہیں اور اس میں ڈھول، سارنگی اور بانسری جیسے ساز استعمال کیے جاتے ہیں۔ بونڈو ناگاؤں کے لوک ناچوں میں ہبجائی ناچ، بیساکھو ناچ، بہو ناچ اور نٹ پوجا ناچ بھی مشہور ہیں۔ ان میں سے ہبجائی رقص شادی بیاہ کے موقعوں پر کیا جاتا ہے۔ دیماساکاری جاتی کے ناگا مرد و زن مذہبی اور سماجی تقریبات میں اسی نام کا ایک رقص مشترکہ طور پر کرتے ہیں۔ میزو ناگاؤں کے مشترکہ لوک ناچوں میں "کھلم ناچ" سب سے زیادہ مشہور ہے۔ رینگما جاتی کے ناگا "آکھو" کے تہوار پر پانچ دنوں تک "رینگما" رقص کرتے ہیں۔ اس رقص کے وقت وہ اپنے سروں کو پروں سے سجاتے ہیں اور کوڑیوں سے بنا ہوا لباس پہنتے ہیں۔ آؤ جاتی کے ناگا مچھلی ناچ ناچتے ہیں جو "انگا نملو" کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ نیفا کے اطراف میں "روپی" نام کا لوک ناچ رائج ہے۔ یہ رقص دشمن پر فتح حاصل کرنے یا ببر شیر کا شکار کرنے کے بعد اظہارِ مسرت کے لئے کیا جاتا ہے۔ اس علاقے کا "یاک ناچ" بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ لکھیم پور، شیوساگر، نوگونگ اور دارانگ ضلعوں میں "بیہو ناچ" کا عام رواج ہے۔ آسام کے مردانہ لوک ناچوں میں "ہچاری ناچ" بہت ہی مقبول ہے۔ یہ رقص عموماً کسی دیہاتی کے گھر کے سامنے کھلے آنگن میں کیا جاتا ہے۔ جنوبی آسام میں کرشن لیلا کی بنیاد پر "کیلی گوپال" نامی رقص کیا جاتا ہے۔ آسام کے دوسرے زنانہ لوک ناچوں میں "لتامالو" اور مردانہ لوک ناچوں میں "پشاچ ناچ" بھی قابلِ ذکر ہیں۔
منی پور کے ناگاؤں میں "مارن ماہون" ناچ کا رواج عام ہے۔ یہ رقص لڑائی یا شکار میں کامیاب ہونے والے ویر ناگاؤں کے اعزاز میں کیا جاتا ہے۔ اس رقص کے نرتکوں کے ہاتھوں میں لال اور سفید رنگ کے پھول

ہوتے ہیں اور وہ شکاریوں کی پوشاک پہن کر ناچتے ہیں - اِن ناگاؤں کے مشترکہ لوک ناچوں میں کسوم کھلین، بان سین گائے اور ہینگنا گا تنا اور مردانہ لوک ناچوں میں گلان لام، راکھال ناچ وغیرہ مشہور لوک ناچ ہیں۔ منی پور کے دوسرے لوک ناچوں میں مہاراس، بسنت راس، کنج راس، دیوا راس، نٹن راس وغیرہ کے نام خصوصیت کے ساتھ لئے جاتے ہیں۔ یہ سبھی رقص مشترکہ طور پر کئے جاتے ہیں۔ "لائی ھروبا" منی پور کا سب سے قدیم اور مقبول ترین لوک ناچ مانا جاتا ہے۔ یہ رقص فصلوں کی بوائی سے پہلے شروع کیا جاتا ہے اور پندرہ دن تک چلتا رہتا ہے۔ اس میں کُل بارہ بھاس ہوتے ہیں۔ اس رقص میں ڈھول، بانسری، گھنٹہ اور پینا جیسے ساز استعمال کئے جاتے ہیں۔ منی پور کے کم و بیش تمام لوک ناچوں پر اس رقص کے کچھ نہ کچھ اثرات پائے جاتے ہیں۔

تریپورہ کے کسانوں کا سب سے پسندیدہ رقص "جریگان ناچ" ہے۔ یہ مردانہ ناچ وہاں کا سب سے پرانا سماجی لوک ناچ ہے۔ تریپورہ کے مشترکہ لوک ناچوں میں "ری آنگ ناچ" قابلِ ذکر ہے۔

آندھرا پردیش

ہندوستان کے ایک کلاسیکی رقص کی حیثیت سے آندھرا پردیش کا "کچی پڑی" رقص کافی مشہور ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہاں کے لوک ناچوں کو کچھ زیادہ مقبولیت حاصل نہیں ہے۔ حالانکہ یہاں بھی مختلف جماعتوں کے ادیواسی لوگ آباد ہیں اور ان لوگوں میں بھی متعدد لوک ناچ رائج ہیں۔ بُلی ناچ، گدبا ناچ اور میورناچ کو آندھرا پردیش کے خوبصورت لوک ناچوں کی مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ یہاں کے ہریجن "ڈپّو وادیم" نامی رقص کرتے ہیں۔

پنجاب کے لوک ناچ "بھانگڑا" کا ایک منظر

حیدرآباد میں جو سِدّی لوگ آباد ہیں وہ بھی رقص کرتے ہیں۔ البتہ ان لوگوں کے زیادہ تر ناچ صرف مردانہ ہی ہوتے ہیں۔

آندھرا پردیش کے بنجارے ہولی کے موقع پر رات کے وقت آگ جلاکر اس کے گرد ناچتے ہیں۔ اِس "بنجارہ ناچ" میں عورت اور مرد دونوں حصہ لیتے ہیں۔ آندھرا پردیش کے مردانہ لوک ناچوں میں "میورناچ" سب سے زیادہ قابلِ دید ہوتا ہے۔ آراکو جاتی کے لوگ اپنی پگڑیوں میں مور کے پنکھ سجا کر یہ رقص کرتے ہیں اور مرد اور عورتیں محبت کے گیت گاتے ہیں۔ یہاں کے زنانہ لوک ناچوں میں باکیما، گُمی، کولٹم اور لمبڈی ناچ قابلِ ذکر ہیں۔

بنگال

جھومر ناچ، ڈھالی ناچ اور کاٹھی ناچ بنگال کے مشہور لوک ناچ ہیں۔ "ڈھالی ناچ" ایک جنگی لوک ناچ ہے۔ کسی زمانے میں بنگال میں جو ڈھالی فوج رہا کرتی تھی، یہ رقص اُسی کی یادگار ہے۔ کاٹھی ناچ مردانہ رقص ہے۔ ہاتھوں میں چھوٹی چھوٹی ڈنڈیاں لے کر اُن کے تال پر پھیری کی شکل میں یہ رقص کیا جاتا ہے۔ "جھومر" رقص شیو۔ درگا اور دوسرے دیوی دیوتاؤں کی پوجا کے وقت کیا جاتا ہے۔ یہاں کے بیراگیوں کا "باؤل ناچ" بھی مشہور ہے۔ یہ ناچ گیروے رنگ کے کپڑے پہن کر ناچا جاتا ہے۔ بنگال کے مشترکہ لوک ناچوں میں "کالی ناچ" قابلِ ذکر ہے۔ بنگال کے لوک ناچ درباری یا دیوداسی رقص کے اثرات سے محفوظ ہونے کی وجہ سے یہاں لوک ناچوں کا بالکل اصلی رنگ روپ دکھائی دیتا ہے۔

بہار

بہار میں میتھلا علاقے کے لوک ناچ عموماً مذہبی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ یہ رقص ڈھول، جھانجھ، پکھاوج اور نقارہ جیسے سازوں کی لے پر کئے جاتے ہیں۔ ان لوک ناچوں میں رام لیلا ناچ، کنج واسی ناچ، بھگتا ناچ، بکھونا ناچ، برج واسی ناچ، بنسی ناچ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اس علاقے کے دوسرے مشہور لوک ناچوں میں موچیوں کے "جارنٹوا" کولیوں کے "مہرائی" ناچ، مُشاہیر جاتی کے "سلہوش" ناچ اور مسلمانوں کے "جھرنی ناچ" کے نام خاص طور پر لئے جا سکتے ہیں۔

جنوبی بہار میں سنتھال، اُراؤں اور مُنڈا جیسی کئی جاتیوں کے ادیواسی لوگ رہتے ہیں سنتھال ادیواسی چھوٹا ناگپور کی پہاڑیوں اور جنگلوں میں کثرت سے آباد ہیں۔ ان لوگوں میں متعدد لوک ناچ رائج ہیں۔ یہ لوگ اپنے رقص میں شکار، کھیتی باڑی، جھونپڑی بنانے کے عمل کی بڑی خوبصورت اداکاری کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے لوک ناچوں میں کرما ناچ، برو ناچ اور ڈانگا ناچ مشہور ہیں۔ اُراؤں اور مُنڈا جاتی کے لوگوں کے ناچنے کا ڈھنگ تقریباً یکساں ہوتا ہے۔ یہ لوگ رقص کے لئے خوانگاہ کے سامنے ہی "اکھاڑہ" کے نام سے ایک آنگن بناتے ہیں جس کا محیط چالیس فٹ ہوتا ہے۔ یہ اکھاڑے کے درمیان ایک کھمبا اور پتھر گاڑا جاتا ہے۔ ان لوگوں کو تھوڑی سی شراب ملجائے تو یہ رات رات بھر بھی ناچتے رہتے ہیں۔ جاترا کے دنوں میں ان کے مرد اور عورتیں مل کر پہلے [illegible] ناچتے ہیں اور پھر دوسرے رقص کرتے [illegible] میں "جدورہ" رقص کیا [illegible]تا ہے جو اس علاقے کا سب سے مقبول لوک ناچ ہے۔ اس میں مرد اور عورتیں سب حصہ لیتے ہیں۔ اسُر جاتی کے ادیواسی دن بھر محنت کرنے کے بعد رات کے وقت نقارے اور مانڈل کے تال پر "ڈول" رقص کرتے ہیں۔ رانچی ضلع کے لوک ناچوں میں "اِندیل ناچ" مشہور ہے۔ مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر عموماً نومبر۔ دسمبر کے مہینوں میں یہ رقص کرتے ہیں۔ بہار کے سرائے کیلا اور کھارسوان علاقے میں "چھاؤ ناچ" سب سے زیادہ مقبول ہے۔ یہ رقص مکھوٹے (مصنوعی چہرے) لگا کر کیا جاتا ہے۔ اس علاقے میں "چھاؤ ناچ" کی قسم کے جو مختلف لوک ناچ رائج ہیں اُن میں میور ناچ، ساگر ناچ، سَرپ ناچ اور ناوِک ناچ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ بہار کے زنانہ لوک ناچوں میں جھومر ناچ، مردانہ لوک ناچوں میں ناردی ناچ اور مشترکہ لوک ناچوں میں پیکا ناچ، ماگھے ناچ اور دھنگر ناچ بھی مشہور ہیں۔

پنجاب

"بھانگڑا ناچ" پنجاب کے میدانی علاقے کا مقبول ترین مردانہ لوک ناچ ہے۔ اس ناچ کے نرتک رنگ برنگی پوشاکیں پہنتے ہیں اور ڈھول بجانے والے سازندوں کے اطراف دائرہ بنا کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر رقص کی نگرانی کرنے والا مکھیہ نرتک آگے بڑھ کر "بولا" یا "بولی" گاتا ہے اور تب دوسرے نرتک بھی گانا اور ناچنا شروع کرتے ہیں۔ رقص کرتے وقت یہ نرتک کبھی گول گول چکر لگاتے ہیں، کبھی کودتے ہیں، کبھی تالیاں بجاتے ہیں، کبھی رومال لہراتے ہیں اور کبھی ایک دوسرے کے کندھے پر بھی کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اس ناچ میں "اوہ بلّے بلّے بھائی" جیسی صدائیں بھی لگائی جاتی ہیں۔ پنجابی عورتوں کا "گدھا ناچ" بھی یہاں کے بھانگڑا کی طرح ہی مشہور ہے۔ یہاں کے دوسرے مردانہ لوک ناچوں میں "لُڈی ناچ" خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ شلوار اور جاکٹ میں ملبوس مرد پھرکیوں کی طرح گھومتے ہوئے یہ رقص کرتے ہیں۔ بعض اوقات ہاتھوں میں چھوٹی چھوٹی ڈنڈیاں لے کر بھی یہ رقص کیا جاتا ہے۔ پنجاب کا "جھومر ناچ" بھی بڑا خوبصورت ہوتا ہے۔ یہ رقص چاندنی راتوں میں گیہوں کی جھومتی ہوئی بالیوں کی طرح دھیرے دھیرے لہراتے ہوئے کیا جاتا ہے۔ کبھی کبھی اس رقص میں عورتیں بھی شریک ہوتی ہیں۔ البتہ اسکے لئے ان کا شادی شدہ ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ دسہرہ کے تہوار پر یہاں کے لوگ کالی ٹوپیاں، چنٹ دار پائجامے اور لمبے لمبے اونی انگرکھے پہنتے ہیں، اور ہاتھوں میں تلواریں لے کر ناچتے ہیں۔ سرما کے موسم میں یہاں "لاہلڑی" رقص کیا جاتا ہے۔ یہ مردوں اور عورتوں کا مشترکہ لوک ناچ ہے اور اس علاقے میں اسے بڑی مقبولیت حاصل ہے۔

تامل ناڈو

تامل ناڈو کے مغربی حصے میں "کڈگم اٹم" نامی لوک ناچ خاص طور پر مقبول ہے۔ یہ عورتوں اور مردوں کا مشترکہ لوک ناچ ہے۔ پھولوں سے سجائے ہوئے پیتل کے گھڑے سروں پر رکھ کر ڈھول اور نفیری کی تال پر یہ رقص کیا جاتا ہے۔ اس رقص کا سب سے زیادہ سحر کن منظر وہ ہوتا ہے جب ان گھڑوں کو ہاتھ لگائے بغیر سر کے اوپر ہی اوپر گھمایا جاتا ہے۔ یہ رقص عام طور پر فصلوں کی کٹائی کے بعد کیا جاتا ہے۔

تامل ناڈو کے کسانوں کا "پنل اٹم" نامی لوک ناچ بھی کافی مشہور ہے۔ مرد اور عورتیں ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر پھیری کی صورت میں یہ رقص کرتے ہیں۔ اس رقص کے وقت مرد اپنی پگڑیوں میں تاڑ کے پتے سجاتے ہیں اور عورتوں کے ہاتھوں میں جھنڈیاں ہوتی ہیں۔ تامل ناڈو کے زنانہ لوک ناچوں میں کولٹم اور کردنجی اور مردانہ لوک ناچوں

میں چندو ناچ اور اُشو ناچ بھی قابل ذکر ہیں۔

راجستھان

جغرافیائی اعتبار سے راجستھان کا جودھپور-بیکانیر کی طرف کا ریگستانی علاقہ نسبتاً کم آباد علاقہ ہے۔ چونکہ اس علاقے کے لوگوں کو اپنی ضروریاتِ زندگی مہیا کرنے کے لئے سخت محنت کرنی پڑتی ہے اس لئے قدرتی طور پر یہاں کے عام باشندوں کو ناچ گانوں کے لئے وقت نکالنا مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ اس ریگستانی علاقے کے لوگ راجستھان کی باوریا، کہار، کاھڈ، ڈولی، بھاٹ اور ڈومباری جیسی پیشہ ور جاتیوں کے لوک ناچ دیکھ لینا ہی زیادہ پسند کرتے ہیں۔ ان جاتیوں کے لوک ناچوں میں 'ڈھول ناچ' اگنی ناچ' کان گوجری، کچھی گھوڑی وغیرہ مشہور ہیں۔ "اگنی ناچ" بیکانیر کے نواحی علاقے میں خاص طور پر مقبول ہے۔ "ڈھول ناچ" میں ایک ساتھ تین تین چار چار ڈھول بجاتے ہیں اور رقص کرنے والے نرتکوں میں سے ایک کے ہاتھ میں تلوار ہوتی ہے، ایک کے ہاتھ میں لاٹھی ہوتی ہے اور ایک کے بازوؤں میں رومال لٹکایا جاتا ہے۔ "کچھی گھوڑی" رقص کاٹھ کے گھوڑے پر سوار ہوکر کیا جاتا ہے۔

کوٹہ، اودے پور اور جھالا واڑ کے پہاڑی علاقوں میں جو ادیواسی لوگ آباد ہیں ان میں بھی مختلف لوک ناچ رائج ہیں اور پنہاری ناچ، گیر ناچ، گھمر ناچ، پنجا ناچ، والر ناچ وغیرہ کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ اس علاقے کے بھیل ادیواسیوں کا گوری ناچ سب سے زیادہ مشہور ہے۔ یہ رقص آشون کے مہینے میں شیو کی پوجا کے وقت کیا جاتا ہے۔ ان لوک ناچوں کے علاوہ راجستھان کے زنانہ لوک ناچوں میں کھیڈیا ناچ، لور ناچ، مردانہ لوک ناچوں میں بھوپا ناچ، دھال ناچ، داندیا ناچ اور مشترکہ لوک ناچوں میں جھومر ناچ اور رتن باجانا ناچ بھی قابل ذکر ہیں۔

کتھاکلی ناچ (کیرالا) کا ایک منظر

کرناٹک

بالکت ناچ کرناٹک کا سب سے مشہور مردانہ لوک ناچ ہے۔ فصلوں کی کٹائی اور مختلف تہواروں کے موقع پر ڈوڈانوا جاتی کے لوگ رنگ برنگی پوشاکیں پہن کر یہ رقص کرتے ہیں۔ یہاں کے مردانہ لوک ناچوں میں کڈبی ناچ اور چکے ناچ اور زنانہ لوک ناچوں میں میرا ناچ وغیرہ بھی قابل ذکر ہیں۔

جنوبی کرناٹک میں پوجا کُنِت کے نام سے ایک مذہبی لوک ناچ بہت مقبول ہے۔ اس ناچ میں طرح طرح کے کپڑوں اور گہنوں سے آراستہ کی ہوئی مریما دیوی کی مورتی ایک نرتک کے سر پر رکھتے ہیں اور دوسرے نرتک اس کے گرد گھومتے ہوئے رقص کرتے ہیں۔ رقص کرنے والے نرتکوں کے ہاتھوں میں کافی لمبی لمبی لاٹھیاں ہوتی ہیں جن پر رنگین کپڑا لپیٹا جاتا ہے۔

مغربی کرناٹک میں متعدد اسُروں کی پوجا کا رواج ہے۔ ان اسُروں کے نام پر قسم قسم کے رقص کئے جاتے ہیں۔ یہاں کا پشاچ ناچ بھی کافی مشہور ہے۔

کشمیر

کشمیر کے ایک قدیم اور مقبول لوک ناچ کی حیثیت سے "حفیظہ نغمہ" خاص طور پر قابل ذکر ہے

مسلمان دوشیزائیں دیوداسیوں کے انداز میں رقص کیا کرتی تھیں اور اس کے ساتھ صوفیانہ کلام گایا کرتی تھیں۔ اب اس رقص کا رواج کم ہوگیا ہے اور اس کی جگہ "بچہ نغم" نامی لوک ناچ نے لے لی ہے جو اس وقت کشمیری عوام کا مقبول ترین رقص ہے۔ یہ رقص کرنے والے کم عمر لڑکے عورتوں کی طرح بال بڑھاتے ہیں اور حفیظ نغم کی نرتکیوں جیسا لباس پہن کر بالکل انھیں کے انداز میں ناچتے ہیں۔ نرتک لڑکے کے علاوہ اس کی ٹولی میں اور چھ افراد ہوتے ہیں جو رباب، سارنگی، شہنائی اور ڈھول جیسے ساز بھی بجاتے ہیں اور کوئی نغمہ، غزل، لوک گیت یا 'کلام' گانے میں اس کا ساتھ بھی دیتے ہیں۔

کشمیر کی دانتی جانی کے لوگوں میں " ڈمہل ناچ " رائج ہے جو خالص مردانہ لوک ناچ ہے۔ اس رقص کے لئے مرد رنگین پوشاکیں اور کوڑیوں اور سیپیوں سے سجی ہوئی اونچی ٹوپیاں پہن کر ہاتھوں میں جھنڈیاں لئے ہوئے رقص کے لئے چُنی ہوئی جگہ پر آتے ہیں اور جھنڈیوں کو زمین پر رکھ کر ان کے گرد گھومتے ہوئے رقص کرتے ہیں۔ کشمیر کے بھانڈ لوگوں میں "پاتھیر" نامی لوک ناچ کا رواج عام ہے اور ڈوگرا جاتی کے لوگ پنجاب کا بھانگڑا ناچ بڑے ذوق و شوق کے ساتھ کرتے ہیں۔ شمال کے پہاڑی علاقے کا "کڈّو ناچ" بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ لداخ کے لاما' مکھوٹے لگا کر عموماً کسی جاتک کہانی کی بنیاد پر رقص کرتے ہیں۔ جموں میں "چھجا ناچ" خصوصیت کے ساتھ مقبول ہے۔ یہ رقص سرما کے موسم میں کیا جاتا ہے۔ دن کے وقت رنگین کاغذ کا مور بنا کر اس کے گرد ناچتے ہیں اور رات کے وقت سردی سے بچنے کے لئے مور کی جگہ الاؤ جلا کر اس کے اطراف گھومتے ہوئے یہ رقص کرتے ہیں۔ کشمیر کے مشترکہ لوک ناچوں میں " جکٹ " ناچ قابلِ ذکر ہے۔ اس رقص میں کوئی ساز استعمال نہیں کرتے اور یہ مہاراشٹر کے "پھگڑی" نامی زنانہ لوک ناچ سے بڑی حد تک مشابہت رکھتا ہے۔

کیرل

کیرل کتھاکلی کی سرزمین ہے اس لئے فطری طور پر یہاں کے اکثر لوک ناچوں میں بھی اِس کلاسیکی رقص کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ یہاں کا " تھلّل " لوک ناچ بہت ہی مشہور ہے۔ اسے غریبوں کی کتھاکلی بھی کہا جاتا ہے۔ روایتی اعتبار سے یہ رقص کشمیر کے حفیظ نغم سے بڑی مطابقت رکھتا ہے۔ مندروں کے علاوہ امیروں کے گھروں میں بھی یہ رقص کیا جاتا ہے' اس لئے اسے اجتماعی لوک ناچ کی بجائے ایک پیشہ ورانہ عوامی رقص کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ کیرل کے مذہبی لوک ناچوں میں " کلیتم " اور "کنیا کلی" خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں سے کنیا کلی درگا پوجا کی سالانہ تقریبات میں کیا جاتا ہے۔ یہ رقص عموماً تین روز تک جاری رہتا ہے اور اس میں کالی' شیو اور سُبرامنیم کے گیت گائے جاتے ہیں۔ کالی ماتا اور بھگوتی کی پوجا کے وقت کئے جانے والے یہاں کے دوسرے مذہبی لوک ناچوں میں تھیراٹیم' تیاٹم اور پریان کلی وغیرہ کے نام لئے جا سکتے ہیں۔ یہاں کے جنگلی لوک ناچوں میں دیل کلی اور پکیار کلی سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ پال گھاٹ کے جنگلوں میں رہنے والے اکڈ جاتی کے لوگ الیکا کردی رقص کرتے ہیں۔ کول کلی ناچ کو کیرل کا سب سے زیادہ خوبصورت اور مقبول ترین لوک ناچ کہا جا سکتا ہے۔ اِس رقص کی ایک قابلِ ذکر خوبی یہ ہے کہ یہ رقص موپلا ذات کے مسلمان کرتے ہیں مگر اسکے گیت ہندو دیوتاؤں کے بارے میں ہی ہوتے ہیں۔ اس رقص میں آٹھ سے چالیس تک چاہے جتنے نرتک حصہ لے سکتے ہیں۔ اونچی جگہ پر ایک بڑی سی شمع روشن کرکے سب نرتک اس کے گرد بیٹھ جاتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں ڈنڈیاں ہوتی ہیں۔ یہ لوگ پہلے کوئی گیت چھیڑتے ہیں اور ڈنڈیوں کے ذریعہ تال پیدا کرتے ہیں اور پھر کھڑے ہوکر ناچنے لگتے ہیں۔ ایک رقص پورا ہوتا ہے تو شمع کو سلام کرنے کے بعد دوسرا رقص شروع کردیتے ہیں۔

گجرات

گجرات کے لوک ناچ عموماً مذہبی اور سماجی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ دیہاتیوں کی طرح یہاں کے شہری لوگ بھی لوک ناچوں کے بڑے رسیا ہوتے ہیں۔ یہاں کے زنانہ لوک ناچوں میں "گربا" ناچ سب سے زیادہ مشہور ہے۔ ایک ہنڈی (جس میں گیہوں بوئے جاتے ہیں) اور دیپ درمیان رکھ کر عورتیں یہ رقص کرتی ہیں۔ گجرات کے مردانہ لوک ناچوں میں "گربی" ناچ قابلِ ذکر ہے۔ یہ رقص بھی گربا ناچ کی طرح ہی کیا جاتا ہے' البتہ یہ خالص مذہبی نوعیت کا رقص ہے اور صرف نوراتر کے موقع پر ہی کیا جاتا ہے۔ گجرات میں گربا ناچ کی ایک قسم "ہیچ" کے نام سے اور گربی ناچ کی ایک قسم "ہانچی" کے نام سے بھی پہچانی جاتی ہے۔ "دانڈیا راس" یہاں کا ایک اور اہم لوک ناچ ہے۔ عام طور پر یہ رقص مرد ہی کرتے ہیں مگر کبھی کبھی عورتیں بھی اس میں شریک ہوتی ہیں۔ یہ رقص کرشن اور گوپیوں کی لیلاؤں کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ گجرات کے ماہیر جاتی کے کسان "کھُچادٹی" رقص کرتے ہیں۔ اس رقص کے وقت نرتک لال پگڑی' سفید پائجامہ اور سفید انگرکھا پہنتے ہیں اور شہنائی اور نقارے بجائے جاتے ہیں۔

سوراشٹر کے علاقہ میں گوپھ گنتھن اور پادھر نامی لوک ناچ رائج ہیں۔ پادھر ناچ میں گیت گاتے ہوئے ناؤ چلانے کے عمل کی اداکاری کی جاتی ہے۔

مدھیہ پردیش

مدھیہ پردیش کے گونڈ ادیواسیوں کا کرما ناچ خاص طور سے مشہور ہے۔ یہ ایک مشترکہ

لوک ناچ ہے۔ عورتیں اور مرد الگ الگ صفیں بناکر آمنے سامنے کھڑے ہوجاتے ہیں اور پھر کرما گیت گاتے ہوئے سپاہیوں کے سے انداز میں قواعد کرتے ہیں۔ یہاں کے ادیواسیوں کے مردانہ لوک ناچوں میں 'سیلا ناچ' اور 'اٹاری ناچ' بھی مشہور ہیں۔ گونڈ لوگ اپنے پیروں سے لمبی لمبی لاٹھیاں باندھ کر ان کے سہارے جو 'کاٹھی گھوڑا' رقص کرتے ہیں وہ خصوصیت کے ساتھ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ کرما ناچ کی قسم کا ہی ایک اور مردانہ لوک ناچ بھی مدھیہ پردیش میں رائج ہے جسے ڈھریا ناچ کہتے ہیں۔ اس رقص کے وقت مرد سفید دھوتیاں اور رنگین پگڑیاں استعمال کرتے ہیں اور عورتیں کرگھوں پر بُنے ہوئے خاص قسم کے کپڑے پہنتی ہیں اور گلے میں کوڑیوں کی مالا ڈالتی ہیں۔ مدھیہ پردیش کے بنجارے "لانگی" رقص کرتے ہیں۔ یہاں کے زنانہ لوک ناچوں میں "چھوٹا ناچ" مردانہ لوک ناچوں میں "پھاگ ناچ" اور مشترکہ لوک ناچوں میں "گوڈو ناچ" اور "گوچا ناچ" بھی قابلِ ذکر ہیں۔ یہاں کے اکثر لوک ناچوں میں راجستھان، سوراشٹر اور مہاراشٹر کے رقص کے اثرات دکھائی دیتے ہیں۔

مہاراشٹر

مہاراشٹر میں اشاڑھی اور کارتکی ایکادشی کے موقعہ پر "ڈنڈی ناچ" اور گوکل اشٹمی کے موقع پر "دہی ہانڈی" یا "دہی کالا" رقص کیا جاتا ہے یہاں کے مشترکہ لوک ناچوں میں رادھا ناچ، کولی ناچ، گوری ناچ، مردانہ لوک ناچوں میں لیزم ناچ اور زنانہ لوک ناچوں میں ٹپری ناچ اور گوپھ ناچ خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ یہاں کی ادیواسی جماعتوں میں ڈھول ناچ، تارپے ناچ، تنبورہ ناچ، رتھ ناچ اور گھیر ناچ وغیرہ کا عام رواج ہے۔ ہولی یا شمگے کے تہوار پر مہاراشٹر

گجرات کا گربا ناچ

میں کیا جانے والا نکٹا ناچ خاص طور پر دلچسپ اور تفریحی ہوتا ہے۔ یہاں بنگال کے کاتھی ناچ اور گجرات کے داندیا راس سے ملتا جلتا ایک لوک ناچ بھی رائج ہے جسے "کاٹھ کھیل" کہتے ہیں۔ گھاٹ کے علاقے میں گجے ناچ یا گجا ناچ سب سے زیادہ مقبول ہے۔ یہ رقص دھنگر جاتی کے لوگ کرتے ہیں۔ یہاں کے ادیواسیوں کا دھاندری ناچ بھی قابل دید ہوتا ہے۔ مہاراشٹر کے دوسرے زنانہ لوک ناچوں میں "جھما ناچ" نیز "پنگا" اور مردانہ لوک ناچوں میں "داندر ناچ" "سنکاسُر ناچ" اور "ڈیرا ناچ" بھی مشہور اور مخصوص علاقائی خصوصیات کے حامل ہیں۔

ہماچل پردیش

"سنگلا ناچ" ہماچل پردیش کا ایک قابلِ ذکر مشترکہ لوک ناچ ہے۔ یہ رقص مقامی دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں جو "باکیانگ" "ڈاکیانگ" اور "کاکیانگ" کے نام سے مشہور ہیں۔ فصلوں کے موسم میں یہاں "کھیڈا" نامی مشترکہ رقص کیا جاتا ہے۔ یہاں کا "جھانجھر" نامی مشترکہ لوک ناچ بھی کافی مشہور ہے۔ یہ رقص شہنائی، ڈھول، بگل، نقارہ اور بانسری کی تال پر کیا جاتا ہے اور یہ رقص کرتے وقت "وارنگ سارنگ" نامی گیت گائے جاتے ہیں۔ ہماچل پردیش میں کانگڑہ کی وادی کے گڈریوں کا "دیپک ناچ" بھی بڑا خوبصورت ہوتا ہے۔ عورتیں اور مرد علیحدہ علیحدہ طور پر یہ رقص کرتے ہیں۔ شانت ناچ، گھماٹی ناچ، ناٹی ناچ وغیرہ یہاں کے قابلِ ذکر مشترکہ لوک ناچ ہیں۔

★

لوک ناچوں کے اس مختصر اور اجمالی جائزہ سے اس بات کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے دیس کی سرزمین عوامی ادب و ثقافت کی دولت سے کس قدر مالا مال ہے!

(مراٹھی سے تلخیص)

غزل

حسرت
جے پوری

قریب آؤ بہاروں کی گفتگو چھیڑو
گلے لگاؤ سہاروں کی گفتگو چھیڑو

پری جمال یہ موسم ہے پیار کرنے کا
یہاں تو پیار کے ماروں کی گفتگو چھیڑو

حنائی ہاتھ رکھو پہلے دل کی دھڑکن پر
پھر اُس کے بعد شراروں کی گفتگو چھیڑو

اندھیری رات تو رو رو کے ہم نے کاٹی ہے
جو ہو سکے تو ستاروں کی گفتگو چھیڑو

لپٹ رہی ہیں گھٹائیں نشیلے پربت سے
نظر نواز نظاروں کی گفتگو چھیڑو

ندی کے جیسے کے ساحل کبھی نہیں ملتے
لبوں کے سُرخ کناروں کی گفتگو چھیڑو

تم اپنی زُلف کا یہ آبشار گرنے دو
ہمیں بھگو دو، پھواروں کی گفتگو چھیڑو

ہر ایک شاخ کے ہاتھوں میں ساغرِ گُل ہے
بس آج بادہ گساروں کی گفتگو چھیڑو

بس اتنا مان لو کہنا تم اپنے حسرت کا
لگا دو آگ چناروں کی گفتگو چھیڑو

۱

معلوم ہوا ہے کہ مدھیہ پردیش کے کسی
ہر میں ایک بکری سلمہا نے ایک آدمی نما بچّے
، ولادت کا کارنامہ انجام دیا۔ اسے کہیے :
دمی تو اب فیملی پلاننگ کر رہے ہیں کہ آبادی
ہ کم ہو اور دوسری طرف بکریوں کو سوجھ رہی
ہے کہ آدمی کے اس منصوبے کو ناکام بنا دیا
ائے۔ وہ تو کہیے قدرت نے مدد کی اور نومولود
یادہ دیر تک بقیدِ حیات نہیں رہے ورنہ معلوم
ہیں آگے چل کر کیسی کیسی قانونی پیچیدگیاں اور
اجی مسائل کھڑے ہو جاتے بلکہ اقتصادی مسئلہ
ی درپیش ہو جاتا۔ کیونکہ سب سے پہلا سوال تو
ن کی پرورش کا ہوتا۔ ظاہر ہے اور بوجھوں کی
رح یہ بوجھ بھی حکومت ہی کو اٹھانا پڑتا۔ ان کا
ان و نفقہ ہی نہیں ان کے علاج اور نگرانی کا خرچ
ھی انتظامیہ ہی کو برداشت کرنا پڑتا اور یہ
صاحبزادے کسی عام آدمی کی طرح پرورش بھی
ہیں پاتے بلکہ وی۔آئی۔پی۔ سے کم درجے
کے انتظامات پر ہرگز رضامند نہ ہوتے ——
بکری کی اولاد ہونا معمولی بات نہیں)۔ پھر انکی
ردم شماری بھی کرنی پڑتی۔ نام سوچنا پڑتا اور
اس کے بعد بھی ولدیت کا خانہ خالی رہتا ——
اس لیے دانشوروں نے کہا ہے، صرف
" گاڈ فادر" کام نہیں آیا کرتے۔

۲

سُنا ہے محمد علی کلے نے ایک پریس کانفرنس
میں اخباری نمائندوں کو اپنی ایک پانچ صفحے
کی نظم سُنائی۔ یقیناً سب اخباری نمائندے
خاموشی سے یہ نظم سُنتے رہے ہوں گے۔ کیا
کسی کو اپنا جبڑا تڑوانا تھا کہ بیچ میں اسے ٹوکتا
ہمیں معلوم نہیں محمد علی کلے صاحب نے شاعری
کب سیکھی (لیکن شاعری سیکھنا ضروری بھی
کب ہے ؟) ہمارا خیال ہے کہ اُن کی
شاعری بھی راؤنڈ کے حساب سے ہوتی
ہوگی۔ نظم کا پہلا بند یعنی پہلا راؤنڈ !
دوسرا اور پھر اسی طرح تیسرا، چوتھا اور
پانچواں راؤنڈ۔ اُن کی نظم کے دوسرے
راؤنڈ ہی پر سامعین زمین بوس ہو جاتے
ہوں گے اور سو کی گنتی ختم ہو جانے پر بھی
نہیں اُٹھتے ہوں گے۔ معلوم نہیں اس پریس
کانفرنس میں پانچ صفحوں کی نظم انھوں نے کیسے
سُنائی۔ اور پھر یہ تو اخباری خبر ہے۔ سچ کیا
ہے کسے معلوم !! لیکن شاعروں کے لیے
اس خبر میں اہم نکتہ یہ ہے کہ جب تک وہ
جسمانی طور پر طاقتور نہیں بن جاتے،
مشاعرہ لوٹنا تو ایک طرف رہا، خود اُن
کے لُٹ جانے کا اندیشہ برقرار
رہے گا۔

۳

جب سے اس بات کا اعلان ہوا ہے
کہ لکھنؤ میں ہاتھیوں اور ہتھنیوں کی مخلوط
ریس ہونے والی ہے عوام النّاس میں جوش
و خروش کی لہر دوڑ گئی ہے۔ یہ ریس یقیناً
آل انڈیا ریس ہوگی جس میں جگہ جگہ کے ہاتھی
اور ہتھنیاں حصّہ لیں گی۔ عوام النّاس نے
موقعۂ واردات پر بہ نفسِ نفیس حاضر رہنے کی
تیّاریاں شروع کر دی ہیں کیونکہ اُن کا خیال
ہے کہ اس ریس کا آنکھوں دیکھا حال کوئی
شخص بھی ٹھیک سے نشر نہیں کر سکے گا۔
عوام النّاس نے ان تیاریوں کے سلسلے میں
پہلا قدم یہ اُٹھایا ہے کہ قومی بچت کے پروگرام
پر عمل کر کے کافی رقم پس انداز کریں گے تاکہ
ریس گاہ کے ٹکٹوں کے منہ مانگے دام ادا
کر سکیں۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ ہاتھی اس ریس میں ہتھنیوں
سے پیچھے رہیں گے۔ کیوں نہ ہو۔ مخلوق کوئی سی
ہو، نر ہمیشہ ماداؤں کے پیچھے ہی رہتے ہیں۔ یوں
بھی یہ ریس لکھنؤ میں ہو رہی ہے جہاں " پہلے
آپ " کے آداب بہرحال برتے جائیں گے۔ چند ماہرین
نے تو اس شبہے کا بھی اظہار کیا ہے کہ کچھ ہاتھی شر
پسندی پر آمادہ ہو جائیں اور ریس کسی فلم سین میں
منتقل ہو جائے۔ اگر اس شبہے کی زیادہ تشہیر کی گئی تو
ہجوم کو روکنا مشکل ہو جائے گا۔

یوسف ناظم

اے اہنسا کے پجاری، شانتی کے دیوتا　　معدنِ حق و صداقت، مخزنِ حلم و حیا
دشمنِ جور و تشدد، خرمنِ صبر و رضا　　نام سچائی کا تو دنیا میں اونچا کر گیا
تھا نویدِ امن دنیا کے لیے تیرا وجود
تیری تعلیمات سے تھی آدمیت کی نمود

نیرِ برجِ سیاست، نازشِ برنا و پیر　　آشنائے رازِ فطرت، صاحب روشن ضمیر
دیوِ آزادی ترے دامِ عمل میں تھا اسیر　　اب کہاں تیرا عدل تیرا بدل تیری نظیر
ملک بھر میں تو نے دوڑا دی ہے آزادی کی لہر
قریہ قریہ تیرا چرچا، تیری شہرت شہر شہر

ملک کی خاطر اٹھائیں تو نے کیا کیا سختیاں　　حد یہ ہے بہرِ وطن قربان کر دی اپنی جاں
حشر تک تجھ کو بھلا سکتا نہیں ہندوستاں　　جان دے کر تو نے پائی ہے حیاتِ جاوداں
ملک کو اپنے مگر تیری ضرورت تھی ابھی
قابلِ اصلاح ہندستاں کی حالت تھی ابھی

اے وطن کے چاند! اب تو دوسری منزل میں ہے　　ہر کسی کی آنکھ میں ہے ہر کسی کے دل میں ہے
آج تیرا تذکرہ ہر گھر میں ہر محفل میں ہے　　کوئی دیکھے زور کتنا جذبۂ کامل میں ہے
ملک کی تاریخ بدلی تو نے بے لشکر کشی
کانپتے ہاتھوں سے زنجیرِ غلامی توڑ دی

صدقِ دل سے چاہتے ہیں گر یہ ابنائے وطن　　روح تیری خوش رہے، جاری رہے تیرا مشن
ہندو و مسلم رہیں گھل مل کے باہم خندہ زن　　جس طرح پریاگ میں ہیں متحد گنگ و جمن
ایک سب ہو جائیں ہندی، چھوڑ کر بغض و عناد
ہو زباں پر بس یہ نعرہ اتحاد و اتحاد

میر سجّاد علی شاکر منچری
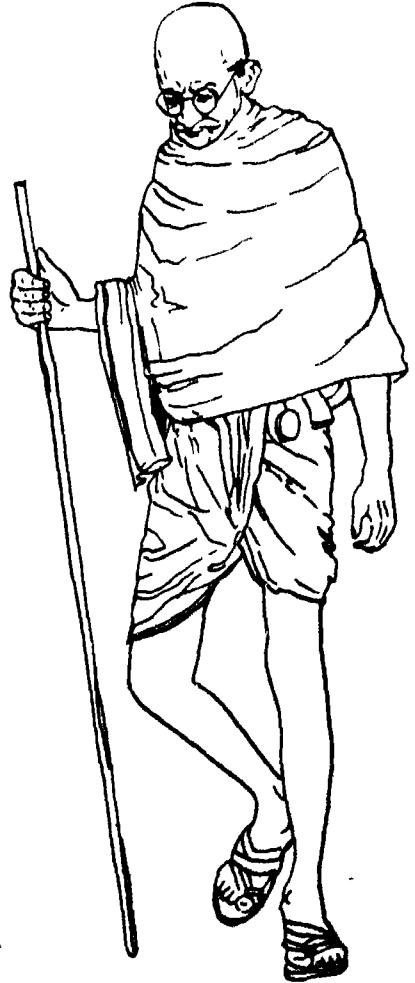
گاندھی جی

کی زندگی کے دو دلچسپ واقعات

شیوراج سنگھ

مشہور جرمن فلسفی نیتشے نے فوق البشر (Superman) کی صفات بیان کی ہیں۔ عالمی تاریخ کو سنہرے صفحات سے سجانے کا بیشتر ازدوز شرف صرف ایسے ہی بشر کو حاصل ہوتا ہے جو بہ نسبت عام آدمیوں کے غیر معمولی صفات کا مالک ہو۔ حیاتِ گاندھی اس جرمن مفکر کے فلسفہ کی ایک زندہ جاوید مثال ہے۔

گاندھی جی اس ملک کے ایک "دوست، فلسفی اور رہبر" تھے۔ ان کی قیمتی رائے، بے لوث مشوروں اور ان کی دعاؤں سے فیضیاب ہونے کی غرض سے ملک کے طول و عرض سے بے شمار لوگ ملنے آیا کرتے تھے۔ کوئی سیاسی مسائل پر تبادلۂ خیالات کرتا، کوئی تعمیری پروگرام مثلاً کھادی، فروغِ ہندی، ہریجن سیوک سنگھ وغیرہ کے متعلق ان سے ہدایت حاصل کرتا۔ حالانکہ ۱۹۳۴ء تک گاندھی جی کانگریس پارٹی کے معمولی رکن رہے، تاہم وہ تحریکِ آزادی کے سپہ سالارِ اعظم اور قوم کے "بے تاج حکمراں" تھے۔

ملک میں کئی چھوٹی بڑی ریاستیں تھیں۔ وہاں کی تحریکِ آزادی، ریاستی کانگریس کی جانب سے چلائی جاتی تھی۔ لیکن ریاستی کانگریس کے رہنما بھی گاندھی جی کی ہدایتوں پر عمل کیا کرتے تھے۔ مندرجہ ذیل واقعہ سابق ریاستِ حیدرآباد سے تعلق رکھتا ہے۔

حیدرآباد کی ریاستی کانگریس کے رہنما سوامی رامانند تیرتھ تھے۔ کچھ اہم سیاسی معاملات پر تبادلہ خیال کرنے کی غرض سے سوامی جی سیواگرام گئے جہاں گاندھی جی رہا کرتے تھے۔ گفت و شنید کے بعد گاندھی جی نے ریاست کے وزیرِ اعلیٰ جناب سر اکبر حیدری کے نام ایک مراسلہ ارسال کیا۔ سوامی جی کی خواہش تھی کہ اس مراسلہ کی نقل خود اُن کے پاس رہے لیکن چونکہ نقل کی صرف ایک کاپی تھی اس لئے گاندھی جی نے سوامی جی سے کہا۔ "آپ یہ نقل لے جائیے۔ البتہ ضرورت پوری ہوجانے کے بعد مجھے واپس کیجئے۔"

سوامی جی سیواگرام سے وردھا آئے اور ایک ہوٹل میں قیام کیا۔ وہاں انھوں نے جب اس نقل کا مطالعہ کرنے کے لیئے لفافہ نکالنا چاہا تو لفافہ غائب! ان کی حیرت اور پریشانی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ہوٹل کے کمرے کا چپہ چپہ چھان مارا، لیکن بے سود۔ انھیں شک ہوا کہ وہ لفافہ کہیں راستے میں تو نہیں گرگیا۔ لہذا پریشان حالت میں وہ پیدل سیواگرام گئے۔ وہ سوچنے لگے کہ ان کی اس غیر ذمہ دارانہ حرکت پر گاندھی جی کیا رائے قائم کریں گے۔ تاہم انھوں نے ہمت کی اور گاندھی جی سے سارا واقعہ بیان کیا۔ مسکراتے ہوئے گاندھی جی نے کہا: "خیر کوئی مضایقہ نہیں۔ آپ نقل کا مضمون دوبارہ لکھنے کی کوشش کیجئے اور کل مجھے دکھائیے۔ میں خود بھی لکھنے کی کوشش کروں گا۔"

انتھک محنت کے باوجود سوامی جی گمشدہ نقل کا مضمون جوں کا توں نہ لکھ سکے۔ دوسرے روز وہ گاندھی جی سے ملے اور اپنی ناکامی کا

کا اقبال کیا۔

ہنستے ہوئے گاندھی جی نے کہا: "میں نے تیار کرلیا ہے۔ آپ اسے لے جائیے۔"

سوامی جی اسے لے کر حیدرآباد واپس چلے گئے۔

کچھ عرصہ بعد سوامی جی کو پھر سیواگرام جانے کی ضرورت پڑی۔ ساتھ میں وہ نقل بھی لی جو کہ گاندھی جی کو واپس کرنی تھی۔ وردھا پہنچنے پر اُسی ہوٹل میں قیام کیا جہاں وہ گذشتہ مرتبہ رُکے تھے۔ ہوٹل کے مالک نے سوامی جی کے ہاتھ میں ایک لفافہ دیتے ہوئے کہا۔

"گذشتہ مرتبہ جب آپ یہاں قیام پذیر تھے تب یہ لفافہ یہیں کہیں غلطی سے گر گیا تھا۔ ہوٹل کے خادم نے کمرے کی صفائی کے دوران اسے کوڑے کی ٹوکری میں ڈال دیا تھا۔ میری نظر اچانک اس لفافے پر پڑی۔ شاید آپ ہی کا ہوگا۔"

سوامی جی نے لفافہ کھولا۔ اس میں وہی گم شدہ نقل تھی۔ اُن کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ وہ خوشی خوشی سیواگرام گئے اور سارا واقعہ گاندھی جی سے بیان کیا۔ اور وہ لفافہ گاندھی جی کو دیا انھوں نے سوامی جی سے وہ نقل پڑھنے کو کہا جو دوبارہ تحریر کی گئی تھی۔ پڑھنے پر پایا گیا کہ دونوں نقلوں میں ایک لفظ کا بھی فرق نہ تھا۔ سوامی جی حیرت زدہ رہ گئے۔ عام آدمیوں کی بہ نسبت گاندھی جی کی قوتِ یادداشت کتنی غیرمعمولی تھی۔

★

دوسرا واقعہ گاندھی جی کی قوت پیشنگوئی کے متعلق ہے۔ آزادی کے کچھ ہی عرصہ قبل سارے ملک میں فرقہ وارانہ فسادات سے فضا مکدر ہو چکی تھی۔ قومی رہنماؤں کو فکر تھی کہ کہیں اس رقصِ اجل کے دوران کوئی پاگل گاندھی جی کو بھی موت کے گھاٹ نہ اُتار دے۔ فرقہ وارانہ مساوات سے پیدا شدہ حالات کا جائزہ لینے کی غرض سے گاندھی جی نے چوٹی کے رہنماؤں کی ایک میٹنگ بلائی۔ میٹنگ کے دوران شری کنہیا لال منشی نے گاندھی جی سے کہا:

"باپو! ایسا لگتا ہے کہ آپ کا قاتل کوئی مسلمان ہوگا۔"

گاندھی جی نے فوراً جواب دیا:

"ہرگز نہیں: میرا قاتل ایک ہندو ہی ہوگا۔"

ان کی یہ پیشین گوئی کتنی صحیح ثابت ہوئی!

نغمۂ جمہور

جوہر ہاشمی

یومِ جمہوریہ، جشنِ جمہوریہ!
یومِ جمہوریہ، جشنِ جمہوریہ!
اب چمکنے لگے ہیں وفا کے نشاں
جگمگانے لگا جس سے ہندوستاں
رُت سہانی ہے اور وقت ہے مہرباں
کیف میں گم ہے خود کیف پرور سماں
آج روشن ہوئے ہیں چراغِ وفا
یومِ جمہوریہ، جشنِ جمہوریہ!

آج سے پھر وفا کا چلن عام ہے
آج ہر رند کے ہاتھ میں جام ہے
ذرہ ذرہ میں الفت کا پیغام ہے
خندۂ گُل بہاروں کا انعام ہے
یوں مساوات کا بول بالا ہوا
یومِ جمہوریہ، جشنِ جمہوریہ!

خوابِ سحر آفریں کی یہ تعبیر ہے
امن کی شرحِ اُلفت کی تفسیر ہے
فیضِ جمہور ہے عزمِ تعمیر ہے
جس سے بھارت کی دنیا میں توقیر ہے

اب نہیں ہے کسی کو کسی سے گلہ
یومِ جمہوریہ، جشنِ جمہوریہ!

کارخانوں نے بھارت کا بدلا نظام
ہند کا ہو گیا جس سے اونچا مقام
دیو ہیکل مشینوں کو اپنا سلام
سارے مزدور ہیں قابلِ احترام
صنعتوں کا ہے اک جال پھیلا ہوا
یومِ جمہوریہ، جشنِ جمہوریہ!

یہ جو سیلنگ نافذ ہوئی ہے یہاں
یہ ہے جمہوریت کا چمکتا نشاں
یہ کسانوں سے انصاف کا امتحاں
جس کی تائید میں سارا ہندوستاں
یہ ہے جمہوریت کا حسیں فیصلہ
یومِ جمہوریہ، جشنِ جمہوریہ!

مے سے جمہوریت کی بھرا جام ہے
یہ ہماری وفاؤں کا انعام ہے
آج سرمایہ داری تہہ دام ہے
آج محنت کشوں کا بڑا نام ہے

فیضِ جمہوریت کی ہے یہ ابتدا
یومِ جمہوریہ، جشنِ جمہوریہ!

بقیہ

دستورِ ہند میں مذہب کی آزادی

بلکہ ملک کو آگے بڑھانے میں یہ چیزیں مدد و معاون ثابت ہوں گی۔

اگر دستور میں دیا گیا حقِ مذہبی آزادی کا مختصراً بیان کیا جائے تو وہ یوں ہوگا۔

"زندگی ایک شریفانہ عمل ہے نہ کہ زہر پیا لے جائے، جو بھگتی جائے۔ بلکہ ایک عظیم مقصد اور ایک عظیم مقدر ہے۔" ●●

،ڑے سے کشادہ ہوٹل کے ایک طرف فیملی روم میں ایک کالج گرل اپنے بھونڈو ساتھی کے ساتھ بیٹھ کر لنچ لے رہی ہے۔ لڑکا میزبان ہے اور لڑکی مہمان۔ لڑکا
ا ہے اور خوشی سے پھولا ہوا بھی۔ پہلے کچھ دیر کے لئے گھبراہٹ میں لڑکے کے منہ سے غلط سلط جملے نکلتے ہیں۔ پھر قدرے سنبھل جاتا ہے۔ لیکن اس کا
، تو اُسی کا ہے جو قائم رہتا ہے۔ لڑکی اطمینان سے کھائے جا رہی ہے اور مصروفِ گفتگو بھی ہے۔ لڑکا کھانا نہیں کھا رہا ہے۔ وہ باتیں کر رہا ہے اور لڑکی
لک رہا ہے، اس اُمید پر کہ کہیں موافق تأثرات اُس کے چہ ے سے نمودار ہوں اور اُس کی قسمت چمک اُٹھے۔

ج۔ ج۔ جب سے آپ نے ک۔ ک۔
ک آپ میرے ساتھ کھانا کھائیں گی میرا
ں میں من ہی نہیں تھا۔ د۔ دو پیریڈ
(perio جیسے تیسے نکالے۔
ت دراصل یہ ہے کہ آج لوکل سروس
disorgani ہوگئی ہے اور میرا ڈبہ
ب آیا۔
، جی۔ ہاں disorganise ہوگئی ہے۔
یکھئے نا! اور پھر میں شام میں جلد گھر
خ بھی نہ سکوں گی۔
، ہی: یہ تو اچھا ہوا۔ شام میں چائے
ہم ساتھ پئیں گے۔
۔ نہ، چلئے کا آفر تو رمیش نے پہلے

ہی دیا ہے۔
لڑکا: (سٹپٹا کر): رمیش نے؟
لڑکی: جی ہاں، اور یہ تو محض اس لئے کہ آپ
ہمیشہ شکایت کرتے تھے کہ میں کچھ خدمت
کا موقع ہی نہیں دیتی۔ میں نے سوچا، چلو
آج اِن سے کھانے کا بِل ہی ادا کرائینگے!
لڑکا: یہ تو کوئی خدمت نہیں ہوئی!
کَ۔ کَ۔ کہئے! میں آپ کی اور کیا
کیا خدمت کر سکتا ہوں؟ ح۔ ح۔ حکم ہو

علاءُ الدین جینابڑے

ایم اے، ایل ایل بی

ہو تو آسمان سے تارے توڑ لاؤں...!!"
لڑکی شوخ اور چنچل ہے۔ اپنی ہنسی
کو روکتے ہوئے اطمینان سے کہتی ہے:
"شکریہ، شکریہ! آپ کو دن میں بھی تارے
نظر آنے لگے!! لیکن خیر کوئی بات نہیں۔"
لڑکا اور بوکھلا جاتا ہے۔ کہتا ہے:
"جی۔ جی۔ میرا مطلب ہے..."
لڑکی: مطلب وطلب کچھ نہیں۔ آپ تارے ضرور
توڑ لائیے۔ ایک دو نہیں پورے دس!
آپ کو تکلیف تو ہوگی لیکن اس کے بعد
آپ کو شکایت بھی نہیں رہے گی کہ میں
کوئی خدمت کا موقع ہی نہیں دیتی۔
(لجاجت سے) پلیز ضرور لائیے۔ میں اُن

تاروں کو اپنی مانگ میں سجاؤں گی ۔

لڑکا: بہت خوب ! بہت خوب !! کیا پُر لطف جواب ہے ! ابھی آسمان کے تارے کیا حیثیت رکھتے ہیں آپ کے سامنے ، آپکے تاروں میں آنکھیں ... م ۔ م ۔ میرا مطلب ہے آپ کی آنکھوں میں تارے چمکتے ہیں ، اور آپ کی کلیوں میں ہونٹ ... یعنی کہ آپ کے ہونٹوں پر کلیاں چٹکتی ہیں ۔

لڑکی: چہ خوب ! چہ خوب !!

لڑکا: ہی ۔ ہی ، ہی ۔ ہی !! ایں ؟ یعنی کہ داد در زبانِ فارسی ! ہی ۔ ہی !!

لڑکی: ہی ہی ! ہی ہی !!

لڑکا: آپ مذاق تو نہیں کر رہی ہیں ؟ میرے دل میں سینہ ! میرے دل میں سینہ ! میرے دل میں .. میرا مطلب ہے میرے سینہ میں ایک دل ہے ! ہاں ، ہاں ! دل ہے ۔ وہ کہیں لوٹ نہ جائے ۔

لڑکی (شوخی سے) : اچھا تو ابھی تک وُہ دل وہیں آپ کے سینے میں پڑا ہوا ہے ؟ میں تو ... سمجھی تھی ... کہ ..

لڑکا (خوش ہوکر) : بہت خوب : آپ خوب سمجھتی ہیں !! ابھی یہ کمبخت ہمارے دل میں یعنی کہ ہمارے سینے میں کہاں سے رہتا ؟ ہم نے تو لاکھ سمجھایا تھا ... !

لڑکی: کیا سمجھایا تھا ؟

لڑکا: ہم نے کہا تھا ۔

لے تو چلتے ہیں حضرتِ دل تمہیں بھی اس انجمن میں لیکن
ہمارے پہلو میں بیٹھ کر تم ہمیں سے پہلو تہی نہ کرنا

لڑکی: اچھا جی !

لڑکا: لیکن ہائے دل ! دغا دے گیا ۔

لڑکی: چرنے گیا ہوگا !

لڑکا: پھر مذاق ؟ میرا دل ۔ میرا دل ۔ ہوں ۔ میرا دل ... ؟

لڑکی: آپ میرے مذاق کا بُرا مانتے ہیں ؟ پلیز ! میں تو جو بھی منہ میں آئے بک دیتی ہوں ! کہیں دل بھی چرنے جاتا ہے ؟ وہ تو .... آپ کی عقل کا کام ہے ....

لڑکا: ایں ! ایں !! جی ؟

لڑکی: لعنت ہے میری زبان پر ! میں نے آپ کا دل دُکھایا ہے ۔ میں بہت شرمندہ ہوں ۔ بہت شرمندہ ہوں ! میں بہت شرمندہ ہوں ! مجھے معاف کر دیجئے ! مجھے معاف کردیجئے ! پلیز ! پلیز !!

لڑکا: ارے ! ارے ! ارے ! جانے دیجئے ! ہاں ! ہاں ، جانے دیجئے ۔ آپ کی پشیمانی سے مجھے بھی دُکھ ہوتا ہے ۔

لڑکی: سچ سچ !!

لڑکا: جی ہاں !

دُشنام یار طبعِ حزیں پر گراں نہیں
اے ہم نفس نزاکتِ آواز دیکھنا

— اے ہے !! ؟

لڑکی: کون ہم نفس ؟ آپ بیرے کو بلا رہے ہیں کیا ؟

لڑکا: ہاہا ! بہت خوب ! بلاؤں بیرے کو ؟ اور کیا کھائیے گا ؟

(گھنٹی بجاتا ہے)

لڑکی: میں تو کھا چکی ۔ بہت کھایا ۔ آپ بھی کچھ کھائیے نا !

لڑکا: میرے لئے ... ارے میرے لئے تو شربتِ دیدار ہی کافی ہے ۔

لڑکی: تو میں بھی کب کھانا چاہتی تھی ؟ میرا پیٹ تو آپ کی باتوں سے ہی بھر جاتا ہے کتنی میٹھی ہوتی ہیں آپ کی باتیں !

لڑکا: سچ ؟

لڑکی: ہاں ! اور اس پر اتنے لذیذ کھانے ! اب اور کیا کھلائیے گا ؟ چلئے ! اگر آپ کو ضد ہے تو ایک گلاب جامن اور سہی ! بس ... ؟

(بیرا آتا ہے)

لڑکا: بیرا ! دیکھو ، ایک گلاب جامن ... نہیں ! دو گلاب جامن لانا ۔ (بیرا چلا جاتا ہے) ۔ ایک میں بھی کھاؤں گا ... آپ کے ساتھ !

لڑکی: ضرور کھائیے ، لیکن ایک شرط ہے ۔

لڑکا: وہ کیا ؟

لڑکی: جو گلاب جامن آپ کھائیں گے اُسکے پیسے کل آپکو مجھ سے لینے پڑیں گے ... منظور ہے ؟

لڑکا: واہ ، واہ !! وہ کیوں ؟

لڑکی: کبھی تو موقع دیجئے مجھے بھی آپ کی خدمت کا ۔ کبھی تو ۔ پلیز !

o

لڑکا: پھر کب ملاقات ہوگی ؟

لڑکی: ملاقات تو خیر کالج میں ہوتی ہی ہے البتہ کھانا پھر اُسوقت ہم اکٹھے کھائیں گے جب پھر کبھی ٹرین سروس disorganise ہوگی ۔

لڑکا (بوکھلایا ہوا) : ایں ایں ! جی ؟

لڑکی (اُٹھتے ہوئے مسکرا کر لڑکے کی طرف قدرے جھک کر کہتی ہے : "اچھا جی !"

اور پھر سر کی جنبش سے بالوں کو پیچھے ہٹاتی ہوئی فیملی روم کے پلائی وُوڈ کے دروازے کو بائیں ہاتھ سے کھولتی ہوئی داہنا ہاتھ لڑکے کی طرف ہوا میں لہرا کر کہتی ہے : "Bye"

o

لڑکی چلی جاتی ہے اور لڑکا کچھ دیر ہکا بکا دروازے کی طرف دیکھتا رہتا ہے ۔ پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر پاکٹ نکالتا ہے ۔ بیرا مسکراتا ہوا اندر داخل ہوتا ہے اور بل سامنے رکھ کر

باقی صفحہ ۵۴ پر

آزادی کی نظمیں

مظہر امام

ڈیڑھ سو سال کی غلامی کے بعد ہم نے ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو پہلی بار آزادی کی فضا میں سانس لی۔ یہ آزادی من و سلویٰ کی طرح آسمان سے اُتری نہ تھی۔ اس کے لئے ہم نے مال و متاع کی قربانی بھی دی تھی اور جسم و جان کی بھی۔ مادرِ ہند کے کتنے سپوت زنداں کی سلاخوں سے سر ٹکراتے جاں بحق ہوئے اور کتنے لاڈلے دار و رسن کو گلے کا ہار بنا کر اجل کی آغوش میں سو گئے۔ فرازِ دار پر سربلند ہوتے وقت ان کے دلوں میں یقین کی مشعل فروزاں تھی کہ وہ جس مقصد کے لئے سرمایۂ حیات کی قربانی دے رہے ہیں، اس کی تکمیل ضرور ہوگی۔

میں فرازِ دار سے دیکھ لوں کہیں کاروانِ سحر نہ ہو

مغل بھی بیرون ہندوستان کے رہنے والے تھے، لیکن وہ یہاں آکر اسی سرزمین کے گوشت پوست کا حصہ بن گئے اور انھوں نے ایک ایسی حکومت کی داغ بیل ڈالی جس میں مختلف مذہب و ملت کے ماننے والے یکساں طور پر صلح و آشتی کے ساتھ رہ سکیں۔ انھوں نے محض معاشی استحصال کے لئے حکمرانی نہیں کی۔ لیکن مغلیہ دورِ حکومت کے زوال کے بعد انگریزوں نے یہاں اپنا تسلّط جمایا اور ان کی ریشہ دوانیوں نے ملک کو غلام بنا لیا۔ انگریزی حکومت ہندوستان کا لہو چوستی رہی اور لندن اور برمنگھم کے محلّات کی روشنی روز بروز افزوں ہوتی گئی۔ ان چراغوں کے لئے روغن ہندوستان سے ہی جاتا تھا۔ ۱۸۵۷ء میں ہم نے آزادی کی پہلی لڑائی لڑی اور ناکام ہوئے۔ آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کے سامنے اُن کے چہیتے بیٹوں کا سر نذرانے کے طور پر پیش کیا گیا اور وہ خود قید و بند کی صعوبتیں جھیلنے کے لئے رنگون بھیج دئے گئے۔ اس کے بعد سے انگریزوں نے ظلم اور بربریت کے وہ مظاہرے کئے جن کی کوئی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ لیکن جیسے جیسے اُن کا ظلم بڑھتا گیا، آزادی کی جدوجہد تیز ہوتی گئی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد ہندوستانیوں کو کچھ اس طرح کچل دیا گیا تھا کہ اُن میں سر اٹھانے کی سکت نہ تھی، ہندو اور مسلمان دونوں ہی کوئی متحدہ تحریک شروع کرنے کے بجائے اپنی اپنی قوم کا ماتم کرتے رہے، لیکن کچھ ہی عرصہ بعد کچھ دور اندیش ہندوؤں اور مسلمانوں نے محسوس کر لیا کہ سماجی اور تہذیبی حیثیت سے اپنے آپ میں زندگی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اس دور میں عوام میں بیداری اور زندگی پیدا کرنے کے لئے اردو اخبارات نے بھی کافی حصہ لیا۔ سائنٹفک سوسائٹی کے اخبار نے انگریزوں کی ذہنیت کا یہ خلاصہ پیش کیا:

> "ہندوستانی کتنا ہی علم و فن میں کمال حاصل کر لیں اور کتنے ہی دیانت دار اور خوش کردار ہو جائیں، مگر وہ انگریزوں کے نزدیک بے ایمان اور غیر مہذب ہی رہیں گے، اور انگریز چاہے جتنی بد افعالیاں کریں مگر وہ شریف رہیں گے۔"

اردو زبان آزادی کی جدوجہد کے ہر مرحلے پر عوام کے ساتھ رہی۔ باغیانہ خیالات و افکار کی پرورش میں اُردو کے ادیبوں اور شاعروں کا بڑا ہاتھ ہے۔ جنگِ آزادی کے آخری چند سال بڑے صبر آزما تھے۔ فرقہ پرستی کی تلوار نے ملک کے

دو ٹکڑے کر دیے اور آفتابِ آزادی کے طلوع ہونے سے پہلے اور بعد اس برِ اعظم کی پاک سرزمین پر خون کی ایسی ہولی کھیلی گئی کہ ہمارا سر شرم سے جھک گیا۔ ہمارے شاعروں نے جہاں حصولِ آزادی پر مسرت کے نغمے گائے وہاں محبِ وطن انسانیت کے حالِ زار پر خون کے آنسو بھی بہائے۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو آدھی رات کے بعد آزادیٔ ہند کا نقارہ بجا اور ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ جوش ملیح آبادی ان دنوں بمبئی میں تھے۔ انھوں نے اپنی مسرت کا اظہار اس طرح کیا :

سُنا رہی ہے زندگی سرور کی کہانیاں
کھل رہی ہیں عہدِ نو میں تازہ کامرانیاں
برس رہی ہیں عرش سے رسیدہ شادمانیاں
اُبل رہی ہیں فرش سے دمیدہ نوجوانیاں
روِش روِش نکھر رہی ہے چمن چمن سنگار ہے
اٹھو کہ رقص و رنگ ہے، اٹھو کہ نو بہار ہے

ایسے بھی کچھ لوگ تھے جو آزادی کی شکل سے مطمئن نہ تھے۔ اُن کے جذبات کی آئینہ داری جوش نے اس طرح کی :

قتال و جدل و جنگ ہے، جنون و جبر و قہر ہے
گرج ہے بات بات میں، فسادِ شہر شہر ہے
فضا پہ رقصِ مرگ ہے، زمیں پہ موجِ زہر ہے
سیاہیوں کا زور ہے، تباہیوں کی لہر ہے
کماں میں تیرِ حرب ہے، کمیں میں شہریار ہے
خزاں کہیں سنگے پھر کہے اگر یہی بہار ہے

لیکن ان دونوں نوعیتوں کے خیالات کا اظہار کرنے کے بعد جوش نے ایک درمیانی اور اعتدال پسند رویّہ بھی اختیار کیا :

ہماری جستجو میں ہیں رواں دواں جہاں پناہیاں
فلک کی شہریاریاں، زمیں کی کج کلاہیاں
ہم اور بساطِ بے دلی یہ دل شکن جاہیاں
ہر اک قدم پہ ہیں تو ہوں تباہیاں، سیاہیاں
تباہیوں، سیاہیوں میں صبح [illegible] ہے
بہار پھر بہار ہے، بہار [illegible] ہے

جمیل مظہری نے آزادی کا خیر مقدم اس طرح کیا :

مژدہ اے ذوقِ تماشا کہ بہار آئی ہے
وہ کلی بھی متبسّم ہے جو مرجھائی ہے
یومِ آزادیٔ بھارت ہے چراغاں ہے آج
بزم کھلتے ہوئے چہروں سے گلستاں ہے آج

اسرار الحق مجاز اس طرح نغمہ سرا ہوئے :

بصد غرور بصد فخر و نازِ آزادی
مچل کے کھل گئی زلفِ درازِ آزادی
ہر اک ہجوم میں نغمہ طرازِ آزادی
وطن نے چھیڑا ہے اس طرح سازِ آزادی
زمانہ رقص میں ہے، زندگی غزل خواں ہے

معین احسن جذبی نے بڑی ادا سے فرمایا :

بڑے ناز سے آج اُبھرا ہے سورج
ہمالہ کے اونچے کلس جگمگائے
فضاؤں میں ہونے لگی بارشِ زر
کوئی نازنیں جیسے افشاں چھڑائے
دمکنے لگے یوں ملادوں کے ذرّے
کہ تاروں کی دنیا کو بھی رشک آئے

سکندر علی وجد نے اظہارِ مسرت کے لیے تغزّل کا سہارا لیا :

دامانِ خاک اشکِ مسرت سے تر ہے آج
دو سو برس کے بعد طلوعِ سحر ہے آج
گلچیں کے ساتھ دورِ تہی دامنی گیا
ہر شاخِ گل سے بارشِ لعل و گہر ہے آج
محسوس ہو رہا ہے انوکھا سہانا پن
اک سادہ جھونپڑا ہی سہی، اپنا گھر ہے آج

ہم نے اپنے گھر کی تزئین و آرائش کا کام شروع کر دیا۔ ہمارے راستے میں رکاوٹیں بھی آئیں۔ ہمارا ملک ایک پس ماندہ ملک تھا، عوام جاہل اور اپنے فرض سے ناواقف تھے۔ ہم نے دل جمعی اور تندہی سے کام کو آگے بڑھایا۔ پنج سالہ منصوبے بنائے۔ مختصر عرصے میں ہمارے ملک نے صنعتی اعتبار سے کافی ترقی کی۔ ہمارے پاس معدنی وسائل تھے، لیکن سرمائے کی کمی تھی۔ ابتدائی دنوں میں خوراک کا مسئلہ بھی بہت پریشان کن تھا۔ سیلاب اور خشک سالی دونوں لعنتیں ساتھ ساتھ چلتی رہیں؛ ہم نے ان کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اُردو شاعری میں ایک نئے ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے بے پناہ جذبات کا اظہار ہوا ہے۔ ہم غریبی، جہالت اور بیروزگاری کے خلاف نبرد آزما تھے کہ ہمارے ملک کی سالمیت کے لیے ایک بڑا خطرہ اکتوبر ۱۹۶۲ء میں پیدا ہوا، جب چین نے اچانک بالکل غیر متوقع طور پر ہماری مشرقی سرحد پر حملہ کر دیا۔ ہماری آزادی کی ناؤ ایک بار پھر بھنور میں تھی۔ اردو شاعروں نے اس وقت غیر معمولی قوت و صلابت کا مظاہرہ کیا، اور ایسی پرجوش نظمیں لکھیں جن سے حُبّ الوطنی کے جذبے کو نہ صرف مہمیز ملی، بلکہ دشمن سے ڈٹ کر لڑنے کا حوصلہ بھی پیدا ہوا۔

اس دور میں بہت سی کامیاب نظمیں لکھی گئیں۔ کچھ نظموں میں سے چند بند بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں :

وطن کی آبرو خطرے میں ہے، ہشیار ہو جاؤ
ہمارے امتحاں کا وقت ہے، تیار ہو جاؤ
نہ ہم اس وقت ہندو ہیں نہ مسلم ہیں نہ عیسائی
اگر کچھ ہیں تو ہیں اس دیس، اس دھرتی کے شیدائی
اسی کو زندگی دیں گے، اسی سے زندگی پائی
لہو کے رنگ سے لکھا ہوا اقرار ہو جاؤ
(ساحر لدھیانوی)

اٹھو جوانانِ وطن، باندھے ہوئے سر سے کفن
اٹھو دکن کی اور سے، گنگ و جمن کی اور سے
پنجاب کے دل سے اٹھو، ستلج کے ساحل سے اٹھو
مہاراشٹر کی خاک سے، دہلی کی ارضِ پاک سے
بنگال سے، راجستھان سے، کل خاکِ ہندوستان سے
آواز دو ہم ایک ہیں
ہم ایک ہیں، ہم ایک ہیں
(جاں نثار اختر)

✻

بگل بجا وہ جنگ کا — اب اس میں سوچنا ہے کیا
وہی سدا امر ہوا — جو حق کے واسطے لڑا
بڑھے چلو، بڑھے چلو — اے ہند کے سپاہیو
اے ہند کے بہادرو — بڑھے چلو، بڑھے چلو
(منظر شہاب)

وادیٔ کوہ ہمالہ میں ہے شورِ طبلِ جنگ
ہم کو بننا ہے حریفوں کے لیے دیوارِ سنگ
کرشن نے ارجن کو دی ہے دعوتِ جوشِ عمل
لازمی ہے اب بقائے امن کی خاطر جدل
کھل رہا ہے ہند کے سینے میں شعلوں کا چمن
گونجتے ہیں نعرۂ پیکار سے دشت و دمن
برف پگھلی ہے ہمالہ کی جبینِ سرد سے
کاروانِ شوق ابھرا بے حسی کی گرد سے
جشن اپنی کامرانی کا منانا ہے ضرور
فتح کا پرچم ہمالہ پر اٹھانا ہے ضرور
(مظہر امام)

چینی جارحیت پر بے شمار نظمیں لکھی گئیں اور اس موضوع پر بہت سے افسانوں کی تخلیق ہوئی۔ انہیں دنوں نظموں کا ایک مجموعہ "للکار" (مرتب: معصوم شیر گھاٹوی) اور افسانوں کا ایک مجموعہ "ہمالہ کے آنسو" (مرتب: سید منظر امام اور منظر کاظمی) شائع ہو کر مقبول ہوا۔

ابھی چینی حملے کے اثرات سے ہم نکل نہ پائے تھے کہ ستمبر ۱۹۶۵ء میں پاکستان نے کشمیر پر قبضہ کرنے کے ناپاک ارادے سے ہندوستان پر حملہ کر دیا۔ ہم نے اس وقت تک اپنے آپ کو زیادہ طاقت ور بنا لیا تھا اور ہمیں آدابِ جنگ سے زیادہ واقفیت حاصل ہو گئی تھی، لہٰذا ہم نے دشمن کے حملے کو ناکام بنا دیا۔

اس جنگ کے دوران بھی اردو کے شاعروں نے ان گنت نظمیں لکھیں اور اپنے جوش و ولولہ کا اظہار کیا۔ سردار جعفری، ساحر لدھیانوی اور دوسرے شاعروں نے پاکستان کے شاعروں اور فنکاروں کو مخاطب کیا جو اپنے ملک کے غیر جمہوری طرزِ عمل پر خاموش تھے۔ جگن ناتھ آزاد نے سوال کیا:

خطۂ پاک کے اے نغمہ گرد، دیدہ ورو!
کیا تمہیں نے یہ کیا تھا دعویٰ
ہم ہیں فنکار، ہمارا ہے فقط ایک شعار
اور وہ یہ ہے کہ جمہور سے ہے پیار ہمیں
اور یہ پیار نہ ہندو نہ مسلماں سے ہے
بلکہ ہر قوم کے ہر دیس کے انساں سے ہے
خونِ مظلوم کو کیا دوگے جواب؟
خطۂ پاک کے اے نغمہ گرد، دیدہ ورو!

عطا کاکوی نے جوانانِ وطن کو پاکستانی حملے کا مقابلہ کرنے کیلئے، اس طرح للکارا:

وقت کا ہے یہ تقاضہ کہ جوانانِ وطن،
روندیں اعدا کی صفیں، آئے نہ ماتھے پہ شکن
مادرِ ہند پہ قربان کریں تن من، دھن
برسرِ کیں ہیں جو دشمن تو اڑا دیں گردن
دل میں پیدا تو کریں جذبۂ عثمان و حمید
موت شرماتی ہے خود اُن سے جو ہوتے ہیں شہید

ارتضیٰ حسین ہوش عظیم آبادی نے اندازِ خاص سے فرمایا:

دنیا کی نگاہوں سے کبھی چھپ نہیں سکتے
یہ سلطنتِ پاک کے ناپاک ارادے
جمہوریۂ ہند ہے اک شمعِ فروزاں
کس کا یہ کلیجہ ہے جو یہ شمع بجھا دے

رمز عظیم آبادی نے اپنے ملک کی عظمت کو بچانے کے لیے، موت سے ہمکنار ہونے کا عزم ظاہر کیا:

بھر دے پھولوں سے جو دامانِ ہمالہ کشمیر
دستِ فطرت میں ہے خوشبو کا پیالہ کشمیر
جس میں ہر قوم پجاری وہ شوالہ کشمیر
چاند ہے ہند تو ہے اس کا اُجالا کشمیر
خون میں اپنے نہائیں گے، نکھر جائیں گے
اس کی عظمت پہ جو آنچ آئیگی، مر جائیں گے

اور واقعی ہم بڑی بے جگری سے لڑے۔ اور دشمن کے ناپاک قدموں سے اپنے وطن کی سرزمین کو پاک رکھا۔ ہمارا مقصد توسیع پسندی نہیں۔ ہمیں ملک گیری کی ہوس نہیں ہے۔ ہمارا ملک آزادی، انصاف اور جمہوریت کا علمبردار ہے۔ ہندوستان نے ہمیشہ امن کے لئے کوشش کی ہے۔ اپنے پڑوسی ملک سے دشمنی اور نفرت ہمیں منظور نہیں تھی۔ اس لئے پاکستان کی زیادتی کے باوجود جنگ بندی کے بعد ہم نے تاشقند معاہدے پر دستخط کیے اور اپنے پڑوسی ملک کی طرف دوستی اور محبت کا ہاتھ بڑھایا۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ پاکستان نے ہمارے اس اقدام کا صمیم قلب کے ساتھ خیر مقدم نہیں کیا۔ وہاں فوجی حکومت کی تبدیلی کے بعد حالات اور بھی ناخوشگوار ہو گئے۔ مغربی پاکستان نے اپنے ملک کے ایک حصے مشرقی پاکستان پر ظلم اور بہیمیت کی تلواریں آویزاں کر دیں اور نتیجے کے طور پر ہمارے ملک میں وہاں سے ایک کروڑ افراد پناہ لینے کی خاطر آگئے۔ مشرقی پاکستان میں آزادی کی جدوجہد تیز ہو گئی اور بنگلہ دیش کا پرچم بلند کیا گیا۔

بنگلہ دیش کا مسئلہ ایک انسانی مسئلہ تھا۔ مغربی پاکستان کی فوجی آمریت عوامی مطالبات کو دبانے کے لئے حد سے بڑھی ہوئی ظالمانہ کارروائی کر رہی تھی۔ ہندوستان کے عوام آزادی کی جدوجہد میں بنگلہ دیش کے عوام کے ساتھ تھے۔

اردو کے شاعروں نے بنگلہ دیش میں آزادی کیلئے شہید ہونے والوں کی خدمت میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا اور مغربی پاکستان کی فوجی حکومت کے ظالمانہ رویہ کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے کہا:

اب چلے گی مغربی گرگوں کی خونخواری نہیں
کچھ یہ بنگلہ دیش یحیٰی کی زمینداری نہیں
خاک کے ذرّے سے پیدا کردو ایسا انقلاب
نور برساتا ہوا پورب سے نکلے آفتاب
کامیابی کہہ رہی ہے اب نہ منزل دور ہے
کل وہی مختار ہوگا آج جو مجبور ہے
(جگیشر پرشاد خلش)

دب سکیں آخر نہ احساسات کی چنگاریاں
کرۂ آتش فشاں ہر قلب مضطر بن گیا
خونِ ناحق رائیگاں جاتے نہیں دیکھا کبھی
کٹ کے تن سے ہر گلا اک تیز خنجر بن گیا
آمریت ! دیکھ زور و طاقتِ جمہور دیکھ
مشرقی بنگال بنگلہ دیش کیونکر بن گیا
(شہزاد معصومی)

مشرقی بنگال میں اپنے پاؤں اکھڑتے دیکھ کر پاکستان نے ایک بار پھر ۳؍ دسمبر ۷۱ء کو ہندوستان پر حملہ کر دیا۔ ہم پھر ایک بار جنگ کی بھٹی میں جھونک دئے گئے۔ ہم جنگ کے خواہاں نہیں، لیکن جنگ ہمارے سر تھوپ دی گئی تو اس کا جواب دینا ضروری ہو گیا۔ ہماری فوجیں مشرقی بنگال کو آزاد کرانے کے لئے اور بے گھروں کو ان کا گھر دلانے کے لئے اس کی حدود میں داخل ہوگئیں۔ مغربی سرحد پر بھی ہم نے مردانہ وار مقابلہ کیا اور دونوں محاذوں پر ہم کامیاب و کامران رہے۔ چودہ دن کی جنگ کے بعد بنگلہ دیش آزاد ہوگیا اور ڈھاکہ پر قومی پرچم لہرایا۔ مغربی محاذ پر ہم کافی آگے بڑھ گئے تھے، لیکن ہم نے اپنی مرضی سے وہاں جنگ بند کردی۔

جنگ کے دوران ہمارے عزائم بلند تھے اور ہمارے شاعروں نے حسب معمول اس وقت بھی غیر معمولی حب الوطنی کا اظہار کیا اور وقت پڑنے پر قلم کو تلوار بنا دینے کا حوصلہ دکھایا۔ وفا ملک پوری نے اپنی ایک نظم میں فرمایا :

ہم اہلِ وفا گرچہ ہیں فن کار و قلم کار
دشمن نے پکارا تو قلم بن گئے تلوار
فن بھی ہے شرربار، سخن بھی ہے شرربار
ہم فن کی انگیٹھی میں شرر لے کے چلے ہیں

اکرام شبنم نے اپنی محبوبہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اک تیرا پیار ہی سرمایۂ ہستی نہیں، اس وقت ہمیں کانٹوں سے بھری راہ پر چلنا ہے، کیونکہ دشمن نے ہمارے ملک پر حملہ کیا ہے، اور ہم حق و انصاف کی لڑائی لڑ رہے ہیں، مشرقی بنگال کے کچلے ہوئے عوام کو آزاد کرانے کے لئے، اور اپنے وطن کی ناموس و عزت کیلئے :

صلح اور امن پسندی ہے ہمارا مذہب
ہم مگر وقت پہ ہر ظلم سے لڑ جاتے ہیں
آج خطرے میں ہے پھر میرے وطن کی عظمت
آج خطرے میں ہے صدیوں کی روایت میری
اپنے انمول اصولوں کی حفاظت کے لئے
مادرِ ہند کو ہے آج ضرورت میری

احمد تبسم نے وطن کی محبت میں سرشار ہو کر کہا،

اے وطن : اے وطن ! تیرے معمار ہم
تجھ پہ قربان ہونے کو تیار ہم
لے کے پھر عزم و ہمت کی تلوار ہم
ہوگئے ہیں جو مصروفِ پیکار ہم
موت سے کھیلنے کو ہیں تیار ہم

ہم اپنے عزم و ارادہ میں کامیاب ہوگئے۔ ہمیں کامرانی اور فتح مندی نصیب ہوئی۔ بنگلہ دیش میں جمہوری حکومت قائم ہوئی۔ ہم نے پاکستان سے تعلقات استوار کرنے کے لئے شملہ معاہدہ پر دستخط کئے۔ ہمارا سر ہر معاملے میں اونچا ہے۔ اب ہمارا شمار دنیا کی بڑی طاقتوں میں ہو رہا ہے۔ آزادی کا ہر لمحہ غلامی کی حیاتِ جاوداں سے بہتر ہوتا ہے۔ اس دوران ہمارے خوابوں نے انگڑائیاں لی ہیں، ہماری خواہشات نے تکمیل کا لباس پہنا ہے۔ ہم نے بہت سی منزلیں طے کی ہیں اور ابھی بہت سی منزلیں ہمارے سامنے ہیں۔ بہت سے مسائل حل ہوئے ہیں، بہت سے مسائل کو حل کرنا ہے۔ لیکن ہمارے سامنے آزادی کی کھلی ہوئی شاہراہ ہے۔ ہمارے پاؤں میں بیڑیاں نہیں ہیں۔ ہمارے دلوں میں عزم و ہمت کی قندیل فروزاں ہے اور ہمارے پاؤں آگے کی سمت جادہ پیما ہیں۔

●●

بقیہ پونا کی یادیں

مگر اُن دنوں تو میں اس میدان میں بالکل ہی کورا تھا۔ اُن دنوں تو اِتنی بھی قوتِ گویائی مجھ میں نہیں تھی۔ جب ڈھیروں میرے افسانے کی تعریفیں ہو چکیں اور مجھے عباس نے شکریہ ادا کرنے کے لئے ڈائس پر بلایا تو میں نے صاف انکار کر دیا۔ جسم تھر تھر کانپنے لگا۔ پور پور سے پسینہ چھوٹنے لگا۔ آخر عباس نے کہا۔ "بھئی تم اسٹیج پر آکر صرف اتنا کہہ دو — صاحبان آپ کا بیحد شکریہ" تو کسی طرح کانپتی ٹانگوں کے سہارے اُٹھا اور اسٹیج پر جاکے کہا۔ "صاحبان آپ کا بیحد بیحد شکریہ۔" اور پھر جلدی سے نیچے بیٹھ گیا۔ ہائے وہ معصومیت کے دن کیا ہوئے۔ اب تو پانچ دس منٹ کے لئے اسٹیج پر کھڑا ہو کر جھوٹ بول لیتا ہوں۔

■ (مسلسل)

• امین تابش

مالیگاؤں کا ایک باوقار شاعر

شوقؔ مالیگانوی

غزل کی شاعری مشق و ریاض چاہتی ہے۔ اس کے بغیر اُس کی نوک پلک درست نہیں ہوپاتی اور جب تک نوک پلک درست نہ ہو غزل کی بات نہیں بنتی۔ پھر غزل کی شاعری اچھی، صاف ستھری، رواں دواں زبان چاہتی ہے اور یہ بات بھی بغیر مشق ممکن نہیں۔ اس سلسلے میں فراقؔ گورکھپوری نے بڑے پتے کی اور جچی تلی بات کہی ہے وہ یہ کہ غزل کی شاعری ایک سیانی طبیعت چاہتی ہے۔ طبیعت کا یہ سیانا پن ایک مشاق شاعر کے ہاں ہی مل سکتا ہے۔ اس اعتبار یا اس حیثیت سے حضرت شوقؔ مالیگانوی ایک مشاق شاعر تھے۔ یعنی ایک اچھے غزل گو شاعر تھے۔ حضرت شوقؔ نے اپنی زندگی میں سیکڑوں غزلیں کہیں، سیکڑوں غزلوں پر اصلاحیں دیں۔ ان کے لئے شعر کہنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ وہ بہت ہی آسانی سے شعر کہہ لیتے تھے۔

شوقؔ مالیگانوی نے نظمیں بھی کہیں، قطعات بھی کہے، تاریخی مادے بھی نظم کئے اور دوسری وقتی مزاحیاتی اور فرمائشی نظمیں بھی کہیں اور ہمیشہ ٹھاٹ باٹ اور طمطراق سے شاعری کرتے رہے، مشاعرے پڑھتے رہے اور شاگردوں کے کلام پہ اصلاحیں دیتے رہے۔

مالیگاؤں میں مولوی یوسف عزیز کا یہ جانشین شاگرد رشید، بزم عزیزی کا بانی اور سرپرست، نوخیز شعراء کا صحیح رہنما اور استاد اپنے دم سے شعر و شاعری کی محفل میں شمع روشن کئے رہا۔ اُن کا یہ شعر ؎

گنگناؤں جو غزل اپنی چمن میں اے شوقؔ
گل تو گل خار کو بھی گوش برآواز کروں

دیکھا آپ نے اس آواز میں کتنا بھروسہ ہے کتنا اعتماد ہے۔ ایک حقیقتِ عریاں کا منظر ہے جس میں مالیگاؤں کے شعری و ادبی ماحول کو دیکھا جاسکتا ہے۔ جہاں سامعین کے دل کے دل مشاعروں میں شعری تخلیقات سننے کے لئے گوش برآواز رہتے ہیں۔

اِس صدی کے اوائل میں غزل نام تھا معاملاتِ حسن و عشق کے بیان کا، وارداتِ قلب کے اظہار کا، حزن و یاس اور سوز و گداز کا۔ اس دور کے چند مشاہیر شعراء کے ہاں سے ایک ایک شعر بطور مثال پیش کر رہا ہوں:

چھلکائیں بھر کے لاؤ گلابی شراب کی
تصویر کھینچنا ہے تمہارے شباب کی
(ریاضؔ خیرآبادی)

آڑیں فضول ڈالیں، پردے فضول ڈالے
بیٹھے ہیں ہم تو کب کے آنکھوں میں دھول ڈالے
(مضطرؔ خیرآبادی)

زاہد نے مرا حاصلِ ایماں نہیں دیکھا
زلفوں کو تری رُخ پہ پریشاں نہیں دیکھا
(اصغرؔ گونڈوی)

نگاہ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہیں مگر دیکھنے کی تاب نہیں
(جلیلؔ مانکپوری)

نہیں آتی تو یاد اُن کی مہینوں تک نہیں آتی
مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں
(حسرتؔ موہانی)

کس نے بھیگے ہوئے بالوں سے یہ جھٹکا پانی
جھوم کر آئی گھٹا، ٹوٹ کے برسا پانی
(آرزوؔ لکھنوی)

عشووں کو چین ہی نہیں آفت کئے بغیر
تم اور مان جاؤ شرارت کئے بغیر
(جوشؔ ملیح آبادی)

وہ زلفیں دوش پہ بکھری ہوئی ہیں
جہانِ آرزو ٹھہرا ہوا ہے
(جگرؔ مرادآبادی)

ہم سے کیا ہو سکا محبت میں — تم نے تو خیر بیوفائی کی
(فراقؔ گورکھپوری)

ہائے سیمابؔ اس کی مجبوری — جس نے کی ہو شباب میں توبہ
(سیمابؔ اکبرآبادی)

یہ اور اسی طرح کے بہت سے اشعار اُس وقت کے مشاہیر شعراء کے یہاں پیش کئے جا سکتے ہیں۔ یہی اس وقت کا معیارِ غزل اور رنگِ غزل تھا۔ اس رنگ میں ڈوبی ہوئی آواز ملک کے چاروں اور گونج رہی تھی۔ ملک کے

طول و عرض سے نکلنے والے جرائد و رسائل میں بھی کلام چھپ رہا تھا۔ لوگ شوق سے چاؤ سے اسے پڑھ رہے تھے۔ اس سے ہٹ کر یا بچکر کوئی کچھ کہتا تو وہ شاعری بے جان، بے رنگ، پھسپھسی سمجھی جاتی۔ چنانچہ مالیگاؤں کے شعراء اس سے کس طرح بچ سکتے تھے۔ حضرت شوق کے ہاں بھی یہی رنگ اور اسی نوع کی شاعری پائی جاتی ہے۔ مگر ایک سنبھلے ہوئے انداز میں، ایک توازن، ایک اعتدال لئے ہوئے؛ زبان سلیس، عام فہم؛ بھاری بھرکم تراکیب کے استعمال سے بچتے ہوئے روزمرّہ اور بول چال کی زبان میں شعر کہنے کی کوشش اور کامیاب کوشش۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

اُدھر وہ پاؤں کہ جھکتے نہیں شرارت سے
اِدھر جبیں کہ تڑپتی ہے نقشِ پا کے لئے

کس قدر ہوش رُبا حسن ہوا دیکھو تو
آئینہ ہاتھ سے کیوں چھوٹ گیا دیکھو تو

آج اے شوق مجھے ریس دلائی کس نے
شعر کہنے پہ اُتر آنا مرا دیکھو تو!

وہ جم کے بیٹھے تو محفل جمی نظر آئی
کھڑے ہوئے تو قیامت کھڑی نظر آئی

مری غزل پہ وہ اس طرح جھوم اٹھے شوق
شراب کی سی کوئی شئے چڑھی نظر آئی

سنا ہے ہو ستاؤ مگر کسی حد تک
کہ اُٹھ نہ جائیں مرے ہاتھ بددعا کے لئے

سیکڑوں زخم مرے دل میں جو دیکھے تو کہا
کیا کہیں ایسا شگفتہ بھی مکاں ہوتا ہے؟

چند تیر اور لگا لو مرے دل پر تو کھل
لہلہاتا ہوا زخموں کا چمن ہے کہ نہیں

منزلِ عشق پہ کیا کہیے پہنچکر اے شوق
زندہ رہنا بھی بڑا جرم جہاں ہوتا ہے

ان اشعار میں اس سے قبل کے دئے ہوئے اشعار کی آواز کی گونج اور اندازِ بیان کی مماثلت، زبان کی صفائی، لب و لہجہ کا دھیماپن (جو اس انداز کی غزلوں کی کیفیتوں کو اور تیز کرتا ہے) بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے۔ پوری پوری غزلیں ایک ہی فضا اور ایک ہی قسم کی معلوم ہوتی ہیں۔ شعر پر شعر پڑھتے جایئے اور لطفِ زبان کے ساتھ ساتھ شوخ و شنگ خیالات سے حظ اٹھاتے جایئے اور سو غم ہوں تو بھول جایئے۔ ایسی کیفیت اور ایسا تاثر ملتا ہے جو دورانِ مطالعہ ایک محویت طاری کر دیتا ہے اور قاری کو اپنے ساتھ عالمِ کیف و مستی اور طلسمِ رنگ و بو میں گم کر دیتا ہے۔ یہ خالص غزل یا تغزل کی شاعری کا کارنامہ ہے۔ اس انداز کی چند غزلیں نہیں بلکہ دیوان کے دیوان ہوں تو کوئی شعر و شاعری سے شغف رکھنے والا پڑھنے سے کبھی اُکتاہٹ یا بیزاری محسوس نہیں کرے گا۔ غزل کا ایک ایک دائمی وصف اور جوہر رکھنے والا شعر کبھی بھی پڑھا یا سنا جائے اس میں وہی کیفیت، وہی تاثر ملے گا جو پہلے پہل پڑھنے میں ملا تھا بلکہ بعض اوقات ایک نیا لطف، ایک نئے معنی سے ذہن دوچار ہونے لگتا ہے۔ اگر نظمیں بھی اسی التزام سے کہی جائیں تو ان میں بھی وہی بات آسکتی ہے چنانچہ اس ضمن میں مثنویات کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ مثنوی اور غزل میں جو ہیئتی فرق ہے اُس کے علاوہ اُس کے منفرد شعروں میں ضرب المثل بن جانے کی پوری پوری صلاحیت ہے۔ اسی طرح میر انیس و دبیر کے مرثئے، حالی کی مسدس اور اقبال کی شکوہ جوابِ شکوہ نظمیں دیکھئے! اپنے اندر کتنی شیرینی اور دلچسپیاں رکھتی ہیں اور خیال کے اعتبار سے کتنی فکر انگیز ہیں۔ ایسی ہی نظمیں شوق صاحب کے ہاں بھی ملتی ہیں۔ ان کی ایک نظم کا عنوان ہے "پیامِ عمل" جس کا ٹیپ کا مصرعہ اکبر الٰہ آبادی کا ہے ــ "مرّدوں کے ساتھ قبر میں آرام کیجئے"۔ اس نظم میں شوق صاحب نے مختلف پیشے اور قبیل کے لوگوں سے تخاطب کیا ہے۔ دیکھئے کیسا دلکش پیغام لئے ہوئے ہے:

شاعر اگر ہیں آپ تو اشعار وہ لکھیں
بزدل بھی جس سے شیر ببر سا تڑپ اُٹھیں
جو ناتواں ہیں وہ بھی توانا سے لڑ پڑیں
اتنا کلام میں نہ اثر ہو تو کیا کہیں
"مرّدوں کے ساتھ قبر میں آرام کیجئے"

اِس نظم میں نو بند ہیں۔ ہر بند الگ الگ قبیل کے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے جو ایک درس اور ایک پیام دیتا ہے۔ بے عملوں پر طنز کے وار کرتا ہے جس کا گھاؤ وہ دل و دماغ پر یکساں محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اسی انداز اور اسی نوع کی اُن کے یہاں اور بھی بہت سی نظمیں ہیں۔

اگر شوق مرحوم کے کلام پر کچھ توجہ اور محنت سے کام کیا جائے تو ایک اچھا خاصہ شعری مجموعہ تیار کیا جا سکتا ہے جو اُن کے نمائندہ کلام کا آئینہ دار ثابت ہو سکتا ہے۔

••

تبصرے

علاء الدین جینا بڑے

خوشبو

بدیع الزماں خاور کی منظوم طبعزاد تخلیقات کے تین مجموعے 'حروف'، 'بیاض'، اور 'میراوطن' شائع ہوکر اردو شعروادب کے دلدادگان میں اور خصوصیت کے ساتھ مہاراشٹر میں قبولِ عام حاصل کرچکے ہیں۔ 'خوشبو' اُن کا چوتھا مجموعۂ کلام ہے جو مراٹھی کے تیرہ مشہور شعراء کی نمائندہ نظموں کے تراجم پر مشتمل ہے۔

اس کا پیش لفظ ڈاکٹر عبدالستار دلوی نے لکھا ہے اور دیباچہ جناب شری پاد جوشی نے۔ ڈاکٹر دلوی کو اردو ادب پر عبور حاصل ہے اور وہ مراٹھی زبان وادب سے بخوبی واقف ہیں۔ اسی طرح جناب شری پاد جوشی، ریسرچ آفیسر، گوکھلے انسٹی ٹیوٹ، پونا، نہ صرف مراٹھی زبان وادب کے ماہر ہیں بلکہ اردو اور فارسی پر بھی کافی دسترس رکھتے ہیں۔ ان دونوں حضرات نے مختصر وجامع انداز میں ترجمے کی مشکلات، منظوم ترجموں کی افادیت اور دونوں زبانوں کے تہذیبی و لسانی ورثہ کے اختلاف کا ذکر کیا ہے۔

یہ سچ ہے کہ اردو کا مزاج سراسر ہندوستانی ہے اور اردو شاعری مجرد ہندوستانی جذبات وخیالات کا مرقع ہے حتیٰ کہ میرانیس اور میرزا دبیر کے مرثیوں میں بھی ہندوستانی رسوم ورواج، روایات اور جذبات و احساسات صاف و واضح طور پر نظر آتے ہیں لیکن وہ چیز جس سے اردو شاعری ہندوستان کی دیگر زبانوں کی شاعری سے مختلف نظر آتی ہے، وہ ہے مخصوص علائم ورموز اور تلمیحات کا استعمال؛ بوئے گل، نالۂ دل، دودِ چراغِ محفل، بادہ و ساغر، گل وبلبل، زلف وسنبل، رستم وسہراب، لیلیٰ ومجنوں، عصائے موسیٰ، من وسلویٰ، مہِ نخشب، برگِ حشیش جیسے بے شمار استعارات، تشبیہات، رموز وعلائم اور تلمیحات ہیں جو اختصار و جامعیت کے ساتھ جذبات وخیالات کے مرقعے پیش کرنے میں معاون ہوتے ہیں۔ تاہم مسعود حسن رضوی کے الفاظ میں اس تجویز کی دل سے تائید کرنا چاہیئے کہ "اردو ادب کی محفل کی آرائش میں خالص دیسی چیزیں بھی استعمال کی جائیں اور ہماری شاعری میں خاص ہندوستانی چیزوں، ہندوستانی رسموں، ہندوستانی روایتوں، ہندوستانی حکایتوں سے بھی کام لیا جائے۔" قومی یکجہتی کی طرف یہ ایک قابلِ قدر اقدام ہوگا۔

اردو کا دامن تراجم کے ذریعے وسیع ہوتا ہی رہا ہے۔ اس نے کئی زبانوں کے لسانی اور تہذیبی ورثوں کو اپنے اندر جذب کرلیا ہے۔ بدیع الزماں خاور نے مراٹھی زبان کی شاعری کو اردو سے قریب لانے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے۔ اس سے نہ صرف زبان وادب میں وسعت پیدا ہوتی ہے بلکہ دو تہذیبی و لسانی اکائیوں کے فنکارانہ ملاپ سے قومی یکجہتی کے استحکام میں مدد ملتی ہے۔

'خوشبو' میں ترجمے کے لئے خاور نے مراٹھی ادب کے نمائندہ شاعروں کو چُنا ہے اور ان کی منتخب نظموں کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ ان شعراء میں روایات کے پابند بھی ہیں اور مرڈھیکر جیسے باغی بھی ہیں۔ 'خوشبو' کی ایک چیز جو خصوصیت کے ساتھ اپنی طرف متوجہ کرلیتی ہے وہ ہے موضوعات کا تنوع۔ جیسا کہ شری پاد جوشی نے اپنے دیباچے میں کہا ہے۔ "مراٹھی شاعری صرف عشق ومحبت کے ترانے الاپنے پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ زندگی کے ہر شعبے کو اُجاگر کرنا چاہتی ہے۔" اردو میں موضوعاتی نظموں کا رواج کرنل ہالرائڈ کی سرپرستی میں انجمنِ پنجاب کے مشاعرے کے بعد عام ہوا ہے۔ اس سے پہلے قلی قطب شاہ کے ضخیم دیوان اور نظیر اکبرآبادی کے کلام میں پائی جانے والی موضوعاتی نظمیں، خصوصیت کے ساتھ ہندوستان کے موسموں، پھلوں اور رواجوں وغیرہ سے متعلق نظمیں اردو شاعری کی تاریخ میں بیش بہا اضافہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مراٹھی نظموں کے ان ترجموں سے موضوعاتی شاعری کے رجحان کو جسے آزاد اور ان کے معاصرین کے بعد اقبال، مجاز اور جوش جیسے شاعروں نے آگے بڑھایا ہے، مزید تقویت ملے گی۔

خاقد نے منظوم ترجمے کے مشکل فن کو بڑی خوبی سے نبھایا ہے۔ مراٹھی نظموں کی روح کو قائم رکھا ہے اور اس کے باوصف قاری کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ وہ ترجمہ پڑھ رہا ہے۔

کتابت و طباعت عمدہ ہے۔ اس ۹۶ صفحات کی کتاب (جس کے آخر کے تین صفحات یادداشت کے لئے چھوڑ دئے گئے ہیں) کی قیمت ۴ روپے ہے۔ کتاب پر بحیثیت ناشر نقش کوکن پبلی کیشن ٹرسٹ، جیل روڈ اسٹریٹ (ڈونگری) بمبئی ۹ کا نام اور پتہ درج ہے۔

ماہنامہ فیروز ناگپور

طرزؔ قریشی اردو جرائد کے قارئین اور اردو صحافت کے لئے محتاج تعارف نہیں۔ تقریباً بائیس یا تیئیس سال پہلے آپ کی ادارت میں ناگپور سے ایک معیاری ماہنامہ 'نباض' نکلتا تھا جو وسائل ناکافی ہونے کے باعث سال بھر کے بعد بند ہوگیا تھا۔

اب نئے جوش و خروش اور وافر وسائل کی فراہمی کے ساتھ طرزؔ قریشی نے ایک اور رسالہ 'فیروز' جاری کیا ہے جس کا پہلا شمارہ جنوری میں شائع ہو چکا ہے۔

'فیروز' کا زیر نظر پہلا شمارہ ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اور صوری و معنوی اعتبار سے دلکش و دلپذیر ہے۔ خود مدیر محترم کے الفاظ میں رسالے کی پالیسی کچھ اس طرح ہے:

"اس کا ضمیر و خمیر اشتراکی، اس کا وجود اتحادی اور اس کا پیکر کاغذی جمہوری رنگ و روغن سے آراستہ و پیراستہ ہے۔"

بعنوان "سرراہے" طرزؔ قریشی نے قلمی معاونین کا اجمالی تعارف پیش کیا ہے جو خاصہ دلچسپ بھی ہے۔

نثری تخلیقات میں ایک طرف ڈاکٹر ایل۔ سی۔ رندھیر کا افسانہ سوز و گداز کا حامل ہے تو دوسری طرف یوسف قنوجی کی کہانی فکر انگیز ہے۔ اسی طرح حکیم واقف برہانپوری (مرحوم) پر مولانا ابرؔ احسنی کا تعارفی و تنقیدی مقالہ اور مفتونؔ کوٹوی کا مضمون "اردو شاعری کی ترغیب یکجہتی" قابل قدر ہے۔

حصہ نظم میں مولانا ناطق گلاوٹھوی مرحوم کی ایک غیر مطبوعہ غزل پیش کی ہے۔ اس کے علاوہ واحدؔ پریمی، ادیبؔ مالیگانوی، عنوانؔ چشتی، جیتؔ تمنائی، بشیرؔ بانی، شمس کامٹوی، سلیم احمد زخمی، مصورؔ کارنجوی، لعل محمد اثرؔ الہ آبادی، شارقؔ جمال، قمرؔ سنبھلی، شاہدؔ کبیر، ضیاؔ فتح آبادی، فخرؔ دھولیوی، غلام رسول اشرف، ماہرؔ عزیزی اور جناب سعید اٹاوی کے نام نظر آتے ہیں جو مشاق شعراء ہیں اور جن کا قلمی تعاون رسالے کی مقبولیت کا ضامن ہو سکتا ہے۔

رسالے کا سالانہ چندہ ۶ روپے اور فی پرچہ قیمت ۷۵ پیسے ہے۔

ملنے کا پتہ: دفتر ماہنامہ فیروز، متصل اردو پریس، محمد علی روڈ، مومن پورہ، ناگپور۔

(ایم۔ ایس)

عربی اور فارسی کے فروغ کی اسکیمیں

مرکزی وزارت تعلیم اور سماجی فلاح و بہبود نے عربی اور فارسی زبانوں کے تحفظ اور فروغ کیلئے دو اسکیمیں شروع کی ہیں۔ ان اسکیموں کے تحت ان اداروں کو مالی امداد مہیا کی جائیگی جہاں عربی اور فارسی پڑھائی جاتی ہے۔ یہ مالی امداد اساتذہ کی تنخواہ کی ادائیگی، وظائف کی منظوری، لائبریری کے لئے کتابوں اور دوسرے سازوسامان کی خرید، مدرسوں کی عمارت کی مرمت، لیکچروں کے اہتمام، نایاب قلمی مسودوں وغیرہ کی اشاعت کے لئے دی جائے گی۔ روایتی مدرسوں اور دوسرے اداروں کے فارغ التحصیل افراد کو عربی اور فارسی اور دوسری قدیم زبانوں (سنسکرت کے علاوہ) میں تحقیقی کام کے لئے وظائف دئے جانے کی ایک اور اسکیم بھی شروع کی گئی ہے۔ اس اسکیم کے تحت روایتی اداروں مثلاً مدرسوں کے پوسٹ گریجویٹ سطح کے فارغ التحصیل طلباء جنھوں نے کم از کم پچاس فیصد نمبر حاصل کئے ہوں، عربی اور فارسی سے متعلق کسی بھی مضمون میں تحقیق کے لئے دو سال کی مدت تک دو سو روپے ماہانہ وظیفہ پانے کے مستحق ہوں گے۔ ●●

خاکِ وطن ہے مہر و محبت کا ایک باغ
ظلمت گھر جہاں میں ہے جلتا ہوا چراغ

آؤ کہ آج وعدہ کریں ہم بہ یک زباں
آنے نہ پائے دامنِ جمہوریت پہ داغ

محمد غلام رسول اشرف

معیاری تعلیم

مہاراشٹر کی حسب معمول پیشقدمی

تعلیم لڑکے اور لڑکیوں میں قومی ذمہ داریوں کا شعور پیدا کرنے میں ممد ہوتی ہے۔ یہ ان میں حب وطن کا جذبہ بھی بڑھاتی ہے ... ...

تعلیم کے میدان میں مہاراشٹر ہمیشہ پیش پیش رہا ہے۔ گذشتہ دس سال کے دوران ریاست میں ہر سطح پر توسیع تعلیم کیلئے زبردست کوشش کی گئی۔ فی الحال ریاست میں تقریباً ۵۳,۰۰۰ ابتدائی اور ثانوی اسکول، تقریباً ۷۰۰ کالج اور دس یونیورسٹیاں ہیں جن میں چار زرعی یونیورسٹیاں شامل ہیں۔ توسیع تعلیم کے ساتھ ساتھ یہاں معیار تعلیم کو بھی بہتر بنانے کی کوشش کی گئی۔ وزیراعلیٰ شری وی۔پی۔ نائک قانون ساز اسمبلی میں واضح طور پر اعلان کر چکے ہیں کہ تعلیم کے وصف اور معیار کو بڑھانے پر زیادہ سے زیادہ توجہ دی جائے گی۔

اداروں کا قیام

تعلیم کے معیار کو بہتر بنانے کیلئے ریاستی سطح کے مختلف پروگرام شروع کرنے کی غرض سے حکومت نے ریاستی سطح پر ادارے قائم کئے۔ ریاستی ادارۂ تعلیم نے جون ۱۹۶۳ء میں قائم کیا گیا تھا خصوصاً ابتدائی تعلیم کو بہتر بنانے اور عموماً معیار تعلیم کو بلند کرنے کے مختلف اقدامات پر توجہ صرف کی۔ اس نے پری پرائمری، پرائمری اور زیریں ثانوی سطحات پر مدرسین کے ٹیچر ٹریننگ کورسوں کے نصاب پر نظرثانی کی اور اسے بہتر بنایا، چنانچہ اب سابقہ ایک سالہ سرٹیفکیٹ کورسوں کا درجہ بلند کرکے انھیں تعلیم کے دو سالہ ڈپلوما میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ ادارہ نے ریاست میں تعلیم کے جونیئر کالجوں میں معلمین کی صحیح رہنمائی کے لئے نیز توسیعی افسران کی رہبری کے لئے برسرخدمت تربیتی کورس اور کریشن پروگرام شروع کئے ہیں۔

یہ ادارہ اپنے رسالہ 'جیون شکشن' میں تعلیمی مضامین شائع کرکے دنیائے معلمین کو تعلیم کے میدان میں نئی ترقی اور تعلیم کے نئے طریقوں وغیرہ سے روشناس کراتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ ایک ریسرچ بلیٹن بھی شائع کرتا ہے جس سے معلمین ریسرچ کے ان مختلف کاموں سے واقف ہوتے ہیں جو تعلیم کے میدان میں شروع کئے گئے ہیں اس نے ملحقہ ابتدائی توسیعی مرکز کے ذریعہ ابتدائی اسکولوں کے لئے توسیعی خدمات مہیا کی ہیں' نیز کانفرنسوں اور سیمینار وغیرہ کا اہتمام کیا۔ اسطرح ہر سطح پر مدرسین کو شامل کرنے کی کوشش کی گئی۔
اس ادارہ نے پیشہ ور تربیت و تعلیم اور تجرباتی کام کے سلسلے میں ایک ایکشن ریسرچ پروجیکٹ شروع کیا ہے نیز تجرباتی کام برائے ثانوی اسکول کے آٹھ علاقوں اور پیشہ ورانہ تربیت کے تین علاقوں کا انتخاب کیا ہے۔

ریاستی سطح کے دیگر ادارے

ریاستی سطح کے دیگر اداروں میں حسب ذیل ادارے شامل ہیں،
بیورو آف ٹیکسٹ بکس پروڈکشن اینڈ کری کلم ریسرچ۔
اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف انگلش' جو انگریزی کی تعلیم کے طریقوں کے بارے میں مدرسین کیلئے کورس وضع کرتا ہے۔
اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف سائنس۔
اسٹیٹ ایویلیویشن یونٹ۔
مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن۔
بیورو آف گورنمنٹ اگزامینیشن۔ اور
اسٹیٹ بورڈ آف ٹیچر ایجوکیشن
تعلیمی سال سنہ ۱۹۶۸-۶۹ء سے ساری ریاست میں ابتدائی جماعتوں (اوّل تا ہفتم) کے لئے یکساں نیا نصاب بتدریج رائج کیا گیا۔

دس سالہ ایس۔ایس۔سی کورس

فروری سنہ ۱۹۷۰ء میں اعلان کردہ احیائے تعلیم کی پالیسی میں درج ایک اہم فیصلہ یہ تھا کہ ایس۔ایس۔سی امتحان تک ثانوی نصابِ تعلیم پر نظر ثانی کی جائے۔ اس فیصلے کے مطابق آئندہ ریاست بھر میں ثانوی مرحلہ پر تعلیم کی مدت دس سال ہوگی۔ اس اعلان کردہ نئے ثانوی نصاب کے باعث ریاست کے تینوں خطّوں میں ثانوی تعلیم کے نصاب میں یکسانیت کا مقصد پورا ہو جائے گا۔
جون سنہ ۱۹۷۲ء سے ثانوی تعلیم کا نیا یکساں کورس اولاً آٹھویں جماعت میں رائج کیا گیا۔ اسے بالترتیب سنہ ۱۹۷۳-۷۴ء اور سنہ ۱۹۷۴-۷۵ء میں بتدریج نویں اور دسویں جماعت میں رائج کیا گیا۔ اس طرح نئے یکساں کورس پر مبنی پہلا ایس۔ایس۔سی امتحان دسویں جماعت کے اختتام پر اس سال مارچ میں منعقد ہوگا۔ تجرباتی کام کو نئے ثانوی کورس کا لازمی جزٔ قرار دیا گیا ہے تاکہ طلباء میں احترامِ محنت کا صحیح جذبہ پیدا ہو اور وہ پیداواری صلاحیت بڑھانے میں تعلیم کی اہمیت سے روشناس ہوں۔ نئے کورس کے ذریعہ طلباء کو سماجی خدمات، اسکاؤٹنگ اور این۔سی۔سی۔ میں پوری طرح حصہ لینے کا موقع بھی ملے گا۔ ریاضی اور سائنس کو اب لازمی کر دیا گیا ہے تاکہ ہر طالب علم سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں تیز رفتار ترقی سے واقف رہے اور سمجھ سکے۔
پوری ریاست میں ثانوی تعلیم کا یکساں نصاب رائج کرنے کی راہ ہموار کرنے کی غرض سے مہاراشٹر سیکنڈری ایجوکیشن بورڈس ایکٹ سنہ ۱۹۶۵ء میں پاس کیا گیا تھا اور جنوری سنہ ۱۹۶۶ء سے لاگو کیا گیا تھا۔ اسٹیٹ بورڈ کے حلقۂ اختیار میں اب ساری ریاست مہاراشٹر آگئی ہے۔ حکومت حسب پالیسی ساری ریاست میں اسکول اور کا[لج] تعلیم کے ۱۰+۲+۳ نظام کو رائج کرنے [کا] فیصلہ کر چکی ہے۔ اس فیصلہ کے مطابق اسٹی[ٹ] بورڈ نے نصاب برائے جماعت VIII تا X تیار کیا ہے، جو حکومت نے منظور کر لیا ہے۔ [یہ] نصاب سنہ ۱۹۷۲-۷۳ء سال میں آٹھویں جماعت [اور] اس کے بعد کے سالوں میں نویں اور دسو[یں] جماعتوں میں رائج کیا گیا ہے۔ آٹھویں جماع[ت] کے نصاب پر نظر ثانی کے بعد نئی ریاضی' تجر[باتی] کام اور انگریزی میں ایک عام ٹیچر ٹریننگ پروگرام شروع کیا گیا۔ مزید ٹیچروں کے استفاد[ے کی] غرض سے یہ سہولت جاری رکھی جائے گی، نیز ان مض[امین] کی تعلیم میں ان کی رہنمائی کے لئے مفید کتا[بیں] شائع کرکے اسے بڑھایا گیا ہے۔

مدرّس کا رُتبہ

ابتدائی مدرسین کا رُتبہ بڑھانے کی غرض [سے] سنہ ۱۹۶۶ء میں ابتدائی مدرسین کی بھرتی کے کم سے کم لیاقت بڑھاکر ایس۔ایس۔سی، مقررہ پیشہ ورانہ تربیت قرار دی گئی۔ ابت[دائی] مدرسین کی شرح تنخواہ میں بھی کافی اضافہ کی[ا گیا] ہے۔ نیز انھیں پینشن اور گریجویٹی کے فائد[ے] دے گئے ہیں۔
فی الحال تربیت یافتہ ابتدائی مدرسین [کے] لئے برسرِ خدمت تربیتی پروگرام سنہ ۱۹۷۱-۷۲ء سے زیرِ عمل لایا جا رہا ہے۔ ہر تعلقہ مقام [پر] برسرِ خدمت تربیت کورس چلائے جا رہے [ہیں]۔ فی الوقت ۹۳ حلقہ جات میں ۲۸ روزہ کو[رس] چلایا جا رہا ہے۔ ایک سال میں عموماً ہر [حلقہ] پر ۸ کورس چلائے جاتے ہیں۔ پورے کو[رس] کے دوران متعلقہ مدرسین کو تعلیم کے میدان [کے] نئے رجحانات سے روشناس کیا جاتا ہے۔

گریجویٹ صدر مدرّس

تربیت یافتہ مدرسین کو صدر مدرس کی حیثیت سے مقرر کرنے کی اسکیم ریاست میں ۷۲-۱۹۷۱ء سال سے تدریجی پروگرام کے تحت زیر عمل لائی جا رہی ہے۔ سینٹرل پرائمری اسکول کا ایک تربیت یافتہ گریجویٹ صدر مدرّس نہ صرف اپنے اسکول کا ذمہ دار ہوگا بلکہ اسے تقریباً آٹھ دس کلومیٹر کے حلقہ میں دیگر اسکولوں کی نگرانی اور رہنمائی کی ذمہ داری بھی اٹھانا ہوگی۔

جہاں کہیں ممکن ہوگا اونچی ابتدائی جماعتیں (پانچویں تا ساتویں) سیکنڈری اسکولوں سے ملحق کردی جائیں گی جن میں فی الحال مضمون وار تعلیم رائج ہے۔ فی الحال ایک ابتدائی اسکول کے مدرس سے یہی توقع کی جاتی ہے کہ اُسکے ذمے جو کلاس ہے اُسمیں وہ تمام مضامین پڑھائے۔

طریقۂ جانچ میں مدرسین کی تربیت کیلئے ایویلیویشن یونٹ نے کئی مختصر کورس شروع کئے ہیں۔ طریقۂ امتحان کو سدھارنے کے لئے اوّلین اقدام کے طور پر اسکولوں میں "اندرونی جانچ" رائج کرنے کی بھی تجویز ہے۔

اسکول کامپلیکس کی اسکیم جون ۷۰-۱۹۶۹ء سے پائلٹ پروجیکٹ کے طور پر زیر عمل ہے اب ریاست کے تمام اضلاع میں جاری کردی گئی ہے۔ سرکار کی زیر سرپرستی اس اسکیم سے بہت سے مقامات میں رضاکارانہ بنیاد پر اسکول کامپلیکس جاری کرنے کی حوصلہ افزائی ہوئی ہے۔ یہ اسکیم ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے درمیان حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کی مثالی کوشش ہے جسے سراہا گیا ہے۔

درسی کتابوں کی تیاری

بیورو آف ٹیکسٹ بکس پروڈکشن نے پہلی سے ساتویں جماعت تک مختلف سات زبانوں میں طلباء کے لئے تمام مضامین میں درسی کتابیں تیار اور شائع کی ہیں۔ یہ دفتر آئندہ مدرّسین کے لئے مفید کتابچے وغیرہ بھی شائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

اس دفتر کا ریسرچ یونٹ ابتدائی اسکولوں کے نصاب تعلیم نیز درسی کتابوں کو بہتر بنانے کے لئے ریسرچ منصوبوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

یہ دفتر بچوں کے لئے مفید لٹریچر تیار کرنے کا کام بھی شروع کرے گا۔ فی الحال اس نے بچوں کے لئے مراٹھی میں "کشور" نامی رسالہ شائع کرنا شروع کیا ہے۔

پبلک اسکول

۱۹۶۷ء میں ریاست کے چار محصول حلقہ جات میں سے ہر ایک میں ایک پبلک اسکول (ودیا نکیتن) کا قیام صلاحیتوں کو بڑھانے کی جانب ایک اہم مثالی اقدام ہے۔

مندرج جاتیوں، قبائل اور پس ماندہ طبقات کے بچوں کی ضروریات پوری کرنے کی غرض سے رہائشی سہولیات کے ساتھ آشرم اسکول شروع کئے گئے ہیں۔ فی الحال ریاست میں ایسے ۱۹۸ آشرم اسکول جاری ہیں۔ رفتہ رفتہ ان اسکولوں میں ایس۔ایس۔سی۔ کی سطح تک تعلیم بڑھادی جائے گی۔ فی الحال ۱۴ آشرم اسکول یہ پروگرام شروع کرچکے ہیں۔

پیشہ ورانہ تعلیم

کوٹھاری کمیشن کی سفارشات کے مطابق ریاست نے پیشہ ورانہ تعلیم اور تربیت میں ایک ایکشن ریسرچ پروجیکٹ سنبھالا ہے جس کے لئے اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن میں ۱۹۷۰ء سے ایک یونٹ قائم کیا گیا ہے۔ اس یونٹ نے اوّلاً ضلع عثمان آباد اور ضلع پونا کی حویلی تحصیل میں پیشہ ورانہ ضروریات اور تربیت کے جائزہ کا اہتمام کیا نیز بیرونِ اسکول نوجوانوں کے لئے تین علاقوں میں تربیتی پروگرام شروع کیا گیا ہے۔ جہاں تک تجرباتی کام کا تعلق ہے ثانوی اسکولوں میں رواج کے لئے برقی آلات کی مرمّت، اسٹو کی درستگی، جلد سازی، باغبانی، لکڑی کے کام اور سائیکل کی مرمّت وغیرہ مضامین کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس کے لئے مناسب نصاب اور تعلیمی سامان بھی تیار کیا گیا ہے۔

تعلیم لڑکے اور لڑکیوں میں قومی ذمہ داریوں کا شعور پیدا کرنے میں ممد ہوتی ہے۔ یہ ان میں حُبّ وطن کا جذبہ بھی بڑھاتی ہے۔ اس سے وہ جمہوریت اور سوشلزم کے لئے لازمی نئی اقدار زندگی سے واقف ہوتے ہیں۔ لہٰذا مختلف تعلیمی نصابات پر نظرِ ثانی کرتے وقت یہ خیال رکھا گیا ہے کہ ذہنی ترقی کے ساتھ ساتھ تعلیم سے علمی رجحان، محنت سے لگن اور سماجی شعور پیدا ہو جو مہاراشٹر کی روایات کے شایانِ شان ہے۔

زراعتی ترقی کی حکمت عملی

منصوبہ بند ترقی میں زراعت کو سب سے زیادہ ترجیح دی گئی ہے۔ حکومت مہاراشٹر نے اپنے حصہ کے طور پر زراعتی ترقی کیلئے مزید ذرائع فراہم کرنے کی مستحکم کوششیں کی ہیں۔

چونکہ زیر کاشت اراضی کا کل ۹ فیصدی حصہ آبپاشی کے تحت ہے۔ مہاراشٹر میں کاشتکاری کا انحصار خاص طور پر بارش پر رہی ہے۔ سال کی تقریباً ۸۴ فیصدی بارش عموماً ماہ جون اور ستمبر کے دوران ہوتی ہے۔ اس لئے ریاست میں کل ۱۹۴ لاکھ ہیکٹر زیر کاشت اراضی میں سے ۱۴۰ لاکھ ہیکٹر (تقریباً دو تہائی) خریف فصل کے تحت ہوتی ہے اور بقیہ ۵۴ لاکھ ہیکٹر (ایک تہائی) ربیع فصلوں کے تحت۔ تقریباً ۶۷ فیصدی زیر کاشت اراضی میں جوار، باجرہ، گیہوں، دھان اور دالیں پیدا کی جاتی ہیں۔ بقیہ ۳۵ فیصدی اراضی پر کپاس، تلہن، گنا، پھل اور سبزیوں جیسی تجارتی فصلیں پیدا کی جاتی ہیں۔

خشک سالی کے بعد

۷۳-۱۹۷۰ء کی مدت کے دوران لگاتار تین سالہ خشک سالی سے زراعتی پیداوار میں زبردست کمی واقع ہوئی۔ ۷۳-۱۹۷۲ء سال زراعت کے معاملے میں نادر ثابت ہوا جب کہ اس سال اناج کی پیداوار گھٹ کر ۳۰.۵۱ لاکھ ٹن رہ گئی۔

بہر حال ۷۴-۱۹۷۳ء میں مناسب بارش ہوئی اور کل پیداوار بڑھ کر ۴۲.۷۶ لاکھ ٹن ہو گئی جو کہ اب تک کی دوسری سب سے بڑی مقدار تھی۔ ایسی ہی مانسون کی بنیاد پر ۷۵-۱۹۷۴ء سال کے لئے منصوبہ بندی نشانہ ۸۰ لاکھ ٹن مقرر کیا گیا ہے۔

حکمت عملی

زراعتی ترقی کی حکمت عملی میں ایک اہم منصو یہ ہے کہ دھیرے دھیرے زیادہ سے زیادہ رقبہ کو ہائی بریڈ اور ہائی ایلڈنگ اقسام کے تحت لا جائے۔ اس حکمت عملی کا نفاذ ایسے مراکز ذریعہ ایک طریقہ تقسیم کے تحت پیکیج سہولتیں فراہم کی جائیں جہاں کاشتکار آسانی سے پہنچ سال ۷۵-۱۹۷۴ء کے دوران ہائی بریڈ اور ایلڈنگ اقسام کے اناج کے پروگرام کے تح ۲۸.۴۰ ہیکٹر اراضی زیر کاشت لانا ہے۔

۷۶-۱۹۷۵ء کی خریف فصل کے دوران یہ کیا گیا ہے کہ ۳۶.۳۷ لاکھ ہیکٹر اراضی ہائی اور ہائی ایلڈنگ قسم کے اناج کے تحت لایا جا زراعتی پیداوار کو بڑھانے کی خصوصی تدا یہ ہیں:

(۱) کاشتکاروں کو ایک وقت اور ایک

ثابت شدہ اعلیٰ اقسام کے بیج وغیرہ کو پیکیج کے طور پر فراہم کیا جائے۔ پیکیج میں اعلیٰ اقسام کے بیج، کیمیائی کھاد، جراثیم کش ادویہ اور فصلوں کے درمیان میں فصل کو بچانے کے لئے مناسب ہدایات اور زیادہ سے زیادہ پیداوار شامل ہیں۔

(۲) آبپاشی والے علاقے میں جتنا بھی پانی دستیاب ہوسکے اس کا زیادہ سے زیادہ استعمال نیز بارش والے علاقوں میں خشک کاشتکاری کے ترقی یافتہ طریقوں کو اپنانا۔

(۳) آبپاشی سال کے آغاز سے قبل جاریہ خریف فصل کے دوران زیادہ سے زیادہ اناج پیدا کرنے کا ایک پروگرام تیار کیا گیا ہے۔ جہاں بھی جھیلوں میں پانی موجود ہو اس سے ہائی بریڈ تجارتی فصلوں کو قبل موسم پانی فراہم کیا جائے۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا ہے کہ نہروں، ندیوں، رستے تالابوں اور پانی کے ذخائر کے پیچھے پھیلے ہوئے پانی نیز بجلی گھروں سے نکلے پانی کو اٹھانے کی اجازت آسانی سے دی جائے۔ ربیع فصل کے دوران جوار اور گیہوں جیسے اناجوں کی فصل کے لئے آبپاشی کا پانی منظور کرنے کو اعلیٰ ترجیح دی جائے۔

(۴) آبپاشی اور پراجکٹوں کے تحت آنیوالے تمام علاقوں میں اراضی ترقی کا کام شروع کرنا، تاکہ کاشتکاری کے لائق تمام علاقوں کا پوری طرح استعمال کیا جاسکے۔ چھوٹے کسانوں کے لئے میدانی سڑکیں اور دوسری ضروری تعمیرات، خشک علاقوں میں نمی کو محفوظ کرنے کے لئے کنٹور یا درجہ بندی باندھ اور یقینی بارش کے علاقوں میں دھان پیدا نہ کرنے والے کھیتوں کو دھان کے کھیتوں میں تبدیل کرنا۔

(۵) کھودے گئے کنوؤں کو بجلی فراہم کرنے کے پروگرام میں سرعت لانا تاکہ آبپاشی کے تحت موجودہ اراضی میں اضافہ کیا جاسکے۔ بڑی تعداد میں رستے تالاب تعمیر کرنا جس سے ان تالابوں کے کمانڈ علاقے کے اندر پانی کی مقدار بڑھائی جاسکے، کمیونٹی کنوؤں کی تکمیل اور لفٹ آبپاشی کی ترقی نیز جلد پانی کا بہاؤ فراہم کرنے والے آبپاشی پراجیکٹ کی تکمیل۔

(۶) پودوں کے تحفظ کے ایک پیکیج پروگرام کے ذریعہ تمام موجودہ اناج کا تحفظ۔

(۷) ریاستی سطح پر چوہوں کے خاتمہ کا ایک پروگرام۔

(۸) امداد باہمی، اراضی ترقیاتی اور قومیائے گئے بینکوں کے ذریعہ کم وقتی اور ابتدائی پونجی کو بوقت ضرورت فراہم کرنے اور کریڈٹ دینے کی گنجائش اور

(۹) سرٹیفائیڈ بیج پیداواری پروگرام۔ اس پروگرام کے تحت جو رقبہ ۱۹۷۰ء میں ۳،۶۰۰ ہیکٹر تھا وہ ۷۵-۱۹۷۴ء میں بڑھ کر ۳۲،۰۰۰ ہیکٹر ہوگیا ہے۔ ورلڈ بینک پراجیکٹ جو کہ امید ہے جلد ہی منظور ہو جائے گا، ۴۰،۰۰۰ ہیکٹر کا مزید رقبہ اپنے تحت لائے گا۔ ہائی برڈ اناج بیج کے علاوہ سرٹیفائیڈ بیج پیداوار کی توسیع کپاس، سبزیوں، دالوں، تلہن وغیرہ تک کی جائے گی۔

کریڈٹ پراجیکٹ

مہاراشٹر میں امداد باہمی تحریک نے زراعت میں پونجی لگانے کے لئے کافی دیہی بچت مہیا کی ہے۔ تقریباً ۳۵ لاکھ کاشتکار یا کل زمین مالکان کا تقریباً ۷۱ فیصدی کو تقریباً ۲۰،۰۰۰ پرائمری کوآپریٹیو کریڈٹ سوسائٹیوں کے ذریعہ سے امداد باہمی کے تحت لایا گیا ہے۔ امداد باہمی اداروں کے ذریعہ ۷۴-۱۹۷۳ء کے دوران زراعت کے لئے ۱۳۰ کروڑ روپے کا کم وقتی قرض دیا گیا۔ ۷۵-۱۹۷۴ء میں ڈسٹرکٹ سنٹرل کوآپریٹیو بینکوں نے کم وقتی زراعتی کریڈٹ کے طور پر جاریہ خریف فصل میں ۷۱ کروڑ روپے قرض دیئے ہیں اور اس سال تخمینہ ہے کہ یہ قرض ۱۱۰ کروڑ روپے تک جائے گا۔ ۷۵-۱۹۷۴ء کی ربیع فصل کیلئے اندازہ ہے کہ مزید ۴۰ کروڑ روپے کا قرض فراہم کیا جاسکے گا جو کہ جاریہ سال میں کل قرض ۱۵۰ کروڑ روپے تک پہنچا دے گا۔ کھاد کی قیمتوں میں اضافہ کی وجہ سے مالی پیمانے میں اضافہ کیا گیا ہے تاکہ ہائی بریڈ اور ہائی ایلڈنگ اقسام کے تحت زیادہ سے زیادہ ضروریات پوری کی جاسکیں۔

کنوؤں، پمپ سیٹوں، لفٹ وغیرہ کے لئے اراضی ترقیاتی بینک کے ذریعہ جو زیادہ مدتی قرض دیا جاتا ہے اس کو گذشتہ سال سے دوبارہ منظم کیا گیا ہے اور اب ہر ضلع میں شاخیں ہیں اور ۲۸۶ ضمنی شاخیں ہیں۔ چوتھے منصوبے کی مدت کے دوران اراضی ترقیاتی بینک نے زائد مدتی قرضوں کے طور پر ۱۰۰ کروڑ روپے فراہم کئے۔ ۷۵-۱۹۷۴ء کے دوران ۲۳ کروڑ روپے مزید قرض کا نشانہ ہیں۔ ابتک اس بینک نے تین لاکھ سے زائد کنوؤں کی تعمیر، ۶۰،۰۰۰ موجودہ

کنوؤں کی مرمت ' ۱۰۵ لاکھ سے زائد پمپ
سیٹوں کی فراہمی اور ۸۰۰ لفٹ آبپاشی اسکیموں
کو مدد فراہم کی ہے۔

ذرائع کی یکجائی

ہم اپنی زیادہ تر امیدیں جدید ٹکنالوجی یعنی
ہائی ایلڈنگ اقسام سے وابستہ کرتے ہیں جس میں
زبردست صلاحیت موجود ہے، اور ہم نے تقریباً
۲۰ فیصدی خریف جوار، ۳ فیصدی باجرہ اور
۲۵ فیصدی دھان ہائی ایلڈنگ اقسام کی فصل کے
تحت رکھا ہے۔ پوری صلاحیت کو استعمال کرنے
کے لئے ہائی ایلڈنگ اقسام کو بڑی مقدار میں زراعتی
ذرائع کی ضرورت پڑتی ہے جیسے کھاد اور جراثیم کش
دوائیں جو کہ بدقسمتی سے کمیاب ہیں۔ بہرحال
ان اشیاء کی زیادہ سے زیادہ فراہمی کے لئے ہر
ممکن قدم اٹھایا جائے گا تاکہ ہائی ایلڈنگ اقسام
کے اناج کے ترجیحی پروگرام پر عملدرآمد کیا جاسکے۔
ریاست نے اس پروگرام کو کامیاب بنانیکا فیصلہ
کیا ہے اور زراعتی پیداوار کو زیادہ سے زیادہ
ممکن حد تک لے جانا ہے۔

ربطِ باہمی

حکومتِ مہاراشٹر نے زراعتی پروگراموں کے
نفاذ کے لئے مشینری قائم کردی ہے اور زراعتی
یونیورسٹیاں پیداواری پروگرام میں مزید قریب سے
سرگرم عمل ہیں۔ آبپاشی پروجیکٹوں کے زیرتحت
علاقوں میں اراضی ترقیاتی کام انجام دینے کے لئے
اراضی ترقیاتی کارپوریشن قائم کی گئی ہے۔ ان
علاقوں کی ہمہ جہتی ترقی کے لئے مربوط اقدامات کی
غرض سے کمانڈ ایریا ڈیولپمنٹ اتھارٹیز قائم کر
دی گئی ہیں۔
اس پروگرام کی عمل آوری کے لئے ضلع پریشد
خاص ایجنسی ہے۔ ضلع پریشدوں کو حکومت اور

زراعتی یونیورسٹیوں سے مستقل ہدایات اور مدد ملتی رہتی ہے۔

محصول میں اضافہ

جاریہ سال میں ریاستی حکومت نے پانی کے نرخ
میں اضافہ کردیا ہے جس کے نتیجہ میں پانچویں منصوبہ میں
مزید تقریباً ۳ کروڑ روپے حاصل ہوں گے اور جاریہ
سال کے دوران ۵،۶۴ کروڑ روپے حاصل ہونے کی
امید ہے۔ زراعتی استعمال میں آنے والی بجلی کے نرخ
میں بھی اضافہ کیا گیا ہے جس سے سالانہ ۵۰ لاکھ روپے
مزید حاصل ہونے کی توقع ہے۔ لگانداری فصلوں
میں دوسری تجارتی فصلیں بھی شامل کی گئی ہیں جس
سے سالانہ ۱۶۵ کروڑ روپے مزید وصول ہونے
کی توقع ہے۔ راج کمیٹی کی سفارشات کی روشنی
میں زراعتی آمدنی پر ٹیکس لگانے کا فیصلہ چونکہ
زیرغور ہے اس لئے زراعتی زمینوں پر ایک
سرچارج لگایا گیا ہے جس سے سالانہ ۳۲ء۱ کروڑ
روپے حاصل ہونے کی امید ہے۔
ان تمام اقدامات کا مطلب پانچویں منصوبہ
کے دوران زراعتی سیکٹر میں سالانہ لاگت
۱۳ء ۱۷ کروڑ روپے سے بڑھاکر ۳۵ء۲۵ کروڑ
روپے کرنا ہے۔

●●

بقیہ مِس اور مجنوں

کھڑا ہو جاتا ہے۔ بل دیکھ کر لڑکا اور بھی
سٹپٹا جاتا ہے۔ پاکٹ سے روپے نکال کر
گنتا ہے۔ پاکٹ کو اُلٹ پلٹ کر دیکھتا ہے،
اور بیرے سے ہکلاتا ہوا کہتا ہے۔

لڑکا: میرے پاس تو صرف چ۔چ۔ چودہ روپے
ہیں اور یہ بل چودہ روپے ستر پیسے کا ہے۔
بیرا (لڑکے کے ہکلانے کی نقل اتارتے ہوئے):
صاحب آپ نے دو گلاب جامن جو منگائے۔
ستر پیسے دوسرے گلاب جامن کے ہیں:
لڑکا: اَر۔ اَرے وہ تو ادھار ہے۔ اُس پر
(دروازے کی طرف لپک کر) بلاؤ اُس کو۔
بیرا: وہ۔ وہ تو چلی گئی۔ اور اب ستر پیسے
کے لئے آپ کو...
لڑکا (آنکھیں پھاڑ کر): ک۔ ک۔ کیا کرنا
ہوگا؟
بیرا: آپ کو ہوٹل کی پلیٹیں صاف کرنا
پڑے گا۔

○

[لڑکا سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے
یا
ڈراپ میں پلیٹیں صاف کرتا ہوا دکھایا
جاتا ہے۔]

●●

کونسل کی کارروائی

۱۳ر دسمبر ۱۹۷۴ء کو ختم ہونے والے ہفتہ کے دوران ایوان نے لیجسلیٹو اسمبلی کے پاس کردہ بلوں پر بحث کی نیز انھیں پاس کردیا۔ صرف مسودۂ قانونِ سہولیات برائے زراعتی قرضہ جات از بینک، مہاراشٹر ۱۹۷۴ء پر کی جانے والی بحث ناتمام رہی۔

آرٹیکل ۳۶۸ کے فقرہ (۲) کے تحت پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں پاس شدہ دستورِ ہند کے ۳۶ ویں ترمیمی بل ۱۹۷۴ء کو جو سکم اور ہندوستان کے عوام کے باہمی تعلقات و تعاون سے متعلق ہے، ایوان نے ایک ریزولیشن کے ذریعہ اتفاقِ رائے سے پاس کردیا۔

شری یو۔ این۔ گائیکواڑ، وزیرِ مملکت برائے صحت عامہ، انرجی، بجلی (تقسیم)، غذا و سول سپلائیز نے انڈین الیکٹریسٹی (مہاراشٹر ترمیم و توثیق) بل ۱۹۷۴ء پیش کیا اور ایوان نے بل پاس کردیا۔

شری رتنپا کنبھار، وزیرِ مملکت برائے امورِ داخلہ و اطلاعات و پبلسٹی نے بمبئی کے لئے ایڈیشنل پولس کمشنر کے تقرر سے متعلق بل پیش کیا۔ بل کا مقصد گورنر کے ۲۸ نومبر ۱۹۷۴ء کو جاری کردہ آرڈی نینس کے تحت ایڈیشنل پولس کمشنر کے تقرر کے لئے گنجائش پیدا کرنا تھا۔

شری جی۔ پی۔ پردھان نے بل پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ پبلک کمیٹی کی سفارشات میں ایک ہی عہدے پر دو افسروں کے تقرر کی مخالفت کی گئی ہے۔ شری جی۔ بی۔ کانشکر نے بھی بحث میں حصہ لیا۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری رتنپا کنبھار نے ایوان کو بتلایا کہ حکومت نے متذکرہ کمیٹی کی سفارشات کو منظور نہیں کیا ہے انہوں نے مزید فرمایا کہ اسمگلنگ کے خلاف چلائی گئی موجودہ مہم کے تحت محکمۂ پولس کا کام بہت بڑھ گیا ہے اس لئے ایڈیشنل کمشنر کا تقرر بہت ضروری ہے۔ ایوان نے مہاراشٹر گنّے پر خریداری ٹیکس (دوسری ترمیم) بل ۱۹۷۴ء اور مہاراشٹر یونیورسیٹیز (دوسری ترمیم) بل ۱۹۷۴ء پاس کر دئے۔ شری رتنپا کنبھار وزیرِ مملکت برائے امورِ داخلہ و اطلاعات و پبلسٹی نے سینما ٹکٹوں کے کالا بازار پر روک لگانے سے متعلق بل ایوان میں پیش کیا۔

بحث میں حصہ لینے والوں نے شکایت کی کہ پولس اس قسم کے مجرموں کی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتی۔ شری رتنپا کنبھار نے اس بات کی یقین دہانی کی کہ آئندہ اس قسم کے مجرموں کے خلاف سخت اقدامات کئے جائیں گے۔ ایوان نے بل پاس کردیا۔

سرو شری وی۔ آر۔ پنڈت، سی۔ آر۔ کھانولکر اور ڈی۔ وی۔ دیشپانڈے نے بحث میں حصہ لیا۔

سرو شری این۔ جی۔ ناندرے، این۔ وی۔ آگلے، اُتم راؤ پاٹل اور ایل۔ این مانکر نے تلسی منصوبہ سے متاثرہ افراد کی بحالی سے متعلق ایک توجہ طلب تحریک پیش کی۔ شری ایس۔ بی۔ پاٹل (نلنگیکر) وزیرِ مملکت برائے باز آباد کاری نے فرمایا کہ متاثرہ لوگوں میں بانٹنے کے لئے متبادل زمینیں تعلقہ میں میسّر ہیں لیکن ان لوگوں کا مطالبہ ہے کہ منصوبہ کے کمانڈ علاقے میں ہی انھیں زمینیں دی جائیں۔ اس سلسلہ میں اس بات کو مدِنظر رکھ کر مناسب اقدام کئے جارہے ہیں، اب تک ۲،۷۶۲۶ ہیکٹر زمین تقسیم کی جاچکی ہے اور ۴۷ خاندانوں کو ۹۲،۰۰۰ روپے کا قرض گھروں کی تعمیر کے سلسلہ میں دیا جاچکا ہے۔

شری سی۔ آر۔ کھانولکر کی توجہ طلب تحریک کا، جو رتناگیری ضلع کے المونیم منصوبہ سے متعلق تھی، جواب دیتے ہوئے شریمتی پربھا راؤ، وزیرِ مملکت برائے صنعت و منصوبہ بندی نے فرمایا کہ مرکزی وزیر برائے فولاد نے پارلیمنٹ میں یہ فرمایا ہے کہ رتناگیری ضلع کے المونیم منصوبہ کو کسی اور جگہ منتقل نہیں کیا جائے گا، نیز مہاراشٹر کے وزیرِ اعلیٰ کو بھی اس سلسلہ میں مطلع کردیا گیا ہے۔

❖ ❖ ❖

بمبئی میٹرو پولیٹن علاقہ میں صنعتوں کا قیام

حکومتِ مہاراشٹر کی نئی پالیسی

بمبئی میٹرو پولیٹن ریجنل پلان بابت ۹۱-۱۹۷۰ء جس میں اس خطہ میں صنعتوں کے قیام کے بارے میں پالیسی کی وضاحت کی گئی ہے، ۱۶ر اگست ۱۹۷۳ء سے نافذ العمل ہے۔ صنعتوں کے قیام سے متعلق مختلف معاملات پر مفصل نظرثانی کے بعد حکومت مہاراشٹر نے بمبئی میٹرو پولیٹن خطہ میں صنعتوں کے قیام کے لئے نئی پالیسی وضع کی ہے۔ نئی پالیسی کا مقصد یہ ہے کہ اس خطہ میں صنعتوں کا پھیلاؤ ہو اور شہری زندگی کی حالت بہتر ہو۔ نئی پالیسی کی قابلِ ذکر خصوصیات یہ ہیں:

بمبئی میٹرو پولیٹن ریجن چار حلقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یعنی بمبئی جزیرہ پر مشتمل حلقہ ۱ جس میں وڈالا انیک انڈسٹریل ایریا شامل نہیں ہے، حلقہ ۲ جو وڈالا انیک انڈسٹریل ایریا، مضافات اور توسیع شدہ مضافات، بمبئی عظمیٰ، تھانہ اور میرا روڈ پر مشتمل ہے، حلقہ ۳ جو نئے بمبئی علاقہ پر مشتمل ہے اور حلقہ ۴ یعنی بقیہ علاقہ بمبئی میٹرو پولیٹن ریجن۔

حلقہ ۱ میں صنعتوں کی کثرت اور گنجان شہری آبادی کی وجہ سے رہائش اور نقل و حمل کی سہولتوں وغیرہ کی کمی شدت سے محسوس ہونے لگی ہے۔ لہٰذا اس خطہ میں بڑی درمیانی اور چھوٹی ہر قسم کی نئی صنعتوں کے قیام کو یکسر بند کر دینا ہوگا۔ البتہ لانڈری، بیکری اور آٹا ملوں جیسے چھوٹے پیمانے کے صنعتی یونٹ قائم کرنے کی اجازت ہوگی۔ موجودہ صنعتوں کی توسیع کی اجازت نہ ہوگی البتہ موزوں حلقوں میں موجودہ ٹیکسٹائل ملوں کو بعض شرائط کے تحت اس مقصد سے وزیر اعلیٰ کی زیر صدارت قائم کی گئی اعلیٰ اختیارات کمیٹی کی منظوری سے محدود توسیع کی اجازت ہوگی۔

حلقہ ۲ میں بھی شہری آبادی بڑی گنجان ہے اور صنعتوں کی کثرت کی وجہ سے پیدا شدہ مسائل پیچیدہ تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اس حلقہ میں کسی بڑے یا درمیانی درجہ کے یونٹ کے قیام کی اجازت نہ ہوگی۔ صرف موجودہ ٹیکسٹائل ملوں کو حلقہ ۱ کی ملوں کی طرح انہی شرائط پر محدود توسیع کی اجازت ہوگی۔ دیگر موجودہ یونٹوں کو خاص صورتوں میں مذکورہ بالا اعلیٰ اختیارات کمیٹی کی منظوری سے اس بنا پر توسیع کی اجازت ہوگی کہ وہ صرف پرانی مشینری کی تبدیلی کے باعث پیداوار برابر کرنے یا گنجائش حد کے اندر بڑھانے کے لئے ضروری ہو تاہم مزدوروں کی تعداد نہ بڑھائی جا سکے گی۔

حلقہ ۱ اور ۲ سے دیگر موزوں علاقوں میں منتقل ہونے والے یونٹوں کے ساتھ ترجیحی سلوک کیا جائے گا نیز انھیں ضروری توسیع اور تنوع وغیرہ کی اجازت ہوگی بشرطیکہ یہ کام وہ تین سال کے اندر انجام دے دیں۔

حلقہ ۲ میں چھوٹے پیمانے کے یونٹوں کو جن کے پلانٹ اور مشینری میں لگا سرمایہ ۷.۵ لاکھ روپے سے زیادہ نہ ہو، حسب ذیل شرائط کے تحت قیام کی آزادی ہوگی۔

(۱) یہ ایسی صنعت سے متعلق ہو جہاں تیاری مال کی سرگرمی لمبی مدت تک اسمال اسکیل سیکٹر میں جاری رکھی جا سکے۔

(۲) ایسے یونٹوں پر واضح کر دیا جائے کہ انھیں توسیع کر کے بڑے یونٹ بننے کی اجازت نہ ہوگی، نیز ایسی توسیع کے لئے مزید زمین، پانی یا بجلی بھی نہ مل سکے گی۔ اس طرح سے اس بات کی ضمانت ہوگی کہ صحیح معنوں میں چھوٹے درجہ کے یونٹ ہی اس حلقہ میں قائم ہوں۔

(۳) ایسے چھوٹے درجہ کے یونٹ صرف منظور شدہ اور معینہ صنعتی علاقہ جات اور صنعتی بستیوں میں قیام پذیر ہو سکیں گے۔

الیکٹرانکس ایکسپورٹ پروسیسنگ زون میں جو مرول میں قائم کیا جا رہا ہے حکومتِ ہند کی جانب سے منظور شدہ یونٹوں کے قیام کی آزادی ہوگی۔

نئے حلقہ ۳ میں بڑے، درمیانی اور چھوٹے درجہ کے یونٹ صرف ٹرانس۔تھانہ کھاڑی اور تلوجہ کے صنعتی علاقوں میں جنھیں فی الحال ایم۔ آئی۔ ڈی۔ سی ترقی دے رہا ہے نیز نہوا شیوا میں قائم کئے جانے والے صنعتی علاقہ میں قائم کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ اس حلقہ

ن تین صنعتی علاقوں سے باہر کسی صنعتی یونٹ کے
یام کی اجازت نہ ہوگی۔

اس حلقہ میں صنعتوں کے قیام کی اجازت
یتے وقت پورٹ اور سٹینڈ صنعتوں نیز اکسپورٹنگ
ونٹوں کو ترجیح دی جائے گی۔

حلقہ نمبر ۴ میں نئی بڑی اور درمیانی صنعتوں
کے قیام کی اجازت ہوگی لیکن یہ اجازت صرف
لیان، بھیمڑی، ڈومبیولی، کلوا، امبرناتھ اور
برلاپور میں واقع ایم۔آئی۔ڈی۔سی کے موجودہ
صنعتی علاقہ جات نیز چار نئے علاقوں کے لئے
ہوگی جنھیں کلیان، بھیمڑی، اپنے تو اد سے،
وسائی میں ایم۔آئی۔ڈی۔سی ترقی
دے گا۔

کلیان اور بھیمڑی کے نئے علاقے خطرناک
یونٹوں کے لئے ہیں اور اس لئے ایسے یونٹوں
کے قیام کی اجازت صرف اسی علاقہ میں دیجائیگی
ریجن کے کسی اور علاقہ میں نہیں۔

اِن ایم۔آئی۔ڈی۔سی علاقوں کے باہر
صرف چھوٹے پیمانے کے یونٹوں کے قیام کی اجازت
دی جائے گی مگر صرف انہیں مقامات پر جو متعلقہ
مقامی یا میونسپل عہدیداروں نے ڈیولپمنٹ پلان کے
تحت صنعتی استعمال کے لئے مقرر کئے ہوں گے۔
ایسے یونٹوں کو بہرحال بعد میں درمیانی یا بڑے
پیمانے کی صنعتوں کے طور پر توسیع کی اجازت نہوگی۔

اس زون میں صنعتوں کے قیام کی اجازت
دیتے وقت کیمیائی یونٹوں کو ترجیح دی جائے گی۔

اس ریجن میں مستقبل میں یونٹوں کا قیام
بے ترتیب نہ ہوسکے اسلئے اب تک بمبئی کے
لئے جو "اعتراض نہیں سرٹیفیکیٹ" جاری کیا
جاتا تھا اس کو بمبئی میٹروپولیٹن ریجن کے بقیہ
حصہ پر بھی نافذ کردیا گیا ہے۔

بجلی اور پانی کی ضروریات پر خصوصی دھیان
دیا جائے گا اور فضائی اور آبی آلودگی سے بچنے
کی پوری کوشش کی جائے گی۔

ایسی پارٹیوں کو جنھیں اِنٹینٹ لیٹر
یا صنعتی لائسنس جاری کئے گئے یا جن کا
یہ معاملہ حکومت ہند سے رجوع کیا جا چکا ہے
کہ ان کو زون نمبر ۱ اور نمبر ۲ میں یونٹوں کے قیام
کی اجازت دی جائے لیکن ابھی تک انھوں نے
عملی طور پر اس سلسلہ میں کوئی اقدام نہیں کیا
ہے تو اب انھیں زون نمبر ۱ اور نمبر ۲ میں یونٹوں
کے قیام کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ بہرحال
ایسے یونٹوں کو زون نمبر ۳ اور نمبر ۴ میں قائم کرنے
کی اجازت دی جائے گی اور وہ بھی ایس۔آئی۔
سی۔او۔ایم کے ذریعہ تفصیلی جانچ اور اس
مقصد کے لئے افسران کی جو کمیٹی مقرر کی گئی ہے
اُس کی چھان بین کے بعد۔

نئے یونٹوں کو "پہلے آنے والے کو پہلے"
کی بنیاد پر صنعتیں قائم کرنے کی اجازت نہیں
دی جائے گی بلکہ اس کے معاملہ کی گہری چھان
بین کرکے یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ آیا اس ریجن میں
واقعی اس یونٹ کے قیام کی ضرورت ہے بھی
یا نہیں۔

بمبئی میٹروپولیٹن ریجن کے بھیڑ بھاڑ کے علاقے
سے صنعتوں کو دوسرے مقامات پر لے جانے کی
سہولت دینے کے مدنظر ریجن کے بعض علاقوں
میں پیکیج اسکیم کے تحت جو مختلف سہولتیں فراہم
ہیں ان کو واپس لے لیا گیا ہے۔

نجی صنعتی اسٹیٹس جن کو قیام کی اجازت
مل چکی ہے غیر موافق علاقوں سے چھوٹے پیمانے
کی صنعتوں کے تبادلہ کے لئے ۲۵ فیصد گالوں
(galas) کے تحفظ کو سختی سے نافذ کیا جائیگا
اور اس مقصد سے اگر ضروری ہوا تو گالوں کو
واپس لیا جائے گا۔

بمبئی اور بمبئی عظمیٰ میں صنعتی استعمال کے لئے
مقرر کردہ علاقہ میں کم از کم ۲۰۰ ہیکٹر کی کمی کی جائیگی۔

جہاں بھی کہیں غیر موافق/موافق زون میں
صنعتوں کے تبادلہ کی وجہ سے زمین خالی ہوگی اس کو
حاصل کیا جائے گا اور اسکو غیر صنعتی استعمال مثلاً
ہاؤسنگ وغیرہ کے لئے استعمال کیا جائے گا۔

"سروس انڈسٹریز" کے مفہوم کی مزید وضاحت
بہت ضروری ہے۔

موجودہ زوننگ پر نظر ثانی کرکے غیر موافق زون
سے موجودہ یونٹوں کو منتقل کرنے کے لئے ایک
حقیقت پسندانہ پالیسی اپنانے کی ضرورت ہے۔

دھراوی میں کافی تعداد میں چمڑا سازی کے
یونٹ ہیں جن میں سے اکثریت بہت ہی چھوٹے
یونٹوں کی ہے۔ ان یونٹوں میں کام کرنے والے
سماج کے کمزور طبقہ سے متعلق ہیں اور ان کے پاس
یونٹوں کو اس مقام سے باہر منتقل کرنے کیلئے
بمشکل کوئی معاشی ذرائع ہیں۔ اس کے علاوہ
یہ یونٹ چمڑا اور چمڑے کی چیزوں کی برآمدات میں
ملک کو بڑا حصہ عطا کرتے ہیں۔ ان حقائق کے
پیش نظر یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ ان یونٹوں کو
موجودہ مقامات پر جاری رہنے دیا جائے اور
دھراوی کو موافق زون قرار دیا جائے تاکہ ان چھوٹے
پیمانے کی صنعتوں کو مزید سائنٹفک طریقے پر ترقی
دی جا سکے اور ان کو فضلہ وغیرہ بہانے کی بہتر سہولتیں
فراہم کی جا سکیں نیز ان کو جدید طرز پر بنانے کے
مواقع حاصل ہوسکیں۔

ریجن میں صنعتی مقامات سے متعلق مختلف
پالیسیوں میں مفاہمت لانے کی غرض سے حکومت
نے ایک اعلیٰ طاقتی صنعتی قیام کو آرڈینیشن
کمیٹی وزیر مملکت برائے صنعت کی صدارت میں تشکیل
دی ہے۔

وقتاً فوقتاً تجاویز رکھی گئی ہیں کہ صنعتوں کو
منتقل کرنے کے لئے زیادہ سہولتیں اور رعایتیں
دی جائیں اور علاقوں کی صنعتوں کو دی جانیوالی
سہولتوں میں کمی کی جائے تاکہ ان کو ان علاقے

سے باہر اپنی صنعتوں کو منتقل کرنے کی حوصلہ افزائی ہو۔ حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ ایک کمیٹی قائم کی جائے جو کہ ریجن میں موجودہ اور نئے صنعتی یونٹوں اور تجارتی اداروں پر ایک قسم کی لیوی نافذ کرنے کے سوال کا جائزہ لے۔ ایسی کسی لیوی سے حاصل ہونے والی رقم کو زون ۱ اور زون ۲ سے زون ۳ اور زون ۴ میں اور ریاست کے دوسرے علاقوں میں اپنی صنعتوں کو منتقل کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کے لئے استعمال کیا جائے اور ریجن سے باہر کے علاقوں میں ترقیاتی کاموں میں بہتری لائی جائے۔

یہ تجویز رکھی گئی ہے کہ ریجن میں صنعتی قیام کی پالیسی پر تین سال کے بعد پوری طرح مزید نظرثانی کی جائے اور جو ضروری تبدیلیاں ہوں وہ کی جائیں۔

مہاراشٹر ریجنل اور ٹاؤن پلاننگ ایکٹ بابت ۱۹۶۶ء کی دفعات کے تحت بمبئی میٹرو پولیٹن ریجنل پلان میں ترمیم کے لئے ضروری اقدامات کئے جائیں۔

ریاستی ملازمین بیمہ اسکیم کی توسیع

حکومت مہاراشٹر نے ایمپلائیز اسٹیٹ انشورنس کارپوریشن کے صلاح و مشورے نیز مرکزی حکومت کی منظوری سے اپنے اس ارادہ کا اعلان کیا ہے کہ ایمپلائیز اسٹیٹ انشورنس ایکٹ بابت ۱۹۴۸ء کے قوانین یکم مئی ۱۹۷۵ء یا اس کے بعد سے ریاست کے مخصوص خطہ جات میں بعض نئے سیکٹروں میں لاگو کر دئے جائیں۔

ایمپلائیز اسٹیٹ انشورنس اسکیم جن علاقوں میں زیر عمل ہے اور جہاں نئے سیکٹروں میں لاگو کی جائے گی وہ یہ ہیں: بمبئی، پونا، ناگپور، شولاپور، کولہاپور، سانگلی، اکولہ، ناندیڑ، اورنگ آباد، دھولیہ، ناسک، میرج، المنیر، پل گاؤں، ہنگن گھاٹ، جلگاؤں، بالاپور، بارسی، اچل کرنجی اور چالیس گاؤں۔

دہلی اور پانڈیچری میں مجاہدین آزادی کے لئے گھر

درخواستیں مطلوب:

حکومت ہند نے فیصلہ کیا ہے کہ ایسے مجاہدین آزادی کے لئے، جو بوڑھے، ضعیف اور معذور ہیں نیز جن کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں ہے، دہلی اور پانڈیچری میں دو قیام گاہیں قائم کی جائیں۔ دہلی میں 'قیام گاہ'، ۲ / اکتوبر ۱۹۷۴ء سے کھل گئی ہے جو بابا کھڑک سنگھ مارگ، بالمقابل ویلنگٹن ہسپتال، نئی دہلی میں واقع ہے۔ پانڈیچری میں اس ماہ سے یہ قیام گاہ کھلنے کی توقع ہے۔

ان قیام گاہوں میں داخلہ صرف ایسے افراد تک محدود ہے جو مرکزی مجاہدین آزادی پنشن اسکیم بابت ۱۹۷۲ء کے تحت پنشن پا رہے ہیں۔ داخلے کے استحقاق کے لئے یہ ضروری ہے کہ مجاہد آزادی کی عمر ۶۵ سال سے کم نہ ہو، نیز تمام ذرائع بشمول پنشن سے اس کی سالانہ آمدنی ۵۰۰۰ روپے سے زیادہ نہ ہو۔ ایسے اشخاص کو بھی داخل نہ کیا جائے گا جو متعدی امراض میں مبتلا ہوں یا جن کے وارث موجود ہوں۔

فی الحال ہر ایک قیام گاہ میں ۲۵ مجاہدین آزادی کو جگہ دی جائے گی۔ فی الحال یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ ان گھروں میں خواتین کے لئے الگ خصوصی جگہ دی جا سکے۔ لہٰذا خواتین مجاہدین آزادی فی الحال داخلہ کے لئے درخواست نہ دیں۔

قیام گاہ میں داخل کئے جانے والے اشخاص کو اپنی پنشن کا ایک حصہ اپنی گذر بسر کے اخراجات کے لئے دینا ہوگا۔ رقم کا تعین حکومت ہند کرے گی۔ قیام گاہ میں داخلہ سے قبل مجاہد آزادی کو یہ رضامندی دینا پڑے گی کہ یہ رقم اس کی پنشن سے وضع کی جا سکتی ہے۔

ایسے اشخاص کو جو ان قیام گاہوں میں داخلے کے خواہشمند ہوں یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ فوراً ہی چیف سکریٹری، حکومت مہاراشٹر، جنرل ایڈمنسٹریشن ڈپارٹمنٹ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲ کو درخواست دے دیں۔ درخواستیں اس ضلع کے کلکٹر کی معرفت بھیجی جائیں جس کا درخواست گذار ساکن ہے۔ کلکٹر سے درخواست کے فارم حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ نیز درخواستوں کے فارم L-1 سیکشن میں جنرل ایڈمنسٹریشن ڈپارٹمنٹ، پانچواں منزلہ، سچیوالیہ، بمبئی ۳۲ سے بھی حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ درخواست کی ایک نقل نیز اقرارنامہ اور میڈیکل سرٹیفکیٹ وغیرہ کی نقول کے ساتھ براہ راست سکریٹری، حکومت ہند، منسٹری آف ہوم افیرس، نئی دہلی کے پاس بھیجی جا سکتی ہے۔

کال پراجیکٹ جون ۱۹۷۶ء تک مکمل ہو جائے گا

کال پراجیکٹ کی تعمیر کی موجودہ رفتار کو دیکھتے ہوئے یہ امید ہے کہ یہ پراجیکٹ جون ۱۹۷۶ء سے کام کرنا شروع کر دے گا اور ضلع قلابہ کے مان گاؤں اور روہا تعلقہ جات کی تقریباً ۸۰۰۰ ہیکٹر اراضی کی آبپاشی ہو سکے گی۔

یہ بات اسوقت عیاں کی گئی جبکہ حال ہی میں مان گاؤں پر واقع کال پراجیکٹ کی گوریگاؤں شاخ سے پانی جاری کرنے کے سلسلہ میں ایک جلسہ کا انعقاد ہوا۔

اس پراجیکٹ کی مان گاؤں اور گورے گاؤں شاخ کی نو کلومیٹر لمبی نہر کی تکمیل کے ساتھ مانگاؤں تعلقہ کی خشک سالی سے متاثرہ ۱۲۰۰ ہیکٹر اراضی کو ربیع فصل میں زیر آبپاشی لایا جا سکے گا۔ ڈیڑھ ماہ کی مدت میں ۶۰ فیصدی کام مکمل کیا گیا ہے۔

نعرہ مقابلے میں چار اسکولی بچوں کو انعام
شہر صفائی ہفتہ

پورے مہاراشٹر میں ۱۳ر سے ۱۹ر جنوری تک جو "شہر صفائی ہفتہ" منایا گیا اس کے ایک پروگرام کے طور پر سوسائٹی برائے شہری صفائی نے ایک مقابلۂ نعرہ منعقد کیا تھا۔ اس میں چار اسکولی بچوں نے فی کس سو روپے کے انعام حاصل کئے۔ ۱۹۷۵ء کا سال پورے مہاراشٹر میں شہری صفائی سال کے طور پر منایا جائے گا۔

یہ مقابلہ ٹیلی ویژن مرکز کی مدد سے منعقد کیا گیا تھا۔

۱۳ر جنوری کو راج بھون میں منعقدہ ایک جلسہ میں شریمتی زہرہ علی یاور جنگ نے انعام حاصل کرنے والوں کو انعامات سے نوازا۔

انعام حاصل کرنے والوں کے نام یہ ہیں:
کمار اُدے بربھے کو اُن کے ہندی میں داخلے "کچرا ہٹاؤ، شہر بچاؤ" پر۔
کمار دتاتریہ نرسمہا گاوسکر کو مراٹھی داخلے "دستوئی کچرا ڈوکے واپرا" پر۔
کمار وینا سبھانی کو اُن کے انگریزی داخلے "فیڈ دی ہنگری ڈسٹ بن" پر" اور
کماری پروین ٹی۔ ویرانی کے گجراتی داخلے "سنگی وگر شوبھے نگر" پر۔

لوک ساہتیہ سمیتی کی دوبارہ تشکیل

حکومتِ مہاراشٹر نے سروجنی بابر کی زیر صدارت مہاراشٹر اسٹیٹ لوک ساہتیہ سمیتی کی دوبارہ تشکیل کی ہے۔ کمیٹی کے دوسرے اراکین حسب ذیل ہیں:

شریمتی کملنی پوار، پونہ؛ شری ٹی۔ جی۔ دیشپانڈے، ناگپور؛ پروفیسر وامن راؤ چورگھوڑے، ناگپور؛ پروفیسر جینت راؤ پاٹل، کوسبڑ؛ شری ایس جالے۔ سیرے، بمبئی؛ ڈاکٹر وائی۔ ایم۔ پٹھان، اورنگ آباد؛ پروفیسر وسنت داوتر، بمبئی؛ پروفیسر سومن پاٹل، سانگلی؛ شری شنکر راؤ کھرات، پونہ؛ شری نامدیو راؤ وھنگر، کولہاپور؛ شری این۔ ڈی۔ مہانور، پالن کھیڈے، اورنگ آباد اور شری شنکر کھانڈوپاٹل، کولہاپور۔ شری وی۔ آر۔ ناگپورے ڈپٹی ڈائرکٹر آف ایجوکیشن کمیٹی کے ممبر سکریٹری ہیں۔ کمیٹی کی مدت ۲ر مئی ۱۹۷۴ء سے تین سال کیلئے ہوگی۔

کپاس کی غیر قانونی
سرحدوں پر سخت ا[illegible]

دوسری ریاستوں کو غیر قانونی طور پر کپ کو روکنے کے لئے ریاست کی سرحدوں پر ان میں سے ایک ہے نگرانی میں اضافہ کرنے کی غرض سے اکولہ میں حال ہی میں شہ رگ کی ایک بیٹھک ہوئی۔ کا مقام سب بیٹھک میں فیصلہ کیا گیا کہ ٹرکس اور ٹریکٹروں میں مہاراشٹر ذریعہ جو کپاس سرحد پار بھیجنے کی کوشش کی جاتی ہے ہیں۔ متذکرہ ذرائع ٹرانسپورٹ کے ساتھ ضبط کرلئے بھر میں اپنی بیٹھک میں شری ٹی۔ ایم۔ کد مبند سلاقوں میں ان جے۔ نے جنھیں حکومت نے خصوصی طور درت دیگر سرورگار حصولیابی اسکیم کے لئے مقرر کیا ہے۔ دیہاتوں میں فرمائی۔ دیہاتوں سے تھا۔

صدرِ ہند نے مہاراشٹر پویلین دیکھا

شری فخرالدین علی احمد، صدر جمہوریہ ہند، ۱۵ر جنوری کی شام کو نئی دہلی کے این۔ آئی۔ سی، میدان میں منعقدہ اسمال انڈسٹریز نمائش میں مہاراشٹر کے پویلین میں تشریف لائے۔

جناب صدر چھترپتی شیواجی مہاراج کی زندگی پر مبنی تصویروں کو دیکھ کر کافی متاثر ہوئے اور جناب نے ریاستی حکومت کی جانب سے مہاراشٹر کی روایت کی وضاحت کی کوششوں کو کافی سراہا۔

صدر کا استقبال دہلی میں مقیم حکومت مہاراشٹر کے اسپیشل کمشنر شری بی۔ کے۔ ہلوے نے کیا۔ شری اے۔ کے۔ کانکر، ڈپٹی ڈائرکٹر آف پبلسٹی نے صدر کو پویلین دکھایا۔

نئے دودھ کارڈوں کیلئے ویٹنگ لسٹ

بڑی بمبئی دودھ اسکیم کے حکام نے دودھ کارڈ کے لئے ویٹنگ لسٹ پر درخواستوں کے اندراج کا انتظام کیا ہے۔ ایسے اشخاص جو نئے کارڈ لینا چاہتے ہیں یا مقدار بڑھوانا چاہتے ہیں، بڑی بمبئی دودھ اسکیم کے تحت متعلقہ علاقائی بیٹ آفسوں سے کام کے دنوں میں صبح ½۷ اور ½۹ بجے کے درمیان درخواستوں کے مقررہ فارم لے سکتے ہیں۔ فارم کی خانہ پُری اور اسے داخل کرنے کے بعد متعلقہ اشخاص کو چاہئے کہ وہ بیٹ آفسوں سے ضروری رسید وصولی حاصل کریں۔

ڈاکٹر مدھوری شاہ

شری علی یاور جنگ، چانسلر ایس۔ این۔ ڈی۔ ٹی۔ ویمنس یونیورسٹی، نے ڈاکٹر (شریمتی) مدھوری آر۔ شاہ کو اس تاریخ سے جبکہ وہ اپنا عہدہ سنبھالیں گی، تین سال کے لئے ایس۔ این۔ ڈی۔ ٹی۔ ویمنس یونیورسٹی کا وائس چانسلر مقرر کیا ہے۔

فی الحال ڈاکٹر شاہ بمبئی عظمیٰ کی میونسپل کارپوریشن کی ایجوکیشن افسر ہیں۔

سے باہر اپنی صنعتوں کو
ہو ۔ حکومت نے فیصلہ کیا
جائے جو کہ زمین میں موجود
اور تجارتی اداروں پر ا
کے سوال کا جائزہ ...
ہونے والی رقم کو ...
زون ۲ اور زون
علاقوں میں اپنی
حوصلہ افزائی کے
سے باہر کے
لائی جائے ۔
یہ تجویز ...
پالیسی پر تین سا...
کی جائے اور جو ...
مہاراشٹر
۱۹۶۶ء)

زراعت شری ایس۔بی۔چوہان کے زیرِ صدارت ۳ار جنوری کو مویشیوں کے میڈیکل کالج پریل کا سالانہ پروگرام منایا گیا۔ شریمتی کسم تائی چوہان نے اس موقع پر ...ریوں کو انعامات تقسیم کئے۔ تصویر میں وزیرِ زراعت شری ایس۔بی۔چوہان اور کوکن ایگریکلچرل کالج کے وائس چانسلر شری ایس۔ ڈی۔ چوہان بھی نظر آرہے ہیں۔

پونہ یونیورسٹی کے نئے وائس چانسلر

شری علی یاور جنگ، چانسلر' پونہ یونیورسٹی نے شری ڈی۔ اے۔ دابھولکر' پرنسپل فرگیوسن کالج' کو پونہ یونیورسٹی کا وائس چانسلر مقرر کیا ہے۔ یہ تقرری ان کے چارج لینے کی تاریخ سے تین سال کی مدت کے لئے ہوگی۔

مراٹھواڑہ یونیورسٹی کے نئے وائس چانسلر

شری علی یاور جنگ' چانسلر' مراٹھواڑہ یونیورسٹی نے شری ایس۔آر۔ کھرات کو مراٹھواڑہ یونیورسٹی کا وائس چانسلر مقرر کیا ہے۔ یہ تقرری اُن کے چارج لینے کی تاریخ سے تین سال کی مدت کیلئے ہوگی۔ شری کھرات مشہور مراٹھی ادیب ہیں اور کئی ادبی انعامات حاصل کر چکے ہیں۔

شیواجی یونیورسٹی کے نئے وائس چانسلر

شری علی یاور جنگ، چانسلر، شیواجی یونیورسٹی نے شری پی جی۔ پاٹل کو شیواجی یونیورسٹی کولہاپور کا وائس چانسلر مقرر کیا ہے۔ یہ تقرری شری پاٹل کے چارج لینے کی تاریخ سے تین سال کی مدت کیلئے ہ... شری پاٹل ریت شکشن سنستھا کے سکریٹری ہیں اور اس کے کالج ... ... بھی ہیں۔

بھارت کے نائب صدر شری بی۔ ڈی۔ جتی نے ۱۳ر جنوری ۱۹۷۵ء کو عالمی ہندی کنونشن میں مراٹھی کے ادیب شری ڈی۔ایس۔ کھانڈیکر کو 'شری پھل' اور شال دے کر عزت افزائی کی۔ اس موقعہ پر لی گئی تصویر :

قومی راج

جلد: ۲ ۱۶ فروری سنہ ۱۹۷۵ء شمارہ: ۴

قیمت فی پرچہ: ۵۰ پیسے سالانہ: ۱۰ روپے

زیرِ نگرانی: خواجہ عبدالغفور آئی۔اے۔ایس

ترسیلِ زر اور مراسلت کا پتہ:

ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومتِ مہاراشٹر، سچیوالیہ بمبئی ۴۰۰۰۳۲

سخنہائے گفتنی

ریاست مہاراشٹر ملک کی چند ممتاز ترین ریاستوں میں سے ایک ہے ہماری یہ ریاست نہ صرف ملک کے صنعتی اور تجارتی جسد میں شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہے بلکہ سیاسی اور سماجی میدانوں میں بھی اس کا مقام سب سے نمایاں ہے۔ چنانچہ سوشلزم کی جانب ملک وقوم کی پیشقدمی میں مہاراشٹر نے کئی چراغ روشن کئے ہیں جن سے منزل کے نشان واضح تر ہو گئے ہیں۔

ان میں سب سے اہم قدم ضمانتِ روزگار اسکیم ہے جو ملک بھر میں اپنی نوعیت کا واحد پروگرام ہے۔ اس اسکیم کے تحت غیر شہری علاقوں میں ان کسانوں اور مزدوروں کو روزگار فراہم کیا جا رہا ہے جو بصورت دیگر بے روزگاری اور بدحالی کا شکار ہو جاتے۔ چونکہ ہماری آبادی کا بڑا حصہ دیہاتوں میں آباد ہے اس لئے ترقی اور خوشحالی کی ہر جدوجہد کا آغاز انہی دیہاتوں سے کیا جانا چاہئے۔ ضمانتِ روزگار اسکیم اس قسم کا پہلا مبارک قدم تھا۔

اب ایک اور قدم دیہی اسپتالوں کا قیام ہے۔ ویرار میں اس قسم کے اوّلین اسپتال کا ہمارے ہردلعزیز وزیر اعلیٰ شری وی۔پی۔ نائیک کے مبارک ہاتھوں افتتاح عمل میں آیا ہے۔ یہ اسپتال دیہی علاقوں کی ایک اہم ضرورت کو پورا کریں گے اور توقع ہے کہ ان کے ذریعہ صحت وصفائی کا معیار بلند ہوگا۔

"قومی راج" کے جمہوریہ نمبر کو کافی سراہا گیا۔ ہم ان تمام قارئین کے شکر گزار ہیں جنھوں نے یوم جمہوریہ نمبر پر نیز قومی راج کے دوسرے سال میں داخل ہونے پر مبارکباد بھیجی ہے۔

خواجہ عبدالغفور

خصوصی شمارہ

اپریل کا قومی راج "بھگوان مہاویر کے مہانروان کے ۲۵۰۰ سالہ جشن" سے متعلق خصوصی شمارہ ہوگا۔

فہرست

: مقابل کے صفحے پر :

گورنر شری علی یاور جنگ، یوم جمہوریہ کے موقعہ پر گارڈ آف آنر کا معائنہ کر رہے ہیں۔

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس، بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا

حکومت اور حزبِ مخالف کا یکساں فرض

مہاراشٹر کے گورنر شری علی یاور جنگ نے آل انڈیا ریڈیو کے بمبئی اسٹیشن سے اپنی یومِ جمہوریہ کی نشری تقریر میں فرمایا کہ جذبۂ مفاہمت کے ساتھ حکومت اور اپوزیشن کے کردار میں یکسانیت ہونی چاہیئے تاکہ ملک کا اتحاد برقرار رہے اور دستور کی باضابطہ کارفرمائی یقینی ہو۔

گورنر موصوف نے مزید فرمایا کہ بیروزگاری پر قرارداد کی منظوری مہاراشٹر کی تاریخ قانون سازی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے جس کے رو سے غریبی کی سطح سے بھی نیچے درجہ کی زندگی گذارنے والے اشخاص کو روزگار فراہم کرنے کی غرض سے ٹیکس عائد کیا جائیگا۔ یہ حکومت اور اپوزیشن دونوں کا ایک مثالی اقدام ہے۔

تقریر کا متن حسب ذیل ہے:

آج ہم اپنے جمہوریہ کے قیام کی ۲۵ ویں سالگرہ منا رہے ہیں۔ میں اس موقع پر آپ سب کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

جیساکہ آپ کو یاد ہوگا ہم ماضی قریب ہی میں تین سال تک مسلسل خشک سالی کے باعث بڑے کٹھن وقت سے گذرے ہیں۔ بہرحال سب ہی کے تعاون نیز سب سے بڑھ کر متاثرین کی ہمت و استقلال کے باعث ہم ان مشکل حالات پر بڑی حد تک قابو پانے کے قابل ہو گئے۔ حکومتِ ہند نے بھی جہاں تک ممکن ہوا ہماری زیادہ سے زیادہ مدد کی۔

ہماری اناج کی پیداوار جو ۷۳-۱۹۷۲ء میں گھٹ کر ۵۰ء ۳۰ لاکھ ٹن رہ گئی تھی، گزشتہ سال بڑھ کر ۴ء ۷۲ لاکھ ٹن ہو گئی اور توقع ہے کہ ۷۵-۱۹۷۴ء میں ۸۰ لاکھ ٹن ہو جائے گی لہٰذا اس محاذ پر یہ ہمارے لئے قدرے اطمینان بخش بات ہے بہرحال زراعتی پیداوار کو بڑھانے کے لئے ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔

یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ ریاست میں تقریباً ۳۵ لاکھ مزارعین جو ہمارے مالکانِ اراضی کا ۷۵ فیصدی حصہ ہوتے ہیں امدادِ باہمی کے حلقہ میں آ گئے ہیں۔ بہرصورت صارف اور پیدا کرنے والوں کی بہتر نمائندگی کی غرض سے کوآپریٹیو سیکٹر کے نظام میں اصلاح کی ضرورت ہے۔

غذا اور زراعت کی ترقی ایک ساتھ ضروری ہے۔ لہٰذ چوتھے پانچ سالہ منصوبہ کی مدت کے دوران ہمارے اراضی شدا بینک نے ۱۰۰ کروڑ روپے کی رقم اس مقصد کے لئے خصوصاً درمیانی اور چھوٹی سینچائی کے کاموں کے لئے دی۔ تقسیم کے

نظام کو سدھارا گیا ہے۔

ناگپور میں مجلس قانون ساز کے گذشتہ اجلاس میں دو اقدامات یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ اوّل وہ تجویز ہے جسمیں حکومت اور اپوزیشن برابر کی شریک ہیں اور جس کی رو سے غربت سے بھی ادنیٰ سطح پر زندگی گذارنے والے اشخاص کو روزگار فراہم کرنے کے لئے ٹیکس لگایا جائے گا۔ اس باب میں مہاراشٹر کی پیشقدمی دوسروں کے لئے قابلِ تقلید ہے۔ دوئم اس بِل کی منظوری ہے جس کی رو سے بمبئی کی متناسب ترقی کے مقصد سے بمبئی عظمیٰ کے لئے ریجنل میٹروپولیٹن اتھارٹی کا قیام عمل میں آئیگا۔

سماجی میدان میں تعلیم کے معیار اور تربیت مدرسین کے سُدھار پر پوری توجہ صرف کی جا رہی ہے۔ جہاں تک ہماری یونیورسٹیوں کا تعلق ہے مجھے امید ہے کہ نئے یونیورسٹی قوانین سے یونیورسٹیوں اور ان کے ملحقہ کالجوں کے نظم ونسق میں خامیاں اور نقائص بڑی حد تک دور ہو جائیں گے۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ان میں سے ایک کے معاملات کے بارے میں تحقیقات سے امتحانات کے نتائج کے اعلان میں بدعنوانی اور مالی اختیارات کے غلط استعمال کا پتہ چلا۔

یہاں دو ترقیاتی اقدامات کا ذکر ضروری ہے جو ہمارے مستقبل کے لئے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اولاً گذشتہ سال پُرامن مقاصد کے ساتھ نیوکلیئر دھماکہ، اس طرح ہمارے معاشی ذرائع نیوکلیئر توانائی کے استعمال سے بڑھ جائیںگے دوئم اس شہر کے قریب سمندر میں بڑی مقدار میں تیل کی دریافت، جس سے ہماری صنعت اور ذرائع نقل وحمل کو بڑی تقویت پہنچے گی۔

آج کوئی ریاست الگ تھلگ نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح کوئی ملک اپنے آپ کو دنیا سے الگ نہیں رکھ سکتا۔ ہماری تاریخ کے اس موقع پر علاقہ واریت اور فرقہ واریت کا بڑھنا بڑے افسوس کی بات ہے جس کا ہر صورت سے مقابلہ کرنا چاہئے۔ ہماری قوم ابھی نوعمر اور ریپبلک ابھی کمسن ہے۔ آزادانہ زندگی کے اس مختصر سفر میں ہم بڑے نازک حالات اور آزمائش سے گذرے ہیں۔ ابھی حال ہی میں ہم نامساعد معاشی حالات سے دوچار ہوئے اور بعض دیگر ممالک بھی متاثر ہوئے۔ اس مدت میں ہم ایک جمہوری اور سیکولر دستور سے فیضیاب ہوئے جس سے ہمارے بزرگ بانیوں کی دانشمندی اور روشن خیالی ظاہر ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس سفر کے دوران نقائص رونما ہوئے ہوں یا آئندہ ہوں جن کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ کام لازماً جمہوری طریقے سے انجام دینا ہوگا۔ حکومت اور اپوزیشن کے کردار میں یکسانیت ہونا چاہئے تاکہ ملک کا اتحاد برقرار رہے اور دستور کی باضابطہ عمل آوری یقینی ہو۔ اس سلسلہ میں ناگپور میں مجلس قانون ساز کی بیروزگاری کے مسئلہ پر پاس کردہ قرار جسکا میں نے اوپر ذکر کیا ہے اور جسمیں حکومت اور اپوزیشن برابر کی شریک ہیں ایک اچھی مثال ہے جس پر ایک گورنر ہونے کی حیثیت سے مجھے فخر ہے۔ مجھے امید ہے کہ آنے والے سالوں میں ہماری امیدیں بار آور ہونگی۔

دو رباعیاں

ساڑی کے چُناؤ میں لچکتے مہِ نو
قامت کا تناؤ تھرتھراتی ہوئی لو
سینے میں طلوعِ صبح انگڑائی لے
محرم کے گھاٹ پر وہ پھٹتی ہوئی پو

جوبن رس پنکھڑیوں کے اندر ڈولے
اس نرمل جل میں روپ مریم دھولے
یہ نرم نظر کی سیج، پلکوں کی یہ چھاؤں
سوئی ہے سہاگ رات گیسو کھولے

۸/۴ بینک روڈ،
الہ آباد-۲
۱۳ر جنوری ۱۹۷۵ء

مکرمی- سلام ونیاز

آپ کا خط مل گیا تھا- یاد آوری کا شکریہ- اب تو میری مستقل جائے قیام بسترِ علالت ہے- اسّی برس کا ہو چکا ہوں-

الوداع اے جنم ساتھیو الفراق اے اہلِ وطن
اک اَن سُنی پکار دور سے مجھکو کہیں بلاتی ہے
اب تم سے رخصت ہوتا ہوں آؤ سنبھالو سازِ سخن
نئے ترانے چھیڑو میرے نغموں کو نیند آتی ہے

حسب فرمائش اسی خط کے ساتھ دو رباعیاں اور ایک سیر حاصل غزل ارسالِ خدمت کر رہا ہوں- اپنی وہ تصویر بھی حاضر کر رہا ہوں جو بسترِ علالت پر لی گئی تھی-

رسیدِ مراسلہ کا انتظار رہے گا-

نیاز کیش
فراق

ایک غزل

آنکھوں میں جو بات ہو گئی ہے
اک شرحِ حیات ہو گئی ہے

جب دل کی وفات ہو گئی ہے
ہر چیز کی رات ہو گئی ہے

مدت سے خبر ملی نہ دل کی
شاید کوئی بات ہو گئی ہے

ہر قطرۂ بادہ جاگ اٹھا
میخانے میں رات ہو گئی ہے

کہتے ہیں کہ کھل پڑی ہے وہ زلف
سنتے ہیں کہ رات ہو گئی ہے

کیا تھا وہ گناہِ عشق جس سے
دنیا کی نجات ہو گئی ہے

جس شے پہ نظر پڑی ہے تیری
تصویرِ حیات ہو گئی ہے

اے صیقلِ عشق تجھ سے دنیا
آئینۂ صفات ہو گئی ہے

ہر ایک شہیدِ عشق کی موت
دنیا کی حیات ہو گئی ہے

ہر نرم نگاہ زیرِ افلاک
نذرِ صدمات ہو گئی ہے

ہر بات نگاہِ شرمگیں کی
اک رازِ حیات ہو گئی ہے

جیتی ہوئی بازئ محبت
کھیلا ہوں تو مات ہو گئی ہے

گھٹتے گھٹتے تری عنایت
میری اوقات ہو گئی ہے

ہر نفی نگاہِ حق نگر میں
یکسر اثبات ہو گئی ہے

جس شے کو بھی چھو لیا ہے تو نے
اک شاخِ نبات ہو گئی ہے

بجھ اے نئی روشنی کہ دنیا
دشتِ ظلمات ہو گئی ہے

اکا دکا صدائے زنجیر
زنداں میں رات ہو گئی ہے

اک شاہدِ ناز کی خموشی
تائیدِ حیات ہو گئی ہے

ہر رات کھنک رہی ہے گویا
نغموں کی رات ہو گئی ہے

یارو اب زندگی کی ہر یاد
بھولی ہوئی بات ہو گئی ہے

دنیائے صفات رچ اٹھی جب
شائستۂ ذات ہو گئی ہے

لائے کوئی بشارتِ صبح
تہذیب کی رات ہو گئی ہے

غم کتنا یاد آ رہا ہے!
جب غم سے نجات ہو گئی ہے

اس دور میں زندگی بشر کی
بیمار کی رات ہو گئی ہے

اب زندگی زندگی ہوئی ہے
جب موت حیات ہو گئی ہے

سب مجھ سے فراق بدگماں ہیں
جانے کیا بات ہو گئی ہے

ہر بیت فراق اس غزل کی
کٹتی ہوئی رات ہو گئی ہے

فراق گورکھپوری
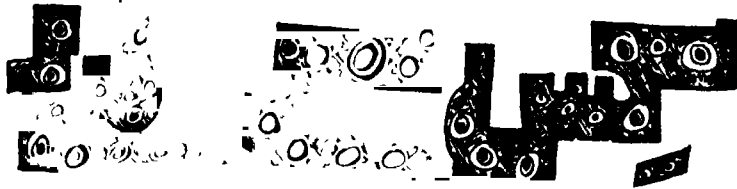
خواجہ احمد عباس
فلومینا لاج، جوہو، بمبئی ۵۴

ہماری کلچرل، ادبی اور آرٹ کی دنیا میں کیا کچھ ہوتا رہتا ہے؟ کیا کچھ ہو رہا ہے؟ اس پر تبصرہ ضروری بھی ہے اور صحت بخش بھی ہو سکتا ہے۔

کتنی رنگا رنگی ہے ہماری ہندوستانی کلچر میں جو تان سین کے راگوں اور کالی داس کے ناٹکوں سے لے کر اکیسویں صدی کے جدید آرٹ اور تجرباتی ڈراموں، فلموں اور ٹیلی وژن کی چونکا دینے والی تکنیک تک پھیلی ہوئی ہے۔

ہمارے ہاں کتابیں چھپتی ہیں کم سے کم سولہ سترہ زبانوں اور بارہ تیرہ لپیوں میں۔

ہمارے ہاں کلاسیکل سنگیت سے لے کر بازارو قوالیاں اور ہوٹلوں میں امریکن "پوپ" (POP) گانوں کی نقلیں سُنی جا سکتی ہیں۔

ہمارے ہاں سنگیت ہوتا ہے کئی قسم کا۔ اُتر بھارتی اور کرناٹک ڈھنگوں کا کلاسیکل سنگیت، کئی قسم کے لوک گیت، ہر موقع (اور بے موقع) گانے گائے جاتے ہیں۔ بچے کے جنم پر، شادی بیاہ پر، کوئی بوڑھا بزرگ مر جائے تو اُس کی ارتھی کے ساتھ بھی باجہ گاجہ ہوتا ہے، سوکھا پڑتا ہے تو گانے گا کر بادلوں کو بُلایا جاتا ہے۔ بارش ہو جائے تو بھگوان کا شکر بھی گانے میں ادا کیا جاتا ہے۔ سنگیت ہمارے جیون کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔

ہمارے ہاں ستیہ جیت رائے کی کلاتمک فلمیں بھی بنتی ہیں اور مار دھاڑ سے "لبریز سٹنٹ" فلمیں بھی۔

ناٹک اور رنگ منچ کی دنیا میں آجکل بہت رونق ہے۔ خاص کر بمبئی شہر میں۔ ایک زمانہ تھا بمبئی میں کوئی ڈرامہ سٹیج کرنا ہو تو سرکاؤس جی جہانگیر ہال میں یا ایسی ہی کسی جگہ جہاں جلسے اور بھاشن ہوتے تھے وہیں عارضی طور سے پردے لٹکا دیے جاتے تھے۔ کبھی کبھی اُن کو اُٹھانے گرانے کے لئے جو رسی باندھی جاتی تھی وہ ٹوٹ بھی جاتی تھی۔ غلط وقت پر پردہ اُٹھ جاتا تھا یا گر جاتا تھا۔

آج بمبئی میں کم سے کم ایک درجن بہترین سازوسامان سے آراستہ ایرکنڈیشنڈ تھیٹر ہال ہیں جہاں سٹیج ڈراموں کے لئے ہر تکنیک کا پورا انتظام ہے۔ کئی اوپن ایر تھیٹر بھی ہیں۔

یہ ہال بہترین ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ڈرامے جو یہاں کھیلے جاتے ہیں وہ سب بہت اچھے ہیں۔ دو چار اچھے بھی ہوتے ہیں۔ درمیانے درجے کے بھی اور بہت سے معمولی ہی ہوتے ہیں۔

ہمارے ہاں آج کل فلم آرٹ بلکہ فلم کلچر کا بھی کافی نام لیا جاتا ہے۔ ایسی آرٹ فلمیں بنتی ہیں جن کو سو دو سو فلم سوسائٹیز کے ممبروں کے علاوہ عام جنتا نہ دیکھتی ہے نہ سمجھ سکتی ہے۔ مگر غیر ملکی انٹرنیشنل فلم فیسٹیولز میں ان فلموں کا بہت نام لیا جاتا ہے۔ Awards اور انعام جیتے ہیں۔ شکر ہے کہ اب ایک آرٹ تھیٹر بھی قائم ہو گیا ہے۔ ریڈیو اسٹیشن میں A.I.R Auditorium ہے جہاں ایرکنڈیشنڈ ہال میں صاف ستھری فنکارانہ ہندی، بنگالی، بدیشی نئی اور پرانی فلمیں دکھائی جاتی ہیں جو کہ کمرشیل سنیما گھروں میں نہ چلتی ہیں نہ

چل سکتی ہیں۔

اسی آکاش والی سنیما میں چند مہینے ہوئے ہمارا پہلا بین الاقوامی بچوں کی فلموں کا میلہ ہوا تھا جس میں کوئی انعام وغیرہ تو نہیں دیئے گئے مگر دنیا کے اٹھارہ دیشوں کے بچوں کی بہترین فلم منگا کر دکھائے گئے۔ یہ فلم انگلستان سے بھی آئے تھے، روس سے بھی، امریکہ سے بھی اور کینیڈا اور چیکوسلواکیہ سے بھی۔ ان سب ملکوں میں بچوں کی فلموں پر بہت توجہ دی جاتی ہے۔ سرکار بہت روپیہ خرچ کرتی ہے۔ بڑے بڑے ادیب، ناولسٹ اور کہانی کار بچوں کی فلموں کے لئے کہانیاں لکھتے ہیں۔ ملک کے بہترین ڈائرکٹر ان فلموں کو ڈائرکٹ کرتے ہیں۔ تب جاکر یہ فلمیں بن پاتی ہیں جن کی "واہ واہ" ساری دنیا میں ہوتی ہے۔

بمبئی کا نقشہ اگر آپ نے دیکھا ہے تو آپ نے اس بات کو نوٹ کیا ہوگا کہ یہ لمبا پتلا جزیرہ شمال سے جنوب تک پھیلا ہوا ہے انگریزوں کے زمانے سے آج تک یہ سمجھا جاتا ہے کہ اصل شہر جو ہے وہ دکھن میں ہے جدھر بڑے بڑے ریلوے اسٹیشن ہیں، اونچی اونچی بلڈنگیں ہیں۔ بڑے بڑے ہوٹل ہیں، پردیش سرکار کا سچی والیہ ہے۔ بڑا ڈاک خانہ ہے۔ بڑا تار گھر ہے۔ جیسے جیسے شمال کو جاتے جائیے شہر کی اہمیت کم ہوتی جاتی ہے .... بلڈنگیں پرانی ہوتی جاتی ہیں۔ سڑکیں تنگ ہوتی جاتی ہیں۔ اُن کی صفائی بھی کم ہوتی جاتی ہے۔ ہاں گندگی بڑھتی جاتی ہے۔ ایک بمبئی میں دو شہر بسے ہوئے لگتے ہیں۔

شاید اسی وجہ سے سمجھا گیا کہ کلچر بھی اُن لوگوں کے لئے ہی ہے جو جنوبی بمبئی کی بڑھیا بلڈنگوں میں رہتے ہیں۔ بڑھیا سنیما گھر اِدھر ہیں۔ بڑھیا تھیٹر اِدھر ہیں۔ سنگیت سمیلن اِدھر ہوتے ہیں۔ کتابوں کی بڑی دکانیں (لیکن صرف انگریزی بھاشا کی کتابوں کی) سب اِدھر ہی ہیں۔ جہانگیر آرٹ گیلری بھی اِدھر ہی ہے اور کیوں نہ ہو! سب منسٹر، سب بڑے افسر، سب بڑے بیوپاری، لکھ پتی، کروڑپتی، روپے والے، سیاسی اور سماجی اثر و رسوخ والے سب اِدھر ہی تو رہتے ہیں۔

شاید اسی خیال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آرٹ فلم فیسٹیول جو ہوتے ہیں وہ بھی اسی جنوبی بمبئی میں ہوتے ہیں۔ آرٹ تھیٹر بھی یہیں ہے۔ مثال کے طور پر بچوں کی فلموں کا میلہ بھی یہاں ہی ہوا۔ سو اس کو دیکھنے والے بھی "بڑے آدمیوں" کے بچے تھے جو موٹروں میں بیٹھ کر گھر سے — یا پاس کے فیشن ایبل انگریزی اسکولوں سے — آتے تھے۔ جہاں تک عام جنتا کے بچوں کا سوال ہے اُن کو اس فیسٹیول کی خبر بھی نہیں ملی۔

اور سُنیئے۔ آپ نے بمبئی شہر کے جنوبی علاقہ میں کبھی کسی کتابوں کی دکان کو تلاش کیا ہے؟

انگریزی کتابوں کی دکانوں کا ذکر نہیں۔ وہ تو اس علاقے میں قدم قدم پر پائی جاتی ہیں۔ میں ہندوستانی کتابوں کی بات کر رہا ہوں۔ اپنی راشٹر بھاشا — یعنی ہندی — کی کتابیں، اردو کی کتابیں۔

اپنے پردیش کی بھاشا یعنی مرہٹی کی کتابیں۔

گجراتی کی کتابیں۔

تامل، تیلگو، کنڑ، ملیالم کی کتابیں۔

بنگالی، آسامی، اوڑیہ کی کتابیں۔

قلابہ سے پیدل چلنا شروع کیجئے اور ماہم بلکہ باندرہ بلکہ اندھیری تک ہو آئیے آپ کو کہیں بھی کسی ہندوستانی بھاشا کی کتابیں بکتی ہوئی نہ ملیں گی۔

ان تمام بڑھیا علاقوں میں — بڑی سڑکوں پر — فورٹ میں — آپ کو سڑکوں کی پٹڑیوں پر کتابوں کے ڈھیر رکھے اور بکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں لیکن یہ کتابیں صرف انگریزی کی ہوتی ہیں اور وہ بھی ایک خاص قسم کے جاسوسی اور شہوت انگیز ناول — ان کتابوں کے یہ ڈھیر یہ سوال اُٹھاتے ہیں — اُٹھا رہے ہیں — اور اُٹھاتے رہیں گے — کہ ہمارے اس نئے سوشلسٹ ڈھنگ کے سماج میں کلچر کس کے لئے ہے؟ عام جنتا کے لئے یا صرف امیر رئیس انگریزی زدہ طبقے کے لئے؟

●●

بنگلہ بندھو کو شری فخرالدین علی احمد کی طرف سے مبارکباد

راشٹرپتی شری فخرالدین علی احمد نے جمہوریہ بنگلہ دیش کے صدر کا عہدہ سنبھالنے پر بنگلہ بندھو شیخ مجیب الرحمٰن کو مبارکباد کا ایک پیغام بھیجا ہے۔ اس پیغام میں انھوں نے نئی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں شیخ مجیب کی کامیابی کیلئے نیک خواہشات پیش کرتے ہوئے یہ امید ظاہر کی ہے کہ بنگلہ دیش کے عوام امن، ترقی اور خوشحالی کی راہ پر ہمیشہ آگے بڑھتے رہیں گے۔

شریمتی اندرا گاندھی کی طرف سے مبارکباد

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے بنگلہ دیش کے صدر کا عہدہ سنبھالنے پر شیخ مجیب الرحمٰن کو مبارکباد کا ایک پیغام بھیجا ہے جسمیں انھوں نے شیخ مجیب کی ذاتی صحت اور فرائض کی انجام دہی میں ان کی کامیابی کیلئے نیک خواہشات پیش کرتے ہوئے یہ امید ظاہر کی ہے کہ آنیوالے برسوں میں بھارت اور بنگلہ دیش کے تعلقات میں مزید استحکام پیدا ہوگا۔

میرے پیارے وطن

میرے پیارے وطن میرے ہندوستاں   رشکِ فردوس تیری حسیں وادیاں
تیرے ذرّے ہیں غیرت دہِ کہکشاں   تیری دھرتی سے شرماتا ہے آسماں

ساری دنیا سے تیری نرالی پھبن
زندہ باد اے وطن زندہ باد اے وطن

کتنی دلکش ہیں رنگیں فضائیں تری   جانِ قلب ونظر ہیں ضیائیں تری
دل کی ٹھنڈک ہیں ٹھنڈی ہوائیں تری   جی میں آتا ہے لے لوں بلائیں تری

تجھ پہ قرباں دل وجان سے مال دھن
زندہ باد اے وطن زندہ باد اے وطن

تیرے جنگل حسیں تیرے پربت حسیں   تیرا ہرایک موسم ہے وجد آفریں
تو ہے پاکیزہ قصبوں کی وہ سرزمیں   جس کا ہر گوشہ ہے رشکِ خُلد بریں

تیرے شہروں کا ہے اور ہی بانکپن
زندہ باد اے وطن زندہ باد اے وطن

تجھ میں چشتی و گوتم سے سرور ہوئے   کتنے ٹیپو ہوئے کتنے اکبر ہوئے
کتنے گاندھی تلک جیسے رہبر ہوئے   تجھ میں پیدا ہزاروں جواہر ہوئے

تو ہے صدیوں سے گہوارۂ علم و فن
زندہ باد اے وطن زندہ باد اے وطن

آج تو اور ہی کچھ تری آن ہے !   دورِ آزادی میں اور ہی شان ہے
اب ترقی کی جانب ترا دھیان ہے   تیرا سارے جہاں میں بڑا مان ہے

تونے دنیا کو دی شانتی کی کرن
زندہ باد اے وطن زندہ باد اے وطن

تیرے ذرّے یوں ہی جگمگاتے رہیں   چاند تاروں کو نیچا دکھاتے رہیں
کھیت تیرے سدا لہلہاتے رہیں   اپنے آنچل کی دولت لٹاتے رہیں

کتنے تعمیری کاموں میں تو ہے مگن
زندہ باد اے وطن زندہ باد اے وطن

ڈاکٹر محمد منشاء الرحمٰن خاں منشاء

مہاراشٹر

شیواجی راؤ کلکرنی
سی-۸-۱- سمن نگر، چیمبور، بمبئی ۷۱

تھانہ ضلع کے ادی باسیوں کی ثقافتی زندگی میں خاموش تبدیلیاں پیدا کرنے کا سہرا کوسباڑ اگری کلچرل انسٹی ٹیوٹ کے سر ہے۔ یہ ادارہ گوکھلے ایجوکیشن سوسائٹی کی ایک شاخ ہے۔ اس ادارے کے کارپردازوں کے کارہائے نمایاں قابلِ ستائش ہیں جنھوں نے برسہابرس کے توہم پرست ادیباسیوں کو سماجی اور معاشی ترقی کے ساتھ ساتھ زراعتی ترقی کی راہوں پر گامزن کیا۔

کوسباڑ بمبئی سے ۱۲۰ کلومیٹر دور تھانہ ضلع میں واقع ہے۔ اس ادارہ نے اپنے مستحکم ارادے کے تحت متعدد طریقوں سے زرعی علاقوں میں پیداوار بڑھانے کا بیڑہ اٹھایا۔ ان طریقوں سے ادیباسی ناآشنا تھے۔ یہاں جاپانی طریقے سے چاول کی کاشتکاری کا طریقہ رائج کیا گیا جو بعد میں تمام ہندوستان میں مروج ہوا۔ آنجہانی شری پنجاب راؤ دیشمکھ، سابق مرکزی وزیر زراعت نے کوسباڑ کو "جاپانی طریقہ کی کاشتکاری کا مرکز" کہا تھا۔

آزادی کے بعد ۱۹۴۷ء میں گوکھلے ایجوکیشن سوسائٹی کے منتظمین نے زرعی ترقی کی جانب توجہ دی۔ اس سلسلہ میں سوسائٹی نے ایک منصوبہ کے تحت ایک ایسا مرکز بنانے کا فیصلہ کیا جہاں سے تحقیق اور تعلیم کے ساتھ ساتھ توسیعی کام بھی جاری رکھا جا سکتا تھا چنانچہ ۱۹۴۷ء میں کوسباڑ کی پہاڑی پر اگریکلچرل انسٹی ٹیوٹ قائم کیا گیا۔

ادارے نے پہلے قدم کے طور پر پیداوار بڑھانے کے سلسلہ میں خشک زراعت کے لیے نئے طریقوں کی ایجاد پر زور دیا۔ اس مقصد کے پیش نظر ادارے کے منتظمین نے بہت جلد چاول کی کاشت سے متعلق مقامی مسئلوں کا جائزہ لیا اور جاپانی طریقے سے چاول کی کاشتکاری کا طریقہ اطراف کے علاقوں میں شروع کیا۔ حالانکہ اس طریقے سے چاول کی پیداوار میں ترقی ہوئی لیکن اس علاقے کا بنیادی مسئلہ پانی کا تحفظ تھا۔

ادارے نے اس سلسلے میں تحقیق کی اور ایک منصوبہ کے تحت کم مدت کے لئے پانی کے تحفظ کے سلسلے میں سطحی کنویں بنانے کا انتظام کیا تاکہ مانسون کے کمزور ہونے پر بارش کے بہتے ہوئے پانی کو روکا جا سکے اور استعمال میں لایا جا سکے۔

اس قسم کے کنویں کسانوں میں کافی مقبول ہو رہے ہیں۔ چنانچہ تقریباً ۵،۰۰۰ سطحی کنویں تھانہ ضلع میں کھودے جا چکے ہیں۔ ان کنووں کی اس درجہ مقبولیت و ضرورت کے پیش نظر پورے مہاراشٹر میں خاص طور پر ساحلی علاقوں میں ایسے کنویں کھودنے کے پروگرام پر عمل کیا جا رہا ہے۔

گوبر اور کمپوسٹ کھادوں کی کمی کو پورا کرنے

کے لیۓ ادارے نے سبز کھاد تیار کرنے کی ٹھانی اور اس کے لیۓ "گلائی ری سیڈیا" نامی ایک پودے کی کاشت شروع کی۔ اس پودے کو بڑھنے کے لیۓ مانسون کے علاوہ مزید آبپاشی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ بہت کارآمد ہے اور کسانوں میں بہت جلد مقبول ہوگیا ہے۔ لہٰذا اب ادارے نے ۲ لاکھ ایسے پودے ضلع بھر میں تقسیم کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔

چاول کی کاشت میں انقلاب

چاول کی نئی قسمیں، سوریہ، ستیہ اور سہاسنی کوسباڑ اگریکلچرل انسٹی ٹیوٹ کی دین ہیں۔ ان تینوں قسموں کے چاولوں کو پہلی مرتبہ ادارے کے پرنسپل شری جینت پاٹل نے چنا۔ ۱۹۷۰ء تک کوسباڑ میں ان پر تجربہ کیا گیا۔ اس سلسلہ میں بنیادی اشیاء شری ایم۔ ایس۔ پوار نے مہیا کی تھیں۔ شری پوار اس وقت چاولوں کی کاشت سے متعلق ایک ماہر کی حیثیت سے ایف۔ اے۔ او سے متعلق تھے حکومت گیانا اور ایف۔ اے۔ او کے اشتراک سے اُن کی ٹیم چاولوں کی ان اقسام کی کاشت کرچکی تھی۔

ان بی۔ جی۔ ۷۹ مخلوط چاولوں کی مادہ کا چناؤ یو پی۔ اقسام کے سرتدھن سے گیانا جانے والی ہندوستانی ٹیم نے اُنیسویں صدی میں کیا تھا۔ گیانا میں ان اقسام پر ۱۹۷۰ء میں سازگار فضا میں فی ہیکٹر زمین سے ۴۰ تا ۵۰ کوئنٹل غلّہ حاصل کیا گیا۔ بعد میں ۱۹۷۲ء میں ان ہی اقسام پر کوسباڑ میں ۲ ہیکٹر زمین پر تجربہ کیا گیا اور ان کے نام سُہاسنی، ستیہ اور سوریہ رکھے گئے یہاں فی ہیکٹر ۶۰ سے ۷۵ کوئنٹل غلہ پیدا کیا گیا۔

ادارے نے جس علاقے میں آبپاشی کی سہولت تھی وہاں متعدد فصلیں اُگانے کے لیۓ تحقیق شروع کی۔ کوکن کے تین زرعی ضلعوں میں سوائے چاول کے کسی اور فصل کا لوگوں کو علم تک نہ تھا۔ گیہوں کا لوگوں کو مطلق علم نہ تھا اور یہی سمجھا جاتا تھا کہ اس کی فصل اس علاقے میں ناممکن ہے۔

لیکن ادارے نے مسلسل چند سال نہایت کامیابی کے ساتھ گیہوں کی اچھی فصل اُگائی۔ اس طرح لوگوں کی یہ غلط فہمی دور ہوگئی۔

اب پورے تھانہ ضلع میں چاول کی فصل کے بعد گیہوں کی فصل لگائی جاتی ہے۔ اس طرح متعدد فصلوں کے اگانے سے لوگوں کی خوراک پر بھی اثر پڑا اور جو لوگ مدتوں سے محض چاول کھاتے تھے انہوں نے بھی کھانے میں گیہوں کا استعمال شروع کر دیا ہے۔

اس کے علاوہ ادارے نے ایک تیسری فصل یعنی مونگ کی فصل اُگانے کی ابتدا کی۔ نیز ادارے نے اس علاقے میں کپاس کی کاشت بھی کی۔ اس زیادہ بارش والے علاقے میں کپاس کی کاشت کا لوگوں کو خیال بھی نہیں آتا تھا۔ اس کے علاوہ سویابین، سورج مکھی اور کئی دیگر ترکاریوں کی فصلیں بھی لگائی گئیں۔

گھاس کی نئی قسم

تھانہ اور اس کے قریبی علاقے میں گھاس کی فراوانی ہے۔ بمبئی کے ۲ لاکھ دودھ دینے والے مویشی اسی گھاس پر پلتے ہیں۔ لیکن جانوروں کے لیۓ اس گھاس میں غذائیت بہت کم ہے لہٰذا غذائی طور پر مکمل اور نئی قسم کی گھاس اور لیگیوم لگائی۔

ادارے نے گھاس اور پھلیوں کی مختلف قسمیں ہندوستان بھر سے اور دنیا کے دیگر ملکوں سے جمع کیں اور تجربہ کے طور پر اُگائیں جس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا۔ اس وجہ سے دوسری ریاستوں کو بھی ان کی تقسیم کی گئی۔ ان گھاسوں اور پھلیوں کے اقسام کے نام اس طرح ہیں:

اسٹائیلو سینتھس ہیومیلس (آسٹریلیا سے)، دیس مُنتھس ورگاٹس، سیس بانیا گرانڈی فلورا، لوکینا گلانکا اور کلی ٹوریا ٹرناٹی وغیرہ۔ تقریباً ۵,۰۰۰ مربع کلومیٹر میں پھیلے ہوئے گھاس کے خطے کو جو ضلع تھانہ اور بلساڑ کے قریبی علاقوں سے ملحق ہے ادارے نے کم درجہ کی گھاس کو اعلیٰ درجہ کی گھاس میں بدلنے کا فیصلہ کیا ہے۔

شری گندھر کانت دیو پھوڑے، ریسرچ اسکالر نے ڈاکٹر سولومن کی رہنمائی میں نئے قسم کی تور ایجاد کی ہے جو مویشیوں کے لیۓ بہتر غذا ثابت ہوئی۔ شری جینت پاٹل، ادارے کے پرنسپل، کوکن علاقے میں امریکی قسم کا چاول بلو بیلے پیش کرنے میں کامیاب رہے۔ حال ہی میں وزیر اعلیٰ شری وی۔ پی۔ نائیک نے ۲۶۵۰ لاکھ روپے کی امداد ادارے کو تحقیقی کاموں کے لیۓ دینے کا اعلان کیا۔ انھوں نے کوسباڑ انسٹی ٹیوٹ کے کاموں کو دیکھ کر اسے "مہاراشٹر میں زراعت کا مندر" کہا ہے۔

انسٹی ٹیوٹ کی ایک چھوٹی سی تجربہ گاہ ہے جو ۱۶۵۰ لاکھ روپیوں کی لاگت سے بن کر تیار ہوئی ہے اور جہاں ۱۰ پوسٹ گریجویٹ، ڈاکٹر این۔ آر۔ بھٹ، ڈاکٹر ایس۔ بی۔ کدم، ڈاکٹر ایس۔ سولومن، ڈاکٹر آر۔ ڈی۔ اسنا اور پروفیسر کاشکر کی نگرانی میں تحقیق کے کاموں میں مصروف ہیں۔ کوسبھٹ، ایک قسم کا چاول، ڈاکٹر این۔ آر۔ بھٹ کی کوششوں سے اگایا گیا ہے، اور علاقائی کسانوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔

انڈین کونسل آف اگریکلچرل ریسرچ نے اس ادارے کو سائنٹسٹ اسکیم کا ریسرچ سینٹر تسلیم کیا ہے۔ کونسل نے زراعتی سائنسدانوں سے کہا کہ وہ اس ادارے میں اپنی تحقیق جاری رکھیں۔

کوکن اگریکلچرل یونیورسٹی نے اس

ادارے کو پوسٹ گریجویٹ اسٹڈیز کا ریسرچ سینٹر قرار دیا ہے۔

اخذ کردہ نتیجوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ادارہ علاقائی قبائلیوں کو تربیت دے رہا ہے تاکہ تحقیق کا کام محض تجربہ گاہ تک محدود نہ رہے۔

کسانوں کو تربیت دینے کے لئے اس ادارے نے آشرم شالا اگری کلچرل اسکول، اگری کلچرل ڈپلوما کورس (علاقائی نوجوانوں کے لئے)، پنچایت راج ٹریننگ سینٹر (گرام پنچایت کے ممبروں اور سرپنچوں کے لئے) اپلائیڈ نیوٹریشن ٹریننگ سینٹر اور گرام سیوا ٹریننگ سینٹر قائم کئے ہیں۔

سیکنڈری اسکول کے طلبہ کسانوں کو نئی تکنیک سے واقف کرانے میں مدد کر رہے ہیں۔ اس وجہ سے علاقائی لوگوں کی نظر میں ان طلبہ کی وقعت بڑھ گئی ہے۔ تقریباً ۱۰۰ لڑکے لڑکیاں روزانہ کھیتوں میں سبزی ترکاریاں بونے کے کام میں مصروف ہیں۔

ادی باسی طلبہ سے بات چیت کے دوران مضمون نگار ان میں پیدا شدہ تبدیلیوں کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔ کماری رتنا کر کاکڑ کا ٹیلا (عمر ۱۸ سال) نے مضمون نگار کو بتایا کہ وہ میٹرک کے بعد بی-ایڈ کرنا چاہتی ہے تاکہ ٹیچر بن کر وہ ادی باسیوں کے لئے کام کر سکے۔ کماری رام چندر بار کو کوم (عمر ۱۷ سال) نے بتایا کہ ادارے سے حاصل کردہ تعلیم نے انھیں نئی طرز کی کاشتکاری سے روشناس کرایا ہے۔ کماری تلسی رام موتعا جی ماڈلے (عمر ۱۲ سال) نے کہا کہ ادارے کے زیادہ تر طلبہ کالج کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

ادارے کے پہلے گروپ نے سنہ ۶۹-۱۹۶۸ء میں ایس-ایس-سی کا امتحان دیا۔ امتحان میں بیٹھنے والے طلبہ کی تعداد ۲۴ تھی اور پاس ہونے والے طلبہ کی تعداد ۱۴ تھی۔

اس ایس-ایس-سی-امتحان کے نتیجہ کا خاکہ مندرجہ ذیل ہے:

سال	امتحان میں بیٹھنے والے طلبہ کی تعداد	پاس ہونے والے طلبہ کی تعداد	فیصد تناسب
سنہ ۶۹-۱۹۶۸ء	۲۴	۱۴	۵۸٫۳
سنہ ۷۰-۱۹۶۹ء	۲۲	۱۲	۵۴٫۵
سنہ ۷۱-۱۹۷۰ء	۱۸	۱۲	۶۶٫۶
سنہ ۷۲-۱۹۷۱ء	-	-	-
سنہ ۷۳-۱۹۷۲ء	۲۰	۱۵	۵۲٫۶
سنہ ۷۴-۱۹۷۳ء	۲۲	۱۸	۸۱٫۸

انسٹی ٹیوٹ کے چار طلبہ گریجویٹ ہو چکے ہیں۔ ایک طالب علم (سشری آرادھیہ) نے بی۔ ایس سی۔ (اگری کلچر) دھاپولی اگری کلچرل کالج سے اول درجہ میں پاس کیا ہے۔ فی الحال انسٹی ٹیوٹ کے ۲۲ طلبہ کالج میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

ادارہ میں لڑکیوں کی تعداد ۹۰ ہے، جو انسٹی ٹیوٹ کے کاموں میں ہاتھ بٹا رہی ہیں۔ ضلع سطح پر سنگیت و تقریری مقابلے میں ادی باسی لڑکیاں حصہ لے رہی ہیں۔ شری جینت کی بیوی نے بتلایا کہ خود میری لڑکی ادی باسیوں کے مقابلے میں حصہ لینے میں دشواری محسوس کرتی ہے۔

ادارہ مرغی پالن کاموں میں بھی گہری دلچسپی لے رہا ہے۔ ادارہ کے ڈاکٹر ایس-پی-مودک نے کہا کہ ادارہ نے کوسباڑ نسل کی مرغیوں کو جنم دیا ہے۔ وہائٹ لیگ ہارن، بلیک آسٹرالیپ، روڈ آئی لینڈ ریڈ اور نیوہیمپ شائر، ان سبھوں کو ملا کر ایک نئی نسل پیدا کی گئی ہے۔ ایسی مرغیاں مانسونی علاقے اور مرطوب آب و ہوا میں بھی نشوونما پا سکتی ہیں، نیز ان کا رنگ دیسی مرغیوں کی طرح ہے، چنانچہ سفید مرغیوں کی بہ نسبت دیسی رنگ کی مرغیاں ادیباسیوں کے لئے بہتر ہیں کیونکہ ادیباسی اپنی ضعیف الاعتقادی کے باعث سفید رنگ کی مرغیاں پالنے سے ہچکچاتے ہیں۔

رضاکار اداروں کی امداد

ابتداء سے ہی اس ادارہ کو ریاستی اور مرکزی حکومت کی امداد ملتی رہی ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستانی اور بیرونی ممالک کے مخیر اداروں نے بھی اپنی توجہ اس طرف رکھی ہے مثلاً پیوپلز ایکشن فار ڈیولپمنٹ 'انڈیا'؛ او-ایکس-ایف-اے-ایم' برطانیہ' اور کمیونٹی ایڈ ابروڈ' آسٹریلیا وغیرہ۔

مستقبل کے منصوبوں کے بارے میں پوچھنے پر انسٹی ٹیوٹ کے پرنسپل نے بتایا کہ وہ تحقیق کے کاموں پر توجہ دینا چاہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ تجربہ گاہ میں مشینوں کی کمی کے باعث اس کام میں رکاوٹیں آ رہی ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ ادارے کی تمام تر کوششیں تجربہ گاہ کو جدید مشینوں سے لیس کرنا ہے۔

یہ انسٹی ٹیوٹ ایک ترقی پذیر ادارہ ہے جو موجودہ غذائی مسئلہ کو حل کرنے میں اہم رول ادا کریگا۔ ●●

مہاراشٹر میں نئے تعلیمی نصاب کا اعلان

کسی بھی ٹیچر کو برطرف نہیں کیا جائے گا (پوار)

ریاستی وزیر تعلیم شری شرد پوار نے ۵ فروری کو ثانوی تعلیمی نصاب کا اعلان کرتے ہوئے اس بات کی یقین دہانی کی کہ نئے طرز تعلیم کے باعث جو اساتذہ زائد قرار دئے جائیں گے انھیں برطرف نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا جن اسکولوں میں اساتذہ کو برطرفی کے نوٹس دئے گئے ہیں انہیں واپس لے لیا جائیگا۔ نئے ثانوی تعلیمی نصاب کا نفاذ امسال جون سے ہوگا۔ وزیر تعلیم کے اعلان کا متن حسب ذیل ہے:

کچھ عرصہ پہلے حکومت مہاراشٹر نے یکساں قومی طرز تعلیم جو ۱۰ + ۲ + ۳ پر مشتمل ہے نافذ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ثانوی طرز تعلیم سے متعلق سرکاری فیصلے ان سرکاری قرار دادوں میں شامل کر لئے گئے جو ۲۵ جولائی ۱۹۷۴ء اور ۶ نومبر ۱۹۷۴ء کو جاری کئے گئے۔ ان فیصلوں کے اعلان کے بعد بعض حلقوں سے شدید تاثرات کا اظہار ہوا جن پر غور و خوض کرنے کے بعد حکومت نے اپنے فیصلوں میں ترمیم کرنا ضروری سمجھا ہے۔ چند اہم ترمیم شدہ فیصلے مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) جون ۱۹۷۵ء سے تبدیل شدہ نصاب کے مطابق مغربی مہاراشٹر کے تقریباً ۹۰۰ منتخبہ اسکولوں میں ودربھ کے تقریباً ۱۱۰ ہائر سکنڈری اسکول ۲۰ دیگر ہائی اسکول اور ۱۰۸ موجودہ کالجوں میں اور مراٹھواڑہ کے موجودہ ۶۷ کالجوں اور ۲۰ دیگر ہائی اسکولوں میں گیارھویں جماعت کا اجراء ہوگا۔ جون ۱۹۷۶ء سے بارھویں جماعت کا نفاذ ہوگا۔ بارھویں جماعت کو ریاست کے تمام علاقوں کے تمام کالجوں کے علاوہ چند بہترین آراستہ سکنڈری اسکولوں میں جاری کیا جائے گا۔ تدریجی طور پر بارھویں جماعت کو کالجوں سے چند سالوں میں اسکولوں میں منتقل کرنے کے لئے اقدامات کئے جائیں گے تاکہ بالآخر تمام بارھویں جماعتیں ثانوی اسکولوں میں قائم ہو جائیں۔

(۲) کارپوریشن کے علاقوں میں گیارھویں جماعت کے لئے جو ثانوی اسکولوں سے متعلق ہوگی ٹیوشن فیس ۱۰ روپے اور دیگر علاقوں میں ۸ روپے ہوگی۔ داخلہ فیس کے ساتھ ایک ماہ کی فیس کے برابر ٹرم فیس بھی وصول کی جائے گی۔ علاوہ ازیں ہر ماہ ۳ روپے سائنس کے طلبہ سے تجربہ گاہ کی فیس کے طور پر وصول کئے جائیں گے۔ گیارھویں اور بارھویں جماعتوں کے لئے جو کالجوں میں قائم کی گئی ہوں گی، پی۔یو۔سی، پی۔ڈی۔ اور ایف۔وائی۔ کے برابر فیس وصول کی جائے گی۔

(۳) کالجوں میں کھولی گئی ثانوی کلاسوں کے لئے ای۔بی۔سی۔ کی وہی حد ہوگی جو کالج میں رکھی گئی

شری شرد پوار

ہے اور اسی طرح ثانوی اسکول میں آمدنی کی حد جو اس کے لئے مقرر ہے وہی حد ثانوی اسکولوں میں کھولی گئی اعلیٰ ثانوی کلاسوں کے لئے ہوگی۔

(۴) منتخبہ اسکولوں اور کالجوں میں ڈویژنوں کی منظوری دی جائے گی۔ ان اداروں کو سائنس اور ٹیکنیکل مضامین کے علاوہ دیگر اختیاری مضامین ۲۰ سے زیادہ طلبہ کی موجودگی میں جاری کرنے کی اجازت ہوگی۔ سائنس یا ٹیکنیکل مضامین کی کلاسیں جاری کرنے کے لئے محکمہ سے خاص طور پر اجازت حاصل کرنی ہوگی۔

(۵) کالجوں میں کھولی گئی اعلیٰ ثانوی کلاسوں میں طلبہ کی تعداد ۷۰ یا اس سے زیادہ ہونی چاہئے اور اسکولوں میں جاری ہونے والی اعلیٰ ثانوی کلاسوں کے لئے طلبہ کی تعداد ۵۰ سے ۶۰ تک ہونا ضروری ہے نیز روزانہ اوسط حاضری کم از کم ۴۰ ہونی چاہئے۔

درج فہرست علاقوں میں واقع اسکولوں، گرلز ہائی اسکولوں اور اقلیتی زبانوں کے اسکولوں میں حاضری کی اس شرط میں تخفیف کی جاسکتی ہے۔ ایسے اسکولوں میں طلبہ کی تعداد ۴۰ سے ۵۰ تک اور روزانہ اوسط حاضری ۳۰ تک ہوسکتی ہے۔

(۶) اگر قابلیت رکھتے ہوں تو پاس کلاس گریجویٹ جنھوں نے بی۔ایڈ بھی کیا ہو، اور

آٹھویں جماعت سے لے کر گیارھویں جماعت تک پڑھانے کا تجربہ رکھتے ہوں اعلیٰ ثانوی کلاسوں کو پڑھا سکتے ہیں۔ کالجوں میں ایم۔اے، ایم۔ایس۔سی، ایم۔کام لیکچررز جو دوسرے درجے میں پاس ہوئے ہوں، پڑھانے کے اہل سمجھے جائیں گے۔ لیکن ان کو دو سال کے اندر محکمہ سے تجویز کردہ ٹریننگ کورسوں سے تربیت حاصل کرنی ضروری ہوگی۔ دور دراز دیہی علاقوں میں مقررہ تعلیمی قابلیت میں تخفیف کرنے کا اختیار ڈائرکٹر آف ایجوکیشن کو ہوگا

(۷) اعلیٰ ثانوی اسکولوں کے اساتذہ کیلئے اسکیل ۳۰۰-۱۵-۴۵۰ ای بی-۲۰-۵۵۰-۲۵-۶۵۰ مقرر کیا گیا ہے۔ کالج کے لیکچررز کے اسکیل کے لئے موجودہ اسکیل رکھنے کی اجازت ہوگی۔ پارٹ ٹائم اساتذہ اگر اعلیٰ ثانوی کلاسوں کے لئے مقرر کئے گئے تو انھیں فی گھنٹہ ۱۰ روپے (جس میں ٹیوٹوریل بھی شامل ہے) دیا جائے گا۔ ثانوی اسکولوں کے ہیڈماسٹروں کو ۵۰ روپے ان کی موجودہ تنخواہوں سے زائد دئے جائیں گے۔

(۸) (الف) ہر ثانوی اسکول کو جو سائنس کورس کے لئے منتخب کیا گیا ہوگا، دو لیبوریٹری اسسٹنٹ ۱۵۰-۲۲۵ کے اسکیل میں اور ایک لیبوریٹری اٹینڈنٹ ۷۵-۱۰۰ کے اسکیل میں رکھنے کی اجازت ہوگی۔

(۸) (ب) سائنس کی اعلیٰ ثانوی کلاسوں کے لئے چنے گئے ثانوی اسکولوں کو سائنس کے ساز و سامان کے لئے ۱۹۷۵-۷۶ء کے لئے ۱۵ ہزار روپیوں کی مدد دی جائے گی۔ اور ۱۹۷۶-۷۷ء کے لئے پندرہ ہزار کی رقم ۵۰ فیصدی کے حساب سے دی جائے گی۔ ان اسکولوں کو ہر سال اپنے حصے کا ۲۵ فیصدی یعنی ۵ ہزار روپے ادا کرنے ہوں گے۔

(۹) مہاراشٹرا اسٹیٹ بورڈ برائے ثانوی تعلیم گیارھویں اور بارھویں جماعت کے امتحانات لے گا اور درسی کتابیں تجویز کرے گا۔

(۱۰) کالجوں میں نیز ثانوی اسکولوں میں کھولی گئی اعلیٰ ثانوی کلاسوں کا انتظامی کنٹرول ڈائرکٹر آف ایجوکیشن کے ہاتھ میں ہوگا۔

(۱۱) ثانوی اسکولوں کے تمام مستقل اساتذہ کو مختلف اسکیموں کے تحت ملازمت دی جائیگی اس بات کی یقین دہانی کے لئے ثانوی اسکولوں کے منتظمین سے درخواست کی جائے گی کہ وہ نئے تقررات انھیں اساتذہ میں سے کریں جو اس نئے طرز تعلیم کے باعث زائد قرار دئے گئے ہیں۔ ایسے اساتذہ کی فہرست ثانوی اسکول کو ضلع کے ایجوکیشن افسروں کی جانب سے مہیا کی جائے گی۔

(۱۲) ثانوی اسکولوں میں تربیت یافتہ اساتذہ فراہم کرنے کے اپریل ۱۹۷۵ء سے بڑے پیمانے پر تربیتی پروگرام شروع کیا جائے گا۔

(۱۳) اعلیٰ ثانوی کلاسوں میں ذریعۂ تعلیم کے لئے انگلش، مراٹھی، ہندی، گجراتی اور اردو کے علاوہ سندھی کو بھی تسلیم کرلیا گیا ہے۔

(۱۴) حکومت نے کالج اور یونیورسٹی کے اساتذہ کے مستقل کئے جانے سے متعلق جو پابندی لگائی تھی وہ ہٹا لینے کا فیصلہ کیا ہے۔

(۱۵) ۱۹۷۵-۷۶ء کے دوران گیارھویں جماعت (پرانا کورس) ایس۔ایس۔سی۔ مغربی مہاراشٹر میں ختم کر دیا جائے گا۔ مغربی مہاراشٹر کے ثانوی اسکولوں کے منتظمین نے اس اسکیم کے تحت زائد اساتذہ کو برطرفی کے نوٹس دینا شروع کر دئے ہیں۔ چنانچہ حکومت اس مسئلہ پر کافی غور و خوض کر رہی ہے اور جلد ہی اس سلسلہ میں ہدایات دینے والی ہے۔ لہٰذا ثانوی اسکولوں کے منتظمین کو چاہئے کہ وہ اس سلسلہ میں اساتذہ کو برطرفی کے نوٹس نہ دیں۔ اگر اس سلسلہ میں اس قسم کا کوئی نوٹس دیا جا چکا ہے تو اسے واپس لے جائے گا۔

مذکورہ فیصلوں کے پیش نظر حکومت کی جانب سے اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ اس نئی تبدیلی میں کسی قسم کی دشواری پیش نہیں آئے گی۔

■■

مہاراشٹری تہذیب
چند پہلو

یونس اگاسکر
سینٹ زیویرس کالج
فرسٹ فلور، کمرہ نمبر ۷۲، دھوبی تالاب، بمبئی ۴۰۰۰۰۱

ہندوستان کی ہر ریاست سیاسی وتہذیبی اعتبار سے اس ملک کی ایک اہم اکائی ہے۔ جہاں تک سیاسی اہمیت کا سوال ہے مہاراشٹر ہندوستان کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اس ملک کا دسواں حصّہ مہاراشٹر کہلاتا ہے اور ملک کے ہر دس افراد میں ایک مہاراشٹری ہے لیکن تہذیبی اعتبار سے بھی یہ ریاست کم اہم نہیں ہے۔ ہزاروں سال سے یہ سرزمین مختلف مذاہب کی پناہ گاہ اور مختلف تہذیبوں کا سنگم رہی ہے۔ خصوصاً ہندوستان کی دو قدیم اجتماعی تہذیبوں یعنی آریا اور دراوڑ تہذیب وتمدن کے ملے جلے اثرات اور اقدار مہاراشٹر کی مٹی میں خوشبو بن کر سما گئی ہیں۔ آریا اور دراوڑ تہذیبوں کے ملاپ نے مہاراشٹری کلچر کو جنم دیا ہے۔ اسی کلچر میں ہند اسلامی و عجمی عناصر نے گھل مل کر اس کی رعنائی میں اضافہ کیا ہے۔ زبان و ادب، فنون لطیفہ، تیج تہوار اور رسم و رواج سب میں ایک ملی جلی تہذیب کی جھلک نظر آتی ہے۔

مہاراشٹر کی زبان مراٹھی ہے۔ مراٹھی ہندوستان کی جدید آریائی زبانوں میں بنگالی کے بعد سب سے ترقی یافتہ زبان ہے۔ یہ مہاراشٹری پراکرت سے نکلی ہے۔ پراکرتوں میں مہاراشٹری کو ایک اونچا مقام حاصل تھا۔ یہ ایک زمانے میں گیتوں کی زبان تھی۔ یہاں تک کہ بعض سنسکرت ڈراموں کے گیت اسی زبان میں ہیں۔ مراٹھی میں بھی غالباً اسی لئے شاعری کی روایت خاصی پرانی ہے جس کا سلسلہ بارھویں صدی سے ملنے لگتا ہے۔ قدیم مراٹھی ادب میں شعروشاعری کا پلّہ بھاری ہے۔ قدیم مراٹھی شاعری کو نوعیت و ادوار کے لحاظ سے تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اوّل سنت کاویہ جس میں مذہبی و اخلاقی موضوعات کو برتا گیا ہے۔ اس میں بھکتی کا رس پایا جاتا ہے اور یہ شاعری سنتوں کی میٹھی بانی سے مملو مشہور سنت کویوں میں گیانیشور عرف گیان نام دیو، رام داس، ایک ناتھ اور تکارام کے نام مراٹھی ادب کی تاریخ میں سنہری حرفوں سے لکھے گئے ہیں۔ ان میں گیانیشور کو سنت کا کا پایہ اور تکارام کو کلس سمجھا جاتا ہے۔

مہاراشٹر میں سنت گیانیشور نے جس بھک تحریک کی بنیاد ڈالی اُسے ناتھ پنتھ کہا جاتا مہاراشٹر میں اسے وارکری پنتھ بھی کہا جاتا ہے ناتھ پنتھ کا سلسلہ شمالی ہند کے گرو گورکھ سے جا ملتا ہے۔ لیکن ناتھ پنتھ سے قبل مہارا میں ایک اور مذہبی تحریک وجود میں آچکی تھی مہانوبھاوٗ پنتھ کہا جاتا ہے۔ اس پنتھ کے با چکر دھر سوامی (سنہ ۱۱۹۴ء تا سنہ ۱۲۷۶ء) کو مر کا پہلا ادیب و شاعر سمجھا جاتا ہے۔ مہانو پنتھیوں کے ادبی ورثے میں اپ بھرنش ز کی خصوصیات نظر آتی ہیں۔ یہ ادب، جدید آ مراٹھی ادب کی عبوری شکل ہے۔ مہانو بھاوٗ کی ایک مقلّدہ شاعرہ مہ دمبا کا ذکر بھی ض ہے جو مراٹھی کی اولین شاعرہ ہے۔ مہ ا

" دھولے " (धवळे) یعنی کرشن رکمنی بیاہ سے متعلق گیت مراٹھی کے قدیم ترین غنائیے قرار پاتے ہیں۔

ناتھ پنتھ کے سنت کویوں میں پنتھ کے بانی سنت گیا نیشور کی شاعری میں علم و حکمت کی تعلیم اور مذہبی عقائد کی اصلاح کا عنصر نمایاں ہے۔ نام دیو نے نِرگُن بھکتی کا تصور پیش کیا ہے۔ ان کا ہندوستانی کلام بھی پایا جاتا ہے۔ رام داس کے ہاں موہ مایا اور دنیا داری کو تج دینے کی تلقین کے ساتھ ہی ساتھ عمل کی تعلیم کا پہلو زیادہ روشن ہے۔ ایک ناتھ اور تکارام دونوں نے سماجی نابرابری اور طبقاتی اونچ نیچ کے خلاف آواز بلند کی ہے لیکن ایک ناتھ خواص کے اور تکارام عوام کے شاعر ہیں۔

قدیم شاعری کا ایک حصہ پنڈت کاویہ پر مشتمل ہے جس میں علمی خیالات، فلسفیانہ موشگافیاں نیز حکایتیں اور قصے بھی پائے جاتے ہیں۔ پنڈت کوی زبان و بیان پر زیادہ توجہ دیتے تھے اسلئے پنڈت کاویہ علمی شان اور فنی اہتمام کا مظہر ہے۔ پنڈت کویوں نے قدیم مذہبی و غیر مذہبی (سیکولر) حکایتوں کو شعر کا جامہ پہناکر پڑھے لکھے طبقے کے تفنن کا سامان پیدا کیا۔ وامن پنڈت، رگھو ناتھ پنڈت، مکتیشور، مورو پنت اور سری دھر کا شمار اعلیٰ پایے کے پنڈت کویوں میں ہوتا ہے۔ پنڈت کویوں کا سلسلہ اُن " آکھیان کویوں " سے جا ملتا ہے جنھوں نے پُرانوں سے مذہبی قصے لیکر انھیں مراٹھی نظم کا جامہ پہنایا اور عوام کی روحانی تسکین کا نیم مذہبی طریقہ اپنایا۔ انھیں " آکھیان کویوں " کے نقشِ قدم پر چل کر چند ودوان شاعروں نے پڑھے لکھے طبقے کے لئے طبع آزمائی کی تو پنڈت کاویہ کی بنیاد پڑی۔ اس قسم کی شاعری کا مقصد ساری رامائن یا مہابھارت کو مراٹھی میں ڈھالنا نہ تھا بلکہ اُن کے چیدہ چیدہ مقامات کو اپناکر شعری نزاکتوں، فنی مہارتوں اور ذہنی کاوشوں کے ساتھ پیش کرکے تعلیم یافتہ طبقے کو رجھانا پنڈت کویوں کا مقصد تھا اور اس میں وہ کامیاب رہے۔

تیسرے حصے میں شاہیری کاویہ کا شمار ہوتا ہے جس میں رزمیہ و عشقیہ موضوعات کو برتا گیا ہے۔ اس نہج کی شاعری کرنے والے شعراء " شاہیر " शाहीर کہلاتے ہیں۔ شاہیر دراصل لفظ "شاعر" کی بدلی ہوئی شکل ہے اور مراٹھی تہذیب پر مسلم تہذیب کے اثر کی غمازی کرتا ہے۔ مراٹھی میں شاہیر اس فنکار کو کہا جاتا ہے جو ویر رس سے بھرے ہوئے پوواڑے (पोवाडे) اور شرنگار رس سے بھری ہوئی لاونی (लावणी) لکھتا اور انھیں پُرجوش یا پُرکیف لہجے میں گاکر پیش کرتا ہو۔ " پوواڑا " دراصل ایک طویل رزمیہ نظم ہوتی ہے جس میں پُرعزم کارناموں کا ذکر اور پُرعظمت شخصیتوں کی تعریف و توصیف پائی جاتی ہے۔ یہ اردو کے " قصیدہ " سے ملتی جلتی صنف ہے۔ " لاونی " میں شرنگار رس اور عشقیہ جذبات پیش کئے جاتے ہیں۔ ابتداء میں " لاونیوں " کا موضوع کرشن کی لیلائیں ہوا کرتی تھیں لیکن آہستہ آہستہ یہ عورتوں کے خیالات و جذبات اور شوخی و نزاکت سے مملو صنف شاعری بن گئی۔ اس اعتبار سے اردو کی ریختی اس کی ہمجولی ہے۔

شاہیری کاویہ کو پیشوائی دور میں کافی ترقی حاصل ہوئی۔ اس زمانے میں سپاہیوں کو جوش دلانے کے لئے شاہیر رزمیہ نظمیں یعنی پوواڑے لکھتے تھے اور رات کو لشکر کی تفریحِ طبع کی خاطر رومان اور جنسی جذبات سے بھری ہوئی لاونیاں گاکر پیش کرتے تھے۔ اس روایت نے مہاراشٹر کے لوک ناچ " تماشا " (तमाशा) کو جنم دیا۔

" تماشا " ایک قسم کا عوامی اوپیرا ہے جس میں رقص اور ڈراما دونوں کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ یہ شمالی ہند کی نوٹنکی سے ملتی جلتی چیز ہے۔ اس میں موضوع کی قید نہیں ہوتی لیکن " لاونی " اس کا اٹوٹ انگ ہونے کی وجہ سے عشقیہ جذبات و خیالات اس پر حاوی ہوتے ہیں۔ تماشے میں علاوہ کئی کرداروں کے ایک " سوتر دھار " ہوتا ہے جو " ودوشک " یا " سونگاڈیا " سے لفظی چھیڑ چھاڑ کرتا ہوا اسٹیج پر نمودار ہوتا ہے۔ دونوں کی نوک جھونک آخر اس مرحلے پر پہنچتی ہے جہاں رقاصاؤں کا اسٹیج پر آنا ضروری ہو جاتا ہے چنانچہ پردے کے پیچھے سے تین یا تین سے زائد لڑکیاں ساری کے پلّو اٹھائے حاضرین کی طرف پشت کئے ہوئے نمودار ہوتی ہیں اور مٹکتی تھرکتی رہتی ہیں۔ سازندے بھی سامنے آجاتے ہیں۔ ڈھولک کی لے تیز ہو جاتی ہے اور رقص شروع ہو جاتا ہے سوتر دھار اور سونگاڈیا کے درمیان رقاصاؤں سے متعلق فقرے بازیوں یا فحش مذاق کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ رقاصاؤں کے ساتھ ایک اور شخصیت نمودار ہوتی ہے جو اپنی اداؤں سے تیسری صنف کی نمائندگی کرتی ہے۔ جب سوتر دھار رقاصا لڑکیوں سے راہ و رسم بڑھانے کی کوشش کرتا ہے تو آں جناب اس کے گلے پڑ جاتے ہیں اور مجمع میں قہقہوں کا طوفان اُبل پڑتا ہے۔ اس کے بعد رقص کے ساتھ ساتھ لاونیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جس کے دوران یہ ناچنے والیاں ایسے ہاؤ بھاؤ بتاتی اور ایسے اشارے کرتی ہیں کہ نیئے تماش بینوں کے پسینے چھوٹ جاتے ہیں آہستہ آہستہ مجمع سے فرمائشوں اور انعام و اکرام کی بارش ہونے لگتی ہے اور رات گئے تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

" تماشا " مہاراشٹر کا سب سے مقبول لوک ناٹک ہے لیکن اس کے علاوہ " دشاوتار "

(दशावतार) للت (ललित) اور گوندل (गोंधळ) بھی خاصے پسندیدہ لوک ناٹک ہیں۔ یہ تینوں مذہبی عنصر رکھتے ہیں۔ دشاوتار میں بھگوان وشنو کے مختلف اوتاروں کی لیلاؤں کو تمثیلی روپ میں پیش کیا جاتا ہے۔

مہاراشٹر میں ناٹک کی روایت کافی پُرانی اور عوامی ہونے کی وجہ سے یہاں ناٹک سنگیت بھی وجود میں آیا جس پر ابتدا میں کرناٹک سنگیت کا اثر رہا۔ اس ناٹک سنگیت نے لاؤنی، پوواڑے، بھجن اور ابھنگ کے ساتھ ساتھ روایتی لوک سنگیت کی تالوں کو اپنا لیا ہے۔ ناٹک سنگیت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اگرچہ کلاسیکی موسیقی کے مطابق راگ اور تال میں باندھا گیا ہے پھر بھی ٹھمری کی طرح اس میں ایک ہلکا پھلکا انداز پایا جاتا ہے۔ مہاراشٹر میں آج سے بیس پچیس سال قبل سنگیت ناٹک ہوا کرتے تھے جن میں مکالمے بھی منظوم ہوتے تھے۔ اس دور میں ناٹک سنگیت اپنے عروج پر پہنچ گیا تھا۔ یہاں تک کہ اسٹیج پر پیش کیے جانے والے "پدوں" کے ذریعے کلاسیکی موسیقی کو مہاراشٹر میں قدم جمانے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ آج اس ریاست میں ہلکی موسیقی کے ساتھ کلاسیکی موسیقی کا خاصا چلن پایا جاتا ہے۔ یہاں شمالی ہند کے تقریباً سبھی موسیقی کے گھرانوں کے سلسلے ملتے ہیں۔ ہر سال حکومت مہاراشٹر کی جانب سے سنگیت مہوتسو کا انعقاد بھی عمل میں آتا ہے۔ اسی طرح یہاں کی یونیورسٹیوں میں کلاسیکی موسیقی سے متعلق الگ شعبہ بھی قائم ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مہاراشٹر کے عوام میں تہذیبی انفرادیت کا شعور پیدا کرنے میں لوک ناٹکوں سنگیت کی محفلوں اور ڈراموں نے کافی نمایاں حصّہ لیا ہے۔

ڈراما تو یہاں بنگال کے بعد سب سے ترقی پذیر صنف ہے۔ ہندوستان میں فلم نے دوسری زبانوں کے ڈراموں کو زوال پذیر کر دیا، لیکن مہاراشٹر میں ڈراموں نے فلم کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ چنانچہ آج کل ڈراموں کے سو سے اوپر شو ہو جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں سمجھی جاتی۔

ڈراموں کے بعد مراٹھی کے رسالوں نے مراٹھی تہذیب کے نقوش اُجاگر کرنے اور انھیں مہاراشٹر واسیوں کے ذہنوں میں جاگزیں کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ یہاں دِوالی کے موقع پر سیکڑوں رسالوں کے چھوٹے بڑے دِوالی نمبر نکلتے ہیں۔ (بہت سے رسالے صرف دِوالی نمبر نکالتے ہیں) جن میں ہر پہلو سے مہاراشٹری تہذیب کی عکاسی کی جاتی ہے۔ ان رسالوں کے کارٹون دیکھ کر یقین کرنا پڑتا ہے کہ مہاراشٹری ایک زندہ دل قوم ہیں۔

جب سے یہ ریاست وجود میں آئی ہے، یہاں کے لوگوں میں تاریخی و تمدنی انفرادیت و امتیاز کا احساس بہت بیدار ہو چکا ہے۔ یہاں کے مصنّفوں نے مغرب سے اور ہندوستان کی دوسری زبانوں سے خوشہ چینی کی ہے لیکن اپنی دھرتی پر اُن کے قدم مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مراٹھی کے موجودہ ادب میں بھی مہاراشٹر کی مٹی کی بو باس رچی ہوئی ہے۔

مہاراشٹر کے تہواروں میں گنیش اُتسو، گڈھی پاڑوا، مکر سنکرانتی، پولا اور منگلا گوَر خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ یوں تو یہاں ہندوؤں کے سبھی تہوار منائے جاتے ہیں لیکن مذکورہ تہواروں پر مہاراشٹری تہذیب کی چھاپ نظر آتی ہے۔ گنیش اُتسو مہاراشٹر کا سب سے مشہور تہوار ہے اس موقعے پر گنیش بھگوان کی لاکھوں مورتیاں گھروں میں لاکر اُن کی پوجا کی جاتی ہے۔ اُن کے آگے "مودک" (मोदक) نامی مٹھائی کا "نیویدّ" (नैवेद्य) بھی رکھا جاتا ہے۔ یہ گنپتی کی مورتیاں ڈیڑھ دن سے دس دن تک گھروں میں رکھنے کے بعد سمندر یا ندی میں لے جا کر ڈبو دی جاتی ہیں۔ دسویں دن ایک بڑا جلوس بھی نکلتا ہے اور اجتماعی طور پر مورتیاں سپردِ آب کی جاتی ہیں۔ جب تک مورتی گھر میں رہے جاگنا کارِ ثواب سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے بعض گھروں میں جاگنے کے لیے رات رات بھر جوا کھیلا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ گانے بجانے کی محفل منعقد کی جاتی ہے جسے "میلا" (मेळा) کہتے ہیں۔ کہتے ہیں گنپتی چترتھی کے دن چاند دیکھنے سے چوری کا الزام آتا ہے۔

مہاراشٹر میں چیت شدھ پرتی پدا (चैत्र शुद्ध प्रतिपदा) کو گڈھی پاڑوا کہا جاتا ہے۔ اس دن سے شالی واہن شک کے نئے سال کا آغاز ہوتا ہے چنانچہ برہم دیو کی پوجا کا اہتمام کیا جاتا ہے اور برہمنوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ گڈھی پاڑوا کو ایک لمبے بانس کے اوپری سرے پر ریشمی کپڑا باندھ کر اُس پر چاندی یا پیتل کا گول برتن اوندھا رکھ دیتے ہیں۔ پھر نیم کی شاخیں اور پھولوں کی مالا پہنا کر دروازے کے سامنے ایستادہ کر دیتے ہیں۔ اسی کو گڈھی کہتے ہیں۔ عقیدہ ہے کہ گڈھی پاڑوا کا دن ہنسی خوشی بتانے سے سال بھر گھر میں خوشیوں کا راج رہتا ہے۔ آج کے دن نیم کی پتّیاں بھی چبائی جاتی ہیں۔

سورج کے مکر راشی یا برج جدی کے منطقہ

حقیقت یہ ہے کہ مہاراشٹر کے عوام میں تہذیبی انفرادیت کا شعور پیدا کرنے میں لوک ناٹکوں، سنگیت کی محفلوں اور ڈراموں نے کافی نمایاں حصّہ لیا ہے!

میں داخل ہونے کو مکر سنکرانتی کہتے ہیں۔ اس دخول کے چالیس گھنٹے تک پُنیہ کال ہوتا ہے جس عرصہ میں گنگا اشنان اور دان دھرم کرنے سے بڑا ثواب ملتا ہے۔ اس تہوار میں تلوں کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ تلوں کے لڈو بناکر دان اور تقسیم کئے جاتے ہیں۔ شیو مندر میں تل کے تیل کے دیئے جلائے جاتے ہیں۔ اسی لئے اس تہوار کو تل سنکرانتی بھی کہتے ہیں۔

پولا (पोला) خاص طور سے کسانوں کا تہوار ہے۔ آشاڈھ یا شرادن کی اماوس کو کسان اپنے بیلوں کو نہلا دُھلا کر سجاتے سنوارتے، اُن کی آرتی اُتارتے اور پھر اُن کا جلوس نکالتے ہیں۔ اس طرح بیلوں کی محنت کے سلسلے میں احسان مندی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ کسانوں کا عقیدہ ہے کہ اس تہوار کے منانے سے کھیتوں پر ہریالی چھا جاتی ہے اور بھرپور اناج پیدا ہوتا ہے۔ شام کے وقت بیل گاڑیوں کی دوڑ بھی ہوتی ہے۔

تہواروں کے بعد مہاراشٹر کے چند رسم و رواج کا جائزہ لیں۔ مہاراشٹر کے تمدن میں منگل سوتر اور ہلدی کنکو کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ دونوں سہاگ کی نشانیاں ہیں۔ ہر سہاگن اپنے گلے میں منگل سوتر پہنتی اور ماتھے پر ہلدی کا ٹیکا لگاتی ہے۔ ہلدی میں چونا ملایا جاتا ہے جس سے اس کا رنگ گہرا سرخ ہوجاتا ہے۔ منگل سوتر کالی پوت اور سونے کے منکوں کی مالا ہوتی ہے جسے ہر سہاگن شوہر کی زندگی تک ہمیشہ پہنے رہتی ہے۔ اس کا اُتارنا یا ٹوٹنا بدشگونی سمجھا جاتا ہے۔ مہاراشٹر کے مسلمانوں خصوصاً دکنی مسلمانوں میں بھی منگل سوتر پہننے کا چلن عام ہے۔ اسی طرح دوسرے علاقوں کی ہندو مسلمان عورتوں کی طرح مہاراشٹر کی عورتیں بھی چوڑیوں کو سہاگ کی ایک نشانی سمجھتی ہیں۔

مہاراشٹری عورتیں گھریلو سجاوٹ اور سنگھار کی بھی بڑی شوقین ہوتی ہیں۔ گھر کی سجاوٹ میں رانگولی (रांगोळी) اور سنگھار میں پھولوں کے گجرے کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ رانگولی کا رواج مہاراشٹر میں اتنا عام ہے کہ اب اس کے مقابلے بھی ہونے لگے ہیں اور یہ ایک عوامی آرٹ کا روپ اختیار کر چکی ہے۔

شادی بیاہ کی رسموں میں دوسرے علاقوں سے مشابہت پائی جاتی ہے البتہ شادی سے پہلے لین دین کی بات چیت بہت ضروری ہے۔ لڑکی والوں کو جہیز دینا پڑتا ہے جسے ہُنڈا (हुंडा) کہتے ہیں۔ شادی سے پہلے ساکھر پوڑا یعنی منگنی ہوتی ہے۔ دلہن کا پیر بھاری ہونے پر ساتویں مہینے میں ناریل اور چاول سے اس کی گود بھری جاتی ہے۔ اس رسم میں صرف سہاگنیں حصہ لیتی ہیں۔ اس رسم کا وجود مسلمانوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ مہاراشٹر میں پہلے بال وِدھواؤں اور بیواؤں کے سر مونڈنے کا رواج تھا لیکن سماجی مصلحین کی کوششوں سے یہ رسمیں پوری طرح نابود ہو چکی ہیں۔

جہاں تک مہاراشٹری تہذیب کی مجموعی حیثیت کا تعلق ہے اس کو پروان چڑھانے میں مختلف نسلوں اور تہذیبوں نے حصہ لیا ہے۔ اس لحاظ سے مہاراشٹر میں تہذیبی یک جہتی کی روایت بہت پرانی ہے۔ یہاں کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں بہت حد تک تہذیبی اشتراک پایا جاتا ہے۔ خصوصاً دکن اور کوکن کے مسلمانوں کا رہن سہن اور طرزِ زندگی مہاراشٹری کلچر کی نمائندگی کرتا ہے۔ ان کی زبانیں دکنی اور کوکنی بھی مہاراشٹر کی سرزمین میں پیدا ہوئیں اور پروان چڑھی ہیں۔ نسلی اعتبار سے بھی مہاراشٹر کے لوگ متعدد خصوصیات کے حامل ہیں۔ مثلاً آنکھوں ہی کو لیجئے۔ بھوری، سیاہ، کرنجی، گھنی پلکوں والی، ترچھی بھوؤں والی، غرض مختلف قسم کی آنکھیں جابجا نظر آئیں گی۔ ناک ستواں بھی ہوگی اور چپٹی ہوئی یا نکیلی بھی۔ رنگ سیاہ سے لیکر میدہ شہابی تک نظر آئے گا۔ غرض کہ مہاراشٹر کے باشندے مختلف نسلوں کا مجموعہ ہیں لیکن اس کے باوجود سب ایک ہی سرزمین، ایک ہی تہذیب کے پروردہ ہیں —— سب مہاراشٹری ہیں۔

●●

۳ر فروری کو مہاراشٹر کے وزیر تعلیم بندی ڈاکٹر پوپٹ کے ہاتھوں نانا چوک میں واقع میونسپل اسکول میں غریب طلبہ کو مفت یونیفارم تقسیم کئے گئے۔ اس موقعہ پہلی ہوئی تصویر :

چلو ہٹو

• وقار واثقی
۱۵۲۵، رسول آباد، احمد آباد ۲۲

نازو (اپنے آپ بڑبڑا رہی ہے) : ماں باپ کو قسمت ہی پھوٹی تھی تو پتھر باندھ کر کنویں میں دھکا کیوں نہیں دے دیا... ایسے گھر میں آئی ہوں کہ ذرا ذراسی بات کو ترستی ہوں....

پڑوسن (آتے ہوئے) : اے بوا کیا بات ہے؟ کیوں چلا رہی ہو؟

نازو : اپنے نصیبوں کو رو رہی ہوں۔ بات وات کیا ہونی تھی :

پڑوسن : پھر بھی کچھ تو کہو، آخر ہوا کیا؟

نازو : اے بہن میرے نصیبوں جلی کا حال نہ پوچھو، جب سے اس گھر میں آئی ہوں ایک دن بھی سکھ کی نیند نہیں سو سکی۔

پڑوسن : بھائی صاحب تو بڑے اچھے آدمی ہیں، پھر کیا تکلیف ہے؟

نازو : تکلیف؟ اس سے بڑی اور کیا تکلیف ہوگی کہ جو کپڑا پہننا چاہیں نہ پہن سکیں۔

پڑوسن : لے بوا، یہ تو آمدنی پر ہے۔ اُن کی جتنی آمدنی ہے اتنا تو وہ لاتے ہی ہیں :

نازو (منہ بناکر) : ہوں، لاتے ہی ہیں... بڑی آئیں طرفداری کرنے والی : کیا لاتے ہیں، دیکھ رہی ہو یہ میرے کپڑے....

پڑوسن : اللہ کا شکر ادا کرو بوا، بہت سی بیچاری ایسی بھی ہیں جنھیں تن ڈھانکنے کو کپڑے بھی نہیں ملتے۔

نازو : اوہو، نصیحت کرنے بیٹھ گئیں، یہ ریشمی ساری باندھ کر مجھ پر رعب گانٹھ رہی ہو۔

پڑوسن : بھئی میری بات بری لگی تو معاف کردو، مجھے فضول بُرا بھلا کیوں کہنے لگیں۔ تم جانو اور تمہارے میاں جانیں۔

نازو : مرچیں لگ گئیں۔

پڑوسن : مجھے کاہے کو لگیں گی، مرچیں لگی تو تمہیں ہیں۔

نازو : دیکھو زبان سنبھال کر بات کرو۔

پڑوسن : تم بھی ذری اپنی زبان پر لگام دے لو،

نازو : اے چل ہٹ بڑی آئی میرے منہ میں لگام دینے والی، تو ہے کس کھیت کی مولی؟

پڑوسن : دیکھو تم بڑھ رہی ہو، میرے منہ مت لگو، میں بہت بری عورت ہوں۔

نازو : بری عورت نہیں ہوتی تو انکی طرفداری کاہے کو کرتی۔

پڑوسن : اے خدا کی سنوار ہو تم پر، الزام لگانے لگیں۔

نازو : لے الزام کی بچی، چل جا یہاں سے، کیا دیکھتی نہیں ہوں میں، اُن سے کیسی ہنس ہنس کر باتیں کرتی ہے۔

پڑوسن : اے بوا... اللہ سے ڈرو۔

میاں (آتے ہوئے) : ارے یہ کیا ہو رہا ہے!

نازو : یہ تمہاری چہیتی پڑوسن سے پوچھو۔

پڑوسن : اے چل ہٹ پرے، بڑی آئی چہیتی بنانے والی، چہیتی ہوگی کوئی تیری ہوتی سوتی۔

نازو : حلق سے زبان کھینچ لوں گی جو میرے ہوتوں سوتوں کا نام لیا۔

میاں : بہن تم بتاؤ ہوا کیا تھا۔

پڑوسن : بھائی صاحب میں نے کچھ بھی تو نہیں کہا، زبردستی لڑنے بیٹھ گئیں۔ انہیں سے پوچھئے۔

میاں : کیوں جی کس بات پر جھگڑا ہو رہا تھا؟

نازو : میں کہتی ہوں میرے گھریلو جھگڑوں میں بولنے والی یہ ہوتی کون ہے۔

میاں، پڑوسی کو بولنے کا حق تو ہے۔

نازو: ہوں ...! میں تو پہلے ہی جانتی تھی کہ کچھ دال میں کالا ہے، وہ تمہاری طرفداری کر رہی تھی، تم اسکی طرفداری کرنے لگے۔

پڑوسن: سُن لیا بھائی صاحب، میں تو یہ چلی، آپ جانیں اور آپ کی....

(چلی جاتی ہے)

میاں: آخر پڑوسیوں سے اس قسم کا سلوک کرنا کہاں کا قاعدہ ہے؟

نازو: ہمارے بیچ میں بولنے کا کسی کو حق نہیں۔

میاں: آخر وہ کیا بولی، بات کیا تھی، یہ تو بتاؤ۔

نازو: بات کیا ہوتی، میں اپنی قسمت کو جھیک رہی تھی، یہ بیچ میں ٹپک پڑیں، اور طرفداری کرنے لگیں۔

میاں: کس بات پر طرفداری کرنے لگیں۔

نازو: میں کچھ نہیں جانتی، میں تو اپنے مائکے جا رہی ہوں۔

میاں: آخر کوئی سبب بھی تو ہو؟

نازو: سر پر تہوار آ رہا ہے، جینے میں دھول ہے جو پسند کا کپڑا بھی نہیں پہن سکیں۔

میاں: ہوں تو گویا کپڑوں کی لڑائی تھی .... خدا کی بندی تنخواہ ملنے سے پہلے تیری من پسند ساڑھی کہاں سے لاتا۔

نازو: اپنے سوٹ کا کپڑا تو لے آئے۔

میاں: تمہاری ساڑھی بھی تمہیں مل جائے گی۔

نازو: مجھے کچھ نہیں چاہئے، میں تو اپنے میکے جاتی ہوں، جگ جگ جیئے میرا بھائی دس ساریاں لا دے گا۔

میاں: تو گویا اب آپ ایک منٹ بھی یہاں نہیں ٹھہریں گی۔

نازو: ہاں نہیں ٹھہروں گی ... مگر یہ آپ کے ہاتھ میں کاہے کا بنڈل ہے؟

میاں: یہ تمہاری پڑوسن کے لئے ساری لایا ہوں۔

نازو: دیکھوں تو!

(بنڈل لے کر کاغذ پھاڑتی ہے)

نازو: ہائے اللہ لے آئے تم میری من پسند ساری، پہلے ہی کیوں نہ بولے؟

میاں: مائکے جا رہی ہو نا؟

نازو: چلو ہٹو، میرے گھر میں کیا کمی ہے جو باپ بھائی کے دیئے کپڑے پہنوں!

●●

کاغذ اور لکڑی صنعت میں مزدوروں کی اقل ترین اجرت مقرر کرنے کے لئے حکومت مہاراشٹر کی طرف سے مقررہ اقل ترین اجرت کمیٹی کے صدر شری وی۔ جی۔ شودارے نے ۱۷ جنوری ۱۹۷۵ء کو وزیر صنعت و محنت و لیجسلیٹو امور شری نریندر تڑکے کو رپورٹ پیش کی۔ اس موقع پر لی گئی تصویر۔

قلمی معاونین سے

اپنی تخلیقات کے خاتمہ پر یا پُشت پر اپنا مکمل پتہ ضرور تحریر فرمائیں۔ قلمی نام کے ساتھ اصل نام بھی درج فرمائیں۔ ناطلبیدہ مضامین کی ایک نقل اپنے پاس ضرور رکھیں!

اردو ادیبوں کی حوصلہ افزائی

حکومتِ مہاراشٹر نے اردو کے ادیبوں اور شاعروں کی حوصلہ افزائی کے لئے ۷۴-۱۹۷۳ء میں شائع ہونے والی اُن کی تخلیقی کتابوں پر انعام دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ تخلیقات بھیجنے کی آخری تاریخ ۲۸ فروری ۱۹۷۵ء ہے۔
حکومت کا اعلان حسب ذیل ہے:

اردو کے تمام ادیب بشمول شعراء جنھوں نے اس اسکیم کے تحت مقررہ عرصہ کے دوران اپنی کتابیں شائع کی ہیں، اسکیم کے تحت دئے جانے والے انعامات کے مقابلے میں شریک ہونے کے مستحق ہیں۔

انعامات کی نوعیت:

(۱) ایک ہزار روپے کا ایک انعام اردو نثر کی بہترین تصنیف پر۔

(۲) ایک ہزار روپے کا ایک انعام اردو نظم کی بہترین تصنیف پر۔

(۳) ایک ہزار روپے کا ایک انعام اردو ڈرامہ کی بہترین تصنیف پر۔

(۴) پندرہ سو روپے کا ایک انعام اردو میں سائنس یا ٹکنالوجی کی بہترین تصنیف پر۔

(۵) پانسو روپے کا ایک انعام نثر میں بچوں کے ادب پر بہترین تصنیف پر۔

(۶) پانسو روپے کا ایک انعام نظم میں بچوں کے ادب پر بہترین تصنیف پر۔

استحقاق کی شرائط:

اردو کے ادیب اس انعامی مقابلے میں شرکت کے مستحق ہیں بشرطیکہ وہ حسب ذیل شرائط پوری کرتے ہیں:

(۱) وہ ریاستِ مہاراشٹر کے باشندے ہوں۔

(۲) مقابلے میں بھیجی گئی کتاب خود اُس کی اصل تخلیق ہو۔

(۳) یہ کتاب، پہلا اڈیشن ہو، اور بعد کی شائع شدہ نہ ہو۔

(۴) مقابلے کے لئے صرف مطبوعہ جلدیں بھیجی جائیں (مسودے قبول نہیں کئے جائیں گے۔)

(۵) یہ کتابیں اپریل ۱۹۷۳ء تا مارچ ۱۹۷۴ء کی مدت کے دوران شائع شدہ ہوں۔

کتاب کی پانچ جلدیں ڈائرکٹر، اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن، ریاست مہاراشٹر، پونہ کے پاس ۲۸ فروری ۱۹۷۵ء کو یا اس سے قبل حسب ذیل معلومات کے ساتھ بھیج دی جائیں:

(۱) کتاب کا نام
(۲) قسم جس کے تحت کتاب پر غور کیا جانا مقصود ہو
(۳) مصنف کا نام اور پتہ
(۴) کتاب کی تاریخ اشاعت
(۵) اس بات کا تصدیق نامہ کہ کتاب خود اُسکی تخلیق ہے اور اصل ہے۔

نوٹ: مقابلے کیلئے نہ کوئی داخلہ فیس ہے اور نہ ہی کوئی مقررہ فارم۔ مصنفین اپنی درخواستیں کسی بھی صورت میں جو اُن کے نزدیک مناسب ہو، ڈائرکٹر اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن، مہاراشٹر اسٹیٹ پونہ کو بھیج سکتے ہیں تاہم یہ ضروری ہے کہ وہ معلومات فراہم کریں اور اسکیم کی مقررہ شرائط پوری کریں۔

انتخاب کا طریقہ:

ڈائرکٹر، اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن، مہاراشٹر اسٹیٹ پونہ کو انعامات کیلئے موصولہ کتابوں کی ایک کمیٹی جانچ کرے گی جس میں چار اراکین ہونگے اور جن کا تقرر حکومت کرے گی۔

انعام یافتگان کا اعزاز:

(۱) انعام یافتگان کو اس تقریب میں اعزازات دئے جائیں گے جو حکومت کی جانب سے ہر سال مراٹھی ادب کے لکھنے والوں کو انعامات دینے کے لئے منعقد ہوتی ہے۔

(۲) انعام یافتگان اور اُن کی بیویاں تقریب کے موقع پر تین دن کے لئے ریاست کے مہمان ہوں گے۔ نیز ان کی قیام گاہ سے تقریب کے مقام تک آنے جانے کے تمام اخراجاتِ سفر حکومت برداشت کرے گی۔ ریل سے سفر کرنے کی صورت میں وہ فرسٹ کلاس کرایہ کے اور مہاراشٹر اسٹیٹ ٹرانسپورٹ کارپوریشن کی گاڑی میں سفر کی صورت میں اصل کرایہ کے حقدار ہوں گے۔

●●

انسداد برص کے کاموں میں مدد کی اپیل

ہند کشٹ نوارن سنگھ جو کہ ایک ہندوستانی برص ایسوسی ایشن ہے، شہریوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ دو روپیہ سالانہ چندہ عطا کرکے اسکے رکن بن جائیں۔

اس سنگھ کے خاص مقاصد ہیں کوڑھ پر کنٹرول اور فوری امداد اور کوڑھ جیسے امراض کو ختم کرنے کے لئے تمام ممکن ذرائع کی امداد۔ شری بالا صاحب بھارڈے، سابق اسپیکر، مہاراشٹر ودھان سبھا اس آرگنائزیشن کے صدر ہیں اور کوڑھ باز آبادکاری کے میدان میں مشہور شری ایس۔ ڈی۔ گوکھلے اس کے ایکزیکیوٹو چیرمین ہیں۔ شری کلیان راؤ پاٹل، وزیر صحت عامہ نے آرگنائزیشن کا اعزازی پیٹرن بننا منظور کر لیا ہے۔

ماہ رواں کے دوران دو میڈیکل چیک اپ کیمپ، ایک جنتا کالونی چیمبور اور دوسرا جیجاماتا کالونی، ورلی میں منعقد ہوگا۔

کوڑھ میں مبتلا والدین کے سو تندرست بچوں کا ایک اسپانسر شپ پروگرام شروع کیا گیا ہے تعلیمی مدد کے طور پر سو مستحق بچوں پر ۳۰ روپیہ ماہانہ خرچ کیا جائے گا۔

کابینہ پلاننگ ضمنی کمیٹی کی دوبارہ تشکیل

حکومت مہاراشٹر نے وزیر اعلیٰ کی زیر صدارت کابینہ کی پلاننگ ضمنی کمیٹی کی دوبارہ تشکیل کی ہے۔

دوسرے اراکین یہ ہیں: وزیر آبپاشی اور بجلی (ہائیڈرو الیکٹرک)؛ وزیر زراعت؛ وزیر مالیات، چھوٹی بچت اور پلاننگ؛ وزیر صنعت و محنت اور الیکٹریسٹی (تقسیم) اور بحالیو امداد؛ وزیر شہری ترقیات، نیو ٹاؤن شپ اور اوقاف وسیاحت و پروٹوکول؛ وزیر شراب بندی اور وزیر مملکت برائے پلاننگ، تعلیم اور صنعت۔

پنجاب اور ہریانہ سے گیہوں اور ٹوٹے چاولوں کی خریداری: ایک وضاحت

بعض اخبارات میں مبینہ طور پر ایسی خبریں شائع ہوئی ہیں کہ بمبئی میں واقع بعض کوآپریٹیوز نے جنوب کی کچھ آٹا ملوں سے رابطہ قائم کیا ہے تاکہ ان کی درآمدی پرمٹ کے ذریعہ پنجاب سے حاصل کردہ ایک لاکھ ٹن گیہوں فراہم کریں۔ جسمیں پونجی دراصل نجی بیوپاری لگا رہے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کوآپریٹیوز پنجاب سے ٹوٹے چاول نجی بیوپاریوں کی مدد سے خرید رہے ہیں جس کو وہ مہاراشٹر کے کھلے بازار میں فروخت کریں گے۔

یہ وضاحت کی جاتی ہے کہ اس اطلاع میں کوئی

وزیر صحت عامہ شری کے۔پی۔ پاٹل نے ۱۷ر جنوری ۱۹۷۵ء کو بمبئی میں "ماحول کنٹرول میں کیمیکل انجینئرنگ" پر ہونے والے سیمینار کا افتتاح کیا!

صداقت نہیں ہے اور غلط فہمی پیدا کرنے والی ہے۔

گیسٹ کنٹرول آرڈرز کی خلاف ورزی پر سخت کارروائی

حکومتِ مہاراشٹر نے عوام اور کیٹررز سے گذارش کی ہے کہ شادی یا دوسرے مواقع پر کھانا دیتے وقت اشیاء ضروری کا انتخاب احتیاط سے کریں اور یہ یقین کرلیں کہ وہی اشیاء پیش کریں جن کی اجازت سو سے زیادہ مہمانوں کو کھلانے کی ہے۔

مہاراشٹر گیسٹ کنٹرول حکمنامہ بابت ۱۹۷۳ء کے تحت شادی کے استقبالیہ یا کسی دوسرے موقع پر جہاں کہ مہمانوں کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہو وہاں صرف چائے، کافی، ایریٹیڈ واٹر، ٹھنڈے مشروبات، پھلوں کا رس، دودھ، دودھ سے تیار کردہ اشیاء بشمول آئسکریم، بسکٹ، پوٹیٹو ویفر، پوٹیٹو چپس، پھل یا خشک میوے بلا کسی پابندی کے پیش کئے جا سکتے ہیں۔

بہرحال یہ دیکھا گیا ہے کہ سموسہ، سینڈوچز، پیٹیز اور اناج کی دوسری اشیاء سو سے زائد افراد کو پیش کی جاتی ہیں جو کہ حکمنامہ کی خلاف ورزی ہے اور حکومت نے اس کا سخت نوٹس لیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص حکمنامہ کی خلاف ورزی کرتا پایا جائیگا تو اس کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔

بی۔ایڈ۔ کورس میں داخلہ
۲۴ فروری تک درخواستیں مطلوب

سیکنڈری ٹریننگ کالج واقع ۷ مہاپالیکا مارگ، بمبئی ۴۰۰۰۰۱، ۷۶-۱۹۷۵ء کے بی۔ایڈ۔ کورس میں داخلہ کے لئے امیدواروں سے درخواستیں طلب کرتا ہے۔

مقررہ فارم کالج کے دفتر سے دن میں ساڑھے گیارہ بجے سے شام چار بجے کے درمیان ۲۲ فروری تک حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جو لوگ فارم بذریعہ ڈاک منگوانا چاہتے ہیں ان کو چاہئے کہ ۲۸ x ۱۳ سینٹی میٹر کی سائز کا اپنا پتہ لکھا اور ۴۰ پیسے کا ٹکٹ لگا لفافہ روانہ کریں۔

داخلہ فارم دفتر میں بذاتِ خود یا بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ (اے۔ڈی) کے ۲۴ فروری تک داخل کریں۔

وزیراعلیٰ شری وسنت راؤ نائیک نے بل اونرس ایسوسی ایشن کے صدسالہ جشن کا افتتاح ۳۱ جنوری کو اوبیرائے ہوٹل میں کیا۔ اس موقع پر لی گئی تصویر۔

ضمانتِ روزگار اسکیم کا جائزہ

شری آر۔جے۔ دیوتلے، وزیر جنگلات اور بازآبادکاری نے ۴ فروری کو چندرپور ضلع کے ذریعہ شروع کردہ ضمانتِ روزگار اسکیم کے کاموں کی ترقی کا جائزہ لیا۔ بیٹھک میں ممبرانِ اسمبلی، پنچایت سمیتیوں کے صدر، ضلع سربراہ شری عبدل شفیع ایم۔پی۔ اور دوسروں نے شرکت کی۔

اسکیم کے تحت ۱۶۳ کاموں کی منظوری دی گئی جن میں سے ۸۳ پر کام جاری ہے اور ان میں ۱۱،۰۳۰ مزدور کام کررہے ہیں۔ ان کاموں پر جاریہ مالی سال کے دوران ۱۴ لاکھ روپے صرف کئے گئے جس میں ۲۵ تالاب کے کام، ۲۴ بنڈنگ کے کام، پانچ سڑکوں اور نو فلور چینل کے کام شامل ہیں۔

اس کے علاوہ ۹،۷۴۴ مزدور ۲۰۴ مستقل محکمہ جاتی کاموں میں لگائے گئے ہیں۔

شری دیوتلے نے منظورشدہ تمام کاموں کو شروع کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ جائزے کے دوران متعلقہ پنچایت سمیتیوں کی ضرورتوں کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

کلکٹر شری پی۔بی۔ راج گوپالن نے کاموں کی تفصیل پیش کی اور شری وامن راؤ گدمور، صدر ضلع پریشد نے شکریہ ادا کیا۔

ورلی اور نائیگاؤں کے فساد سے متاثرہ افراد
وزیراعلیٰ کی جانب سے مدد

مہاراشٹر کے وزیراعلیٰ نے بمبئی کے بی۔ڈی۔ڈی چال واقع ورلی اور نائیگاؤں علاقوں میں فساد کے دوران جن چار افراد کی جانیں گئی تھیں ان کے خاندانوں کے لئے ۹۰۰۰ روپے کی رقم منظور کی ہے۔

یہ امداد وزیراعلیٰ کے ریلیف فنڈ سے دی جائیگی۔

خبر نامہ

ہار پھول کی رقم
وزیراعظم کے راحت فنڈ میں دے دیجئے
وزیراعلیٰ کی اپیل

مہاراشٹر کے وزیراعلیٰ شری وی۔ پی۔ نائیک نے ریاست کے لوگوں سے اپیل کی ہے کہ وہ وزیراعظم کے تئیں احترام و محبت کے اظہار کے لئے 'ہار پھول پر خرچ کرنے کی بجائے رقم وزیراعظم کے ریلیف فنڈ میں بھیج دیں۔ وزیراعظم اس جذبہ کو پوری طرح پسند فرماتی ہیں۔

اس ریاست میں وزیراعظم کی آمد کے دوران مہمان اور عوام ان کے لئے اپنے احترام اور عقیدت کے اظہار کے طور پر گلپوشی وغیرہ کرتے ہیں۔

اس وقت جبکہ کفایت شعاری ازحد ضروری ہے اور ضرورت مند غریبوں کو راحت فراہم کرنا ہے گل پوشی وغیرہ پر رقم نہ خرچ کر کے ایک اچھے جذبہ کا اظہار کیا جاسکتا ہے۔ وزیراعظم اس احساس سے پوری طرح متفق ہیں۔ ان کیلئے ہمارے جذبۂ احترام و عقیدت کے اظہار کے لئے ایک دوسرا اور بہتر طریقہ یہ ہوگا کہ جو رقم ہم ان کی گل پوشی وغیرہ پر صرف کرنا چاہتے ہیں' وہ وزیراعظم کے ریلیف فنڈ میں بھیج دی جائے۔

وزیراعلیٰ نے فرمایا کہ انھیں امید ہے اور پورا یقین ہے کہ مہاراشٹر کے عوام اس اپیل پر دل سے لبیک کہیں گے۔

مجاہدینِ آزادی کی قربانیاں نئی نسل کے لئے سبق

.... شری رتنپا کنبھار

مجاہدینِ آزادی کی ایک ریلی کو خطاب کرتے ہوئے شری رتنپا کنبھار' وزیر مملکت برائے داخلہ' پبلسٹی اور انفارمیشن نے ۳۰ جنوری کو بمبئی میں فرمایا کہ آج کی نئی نسل کے سامنے جنگِ آزادی میں قربانیاں دینے والے مجاہدینِ آزادی کی مثال رکھنی چاہیے۔

اس ریلی کا اہتمام ہندوستان فریڈم فائٹرز ایسوسی ایشن نے کیا تھا۔ شری پی۔ کے۔ کنڈے وزیر مملکت برائے شہری ترقیات بطور مہمان خصوصی موجود تھے۔

شری کنبھار نے فرمایا کہ مجاہدینِ آزادی کی باز آبادکاری میں آنے والی تمام رکاوٹوں پر قابو پانے کے لئے حکومت نے پوری کوشش کی ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ فریڈم فائٹرز ایسوسی ایشن کو مجاہدینِ آزادی کی مشکلات حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

انھوں نے مجاہدینِ آزادی سے کہا کہ وہ ایک مضبوط اور خوشحال قوم کی تعمیر میں آنیوالی رکاوٹیں مثلاً بدعنوانیاں اور ناانصافی کی دیواروں کو گرانے کے لئے جنگ کریں۔ انھوں نے مجاہدینِ آزادی سے اپیل کی کہ وہ ملک کی تعمیر نو میں مدد کریں۔

شری بھانو شنکر یاگنک نے بھی اس موقع پر تقریر کی۔

اس سے قبل ایسوسی ایشن کے سکریٹری شری ایس۔ ایم۔ جانی نے مہمانوں کا استقبال کیا۔

شری رتنپا کنبھار کی قیادت میں
صفائی مہم

شری رتنپا کنبھار' وزیر مملکت برائے داخلہ' اطلاعات و پبلسٹی نے ۳۰ جنوری کو بمبئی میں فرمایا کہ صفائی صحت کے لئے ایک بے حد ضروری چیز ہے۔ ایسا احساس کہ دوسرے لوگ ہمارے لئے صفائی کا کام کریں ٹھیک نہیں ہے۔ اسلئے

فریڈم فائٹرس ایسوسی ایشن کی جانب سے مجاہدینِ آزادی کے لئے ۳۰ جنوری کو ونیتا وشرام گرگام میں منعقدہ ایک میٹنگ میں شری رتنپا کنبھار' وزیر مملکت برائے امور داخلہ و اطلاعات و پبلسٹی نے تقریر کی۔ اس موقع پر لی گئی تصویر۔ تصویر میں شری پربھاکر کنڈے' وزیر مملکت برائے شہری ترقیات' نیوٹاؤن شپ و ہاؤسنگ بھی نظر آرہے ہیں۔

صفائی کی مہم میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو شامل کیا جانا چاہیے۔

شری کمبھار بھارت ایجوکیشن سوسائٹی اور سردار ہائی اسکول کی جانب سے شروع کردہ صفائی کی مہم کے موقع پر تقریر فرمارہے تھے۔ شری کمبھار نے مہم کی قیادت کی جس میں سردار ہائی اسکول کے تقریباً ایک ہزار طلبہ اور مدرسین نے حصہ لیا۔

بچوں کا غذائی پروگرام

ضلع ناسک میں بچوں کے غذائی پروگرام کی اسکیم کے تحت تفریحی ٹیکس پر سرچارج کے ذریعے ۲۰،۷۰،۹،۸ روپے جمع ہوئے۔

جوگیشوری فسادات
بے گھروں کے لئے راحت کمیٹی

شری ایچ۔ آر۔ گوکھلے، مرکزی وزیر قانون و انصاف نے شری رام ناتھ پانڈے، وزیر مملکت برائے مالیات، محنت اور پروٹوکول، حکومت مہاراشٹر کی زیر صدارت ایک راحت کمیٹی مقرر کی ہے جو کہ حال ہی میں پریم نگر، ہری نگر، میگھ واڑی اور شنکر واڑی، جوگیشوری (مشرق) بمبئی میں ہونے والے فساد کے دوران بے گھر ہونے والوں کو راحت پہنچائے گی۔

کمیٹی کے نائب صدور ہیں: شری گلاب جوشی، صدر ویلے پارلے ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹی، شری رام رتن ترپاٹھی، صدر اندھیری ڈی۔سی۔سی اور شریمتی کانتا بین شاہ، ایم۔ ایل۔اے۔

جنرل سکریٹریز، شری کے۔ ڈی۔ شیٹی، میونسپل کانسلر، شری کرشن کمار اور شری شرکانت اُپادھے۔

شری شیخ ابوبکر کمیٹی کے خزانچی ہیں۔

ریلیف کمیٹی کے ممبران یہ ہیں:

شری سدانند دینت، شری بھگونت راؤ پاٹل، شری ایس۔ آر۔ جہاڈک، شری اننت گڈکری، شری آر۔ وی۔ گڈبدری، شری اے۔ ای۔ مرچنٹ، شری پی۔ پی۔ کرشنن، شری جے۔ پی۔ مصرا، شری محمد قریشی، شری نایاب خان، شریمتی سکھی خان، شری رحمت اللہ قادری، شریمتی نرملا بھارگوا، شریمتی کانتا بین ترویدی اور شری دیویندر بہادر سنگھ۔

شری گوکھلے نے پانچ ہزار روپے بھی جمع کئے جو کہ راحت کام کے لئے کمیٹی کے صدر کو دیئے گئے۔ اس مقصد کے لئے عطیات کمیٹی کے چیئرمین کو روانہ کئے جائیں۔

ادیباسی ہاسٹل اور دودھ سینٹر کا افتتاح

ضلع دھولیہ کے نندربار تعلقہ کے مقام دگھالے پر ۵۷ ہزار روپے کی لاگت سے ۱۰۷ ادیباسی طلبہ کی رہائش کے لئے ایک ہاسٹل تعمیر کیا گیا ہے جس کا افتتاح ۲۸ جنوری کو شری رمیش ولوی، وزیر مملکت برائے دیہی ترقیات اور سماج سدھار نے کیا۔

شری ولوی نے دھولیہ تعلقہ میں نندالے کے مقام پر لفٹ آبپاشی اسکیم کا بھی افتتاح کیا۔ اس اسکیم سے ...۴۰ ہیکٹر اراضی کی آبپاشی کی جاسکے گی۔

شری کے۔ ایم۔ پاٹل، وزیر مملکت برائے زراعت و آبپاشی نے ضلع دھولیہ کے نندربار تعلقہ میں کھونڈا مالی مقام پر ضلع پریشد کی ڈسپنسری کا سنگ بنیاد رکھا۔ شری پاٹل نے ضلع دھولیہ کے مقام پر بارہ لاکھ روپے کی لاگت سے تعمیر کردہ گورنمنٹ ملک سینٹر کا بھی افتتاح کیا۔

کارٹون ڈرائنگ کورس

شرنک ودیاپیٹھ کے ذریعہ چوتھا کارٹون ڈرائنگ کورس ۱۷ فروری سے سماج شکشن مندر، آدرش نگر، ورلی میں منعقد ہوگا۔ اس مفت کورس کی مدت دس سیشن کی ہوگی جو کہ شام کے ساڑھے چھ بجے سے رات آٹھ بجے تک جاری رہے گا۔

مشہور کارٹونسٹ شری وجے سیٹھ (ونز) سیشن چلائیں گے۔

مزید معلومات ودیاپیٹھ کے پرنسپل سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

خوراک بچاؤ مہم
مرکز نے ریاست کے پانچ اضلاع منتخب کئے

وزارت زراعت، حکومت ہند نے مہاراشٹر کے پانچ اضلاع کا انتخاب وزارت کی جانب سے 'اناج بچاؤ مہم' کے سلسلے میں کیا ہے جو کہ پورے ملک میں جاری کی گئی ہے۔ ان اضلاع کے نام یہ ہیں:

اورنگ آباد، چندرپور، ناگپور، ناسک اور شولاپور۔

مہم کے ایک حصہ کے طور پر کاشتکاروں، بیوپاریوں اور امداد باہمی اداروں کے ملازمین کے لئے تربیتی کیمپ منعقد کئے جائیں گے اور تربیت مکمل کرنے والے اشخاص کو وزارت کی جانب سے پچاس روپے کا وظیفہ اور ایک سند عطا کی جائے گی۔

مجلس قانون ساز کا اجلاس

گورنر مہاراشٹر نے ۲۴ فروری کو دوپہر کے ایک بجے کونسل ہال بمبئی میں مہاراشٹر لیجسلیٹو اسمبلی اور مہاراشٹر لیجسلیٹو کونسل کا اجلاس طلب کیا ہے۔

تصحیح

قومی راج کے یوم جمہوریہ نمبر میں عمر کھاڑی چلڈرنس ہوم سے متعلق تصاویر کی بجائے جن کے عنوانات فہرست کے صفحہ پر دئے گئے ہیں، سرورق ۲ اور ۳ پر انگریزی عبارت کے بلاک استعمال کئے گئے ہیں جس کے لئے ہم قارئین سے معذرت خواہ ہیں:

مقابل کے صفحے پر:

وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی کی بمبئی میں آمد پر ہوائی اڈہ پر وزیر اعلیٰ شری وی۔ پی۔ نائیک، شریمتی وی۔ پی۔ نائیک اور شری رجنی پٹیل نے ان کا استقبال کیا۔

قومی راج

جلد : ۲ یکم مارچ ۱۹۷۵ء شمارہ : ۵

قیمت فی پرچہ : ۵۰ پیسے سالانہ ۱۰ روپے

زیرنگرانی : خواجہ عبدالغفور آئی۔اے۔ایس

ترسیلِ زر اور مراسلت کا پتہ :

ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومتِ مہاراشٹر، سچیوالیہ، بمبئی ۳۲...۴۰۰

فہرست

سخنہائے گفتنی

مہاراشٹر کی مسندِ وزارتِ اعلیٰ پر جو ہستی جلوہ افروز ہوئی ہے اُس نے آتے ہی خواص و عوام کے قلوب کو مسخر کرلیا ہے۔

عالیجناب شنکر راؤ چوان اپنی علمیت، سنجیدگی و بردباری اور رواداری کی بناء پر مہاراشٹر کے عوام میں ہمیشہ ہی مقبول اور ہر دلعزیز رہے ہیں۔ اُن کی یہ مقبولیت اور ہر دلعزیزی اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ اپنی نئی ذمہ داریوں کی تکمیل میں وہ کماحقہٗ کامیاب ہونگے۔

اُردو داں طبقے میں شری چوان بالخصوص مقبول ہیں۔ اس کی وجہ اُردو زبان و ادب سے موصوف کی دلچسپی ہے۔ شری چوان کا عثمانیہ یونیورسٹی سے تعلق رہا ہے اور اُردو زبان کے اس گہوارے سے وزیر اعلیٰ نے قانون کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اُردو کا ذوق و شوق بھی حاصل کیا ہے۔

اس زبان سے اُن کی دلچسپی اور محبت کا ثبوت اُن کا افتتاحی بیان ہے جس میں انھوں نے اُردو اکاڈمی کے قیام کا اعلان کیا ہے۔ اس اکاڈمی کا مقصد، وزیر اعلیٰ کے مطابق، اردو میں ادبی صلاحیتوں کو فروغ دینا اور اردو و مراٹھی شعراء و ادباء کے درمیان تخلیقی خیالات کا تبادلہ ہوگا۔ وزیر اعلیٰ نے بجا طور پر خیال ظاہر کیا ہے کہ اس اکاڈمی کے ذریعہ قومی یکجہتی کے اہم کام کو فروغ حاصل ہوگا۔

بمبئی کے شہری بطورِ خاص شری چوان کے شکر گزار ہوں گے جن کے روز افزوں مسائل پر نئے وزیر اعلیٰ نے روزِ اوّل ہی زور دیا ہے۔ شری چوان کے مطابق بمبئی شہر مہاراشٹر کا قلب ہے اور دنیا میں ایک منفرد حیثیت کا مالک ہے۔ اس شہر کے گوناگوں مسائل حل کرنے کو وزیر اعلیٰ نے اپنی اہم ترین ذمہ داری گردانا ہے۔

مہاراشٹر کے لاکھوں عوام اور بالخصوص اس ریاست کے اردو داں طبقہ کی جانب سے "قومی راج" اپنے نئے وزیر اعلیٰ کا پُرجوش خیر مقدم کرتا ہے۔

— خواجہ عبدالغفور

سرورق : ایولہ پیٹھنی کے نمونے

ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا!

مہاراشٹر مجلسِ قانون ساز کا بجٹ اجلاس

گورنر شری علی یاور جنگ کا خطبہ

مہاراشٹر کے گورنر شری علی یاور جنگ نے ۲۴ فروری ۱۹۷۵ء کو بمبئی میں مجلسِ قانون ساز کے بجٹ سیشن کے آغاز پر دونوں ایوانات کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کیا جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

معزز اراکین کا پُرجوش خیر مقدم کرتے ہوئے گورنر موصوف نے فرمایا کہ تین سال کی مسلسل خشک سالی کے بعد ۱۹۷۳ء میں بارش اچھی رہی اور اناج کی پیداوار ۴۲،۷ لاکھ ٹن ہوئی۔ اس سال بھی بارش اچھی رہی اور عام طور سے فصلوں کی حالت کو دیکھتے ہوئے امید ہے کہ امسال ۷۷ لاکھ ٹن اناج پیدا ہو سکے گا۔

گورنر نے فرمایا کہ گذشتہ سال کی بہ نسبت امسال اناج زیادہ آسانی سے دستیاب ہے کیونکہ موٹے اناج کی بین الریاستی نقل و حرکت پر عائد پابندی ہٹالی گئی ہے اور مرکزی حکومت نے گیہوں کے تھوک بیوپار کو اپنے ہاتھ میں لینے کے قانون کو بھی بدل دیا ہے جس کی وجہ سے ایسا گیہوں جس کی لیوی ادا کر دی گئی ہو، کم پیداوار والی ریاستوں میں بیچنے کی اجازت دیدی گئی ہے۔ جولائی تا اگست ۱۹۷۴ء میں غذائی حالت قدرے مشکل ہو گئی تھی کیونکہ مرکزی حکومت کی ہدایت پر مہاراشٹر میں لیوی کے گیہوں کے بازار بھاؤ پر پابندی لگا دی گئی تھی جس کی وجہ سے کھلے بازار میں گیہوں آنا کم ہو گیا تھا مگر ستمبر کو جب یہ پابندی ہٹالی گئی تو حالت پھر سے سُدھر گئی۔

گورنر موصوف نے فرمایا کہ اگر مرکز نے ہر ماہ دو لاکھ ٹن غلہ فراہم کیا اور مقامی طور پر تیرہ لاکھ ٹن غلہ حاصل ہو سکا تو حکومت دیہی علاقوں میں مزدور طبقہ اور کاشتکاروں کو ان کی مانگ کے مطابق فی کس سات کلو اناج دے سکے گی جو بمبئی، پونہ اور ناگپور کے راشن علاقوں میں دی جانے والی مقدار کے علاوہ ہوگی۔ اسی لئے حکومت نے مرکز سے ہر ماہ ۲ لاکھ ٹن اناج دینے کی درخواست کی ہے۔

اناج کی کمی کا مقابلہ کرنے کے لئے حکومت پانچ رُخی پروگرام پر عمل کر رہی ہے۔ اوّل، غذائی اجناس پیدا کرنے والوں پر لیوی؛ دوم، تاجروں پر لیوی؛ سوم، تجارتی اجناس اُگانے والوں پر لیوی؛ چہارم، امدادِ باہمی اداروں کے ذریعے جوار، دھان اور چاول کی کھلے بازار میں خرید پر لیوی اور پنجم، ایسی ریاستوں سے اناج کی خرید جہاں اناج زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ جہاں تک کھلے بازار سے خرید کا سوال ہے تو وہ مناسب داموں پر کی جائے گی۔

اس سال مٹی کے تیل اور وناسپتی کی تقسیم بھی کافی نہیں ہو سکی۔ حکومت کو مٹی کا تیل کم ملنے کی وجہ سے اس کی تقسیم بمبئی میں راشن کارڈوں پر کی گئی۔ بڑھتی ہوئی قیمتوں کو روکنے کے لئے سرکار نے کئی اقدامات اٹھائے۔

اس سال دودھ کی پیداوار کافی اچھی رہی۔ اچھی بارش، زیادہ مویشیوں کی پیدائش، مویشیوں کی اچھی نسل پیدا کرنے کا پروگرام اور دودھ بیچنے والوں کو مناسب قیمت ادا کرنا، ان سب باتوں کا فائدہ مند اثر ہوا۔ بمبئی عظمیٰ دودھ اسکیم کے تحت روزانہ ۶ لاکھ ۴۸ ہزار لیٹر دودھ تقسیم ہوا۔ امید ہے کہ اگلے سال بمبئی شہر میں دودھ کی سرکاری تقسیم روزانہ دس لاکھ لیٹر تک پہنچ جائے گی۔

کپاس کی اجارہ داری حصولیابی اسکیم ۷۳-۱۹۷۲ء سے ریاست میں نافذ العمل ہے۔ حکومت اس اسکیم پر مکمل طور سے عمل کرنا چاہتی ہے کیونکہ کپاس پیدا کرنے والوں کو اس اسکیم کے تحت نہ صرف ایک طے شدہ قیمت کے مطابق پیداوار کی قیمت ملے گی بلکہ حاصل شدہ منافع سے ان کو کافی بونس ملے گا اور انھیں کپاس کے دلالوں سے بھی چھٹکارہ حاصل ہو جائے گا۔ کسانوں کو اب اس اسکیم کی اہمیت کا اندازہ ہو چکا ہے۔

مہاراشٹر کے سینچائی ترقیاتی کارپوریشن کا کام شروع ہو چکا ہے۔ اس کی مدد سے ۸۶ ہزار ہیکٹر زمین کی سینچائی کی جا سکے گی۔ کارپوریشن نے یہ بھی تجویز رکھی ہے کہ نئے اُٹھاؤ سینچائی اسکیمات کے ذریعے سے اب ہر سال ایک لاکھ ہیکٹر زمین کی سینچائی کی جا سکے گی۔

چونکہ ٹریبیونل نے کرشنا پانی تنازعہ کا فیصلہ کر دیا ہے لہٰذا اس کے مطابق سینٹرل واٹر اور پاور ریسرچ اسٹیشن نے وادیٔ کرشنا میں اوسط درجے کے آٹھ پروجیکٹوں کی منظوری دے دی ہے۔ باقیماندہ پروجیکٹوں کی منظوری کیلئے حکومت سینٹرل واٹر اور پاور ریسرچ اسٹیشن سے بات چیت کر رہی ہے۔

مہاراشٹرا اور مدھیہ پردیش کے مشترکہ آبپاشی اور ہائیڈرو الیکٹرک پروجیکٹوں کیلئے بین الریاستی کنٹرول بورڈ قائم کیا گیا ہے جس نے قابلِ قدر کام انجام دیا ہے۔

صنعتوں کے تیزی سے پھیلاؤ اور ریاست کے مختلف علاقہ جات کی متوازی علاقہ واری ترقی کی غرض سے نئی اسکیم کا گذشتہ چند برسوں میں خاطرخواہ نتیجہ نکلا ہے جس کے تحت صنعتی یونٹوں کو بمبئی۔ پونا۔ تھانہ کے ترقی یافتہ خطّہ سے دور دراز واقع پسماندہ علاقوں میں جانے کیلئے اُبھارا جا رہا ہے۔

مرکز کی جانب سے ترقیاتی کاموں پر ۱۵ فیصدی امداد کیلئے رتناگیری، چندرپور اور اورنگ آباد کو خصوصی طور پر منتخب پسماندہ اضلاع قرار دیا گیا ہے۔ ریاستی حکومت نے محسوس کیا کہ طویل المیعادی حکمت عملی کے طور پر ان تمام ۱۳ اضلاع میں جنھیں پلاننگ کمیشن کے مقررہ معیار کی رو سے پسماندہ قرار دیا گیا ہے، چند ترقیاتی مراکز کو فروغ دیا جائے۔ چنانچہ ریاست نے مذکورہ تینوں اضلاع کے تمامتر علاقہ کو ۱۵ فیصدی امداد دینے کی بجائے مخصوص علاقوں کی نشاندہی کی تجویز پیش کی ہے۔

زراعتی، صنعتی اور دیگر حلقہ جات میں بجلی کی بڑھتی ہوئی مانگ کو پورا کرنے کے لئے مہاراشٹرا اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ نے پانچ سالہ منصوبہ کے دوران ایک زبردست پاور منصوبہ تیار کیا ہے۔ اس سلسلہ میں پاور اسٹیشنوں کی توسیع کی جارہی ہے تاکہ زائد مانگ کو پورا کیا جاسکے۔

نئے کونسل ہال کی عمارت کی تعمیر کا کام جس پر تقریباً ۶ کروڑ روپے کا خرچ ہوگا، شروع ہو چکا ہے۔

ورلڈ بینک کی ایک ٹیم نے حال ہی میں قلابہ اور رتناگیری کے اضلاع میں ماہی گیری کی بندرگاہوں یعنی اگردنڈا اور میرکرواڑی کا دورہ کیا۔ اس ٹیم نے اگردنڈا کو ماہی گیری کی بندرگاہ کیلئے موزوں قرار دیا ہے لیکن آمدورفت کی سہولیات مہیا کرنا بیحد ضروری ہے چنانچہ حکومت نے بمبئی گوکن اور گوآ سے اگردنڈا تک ایک پختہ شاہراہ بنانے کا فیصلہ کیا ہے جس سے اس بندرگاہ تک پہنچنے میں مطلوبہ سہولت حاصل ہو سکے۔

اپٹا سے براہ روہا دس گاؤں تک کوکن ریلوے کے پہلے حصہ کی پروجیکٹ رپورٹ تیار ہو چکی ہے اور ریلوے بورڈ کی منظوری کیلئے پیش کر دی گئی ہے۔ چونکہ روہا سے اگردنڈا تک ایک ریلوے برانچ کا ہونا ضروری ہے لہٰذا اس سلسلہ میں سروے کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح دس گاؤں سے منگلور تک ریلوے لائن لے جانے کا کام بھی جاری ہے۔

گورنر موصوف نے فرمایا کہ ہمارے پندرہ نکاتی منصوبہ کا ایک بہت اہم جزو ضمانتِ روزگار اسکیم سے تعلق رکھتا ہے۔ اس سے ایک طرف تو دیہی علاقوں کے افراد کو کام مہیا ہو سکے گا اور دوسری جانب ایسے کام چُنے جائیں گے جس سے عوام کو بھی فائدہ پہنچے گا۔

ہماری ریاست کا تقریباً ۲۵ فیصد حصہ ہمیشہ سوکھے کا شکار رہتا ہے چنانچہ دیہی علاقوں کا پروگرام جسے حکومتِ ہند نے ۶ ضلعوں میں قلت زدہ علاقوں کیلئے منظور کیا تھا، پانچویں پنجسالہ منصوبہ کے دوران بھی جاری رہے گا۔

جہاں تک یونیورسٹی تعلیم کا تعلق ہے، چھ زراعتی یونیورسٹیوں کو چھوڑ کر باقی چھ یونیورسٹیوں کے لئے یکساں قانون پچھلے سال بنائے گئے تاکہ ان کا بہتر انتظام ہو سکے اور ان کے کام کاج کے طریقے میں یکسانیت پیدا ہو سکے۔ اگست سے اورنگ آباد میں ایک سائنس انسٹی ٹیوٹ بھی قائم کیا جا چکا ہے اور بمبئی کے سائنس انسٹی ٹیوٹ کو خود مختاری دے دی گئی ہے تاکہ اسے اپنے تعلیمی، انتظامی اور مالی امور کی انجام دہی میں زیادہ آسانی ہو۔

جنوری ۱۹۷۴ء سے میڈیکل طلبہ کے لئے ایک پروگرام شروع کر دیا گیا ہے جس کے ذریعے وہ سب چھ مہینے دیہات کے پرائمری ہیلتھ کے مراکز میں اور باقی چھ مہینے ضلعوں کے پڑھائی کے دواخانوں میں کام کریں گے اور تجربہ حاصل کریں گے نیز یہ ہے۔ اسپتال کی کارگزاری کو بہتر بنانے کے لئے نظم و نسق کے ایک ماہر کے ذریعے چھان بین کی جائے گی اور اس کی سفارشات کو عمل میں لانے کے لئے ایک 'ٹاسک فورس' بھی بنایا جائیگا۔

دواسازی کے کام کو ریسرچ سے علیحدہ رکھنے کے لئے 'ہافکن انسٹی ٹیوٹ' کو دو خود اختیاری حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔

حکومت کو ادیباسیوں کی ترقی کی ہمیشہ فکر رہی ہے چنانچہ ہمارے منصوبہ کا ایک حصہ خاص اسی غرض سے بنا ہے جس کا کام ہمارے پنجسالہ منصوبہ کے ساتھ ساتھ چلتا رہے گا۔

سالِ رواں کو اقوامِ متحدہ نے 'خواتین کا سال' قرار دیا ہے اسلئے حکومت نے خواتین کی خوشحالی کے لئے ایک کروڑ روپیوں کی لاگت سے ایک مہیلا وکاس منڈل بنانے کا فیصلہ کیا ہے جسمیں مہاراشٹر سرکار کا حصّہ دس لاکھ روپے کا ہوگا۔

گورنر نے جاری اجلاس میں پیش کئے جانیوالے مسوداتِ قانون کے نام سناتے ہوئے فرمایا کہ ودھان سبھا کا یہ اجلاس خاص کر اگلے سال کے بجٹ کے اندازوں کی منظوری کے لئے طلب کیا گیا ہے۔

اپنے خطبہ کے اختتام پر گورنر نے سابق وزیراعلیٰ اور ان کی کابینہ کا شکریہ ادا کیا جنھوں نے بہت ہی دشوار سالوں میں ان کے احکامات کی انجام دہی کی اور اس کٹھن دور میں عوام کی ہمّت بڑھائی۔ انھوں نے عوام کا بھی شکریہ ادا کیا جنھوں نے بلند حوصلے سے کام لیا۔ نیز انھوں نے نئے وزیراعلیٰ اور اُن کے ساتھیوں کا استقبال کیا اور امید ظاہر کی کہ انھیں ان کا تعاون اور اعتماد بھی حاصل رہے گا۔ ●●

شری شنکر راؤ بی۔ چوان

ARI . HANKAR KAV BI

شری شنکر راؤ بی۔ چوان کا جنم ۱۴؍جولائی ۱۹۲۰ء کو ضلع اورنگ آباد کے پیٹھن نامی مقام پر ہوا۔ انھوں نے مدراس یونیورسٹی سے گریجویشن کیا اور عثمانیہ یونیورسٹی سے قانون میں ڈگری حاصل کی۔ انھوں نے طلبہ کی تحریکوں کو منظم کرنے میں خاص طور سے دلچسپی لی تھی اور جب حیدرآباد میں 'ترکِ عدالت' تحریک چلی تو انھوں نے وکالت ترک کرکے لوکل باڈیز کی آل انڈیا فیڈریشن کے لیے کام کرنا شروع کیا۔

مزدور تحریک کے دوران اپنی انتھک کوششوں کی وجہ سے انھوں نے کافی شہرت پائی اور ایگریکلچرل لیبر کی اقل ترین اُجرت کمیٹی کے ممبر کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔

امدادِ باہمی کے میدان میں بھی انھوں نے کام کیا ہے۔ چنانچہ وہ ناندیڑ کوآپریٹیو سینٹرل بینک کے نائب صدر اور حیدرآباد اسٹیٹ کوآپریٹیو بینک کے ڈائریکٹر رہ چکے ہیں۔ انھوں نے سینٹرل کوآپریٹیو یونین حیدرآباد کے ایگزیکیٹو ممبر کی حیثیت سے بھی کام کیا ہے۔ وہ ناندیڑ ٹاؤن میونسپلٹی کے ۳ سال تک صدر رہے۔ وہ اے۔آئی۔سی۔سی اور مہاراشٹر پردیش کانگریس کی ایگزیکیٹو کمیٹی کے ممبر ہیں۔

نومبر ۱۹۵۶ء میں ریاستوں کی دوبارہ تشکیل کے بعد آپ ریاست بمبئی کی وزارت میں نائب وزیر برائے محصول مقرر کیے گئے۔

۱۹۵۷ء میں آپ ناندیڑ ضلع کے دھرم آباد حلقۂ انتخاب سے منتخب ہوئے اور نائب وزیر برائے محصول کے عہدے پر فائز رہے۔ ۱۹۶۰ء میں جب مہاراشٹر اسٹیٹ کی پہلی کابینہ بنی تو آپ اُس میں وزیر برائے آبپاشی و پاور کی حیثیت سے شامل کیے گئے۔ آپ ۱۹۶۲ء کے عام چناؤ میں دوبارہ ناندیڑ ضلع کے دھرم آباد حلقۂ انتخاب سے مہاراشٹر کی قانون ساز اسمبلی کے لیے چُنے گئے اور آبپاشی و پاور اور جنریشن آف الیکٹریسٹی کے وزیر مقرر ہوئے۔

۱۹۶۷ء کے عام چناؤ میں وہ بھوکر حلقۂ انتخاب سے چناؤ میں منتخب ہوئے اور وزیر برائے آبپاشی اور پاور کے طور اپنے مقام پر قائم رہے۔

۱۹۶۷ء سے آپ کانگریس لیجسلیچر پارٹی کے نائب صدر ہیں۔

۱۹۷۲ء کے عام چناؤ کے دوران آپ ایک مرتبہ پھر بھوکر حلقۂ انتخاب سے منتخب ہوکر آئے ہیں۔

رشوت اور ذخیرہ اندوزی کے خلاف جنگ

ریاست میں اُردو ایکیڈمی قائم کی جائے گی

تمام اقلیتوں سے اچھا سلوک ہوگا !

وزیر اعلیٰ سشری ایس-بی-چوان نے ۲۱رفروری کو آل انڈیا ریڈیو سے اپنی نشری تقریر میں کہاکہ رشوت خوری اور ذخیرہ اندوزی کے خاتمہ کے لئے ایک زبردست مہم شروع کرنے کے لئے انتظامیہ کو منظم کیا جائے گا۔ بلا لحاظِ زبان و مذہب تمام اقلیتوں سے اچھا سلوک کیا جائے گا اور سب سے بڑی لسانی اقلیت یعنی اُردو بولنے والے عوام کے لیے ایک اردو ایکیڈمی جلد ہی قائم کی جائے گی۔

وزیر اعلیٰ کی تقریر کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

وزیر اعلیٰ نے اپنے وزارتِ اعلیٰ پر پہنچنے جانے پر مہاراشٹر کے عوام کا شکریہ ادا کیا اور یہ وعدہ کیاکہ وہ ایک خادم کی حیثیت سے مہاراشٹر میں اتحاد و یکجہتی کے قیام کی کوشش کریں گے۔

ملکی دشواریوں کا ذکر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے شریمتی اندرا گاندھی کی کوششوں کو سراہا اور کہاکہ رجعت پسند طاقتیں لوگوں کا استحصال کر رہی ہیں اور عوام کے جذبات کو حکومت کے خلاف بھڑکا رہی ہیں لیکن عوام میں اب شعور پیدا ہوگیا ہے اور وہ اب ان چیزوں پر کان نہیں دھریں گے کیونکہ بینکوں کا قومیانا، بنگلہ دیش کی آزادی اور پُرامن مقاصد کیلئے ایٹمی دھماکہ اور اس قسم کی دیگر مہمات جو سر کی گئی ہیں اُن کے پیشِ نظر اب عوام بھٹکنے والے نہیں ہیں، نیز یہ کہ آج جو مصائب ہمارے سامنے ہیں وہ پوری دنیا کو گھیرے ہوئے ہیں چنانچہ ہم کو ہمت و استقلال سے کام کرنا چاہیے۔

وزیر اعلیٰ نے بتایا کہ مہاراشٹر میں غذائی قلّت کا سامنا ہے۔ مرکز سے دی جانے والی امداد کے باوجود ہماری ضرورتیں پوری نہیں ہو رہی ہیں لہٰذا اناج کی ذخیرہ اندوزی اور بوگس راشن کارڈوں کے خاتمے کے لئے پوری کوشش کی جائے گی اور اس کے علاوہ کسانوں اور بیوپاریوں سے اناج کی برابر لیوی وصول کی جائے گی۔ اس طرح امید کی جاسکتی ہے کہ غریب طبقہ جو اناج کی کمیابی سے متاثر ہوتا رہتا ہے اس کے لئے اناج کا کوٹہ بڑھا دیا جائے گا۔

وزیر اعلیٰ نے کہاکہ طویل المدتی پروگرام کے طور پر اناج کی پیداوار بڑھانے کیلئے زمین، پانی اور انسانی قوت کا پوری طرح استعمال کیا جائے گا نیز جدید ٹیکنالوجی کا فائدہ اُٹھایا

وزیر اعلیٰ چوان کا اعلان

جائے گا۔ علاوہ ازیں آبپاشی کے امکانات کے زیادہ سے زیادہ استعمال کی مخلصانہ کوشش کی جائے گی۔ انھوں نے اس بات پر اعتماد ظاہر کیا کہ وہ اور کابینہ کے دوسرے اراکین غذائی قلت کو دور کرنے کی صمیم قلب سے پوری کوشش کرینگے۔

انھوں نے کہا کہ کپاس پیدا کرنے والے کسانوں کو اجارہ داری حصول کپاس اسکیم کے تحت کچھ شکایتیں ہیں۔ حالانکہ اجارہ داری حصول کپاس اسکیم ایک ترقی پسند اسکیم ہے لیکن بھاری مالی مشکلوں کی وجہ سے غیر اطمینان بخش حالت پیدا ہوئی ہے۔ اس سلسلہ میں جلد ہی وہ حکومتِ ہند پلاننگ کمیشن اور ریزرو بینک سے رجوع ہونگے تاکہ ان پر واضح کرسکیں کہ یہ اسکیم کس طرح اس غریب کسان کے حق میں ہے جو اسکے بغیر کپاس کے دلالوں اور مصنوعی طور پر قیمتوں کو گھٹانے بڑھانے والوں کے رحم وکرم پر رہ جاتا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ فی الوقت کپاس پیدا کرنے والے چھوٹے کسانوں کو ۳۰٪ کی بجائے ۵۰٪ مبلغ رقم دینے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ انھیں کچھ سہولت میسّر ہوسکے۔ علاوہ ازیں انھوں نے کہا کہ میں نے حکام کو یہ ہدایت دی ہے کہ وہ امدادِ باہمی کے بقایا جات کے علاوہ دیگر تمام قابلِ حصول بقایا جات کو اس اسکیم کے تحت دی جانے والی پیشگی رقومات سے الگ رکھا جائے۔

بدعنوانی کے کسی بھی واقعے کو بلا سزا نہیں چھوڑا جائے گا

وزیر اعلیٰ نے دیہی علاقوں کے بے زمین کامگاروں کو یقین دلایا کہ انھیں زمین فراہم کی جائے گی۔ ایسے کامگاروں کی تعداد ۴٫۲۹ لاکھ ہے جن میں سے تقریباً ۵۰٪ کامگاروں کو مارچ تک قبضہ مل جائے گا اور دیگر ۵۰٪ کامگاروں میں سے تقریباً ایک لاکھ افراد کو حکومت کی زمین پر جون تک قبضہ دیا جائے گا۔ انھوں نے اطمینان کا اظہار کیا کہ اس سال کے اختتام پر بقیہ لوگوں کو بھی جگہ دے دی جائے گی۔

وزیر اعلیٰ نے کہا کہ سرکاری افسران اپنے کام کی رفتار تیز کریں کیونکہ بدعنوانی تاخیر اور کارکردگی میں مہارت نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ وزیر اعلیٰ نے بتایا کہ رشوت اور بدعنوانی کے خاتمہ کے لئے وہ براہ راست اپنے ماتحت ایک خصوصی شعبہ قائم کریں گے اور بدعنوانی کے کسی بھی واقعے کو بلا سزا نہیں چھوڑا جائے گا۔ تاہم انھوں نے کہا کہ بے بنیاد الزامات کے ذریعے افسران کا حوصلہ پست کرنا ایک غلط بات ہوتی ہے۔ افسران کو ان کی اچھی کارکردگی کی داد ملے گی اور انھیں ترقیاں بھی دی جائیں گی۔ انہوں نے کہا کہ مہاراشٹر کی نیکنامی کو برقرار رکھا جائے گا کیونکہ مہاراشٹر ہمیشہ سے اپنے انتظامیہ کے لئے مشہور ہے۔

شری چوان نے کہا کہ اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ شیڈول کاسٹ اور شیڈول ٹرائب سے تعلق رکھنے والے بھائیوں پر کوئی ظلم نہ ہونے پائے اور ملازمتوں میں ان کے لئے جو سہولتیں فراہم کی گئی ہیں ان پر ہمیشہ عمل کیا جائے گا۔

وزیر اعلیٰ نے ضمانتِ روزگار اسکیم کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہ اسکیم ہر طرف تحسین کی نظروں سے دیکھی جارہی ہے اور پلاننگ کمیشن نے بھی اس کی اجازت دے دی ہے

بمبئی کے شہریوں کے مفادات کا تحفظ ایک ذمّہ داری کے طور پر کیا جائے گا!

وزیر اعلیٰ نے بعض حلقوں کی جانب سے ظاہر کئے گئے خدشات کا بھی ذکر کیا کہ یہ اسکیم پیداوار سے منسلک نہیں رہے گی۔ آپ نے ان خدشات کا ازالہ کرنے کا وعدہ کیا۔

آپ نے فرمایا کہ شیواجی مہاراج کی روایت کو برقرار رکھا جائے گا اور بلا لحاظِ زبان و مذہب تمام اقلیتوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے گا۔ انھوں نے کہا کہ سب سے بڑی لسانی اقلیت اُردو داں عوام کی ادبی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے کے لئے بہت جلد ایک اُردو ایکیڈیمی قائم کی جائیگی۔

وزیر اعلیٰ نے بمبئی کو مہاراشٹر کا دل بتایا اور کہا کہ یہ شہر دنیا میں ایک بے مثال پوزیشن رکھتا ہے، لہٰذا ذات پات اور زبان کے امتیازات سے قطع نظر یہاں کے شہریوں کے مفادات کا تحفظ ایک ذمّہ داری کے طور پر کیا جائے گا۔

بیک بے ریکلیمیشن اسکیم کے متعلق انھوں نے نظرثانی کا وعدہ کیا اور کہا کہ نئی بمبئی پروجیکٹ پر تیزی سے کام شروع کیا جائے گا تاکہ آبادی کا دباؤ کم ہو اور صنعتی

تصویروں کی زبانی

گورنر شری علی یاور جنگ نے ۱۸ فروری کے روز راج بھون کے دربار ہال میں فرانسیسی سفارت خانہ کی جانب سے پیش کردہ دو صد سالہ فرانسیسی ملبوسات نمائش کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر لی گئی تصویر میں شریمتی زہرہ علی یاور جنگ بھی نظر آرہی ہیں!

مراٹھی فلم انڈسٹری کی جانب سے ۱۹ فروری کو راج کلا مندر میں شری وسنت راؤ نائیک کو اپنے وزارتِ اعلیٰ کے عہدے سے سبکدوش ہونے سے پہلے وداعی پارٹی دی گئی۔ شری وی شانتارام شری نائیک سے گفتگو کر رہے ہیں۔ تصویر میں وزیر اعلیٰ شری ایس بی چوان بھی نظر آرہے ہیں!

مزدوروں کو مکانات مہیا ہو سکیں۔

وزیر اعلیٰ نے تعلیم یافتہ بے روزگاروں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے وہ قومیائے گئے بینکوں اور دیگر سرمایہ کاری اداروں اور علاقائی ترقیاتی کارپوریشنوں کی مدد لیں گے۔

بجلی کی سپلائی میں کمی کر دینے کے باعث ہماری ضرورت کی صنعتی اشیاء کی پیداوار پر بھی اثر پڑا ہے اور خاص طور سے مزدور اس سے متاثر ہوئے ہیں لیکن بہت جلد ہی اس حالت پر قابو پایا جائے گا کیونکہ کھوراڑی پروجیکٹ اگلے مہینے سے شروع ہو جائیگا جس سے بجلی کی اس قلت کو دور کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ویترنا بھاتگر اور کوئنا اسٹیج تھری ہائیڈرو الیکٹرک پروجیکٹوں سے جون سے اکتوبر ۱۹۷۵ء کے دوران ان سے فائدہ اٹھانے کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ ناسک تھرمل اسٹیشن جو آج کل کم بجلی سپلائی کر رہا ہے اکتوبر ۱۹۷۵ء سے زیادہ بجلی فراہم کرے گا آنے والے موسم سے ۲۵٪ سے زیادہ بجلی فراہم کی جائے گی جو ہماری ضرورتوں کو پورا کر سکے گی۔

وزیر اعلیٰ نے عوام اور حزبِ مخالف سے اپیل کی کہ وہ سیاسی نظریوں سے بالا تر ہو کر عملی کاموں میں ہاتھ بٹائیں کیونکہ عوام کی حالت زار سنگین ہے اور حالات کا بھی یہی تقاضہ ہے کہ سب مل کر جدوجہد کریں اور مصائب کا سامنا کریں۔ انہوں نے اپنی طرف سے یقین دلایا کہ وہ ایسا ہی کریں گے اور فرمایا کہ دوسرے انھیں اسی معیار پر جانچیں اور ان کے ساتھ تعاون کریں۔ ●●

حامدی کاشمیری
پوسٹ گریجویٹ ڈپارٹمنٹ آف اردو
یونیورسٹی آف کشمیر، سری نگر۔

برف پلکوں پر نہ تھی، رختِ سفر ایسا نہ تھا
راستے سنسان تھے، خوف و خطر ایسا نہ تھا

بند کمروں میں وہ سوئے پھر کبھی جاگے نہیں
زندگی کرنے کا وقفہ مختصر ایسا نہ تھا

بلڈنگیں، شوکیس، ننگی عورتیں، وحشی ہجوم
خوب سو لیتے تھے ہم بھی یہ نگر ایسا نہ تھا

کتنے چمکیلے بدن شب کو ہوئے ہیں بے لباس
ہر عضو سے پھوٹتا نورِ سحر ایسا نہ تھا

اب اُسے سایوں پہ بھی ہوتا ہے لوگوں کا گماں
سب سے جھک کے ملتا تھا، آشفتہ سر ایسا نہ تھا

دن دہاڑے وہ دکانوں کو بڑھا کر چل دیئے
وادیٔ لعل و گہر میں دیدہ ور ایسا نہ تھا

یک بیک سب آہنی دروازے وا ہونے لگے
میرا اندازِ نوا جادو اثر ایسا نہ تھا

روشنی جو مہر و مہ کی فطرتوں سے چھین لے
زندگی وہ شخص شاید ظلمتوں سے چھین لے

کیا کریں جب خشک ہو کر قلزمِ چشمانِ تر
ڈوب جانا بھی ہماری قسمتوں سے چھین لے

لمحۂ حاضر عجائب گھر میں رکھنے کے لئے
کچھ صدائیں زنگ خوردہ ساعتوں سے چھین لے

تو بھی ہو جائے مکمل زندگی سے آشنا
پستیوں کا درد تجھ کو رفعتوں سے چھین لے

ہم فرشتے ننگے بھوکے ہیں حقیقت ناشناس
کوئی تو خوابوں کی جلتی جنتوں سے چھین لے

نازش انصاری
بالائی قلعہ، چوک انصاریان
علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

کیا اور کیوں

بہت پرانے زمانے سے ہی انسان قدرت میں ہونے والے واقعات کو دیکھتا آ رہا ہے۔ لیکن ان کی ظاہری شکل صورت سے انسان مطمئن نہ ہوسکا۔ اپنے شوقِ جستجو کو، جاننے کے اشتیاق کو، ذوقِ تجسس کو مطمئن کرنے کے لئے انسان اس کی لگاتار کھوج کرتا آیا ہے کہ قدرتی واقعات کیوں ہوتے ہیں، کیسے ہوتے ہیں۔ اس طرح انسان کو جوں جوں آگہی ہوتی گئی اس کی واقفیت بڑھتی گئی۔ اس کے علم کا خزانہ بھرتا گیا اور اس طرح وہ ترقی کی شاہراہ پر بڑھتا گیا۔ آج سائنس انسانی زندگی کا ضروری حصہ بن چکی ہے۔ اس کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے۔ سائنس بھی آگے بڑھتی جارہی ہے اور سائنسداں کا شعور و آگہی بھی دن بدن ترقی پذیر ہے۔

ہمارے گردو پیش میں یہ سب کیا ہے؟ کیوں ہے؟ اگر آپ نے اپنے سے اسطرح کے سوالات کئے ہیں تو آپ میں سائنسدانوں کا ذوقِ جستجو موجود ہے۔ یوں سائنس والے دنیا کے آگہی طلب لوگوں میں سب سے آگے ہیں؛ یہ وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ دنیا کی چیزوں کے متعلق سوال کرتے رہتے ہیں، لیکن وہ صرف سوالوں ہی پر قناعت نہیں کرتے بلکہ سائنسی عملوں، تحقیقوں اور تجربات سے اس کا جواب بھی حاصل کرتے ہیں اور اس طرح اس سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہیں۔

اگر آپ ایسے سوالات کرتے ہیں اور ان چیزوں کے بارے میں جو آپ کے گرد و پیش واقع ہورہی ہیں شوقِ تحقیق رکھتے ہیں تو خود آپ کے اندر سائنس والوں کی کیفیت یا چھٹی حس موجود ہے۔ ویسے عام آدمی سائنسدانوں کے متعلق یہ سوچتا سمجھتا ہے کہ یہ پراسرار عورتیں اور مرد جو بڑی ہی فہم و فراست کے مالک ہیں کئی تجربہ خانوں میں اکیلے کام کرتے ہیں۔ تو یہ کام انہی کا کہلاتا ہوگا لیکن کوئی ایجاد یا دریافت کسی ایک شخص کی نہیں کہلا

اندرجیت لال ایم-اے
۱۷۹۳، نمک پھاٹک، حوض قاضی - دہلی ۶

سکتی بلکہ کئی اشخاص کی کوششوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اصل میں ہوتا یہ ہے کہ کسی نے کچھ سوچا، کچھ تجربے کئے، کچھ جانچ پڑتال کی۔ اس طرح ایک خیال نے جنم لیا۔ دوسرے نے اس خیال کو اپنایا۔ اس پر کچھ اور کام کیا، کچھ تبدیلی کی، کچھ تحقیق کی، پھر دوسرے لوگوں کی طرف اس کام کو سرکا دیا۔ کبھی کبھی ایسے عمل میں سیکڑوں سال لگ جاتے ہیں۔ خاص طور پر گزشتہ صدیوں میں جبکہ دنیا کے درمیان مواصلات کا ذریعہ بہت محدود تھا، ایک ایجاد یا دریافت دور دراز مقامات تک کئی مہینوں میں پہنچ پاتی تھی۔ لیکن جوں جوں رسل و رسائل کا سلسلہ پھیلتا گیا، دنیا قریب سے قریب تر ہوتی گئی۔ سائنسداں ایک دوسرے کے کام کاج سے تال میل اور تعاون کرنے لگے، سائنسی کام کو فروغ ملتا گیا۔

کچھ لوگ ایجادوں کا سہرا افراد کے سر باندھنا چاہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ واٹ نے بھاپ انجن، ایڈیسن نے برقی روشنی، مارکونی نے ریڈیو اور رائٹ برادران نے ہوائی جہاز

ایجاد کیا۔ اس میں شک نہیں کہ ایسے حضرات
خالق تھے اس لیے ان کی جتنی بھی تعریف کی
جائے کم ہے۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ ان میں
سے کوئی آدمی اپنے کام کو اکیلا نہیں کر سکتا
تھا۔ ان سے پہلے لوگوں نے ابتدائی مسالہ
یعنی بنیادی تصور پیش کیا تھا، کچھ احوال واضح
کیے تھے جس پر ان سائنسدانوں کی لاجواب ایجادوں
کی بنیاد قائم ہوئی۔ یوں سمجھیے، کوئی ایجاد، کوئی
کھوج، کوئی انکشاف، کوئی دریافت صرف ایک
شخص کا سرمایۂ زندگی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہر سائنسی
عمل تجربہ یا کھوج کئی برسوں، کئی آدمیوں کی
مسلسل کاوشوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔

اگر سائنس کی رفتار کو بغیر کم یا دھیما ہوئے
جاری رہنا ہے تو بڑے بڑے لوگوں کو آزادانہ
تبادلۂ خیالات کرنا ہوگا۔ اس طرح جب کرۂ ارض
کے تمام سائنسداں کے درمیان نئے خیالات
کا تبادلہ ہوتا رہے گا تو پھر ہم امید کر سکتے
ہیں کہ سائنسی ترقی قائم اور دریافت جاری رہیگی
دوسرے سائنس مستقبل میں بھی ترقی پذیر رہ
سکے گی۔ موجودہ زمانے میں اتنی نئی ایجادیں
و سائنسی تصورات وجود میں آگئے ہیں کہ
ایک طبقہ کے ہاں یہ خیال زور پکڑتا جا رہا ہے
کہ اب ایجاد کرنے کو کچھ باقی نہیں رہا۔ لیکن
یہ خیال سراسر غلط ہے۔ کوئی بھی آدمی اگر یہ کہے
کہ دنیا کی ہر ضروری چیز ایجاد ہو چکی ہے تو یہ
بات بالکل بے معنی لگتی ہے کیونکہ ایجادوں کا
سلسلہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ ہر دور نے اپنی
معلومات کے ذخیرے کا دنیا کے معلوماتی ذخیرے
میں اضافہ کیا ہے۔ معلومات کا اتنا بڑا ذخیرہ
جو ہم سب کو آج ملتا ہے۔ انسانوں کو آئندہ
سائنسی دنیا کی نئی دریافتیں و انکشافات معلوم
کرنے میں مدد دے گا۔

سائنس ہر وقت ترقی و تعمیر پذیر ہوتی ہے
سائنس کی نگاہ میں کوئی چیز یا کوئی عمل روز قیامت
تک ایک شکل نہیں رہتا بلکہ تبدیل ہوتا رہتا
ہے۔ یہی تبدیلی سائنس ہے۔ یا یوں کہیے
اس تبدیلی کا دوسرا نام سائنس ہے۔
علامہ اقبال کے الفاظ میں ؎

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

سائنس ماضی کے تجربات و مطالعہ سے
سبق حاصل کرتی ہے اور کام کو آگے بڑھاتی

سائنس ہر وقت ترقی و تعمیر پذیر ہوتی ہے۔ سائنس کی نگاہ میں کوئی چیز یا کوئی عمل روز قیامت تک ایک شکل نہیں رہتا بلکہ تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ یہی تبدیلی سائنس ہے!

ہے لیکن سائنس ماضی کی طرف لوٹ جانا نہیں
چاہتی، نہ ہی وہ مائل کرتی ہے کہ انسان ماضی
کے دامن میں پناہ لے اور پرانی باتوں، پرانے
اصولوں، پرانے نظریوں میں نشوونما پاتا رہے۔
ماضی کی طرف رجحان ہی قدامت پسندی کی
نشانی ہے۔ انگریزوں کے مشہور شاعر بائرن
کا قول ہے۔ "کوئی ہاتھ ایسا نہیں ہے جو
گھڑی کی ٹک ٹک کو روک دے۔" اور ایک
فلسفی نے تو ماضی کی تشریح بڑے واضح الفاظ
میں یوں کر دی۔" فطرت کو بھی یہ قدرت
حاصل نہیں ہے کہ وہ بیتے ہوئے وقت کو
واپس لے آئے۔" ویسے بھی یہ بہت عقلی
بات ہے کہ ماضی میں جو کچھ حاصل کیا ہو اسے
سرمایہ سمجھ کر کھوج، دریافت اور انکشاف کی
تحریک کو توانائی دی جائے۔ اس سے چلا لی
جائے اور کام کو آگے سے مزید آگے بڑھایا
جائے۔

ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ سائنسداں کس
طرح کام کرتا ہے۔ اس کے ذہن کو کیا جذبہ،
کیا لگن انگیخت دیتی ہے۔ آخر سائنسداں
کی بھی کوئی شانِ نزول ہوگی۔ سائنسداں ہر
حرکت اور ہر عمل کا صحیح سبب تلاش کرتا رہتا
ہے۔ وہ تصور کرتا ہے اور تصور بھی شاعرانہ
نہیں بلکہ ایسا تصور جو حقائق پر مبنی ہو ٹھوس
واقعات پر بنیاد رکھتا ہو۔ سائنسداں ہر ایک
نئے سوال، نئے مسئلے، نئے معاملے کو تجربے
کی کسوٹی پر کستا ہے۔ اپنی تجربہ گاہ میں پوری
یکسوئی اور صلاحیت سے کام کرتا ہے۔ ماضی
میں کیے گئے تجربات و تحقیق کا پورا پورا فائدہ
اٹھاتا ہے اور اسے اپنے تجربات کے وقت
اپنی نظر اور ذہن میں رکھتا ہے۔ سائنسداں
جس لگن، انہماک اور پھرتی سے کام کرتا ہے
ایسی لگن اور پھرتی دوسرے لوگوں کے کام میں
نہیں ملتی۔ شاعر نے یہ اشعار شاید ایسے ہی
سائنسدانوں کے لیے موزوں کیے ہیں ؎

قدم قدم پہ جلاتا چلوں گا دل کے چراغ
جو راستہ ہے اندھیرا تو میرے ساتھ چلو
میں جا رہا ہوں اُجالوں کی جستجو کے لیے
ستا رہا ہو اندھیرا تو میرے ساتھ چلو
نسیمِ ظلمتِ دوراں سے جنگ ہے درپیش
جو چاہتے ہو سویرا تو میرے ساتھ چلو

سائنس کے مطالعہ سے سائنسداں میں باقاعدہ
سوچنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ یہ صلاحیت پھر

بڑھتی رہتی ہے ۔ سائنس کا مطالعہ کرنیوالے کے دل میں ایک نئی خود اعتمادی کا احساس پیدا ہوتا ہے ۔ جہالت تاریکی ہے اور سائنس ہی جہالت کے اندھیرے کو دور کرکے روشنی پھیلا سکتی ہے ۔ ایک وقت سائنسداں جب چیزوں کو سمجھ نہیں پاتا تھا جس سے ڈرتا تھا آج انہی چیزوں کو وہ پوری طرح اپنے بس میں کرلیتا ہے ۔ ان پر قابو پالیتا ہے ۔ یوں کہیے سربستہ رازوں کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے۔

سائنس کا مطالعہ تجربے، مطالعے اور نتیجے پر منحصر ہوتا ہے ۔ کسی چیز کے بارے میں واقفیت حاصل کرنے کے لیئے سائنسداں اس پر تجربہ کرتا ہے اور اس وقت کیا کیا ہوتا ہے اسے اعضائے حواس کے ذریعے طے کرتا ہے ۔ یہی مطالعہ کہلاتا ہے ۔ دراصل آخر میں اس مطالعے کی بنیاد پر سائنسداں کسی نتیجے پر پہنچتا ہے ۔ جب سائنسداں کے پاس بہت سے تجربوں کے نتائج جمع ہوجاتے ہیں تو ان کے درمیان ایک تعلق کا تصور کیا جاتا ہے اور اس سے ان نتائج کی تشریح کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ۔ اس قسم کی تشریح کو مفروضہ کہتے ہیں ۔ اس کے ذریعہ سائنسداں بہت سے تجربوں کے نتائج کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے ۔ اگر اس مفروضے سے سائنسداں نئے نئے تجربوں کے نتیجوں کی بھی تشریح کرسکتا ہے تو یہ صرف قیاس ہی نہیں رہ جاتا بلکہ اس کا مقام اس سے کچھ اونچا اٹھ جاتا ہے ۔ اسے نظریہ یعنی تھیوری کہتے ہیں ۔ اگر یہ نظریہ موجودہ سبھی واقعات کی اچھی تشریح کرسکتا ہے تو اسے کُلیّہ (LAW) کہتے ہیں ۔ اس طرح کے قاعدے کلیے وضع کرکے سائنسداں اپنے کام کو آگے بڑھاتا ہے ۔ پُراسرار فطرت اور کائنات کو سمجھنے میں جتنا مغز سائنسداں نے کھپایا ہے کسی دوسرے فریق نے نہیں کھپایا ۔ کیونکہ انکشاف اور دریافت کی ذمہ داری شاعر کے اس قطعے کو ذہن میں رکھ کر سائنسداں نے اپنے سر اٹھالی ہے:

کائناتِ حیاتِ پُراسرار
فہم و ادراک و آگہی سے پرے
رازِ تخلیق وحدتِ اضداد
کون اب اس کا انکشاف کرے

سائنسداں تخلیق و مطالعہ میں کن کن منازل سے دوچار ہوتا ہے یہ دلچسپی سے خالی نہیں سائنس کی پہلی منزل میں سائنسداں اپنی کھوج میں کچھ اچنبھاپن یا نئی بات محسوس کرتا ہے ۔ اس کے بعد وہ زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے ۔ دراصل اس کے اندر یہ دھن رہتی ہے کہ سائنس کے ذریعہ فطرت کو قابو یا ضابطہ میں لاسکے ۔ قدرت کے رازوں تک پہنچ سکے ۔ چنانچہ اس منزل میں سائنسداں کو دیکھنے پرکھنے کی سوجھ بوجھ اور کچھ نئی روشنی ملتی ہے ۔ دوسری منزل ایک عجیب طرح کی دل پسندی رکھتی ہے ۔ اس میں سائنسداں ایک دلی خوشی اور ایک طرح کا اطمینان حاصل کرتا ہے ۔ یہ منزل کسی حد تک ربط ضبط کی منزل کہلاتی ہے ۔ اس میں سائنسداں کا یہ ارادہ ہوتا ہے کہ مختلف قسم کے تجربوں اور مشاہدوں کو ایک نظام، ایک سلسلہ، ایک ترتیب سے پیش کرسکے ۔ دوسرے الفاظ میں یہ سمجھئے کہ اس منزل میں سائنس سائنسداں کے لئے کچھ گورکھ دھندا سا بن کر رہ جاتی ہے ۔ کئی حل سامنے ہوتے ہیں لیکن کوئی حل بالکل صحیح نہیں بیٹھتا اور جب بیٹھ جاتا ہے تو ایک تال میل کا عمل سامنے آجاتا ہے ۔

سائنس میں تیسری اور آخری منزل سب سے اہم ہے ۔ اس میں مختلف نتیجوں اور تجربوں کی روشنی میں ایک نئی شکل حساب کے سوال کی طرح سامنے آجاتی ہے ۔ یہ شکل ربط ضبط ہی کی برکت سمجھئے ۔ دراصل اس منزل میں سائنسداں یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اگر اس طرح کے مسلسل عمل کئے جائیں تو ایک خاص طرز کے برابر نتیجے نکل سکتے ہیں ۔ اس منزل میں اگر نظام اور ترتیب ٹھیک ٹھیک بیٹھ جائے تو سائنس کے نتیجے اکائی کی طرح ثابت ہوتے ہیں اور یہ اکائی سائنسی تحقیق اور سائنسی ایجاد میں کامیابی کا زینہ بن جاتی ہے ۔

سائنس کی ایک اہمیت اور بھی ہے جسے ہم روحانی اہمیت کہہ سکتے ہیں ۔ اس اہمیت کا دارومدار اس پر ہے کہ سائنس کس حد تک انسانی عقل اور سوجھ بوجھ کے دریچے کھولتی ہے اور نئے رشتے پیدا کرنے میں کہاں تک مدد دیتی ہے ۔ ان نئے نئے پیدا کئے رشتوں سے ایک نئی قوت کا احساس ہوتا ہے ۔ عام طور پر یہ صحیح ہے کہ سائنس کا اثر ہماری سوجھ بوجھ اور علم میں اضافہ کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں ایک نئی قوت کا احساس بھی ہوتا ہے ۔ اس احساس کو ہم سائنس کا روحانی پہلو کہہ سکتے ہیں ۔ علم خود ایک زبردست قوت ہے جو ہر انسان میں ایسے نئے احساس سے پیدا ہوتی ہے ۔ لیکن جو جذبہ انسان کو بھرپور عمل کے لئے تیار کرتا ہے وہ سائنس ہی سے پیدا ہوتا ہے ۔ جو لوگ زندگی میں عملی زندگی پر زور دیتے ہیں وہ صحیح معنوں میں سائنسداں کہے جاسکتے ہیں ۔ ویسے اس میں شک نہیں کہ علم کے ساتھ عمل کا پہلو ہر انسان کے ساتھ وابستہ ہے لیکن عمل سے لگاؤ اور

عمل کی شدت ہر انسان میں مختلف ہوتی ہے اور اس کا دارومدار اس پر ہے کہ وہ انسان کس حد تک سائنٹفک نظریہ رکھتا ہے اور سائنس کے ذریعے ہی زندگی کے سب کاموں کے بارے میں سوچتا سمجھتا ہے ۔

پرانے زمانے میں سائنسی عمل کو شخصی ملکیت سمجھا جاتا تھا ۔ آج کل اس کے معنی خاصے بدل گئے ہیں ۔ آج ہر سائنسی کھوج ، ہر سائنسی عمل اور ہر سائنسی معلومات بنی نوع انسان کا حق بن چکی ہے ۔ سائنس کی ہر کھوج ، ہر نتیجہ ، ہر منزل ، ہر تجربہ دنیا کے لئے ہے ۔ آج کی سائنس کسی ملک کی یا کسی سرکار یا کسی ادارے کی جاگیر نہیں ۔ یہ تو علم کا بہتا دریا ہے جو چاہے دو گھونٹ پی لے اور ایسا آدمی جو علم اور عقل رکھتا ہو اور عمل کو زندگی کا اصول بنانے کا قائل ہو ، اس بہتے دریا سے لگاتار پیتا جائے اور اپنی سوجھ بوجھ اور کھوج سے علم کے ایسے چشمے تلاش کرتا جائے جو اس کے شوق کی پیاس بجھا سکیں اور دوسروں کو بھی پیاس بجھانے کی دعوت دے سکیں ۔

سائنس ہماری مالی اور سماجی ترقی میں بڑا ہاتھ بٹا سکتی ہے ۔ ویسے بھی کتنے موضوعات ایسے ہیں جو دراصل ہماری روزانہ زندگی کے موضوعات ہیں ۔ ایسی زندگی جسمیں ہم روزانہ نشو و نما پاتے ہیں ۔ زندہ رہتے ہیں ۔ سانس لیتے ہیں ۔ ایسے موضوعات ہماری زندگی سے الگ تصور نہیں کئے جا سکتے ۔

اگر ایسے موضوعات کے متعلق ہمیں کچھ معلومات نہ ہوں تو ظاہر ہے کہ ہم اپنی روزانہ زندگی کے گوناگوں پہلوؤں کے متعلق کچھ نہیں جانتے چنانچہ ہمارے ارد گرد جس زاویے ، جس ڈھنگ سے سائنس کا عمل یا اس کا رشتہ ہماری سماجی ، شخصی یا گھریلو زندگی سے جڑتا ہے اس کا علم ہمارے لئے ازبس ضروری ہے ۔

سائنسی معلومات پڑھے لکھے لوگوں کے لئے اتنی ہی ضروری ہیں جتنا ان کیلئے زندگی کی دوسری باتوں کا علم ۔ اگر خوش قسمتی سے ہم بھی خاص معلومات رکھتے ہیں اور کئی بار اس حد تک بہت کچھ جانتے ہیں جس حد تک خود سائنسداں جانتا ہے تو یہ ایک خوش کن بات ہے ۔

موجودہ دور سائنس کا دور کہیے یا مادّہ کا ، اس میں ٹھوس نتیجوں اور حقیقتوں کو اہمیت حاصل ہے ۔ ہر شخص جانتا ہے کہ سورج ایک سیارہ ہے جو سائنسی نظریہ کے مطابق ہزاروں سیاروں میں سے ایک سیارہ ہے ۔ ان دنوں نئی کھوج کی بدولت سورج اور دوسرے سیاروں کے متعلق نئی نئی باتیں اور معلومات سامنے آرہی ہیں ۔ کچھ سیارے ایسے بھی ہیں کہ ان کی روشنی کو سطح زمین تک پہنچنے میں کئی ہزار سال کا عرصہ درکار ہے ۔

اس سلسلہ میں مزید تحقیق جاری ہے ۔ آئے دن نئی معلومات موصول ہو رہی ہیں کیونکہ آج کا سائنسداں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے میں منہمک ہے ۔

ایک لگا بندھا تصور یہ ہے کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے ۔ دوسرا یہ کہ اس طرح اور کئی کتنے دوسرے سورجوں کے گرد گھومتے ہیں ۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ ان کروں پر کچھ انسان و حیوان آباد ہیں ۔ سائنس کی کھوج جاری ہے اور آئندہ دنوں میں کئی نئی باتیں معلوم کرنے کے وسیلے کئے جائیں گے کہ آیا چاند یا زہرہ وغیرہ پر کوئی انسانی مخلوق آباد ہے اور ان پر فضا کی کیفیت کرۂ زمین کی طرح ہے یا نہیں ۔

ایک اور خیال لگ بھگ تین سو برسوں سے انسان کے ذہن پر مسلط ہے کہ مادّہ اور توانائی الگ الگ ہیں ۔ ہاں ان کے درمیان ایک رشتہ ہے ۔ آج کے ایٹمی دور میں سائنس نے اس خیال کو ایک دم بدل دیا ہے ، اور یہ ماننے پر مجبور کر دیا ہے کہ مادہ توانائی کی ایک قسم ہے یا توانائی کا دوسرا نام ۔

آج کل یہ خیال بھی ماند پڑ گیا ہے کہ مادّہ صرف قدرت کی ہی دین ہے ۔ آج مادہ کو ریڈیائی اشعاع (ریڈی ایشن) سے پیدا کیا جا سکتا ہے ۔ آسمان کی طرف دھیان لے جائیے تو آج کا دور یہ ماننے پر مُصر ہے کہ خلاء کا پھیلاؤ دن بدن بڑھ رہا ہے ۔

آج سائنس میں وقت اور خلاء کے بارے میں دن بدن نئی باتیں ، نئی رائیں ، نئے خیال اُبھر رہے ہیں ۔ آج کے مشہور سائنسداں آئین سٹائن نے وقت اور خلاء کے بارے میں نئے نئے خیالات دئے ہیں ۔

نئے تصورات ، سائنسی انکشاف اور تحقیق کی روشنی میں یہ بہت ضروری ہے کہ سائنسی معلومات کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچایا جائے ۔ سائنس پرانے توہمات کی جگہ نئی ٹھوس حقیقتوں کو جگہ دیتی ہے ۔ گھسے پٹے خیالات کی جگہ تازہ اور آزمائے ہوئے خیالات کو جنم دیتی ہے اور لطف یہ ہے کہ سائنس سب کچھ منطق اور ناپ تول سے دیتی ہے ۔ آئندہ دنوں میں سائنس نئے تصورات ، نئے خیالات ، نئے انکشافات دے گی ۔

چاند تاروں کے رنگ و نور کی خیر ؛ آدمی کی نظر اب ان پر ہے

قوم کے معمار، چھترپتی شیواجی پر
قومی سیمینار

اس سال چھترپتی شیواجی کی تاجپوشی کی سہ صدسالہ سالگرہ کے موقع پر شری جگجیون رام، مرکزی وزیرِ زراعت کے زیرِ صدارت تشکیل کردہ نئی دہلی کمیٹی نے سہ روزہ قومی سیمینار "قوم کے معمار، چھترپتی شیواجی" پر انڈین انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن، نئی دہلی میں منعقد کیا۔ اس سیمینار کا افتتاح صدرِ ہند شری فخرالدین علی احمد کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ صدرِ ہند نے اس موقع پر چھترپتی شیواجی کے سیکولر کردار پر خصوصیت کے ساتھ روشنی ڈالی اور شیواجی کی قائدانہ صلاحیتوں کو سراہتے ہوئے کہا کہ شیواجی نے نہ صرف اپنے ہم عصروں میں بلکہ آزادی کی جدوجہد کے سلسلے میں بعد کی نسلوں میں بھی ایک نئی روح پھونکی۔ ہندوستان کے مختلف مقامات سے اس جشن میں شرکت کے لئے آئے ہوئے تقریباً ایک سو نمائندہ ادیبوں، صحافیوں، سیاستدانوں، تاریخ نویسوں نیز سفارت خانوں اور مسلح افواج کے نمائندوں کا صدرِ ہند سے تعارف کرایا گیا اور صدر کے کے ساتھ اُن کی تصویر لی گئی۔ تقریب منانے والی کمیٹی کی جانب سے صدر کو تخت پر براجمان شیواجی کا ایک چھوٹا سا خوبصورت مجسمہ پیش کیا گیا۔

ڈاکٹر ڈی۔ وی۔ پوتدار، ڈاکٹر ستیش چندر، جنرل حبیب اللہ، شری وائی۔ بی۔ چوان وزیر برائے امورِ خارجہ اور شری گووند نرائن، سکریٹری وزارتِ دفاع نے اس سہ روزہ سیمینار کے جلسوں کی صدارت کی۔

اس سہ روزہ سیمینار میں چھترپتی شیواجی سے متعلق متعدد مقالے پڑھے گئے جن میں عام طور پر شیواجی مہاراج کی شخصیت، اُن کے سیکولر کردار، سیاسی بصیرت، اور عسکری حکمتِ عملی پر مختلف زاویوں سے روشنی ڈالی گئی اور چھترپتی شیواجی مہاراج کی ان خوبیوں کو نیز دیگر صلاحیتوں کو سراہا گیا۔

شیواجی کے جدید ترین سوانح نگار شری سیتو مادھوراؤ پگڑی وقتاً فوقتاً اپنی طرف سے مقالات کا تجزیہ پیش کرتے رہے۔ ان کی کتاب کی ایک ایک کاپی ان تمام شرکاء کو دی گئی جن کی وزیرِ زراعت شری جگجیون رام نے ضیافت کی۔

نائب صدرِ ہند شری بی۔ ڈی۔ جتی نے اپنی اختتامی تقریر میں چھترپتی شیواجی کو ہندوستان کا ایک عظیم ترین لیڈر قرار دیا اور ان کی خوبیوں اور صلاحیتوں کو سراہا۔

ریاست مہاراشٹر کی نوتشکیل یافتہ کابینہ

شری ایس۔بی۔ چوان نے گذشتہ ماہ مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے حلف اُٹھایا اور اپنی نئی کابینہ کی تشکیل کی۔ کابینہ کے چودہ وزراء اور گیارہ وزرائے مملکت کے نام اور محکمے درج ذیل ہیں :

شری ایس۔بی۔ چوان

وزیر اعلیٰ۔ جنرل ایڈمنسٹریشن، امور داخلہ، منصوبہ بندی
انرجی، اطلاعات و پبلسٹی
نیز وہ دیگر امور جو کسی وزیر کی طرف سونپے نہ گئے ہوں

شری ایم۔ ڈی۔ چودھری

مالیات، چھوٹی بچت، ثقافتی امور، اسپورٹس، یوتھ سروسز

شری وی۔ بی۔ پاٹل

آبپاشی

شری وائی۔ جے۔ موہتے

امداد باہمی، مہاراشٹر اسٹیٹ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن

ڈاکٹر رفیق زکریا

محصولات (بشمول بارآبادکاری)، شہری ترقیات
نیوٹاؤن شپ، سیاحت، پروٹوکول، اوقاف

شری این۔ ایم۔ تڈکے

صنعت (بشمول مطابع)، لیجسلیٹو امور

شری اے۔ آر۔ انتولے

تعمیرات ومواصلات، ہاؤسنگ
کھار زمینات، قانون و عدلیہ

شریمتی پرتبھا پاٹل

صحت عامہ، سماجی بہبود

شری ایس۔بی۔پاٹل

لیبر، اینیمل ہسبنڈری، ڈیری
ڈیولپمنٹ اور فشریز

شری ایس۔اے۔سولنکے

دیہی ترقیات

شری ایس۔جی۔پوار

زراعت

شری آر۔ جے۔ دیوتلے

جنگلات، نقل وحمل اور جیل
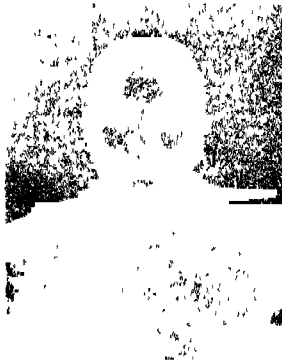
شری رتنپا کنبھار

غذا اور سول سپلائیز

شریمتی پربھا راؤ

تعلیم

شری بی۔ جے۔ کھتال
منصوبہ بندی، محصولات (بشمول بازآبادکاری)
قانون و عدلیہ، اطلاعات و پبلسٹی

شری کے۔ ایم۔ پاٹل
آبپاشی وزراعت

شری پی۔ کے۔ کنّے
شہری ترقیات، نیوٹاؤن شپ، ہاؤسنگ

شری یو۔ ایس۔ گائیکواڑ
صنعت اور برقی

شری آر۔ پی۔ ولوی
امور داخلہ اور جنگلات
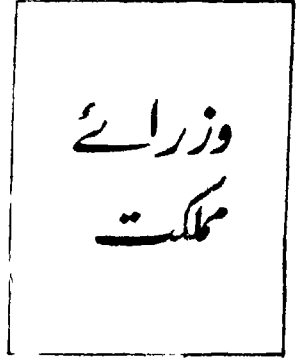
شری آر۔ ایم۔ پانڈے
تعلیم اور محنت

شری ایس۔ ایس۔ شندے
سماجی بہبود، ثقافتی امور، اسپورٹس، یوتھ سروسز، اینیمل ہسبنڈری اور ڈیری ڈیولپمنٹ

شری آر۔ ڈی۔ بیاوے
پورٹس، فشریز، پروہیبیشن و ایکسائز، سیاحت

شری این۔ ایس۔ سپکال
امداد باہمی، تعمیرات و مواصلات، دیہی ترقیات

شری جگیش دیسائی
غذا و سول سپلائیز، ٹرانسپورٹ (بشمول مہاراشٹر اسٹیٹ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن)، جیل

ڈاکٹر لیون ڈیسوزا
صحت عامّہ، پروٹوکول

شری بی۔ جے۔ کھتال:

پیدائش، ۲۶ مارچ ۱۹۰۸ء، مقام: دھندرپال، تعلقہ سنگمنیر، ضلع احمد نگر۔ ایڈوکیٹ، بی۔ اے (آنرز)، ایل ایل۔ بی۔ مراٹھی، انگریزی اور اُردو میں مہارت رکھتے ہیں۔ چیئرمن، سنگمنیر میونسپل مزدور یونین؛ مشیر، سنگمنیر بیڑی مزدور یونین؛ رکن، احمد نگر ضلع ترقیاتی بورڈ؛ چیئرمن، سنگمنیر کوآپریٹیو آئل مل؛ چیئرمن، اکولا مارکیٹ کمیٹی۔

۱۹۴۲ء کی تحریک آزادی میں عملی طور سے حصہ لیا اور روپوش ہوکر بھی کام کرتے رہے۔ مجسٹریٹ درجہ اوّل وسیول جج کے عہدے سے ۱۹۵۱ء میں مستعفی ہوکر کانگریس میں شریک ہوگئے۔ مہاراشٹر لیجسلیٹیو اسمبلی کے لئے ۱۹۶۲ء میں منتخب ہونے کے بعد نائب وزیر امداد باہمی، غذا اور سول سپلائیز کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ۱۹۶۷ء کی وزارت میں دوبارہ نائب وزیر برائے آبپاشی، بجلی وزراعت مقرر ہوئے۔ اکتوبر ۱۹۶۹ء میں وزیر مملکت برائے زراعت، منصوبہ بندی اور اسٹیٹ روڈ ٹرانسپورٹ مقرر ہوئے۔

شری این۔ ایس سپکال:

پیدائش، ۱۹ مئی ۱۹۲۶ء، مقام: میوارا، مرتضیٰ پور تعلقہ، ضلع اکولہ۔ ایم۔ اے، ایل ایل۔ بی، ایڈوکیٹ نائب صدر، شری شیواجی ہائی اسکول، اکولہ ۱۹۵۲ء سے۔ بانی، شری شیواجی کالج، اکولہ؛ چیئرمن، اکولہ ڈسٹرکٹ کوآپریٹیو بینک ۱۹۶۵-۶۹ء؛ رکن، بورڈ آف ڈائرکٹرز آف مہاراشٹر اسٹیٹ کوآپریٹیو بینک؛ چیئرمن، اکولہ کوآپریٹیو اسپننگ ملز؛ رکن، ودربھ کوآپریٹیو مارکیٹنگ سوسائٹی ۱۹۵۹ء سے۔
چیئرمن، اکولہ ضلع پریشد ۱۹۶۲-۶۷ء؛ رکن، مہاراشٹر لیجسلیٹیو اسمبلی ۱۹۶۷ء سے بورگاؤں منجو حلقۂ انتخاب سے۔

شری جگیش دیسائی:

پیدائش، ۸ جنوری ۱۹۲۶ء، مقام: دوحد، ضلع پنچ محل (گجرات)۔
بی کام، چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ۔
رکن، مہاراشٹر لیجسلیٹیو اسمبلی، سانتا کروز حلقۂ انتخاب سے۔

ڈاکٹر لیون ڈیسوزا:

پیدائش: ۲۳ دسمبر ۱۹۱۹ء، مقام: بمبئی، تعلیم: ایم۔ بی۔ بی۔ ایس؛ میڈیکل پریکٹیشنر؛
۱۹۴۱-۴۲ء سے عوامی زندگی کا آغاز کیا۔ رکن، بمبئی میونسپل کارپوریشن ۱۹۵۲-۵۷ء؛ بعد ازاں ۱۹۶۱-۶۷ء، اس عرصے میں کارپوریشن کی مختلف کمیٹیوں پر کام کرتے رہے نیز ۱۹۶۷ء میں بمبئی کے میئر رہے۔
نائب صدر، گوا انضمام کمیٹی؛ چیئرمن، گوا سوشیل اینڈ کلچرل ایسوسی ایشن؛ چیئرمن، (بمبئی کیتھولک گروپ) گوا مہاراشٹر انضمام کمیٹی؛ وائس چیئرمن، کیتھولک جیمنانہ؛ چیئرمن، ٹیگور ایجوکیشن سوسائٹی؛ ڈویژنل کمشنر آف اسکاؤٹس اینڈ آنریری کا ئیڈس وارڈن (مہاراشٹر اسٹیٹ)
سمیوکت مہاراشٹر آندولن اور گوا کی آزادی کی تحریک میں عملی حصہ لیا۔ کرکٹ اور ہاکی کے اچھے کھلاڑی ہیں۔ مہاراشٹر لیجسلیٹیو کونسل کے نامزد ممبر ہیں۔

پروفیسر مسعود حسین

سکندر علی وجد کی شاعری

اردو کے مشہور شاعر جناب سکندر علی وجد کے تازہ شعری مجموعے "بیاضِ مریم" کی رسم اجراء وزیراعظم کی رہائش گاہ، ۱۔ اکبر روڈ، نئی دہلی، پر ۱۹ دسمبر ۱۹۸۱ء کو محترمہ اندرا گاندھی کے ہاتھوں ادا ہوئی۔ اس موقع پر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے وائس چانسلر پروفیسر مسعود حسین نے یہ مختصر لیکن جامع اور فکر انگیز مضمون پڑھا تھا۔

"بیاضِ مریم" جس کی رسم اجراء آج وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی کے مبارک ہاتھوں سے عمل میں آرہی ہے، "آفتابِ حسن" سکندر علی وجد کا چوتھا مجموعۂ کلام ہے۔ وجد اس فنِ لطیف کی خدمت پچھلے چالیس سال سے عبادت کے طور پر کر رہے ہیں۔ بُتِ شعر کی خاطر انھوں نے کئی خداوندوں سے رشتہ توڑا ہے، بہت کچھ ٹھکرایا ہے، تب کچھ پایا ہے۔ منصب و جاہ کے کئی زینے نیچے اتر کر وہ اس چشمۂ زندگی تک پہونچے ہیں۔

اس صدی کے چوتھے دہے میں سرزمینِ دکن سے کئی لائقِ توجہ شاعر اُبھرے، جن میں وجد کا نام ابتدا سے پیش پیش رہا ہے۔ جبکہ دوسروں کی شہرت سیاست کی لہروں پر طوفان کی مانند اٹھی اور بیٹھ گئی، وجد اپنی متاعِ ہنر کے سہارے زینہ بہ زینہ کمالِ فن کے درجوں پر اس اعتماد و یقین کے ساتھ چڑھتے گئے، کہ "میرے لئے شاعری جذبۂ تخلیق و اظہار کی تسکین کا سامان ہے، اس کا مقصد نہ کوئی سیاسی انقلاب ہے نہ سماجی اصلاح۔ میرا ادبی مسلک فن برائے فن بھی نہیں۔" وقت کے ساتھ ساتھ دوسرے بھی اس ادبی مسلک کی جانب مائل ہوتے گئے اور اُن پر یہ حقیقت منکشف ہوتی گئی کہ اکثر تاریخِ فن، تاریخِ انسانی کے متوازی نہیں چلتی اور سچے فن کار کا ایک قدم اگر تاریخ کے اندر ہوتا ہے تو دوسرا اُس کے باہر۔ وجد نے تاریخ کے بے پناہ سیل میں بھی آدابِ فن کا احترام کیا ہے اور اس طرح انھوں نے اپنی شاعری کو نعروں اور نقاروں کی شاعری نہیں بننے دیا۔ اپنی شاعری کے ماخذوں کا ذکر کرتے ہوئے وہ "اوراقِ مصوّر" کے دیباچے میں رقمطراز ہیں:

میری شاعری، میری زندگی، انسان کی عظمت اور ترقی، ہندوستان کی تاریخ و سیاست اور یہاں کے فنونِ لطیفہ سے طاقت اور حسن حاصل کرتی رہی ہے

حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے غمِ دوراں کو غمِ جاناں کے بھاؤ کبھی نہیں خریدا، یوں انھوں نے اپنے اردگرد پھیلی کائنات کی جانب سے شترمرغ کی مانند آنکھیں بھی بند نہیں کیں۔ ایسا کرتے تو وہ "مزدوروں کا پیغام" اور "عالم آشوب" اور "آج" جیسی نظموں کی تخلیق کیونکر کر سکتے اور اس قسم کے گرم گرم اشعار اُن کے "آلودۂ خوں، دست و قلم" سے یادگار کیسے رہتے: ؎

وقت کہتا ہے کہ تاریک ستم زاروں میں
روشنی دیر سے ہوتی ہے، مگر ہوتی ہے

وجد ہر رنگ اور ہر انداز میں حسن سے متاثر ہونے کی بے پناہ حسّیت رکھتے ہیں۔ اس نے "اجنتا"، "ایلورا"، "تاج محل" اور "رقاصہ" جیسی بے مثال نظموں کو جنم دیا ہے۔ وہ ایک

سچے شاعر کی طرح حُسن کے پرستار ہیں چاہے وہ رنگ وسنگ میں ہو یا صوت وچنگ میں، حسین کی "نغمہ خواں لکیروں" میں ہو یا لپکتے ہوئے شعلے مارلن منرو کے رنجِ بے نام یا سلگتے ہوئے ارمانوں میں؛ مہاتما گاندھی کے "سوزِ عزم وعمل" میں ہو یا اندرا گاندھی کے "سرورِ عزم وعمل" میں (اور یہاں میں وجد ہی کی شاعرانہ ترکیبوں کا سہارا لے کر گفتگو کر رہا ہوں)۔

وجد کے ترنم کی طرح اُن کا شعری اسلوب بھی خاص انفرادیت کا مالک ہے۔ یہ انفرادیت عبارت ہے کلاسیکی توازن اور رومانی ہیجان سے۔ شاعرانہ انداز میں یوں کہیے کلاسیکیت کے سانچے میں رومانیت کروٹیں لے رہی ہے۔ وجد کبھی اپنے شعر کو بے ہیئت (بد ہیئت کا تو ذکر ہی کیا) نہیں ہونے دیتے۔ اُن کے یہاں روایت کا احترام ہے لیکن وہ اس کا شکار نہیں۔ اپنے نازک تخیل کی کشیدہ کاری سے وہ مسلسل اپنے فنی مواد کو ادھیڑتے اور پھر اس کی بخیہ گری کرتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے کلام میں "عنصرِ حیرت" کی بجلی بار بار لپک اٹھتی ہے۔ اُن کے یہاں زبان کی دو سطحیں ملتی ہیں ــ بالائی یا روایتی اور زیریں یا انفرادی۔ یہ تہ نشین انفرادی سطح کبھی نزاکتِ خیال، کبھی لطافتِ تراکیب اور کبھی صداقت وخلوصِ دل کی شکل میں نمایاں ہوتی ہے۔ غزلوں میں یہ سادگی و پرکاری بن جاتی ہے تو نظموں میں تشبیہوں اور استعاروں کی کہکشاں۔ اسی سے وہ قاری کو مات دیتے ہیں، یقین نہ آئے تو سنیے اور ایمان لائیے:

یہ رنج نہ یہ جور وستم یاد رہیں گے
خوشیوں نے جو بخشے ہیں وہ غم یاد رہیں گے
اس منزلِ پُرشور سے خاموش گذر جا
سب جن کی یہاں دھوم وہ کم یاد رہیں گے

حسن اِک پھول کھلا ہو جیسے
عشق خاموش چِتا ہو جیسے
ہر غزل میں یہی محسوس ہوا
میں نے کچھ اُن سے کہا ہو جیسے

درد و غم کے جادے پہ عمر کا سفر تنہا
ہر قدم پہ ہنگامہ، آدمی مگر تنہا

جدید اردو شاعری کے بیاباں میں وجد کا تصور ہمیشہ میرے ذہن میں ایک "طائرِ آوارہ" کی حیثیت سے آیا ہے جو غول کے ساتھ پرواز کر رہا ہو لیکن ذرا الگ ہٹ کر اور شاید اسی لئے وقت کی زد سے بالاتر ہو کر۔ اُنھیں کے الفاظ میں وہ ایک "حیاتِ غزل خواں" ہیں جو عبارت ہے تلاشِ حسن وصداقت سے، ایک مسلسل وجد اور رقص سے، جہاں تسکین کا رونا نہیں، ذوق کی طمانیت ہے؛ چوٹ نہیں، چٹکی ہے؛ نعرے نہیں، نعرۂ مستانہ ہے۔ اس "حیاتِ غزل خواں" کو کم از کم ایک بار شاعرانہ شان کریمی میں وجد نے ایک "سزاوارِ غزل" کو بخش بھی دیا ہے:

ع مری حیاتِ غزل خواں بھی تجھ کو مل جائے!

(جامعہ)

منتخب اشعار

ہر مصیبت میں تری یاد نے کی چارہ گری
کون غم خوار ہے، اس مونسِ محرم کے سوا

راگوں کے جو دور چل رہے ہیں یادوں کے چراغ جل رہے ہیں

شاعری وہ ہے کہ دریاؤں کے نام
کوہساروں کی صدا ہو جیسے

کانٹوں میں جو ہنس رہا ہے پیہم
وہ پھول چمن کی آبرو ہے

ایک ہی ذات ہے موجود، زماں ہے نہ مکاں
دیکھنے کو یہ طلسم مہ وسال اچھا ہے

دلکشی رنگِ پیرہن کی ہے گُل میں خوشبو ترے بدن کی ہے
کج کلاہوں کی سادگی پہ نہ جا اک ادا یہ بھی بانکپن کی ہے
میرے افکار کے شبستاں میں روشنی تیری انجمن کی ہے
وجد اردو کی آبرو ہے غزل یہ نوازش ترے وطن کی ہے

منحصر لالہ وگل پر ہی نہیں حسنِ چمن
کچھ مہکتے ہوئے قدموں کے نشاں اور بھی ہیں

●

غزل

کب آیا وہ آنے والا جی سے گیا سب جانے والا
پھول نہیں ہے اور کوئی ہے گلشن کو مہکانے والا
سارے کرم فرماؤں سے بہتر ہم پہ ستم فرمانے والا
دیدہ وروں کی جھک گئیں نظریں آیا سب شرمانے والا
یادیں تیری سب کو بھلا کر
وجد نہیں پچھتانے والا

سلندر علی وجد

(بیاض مریم سے)

ایم ۔ مظہر الزّماں خاں
گھر ۱۵۶ ، اسپیشل ۔ سی ۔ سی ۔ آئی ۔ بی ۔ کچی گوڑا،
حیدرآباد ۵۰۰۰۲۷ (آندھرا پردیش)

"بیگم! یہاں آنا ۔ سر میں بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔" ارشاد میاں نے بغل کے کمرے سے بیگم کو آواز دی تو جواب ملا۔ "ٹھہریئے جی۔ رؤف کو سُلاکر آتی ہوں۔" اور ارشاد میاں دس پندرہ منٹ بے چینی سے اپنی شریکِ حیات کا انتظار کرتے رہے تب بھی وہ نہ آئیں تو اُنہوں نے ملتجیانہ لہجہ میں کہا۔ "اب آ ذ بھی! درد سے سر پھٹا جارہا ہے۔"

"کیسے آؤں جی!" بیگم کا جواب تھا "رؤف تو سو چکا لیکن سلیم بیدار ہوگیا ہے۔"

"اُفوہ! ان کمبختوں کو کیا بے خوابی کی شکایت ہوگئی ہے؟" ارشاد میاں کسی زخمی پرندہ کی طرح بستر پر پھڑپھڑاکر آپ ہی آپ بڑبڑانے لگے۔ "اُلّو کے پٹھے! ہمیشہ کسی نہ کسی مرض میں مبتلا رہتے ہیں۔ کسی کی ٹانگ میں درد ہے تو کوئی زکام میں مبتلا ۔ کسی کو اختلاج کی شکایت ہے اور کوئی پیچش کا مریض ۔ میں تو تنگ آچکا ہوں کمبختوں سے! سفر کرو تو مسافر بیزار ۔ کہیں مہمان جاؤ تو میزبان پوچھتا ہے کب ہ: رہے ہو اپنی کرکٹ ٹیم لے کر اور محلے میں تو شیطان کی اولاد کے نام سے موسوم ہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں ۔ ڈھائی سو روپے تنخواہ کو آٹھ دس دن کے اندر دیمک کی طرح چاٹ جاتے ہیں اور پھر قرض کی نوبت آتی ہے اور جب قرض قد سے اونچا ہوجاتا ہے تو سر کی حفاظت کے لئے مجبوراً تبادلہ کروا لینا پڑتا ہے ۔ لعنت ہے ایسی زندگی پر۔" ارشاد میاں آپ ہی آپ بکے جا رہے تھے۔ "آج دو ہفتہ بعد ایک دن کی فرصت ملی تو بیگم کی ایک ذرا جھلک دیکھنے کے لئے پچاس میل سے بھاگا چلا آیا اور پھر صبح صبح ٹرین سے جانا ضروری ہے ۔ لیکن بیگم صاحبہ شوہر کی بجائے بچوں کی خدمت میں مصروف ہیں ۔ آہ!"

اس بار ارشاد میاں نے آہیں بھرتے ہوئے بیگم کو مخاطب کیا "بیگم اتنا بھی نہ ستاؤ ۔ ہم ہفتوں بعد آئے ہیں ۔

تمہیں اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم "بے چین" بیٹھے ہیں

لیکن بیگم کا وہی جواب تھا۔ "کیسے آؤں جی! سلیم کو تو نیند لگ گئی لیکن علیم بیدار ہوگیا ہے، اور اسے پیشاب کروانا ہے اور پھر منی کو دودھ بھی پلانا ہے۔ کچھ دیر اور صبر کرلیجئے۔ ایسا بھی کیا درد ہے جو آپ اس قدر بے چین ہوئے جا رہے ہیں۔" لیکن ارشاد میاں کو صبر کہاں تھا، وہ تو ماہیٔ بے آب کی طرح بستر پر کروٹوں پر کروٹیں بدل رہے تھے اور رہ رہ کر بیگم کو آوازیں دے رہے تھے اور بیگم کی طرف سے وہی گھسا پٹا جواب آتا تھا کہ ٹھہریئے جی ۔ ریحانہ، نسیمہ، فہیم، علیم، منی کو سُلاکر یا پھر دودھ پلاکر یا پیشاب کرواکے آتی ہوں۔ آخر گھڑی نے رات کے تین بجنے کا اعلان کیا تو ارشاد میاں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوکر چھلک پڑا اور انھوں نے غصیلی آواز میں کہا "اب تو مجھ سے دردِ سر برداشت نہیں ہوتا بیگم جلدی سے آجاؤ! ورنہ میرا سر پھٹ جائے گا۔"

"آرہی ہوں جی" پہلی مرتبہ بیگم نے اثبات میں لیکن آہستہ سے جواب دیا تاکہ بچے بھی نہ جاگیں اور میاں بھی سُن لے ۔ اور پھر دبے قدموں سے ارشاد میاں کے پاس آکر بولیں۔ "ایسی بھی کیا تکلیف ہے جو آپ اس طرح چیخ رہے ہیں ۔ آخر ہیں بچوں کا بھی تو خیال رکھنا چاہیئے۔"

"بچے، بچے!" ارشاد میاں نے خفگی سے کہا "یہاں شدتِ درد سے حلق خشک ہو رہا ہے اور آپ بچوں کی خدمت میں مصروف ہیں ۔ ارشاد میاں نے بیگم کو بانہوں میں بھرتے ہوئے کہا۔ "آج دو ہفتہ بعد آیا ہوں جانِ من! اور سچ پوچھئے تو تمہارے بغیر یہ دو ہفتے مجھ پر دو صدیوں کی طرح گذرے ہیں۔"

"اب بس بھی کیجئے یہ شاعرانہ باتیں!" بیگم نے شرماتے ہوئے کہا۔ "یہ بتائیے کہ درد کہاں رہا ہے؟"

"یہاں! ارشاد میاں نے بیگم کا ہاتھ تھام کر دل پر رکھ لیا اور پھر چہرے پر دھیرے دھیرے ہاتھ پھیرنے لگے تھے کہ دفعتاً بغل کے کمرے سے اُوں، اُوں ہوں کی آواز سنائی دی اور پھر چند ہی لمحوں میں سات آٹھ بلکہ دس بارہ آوازیں اُبھریں ۔ ممی، ممی، ممی، ممی ....

"چھوڑیئے جی!" بیگم نے ارشاد میاں کی بانہوں سے الگ ہوتے ہوئے کہا ۔ "رضیہ، منی، علیم، رؤف، شمیم، فہیم، جاگ چکے ہیں اور وہ مجھے نہ دیکھ کر اندھیرے سے ڈر جائیں گے" اور بیگم نے دوڑتے ہوئے بچوں کے پاس جاکر کہا ۔ "ڈرو نہیں سلیم! میں یہاں

(باقی صفحہ ۳۶ پر)

رام شاستری پربھونے

اٹھارویں صدی کے مادرِ ہند کے نامور سپوتوں کے منجملہ ایک رام شاستری پربھونے ہیں۔ جب قوم کی حالت زوال پذیر ہو تو ضروری ہے کہ رام شاستری جیسے مثالی اخلاق کے اشخاص کی یاد تازہ کی جائے تاکہ قوم میں غیرت و حمیت کے جذبات اُبھریں اور وہ اصلاحِ حال کی طرف مائل ہو اور ترقی کے راستہ پر گامزن ہونے کی بھرپور کوشش کرے۔

رام شاستری کا مہاراشٹر کے ایک غریب خاندان سے تعلق تھا۔ عام پنڈتوں کی طرح وہ تنگ نظر نہ تھا بلکہ کشادہ خیال اور منصف مزاج تھا۔ اس کا دل و دماغ عصبیت کے جذبہ سے پاک وصاف تھا۔ وہ اپنے علم و فضل اور اعلیٰ کردار نیز صداقت شعاری و فرض شناسی کی بدولت مادھو راؤ پیشوا کے عہدِ حکومت میں چیف جسٹس کے جلیل القدر عہدہ پر مامور تھا۔ وہ کہاں پیدا ہوا اور کہاں تعلیم پائی اور کس طرح اتنے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا، ان امور کا کوئی مستند مواد فراہم نہ ہوسکا۔

رام شاستری کے بے لاگ عدل و انصاف اور اخلاقی عظمت کے قصے مہاراشٹر میں زبان زدِ عام و خاص ہیں۔ وہ اپنی خدمت کی گراں بار ذمہ داریوں کے علاوہ برہمنوں کی دکشنا کا کام بھی حکماً انجام دیتا تھا۔ اس سلسلہ میں ایک روایت قابلِ ذکر یہ ہے کہ رام شاستری کا ایک بھائی تھا جو جاہل تھا۔ نانا فردنویس، وزیرِ فینانس نے رام شاستری کو خوش کرنے کی خاطر اس کے بھائی کے لئے مقررہ رقمی امداد سے کچھ زیادہ رقم کا عطیہ تجویز کیا۔ رام شاستری اس بات کا روادار نہ ہوا اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ اُس کا بھائی ایک ان پڑھ برہمن ہے اسلئے خاص رعایت کا مستحق نہیں ہوسکتا۔

ایک دوسری روایت رام شاستری کی بے نفسی اور بلند اخلاقی کی یہ ہے کہ اس کا ایک ہی بیٹا تھا جو بدقسمتی سے غبی اور بدزبان تھا۔ رام شاستری کی کوئی اصلاحی کوشش کارگر نہ ہوئی۔ بیٹا ویسے کا ویسا ہی رہا۔ ظاہر ہے کہ رام شاستری کو کیا کچھ مایوسی نہ ہوئی ہوگی۔ جب بیٹا جوانی کی عمر کو پہنچا تو رام شاستری کی دلدہی کے لئے پیشوا نے اس کے بیٹے کو جاگیر عطا کرنے کا خیال ظاہر کیا۔ رام شاستری نے شدت سے مخالفت کی اور اس حیرت انگیز طرزِ عمل کی توجیہہ یہ کی کہ جو لوگ تعلیم و تربیت سے بے بہرہ ہوں اور ناکارہ بھی ہوں تو وہ جاگیر کے اہل قرار نہیں دئے جاسکتے۔ یہ سُن کر پیشوا دنگ ہوگیا۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ رام شاستری صبح تڑکے پیشوا کے ہاں کسی کام سے گیا۔ خدمت گاروں سے معلوم ہوا کہ پیشوا کسی خاص پوجا میں مشغول ہے۔ چنانچہ وہ گھر واپس ہوگیا۔ کچھ دیر بعد رام شاستری دربار میں اس شان سے پہنچا کہ ایک ٹٹو پر اس کا بستر وغیرہ لدا ہوا تھا۔ اس نے پیشوا سے درخواست کی کہ اس کو کاشی کی یاترا کی اجازت دی جائے۔ پیشوا نے پوچھا کہ ایسا ارادہ یکایک کیوں کیا۔ رام شاستری نے جواب میں کہا کہ نہ صرف میرا بلکہ آپ کا بھی میرے ساتھ چلنا ضروری ہوگیا ہے کیونکہ آپ نے چھتریوں کا وطیرہ چھوڑ کر برہمنوں کا دستور و معمول جپ وغیرہ کا اختیار کیا ہے۔ ایسی صورت حال میں حکومت کی مسند آپ کے لئے مناسب نہیں ہے۔ چھتریوں اور برہمنوں کی زندگی کے طور طریقے اور کام کاج الگ الگ ہیں جو ایک دوسرے سے بالکل میل نہیں کھاتے۔ ان دونوں کو ایک ساتھ حسن و خوبی سے انجام دینا ممکن نہیں ہے ؎

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

حاکم کی پوجا پاٹ ہی یہ ہے کہ وہ رعایا کی نگہبانی و پرداخت و عدل گستری کرے اور اس کے دکھ درد میں شریک رہے۔ ان باتوں سے پیشوا نادم ہوا اور یہ پختہ ارادہ کیا کہ آئندہ ایسی

سعید جنگ
۵- بنجارہ ہل - حیدرآباد نمبر ۳۴

پوجائیں جو برہمنوں کے لئے مخصوص ہوں خود نہ کریگا اور جہاں تک ممکن ہو رعایا کی نگرانی و دادرسی میں اپنا وقت صرف کرے گا۔ یہ ایک ایسا تعجب انگیز واقعہ ہے کہ اس سے قطع نظر کیا جائے تو رام شاستری کی زندگی کی کہانی نامکمل رہےگی۔ اس واقعہ سے رام شاستری کی غیر معمولی اخلاقی جرأت وحق پرستی و راست گوئی اور بے لوثی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

مادھوراؤ پیشوا کی موت کے بعد نوجوان نارائن کے سر پر پیشوائی کی پگڑی رکھی گئی۔ اس کی حکمرانی کے زمانہ میں سازشوں کا بازار گرم ہوگیا۔ گاردی لوگوں نے جن کا تعلق فوج سے تھا بغاوت برپا کی اور نارائن کو قتل کر دیا۔ ایسی سنگین ترین واردات کی تحقیقات رام شاستری کو سونپی گئی۔ اس کو معلوم ہوگیا تھا کہ مقتول کا چچا رگھوناتھ راؤ قتل کا بانی ہے۔ اس پختہ کار و دلیر شخص نے رگھوناتھ راؤ سے بے دھڑک بالمشافہ کہہ دیا کہ یہ قابل ملامت کام اُسی کا ہے۔ رگھوناتھ راؤ نے بات ٹالنے کی بہت کوشش کی مگر رام شاستری اپنی بات پر ڈٹا رہا۔ آخر کار رگھوناتھ راؤ نے پہلو بچاکر اس حد تک اقرار کیا کہ صرف گرفتاری کا حکم دیا گیا تھا لیکن اس کی بیوی آنندبائی نے اس حکم میں تحریف کی چنانچہ اس طرح نارائن کا نام بڑھا دیا گیا جس سے وہ بے خبر رہا اور یہ افسوسناک واقعہ ایسی سازشش کا نتیجہ ہے۔ تاہم رگھوناتھ راؤ نے پاپ سے بچنے کے لئے بہت جتن کئے اور کفارہ ادا کرنا چاہا مگر رام شاستری نے نہایت استقلال سے یہ جواب دیکر خاموش کر دیا کہ خون کا بدلہ خون ہی ہوسکتا ہے۔ اس گفتگو کے بعد رام شاستری نے ہمیشہ کے لئے جلائی اختیار کی اور کسی گاؤں میں گمنامی میں باقی زندگی گزار دی۔

حاصل کلام یہ کہ رام شاستری کی حق بینی وحق پرستی کے واقعات جن میں ڈرامائی رنگ بھی ہے، علم اخلاقیات میں اپنا مستقل مقام رکھتے ہیں ۔

رستم رہا زمیں پہ نہ سام رہ گیا
مردوں کا آسماں کے تلے نام رہ گیا

●●

نوخواندہ افراد سے متعلق کتابوں کا انعامی مقابلہ

تعلیم اور سماجی فلاح و بہبود کی وزارت نے نوخواندہ افراد سے متعلق کتابوں او مسودوں کے ۱۸ ویں انعامی مقابلے کے لئے مصنفین کو مدعو کیا ہے۔ مقابلے کے لئے ارسال کرنے کی آخری تاریخ ۳۱ جولائی ۱۹۷۵ء ہے۔ مذکورہ مقابلے کے تحت ایک ہزار روپے کے چالیس انعامات رکھے گئے ہیں جو مختلف بھارتی زبانوں میں تقسیم کئے جا

اس مقابلے میں آسامی، بنگالی، گجراتی، ہندی، کنڑ، کشمیری، ملیالم، مراٹھی، اُڑیہ، سندھی، تامل، تیلگو اور اردو زبانوں کی تصانیف قبول کی جائیں گی۔

اس مقابلے کے انعقاد کا مقصد ایک طرف نوخواندہ افراد کے پڑھنے کے لئے آسا میں معلوماتی، دلچسپ اور مفید مواد مہیا کرنا ہے اور دوسری طرف نوخواندہ افراد کے لئے کی حوصلہ افزائی کرنا ہے۔

مذکورہ مقابلے کی تفصیلات اسسٹنٹ ایجوکیشنل ایڈوائزر (تعلیم بالغان) وزار وسماجی بہبود، کمرہ [illegible]، سی ونگ، شاستری بھون، نئی دلّی سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

نرسنگ کے چار سالہ ڈگری نصاب میں داخلہ

۳۱ مارچ تک درخواستیں پہونچ جانی چاہئیں !

مسلح افواج کے میڈیکل کالج واقع پونا میں نرسنگ کا آئندہ چار سالہ ڈگری نصاب جولائی ۱۹۷۵ء میں شروع ہوگا۔ اس نصاب میں غیر شادی شدہ، مطلقہ خواتین یا لاولد بیوائیں شرکت کرسکتی ہیں۔ ان کی عمر ۱۰ نومبر ۱۹۷۵ء کو ۱۷ اور ۲۹ سال کے درمیان ہونی چاہیئے۔ امیدوار کے پاس ہائر سیکنڈری، پری یونیورسٹی، پری ڈگری یا مساوی امتحان کی سند ہونی چاہیئے بشرطیکہ اس نے یہ امتحان فزکس کیمسٹری بائیولوجی یا حساب کے ساتھ پاس کیا ہو اور بحیثیت مجموعی ۵۰ فیصد سے کم نمبر حاصل ہوں ۔ یہ انتخاب تحریری امتحان اور ا بنیاد پر ہوگا۔

درخواستوں کے فارم ڈائرکٹر جنرل فورسز میڈیکل سروسز نئی دلّی سے مفت ہیں۔ فارموں کی مکمل خانہ پُری کے بعد ۳۱ مارچ ۱۹۷۵ء تک ڈائرکٹر جنرل میں داخل کرنا ہوگا۔

قلمی معاونین سے

اپنی تخلیقات کے خاتمہ پر یا پُشت پر اپنا ضرور تحریر فرمائیں۔ قلمی نام کے ساتھ اصل درج فرمائیں :

ناطلبیدہ مضامین کی ایک نقل اپنے پاس ضرور

بڑھ گیا ہے حد سے آگے ظلم کا آزار بھی
رونما ہونے لگے ہیں ضبط کے آثار بھی

دل میں جب آجائے دل کے خود سے ہی بیزار بھی
گر مچل جائے تو ہے آمادۂ پیکار بھی

وقت ہم سے بدگماں تو ہر کوئی ہے بدگماں
کیا کہیں، ہیں بدگماں گھر کے در و دیوار بھی

باغباں ہے موجبِ بربادیٔ گلشن مگر
باغباں سے مشتعل گل ہی نہیں، ہیں خار بھی

اِس بلا کی دھوپ میں ہم چل پڑے کچھ کم نہیں
ورنہ ممکن ہی کہاں کہ سانس لیں اک بار بھی

عشق میں شدت کہاں اب حسن میں گرمی کہاں
غم کی آندھی ہے رواں اِس پار بھی اُس پار بھی

یہ نظامِ زندگی ہے طے شدہ لیکن شفقؔ
اپنے اپنے فعل کا ہر شخص ذمہ دار بھی!

•

چندر موہن شفقؔ

بی ۱۱/۴۵ / گورنمنٹ کالونی - باندرہ (مشرقی)، بمبئی ۴۰۰۰۵۱

رحمٰن جامیؔ

1/7/930-2-12 پل کالونی، مراد نگر،
حیدرآباد 500028

•

جھانکو مرے اندر مجھے باہر سے نہ دیکھو
بدکار نظر آؤں گا منبر سے نہ دیکھو

ہوں یوسفِ کنعاں کی طرح بے سر و ساماں
لِللہ مجھے چشمِ برادر سے نہ دیکھو

محسوس کرو مجھ کو کہ میں بھی ہوں حقیقت
جھٹلاؤ نہ یوں آنکھ کے پتھر سے نہ دیکھو

ساحل پہ کھڑے لوگ تماشا ہی لگیں گے
بہتر ہے انھیں بیچ سمندر سے نہ دیکھو

چھوٹی نظر آئے گی بڑی چیز بھی تم کو
دیکھو مجھے کہسار کے اوپر سے نہ دیکھو

مل بیٹھ کے پڑھ لو مجھے اخبار کی صورت
چھپ کر کبھی چلمن سے کبھی در سے نہ دیکھو

جامیؔ کو اگر دیکھنا ہو، چاہ کے دیکھو
دنیا تمہیں کیا سمجھے گی اس ڈر سے نہ دیکھو

حکومت کو ڈیویڈینڈ کی ادائیگی

کوآپریٹیو سوسائٹیوں کو آگاہی

پچھلے احکامات کی صراحت کرتے ہوئے حکومت مہاراشٹر نے کوآپریٹیو سوسائٹیوں کو سرکاری حصۂ سرمایہ کے لئے نئی شرط رکھی ہے۔

اس کے مطابق سوسائٹی کو حکومت کو اس کے حصۂ سرمایہ پر قابلِ ادا ڈیویڈینڈ کی رقم اعلان ڈیویڈینڈ کی تاریخ سے تین ماہ کے اندر گورنمنٹ ٹریژری میں جمع کرنا ہوگی اور اس کی اطلاع ڈیویژنل جائنٹ رجسٹرار آف کوآپریٹیو سوسائٹیز نیز ڈسٹرکٹ ڈپٹی رجسٹرار آف کوآپریٹیو سوسائٹیز متعلقہ کو دینا ہوگی۔ لہٰذا جو ڈیویڈینڈ بھی حو فی الحال جمع نہیں کیا گیا ہے، احکامات کے تین ماہ کے اندر جمع کرنا ہوگا۔ اس کی عدم تعمیل کی صورت میں تاریخ مذکور پر باقی تمام سرمایہ حصص واپس لے لیا جائیگا نیز شرائط کی خلاف ورزی پر سوسائٹی کے خلاف ضابطہ کی کارروائی کی جائیگی۔

یہ شرط ان کوآپریٹیو سوسائٹیوں پر بھی لاگو ہوگی جنھیں ماضی میں سرکاری سرمایہ حصص دیا گیا ہے اور جواب تک باقی ہے۔

بینک بقایا کی وصولی

حکومت مہاراشٹر نے مہاراشٹرا اسٹیٹ کوآپریٹیو مارکیٹنگ فیڈریشن کو ہدایت کی ہے کہ وہ کپاس کے ٹینڈر داروں پر بقایا رقم قومیائے بینکوں کے حوالے کردیں۔

کپاس پیدا کرنے والے قرض داروں کی جانب سے قومیائے بینکوں کی معرفت ضروری اختیار مل جانے کے بعد ضمانتی قیمت کی زیادہ سے زیادہ پچاس فیصدی کی حد تک رقم کپاس پیدا کرنے والے اشخاص کے ذاتی کھاتے میں درج کردی جائے گی۔

حکومت نے یہ بھی ہدایت کی ہے کہ مارکیٹنگ فیڈریشن کی سہولت پر قومیائے بینکوں کو یہ ترسیل رقم اس وقت ہوگی جب کہ ریزرو بینک آف انڈیا کی جانب سے کافی سرمایہ دستیاب ہوگا۔

قوانین کی اشاعت

حکومتِ مہاراشٹر نے بمبئی بلڈنگ ریپیرز اینڈ ریکنسٹرکشن بورڈ (سالانہ رپورٹ) قوانین بابت ۱۹۷۵ء تیار کیا ہے۔ یہ قوانین حکومت کے ۱۶ر جنوری ۱۹۷۵ء کے گزٹ کے حصہ چہارم ب میں شائع ہوگیا۔

مجسٹریٹوں کو اختیارات

حکومتِ مہاراشٹر نے شری پی۔اے۔ مارکنڈوار تھرڈ جائنٹ سول جج (جونیئر ڈویژن) وجیوڈیشیل مجسٹریٹ، فرسٹ کلاس چندرپور اور شری ایس۔ جے۔ دیشمکھ، فورتھ جائنٹ سول جج (جونیئر ڈویژن) وجیوڈیشیل مجسٹریٹ، فرسٹ کلاس چندرپور کو لازمی اشیاء ایکٹ بابت ۱۹۵۵ء کے مقاصد سے ان کے حلقۂ اختیار میں خصوصی اختیارات تفویض کئے ہیں۔

ہڑتال یا تالے بندی ممنوع

حکومت مہاراشٹر نے ضلع تھانہ میں واقع میسرز جی۔جی۔ ڈانڈیکر مشین ورکس لمیٹیڈ، بھیونڈی اور ان کے ملازمین کے مابین جاری صنعتی تنازعہ کو بغرض تصفیہ شری جی۔کے۔ پاٹنکر کی صنعتی عدالت کے سپرد کردیا ہے اور اسی لئے اس سلسلہ میں ہڑتال اور تالے بندی پر پابندی لگادی ہے۔

ایکسائز لائسنسوں کی تجدید

بمبئی شراب بندی قانون نیز خطرناک ادویہ قانون کے تحت دئے گئے ایکسائز لائسنس اور پرمٹوں کی تجدید دفتر سپرنٹنڈنٹ آف پروہیبیشن اینڈ ایکسائز، اولڈ کسٹم ہاؤس بمبئی ۱ میں ۲۵ر فروری سے شروع ہوگئی ہے۔

معمولی صاف اسپرٹ گھریلو استعمال کے لئے پرمٹوں کی تجدید کے بارے میں متعلقہ اشخاص کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے راشن کارڈ یا درخواست میں دی گئی تفصیلات کی تصدیق کے لئے دیگر دستاویزات ثبوت لے کر انسپکٹر آف پروہیبیشن اینڈ ایکسائز، باندرہ اور سینئر ایکسائز اسٹیشن، نزد آپیرا ہاؤس سے رجوع کریں۔ ۱۵ر مئی کے بعد پرمٹوں کی تجدید کا کام نیز نئے پرمٹوں کی اجرائی کا کام صرف آفس آف دی سپرنٹنڈنٹ آف پروہیبیشن اینڈ ایکسائز میں ہوگا۔

شیشے کی صنعت کیلئے اُجرت پینل

حکومت مہاراشٹر نے شیشے سازی کی صنعت

بہ حالتِ ملازمت کی تحقیقات کرنے نیز اس
ازمت میں کم از کم اجرت مقرر کرنے کے لئے
کومت کو اپنی سفارش پیش کرنے کے لئے
ری آر۔ وی۔ ترپاٹھی ایم۔ ایل۔ اے۔ کی زیرصدارت
یک کمیٹی مقرر کی ہے۔

کمیٹی میں مالکان اور ملازمین دونوں کے
ندے ہیں۔

شری وی۔ وی۔ جوشی، اسسٹنٹ لیبر کمشنر،
بئی کمیٹی کے ممبر سکریٹری ہیں۔

کمیٹی سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنی رپورٹ چھ
ہ کے اندر داخل کرے۔

ثالث کو اختیارات

حکومتِ مہاراشٹر نے شری ڈبلیو۔ آر۔ واکنکر
د، جو مجوزہ ٹاؤن پلاننگ اسکیم برائے بارامتی نمبر ا
کے ثالث ہیں، ہدایت کی ہے کہ وہ اسکیم کے
تحت سڑکیں تعمیر کرنے کے لئے بعض زمینوں
پر قبضہ کرلیں۔

سائیکل رکشا منسوخ کرنے کیلئے مطالعاتی گروپ

حکومتِ مہاراشٹر نے ریاست میں سائیکل
رکشاؤں کو ختم کرنے کے لئے ذرائع و طریقے
تجویز کرنے کی غرض سے کمشنر، ناگپور ڈویژن
ناگپور کی زیرِ صدارت ایک مطالعاتی گروپ تشکیل
دیا ہے۔

گروپ سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنی رپورٹ
چھ ماہ کے اندر داخل کرے۔

کوآپریٹیو سوسائٹیوں کے قوانین

مہاراشٹر کوآپریٹیو سوسائٹیز قوانین بابت
۱۹۷۵ء جو یکم مارچ ۱۹۷۵ء سے لاگو ہونگے
غیر معمولی سرکاری گزٹ مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۷۵ء
کے حصہ ۴ ب میں شائع کردئے گئے ہیں۔

ان قوانین میں کوآپریٹیو سوسائٹیوں کے
اندراج کی فیس تنازعہ جات طے کرنے کا طریقہ
اور کوآپریٹیو عدالتوں کے ججوں کے تقررات
وغیرہ کی صراحت کی گئی ہے۔

چھوٹی بندرگاہوں کا پروگرام

حکومتِ مہاراشٹر نے ریاست میں ۴۶،۷۵
لاکھ روپے کی لاگت سے چھوٹے کام یا ماہی
گیری کی چھوٹی بندرگاہوں کے کریش پروگرام
کو منظوری دے دی ہے تاکہ کولیوں اور کھارویوں
وغیرہ جیسے سوسائٹی کے معاشی طور سے پسماندہ
طبقات کی سماجی و معاشی حالت بہتر ہو۔

مغربی ایکسپریس شاہراہ کا ہاؤسنگ پروگرام

حکومتِ مہاراشٹر نے بمبئی میں مغربی ایکسپریس
شاہراہ سے ملحقہ تعمیراتِ مکانات کے پروگرام
کو تھوڑا تھوڑا کرکے پورا کرنے کا فیصلہ کیا
ہے۔ پہلے حصہ کے طور پر گندی بستیوں کو ختم
کرنے کے تحت ۱۱۵۵ مکانات اور درمیانی
آمدنی والوں کے لئے ۳۹۲ مکانات تعمیر کئے
جائیں گے۔

اسکیم میں مختلف ہاؤسنگ اسکیموں کے تحت
خاص کر اس علاقے میں جھونپڑوں میں رہنے والوں
کے لئے ۲۳۶۷۹ مکانات تعمیر کرنے ہیں جو
کہ ۲۵۴ ایکڑ اراضی پر بسے ہیں اور جو محکمۂ دفاع
اور ریلوے کی زمینیں ہیں۔

یہ اپنی مدد آپ والی اسکیم ہے جب کہ
درمیانی آمدنی والوں کے لئے کام شروع کیا
جاچکا ہے اور اب تک جو رقم جمع کی گئی ہے
وہ گندی بستیوں کو ختم کرنے والی اسکیم کے تحت
تعمیر عمارت کے کام میں واپس لگا دی گئی ہے۔

غیر قانونی قبضہ کی زمینوں کو خالی کرانے کا
کام ۱۵ فروری سے شروع کیا جاچکا ہے اور
وہاں کے لوگوں کو کرلا۔ باندرہ علاقے میں
مہاراشٹر ہاؤسنگ بورڈ کے تیار کردہ ٹرانزٹ
کیمپ میں بھیجا جا رہا ہے۔

پونے کی حدود میں تبدیلی اعتراضات وتجاویز مطلوب

حکومتِ مہاراشٹر نے پونے میونسپل کارپوریشن
کی حدود سے بھوساری گاؤں کے بعض سروے
نمبروں کی مجوزہ علیحدگی سے متعلق اعتراضات و
تجاویز طلب کی ہیں۔

اگر کوئی اعتراض یا تجویز ہو تو وہ حکومتِ
مہاراشٹر کے سکریٹری برائے محکمہ شہری ترقیات،
صحتِ عامہ اور ہاؤسنگ کو ۱۲ اپریل ۱۹۷۵ء
تک بھیج دی جائے۔

پونے ڈویژن کے نجی ہسپتالوں کے ملازمین کو فائدہ

حکومتِ مہاراشٹر نے پونے ڈویژن میں واقع
تمام نجی ہسپتالوں اور دواخانوں میں حالتِ
ملازمت کی تحقیقات کرنے نیز اجرتوں اور دوسرے
متعلقہ معاملات میں حکومت کو مشورہ دینے کے
لئے مالکان اور ملازمین کے نمائندوں کو لے کر
شری ایم۔ بی۔ درگے، ڈپٹی لیبر کمشنر، پونے
کی زیرِ صدارت جو کمیٹی مقرر کی تھی اس کی تمام
سفارشات کو منظور کرلیا ہے۔

ہسپتالوں کے انتظامیہ کو مشورہ دیا
گیا ہے کہ ان سفارشات کو بسُرعت نافذ کریں۔

سفارشات میں اُجرتیں، خصوصی بھتہ،
کام کے اوقات، چھٹی، مستقلی، طبی سہولتیں،
رہائشی سہولتیں وغیرہ شامل ہیں۔

معذوروں کو قومی انعامات
۱۸ ملازمین اور ۹ مالکان منتخب کئے جائینگے

حکومتِ ہند اس سال جسمانی طور پر معذور مگر بہترین کارگذار ۱۸ ملازمین کو قومی انعامات عطا کرے گی جو کہ اسٹیٹ سیکٹر، پبلک سیکٹر اور پرائیوٹ سیکٹر میں چھ نابینا، چھ گونگے بہرے اور چھ جسمانی طور پر معذور کے درجوں میں آنے والے ملازمین ہوں گے۔ اس طرح متذکرہ سیکٹر میں تین نابینا، تین گونگے بہرے اور تین جسمانی طور پر معذور ملازمین کے سب سے بہتر ۹ مالکان کو انعامات دیئے جائیں گے۔

ملازمین کے انعام میں پانچ سو روپے نقد اور ایک تعریفی سند اور مالکان کو ایک چاندی کی شیلڈ اور سند شامل ہے۔

وزیرِ سماج سُدھار کی زیرِ صدارت ایک ریاستی سطح کی کمیٹی نے حال ہی میں بھیونڈی میں ایک بیٹھک کی اور اس سلسلہ میں آئی ہوئی تجاویز کی چھان بین کی اور انعامات کے لئے بعض ناموں کا فیصلہ کیا۔

اقل ترین اُجرت کمیٹی برائے پلاسٹک انڈسٹری

حکومتِ مہاراشٹر نے شری عمر قاضی، ایم۔ ایل۔ اے۔ کی زیرِ صدارت ایک کمیٹی مقرر کی ہے جو کسی بھی ایسی صنعت میں حالتِ ملازمت کا جائزہ لے گی جس میں پلاسٹک کو ٹھوس شکل میں ڈھالنے وغیرہ کا کام ہوتا ہے۔ نیز ایسی ملازمتوں میں اقل ترین اجرت پر نظرثانی کے معاملے میں حکومت کو مشورہ دے گی۔

شریمتی ایس۔ پی۔ گاؤ کونڈے، اسسٹنٹ کمشنر آف لیبر، بمبئی اس کمیٹی کی ممبر سکریٹری ہیں۔ کمیٹی کو اپنی رپورٹ چھ ماہ کے اندر حکومت کو پیش کرنی ہوگی۔

اقل ترین اُجرت پینل

حکومتِ مہاراشٹر نے گوندیا کے شری چھیدی لال گپتا کی زیرِ صدارت ایک کمیٹی مقرر کی ہے جو اینٹیں اور کویلو (ٹیراکوٹا یا مٹی کی) کی صنعت میں حالاتِ ملازمت کی تحقیقات کرے گی اور ایسی ملازمتوں میں اقل ترین اجرت مقرر کرنے کے سلسلہ میں حکومت کو مشورہ دے گی۔

شری آر۔ بی۔ چورسیا، اسسٹنٹ لیبر کمشنر ناگپور، کمیٹی کے ممبر سکریٹری ہوں گے۔

کمیٹی حکومت کو اپنی رپورٹ چھ ماہ کے اندر پیش کردے گی۔

نیشنل پارک میں گھاس چرانا منع

مجوزہ بوریولی نیشنل پارک کے علاقے میں جانوروں کو گھاس چرانے پر سختی سے پابندی لگا دی گئی ہے۔ چونکہ کافی بڑی تعداد میں مویشی وہاں گھومتے دیکھے گئے ہیں اس لئے ڈویژنل فاریسٹ افسر نے خبردار کیا ہے کہ اگر وہ مویشی ۱۵ دنوں کے اندر وہاں سے نہ لے جائے گئے تو انھیں حکومت کی ملکیت میں لے لیا جائے گا۔

سُناروں کو متبادل روزگار

نامزد افراد کو بطور متبادل روزگار بھرتی رعایت دینے کی غرض سے ایسے اشخاص کے لئے جو گولڈ کنٹرول آرڈر سے متاثر ہوئے ہیں، یہ ضروری ہے کہ وہ اس امر کا سرٹیفکیٹ پیش کریں کہ وہ ضعیف العمری کے باعث اس رعایت سے استفادہ کے قابل نہیں ہیں نیز انھوں نے جن افراد کو نامزد کیا ہے وہ ان کے رشتہ دار ہیں اور ان پر انکی گذر بسر کا انحصار ہے۔

بمبئی علاقے میں ایسے سُناروں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اس سرٹیفکیٹ کے لئے جوائنٹ ڈائرکٹر آف انڈسٹریز، گرنٹر بمبئی، اولڈ کسٹم ہاؤس یارڈ، بمبئی کو لکھیں نہ کہ کلکٹر بمبئی یا انڈسٹریز کمشنر، بمبئی کو جیسا کہ وہ قبل ازیں کرتے تھے۔

نیوی گیشن اینڈ مرین انجنیرنگ کورس میں داخلہ ۳۱ مارچ تک درخواستیں دیدی جائیں

غیر شادی شدہ مرد امیدواروں سے نیوی گیشن اور مرین انجنیرنگ کورسوں میں داخلہ کے لئے درخواستیں اسسٹنٹ ڈائرکٹر جنرل آف شپنگ (ٹریننگ) جہاز بھون، والچند ہیراچند مارگ، بمبئی ۱....۴۰۰ نے ۳۱ مارچ ۱۹۷۵ء تک طلب کی ہیں۔

درخواستوں کے فارم نیز کورسوں کے بارے میں معلومات مذکورہ اسسٹنٹ ڈائرکٹر آف شپنگ سے ۲۴ مارچ تک حاصل کی جاسکتی ہیں۔

حکومتِ مہاراشٹر نے ۱۹۷۴-۷۵ء میں خریف فصل کو زبردست نقصان پہنچنے کے باعث ضلع قلابہ کے ۴۳۵ دیہاتوں میں حالتِ قلت کا اعلان کردیا ہے۔

بقیہ غلطی ہماری ہے!

تمہارے پاس ہوں بیٹے۔ دیکھو کتنی رات ہوگئی ہے۔ چلو جلدی سے سو جاؤ۔ ورنہ کالا دیو پکڑ کر لے جائیگا۔"

بیگم نے ایک ایک بچے کو تھپک کر، ڈرا دھمکا کر سُلا دیا اور پھر ارشاد میاں کے پاس آئیں تو وہ بہت جھکی تھی اور ارشاد میاں بیگ ہاتھ میں لئے تیار کھڑے تھے۔ انھوں نے بیگم کو غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔

" غلطی ہماری ہے بیگم: بے شک غلطی ہماری ہے۔"

اور وہ فوراً باہر نکل گئے۔ ●●

جدید موضوعات کی تعلیم مادری زبان میں فراہم کی جائے !
صدر ترقیٔ اردو بورڈ کا اظہارِ خیال

مرکزی وزارتِ تعلیم و سماجی بہبود کے ماتحت ادارہ ترقیٔ اردو بورڈ کے چیرمن پروفیسر عبدالعلیم نے بمبئی میں ۲۴ر فروری کو اس بات پر زور دیا کہ ملک کی ترقی اور تہذیب کی بقا کے لئے ضروری ہے کہ جدید اور سائنسی مضامین کی تعلیم مادری زبان میں فراہم کی جائے۔

انھوں نے بتایا کہ ترقی اردو بورڈ کے زیرِ اہتمام اردو ڈکشنری کی تیاری تیزی سے جاری ہے نیز ایک بڑی اردو ڈکشنری اور اردو انگلش ڈکشنری کا کام دہلی میں ہو رہا ہے جبکہ ایک اسٹوڈنٹس ڈکشنری بمبئی میں تیار کی جارہی ہے۔

پروفیسر عبدالعلیم نے ترقیٔ اردو بورڈ کی سرگرمیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ اس ادارے کے زیرِ اہتمام مختلف مضامین پر ۶۰ کتابیں چھپ چکی ہیں اور مزید ۴۰ کتابیں زیرِ طباعت ہیں۔

اُردو کتابت کے مرکز کا افتتاح

ترقیٔ اردو بورڈ کے صدر پروفیسر عبدالعلیم نے بمبئی میں ۲۴ر فروری کو بورڈ کے قائم کردہ اردو کتابت کے مرکز کا افتتاح کیا۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ ترقی اردو بورڈ اُردو میں درسی ادب کی ترتیب و تدوین کا کام بڑی تندہی سے سرانجام دے رہا ہے۔ علم و ادب کے مختلف شعبوں سے متعلق تکنیکی اصطلاحات کے فروغ کی کوششیں جاری ہیں۔

پروفیسر عبدالعلیم نے بتایا کہ جلد ہی سرینگر، پٹنہ اور لکھنؤ میں بھی اُردو کتابت کے مرکز قائم کیے جائیں گے۔ دلّی اور حیدرآباد میں ایسے مراکز پہلے ہی سے موجود ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہر مرکز میں اُردو رسم الخط کی بہتر طباعت کو فروغ دینے کے لئے ایک سال کی مدّت میں تقریباً ۲۵ طلبہ کو تربیت دی جائے گی۔

پروفیسر موصوف نے بچّوں کے ادب اور پاپولر سائنس لٹریچر کے فروغ پر زور دیا۔

انجمن اسلام بمبئی کے چیرمن شری اے۔ کے حافظکا نے اپنی استقبالیہ تقریر میں ترقی اردو بورڈ کے قیام کی تاریخ پر روشنی ڈالی۔ موصوف نے ریاستی حکومت کے اس اعلان کا خیر مقدم کیا کہ بمبئی میں جلد ہی ایک اردو اکاڈمی قائم کی جائے گی۔

انجمن اسلام کے جنرل سکریٹری شری ایس ایس۔ دسنوی نے ترقی اردو بورڈ کی سرگرمیوں اور پیشقدمیوں کو سراہا۔ ترقی اردو بورڈ نے مختلف مترجمین کو تقریباً سات سو کتابوں کے ترجمہ کا کام سونپا ہے اور اب تک اس ادارے کی سرپرستی میں ساٹھ کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ تقریباً ۳۰ کتابیں زیرِ اشاعت ہیں، اور ساٹھ مسودے طباعت کیلئے تیار ہیں۔ مذکورہ بورڈ حوالے کی کتابیں اور ابتدائی درسی کتب بھی شائع کر رہا ہے

تعلیم یافتہ بیروزگاروں سے متعلق حکومتِ مہاراشٹر کی اسکیمیں

مرکزی وزیرِ مملکت برائے منصوبہ بندی شری ودیا چرن شکل نے شری مدھو ڈنڈوتے کے سوال کا تحریری جواب دیتے ہوئے ۱۹ر فروری کو لوک سبھا میں بتایا کہ روزگار کے فروغ سے متعلق پروگرام برائے ۷۵-۱۹۷۴ء کے تحت حکومتِ مہاراشٹر نے جو چار اسکیمیں پیش کی ہیں وہ ۹۹،۳۷۱ لاکھ روپے کے مجموعی مصارف کے ساتھ منظور کر لی گئی ہیں۔

وزیرِ موصوف نے مزید بتایا کہ حکومتِ مہاراشٹر نے منصوبہ بندی کمیشن کے روبرو چھ اسکیمیں پیش کی تھیں جو تعلیم یافتہ بے روزگاروں کو روزگار کے مواقع کی فراہمی سے متعلق تھیں۔
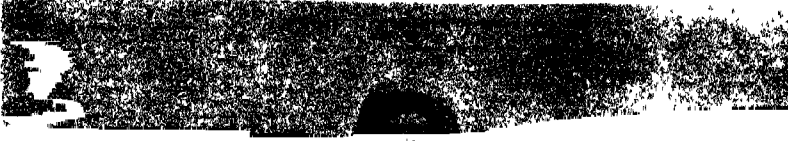
شریمتی لیلا بائی رگھو ونشی

گذشتہ ربیع فصل کے دوران فی ہیکٹر ۹۸ کوینٹل سے زیادہ گیہوں پیدا کرنے پر دھولیہ ضلع میں نندوربار تعلقہ کی شریمتی لیلا بائی رگھو ونشی (پردیشی) کو ریاستی ایوارڈ دیا گیا۔ انھوں نے خریف فصل میں بھی اپنے کھیتوں سے باجرہ، جوار، چاول، گنا، کپاس اور سورج مکھی کی بہت عمدہ فصلیں حاصل کیں۔

مہاراشٹر میں روزگار کی ضمانت کی اسکیم

مہاراشٹر سرکار نے منصوبہ بندی کمیشن کو روزگار کی ضمانت کی ایک اسکیم پیش کی ہے جس پر ۵۰ کروڑ روپے کی لاگت آئے گی۔

وزیر مملکت برائے منصوبہ بندی شری ودیا چرن شکل نے ۱۹ فروری کو یہ اطلاع لوک سبھا کو دی۔ وزیر موصوف شریمتی روزا ودیا دھر دیشپانڈے کے سوال کا تحریری جواب دے رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ اس اسکیم کا مقصد اس طرح کے روزگار کے مواقع فراہم کرنا ہے جن کے نتیجے میں پیداوار میں معاون اثاثہ جات کی بنیاد قائم ہو سکے۔ انھوں نے کہا کہ کمیشن نے اس اسکیم کے بنیادی ڈھانچے سے اتفاق کر لیا ہے۔

ہندی شاعر شری دھومل کی وفات

پردھان منتری کا تعزیتی پیغام

پردھان منتری شریمتی اندرا گاندھی نے ہندی شاعر شری دھومل کی وفات پر درج ذیل پیغام ارسال کیا ہے:

" ہندی کے جواں سال اور قابل شاعر شری شدا ما پرساد پانڈے 'دھومل' کی وفات کی خبر سن کر مجھے دلی صدمہ پہنچا ہے۔ اُن کی رحلت سے ہندی کے ادبی حلقے کو جو نقصان پہنچا ہے میں اُسمیں برابر کی شریک ہوں اور شری دھومل کے پسماندگان سے ہمدردی اور تعزیت کا اظہار کرتی ہوں "

پردھان منتری نے اُتر پردیش کے چیف سکریٹری کے توسط سے شری دھومل کے کنبے کی فوری راحت کیلئے ڈھائی ہزار روپے ارسال کئے ہیں۔

لاتور میں جیونائل کورٹ

حکومت مہاراشٹر نے ضلع عثمان آباد کے مقام لاتور میں ایک جیونائل کورٹ قائم کیا ہے۔

نیز ریاستی حکومت نے شریمتی ایس۔ جے۔ واگھمارے اور شریمتی کے۔ ایس۔ بوڈکے کو جیونائل کورٹ کیلئے آنریری مجسٹریٹ درجہ دوم مقرر کیا ہے۔

شراب بندی کے واقعات

بمبئی عظمیٰ پولس کے شعبۂ شراب بندی نے ۱۳ فروری کو ختم ہونے والے ہفتہ کے دوران ۹۱۳ واقعات کا پتہ لگایا، ۳۴۵ افراد کو گرفتار کیا اور ۴۶۴۴ لیٹر ناجائز شراب ضبط کی۔

اسی طرح ۶ فروری کو ختم ہونیوالے ہفتہ کے دوران ۸۴۸ واقعات کا پتہ لگایا، ۲۹۰ افراد کو گرفتار کیا اور ۵۸۱۰ لیٹر ناجائز شراب ضبط کی۔ ●●

ہارا شٹر بجٹ برائے سال ۷۶-۱۹۷۵

م اور زبردست اقدام .... ضمانتِ روزگار محصول

مہاراشٹر کے وزیر مالیات شری مدھوکر راؤ چودھری بمبئی میں ۱۰ مارچ کو ریاستی لیجسلیٹو اسمبلی میں ۷۶-۱۹۷۵ء کا بجٹ پیش کرنے جارہے ہیں، اس وقت لی گئی تصویر۔ داہنی طرف محکمۂ مالیات کے سکریٹری شری پی۔ ڈی۔ کسبیکر بھی دکھائی دے رہے ہیں۔

وزیر مالیات شری ایم۔ ڈی۔ چودھری
ج کو مہاراشٹر اسمبلی میں ۷۶-۱۹۷۵ء
یش کیا ہے اس میں ریاست کی دیہی
انت کی اسکیم پر عملدرآمد کے لئے
پے کی رقم حاصل کرنے کی خاطر
رگار محصول" عائد کرنے کا ایک
ست قدم اٹھایا گیا ہے۔

ول کا مقصد غریب اور محروم انسانوں
ل افراد کی ذمّہ داریوں کو پورا کرنا ہے۔
ن تمام تاجروں کے سیلس ٹیکس پر چھ
ج عائد کیا جائے گا جن کا سالانہ
اکھ روپے سے زائد کا ہے۔
کے تیل، ماچس، گھاسلیٹ، بناسپتی،
اشیاء کو اس سرچارج سے مستثنیٰ

.

، روزگار محصول کی دوسری صورتیں یہ ہونگی:
ل پر سرچارج۔ پچاس روپے تا
پے تک۔
ر تنخواہ دار افراد پر ٹیکس۔
لی زمینوں پر محصولِ اراضی کا سرچارج۔
ں کے ٹیکس پر سرچارج وغیرہ۔
یکسوں اور سرچارج وغیرہ سے حکومت
روڑ روپے ملیں گے۔

[صفحہ ۳ پر جاری]

قومی راج

جلد : ۲ ۱۶ مارچ ۱۹۷۵ء شمارہ : ۶

قیمت فی پرچہ : ۵۰ پیسے * سالانہ : ۱۰ روپے

زیرنگرانی : خواجہ عبدالغفور آئی۔اے۔ایس

ترسیل زر اور مراسلت کا پتہ :

ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومتِ مہاراشٹر، سچیوالیہ بمبئی ۳۲...۴۰۰

فہرست

سخنہائے گفتنی

مہاراشٹر کے تازہ ترین بجٹ میں ضمانتِ روزگار اسکیم کی کامیابی کے لئے پہلی بار ٹیکس عائد کیا گیا ہے۔ اس ٹیکس کا مقصد یہ ہے کہ سماج کے خوشحال اور زیادہ خوش قسمت طبقے سے دیہی علاقوں کے غریب اور بے روزگار انسانوں کے لئے تعاون حاصل کیا جائے۔ ضمانتِ روزگار اسکیم، جو ملک میں بے روزگاری کے خاتمہ کے لئے اپنی نوعیت کی اوّلین اور منفرد کوشش ہے، سوشلزم کی منزل کی جانب مہاراشٹر کا ایک مثالی قدم ہے جس کی کامیابی کے لئے سماج کے ہر طبقے کو ہر ممکن مدد دینی چاہیئے۔ اس اسکیم کے لئے مالی امداد کی فراہمی کی ذمّہ داری ریاستی اور مرکزی حکومت کے سر تو ہے ہی، شہری طبقہ کی اس ذمّہ داری میں شمولیت اس کے لئے باعثِ امتیاز ہے۔

اسی بجٹ میں اُردو اکاڈمی کے لئے ایک لاکھ روپے کی رقم منظور کی گئی ہے۔ اُردو والوں کے لئے مسرّت اور اطمینان کا مقام ہے کہ مہاراشٹر کے نئے وزیر اعلیٰ نے اُردو سے اپنی دلچسپی اور محبت کا اتنا گہرا اور عملی ثبوت دیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس رقم سے ریاست میں اُردو کی ترقی کا کام تیز تر ہوگا، اور اُردو کی ترویج و ترقی جو اب تک ایک آرزو رہا کرتی تھی، ٹھوس شکل اختیار کرے گی۔

قارئینِ "قومی راج" اُردو اکاڈمی کے سلسلے میں اپنے خیالات اور مشوروں سے ہمیں نوازیں تو عنایت ہوگی۔

خواجہ عبدالغفور

آمد اور سرمایہ کے کھاتے میں ۳۲ء ۳۷ روپے کے خسارے کے باوجود بجٹ میں کھ روپے فاضل بتائے گئے ہیں۔ ایسا ممکن ہوا ہے کہ تقریباً ۲۵ کروڑ روپے ید ٹیکس لگائے گئے ہیں اور انکم ٹیکس ٹرل ایکسائز ڈیوٹیز میں ریاستی حکومت کا بڑھایا گیا ہے۔

بجٹ میں آمد ۴۸ء ۸۹۰ کروڑ روپے ج ۲۱ء ۸۸۵ کروڑ روپے بتایا گیا ہے۔ ج ۲۷ء ۵ کروڑ روپے کی بچت بتائی گئی سرمایے کے کھاتے میں وصولی ۶۵ء ۳۶۴ روپے، خرچ ۲۴ء ۴۰۷ کروڑ روپے ارہ ۵۹ء ۴۲ کروڑ روپے بتایا گیا ہے۔

وزیر مالیات نے جن کارروائیوں کا اعلان ان میں سے کچھ اس طرح ہیں:

- ریاستی اور ضلع پریشدوں کے ملازمین نگائی بھتے میں اضافے کے لئے پندرہ روپے۔
- پنشن میں اضافہ جو ۱۰ روپے تا ۲۰ ہوگا۔
- دس ہزار روپے تک انشورنس کو۔ یا ان دوگل سالہ گورنمنٹ ملازمین۔

وزیر مالیات نے بتایا کہ ۱۹۷۵ء سے پیداوار کا نشانہ بڑھا کر ۸۵ لاکھ من مقرر ہے۔

اس مقصد کے حصول کی غرض سے زرعی م پر کئے جانے والے اخراجات بڑھا کر ۴۸ کروڑ روپے کر دئے گئے۔ یہ رقم سال کے اخراجات سے ۹ کروڑ روپے ہے۔

ضمانتِ روزگار اسکیم ملک میں اپنی نوعیت کی واحد اسکیم ہے جو ریاستی حکومت نے تیار کی ہے۔ اس کے تحت دیہی علاقوں کے ان تمام بے ہنر افراد کو نفع بخش روزگار فراہم کئے جائیں گے جو کام چاہتے ہیں اور معمول کے مطابق کام کرنے کو تیار بھی ہیں مگر انھیں نہیں ملتا!

گورنر علی یاور جنگ نے اسمبلی کے دونوں اجلاس میں اپنے حالیہ خطبے میں یہ کہا تھا کہ ان کی حکومت اسکیم کو اوّلیت اور بے حد اہمیت دیتی ہے اور اس بارے میں ناکامی قطعی نہیں چاہتی۔

پیشہ ور افراد، تاجروں اور تنخواہ داروں پر ۵۰ روپے تا ۲۵۰ روپے سالانہ کا جو ٹیکس لگایا گیا ہے وہ ان ڈاکٹروں، وکیلوں، چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ، آرکی ٹیکٹ اور ٹیکنیکل مشیروں پر کاروبار شروع کرنے کے پہلے دو سالوں میں عائد

مشہ ور افراد پر عائد کیا جانیوالا کم از کم ٹیکس ۵۰ روپے ہے۔ اس سطح پر ٹیکس ادا کرنے والوں کی آمدنی کو مدنظر رکھتے ہوئے تنخواہ داروں پر حسب ذیل شرح سے ماہانہ ٹیکس عائد کیا گیا ہے:

تنخواہ روپے		ٹیکس روپے
تا ۵۹۹	... ...	۴
۶۰۰ تا ۷۹۹	... ...	۶
۸۰۰ تا ۹۹۹	.. ...	۸
۱۰۰۰ تا ۱۱۹۹	... ...	۱۱
۱۲۰۰ تا ۱۴۹۹	... ...	۱۵
۱۵۰۰ اور اس سے زائد	...	۲۰

نہیں ہوگا لیکن بعدازاں انھیں یہ محصول ادا کرنا ہوگا۔

ریاست میں میونسپل کارپوریشن والے علاقوں میں پانچ سال پرانے پیشہ وروں کو سالانہ ڈیڑھ سو روپے محصول دینا ہوگا اور جو لوگ پانچ سال سے زیادہ عرصے تک کسی پیشے میں ہیں انھیں سالانہ ڈھائی سو روپے ادا کرنے ہوں گے۔

دوسرے علاقوں میں پانچ سالہ پیشہ وروں کو سالانہ پچاس روپے اور پانچ سال سے زائد والوں کو ڈیڑھ سو روپے ادا کرنے ہوں گے۔

ریس سے متعلق کتابیں چھاپنے والوں اور ریس کے گھوڑوں کو تربیت دینے والوں، فلمی صنعت کے افراد، اسٹاک ایکسچینج کے ارکین، اشیاء کے بازاروں میں مسلمہ ایسوسی ایشنوں، چھوٹے بڑے کارخانوں کے مالکوں، دوکانداروں، سیلس ٹیکس قانون کے تحت رجسٹرشدہ تاجروں، پٹرول پمپ کے مالکوں، غیر ملکی شراب کی دوکانوں، رہائشی ہوٹلوں، سنیما گھروں، سودخوروں، ٹرکوں اور بسوں کو کرایے پر حاصل کرنے والے پرمٹ ہولڈروں اور ایسے تمام تنخواہ دار افراد جن کی ماہانہ آمدنی چارسو روپے ہے، اُن پر یہ محصول عائد ہوگا۔

عام استعمال کی اشیاء مثلاً گھاسلیٹ، کھانے کے تیلوں، بناسپتی، پان، ماچس، پندرہ روپے تک کی قیمت والے مشین کے بنے ہوئے جوتوں اور زرعی مشینوں کو سرچارج سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔

نجی کاروں کے مالکوں سے وصول کیا جانے والا موٹر گاڑیوں کے ٹیکس پر سرچارج اس طرح ہوگا:

غیر ملکی گاڑیوں پر ۱۰۰ فیصدی
اور دیگر گاڑیوں پر ۲۵ فیصدی

بجٹ کی چند دیگر خصوصیات حسب ذیل ہیں :

اُردو اکاڈمی

ریاست کے اندر اردو کے ادیبوں اور اداروں کی امداد نیز اردو اور مراٹھی کے ادیبوں میں تخلیقی خیالات کے تبادلے کی ہمت افزائی کی غرض سے ایک اردو اکاڈمی قائم کرنے کے لیۓ بجٹ میں ایک لاکھ روپے رکھے گئے ہیں۔ شری ایم۔ ڈی۔ چودھری نے بجٹ پیش کرتے ہوئے اسمبلی کو بتایا کہ وزیر اعلیٰ نے اپنے پہلے 'پالیسی اعلان' کے دوران اس قسم کی ایک اردو اکاڈمی کے قیام کا اعلان کیا تھا۔
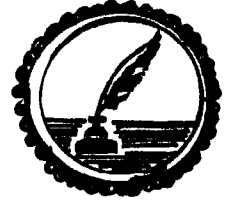
مقامی ترقیاتی کام

جب سے منصوبہ بندی کا کام ہمارے ملک میں شروع ہوا تب سے مقامی ترقیاتی کام کا پروگرام بھی جاری کیا گیا۔ تاہم جب یہ کام کمیونیٹی ڈیولپمنٹ بلاک کے ذریعے کیا جانے لگا تو اس کام کی تیزی بہت حد تک کم ہوگئی۔ چنانچہ حکومت نے فیصلہ کیا کہ اس کام کو از سرِ نو شروع کیا جائے تاکہ عوام شرم دان وغیرہ کے ذریعے جوش و خروش کے ساتھ اس میں حصہ لے سکیں۔ یہ پروگرام پنچایت سمیتی کے ذریعے شروع کیا جائے گا اور اس مقصد کے لئے ۱۰٫۴۷ کروڑ روپیوں کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

بجلی کی پیداوار اورسپلائی

بجلی کی پیداوار اور سپلائی ایک اہم ریاستی پروگرام ہے۔ چنانچہ بجٹ میں آئندہ سال کے لئے ۸۵٫۷۸ کروڑ روپیوں کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ دیہی الیکٹریسٹی منصوبہ میں ۷ کروڑ روپیوں کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں بورڈ ۸ کروڑ روپیوں کا قرض قومیائے گئے بینکوں سے حاصل کریگا تاکہ مکمل پروگرام پر کُل لاگت ۱۵ کروڑ روپیوں تک کی ہوسکے۔
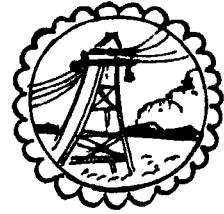
یہ محسوس کیا گیا ہے کہ ادیباسی علاقے بجلی کے تعلق سے پسماندہ رہ گئے ہیں۔ چنانچہ نئی اسکیم کے تحت آئندہ سال تقریباً ۵۰ لاکھ روپے ادیباسی علاقوں میں بجلی کی فراہمی کے لئے خرچ کئے جائیں گے۔

ڈیری ترقی

معاشی تبدیلی کے لئے ڈیری فارمنگ کی اہمیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے حکومت نے اس کی ترقی پر خاص توجہ دی ہے چنانچہ سالِ رواں میں ۲٫۱۳ کروڑ روپیوں کی بجائے اگلے سال اس پر ۴٫۴۱ کروڑ روپے خرچ کئے جائیں گے تاکہ موجودہ ۱۱ لاکھ لیٹر استعداد کی بجائے ۱۶ لاکھ لیٹر دودھ حاصل کیا جا سکے۔ کُرلا ڈیری جس سے ۴ لاکھ لیٹر دودھ حاصل کیا جاسکے گا اس سال کام شروع کرسکے گی۔ چلنگ پلانٹس اکلوج، بیڑ، ایوت مال اور اودگیر میں قائم کئے جائیں گے۔ دودھ پاؤڈر کارخانہ عنقریب جلگاؤں میں قائم کیا جائیگا۔ عثمان آباد، دھولیہ اور ناگپور ضلعوں میں دودھ پاؤڈر کے کارخانے بنانے کا کام آئندہ سال شروع کیا جائے گا۔

آبپاشی

اگلے سال کے منصوبے میں آبپاشی کے لئے ۳۸٫۳۷ کروڑ روپیوں کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اسٹیٹ

اور لوکل سیکٹروں میں مزید ۱ء۸۱ لاکھ ہیکٹر زمینیں سیراب کی جائیں گی۔

کھانے کے تیل کی پیداوار

اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ مہاراشٹر میں کھانے کے تیل کی قلت ہے، حکومت نے آئل سیڈ کارپوریشن کی تشکیل کی ہے تاکہ اس قلت کو دور کیا جاسکے۔ حکومت نے کارپوریشن کے سرمائے میں حصہ لینے کی غرض سے ۱ء۲۵ کروڑ روپیوں کی گنجائش رکھی ہے۔

امدادِ باہمی سیکٹر میں کھاد کا کارخانہ

امدادِ باہمی سیکٹر کے ذریعے ریاست میں مہاراشٹر اسٹیٹ کوآپریٹیو کیمیکل اینڈ فرٹیلائزر کارخانہ قائم کیا گیا ہے اور اس کی تعمیر کا کام ابتدائی مرحلوں سے گذر رہا ہے۔ بجٹ میں ۷۵ لاکھ روپیوں کی گنجائش اس کارخانے کے سرمایے میں لگانے کے لئے رکھی ہے۔

نیا تعلیمی نظام

حکومت نے تعلیمی نظام میں تبدیلی کی غرض سے اعلیٰ ثانوی تعلیم کا نظام بدل کر (۱۰+۲+۳) کر دیا ہے بجٹ میں اس تبدیلی کے لئے ۴ کروڑ روپیوں کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

مہاراشٹر اسٹیٹ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن

مہاراشٹر اسٹیٹ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن کو اس سال ڈیزل، ٹائرز اور دیگر ضروری اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ کی وجہ سے کافی خسارہ اٹھانا پڑا ہے۔ چنانچہ اپنی مالی حالت ٹھیک کرنے کی غرض سے کارپوریشن نے کرایوں میں اضافہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ حکومت نے اپنی طرف سے پسنجر ٹیکس میں تخفیف کرنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ کرایے سے حاصل ہونے والا مکمل منافع کارپوریشن کو حاصل ہو سکے۔

دیہی اور شہری پانی کی فراہمی

اس منصوبہ میں دیہی پانی فراہمی پروگرام کے لئے ۸ء۸۷ کروڑ روپیوں کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ آئندہ سال تک ۴۵۰۰ دیہاتوں میں پینے کے پانی کا مسئلہ حل کر لیا جائیگا۔ بجٹ میں ۸ء۹۵ کروڑ روپیوں کی گنجائش شہری پانی فراہمی کیلئے رکھی گئی ہے۔

قبائلی ضمنی منصوبہ

مرکزی پنجسالہ منصوبے میں مالی طور پر کمزور طبقوں کی ترقی پر خاص توجہ دی گئی ہے تاکہ وہ قوم کے اعلیٰ طبقوں کے مقابل کھڑے ہوسکیں۔ اس مقصد کے مدنظر حکومت نے ایک قبائلی ضمنی منصوبہ اُن ضلعوں کے منصوبوں کے ساتھ مربوط کیا ہے جن میں ادیباسیوں کی آبادی زیادہ ہے۔ اس ضمنی منصوبہ کے لئے تقریباً ۱۵ کروڑ روپے خرچ کئے جائیں گے۔

مغربی گھاٹ ترقیاتی پروگرام

گورنر نے اپنے خطبے میں مغربی گھاٹ کے ترقیاتی کام کا پروگرام تیار کرنے کے لئے حکومت ہند کی قائم کردہ ہائی پاور کمیٹی کا اور کمیٹی کے کام کا ذکر کیا ہے۔ کمیٹی کے تجویز کردہ پروگرام کو عمل میں لانے کے لئے ایک کروڑ روپے کی گنجائش بجٹ میں رکھی گئی ہے۔

بجٹ ایک نظر میں

کروڑ روپے میں

	۱۹۷۴-۷۵ء بجٹ	۱۹۷۴-۷۵ء نظرثانی شدہ تخمینے	۱۹۷۵-۷۶ء بجٹ
ریونیو کا کھاتہ :			
آمدنی	۷۲۴،۵۱	۷۷۴،۹۳	۸۹۰،۴۸
اخراجات	۷۴۲،۲۶	۷۴۲،۷۸	۸۸۵،۲۱
	۱۷،۷۵ (-)	۳۲،۱۵ (+)	۵،۲۷ (+)
کیپٹل کا کھاتہ :			
آمدنی	۴۹۵،۸۹	۵۳۷،۵۴	۵۶۴،۶۵
اخراجات	۴۹۹،۹۲	۵۶۵،۴۸	۶۰۷،۲۴
	۴،۰۳ (-)	۲۷،۹۴ (-)	۴۲،۵۹ (-)
مجموعی :			
آمدنی	۱۲۲۰،۴۰	۱۳۱۲،۴۷	۱۴۵۵،۱۳
اخراجات	۱۲۴۲،۱۸	۱۳۰۸،۲۶	۱۴۹۲،۳۵
	۲۱،۷۸ (-)	۴،۲۱ (+)	۳۷،۲۲ (-)

تجسس کی صدی

رباعیات

افلاک ہیں تنہا، نہ زمیں ہے تنہا
ہے ماہ نہ یہ مہرِ مبیں ہے تنہا
ہیں تیرے مصاحب تو زماں اور مکاں
تنہا نہیں، تنہا نہیں، تو نہیں ہے تنہا

جو فکر میں زہرِ غم سمو دیتا ہے
جو لذّتِ احساس کو کھو دیتا ہے
تنہا وہ ہے جو عقل و وجداں کا جمال
ہیجان کے بحر میں ڈبو دیتا ہے

تاروں بھری سرد رات ہے تیرے لئے
کرنوں کی سجی برات ہے تیرے لئے
تنہائی تو ہے شکست خوردگی کا احساس
ساری یہ کائنات ہے تیرے لئے

یہ کرب جو دن رات تجھے رہتا ہے
یہ رنج جو ہر نفس میں تو سہتا ہے
انسان کی روحِ کامرانی کی قسم
آزار ہے، اک فرار ہے، دھوکا ہے

ہستی کا یہ عطرِ سرخوشی ہے پیارے
قرنوں کی یہ روحِ زندگی ہے پیارے
یہ لمحۂ حاضر جو تجھے حاصل ہے
یہ لمحہ تو صدیوں کی صدی ہے پیارے!

ہر سانس اِک پیکِ زندگی ہے پیارے
ہر گام اک میلِ آگہی ہے پیارے
ہر ثانیہ فکر کا ہے اک قرنِ عظیم
ہر لمحہ تجسس کی صدی ہے پیارے

رباعیات

ساغر نظامی
DE 359، پنڈارا روڈ، نئی دہلی۔ 3

چیف منسٹر سے ایک پرانی ملاقات

آپریشن کے بعد ہسپتال سے نکلے ہوئے مجھے دو چار دن ہوئے تھے۔ دن نکلا نہ تھا کہ وزیرِ صحت ڈاکٹر رفیق زکریا کی گاڑی لینے آئی اور میں ان کے گھر جانے کے لئے نکل پڑا۔

۱۸ر جنوری ۱۹۶۹ء ۔ طے پایا کہ جن لوگوں کے ناموں کا اعلان ہو چکا ہے وہ بہرصورت اورنگ آباد پہنچائے جائیں۔ ساحر لدھیانوی اور میوزک ڈائرکٹر خیام کار سے روانہ ہوئے۔ ودیا دھر گوکھلے ریل سے۔ دوسرے مہمان بھی ریل سے چلے۔ سرجن ڈاکٹر مینڈھا نے فتوا دیا کہ ظ۔ انصاری نہ کار سے سفر کر سکتے ہیں، نہ ریل سے۔ راتوں رات ننھے منے سے ہوائی جہاز کا بندوبست ہوا۔ نور کے تڑکے ایک کار میں آبپاشی اور بجلی کے وزیر شنکر راؤ چوان، ڈاکٹر رفیق زکریا (جو اس برات کے دولھا تھے) اور یہ فقیرِ بے نوا ہوائی اڈے کی جانب روانہ ہوئے۔ میں نے محسوس کیا کہ غالب کے جشن میں جاتے وقت بھی دونوں منسٹر سیاسی اٹھا پٹک کی باتیں کیے جا رہے ہیں تو رہا نہ گیا۔ عرض کیا کہ صاحب! بمبئی سے دلی کتنی دور ہوگا جواب ملا، یہی کوئی ہزار میل۔ میں نے شنکر راؤ چوان سے (جن سے ڈاکٹر زکریا نے تھوڑی دیر پہلے ہی روشناس کرایا تھا) کہا کہ یہ باتیں تو آپ ہزار میل کے فاصلے پر بیٹھے بیٹھے بھی کر سکتے ہیں ـــ اور کریں گے ضرور۔

مطلب میرا یہ تھا کہ چوان صاحب اور زکریا صاحب کے درمیان دلی اور بمبئی کا فاصلہ ہونے والا ہے۔ وہ سمجھ گئے میرا اشارہ۔ کہنے لگے: اگر یہ (یعنی زکریا صاحب) ایسا ہی چاہتے ہیں تو ہم کب روک سکتے ہیں۔ دلی بھیج دیں گے انھیں۔

ہوائی جہاز کی ایک سواری اپنے ڈیل ڈول سے زیادہ بھاری بھرکم بول ڈول لیے ہوئے پہلے ہی وہاں موجود تھی۔ بھلا کون ہوں گے؟
ـــ نگم صاحب: شیام کشن نگم۔

ہوائی جہاز نے اٹھان کی تو چوان صاحب نے مڑ کر مجھ سے پوچھا: آپ بیمار رہے ہیں، کچھ تکلیف تو نہیں؟

انھوں نے ایسے عمدہ اردو لہجے میں پوچھا کہ تکلیف تھی بھی تو جاتی رہی۔

ہر مرض کی دوا درود شریف

اورنگ آباد کے ہوائی اڈے پر اُترتے ہی میں نے نقاہت محسوس کی، پوچھا کہ عالم [خوندمیری] آگئے؟ پتہ چلا کہ پہنچ گئے۔ بس اطمینان ہو گیا کہ ایک آدمی کام کا آگیا ہے، جلسہ سنبھال لے گا، اب ہم چپ بیٹھے تکتے

ظ۔ انصاری
۲۲، شیریں، ۳۱۔ کولابہ روڈ، بمبئی ۵

رہے تو بھی غالب کے جلسے کو کوئی گزند نہیں پہنچنے والی۔

جلسہ ۳ بجے شروع ہونے والا تھا۔ النکار سنیما ہال کھچا کھچ بھرا ہوا۔ اور اس سے زیادہ بھرے ہوئے ساحر۔ کہ ان کے قیام کا شایانِ شان انتظام نہوا تھا۔ خیر زکریا صاحب نے انھیں تھپکا، سہلایا، چمکارا، ٹھنڈے پڑے۔ ہم لوگ دیر سے جلسہ گاہ پہنچے۔ لوگوں کا غصہ بھی کچھ ٹھنڈا پڑا۔

نامدار شنکر راؤ چوان نے افتتاحی تقریر کی۔ سادہ اردو میں، اور شروع یوں کیا :

مجھے اعتراف کرنا ہے کہ نہ میں شاعر ہوں، نہ میرا ادب سے تعلق ہے، مگر اتنا جانتا ہوں کہ اس شاعر کو اردو ادب میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اس کا جشن سارے ہندوستان اور ساری دنیا میں منایا جارہا ہے۔ اورنگ آباد میں منائے جانے والے اس جشن میں اگر میں شریک نہوتا تو مجھ سے یہ بہت بڑی غلطی ہوجاتی۔ اس لئے میں اسمیں شریک ہوا ہوں۔ افتتاح کرنے یا اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لئے نہیں بلکہ یہاں جتنے نقاد آئے ہیں وہ مرزا غالب کی شاعری کے بارے میں کیا خیالات ظاہر کرتے ہیں انھیں سننے کے لئے میں بھی آپ ہی کی طرح مشتاق ہوں....

(آزاد کالج میگزین۔ چھٹا سال، پانچواں شمارہ ۶۹ء)

شین، قاف اتنا درست کہ حیرت ہوئی۔ بعد میں پتہ چلا کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے گریجویٹ ہیں۔

خیر، جلسہ چلا۔ وِدّیا دھر گوکھلے نے غضب کیا کہ غالب پر تقریر کرنے کے بجائے جدیدیت اور جدید ادب کو تاکا، اور اسی پر سارے کارتوس داغ دیئے۔ لوگ خوب ہنسے، خوب تالیاں بجیں۔ (جدیدیت میں، عورتوں کی طرح، اپنے اوپر وار سہنے کی بڑی صلاحیت ہے)۔ عالم خوندمیری پورا مقالہ لے بیٹھے۔ جلسے کا نام تھا سمینار۔ ہال سنیما ہاؤس کا۔ مجمع گھنٹے بھر کے انتظار سے تھکا ہوا۔ مقالہ کون سنتا۔ منفی تالیوں کے شور نے انھیں بٹھا دیا۔ وہ فوں فاں کرکے بیٹھ گئے۔ کیونکہ ایمانہ، مقالہ ان کا پڑھنے قابل تھا۔

اب میرا نام پکارا گیا۔ اٹھنے کو تو میں اپنی جگہ سے اٹھا لیکن ٹانگیں کانپ گئیں۔ دو چار جملے بولا ہونگا کہ پتلون کے اندر سے ٹانگوں کی لرزش ظاہر ہونے لگی۔ زبان میں تو تھی، بدن میں قوت نہ تھی۔ محسوس کیا کہ مجھ سے پلیٹ فارم کچھ کہہ رہا ہے مڑ کر دیکھا تو بیماروں اور تیمارداروں کے ہمدرد ڈاکٹر رفیق زکریا صاحب مجھے مخاطب کر رہے تھے کہ سنیئے، شنکر راؤ چوان صاحب کا خیال ہے کہ آپ کے لئے کرسی منگادی جائے۔ بیٹھ کر تقریر کیجئے! ذرا ٹھیریے — ارے! کرسی لانا!

کرسی آئی یا نہیں — میں اپنی رَو میں تھا، بولتا چلا گیا۔ جلسہ تمام ہوا۔

دوسرے دن پھر ایک نشست تھی کرسیوں پر مولانا آزاد کالج کے احاطے میں۔ بڑا اچھا مجمع تھا۔ دیکھ کر جی خوش ہوگیا۔ آج کے دن شنکر راؤ چوان کو صدارت کرنی تھی۔ ان دنوں یونی ورسٹیوں میں یہ مسئلہ درپیش تھا کہ ذریعہ تعلیم علاقائی زبان ہو یا انگریزی۔ اسی مسئلے پر چوان صاحب نے تقریر کی۔ سچ پوچھیے تو وہ اس مسئلے پر خوب کیل کانٹے سے لیس نظر آتے تھے۔ انھی کی زبانی یہ سنا کہ عثمانیہ یونیورسٹی میں جب اردو ذریعہ تعلیم تھی، اساتذہ اپنی کتابیں کورس میں لگوا دیتے تھے۔ کتاب یہ موٹی! قیمت اچھی خاصی۔ موضوع اور مفہوم اتنا ہی جتنا انگریزی کی کورس کی کتاب میں، جس کی ضخامت بھی کم، قیمت بھی کم۔ اپنا تلخ تجربہ بیان کرکے انھوں نے اس نکتے پر زور دیا کہ کیا فائدہ جو مہاراشٹر کی یونیورسٹیاں آج مراٹھی کو ذریعہ تعلیم بنا کر وہی چالیں چلیں جو عثمانیہ والوں نے اختیار کی تھیں۔

صاف تو نہیں کہا، مطلب یہ تھا کہ انگریزی زبان سے ہاتھ دھو کر ہم ایک دم ترقی یافتہ یا قوم پرست نہیں ہو جائیں گے بلکہ کل ہند مقابلے کے امتحانوں میں ہمارے طالب علم مار کھائیں گے۔

وقت نے بعد میں ان کے اس خیال کی تصدیق بھی کردی۔

ان سے پہلے یا ان کے بعد مجھے کچھ کہنا تھا۔ کہا۔ جلسہ ختم ہونے پر میں ان کی طرف بڑھا کہ جی بھر کر داد دوں۔ واقعی یہ تقریر اونچے معیار اور بلند نگاہ کا ایک ثبوت تھی۔ مگر اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا۔ وہ کہنے لگے کہ آپ میرے کالج (ناندیڑ) میں ضرور آیئے گا اور وہاں کے طالب علموں سے دو تین بار خطاب کیجئے گا۔

اس دن شنکر راؤ چوان ایک عام منسٹر کے بجائے ماہر تعلیم دکھائی دے رہے تھے اور ڈاکٹر زکریا نے ہم سب کی ترجمانی کردی یہ کہہ کر کہ شنکر راؤ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم ذریعہ تعلیم کے سوال پر اتنی اچھی تقریر کروگے! زکریا صاحب خود میزبان تھے اس لئے وہ اوروں کو بڑھا رہے تھے۔

لطیفہ اس روز یہ ہوا کہ :

رات کو ساحر لدھیانوی کسی بات پر چڑھے ہوئے مجھے للکار چکے تھے کہ ظ انصاری صاحب، آپ خود کو کیا سمجھتے ہیں! کسی جلسے یا مشاعرے کے بعد اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا کہ لوگ کس سے آٹوگراف لیتے ہیں، کسے چاہتے ہیں، مجھے یا آپ جیسے لوگوں کو۔

میں نے زچ ہوکر کہہ دیا کہ میاں، دعا کرو کہ ملک میں عام جہالت کا معیار یہی رہے جو اب ہے۔ ورنہ ... ورنہ ....

ورنہ بھی کیا ہوتا! ماسکو میں تو سو فیصد

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

بودھی درخت

تاریخ کی روشنی میں

سلام بن رزاق
۴/۲۸ - بی ، قریش نگر ، کرلا
بمبئی ۴۰۰۰۷۰

جس طرح کاشی ہندوؤں کا اور کعبہ مسلمانوں کا متبرک مقام ہے اسی طرح "بدھ گیا" بدھ مذہب کے ماننے والوں کی سب سے بڑی تیرتھ گاہ مانی جاتی ہے۔

آج سے ڈھائی ہزار برس پہلے سدھارتھ گوتم کو اسی مقام پر پیپل کے پیڑ کے نیچے چھ برس کی گھور تپسیا کے بعد سچائی کا گیان ہوا تھا یہیں سے مہاتما بدھ نے سنسار کو "بہوجن ہتائے۔ بہوجن سکھائے" کا مہامنتر دیا۔ وہ پیپل کا درخت جس کی چھاؤں میں مہاتما بدھ کو انسانی نجات کا علم حاصل ہوا 'بودھی درخت' کے نام سے مشہور ہے۔ اسی درخت کی وجہ سے 'گیا' کو تیرتھ گاہ کا درجہ حاصل ہے۔ اس درخت کو بدھ مذہب کے ماننے والے بہت متبرک اور مقدس مانتے ہیں۔ اس درخت کے نیچے پتھر کا ایک 'آسن' بنا ہے جو 'وجراسن' کہلاتا ہے۔ اس کی لمبائی چھ فٹ، چوڑائی چار فٹ دس انچ اور اونچائی تین فٹ ہے۔ اس آسن پر پالی زبان میں ایک شلوک کندہ ہے جس کا مطلب ہے :

' اس آسن پر میرا فانی جسم سوکھ جائے، گوشت پوست اور ہڈیاں جھڑ جھڑ کر گرجائیں نیز کیسی ہی آفت آجائے لیکن 'حقیقی علم' حاصل کئے بغیر میں یہاں سے رتی برابر حرکت نہیں کروں گا۔'

بودھی درخت دنیا میں سب سے قدیم اور تاریخی درخت مانا جاتا ہے۔ ڈھائی ہزار برسوں کے بعد آج بھی اس قدیم درخت کا وجود اور اس کی عظمت جوں کی توں باقی ہے۔

بعض لوگوں نے اس کی ٹہنیوں کو توڑ کر مختلف مقامات پر اسے لگانے کی کوشش بھی کی۔

مہاتما بدھ کے زمانے ہی میں 'شراوستی' کے 'جیتون باغ' میں 'مہاستھویر آنند' نے اپنے ہاتھوں سے اس کی ایک شاخ بوئی۔ اسی لئے اس مقام پر اس درخت کو 'آنند بودھی درخت' کہتے ہیں۔ وہ درخت آج بھی اس جگہ موجود ہے۔

اسی طرح سمراٹ اشوک کی بھکشنی بیٹی 'سنگھ مترا' اس درخت کی ایک شاخ سیلون لے گئی۔ انورادھاپور میں آج بھی اس ٹہنی سے اُگا ہوا پیڑ موجود ہے۔

ان ڈھائی ہزار برسوں میں کتنی ہی دفعہ اس پر کئی آفتیں آئیں۔ مگر ہر دفعہ اُسے 'حیاتِ نو' ملتی رہی۔

سمراٹ اشوک کلنگ کی تاریخی فتح کے بعد ندامت اور دکھ سے بے حد دل برداشتہ رہنے لگے تھے۔ قلبی سکون کی خاطر وہ اکثر اس درخت

کے نیچے آکر گھنٹوں سوچوں میں گم ہو جاتے۔ اُن کی بیوی 'تشیہ رکشتا' کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ اور اُس نے اس درخت کو کٹوا دیا تاکہ مہاراج دوبارہ راج پاٹ کے کاروبار میں دلچسپی لے سکیں اس واقعہ نے سمراٹ اشوک کو اور بھی دُکھی کر دیا۔ اور انھوں نے عہد کیا کہ جب تک اس درخت کو دوبارہ پتے نہیں پھوٹتے' میں اس جگہ سے نہیں اُٹھوں گا۔ کہتے ہیں کہ جلد ہی پیڑ کے کٹے ہوئے ٹھونٹھ میں دوبارہ کونپلیں پھوٹیں اور سمراٹ اشوک کا عہد پورا ہوا۔

چھٹی صدی عیسوی میں کرن سورن نام کے ایک بودھ دشمن نے اس درخت کو جڑ سمیت کٹوا دیا لیکن مگدھ دیش کے راجا' پورن ورما' کی کوششوں سے اُس کی جڑیں محفوظ رہ گئیں اور کچھ برسوں بعد یہ درخت ایک بار پھر ہرا بھرا ہو گیا۔

۱۸۷۰ء میں ایک بھیانک طوفان آیا اور یہ درخت ٹوٹ کر گر گیا۔ مگر اس دفعہ بھی کئی برسوں کی جدوجہد کے بعد اُسے دوبارہ اُسی جگہ لگایا گیا۔ ۱۸۸۰ء میں بدھ مندر کی مرمت کے وقت یہ پھر ٹوٹ گیا۔ اُس وقت اسکی ایک ٹہنی اسی جگہ بوئی گئی۔ اس طرح فی الحال جو درخت یہاں موجود ہے وہ اُسی شاخ سے اُگا ہوا پیڑ ہے۔ بودھی درخت کی تقدیس و عظمت کو نہ صرف بودھ دھرم والے مانتے ہیں بلکہ ہندو دھرم گرنتھوں میں بھی اس کا تذکرہ ملتا ہے۔

اس درخت کے مشرق میں ایک عظیم الشان مندر بنایا گیا ہے۔ یہاں چٹانوں پر کھدی ہوئی تحریروں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مندر دوسری صدی عیسوی میں تعمیر کیا گیا ہوگا۔ یہ مندر' مہابودگی مندر' کے نام سے مشہور ہے۔

اس کی اونچائی ۱۸۰ فٹ اور دائرہ نما حصہ کا قطر چالیس فٹ ہے۔ کلس سونے کے پتر سے مڑھا ہوا ہے۔ مندر میں مہاتما بدھ کی ایک خوبصورت مورتی بنی ہوئی ہے جس کی اونچائی ۵ فٹ ۳ انچ، چوڑائی چھ فٹ چھ انچ اور موٹائی دو فٹ چار انچ ہے۔ یہ مورتی کنول نما تخت پر براجمان ہے۔ بودھی درخت اور مہا بودھی مندر کے چاروں طرف کئی چھوٹے بڑے مندر' استوپ اور وہار شکستہ حالت میں بکھرے پڑے ہیں۔

یہاں کندہ کی ہوئی تحریروں سے نہ صرف بدھ مذہب کی تعلیم اور اُس کے اصولوں پر روشنی پڑتی ہے بلکہ اُس زمانے کے فن سنگتراشی کے اعلیٰ نمونے بھی ہماری نگاہ کو باندھ لیتے ہیں۔

●●

بقیہ: ایک نئے چیف منسٹر سے پرانی ملاقات

تعلیم ہے' وہاں ایک کھلاڑی پر' "ایومان تان" پر' سرکس کے مسخرے پر' راجکپور پر' باکسر پر لڑکیاں پروانوں کی طرح گرتی ہیں' ہم جیسوں کو کوئی ٹکے کو نہیں پوچھتا — تو اے عزیز' شکوہ کاہے کا؟ تم نے اپنی صلیب خود چُنی ہے' خود اُٹھا کر لے چلو۔

"ورنہ" کی کیل میرے دماغ میں چبھ رہی تھی۔ جب شنکر راؤ چوان اپنی تقریر ختم کرنے پر آئے تو مجمع کو حاضر و ناظر جان کر بولے:

میں ساحر صاحب سے کہتا ہوں کہ آپ تو شاعر ہیں۔ بڑے انڈسٹریل شہر میں رہتے ہیں۔ وہاں سے نکلیے۔ عوام میں آئیے' نیچر کے پاس آئیے۔ یہ دیکھیے' اورنگ آباد میں جنگل ہیں' پہاڑ ہیں' ندی ہے' مورتیاں ہیں' یہاں گھومیے پہاڑوں کے' قدرتی حسن کے بیچ میں' تو شاعری بھی قدرتی بڑھے گی ... ... اور یہ جو ہیں کیا نام ہے — ظ انصاری صاحب۔ ان سے یہ کہتا ہوں کہ کل وہ آزاد کالج میں بولے۔ وقت نکال کر میرے کالج' ناندیڑ کالج میں آئیں۔ وہاں بھی طالب علم اور پروفیسر علم کے پیاسے ہیں۔ یہی سب سننا چاہتے ہیں۔ مہاراشٹر کے ایک ایک کالج میں جائیں اور غالب کے سلسلے میں جو باتیں انھوں نے کل شام کہی ہیں' وہ ہمارے کالج میں بھی پھیلائیں۔ نئی نسل کو اس کی ضرورت ہے۔

جلسہ ختم ہوا — ہم شنکر راؤ چوان سے رخصت ہونے لگے۔ میں نے عرض کیا کہ جب آپ بلائیں گے' میں ضرور پہنچوں گا۔ ساحر ان سے ہاتھ ملانے آگے بڑھے' میں نے چپکے سے اُن کے چٹکی کاٹی۔

ساحر' دیکھا۔ کیا مردم شناس انسان ہیں۔ ایسی بصیرت رکھنے والے کو تو چیف منسٹر ہوجانا چاہیے۔

ساحر: — کیوں' کیا ہوگیا؟

میں: — دیکھتے نہیں' ہم دونوں کو ایک نظر میں پہچان گئے۔ تم کو مشورہ دیا کہ بمبئی سے نکلو اور پہاڑوں میں ٹکریں مارتے پھرو' جنگل کی خاک چھانو اور مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ میرے کالج میں آئیے' طالب علموں اور پروفیسروں سے ملیے۔ یعنی کون قبائلی ہے' کون شہری — انھوں نے ایک شام کی ملاقات میں جانچ لیا۔

ساحر اپنی فطرت سے [بد زبانی کے باوجود] کھرے اور شریف آدمی ہیں۔ شاعر آدمی ہیں۔ سُن کر دیر تک ہنستے اور قہقہے مارتے رہے۔ اور یوں یہ شام چھیڑ چھاڑ میں نکل گئی۔

دوسرے دن پھر وہی سویرے کا وقت۔ آنکھوں میں کچی نیند کی کڑواہٹ لئے ہم لوگ جب ایر پورٹ پہنچے تو ڈاکٹر ذکریا اپنے جلسوں کی کامیابی پر مطمئن تھے اور ایک ایک تفصیل کی چھان بین کرنے میں مصروف۔ انھیں اپنی راحت سے زیادہ مہمانوں کی آسائش کی فکر تھی۔ تفصیلات کی چھان بین اور ناپ تول ایک ایسی صفت ہے جو بااختیار اور بااقتدار لوگوں میں ہونی ہی چاہیے۔ نہ ہو تو وہ ایک دن کی بادشاہت کر کے غائب ہو جاتے ہیں۔

■■

اُردو میں مراٹھی الفاظ

سماجی زندگی میں زبان کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ اس میں پلنے، بڑھنے اور اپنے اندر تبدیلیاں پیدا کرنے کی زبردست قوت پوشیدہ ہوتی ہے۔ زندہ اور جان دار زبانیں اپنے اندر تبدیلیوں سے گھبراتی نہیں بلکہ ان تبدیلیوں کو خوش آمدید کہتی ہیں۔ کثیر لسانی علاقوں میں ایک زبان کے دوسری زبان پر اثرات نسبتاً زیادہ تیز ہوتے ہیں۔ دوسری زبانوں کو متاثر کرنے اور متاثر ہونے کی ایک عمدہ مثال اردو اور مراٹھی زبانیں بھی ہیں۔

اردو زبان کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی وسیع المشربی ہے۔ اپنے تشکیلی دور سے مقامِ ترقی کی اعلیٰ منزلوں تک کبھی اس میں حدبندی، تعصب اور تنگ نظری دکھائی نہیں دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو کی عنصری زبانوں میں حسبِ ضرورت فارسی، عربی، انگریزی، پرتگیزی، گجراتی اور مراٹھی کے الفاظ شامل ہوتے رہے۔ اُردو کے دکنی دور میں جس فراخ دلی سے اس نے مقامی زبانوں کے اثرات قبول کئے، اس کی داستان نہایت دلچسپ ہے۔ اس نے صرف لفظوں ہی کو نہیں اپنایا بلکہ مقامی زبانوں کے محاورے بھی قبول کئے اور صرفی و نحوی خصوصیات کو اپنا کر دوسری زبانوں سے ہل مل کر زندہ رہنے کا فن بھی سکھایا۔

دکن میں اردو کی ہمسایہ زبانوں میں گجراتی، مراٹھی، کنڑ، تامل اور تلگو بڑی قابلِ قدر اور اپنی گوناگوں خصوصیات اور لسانی اہمیت کی وجہ سے بہت ممتاز درجہ رکھتی ہیں۔ مذکورہ زبانوں میں عربی، فارسی کے بے شمار الفاظ اپنی اصلی یا صوتی اعتبار سے کسی قدر تبدیلی کے ساتھ، ان زبانوں کا جزبن گئے ہیں۔ گجراتی اور مراٹھی میں خاص طور سے عربی و فارسی الفاظ کی فراوانی ہے اور زورِ بیان، ندرتِ خیال اور تاثر پیدا کرنے کی غرض سے گجراتی اور مراٹھی ادیبوں اور شاعروں کا بہت بڑا سہارا ہیں۔

دکنی اردو زبان کی ترقی کی ان اہم منزلوں میں سے ہے جسے اردو زبان وادب کا کوئی مؤرخ نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اردو کے تشکیلی دور کے نمونوں میں دکنی کی اہمیت یوں بھی زیادہ ہوتی ہے کہ اس سے اردو زبان وادب کی سمت و رفتار کے خطوط اُبھرتے ہیں اور اس کے پیشِ نظر اردو کی قدامت کا تعیّن ہوتا ہے۔ دلّی اور نواحِ دلّی کے اُردو کی جنم بھومی ہونے کے باوجود اردو نے اپنی شکل و صورت دکن میں نکالی اور ادب پیدا کیا۔ چونکہ دکن میں یہ زبان شمال سے گئی تھی اور شمال میں اس کی ہمسایہ زبانیں ہریانی، برج، پنجابی اور اودھی وغیرہ تھیں

ڈاکٹر عبدالستّار دلوی
مہاتما گاندھی میموریل ریسرچ سینٹر
چرنی روڈ۔ بمبئی ۲

اردو ان کے اثرات سے بچ نہ سکی اور انھیں اثرات کے ساتھ دکن پہنچی جہاں یہ ہند آریائی زبانوں سے دور دراوڑی السنہ کے درمیان اس کی پرورش و پرداخت ہوئی جن کا لسانیاتی رشتہ اُردو ہی نہیں بلکہ ساری شمالی بولیوں سے الگ تھا۔ جنوب میں مراٹھی ہی ایک ایسی زبان تھی جس کا اردو سے خاندانی رشتہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جہاں پر اس نے مراٹھی کو متاثر کیا وہیں پر خود بھی اس سے متاثر ہوتی رہی۔ مراٹھی زبان سے اردو کا متاثر ہونا اس لحاظ سے بھی ضروری تھا کہ دکن کے وسیع و عریض خطّے کا ایک بڑا حصّہ لسانی اعتبار سے مراٹھی کا علاقہ تھا۔ مہاراشٹر کا موجودہ علاقہ وِدربھ، برار اور مراٹھواڑہ ہندوستان کی ماضی قریب کی تاریخ میں دکن ہی سے موسوم رہا ہے۔

اُردو چودھویں صدی میں علاءالدین خلجی (سنہ ۱۳۰۶ء) اور محمد تغلق (سنہ ۱۳۲۷ء) کی فوجوں کے ساتھ دکن پہنچی، جب انھوں نے دیوگری کو گھیر کر اسے سلطنتِ دلّی کا حصّہ بنالیا تھا، لیکن سنہ ۱۳۴۷ء میں حسن گنگو بہمنی کی خود مختار دکنی سلطنت کے قیام کے بعد دکن کا تعلق شمال سے منقطع ہوگیا اور اسی لحاظ سے دکنی اردو کا تعلق بھی شمال کی اُردو سے ٹوٹ گیا۔ شمالی ہندوستان میں دفتری زبان کی حیثیت سے ہمیشہ فارسی رائج رہی۔ دکن بہ

ابتدا میں فارسی ہی کے زیرِ اثر رہا، تاہم سیاسی اغراض، رعایا پروری، وسیع النظری اور رواداری کے پیشِ نظر اپنے ہمعصر بنگالی حکمرانوں کی طرح دکن کے بہمنی سلاطین نے بھی مقامی زبان وادب کی ترقی و پرداخت میں دلچسپی لی۔ یہاں تک کہ مراٹھی کی علاقائی حیثیت کے پیشِ نظر عادل شاہی اور قطب شاہی سلاطین نے اسے درباری زبان کی حیثیت عطا کی اور دفتری کارگذاریاں مراٹھی میں ہونے لگیں۔ مالیات کا نظام مراٹھا افسران کے تحت کر دیا گیا اور فوجی افسر بھی مراٹھا قوم ہی میں سے مقرر کئے گئے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اردو بولنے والے عوام مراٹھی کے تعلق سے دولسانی ہوگئے اور اردو میں مراٹھی الفاظ کے استعمال کی رفتار تیز ہوگئی۔

جنوب میں اردو اور مراٹھی کے مراسم کی دوسری وجہ یہ ہوئی کہ یہ لسانی اعتبار سے ایک ہی خاندان اور نسل کی ہم پیالہ اور ہم نوالہ ہند آریائی زبانیں ہیں اور دونوں کے بنیادی مزاج میں یکسانیت ہونے کی وجہ سے دونوں کے قریب آنے کے بھرپور مواقع تھے۔ اردو اور مراٹھی الفاظ کے تقابلی مطالعے سے یہ بات ثابت ہوگی کہ دونوں زبانوں کے تقریباً ۶۵ فیصد لفظوں کی اصل ایک ہے۔ یہ حقیقتِ حال جنوب میں مراٹھی کے علاوہ دوسری زبانوں کی نہیں ہے، اسلئے کہ جنوب کی ساری زبانیں مثلاً تامل، تلگو، کنڑ اور ملیالم زبانوں کے ایک علاحدہ خاندان" دراوڑی خاندان" سے تعلق رکھتی ہیں اور ظاہر ہے کہ ایک ہی خاندان کی زبانیں ایک دوسرے کو متاثر کرنے کی صلاحیت زیادہ رکھتی ہیں۔ جنوب میں مراٹھی اور اردو کے لسانی لین دین سے اردو اور مراٹھی والوں میں تہذیبی اور ثقافتی اثرات بھی پیدا ہوئے جو زبانوں کے ربط اور اتصال کا خاصہ ہے۔

محمد قلی قطب شاہ (۱۵۶۶ء سے ۱۶۱۲ء) اردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ وہ فنونِ لطیفہ کا رسیا اور علم وفن کا عاشق و شیدائی تھا۔ نہ صرف یہ کہ وہ خود شاعر تھا بلکہ شعر وادب کے پرداوں کا قدر دان بھی تھا۔ اس کے عہد میں گول کنڈہ میں متعدد شاعر اور ادیب جمع تھے۔ قدیم اردو کا باکمال نثر نگار اور شاعر ملا وجہی اسی کے دربار سے منسلک تھا۔ دکن میں اردو کی ترقی کے اس ابتدائی عہد ہی سے یہاں کی زبان پر مراٹھی کے اثرات مرتسم ہونے شروع ہوگئے۔ اردو اور مراٹھی کے مذکورہ تاریخی و لسانی پس منظر میں ادبی سطح پر مراٹھی اور اردو میں لفظ دستی کا یہ لین دین عہد ولی یعنی ۱۷۰۷ء تک قائم رہتا ہے

اُردو اور مراٹھی لسانی اعتبار سے ایک ہی خاندان اور نسل کی ہم پیالہ اور ہم نوالہ ہند آریائی زبانیں ہیں!

جس طرح مراٹھی نے تاریخی ادوار میں ادبی و بول چال کی اردو کو متاثر کیا ہے وہیں پر سور ویرون کی اس زبان نے تنجور کی مراٹھا حکومت اور اس کے واسطے سے یہاں مقیم لاکھوں مراٹھوں کی گھریلو بول چال کی زبان ہونے کی حیثیت سے" تامل" کو بھی بدرجۂ اتم متاثر کیا ہے۔

اُردو میں ذیل مراٹھی لفظوں کی سرسری فہرست سے جو کلیاتِ قلی قطب شاہ، سب رس، قطب مشتری، گلشنِ عشق، پھول بن اور من سمجھاون وغیرہ سے مرتب کی گئی ہے، اس بات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ مراٹھی کے متعدد لفظ دکنی اردو نے جوں کے توں اپنے ذخیرۂ الفاظ میں محفوظ کر لیے ہیں اور چند ایسے بھی ہیں جنھیں معمولی صوتی تغیر کے ساتھ اپنا لیا گیا ہے۔ مراٹھی کے یہ لفظ صرفی لحاظ سے اسماء، افعال، صفات، متعلقاتِ فعل اور حروفِ جار ہر سطح پر لیے گئے ہیں۔

اجال، جھاڑ، بڑبڑا، پاٹ، اودھان، ڈھنگ، لنگ، انڈا، پاول بالترتیب آسمان، درخت، بلبلہ، کواڑ، جوار، انبار، ادا، اندھا اور قدم کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔

اسی طرح:

پادنا، جھرا، پُستک، ٹیٹوی، ڈونگر، دیس، سسا، بوٹ، کولا، کیلی، گاروڑی، گڑگا، لانڈگا، مالا، کلنگڑ، کولسہ بالترتیب مہان، چشمہ، کتاب، آبی پرندہ، پہاڑ، دن، خرگوش، انگلی، لومڑی، کنجی، شعبدہ باز، گھٹنا، بھیڑیا، منزل، تربوز اور کوئلہ کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔

افعال میں اپٹنا بمعنی اکھاڑنا، اُگنا بمعنی طلوع ہونا، آننا بمعنی لانا، بیسنا بمعنی بیٹھنا، پاڑنا بمعنی ڈالنا، دسنا بمعنی نظر آنا، ٹاک بمعنی ڈال، سوسنا بمعنی برداشت کرنا، کاڑنا بمعنی نکالنا، پیرنا بمعنی بونا اور الگنا بمعنی عبور کرنا یا پار کرنا دکنی اُردو پر چھائے ہوئے ہیں۔

صفات (Adjectives) میں آپ بھاوُنا بمعنی خود پسند، اُتم بمعنی خوب یا اعلیٰ، ادھک بمعنی زیادہ، سرس بمعنی خوب، چپل اور چتر بمعنی تیز، کلکلاٹ بمعنی بیقراری، گھاتگر اکھول بمعنی پریشان، گھٹ بمعنی گاڑھا، نوی اور نوا بمعنی نیا، کنولی بمعنی خام، نیٹ بمعنی سیدھا، صاف، ٹسکتا بمعنی سرسبز و شاداب، تازہ اور متعلقاتِ فعل میں جھٹرتی، حالی بمعنی فی الوقت، نزیک بمعنی قریب، لگا لگ بمعنی متواتر اور اجھوں بمعنی ابھی، ہنوز یا ابتک کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

صفی اورنگ آبادی

ایک صاحبِ طرز شاعر

ولی اور سراج کی سرزمین اورنگ آباد نے عصرِ حاضر میں ایک اور نامور شاعر پیدا کیا ہے، صفی اورنگ آبادی۔ صفی ۲۶ رجب المرجب ۱۳۱۰ھ کو اورنگ آباد کے محلہ حونا بازار میں پیدا ہوئے والد محمد منیر الدین قادری نے جو پیشۂ طبابت سے تعلق رکھتے تھے محمد بہاؤ الدین نام رکھا لیکن صفی نے جو زندگی بھر آزاد طبیعت، قلندر مزاج اور من موجی رہے، اس نام کو ترک کرکے بہبود علی اختیار کیا۔ صفی کے کلام سے اُنکی زندگی کے بیشتر حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ شاعری اُن کے نزدیک تفریح یا وقت گذاری کا مشغلہ نہیں تھا، اُن کی زندگی تھی۔ اپنے درد و کرب، اپنے دل کی کیفیات، اپنے نج اور اپنی ذات کا اظہار۔ وہ لوگ جو صفی کو قریب سے جانتے ہیں وہ اس پر صاد کریں گے کہ صفی نے اپنی غزلوں میں اور کچھ نہیں صرف اپنی آپ بیتی بیان کی ہے۔ خود پر جو بھی گذری ہے اُس کی ترجمانی کی ہے۔ یوں کہئے کہ شاعری اُن کے لیے اس قدر لازم اور ناگزیر تھی کہ اُس کے بغیر وہ اپنی ذات اور اپنی شخصیت کو مکمل ہی نہیں کر سکتے تھے۔ پروفیسر مبارز الدین رفعت، صفی کے ابتدائی حالات یوں بیان کرتے ہیں۔

"ان کے آبا و اجداد سپاہی پیشہ اور اورنگ زیب کے ساتھ شمال سے اورنگ آباد آئے تھے۔ حضرت صفی کے والد حکیم منیر الدین قادری نے اوائلِ شباب میں دہلی جاکر اپنے عہد کے مشہور حکیم اکبر علی خاں سے طب کی تحصیل کی اور پھر اورنگ آباد کی رہائش ترک کرکے حیدرآباد آگئے اور تا زیست یہی پیشہ۔ والد کے ساتھ جب صفی حیدرآباد آئے ہیں تو اسوقت اُن کی عمر سات سال سے زائد نہ تھی"[1]

چنانچہ غالب کی طرح صفی نے بھی شاعری کے مقابلے میں اپنے پیشۂ آبا و طبابت پہ اظہارِ تفخر کیا ہے ؎

اے صفی شاعری نہیں معلوم

بھائی ہم تو طبیب آدمی ہیں؛

صفی کے مزاج میں جو بے ترتیبی اور لاأبالی کی کیفیت ہے وہ اُس معاشرہ اور ماحول کا لازمی ردّعمل ہے جس سے صفی کو ابتدا میں دوچار ہونا پڑا۔ صفی کو سکون اور اطمینانِ خاطر حاصل ہی کہاں تھا کہ وہ پریشان نہ ہوتے۔ والدہ کے انتقال کے بعد صفی کی دنیا ہی بدل گئی۔ وہ یکسو ہوکر تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ مجبوراً تعلیم ترک کرنی اور ملازمت کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑا۔ یہاں بھی تقدیر سازگار نہ رہی۔ اس دور کے بارے میں اوج یعقوبی لکھتے ہیں۔

"یہاں مدرسۂ نظامیہ میں کچھ فارسی، عربی کی تعلیم شروع کی لیکن وہ بھی ناکمل۔ ضرورتوں نے جب دامن پکڑا اور ذمہ داریوں نے جب حق مانگنا شروع کیا تو خواجگی غلامی کے لئے نکلی۔ نظم جمعیت سٹی امپرومنٹ بورڈ، فورسس ڈپارٹمنٹ، ہائی کورٹ،

[1] سید مبارز الدین رفعت "انتخاب کلامِ صفی"۔ سلسلہ مطبوعات حیدرآباد اردو اکیڈمی ۱۲ اشاعت اول سنہ ۱۹۶۳ء ص ۶

ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید

شعبۂ اردو، ایس۔ وی۔ یونیورسٹی، تیروپتی۔ (آندھرا پردیش)

فینانس اور جانے کتنے محکموں کو اعزاز بخشا لیکن ناکمول ملازمتوں کے ترک وقبول کی آپ جو بھی توجیہیں کرلیں لیکن معاشی سکون کسی دور میں بھی نہ مل سکا۔" ۲؎

وہ تو کہیئے کہ طبیعت میں استغناء تھا اور توکل پر مدارِ حیات ۔۔ شادی انھوں نے کی نہیں تھی اسی لئے ضروریاتِ زندگی کے کم از کم تکمیل پاجانے کو زیادہ سے زیادہ جانا۔ حیدرآباد میں سلطنتِ آصفیہ کا یہ وہ دور تھا کہ ہندوستان بھر سے شاعروں، ادیبوں اور دیگر فنکاروں کو بلاکر نوازا جاتا تھا۔ صفی کے لئے اس دربار سے استفادہ کرنا کوئی مشکل بات نہ تھی لیکن اُن کے مزاج کی بے پروائی اور خودداری نے انھیں نہ تو بادشاہِ وقت کے در پر ناصیہ فرسائی کے لئے مجبور کیا اور نہ کسی امیر و نواب کی مدح و ستائش کے لئے۔ آپ اپنے میں مگن رہے اور ایسا کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ اُن کے لئے پاؤ ٹکرا ہی بہت تھا ؎

آبرو کھو کر کوئی کیوں اہلِ دولت سے ملے
پاؤ ٹکرا لاکھ نعمت ہے جو عزت سے ملے

اس خودداری کا بنیادی سبب یہ تھا کہ صفی کو اپنے فن اور اپنی شاعری پر بڑا اعتماد تھا۔ اُن کو اپنے معاشی افلاس اور کس مپرسی کا بہت زیادہ احساس تھا لیکن ذہنی طور پر وہ مفلس نہیں تھے۔ وہ شکوہ بہ لب ضرور تھے لیکن اس احساس کے ساتھ کہ زندگی اور زمانہ عموماً انہی کو نوازتا ہے جو خودی کو بیچ دیتے ہیں۔ دنیا والوں کے معیار کو وہ پہچانتے تھے لیکن اس معیار کو انھوں نے کبھی بھی اہمیت نہیں دی کیونکہ یہ فرضی اور کھوکھلے معیار تھے۔ زمانے کی ناقدری کا تذکرہ انھوں نے ضرور کیا لیکن اپنے عز و وقار کا سودا کرکے نہ چاہا کہ زمانہ اُن کی قدر کرے۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

صفی بھی کس قدر نادان ہے شاعر ہوا تو کیا
اُسے لوگوں سے جیتے جی امیدِ قدردانی ہے

زمانہ اور پھر ناقدردانی۔ کس مپرسی کا
رکھا ہے کیسے کیسے وقت ہم نے دل کو قابو میں

رہے دنیا میں لیکن دو گھڑی آرام کو ترسے
ذرا سا عیش بھی ہم نے نہ پایا اس بُرے گھر سے

یہ وہ دور تھا جب کہ حیدرآباد میں قوال، محفلوں میں زیادہ تر فرمانروائے وقت آصفِ سابع کے شہزادہ معظم جاہ شجیع کی غزلیں گایا کرتے تھے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شجیع کی غزلیں بھی بڑی دلنواز ہیں ۔۔ صفی کا کلام بھی ان محفلوں میں معروف تھا لیکن شجیع کے مقابلے میں صفی کی بہت کم غزلیں قوالوں کی زبان پر ہوتیں ۔۔ صفی کو اسکا احساس تھا چنانچہ خاصے کنایاتی انداز میں بیان کرتے ہیں ؎

کون گائے گا تیری غزل صفی
جس کا کھاتے ہیں اُسکی گاتے ہیں

اور کبھی یوں شکوہ بہ لب رہے ؎

کیوں یاد رہیں صفی کے اشعار
مفلس کے کلام میں اثر کیا

صفی میں شاعرانہ صلاحیتیں خداداد تھیں۔ سچ پوچھیئے تو وہ تلمیذِ رحمانی تھے۔ تاہم انہوں نے اردو شاعری کی روایات کی پیروی کرتے ہوئے وقتاً فوقتاً مختلف اساتذۂ سخن سے مشورہ لیا۔ صفی سب سے پہلے ضیاء گورگانی سے رجوع ہوئے من بعد ظہور اور پھر فروغ سے۔ لیکن آخر میں ۱۳۳۶ھ سے زیادہ عرصہ تک انہوں نے کیفی کے آگے زانوئے ادب طے کیا اور بقول اوج یعقوبی " اس زیادہ کی مدت بھی صرف دو سال ہے۔" ۳؎

اپنے ایک شعر میں صفی نے کیفی اور ضیاء کو یوں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے ؎

صفی حضراتِ کیفی و ضیاء کا سب تصدق ہے
کہیں طرزِ ادا سیکھی، کہیں لطفِ زباں پایا

صفی کا سلسلہ کیفی سے ہوتا ہوا داغ تک پہنچتا ہے۔ کیفی داغ ہی کے شاگرد تھے۔ صفی اور داغ کے مزاجوں میں بنیادی طور پر فرق پایا جاتا ہے صفی منکسر المزاج، عاجزی پسند، ستم رسیدہ، حسرت زدہ، غم نصیب، زمانے کے ستائے ہوئے، سادگی پسند اور اپنی کملی میں آپ مست ۔۔ ظاہر ہے داغ کا مزاج کچھ اور تھا۔ قطعی بدلا ہوا۔ وہ بڑے کر وفر کے آدمی تھے۔ آن بان کے حامل، پُر شکوہ۔ زمانے کے ظلم و ستم سے اُن کا کیا واسطہ۔ محبوب سے تک بڑے دبدبہ سے پیش آنے والے۔ رقیب کو انھوں نے کب خاطر میں لایا۔ محتسب اور ناصح نے اُن کے آگے زبان نہ کھولی۔ ان سب کے باوجود صفی اور داغ کے ہاں بعض قدریں مشترک ہیں۔ زبان و بیان کی سادگی، بے ساختگی، روانی، فصاحت، حسن و شباب کا بیان، محبوب سے شوخی، طعن و طنز، لب و لہجہ وغیرہ۔ صفی کی غزلوں کا مطالعہ کرتے ہوئے بآسانی کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے داغ کا اثر کہیں نہ کہیں ضرور قبول کیا ہے۔ روایتی غزل گو شاعروں کا یوں بھی داغ سے پہلو بچانا ممکن نہ تھا۔ خود صفی کو بھی گویا اس پر فخر ہے۔ ایک شعر میں کہتے ہیں ؎

اے صفی ہم پیروئے طرزِ جنابِ داغ ہیں
بندشیں یہ میرزا کی ہیں نہ لہجہ میر کا

اور اب ان اشعار کا مطالعہ کیجیئے۔" پیروئے طرزِ جنابِ داغ" ہونے کا ثبوت مل جائے گا۔

مجھے نکال کے دیکھا نتیجہ کیا نکلا
وہ ایک بھیڑ بھی اب تیری رہگذر میں نہیں

عہدِ وفا پہ آپ قسم تو نہ کھائیے
آجائیگی ہنسی مجھے اس بات پر کہیں

۲؎ (اوج یعقوبی: "صفی کی شخصیت اور شاعری") صفی اورنگ آبادی " پراگندہ " نیشنل بکڈپو حیدرآباد، اشاعت اول، نومبر ۱۹۶۵ء ص ۳
۳؎ " پراگندہ" ص ۸

وہ نہیں ملتے تو اس میں کیا اجارہ ہے صفیؔ
کیا پڑی ہے مفت کوئی کس لئے بدنام ہو

او آئینے کو چومنے والے ادھر تو دیکھ
ہم روز دیکھتے ہیں ہمارا جگر تو دیکھ

واہ کیا پھوٹ کے نکلی ہے جوانی تیری
ہر نظر تیر چلا دیتی ہے دل پر لاکھوں

لب ولہجہ کو داغؔ کی شاعری میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ اس کی مثالیں دینے کی ضرورت نہیں۔ صفیؔ کے اشعار میں بھی لب ولہجہ کی وجہ سے خاصا بانکپن پیدا ہوا ہے۔ یہ دراصل زبان و بیان پر غیر معمولی قدرت و قابو کی دلیل ہے۔ لب ولہجہ کی وجہ سے اشعار اپنے عام مفہوم کے علاوہ اور بہت کچھ کہہ جاتے ہیں۔ لب ولہجہ، مفہوم میں وسعت کا بہترین ذریعہ ہے۔ صفیؔ نے اس وسیلہ کو کام میں لاتے ہوئے غزل کے دامن میں خوشگوار اضافے کئے ہیں۔ یہی اشعار دیکھئے ؎

ہمیں سے بحث کرنے پر تلے ہیں حضرتِ واعظ
کوئی سمجھائے کس سے گفتگو؟ پھر کن مسائل پر؟

قسمت بُری ہے ورنہ عدو کیا فریب دے
مردود اور وہ بھی تری بارگاہ کا

آج تک کھیل سمجھتے تھے لگانا دل کا
کیوں صفیؔ دیکھ لیا آنکھوں سے جانا دل کا

خیال بھی دلِ بیمار کا ذرا نہ ہوا
خوش آمدید! کہاں تھے بہت زمانہ ہوا

اُف رے ضد، اللہ رے ہٹ، یہ طبیعت، یہ مزاج
جو کہا تھا آپ نے آخر اسے پورا کیا

یہ اور ایسے کئی اشعار۔ لیکن صفیؔ کو داغؔ سے بآسانی ممیز کیا جاسکتا ہے۔ اُن کی خاک نشینی کی وجہ سے۔ اپنے حال میں مست اور مطمئن رہنے کے مزاج کے باعث۔ اُن کے توکل۔ کم نصیبی۔ قناعت پسندی اور مایوسی کے سبب۔ یہ سب داغؔ کے پاس کہاں؟ ان اشعار کا رنگ ہی اور ہے ؎

لوگ جس کو وصال کہتے ہیں — ہم اسے اک خیال کہتے ہیں

سب حال اُن پہ کھل گیا رونے سے اے صفیؔ
آنسو کا قطرہ قطرہ مرا راز دار تھا

گلی گلی کی مقدر نے خاک چھنوائی
ہمیں تو رنج بھی جی بھر کے ایک جا نہ ملا

کس کو آرام، کس کو راحت ہے
زندگی قیدِ با مشقّت ہے

ہم نے دل سے رنج وغم یوں دھولیا
جب ذرا کچھ جی بھر آیا رولیا

یہ غم و اندوہ، افلاس اور مایوسی، تلخیٔ کام و دہن کی آزمائش کر کے جب رگ و پے میں اُترتے ہیں تو اس کا ردِ عمل ہونا لازمی ہے۔ صفیؔ کا لہجہ تند و ترش ہوجاتا ہے۔ ان کا احتجاج اشتعال انگیز نہیں اور نہ عامیانہ ہے۔ وہ غیر معمولی طور پر سلجھے ہوئے بے حد شائستہ اور شستہ انداز میں۔ بڑی نزاکت کے ساتھ لطیف طنز کی صورت میں اپنے ردِ عمل کا اظہار کرتے ہیں کہ ان کی کس مپرسی کا بھی احساس ہوتا ہے اور معاشرہ کی استبدادی قوتوں کا بھی ؎

صفیؔ کو ہے سب کچھ خدا کا دیا
فقط کھانے کپڑے کا محتاج ہے

قدر کرتا ہے اپنی آپ صفیؔ
ہائے مجھ کو بھی کیا زمانہ ملا

اُن کو تاخیر نہ تھی وعدہ وفا کرنے میں
خیر میری ہی کمی ہوگی دُعا کرنے میں

دمِ آخر مری پرسش کو آئے
بڑے ہمدرد اُن کا پوچھنا کیا

سرکار غریبوں میں بھی ہوتے ہیں بڑے لوگ
ایسا نہ کیا کیجئے تحقیر کسی کی

صفیؔ کے ہاں غزل پورے اہتمام، افتخار و اعتبار کے ساتھ ملتی ہے۔ صفیؔ نے غزل میں اس زاویہ سے کوئی ندرت پیدا نہیں کی جو آج ہمارے پیش نظر ہے۔ تاہم انھوں نے غزل کو "غزل" رہنے دیتے ہوئے بھی اس کو ایک امتیازی شان عطا کردی۔ ایسے وقت جبکہ داغ نے روایتی غزل کے نوک پلک سنوار دئے تھے، آخری رنگ دے دیا تھا اور کوئی گنجائش باقی نہیں تھی کہ اس میں اضافہ ہو، صفیؔ نے اپنے طور پر غزل کو طرحداری اور بانکپن عطا کیا۔ صفیؔ کی غزل روایتی ہوتے ہوئے بھی کئی پہلوؤں سے داغؔ کی غزل سے جداگانہ حیثیت کی حامل ہے۔ دونوں ایکدوسرے سے ممیز کی جاسکتی ہیں۔ صفیؔ کے موضوعات اگرچہ کم و بیش وہی ہیں جو داغؔ یا داغؔ سے پہلے اور بعد کے روایتی غزلگوؤں کے رہے ہیں لیکن صفیؔ نے ان موضوعات کو محسوس کچھ اور طرح سے کیا ہے، برتا کچھ اور طرح سے ہے۔ غزل کے تعلق سے ان کے اس رویّہ نے اُن کی آواز میں دل نشینی اور ان کے لہجہ میں کھنک پیدا کردی ہے کہ وہ اردو غزل کی ایک پروقار آواز بن جاتی ہے۔ یہ اور ایسے نہ جانے کتنے شعر صفیؔ کے ہاں مل جائیں گے ؎

غضب کرتا ہے چھو لینا بھی اُن کو گاہے ماہے کا
حواسِ خمسہ بن جاتی ہیں پانچوں انگلیاں میری

آج کس پر نگاہ ڈالی ہے — تیری آنکھیں ذرا ذرا نم ہیں

جُھٹ پٹا وقت ہے، بہتا ہوا دریا ٹھہرا
صبح سے شام ہوئی دل نہ ہمارا ٹھہرا

ہر خود غرض کو دوست سمجھتا رہا صفیؔ
میرے لئے عذاب مرا حسنِ ظن ہوا

جب اُس نے وعدہ کیا میں نے انتظار کیا
زبان پر نہیں صورت پہ اعتبار کیا

صفی کا اپنا، زندگی کا کوئی نقطۂ نظر، کوئی
ریہ اور کوئی فلسفہ نہیں تھا۔ اُس دور میں
ن اپنے اور زندگی کے بارے میں اس زاویہ
، سوچا کرتا تھا۔ صفی کا نظریۂ حیات اگر تھا تو
ی، جو اس دور کے طبقۂ اشراف کا تھا یعنی اخلاقی
روں کا تحفظ، خودداری، نیک نفسی، توکل،
حانیت پر زور اور زندگی کی مادی قدروں کو
، سمجھنا وغیرہ۔ صفی، اس میں کوئی شبہ نہیں
، قدروں کا کامل اور جیتا جاگتا نمونہ تھے۔
نے دور کی ساری شریفانہ اور شائستہ قدریں
، میں مجتمع تھیں اور دیکھا جائے تو انہی قدروں
، تحفظ کے لئے انھوں نے فارغ البالی، مسرت،
، شحالی اور شہرت، سب کو تیاگ دیا تھا اور
ندرانہ زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ اُن کی شاعری
ی قدروں کے گرد گھومتی اور ان کی ترجمانی کرتی
ے۔ ان اقدار سے صفی کو اس قدر لگاؤ تھا کہ
جانتے ہوئے بھی کہ دنیاوی مسرتوں اور جاہ
عزت کا حصول ان سے ممکن نہیں، انھوں نے
، قدروں کو اپنے کلام کا موضوع بنایا اور اُن
، ترویج و تبلیغ کی۔ ان کی ہر غزل میں ایسے
شعار مل جائیں گے ؎

مصیبت نام ہے اہلِ وفا کی آزمائش کا
اسی میں آدمی کا حوصلہ معلوم ہوتا ہے

ملنساری بھی سیکھو جب نگاہِ ناز پائی ہے
مری جاں آدمی اخلاق سے، تلوار جوہر سے

ملنے کو کھینچ کے ملتے مدد سے بھی ہم مگر
اخلاق سے بعید، مروّت سے دور تھا

ے صفی وقت کو بُرا نہ کہو   وقت پیغمبروں پہ آیا ہے

ہم کو تو توکل نے پڑھایا ہے سبق
مل جائے تو روزی ہے نہیں تو روزہ

غرض کیا پوچھتے ہو ہم نشینو اس سے ملنے کی
جہاں آئی غرض، پھر دوستی بے کار ہوتی ہے

صفی کو صوفی منش نہ کہا جائے لیکن ان کے ہاں جو تصوّف ہے وہ قطعی شاعرانہ یا روایتی بھی نہیں۔ انھیں تصوّف سے خاص لگاؤ رہا ہے۔ اُن کی اِنسان دوستی، وسیع المشربی، قناعت پسندی اور سب سے بڑھ کر ذاتِ الٰہی کے بارے میں اُن کا اپنا رویّہ اُن کو صوفیاء کی صف میں نہ لاکھڑا کرے لیکن ان کے تصوف مزاج اور حتی المقدور تصوف آشنا ہونے کا جواز ضرور فراہم کرتا ہے۔ دیکھئے یہ رنگ، یہ انداز ؎

پیار آتا چلا ہے اپنے پر
وہ مرے بھیس میں ہے یا میں ہوں

ہر ذرّہ کائنات کا سرمستِ عشق ہے
قربان جاؤں آپ کہاں ہیں کہاں نہیں

صفی اب اِن سے اُن سے کیا کہوں کیفیتیں دل کی
اُسے دیکھا جہاں دیکھا، اُسے پایا جہاں پایا

کیا آئے ذہن میں جسے دیکھا نہ ہو کبھی
کیسا کروں خدا کا تصور نماز میں

کب سے ہوں کیا بتاؤں تلاشِ بہار میں
اک پھول بھی نہ تھا چمنِ روزگار میں

صفی پر ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان کے ہاں "مقامیت" بہت زیادہ ہے۔ یہ اعتراض اپنی جگہ درست بھی ہے۔ صفی نے حیدرآباد کی عام بول چال کی زبان کا خاصا استعمال کیا ہے۔ اُن کے ہاں حیدرآبادی روزمرّہ، ضرب الامثال اور محاورے ہیں۔ جہاں تہاں مقامی تلفظ بھی مِل جاتا ہے۔ یہ اور اسی طرح کی "مقامیت"! اول تو یہ چیز کسی فنکار کی خامی نہیں بلکہ ایک طرح سے خوبی ہی ہے۔ یہ ثبوت بھی ہے اس امر کا کہ فنکار اپنے اکناف اور ماحول سے متاثر ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ ہر فنکار کے ہاں، خصوصاً ہر بڑے فنکار کے ہاں ایسی "مقامیت" ضرور پائی جاتی ہے۔ والٹر اسکاٹ ہو کہ مارک ٹوین، خاقانی ہو کہ سعدی، رشید احمد صدیقی ہوں کہ یگانہ چنگیزی۔ رشید احمد صدیقی نے تو خود اپنے "مقامی سے" آدمی ہونے کا اعتراف کیا ہے تو خاقانی کے بارے میں رضازادہ شفق نے "تاریخِ ادبیاتِ ایران" میں ترقیم کیا ہے:

"خاقانی کی شاعری میں ایسے الفاظ بھی ملتے ہیں جو مقامی بولی سے تعلق رکھتے ہیں۔ غالباً یہ الفاظ آذر بایجانی یا آذری زبان سے تعلق رکھتے ہیں۔" [27]

صفی کو بھی اپنی زبان کے بارے میں اقرار ہے کہ یہ دکن کی "صاف اُردو" ہے ؎

نہ جانے ہند والے کون ہیں، وہ بولتے کیا ہیں
صفی ہم دکھنیوں کی صاف اردو اس کو کہتے ہیں

اسی کے ساتھ صفی کو زبان و بیان کی حد تک بھی اپنے مؤقر ہونے کا دعویٰ ہے اور بجا ؎

نہیں ہے اہلِ زباں، ہاں مگر محقق ہے
صفی وقار میں بڑھ کر ہے، اعتبار میں کم

میں، اب یہاں چند اشعار درج کرتا ہوں، جن میں صفی کی "مقامیت" محاروں میں جلوہ گر ہے۔ خط کشیدہ الفاظ ملاحظہ ہوں۔ واقعی ان محاروں کے استعمال سے صفی کا وقار

[27] سید مبارز الدین رفعت (مترجم) تاریخ ادبیات ایران۔ رضازادہ شفق۔ مارچ ۱۹۷۶ء بارسوم، ص ۲۶۳

افزوں ہو جاتا ہے ؎

عشق میں جان بیچنے والے سو لہ سو کے ہزار کرتے ہیں

باتوں سے ہے صفی کی یہ سب قدر و منزلت
باتیں نہ ہوں تو یہ نہیں کوڑی کے کام کا

تم ہم جو مل کے بیٹھیں تو اٹھتی ہیں انگلیاں
کیا مل کے بیٹھتے نہیں دنیا میں چار لوگ

دم کے چڑھنے سے صفی لوٹ گیا بیٹھ گیا
عمر تو ہوگی کوئی ساٹھ کے اندر باہر

وہ جو لیتا ہے تو لے اپنی ستمگاری سے کام
ہم کو فعلوں سے غرض کیا، یار کی یاری سے کام

اور یہ ایک رباعی ؎

تن ڈھانپوں تو آگ پیرہن کو لگ جائے
دیمک جنگل کی تن بدن کو لگ جائے
کپڑا ضرورت کی چیز ہے مگر اے دستِ جنوں
تجھ سے جو بچاؤں تو کفن کو لگ جائے

صفی کو دکن سے ایک جذباتی وابستگی سی ہے جو فطری ہے۔ ان کو یہاں کے لوگ یاد آتے ہیں۔ کبھی یہاں کے مقامی پھل، کبھی یہاں کے راستے تو کبھی کلب ۔ یاد آئیں بھی تو کیوں نہیں ؎

خلق و تہذیب میں خدا رکھے
ہیں غنیمت بہت دکن کے لوگ

یہ گلشنِ دکن رہے شاداب اے صفی
سیتا پھل اپنے واسطے جنّت کا سیب ہے

کچھ نئے پل پر بھی گذرے یاس کے دن اے صفی
سارے ساری رات ہم بیٹھے ہیں تار آفس کے پاس

تھے سیکڑوں سامان صفی زندہ دلی کے
اعجاز کلب تھا کبھی اعجاز کلب بھی

حیدر آباد کا یہ پرستار، حیدر آبادی تہذیب کا عاشق، حیدر آباد کے روزمرہ اور محاورے پر سو جان سے فدائی، زندگی بھر اپنے حال میں مست رہا۔ صفی کو ضیق الدم کی شکایت تھی۔ انتقال سے چند روز قبل مرض کے شدّت اختیار کرنے پر دواخانہ عثمانیہ میں شریک کیا گیا لیکن زندگی کے دن پورے ہو چکے تھے۔ کوئی علاج، کسی کی چارہ گری کام نہ آئی اور صفی نے دواخانہ عثمانیہ ہی میں ۱۵ رجب المرجب ۱۳۷۳ھ م ۲۱ مارچ ۱۹۵۴ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ صفی کی ولادت بھی ماہِ رجب میں ہوئی تھی۔ احاطہ درگاہ حضرت سردار بیگ صاحبؒ میں سپردِ خاک کیا گیا۔ صفی کہہ گئے تھے ؎

ہے صفی کے ساتھ یہ اردو، یہ اندازِ غزل
حاسدو سننے میں پھر آئیں گی یہ باتیں کہاں

اس میں صفی کی مفلسی کو بھی دخل تھا اور اُن کے استغناء اور بے پروائی کو بھی کہ احباب کے بے حد اصرار پر چند غزلوں کے سوائے انھوں نے اپنا کلام شائع نہیں کیا ؎

میرے جنون ہی کا نتیجہ ہے اے صفی
شائع جو آج تک مرا دیوان نہ ہو سکا

البتہ انھوں نے اپنا کلام صاف خط میں لکھ کر ضرور رکھا تھا۔ "پراگندہ" انہی کا دیا ہوا نام ہے ؎

یہ "پراگندہ" ہے جو کچھ بھی، غنیمت ہے صفی
میں غریب آدمی دیوان کہاں سے لاؤں

اُن کی وفات کے تقریباً نو سال بعد اُن کے ایک قدر داں سید مبارز الدین رفعت نے "انتخابِ کلام صفی" شائع کیا اور گیارہ سال بعد ان کے شاگردوں اور اوج یعقوبی وغیرہ کی مساعی سے "پراگندہ" شائع ہوا لیکن (تکلف برطرف) حق تو یہ ہے کہ صفی کے تعلق سے اُن کے شاگردوں اور قدر دانوں (جن میں، میں خود کو بھی شامل کرتا ہوں) پر جو حق عاید ہوتا ہے اس کو تا حال بھی کما حقہٗ ادا نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن یقین ہے اردو دنیا صفی کے مقام کو جلد یا بدیر ضرور پہچانے گی۔

غالب و میر کو رونے والو اِک دن یاد آئے گا صفی بھی

●●

بقیہ: اردو میں مراٹھی الفاظ

حروفِ جار میں پن بمعنی لیکن اور ضمائر میں اپن بمعنی ہم بھی نہ صرف پرانی اردو بلکہ مہاراشٹر کے اردو بولنے والوں کی زبان کا جز بن گئے ہیں۔ بمبئی، پونا، ناگپور، اورنگ آباد جیسے شہروں کی محتاط آبادی بھی ابلاغ و ترسیل میں مراٹھی کے الفاظ آج بھی بہت آزادی کے ساتھ استعمال کرتی ہے بلکہ اکثر اوقات معنوی اعتبار سے ان مقامی لفظوں کے مقابلے کے لفظ لغت فراہم کرنے سے قاصر رہتی ہے اور تعجب نہیں اگر وہی لفظ چند سالوں کے بعد زبان کا جز بن جائیں۔

دکنی اردو پر مراٹھی کے اثرات کے سلسلے میں پیش کی گئی لفظوں کی فہرست سے اس کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ مراٹھی کے مختلف لسانی پیکروں (Linguistic Forms) نے اسمیں جگہ پالی ہے۔ ان لسانی پیکروں میں تاکیدی "چ" جیسے اوچ، توچ اور امرِ نہیں (Negative Particle) "نکو" آج بھی مہاراشٹری اردو کے لئے کلیدی درجہ رکھتے ہیں۔ مذکورہ الفاظ اور لسانی خصوصیات کے علاوہ "بول لگانا" داناں دان ہونا، دڑی مارنا، ہانک مارنا اور بیل آلا آنی ٹرویا کیلا اور ساٹھے و بدنھا ٹھے جیسے مراٹھی محاورے اور ضرب الامثال بھی اردو میں استعمال ہوئی ہیں۔

◆◆

اردو اکاڈمی

اردو کے نامور ادیبوں اور شاعروں کی وزیر اعلیٰ سے ملاقات

اردو اکاڈمی کے سلسلے میں گفت و شنید

اُردو کے ممتاز ادیبوں، صحافیوں اور دانشوروں نے ۲۸ فروری کو وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری شنکر راؤ چوان سے اُن کے دفتر واقع سچیوالیہ میں ملاقات کی اور انھیں وزیر اعلیٰ بننے پر نیز اردو اکاڈمی قائم کرنے کے اعلان پر مبارکباد پیش کی۔

وزیر اعلیٰ نے جو کہ اردو زبان سے کافی شغف رکھتے ہیں، اردو زبان میں ہی بات کرتے ہوئے فرمایا کہ اردو اکاڈمی کے دائرۂ کار اور دائرۂ اختیار کے سلسلہ میں آپ لوگ تحریری تجاویز پیش کریں تاکہ جیسا کہ وہ چاہتے ہیں اکاڈمی کا قیام جلد از جلد عمل میں آسکے۔

ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر محصولات، شہری ترقیات، نیو ٹاؤن شپ، سیاحت، پروٹوکول و اوقاف نے جو کہ اس موقع پر موجود تھے، گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے فرمایا کہ اردو اکاڈمی کے قیام اور دائرۂ کار کے سلسلے میں تمام فیصلے اردو مصنفین کے مشورے کے بعد ہی کیے جائیں گے۔ انھوں نے مزید فرمایا کہ یہ اکاڈمی اردو والوں کے لئے ہی ہوگی۔

جناب خواجہ عبدالغفور، سکریٹری، جنرل ایڈمنسٹریٹیو ڈپارٹمنٹ نے گفتگو کے دوران اردو اکاڈمی کے لائحۂ عمل سے متعلق ... اور قابلِ قبول خاکہ پیش کئے جنھیں تمام ادیبوں اور شعرا حضرات نے متفقہ طور پر منظور کیا۔

اردو مصنفین کی جانب سے کرشن چندر، علی سردار جعفری، راجندر سنگھ بیدی اور اعجاز صدیقی نے اردو اکاڈمی کے قیام کے فیصلے پر وزیر اعلیٰ کو مبارکباد دی اور امید ظاہر کی کہ مہاراشٹر میں جہاں کہ اردو، مراٹھی کے بعد ریاست کی دوسری سب سے بڑی زبان ہے، اردو کے فروغ کے لئے یہ اکاڈمی بے مثال خدمت انجام دے گی۔

جناب خواجہ عبدالغفور نے وزیر اعلیٰ سے تمام ادیبوں اور شاعروں کا تعارف کروایا۔

وزیر اعلیٰ سے تبادلۂ خیال کرنے والے ادیبوں اور شاعروں میں سکندر علی وجد، کرشن چندر، علی سردار جعفری، راجندر سنگھ بیدی، مجروح سلطانپوری، کیفی اعظمی، ظ۔ انصاری، جاں نثار اختر، اعجاز صدیقی، عصمت چغتائی، سلمیٰ صدیقی، ملشن جعفری، ڈاکٹر عبدالستار دلوی، عبدالحمید لوہیرے، ڈاکٹر ایس۔ ایس۔ نشاط، کالی داس گپتا رضا، انجم رومانی، مظہر حسین قیصر اور شہریار عابدی شامل تھے۔

اردو اکاڈمی کے اعلان پر وزیر اعلیٰ کو مبارکباد

وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری شنکر راؤ چوان نے 'اردو اکاڈمی' کے قیام کا اعلان کرکے اردو داں طبقہ کا دل جیت لیا ہے۔ وزیر اعلیٰ کے اس شاندار اقدام پر ہدیۂ تہنیت پیش کرنے کی غرض سے اردو والوں کے ایک نمائندہ وفد نے موصوف سے ملاقات کی۔ اس وفد میں ڈاکٹر عبدالعلیم، چیرمین ترقی اردو بورڈ؛ شری شہریار حسین، پرنسپل پبلیکیشنز آفیسر ترقی اردو بورڈ؛ ڈاکٹر خلیق انجم، جنرل سکریٹری مرکزی انجمن ترقی اردو ہند (دہلی)؛ شری مصطفیٰ فقیہ، صدر انجمن ترقی اردو (بمبئی)؛ شری سید محمد زیدی، جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو (بمبئی) اور شری سید شہاب الدین دسنوی، جنرل سکریٹری انجمن اسلام (بمبئی) شامل تھے۔

ملاقات کے دوران ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر محصولات، شہری ترقیات، ٹاؤن شپ، سیاحت، پروٹوکول و اوقاف موجود تھے۔ آپ نے وفد کے اراکین کا وزیر اعلیٰ سے تعارف کرایا۔

ڈاکٹر عبدالعلیم اور ڈاکٹر خلیق انجم نے وزیر اعلیٰ کی خدمت میں گلدستے پیش کئے۔

وزیر اعلیٰ نے وفد کے اراکین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ وہ اردو اکاڈمی کے کام کو آگے بڑھانے کے سلسلہ میں مناسب مشورے دیں۔

●●

غزلیں

خود اپنی زندگی کی فنا مانگتے ہیں لوگ
کس سادگی سے غم کی دوا مانگتے ہیں لوگ

لب پر خدا کا نام نظر سوئے آسماں
کیا آرزو ہے جانے یہ کیا مانگتے ہیں لوگ

پھرتے ہیں چاک اپنا گریباں کئے ہوئے
کس کس ادا سے دادِ وفا مانگتے ہیں لوگ

مایوس ہو گئے ہیں محبت میں اس قدر
قاتل سے دلبری کی ادا مانگتے ہیں لوگ

بیٹھے رہو انھیں کی تمنا لئے ہوئے
اپنے کرم کا یوں بھی صلا مانگتے ہیں لوگ

اب ہر غزل میں ڈھونڈھتے ہیں نغمۂ خوشی
جو کچھ دیا ہے اس سے سوا مانگتے ہیں لوگ

انجم مرے خلوص کی مجبوریاں نہ پوچھ!
دل توڑ کر بھی مجھ سے وفا مانگتے ہیں لوگ

انجم جے پوری
۲۔ چاپسی ٹیرس، اٹاماؤنٹ روڈ، بمبئی ۲۶

اُن پلکوں پہ اشکوں کو مچلتے نہیں دیکھا
پتھر کو کبھی ہم نے پگھلتے نہیں دیکھا

ہم نے کبھی بیگانۂ تدبیر و عمل کو
تقدیر کے زنداں سے نکلتے نہیں دیکھا

اقرار کی گھڑیاں ہوں کہ انکار کا عالم
سورج کو کبھی درد کے ڈھلتے نہیں دیکھا

بدلے ہوئے حالات پہ اپنے کبھی ہم نے
احباب کے چہروں کو بدلتے نہیں دیکھا

مجھ سے نگہِ ناز کی رفتار نہ پوچھو
کیا تم نے کبھی تیغ کو چلتے نہیں دیکھا

جس راہ پہ قسمت نے قدم رکھ دئے اپنے
اُس راہ پہ گرتوں کو سنبھلتے نہیں دیکھا

خلش قادری
اسماعیل پورہ۔ ایر کھیڈا روڈ، کامٹی

مہاراشٹر کا رقبہ ۳۶۰.۸ لاکھ مربع کلومیٹر ہے جبکہ اس کی حدود میں ۵۰.۴ لاکھ کی آبادی بستی ہے جس میں سے بڑی تعداد یعنی ۳۴.۷ لاکھ دیہی علاقوں میں آباد ہے۔ دیہی علاقوں کی ہمہ جہتی ترقی ہی پر دیس کی پائیداری اور خوشحالی کا انحصار ہے۔ لہٰذا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ پانچ سالہ منصوبہ کے قومی پروگرام میں دیہی سڑکوں کو اہم مقام دیا گیا ہے!

دیہی علاقے کی ایک پختہ سڑک ۔ اب بیل گاڑی کے ذریعہ سفر بھی آرام دہ ہوگیا ہے۔ ■

سنہ ۱۹۶۱-۸۱ء سڑک پلان

سنہ ۱۹۶۱-۸۱ء پلان پر چیف انجنیروں کی سفارشات پر حکومت مہاراشٹر نے ہر ضلع کے لیے ایک روڈ پلان وضع کیا ہے۔ ریاست میں ۲۰ سالہ سڑک پلان کے مطابق ۱,۱۲,۲۹۶ کلومیٹر طویل سڑکوں کی تعمیر کی جائے گی جس میں قومی شاہراہ سے لے کر دیہی سڑکوں تک تمام اقسام کی سڑکیں شامل ہیں۔ اس میں سے ۵۰ فیصدی سے زیادہ حصہ یعنی ۶۷,۰۰۰ کلومیٹر دیہی سڑکیں اس پلان میں شامل کی گئی ہیں۔ سنہ ۱۹۶۱-۸۱ء کا پلان وضع کرتے وقت ان دیہی سڑکوں کی تخمیناً لاگت تقریباً ۲۵۰ کروڑ روپے تھی۔

دیہی سڑکوں کا نظام دیہاتوں کی سڑکوں اور ضلع سڑکوں پر مشتمل ہے۔ دیہی سڑکوں سے مراد ایسی سڑکیں ہیں جو دیہاتوں کو یا اُن کے مجموعوں کو ایک دوسرے سے نیز ضلع کی بڑی سڑکوں یا دیگر سڑکوں سے ملاتی ہیں۔

سنہ ۱۹۶۱-۸۱ء کے سڑک منصوبہ کی رو سے کوئی دیہات یا قصبہ کچی سڑک سے ترقی یافتہ علاقے میں ۶۶۵ کلومیٹر، کم ترقی یافتہ علاقے میں

پیچ وخم کھاتی ہوئی پختہ سڑک پر تعمیر شدہ جدید اور مضبوط پُل ۔

۱۳ کلومیٹر یا ترقی پذیر علاقے میں ۱۹ کلومیٹر سے دور نہ ہونا چاہیئے۔ ناپختہ سڑکوں یا موسم سڑکوں سے کسی جگہ کا فاصلہ ایسے علاقوں میں جن کی مدارج ترقی کے لحاظ سے درجہ بندی کی گئی ہے ۵ء۲ کلومیٹر یا ۸ کلومیٹر سے زیادہ نہ ہونا چاہیئے۔

مالیات

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ ریاست میں سڑک پلان کے مطابق ساری دیہی سڑکوں کی لاگت تعمیر ۲۵۰ کروڑ روپے کے لگ بھگ ہوگی بہرحال اندازہ یہی ہے کہ اس حد تک سرمایہ دستیاب نہ ہو سکے گا۔ ریاستی بجٹ میں مختص رقم پر انحصار کرتے ہوئے اوّلیت کے اعتبار سے دیہی سڑکوں کا کام شروع کرنا ہوگا۔ بجٹ میں مہیا کردہ اخراجات کے علاوہ ضلع پریشدیں بھی اپنے ذرائع سے بعض دیہی سڑکوں کیلئے روپیہ دیتی ہیں۔ اس طرح چوتھے پانچ سالہ منصوبہ کے دوران دیہی سڑکوں کو سڑک سدھار کے لئے منصوبہ میں ۵۲ کروڑ روپے کی کل مختص رقم میں سے ۶۲ء ۱۷ کروڑ روپے کا حصّہ ملا۔

چوتھے پانچ سالہ منصوبہ کے دوران پہاڑی اور دور دراز واقع علاقوں میں سڑکوں کی تعمیر کے لئے ایک نئی اسکیم شروع کی گئی تاکہ ریاست کے مختلف خطّوں میں ترقی پذیر علاقوں کی راہ کھلے۔ منصوبہ کی مدّت کے دوران لگ بھگ ۱۴٫۵۰۰ کلومیٹر دیہی سڑکوں اور ۷۰۰ کلومیٹر دیگر ضلع سڑکوں کی تعمیر مکمل ہوئی - مزید برآں زمانۂ قلّت کے دوران تقریباً ۵۰٫۰۰۰ کلومیٹر دیہی سڑکوں کا کام نپٹایا گیا۔ قلّت کے زمانے میں شروع کئے گئے سڑک کے مختلف کاموں پر جن میں مٹی کا کام کنکر پتھر جمع کرنے اور سڑک چوڑا کرنے کا کام وغیرہ شامل ہے تقریباً ۱۰۰ کروڑ کے مصارف سے ریاست کے بڑے علاقے میں رسل و رسائل کی سہولتیں بہم پہنچانے میں کافی مدد ملی۔

دیہی علاقوں میں مراسلات بہم پہنچانے کی شدید ضرورت کے مدِّنظر پانچویں منصوبہ میں ایک

خاص پروگرام یعنی اقل ترین ضرورت پروگرام شروع کرنے کی تجویز ہے۔ یہ پروگرام وضع کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ ۱۵۰۰ افراد پر مشتمل آبادی رکھنے والے دیہاتوں میں یا پہاڑی، ساحلی یا قبائلی علاقہ میں جہاں آبادی نسبتاً زیادہ منتشر ہے۔ ۱۵۰۰ افراد کی آبادی رکھنے والے دیہاتوں کے گروہ میں معینہ معیار کی دیہی سڑکوں کے ذریعہ رابطہ پیدا کیا جائے۔

سڑکوں کی ترتیب اس طرح ہوگی جس سے زیادہ سے زیادہ تعداد میں دیہات کم سے کم طول کے ساتھ جڑ جائیں اور دوہری مراسلات اور متوازی تعمیر نہ ہو۔ اسکیم کی رو سے مقامی لوگ اس میں براہ راست حصہ دار ہوں گے جو سڑک کی تعمیر سے فیضیاب ہوں گے۔ اس کے لئے انھیں بلا معاوضہ اراضی اور تعمیر کا کام انجام دینا ہوگا۔" اقل ترین ضرورت پروگرام" کے تحت پانی کے دیکاس کے لئے چھوٹی نالیاں وغیرہ بنائی جائیں گی۔ دیگر کاموں مثلاً چھوٹے پل اور بڑے پل وغیرہ کا بندوبست ریاست کی جانب سے عام منصوبہ میں کیا جائیگا ایسی سڑکوں کو فوقیت دی جائے گی جو پہاڑی، ساحلی اور قبائلی علاقوں پر حاوی ہوں۔

فی الواقعی دستیاب ذرائع پر انحصار کرتے ہوئے یہ تجویز کی گئی ہے کہ پانچویں پانچ سالہ منصوبہ کی مدت کیلئے مہاراشٹر میں اس پروگرام کے لئے لگ بھگ ۵۰ کروڑ روپے کی رقم رکھی جائے۔ ۱۹۷۴-۷۵ء میں جو پانچویں منصوبہ کا پہلا سال ہے مبلغ ۶۸ لاکھ روپے کی رقم سے مذکورہ " اقل ترین ضرورت پروگرام" کی ابتداء کی جائے گی۔

منصوبہ بندی کیلئے ایجنسیاں

سڑک سسٹم کی منصوبہ بندی کے لئے ضلع کو ایک یونٹ قرار دیا گیا ہے۔ تجویز یہ ہے کہ ہر ضلع کے لئے ایک مناسب منصوبہ بنایا جائے جو اس کی ضرورتوں کے تمام پہلوؤں سے ملوث ہو۔ لہٰذا حکومت نے ضلع منصوبہ بندی بورڈ اور ضلع سدھار کونسلیں قائم کی ہیں تاکہ ضلع کے لئے با مقصد منصوبہ کی شکل میں لوگوں کی ضرورتوں کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ ان بورڈوں کی عام رہنمائی کی جائے گی نیز پانچ سالہ منصوبے کے چوکھٹے میں منصوبہ بندی بورڈوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ہر سالانہ منصوبہ میں شامل کرنے کے لئے ترجیحی کام تجویز کریں۔ پہاڑی، دور دراز اور قبائلی علاقوں میں کاموں کو اہمیت اور برابری دینے کے لئے قبائلی مشاورتی کونسلیں قائم کی گئی ہیں تاکہ وہ قبائلی علاقوں میں مناسب سڑکوں کے انتخاب کے لئے حکومت کو مشورہ دیں۔ یہ بورڈ اور کونسلیں متعلقہ علاقوں کے لوگوں کے منتخب نمائندوں اور ضلع پریشدوں کے صدر صاحبان پر مشتمل ہیں۔

دیہی سڑکیں عموماً ذرائع سرمایہ کا لحاظ کئے بغیر ضلع پریشدوں کی جانب سے تعمیر کی جاتی ہیں۔ غیر ماہرانہ حصہ نیز دیہی سڑکوں کی تعمیر کا کام عموماً مزدوروں کی درج شدہ کوآپریٹیو سوسائٹیوں اور محکمہ واری ایجنسیوں کے ذریعہ انجام دیا جاتا ہے۔ چھوٹے کاموں اور نالیوں وغیرہ کے لئے عموماً ٹھیکیداروں کی ایجنسی سے کام لیا جاتا ہے۔ حکومت کا تجربہ یہ ہے کہ ان کاموں کیلئے اہل اور معتبر ایجنسی آسانی سے نہیں ملتی۔ اکثر چھوٹے ٹھیکیدار یا پیس ورکر گو کہ اہل ہوتے ہیں تاہم چھوٹی تعمیرات کے لئے بھی ضروری ذرائع سرمایہ اکٹھا کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

اس خیال سے کہ مقامی صلاحیتوں کا استعمال نہ ہو، معمولی پیس ورکروں کو بھی پیشگی مالی امداد دینے کا تجربہ کیا جا رہا ہے تاکہ اپنی صلاحیت کو بروئے کار لاسکیں۔ حکومت سے امداد پانے والے ان مقامی پیس ورکروں سے قدرتاً یہی توقع ہوتی ہے کہ وہ بیرونی ایجنسی کے مقابلے میں جسے ترقی پذیر علاقے سے کوئی مستقل دلچسپی نہیں ہوتی زیادہ ذمہ داری سے کام انجام دیں گے۔ ابتداء میں یہ تجربہ چھوٹے علاقے میں شروع کیا گیا تھا اور اب اسے ساری ریاست میں پھیلانے کا ارادہ ہے۔ دیہی سڑکیں ان مقررہ نقشوں کے مطابق تعمیر کی جا رہی ہیں جو تمام ریاستوں کے چیف انجینئروں نے اپنی رپورٹ بابت ۱۹۶۱-۸۱ء پلان میں وضع کئے ہیں۔

مشینری کی قلت

دیہی سڑکوں کے منصوبہ کو زیر عمل لانے کے لئے کافی تعداد میں غیر ماہر مزدور دستیاب ہیں تاہم سڑکوں کے کام کے لئے ضروری مشینری مثلاً روڈ رولر اور واٹر ٹینکروں وغیرہ کی قلت ہے۔ لہٰذا جہاں تک ہوسکے زیادہ سے زیادہ تعداد میں رولر حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ریاست مہاراشٹر کے لئے پانچویں پانچ سالہ منصوبہ میں تمام اقسام کی سڑکوں کے لئے تقریباً ۱۰۰۰ روڈ رولر درکار ہیں۔ فی الحال یہ ممکن ہے کہ اس میں سے ۷۵ فیصدی ضرورت بھر رولر مل جائیں۔ مشینری کو متحرک اور ٹھیک رکھنے کی غرض سے مرکزی اور معاون ورک شاپ قائم کئے جا رہے ہیں۔ ضلع کے اندرونی علاقوں میں مرمت کا کام انجام دینے کے لئے گشتی ورکشاپ کا بھی بعض اضلاع میں دستیاب ذرائع کے مطابق انتظام کیا جا رہا ہے۔ نئی مشینری حاصل کرنے اور اس سے کام کرنے کے لئے اسے اچھی سے اچھی حالت میں رکھنے کی پوری پوری کوشش کی جا رہی ہے تاکہ دیہی سڑکوں کی تعمیر کا کام کامیابی سے ہمکنار ہو۔

بیل گاڑیوں کا سدھار

بیل گاڑی کاشتکار کی دیہی معیشت میں نہایت اہم مقام رکھتی ہے۔ آئندہ سالہا سال تک اس کو ہٹانا ممکن نہیں۔ کسان اسے روزمرہ کی ضرورتوں، کھیتی باڑی اور خرید و فروخت

کے متفرق کاموں میں استعمال کرتا ہے۔ بدقسمتی سے بیل گاڑی کا پہیہ ہی کچی اور پکی سڑکوں کے لئے سب سے زیادہ تخریبی عنصر ہے۔ بیل گاڑیوں کے لوہے دار پہیے کچی یا پکی سڑک کی سطح میں گھس جاتے ہیں اور تھوڑی ہی مدت میں اسے ناقابلِ استعمال بنا دیتے ہیں سڑکوں کی حالت سدھارنے کے ساتھ اس بات کا بھی خیال رکھا جاتا ہے کہ بیل گاڑیوں کو بھی سدھارا جائے جو خاص دیہی سڑکوں اور دیگر ضلع سڑکوں کے لئے موافق ہوں۔

ایک طریقہ یہ ہے کہ لوہے والے گھیرے کی بجائے پہیوں میں ٹائر لگایا جائے۔ لہٰذا اسی مقصد سے حکومت کی ایک فنی کمیٹی بیل گاڑی اور سڑکوں دونوں کے سلسلے میں جن پر زیادہ تر بیل گاڑیاں چلتی ہیں 'خاص وضع' پر پوری تندہی سے غور کر رہی ہے تاکہ سڑکوں پر خرچ کی گئی رقم سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے۔

اس طرح ریاست کے سڑک سدھار منصوبہ میں دیہی سڑک سسٹم کو اہم مقام دیا گیا ہے۔ جہاں تک ممکن ہے زیادہ سے زیادہ رقم اس پروگرام کے لئے مہیا کی جا رہی ہے۔ زیادہ سے زیادہ کفایتی نمونے وضع کئے جا رہے ہیں سڑکوں اور ان پر چلنے والی گاڑیوں کے نمونوں کو سدھارنے پر خاص توجہ دی جا رہی ہے۔ لہٰذا یہ کہنا عین مناسب ہوگا کہ مہاراشٹر میں دیہی سڑکوں کے نظام پر ضروری توجہ دی جا رہی ہے جس کا یہ مستحق ہے۔

ست پڑا پہاڑ

عبدالعزیز نشتر ادیب کامل (علیگ)
۸۴۔ انصاری بلڈنگ، پاٹپ روڈ،
کرلا، بمبئی ۷۰

اے ست پڑا بہت ہے رتبہ بلند تیرا،
تیری بلندیوں سے نکلے ہیں کتنے دریا

پانی سے تیرے میدان سیراب ہو رہے ہیں
کھیتوں کا پوچھنا کیا شاداب ہو رہے ہیں

وردھا بھی تجھ سے نکلی، نکلی ہے تاپتی بھی
تیرے ہی دم سے قائم ہے شان پورنا کی

تیری ہی سرزمیں سے نکلی ہے وین گنگا
دریائے نربدا کو تو نے ہی جوش بخشا

تجھ پر چکلدرہ ہے، تجھ پر ہے پچمڑی بھی
موسم میں گرمیوں کے ہوتی ہے ان میں سردی

تیری بلندیوں پر اکثر ہیں گونڈ رہتے
کتنی جوار کھا کر اپنی ہی رو میں بہتے

ان کا لباس سادہ، ان کی زبان اپنی
محنت سے کاٹتے ہیں وہ جنگلوں سے لکڑی

دشوار اس قدر ہیں اے کوہ تیرے رستے
چوٹی پہ تیری چڑھتے ڈرتے ہیں اچھے اچھے

نشتر بیاں کرے گا کیا وصف اور تیرا
ہے دلنواز بے شک ہر ایک طور تیرا

اسمبلی کی کارروائیاں

قانون ساز اسمبلی کے بجٹ سیشن کا آغاز
ری کو بمبئی میں ہوا۔
اس کا افتتاح گورنر علی یاورجنگ کے
سے ہوا۔ شری علی یاورجنگ نے دونوں
، کے مشترکہ اجلاس کو خطاب کیا۔ (گورنر
قومی راج کے یکم مارچ کے شمارے میں
لیا جا چکا ہے)
لوک شاہی اگاڑی اور جن سنگھ نے واک
کرکے گورنر کے خطبے کا بائیکاٹ کیا۔
سلہ میں غلّہ کی فراہمی اور سرحدی تنازعہ
مفیہ سے متعلق حکومت کی کارروائی پر
ی۔ بی۔ پاٹل نے بے اطمینانی کا اظہار کیا۔
اس ہفتہ کے دوران سردشری اے۔ اے۔
ڈے، ایس۔ ڈی۔ ناتو اور دوسرے ممبران
یک التواء پیش کی جو امراوتی ضلع کے
پیدا کرنے والے کسانوں پر بہی رام میں
نے والی فائرنگ سے متعلق تھی۔
اسپیکر شری ایس۔ کے۔ وانکھیڈے نے
ضوع پر دو گھنٹے بحث کی اجازت دی۔
بحث کی ابتدار کرتے ہوئے شری اے۔
وانکھیڈے نے ایس۔ آر۔ پی کو موردِ الزام
کر اس نے نہتے کسانوں پر گولیاں چلائیں۔
مت کی اجارہ داری حصولیابی کپاس
کے خلاف ستیہ گرہ کر رہے تھے۔ انھوں
، سلسلہ میں عدالتی تحقیقات کا مطالبہ کیا۔
سروشری ایس۔ ڈی۔ نانڈیکر، کے۔ این۔
لہ، شیواجی راؤ پاٹل، این۔ کے۔ پاٹل،
سداشیو مالی، ڈی۔ بی۔ پاٹل اور آر۔ کے۔ مہالگی
نے بھی بحث میں حصّہ لیا۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری وائی۔
جے۔ موہیتے، وزیرِ امدادِ باہمی نے کہا کہ ستیہ گرہ
کپاس پیدا کرنے والے کسانوں نے نہیں کی تھی
بلکہ یہ ایک سیاسی چال تھی۔ دراصل اس کے
پس پشت کپاس کے ایجنٹ اور دلّال تھے جو
کئی سال سے کسانوں کا استحصال کر رہے ہیں،
اور اس اجارہ داری حصولیابی کپاس اسکیم سے
ان کے ذاتی مفاد کو نقصان پہنچتا ہے اس لئے
انھوں نے کپاس پیدا کرنے والوں کے نام پر یہ
ستیہ گرہ کی۔

بہی رام واقعہ کی تفصیلات پر روشنی ڈالتے
ہوئے شری موہیتے نے اس امر کا انکشاف کیا
کہ جو بیل گاڑیاں ستیہ گرہ میں حصہ لے رہی
تھیں وہ بجائے کپاس کے پتھروں سے بھری
ہوئی تھیں اور جب پولس پر پہلے حملہ کیا گیا تو
پولس نے مجبوراً لاٹھی چلائی، آنسو گیس
چھوڑی اور آخرکار فائرنگ کرنی پڑی۔

•

ایوان نے قماربندی (ترمیم) بل ۱۹۷۵ء
پاس کر دیا۔ اس بل کو شری آر۔ پی۔ ولوی،
وزیر داخلہ نے پیش کیا تھا۔

بل میں قمار بازی کی وضاحت کی گئی ہے
جس میں مٹکا اور اس قسم کے دوسرے جوئے
بھی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اس بل کے
ذریعے جوئے سے متعلق جرائم کرنے والے افراد
کو دی جانے والی سزاؤں اور جرمانوں میں اضافے
کئے گئے ہیں۔

بحث کے دوران متعدد ممبران نے اس بل
کی حمایت میں اظہار خیال کیا۔

بل پر بحث کا آغاز کرتے ہوئے شری
ایس۔ ایس۔ دِگھے نے فرمایا کہ جوا اور عصمت
فروشی سرمایہ دارانہ نظام کی دین ہیں۔ جب تک
اس کے خلاف سخت اقدامات نہیں اُٹھائے
جائیں گے، اس بُرائی کا خاتمہ نہیں ہو سکے گا
چنانچہ یہ بل اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔

شری پرمود نولکر جنھوں نے ماضی میں لگاتار
حکومت پر زور دیا تھا کہ وہ اس قسم کا کوئی
قانون پاس کرے، جوئے کے اڈّوں کی
سرگرمیوں پر روشنی ڈالی اور کہا کہ جب تک
سماجی نظام میں تبدیلی نہیں کی جاتی اس قسم
کے قوانین بنانے کا کوئی خاطرخواہ نتیجہ برآمد
نہیں ہوسکتا۔ سروشری وی۔ کے۔ ٹمبے،
نونیت بارشیکر، بی۔ ایس۔ پاٹل، جی۔ این۔
بنات والا، کے۔ ڈی۔ بھیگڑے، راجہ میراشی،
ڈی۔ بی۔ پاٹل، ایف۔ ایم۔ پنٹو، ڈی۔ جی۔ پالکر،
شریمتی کملا رمن، شریمتی یشودھرا بجاج اور
دوسرے کئی اراکین نے بحث میں حصّہ لیا۔

بحث کے دوران پولس پر لگائے گئے
اس الزام کی وزیرِ مملکت برائے امورِ داخلہ شری
ولوی نے تردید کی اور کہا کہ جوا اور مٹکے جیسی
خرابیوں کو دور کرنے کیلئے پولس کو سختی برتنے کی
ہدایت کی جائے گی۔

کونسل کی کارروائی

ایوان نے شری ولوی کے جواب کے بعد
بل پاس کردیا۔

شری نریندر تڑکے نے مہاراشٹر ترقیاتی
(ترمیم) بل ۱۹۷۵ء ایوان کو پیش کیا۔

•

اس ہفتے کے دوران اسپیکر نے اعلان کیا
کہ لوک شاہی آگھاڑی کے ۱۶ ممبروں میں سے
۱۱ ارکان جنہیں شری اے۔ ٹی۔ پاٹل بھی شامل
ہیں، کانگریس میں شمولیت اختیار کی ہے۔ لہٰذا
لوک شاہی آگھاڑی پارٹی برخاست کی گئی۔

•

شری کے۔ ڈی۔ ھیگڑے نے ایک غیر سرکاری
قرارداد پیش کی جس میں سینٹرل ریلوے پر یہ زور
ڈالا گیا تھا کہ وہ پونہ سے لوناولہ اور پونہ سے
ڈونڈ کے علاقے کو 'مضافاتی علاقہ' قرار دے
اور سفر کی تمام سہولتیں مثلاً ریلوے پاس وغیرہ
جو بمبئی کے شہریوں کو حاصل ہیں، اس علاقے
کے لوگوں کو بھی دی جائیں۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری اے۔
آر۔ انتولے وزیر تعمیرات و مواصلات نے اس
بات کا اعتراف کیا کہ یہ مسئلہ بے حد اہم ہے
اور ناسک اور احمد نگر کے عوام کو بھی یہی مسئلہ
درپیش ہے لیکن انھوں نے اس بات کی یقین دہانی
کی کہ حکومت اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کرے گی
نیز یہ کہ اس سلسلہ میں وزارتِ ریلوے اور ریلوے
بورڈ کی بھی توجہ مبذول کرائی جائے گی۔

بحث کے بعد یہ قرارداد واپس لے لی گئی۔

•

شری بی۔ ایس۔ پاٹل نے ایک دوسری غیر سرکاری
قرارداد پیش کی کہ مجاہدینِ آزادی کے بچوں کے لئے
تعلیم کی سہولتوں پر لگائی جانے والی آمدنی کی حد کو
بڑھاکر ۹۰۰۰ روپے کردیا جائے۔ وزیر تعلیم شریمتی
پربھا راؤ نے اس بات کی یقین دہانی کی کہ حکومت
اس مسئلے پر غور کرے گی۔

اس کے بعد بل واپس لے لیا گیا۔ ●●

۲۵ر فروری کو وزیر صحت شریمتی پرتیبھا پاٹل
نے لیجسلیٹو کونسل میں غذا و ادویہ ملاوٹ روک
تھام (ترمیم) بل پیش کیا۔ انھوں نے بتایا کہ
علاقائی اتھارٹیز کو سونپا گیا کام غیر اطمینان بخش
تھا اس لئے عمل آوری کا کام غذا و ادویہ انتظامیہ
کو دیا گیا ہے۔

سروشری دی۔ آر۔ پنڈت، سی۔ آر۔ کھانولکر،
پی۔ این۔ راج بھوج، ڈی۔ وی۔ دیشپانڈے، جی۔
پی۔ پردھان، انا صاحب گادھے، ایم۔ پی۔ منگڈکر،
رام میگھے، آر۔ ایف۔ چودھری اور ڈاکٹر پرمیلا ٹوپلے
اور دیگر اراکین نے بحث میں حصہ لیا اور بل کا خیر مقدم
کرتے ہوئے غذا و ادویہ ملاوٹ کی روک تھام کے
لئے کئی مشورے دئے۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے شریمتی پاٹل
نے کہا کہ مزید تین لیبوریٹریز غذا و ادویہ کے تجزیے
کیلئے ریاست میں قائم کی جائیں گی۔ انھوں نے خاص
طور پر خواتین کے اداروں سے اپیل کی کہ وہ اس
معاملے میں تعاون کریں تاکہ غذا و ادویہ میں
ملاوٹ کی روک تھام کی جاسکے۔ بعدازیں ایوان
نے بل پاس کردیا۔

اجارہ داری کپاس حصولیابی اسکیم

سروشری ایم۔ یو۔ لاہنے اور آر۔ ایف۔ چودھری
نے اجارہ داری کپاس حصولیابی اسکیم پر بحث کا
آغاز کیا جو آدھ گھنٹے تک جاری رہی۔ انھوں نے
محدود مالی ذرائع کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اس
اسکیم پر عمل نہ کیا جاسکا جس کی وجہ سے کپاس
پیدا کرنے والے کسانوں میں بے اطمینانی پھیل گ
اس لئے بھی رام میں ستیہ گرہ اور پولس فائرنگ
کی نوبت پہنچی جس کے نتیجہ میں ایک کسان
موت واقع ہوئی اور بلڈانہ ضلع کے دسیرک
مقام پر لاٹھی چارج کا واقعہ پیش آیا۔

سروشری لاہنے، چودھری اور ڈاکٹر
ٹوپلے نے کہا کہ چونکہ یہ اسکیم ناکام رہی ہے ا
کپاس پیدا کرنے والے کسانوں کو یہ اجازت
دی جانی چاہئے کہ اگر وہ چاہیں تو کھلی منڈ
میں کپاس بیچ سکتے ہیں۔ انھوں نے بھی رام
فائرنگ کے سلسلہ میں عدالتی تحقیقاتی کاررو
مطالبہ کیا۔

سروشری این۔ ڈی۔ پاٹل اور انا صاحب گ
نے اس اسکیم کی حمایت کی اور اس بات پر زور
کہ حکومت کو اس پر سختی سے عمل کرنا چاہئے۔
رام میگھے نے اس اسکیم کو "ترقی پسندی"
تعبیر کیا۔

سروشری ایل۔ وی۔ منکر، این۔ وی۔
اور ایس۔ اے۔ رشندے نے بھی بحث
حصہ لیا۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے ش
وائی۔ بی۔ موہتے، وزیر برائے امداد باہ
کہا کہ یہ کپاس پیدا کرنے والے کسانوں کا
کاشتکاروں کے فائدے سے متعلق نہیں
تاجر، ایجنٹ اور دیگر افراد جو اس اسکیم
متاثر ہوئے ہیں، اس احتجاج کے پس پشت
کام کر رہے تھے۔

انھوں نے کاشتکاروں سے کہا کہ
سرمایہ داروں کے پروپگنڈہ کا شکار نہ
جو اس احتجاجی تحریک کی قیادت کر رہے

انھوں نے ایوان کو یقین دلایا کہ حکومت باوجود مخالفت کے اس اسکیم پر سختی سے عمل کرے گی۔

اسکیم کی عمل آوری کے ابتدائی درجہ میں پائی جانے والی خامیوں کا ذکر کرتے ہوئے شری موہیتے نے کہا کہ کاشتکاروں کے مفاد کے پیش نظر اسکیم میں ترمیم کی گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اب کسانوں کو بھی اس اسکیم کے ذریعے حاصل ہونے والے فوائد کا احساس ہو چکا ہے۔

بھی رام میں پولس فائرنگ کے سلسلے میں شری موہیتے نے کہا کہ ابتدا میں پولس نے کافی ضبط سے کام لیا لیکن جب مجمع تشدد پر اُتر آیا تو اپنی حفاظت کی خاطر پولس کو فائرنگ کرنی پڑی۔ انھوں نے کہا کہ مجمع نے پولس پر پتھروں اور اینٹوں سے حملہ کیا تھا جو لاریوں میں کپاس کے نیچے چھپا کر لائے گئے تھے۔

مہاراشٹر اسمال اسکیل انڈسٹریز ڈیولپمنٹ کارپوریشن کی رپورٹ برائے سال ۷۰-۱۹۶۹ء ایوان کے ملاحظہ کے لئے پیش کرتے ہوئے شری یو۔ این۔ گائکواڑ، وزیر مملکت برائے صنعت نے ۲۷ فروری کو کہا کہ ریاست میں ۳۶،۰۰۰ چھوٹے پیمانے پر چلائی جانے والی صنعتیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پچھلے سال کے دوران کارپوریشن نے ۱۲ء۱۴ کروڑ روپیوں کا لوہا اور اسٹیل ان صنعتوں کو مہیا کیا اور ۴۲ لاکھ روپیوں کا سامان برآمد کیا۔

سروشری آر۔ ایف۔ چودھری، سی۔ آر۔ کھانولکر، منوہر جوشی، پی۔ این۔ راج بھوج، دولت راؤ بھوسلے، جی۔ پی۔ پردھان، ایس۔ اے۔ سندے، این۔ ڈی۔ منکر، ڈی۔ ڈی۔ تیاڑے جی۔ پی۔ لوچاکے اور ڈاکٹر پرمیلا ٹوپلے نے بحث میں حصہ لیا۔ انھوں نے حکومت پر زور دیا کہ بوگس صنعتوں اور خام مال کی کالا بازاری کرنے والوں کے خلاف سخت اقدام کیا جائے۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری گائکواڑ نے کہا کہ حکومت ریاست میں پائی جانے والی بوگس صنعتوں کے خلاف ضروری کارروائیاں کرے گی۔

فلم فنڈ

شری ایم۔ ڈی۔ چودھری، وزیر مالیات نے ایوان کو بتایا کہ ریاستی حکومت مراٹھی فلم انڈسٹری کے احیاء کے لئے ہر ممکن مدد کرے گی۔ شری وسنت دیسائی کے اٹھائے گئے سوال کا جواب دیتے ہوئے شری چودھری نے کہا کہ مراٹھی فلم انڈسٹری کی مدد کیلئے ایک فلم فنڈ قائم کرنے کا فیصلہ کیا جائے گا۔

آدھ گھنٹے کی بحث کا جواب دیتے ہوئے جو ریاستی حکومت کے ملازمین کی پنشن سے متعلق تھی اور جس کا آغاز سروشری جی۔ کے۔ اتھاولے اور جی۔ پی۔ کانٹکر نے کیا تھا، شری ایم۔ ڈی۔ چودھری نے کہا کہ حکومت حیدرآباد ایڈمنسٹریٹیو کالج کے ماہرین کی کمیٹی کی رپورٹ کا، جو ریاستی پنشن قوانین اور پروسیجر سے متعلق ہے، معائنہ کر رہی تھی۔ انھوں نے کہا کہ ریاستی ملازمین کو پنشن اُنکے ریٹائر ہونے کے دوسرے ماہ سے ہی ملنی شروع ہو جانی چاہیئے اس سلسلے میں کوشش کی جا رہی ہے اور پنشن کے قواعد میں ترمیم کی جا رہی ہے۔

بیک بے ریکلیمیشن پلاٹز

بیک بے ریکلیمیشن اسکیم سے متعلق ایک غیر سرکاری قرار داد پر بحث کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر شہری ترقیات نے کہا کہ اب مزید پلاٹ کسی کو بھی الاٹ نہیں کئے جائینگے سوائے اُن پلاٹس کے جو کہ پہلے ہی الاٹ کئے جا چکے ہیں۔

سروشری ایل۔ پی۔ پجاری، ڈی۔ وی۔ دیشپانڈے، پی۔ این۔ راج بھوج، ڈی۔ ایچ۔ تیاڑے اور سی۔ آر۔ کھانولکر نے بحث میں حصہ لیا اور اس اسکیم کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا۔

سنیما تھیٹروں کے قومیانے سے متعلق شری رام میگھے کی ایک غیر سرکاری قرار داد کا جواب دیتے ہوئے شری آر۔ پی۔ دلوی، وزیر مملکت برائے امور داخلہ نے کہا کہ حکومت کی یہ پالیسی ہے کہ ریاست میں سنیما تھیٹر بڑھائے جائیں۔ اگر ریاست کے ۵۰۰ تھیٹر قومیائے گئے تو معاوضے کا سوال پیدا ہوگا۔ انھوں نے کہا کہ حکومت کو تفریحی ٹیکس کے کے ذریعے ۷۴-۱۹۷۳ء میں ۱۷،۱۰ کروڑ روپیوں کی آمدنی ہوئی۔ شری دلوی نے کہا کہ سنیما ٹکٹوں کی کالا بازاری کو روکنے کے لئے سنیما ایکٹ میں ترمیم کا ایک بل اسی اجلاس میں پیش کیا جائے گا۔

وزراء کے جوابات کے بعد دونوں غیر سرکاری قرار دادیں واپس لے لی گئیں۔

●●

ڈاکٹر اعجاز حسین کی وفات پر شری گجرال کا پیغام تعزیت

مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات شری آئی۔ کے۔ گجرال نے ڈاکٹر اعجاز حسین کی وفات پر ایک تعزیتی پیغام میں کہا کہ اُن کی وفات سے اُردو زبان ایک ممتاز تنقید نگار اور زبردست مصنف سے محروم ہو گئی ہے۔ ان کی تحریر نے بھارت کے ہی نہیں بلکہ بیرونی ملکوں کے مصنفین کو بھی متاثر کیا ہے۔ وہ اپنے ترقی پسندانہ خیالات کے لئے مشہور تھے۔ ان کا ہندی اور اردو دونوں کو قریب لانے کا یقین تھا اس لئے انھوں نے دونوں زبانوں میں لکھا۔
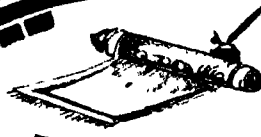
قومی رہنماؤں کے ناموں کا غلط استعمال نہ کیا جائے:
حکومت کی اپیل

حکومت مہاراشٹر لوگوں کو یہ یاد دہانی کرانا چاہتی ہے کہ قومی پرچم، قومی نشان، لوک سبھا وغیرہ نیز قومی رہنما مثلاً چھترپتی شیواجی مہاراج، مہاتما گاندھی، جواہر لال نہرو، صدر اور وزیراعظم ہند کی تصاویر (بشمول اشتہارات) پیشہ ورانہ اور تجارتی مقاصد سے استعمال کرنا ناجائز ہے۔

اس قسم کی کارروائی سے نشان اور نام (نامناسب استعمال کی روک تھام) ایکٹ بابت ۱۹۵۰ء کے قوانین کی خلاف ورزی ہوتی ہے نیز یہ قابلِ تعزیر جرم ہے جس پر ۵۰۰ روپے تک جرمانہ کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا حکومت لوگوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں اور نشانات اور ناموں کے غلط استعمال سے بچیں۔

بمبئی عظمیٰ اسمبلی حلقے کی فہرست رائے دہندگان

بمبئی عظمیٰ کے ۳۴ اسمبلی حلقے کی مجوزہ ترمیم شدہ فہرست رائے دہندگان، رجسٹریشن آف الیکٹورل رولز، بابت ۱۹۶۰ء کے تحت تیار کی گئی ہے۔ فہرست بغرض معائنہ مندرجہ ذیل مقامات پر دفتری اوقات میں دستیاب ہے:

الیکشن برانچ، اولڈ کسٹم ہاؤس، فورٹ، بمبئی میں قلابہ، عمرکھاڑی، ممبا دیوی، کھیت واڑی، اوپیرا ہاؤس، ملابار ہل، چنچ پوکلی، ناگپاڑہ اور مجگاؤں کی۔

ڈی۔ڈی۔ بلڈنگ، دوسری منزل، اولڈ کسٹم ہاؤس یارڈ، فورٹ، بمبئی میں پریل، سیوڑی، ورلی، نائیگام، دادر، ماٹونگا، ماہم، دھاراوی (ایس۔سی) کی۔

ایڈیشنل ڈسٹرکٹ کلکٹرز آفس، دادابھائی روڈ، اندھیری (مغربی)، بمبئی میں باندرہ، کھیرواڑی، وِلے پارلے، امبولی، سانتا کروز، اندھیری گورے گاؤں، ملاڈ، کاندیولی، بوریولی کی۔

ڈی۔ڈی۔ بلڈنگ، دوسری منزل، اولڈ کسٹم ہاؤس یارڈ، فورٹ، بمبئی میں ٹرامبے، نہرو نگر، کرلا، گھاٹ کوپر، بھانڈوپ اور ملنڈ کی۔

اگر کسی شخص کا نام فہرست میں شامل نہ ہو تو اس کو متعلقہ الیکٹورل رجسٹریشن افسر کو نام شامل کرنے کے لئے فارم نمبر ۶ پر دو نقول میں درخواست دینا چاہئے جو کہ دس پیسے رجسٹریشن فیس فی درخواست کنندہ ادا کرکے مل سکتا ہے۔

اس طرح رائے دہندہ (ووٹر) آخری فہرست سے درستی، خارج کرنے یا اندراج بدلنے کے لئے فارم نمبر ۷، نمبر ۸، نمبر ۸ اے اور نمبر ۸ بی، جیسا معاملہ ہو، درخواست کر سکتے ہیں۔ یہ فارم الیکشن برانچ اولڈ کسٹم ہاؤس میں اور متعلقہ الیکٹورل رجسٹریشن افسران سے دس پیسے اور پانچ پیسے فی فارم کی شرح سے خریدے جا سکتے ہیں۔

ای۔ایس۔آئی۔ایس۔امداد

ماہ جنوری ۱۹۷۵ء کے دوران تقریباً ۱۰,۲۳,۹۴۰ صنعتی ملازمین کو مختلف مدوں میں ملازمین ریاستی بیمہ اسکیم کے تحت تحفظ عطا کیا گیا۔

۴۸۶۱ حادثات کی اطلاع ملی اور جس کے لئے ۳۱۴۱ افراد کو عارضی معذوری مدد کے طور پر ۲,۶۵,۵۷۸ روپے کی امدادی رقم تقسیم کی گئی۔ اس کے علاوہ ۳۷۴ معاملات مستقل معذوری امداد کے طور پر داخل کئے گئے اور اس مد میں ۸,۳۸,۵۸۸ روپے کی رقم تقسیم کی گئی۔ لواحقین امداد کے طور پر اس ماہ کے دوران ۱,۰۹,۶۵۴ روپے کی رقم تقسیم کی گئی۔

تقریباً ۴۱۰۰۵ نئے کلیم داخل کئے گئے اور ۱۵,۸۲,۵۲۵ روپے کی رقم بیماری امداد کے طور پر تقسیم کی گئی۔ بعض بیمہ شدہ ملازمین جو کہ تپ دق، دماغی اور اسی طرح کی دوسری طویل وقتی مہلک بیماریوں میں مبتلا ہیں ان کو مزید دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے ان کو مزید توسیعی بیماری امداد کے طور پر امداد دی جاتی ہے۔ اس مد میں ۲,۷۴,۱۹۵ روپے کی رقم ادا کی گئی۔

ماہ کے دوران ۲۲۰ تازہ زچگی کے کیس داخل کئے گئے۔ ان پر ۲,۰۵,۲۸۹ روپے کی

رقم ادا کی گئی - بیمہ شدہ ملازمین کی بیویوں کو زچگی امداد کے طور پر ۹۰ہم,۰۲ ,۱ روپے کی رقم ادا کی گئی - ۱۵۹ واقعات میں ۸۹۸, ۱۵ روپے کی رقم تجہیز و تکفین کے لئے ادا کی گئی ۔

مراٹھی فلموں کو امداد

بہترین مراٹھی فلمیں، بشمول رنگین فلمیں، تیار کرنے کی حوصلہ افزائی کے مدنظر، حکومت مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ ایسے پروڈیوسروں کو مالی امداد دی جائے ۔ اس مقصد کے لئے وہ ساری رقم مختص کی گئی ہے جو گذشتہ سال مراٹھی فلموں کی نمائش سے بطور تفریحی ٹیکس وصول ہوئی ۔ اسکیم کے تحت مالی امداد یکم اپریل ۱۹۷۵ء سے دی جائے گی ۔

جن پروڈیوسروں کی فلمیں ریاست میں گذشتہ مالی سال کے دوران نمائش کے لئے پیش کی گئی ہیں وہ ۳۱ مارچ تک اہلیت سرٹیفکیٹ کے لئے کلکٹر بمبئی (محکمہ تفریحی ٹیکس) کو درخواست دیں ۔ سنسکرتک وکاس مہامنڈل رقم قسطوں میں ادا کرے گی ۔

ہریجن پندھرواڑہ منایا جائیگا

حکومت مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ اس سال ۱۴ اپریل سے یکم مئی تک " ہریجن پندھرواڑہ" منایا جائے ۔ ضلع پریشدوں کو مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ چھوت چھات کے خاتمے کی کوشش کریں اور لوگوں کو اس پر تیار کریں کہ کم سے کم مدت میں چھوت چھات کی بیماری کو ختم کیا جا سکے ۔ ان کو یہ بھی ہدایت کی گئی ہے کہ جو پبلک مقامات جیسے مندر، دھرمشالے، کنویں، ہوٹل وغیرہ ہریجنوں کے لئے کھلے نہیں ہیں ان کو عوام کے لئے کھول دینا چاہئے تاکہ ان مقامات پر بغیر کسی رکاوٹ کے داخلہ ممکن ہو ۔

اکتوبر ۱۹۷۵ء ایس۔ایس۔سی۔امتحان کے لئے نجی اُمیدوار

پونہ ڈیویژنل بورڈ کے حلقۂ اختیار کے تحت آنے والے اسکولوں کے سربراہوں نیز وہ نجی امیدوار جو کہ گیارہ سالہ کورس (پرانا کورس) کے تحت اکتوبر ۱۹۷۵ء کے ایس۔ایس۔سی۔امتحان میں شرکت کی خواہش رکھتے ہوں ان کو مطلع کیا جاتا ہے کہ اس امتحان میں نجی امیدوار کی حیثیت سے شرکت کی اجازت کے لئے مقررہ درخواست فارم ۱۷ متعلقہ اسکولوں میں داخل کرنے کی آخری تاریخ یکم اپریل ۱۹۷۵ء اور ان اسکولوں کی جانب سے ڈیویژنل بورڈ کے دفتر اور بمبئی سب آفس میں داخل کرنے کی آخری تاریخ ۱۵ اپریل ۱۹۷۵ء ہے ۔

ضروری دستاویزوں اور اسکروٹنی فیس وغیرہ کے ساتھ درخواستیں متعلقہ اسکولوں کے ذریعہ سے اس دفتر یا بمبئی سب آفس میں ۱۵ اپریل ۱۹۷۵ء سے قبل مل جانی چاہئیں ۔

انھیں دفاتر سے فارم ۱۷ کی نقول دو روپے کے عوض مل سکتی ہیں ۔ اسکول کے سربراہوں سے گذارش ہے کہ ضروری رقم منی آرڈر یا انڈین پوسٹل آرڈرز کے ذریعہ روانہ کریں ۔

پونا ڈیویژنل بورڈ کے حلقۂ اختیار میں آنے والے بمبئی اور بمبئی عظمیٰ کے تمام اسکولوں کے سربراہوں سے درخواست ہے کہ وہ تمام درخواستیں (فارم ۱۷) کے ساتھ ضروری دستاویزات اور امتحان فیس وغیرہ ۱۵ اپریل ۱۹۷۵ء سے قبل جوائنٹ سکریٹری، مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ برائے ثانوی تعلیم، پونا ڈیویژنل بورڈ، بمبئی سب آفس واقع روپاریل کالج، ماہم بمبئی ۱۶ کو ارسال کردیں ۔

ڈومیسائل سرٹیفکیٹ

چیف میٹروپولیٹن میجسٹریٹ، بمبئی نے ایسے اشخاص کو جو خصوصاً کالجوں میں داخلہ کے لئے ڈومیسائل اور سٹی زن شپ سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے خواہشمند ہیں، یہ ہدایت کی ہے کہ بھیڑ سے بچنے کے لئے پہلے سے درخواست دیدیں ۔ ایسی درخواستیں چیف میٹروپولیٹن میجسٹریٹ آفس، اسپلینیڈ، بمبئی یا ایڈیشنل چیف میٹروپولیٹن میجسٹریٹس آفس، واقع دادر اور باندرہ میں لئے جاتے ہیں ۔

اجنتا کے چار غار
عارضی طور پر بند

ڈائرکٹر جنرل، آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا نے اجنتا غار نمبر ایک، دو، سولہ اور سترہ کو مرمت کرنے کی غرض سے یکم مارچ ۱۹۷۵ء سے بند کر دیا ہے ۔

ان غاروں کی تصویروں کی صحیح نقلیں غار ۱۶ میں دکھائی جائیں گی تاکہ سیاحوں کو اصل تصویروں کا اندازہ ہو سکے ۔ اجنتا میں دوسرے غار ہیں جن سے آثارِ قدیمہ کی نادر اور انمول تصویروں کو دیکھا جاسکتا ہے جیسے غار ۲، ۹، ۱۰، ۱۹ اور ۲۶ سیاحوں کے لئے کافی دلچسپی کا سامان فراہم کرتے ہیں ۔

سولہ امدادِ باہمی عدالتوں کی تشکیل

حکومت مہاراشٹر نے رجسٹرار آف کوآپریٹیو سوسائٹیز سے رجوع کئے جانے والے تنازعوں کے تصفیہ کے لئے سولہ امدادِ باہمی عدالتیں تشکیل دی ہیں ۔ ان عدالتوں کی تشکیل سے متعلق نوٹیفیکیشن حکومت نے ۱۱ فروری ۱۹۷۵ء کو شائع کردیا ہے ۔

یہ عدالتیں یکم مارچ ۱۹۷۵ء سے کام شروع کریں گی۔

امدادِ باہمی عدالتوں کے نام اُنکے صدر مقام نیز حلقۂ اختیار کے ساتھ یہ ہیں :

اوّل کوآپریٹیو کورٹ، بمبئی (بمبئی اور بمبئی مضافاتی ضلع)، دوئم کوآپریٹیو کورٹ، بمبئی (بمبئی اور بمبئی مضافاتی ضلع)، سوئم کوآپریٹیو کورٹ، بمبئی (بمبئی اور تھانہ)، کوآپریٹیو کورٹ ناسک (ناسک)، کوآپریٹیو کورٹ، جلگاؤں (دھولیہ اور جلگاؤں)، کوآپریٹیو کورٹ، احمدنگر (احمدنگر)، اوّل کوآپریٹیو کورٹ، پونہ (پونہ) دوئم کوآپریٹیو کورٹ، پونہ (پونہ)، کوآپریٹیو کورٹ، ستارا (ستارا)، کوآپریٹیو کورٹ سانگلی (سانگلی)، کوآپریٹیو کورٹ، شولاپور (شولاپور)، کوآپریٹیو کورٹ، کولہاپور (کولہاپور) کوآپریٹیو کورٹ، علی باغ (کولابہ اور رتناگیری) کوآپریٹیو کورٹ، اورنگ آباد (اورنگ آباد ڈویژن کے پانچ اضلاع)، کوآپریٹیو کورٹ، امراؤتی (امراؤتی، اکولہ، ایوت مال، بلڈانہ) اور کوآپریٹیو کورٹ، ناگپور (ناگپور، وردھا، بھنڈارہ اور چندرپور)۔

ریاست [illegible] کوآپریٹیو سوسائٹیز ایکٹ کے تحت معاملات کے تصفیہ کے لئے پورے وقت کی مستقل مشینری کے قیام کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔ حکومت نے اب مہاراشٹر کوآپریٹیو سوسائٹیز ایکٹ بابت ۱۹۶۰ء میں ترمیم کر دی ہے جس سے ریاستی حکومت کو امدادِ باہمی عدالتوں کی تشکیل کا اختیار حاصل ہوگیا ہے۔

ان عدالتوں کی تشکیل کے بعد اب جتنے بھی تنازعے اور دوسرے معاملات آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی کے پاس تھے وہ سب امدادِ باہمی عدالتوں کو منتقل کر دئے جائینگے جو مذکورہ بالا ایکٹ کے تحت ان کا تصفیہ کریں گی۔

چھوت چھات کے اِنسداد پر منحصر فلموں کو انعام

حکومتِ مہاراشٹر نے اعلان کیا ہے کہ وہ چھوت چھات کو ختم کرنے کے موضوع پر بنی بہترین فلموں کو انعام عطا کرے گی۔ حکومت یہ وضاحت کرتی ہے کہ صرف ۱۹۷۴ء کے کلینڈر سال میں تیار کی گئی فلمیں ہی ان انعامات کی مستحق ہو سکتی ہیں۔

کیروسین پرمٹ

صنعتی مقاصد کے لئے کیروسین کے پرمٹ جو ڈائرکٹوریٹ آف انڈسٹریز، فوڈ اینڈ سول سپلائیز ڈپارٹمنٹ اور ریونیو حکام ضلع تھا۔ (بمبئی عظمیٰ راشن سدی علاقہ) نے جاری کئے تھے ۳۱ مارچ ۱۹۷۵ء تک باضابطہ تصدیق کے بعد کارآمد رہیں گے۔ پرمٹ رکھنے والے استعمال مقررہ ڈیلروں یا لسنسوں سے کیروسین کا کوٹہ برائے مارچ ۱۹۷۵ء لے سکتے ہیں۔

حالتِ قلت کا اعلان

حکومت مہاراشٹر نے ضلع سانگلی کے ۱۰۱ خریف دیہاتوں میں ۷۵-۱۹۷۴ء خریف موسم کے دوران بے قاعدہ اور قلیل بارش ہونے کی وجہ سے حالتِ قلت کا اعلان کر دیا ہے۔

تفریحی ٹیکس معاف

حکومت مہاراشٹر نے ساری ریاست میں مراٹھی فلم "راجہ شیوچھترپتی" کی نمائش کو بعض شرائط کے ساتھ تفریحی ٹیکس کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دے دیا ہے۔

لازمی سروس

حکومتِ مہاراشٹر نے کولہاپور میونسپل ٹرانسپورٹ سروس کو مزید چھ ماہ کے لئے مفادِ عامہ کی سروس قرار دے دیا ہے۔

سابق حیدرآباد کے ملازمین کمیٹی کی نئی تشکیل

حکومتِ مہاراشٹر نے ہدایت کی ہے کہ اس کمیٹی میں جو سابق ریاست حیدرآباد سے آئے ہوئے سرکاری ملازمین کی شکایات پر غور کرنے کے لئے تشکیل کی گئی ہے حسب ذیل افسران بحیثیت صدر اور اراکین شامل ہوں گے :

چیف سکریٹری، حکومت : چیرمین؛ شری ایل۔ ایس۔ سدراراجن، آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی، اور سکریٹری جنرل ایڈمنسٹریشن ڈپارٹمنٹ، شری کے۔ جی۔ پرانجپے، سکریٹری جنرل ایڈمنسٹریشن ڈپارٹمنٹ (پرسنل ڈویژن) اور شری ایم۔ ڈی۔ کالے، سکریٹری، بلڈنگ اینڈ کمیونیکیشن ڈپارٹمنٹ ممبران ہیں۔

شری ایم۔ ایل۔ پارڈکر

حکومت مہاراشٹر نے شری ایم۔ ایل۔ پارڈکر، آر۔ ایم ایم۔ ایس، جی۔ ڈی۔ امبیکر روڈ، پریل بمبئی کو شری این۔ ایس۔ دیشپانڈے کی جگہ جو راشٹریہ مل مزدور سنگھ کے رکن نہیں رہے ہیں اسٹیٹ امپلی منٹیشن اینڈ ایویلیوشن کمیٹی، بمبئی کا ممبر مقرر کیا ہے۔

سابق فوجیوں کی قانونی امداد

حکومتِ مہاراشٹر نے دیوانی اور فوجداری مقدمات میں سابق فوجیوں اور ان کے اہلِ خاندان کو قانونی امداد دینے کی اسکیم ۳۱ مارچ ۱۹۷۶ء تک جاری رکھی ہے۔

●●

خبرنامہ

وزیراعلیٰ شری ایس۔ بی۔ چوان نے ۲۶ فروری کو نیشنل ڈیفنس کالج، دہلی کے طالب علم افسران سے ملاقات کی۔ تصویر میں وزیراعلیٰ ان سے گفتگو کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔

وزیراعلیٰ ڈیفینس کالج کے طالب علم افسران کے ساتھ سوال وجواب کی خوشگوار ملاقات

نیشنل ڈیفینس کالج، نئی دہلی کے طالب علم افسران کے ساتھ نصف گھنٹے کی سوال وجواب پر مشتمل ایک خوشگوار ملاقات میں ۲۶ر فروری کو وزیراعلیٰ شری ایس۔ بی۔ چوان نے مختلف سوالوں کے جواب دیئے جن کا دائرہ خوراک سے مالیات اور بجلی کٹوتی سے طاقت کی عیر مرکزیت تک وسیع تھا۔

طالب علم افسران نے ریر ایڈمرل گوتم سنگھ کی قیادت میں وزیراعلیٰ سے سچیوالیہ میں ملاقات کی۔

ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے وزیراعلیٰ نے پُرزور الفاظ میں کہا کہ یہ وقت اپنی قوت کو چھوٹی ریاستوں کی تشکیل جیسے معاملوں میں برباد کرنے کا نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ وقت بنیادی معاشی معاملات پر غور کرنے کا ہے اور موجودہ ریاستوں کی تقسیم کا سوال بغیر کسی نقصان کے مستقبل پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ خوراک میں خودکفالت کے سلسلہ میں وزیراعلیٰ نے فرمایا کہ ان کے پالیسی بیان میں جو اقدامات ظاہر کئے گئے ہیں وہ ریاست کو پیداوار کا ایک اعلیٰ موقع فراہم کریں گے اور آئندہ دو تین سال میں خودکفالت کا ۸۵ فیصدی نشانہ حاصل کرنے میں مددگار ہوں گے۔

ضلع کی یقینی ترقی کے لئے ضلع پریشد جو کردار ادا کررہی ہے شری چوان نے اس کو سراہا اور کہا کہ ریاستی حکومت کا بنیادی نظریہ یہ تھا کہ ضلع پریشدوں کو اختیارات عطا کئے جائیں اور حکومت کو پورا یقین ہے کہ وہ پروگرام کے نفاذ میں پوری جرأت کا مظاہرہ کریں گے۔

وزیراعلیٰ خاص طور پر خوش تھے کہ ریاستی اسمبلی کے دونوں ایوانوں نے ریاستی ضمانتِ روزگار اسکیم کو منظوری دی اور فرمایا کہ اس اسکیم پر عملدرآمد کے لیے مطلوبہ سرمایہ کی فراہمی کی تجاویز کو بھی دونوں ایوانوں کی متفقہ حمایت حاصل ہوئی۔

علاقائی غیر یکسانیت کو ختم کرنے کے لیے وزیراعلیٰ نے فرمایا کہ حکومت نے ضلع منصوبوں کے ذریعہ ایک فارمولا تیار کیا ہے جس کے ذریعہ سے پسماندہ اضلاع میں ترقی کی رفتار تیز ہوگی اور ترقی یافتہ اضلاع میں معمول کے مطابق ترقی ہوتی رہے گی۔ وزیراعلیٰ کو یقین ہے کہ تقریباً دس سال کی مدت میں نہ صرف علاقائی بلکہ اضلاعی غیر یکسانیت کو ختم کرنے میں یہ فارمولا معاون ثابت ہوگا۔

وزیراعلیٰ سے ملاقات کرنے والے طالب علم افسران میں بنگلہ دیش، انگلینڈ اور آسٹریلیا کے افسران بھی شامل تھے۔

مغربی ساحل پر نمک کی پیداوار

ڈیولپمنٹ کارپوریشن آف کوکن نے تھانہ، کولابہ اور رتناگیری اضلاع کے مغربی ساحلی کناروں کی ایسی اراضی کی نشاندہی کی ہے جہاں پر مزید عام نمک تیار کیا جاسکتا ہے۔

کارپوریشن نے اراضی کے الاٹمنٹ کیلئے مجوزہ جوکھم داروں سے درخواستیں طلب کی ہیں۔

زیادہ ہے۔ گڑھ چرولی جس کا نمبر دوسرا ہے، اُس نے ۸۸،۲۴ کوینٹل خریداری کی۔ چندر پور، ورورا، اور سرونچا میں بالترتیب ...،۳۴ کوینٹل ۲۰،۳۰ کوینٹل اور ۲۷،۳۰ کوینٹل خریداری ہوئی۔

پکھورا پانی فراہمی اسکیم

حکومتِ مہاراشٹر نے ضلع اورنگ آباد کے تعلقہ گنگاپور میں واقع پکھورا دیہی نل پانی فراہمی اسکیم (پراجیکٹ سے متاثر گاؤں) کو انتظامی منظوری عطا کر دی ہے۔ اسکیم پر صرفہ کا تخمینہ ۵۰، ۱،۷۱ روپے کا ہے جس میں ۹۰ فیصدی حکومت کی مالی امداد ہوگی اور دس فیصدی جائیکواڑی پراجیکٹ اسکیم کے پراجیکٹ فنڈ سے دیا جائے گا۔

"سگندھی کٹا" کو پہلا انعام

مراٹھی فلموں کی بارھویں مہاراشٹر اسٹیٹ فیسٹیول کے دوران بہترین فلم کا بیس ہزار روپے کا اوّل انعام پونہ کی چترا مادلی کمپنی کی فلم "سگندھی کٹا" کو ملا اور بہترین ہدایت کار کے پانچ ہزار روپے کا اوّل انعام اس کے ہدایتکار شری وسنت اننت پینٹر کو ملا۔

دوسرا انعام بارہ ہزار روپے کا دھنیش چترا بمبئی کی فلم 'کارتکی' کو اور اس کے ہدایتکار شری دتاتریہ ایس۔ مانے کو ہدایت کا دوسرا تین ہزار کا انعام ملا۔

تیسرا انعام شری پدچترالیہ، بمبئی کی فلم "اشی ہی ساتاریہ چی طرلا" کو آٹھ ہزار روپے اور اس کے ہدایت کار شری مرلی دھر کاپڑی کو دو ہزار روپے کا تیسرا انعام ملا۔

بہترین کہانی کا ڈیڑھ ہزار روپے کا انعام 'کارتکی' کے کہانی کار شری آر۔ وی۔ دیگھے نے حاصل کیا۔

وزیراعلیٰ شری ایس۔بی۔ چوان نے یکم مارچ ۱۹۷۵ء کو سچیوالیہ میں 'پلین ٹرتھ' کے ایڈیٹر ڈاکٹر ہربرٹ ڈبلیو۔ آرمسٹرانگ سے ملاقات کی۔ اس موقع پر لی گئی تصویر!

ڈاکٹر آرمسٹرانگ اور وزیر اعلیٰ کی ملاقات

ڈاکٹر ہربرٹ ڈبلیو۔ آرمسٹرانگ، ایڈیٹر "پلین ٹرتھ" اور شری ایس۔بی۔چوان، وزیراعلیٰ نے یکم مارچ کو دنیا کے لوگوں کے درمیان مفاہمت قائم کرنے کی جدوجہد پر تبادلۂ خیال کیا۔

وزیراعلیٰ نے ان کے سامنے اس امر کی وضاحت کی کہ ہندوستانی فلسفہ زندگی طلب سے زیادہ ایثار و قربانی پر زور دیتا ہے۔

شری چوان نے کہا کہ دنیا بھر میں سنتوں اور فلسفیوں کا پیغام ایک ہی ہے کیونکہ انھوں نے لوگوں کے درمیان تقسیم نہیں بلکہ اتحاد اور میل محبت پر زور دیا ہے۔ آپ نے ڈاکٹر آرمسٹرانگ کو بتایا کہ اس پہلو کو اُجاگر کرنے کے لئے شری وی۔ ایس۔ پاگے، چیرمین آف لیجسلیٹو کونسل کی زیر صدارت ایک اسٹڈی گروپ سنتوں کی تحریروں کا مطالعہ کر رہا ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

چندر پور میں دھان کی خریداری

چندر پور ضلع میں جاریہ سال کے دوران کُل ۵۹۰،۰۳،۳ کوینٹل چاول خریدا گیا۔ اس میں ۳۱۰،۱۵،۱ کوینٹل دھان بطور اجارہ داری حصولیابی مہم کے تحت اور ۱۸۰،۸۸،۱ کوینٹل کھلے بازار سے خریدا گیا۔

اجارہ داری حصولیابی اور کھلے بازار سے خریدے جانے والے چاول کی مقدار میں برہم پوری تعلقہ سے ۳۰،۷۷،۱ کوینٹل دھان خریدا گیا۔ یہ مقدار ضلع کے چھ تعلقوں میں سب سے

قومی راج

جلد : ۲   یکم اپریل سنہ ۱۹۷۵ء   شمارہ : ۷

قیمت فی پرچہ : ۵۰ پیسے ✸ سالانہ ۱۰ روپے

زیرنگرانی : خواجہ عبدالغفور آئی-اے-ایس

ترسیلِ زر اور مراسلت کا پتہ :

ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز حکومتِ مہاراشٹر، سچوالیہ بمبئی ۳۲...۴۰۰

فہرست

سخنہائے گفتنی

سری رام پور میں بے زمین کسانوں اور نچلی مزدوروں کے لئے کم لاگت کے مکانات کی تعمیر، جن کا حال ہی میں وزیراعلیٰ شری ایس-بی- چوان نے معائنہ فرمایا، سماجی انصاف اور عوامی بہبود کی جانب حکومت مہاراشٹر کا ایک نمایاں قدم ہے۔ دیہی علاقوں میں بے زمین کسانوں کیلئے سستے مکانات کی فراہمی اور شہروں میں گندی بستیوں کی بہتری کی جدوجہد ایسے اقدامات ہیں جن پر ہماری ریاست بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔

تاہم ترقی اور خوشحالی کی جدوجہد میں حکومت کی یہ مساعی اسوقت تک مکمل طور پر شاید ہی کامیاب ہوں، جب تک نجی اور امداد باہمی کے ادارے اس سلسلے میں پیشقدمی نہ کریں۔ چنانچہ وزیراعلیٰ شری چوان کا ریاست کی خوشحال اور متمول شکر فیکٹریوں سے یہ مطالبہ بے محل نہیں کہ وہ پست طبقات کی سماجی بہبود اور ترقی کے کام میں مدد اور تعاون دیں۔

یہ حقیقت ہے کہ نئے وزیراعلیٰ کی آمد ریاست مہاراشٹر کیلئے فالِ نیک ثابت ہوئی ہے۔ انہوں نے جس جوش و خروش کے ساتھ عوامی زندگی کو بہتر بنانے اور ریاست کو خوشحالی سے ہمکنار کرنے کی جدوجہد شروع کی ہے اس کی بنا پر بیداری کی ایک نئی لہر سی نظر آرہی ہے۔ اس موقع پر حکومت، نجی ادارے اور عوام اگر باہمی تعاون و اشتراک سے عملی اقدامات اٹھائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمیں اپنے گوناگوں مسائل اور الجھنوں سے نجات نہ ملے۔

خواجہ عبدالغفور

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس، بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا!

غزل

وہ بیدلی کے ساتھ ہو یا خوشدلی کے ساتھ
ابتک تو چل رہے ہیں ہم اس زندگی کے ساتھ

ٹکرائی جا رہی ہے جبیں بے رُخی کے ساتھ
اچھا مذاق ہے یہ مری بندگی کے ساتھ

کیا جانے کیا گذر گئی جانِ غریب پر
آنسو بھی کچھ ٹپک پڑے اک دن ہنسی کے ساتھ

میری رگِ حیات سے نشتر نکال دو
تم بھی تو ہو شریک اسی زندگی کے ساتھ

ہو جائے امتحاں اثرِ حسن و عشق کا
ہم بھی جو روٹھ جائیں تری برہمی کے ساتھ

ہمت بلند، عزم جواں ہیں، قدم بلند
یہ بھی تو ہم سفر ہیں مری زندگی کے ساتھ

چھو لیتے پائے ناز یہ جرأت نہ ہو سکی
تھا پاسبانِ عقل بھی دیوانگی کے ساتھ

آپ آئے کیا مزاجِ جنوں ہی بدل گیا
دل کی خودی بھی مل گئی اب بیخودی کے ساتھ

کیوں مجھ کو دیکھ دیکھ کے برہم ہیں اہلِ دل
یہ رہنما ہیں آج مری گمرہی کے ساتھ

ہیں قافلے جنون و خرد کے رواں دواں
منزل رسی کے شوق میں کس بیخودی کے ساتھ

تصویر دل میں کھینچ لوں شانِ جلال کی
ٹھکراؤ آرزو کو نہ آزردگی کے ساتھ

اے خالقِ بہار و خزاں کاش ہو وفا
وعدہ نسیم کا ہے جو نازک کلی کے ساتھ

وہ مہرباں نہ اب وہ گلستاں نہ آشیاں
کب تک جئیں گے قید میں اس بے بسی کے ساتھ

کیوں کر نہ ہو عزیز ہمیں یہ شبِ فراق
گذری ہے ساری عمرِ محبت اسی کے ساتھ

محوی کہاں ہے آج حقیقت کی جستجو
رگ رگ میں ہے مجاز ہی ہر زندگی کے ساتھ

محوی صدیقی لکھنوی
گوجرپورہ۔ بھوپال ۲ (ایم۔پی)

شری پاد جوشی

'شری رگھوونش'
ڈاکٹر کیتکر روڈ
پونہ ۴

علامہ اقبال مرحوم نے فرمایا تھا —

یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے
اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا

کبھی کبھی دل میں خیال آتا ہے، ہمارے ملک کی یہ جو خاصیت ہے اُس کی بنیاد میں کون سی قوت ہوگی؟ یہ جو سماج مرا ہوا بجھا ہوا سا دکھائی دیتا ہے وہ اچانک کسی موقعہ پر یکدم زندہ اور قوی کیسے ہوجاتا ہے؟ اس کی طاقت کا سرچشمہ کہاں ہے؟ اور جب کبھی ان سوالات کے جواب مل جاتے ہیں تو امید کی شعاعیں پھوٹ نکلتی ہیں۔

ویسے میں بچپن سے گھمکڑ قسم کا آدمی ہوں۔ کسی خانہ بدوش کی طرح زندگی میں لگاتار گھومتا ہی رہا ہوں۔ اس آوارہ گردی سے ایک فائدہ یہ ہوا ہے کہ طرح طرح کے لوگوں سے میرا سابقہ پڑتا ہے اور دنیا کے اچھے اور برے تجربات کا خزانہ ہمیشہ میرے پاس بھرا رہتا ہے۔ ادھر عمر کے ڈھل جانے کی وجہ سے گھومنا پھرنا کچھ کم ہوگیا ہے۔ پھر بھی جب کوئی موقعہ آجاتا ہے تو اس سے ضرور فائدہ اٹھاتا ہوں۔

ابھی پچھلے ماہ کوکن کے چھوٹے سے قصبہ کھارے پاٹن جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ ویسے کوکن کا سفر اتنا تکلیف دہ ہوتا ہے کہ عام طور پر اُدھر جانے سے میں کتراتا ہوں۔ سڑک کی دھول میری صحت کے لئے بڑی مضر ثابت ہوتی ہے۔ (اور اس بار بھی کوکن سے لوٹنے پر مجھے آٹھ روز تک بستر میں پڑا رہنا پڑا تھا!) مگر کھارے پاٹن کے سیٹھ نوین چندر میتھلال دیالیہ کے ہیڈ ماسٹر شری شنکر راؤ پینڈھار کر کے برسوں کے اصرار کو ٹالنا ناممکن ہوگیا اور آخرکار میں اُن کے اسکول کے سالانہ جلسہ کی صدارت کے لئے کھارے پاٹن پہنچ گیا۔

یوں تو اس سے پیشتر میں دو مرتبہ کھارے پاٹن ہو آیا تھا۔ قصبہ بہت چھوٹا ہے۔ چار ہزار کے لگ بھگ اس کی آبادی ہے۔ قدرتی منظر بڑا دلکش ضرور ہے۔ مگر اور کوئی خاص چیز وہاں نہیں ہے۔ اس کے باوجود وہاں کا میرا مختصر سا قیام ہمیشہ بڑا امید افزا رہا ہے۔ اس مرتبہ بھی وہاں کے ماحول نے میرے دل میں امید کی شعاعیں روشن کردیں، اور میں جذباتی قوت سے مالامال ہوکر واپس لوٹا۔

وہ چیز کیا تھی؟ وہ تھا اس گاؤں کا اتحاد! سارا قصبہ گویا ایک خاندان ہے اور گاؤں کے ہر کام میں ہر شخص کو ذاتی دلچسپی ہے۔ گاؤں میں ہندو ہیں، مسلمان ہیں، جین ہیں، ادیباسی ہیں، عیسائی ہیں، امیر ہیں، غریب ہیں۔ ہر طرح اور ہر قسم کے لوگ ہیں۔ ان میں آپسی جھگڑے فساد بھی شاید ہوں گے ہی۔ مگر جب گاؤں کا کوئی کام نکل آتا ہے تو سب لوگ باہمی جھگڑوں کو بھلا کر ایک ہوجاتے ہیں۔ مثلاً جب اسکول کی عمارت بن کر تیار ہو رہی تھی تب ایک دفعہ ایسا موقع آیا کہ اگر سموچے گاؤں کے لوگ اس کی سلیب (چھت) کے کام میں شریک نہ ہوجاتے تو سارا کیا کرایا مٹی میں مل جاتا۔ جب گاؤں والوں کو اس کا پتہ چلا تو سبھی چھوٹے بڑے اپنا نجی کام چھوڑ کر اسکول کے کام میں جٹ گئے۔ حتیٰ کہ ان کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ رات ہوگئی تو روشنی جلا کر انہوں نے کام کیا اور آخرکار چھت کا کام ختم کرکے ہی دم لیا۔ اس طرح اس اسکول کے بنانے میں سارے گاؤں کے ہاتھ لگے ہیں۔

گرد و نواح کے پرائمری سکولوں کا ایک مجمع منعقد کیا گیا تھا اس میں اردو سکول کے بچوں نے اپنی سُریلی آواز میں اردو کی ایک نظم سنائی۔ دوسرے بچوں نے ناچ گانے وغیرہ دکھائے۔ بچوں کو اس طرح گھل مل کر گھومتے پھرتے دیکھنا بھی بڑی خوشی کا باعث تھا۔

دور دراز کے ہمارے گاؤں کی زندگی کس طرح ایک دوسرے پر منحصر ہے (باقی صفحہ ۱۴ پر)

شجی کوئی ایسا نادان تو تھا نہیں جو اپنے ڈیڈی اور ممّی کی اس بے رُخی کو نہ سمجھتا. پھر بھی اُس کے ننھے سے ذہن میں ہزار ہا کوششوں کے باوجود بھی یہ بات کسی طرح نہ آسکی تھی کہ اُس کے ڈیڈی اور ممّی کی اس اچانک بے رُخی اور بھول کی کیا وجہ ہوسکتی ہے۔ کیوں وہ دونوں اُسے اِس طرح نظر انداز کر رہے ہیں جیسے اُس کا وجود ہی نہ ہو اور اگر وجود ہو تو اُن کی نظروں میں اس کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو رات کو جب وہ "ہوم ورک" کرنے کے بعد تھک کر سونے کی کوشش کرتا تو نیند اُس کی آنکھوں سے کوسوں دور بھاگتی اس کا تھکا ماندہ ذہن اور بھی بے چین ہوجاتا اور جب ذہنی سکون ہی میسّر نہ ہو تو بھلا نیند کیونکر آسکتی ہے؟ صرف اسی ایک سوال نے اس کا تمام صبر و قرار چھین لیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں خدا سے دعا مانگتا۔

"اے پروردگار! آخر میں نے ایسا کونسا گناہ کیا ہے کیا خطا ہوئی ہے مجھ سے' جو میرے ڈیڈی اور ممّی مجھ سے ایسے بے خبر ہوگئے ہیں کہ انھیں پتا ہی نہیں میں کب اسکول جاتا ہوں اور کب اسکول سے واپس ہوتا ہوں۔ اسکول میں کیا پڑھایا ہے کیا نہیں؟ اے خدایا تو میرے گناہوں کو معاف فرما!" میرے ممّی اور ڈیڈی کے دل میں میری محبت کی بجھتی شمع کو روشن کردے' تاکہ مجھے ذہنی سکون تو نصیب ہو۔!"

وہ جب اسکول کے لئے کتابیں سنبھالنے میں مصروف ہوتا تو ممّی ناشتہ کیلئے اُسے آوازیں دینے لگتیں اور جب اسکول سے واپس آکر وہ گلی کے بچوں کے ساتھ کھیلنے میں لگ جاتا تو شام کی چائے کے لئے ممّی اُسے گلی کے ایک ایک بچّے سے پوچھتیں اور جب تک اُسے تلاش نہ کرلیتیں صبر نہ آتا۔ گھر میں ممّی یا ڈیڈی کو کچھ بتلائے بغیر اگر وہ کہیں چلا جاتا تو ممّی پریشان ہوجاتیں۔ اُسے ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی ممتا بھری نظروں سے دور نہ ہونے دیتیں۔ کتنی محبت کرتی تھیں اُس کی ممّی۔!

صبح اُس کو نہلا دھلا کر صاف ستھرے کپڑے پہنا کر اسکول بھیجنا جوتوں پر پالش کرنا۔ جیب خرچ بھی دینا۔ کتنا خیال رکھتی تھیں اس کی ممّی' اس کی ہر ادنیٰ و اعلیٰ خواہش کو پورا کیا جاتا۔ اُسے یہ بات بالکل آج کی بات کی طرح یاد تھی کہ وہ اپنے والدین کے سامنے اپنی کسی فرمائش کے لئے رویا یا مچلا نہیں تھا۔ بس اِدھر اُس کے

مُنہ سے بات نکلی اور اُدھر اس کی فرمائش پوری ہوئی اس کے پاس اتنے ڈھیر سارے کھلونے ہیں کہ اگر وہ دو اور بچّوں کو بھی ان میں سے کچھ کھلونے دے دے تو اس کے پاس پھر بھی کمی نہ رہے۔

کتنے ہی لڑکے اُس کے اسکول میں ایسے تھے جو اپنے چھوٹے بھائیوں کو اسکول ساتھ لاتے۔ جب شجی اُن لڑکوں کو دیکھتا تو اس کے دل میں بڑی شدّت سے یہ خواہش سر اٹھاتی۔ کاش! اُس کے بھی کوئی چھوٹا بھائی ہوتا جسے وہ اپنے ساتھ اسکول لاتا اُس کو اچھے اچھے کھلونے دے کر اپنے ساتھ کھلاتا' دوسرے لڑکوں کی طرح اگر اُس کے بھی کوئی چھوٹا بھائی ہوتا جسے وہ اپنے ساتھ اسکول لاتا۔ اسکول میں وہ اس کی ہر بات کا [illegible] والے کے [illegible] ہوم ورک اور اسٹڈی کرنے کے بعد وہ جب سونے کی کوشش کرتا تو اسی طرح کے [illegible] خیالات اُس کے ذہن میں

شکیل جاوید
[illegible]
امروہہ
(یوپی)

آتے اور وہ رات گئے تک انہی خیالوں میں
کھویا نہ جانے کب نیند کی میٹھی آغوش میں دنیا
بھر کی باتیں بھلا کر چین سے سو جاتا۔

اُسے یاد تھا ایک بار اُس نے اپنے چھوٹے
بھائی کے بارے میں ممّی سے اُس وقت پوچھا تھا
جب وہ شہزادوں کی کہانی ممّی اُسے سُنا رہی تھیں
اور پیار سے اُس کے خوبصورت سنہرے بالوں میں
شانہ کر رہی تھیں۔ کہانی ختم ہونے کے بعد اُس نے
کہا تھا۔

"ممّی! میں جب اسکول میں دوسرے لڑکوں
کو دیکھتا ہوں جو اپنے چھوٹے بھائیوں کو ساتھ
اسکول لاتے ہیں، وہ اپنے بھائیوں کو کتنا پیار
کرتے ہیں۔ یہ دیکھ کر میں یہ سوچتا ہوں کہ میرے
بھی کوئی بھائی ہوتا۔ جسے میں اپنے ساتھ اسکول
لے کر جاتا اُسے اپنے ساتھ کھلاتا، ڈھیر سارے
کھلونے دیتا۔"

اُس نے دیکھا تھا نہ جانے اُس کی بات سُنکر
ممّی ایک دم کیوں خاموش ہو گئی تھیں اور اپنی
ساری کے پلّو سے اپنی آنکھوں میں بھر آئے
آنسوؤں کو جذب کرنے لگی تھیں۔ تبھی اُس نے
ممّی سے ایک دوسرا سوال کر ڈالا تھا۔

"کیوں ممّی! کیا اِن کہانی والے دو شہزادوں
کی طرح اللہ میاں مجھے چھوٹا بھائی نہ دیں گے؟"

ممّی کو اس کے اس دوسرے سوال نے اندر ہی
اندر جیسے جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ لیکن انھوں نے پھر
بھی سنبھل کر کہا تھا۔

"کیوں نہیں بیٹے! اللہ کی ذات سے کبھی
مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ [illegible] کی بات
[illegible] تم معصوم ہو [illegible] معصوم کی دعا
اللہ میاں قبول کرتے ہیں۔"

[illegible]

وہ ڈیڈی کے ساتھ ممّی کو دیکھنے اسپتال پہنچا
تو یہ دیکھ کر اُس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ
وہ اب "بڑا بھائی" بن گیا ہے۔ کیونکہ وہ معصوم
تھا اور معصوم کی دعا اللہ نے قبول کر لی تھی۔
اُسے مسرور اور شادماں دیکھ کر ممّی نے کہا تھا۔

"شبّی! لو اللہ میاں نے تمہارے دل کی مُراد
پوری کر دی ہے۔ اب تم بڑے بھائی بن گئے ہو
۔ دیکھو منّا بھی تمہارے جیسا ہے۔"

خوشی کی وجہ سے اُس سے بات بھی نہ ہو رہی تھی۔
اُس کا دل خوشی سے پھولا نہ سما رہا تھا۔ اسکول
سے سیدھا گھر آنے کی بجائے اُسے چھوٹے
بھائی کی محبت کھینچ لیتی اور وہ کتابیں سنبھالے
اسپتال پہنچ جاتا کیونکہ وہ اسپتال جہاں مُنّا
اور ممّی تھے وہ اُس کے اسکول سے نزدیک تھا۔
وہ پہروں منّا کے پاس بیٹھا پیار بھری آنکھوں
سے ٹکر ٹکر دیکھتا رہتا۔ کبھی کبھی دودھ کی
بوتل سے اسے دودھ پلاتا۔ اس کی ممّی خاموش
بیٹھی یا لیٹی ہوئی یہ سب دیکھتی رہتیں۔ اُن
کی آنکھوں میں ممتا کی روشنی چمکنے لگتی۔

اور ایک دن ممّی منّا کو ساتھ لیکر اسپتال
سے گھر آگئیں۔ رات کو اُس کے رشتے داروں
نے کھانا کھایا۔ اس نے اپنے دوست بھولا چنے
والا کی دعوت بھی کر دی تھی۔ رات بھر عورتوں
نے ڈھولک کی تھاپ پر گیت گائے تھے۔
یہ سب منّا کی خوشی میں ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر اُس
کا دل اور بھی خوش ہوا تھا۔ روزانہ اُس کا
دوست بھولا اُس سے مُنّا کی خیریت پوچھتا
اور اپنی طرف سے پیار کرنے کو بھی کہتا۔ تب
اُس کا سر فخر سے اور اونچا ہو جاتا۔

بھولا چنے والا بہت غریب تھا۔ اُس کے
باپ کا اُس وقت انتقال ہوا تھا جب وہ
اپنی ماں کی گود میں تھا۔ بس ایک ماں تھی۔
جو باپ کا بدل بھی [illegible] ادا کر رہی تھی۔ ایک
بار جب اس کی ماں کی آنکھیں دُکھنے لگیں
تو اسپتال میں بھولا ماں کو اپنے ساتھ لے گیا۔
علاج چلتا رہا۔ لیکن کوئی فائدہ نظر نہیں آیا
اور پھر وہ بدنصیب دن بھی آیا جب ڈاکٹر
نے آخری علاج آنکھوں کا آپریشن بتایا۔
ماں تو خود نوکری کر کے بھولا کو پڑھا رہی تھی
بھولا کیا کرتا؟ اور اُس کی تعلیم ختم ہو گئی۔
بھولا نے اپنا اور اپنی ماں کا پیٹ بھرنے کے
لئے اور ماں کی آنکھوں کا آپریشن کرانے کے
لئے چنے بیچنے کا کام شروع کر دیا تھا۔ شبّی
کو بھولا کے یہ تمام حالات اس لئے معلوم
تھے کہ دو سال برابر بھولا اُس کا ہم جماعت رہا
تھا اور اُن دونوں کی خوب گھٹتی تھی، دونوں کا
ایک دوسرے کے گھر آنا جانا تھا۔ بھولا کی ماں
شبّی کو بھولا کی طرح ہی چاہتی تھی۔

اب منّا سیانا ہو گیا تھا اور گھر کے صحن
میں گھٹنیوں چلنے لگا تھا۔

مُنّا کے اس گھر میں جنم پر یوں تو شبّی
بہت خوش ہوا تھا کہ بڑا بھائی بن بیٹھا ہوں۔
اُس کی ایک بڑی آرزو اللہ نے پوری کر دی
تھی۔ کچھ دنوں تک تو یہ بات شبّی کے ننھے
سے ذہن میں نہیں آئی، مگر جوں جوں مُنّا بڑا
ہوتا جا رہا تھا اُسی طرح اُس کے دماغ میں
ایک سوال کچوکے لگا رہا تھا کہ اُس کے ممّی اور
ڈیڈی نے مُنّا کی پیدائش کے بعد اُس سے
ایک دم نگاہیں پھیر لی ہیں۔ کوئی اُس کی
طرف نظر بھی نہیں کرتا۔ کیا ہو گیا ہے اُس
کے ڈیڈی اور ممّی کو؟ کیوں اُس کے وجود کو
نظر انداز کرتے ہیں وہ لوگ؟؟"

کافی سوچ وچار کے بعد آخر ایک رات
اُسے اپنے اس سوال کا جواب مل ہی گیا۔
جب سے اس گھر میں منّا نے جنم لیا ہے

یہ ممّی اور ڈیڈی ہر وقت بس اُسی کو پیار کرتے رہتے ہیں۔ اور تو اور آیا بھی اُس کی پروا نہیں کرتی۔ وہ بھی اُن لوگوں کی طرح بس منّا کو ہی پیار کرتی ہے۔ کوئی مجھے دیکھتا بھی نہیں۔ میرا خیال نہیں کرتا۔ یہ منّا جہاں میرے واسطے خوشیاں بن کر آیا ہے وہاں مجھے ملنے والی خوشیاں بھی اُسی کے حصّے میں آ گئی ہیں۔ اِن لوگوں نے آخر مجھے کیوں نظرانداز کردیا ہے۔ جس گھر میں میرے لئے پیار نہیں، جہاں میری کوئی پروا نہیں، وہاں میرا رہنا بے عزّتی ہے جسے میں ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔ اب میں یہاں ایک پل بھی نہیں رہوں گا!

حسبِ معمول وہ صبح کسی کو اپنے دل کا حال بتائے بغیر خاموشی کے ساتھ اسکول جاتے ہوئے منّا کو پیار کرتا رہا ۔۔ گھر سے اسکول تک کے اِس پیدل راستے میں اُس نے اِس بات کا اٹل فیصلہ کرلیا تھا کہ آج اسکول کی چھٹی کے بعد وہ گھر نہیں جائے گا۔ آخر وہ کہاں جائے اُس کے ذہن میں یہ سوال اُبھرا۔ اِس سوال کے جواب میں اُس کی نظر سیدھی بھولا پر گئی۔ اور وہ اسکول سے چھٹی کے بعد سیدھا بھولا کے گھر پہنچ گیا۔

وہ جس وقت بھولا کے گھر میں داخل ہوا تو معلوم ہوا کہ بھولا بازار سودا سلف کے لئے گیا ہوا تھا۔ بھولا کی ماں نے شجّی کو اپنے پاس بٹھالیا اور پھر کچھ دیر بعد بھولا بھی بازار سے لوٹ آیا۔ وہ دیکھتے ہی شجّی سے شکایتی لہجے میں بولا۔

"آج آپ کیسے راستہ بھول پڑے؟"

بھولا کی بات سُنی ان سُنی کر کے شجّی نے تمام واقعات بھولا کو بتائے اور ساتھ ہی ساتھ اپنا فیصلہ بھی سنادیا کہ میں واپس گھر نہیں جاؤں گا! اسی لئے تیرے پاس آیا ہوں!"

بھولا کے لاکھ سمجھانے پر بھی شجّی جب کسی طرح گھر واپس جانے کے لئے تیار نہیں ہوا تو بھولا نے ماں سے کہا کہ وہ ہی اُسے سمجھائے۔ بھولا کی ماں اسے سمجھانے لگیں۔

اِدھر جب شجّی کے ڈیڈی دفتر سے گھر آئے اور انھوں نے شجّی کو گھر میں نہیں پایا تو اُن کو بڑی فکر ہوئی۔ اُنھوں نے محلّے کے ایک ایک بچّے سے شجّی کے بارے میں پوچھا لیکن اُس کا کوئی سراغ نہ ملا تو اس کی ممّی بھی پریشان ہوگئیں اور کہنے لگیں۔" آج شجّی کو کیا ہوگیا۔ وہ تو روز اسکول سے گھر آجاتا تھا" شجّی کے ڈیڈی بولے۔

"بچّوں کو اغوا کرنے والا گروہ آج کل ہمارے شہر میں آیا ہوا ہے۔ کہیں شجّی اُن کے دام میں تو نہیں پھنس گیا؟"

یہ سُن کر شجّی کی ممّی کا برا حال ہوگیا۔ پاس پڑوس کی تمام عورتیں اِکٹھا ہوگئیں۔ گھر میں ایک کہرام مچ گیا۔ عورتوں نے اپنے طور پر سمجھانے کی ہزار کوششیں کیں لیکن فکر اور تشویش بڑھتی ہی گئی۔

آخر بیٹھے بیٹھے شجّی کی ممّی کو اُس کے قریبی دوستوں میں بھولا کا خیال آیا جو شجّی کے اسکول کے گیٹ پر چنے بیچا کرتا ہے۔ اِس بات کا خیال آتے ہی منّا کو اُنھوں نے آیا کے پاس چھوڑا اور وہ شجّی کے ڈیڈی کو ہمراہ لے کر بھولا کے گھر کی طرف چل پڑیں۔ جیسے ہی وہ بھولا کے گھر میں داخل ہوئے اُنھیں شجّی کی آواز سنائی دی۔ شجّی کی آواز سُن کر وہ آڑ میں ہو کر سننے لگے۔ شجّی کہہ رہا تھا۔

"تم تو خود ماں ہو! اگر تم بھولا کو پیار نہ کرو گی تو کیا بھولا یہاں رہنا پسند کرے گا؟ تمہاری تو خیر پھر بھی دوسری بات ہے۔ خدا نے تمہیں آنکھیں تو دیں لیکن اُن میں روشنی نہیں، ہر حالت میں تمہاری خدمت کرنا بھولا کا فرض ہے۔"

" دوسروں کو نصیحت کرنے والے ذرا تو بھی تو سوچ، کتنی خدمت کرتا ہے تو اپنے ڈیڈی اور ممّی کی۔۔۔؟" بھولا نے کہا۔

" میرے زخموں پر مرہم کی بجائے تو بھی نمک چھڑک رہا ہے بھولا! میری بات اور ہے تیری اور۔ اگر میری جگہ تو ہوتا تو تو بھی یہی قدم اٹھاتا جو میں نے اٹھایا ہے۔ جب سے منّا نے گھر میں جنم لیا ہے میں کتنا خوش تھا بھولا! کہ اب مجھے بھی "بڑا بھائی" کہنے والا آگیا ہے۔ لیکن منّا کے گھر میں آنے کے بعد ممّی ڈیڈی نے مجھے بالکل ہی بھلا دیا ہے۔ کوئی میری خبر نہیں رکھتا کہ میں کس حال میں ہوں۔" شجّی شکایتی لہجہ میں کہنے لگا۔

" بیٹا شجّی! میں تجھے سمجھاتی ہوں۔ یہ بات تیرے دماغ میں اتنی آسانی سے نہیں آئے گی۔" یہ کہہ کر بھولا کی ماں نے کہنا شروع کیا۔" بیٹا جب تو اپنے ماں باپ کی پہلی اولاد تھا تو تجھ کو ماں باپ دونوں کی بھرپور محبت ملی۔ لیکن جب تیرے بعد تیرے چھوٹے بھائی نے جنم لیا تو تیری محبت تقسیم ہوگئی یعنی تجھے ملنے والی محبت کا سب سے بڑا حصّہ تیرے چھوٹے بھائی کو ملنے لگا اس لئے کہ اب تو بڑا ہوگیا ہے۔ اپنے کام خود بھی کرسکتا ہے لیکن تیرا چھوٹا بھائی جس کو تیرے ماں باپ کی بھرپور توجہ کی ضرورت ہے وہ اپنے کام ابھی خود نہیں کرسکتا۔ لیکن جب وہ تمہارے جیسا سیانا ہوجائے گا تو اُس کی جگہ کوئی تمہارا تیسرا بھائی یا بہن لے لے گی۔

(باقی صفحہ 9 پر)

پروفیسر نظام الدین ایس۔ گوریکر، صدر شعبۂ اردو و فارسی، سینٹ زیویرس کالج، بمبئی
کی یہ تقریر جمعہ ۱۴ر فروری کو آل انڈیا ریڈیو بمبئی سے نشر ہوئی!

سنسکرت جو ہندوستان کے ایک مخصوص طبقہ کی زبان تھی، جنتا کی بولی نہ ہونے کی وجہ سے جب ایک جھیل بن کر رہ گئی تو اردو جو ریختہ کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے، موقع پاتے ہی اس بند جھیل کی طغیانی سے قوت پاکر کناروں سے بہہ نکلی اور وقت کے اشاروں پر زندگی کے نشیب و فراز کے ساتھ گرتی بہتی چلی گئی، رنگ برنگ مٹی کھائی، نت نئی بولیاں سُنیں اور کھیت کھلیانوں میں دھارا بن کر بہی اور دلّی کے لال قلعہ میں نہر بن کر گنگنائی۔ اس زبانِ اردو نے ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگِ آزادی کے خونیں ایام میں ہندو مسلمانوں کے خون کو ایک دھار میں مل کر بہتے دیکھا، ۱۹۲۱ء کی تحریکِ خلافت میں اس نے جاگرتی کی پہلی آواز سُنی، ۱۹۳۶ء میں ترقی پسندی کا سہارا لے کر ادب برائے زندگی کا نعرہ لگانے میں پیشقدمی کی اور ۱۹۴۷ء میں حصولِ آزادی کے ساتھ ہماری زندگی کی ہر پکار پر آواز دی اور وقت کے اشاروں کو گویائی بخشی۔ اسی زبانِ اُردو نے ہر زبان کے لفظوں، ترکیبوں اور محاوروں کو ایک جوہری کی طرح پرکھا اور کسوٹی پر پورا اترنے پر نگینہ کی طرح انگشتری میں جڑ لیا اور اس طرح ہر طرح کے لسانی تعصب سے قطعی اجتناب کیا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہنے میں مطلق دریغ نہیں ہے کہ زبانِ اردو ذہنی آزادی، ترقی پسندی اور ثقافتی فراخدلی کا ایک زندہ لسانی ادارہ ہے۔

آج کی اس ادبی نشست میں ہندوستان کی اسی عوامی زبانِ اردو کی چند تازہ تالیفات پر مختصر تبصرہ کرنے یا سرسری جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی تاکہ اردو داں طبقہ کو معلوم ہوجائے کہ حالات کی ناساعدت اور اشاعت کی دشواریوں کے باوجود اردو زبان و ادب کے ذخیرے میں کس قدر تیزی سے اضافہ ہورہا ہے۔

مالک رام صاحب کی شخصیت سے کون آشنا نہیں۔ آپ نہ صرف 'غالبیات' کے ماہر تسلیم کئے جاتے ہیں بلکہ دنیائے ادب میں ایک اچھے نقاد اور زبردست محقق کی حیثیت سے بھی شمار کئے جاتے ہیں۔ آپ کی تازہ تصنیف ہے "وہ صورتیں الٰہی" جس کو مکتبہ جامعہ (دہلی) نے شائع کرکے ایک بڑی ضرورت کو پورا کیا ہے۔ مالک رام صاحب نے اپنی اس تالیف میں اپنے چند ہم عصروں کے ساتھ مرزا غالب کو بھی اپنے احباب میں شامل کیا ہے اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ غالب بہت پہلے اس دنیا سے رحلت کر گئے تھے۔ بالفاظِ دیگر زیرِ نظر کتاب میں مالک رام صاحب نے غالب دہلوی کے علاوہ دنیائے اردو کی مشاہیر ہستیوں میں سے سائل دہلوی، حبیب الرحمٰن خاں شیروانی، سید سلیمان ندوی، پنڈت دتاتریہ کیفی، مرزا یگانہ چنگیزی، جگر مرادآبادی، نیاز فتحپوری اور غلام رسول مہر کے خاکوں کو بڑے دلچسپ بلکہ مؤثر انداز میں پیش کیا ہے اور ان کی شعری و نثری فنکارانہ صلاحیتوں کا مکمل جائزہ لیا ہے۔ مالک رام صاحب کا یہ تذکرہ دراصل اردو ادب میں ایک گرانقدر اضافہ ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ مالک رام صاحب کو ان ادبی شخصیتوں سے قرب ہی حاصل نہ تھا بلکہ وہ ان کی ادبی، ثقافتی اور سماجی زندگی کا بہت قریب سے ایک معاصر بلکہ ایک دوست کی حیثیت سے مشاہدہ بھی کرچکے ہیں۔ اپنی شگفتہ بیانی اور دلکش طرزِ تحریر سے مالک رام صاحب نے ان مرقعوں کے ذریعے ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جو دلی اتحاد اور قومی یکجہتی کا بین ثبوت ہے۔ اس کتاب کی اہمیت اور افادیت اظہر من الشمس ہے۔

ڈاکٹر یوسف حسین خان صاحب کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔ انکی معرکۃ الآرا تصنیف "اردو غزل" کا چوتھا ایڈیشن ترمیم و نظرِ ثانی کے بعد منظرِ عام پر آیا ہے۔ یوسف حسین صاحب کا انگریزی، فرانسیسی، فارسی اور اردو ادب کا مطالعہ بہت گہرا ہے اور مشرق و مغرب کی اکثر زبانوں کے ادب اور ان کے تنقیدی اصول و نظریات پر انھیں پوری قدرت حاصل ہے، اور ان زبانوں کے تنقیدی نظریات کی روشنی ہی میں یوسف حسین صاحب نے پہلی بار اردو غزل کے لئے تنقیدی اصول مرتب کئے ہیں۔ ایک غیر جانبدار اور ایماندار نقاد و مورخ کی حیثیت سے انہوں نے امامِ غزل ولی اورنگ آبادی سے دورِ جدید کے نوجوان شاعر شہاب جعفری تک کے کلام سے مثالیں پیش کی ہیں اور اپنے ادبی عقائد کے پیش نظر ہر زمانہ کی غزل کا نہ صرف جائزہ لیا ہے بلکہ فنکار غزل گو کے ادبی نظریات کی کسوٹی پر اس کے فن و کمال کو جانچنے کی سعی بھی کی ہے اور اس طرح اس کا مقام متعین کر لیا ہے۔ مختصراً یوسف حسین صاحب نے "اردو غزل" کے اس چوتھے ایڈیشن میں محمود سعیدی اور ناصر کاظمی جیسے نوجوان شعراء کو بھی شامل کر کے اس مخصوص ذہنی رجحان و میلان کی طرف اشارہ کیا ہے جو دورِ جدید کے علمبردار ہیں۔ یوسف حسین صاحب نے اس کتاب میں دائمی قدروں کو ہی نمایاں نہیں کیا ہے بلکہ کلاسیکی غزل کی ہیئت، موضوع اور مواد کے ساتھ نئی غزل کی تازہ آہٹوں اور کچی خوشبوؤں کو بھی فنکارانہ حسن کے ساتھ سمیٹ لیا ہے۔ جس اردو کتاب کے چار ایڈیشن نکل چکے ہوں اس کی اہمیت، مقبولیت اور افادیت سے کیسے انکار کیا جاسکتا ہے۔

"نئے کلاسیک" عصرِ جدید کے اُردو افسانہ نگاروں اور شاعروں کی تخلیقات پر مشتمل ایک مجموعہ ہے۔ اس کو مراٹھواڑہ یونیورسٹی (اورنگ آباد) نے شائع کر کے ایک جرأت مندانہ قدم اٹھایا ہے جو ہر لحاظ سے قابلِ مبارکباد بلکہ قابلِ تقلید بھی ہے۔ اس کتاب میں کوئی پچاس ادیب و شاعر نظر آتے ہیں۔ بشر نواز نے "پیش آہنگ" میں نظم اور افسانہ کے پس منظر کو نمایاں کرنے میں بڑی کوشش کی ہے جس کی وجہ سے ان تخلیقات کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ جوگندر پال نے افسانہ سے متعلق اور قاضی سلیم نے نظم کے تعلق سے قدیم و جدید تقاضوں کا نہ صرف موازنہ بلکہ محاکمہ بھی کیا ہے۔ ان دونوں کے نگارشات سے قاری کو عصرِ جدید کے میلانات کے ادراک کرنے میں آسانی ہوتی ہے لیکن یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ وہ ان سے اتفاق بھی کرے۔ بہت سے ایسے مقامات آتے ہیں جہاں پر اختلافات اور بڑھ جاتے ہیں۔ مرتب کی حیثیت سے صفی الدین صدیقی نے لکھا ہے کہ جدید نظم و افسانہ کا کوئی بھی انتخاب اس وقت تک نامکمل ہے جب تک کہ اس میں برصغیر ہند و پاک کے ادباء و شعراء کی تخلیقات شامل نہ کی جائیں۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ ہر فنکار خواہ وہ ادیب ہو خواہ شاعر کسی ایک ملک سے اپنے آپ کو وابستہ نہیں کر سکتا بلکہ اس کی شخصیت اس کے فن کی وجہ سے آفاقی بن جاتی ہے۔ اردو شخصیتوں کو اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں کیا جاسکتا۔ بہرکیف "نئے کلاسیک" کی اشاعت مہاراشٹر کی دیگر یونیورسٹیوں کے لئے مثال بنے گی بلکہ نمونہ کا کام انجام دے گی اور اردو کے فروغ و ترقی میں ہر یونیورسٹی کسی کے مقابلے میں بھی پیچھے نہیں رہے گی۔ دراصل مراٹھواڑہ یونیورسٹی کا یہ ایک قابلِ قدر ادبی تحفہ ہے۔

اترپردیش اردو اکاڈمی (لکھنؤ) کے مالی اشتراک سے ڈاکٹر سید سلیمان حسین نے اپنی تالیف "لکھنؤ کے چند نامور شعراء" کو شائع کیا ہے۔ یہ ایک شعراء کا تذکرہ ہے جس میں لکھنؤ کے چند مشاہیر شعراء کے کلام اور حالات مندرج ہیں۔ بالخصوص مرزا ہوس، میر خلیق، مرزا برق، میر رشک، نواب رند، سید اسیر، سید جلال اور منشی تسلیم قابلِ ذکر ہیں۔ ڈاکٹر سید سلیمان کا نقد و تبصرہ ہر لحاظ سے اعتدال پر ہے اور شعراء کے حالات مہیا کرنے میں ڈاکٹر سلیمان نے بڑی تحقیق سے کام لیا ہے جس کے لئے وہ قابلِ مبارکباد ہیں۔ کیا اچھا ہوتا اگر اس تذکرہ میں اردو کے نامور شعراء میں جواہر سنگھ جوہر جیسے مشہور ہندو شاعروں کو بھی شامل کیا جاتا۔ اس سے کتاب کی افادیت اور اہمیت اور بڑھ جاتی۔ بہرحال یہ کتاب اردو ادب کے خزانہ میں ایک اچھا اضافہ ہے۔

صالحہ عابد حسین صاحبہ دنیائے اُردو کی ایک مشہور خاتون ہیں۔ انھوں نے حال ہی میں ایک اور کتاب تالیف کی ہے جس کا نام ہے "خواتین کرام کلامِ انیس کے آئینے میں"۔ مکتبہ جامعہ (دہلی) نے اس کو شائع کیا ہے۔ صالحہ عابد حسین صاحبہ نے کئی سالوں کی کوششوں کے بعد اس کو مرتب کیا ہے۔ بظاہر اسمیں عقیدت کا رنگ جھلکتا ہے تاہم کہیں کہیں تنقید کے ہلکے پھلکے اشارے بھی ملتے ہیں۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ صالحہ عابد حسین صاحبہ نے اس کتاب کو ترتیب دے کر ایک بہت بڑی خدمت انجام دی ہے اور میدانِ کربلا کے نسوانی کرداروں کا تجزیہ کر کے

انھوں نے گویا اسلامی نقطۂ نظر کو بھی واضح کردیا ہے کہ اسلام میں عورت و مرد دونوں کا درجہ مساویانہ ہے اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں اور ایک کو دوسرے پر کوئی بے جا فوقیت حاصل نہیں ہے۔ یہ کتاب تین سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی کتابت و طباعت بہت ہی عمدہ ہے۔

'ہاتھ ہمارے قلم ہوئے' یہ راجندر سنگھ بیدی کے افسانوں کا مجموعہ ہے۔ اس کو مکتبۂ جامعہ (دہلی) نے شائع کیا ہے۔ راجندر سنگھ بیدی صاحب سماج اور معاشرے کی ترجمانی کرنے میں کمال رکھتے ہیں۔ افسانوں میں 'جنازہ کہاں ہے؟' 'صرف ایک سگریٹ!' 'آئینے کے سامنے' اور 'ہاتھ ہمارے قلم ہوئے' قابلِ ذکر ہیں۔ بیدی صاحب نے اِن افسانوں میں بالخصوص آج کل کے فنکاروں کا بڑی خوبی کے ساتھ محاسبہ کیا ہے اور سماج کی دُکھتی رگ کو پکڑ لیا ہے۔ یہ مجموعہ موضوع اور اسلوب کے اعتبار سے منفرد ہے اور بیدی صاحب کا عام فہم اور سیدھا سادہ پیرایۂ بیان اُن کی طرزِ تحریر کا امتیازی نشان ہے۔ اس مجموعہ نے اردو کے افسانوی ادب میں زبردست اضافہ کیا ہے۔

خواجہ عبدالغفور صاحب کے مزاحیہ مضامین کے دو مجموعے 'قہقہہ زار' اور 'شگوفہ زار' کے نام سے بہت پہلے منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ ان تالیفات کی بناء پر خواجہ صاحب کو طنز و مزاح کے میدان میں کافی شہرت حاصل ہوئی ہے۔ ابھی ابھی ان کا ایک دوسرا مجموعہ 'لالہ زار' رپورٹر آفسیٹ پریس 'بمبئی' نے چھاپا ہے۔ یہ ان کے ریڈیائی تقاریر اور دیگر طنزیہ و مزاحیہ مضامین پر مشتمل ہے۔ خواجہ صاحب کا اندازِ بیان بہت ہی شگفتہ اور پیارا ہے۔ اس مجموعہ کی اشاعت اردو کے مزاحیہ ادب میں قابلِ ذکر ہے۔

اس تھوڑے سے وقفہ میں اردو کی تمام تازہ مطبوعات کا جائزہ لینا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکنات سے تھا تاہم چند منتخب کتابوں پر آج کی اس نشست میں اظہارِ خیال کیا گیا ہے جو ہر لحاظ سے مختصر ہے جامع نہیں۔

●●

بشکریہ آل انڈیا ریڈیو بمبئی

غزل

فکری بدایونی
زادیۂ قادریہ،
۳۴۱-۶-۵،
نام پلی - حیدرآباد (اے پی)

آئینوں کے ذہنوں میں بھی شور بپا ہے
فنکار پہ کس سمت سے پتھراؤ ہوا ہے

سوتے سے جگا دیتی ہے کمبخت کی آواز
سینے میں مرے وقت کو کیوں قید کیا ہے

کھڑکی کی درازوں سے چلے آئے ہیں کچھ لوگ
اکثر مجھے کمرے میں یہی دھوکا ہوا ہے

گر تو نہیں پھر کون ہے دیوار کے پیچھے
یہ کس نے مرے شانوں کو رہ رہ کے چھوا ہے

فٹ پاتھ پہ بیٹھا ہوں کتابوں کو سجائے
ہستی کو مٹانے کی مرے پاس دوا ہے

یہ کیسی کرن پھوٹی ہے ذہنوں سے ہمارے
لگتا ہے کہ تربت پہ دیا رکھا ہوا ہے

صدیوں سے مقفل ہوں کوئی آیا نہیں ہے
پھر بھی یہی لگتا ہے کہ اک شور بپا ہے

پھر کیوں ہے وہ شعلے کی طرح آگ بگولہ
کیا تو نے اکیلے میں بھی کچھ اس سے کہا ہے

فکری مجھے معلوم ہے سب تیری حقیقت
اخبار کی سُرخی سے ترا نام ہٹا ہے!

بقیہ : ایک چھوٹی سی بھول

اِسی طرح یہ سب چلتا ہے۔" تھوڑے توقف کے بعد اُنھوں نے کہا۔ "جاؤ بیٹے شبھی! تمہاری ممی اور ڈیڈی تمہاری وجہ سے پریشان ہوں گے اور بہت ممکن ہے اِدھر ہی چلے آئیں۔"

شبھی کی سمجھ میں پوری بات آگئی تھی۔ اور وہ بھولا کے ساتھ اپنے گھر واپس جانے کو اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

●●

ایک مرد باوفا یعنی ہمارے دوست و کرم فرما عبدالغفور خواجہ نے بڑا کام اس موضوع پر کیا۔ ورنہ ہمیں تو ابھی تک یہ غلط فہمی تھی کہ صرف — کرے داڑھی والا اور پکڑا جائے مونچھوں والا۔ اور انہوں نے یہاں تک بات پہنچائی کہ ہمارے بھی خیالات آگئے تھے۔ یوں تو ہمیں بھی بہت سی تاریخی داڑھیاں یاد ہیں لیکن جہاں تک حافظہ کام کرتا ہے اس سے تاریخ کے واقعات یا سماجیات کے اصولوں میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہاں قلوپطرہ کی ناک اگر آدھ انچ چھوٹی یا لمبی ہوتی تو مصر یا روما کی تاریخ میں یقیناً فرق پڑتا کیونکہ سیزر اور انٹونی کے جمالیاتی ذوق کو یقیناً ٹھیس پہنچتی۔ اور پھر انھیں مصر سے کیا دلچسپی رہ جاتی۔ وہ تو اس کی صورت بھی نہ دیکھتے۔

شاید سکندر اعظم کا ملٹری سائنس بھی کمزور تھا۔ کیونکہ سپاہیوں کی داڑھی سے ان کے لڑنے کی طاقت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بھلا تلوار چھوڑ کر داڑھی پکڑنے کی حماقت کون کرے گا۔

ذرا غور کیجیے، ہندوستان پر حملہ کرنے والے سب داڑھی والے تھے۔ سلطان غزنوی و بابر سے لے کر نادر شاہ و ابدالی سب ہی باریش تھے اور انھوں نے ان مونچھ والوں کو شکست دی اور مونچھ والے پکڑے گئے۔ (محاورہ ملاحظہ کریں)۔

داڑھیوں سے انقلاب بھی آیا ہے۔ مارکس، اینگلز اور لینن کو دیکھئے۔ ہاں داڑھی صاف کرنے سے بھی انقلاب آتا ہے مگر چہرے پر۔

شبیر حکیم
معرفت 'نیا ادب'
۳۶۶ - نیو وارڈ'
مالیگاؤں (ناسک)

مارکسسٹ بھی تقلید کے حامی ہیں۔ مثال کے لئے دیکھئے مارکس کی سی بھاری بھرکم داڑھی آجکل کامریڈ نیاز حیدر پر فٹ بیٹھی ہوئی ہے۔ ویسے تو لینن کی مختصر سی گوٹی سے انقلاب کے مکمل ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ ہاں مسلمانوں میں باوجود شرعی تاکید کے اور اہل ریش کی کثرت کے اسلام کے اصولوں کی اسلامی حکومتوں میں وہ پاسداری نہیں جہاں ذرا تصرف سے داڑھی کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

یہاں تو صرف شریعت ہے۔ میرے ایک سکھ دوست تو کہتے ہیں کہ ہم سکھ صرف داڑھیاں رکھنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔

دنیا میں ان تین مذاہب نے داڑھی کو بہت سنجیدگی سے لیا ہے۔ تیسری قوم یہودیوں کی ہے جنھوں نے بڑی فراخ دلی سے اس کی نشو و نما کی ہے۔

حالانکہ داڑھی بہت لمبی نہیں رکھنا چاہئے جیسا کہ ایک قاضی صاحب نے کسی کتاب میں پڑھا کہ ایک مشتی داڑھی سے بڑی داڑھی رکھنے والا بے وقوف ہوتا ہے۔ دیے کی روشنی میں انھوں نے اپنی داڑھی پکڑ کر دیکھا تو واقعی

ن کی داڑھی ان کی مٹھی سے دو تین انچ
ڑی تھی ۔ اب کیا کیا جائے ؟ اس دو تین
نچ کی حماقت سے کیونکر پیچھا چھڑایا جائے؟
ور انھوں نے داڑھی کو مٹھی میں دبا کر
یے کی لَو سے فاضل بال جلانے چاہے۔
تیجہ یہ نکلا کر ساری داڑھی دیکھتے دیکھتے
ن کے سامنے راکھ کا ڈھیر بن گئی اور کتاب
الکھا سچ نکلا ۔

ہاں اگر وہ قاضی صاحب ہمارا ہندوستانی
حاورہ سن لیتے تو نہ جانے کیا کرتے۔ وہ یہ
" پیٹ میں داڑھی ہونا " یعنی چھوٹی عمر
سے ہی عقلمندی کی باتیں کرنا یا " داڑھی ..
یشاب سے منڈوانا " یعنی ذلیل کرنا ۔

لیکن جب کوئی اس محاورے کا استعمال
رتا ہے کہ " چور کی داڑھی میں تنکا " تو اسے
نہ بھولنا چاہیے کہ " ڈوبتے کو تنکے کا سہارا "
واہ وہ تنکا چور کی داڑھی کا کیوں نہ ہو۔

مونچھ کا بال اس آدمی کو کہتے ہیں
کھرا ہو لیکن اس کے برخلاف داڑھی کا بال
ن ہو سکتا ہے۔ کیا جھوٹا اور کھوٹا آدمی! اس
بار ریشں لُغت نگار خاموش ہے ۔

داڑھی کے تصور سے بہت سی باتیں
ر خیالات اُبھرتے ہیں۔ اس کی بہترین مثال
ں دیہاتی بڑھیا کی ہے جو کسی مجلس میں بیٹھی
ے مولوی صاحب کی تقریر سن رہی تھی۔ مولوی
احب نے دیکھا وہ بڑی متاثر معلوم ہوتی تھی
رہ کر اپنے آنچل سے آنسو پونچھتی تھی ۔
لہ ختم ہونے کے بعد مولوی صاحب نے بڑھیا
ے کہا " مائی تو بڑی نیکدل معلوم ہوتی ہے۔
ے اندر خوفِ خدا ہے۔ تو سزا و جزا سے
ی ہے۔ کیا واقعی میری تقریر نے تیرے دل
اتنا گہرا اثر کیا ؟ "

اس پر بڑھیا نے جواب دیا " کیا بتاؤں

میں اس کو یاد کر کر کے کتنا روئی ہوں۔ مولبی
صاحب بالکل مین مین تمہارے ہی جیسی اس کی
داڑھی تھی ۔"

"کس کی داڑھی ؟" مولوی صاحب نے حیران
ہو کر پوچھا۔

" میرے بکرے کی ۔ سچ کہتی ہوں مولبی صاحب
جب وہ جگالی کرتا تھا تو بالکل آپ کی طرح ہی
داڑھی ہلاتا تھا۔ سفید و براق داڑھی تھی اُسکی ۔"

سچ بتائیے پیارے قارئین (جیسا کہ
وکٹورین ادب میں مصنف پوچھا کرتے تھے)
آپ کی نظر میں داڑھی کا کیا مقصد ہے ؟

ہمارا نتیجہ تو یہ ہے کہ مرد و عورت کی
پہلی اور آخری تفریقی علامت یہی ہے۔ محبت
میں سب کچھ جائز ہے سوائے داڑھی کے۔
یہی چیز ہے جو پاک محبت کے آڑے آتی
ہے۔ ایک چمکتا دمکتا ماہرو اس جھاڑ جھنکاڑ
کے اندر چھپ جاتا ہے ۔

اس دور میں ہپیوں نے جسم کے ایک
ایک روئیں پر سے پابندی ہٹا دی ہے ۔ سروں
کے بال چہروں کے بال سب ایک صف میں
آ گئے ہیں۔ محمود و ایاز کو تو ہم ایک صف
میں دیکھ چکے ہیں ۔ یہاں محمود کون اور
محمودہ کون ہیں، یہی سمجھ میں نہیں آتا ——
ریشِ قاضی کا فارسی میں دوسرا مطلب ہوتا
ہے : بھنگ چھاننے کا کپڑا ۔ اس کا بھی راز
کھلا کہ یہ دونوں مطلب ایک ہی شخصیت میں
موجود ہیں اور وہ ہیں آج کے ہپی نوجوان ۔

خیر یہ ریشخندی چھوڑیئے اور ان عرب
شیوخ کی پھاوڑے دار داڑھیوں پر نظر کیجیے
جس کے آڑ میں پیٹرو ڈالر کی تھیلیوں پر تھیلیاں
رچی جا رہی ہے ۔

کل تک مونچھ والا ہی طاقتور و توانا تر

مانا جاتا تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر مونچھ
مُنڈانے یا کاٹ لینے کی بات کرتا تھا اور
آج وہ طاقت اس داڑھی میں سمٹ رہی
ہے۔ اور ساری دنیا خوف سے تھرّا رہی
ہے کہ نہ جانے یہ داڑھی اب ہم سے کس بے
کا بے کا انتقام لے گی ۔

●●

سدابہار پھل

ہمارے ملک میں قسم قسم کے میوہ جات پیدا ہوتے ہیں لیکن ان میں سے زیادہ تر تقریباً موسم پر ہی دستیاب ہوتے ہیں۔ کئی پھل تو ایسے ہیں جو سال میں محض ایک مرتبہ، وہ بھی قلیل مدت کے لئے دستیاب ہوتے ہیں۔ اگر بارش مناسب نہ ہو تو کئی پھلوں کے تو ہم درشن بھی نہیں کر پاتے۔ آجکل سردخانوں میں موسمی پھلوں کو ذخیرہ کرکے رکھنے کے کئی طریقے ایجاد کئے گئے ہیں، لیکن آپ ہی بتایئے جو لذّت گرمی کے موسم میں آم کھانے سے حاصل ہوتی ہے کیا سردی کے موسم میں وہی لذت حاصل ہوسکتی ہے؟ یہی حال دوسرے پھلوں کا بھی ہے لیکن ایک سدابہار پھل ہمارے ملک میں ایسا ہے جو بارہ مہینے دستیاب ہوتاہے۔ وہ ہے **کیلا**!

کیلوں کے لئے ہمیں فریج اور سردخانوں کی ضرورت نہیں پڑتی، اور بارہ مہینے دستیاب ہونے کی وجہ سے اس کا ذائقہ بھی ہمیشہ یکساں رہتا ہے۔

ضلع جلگاؤں میں کیلے کی فصل دومرتبہ لگائی جاتی ہے۔ ان دونوں فصلوں کو مرگ بہار اور کاندے بہار کے نام سے یاد کیا جاتاہے۔ مرگ بہار کی فصل اکثر جون میں لگائی جاتی ہے لیکن کئی کسان فروری سے جون اور جولائی تک فصل بوتے ہیں۔ کاندے بہار کا موسم ستمبر سے شروع ہوتا ہے اور دسمبر اور جنوری تک جاری رہتا ہے۔ چونکہ الگ الگ وقت پر کیلے کی فصل لگائی جاتی ہے اس لئے اس کی کٹائی کا کام بھی بارہ مہینے چلتا رہتاہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ سدابہار پھل ہمیں سال کے بارہ مہینے ملتا رہتا ہے۔

جیسے ہی درختوں پر کیلے پک کر تیار ہونے لگتے ہیں انھیں جلد از جلد گاہکوں تک پہنچانا بے حد ضروری ہوجاتا ہے۔ اگر فی ایکڑ زمین پر ۱۵۰۰ کیلے کے درخت لگائے جائیں تو اس سے تقریباً ۱۵۰۰ کیلے کے گچھے دستیاب ہوتے ہیں اور جیسے جیسے یہ پک کر تیار ہوتے جاتے ہیں ویسے ویسے ان کے ٹرانسپورٹ کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔

اچھے قسم کے درخت پر کیلے کے گچھے میں تقریباً ۱۵۰ کیلے لگتے ہیں اور اس گچھے کا وزن دس کلو سے بیس کلو تک ہوتا ہے۔ اگر ایک ایکڑ زمین پر ۱۵۰۰ درختوں کے گچھے لگائے جائیں اور ہر گچھے کا وزن ۱۰ کلو تک ہو تو فی ایکڑ ۱۵۰ کوینٹل کیلوں کی پیداوار ایک کسان حاصل کر سکتا ہے۔ کیلے کے گچھوں کو کاٹنے اور باہر بھیجنے کے لئے اکٹھا کرنے کا کام کسان ٹھیکیداروں سے کرواتا ہے۔ ایک ٹرک میں آٹھ سے ساڑھے آٹھ ٹن یعنی ۸۰ سے ۸۵ کوینٹل کیلے کے تقریباً ساڑھے چار سو گچھے سماتے ہیں۔

جلگاؤں سے کولھاپور یا بمبئی تک لے جانے کے لئے فی کوینٹل تقریباً دس

جلگاؤں ضلع میں کیلے کی اچھی پیداوار ہونے پر کیلوں کے گچھوں کی کٹائی کے وقت لی گئی تصویر!

کیلوں سے لدی بیل گاڑی ـــــــــــ نقل و حمل کا ایک ذریعہ!

روپے خرچ بیٹھتا ہے۔ ٹرک کے علاوہ ریلوے اور جہازوں کے ذریعے بھی کیلوں کو ملک کے دوسرے حصوں میں اور بیرونی ممالک میں بھیجنے کا کام ہوتا ہے۔ کسان اپنے کیلوں کو ٹھیکیداروں اور سرکاری سوسائٹیوں کے ذریعے فروخت کرتے ہیں۔ ذرائع آمدورفت کی سہولتوں کی فراہمی کی وجہ سے ہی کیلے ہر وقت ہمیں مل سکتے ہیں۔

کیلے کی فصل بونے اور کٹائی کا کام پورا کر چکنے کے بعد بھی اس زمین میں نمی اور زرخیزی کا عنصر باقی رہتا ہے اس لئے اسی زمین میں دوبارہ فصل لگائی جا سکتی ہے یا پھر کسان گیہوں کی فصل حاصل کر سکتا ہے۔ اس طرح کسان ہر ایکڑ سے چودہ سے بیس کوینٹل گیہوں پیدا کر سکتا ہے۔ کئی کسان اس پر عمل کر رہے ہیں اور اس قسم کی فصلیں بونے کا کام زور و شور سے جاری ہے۔

جلگاؤں ضلع میں تقریباً بیس ہزار ہیکٹر زمین پر کیلے کی فصل لگانے کے بعد بھی کئی کسان جوش و خروش سے دیگر اناج کی پیداوار میں جٹے ہوئے ہیں۔

کیلوں کی مختلف قسمیں ہیں جن میں بسرائی، سفید، ایلچی، لال ایلچی، ہری سال وغیرہ۔ لیکن جلگاؤں کے بسرائی کیلے کا شمار اچھی قسم کے کیلوں میں ہوتا ہے۔

کیلا شاید وہ واحد پھل ہے جو بطور سبزی بھی استعمال ہوتا ہے۔ اکثر گھروں میں کچا کیلا ترکاری کے طور پر پکا کر کھایا جاتا ہے۔

●●

بقیہ: امید کی شعاعیں

اور وہاں کے عوام کس طرح ایک دوسرے کی مدد کر کے زندگی کے دشوار گذار راستے پر آگے بڑھتے رہتے ہیں، یہ دیکھ کر دل کو بڑی تسلی ہوتی ہے اور اپنے ملک کے مستقبل کے بارے میں دل میں بڑی امید بندھ جاتی ہے۔

●●

قلمی معاونین سے

اپنی تخلیقات کے خاتمہ پر یا پُشت پر اپنا مکمل پتہ ضرور تحریر فرمائیں۔ قلمی نام کے ساتھ اصل نام بھی درج فرمائیں۔

ناطلبیدہ مضامین کی ایک نقل اپنے پاس ضرور رکھیں!

ہولی

جس طرف دیکھئے دھوم ہولی کی ہے
چار سُو اُڑ رہے ہیں عبیر و گلال
کوچہ کوچہ بھی آج قوسِ قزح
سانولی صورتیں بھی ہوئیں آج لال

منچلوں کی گلی سے چلی ٹولیاں
گیت ہولی کے ڈھولک پہ گاتے ہوئے
کوئی چہروں کی رنگت بدلتے ہوئے
کوئی دامن کو رنگیں بناتے ہوئے

کوئی رنگوں کو پانی کی صورت بہائے
رنگ، پانی کو کوئی بناتی ہوئی
کوئی اپنی سہیلی سے کرتی ہے چھیڑ
کوئی اپنے پیا سنگ گاتی ہوئی

ملک خوشیوں کا گہوارہ یوں ہی رہے
رنگ در رنگ ڈھلتی رہے زندگی
آنگن آنگن کو چمکائے رنگولیاں
بوتلوں سے اُبلتی رہے زندگی

متین اچل پوری شہری
معرفت لے ستار، بیابانی۔ اچلپور شہر ضلع امراؤتی

نفرت، پھوٹ، کپٹ، جل جائے، اونچ نیچ جل جائے رے
ہولی کی اس آگ میں بندھو پیار نہ جلنے پائے رے

فٹ پاتھوں پر اونگھتے جیون کی ٹھنڈی سسکاری سے
کھوکھلی چھاتی سے کھانسی کی خون بھری پچکاری سے
اُجلے تن میں پتھر جیسا کالا من دھل جائے رے
ہولی کی اس آگ میں بندھو پیار نہ جلنے پائے رے

گوداموں کو کھول دے بھیّا دیس کی جنتا بھوکی ہے
بوجھ پھلوں کا بڑھ جائے تو ڈالی ٹوٹ بھی سکتی ہے
انسان ہوکر انسانوں کو بھوک سے کیوں تڑپائے رے
ہولی کی اس آگ میں بندھو پیار نہ جلنے پائے رے

ہریالی میں رنگ رنگ کے پھول کھلاتی یہ دھرتی
دھرم جات کے نام پہ کس نے نرک بنا دی یہ دھرتی
دیس سے اُسکو پیار نہیں جو دیس کا چین لٹائے رے
ہولی کی اس آگ میں بندھو پیار نہ جلنے پائے رے

ہاتھ کی ریکھاؤں میں اپنا بھاگ نہ اُلجھا اے بھیّا!
سب کی اب آواز سے تو آواز ملا کر گا بھیّا
ایک کا دُکھ سب کا دکھ ہو تو دُکھ جگ کا مٹ جائے رے
ہولی کی اس آگ میں بندھو پیار نہ جلنے پائے رے

ہوش نعمانی
نالاپار۔ رامپور (یو۔پی)

اسمبلی کی کارروائیاں

وزیر اعلیٰ شری ایس۔بی۔ چوان نے قانون ساز اسمبلی میں گورنر کے خطبہ پر ہونے والی بحث کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اگلے سال اناج کی پیداوار میں ۱۰ لاکھ ٹن اضافہ کی امید ہے جس کی وجہ سے فی الحال غذائی پیداوار کا نشانہ ہمارے مدنظر ۸۵ لاکھ ٹن ہے۔

شری چوان وزیر اعلیٰ کے عہدے پر فائز ہونے کے بعد پہلی بار ۱۴ مارچ کو ایوان سے خطاب کر رہے تھے۔

حزبِ مخالف سے اپیل

اناج کی پیداوار کو بڑھانا اور سوکھے کا مقابلہ کرنا یہ ہمارے سامنے سب سے اہم سوال ہیں۔ انھوں نے حزب مخالف سے اپیل کی کہ وہ بھی اس کام کی عمل آوری میں ہاتھ بٹائیں۔ وزیر اعلیٰ نے مزید فرمایا کہ مہاراشٹر کی ترقی کے لئے تمام بھید بھاؤ بھلا کر ہمیں اجتماعی طور پر مسئلوں کا حل ڈھونڈھ نکالنا ہوگا۔

اناج کی پیداوار کے لئے ۵۰ فیصد پانی

۸۵ لاکھ ٹن اناج حاصل کرنے کے لئے 'کیش کراپس' کی کاشتکاری کے لئے آبپاشی کے ذریعے جتنا پانی دیا جاتا ہے اسمیں کٹوتی کرکے اس کا ۵۰ فیصدی حصہ اب اناج کی پیداوار کے لئے دینے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

جوار مہاراشٹر کی سب سے اہم فصل ہے تاہم ربیع فصل میں مخلوط جوار ابھی تک بوئی نہیں جاتی۔ انہوں نے کہا کہ کسانوں کو چاہیئے کہ وہ پرانے طریقوں کو ترک کر کے کاشتکاری کے نئے طریقے اپنائیں۔

'غذائی پیداوار بڑھاؤ پروگرام' دیہی سطح پر شروع کیا گیا ہے۔ اس سے متعلق اگر کسی زراعتی افسر نے بے رُخی برتی تو یہ بات اُن کی خفیہ رپورٹ میں درج کر دی جائے گی۔ 'بیج' کھمیوں اور دیگر کیڑوں کے خاتمہ کے لئے، جو کھڑی فصل کو تباہ کر دیتے ہیں' ایک زبردست مہم چلائی گئی ہے۔ زونل سسٹم کے مطابق ۲۰ تا ۲۵ گاؤں کا ایک زون بنا کر یکساں کاشتکاری کے طریقوں پر عمل کیا جائے گا۔

شری چوان نے کہا کہ کم سے کم' یعنی ۲ یا ۳ ایکڑ زمین کے مالکوں کو دو تین مویشی دے کر کوئی ضمنی پیشہ شروع کرنے کی ترغیب دے دیں تو بے کاری کا مسئلہ بھی ایک حد تک حل ہو جاتا ہے۔ دودھ کی پیداوار دو ڈھائی لاکھ لیٹر سے بڑھ کر ۶ لاکھ لیٹر روزانہ تک پہنچ گئی ہے۔ اب اس کو ۱۰ لاکھ لیٹر تک لیجانے کا خیال ہے۔

قحط کی روک تھام

وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ ہماری ریاست میں ۸۷ تعلقہ جات ایسے ہیں جہاں اکثر سوکھے کی شکایت ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے غذائی پروگرام پر عمل آوری مشکل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا سوکھے کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک ایسی اسکیم کا بنانا نہایت ضروری ہے جس سے کم پانی سے کم از کم ایک فصل اُگائی جاسکے۔ وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ قحط کے دوران روپیوں کی تھیلیاں کھولنے سے فائدہ نہیں ہوتا لہٰذا حکومت نے ان علاقوں میں ترجیحی سطح پر چھوٹے اور بڑے آبپاشی کے کام کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

مرکزی حکومت نے اور ورلڈ بینک نے احمد نگر اور شولاپور کو جو ہمیشہ سے سوکھے کے علاقے رہے ہیں' الگ الگ امداد کیلئے ۸ کروڑ روپیوں کی منظوری دے دی ہے۔ اس کے علاوہ دیگر مالی اداروں کی جانب سے مزید ۶ کروڑ روپیوں کی امداد ملے گی۔ وزیر اعلیٰ نے ایوان کو یقین دہانی کی کہ صمیم قلب سے اس پروگرام پر عمل کیا جائے گا۔

ضمانتِ روزگار اسکیم کا ذکر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ اگر روزگار مہیا ہوں اور افسران ان کو دینے میں پس و پیش کریں تو ان کے خلاف سخت اقدامات کئے جائینگے۔

وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ حکومت چاہتی ہے کہ مانسون کے شروع ہونے سے پہلے ہر ضلع کے بے زمین مزدوروں کے لئے ایک ہزار جھونپڑے تعمیر کئے جائیں۔ یہ کام [illegible] اور

خانت روزگار اسکیم کے ذریعے پورا کیا جائے گا۔

کپاس کی اجارہ دارانہ خرید سے متعلق وزیراعلیٰ نے فرمایا کہ وہ مرکز کی قیادت سے مزید مالی امداد کے لئے گفتگو کریں گے۔

وزیراعلیٰ نے فرمایا کہ حکومت ریاست کے صدر مقام کے مسائل سے چشم پوشی نہیں کرے گی۔ آپ نے کہا کہ میٹروپولیٹن اتھارٹی بمبئی میونسپل کارپوریشن کے اختیارات کو کسی نامناسب طور سے متاثر نہیں کرے گی۔ نیز یہ کہ گندی بستیوں کو سدھارنے اور وہاں پانی، سنڈاس اور بجلی کی سہولتیں مہیا کرنے کی طرف خاص توجہ دی جائے گی۔

سرحدی تنازعہ سے متعلق شری چوان نے کہا کہ وہ اس مسئلے کو جلد از جلد حل کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔

وزیراعلیٰ نے کہا کہ بمبئی یونیورسٹی کے انتظامیہ کی خرابی سے متعلق اینٹی کرپشن بیورو اور امتحانوں میں ہونے والی بدعنوانیوں کے بارے میں پروفیسر وی۔ ایس۔ جھا تحقیقات کر رہے ہیں۔

وزیراعلیٰ کے بیان سے پہلے ہونے والی دو روزہ بحث میں برسراقتدار اور حزبِ مخالف کے ارکان نے حصہ لیا۔ حزبِ مخالف نے گورنر کے خطبہ کو غیراطمینان بخش بتایا اور اس پر نکتہ چینی کی۔

وزیراعلیٰ کے جواب کے بعد ایوان نے تحریک تشکر پاس کی۔

مہاراشٹر خام کپاس (پروکیورمینٹ، پروسیسنگ و مارکیٹنگ) (ترمیم) بل ۱۹۷۵ء کی وضاحت کرتے ہوئے وزیر امداد باہمی شری یشونت راؤ موہتے نے کہا کہ کپاس لینے کے بعد ۳۰ فیصدی نقد رقم دینے میں اگر ۱۰ یا ۱۵ دن سے زیادہ دیر ہو جائے تو دس فیصدی کے حساب سے سود دیا جائے گا۔ اور اسی طرح تھوڑی رقم ادا کر کے باقی رقم دینا ہو جائے تو باقی رقم پر بھی دس فیصدی کے حساب سے سود ادا کیا جائے گا۔

ایوان نے بل پاس کر دیا۔

مہاراشٹر ہوٹل و قیامگاہ میں عیش و آرام پر محصول بل ۱۹۷۵ء پر بحث کا جواب دیتے ہوئے وزیرِ مملکت شری آر۔ وی۔ بیلوسے نے کہا کہ ریاست میں ایسے ۳۶ ہوٹل ہیں، اور امید ہے کہ اس قانون کے ذریعے ان سے حاصل ہونے والی آمدنی تقریباً ۱۶۶۵ لاکھ روپے ہر ماہ ہوگی۔

مہاراشٹر صنعتی ترقیاتی (ترمیم) بل ۱۹۷۴ء بھی ایوان نے پاس کر دیا۔

بمبئی گرام پنچایت (ترمیم) بل ۱۹۷۴ء پر کی گئی بحث نامکمل رہی۔

غیر سرکاری کام

غیر سرکاری کام کاج کے دوران چار بلوں پر بحث کی گئی اور بعد میں یہ چاروں بل واپس لے لئے گئے۔ جن بلوں پر بحث کی گئی وہ لا کمیشن سے متعلق بل، جوئے سے متعلق بل، سیلز ٹیکس میں ترمیم سے متعلق بل اور گھروں میں کام کاج کرنے والے نوکروں کے لئے سہولتوں سے متعلق بل تھے۔

تعزیراتِ ہند

تعزیراتِ ہند کی دفعہ ۱۸۱ کے تحت اگر کوئی کورٹ میں حلفیہ غلط بیان بھی دے تو اس کی گرفت کے لئے یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ ایسا بیان دینے والا شخص قصداً غلط بیانی سے کام لے رہا ہے۔ اس کوتاہی کو دور کرنے کے لئے ایک غیر سرکاری بل کانگریسی ممبر شری آر۔ اے۔ گھاڑسے نے پیش کیا تھا۔ بل پر بحث کے دوران وزیرِ قانون و عدلیہ شری عبدالرحمٰن انتولے نے بتایا کہ بدلتے ہوئے حالات کے پیشِ نظر حکومت مہاراشٹر تمام قوانین میں ضروری ترمیمات کیلئے ایک مستقل لا کمیشن کا تقرر کرنے والی ہے

کمودی کھاڑی پر پل

حکومتِ مہاراشٹر نے ضلع تھانہ میں بھیونڈی ۔ کاسے سڑک کے درمیان آنے والی کمود کھاڑی پر ایک بڑا پل تعمیر کرنے کے کام کی انتظامی منظوری عطا کر دی ہے۔

اس کام پر لاگت کا تخمینہ ۸۰۳،۰۰،۷ روپے کا ہے۔

ملہر ساگر

حکومتِ مہاراشٹر نے ضلع پونے کے پرندرے تعلقہ میں واقع نزاسے پاڑے کی جھیل کا نام "ملہر ساگر" رکھا ہے۔

کونسل کی کارروائی

کونسل میں گورنر کے خطبہ پر بحث کا آغاز کرتے ہوئے شری میگھے نے کہا کہ گورنر کے خطبہ میں اناج کی پیداوار کو بڑھانے سے متعلق حکومت کے عزم کا اظہار ہے۔

شری آر۔ ایف۔ چودھری نے یہ رائے پیش کی کہ تعلیم یافتہ بیروزگار نوجوانوں کو پیداوار اور ترقی کے کاموں میں حصہ لینے کی اجازت ہونی چاہیئے ورنہ حالت نازک ہوسکتی ہے

شری این۔ ڈی۔ پاٹل نے کاشتکار مزدوروں کے لئے منصفانہ رویے کی سفارش کی۔

شری جی۔ پی۔ پردھان نے تعلیمی میدان میں غیر اطمینانی کا ذکر کیا اور کہا کہ اس میدان میں حکومت کی پالیسی میں ربط و تسلسل ہونا ضروری ہے۔

شری انا صاحب گوہانے نے شکایت کی کہ گورنر کے خطبہ میں ہریجنوں اور گرجنوں سے ہونے والی نا انصافیوں سے متعلق کوئی ہمدردی نہیں دکھائی گئی ہے۔

نئے تعلیمی نظام کی کوتاہیوں کا ذکر کرتے ہوئے شری ڈی۔ وی۔ دیشپانڈے نے کہا کہ پسماندہ علاقے میں نئی پالیسی کی وجہ سے تعلیم کا معیار بے حد کمزور ہوجائیگا۔

شری منوہر جوشی نے ایوان کی توجہ ہاؤسنگ بورڈ میں ہونے والی بدعنوانیوں کی طرف مبذول کی۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے وزیراعلیٰ شری ایس۔ بی۔ چوان نے تعلیم، زراعتی پیداوار، آبپاشی، بجلی، سرحدی تنازعہ اور بدعنوانیوں کے خاتمہ سے متعلق حکومت کی پالیسی کی وضاحت کی۔

اسکول اور کالج کے اساتذہ کے امتحانوں کے بائیکاٹ کا ذکر کرتے ہوئے شری چوان نے تمام اساتذہ سے اپیل کی کہ وہ طلبہ کے مفاد کو زک نہ پہنچائیں۔

انھوں نے کہا کہ اساتذہ اپنی تنخواہوں سے متعلق تجاویز پیش کریں تاکہ وہ پے کمیشن کے غور وخوض کیلئے لی جاسکیں۔ انہوں نے نے اعلان کیا کہ حکومت ایک ایسی کمیٹی مقرر کرنا چاہتی ہے جو اس بات پر غور کرے گی کہ سرکاری خزانے پر بوجھ ڈالے بغیر یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی سفارشات پر کس طرح عمل کیا جاسکتا ہے۔

انھوں نے ایوان کو یقین دلایا کہ نیا تعلیمی بل جاری سیشن کے دوران کیا جائے گا۔

وزیراعلیٰ نے کہا کہ کوکن میں آبپاشی کے چھوٹے اور بڑے کاموں کو فوقیت دی جائے گی۔ انہوں نے تمام ممبران سے خصوصیت کے ساتھ کوکن کے نمائندوں سے اپیل کی کہ وہ کوکن کی ترقی میں حکومت سے تعاون کریں۔

شری چوان نے کہا کہ بجلی کی پیداوار ایک اہم اور بنیادی مسئلہ ہے اور اگر ضرورت ہوئی تو دوسری مدوں کے لئے مختص کی گئی رقومات بھی بجلی کی پیداوار کے لئے استعمال کی جائینگی۔ پانچویں پنج سالہ پلان میں بجلی کی پیداوار کا نشانہ تین ہزار پانسو میگاواٹ رکھا گیا ہے۔

شری ڈی۔ وی۔ دیشپانڈے کی ایک تحریک التوا کا جواب دیتے ہوئے ہاؤسنگ منسٹر شری عبدالرحمٰن انتولے نے بتایا کہ حکومت مہاراشٹر نے جو ایک غیر سرکاری 'بودے کمیٹی' بنائی ہے وہ اس بات کی تحقیق کرے گی کہ آیا ہاؤسنگ بورڈ کی کسی عمارت کے گر جانے کا خطرہ ہے۔

وزیر موصوف نے بتایا کہ اس بات کی بھی جانچ کی جائے گی کہ افسران اس عمارت کی وقتاً فوقتاً جانچ کرنے میں کیوں ناکام رہے۔

تحریک التوا شاستری نگر کی ایک عمارت کے گر جانے سے متعلق تھی۔ چیرمین وی۔ ایس۔ پاگے نے تحریک التوا نامنظور کر دی۔

وزیر اعلیٰ نے ایوان کو یقین دلایا کہ پسماندہ طبقوں کو کسی بھی قسم کی ناانصافی کا شکار ہونے نہیں دیا جائیگا۔

وزیر اعلیٰ کے جواب کے بعد ایوان نے تحریک تشکر پاس کی۔

بمبئی قمار بندی (ترمیم) بل ۱۹۷۴ء پر بحث کا جواب دیتے ہوئے شری آر۔ پی۔ ولوی، وزیر مملکت برائے امور داخلہ نے کہا کہ مٹکے کے لئے ایک علیحدہ مشنری کی ضرورت نہیں ہے۔ اس مقصد کے لئے محکمۂ پولس کی خدمات کافی ہیں۔ انھوں نے تمام اراکین اور عوام سے اپیل کی کہ وہ اس سماجی برائی کو دور کرنے میں ہاتھ بٹائیں۔

سرو شری آر۔ ایف۔ چودھری، جی۔ پی۔ پردھان، پی۔ این۔ راج بھوج، منوہر جوشی، ڈی۔ کے۔ دیشمکھ، اپا صاحب جادھو، جی۔ پی۔ نچکے، ایل۔ پی۔ پجاری اور شریمتی پرمیلا ٹوپلے نے بحث میں حصہ لیا۔

ایوان نے بل کو ایک ترمیم کے ساتھ پاس کیا جس کی رو سے اس جرم کیلئے کم سے کم سزا ایک سال سے بڑھا کر دو سال کردی گئی۔

ایوان نے مہاراشٹر ضلع پریشد اور پنچایت سمیتی (چوتھی ترمیم) بل ۱۹۷۴ء پاس کردیا۔

وزیر مالیات شری چودھری نے ایوان کو ضمنی مطالبات برائے سال ۷۵-۱۹۷۴ء کا تخمینہ ۱۵۶۶۵۹ کروڑ روپیوں کا پیش کیا۔ ●●

وزیر تعلیم شریمتی پربھا راؤ نے بتایا کہ اساتذہ کی تنخواہوں پر نظر ثانی کا معاملہ دوسرے پے کمیشن کی طرف غور و خوض کے لئے سونپا جارہا ہے۔

وزیر موصوفہ نے بتایا کہ حکومت اساتذہ کے مہنگائی بھتے میں اضافے پر غور کررہی ہے اور اساتذہ سے انہوں نے اپیل کی کہ وہ لاکھوں طلبہ کے مستقبل کا خیال کرتے ہوئے امتحانوں کے بائیکاٹ کا خیال ترک کردیں۔

انہوں نے بتایا کہ جون ۱۹۷۴ء سے نئے تعلیمی فارمولے کے نفاذ کے ساتھ مغربی مہاراشٹر میں ۸،۳۳۰ اساتذہ زائد ہوجائیں گے لیکن حکومت ان سب کو روزگار سے لگانے کی کوشش کرے گی۔

شری سی۔ آر۔ کھانولکر کے ایک غیر سرکاری بل پر بحث کے دوران وزیر قانون و عدلیہ شری عبدالرحمٰن انتولے نے جمعہ ۷ر مارچ کو کہا کہ حکومت، مہاراشٹر لوک آیوکت و آپ لوک آیوکت قانون میں ترمیم کی غرض سے ایک بل ایوان میں پیش کرنے والی ہے۔ نیز یہ کہ اس بل کے مسودے کی تیاری کے دوران عوام کی طرف سے پیش کی جانے والی تمام تجاویز پر غور کیا جائے گا۔

شری کھانولکر نے وزیر موصوف کی اس یقین دہانی پر اپنا بل واپس لے لیا۔

یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی طرف سے سینیئر ریسرچ فیلوشپ

یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے ۷۵-۱۹۷۴ء کے دوران سماجی سائنسوں اور عمرانیات میں سینیئر ریسرچ فیلوشپ دینے کیلئے ۶۴ امیدواروں کو منتخب کیا ہے۔ یہ چھ سو روپے ماہوار کا وظیفہ ہوتا ہے جو دو سال کیلئے دیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی دو ہزار روپے سالانہ کی ہنگامی گرانٹ دی جاتی ہے۔ اردو کیلئے بنارس ہندو یونیورسٹی کی ڈاکٹر مسز قدسیہ خاتون کو سینیئر ریسرچ فیلوشپ دیا گیا ہے۔
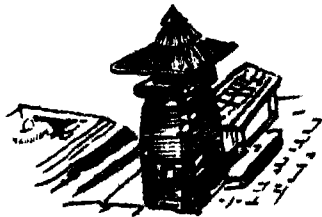
گیہوں صاف کر لیجئے
مالکانِ کارڈ کو ہدایت

حکومت کے علم میں یہ بات لائی گئی ہے کہ گیہوں کے کچھ اسٹاک میں جو فوڈ کارپوریشن آف انڈیا سے ملا ہے اور راشن یا فیر پرائس شاپ کے ذریعہ تقسیم کیا جاتا ہے بہت تھوڑی مقدار میں لوہے کے ٹکڑے مل گئے ہیں۔ بمبئی کے راشننگ علاقہ میں سرسری جانچ سے یہ پتہ چلا ہے کہ یہ فیصدی مقدار مقررہ قابلِ برداشت حد سے کم ہے۔ بہرحال تقسیم سے قبل اس اسٹاک کو صاف کرنے کی ہر ممکن احتیاط برتی جارہی ہے۔ تاہم مزید احتیاط اور ممکن ضرر سے بچنے کیلئے مالکان کارڈ کو یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ گیہوں پسائی کے لئے بھیجنے سے قبل اسے خوب صاف کرلیں اور لوہے کے ٹکڑے نکال دیں۔ راشن یا فیر پرائس شاپ کے مالکان کو بھی ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اس ہدایت کے بارے میں اپنی دوکانوں میں تحریری اعلان لگائیں۔

تمام احتیاط کے باوجود اگر کسی مالک کارڈ کو ایسا گیہوں ملا ہو جس میں حد سے زیادہ لوہے کے ٹکڑے ہوں تو وہ اپنی دوکان سے اس گیہوں کو بدلوا سکتا ہے۔

پوہا اور کرمرا بنانے پر پابندی

پوہا اور کرمرا بنانے کے لئے دھان کے ذخیرے کو روکنے کے مدنظر حکومتِ مہاراشٹر نے مہاراشٹر پوہا اور کرمرا (بنانے پر پابندی) حکمنامہ بابت ۱۹۶۶ء نافذ کیا۔ اس حکمنامے کے تحت کوئی بھی شخص بجز اس کے کہ اسکو ریاستی حکومت یا کلکٹر کی جانب سے اسکی اجازت ملی ہو، دھان کو پوہا اور کرمرا کی شکل میں تبدیل نہیں کرسکتا یا تبدیلی کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔

حکومتِ مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ اب کسی نئی یونٹ کو پوہا اور کرمرا بنانے کی اجازت نہ دے گی۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا ہے کہ صرف انہیں لوگوں کو کرمرا اور پوہا بنانے کے لئے دھان دیا جائے گا جو کہ اس دھندے میں ۶۶-۱۹۶۵ء سال سے قبل سے لگے ہوئے ہیں اور وہ بھی انہوں نے جتنا دھان ۶۴-۱۹۶۳ء میں اس مقصد کے لئے حاصل کیا تھا اس کا صرف ۲۵ فیصدی ہی دیا جائے گا۔ یہ اسکیم ۱۹۶۶ء کے بعد سے نافذ ہے۔

(۷۵-۱۹۷۴ء) جاریہ فصل کے دوران جن کو ماقبل ۲۵ کوینٹل کا کوٹہ ملتا تھا انکو اب صرف اس کا ۵۰ فیصدی اس اسٹاک سے ملے گا جو حکومت کھلے بازار سے درمیانی اور موٹے قسم کا دھان حاصل کرے گی۔ جن کو ۲۵ کوینٹل سے زیادہ کا کوٹہ منظور ہے ان کو بعض شرائط پر کاشتکاروں سے کھلے بازار میں ان کے کوٹے کا ۵۰ فیصدی خریدنے کی اجازت ہوگی مگر جس ضلع میں دھان زیادہ نہیں ہوگا وہاں ان کو ان کے ضلع کلکٹر کی جانب سے جاری کردہ درآمدی پرمٹ کے ذریعہ دوسرے مقررہ ضلع سے دھان خریدنے کی اجازت ہوگی۔ ایسے معاملات میں دھان خریدنے کے بعد اس ضلع کے کلکٹر سے برآمدی پرمٹ حاصل کرنا ہوگا۔ مزید تفصیلات کے لئے ضلع کلکٹر سے رجوع کیا جائے۔

جہاں تک کہ بمبئی راشننگ علاقے کا تعلق ہے ایسے لوگوں کو کنٹرولر آف راشننگ، بمبئی کی جانب سے درآمدی پرمٹ ملیگا تاکہ وہ تھانہ سے دھان خرید سکیں۔

ثانوی اسکول مدرسین کے لئے پنشن اسکیم

حکومتِ مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ ایسے مدرسین کے معاملے میں جو کہ امدادی اور تسلیم شدہ غیر سرکاری ثانوی اسکولوں سے سبکدوش ہو رہے ہوں تو انھوں نے جتنی مدت تک سابق لوکل باڈیز یعنی ڈسٹرکٹ اسکول بورڈوں، ڈسٹرکٹ لوکل بورڈوں اور جنپد سبھاؤں کے ذریعہ چلائے جانے والے ثانوی اسکولوں میں ملازمت کی ہو اس مدت کو بعض شرائط پر پنشن کے لئے کل مدت ملازمت میں جوڑنے کی اجازت دی جائے۔

یہ فیصلہ متذکرہ مدرسین کی نمائندگی کے بعد حکومت نے کیا ہے۔

ابتدائی تعلیم ترمیمی قوانین
اعتراضات و تجاویز مطلوب

حکومتِ مہاراشٹر نے مسودہ بمبئی ابتدائی تعلیم (تیسری ترمیم) قوانین بابت ۱۹۷۵ء کے بارے میں ۲۰ مارچ ۱۹۷۵ء تک اعتراضات اور

مشورے طلب کئے ہیں۔

مسودۂ قانون غیر معمولی سرکاری گزٹ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۷۵ء کے حصہ ۴-ب میں شائع کر دئے گئے ہیں۔

اعتراضات اور تجاویز سکریٹری حکومت محکمۂ تعلیم، سچیوالیہ انیکس، بمبئی ۳۲ کے نام ۲۰ مارچ ۱۹۷۵ء سے قبل بھیج دئے جائیں۔

مالگذاری عدالت کے لئے تعطیلات گرما

مہاراشٹر ریوینیو ٹربیونل، بمبئی کی گرمائی تعطیلات ۵ مئی ۱۹۷۵ء سے ۱۴ جون ۱۹۷۵ء تک ہونگی۔ پونا، ناگپور، اورنگ آباد اور کولہاپور کے ڈویژنل بینچوں کی بھی ۲۰ اپریل ۱۹۷۵ء اور ۲۰ جون ۱۹۷۵ء کے درمیان جیساکہ ہر بینچ کے لئے مناسب ہو ایک ماہ کے لئے گرمائی تعطیلات رہیں گی۔

گرمیوں کی چھٹیوں کے دوران ضروری کام انجام دینے کے لئے ریوینیو ٹربیونل کے دفاتر مقررہ اوقات اور دنوں میں کھلے رہیں گے جن کا اعلان نوٹس بورڈ پر لگا دیا جائے گا۔

کپاس کی پیشگی قیمت سے بقایا نہیں لیا جائے گا

حکومت مہاراشٹر نے ہدایت کی ہے کہ کپاس کی اجارہ دار حصولیابی اسکیم کے تحت کپاس پیدا کرنے والوں کو جو پیشگی رقم ادا کی جاتی ہے اسمیں سے کوآپریٹیو بقایا جات کے علاوہ اور کوئی بقایا جات وصول نہ کئے جائیں۔

شیڈیولڈ کاسٹ کیلئے مکانات کوٹے میں اضافہ

حکومت مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ مہاراشٹر ہاؤسنگ بورڈ اور ودربھ ہاؤسنگ بورڈ کی تعمیراتی

نئی کالونیوں میں شیڈیولڈ کاسٹ اور شیڈیولڈ ٹرائبس، وِمکت جاتی، نومیڈک ٹرائبس اور نو بُدھسٹوں کے لئے جو مکانات کا محفوظ کوٹہ ۲۰ فیصدی کا ہے اس میں اضافہ کر کے تیس فیصدی کر دیا جائے۔ یہ فیصلہ اسلئے کیا گیا ہے کہ ریاست کے دو ہاؤسنگ بورڈوں میں متذکرہ جاتیوں کے لوگوں کو مکانات دینے میں جو کمی رہ گئی ہے وہ پوری کی جا سکے۔

بہر حال جو مکانات گندی بستیوں کو ختم کرنے کے لئے بنائے جائیں گے اس میں یہ الاٹمنٹ نہیں ہوگا کیونکہ وہ ان کو ہی دئے جائیں گے جو کہ ایک خاص گندی بستی سے ہٹائے جائینگے۔

کپاس کی خریداری

تازہ فصل کپاس کے لئے اجارہ داری خریداری کپاس اسکیم کے تحت ہفتہ مختتمہ ۱۰ مارچ ۱۹۷۵ء کے دوران مہاراشٹر اسٹیٹ کوآپریٹیو مارکٹنگ فیڈریشن لیمیٹڈ نے بارانی اور سینچائی علاقوں سے لگ بھگ ۴،۷۰،۳۰۹۰ کوئنٹل کپاس حاصل کی۔ نیز اس ہفتہ ۱۶،۱۴،۳۰ گانٹھیں دبائی گئیں۔

تھانہ پُل پر بھاری گاڑیوں کیلئے زیادہ محصول

حکومت مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ تھانہ کھاڑی پُل پر یکم اپریل ۱۹۷۵ء سے بھاری موٹر گاڑیوں کے لئے شرح محصول ۵ روپے سے بڑھا کر ۶ روپے کر دی جائے۔

اسکوٹروں، موٹر سائیکلوں اور ہلکی گاڑیوں کے لئے شرح محصول میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا ہے۔ موجودہ شرح علی الترتیب ۵۰ پیسے اور ۲ روپے ہے۔

بسمت نگر تحقیقات

حکومت مہاراشٹر نے بسمت نگر پولس فائرنگ کے تحقیقاتی کمیشن کی جانب سے رپورٹ داخل کرنے کی مدت میں ۳۰ ستمبر ۱۹۷۵ء تک کی توسیع کر دی ہے۔ تحقیقاتی کمیشن جس میں شری جسٹس این ڈی۔ کامت، جج ہائیکورٹ بمبئی کو مقرر کیا گیا تھا تاکہ وہ ۲۷ مارچ ۱۹۷۴ء کو ضلع پربھنی کے مقام بسمت نگر میں کنال انسپکٹران اور میسنرز کی اسامیوں کے لئے انٹرویو اور انتخاب کے لئے آنے والے امیدواروں کے سلسلہ میں جو فساد ہوا تھا اُس کی تحقیقات کر کے اپنی رپورٹ حکومت کو داخل کرے۔

سیلز ٹیکس دفاتر کی منتقلی

مندرجہ ذیل سیلز ٹیکس دفاتر وِکری کر بھون مجگاؤں، بمبئی ۱۰ سے ۱۳ مارچ ۱۹۷۵ء منتقل ہو کر میسرز ٹیلی کوم انڈسٹریز پرائیویٹ لمیٹڈ کے احاطہ واقع ڈاکٹر ایس۔ ایس۔ راؤ روڈ، مہاتما گاندھی میموریل ہسپتال، لال باغ، بمبئی ۱۲ میں آ گئے ہیں اور ان میں کام جاری ہو گیا ہے۔

(۱) ڈپٹی کمشنر آف سیلز ٹیکس (ایڈمنسٹریشن) بمبئی سٹی ڈیویژن - V

(۲) اسسٹنٹ کمشنر آف سیلز ٹیکس (ایڈمنسٹریشن) بمبئی سٹی ڈیویژن، رینج IX -

(۳) اسسٹنٹ کمشنر آف سیلز ٹیکس (ایڈمنسٹریشن) بمبئی سٹی ڈیویژن، رینج X -

(۴) سیلز ٹیکس آفیسرز (J & T) یونٹ ایک سے پانچ۔

کھار اراضی شدھار

حکومت مہاراشٹر نے کھار اراضی سدھار کا یہ فیصلہ منظور کر لیا ہے کہ کھار اراضی کو ...

بازیابی لاگت کی زیادہ سے زیادہ حد پر مزید نظرثانی کی جائے۔

چنانچہ واحد حفاظتی اسکیم کے سلسلہ میں تعلقہ جات مہاڈ ، مان گاؤں ، شری وردھن ، مروڈ اور مہسلا کو چھوڑ کر اضلاع تھانہ ، بمبئی مضافات اور قلابہ میں فی ایکڑ بازیابی حد نظرثانی کر کے ۲۵۰ روپے کے بجائے ۵۵۰ روپے کر دی گئی ہے۔ تعلقہ جات مہاڈ ، مان گاؤں ، مروڈ ، شری وردھن اور مہسلا تعلقہ جات ضلع قلابہ نیز ضلع رتناگیری کے لئے یہ حد ۵۵۰ کے بجائے ۶۵۰ روپے کر دی گئی ہے۔ دوہری حفاظتی اسکیم کے تحت اضلاع تھانہ ، قلابہ اور رتناگیری میں یہ حد بعد از نظرثانی ۸۰۰ روپے کے بجائے ۹۵۰ روپے کر دی گئی ہے۔

لائبریریوں کیلئے امداد

حکومت مہاراشٹر نے مبلغ ۴۰۰۰ روپے اور ۱۰۰۰۰ روپے کی ہنگامی امداد علی الترتیب راشٹر بھاشا گرنتھالیہ ، ناگپور اور مانی جی لائبریری بمبئی کے لئے منظور کی ہے۔ یہ امداد خصوصی طور پر منظور کی گئی ہے۔

پونہ ہسپتال کیلئے سرکاری امداد

حکومت مہاراشٹر نے کے۔ ای۔ ایم ہسپتال ، پونہ کو مبلغ ۱،۱۸،۹۴۰ روپے کی غیر مکرر الوقوع امداد دینے کی منظوری دی ہے تاکہ فیملی پلاننگ پروگرام کے تحت اسٹیرلائزیشن وارڈ تعمیر کیا جاسکے۔

سرکاری اراضی کا تجارتی استعمال

حکومت مہاراشٹر نے ایک افسر بکار خصوصی کی جگہ تشکیل دی ہے تاکہ [illegible] اور دیگر اہم قصبات میں سرکاری اراضی کے استعمال کا جائزہ لیا جائے۔ افسر مذکور اہم مقامات پر [illegible] ایسی اراضی کے بارے میں جو خالی پڑی ہے یا پوری طرح استعمال میں نہیں آرہی ہے۔ تجارتی استعمال کے لئے تجاویز وضع کر کے پیش کریگا۔

قرض کے لئے سرکاری ضمانت

حکومت مہاراشٹر نے بعض شرائط کے تحت مبلغ ۳۰ لاکھ روپے کی حد تک مقررہ قرض کے سود اور اصل زر کی ادائیگی کی ضمانت دی ہے جو مہاراشٹر اسٹیٹ کوآپریٹیو بینک لمیٹڈ ، بمبئی ، ڈسٹرکٹ سینٹرل کوآپریٹیو بینک ، احمدنگر کی جانب سے ریزرو بینک آف انڈیا سے حاصل کرے گا۔ یہ رقم اس مقصد سے حاصل کی جائے گی تاکہ زراعتی ابتدائی سوسائٹیوں کے ممبران کو قرض دیا جاسکے جس سے وہ ضلع احمدنگر میں دنانیشور سہکاری ساکھر کارخانہ لمیٹڈ کے شیئر خریدنے کے قابل ہوجائیں۔

میونسپل منتظمین کی میعاد میں توسیع

حکومت مہاراشٹر نے حسب ذیل منتظمین میونسپل کونسل کی میعاد یکم اپریل ۱۹۷۵ء سے مزید ایک سال کے لئے بڑھادی ہے۔

شری ایم۔ وائی۔ بھالے راؤ ، رام ٹیک ؛ شری ڈی۔ اے۔ ڈھوبے ، دھوپیا ؛ شری آر۔ ایس۔ دیشکر ، کھاپا ؛ شری وی۔ آر۔ لوکھنڈے ، کامٹی ؛ شری بی۔ آر۔ راہتے ، امریر ؛ شری کے۔ ایس۔ دیشکر ، اکوٹ ؛ شری ایم۔ ایس۔ تاوڑے ، مرتضیٰ پور ؛ شری بی۔ ایم۔ سوریہ ونشی ، منگرول پیر ؛ شری این۔ ڈبلیو۔ وٹے ، کرنجہ ؛ شری اے۔ ڈی۔ مانے ، جالنہ ؛ شری ایم۔ ڈی۔ بریدے ، اورنگ آباد ؛ شری ڈی۔ ایل۔ دیشپانڈے ، ایت پال ؛ شری جی۔ کے۔ دیشکر ، تلوڑا ؛ شری آر۔ کے۔ پاٹل ، اردوی ؛ شری ڈی۔ ایم۔ پانڈے ، سنتی ؛ شری ایم۔ کے۔ پھاٹک ، بڈنیرا ؛ شری وی۔ ڈبلیو۔ دیشمکھ ، کھاپر ؛ شری اے۔ ایم۔ ریڈی ، اُلہاس نگر ؛ شری ایم۔ ڈی۔ مہاجن مالیگاؤں اور شری اے۔ ڈی۔ کھروڈکر ، تلوڑا۔

پلوں کی تعمیر

حکومت مہاراشٹر نے ضلع احمدنگر میں کھانڈگاؤں کے قریب نیولسے شیوگاؤں روڈ پر دھوربندی کے پار ۲۲،۷۷ لاکھ روپے کے مصارف سے ایک پل کی تعمیر کی انتظامی منظوری دیدی ہے۔

نیز ضلع ناندیڑ میں کنواٹ ۔ سارکنی روڈ پر لونی نالے پر ایک پل (لاگت ۲۷،۴۴ لاکھ روپے) ضلع قلابہ میں شیروالی کے قریب کنڈال گاؤں ۔ شیروالی سائٹ روڈ پر ایک پل (لاگت ۱۰،۸۹ لاکھ روپے) اور ضلع رتناگیری کے مقام کولے میں شیر گاؤں ۔ سلاشی ۔ کولے ۔ درواڑے روڈ پر ایک پل (لاگت ۲،۷۰ لاکھ روپے) کی تعمیر کے لئے بھی انتظامی منظوری دے دی گئی ہے۔

شیواجی جینتی پر عوامی تعطیل

حکومت مہاراشٹر نے نیگوشیبل انسٹرومنٹ ایکٹ کے تحت ۱۳ مئی ۱۹۷۵ء بروز منگل ، شیواجی جینتی کے موقع پر ریاست میں عوامی تعطیل کا اعلان کیا ہے۔

مفادِ عامہ سروس

حکومت مہاراشٹر نے جانوروں کا چارہ تیار کرنے والی صنعت کو جس میں ۲۰ یا اس سے زیادہ ورکر ملازم ہوں ، ۲۷ مارچ ۱۹۷۵ء سے چھ ماہ کے لئے مفادِ عامہ کی سروس قرار دے دیا ہے۔

ڈاکٹر پی۔ جے۔ دیودس

حکومت مہاراشٹر نے ڈاکٹر پی۔ جے۔ دیودس کو جنگلی جانوروں کے ریاستی مشاورتی بورڈ کا ممبر مقرر کیا ہے۔

وزیراعلیٰ شری ایس۔ بی۔ چوان نے دوبارہ تشکیل کردہ "ترقی کیلئے عوامی اقدام کمیٹی" کی پہلی بیٹھک کا ۱۱ مارچ ۱۹۷۵ء کو سچیوالیہ میں افتتاح کیا۔ اس موقع پر لی گئی تصویر میں مہاراشٹر لیجسلیٹیو کونسل کے چیرمین شری وی۔ ایس۔ پاگے، ایم۔ پی۔ سی۔ سی۔ کے صدر شری پی۔ کے۔ ساونت، وزیر زراعت شری شرد پوار، وزیر مملکت برائے زراعت و آبپاشی شری کے۔ ایم۔ پاٹل اور وزیر مملکت برائے منصوبہ بندی و محصول، اطلاعات و پبلسٹی شری بی۔ جے۔ کھتال نظر آرہے ہیں۔

"ترقی کے لئے عوامی اقدام" کی دوبارہ تشکیل کردہ کمیٹی

وزیر اعلیٰ چوان نے افتتاح فرمایا!

شری ایس۔ بی۔ چوان، وزیراعلیٰ مہاراشٹر نے ۱۱ مارچ کو سچیوالیہ میں ترقی کیلئے عوامی اقدام (انڈیا)، ریاست مہاراشٹر کی دوبارہ تشکیل کردہ کمیٹی کی پہلی بیٹھک کا افتتاح کیا۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے وزیراعلیٰ نے کمیٹی کے کام کو پوری ریاست میں پھیلانے کی ضرورت پر زور دیا۔ انھوں نے فرمایا کہ کمیٹی کے پروگرام میں عوامی شمولیت ضروری ہے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ عوام کے دماغ میں اناج پیداواری پروگرام کی مہم کے فائدہ مند ہونے کا بھروسہ پیدا کیا جائے۔ چونکہ یہ کمیٹی ایک بین الاقوامی ادارہ ہے اس لئے یہ قدرتی امر ہے کہ زراعت کے میدان میں مشہور بین الاقوامی سائنسداں یکجا ہوں اور آپسی گفت وشنید کریں۔ شری چوان نے مزید فرمایا کہ "رد پیہ فنڈ" کا خیال لائق ستائش ہے۔

اناج کی پیداوار میں اضافہ کیلئے ریاستی حکومت کے پختہ ارادے کا تذکرہ کرتے ہوئے وزیراعلیٰ نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں آنے والا سال بہت اہمیت کا حامل ہوگا۔ اگر اس سلسلہ میں مناسب منصوبہ بندی کی گئی اور کاشتکاروں کی ضروریات پوری کی گئیں تو ہمارے ۸۵ لاکھ ٹن اناج کے نشانے کو پورا کرنا ممکن ہوگا۔ انھوں نے سماج کے کمزور طبقات مثلاً ادی باسی وغیرہ کی طرف مزید دھیان دینے کی ضرورت پر زور دیا جس کے لئے فلاحی اسکیمیں تیار کی جانی چاہئیں۔ انھوں نے کہا ہمارے پروگرام کے بارے میں ہمکو ادیباسیوں کے دماغ میں بھروسہ پیدا کرنا چاہیئے۔

شری چوان نے فرمایا کہ اخبارات اسکیموں کو عوام میں پھیلانے کا ذریعہ ہیں اور اس لئے میں ان سے گذارش کرتا ہوں کہ وہ اس پروگرام کی زبردست تشہیر کریں تاکہ زیادہ سے زیادہ عوام اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

اس سے قبل شری ایس۔ جی۔ پوار، وزیر زراعت نیز کمیٹی کے چیرمین نے استقبال کرتے ہوئے فرمایا کہ کمیٹی کو ریاست کے سارے اضلاع میں کام کرنا چاہیئے۔ انھوں نے امید ظاہر کی کہ سال کے دوران ہر ضلع میں اس پروگرام کے تحت کم ازکم ایک اسکیم ہوگی۔ انہوں نے صنعت کاروں کی جانب سے کمیٹی کے کاموں میں عملی تعاون کی درخواست کی۔

شری کے۔ ایم۔ پاٹل، وزیر مملکت برائے زراعت و آبپاشی اور کمیٹی کے نائب صدر نے شکریہ ادا کیا۔

بیٹھک میں جنھوں نے شرکت کی ان میں شری ڈی۔ ایس۔ پاگے، چیرمین، مہاراشٹر لجسلیٹو کونسل اور شری بی۔ جے۔ کھتال، وزیر مملکت برائے منصوبہ بندی، محصول، اطلاعات و پبلسٹی بھی تھے۔

پالی ٹیکنک طلبہ کی ہڑتال ختم

مہاراشٹر کے پالی ٹیکنک طلبہ کی اقدام کمیٹی کے عہدیداروں نے ۱۴ر مارچ کو وزیر تعلیم شریمتی پربھا راؤ سے ان کے اسمبلی کے اعلان کے بعد ملاقات کی اور یقین دلایا کہ وہ ہڑتال واپس لے لیں گے۔ اپنے مطالبات پر غور و خوض کی یقین دہانی پر انھوں نے وزیر موصوفہ کا شکریہ ادا کیا۔

طوفان سے متاثرہ علاقوں کا کمشنر نے دورہ کیا ودربھ راحت کمیٹی نے مدد فراہم کی!

شری کے۔ بی۔ نندلیکر، ڈویژنل کمشنر اور صدر ودربھ ریلیف کمیٹی نے ۱۲ر مارچ کو رام ٹیک پنچایت سمیتی کے مقام مہادلا کے طوفان سے متاثرہ افراد سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ بغیر دل چھوٹا کئے وہ حالات کا مقابلہ بہادری اور بھروسے سے کریں۔

کمشنر نے ۲۳ بے زمین خاندانوں کو چھتیں بنانے کے لئے ۲،۸۷۵ روپے نقد تقسیم کئے۔

انہوں نے عوام کو حکومت کی جانب سے ہر ممکنہ مدد کا یقین دلایا اور میسرز کھنڈیل وال کے انتظامیہ کا شکریہ ادا کیا جو فوری طور پر ۲۰۰ مزدوروں کو ملازمت دینے کو تیار ہو گئے۔

کمشنر نے دولتمندوں اور مختلف سماجی انجمنوں سے اپیل کی کہ وہ متاثرہ افراد کی نقد و جنس سے مدد کریں۔

فرانسیسی سیاحوں کیلئے ثقافتی پروگرام

مہاراشٹر سیاحت ترقیاتی کارپوریشن نے سو سے زیادہ فرانسیسی صحافیوں کے لئے ایک کلچرل پروگرام ۱۴ر مارچ کو نیشنل تھیٹر فار پرفارمنگ آرٹس میں منعقد کیا تھا۔ یہ فرانسیسی صحافی ہندوستان کے 'Window to India' کے ایک دس روزہ دورے پر آئے ہوئے ہیں۔

کلچرل پروگرام میں شری عبدالحلیم جعفر خان (ستار)، دمینتی جوشی (کتھک رقص)، ایک لاونی اور ادیواسی کولی رقص شامل تھے۔ خصوصی دعوت پر ایران کے فنکاروں کی ایک جماعت نے بھی پروگرام دیکھا جس میں مسز پروین سرلاک اور مسز افسانہ شامل تھیں۔

مصوری کی نمائش کا افتتاح

ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر محصولات، شہری ترقیات اور سیاحت نے ۱۲ر مارچ کو تاج آرٹ گیلری میں شریمتی سنتوش منچندا کی ڈرائنگ پینٹنگ کی نمائش کا افتتاح کیا۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر زکریا نے شریمتی منچندا کی فنکارانہ خصوصیت کی تعریف کی انھوں نے فرمایا کہ اپنے عمل میں آرٹسٹ نے جہاں حسن اور نغمگی کو ہم آہنگ کیا ہے وہیں ایک پختہ اسٹائل منعکس کی ہے۔

شریمتی منچندا نے ہندوستان اور غیر ممالک میں اپنی تصاویر کی چودہ نمائشیں پیش کرنے کے علاوہ گروپ شو بشمول نیشنل آرٹ ایکزیبیشن میں بھی حصہ لیا ہے۔

امراض چشم کے علاج کے لئے ضلع رتناگیری میں کیمپ

بارہ مارچ کو ساونت واڑی کاٹیج ہسپتال میں کوکن میڈیکل اینڈ سوسائٹی کے زیر انتظام چار روزہ "آئی کیمپ" میں ۳۰۰ سے زیادہ مریضوں کا معائنہ کیا گیا نیز ان میں سے ۹۰ مریض موتیا بند کے

شری رمیش دلوی وزیر مملکت برائے امور داخلہ بھیونڈی کے ہریجن گریجن سنستھا مہاودیالیہ کی کیمیکل لیبوریٹری میں ایک مچھلی کا معائنہ کر رہے ہیں جس پر اردو میں "نشان اللہ" لکھا ہوا ہے۔ اس موقع پر لی ہوئی تصویر۔

آپریشن کے لئے داخل کئے گئے۔ [illegible] ٹرسٹ نے اس کیمپ کے لئے مالی امداد دی ہے۔

بمبئی کے ممتاز سرجن ڈاکٹر [illegible] ایچ۔ دستور، ڈاکٹر جے۔ آر۔ سیٹھی، ڈاکٹر [illegible] بھاگ اور ڈاکٹر ایم۔ جی۔ کانجہ والا نے کیمپ میں شرکت کی۔ شری ایس۔ این۔ دلیپاٹ، ایم۔ ایل۔ اے اور نائب صدر کوکن میڈیکل اینڈ سوسائٹی نے بتایا کہ موتیا بند کے آپریشن کیلئے ۳۰۰ مریضوں کے داخلہ کا انتظام کیا گیا ہے۔ سنگمیشور تعلقہ کے دیولے دیہات میں لگائے گئے دوسرے صحت کیمپ میں لگ بھگ ۱,۳۷۰ مریضوں کا معائنہ کیا گیا۔ یہ کیمپ دیولے گاؤں کے باسیوں نے ضلع پریشد کے تعاون سے لگایا تھا۔ کولہاپور کے ڈاکٹروں کی ایک ٹیم نے اس کیمپ میں حصہ لیا اور آپریشن کئے۔ ضلع پریشد کے صدر شری بی۔ اے۔ ساونت نے کیمپ کا دورہ کیا اور ڈاکٹروں کو ان کے اس نیک کام پر مبارکباد دی۔

۸ لاکھ کوئنٹل سے زیادہ کپاس کی خریداری

ریاستی حکومت کی [illegible] دارانہ کپاس خریداری اسکیم کے تحت ۴ مارچ تک حلقہ ایوت محل میں تقریباً ۸,۸۵,۴۰۰ کوئنٹل کپاس خریدی گئی جس کی قیمت ۳۱ کروڑ روپے ہوتی ہے۔ حلقہ ایوت محل ریاست میں خریداری کپاس کے معاملے میں اب تک آگے جارہا ہے۔ ونی خریداری مرکز پر ابتک ۱,۱۰,۷۰۰ کوئنٹل سے زیادہ کی خریداری ہوئی جو ضلع میں سب سے زیادہ ہے۔ حلقہ ایوت محل میں ۴ مارچ تک خریدی گئی کپاس کی کل مقدار میں سے ۵۳ فیصدی سے زیادہ اے [illegible] درجہ کی ہے جب کہ ۲۵ فیصدی سے زیادہ ایف [illegible] درجہ کی ہے۔

[illegible] روپئے کے کوآپریٹیو بقایاجات کی اجارہ دارانہ خریداری کپاس اسکیم کے ذریعہ ۲۷ فروری تک کسانوں سے وصول ہوئی ۸,۰۰,۷۰,۰۰۰ روپے سے زیادہ کی رقم جو کپاس کی قیمت کے ۳۰ فیصدی کے برابر ہوتی ہے گذشتہ ماہ تک کاشتکاروں کو ادا کی گئی۔

ضلع زراعتی منصوبہ بندی پیداوار میں اضافہ کیلئے لازمی

شری شرد پوار

اسمبلی میں وزیراعلیٰ شری شنکر راؤ۔ بی۔ چوان کے اس اعلان کے پیش نظر کہ سال ۱۹۷۵-۷۶ء کے دوران اناج کی پیداوار ۸۵ لاکھ ٹن تک بڑھائی جائے اور یہ نشانہ حاصل کرنے کے لئے سخت کوشش کی جائے۔ ہر ضلع کی تعلقہ اور دیہی سطح پر زراعتی منصوبہ بندی نے بڑی اہمیت حاصل کی ہے۔ اس خیال کا اظہار شری شرد پوار، وزیر زراعت نے ۶ مارچ کو سچیوالیہ میں منعقدہ "خریف مہم برائے ۱۹۷۵-۷۶ء" اجلاس میں فرمایا۔

شری کے۔ ایم۔ پاٹل، وزیر ریاست برائے زراعت و آبپاشی اس اجلاس میں حاضر تھے۔

زراعتی محکمہ اور کاشتکاروں کے مابین زیادہ سے زیادہ رابطہ کی ضرورت جتاتے ہوئے وزیر موصوف نے فرمایا کہ اس مہم کو کامیاب بنانے کے لئے یہ انتہائی ضروری ہے کہ ہر متعلقہ فرد سے رجوع کیا جائے۔ آپ نے یقین دلایا کہ حکومت اس مہم کے لئے ہر ممکن مدد دے گی۔

ازاں بعد اس اجلاس میں زراعتی پیداوار بڑھانے کے لئے دستیاب پانی سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے طریقے اور ذرائع پر سوچ بچار کیا گیا۔ یہ بھی مشورہ دیا گیا کہ کسان اپنی فصل کے لئے بارش کا انتظار کرنے کے بجائے محکمۂ زراعت سے پانی طلب کریں۔ بیج، کھاد، کیڑا مار ادویہ وغیرہ کی تقسیم پر بھی غور کیا گیا۔

وزیراعلیٰ مہاراشٹر کا گجرات کو عطیہ

وزیراعلیٰ مہاراشٹر شری ایس۔ بی۔ چوان نے ریاست گجرات میں امدادی کاموں کے لئے ۵۱,۰۰۰ روپے عطا کئے۔ گجرات کے گورنر شری کے۔ کے۔ وشواناتھن کو لکھے اپنے ایک خط میں وزیراعلیٰ نے فرمایا کہ یہ مہاراشٹر کی ہمدردی کی نشانی ہے اور گجرات کے عوام جس جانفشانی سے آفات کا مقابلہ کررہے ہیں اسکے لئے مبارکباد بھی ہے۔

گوئی برادران کو وزیراعظم کا عطیہ

وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی نے وزیراعظم امدادی فنڈ سے ان دونوں گوئی برادران کو پانچ پانچ ہزار روپے کا عطیہ منظور کیا ہے جنھوں نے ڈگلی گاؤں میں اپنی آنکھیں کھودی تھیں۔ اکولہ کے کلکٹر کو ایک چیک روانہ کیا جا چکا ہے۔

بارہ سینچائی پروجیکٹ منظور

حکومت مہاراشٹر نے چار درمیانی سینچائی پروجیکٹ جن کی تعمیر کی لاگت ۵,۲۹,۲۸,۰۰۰ روپے ہے نیز آٹھ چھوٹے سینچائی پروجیکٹ کیلئے جن کی لاگت ۱,۴۹,۷۴,۰۰۰ روپے ہے، انتظامی منظوری دیدی ہے۔ درمیانی سینچائی پروجیکٹوں میں رام گنگا جکاپور اسکیمات، ضلع عثمان آباد، لاہوکی اسکیم، ضلع اورنگ آباد اور کنڈلک اسکیم، ضلع بیڑ شامل ہیں۔ کنڈلک اسکیم پر ۲,۴۰,۹۹,۰۰۰ روپے اور جکاپور اسکیم پر ۱,۱۶,۸۸,۰۰۰ روپیہ لاگت آئے گی۔

چھوٹی سینچائی اسکیموں میں اورنگ آباد ضلع میں جنے گاؤں ٹینک اور تاس گاؤں، ضلع ناسک میں کھیڈ اور پمپراد ٹینک، ضلع دھولیہ میں دہالا ٹینک، ضلع ناگپور میں نشان گھاٹ، ضلع پربھنی میں تاندل واڑی ٹینک اور ضلع عثمان آباد میں ناگل گاؤں شامل ہیں۔ ●●

قومی راج

جلد: ۲ ۔ ۱۶ جون ۱۹۷۵ء ۔ شمارہ: ۸ تا ۱۲

قیمت فی پرچہ: ۵۰ پیسے ۔ سالانہ: ۱۰ روپے

زیرِ نگرانی: **خواجہ عبدالغفور** آئی۔اے۔ایس

ترسیلِ زر اور مراسلت کا پتہ:

چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومتِ مہاراشٹر، سچیوالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

فہرست

بھگوان مہاویر کے مہانروان کے ۲۵۰۰ سالہ جشن سے متعلق خصوصی شمارہ

سخنہائے گفتنی

ضمانتِ روزگار اسکیم، جس پر سب سے پہلے حکومتِ مہاراشٹر نے عمل آوری شروع کی ہے، ملک بھر کی توجہ کا مرکز بن گئی ہے۔ باوجودیکہ اس اسکیم کو، جو ملک سے بیروزگاری اور افلاس کے خاتمہ کی غرض سے شروع کی جا رہی ہے، ہر طبقے نے سراہا ہے، حکومت اس کو زیادہ سے زیادہ مفید اور کامیاب بنانے کے لئے ہر ممکن قدم اٹھا رہی ہے۔ چنانچہ وزیرِ اعلیٰ شری چوان نے حال ہی میں ملک کے ممتاز ماہرینِ معاشیات اور دانشوروں سے اس اسکیم پر تبادلۂ خیالات کیا اور ان کے مشورے لئے۔ ان اقدامات کی روشنی میں بجا طور پر امید کی جا سکتی ہے کہ ضمانتِ روزگار اسکیم دیگر ریاستوں کے لئے ایک روشن مثال ثابت ہوگی۔

" قومی راج " کا یہ شمارہ وردھمان مہاویر جین کے مہانروان کے ڈھائی ہزار سالہ جشن کے سلسلہ میں خصوصی شمارہ ہے۔ مہاویر جین سرزمینِ ہند کے ان عظیم اور لافانی سپوتوں میں سے ایک ہیں جنھوں نے کشورِ ہند کے فلسفۂ حیات اور طرزِ زندگی پر لازوال اثر نافذ کیا ہے۔ اہنسا کا زرّیں اصول جسے مہاتما گاندھی نے جہدِ آزادی میں اپنا سب سے مؤثر ہتھیار بنا یا تھا، مہاویر جین ہی کا عطیہ ہے۔

" قومی راج " کا یہ شمارہ ۱۶ اپریل، یکم مئی، ۱۶ مئی، یکم جون اور ۱۶ جون کا مشترکہ شمارہ ہے۔ قارئین اس تاخیر کے سبب سے بخوبی واقف ہیں۔

گزشتہ ۲۰ اپریل کو صدرِ جمہوریۂ ہند عالیجناب فخر الدین علی احمد کے ہاتھوں مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کا افتتاح عمل میں آیا۔ اکادمی عنقریب اپنی سرگرمیاں شروع کرنے والی ہے۔ آئندہ شمارے میں اکادمی کے متعلق تفصیلات پیش کی جائیں گی۔

خواجہ عبدالغفور

شری مہاویر جین ودیالیہ، بمبئی، کے شکریہ کے ساتھ جس کا تعاون تصویروں کے سلسلے میں حاصل ہوا!

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس، بمبئی، میں چھپوا کر شائع کیا!

طویل نظم
جمہور نامہ
کا ایک
غیر مطبوعہ
باب

مرا ہندوستاں علم و عمل کی گیان کی دنیا — یہ تہذیب و تمدن کا جہاں، ایمان کی دنیا
یہ روحانی فضائل کا وطن، عرفان کا عالم — تسلّیِ خرد کے، دل کے اطمینان کا عالم
زمانے بھر میں علم و فضل کے انوار پھیلاکر — خود اپنی روشنی سے مشرق و مغرب کو چمکاکر
گرا کچھ اِس طرح پستی میں اوجِ ارجمندی سے — کہ خود بیگانہ ہو کر رہ گیا اپنی بلندی سے
نہ عظمت دھرم کی باقی نہ باقی شانِ انسانی — بنا افسانۂ ماضی حقیقی اوجِ رُوحانی

تجلّی پاش جس ماحول میں یکسر سویرا تھا
قیامت ہے کہ اب اس میں اندھیرا ہی اندھیرا تھا

وہ بھارت سنا تھا جس نے پہلا حرفِ ربانی — جہاں پہلے پہل سینوں میں اُتری ویدؔ کی بانی
اُسی بھارت میں تھے اب وید کی تعلیم پر پہرے — نرالا علم تھا، تھے علم کی تعظیم پر پہرے
یہی بھارت، یہی ہندوستاں عرفان کی دنیا — بنا تھا اب زمانے میں نرالے گیان کی دنیا
یہاں تھی وید، گیتا، شاستر کے سننے پہ پابندی — یہاں تھی علم کے گلشن میں گل چننے پہ پابندی
یہاں سڑکوں پہ تھا ممنوع چلنا بعض طبقوں کا — کہ حق تھا ابنِ آدم کو کچلنا بعض طبقوں کا

نہ پوچھو کس قدر تھی آدمی کے خوں کی ارزانی
کہ حصّہ بن چکا تھا دھرم کا اِنساں کی قربانی

جب ایسا دور تھا گردش میں تھی تقدیر آدم کی — اِسی ماحولِ ظلمت پاش ہی میں اک کِرن چمکی
اِسی اُجڑے چمن میں پھر بہارِ جانفزا آئی — چمن کے ذرّے ذرّے کے لیے جو تازگی لائی
ہر اک مرجھائے گُل کو زندگی دینے نسیم آئی — زمیں کو تازہ کرنے باغِ جنّت سے شمیم آئی
مری خاکِ وطن پر ایک دورِ خوشگوار آیا — کہ یا تپتے ہوئے صحرا میں ہنگام بہار آیا
زمینوں آسمانوں کی جسے حاصل ہے دارائی — وہ رحمت جسم بن کر ترشلا کی گود میں آئی

وطن میں پھر سے دورِ راحت و آرام آ پہنچا
پیامِ امن بن کر دیر کا پیغام آ پہنچا

مبارک کی زمینوں آسمانوں پر صدا گونجی — سراپا کیف بن کر قلبِ گیتی کی نوا گونجی
یہ کنڈل پور کی مٹی پہ چل کر آسماں آیا — کہ انسانوں میں اک انسانیت کا پاسباں آیا
دیارِ ہند میں صدق و صفا کا ترجماں آیا — جسے اُس وقت دنیا نے پکارا وردھمان آیا
جو بھٹکے تھے انھیں رستہ دِکھانے رہنما آیا — سفینے کو تباہی سے بچانے ناخُدا آیا!
شہنشاہی کے گھر میں دل کی دنیا کا فقیر آیا — فقیر ایسا کہ ٹھکراتا ہوا تاج و سریر آیا
جو تھا گم کردہ رستہ کارواں اُس کا امیر آیا — ستمگاروں کی دنیا میں اہنسا کا سفیر آیا
صداقت کی خبر دیتا خبیر آیا، بصیر آیا — ریاضت کے جہاں کا تاجدارِ بے نظیر آیا
وہ آیا جس کے آنے سے خرد نے زندگی پائی — خرد نے زندگی، تقدیر نے تابندگی پائی

مبارک اے وطن! پھر چاک داماں سِل گیا تیرا
خزانہ معرفت کا تجھ کو پھر سے مل گیا تیرا

جگن ناتھ آزاد
۱۔ آئی۔ بی ۴، ریذیڈنسی روڈ، سری نگر (جموں و کشمیر)

بھگوان مہاویر اور جین مت

اہنسا

بھگوان مہاویر اور اُن کے جین مت کی انسانیت کو سب سے بڑی دین ہے!

بدیع الزماں خاورؔ
ڈشمکر کواٹرس۔ منڈنگڑھ روڈ
ڈاکخانہ داپولی۔ ضلع رتناگیری

دُنیا کے ان مشہور مذاہب میں، جو ہندوستان کی مقدس سرزمین پر پیدا ہوئے، جین مت ایک قدیم اور پائیدار مذہب ہے۔ پُرانے زمانے میں یہ مذہب "آرھت دھرم" کے نام سے بھی پہچانا جاتا رہا ہے۔

جین لوگ کُل چوبیس[۲۴] تیرتھنکروں پر عقیدہ رکھتے ہیں اور رشبھ دیو مہاراج[1] کو اپنا اوّلین تیرتھنکر تسلیم کرتے ہیں۔ رشبھ دیو مہاراج ایودھیا میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ نابھی راج اور مرُو دیوی کے بیٹے تھے۔ اور انہوں نے گیان حاصل کرنے کے لئے اپنا راج پاٹ چھوڑ کر، سنیاس اختیار کرلیا تھا۔

جین مت کے دوسرے تیرتھنکر اجیت ناتھ اور بائیسویں تیرتھنکر نیمی ناتھ تھے۔ ان دونوں کے درمیانی زمانے میں سمبھوناتھ، اننت ناتھ، دھرم ناتھ، شانتی ناتھ وغیرہ نام کے اور اُنیس[۱۹] تیرتھنکر ہوچکے ہیں جو اپنے اپنے وقت میں اصلی مذہب سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو نیکی کا راستہ بتلاتے رہے ہیں۔

جین مت کے تیئیسویں[۲۳] تیرتھنکر، پارشوناتھ جی کا نام تاریخی اعتبار سے خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ وہ بھگوان مہاویر سے پونے تین سو سال پہلے ۸۷۲ قبل مسیح میں پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے "چاتریام دھرم" قائم کرکے اُتر پردیش، بہار اور بنگال میں دور دور تک اس کا پرچار کیا تھا۔ خود بھگوان مہاویر کے والدین بھی پارشوناتھ جی کے پیرو تھے اور بہار میں تنگیا کے مقام پر پانچ سو پارشوناتھی سادھوؤں نے بھگوان مہاویر کے درشن کیے تھے۔ اِن واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ پارشوناتھ جی کے نِروان (۷۷۲ ق م) کے بعد بھی بھگوان مہاویر کے زمانے تک اُن کی تعلیمات کا اثر باقی تھا۔

بھگوان مہاویر جین مت کے چوبیسویں اور آخری تیرتھنکر تھے جنھوں نے آج سے ڈھائی ہزار

---

[1] رشبھ دیو مہاراج کو "آدی ناتھ" بھی کہا جاتا ہے (ب خ)

سال پہلے اپنے دور کی تمام سماجی خرابیوں کے
خلاف بغاوت کرکے جین مت کو ازسرنو منظم کیا۔
بھگوان مہاویر مہاتما گوتم بدھ کے ہم عصر اور عمر
میں اُن سے کوئی سترہ سال بڑے تھے۔ وہ جس
وقت ہندوستان میں جین مت کے پرچار اور اُس
کے احیاء و استحکام کا مقدس فرض انجام دے
رہے تھے ٹھیک اسی زمانے میں چین میں کنفیوشس
اور لاؤ تسے اور ایران میں زرتشت اپنے اپنے
مذاہب کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف تھے اور
یونان میں فیثاغورث جیسے فلسفیوں کے افکار
و خیالات عام ہو رہے تھے۔

یہ بھگوان مہاویر کی عظیم تعلیمات ہی کا نتیجہ
ہے کہ پچھلے ڈھائی ہزار برسوں میں جین مت ایک
ہمہ گیر مذہب کی شکل اختیار کر چکا ہے اور آج
جبکہ دنیا کے کم و بیش ایک درجن پرانے مذاہب کا
نام و نشان تک مٹ چکا ہے، ہندو مت، بدھ
مت، عیسائیت، اسلام اور یہودیت وغیرہ
کے دوش بدوش جین مت بھی زندہ ہے اور
اپنے وجود کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔

جس جین مت کا آغاز رشبھ دیو مہاراج
نے کیا تھا اور جو پارشوناتھ جی کے زمانے تک
مٹنے اور بننے کے متعدد مرحلوں سے گذرتا
رہا ہے، اُس جین مت کی تکمیل اور اُسکے استحکام
کا سہرا اگر صحیح معنوں میں کسی تیرتھنکر کے سر
باندھا جاسکتا ہے تو وہ بھگوان مہاویر ہی کی
ذاتِ اقدس ہے اور یہی وجہ ہے کہ عالمی
مذاہب کے اکثر مؤرخوں نے بھگوان مہاویر کو
جین مت کا بانی قرار دیا ہے۔

وردھمان کا جنم

صوبۂ بہار میں پٹنہ کے شمال کی طرف مظفرپور
سے لگ بھگ بیس کلومیٹر کے فاصلے پر بساڑھ
نام کا قصبہ ہے جہاں اشوک اعظم کی وہ
مشہور لاٹ ہے جس کے اشوک چکر کو ہم ہندوستانیوں
نے اپنا قومی نشان مان لیا ہے۔ اس قصبہ بساڑھ
کو پرانے زمانے میں ویشالی کہا جاتا تھا۔ ویشالی
کے پاس ہی کنڈگرام نام کا چھوٹا سا گاؤں تھا جس
پر کھتری راجا سدھارتھ کی حکومت تھی۔ راجا
سدھارتھ کی رانی کا نام ترِی شلا دیوی تھا۔ بھگوان
مہاویر انہی راجا سدھارتھ اور رانی ترِی شلا دیوی
کے دوسرے بیٹے تھے۔ وہ ۵۹۹ ق م میں پیدا ہوئے
ماں باپ نے ان کا نام وردھمان رکھا تھا۔

وردھمان کی پیدائش کے بارے میں رانی
ترِی شلا دیوی نے چودہ مبارک خواب دیکھے تھے
اور وردھمان ابھی شکمِ مادر ہی میں تھے کہ اُن کے
گھرانے کی خوشحالی میں حیرت انگیز طور پر اضافہ ہونا
شروع ہو گیا تھا۔

وردھمان کے ماں باپ اُن سے بے حد محبت
کرتے تھے۔ انھوں نے وردھمان کی دیکھ بھال کرنے،
ان کو دودھ پلانے اور نہلانے دھلانے کے لئے
پانچ دائیاں مقرر کر رکھی تھیں اور انھیں ہر طرح کا
آرام پہنچانے کا انتظام کیا تھا۔

وردھمان بہت ذہین تھے۔ اُس دور کے چار
بڑے مُنیوں نے اُن کی ذہانت کو دیکھ کر اُنھیں
"سنمتی" کے لقب سے نوازا تھا۔ بچپن میں وردھمان
کو بڑی اچھی تعلیم دی گئی تھی۔ وہ جتنے عقلمند تھے
اتنے ہی نیک، طاقتور اور دلیر بھی تھے۔ اُن کی
شجاعت اور بہادری کے بارے میں مختلف قصّے
مشہور ہیں۔

ایک بار دیوتا زہریلے ناگ کا روپ دھار کر
بال وردھمان کی ویرتا کا امتحان لینے کے لئے
ان کے سامنے نمودار ہوئے تھے۔ وردھمان کے
ہمجولیوں کے ہوش تو اُس ناگ کو دیکھتے ہی
اُڑ گئے مگر وردھمان ذرا بھی گھبرائے نہیں۔ اُن
کے دل میں ناگ کو مارنے کا خیال تک پیدا نہیں
ہوا۔ اور انھوں نے ناگ کو کسی طرح کی ایذا پہنچائے
بغیر ہی اپنے قابو میں کرلیا۔ اس واقعہ سے پہلے
وردھمان نے ایک بدمست جنگلی ہاتھی کے حملے سے
پرجا کو بچایا تھا۔ وہ اپنی ویرتا کے انہی چمتکاروں
کے باعث مہاویر کے نام سے مشہور ہوئے۔ بعض
روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی آزمائش
کے لئے آئے ہوئے ناگ دھاری دیوتا نے خود ہی
انھیں مہاویر کا خطاب عطا کیا تھا۔

مہاویر جب بڑے ہوئے تو ایک خوبصورت
راجکماری کے ساتھ جس کا نام یشودھا تھا اُن کی
شادی کردی گئی۔ انھیں ایک لڑکی بھی ہوئی تھی
جس کا نام انھوں نے پریہ درشنی رکھا تھا۔ مہاویر
کو ہر قسم کا شاہی عیش و آرام میسّر تھا۔ اس کے
باوجود اُن کے دل کو سکون نصیب نہیں تھا۔ وہ
ہمیشہ بچین اور سوچ میں غرق رہا کرتے تھے۔

سماجی پس منظر

اُس وقت پورا بھارت کھنڈ متعدد چھوٹے بڑے
راجیوں اور صوبوں میں بٹا ہوا تھا۔ اُن میں مگدھ
اور کوشل کے صوبے خاص طور پر مشہور اور بڑے
تھے۔ اکثر راجا سامراجی ذہنیت رکھتے تھے اسلئے
لڑائیوں کا بازار گرم تھا اور آئے دن خون
خرابہ ہوتا رہتا تھا۔

آج کی طرح اُس دور کے لوگوں کا بھی خاص
اور اہم پیشہ زراعت ہی تھا۔ البتہ زراعت کے
ساتھ ساتھ صنعت و حرفت اور تجارت کو بھی
کافی فروغ حاصل ہو چکا تھا اور مختلف علوم و
فنون ترقی کر رہے تھے۔ دیہات کے لوگ بڑی
حد تک سادہ زندگی بسر کرتے تھے مگر شہروں میں
ہر طرف عیاشیوں ہی کا بول بالا تھا۔

سیاسی اور اقتصادی حالات کے مقابلے
میں اُس وقت کے سماجی حالات نہایت خراب اور
بگڑے ہوئے تھے۔

برہمن اپنے آپ کو سماج کا اجارہ دار سمجھنے

کھتری لوگ مذہب سے لے کر علوم و فنون تک
ہدان میں برہمنوں سے نبرد آزمائی میں مصروف
ویشیوں کے ہاتھ میں اقتصادی نظام کی
ڈور تھی اس لئے وہ بھی سماج میں اپنے مقام
طرح سنبھالے ہوئے تھے۔ البتہ شودر ان
اعلیٰ ذاتوں کے استحصال کے بُری طرح شکار
ان کی زندگی جانوروں کی زندگی سے کچھ زیادہ
ہیں تھی۔ انہیں سماج میں کسی قسم کے حقوق
بارات حاصل نہیں تھے۔

شودروں کی طرح ہی اُن بے شمار غلام مردوں
رتوں کی حالت بھی بڑی دردناک اور قابلِ رحم
کھلے بازاروں میں بیچے اور خریدے جاتے تھے۔
خود مختار حکومتوں، جاگیردارانہ نظام اور
پات کی سختیوں کے باعث سماج میں عورتوں
م پست سے پست ہو کر رہ گیا تھا۔ برہمنوں
نے کثرتِ ازدواج کی ہمت افزائی کا
زوروں پر تھا، البتہ بھگوان مہاویر کے
ان کی طرح چند کھتری خاندان ایسے بھی تھے
زوجگی کے قائل تھے۔

خاندانی زندگی میں مردوں کو امتیازِ اعلیٰ حاصل
ور وہ اپنی مرضی کے مطابق جائیداد کی تقسیم اور
اور بیواؤں کو حقِ وراثت سے محروم کر دینے
املے میں بالکل آزاد تھے۔ گوت بیاہ کو ترجیح
تھی اور عام طور پر ذات یا برادری سے
ادی کرنے کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔ شراب
اور قماربازی کے ساتھ ساتھ اونچے طبقوں
عصمت فروشی کی بھی سرپرستی کرتے تھے۔
برہمن پروہت عام گھریلو زندگی پر شدت سے
تھے۔ وہ کسی بچے کی پیدائش سے موت تک
بلکہ اس کی موت کے بعد بھی مذہب کے نام پر
رسومات ادا کیا کرتے تھے۔ ان کی اکثر
ہی قربانیوں کو خاص طور پر دخل ہوتا تھا
دھرم شاستر پنڈتوں کی میراث بن کر رہ گئے تھے

مانڈول کے پدما ر حاصل مندر میں سنگتراشی کے اعلیٰ نمونے

اور عام شہری اصلی مذہب سے قطعی نابلد تھے۔
برہمنوں کی اس بالادستی اور ذات پات کی تفریق
کے ردِ عمل کے نتیجے میں نئے نئے فلسفیانہ اور مذہبی
عقائد جڑ پکڑ رہے تھے۔

بھگوان مہاویر ان سب حالات کا مشاہدہ کر
رہے تھے۔ وہ کھتری راجکمار تھے۔ ان کی ذہانت
اور شجاعت کے جوہر بچپن ہی میں کھل چکے تھے۔
ان کے لئے سلطنت کا کاروبار سنبھال کر کوئی مثالی
نظامِ حکومت قائم کرنا کچھ زیادہ مشکل یا ناممکن نہیں
تھا۔ وہ اپنے وسیع خاندانی تعلقات کو کام میں
لا کر اپنے آپ کو سماجی خدمت کے لئے بھی وقف
کر سکتے تھے۔ اور جہاں تک روحانی علم کا تعلق
ہے وہ اس سے بھی بے بہرہ نہیں تھے۔ اس دور
کے نجومیوں کے خیال کے مطابق تو وہ پیدائشی گیانی
تھے اور ان سے کچھ چمتکار بھی سرزد ہوئے تھے
اس لئے وہ چاہتے تو گھور سادھنا کے بغیر بھی
لوگوں کی مذہبی رہنمائی کر سکتے تھے۔ مگر بھگوان
مہاویر صرف اُس دور کے لئے ہی نہیں آئے تھے
وہ ہمارے آج کے دور کے لئے بھی آئے تھے۔
وہ محض بھرت کھنڈ کو ہی نہیں بلکہ آزاد ہندوستان
کو بھی ایک عالمگیر پیغام دینے کے لئے آئے
تھے اور وہ آتے وقت یہ عہد کر کے آئے تھے کہ
”میں بارہ سال تک اپنے جسم کی مطلق پروا نہیں
کروں گا“ اور اس عہد کے پورا کرنے کا وقت ابھی
آیا نہیں تھا۔ اُن کے شفیق ماں باپ زندہ تھے اور
بھگوان مہاویر کو اپنے والدین سے اس قدر والہانہ
عقیدت تھی کہ وہ اُن کا دل دُکھا کر یا اُن سے
زبردستی اجازت لے کر جنگل کی راہ لینا پسند نہیں کرتے
تھے۔ اس لئے وہ تیس سال کی عمر تک ویشالی ہی
میں رہ کر اپنا زیادہ تر وقت غور و فکر میں گزارتے
رہے۔

حقیقت کا انکشاف

بھگوان مہاویر نے اپنے والدین کے انتقال
کے بعد اپنے بڑے بھائی سے سادھنا کے لئے
جنگل جانے کی اجازت لی۔ انھوں نے اپنے قیمتی
کپڑے اُتار پھینکے۔ اپنا سارا دھن بانٹ دیا پانچ
مٹھیوں پر بال کاٹ ڈالے اور چین و آرام ترک
کر کے جنگل کی طرف چل پڑے۔ انھوں نے شروع
کے تیرہ مہینوں تک سنیاسی کا معمولی لباس استعمال
کیا مگر اس کے بعد سے آخر تک وہ ننگے جسم رہ کر
تپسیا کرتے رہے۔

وہ پورے بارہ سال تک سخت ریاضتوں میں
مصروف رہے۔ ان بارہ سالوں کے دوران، کوئی
تکلیف ایسی نہیں تھی جسے انہوں نے برداشت نہ
کیا ہو۔ وہ بھوکے پیاسے رہے، وحشی جانوروں
یکشوں اور بدروحوں نے اُن کو طرح طرح سے ستایا۔
کچھ دشمنوں نے تو ان کو نہ صرف چور سمجھ کر گرفتار
کیا بلکہ ان کے دونوں کانوں میں کیلیں بھی ٹھونکیں
مگر بھگوان مہاویر نے اپنی سادھنا کو نہیں چھوڑا۔
وہ انسان اور جانوروں کی طرف سے پہنچنے والی
تمام ایذاؤں سے بالکل بے نیاز ہو کر حقیقت کی
تلاش کرتے ہی رہے۔ اور دھوپ، ہوا، بارش
اور سردی کی پروا کئے بغیر پیدل گھومتے اور
دھیان لگاتے ہی رہے۔

اِس طرح بارہ سال بیت گئے۔ تیرھویں سال اُن کے دل کو شانتی مل گئی۔ ایک دن وہ دھیان لگائے بیٹھے تھے کہ اچانک ہی اُن پر حقیقت کا انکشاف ہوا۔ اُنھیں معرفتِ کُل نصیب ہوئی وہ کیول گیانی ہوگئے اور اُن پر اُس دھرم کے اسرار و رموز کھُل گئے جس کا پرچار اُن کو تمام جانداروں کی بھلائی کے لیے کرنا تھا۔

جب بھگوان مہاویر کو یہ اطمینان ہوگیا کہ وہ تمام انسانی اور نفسانی خواہشات پر مکمل قابو پاچکے ہیں تب وہ آبادی کی طرف لوٹ آئے اور انھوں نے جگہ جگہ گھوم کر لوگوں کو نصیحت کرنا شروع کیا۔ اُن کو تیرتھنکر اور جِن مان لیا گیا اور جس دھرم کی انھوں نے تبلیغ کی وہ جین مت کے نام سے مشہور ہوا۔

مہاویر کی تعلیمات

بھگوان مہاویر نے عام انسانوں کو آٹھ باتوں پر عمل کرنے کی تلقین کرتے ہوئے انھیں سمجھایا کہ گوشت نہ کھاؤ، شراب مت پیو، شہد کا استعمال ترک کرو، کسی جاندار کو تکلیف نہ پہنچاؤ، ہمیشہ سچ بولو، چوری مت کرو، بیوی کے سوا سنسار کی ہر عورت کو اپنی ماں، بہن یا بیٹی تصور کرو، اور اتنا ہی دھن کماؤ جتنا تمہارے کنبے کے گزارے کے لیے ضروری ہو۔ اس سے زیادہ دولت جمع نہ کرو۔

بھگوان مہاویر دولت کے لالچ کو بہت بڑی اخلاقی اور سماجی خرابی سمجھتے تھے۔ اس سلسلے میں اُن کا یہ قول خاص طور پر غور کرنے کے قابل ہے کہ دولتمند لوگ خواہ کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں ان کا سارے کا سارا دھن صحیح راستے سے اکٹھا نہیں ہوا کرتا۔ برسات کے دنوں میں صاف اور شفاف ندی میں بھی جو باڑھ آتی ہے وہ گدلے پانی ہی کی وجہ سے آتی ہے۔

اُن کی تعلیمات میں اہنسا کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور اہنسا پر اُنھوں نے سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ انہوں نے شہد کے استعمال کو محض اسی لئے ناپسند کیا کہ شہد حاصل کرتے وقت شہد کی مکھیوں کے بے شمار انڈے ضائع ہو جاتے ہیں۔ جین سادھو بھی صرف اسی لیے ننگے پاؤں چلتے اور منہ پر پٹّی باندھے رہتے ہیں کہ کوئی کیڑا مکوڑا پاؤں کے نیچے آکر یا منہ میں داخل ہوکر مر نہ جائے۔

بھگوان مہاویر نے دھرم کی تعریف بیان کرتے ہوئے لوگوں کو بتایا کہ اہنسا، ضبطِ نفس اور ریاضت ہی سچّا دھرم ہے اور جو انسان اس دھرم پر چلتا ہے دیوتا اُس سے خوش ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف جو انسان بُرائیاں کرتا ہے اور کسی جاندار کو تکلیف دیتا ہے وہ خود ہی اپنی روح کو عذاب میں ڈالنے کا سبب بنتا ہے اور آواگون کے چکر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اُنھوں نے حکمران طبقے کو نصیحت کی کہ جو شخص مسلّح ہوکر میدانِ جنگ میں اُتر آئے یا جو ملک کے لئے خطرناک ثابت ہو، صرف اُسی کے خلاف ہتھیار اُٹھاؤ اور غریب عوام اور اچھے لوگوں پر خواہ مخواہ کوئی ظلم نہ ڈھاؤ۔ انہوں نے ضبطِ نفس کو صحیح شجاعت قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ بہادری اس میں نہیں ہے کہ لڑائی کرکے لاکھوں لوگوں پر فتح پائی جائے بلکہ سچّا بہادر انسان وہ ہے جو اپنی نفسانی خواہشوں پر قابو حاصل کرنے میں کامیاب ہو۔

بھگوان مہاویر نے ایک اچھے اور نیک انسان کی پہچان یہ بتائی ہے کہ وہ بغض، کینہ، لالچ، غصّہ اور غرور جیسے بُرے جذبات سے پاک ہوتا ہے، وہ جُوا نہیں کھیلتا اور غلامی سے نفرت کرتا ہے، اور کوئی اُسے مارے یا گالیاں دے تب بھی وہ خفا نہ ہوتے ہوئے خاموشی اور صبر کے ساتھ ہر تکلیف کو برداشت کرتا رہتا ہے۔

بھگوان مہاویر نے نجات یا نروان حاصل کرنے کے لئے صحیح عقیدے، صحیح علم اور صحیح عمل کو ضروری قرار دیا۔ اُن کے قائم کئے ہوئے مذہب کے یہ تین اعلیٰ حقائق " تری رتن " کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ انسان خود ہی اپنا دوست یا دشمن ہوتا ہے۔ وہ ہر انسان کو اُسکے اعمال کا ذمّہ دار سمجھتے تھے۔ اُنھوں اپنے مذہب کے پرچار سے ذات پات کی تفریق کو ختم کرنے کی زبردست خدمت انجام دی۔ وہ ذات اور نسل کے امتیاز کے بغیر ہر انسان کو اپنے عملِ صالح کے ذریعے نجات حاصل کرنے کا حقدار تصوّر کرتے تھے۔ وہ مساوات، رواداری اور اخوت کے علمبردار تھے۔ انھوں نے عدم تشدّد یا امن پسندی کو ایک عالمگیر مذہبی اصول کے روپ میں سب سے پہلے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ آگے چل کر ہندومت نے بھی اس اصول کو تسلیم کرلیا۔ مہاتما گاندھی کی زندگی اور تعلیمات میں بھی اسی اصول کا اثر اور رنگ نظر آتا ہے، اور آج یہ اصول ہی ہم کروڑوں ہندوستانیوں کی زندگی کا بنیادی جزو ہے اور ہماری آزادی کی تاریخ اسی اصول کی بنیادوں پر تعمیر ہوئی ہے۔ اس حقیقت کی روشنی میں سوچا جائے تو صرف جین مت کے ماننے والے ہی نہیں بلکہ ہم سب ہندوستانی بھگوان مہاویر کے مقلد اور پیرو ہیں، اور امن و صداقت کے نام پر انھیں کی عظیم تعلیمات کا نور ساری دنیا میں پھیلا رہے ہیں۔ ہم نے اپنے کردار و عمل سے اس سچائی کو مان لیا ہے کہ اہنسا بھگوان مہاویر اور اُن کے جین مت کی انسانیت کو سب سے بڑی دین ہے۔

بھگوان مہاویر نے صرف جاندار چیزوں ہی میں نہیں بلکہ دنیا کی تمام بے جان اشیاء میں بھی خدا کی قدرت کا جلوہ دیکھا تھا اس لئے اُن کے پیغام میں شکتی بھی تھی اور شانتی بھی۔ اُن کے روحانی تصوّر کو صحیح معنوں میں انیکتا میں ایکتا، یا کثرت میں وحدت کا تصور کہا جا سکتا ہے۔

ہمارے دیس کے دوسرے بہت سے سادھو سنتوں اور مذہبی پیشواؤں نے بھی اپنے اپنے طور پر اس تصور کی ترویج و اشاعت کا کام کیا ہے۔ یہ تصور ایک ہمہ گیر تصور ہے اور سماجی اعتبار سے تو یہ تصور ہمارے وطن کی شان اور ہماری قومی زندگی کی جان ہے۔

مہا نروان

بھگوان مہاویر نے سنسکرت کی بجائے "اردھ ماگدھی" جیسی بول چال کی زبان کو اپنے خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا جس کی وجہ سے لوگ آسانی کے ساتھ ان کی تعلیمات کو سمجھنے لگے اور بہت بڑی تعداد میں اُن کے پیرو بن گئے۔ اُن کا مذہب ہر ذات اور ہر فرقے کے لوگوں میں مقبول ہوا۔ اُن کے ماننے والوں میں رنک بھی تھے اور راجا بھی، شُدر بھی تھے اور برہمن بھی۔ بے شمار مردوں اور عورتوں نے اپنی خدمات جین مت کے لئے وقف کردیں۔ تبلیغ و اشاعت کا کام کرنے والے جین سادھو اپنے روحانی مدارج کے لحاظ سے "منی" یا "شراوک" کہلاتے تھے اور سادھویوں کو "یتی" یا "شراوکا" کہا جاتا تھا۔ بھگوان مہاویر کے مہا نروان کے وقت جین سادھوؤں کی تعداد چودہ ہزار اور سادھویوں کی تعداد چھتیس ہزار کے آس پاس تھی۔

بھگوان مہاویر نے عرفان حاصل کرنے کے بعد تیس برسوں تک اپنے مذہب کی اشاعت کا مقدس فرض انجام دیا، جگہ جگہ جین خانقاہیں تعمیر کروائیں، اور اپنی تعلیمات کو ملک کے کونے کونے میں پھیلا دیا۔ انھوں نے اپنی زندگی میں اپنے مذہب کے بارے میں کئی بیش طویل خطبات دئے اور ۷۲ سال کی عمر میں زندگی کے تمام دکھ درد سے مکمل نجات حاصل کی۔ ۵۲۷ ق م میں پٹنہ ضلع میں پاوا کے مقام پر اُنھوں نے وفات پائی۔

جین پرانوں میں کہا گیا ہے کہ جس رات بھگوان مہاویر نے سمادھی لی، اُس رات سورگ اور دھرتی کے بیچ چاروں طرف بڑی چہل پہل اور رونق دکھائی دے رہی تھی۔

سیاسی سرپرستی

بھگوان مہاویر نے جین مت کی تبلیغ کے لئے جو قواعد مقرر کئے تھے اُن کی رُو سے جین سادھوؤں کو ملک سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی اسلئے اُس زمانے میں جین دھرم بدھ مت کی طرح ہندوستان سے باہر تو جانہ سکا مگر خود بھگوان مہاویر کی زندگی میں اور ان کے بعد بھی بھارت کے مختلف علاقوں میں اس مذہب کی کافی اشاعت ہوئی۔ بدھ مت کی طرح ہی جین مت کو بھی مختلف راجاؤں کی سرپرستی حاصل رہی۔ بھگوان مہاویر نے اپنی زندگی میں جن راجاؤں کو اپنی تعلیمات سے متاثر کیا اُن میں مگدھ کے راجا بمبسار کا نام سرفہرست ہے۔ اُس نے راجاؤں میں سب سے پہلے جین دھرم قبول کیا اور اس کی اشاعت میں ہاتھ بٹایا۔ مگدھ ہی کا راجا اجات شترو بھی جین مت کو مانتا تھا۔ ویشالی کا راجا چیٹک جین مت کا پیرو اور جین شراوک تھا اور اُس نے اپنی لڑکیوں کی شادی جینیوں کے سوا کسی دوسرے کے ساتھ نہ کرنے کی قسم کھائی تھی۔ ان تین مشہور راجاؤں کے سوا جنھوں نے باقاعدہ طور پر جین دھرم اختیار کیا تھا، بھگوان مہاویر کی زندگی میں اُس دور کے اور بھی کئی راجا جین مت کی تعلیمات سے متاثر تھے اور جین مت کے پیرو نہ ہوتے ہوئے بھی اسکی سرپرستی میں پیش پیش رہتے تھے۔ ان راجاؤں میں سندھ، اُجین اور بھاگلپور (انگ) کے راجاؤں کے نام خاص طور پر لئے جا سکتے ہیں۔ نند خاندان کے راجہ بھی جین ہی تھے۔ موریہ حکومت کا بانی راجا چندر گپت موریہ نہ صرف جین مت کا پیرو تھا بلکہ اُس نے آخری عمر میں جین سادھو بن کر گرو بھدر باہو کے ساتھ جنوبی ہند کا سفر بھی کیا تھا۔ جین مت کی سرپرستی کے سلسلے میں اُجین کے موریہ راجا سمپرتی کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اُس نے جین مت کے لئے وہی کام کیا جو راجا اشوک نے بدھ مت کے لئے کیا تھا۔ اُسی کے عہد حکومت میں جین مت ہندوستان سے باہر بھی پھیلنا شروع ہوا۔ کلنگ (اڑیسہ) کے راجاؤں نے بھی جین مت کی سرپرستی میں کافی اہم کردار ادا کیا۔ اُجین کے راجا وکرمادتیہ کو بھی جین مت کی تعلیمات نے بہت متاثر کیا تھا۔ چالوکیہ راجا بھی جین مت کے پیرو تھے جن کی وجہ سے جنوبی ہند میں اس مذہب کی خوب اشاعت ہوئی۔ گجرات کے ہندو راجا کمار پال نے جین مت قبول کیا اور اس تبدیلی مذہب کی یادگار کے طور پر بتیس جین مندر بنوائے۔ راجستھان میں کسی جین راجا کی حکومت تو نہیں رہی مگر وہاں کے راجاؤں کے اکثر وزیر جین تھے جن کی وجہ سے وہاں جین مت کی اشاعت ہوتی رہی۔ مسلمان بادشاہوں میں محمد غوری، فیروز تغلق، اکبر اور جہانگیر وغیرہ بھی جین سادھوؤں کے قدردان تھے۔ اکبر کے بارے میں تو یہاں تک مشہور ہے کہ اُس نے جین مت کے اہنسا کے اصول کے احترام کے طور پر سال میں دو دن کے لئے پورے ملک میں جانوروں کی قربانی ممنوع قرار دی تھی۔

ان باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ جین مت کا بھارت کی قدیم سیاست پر بڑا گہرا اثر رہا ہے اور یہ مذہب مختلف حکومتوں کی سرپرستی میں پھلتا پھولتا آیا ہے۔ لہٰذا ہم آج دیکھ رہے ہیں کہ اس مذہب کے ماننے والے دیس بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ گجرات اور راجستھان کو تو جین لوگوں کے مضبوط قلعوں کا درجہ حاصل ہے مگر مہاراشٹر، تامل ناڈو، کرناٹک، مدھیہ پردیش،

اُتر پردیش اور بھارت کے دوسرے علاقوں میں بھی ان کی آبادی کچھ کم نہیں ہے ۔

جین ادب

بھگوان مہاویر کی اصل تعلیمات چودہ پُرانی کتابوں میں محفوظ ہیں جن کو "پاروا" کہا جاتا ہے ان کے سوا جین مت کے لوگ اور بھی کئی کتابوں کو اپنی مذہبی کتابیں مانتے ہیں ۔ ان کی مذہبی کتابیں "اگم" یا "انگ" کے نام سے بھی مشہور ہیں اور ان کو متعدد جلدوں اور حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ۔ بھگوان مہاویر کے مہا نروان کے بعد پٹنہ میں جین سادھوؤں کا ایک جلسہ ہوا جس میں پہلی بار جین مت کی مذہبی کتابوں کی فہرست تیار کی گئی ۔ اس کے بعد گجرات میں اُن کا ایک اور جلسہ ہوا ۔ اس جلسے میں جین مت کی مذہبی کتابوں کی فہرست پر نظر ثانی کر کے ایک نئی اور مستند فہرست بنائی گئی ۔

پچھلے ڈھائی ہزار برسوں میں جین مصنّفین نے بے شمار مذہبی اور غیر مذہبی کتابیں تصنیف کی ہیں ۔ یہ کتابیں اردھ ماگدھی، پراکرت، اپ بھرنش، سنسکرت، ہندی، گجراتی، کنڑی اور تامل جیسی مختلف اور متنوع ہندوستانی زبانوں میں لکھی گئی ہیں ۔ ان میں سے بیشتر تصانیف کا ہندوستان کے اعلیٰ کلاسیکی ادب میں شمار ہوتا ہے ۔ بہت سی جین کتابوں کے انگریزی میں ترجمے بھی ہو چکے ہیں ۔ جین مت کا زیادہ تر قدیم تحریری سرمایہ اب بھرنش میں ہے ۔ بول چال کی اس زبان کو ادبی شکل دینے میں جین مصنّفین کا سب سے بڑا حصّہ ہے ۔ اس زبان کے قواعد بھی ہیم چندر نامی جین مصنّف ہی نے مرتب کئے تھے ۔

تامل زبان کی قدیم شعری کتاب "پوتر کرل" جو ایک جین شاعر کی فکر کا نتیجہ ہے، آج بھی تامل ادب کا ایک شاہکار مانی جاتی ہے ۔

راجا راشٹرکُٹ بھی جین مت ہی کا پیرو تھا جس کی کتاب "کوی راج مارگ" کو کنڑی زبان کی اوّلین تصنیف ہونے کا شرف حاصل ہے ۔ کنڑی زبان کے تین عظیم شاعر پمپا، پونا اور رنا بھی جن کو کنڑی زبان کے تین رتن کے نام سے شہرت نصیب ہے، جین تھے اور اُن کے دور کو کنڑی ادب میں خصوصیت کے ساتھ جین دور کہا جاتا ہے ۔

جین ادب صرف پُرانوں یا مذہبی کتابوں ہی تک محدود نہیں ہے ۔ اس ادب میں علمِ عروض، علم نجوم، علم طب، علم منطق،
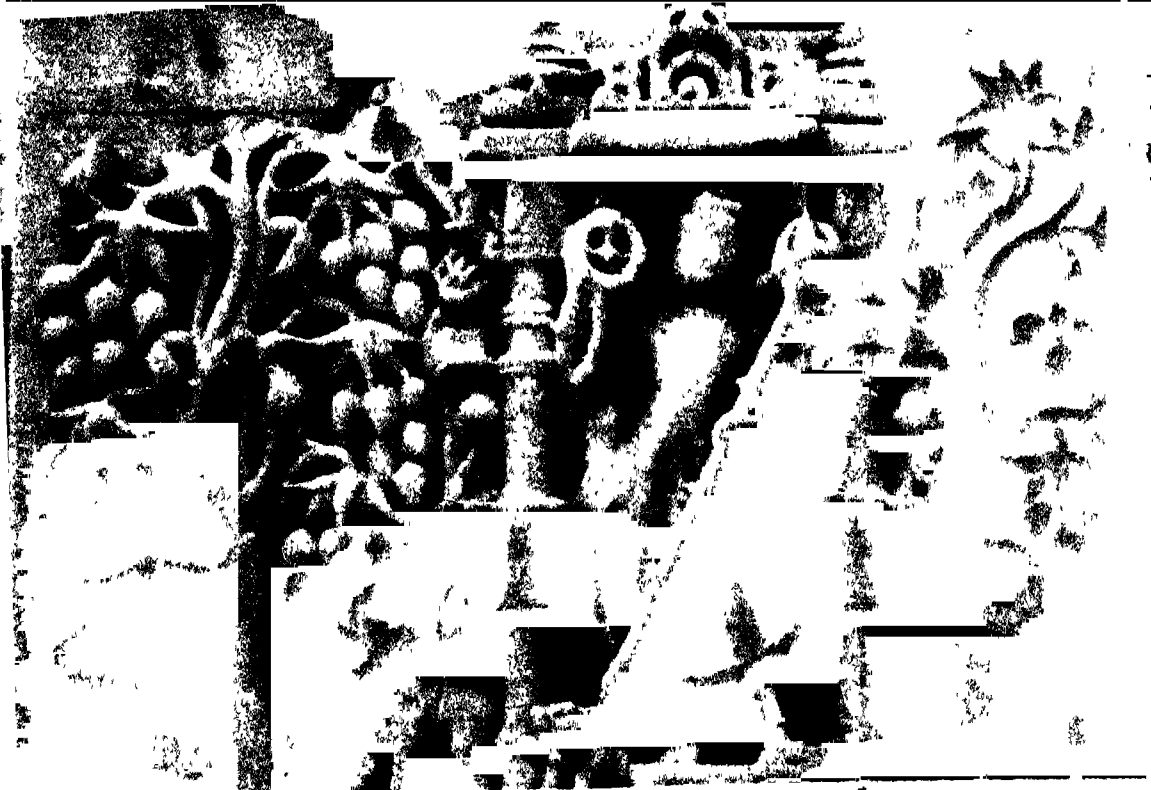
جین فنِ تعمیر میں سنگ تراشی کا ایک خوبصورت نمونہ

علمِ حیات، علمِ کیمیا، علمِ طبیعات اور علمِ ریاضی جیسے تمام اہم موضوعات شامل ہیں۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جین مصنفین نے اپنی تخلیقات اور نگارشات سے ہندوستانی ادب کو ہر طرح سے مالا مال کیا ہے۔ اِن مصنفین نے کسی قسم کے لسانی تعصب کا شکار نہ ہوتے ہوئے مختلف ہندوستانی زبانوں کو جس محبت کے ساتھ گلے لگایا ہے، اسے بجائے خود اُن کا ایک عظیم تہذیبی کارنامہ سمجھنا چاہیئے۔

جین تعمیرات

جین لوگوں نے ادب کے ساتھ ساتھ دوسرے فنون کے میدان میں بھی کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں۔ اِن میں جین مورتی کلا، جین مت کی طرح ہی ہندوستان کا ایک قدیم ترین فن ہے۔ ہڑپا کی کھدائی کے دوران ملی ہوئی ایک مورتی جین مورتیوں سے ملتی جلتی ثابت ہوئی ہے۔ اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ جین مجسمہ سازی کا فن وادیٔ سندھ کی تہذیب کے برابر پُرانا ہے۔ اب تک کی تحقیقات میں جو جین مورتیاں دستیاب ہوئی ہیں ان میں ۶۰۰ قبل مسیح کے زمانے کی اور موریہ عہدِ حکومت کی کئی مورتیاں شامل ہیں۔ موریہ عہد کی ایک جین مورتی بمبئی کے عجائب گھر میں اور ایک جین مورتی پٹنہ کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔ اُڑیسہ میں دوسری صدی عیسوی کی بنی ہوئی کچھ جین مورتیاں بھی مل چکی ہیں۔ آج بھارت میں مختلف مقامات پر لگ بھگ ۸۴ قدیم جین مورتیاں محفوظ ہیں۔ ان میں کچھ مورتیاں دھات کی بنی ہوئی بھی ہیں۔

جین ادب میں متعدد استوپوں کا ذکر آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے سمراٹ اشوک سے بھی پہلے استوپ تعمیر کئے تھے۔ متھرا میں جو جین استوپ ملا ہے وہ اب تک کے دریافت شدہ استوپوں میں قدیم ترین جین استوپ تصور کیا جاتا ہے۔

جین مُنی پہلے قدرتی غاروں ہی میں بیٹھ کر دھیان لگایا کرتے تھے۔ ۳۰۰ ق م میں ان مُنیوں کے لئے پہاڑوں کو کھود کر گپھائیں بنانے کا سلسلہ شروع ہوا جس کے نتیجے میں بھارت بھر میں جگہ جگہ جین گپھائیں تعمیر ہوئیں۔ اِن گپھاؤں میں ناگارجن کی گپھائیں قدیم ترین جین گپھائیں ہیں۔ راج گری، پریاگ، گرنار، چندرگری، ایلورہ، ناسک اور تیراپور وغیرہ میں متعدد قدیم جین گپھائیں موجود ہیں، جن میں "رانی گپھا" اور "ہاتھی گپھا" کے نام خاص طور پر مشہور ہیں۔

جین تعمیرات میں فن اور خوبصورتی کے اعتبار سے مندروں کو سب سے اہم مقام حاصل ہے۔ قدیم جین مندر اپنی نقاشی اور کاریگری کے لئے صرف بھارت ہی میں نہیں بلکہ ساری دنیا میں مشہور ہیں۔ لوہانی پور کی کھدائی کے وقت ایک جین مندر کا چبوترہ ملا ہے جس کی اینٹیں موریہ دور کی بنی ہوئی ہیں۔ میگھوتی مندر کو سب سے پرانا جین مندر مانا جاتا ہے۔ یہ مندر دراوڑی اور گپت طرزِ تعمیر کے امتزاج کا ایک بیمثال نمونہ ہے۔ اس طرز کے بے شمار جین مندر جنوبی بھارت میں پائے جاتے ہیں۔ وجے نگر کی حکومت کے زمانے کے جین مندروں میں چندرناتھ مندر سب سے زیادہ مشہور ہے۔ مدھیہ پردیش میں دیوگڑھ کے مقام پر بھی متعدد پُرانے جین مندر موجود ہیں۔ یہاں کے جین مندروں میں شانتی ناتھ کا مندر سب سے بڑا اور وسیع ہے۔ کھجوراہو میں بھی کئی جین مندر ہیں، جن میں آدی ناتھ، شانتی ناتھ اور پارشوناتھ کے مندر مشہور ہیں۔ بُندیل کھنڈ میں سوناگری پر سو جین مندر ہیں۔ مکتاگری پر اور کُنڈل پور میں بھی متعدد مشہور جین مندر ہیں۔ راجستھان میں چتوڑ، رانک پور اور دِسیا جیسے مختلف مقامات پر بھی بہت سے پُرانے جین مندر موجود ہیں مگر یہاں کا کوہِ آبو خاص طور پر جین مندروں کے لئے شہرت رکھتا ہے۔ یہ جین مندر کوہِ آبو کے جس حصے میں واقع ہیں اُسے 'دیل واڑہ' کہتے ہیں۔ دیل واڑہ کے جین مندر جو تقریباً آٹھ سو سال پرانے ہیں بھارت کے خوبصورت ترین مندروں اور یہاں کے عجائبات میں شمار کئے جاتے ہیں۔ سوراشٹر میں شترنجے پہاڑ پر

> جَین مُصنّفین نے کسی قِسم کے لسانی تعصّب کا شکار نہ ہوتے ہوئے مختلف ہندوستانی زبانوں کو جس محبّت کے ساتھ گلے لگایا ہے اُسے بجائے خود اُن کا ایک عظیم تہذیبی کارنامہ سمجھنا چاہیئے

جتنے جین مندر موجود ہیں اتنے شاید ہی کسی دوسری جگہ ہوں گے۔ یہ علاقہ جین مندروں کی کثرت کا علاقہ سمجھا جاتا ہے۔ سوراشٹر میں گرنار کا علاقہ بھی جین مندروں کے لئے مشہور ہے۔ ان مندروں کے علاوہ ہزاروں قدیم اور جدید جین مندروں کا جال بھارت کے گوشے گوشے میں بچھا ہوا ہے جن سے جین لوگوں کے مذہبی لگاؤ کے ساتھ ساتھ اُن کی فیاضی اور فن پروری کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ایک مورتی جو فن موسیقی سے جین فنکاروں کی دلچسپی کی مظہر ہے:

جین مصوّری

جین فن تعمیر کی طرح ہی جین مصوّری بھی خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ بھارت کے جین مندروں اور یہاں کی جین گپھاؤں کی دیواروں پر قدیم جین مصوّری کے نمونے آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ مدھیہ پردیش کی ایک گپھا میں جین مصوّری کا نہایت ہی قدیم نمونہ محفوظ ہے۔ یہ گپھا ' جوگی مارا گپھا کے نام سے مشہور ہے۔ سِتن واسلا گپھا کی ایک خوبصورت تصویر میں ایک اپسرا کو بادلوں کے درمیان رقص کرتے ہوئے دِکھایا گیا ہے۔ اس گپھا میں مذکورہ تصویر کے علاوہ اور بھی کئی قابلِ دید تصویریں موجود ہیں۔ ایلورہ کے مشہور کیلاش مندر میں جین مُنیوں کی پالکی یاترا کی ایک تصویر ہے جو خاص طور پر دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس مندر میں ہتھیار بند ویر سپاہیوں اور ان کا سواگت کرنے والی عورتوں کی بھی بڑی خوبصورت تصویریں بنائی گئی ہیں۔ اودے گری اور بھوبنیشور کی جین گپھاؤں میں بھی جین مصوری کے قدیم نمونے محفوظ ہیں۔ جین مصوّری صرف مندروں اور گپھاؤں ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ ٹاٹ، کاغذ، اور لکڑی پر پینٹ کئے ہوئے جین مصوّری کے بے شمار قدیم نمونے بھی دستیاب ہو چکے ہیں۔ ایک پرانے جین مصور نے تو ہمارے قومی پرندے مور کے پنکھوں کی اتنی ہو بہو تصویر بنائی تھی کہ دیکھنے والے اُسے مور کا اصلی پر سمجھ کر بے اختیار اپنے ہاتھوں میں اُٹھا لیا کرتے تھے۔

جین لوگوں نے ہندوستانی رقص اور موسیقی کے میدان میں بھی اپنے جوہر دکھائے ہیں خاص طور پر موسیقی کو ہر دور میں جین کلچر کا ایک اہم حصّہ سمجھا جاتا رہا ہے۔ بھارت کے قدیم ماہرینِ موسیقی میں کئی جین راجاؤں، اُن کی رانیوں اور دوسرے جین کلاکاروں کے نام مل جاتے ہیں۔ جین ادب میں بھی راگ، تال، اور سُر کی باریکیوں پر لکھی گئی کتابوں کا ایک و[illegible] ذخیرہ موجود ہے؛ اور یہ سب باتیں اس حقیقہ[illegible] کی روشن دلیل ہیں کہ جین لوگوں نے ہندوستا[illegible] تہذیب اور ہندوستانی تمدّن کی تعمیر و ترقی[illegible] ناقابلِ فراموش کردار ادا کیا ہے۔

بھگوان مہاویر کے دھرم کی پیروی کر[illegible] والے یہ نیک اور فیّاض لوگ آج بھی ہمارے [illegible] میں کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں اور ز[illegible] کے تمام راستوں پر نہ صرف اپنے دوسرے ہم وط[illegible] کے شانہ بہ شانہ چل رہے ہیں بلکہ اُنھوں ہندوستانی سماج میں اپنا ایک مخصوص اور م[illegible] مقام بھی بنا لیا ہے۔

جین فن تعمیر اور سنگتراشی

چندن مل چاند

بھارت جین مہامنڈل، ۱۵-۱ اے، ہارنیمن سرکل، فورٹ، بمبئی ۱

جین دھرم موکش میں یقین کرنے والا مذہب ہوتے ہوئے بھی یک طرفہ نہیں ہے۔ ادب، فنِ تعمیر اور فنونِ لطیفہ وغیرہ میں جینیوں نے قابلِ قدر اضافہ کیا ہے۔ جین دھرم میں عمارتوں کو بنانے کے فن میں ہندوستان کی گاندھار، متھرا اور امراوتی تینوں کلاؤں کے نمونے ملتے ہیں۔ استوپ، گپھائیں اور عبادت کے لاجواب اور خوبصورت مندر سارے ہندوستان کے تمام علاقوں میں آج بھی بکھرے ہوئے ہیں۔ استوپ اس کی سب سے پرانی شکل ہے۔ اس کا پتہ متھرا کے کنکالی ٹیلے کی کھدائی سے ملا۔ ان استوپوں کی تعمیر بھگوان مہاویر اور بھگوان بدھ کے وقت سے بھی بہت پہلے ہوئی تھی۔ ڈاکٹر اسمتھ کی چھان بین سے یہ پتہ چلا ہے کہ سمراٹ اشوک کے دور میں بودھ استوپ اس قدر بنے کہ جین استوپوں کو بھی بودھ استوپ سمجھا جانے لگا۔

گپھاؤں اور مندروں میں جین فنِ تعمیر اور کاریگری کا کمال نظر آتا ہے۔ سنگھل پور، راج گری، گرنار اور جنوبی ہند کے خوبصورت پہاڑی علاقوں پر یہ گپھائیں ہیں۔ پانچویں سے بارھویں صدی کے بیچ گپھا مندر بھی بنے جو اڑیسہ کے کھنڈگری، اُدے گری، بہار کے راج گری، شرون بیل گولا کے چندرگری، مہاراشٹر کے دھاراشیو، مدراس کی سٹنّن پہاڑیوں میں ہیں۔ الورا کی گپھاؤں میں اندر سبھا اور جگن ناتھ سبھا یہ دو جین گپھائیں فن کے نظریہ سے اپنی خصوصیت رکھتی ہیں۔ مندروں کی کاریگری میں جین کلا آزاد ہے۔ اس میں انڈو آرین یا شمال میں ناگر اور دکن میں دراوڈین فن کا اثر ہے۔

جین دھرم کے
لاجواب فن تعمیر کا
ایک دلکش نمونہ

کاپڑا (راجستھان) میں
تیئیسویں تیرتھنکر
پارشوناتھ جی
کا مندر!

جس علاقہ میں مندر بنے وہیں کے رسم و رواج کے ماتحت بنے۔ ایسی کتنی ہی جگہیں ہیں جہاں جینیوں نے ان مندروں کے نگر ہی بسا دیئے۔ مثال کے طور پر شرون بیل گولا دیوگڑھ، آبو، پالیتانا، سون گری وغیرہ۔ ایک ہی پہاڑی پر سیکڑوں خوبصورت مندر مختلف اور نرالے انداز سے بنائے گئے ہیں۔ پتھروں کی دل خوش کن نقاشی کی سجاوٹ سے جین مندروں کے ستون ساری دنیا میں مشہور ہیں۔ مہین اور نفیس کندہ کاری والے بہت سے کھمبے ہیں لیکن سب کی نقاشی الگ الگ ہے اور سب کی اپنی ہی انوکھی رونق ہے۔ دکن میں کرناٹک کے مُندبدری مندر کو دیکھ کر فرگیوسن نے لکھا ہے؛

"ایسا لگتا ہے کہ سنگ تراشی نہیں کی گئی بلکہ لکڑی پر کام کیا گیا ہے!"

آج بھی رانک پور کے مندروں کی کاریگری اور وہاں کا کمال دیکھ کر دنیا کے سیاح ان پر فدا ہو جاتے ہیں۔ پتھر پر مہین جالی دار جھروکے، لہراتی ہوئی کالی کالی زلفیں جن کی ہر ایک لٹ الگ الگ، واہ! تصویروں اور بُتوں کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے جیسے کہ بس بولنے ہی والے ہیں۔ اس لئے بہت سے پردیسی فنکار ان مندروں کے فن کو دیکھ کر تاج محل کو بھی بھول جاتے ہیں۔ جین فن تعمیر کا شاندار تحفہ وہ کھمبے ہیں جو بنا کسی سہارے کے عرصۂ دراز سے جوں کے توں کھڑے ہیں۔ یہ کھمبے بنا کسی سہارے کے واسا دیپ کے مندر کے سامنے کھڑے ہیں۔

اِن پر خوبصورت کھُدائی کی گئی ہے۔ صرف جنوبی کرناٹک میں ہی اس قسم کے پرانے بیس۲ کھمبے ہیں۔ شمالی ہندوستان میں متھرا، چتوڑ گڑھ اور کانھ کے کھمبوں کی بھی کافی شہرت ہے۔

جین دھرم عوام کا دھرم ہے۔ یہ جنتا کا دھرم ہے۔ دھرم کی چہار دیواری میں جب فن کی آمد ہوتی ہے تب وہ محض تفریح کا ہی نہیں زندگی کے سفر کو روشن کرنے کا بھی ذریعہ بنتا ہے۔ جین فنِ تعمیر کی یہی خصوصیت ہے۔ جین دھرم سائنٹفک اور دماغی دھرم ہے۔ اس میں زندگی کی سچائی کے اصولوں سے کبھی انکار نہیں کیا گیا۔ جین دھرم کا نظریہ ترقی پسندانہ ہے اور اسمیں نہ صرف موکش کے بارے میں سوچا جاتا ہے بلکہ اسی کے ساتھ ساتھ یہ دھرم جینے کا شعور بھی عطا کرتا ہے۔ جین دھرم کے سب سے پہلے تیرتھنکر بھگوان رشبھ ناتھ چوسٹھ کلاؤں کی شروعات کرنے والے مانے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جین فنِ تعمیر کو بہت پُرانا مانا جاتا ہے۔ جینیوں نے اس فن کی ترقی میں بے حد اضافہ تو کیا ہی ہے اس کے ساتھ ہی اس فن پر کافی کتابیں بھی لکھی ہیں۔

زندگی کا کوئی بھی شعبہ کیوں نہ ہو، جین دھرم نے اسے بہتر بنانے کی کوشش کی ہے۔ چاہے وہ مصوّری ہو، مورتیوں کی تعمیر ہو، نجوم ہو، تاریخ نویسی ہو یا کوئی اور علم، جین دھرم کے عالموں نے اُسے آگے بڑھایا ہے۔ ●

چوبیسواں جین پیغمبر
بھگوان مہاویر

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی

غالب

نتی کی دائمی کھوج

مذہب کوئی رہن سہن کے قواعد کا مجموعہ
، ۔ اِنسان کے چال چلن کا نظام اکثر ماحول
نحر ہوتا ہے ۔ بعض اوقات وہ ایک ٹھوس
مد حاصل کرنے کے لئے اختیار کیا ہوا ذہانت
ر طرزِ عمل بھی ہو سکتا ہے ۔ آدمی کے محدود
صد کے لئے وہ کافی بھی ہونا چاہئے ۔ روزمرّہ
زردتوں کو پورا کرنے کے لئے اور بھلمنساہت
مزاز حاصل کرنے کے لئے اقتصادیات اور
قیات سے اچھی خاصی مدد مل سکتی ہے ۔ پھر
انسان گوناگوں وجوہ سے بےچین کیوں رہتا
؟ اُس کو ایسا کیوں محسوس ہوتا ہے کہ محض
، فلاح وبہبود سے دل کو تسکین حاصل نہیں
ا؟ ظاہر ہے کہ یا تو اُس کے تصوّر میں سکھ
شانتی حاصل کرنے کے جو وسائل ہیں اُن کے
ہ بھی کوئی اور اہم عنصر ضرور موجود ہے جو
کے تخیل سے پرے ہے یا پھر خوشی اور
سکون کا اُس کا اپنا تصوّر ہی سراسر غلط ہے ۔
ان حقائق کی وجہ سے دائمی شانتی کی کھوج ہمیشہ
بنی رہتی ہے

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب دیکھئے ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں

اس بے پناہ تلاش میں ہی مذہب کی
جڑیں موجود ہیں ۔ مذہب کے اکثر قواعد عقل اور عام
سوجھ بوجھ سے مناسبت رکھتے ہیں مگر یہ ضروری
نہیں کہ وہ دماغی حیثیت سے کُلّیتاً تشفّی بخش ہوں
شک وشبہ کو دور کرنے کے لئے کسی اصول کی
اصلیت معلوم کرنا اچھا طریقہ ہے لیکن اُس کے
حد سے گزر جانے سے بھی کوئی مطلب حاصل نہیں
ہوگا ۔ کسی نہ کسی مرحلے پر تو سوالوں کا سلسلہ
ترک کر کے ایمان کا دامن پکڑنا ناگزیر ہو جاتا ہے
اس بات کی کچھ زیادہ اہمیت نہیں کہ آپ کس
اصول پر ایمان لاتے ہیں بلکہ ضروری بات یہ ہے
کہ کس قدر صداقت سے آپ اس اصول کے
قائل ہیں ۔

وفاداری بہ شرطِ استواری اصل ایماں ہے

اُپنشدوں میں بھی جہاں ہر اصول کی تحقیق
کے متعلق غور وخوض اور بحث ومباحثہ کی تلقین
پائی جاتی ہے وہاں ضرورت سے زیادہ شک وسوال
کے خلاف بھی سخت تنبیہ کی گئی ہے ۔
" صرف سوال ہی سوال مت پوچھا کرو ۔
کہیں تمہارا سر ہی نیچے نہ گر جائے ۔ ایمان سے کام
لو " ایسی ہدایت اُپنشدوں میں ہمیں جگہ جگہ
ملتی ہے ۔

ویدک دھرم، بدھ دھرم اور جین مذہب

یہ ایک عام خیال ہے کہ ویدک مذہب بہت
قدیم ہے اور جین دھرم باغی مذہب ہے ۔ یہ
تصوّر غلط ہے ۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن نے کہا
ہے کہ آریائی لوگ اپنا " یگیہ یاگ " والا دین
ہندوستان میں لائے ۔ اُس سے پہلے بھی یہاں
زاہدوں اور راہبوں کا ایک دھرم موجود تھا
جس کو آریائی لوگ " ادیواہ " (منکر) کہتے تھے

گرُ ناتھ دیویکر
مہاتما گاندھی میموریل ریسرچ سینٹر ۔ چرنی روڈ ۔ بمبئی ۴

جین دھرم میں نہ کوئی بندہ ہے اور نہ کوئی بندہ نواز ۔ اس لئے ممکن ہے کہ یہی ہو وہ "نرگرنتھوں" (آزاد خیالوں) کا دھرم ۔ اس دین کا نام جین دھرم اس لئے پڑا کہ مہاویر سوامی نے، جن کا ایک نام "جن" (فاتح) ہے، اپنے پیشرو تیئیس تیرتھنکروں (مشکل کشاؤں) کے بچنوں اور ملفوظات کو ایک ٹھوس روپ دیا ۔
اس کے برخلاف بدھ مذہب کے بانی مبانی خود گوتم بدھ ہیں جن کے مہانروان (رحلت) کو ۲۵۰۰ سال پورے ہو چکے ہیں ۔ جین مذہب بدھ مذہب سے قدیم تر ہے اس لئے کہ مہاویر سوامی جو چوبیسویں پیغمبر تھے ۵۹۹ ق م میں پیدا ہوئے تھے اور ۵۲۷ ق م میں رحلت فرما گئے جبکہ بھگوان بدھ ۵۸۲ ق.م میں پیدا ہوئے اور ۵۰۲ ق م میں اُن کا نروان ہوا ۔ گو ویدک دھرم ۳۰۰۰ سال سے بھی زیادہ قدیم ہے ہندستان کا اصلی مذہب نہیں ہے ۔ اُس کی نشو و نما وسط ایشیا میں ہوئی اور ہندوستان میں آ کر اُس نے ایک مشخص صورت اختیار کی اور مقامی مذاہب پر غلبہ حاصل کیا ۔ ہم بدھ مذہب کو ویدک دھرم کا باغی مذہب کہہ سکتے ہیں کیونکہ اُس کا عروج سمراٹ اشوک (۲۳۲ ـ ۲۷۳ ق م) سے شروع ہوا ۔ کنشک (۱۶۲ ـ ۱۲۰ ء) چنگیز خان (۱۲۲۷ ـ ۱۱۶۲ ء) قبلہ خان (۱۲۹۴ ـ ۱۲۱۵ ء) اور ہرش وردھن (۶۴۷ ـ ۶۰۶ ء) جیسے ہندی، چینی، منگول سلاطین کی سرپرستی اُس دھرم کو حاصل ہوئی اور وہ پورے وسطی اور مشرقی ایشیا کا دین بن گیا ۔ جین مذہب کی تبلیغ بدھ مذہب کی طرح آنکھوں کو چکاچوندھ کرنے والی نہ تھی لیکن جس طرح بدھ مذہب کا ہندوستان میں زوال شروع ہوا اور عیسوی صدی کے ۸۰۰ سال تک اُس کا یہاں کوئی نام و نشان بھی باقی نہ رہا ایسی دُرگت جین دھرم کی کبھی نہیں ہوئی ۔ گو ہندوستان میں ہندو مذہب کو ہی فوقیت حاصل ہوئی تاہم جین دھرم کا اُس پر کافی اثر پڑا ہے ۔ ہندوؤں کے مندر، پوجاپاٹ کے طریقے، اور خاص طور سے اہنسا یا عدم تشدد کا فلسفہ، یہ سب باتیں جین دھرم کی تقلید کی بنا پر ہندو دھرم میں رائج ہوئی ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ غیر ملکی مؤرخوں کے لئے ان تینوں مذہبوں میں امتیاز کرنا دشوار تھا ۔ ۷۱۲ء میں جب محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کر کے عربوں کا راج قائم کیا تو مقامی آبادی کو عربوں نے "سمانیہ" (شرمن یا سنیاسی) کہا حالانکہ سندھ کا راجا داہر ہندو تھا اور آبادی کی اکثریت بھی ہندوؤں کی ہی تھی ۔

لاادریت (ایگنوسٹی سیزم)

جین مذہب مکمل طور پر فرد یا آتما (روح) کی نجات پر زور دیتا ہے ۔ اس مذہب میں خدا بھی ایک کامل روح سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا ۔ ظاہر ہے کہ اس اصول کے مطابق جین مذہب میں خدا پرستی شامل نہیں ۔ گو جین مندروں اور دیراسروں میں بھگوان رشبھ دیو، پارشوناتھ اور مہاویر جی کے بتوں کی پوجا کی جاتی ہے پھر بھی یہ دیوتا نہ تو خدا ہیں نہ رسول ۔ ویدک اور بدھ مذہب میں جس طرح فرد اور سماج دونوں کو اہمیت دی گئی ہے اُس طرح انسان کی سماجی حیثیت کو جین مذہب میں کوئی اہمیت نہیں ۔ فرد کو چاہئے کہ زندگی بھر چوکنا رہ کر آتما کو برائیوں سے بچائے اور نجات حاصل کرے ۔ انسان کی ہستی میں دو عناصر ہیں ۔ ایک آتما اور دوسرا پدگل یا جسم انسان کی تمام حرکتیں دماغ، زبان اور جسم کے ذریعہ رو پذیر ہوتی ہیں اور ہر ایسی حرکت دوسروں پر تشدد کی شکل اختیار کر سکتی ہے ۔ اس لئے جین لوگ کھانے پینے، چلنے پھرنے حتیٰ کہ سانس لینے میں بھی احتیاط برتتے ہیں ۔ اکثر جین سادھو اپنا منہ ایک چھوٹے کپڑے سے ڈھانپ لیتے ہیں تا کہ جراثیم منہ کے اندر نہ جائیں ۔ رات کا کھانا بھی سورج ڈوبنے سے پہلے کھا لیتے ہیں تا کہ اندھیرے میں کوئی جاندار چیز جان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے ۔

اہنسا

اہنسا یا عدم تشدد کے نظریہ سے گاندھی جی نے دنیا کو روشناس کرایا تھا ۔ اس اصول کی روایت بہت قدیم ہے ۔ ہندو اور بدھ مذہبوں نے بھی اس اصول کو کسی حد تک قبول کر لیا ہے لیکن یہ جین مذہب کی روح ہے ۔ قدرت کا یہ ایک قاعدہ ہے کہ ایک جان دوسری جان سے پرورش پاتی ہے ۔ "جیوو۔جیوسیہ۔ جیونم" یہ سنسکرت کا مقولہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ ایک جان کی غذا ہے اس لئے تشدد کو مطلقاً ٹالنا بھی ناممکن ہے اس لئے ہندو تشدد کو کسی حد تک روا رکھتے ہیں ۔ جین دھرم جان کو ہی دشمنِ ایمان سمجھتا ہے اور جان کے چونچلے روکنے کی کوشش کرتا ہے ۔ فاقوں کے ذریعہ جان دینا (سنلیکھنا) اس دھرم میں ثواب کا کام ہے اس وقت بھی ہزاروں کی تعداد میں معمر جین جان تیاگنے کی کوشش کرتے ہیں ۔

مہاویر

رشبھ دیو سے لے کر پارشوناتھ تک ۲۳ پیغمبروں نے جو اصول بیان کئے تھے اُن سب کو یکجا کر کے مہاویر نے جین دھرم کو ایک ٹھوس روپ دیا، اور اس کے پیروکاروں کی ہدایت کے لئے مختلف قانون بنائے ۔ مہاویر نے بحث و مباحثہ کی بہ نسبت عملی زندگی پر زور دیا ۔ خدا، حق، صداقت اور ثواب جیسے مذہبی مسائل کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ دینا انھیں منظور نہیں تھا ۔ مثلاً وہ کہتے تھے یہ ہو سکتا کہ خدا ہو اور نہیں بھی ہو ۔ کسی اصول سے

بارے میں پورے وثوق کے ساتھ اچھا یا بُرا کہنا غلط ہوگا۔ "شاید اچھا ہے اور شاید اچھا نہیں" اس قسم کے جواب اُن کے ہاں ملتے ہیں اس لئے اُن کے فلسفہ کو "سیادواد" (یا "شاید" واد) کہا جاتا ہے۔ مہاویر کی وجہ سے تیرتھنکروں کے فلسفہ کو بڑی تقویت پہنچی اور ہندوستان کے مشہور مکاتب فلسفہ میں جینوں کے "سیادواد" کو بھی ممتاز حیثیت حاصل ہے۔

رشبھدیو اور دیگر تیرتھنکروں کے تاریخی حالات واضح نہیں ہیں لیکن مہاویر کلّی طور پر تاریخی ہستی ہیں۔ اُن کے والد ویشالی (بہار) کی جمہوریت کے کشتریوں کے رہنما تھے اور "کشتریہ کُنڈ" میں رہتے تھے۔ مہاویر کی پیدائش اور نشوونما کے متعلق بھی متعدد داستانیں موجود ہیں مگر اُن کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ اُن کو مہاویر یعنی بڑا بہادر کیوں کہا جاتا ہے۔ اُن کی پیدائش کے بارے میں یہ روایت بیان کیجاتی ہے کہ وہ "دیوانندہ" نامی برہمن عورت کے پیٹ میں تھے اور اندر دیوتا نے جو ہر بڑے آدمی کے متعلق بغض یا کینہ رکھتے ہیں، اس حمل کو ترشالا دیوی کے پیٹ میں منتقل کر ڈالا۔ بہرحال مہاویر جی پیدا ہو ہی گئے اور اس قدر طاقتور تھے کہ اُن کے پاؤں کی اُنگلی لگتے ہی سب سے بڑا پربت میرو متزلزل ہوا۔ مہاویر ایک خوشحال راجکمار تھے اور بڑے ذہین بھی۔ دینی معاملوں میں اُن کی دلچسپی اور بحث ومباحثہ میں اُن کی مہارت دیکھ کر اُن کے اُستاد حیران ہوتے تھے۔ وہ نہایت نڈر تھے لیکن وہ دُنیوی زندگی اور عیش وآرام سے سرد مہری برتتے تھے۔ دگمبر جین فرقہ کی روایت کے مطابق وہ ناکتخدا تھے لیکن شویتامبر جین فرقہ اُن کو شادی شدہ مانتا ہے۔ شادی کے بعد اُنہوں نے بھگوان بدھ کی طرح ازدواجی زندگی کو خیرباد کہا: اس معاملہ میں یہ حکایت بھگوان بُدھ کی کہانی سے مماثلت رکھتی ہے مگر فرق صرف یہ ہے کہ جہاں بُدھ نے دنیا کے رنج وغم سے متاثر ہوکر دنیاداری اور ازدواجی زندگی ترک کردی تھی، وہاں مہاویر نے تیرتھنکروں کے دھرم کی تبلیغ کی خاطر "سنیاس" اختیار کیا تھا۔

مہاویر سوامی نے کسی مُرشد کی قیادت پسند نہیں کی۔ انھوں نے ساری عمر تپسیا کرنے کی ٹھان لی۔ دیس دیس کے چکر کاٹے۔ کھانے پینے اور پہننے کے جھمیلوں سے دور رہتے اور اگر کوئی دشمن اُن پر حملہ کرتا تو اس کا مقابلہ بھی نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے کبھی جسمانی طاقت کا استعمال کرنا ضروری نہیں سمجھا بلکہ اُن کے روحانی جلوہ سے اُن کے دشمن عاجز آجاتے اور اُنکی نسبت ارادت کا اظہار کرتے تھے۔ اُنھیں ہمیشہ ایک ہی بات کی دُھن بنی رہتی تھی اور وہ دُھن تھی تپسیا کی، قناعت کی اور توکّل کی اور خیر خیرات پر جیون بِتانے کی۔ جسمانی آلام اور تکالیف سے وہ اس قدر بے پروا ہوتے تھے کہ بدن پر بیٹھنے والے کیڑے مکوڑوں کو بھی دور کرنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کا جسم زخموں کی جولان گاہ بن گیا۔ انہوں نے کل ۴۵۶۵ دنوں تک ریاضت کی اور اس کے دوران میں صرف ۳۴۹ دن کھانا کھایا تھا۔ وہ جسم پوشی کو ضروری نہیں سمجھتے تھے اور اکثر لاڑ دیس (گجرات) اور برج بھومی میں گھومتے پھرتے تھے جہاں ویدک دھرم کا بول بالا تھا وہاں کے لوگوں نے انھیں ملحد اور مجذوب سمجھ کر اُن پر گوناگوں مظالم بھی ڈھائے۔

اُن کی روحانی طاقت کی آزمائش اس وقت ہوئی جب چنڈ کوشک نامی ناگ نے انھیں ڈس لیا۔ تب ان کے پانو کی انگلی سے خون بہنے کی بجائے دودھ کی دھار پھوٹ پڑی۔ چنڈ کوشک حیرت کے عالم میں مہاویر پر ایمان لے آیا اور اُنکا حلقہ بگوش ہوگیا۔ مہاویر نے اُسے کینہ نہ رکھنے اور ضرر رساں آدمی یا حیوان کا مقابلہ نہ کرنے کی تلقین کی۔ اس اصول پر عمل کرکے چنڈ کوشک نے کمال حاصل کیا اور لوگوں نے اس کی پوجا کرنا شروع کی۔ وہ اُسے دودھ، شہد اور گھی سے نہلاتے تھے جس کی وجہ سے کیڑے مکوڑے اُس کے جسم پر دھاوا بول دیتے تھے۔ چنڈ کوشک اُن کا مقابلہ نہ کرتا تھا اسلئے چند دنوں کے اندر وہ جامِ شہادت پی گیا۔

مہاویر کی مخالفت کرنے والوں میں دوسرا بھی ایک شخص تھا جس کا نام ہے سنگم دیو۔ ہندوؤں کی طرح جین لوگ بھی تصور کرتے ہیں کہ دیوتاؤں کا راجہ اندر راہبوں اور زاہدوں کی ریاضت کو بیکار بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ اس نے سنگمدیو کو مہاویر کی تپسیا کے تباہ کرنے پر اُکسایا۔ سنگم دیو نے وہ سب ہتھکنڈے آزمائے جو وہ مہاویر کو مرعوب کرنے کے لئے ضروری سمجھتا تھا لیکن وہ اپنی کوشش میں ناکام رہا۔ پھر اُس نے جنّت کی حوروں کا لالچ دے کر اُس کی ریاضت رُکوانے کے لئے ریشہ دوانیاں کیں۔ مہاویر نے اس معاملہ میں بھی اس کو مایوس کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سنگمدیو نے مصلحت اس امر میں دیکھی کہ اندر کی بجائے مہاویر جی کا پیروکار بنے۔ غرض کہ اپنی روحانی طاقت سے مہاویر نے دشمنوں کو پسپا کردیا۔ مہاویر کی طاقت جیسے جیسے بڑھتی گئی ویسے ویسے جین اور غیر جین ان کے اہنسا کے فلسفہ سے متاثر ہونے لگے اور ہندوستان کی تہذیب میں نمایاں تبدیلی ہوتی گئی۔ جنگ وجدال سے بیزاری اور کھانے پینے میں گوشت اور نشہ آور اشیاء سے پرہیز وغیرہ ہندوستانی عوام کی طبیعت کا جزو بن گئے۔ مہاویر بھی تیرتھنکر کے رتبہ کو پہنچے اور جین مذہب کی تبلیغ میں قابل قدر اضافہ ہوا۔

مہاویر تیس سال تک عوام کو جین عقائد کی

تلقین کرتے رہے۔ انھوں نے نہ صرف جین منیوں اور رہبروں کو بحث و مباحثہ میں تربیت دی بلکہ خود بھی ایک سچے جین کی طرح زندگی گزار کر ایک قابل تقلید مثال پیش کی۔ ہندوستان کے دیگر مذاہب میں عورتوں کو کوئی حیثیت نہیں۔ لیکن مہاویر پہلے پیغمبر ہیں جنھوں نے شرمنوں کے ساتھ ساتھ شرمنیوں کی بھی تنظیم قائم کی۔ چنانچہ اپنی زندگی میں انھوں نے ۱۴۰۰۰ شرمنوں اور ۳۶۰۰۰ شرمنیوں کو تربیت دی اور اس طرح ملک کے طول و عرض میں جین دھرم کے پرچار کو تقویت پہنچائی۔ جین دھرم کا اثر ملک کی عام ثقافتی، علمی اور ادبی زندگی پر بھی پڑا۔ اردھ ماگدھی، پراکرت اور سنسکرت ادب کی ترقی میں جین علماء کا بڑا حصہ ہے۔ سنسکرت زبان کا ایک مشہور فرہنگ امرکوش امرسنہ جین کا مرتب کیا ہوا ہے۔ بعض زبانوں کے خصوصاً کنڑی زبان کے ادب کا آغاز ہی جین ادیبوں کے کارناموں سے ہوا۔ کنڑی زبان کے قدیم شعراء پمپا، پونا، رنا وغیرہ مذہب کے اعتبار سے جین تھے۔

مہانروان

اپنی زندگی کے آخری دنوں میں مہاویر نے پاواپوری میں قیام اختیار کر لیا تھا۔ چوماسے میں یعنی برسات کے چار مہینوں میں جین دھرم کے علماء وہاں جمع ہوگئے تھے اور بحث و مباحثہ کی محفلیں بھی گرم رہیں۔ کارتک مہینے کی اماوس کے دن مہاویر نے لگاتار ۱۶ گھنٹوں تک اپنا صدارتی خطبہ پڑھا اور بعد میں بتدریج اپنے جسم، دل، زبان اور دماغ کی ساری حرکتیں بند کر دیں اور اس عالم فانی کے سارے بندھنوں سے بری ہوگئے۔ اس واقعہ کے احترام میں جین لوگ آتش بازی کی رسم ادا کرتے ہیں۔ چونکہ یہ دن دیوالی کا ہوتا ہے جینوں کی روایت کے مطابق دیوالی کا تہوار مہاویر جی کے "نروان" کی یادگار ہے۔ ●●

مہاویر سوامی

نیتا تو بہت اور بھی ہیں نامی گرامی — تو سب کا ہے سردار مہاویر سوامی
نابود کیا تونے ہی وہ دورِ غلامی — سکھ ہندو مسلماں تجھے دیتے ہیں سلامی

سائے میں تری یاد کے مِل جُل کے رہیں گے
ہم ہند کے پرچم کو سدا اونچا رکھیں گے

ہے تو بھی امر تیری اہنسا بھی امر ہے — شیدا ترا آج ہند کا ہر ایک بشر ہے
محسن ہے تو ہم سب کا یہ تیرا ہی اثر ہے — جو آج سوئے ہند زمانے کی نظر ہے

ہے فرقہ پرستی سے اسے بیر ازل سے
ہیں مدرسے اسکے حرم و دیر ازل سے

وہ گُر ہے اہنسا کہ جو خاموش سزا دے — ظالم کو جو مظلوم کے قدموں پہ جُھکا دے
جو زور سے ممکن نہ ہو وہ کرکے دکھادے — جو بھی ہنسے بے کس پہ اُسے خون رُلا دے

یہ وہ ہے ہمیں جس نے غلامی سے چھڑایا
جس نے ہمیں جینے کے لئے مرنا سکھایا

اب ہند کی سیوا بھی اہنسا میں ہے شامل — جنتا کی ترقی سے نہ ہونا کبھی غافل
اب ہند میں باقی نہ رہے کوئی بھی جاہل — تا پھر ملے ہر ایک کو آزادی کا حاصل

خود بھی جیو سکھلاؤ اب اوروں کو جینا
ہنس ہنس کے مصیبت سہو تانے رہو سینا

اب ایکتا جنتا کی فنا ہونے نہ پائے — اب بھائی کو بھائی سے گلہ ہونے نہ پائے
اب دردِ تمنا کی دوا ہونے نہ پائے — بیمار محبت کو شفا ہونے نہ پائے

نفرت کو عداوت کو زمانے سے مٹا دو
اب پیار کو سنسار کا دستور بنا دو

ساحر بھوپالی

۵۵۶ - ڈلائل روڈ - بمبئی ۱۱

انور احمد سوپاروی ۳۴۴ - سوپارہ، ضلع تھانہ (ویسٹرن ریلوے)

چھٹی صدی قبل مسیح میں ویدک دھرم لوگوں کے لئے ہموں، خرافات اور قربانیوں کی ایک بھول بھلیاں بن لیا تھا۔ اُپنشدوں نے ان رسموں اور قربانیوں کو ردّ رتے ہوئے روحانی فلسفہ کی بنیاد پر ویدک دھرم کا ایک انظام پیش کیا۔ تاہم یہ تبدیلیاں عوام کی دسترس سے ہر تھیں، اور پھر ان میں مذہب کا عملی پہلو اچھی رح واضح بھی نہیں تھا۔

اس زمانہ میں برہمنوں کا تسلّط دہلی اور اس کے طرافی علاقے پر پوری طرح چھایا ہوا تھا جسے ریرسن (Dr. Grierson) کی تحقیق کے طابق "وسطی علاقہ" کہا جاتا تھا، اور وہ علاقہ بہاں برہمنوں کا اثر نسبتاً کم تھا اسے "بیرونی علاقہ" ہا جاتا تھا۔ اس بیرونی علاقہ میں پٹنہ کے قریب یشالی نامی گاؤں میں ۵۹۹ ق م، میں بھگوان ہاویر پیدا ہوئے۔ ان کا زمانہ ۵۹۹ ق م تا ۵۲۷ ق م اور بعض روایات کے مطابق ۵۴۵ ق م تا ۴۶۷ ق م بھی بتایا جاتا ہے۔ تاہم اوّل الذکر زمانہ اکثر مورخین کے نزدیک زیادہ درست ہے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ کسی اونچی ذات میں نہیں بلکہ کشتریہ ذات کے ایک نہایت معزز گھرانے میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوا جس نے آگے چل کر ایک ایسا مذہب پیش کیا جو امن و آشتی اور محبت اور ایثار کا پیامبر ہے۔ اسی بچہ کو بعد میں مہاویر (عظیم شخصیت) کے نام سے اس کے معتقدوں اور دنیا کے لوگوں نے یاد کیا۔ مہاویر کا باپ سدھارتھ کشتریہ ذات کا سردار اور ایک ریاست کا سربراہ تھا۔ مہاویر کی ماتا کا نام ترشلا تھا۔

مہاویر کا اصلی نام وردھمان ہے۔ اور جین انھیں ویشالیہ، جنات پُتر، ناتھ پُتر اور بدھ کے ناموں سے بھی یاد کرتے ہیں۔ انہی مختلف ناموں کی موجودگی اور مہاویر اور گوتم بدھ کی زندگی کے حالات اور تعلیمات میں حیرت انگیز مماثلت کی وجہ سے مہاویر کا وجود ہی مشکوک تصور کیا جاتا تھا۔ تاہم جاکوبی (Jacobi)، ہورنل (Hoernle) اور بوہلر (Bühler) کی تحقیق نے ثابت کر دیا کہ مہاویر اور گوتم بدھ دو جدا جدا شخصیتیں تھیں۔

سویتامبر فرقہ کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مہاویر نے جوانی میں قدم رکھنے کے بعد یشودھا نامی ایک دوشیزہ سے شادی کی تھی اور انھیں انوجا نامی بچی بھی تولّد ہوئی تھی، جبکہ دِگمبر فرقہ اس بات کا منکر ہے۔ بہرکیف جدید تحقیق مظہر ہے کہ بھگوان مہاویر نے اپنے والدین کی ناراضگی سے بچنے کے لئے شادی کے لئے اپنی آمادگی کا اظہار کیا تھا۔

جین مت خالقِ کائنات کے وجود کا منکر ہے۔ یوں تو مہاویر تین گیانوں کے ساتھ ہی پیدا ہوئے تھے، پھر مزید عرفان سے سرشار ہونے کے لیے مہاویر نے پہلی بار چھ ماہ کا طویل روزہ رکھا۔ اسی عرصہ میں وہ کول پور چلے گئے، یہاں کے بادشاہ نے بہ نفسِ نفیس مہاویر کا سواگت کیا اور ان کے مقدس پاؤں دھونے کی سعادت حاصل کی۔ یہاں سے وہ جنگل میں روپوش ہو گئے اور ایک طویل عرصہ کے بعد اُجین میں پائے گئے۔

تیس سال کی عمر کے بعد جب مہاویر چوتھے گیان سے روشناس ہوئے تو انھوں نے تزکیۂ نفس کے لیے متواتر کئی روزے رکھے، جسمانی تکالیف کو برداشت کرنے کی قوت پیدا کی۔ اپنی خواہشات، اور ضروریاتِ زندگی سے کنارہ کش ہو گئے۔ یہاں تک کہ جسم کے کپڑوں سے بھی بے نیاز ہو گئے، اس ضمن میں بنارسی داس رقمطراز ہے:

جینی منی برہنہ اس لیے رہتے ہیں کہ جین دھرم کی تعلیمات کی رُو سے انسان میں جب تک برہنگی اور غیر برہنگی کو ممیز کرنے کا احساس زندہ رہے گا وہ نفسانی خواہشات پر قابو نہیں پا سکتا۔ جینی فلسفہ کے تحت آدمی اس وقت تک "موکش" سے ہمکنار نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے وجود کو برہنہ سمجھتا رہے گا۔ اور اس اصول کی مزید تشریح کے لئے حضرت آدم اور حوّا کی پیدائش اور جنت سے نکلنے کا واقعہ پیش کیا جا سکتا ہے۔"

ساڑھے بارہ سال تک مہاویر دربدر پھرتے رہے، کسی ایک گاؤں میں صرف ایک رات سے زائد اور شہر میں پانچ راتوں سے زائد نہیں رہتے تھے۔ صرف بارش کے موسم میں کسی ایک مقام پر ان کا قیام رہا کرتا تھا۔ الغرض ان ساڑھے بارہ سالوں میں مہاویر روحانی عرفان حاصل کرنے میں معروفِ عبادت تھے۔

مہاویر تین گیانوں [متی گیان، شروت گیان اور اودھی گیان] کے ساتھ پیدا ہوئے تھے۔ چوتھا گیان [منہ پریائے گیان] چالیس سال کی عمر میں حاصل کیا اور بارہ سال کی ریاضت اور متواتر عبادت کے بعد پانچواں اور آخری گیان [کیول گیان] پایا اور اس طرح وہ جین مذہب کے ۲۴ ویں تیرتھنکر (Tirthankara) بن گئے، اب وہ مکمل جر[illegible] بن چکے تھے۔ اب تبلیغ اور پرچار کے کام کے لئے انہ[illegible] نے جنبھی گرام نامی ایک قصبہ کو اپنا مرکز بنا لیا۔ او[illegible] یہیں سے انھوں نے ہمدردی، محبت، حُسنِ عمل ا[illegible] تہذیبِ نفس کا پرچار شروع کیا۔

بھگوان مہاویر کا پیغام ہے کہ انسان[illegible] پیدائش ذات پات وغیرہ کسی مخصوص اہمیت او[illegible] فضیلت کی حامل نہیں، بلکہ اِنسانی "کرم" ہی سب[illegible] ہے، ابدی خوشی اور روحانی عرفان سے سرشار ہو[illegible] کیلئے "کرم" کا استیصال لازمی فعل ہے، ابتداً مہا[illegible] کا پرچار عموماً امیروں اور اونچے طبقہ تک ہی محدود[illegible] بتدریج بعض حکمرانوں نے اس نئے مذہب میں دلچسپ[illegible] شروع کی، اور اس کے اصولوں پر عمل پیرا ہوئے[illegible] دگمبروں کی روایات کے مطابق صرف تیس سالوں [illegible] عرصہ میں مگدھ، بہار، پریاگ، کوشمبی، چمپاپو[illegible] اور شمالی ہند کے کئی علاقے جینی دھرم [illegible] حلقہ بگوش ہو گئے۔ تاہم تاریخ مظہر ہے کہ [illegible] اثر سرعت کے ساتھ ہی زائل بھی ہو گیا۔

بھگوان مہاویر کا دُنیوی مشن ختم ہو[illegible] تھا۔ جین دھرم اچھی طرح ظاہر ہو چکا تھا، [illegible] کی تعلیمات تمام ہو چکی تھیں، مہاویر کی زن[illegible] کی آخری برسات پاوا (موجودہ پاواپوری) [illegible] میں گزری، یہاں کا حکمراں ہستی پال، مہا[illegible] کی تعلیمات اور ان کی شخصیت کا شیدائی ت[illegible] مہاویر نے ۷۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔

جو پیدا ہوتا ہے اسے ایک دن مرنا ہے، اور جو مر چکا ہے اسے دوبارہ زندہ ہونا ہے، یہ دو کٹھن مرحلے ہیں، تاہم بھگوان مہاویر ان دونوں مرحلوں سے دائمی نجات پا چکے تھے، چونکہ ان کے "کرم" کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا۔"

پروفیسر وشواناتھ پانڈے
۱۰۔ ہمالیہ سوسائٹی، ۱۴۱۔ اے۔ سہار روڈ، بمبئی ۶۹
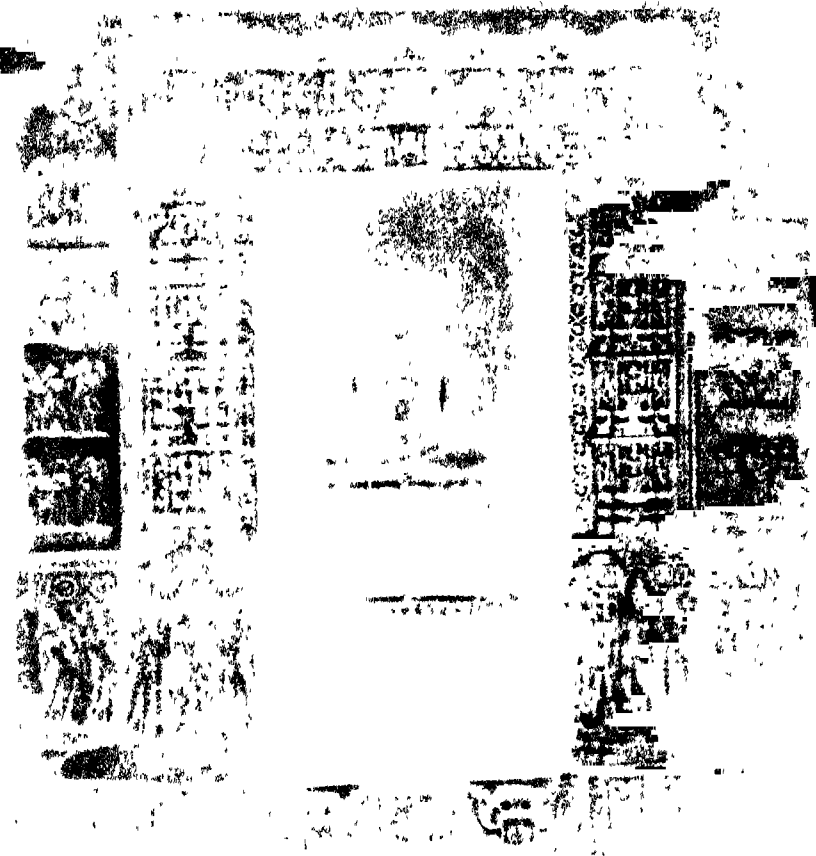
جَین مذہب کی تاریخ اور اسکی پیدائش (origin) کے متعلق بہت سی آراء ہیں۔ کچھ لوگ اسے ویدوں سے قدیم دراوڑ اور موہنجوداڑو کی تہذیب کے وقت سے بتاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ رگ وید میں بتائے گئے رِشی "رِشبھ دیو" ہی جینوں کے پہلے بانی ہیں۔ اس کے بعد اور کئی افراد پیدا ہوئے جنھوں نے اس مذہب کو آگے بڑھانے میں مدد دی۔ مہاویر کی شخصیت ان میں ۲۴ ویں تھی۔ حقیقت میں ان ہی کا چلایا ہوا مذہب جین مذہب کے نام سے جانا پہچانا جانے لگا کیونکہ اِن ہی کو "جن" اور "ویر" جیسے خطاب سے نوازا گیا۔ جس کا مطلب ہے انسانی حواسِ خمسہ پر مکمل کنٹرول کرنے والا۔

جین دھرم کے اصولوں کو بھگوان مہاویر کے بعد اُن کے ماننے والوں نے قلمبند کئے۔ ان اصولوں کو قلمبند کرنے والوں کو "گن دھر" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بعد میں بھی جین مذہب کے اصول کئی مرتبہ لکھے گئے۔ پھر جین مت کے ماننے والوں نے جین مذہب کے اصولوں پر کئی تنقیدیں لکھیں اور بہت سی کتابیں بھی آزادانہ طور پر لکھی گئیں۔ یہی سب کتابیں جین مذہب کی بنیاد ہیں۔

مہاویر کی زندگی:

جیسا کہ دوسرے مذاہب کے پیغمبروں کے بارے میں مشہور ہے اسی طرح مہاویر کے متعلق

بھی کئی کہانیاں بنائی گئی ہیں - ان کہانیوں
میں بھی جین مذہب کے بارے میں خیال آرائیاں
کی گئی ہیں - تاریخی نظریئے سے مہاویر سوامی
کی پیدائش جدید بہار اسٹیٹ کے پایۂ تخت
پٹنہ کے قریب ولیساڑ یا ویسالی کھتری شاہی
خاندان میں ۵۹۹ قبل مسیح میں ہوئی - ان
کا اصلی نام وردھمان تھا - اٹھائیس برس کی
عمر میں انھوں نے دنیاداری چھوڑ کر سنیاس
اختیار کیا اور بارہ سال تک کٹھن تپسیا کرنے
کے بعد، جس میں انھوں نے کھانا، کپڑا وغیرہ بھی
چھوڑ کر اپنے کو بالکل بے نیاز کر دیا تھا، انھیں
"جن" یعنی فتح حاصل ہوئی - انھیں ایسا علم
حاصل ہوا جسے "کیول علم" کہتے ہیں - اسی وقت
سے مہاویر سوامی تیرتھانکر یعنی "رہبر" کہے
جانے لگے - مہاویر کا انتقال بہار صوبہ کے پایا
یا پاوا میں ۵۲۷ قبل مسیح میں ہوا -

جین مذہب کے تین پہلو ہیں :

(۱) انیکانت واد

(۲) لوٗ تتو ([illegible])

اور (۳) ان کا کرم اور اہنسا کا خاص اصول

ان تمام پہلوؤں میں پہلا خاص اہمیت کا
حامل ہے - اسی لئے ہم اسی کا ذکر کریں گے -

انیکانت واد کا مطلب یہ ہے کہ سچ کی
کوئی ایک خاص شکل نہیں ہے - وہ کسی ایک
شکل یا اسم میں سمایا نہیں جا سکتا - ایک ہی
سچ علیحدہ علیحدہ حالتوں میں علیحدہ علیحدہ ہو
سکتا ہے - اس نکتے کو سمجھانے کے لئے جین
لوگ اکثر ایک کہانی کہا کرتے ہیں - وہ یہ کہ
چھ نابیناؤں نے ایک ہاتھی کو چھو کر اس کے
متعلق جاننا چاہا - جس نے ہاتھی کا کان چھوا
اس نے کہا کہ ہاتھی ایک سوپ جیسا جانور
ہے - جس نے اس کا پیر چھوا، اس نے کہا کہ
ہاتھی ایک کھمبے جیسا جانور ہے - اسی طرح
ان میں سے ہر ایک نابینا نے ہاتھی کا الگ
الگ عضو چھو کر اسے الگ الگ طور پر ظاہر کیا -
ایک ساتویں آدمی نے جس نے پورے ہاتھی کو
دیکھا تھا، اسے اچھی طرح ظاہر کیا - لیکن ان
ساتوں آدمیوں میں سے کسی کا بھی علم غلط
نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ان میں سے ہر کسی نے
سچ کے کسی نہ کسی حصّہ کو ظاہر کیا ہے - ساتھ
ہی ساتھ جس نے ہاتھی کا کان نہیں چھوا اس
کے لئے ہاتھی سوپ جیسا جانور نہیں ہے اور
جس نے ہاتھی کا پیر نہیں چھوا، اس کے لئے
ہاتھی ستون جیسا جانور نہیں ہے -

اسی طرح ایک ہی شئے کو آدمی اپنے
اپنے نظریے سے دیکھتا ہے - یہی بات جین
مذہب کے سات نکات کا نچوڑ ہے - ایک ہی
شئے کے سات پہلو ہو سکتے ہیں - ایک ہی
شئے کا وجود "ہے" بھی اور "نہیں" بھی لیکن
وہ "مثبت اور منفی" دونوں ہی ہے یا دونوں
سے دور ہے - کسی بھی کام کے سات نکات
ہو سکتے ہیں

تمام مذاہب اور فلسفوں کا نچوڑ :

جین مذہب اور فلسفہ کا یہ حصّہ بہت ہی
اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں دنیا کے تمام مذاہب
اور فلسفے جذب ہو سکتے ہیں - جین مذہب کا یہ
اصول ہے کہ دنیا کے سبھی مذاہب میں کچھ نہ کچھ
سچائی چھپی ہوئی ہے - کوئی بھی مذہب یا فلسفہ
بالکل غلط نہیں ہو سکتا - سبھی مذہب اور فلسفے
سچائی کو اپنے اپنے نظریے سے دیکھتے ہیں - ایک
رُخ سے دیکھنے پر سچ ایک شکل کا دکھائی دیتا
ہے اور دوسرے رُخ سے دیکھنے پر دوسری
طرح کا لگتا ہے - اس لحاظ سے جین مذہب
سبھی کا مذہب ہو سکتا ہے اور سبھی مذہب
جین مذہب ہو سکتے ہیں -

جین کردار (ETHICS) اور اہنسا کا اصول :

جینوں کا عقیدہ ہے کہ دنیا کی تکالیف سے
ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے
اور وہ یہ کہ آدمی اپنے کردار کی تصحیح کرے، اس کو
اونچا بنائے - یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ جین
لوگ روح پر اعتقاد رکھتے ہیں لیکن خدا پر نہیں -
ان کا عقیدہ ہے کہ انسان اپنی قسمت کا آپ
بنانے والا ہے - خدا نام کی کوئی چیز، کوئی وجود
نہیں جو انسان کی دنیا کا معمار ہو - اگر انسان
بُرا کام کرتا ہے تو اس کا اثر اس کی روح پر
پڑتا ہے اور روح کی پاکیزگی ختم ہو جاتی ہے -
اس طرح کی ناپاک روح بار بار جنم لیتی ہے اور
دنیا کی تکالیف برداشت کرتی ہے لیکن اگر
آدمی اہنسا کو اپنائے یعنی کسی جاندار کو زبانی
یا جسمانی تکلیف نہ پہنچائے اور ایسی تکلیف پہنچانے
کا خیال بھی اپنے دل میں نہ لائے - جھوٹ
نہ بولے - چوری نہ کرے - بیجا مال جمع نہ کرے
اور تجرّد کی زندگی کو اپنائے تو اس کی روح پاکیزگی
اختیار کر لے گی اور وہ دنیا کے درد سے نجات
حاصل کر لے گا - نجات کو جین "نروان" کے نام
سے پکارتے ہیں -

●●

اسمبلی کی کارروائیاں

۱۴ر مارچ کو ختم ہونے والے ہفتہ کے
ن شری مدھوکر راؤ چودھری، وزیر مالیات نے
ن میں ۷۶-۱۹۷۵ء کا بجٹ پیش کیا۔
پچھلے ہفتے گرام پنچایت بل پر کی گئی بحث
ل رہی تھی لہٰذا بمبئی گرام پنچایت (ترمیم) بل
۱۹ء پر دوبارہ بحث کی گئی۔
سروشری سداشیو مالی، شیوراج پاٹل، بی۔
دیشمکھ، اے۔ اے۔ وانکھیڈے، دی۔ جی۔
درے اور دیگر اراکین نے بل پر کی گئی بحث
حصہ لیا۔
شری سپکال، وزیر مملکت برائے دیہی ترقیات
ہا حالانکہ حکومت اس بل پر شری ڈی۔ ایس۔
، کی پیشکردہ تجویز کے اس مقصد سے اتفاق
ن ہے کہ پولس پٹیلوں کو گرام پنچایتوں کے
نچ بننے کے لئے الیکشن لڑنے سے روکا جائے
ہ اسی طرح کی ایک اور تجویز جو کہ شری آر۔ اے۔
نے پیش کی ہے زیادہ بہتر ہے۔ ایوان نے
ی آر۔ اے۔ پاٹل کی ترمیم کے ساتھ بل پاس کر دیا۔

بمبئی بلڈنگ ری پیر اور ری کنسٹرکشن بورڈ
دسری ترمیم) بل ۱۹۷۵ء پر بحث نامکمل رہی!

منی مطالبے

ایوان نے جنرل ایڈمنسٹریشن، دیہی ترقیات،
ت عامہ اور ہاؤسنگ سے متعلقہ محکمہ جات
ضمنی مطالبات برائے سال ۷۵-۱۹۷۴ء پاس
دیئے۔ اس کے علاوہ دیگر محکموں سے متعلقہ
ضمنی مطالبے بھی زیر بحث لائے بغیر پاس
کر دیئے گئے۔

ہنگامی حالات کے دوران استعمال کے لئے
ہیلی کوپٹر کی خریداری، ڈیری ترقی، ریاستی ماہی
گیری ترقی اور اپرچ-۴ کپاس بیجوں کی خریداری
اور تقسیم جیسے موضوعات ضمنی مطالبوں پر بحث
کے دوران زیر بحث لائے گئے۔

اس کے علاوہ ضمنی مطالبوں کے ذریعے
بی۔ای۔ ایس۔ ٹی، بمبئی کو بس ٹرانسپورٹ کیلئے
۷ کروڑ روپیوں کا قرض اور مہاراشٹر ہاؤسنگ
بورڈ کے لئے ۳۶ لاکھ روپیوں کا قرض منظور
کیا گیا نیز احمدنگر اور شولاپور اضلاع کے لئے
جو کہ ہمیشہ سے قحط زدہ اضلاع رہے ہیں اور
جن کے لئے ورلڈ بینک سے امداد ملنے والی ہے،
گنجائش رکھی گئی ہے۔

سروشری ٹی۔ ایس۔ کارخانس، این۔ این۔
بارشیکر، وسنت ہوشنگ، ولاس لوناری، کے۔
ایس۔ دھونڈگے اور سداشیو مالی اور شریمتی
مرینال گورے نے مطالبوں پر کی گئی بحث میں
حصہ لیا۔

سروشری دی۔ اے۔ دیشمکھ، آر۔ کے۔
مہالگی، ایف۔ ایم۔ پنٹو اور دیگر کئی اراکین کی
جانب سے پیش کی گئی ایک توجہ طلب نوٹس جو کہ
ثانوی اساتذہ کے مطالبوں سے متعلق تھی، کا
جواب دیتے ہوئے شریمتی پربھاراؤ، وزیر تعلیم
نے ریاستی حکومت اور ثانوی اساتذہ کے مابین
سمجھوتے کے لئے شروع کی گئی گفتگو پر روشنی ڈالی۔

اساتذہ نے بائیکاٹ واپس لے لیا

جس وقت ایوان میں توجہ طلب نوٹس
زیر بحث تھی اس وقت ریاستی حکومت اور ثانوی
اساتذہ کے مابین سمجھوتے پر ہونے والی گفتگو
کامیاب رہی۔ نتیجتاً تمام اساتذہ نے ایس۔ ایس۔
سی۔ امتحان کا بائیکاٹ واپس لے لیا۔

ایک اور توجہ طلب نوٹس جو سروشری ولاس
لوناری، آر۔ کے۔ مہالگی، کے۔ ڈی۔ بھیگڑے اور
دیگر کئی اراکین کی جانب سے پیش کی گئی تھی اور جو
دھولیہ ضلع سے چاول کی سمگلنگ سے متعلق تھی
شری آر۔ پی۔ ولوی، وزیر مملکت برائے امور داخلہ
نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اس سلسلہ میں
تحقیقات کی جا چکی ہیں۔

وزیر اعلیٰ کا اعلان

وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان نے ایوان کو
بتایا کہ حکومت نے اس سلسلہ میں فوری طور پر
متعلقہ افسر کے خلاف کارروائی کا حکم جاری کیا ہے۔
شری آر۔ اے۔ پاٹل نے اس ہفتہ کے دوران
مزید دو اہم تجاویز ایوان کے سامنے پیش کیں۔
معاشی طور پر پسماندہ طبقے کے افراد کو ملازمت
میں فوقیت دینے کے مسئلہ پر بحث کا جواب
دیتے ہوئے شری رام ناتھ پانڈے، وزیر مملکت

برائے محنت نے ایوان کو بتایا کہ حکومت کی پالیسی کے مطابق ریاستی حکومت اور کارپوریشنوں میں ایسے ... ۸ہم افراد کو ملازمت دی جا چکی ہے۔ حکومت نجی سیکٹر میں بھی اس پالیسی پر عمل آوری کی کوشش کر رہی ہے۔

بے زمین افراد کیلئے گھر

شری آر۔ اے۔ پاٹل کی جانب سے پیش کردہ دوسری تجویز پر جو کہ بے زمین افراد کو زمین کے الاٹمنٹ سے متعلق تھی، بحث کا جواب دیتے ہوئے شری بی۔ جے۔ کھتال، وزیر مملکت برائے محصول نے کہا کہ حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہر ضلع میں کم از کم ...، ا گھر بے زمین کسانوں کے لئے ۱۵ اپریل ۱۹۷۵ء تک بنائے جائیں گے۔

شریمتی مرینال گورے نے ایک قرارداد پیش کی جو بمبئی میں سرکاری زمین کی بڑھتی ہوئی قیمت فروخت سے متعلق تھی۔ انہوں نے کہا کہ زمین کی بڑھتی ہوئی قیمتیں اسی کا نتیجہ ہیں۔

ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر محصول نے ایوان کو اس بات کا یقین دلایا کہ حکومت جلد ہی ایک بل کے ذریعے بمبئی میں فروخت و استقال اراضی پر پابندی عائد کرنے والی ہے۔

بیک بے اسکیم

وزیر موصوف نے بیک بے اسکیم کے خلاف نکتہ چینی کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ حزب مخالف کو اس کے متعلق غلط فہمی ہے۔ اصل میں حکومت کی یہ کوشش تھی کہ بیک بے پلاٹز بیچ کر اُس سے ہونے والی آمدنی سے دوسری جگہوں پر زیادہ سے زیادہ افراد کے لئے رہائش گاہ فراہم کرے۔ بمبئی میں حکومت کے پاس محض ۱۶۰ ہیکٹر زمین تھی لہٰذا یہ کہنا کہ اس زمین کی فروخت کی وجہ سے بمبئی میں زمینوں کی قیمتیں بڑھ گئی ہیں، بالکل غلط ہے۔

سروشری این۔ این۔ بارشیکر، جی۔ ایس۔ لوکے، ایف۔ ایم۔ پنٹو اور ڈی۔ بی۔ پاٹل وغیرہ نے قرارداد پر کی گئی بحث میں حصہ لیا۔

وزیر موصوف کے جواب کے بعد ایوان نے قرارداد نامنظور کر دی۔

شری کے۔ ایس۔ دھونڈگے نے ایک غیر سرکاری قرارداد پیش کی جو عوام کے نمائندوں اور سرکاری ملازمین کی نجی جائیداد کے اظہار سے متعلق تھی۔

قرارداد پر بحث کے دوران شری کے۔ ڈی۔ بھیگڑے نے قرارداد میں ترمیم پیش کی کہ امداد باہمی اور تعلیمی اداروں کے افسران اور ان کے رشتہ داروں کو بھی اسمیں شامل کیا جائے۔

ممبران اسمبلی کے لئے اخلاقی ضابطے

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری اے۔ آر۔ انتولے، وزیر قانون و عدلیہ نے شریمتی مرینال گورے کے لگائے ہوئے ایک الزام کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ کسی بھی شخص کو بدعنوانیوں کے الزام کا نشانہ بنانا ٹھیک نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں بہتر یہ ہوگا کہ دونوں ایوانوں کے اراکین پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جائے جو ایوان کے ممبران کے لئے ایک اخلاقی ضابطہ مرتب کرے۔ حکومت بھی اس پر غور کرے کہ آیا اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے اسے لوک آیکت کے حلقۂ اختیار میں دیا جائے یا نہیں۔

شری انتولے نے یہ بھی بتایا کہ شریمتی مرینال گورے نے جس ایم۔ ایل۔ اے کا ذکر کیا ہے وہ ان کے سوا کوئی اور نہیں ہے لیکن انھوں نے اس بات کی وضاحت کی کہ فلیٹ سے متعلق وہ ہر ڈاکیومنٹ حزب مخالف کو بتا سکتے ہیں کیونکہ ڈی ریکویزیشنڈ مکان کرایہ پر نہیں دیا جا سکتا۔

شری ڈی۔ بی۔ پاٹل، حزب مخالف کے لیڈر نے ایوان کو یقین دلایا کہ ایوان کے ارکان کے لئے اخلاقی ضابطے کی ترتیب میں حزب مخالف کی طرف سے حکومت کو پورا پورا تعاون رہے گا۔

شری ڈھونڈگے نے قرارداد واپس لے لی

●●

مضافات میں ڈاک کی بہتر سہولتیں

بمبئی کے مضافات میں رہنے والے افراد کو ڈاک کی بہتر سہولتیں فراہم کرنے کی غرض سے ۱۵ اپریل ۷۵ء سے موبائل پوسٹ آفس جیون بیمہ نگر (پانچ بنگلہ) اندھیری ایسٹ (وجے نگر سوسائٹی) ولے پارلے ویسٹ (گولڈن ٹوبیکو کمپنی کے سامنے) اور سانتاکروز ویسٹ (شاستری نگر) پر رکا کریگا۔ اس کے سا ہی سائن کولی واڑہ، سائن اور کرلا (پولس اسٹیشن کے اندر) پر موبائل پوسٹ آفس اب نہیں ٹھہرا کرے گا۔

جیون بیمہ نگر، بوریولی میں نیا ہیڈ پوسٹ آفس

بمبئی کے مضافاتی علاقے جیون بیمہ نگر، بوریولی میں یکم اپریل کو ایک نیا ہیڈ پوسٹ آفس کھولا ہے۔ اس ڈاکخانے کے لئے عمارت زندگی بیمہ کارپوریشن نے فراہم کی ہے۔ نیا ہیڈ پوسٹ آفس اتوار کے علاوہ باقی دنوں میں صبح دس بجے سے شام کے چھ بجے تک کام کرے گا۔ اس ڈاک گھر سے ڈاک تقسیم نہیں ہوگی۔ بمبئی یہ نواں ہیڈ پوسٹ آفس ہے۔

●

کونسل کی کارروائی

ہفتہ مختتمہ ۱۴ر مارچ کے دوران کونسل
۷۶-۱۹۷۵ء سال کے ضمنی مطالبات پر بحث
شری بی۔ جے۔ کھتال، وزیر مملکت برائے
اعات و پبلسٹی و منصوبہ بندی نے جنرل
منسٹریشن ڈپارٹمنٹ پر ہونے والی بحث کا
ب دیتے ہوئے ایوان کو یقین دلایا کہ کسی
صورت میں ریاستی حکومت ہیلی کوپٹر کا
تعمال پارٹی کے کاموں کے لئے نہیں کرے گی۔
کوپٹر کا استعمال صرف سرکاری کاموں کیلئے
جائے گا۔ وزیر موصوف نے فرمایا کہ چونکہ
جودہ ہیلی کوپٹر استعمال کے لائق نہیں ہے لہٰذا
فیصلہ کیا گیا ہے کہ ۳۰ لاکھ روپیوں کی لاگت
ے ایک نیا ہیلی کوپٹر خریدا جائے۔

اس سے پہلے حزب مخالف نے نئے
کوپٹر کی خریداری سے متعلق اعتراضات کئے
ے۔ سروشری وی۔ آر۔ پنڈت، جی۔ بی۔ کانکر،
آر۔ کھانولکر، این۔ وی۔ اگاشے اور آر۔
ن۔ چودھری نے بھی بحث میں حصہ لیا۔

شریمتی پربھا راؤ، وزیر تعلیم نے بتایا کہ
مارچ کو اساتذہ کے پانچ مطالبوں سے متعلق
ھوتہ ہوگیا ہے۔ ایک توجہ طلب نوٹس جو کہ
وشری اپا صاحب جادھو، ایس۔ کے۔ ولیشم
ن اور کئی دیگر اراکین کی جانب سے پیش کی
تھی، کا جواب دیتے ہوئے وزیر موصوفہ
بیان کیا کہ چھٹا مطالبہ عام نوعیت کا تھا
رہ محض اساتذہ سے ہی متعلق نہ تھا۔ انہوں
یہ امید ظاہر کی کہ اب اساتذہ ایس۔ ایس۔ سی
ان کا بائیکاٹ واپس لے لیں گے۔

(وزیر موصوفہ نے ۱۴ر مارچ کو سرکار اور
اساتذہ کے درمیان ہونے والے سمجھوتے کا
اعلان کیا جس کی رو سے تقریباً ۸۰،۰۰۰ اساتذہ
ریاست بھر میں یکم اپریل سے مزید ۱۰ روپے تنخواہ
پائیں گے اور فرمایا کہ اس کے بعد اساتذہ کے
نمائندوں نے ایس۔ ایس۔ سی امتحان کا بائیکاٹ
واپس لے لیا ہے۔)

پالی ٹیکنک کورسوں سے متعلق ایک تحریک
التواء پر بیان دیتے ہوئے وزیر تعلیم شریمتی
پربھا راؤ نے ایوان کو بتایا کہ اب پالی ٹیکنک
کورس چار سالوں کے بجائے دوبارہ تین سالوں
کا کردیا گیا ہے۔

ایک غیر سرکاری قرارداد جو کہ بین الاقوامی
خواتین سال کے دوران خواتین کے حالات کا
جائزہ لینے کے لئے ایک کمیٹی کی تشکیل سے متعلق
تھی اور جو شری جی۔ پی۔ پردھان نے پیش کی تھی،
کا جواب دیتے ہوئے شریمتی پرتبھا پاٹل،
وزیر سماجی بہبود نے فرمایا کہ وزیر اعلیٰ کے
زیر صدارت ایک کمیٹی خواتین کی معاشی و سماجی
اصلاح کیلئے قائم کی جائے گی۔

سروشری سی۔ آر۔ کھانولکر، آر۔ ایس۔
گوائی، جی۔ بی۔ کانکر، ڈی۔ کے۔ دلشپانڈے
اور رام میگھے نے قرارداد کی موافقت میں اپنے
خیالات کا اظہار کیا۔

بحث کا جواب دیتے ہوئے شری
سوشیل کمار شندے، وزیر مملکت برائے سماجی
بہبود نے کہا کہ کمیٹی کے لئے دو مسلم خواتین
بھی نامزد کی جائیں گی۔

وزراء کے جواب کے بعد یہ قرارداد
واپس لے لی گئی۔

۱۳ر مارچ کو شری ڈی۔ کے۔ دلشکھ کی
جانب سے اٹھائی جانے والی بحث، جو کہ
سرکاری ملازمین کے مہنگائی بھتے سے متعلق
تھی، کا جواب دیتے ہوئے شری ایم۔ ڈی۔ چودھری،
وزیر مالیات نے کہا کہ حکومت اپنے ملازمین سے
پوری ہمدردی رکھتی ہے اور مہنگائی بھتہ کے
لئے ۱۵ کروڑ روپیوں کی رقم مہیا کی گئی ہے۔
لیکن انھوں نے اس بات کی تنبیہہ کی کہ اس
سلسلے میں سرکاری ملازمین کی کسی بھی قسم کی
بے ضابطگی برداشت نہیں کی جائے گی۔ انھوں
نے بتایا کہ حکومت اس مسئلہ کو حل کرنے
کی کوشش کر رہی ہے۔ اگر مرکزی حکومت
کے ملازمین کے مساوی مہنگائی بھتہ دیا جائے
تو اس صورت میں ۴۷ کروڑ روپے سالانہ
درکار ہوں گے۔ فی الحال حکومت کے پاس
اتنا فنڈ نہیں ہے۔ انھوں نے بتایا کہ سرکاری
ملازمین سرکار کے پارٹنر ہیں اور عوام کے
خادم ہیں اس لئے وہ تمام تر فنڈ محض سرکاری
ملازمین میں تقسیم نہیں کرسکتے۔

مدرسین کو ختم ملازمت کا نوٹس نہ دیا جائے ـــــــ حکومت کی ہدایت

حکومتِ مہاراشٹر نے غیر سرکاری ثانوی اسکولوں کے منتظمین کو ہدایت کی ہے کہ وہ تا حکم ثانی ایسے غیر تربیت یافتہ عارضی مدرسین کو بھی ختم ملازمت کے نوٹس نہ دیں جنھیں ۷ر فروری ۱۹۷۴ء کے بعد مقرر کیا گیا ہے۔

ڈپٹی ڈائرکٹران ٹیکنیکل ایجوکیشن، ایجوکیشن افسران، ضلع پریشد / ایجوکیشن انسپکٹر، بمبئی عظمیٰ کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ یہ احکامات فوراً ہی ثانوی اسکولوں کے منتظمین کے پاس بھیج دیں

مدرسین کی بہبود کیلئے قومی فاؤنڈیشن

حکومتِ مہاراشٹر نے مدرسین کی بہبود کیلئے قومی فاؤنڈیشن میں ۷۵-۱۹۷۴ء کے دوران اپنے حصے کی رقم کے طور پر ۲۵،۰۰۰ روپے منظور کئے ہیں۔

تعلیمی فلم شو کیلئے رعایت

حکومتِ مہاراشٹر نے ۱۶ ایم ایم نیز ۳۵ ایم ایم فلم جنھیں سنٹرل بورڈ آف فلم سنسر نے خاص تعلیمی فلم قرار دیا ہے نیز سائنٹفک فلم کی حیثیت سے منظور شدہ فلم، تعلیمی مقاصد کے لئے مختص فلم، خبروں اور حالاتِ حاضرہ سے متعلق فلم یا ڈاکیومنٹری فلم جنھیں ایڈوائزری بورڈ نے منظور کیا ہے، کی نمائش کو بعض شرائط کے تحت ۳۱ر دسمبر ۱۹۷۵ء تک بمبئی سنیما (باقاعدگی) ایکٹ بابت ۱۹۵۳ء کی دفعہ ۳ کے نفاذ سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ یہ فلم کوئی بھی شخص ہوٹل، گلی، چوراہے، چوک اور فٹ پاتھ وغیرہ کو چھوڑ کر کسی بھی جگہ دکھا سکتا ہے۔

تامل ناڈو میں سینک اسکول

حکومتِ مہاراشٹر نے تامل ناڈو کے مقام امراوتی نگر میں سینک اسکول میں زیر تعلیم مہاراشٹر کے طلبہ کو بعض شرائط کے تحت ریاستی حکومت کے وظائف دینے کی منظوری دیدی ہے۔ وظائف کی تعداد پانچ ہے۔ جو ایک سیشن کے لئے ۵۰۰،۲ روپے فی طالب علم کے حساب سے دئے جائیں گے۔ نیز ۳۰۰ روپے بھتّہ کے طور پر دئے جائیں گے۔ فی الحال یہ وظائف ایک سال کے لئے ہیں۔

وزیر اعلیٰ شری ایس۔بی۔چوان ۲۷ر مارچ کو مہاراشٹر کے ثانوی اردو اسکولوں کے سربراہوں کی ایسوسی ایشن کی جانب سے اسمٰعیل بیگ محمد ہائی اسکول، بمبئی میں دئے جانے والے استقبالیہ میں تقریر کر رہے ہیں تصویر میں وزیر مملکت برائے تعلیم شری رام ناتھ پانڈے جن کی زیر صدارت یہ تقریب منعقد کی گئی تھی نظر آرہے ہیں:

کھیت اور کھلیان

تقریباً ۲۱ لاکھ ہیکٹر میں مخلوط کاشت ۔ ۷۶-۱۹۷۵ء کا خریف پروگرام

۷۶-۱۹۷۵ء کی خریف فصل کے دوران مہاراشٹر میں ۲۰ء۴۷ لاکھ ہیکٹر اراضی پر زیادہ پیداوار دینے والی و مخلوط اقسام کی فصلیں بونے کا پروگرام ہے۔ یہ پروگرام ۶۷-۱۹۶۶ء میں شروع کیا گیا تھا اور جب سے ہر فصل کے دوران زیادہ سے زیادہ زمین اس کے تحت لائی جاتی رہی ہے۔

مختلف فصلوں کے تحت علاقہ کا نشانہ حسب ذیل ہے: زیادہ پیداوار دینے والی دھان ۵ء۲۵ لاکھ ہیکٹرز، مخلوط جوار ۸ء۷۷ لاکھ ہیکٹرز، زیادہ پیداوار دینے والی قسم کی جوار ... ۶۴ ہیکٹرز، مخلوط باجری ۵ء۹۰ لاکھ ہیکٹرز اور مخلوط میز (مکئی) ۱۷ء۰۰۰ ہیکٹرز۔

کپاس کی قیمت سے سرکاری بقایا جات کی وصولی!

جائیداد نیلام نہ کرنے کی تازہ ہدایت

حکومت مہاراشٹر نے متعلقہ افسران کو تازہ ہدایات جاری کی ہیں کہ کپاس اجارہ داری وصولی اسکیم کے تحت کپاس پیدا کرنے والوں کی جو رقم فیڈریشن کے پاس بطور ضمانت کے جمع رہتی ہے۔ اس رقم میں سے سرکاری بقایا جات وصول کرنے کے سلسلہ میں کاشتکار نے جو راضی نامہ دیا ہوا ہے یا مستقبل میں دیں گے اس کے تحت ان کی جائیدادوں کو نیلام نہ کیا جائے۔

کپاس اجارہ داری وصولی اسکیم کے تحت کاشتکاروں کو اپنی کپاس ریاست مہاراشٹر کوآپریٹیو مارکیٹنگ فیڈریشن کو فروخت کرنا ہوتی ہے اور ان کو ضمانتی قیمت کا ۳۰ فیصدی نقد ملتا ہے۔ ان کو کل رقم کا ۵۰ فیصدی فیڈریشن کے پاس بطور ڈپازٹ رکھنا ہوتا ہے۔ حکومت نے اس سال جنوری میں ہدایت جاری کی کہ ضمانتی قیمت کی ۵۰ فیصدی ڈپازٹ کی رقم میں سے جو کہ فیڈریشن کے پاس جمع رہتی ہے کاشتکار کی جانب سے جو راضی نامے وصولی افسران کو ان کے بقایا جات وصول کرنے کے لئے دئے جاتے ہیں اسکی بنیاد پر سرکاری نیز ضلع پریشد کے بقایا جات کاٹ لئے جاتے ہیں۔

حکومت نے بعد میں یہ حکمنامہ رد کردیا اور ہدایت کی کہ کوآپریٹیو بقایا جات کے علاوہ دوسرے بقایا جات اس رقم میں سے نہ وصول کئے جائیں جو کہ کپاس اجارہ داری وصولی اسکیم کے تحت کپاس پیدا کرنے والے کو ادا کی جاتی ہے۔

بہرحال حکومت کی اطلاع میں یہ بات آئی ہے کہ بعض معاملات میں جہاں کہ کاشتکار نے راضی نامہ دیا ہوا ہے وصولی افسران نے ایسے شخص کی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد کو نیلام کرنے کا حکم دیا اور اسی لئے یہ نئی ہدایت جاری کی گئی ہے۔

مراٹھواڑہ کرشی ودیا پیٹھ ۔ مختلف کاموں کیلئے مالی امداد

حکومت مہاراشٹر نے مراٹھواڑہ کرشی ودیا پیٹھ کو اس کے مختلف کاموں مثلاً زراعتی کالج، ویٹری نری کالج واقع پربھنی، تحقیقاتی اسکیم اور دوسرے اداروں نیز اُدگیر میں واقع مویشی اور بھیڑ بریڈنگ فارم کے لئے دولاکھ روپے کی بقیہ مالی امداد منظور کی ہے۔

تدریسی ملازمین کے لئے پنشن اسکیم
پچھلی ساری ملازمتیں شامل کی جائیں

حکومت مہاراشٹر نے ہدایت کی ہے کہ کسی
ہ تسلیم شدہ غیر سرکاری ثانوی اسکولوں و غیر
ماری جونیئر کالج برائے تعلیم میں غیر سرکاری ثانوی
ولوں و غیر سرکاری جونیئر کالج برائے تعلیم کے
تدریسی ملازمین نے جتنی مدت تک ملازمت کی
، وہ مدت ان کی پنشن نکالتے وقت شامل کی
نی چاہیے۔ چاہے وہ کسی اسکول یا جونیئر کالج
، ادارے سے سبکدوش ہوئے ہوں اور اس کے
تحق ہوں۔

غیر سرکاری ثانوی اسکولوں کے غیر تدریسی ملازمین
، لئے جو پنشن اسکیم اپنائی گئی تھی، وہی اسکیم
سرکاری جونیئر کالج برائے تعلیم کے غیر تدریسی
زمین پر بھی نافذ کی گئی ہے۔ متذکرہ پنشن اسکیم
گنجائشوں کے تحت غیر تدریسی ملازمین نے ایک
ے زائد اسکول میں ملازمت کی ہو تو وہ مدت بھی
شن کے وقت شامل کی جائے گی۔ ایک شبہ
ہر کیا گیا ہے کہ آیا ایک کلرک جس نے غیر سرکاری
ئر کالج برائے تعلیم میں ملازمت اختیار کرنے
سے قبل غیر سرکاری ثانوی اسکول میں ملازمت
ہے تو اس کی وہ مدت ملازمت پنشن کے
ت شامل کی جاسکتی ہے یا نہیں۔

اس شک کو دور کرنے کے لئے حکومت
متذکرہ ہدایت جاری کی ہے۔

بلگام کے تربیت یافتہ مراٹھی مدرسین امیدوار
مہاراشٹر میں ملازمت دیجائیگی

حکومت مہاراشٹر نے ہدایت کی ہے کہ
یسے اُمیدواروں کو جنھوں نے ایس۔ ایس۔ سی
اس کے مساوی امتحان پاس کرلیا ہے نیز بیلگام
ے ٹریننگ کالج میں جاری ٹی سی ایچ کورس
ی ایڈ

کھیت اور کھلیان

چھوٹے کسانوں کی ترقیاتی ایجنسیاں

حکومت مہاراشٹر نے ریاست کے سات اضلاع میں چھوٹے کسانوں کی ترقیاتی ایجنسیاں قائم کرنے کے نئے منصوبے شروع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

سات اضلاع یہ ہیں: کولابہ، دھولیہ، اکولہ، امراؤتی، بلڈانہ، ناندیڑ اور عثمان آباد۔ ان اضلاع میں سے کولابہ، دھولیہ، بلڈانہ، ناندیڑ اور عثمان آباد اضلاع میں ایسی ایجنسیوں کا اندراج ہو چکا ہے۔ بقیہ دو اضلاع اکولہ اور امراؤتی میں ایجنسیوں کے اندراج اور منصوبے کی تیاری کے لئے ضروری کارروائی کی جارہی ہے۔

حکومت ہند نے ریاست کے حسب ذیل اضلاع میں پانچویں پنجسالہ منصوبے کے دوران چھوٹے کسانوں کی ترقیاتی ایجنسیاں قائم کرنے کی منظوری دیدی ہے: کولابہ، کولہاپور، دھولیہ، امراؤتی، اکولہ، چندرپور، بلڈانہ، ناندیڑ اور عثمان آباد۔ نیز اس نے ریاستی حکومت کو ہدایت کی ہے کہ مذکورہ سات اضلاع میں یہ منصوبہ شروع کیا جائے۔ ریاستی حکومت نے اسی کے مطابق مذکورہ بالا فیصلہ کیا ہے۔

ہر دیہات میں سینچائی کمیٹیاں

حکومت مہاراشٹر نے ہدایت کی ہے کہ ضلع میں کمانڈ ایریا ڈیولپمنٹ اتھارٹی پراجیکٹس کو چھوڑ کر آبپاشی پروجیکٹوں کے سینچائی حلقہ میں آنے والے ہر دیہات میں دیہی سینچائی کمیٹی قائم کی جائے۔ کمانڈ ایریا ڈیولپمنٹ اتھارٹیز کے منتظمین بھی ان کی زیر نگرانی آبپاشی پروجیکٹوں کے آبپاشی حلقہ میں آنے والے ہر دیہات کے لئے ایسی ہی کمیٹیاں بنائیں گے۔

ایسی کمیٹی کا نگراں گرام پنچایت سرپنچ ہوگا اور یہ چیرمین کوآپریٹیو سوسائٹی، چیرمین زراعتی کمیٹی گرام پنچایت، پٹواری، تلاٹھی، گرام سیوک، زراعتی مددگار اور باغات داروں کے پانچ نمائندہ ممبران پر مشتمل ہوگی۔ کمیٹی پیداوار زیادہ سے زیادہ بڑھانے کی غرض سے سینچائی کے لئے پانی کی مناسب تقسیم کا خیال رکھے گی اور کسانوں کی مشکلات دور کرے گی۔

علاقائی دیہی پائپ پانی سپلائی اسکیم

حکومت مہاراشٹر نے ضلع ناسک کے تعلقہ اگت پوری میں دھرگاؤں اودنلی اور ناگوسالی کی علاقائی دیہی پائپ پانی سپلائی اسکیم کو انتظامی منظوری دیدی ہے۔ اس اسکیم کی لاگت ۳۰،۲۸،۴۸،۴ روپے ہے۔ اس اسکیم کی تکمیل پر اس میں شامل دیہاتوں کی تقریباً ۵،۶۰۰ آبادی کی ضرورت پوری ہوگی۔

کپاس کی کاشت کیلئے منصوبہ تیار

حکومت مہاراشٹر نے ایچ۔۴ کرشیل کاٹن کی کاشت کے لئے مفصل پروگرام تیار کیا ہے۔ اس قسم کی کپاس کی کاشت ۱۹۷۲-۷۳ء کے دوران ۲۸۴،۲ ہیکٹر، ۱۹۷۳-۷۴ء میں ۳۳،۱ لاکھ ہیکٹر اور ۱۹۷۴-۷۵ء میں ۵۸،۲ لاکھ ہیکٹر پر کی گئی تھی۔ حکومت نے تمام متعلقہ لوگوں سے گذارش کی ہے کہ وہ ۱۹۷۵-۷۶ء میں کاشت کا رقبہ اور بڑھائیں۔

کامیابی سے پورا کر چکے ہیں ریاست میں حکومت کے منظور شدہ اسکولوں نیز میونسپل کارپوریشنوں، میونسپل کونسلوں اور دیگر مقامی اداروں کی جانب سے چلائے جانے والے اسکولوں میں معیار اوّل تا ہفتم میں پڑھانے کیلئے مقرر کیا جائے۔ یہ مدرسین مہاراشٹر میں ایس۔ ایس۔ سی اور ڈی۔ ایڈ ٹیچروں کے برابر سمجھے جائیں گے۔

فی الحال حکومت نے ہدایات دے رکھی ہیں کہ ایس۔ ایس۔ سی اور ڈی۔ ایڈ تربیت یافتہ امیدوار پرائمری اسکولوں میں معیار اوّل تا ہفتم اور ثانوی اسکولوں میں معیار پنجم تا ہفتم میں تربیت یافتہ مدرس کی حیثیت سے مدرسی کے لئے مقرر کئے جائیں۔ اس کے علاوہ ایسے معاملات میں جہاں سرکاری منظور شدہ ٹریننگ کالجوں میں ذریعہ تعلیم کے طور پر کسی خاص زبان کے لئے سہولت نہیں ہے۔ ایسے امیدواروں کو بھی جنھوں نے دیگر ریاستی حکومتوں کی جانب سے چلائے جانے والے تربیتی کورس کامیابی سے پورے کر لئے ہیں حکومت کی منظوری سے تربیت یافتہ مدرسین کی حیثیت سے مقرر کئے جائیں۔

ریاستی حکومت کے علم میں یہ بات لائی گئی تھی کہ سرحدی علاقوں میں نیز ریاست کرناٹک میں بھی مراٹھی بولنے والے امیدواروں کے لئے سہولت اسی میں ہے کہ وہ بیلگام کے ٹریننگ کالج میں تربیت حاصل کریں۔ لیکن انھیں مہاراشٹر میں ٹیچر کی اسامی کے لئے مستحق نہیں سمجھا جاتا حالانکہ وہ ایس۔ ایس۔ سی پاس کر چکے ہیں نیز انھوں نے حکومت کرناٹک کی جانب سے مراٹھی ذریعۂ تعلیم سے چلایا جانے والا ٹی۔ سی۔ ایچ کورس بھی کامیابی سے پورا کر لیا ہے۔

اس صورت حال پر غور کرنے کے بعد حکومت نے مذکورہ بالا فیصلہ کیا ہے۔

کھیت اور کھلیان

کپاس کی کاشت : حکومت مہاراشٹر نے لمبے ریشے والی کپاس یعنی بری ایل۔ ۱۴۷ اور بری ۱۰۰۷ قسم کی کپاس کی وسیع کاشت کی اسکیم ۲۹ فروری ۱۹۷۶ء تک جاری رکھی ہے۔

مہاراشٹر میں تلہن کی ترقی : حکومت مہاراشٹر نے مہاراشٹر میں تلہن شمار کے لئے مرکز کی زیر سرپرستی اسکیم منظور کرلی ہے۔ یہ اسکیم ڈائرکٹر زراعت، پونا کی تجویز تھی اور انتظامی طور سے حکومت ہند نے اسے منظور کیا ہے۔ یہ اسکیم اضلاع عثمان آباد اور جلگاؤں میں زیر عمل لائی جائے گی۔ ضلع عثمان آباد میں یہ اسکیم ۱۳،۰۰۰ ہیکٹر رقبہ پر مونگ پھلی، ۷،۰۰۰ ہیکٹر پر سن فلاور اور ۵،۰۰۰ ہیکٹر پر السی کے لئے ہے۔ ضلع جلگاؤں میں یہ اسکیم ۹،۰۰۰ ہیکٹر رقبہ پر مونگ پھلی کے لئے ہے۔

ایگرو انفارمیشن یونٹ : حکومت مہاراشٹر نے ایگرو انفارمیشن کی اسکیم کو سال ۷۶-۱۹۷۵ء کے دوران جاری رکھا ہے۔ حکومت نے آغاز میں اس اسکیم کو سنہ ۱۹۷۴ء میں منظوری دی تھی تاکہ کاشتکاروں کو زراعتی اطلاعات فراہم کی جاسکیں اور ان کی مناسب تعلیم ہوسکے۔ اسکیم کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے حکومت نے اس کو مزید جاری رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔

ناخواندگی کے خاتمہ کے لئے
ضلع پریشد اور پنچایت سمیتیوں کو سرکاری امداد

حکومت مہاراشٹر نے ڈائرکٹر آف ایجوکیشن، پونا کو جاریہ سال کے دوران ریاست کی ۱۹ ضلع پریشدوں میں ۹۹،۵۶۴ روپے کی رقم تقسیم کرنے کا اختیار دیا ہے تاکہ ناخواندگی کو ختم کرنے کی اسکیم پر عمل آوری کی جاسکے۔

ضلع پریشدوں کے نام اور ان کو جو رقومات ملیں اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

ناسک (۶۹۸۳٫۵۰ روپے)؛ تھانہ (۱۰۲۰۰ روپے)؛ دھولیہ (۲۰۰۰ روپے)؛ پونا (۲۰۰۰ روپے)؛ کولابہ (۱۰،۰۰۰ روپے)؛ شولاپور (۵،۵۰۰ روپے)؛ کولھاپور (۴،۰۰۰ روپے)؛ ستارا (۶،۰۰۰ روپے)؛ بیڑ (۱۳۰۳۵ روپے)؛ ناندیڑ (۹۱۲۲ روپے)؛ پربھنی (۱۰۸۶ روپے)؛ ناگپور (۵،۰۰۰ روپے)؛ بھنڈارہ (۳،۰۰۰ روپے)؛ چندرپور (۴،۰۰۰ روپے)؛ وردھا (۲۰۱۲ روپے)؛ امراؤتی (۴،۰۰۰ روپے)؛ اکولہ (۳،۰۰۰ روپے)؛ بلڈانہ (۱۳۰۰ روپے) اور ایوت مال (۵۳۲۵٫۵۰ روپے)

اناج پیداوار کا تخمینہ لگانا
سروے توسیعی اسکیم جاری

حکومت مہاراشٹر نے اناج، سبزیاں وغیرہ پیدا کرنے کیلئے سروے توسیعی اسکیم کو ۲۹ فروری ۱۹۷۶ء تک جاری رکھا ہے۔

شروع میں یہ اسکیم سنہ ۱۹۷۰ء میں منظور کی گئی تھی۔

سنسکرت تعلیم کی حوصلہ افزائی

حکومت مہاراشٹر نے اپنی سنسکرت تعلیم کی حوصلہ افزائی کی اسکیم کے تحت بال مکند سنسکرت مہاودیالیہ، پونا اور بھونسلہ وید شاستر مہاودیالیہ ناگپور میں سے ہر ایک کو ۱۴،۰۰۰ روپے کی رقم بطور امداد برائے سال ۷۵-۱۹۷۴ء دینا منظور کیا ہے۔

شولاپور کانسلروں کی مدت میں توسیع

حکومت مہاراشٹر نے شولاپور میونسپل کارپوریشن کے موجودہ کانسلروں کی دفتری مدت میں ۳۱ مارچ ۱۹۷۵ء سے ۲۲ جون ۱۹۷۵ء تک کی توسیع کردی ہے۔

اسٹیٹ بینک کی گفٹ چیک اسکیم

حکومت مہاراشٹر نے اسٹیٹ بینک آف انڈیا کو اس کی پریمیم پرائز ڈپازٹ سرٹیفکیٹ اور گفٹ چیک اسکیم کو ۲۳ مارچ ۱۹۷۵ء سے مزید ایک سال کی مدت تک جاری رکھنے کی اجازت دی ہے۔

آٹومیٹک سگنل لائٹ کے لئے امداد

حکومت مہاراشٹر نے بمبئی میونسپل کارپوریشن کی جانب سے آٹومیٹک سگنل روشنی اور حفاظتی دیواریں لگانے کا کام پورا کرنے کے لئے اس کو مالی امداد کے طور پر ۱۲،۶۸،۹۰۴ روپے دینا منظور کئے ہیں۔

ڈاکٹر جی۔ ایم۔ ڈولکے

حکومت مہاراشٹر نے ناگپور کے ڈاکٹر جی۔ ایم۔ ڈولکے کو امراؤتی کے پروفیسر کے۔ ڈی۔ پیشاکر کی موت واقع ہونے سے خالی ہونے والی جگہ پر اس ایڈہاک کمیٹی کا رکن مقرر کیا ہے جو غیر مراٹھی داں سرکاری ملازمین کو مراٹھی کی تربیت دینے کے لئے حکومت کو مشورہ دینے نیز امتحان منعقد کرنے کے لئے دوبارہ تشکیل دی گئی ہے

بین الاقوامی خواتین سال ریاستی سطح کمیٹی کی تشکیل

حکومت مہاراشٹر نے ریاست میں بین الاقوامی خواتین سال منانے کے لئے ریاستی سطح کی کمیٹی قائم کی ہے۔

وزیر اعلیٰ شری ایس۔بی۔چوان اس کے صدر ہیں اور وزیر سماجی بہبود و صحت عامہ شریمتی پرتیبھا پاٹل اس کمیٹی کی نائب صدر ہیں۔

کمیٹی کی مدت کار ۳۱ر دسمبر ۱۹۷۵ء تک ہے۔

اس کمیٹی کے دیگر ممبران یہ ہیں: شریمتی پربھا راؤ، وزیر تعلیم؛ شری سوشیل کمار ایس شندے وزیر مملکت برائے سماجی بہبود؛ شریمتی زہرہ علی یاور جنگ؛ شریمتی وتسلا تائی۔ وی۔ نائیک؛ شریمتی کسم تائی ایس۔ وانکھیڈے؛ شریمتی شالینی تائی وی۔ پاٹل؛ شریمتی سُمتی مرارجی؛ ڈاکٹر (شریمتی) نجمہ ہیبت اللہ؛ شریمتی کملا سوہونی؛ شریمتی مالتی بائی بیڈیکر؛ شریمتی وِملا پاٹل؛ شری مکندراؤ کرلوسکر؛ کماری جیوتسنا ترِبھون؛ شریمتی ادیورکر سوشیلا؛ شریمتی یشودھرا بجاج؛ شریمتی کمل وچارے؛ شریمتی جے شری دیدیا؛ شریمتی (ڈاکٹر) ٹوپے؛ شریمتی مرینال گورے؛ ڈاکٹر (شریمتی) انجنا بائی مگر؛ شریمتی سُلبھا پندیکر؛ شریمتی کملا رمن؛ کماری شانتا دانی؛ شریمتی نلینی اپیتے، شریمتی رودرا دیتا پانڈے؛ شریمتی من بین کارا، شریمتی پرمیلا تائی چوان؛ شریمتی اکبر پیر بھائی؛ شریمتی مدھوری بین شاہ؛ شریمتی اوشا بھاؤسک اور شری مادھو ایس پالنسکر، سکریٹری سماجی بہبود، ثقافتی امور، اسپورٹس وسیاحت محکمہ (ممبر سکریٹری)۔

کھار اراضی بازیابی اسکیم

حکومتِ مہاراشٹر نے کھار اراضی سُدھار بورڈ، بمبئی کے لئے سرکاری حصّہ کے طور پر ۳۸,۵۵۰ روپے کی رقم منظور کی ہے جو بطور امداد کھار اراضی سُدھار اسکیمات کے سلسلہ میں ماہ جنوری ۱۹۷۵ء میں ہونے والے اخراجات کی ۵۰ فیصدی شرح سے قابلِ ادائیگی ہے۔

نیز حکومت نے بورڈ کیلئے اتنی ہی رقم کا قرض بھی عام حصّہ کے طور پر منظور کیا ہے جو مذکورہ بالا شرح ہی سے ادا ہوگا۔

وادھوبورزے کھار اراضی کی ترقیات اسکیم کی منظوری

حکومت نے ضلع کولابہ کے تعلقہ پین میں واقع وادھوبورزے موضع جات میں کھار اراضی کی ترقیاتی اسکیم کو منظوری عطا کر دی ہے۔ مکمل ہونے کے بعد اسکیم سے ۲۱۷ ایکڑ اراضی کے علاقے کو فائدہ ہوگا۔ اسکیم کے منصوبے اور تخمینے کی مناسب عہدیدار نے چھان بین کی ہے۔

راشن کی دوکانوں میں چاول بھاؤ کے بارے میں وضاحت

حکومتِ مہاراشٹر نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ کارڈ دار شخص اپنی پسند کے مطابق حکومتِ ہند کا چاول یا درآمد شدہ چاول خرید سکتا ہے۔ تمام راشن کی دوکانوں کے مالکان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ دونوں اقسام کا چاول رکھیں تاکہ کارڈ دار اپنی پسند کے مطابق مال لے سکے۔

بعض اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ راشن کی دوکانوں سے سپلائی کئے جانے والے چاول کے بھاؤ میں بے جا اضافہ کیا گیا ہے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ ساؤتھ انڈین کنزیومرس کوآپریٹیو ہول سیل اینڈ ریٹیل اسٹورس لمیٹڈ، بمبئی نے جسے سرکاری کھاتہ پر ریاست ہریانہ سے چاول درآمد کرنے کی اجازت دی گئی ہے، ہریانہ میں کھلے بازار میں [...] کر بمبئی پہنچایا ہے۔

حکومتِ ہند کا چاول جو راشن ک[...] سے دیا جاتا ہے، وصول شدہ چاول [...] فوڈ کارپوریشن آف انڈیا نے [...] چونکہ ساؤتھ انڈین اسٹورس نے چا[ول] بازار سے خریدا ہے لہٰذا اس کا بھ[اؤ] طور سے فوڈ کارپوریشن آف انڈ[یا] کے بھاؤ سے زیادہ ہے۔ یہ درآم[د] چاول راشن کی دوکانوں کے ذریعہ فو[ڈ کارپوریشن] آف انڈیا سے ملے ہوئے چاول کے حسب پسند تقسیم کیا جا رہا ہے۔

کرشنا ندی میں نجاست کی [...]

حکومتِ مہاراشٹر نے اعلان کیا [...] ۱۹۷۵ء سے کوئی شخص کرشنا، دودھ گنگا اور پنچ گنگا ندی واد[ی ...] قسم کا تجارتی یا دیگر فضلہ مہاراشٹرا [...] آب بورڈ کی اجازت کے بغیر نہ ڈا[لے ...] جسے آلودگی آب کی روک تھام [...] مخصوص علاقہ قرار دیدیا گیا ہے۔

ضلع ناسک میں حالتِ قا[...]

حکومت مہاراشٹر نے ضلع ناسک [...] دیہاتوں میں ناکافی بارش کے باع[ث ...] کی فصل خریف کے دوران خریف فص[ل ...] وجہ سے حالتِ قلت کا اعلان کر دیا [...] دیہاتوں کی تعداد یہ ہے۔

مالیگاؤں میں ۹۳؛ بگلان میں ۱۲۶؛ [...] ۴۲؛ ایولہ میں ۱۸؛ اور ناسک میں [...] یہ احکامات ۳۰ر ستمبر ۱۹۷۵ء تک لاگ[و ...]

حکومت نے ان دیہاتوں میں ضرورتمند[وں ...] ضماتِ روزگار اسکیم کے تحت کام شروع کرنے [...]

ضلع دھولیہ میں حالتِ قلت

حکومت مہاراشٹر نے ضلع دھولیہ میں ناکافی اور بے قاعدہ بارش کے باعث فصلِ خریف نہ ہونے سے تعلقہ دھولیہ کے ۸۸ دیہاتوں، تعلقہ سکری کے ۳۳ دیہاتوں اور سِندکھیڑا تعلقہ کے ۳۱ دیہاتوں میں حالتِ قلت کا اعلان کر دیا ہے۔

سرکاری ملازمت میں پسماندہ طبقات کی نمائندگی

کمیٹی کی دوبارہ تشکیل

حکومتِ مہاراشٹر نے ریاستی حکومت اور لوکل باڈیز، کارپوریشن اور ریاستی حکومت کے زیر کنٹرول بورڈوں میں ملازمت اور اسامیوں کے لئے پسماندہ طبقات کی بھرتی کے معاملے میں مختلف محکموں نے کیا کارگذاری کی ہے اس کا جائزہ لینے کی غرض سے ایک کمیٹی کی دوبارہ تشکیل کی ہے۔

کمیٹی کے چیرمین وزیر اعلیٰ ہیں۔ کمیٹی کے دوسرے اراکین میں وزیر سماج سُدھار؛ وزیر ہاؤسنگ؛ شری آر۔ ایس۔ گوئی، ڈپٹی چیرمین مہاراشٹر لیجسلیٹو کونسل؛ وزیر مملکت برائے جنگلات۔ اور جیل؛ وزیر مملکت برائے سماج سُدھار دیہی ترقی؛ وزیر مملکت برائے مواصلات اور یوتھ ویلفیر؛ حکومت کے سکریٹری (پرسنیل ڈیویژن) جنرل ایڈمنسٹریشن ڈپارٹمنٹ؛ سکریٹری (اول) محکمہ داخلہ؛ حکومت کے سکریٹری برائے محکمہ سماج سدھار، ثقافتی امور، اسپورٹس اور سیاحت؛ حکومت کے سکریٹری برائے محکمہ دیہی ترقیات؛ ڈائرکٹر آف ایمپلائمنٹ اور ڈائرکٹر آف سوشل ویلفیر (رکن/سکریٹری)۔

مہاراشٹر کے محکمۂ سماجی بہبود کی جانب سے منعقد کردہ 'ادیباسی ضمنی اسکیم' پر سمپوزیم کا افتتاح شری شنکر راؤ چوہان نے ۲۱ مارچ ۱۹۷۵ء کو سچیوالیہ میں کیا۔ اس موقع پر وزیر اعلیٰ تقریر کرتے ہوئے:

ملازمین، ریاستی بیمہ اسکیم

۹ لاکھ سے زیادہ ورکر فیضیاب

ملازمین ریاستی بیمہ اسکیم کے تحت ماہ فروری ۱۹۷۵ء کے دوران برسرِ ملازمت، جراحت، علالت اور زچگی کی صورتوں میں ۹,۹۴,۴۲۰ صنعتی مزدوروں کی دیکھ بھال کی گئی۔

اس ماہ ۹۱۰ حادثات ہوئے اور ۲,۶۲۵ اشخاص کو ۲,۲۹,۰۹۷ روپے کی رقم بطور عارضی معذوری معاوضہ ادا کی گئی۔ اس کے علاوہ مستقل معذوری کے ۲۹۵ نئے کیس داخل کئے گئے اور اس سلسلہ میں امداد کے لئے ۴۰۷،۱۸،۹ روپے کی رقم ادا کی گئی نیز اس ماہ کے دوران لواحقین کے فائدے کے لئے ۱,۱۳,۲۹۶ روپے کی رقم ادا کی گئی۔

علالت معاوضہ کے لئے تقریباً ۳۶,۷۶۲ نئے مطالبات قبول کئے گئے اور ۱۴,۲۳,۲۰۴ روپے کی رقم علالت معاوضہ کے طور پر ادا کی گئی۔ دق اور دماغی امراض وغیرہ میں مبتلا بعض بیمہ شدہ اشخاص کے لئے زیادہ توجہ درکار ہوتی ہے لہٰذا انھیں لمبی مدت کے لئے بیماری معاوضہ دیا جاتا ہے۔ اس مد میں ۲۴,۴۹,۸۹۲ روپے ادا کئے گئے۔

اس ماہ کے دوران زچگی معاوضہ کیلئے ۱۹۴ نئے مطالبات قبول کئے گئے اور اس کے لئے ۱,۶۱,۹۳۸ روپے ادا کئے گئے۔ بیمہ شدہ اشخاص کی بیویوں کے زمانۂ حمل کے اخراجات کے لئے ۷۸,۰۰۰ روپے ادا کئے گئے۔ ۱۲۸ معاملات میں کفن دفن اخراجات کی غرض سے ۱۲,۷۹۷ روپے دیئے گئے۔ ایس بی ۲۰ حسابات تاخیر سے پیش کرنے پر ۲۹۰ معاملات میں قانونی کارروائی کی گئی۔

قلعہ راج گڈھ: حکومت مہاراشٹر نے قلعہ راج گڈھ کو قدیم تاریخی یادگار قرار دیدیا ہے جسکی آثار قدیمہ ایکٹ بابت ۱۹۶۰ء کے تحت حفاظت کی جائے گی۔

خبرنامہ

تپ دق کا آغاز میں ہی پتا لگایا جائے!
شریمتی پرتبھا پاٹل کا ٹی۔بی۔ مشاورتی بورڈ سے خطاب

شریمتی پرتبھا پاٹل، وزیر صحت عامّہ نے ایسی مشینری تیار کرنے کی ضرورت پر زور دیا جو پوری ریاست میں تپ دق سے متاثرہ افراد کا آغاز میں اور وقت پر ہی پتہ لگا سکے۔

موصوفہ ۲۱ مارچ کو سچیوالیہ میں منعقدہ دوبارہ تشکیل کردہ ریاستی مشاورتی بورڈ برائے تپ دق کی پہلی میٹنگ سے خطاب کر رہی تھیں۔ آپ بورڈ کی چیرمین بھی ہیں۔

تپ دق کے مریضوں کے جلد سے جلد علاج کے لئے انھوں نے سرکاری، سوک باڈیوں اور رضاکار انجمنوں کے تمام ذرائع یکجا کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے تجویز کیا کہ تپ دق کے مریضوں کا معائنہ آنکھ کیمپ اور ایسے دوسرے کیمپوں میں ماہرین فراہم کرکے کیا جاسکتا ہے۔ اس سے منتظم نیز مریضوں کا وقت، پیسہ اور طاقت بچے گی۔

انہوں نے بمبئی میونسپل کارپوریشن کو مشورہ دیا کہ وہ چلتی پھرتی یونٹوں کے ذریعہ گندی بستیوں میں بی۔سی۔جی کی مہم شروع کریں۔

تپ دق اور سینے کے دوسرے امراض پر کانفرنس!

ریاستی انسداد تپ دق ایسوسی ایشن کے ذریعہ منعقد کردہ تیرھواں ریاست مہاراشٹر تپ دق اور سینے کے امراض کانفرنس کا افتتاح بمبئی میں ۲۰ مارچ کو گورنمنٹ ڈینٹل کالج میں شریمتی پرتبھا پاٹل

وزیر صحت عامّہ نے کیا۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے شر[illegible]
وقتاً فوقتاً معائنہ کرواتے رہنے پر زو[illegible]
بس کنڈکٹر، مدرسین وغیرہ جو کہ عوام [illegible]
قربت رکھتے ہیں۔

انھوں نے فرمایا کہ پورے ملک میں [illegible]
مریضوں کے لئے جو ۳۹,۰۰۰ بستر [illegible]
ریاست مہاراشٹر میں ۰۰۰,۷ سے زائد [illegible]

ڈاکٹر لیون ڈیسوزا، وزیر مملکت بر[illegible]
نے سماجی انجمنوں سے اپیل کی کہ وہ ا[illegible]
نجات کی جنگ میں ریاستی حکومت [illegible]
میں آگے بڑھ کر تعاون عطا کریں۔

ڈاکٹر این۔سی۔ پوری نے شکریہ ادا کیا۔

ضمانت روزگار اسکیم پر ہر پہلو سے غور و خوض کرنے کیلئے ماہر معاشیات سوشیل ورکرز، کابینہ کے ممبران اور سرکاری افسران کی ایک میٹنگ ۲۷ مارچ کو سچیوالیہ میں منعقد ہوئی۔ اس موقع پر لی گئی تصویر میں وزیراعلیٰ شری شنکر راؤ چوان، اسمبلی کے اسپیکر شری ایس۔کے۔ وانکھیڈے، کونسل کے چیرمین شری وی۔ ایس۔ پاگے اور مہاراشٹر پ[illegible] کمیٹی کے صدر شری پی۔کے۔ ساونت نظر آرہے ہیں۔

کاشتکاروں نے اناج کے ساتھ وزیر اعلیٰ کا استقبال کیا

شری چوان ضلع احمد نگر میں :

پراورا نگر کوآپریٹیو شوگر فیکٹری علاقے کے کاشتکاروں نے ۲۳ر مارچ کو احمد نگر میں لونی کے مقام پر ۷,۰۰۰ بورے جوار اور گیہوں لیوی دے کر وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان کا استقبال کیا۔

وزیر اعلیٰ کو بھی سجائی بیل گاڑیوں کے ایک زبردست جلوس میں شہر کی سرحد سے لے جایا گیا۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری چوان نے فرمایا کہ کاشتکاروں کو یہ بات دھیان میں رکھنی چاہئے کہ سماج اور حکومت نے زیادہ سے زیادہ اناج پیدا کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ پانی فراہم کرکے جو قربانی کی ہے اس کا وہ اچھا استعمال کریں۔

شری بی۔ جے۔ کھتال، وزیر مملکت برائے محصولات، قانون و انصاف، منصوبہ بندی و اطلاعات و پبلسٹی، جلسہ کے مہمان خصوصی تھے۔

وزیر اعلیٰ کی موجودگی میں ان کی اپیل کے جواب میں ۳۵۰ جھونپڑے بے زمین مزدوروں کے لئے تعمیر کرنے کا اعلان کیا گیا۔ جھونپڑے تعمیر کرنے والے اداروں کے نام یہ ہیں ؛ پراوا نگر کوآپریٹیو شوگر فیکٹری (۱۰۰)، راہوری کوآپریٹیو شوگر فیکٹری (۱۵۰) اور شری سائی بھکت سیوا منڈل (۱۰۰)۔

اسی موقع پر وزیر اعلیٰ کو آٹھ لاکھ روپے کی رقم پیش کی گئی جو کہ چھوٹی بچت میں لگائی گئی تھی۔

مہاراشٹر خاندانی منصوبہ بندی نشانے سے آگے

حکومت ہند نے حکومت مہاراشٹر کے لئے نس بندی آپریشن کا نشانہ ۱,۹۰,۱۰۰ مقرر کیا تھا لیکن فروری ۱۹۷۵ء کے اختتام تک ریاست میں ایسے آپریشنوں کی تعداد ۲,۴۴,۲۰۳ تک پہنچ گئی۔ اس طرح ریاست نے مالی سال کے اختتام سے ایک ماہ قبل ہی حکومت ہند کے مقرر کردہ نشانے سے آگے نکل کر ۱۰۷,۴۳ فیصدی نشانہ پورا کرلیا۔ اسی طرح انسداد حمل گولیوں کے استعمال کرنے والوں کی تعداد اسی مدت میں دو لاکھ ۲۵ ہزار ہوگئی جبکہ مقررہ نشانہ دو لاکھ تھا یعنی ۱۱۲,۵۰ فیصدی نشانہ پورا کرلیا گیا۔ بہرحال آئی۔یو۔ڈی کا دیا گیا نشانہ جو کہ ۱۵,۵۰۰ کا تھا اس کا ۶۱,۹۰ فیصدی بھی پورا کرلیا گیا۔

پولس زچگی ہسپتال کو امداد

حکومت مہاراشٹر نے بعض شرائط پر دہلی کے پولس زچگی ہسپتال کو ایک لاکھ روپے کی مالی امداد کی ادائیگی کی منظوری عطا کردی ہے۔

ریاست مہاراشٹر ناٹیہ مہوتسو ڈرامے کے بہترین اسکرپٹ پر انعامات

شری ستیش آلیکر کو 'مہانروان' ڈرامے کے اسکرپٹ کیلئے اوّل مصنف انعام ۵۰۰ روپے اور دوسرا انعام ۳۰۰ روپے کا شری رتناکر متکری کو ان کے "آرنیک" پر شہری مراٹھی ڈرامہ مقابلہ میں ملا جس کا انعقاد محکمہ برائے ثقافتی امور نے کیا تھا۔ دیہی ڈرامہ مقابلے میں مصنف کا پہلا انعام ۲۵۰ روپے شری وی۔ پی۔ مالی کو ان کے ڈرامے "تو تو نویج" کے اسکرپٹ پر ملا۔ ۲۵۰ روپے کا پہلا انعام شری جے کمار بھوساری کو ان کے ڈرامے "ناچ تو ناٹیشور" کے اسکرپٹ پر اور شریمتی مالتی بائی ڈانڈیکر کو دوسرا انعام ستو روپے کا ان کے ڈرامے 'مہارانی' کے اسکرپٹ پر مراٹھی میوزیکل ڈراموں کے مقابلے میں ملا۔

چونکہ ہندی ڈرامے کیلئے ایک بھی اصلی اسکرپٹ انعام کا مستحق نہیں تھا اس لئے ججوں کے پینل نے ہندی ڈرامے کے لئے کسی بھی انعام کی سفارش نہیں کی۔

شری دنیانیشور ناڈکرنی، شری شانتارام ریگے، شری وسنت شرواڈکر اور پروفیسر سروجنی ویدیہ نے مراٹھی اسکرپٹ کے ججوں کے فرائض انجام دئے جبکہ پروفیسر مادھو ماہولکر اور شری اُماکانت نارنگے ہندی اسکرپٹ کے جج تھے۔

نرسری و مظاہراتی فارم

حکومت مہاراشٹر نے ۶,۲۴,۰۰۰ روپے کے تخمینی مصارف سے گنا نرسری و مظاہراتی فارم کے قیام کی اسکیم مزید ۲۹ر فروری ۱۹۷۶ء تک جاری رکھی ہے۔

صارفین کو دودھ اُبالنے کا مشورہ

گرمی کے موسم کی وجہ سے بمبئی میں درجۂ حرارت کافی زیادہ ہے۔ ان حالات میں بمبئی عظمیٰ دودھ اسکیم کے کارڈ رکھنے والوں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ جیسے ہی وہ دودھ کی بوتل حاصل کریں دودھ نکال کر فوراً اُبال لیں تاکہ دودھ خراب ہوجانے کے امکانات نہ رہ جائیں۔ دودھ رکھنے کے لئے ریفریجریٹر کا استعمال کرنے والے صارفین سے بھی گذارش ہے کہ وہ بھی دودھ کو اُبالنے کے بعد ٹھنڈا کرکے اگر ضرورت ہو تو ریفریجریٹر میں رکھیں۔

ایک بار پھر سب سے درخواست ہے کہ دودھ کی بوتل سے دودھ نکالنے کے بعد بوتل کو اچھی طرح دھوکر ہی دودھ مراکز پر واپس کریں۔

❖

ہوٹلوں میں آسائشوں پر ٹیکس ترمیمی بل پاس

مہاراشٹر ٹیکس برائے آسائش (ہوٹلوں اور لاجنگ ہاؤس میں) ترمیمی بل کو مہاراشٹر لیجسلیٹیو کانسل نے ۱۷ مارچ ۱۹۷۵ء کو پاس کر دیا۔ اس بل کو ماقبل اسمبلی نے پاس کر دیا تھا۔

مہاراشٹر ٹیکس برائے آسائش (ہوٹلوں اور لاجنگ ہاؤس میں) ایکٹ بابت ۱۹۷۴ء گذشتہ سال کے بجٹ اجلاس میں پاس کیا گیا تھا۔ ایکٹ پر عمل آوری کے دوران بعض خامیاں پائی گئیں۔ ان خامیوں کو دور کرنے کے لئے ترمیمی بل پیش کیا گیا۔

شری آر۔ وی۔ بیلوسے، وزیر مملکت برائے سیاحت مضوں نے یہ بل پیش کیا۔ فرمایا کہ اس ایکٹ کے تحت ریاست کے ۲۶ ہوٹل آتے ہیں جن سے اس مد میں سالانہ ۲ لاکھ روپے وصول کئے جائیں گے۔ یہ بل جب نافذ کیا جائیگا توامید ہے چار لاکھ روپے کی مزید رقم وصول ہو سکے گی۔

لیبر سوسائٹیوں کو فوری ادائیگی حکومت کی ہدایت

حکومت مہاراشٹر نے ریاست کے محکمہ عمارات و مواصلات کے افسران کو ہدایت کی ہے کہ لیبر کوآپریٹیو سوسائٹیوں کو ان کے ذریعے کئے گئے کاموں کے لئے رقموں کی ادائیگی فوری طور پر کریں۔

حکومت نے یہ پالیسی اس لئے اپنائی ہے تاکہ ان سوسائٹیوں کو کام سونپا جائے جس سے عوام کے کمزور طبقہ کو معاشی طور پر مدد حاصل ہو سکے اور اسی لئے ان کو فوری طور پر کام کا معاوضہ ملنا چاہیئے۔ اگر کسی جائز وجہ کی بنا پر یہ ممکن نہ ہو تو قاعدے کے تحت ان کو پیشگی ادائیگی کی جائے گی۔

گندی بستیوں کو صاف کرنے کا کام کیجئے طلبہ سے وزیر اعلیٰ کی اپیل

شری ایس۔ بی۔ چوان، وزیر اعلیٰ مہاراشٹر کو ۲۰ مارچ کو طلبہ کی ثقافتی انجمنوں کی جانب سے مبارکباد پیش کی گئی۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری چوان نے طلبہ سے اپیل کی کہ وہ ریاستی حکومت کے ساتھ اس کی گندی بستیوں کو ختم کرنے نیز بہتری کے پروگرام کے نفاذ میں تعاون دیں۔ انھوں نے ان سے یہ بھی استدعا کی کہ وہ دیہی علاقوں میں بے زمین مزدوروں کے گھروں کی تعمیر کی اسکیم کو رو بہ عمل لانے میں مدد کریں۔

شری ٹی۔ کے۔ ٹوپے، وائس چانسلر، بمبئی یونیورسٹی نے یونیورسٹی طلبہ کے ذریعے کئے گئے سماجی کاموں کے بارے میں بتایا۔ کماری سشما جین نے جلسہ کی صدارت کی۔ شری ایشور کھیر موڈے نے شکریہ ادا کیا۔

کھاد کی مقدار پر پابندی ختم

حکومت مہاراشٹر نے کسی کوآپریٹیو سوسائٹی کو جس کے پاس کھاد بیوپاری لائسنس ہو مہاراشٹر اسٹیٹ ویرہاؤسنگ کارپوریشن اور سینٹرل ویرہاؤسنگ کارپوریشن کے گوداموں میں کھاد کے سرکاری اسٹاک سے فروخت کی جانے والی کھاد کی مقدار پر پابندی میں نرمی کر دی ہے۔

لہٰذا مذکورہ سوسائٹیاں سرکاری اسٹاک سے نقد ادائیگی پر جتنی مقدار میں چاہیں کسی بھی قسم کی کھاد لے سکتی ہیں۔

کھاد کی سپلائی پوزیشن بہتر ہو جانے کی وجہ سے حکومت نے یہ رعایت کی ہے۔

تھانہ میں چھوٹی بچت مہم

ضلع تھانہ کے ۶۵ اسکولوں کے طلبہ وطالبات نے چھوٹی بچت میں ۔ روپے جمع کئے۔ مختلف اسکولوں میں درمیانی 'سنچائکا' بچت گروپ کے یکجا کی گئی۔

بیج تجزیہ لیبوریٹ

حکومت مہاراشٹر نے پونا اور ناگ کے تجزیہ کے لئے قائم موجودہ لیبو اورنگ آباد میں ایسی نئی لیبوریٹری کی اسکیم ۷۶-۱۹۷۵ء کے دوران جا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے تخمینی م ۶٫۵۷٫۰۰۰ روپے ہیں۔

دودھ میں ملاوٹ کرنے

اُلہاس نگر کے فرسٹ کلاس جیوڈ نے حال ہی میں اُلہاس نگر کے ایک سموئل ایشرداس چھابڑیا کو ملاوٹ فروخت کرنے پر چھ مہینے کی قید ب ایک ہزار روپے جرمانہ اور بصورت جرمانہ مزید تین ماہ کی قید با مشقت

قلمی معاذین ۔

اپنی تخلیقات کے خاتمہ پر ب اپنا مکمل پتہ ضرور تحریر فر نام کے ساتھ اصل نام بھی ناطلبیدہ مضامین کی ایک نقل اپنے پاس ضر

وزیراعلیٰ شری شنکر راؤ چوان نے ۲۹ مئی ۱۹۷۵ء کو پنویل۔ ماتھیران راستے کے پہلے مقام پر باندھے گئے گاڑھی ندی کے پل کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر لی گئی تصویر میں شری اے۔ آر۔ انتولے، وزیر برائے تعمیرات و مواصلات اور مہاراشٹر پردیش کانگریس کے صدر شری پی۔ کے۔ ساونت بھی نظر آرہے ہیں۔

انوی مدرسین یا غیر تدریسی اراکین کی ملازمت کی منسوخی

حکومت کی وضاحت

حکومت مہاراشٹر وضاحت کرتی ہے کہ وہ مدرسین یا غیر تدریسی اراکین جن کو تربیت یا رخصتی ہوں پر ملازم رکھا جاتا ہے اُن کی ملازمت کو بغیر حکومت کی منظوری کے ختم کیا جاسکتا ہے اگر ان تقرری کے حکمنامے میں یہ صاف صاف درج ہو کہ ان کی تقرری بالکل عارضی تھی اور صرف محدود ت کیلئے انھیں بغرض تربیت یا رخصت پر گئے کسی مدرس کی جگہ پر عارضی طور پر رکھا گیا تھا۔

ایسے مدرسین یا غیر تدریسی اراکین کے املے میں جن کے تقرری کے کاغذات پر ما درج نہیں ہے کہ انھیں محدود مدت لئے بغرض تربیت یا رخصتی اسامی پر ین کیا گیا ہے تو ان کی ملازمت ختم کرنے لئے حکومت سے منظوری لینا ضروری ہوگا ، اجازت دینے سے قبل اس بات پر کافی یان دینا چاہیے کہ ایسے مدرسین یا ملازمین کا ۔ تربیت یا رخصتی اسامی پر کیا گیا ہو۔

اس کے تحت حکومت نے اپنے قبل کے حکمنامے میں ترمیم کر دی ہے۔ حکومت نے ماقبل ہدایت کی تھی کہ لگلے احکامات ملنے تک ثانوی اسکولوں کے انتظامیہ ایسے مدرسین کی ملازمتوں کو ختم کرنے کا نوٹس جاری نہ کریں جن کا تقرر ۷ رفروری ۱۹۷۴ء کے بعد کیا گیا ہو چاہے وہ غیر تربیت یافتہ عارضی مدرس ہی کیوں نہ ہوں۔

ہر سال کتنے ہی غیر سرکاری ثانوی اسکولوں کے مدرسین کو بی۔ ایڈ یا ڈی۔ ایڈ کی تربیت کے لئے بھیجا جاتا ہے اور ایسے اسکولوں کا انتظامیہ ایسے مدرسین کی جگہوں پر بدلی مدرس مقرر کرتا ہے۔ اسی طرح بعض مدرس یا ملازم رخصت پر جاتے ہیں جن کی جگہوں پر بھی دوسرے لوگوں کا عارضی تقرر کیا جاتا ہے۔

ریاستی سطح کمیٹی

حکومت مہاراشٹر نے ریاستی سطح کمیٹی زیر صدارت ڈائرکٹر آف ایگریکلچر برائے کسان تربیت اور باضابطہ پڑھائی پروگرام کی میعاد ۳ رنومبر ۱۹۷۴ء سے مزید تین سال کیلئے بڑھادی ہے۔

کسان گروپ اسکیم جاری

حکومت مہاراشٹر نے اسکیم برائے "کسان عوامی بحث گروپ" آئندہ ۲۹ ر فروری ۱۹۷۶ء تک جاری رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔

وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان نے ۲۸ مئی ۱۹۷۵ء کو بمبئی میں مہاراشٹر اسٹیٹ کوآپریٹیو مارکیٹنگ فیڈریشن کی سولہویں سالانہ کانفرنس کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر لی گئی تصویر میں فیڈریشن کے صدر شری گنگٹ راؤ بھوسلے اور وزیر مملکت برائے امداد باہمی ناناصاحب سپکال بھی نظر آرہے ہیں۔

کاشتکاروں کا اعتماد حاصل کیا جائے!

مارکیٹنگ فیڈریشن سے وزیر اعلیٰ کی اپیل

شری شنکر راؤ چوان، وزیر اعلیٰ مہاراشٹر نے مارکیٹنگ فیڈریشن سے کہا کہ صاف ستھرے انتظامیہ اور فوری خدمات کے ذریعہ کاشتکاروں کا اعتماد حاصل کرے۔ شری چوان ۲۸ مئی کی صبح کو بمبئی میں مہاراشٹر اسٹیٹ مارکیٹنگ فیڈریشن کی سولہویں سالانہ کانفرنس سے خطاب کر رہے تھے۔

شری چوان نے فرمایا کہ سرکاری امداد پر تکیہ کرنے کی بجائے فیڈریشن کو تجارتی کارروائیاں کرکے خودکفیل بننا چاہیے۔

شری چوان نے فرمایا کہ کپاس اجارہ داری اسکیم کی کپاس میں آگ لگنے کے واقعات کی

وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان — ۳۰ مئی ۱۹۷۵ء کو سیکریٹریٹ میں خریف پروگرام برائے سال ۱۹۷۵ء پر بحث کیلئے منعقدہ بمبئی ڈویژن کی بیٹھک کو خطاب کر رہے ہیں۔ اس موقع پر لی گئی تصویر میں شری اے۔آر۔ انتولے، وزیر قانون و عدلیہ، شری شرد پوار، وزیر زراعت اور شری وسنت دادا پاٹل، وزیر آبپاشی اور بجلی بھی نظر آرہے ہیں۔

گہری چھان بین کرکے عوام کے خدشات کو دور چاہیے۔

شری چوان نے کپاس خریداری مراکز پر فیڈ کی جانب سے غیر ضروری اخراجات میں کمی کر کام میں تاخیر کو دور کرنے کی کوشش پر زو انہوں نے اسکیم کو کامیابی سے ہمکنار کرنے تعلقہ اور ضلع سطح کی ملحقہ سوسائٹیوں سے لینے کا مشورہ دیا۔

شری گنگٹ راؤ بھوسلے، فیڈریشن کے نے مطلع کیا کہ ۷۳-۱۹۷۲ء اور ۷۴-۱۹۷۳ء دوران کاشتکاروں کو بالترتیب ۲۰ کروڑ ۱۱ کروڑ روپے کا فائدہ ہوا۔

بیٹھک میں شری رتنپا کنبھار، وزیر و سول سپلائز اور شری این۔ ایس۔ س وزیر مملکت برائے امداد باہمی نے بھی شرکت

سانتا کروز ٹاؤن پلاننگ اسکیم ٹریبونل کا تقرر

حکومت مہاراشٹر نے ٹاؤن پلاننگ برائے سانتا کروز نمبر ۲ (دوسری تبدیلی) ا کے معاملات میں اپیل کا فیصلہ کر غرض سے شری جی۔ ایچ۔ گنگل، جج، بمبئی سول کورٹ کو اپیل ٹریبونل کے صدر کے مقرر کیا ہے۔

]گیشوری فساد سے متاثرہ خاندانوں کو نقد امداد

جوگیشوری کے فساد سے متاثر ہونے والے [ت]ریباً ۷۲۸ خاندانوں کو ان کے نقصان کی بنیاد [پر] ۱۰۰ روپے سے ۵۰۰ روپے تک نقد امداد [دی] گئی۔

شری رام ناتھ پانڈے، وزیر مملکت برائے [تع]لیم و محنت نے ۳۱ مئی ۱۹۷۵ء کو جوگیشوری [پول]س اسٹیشن میں منعقدہ ایک جلسہ کے دوران [ی]ہ امداد تقسیم کی۔

فساد میں جن لوگوں کی جانیں گئیں اُن کے [پسما]ندہ داروں کو فی کس ۲,۰۰۰ روپے منظور کئے [گئ]ے۔ اس کے علاوہ ۸۰ مزید بے گھر خاندانوں کو [کال]ونی میں واقع مہاراشٹر ہاؤسنگ بورڈ کالونی میں [من]تقل کیا گیا۔

وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان نے ۳۰ مئی ۱۹۷۵ء کو بمبئی میں ٹریننگ جہاز "راجندر" کے بحری طلبہ کو انعامات دئے۔ اس موقع پر لی گئی تصویر!

جوگیشوری کا علاقہ جو کہ بمبئی عظمیٰ کے مغربی [م]ضافات کے تحت آتا ہے وہاں حال ہی میں دوبار [فس]اد ہوئے۔ ایک بار نومبر ۱۹۷۴ء میں اور [دو]سری بار جنوری ۱۹۷۵ء میں۔ مختلف فرقوں سے تعلق رکھنے والے خاندانوں کی ایک بڑی [تع]داد کو کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ کچھ جانیں بھی [گئ]یں۔

نومبر فساد کے بعد لائنز کلب آف اندھیری/ جوگیشوری نے فساد سے متاثرہ افراد کو امداد [ف]راہم کرنے کا انتظام کیا۔ بہر حال جنوری کے [ف]ساد کے بعد امداد کا کام بمبئی خفیہ پولس کی [خ]صوصی شاخ کو سونپا گیا۔ شاید ملک میں پہلی بار سرکاری طور پر پولس کو امداد فراہم کرنے کی [ذ]مہ داری دی گئی۔ اس وقت کے وزیر اعلیٰ شری [و]ی۔ پی۔ نائک نے ۳۵,۰۰۰ روپے منظور کئے جو کہ فساد سے متاثر ۳۴۴ افراد اور ۹۴ خاندانوں میں تقسیم کئے گئے۔ جو افراد بے گھر ہو گئے تھے ان کو ایم۔ ایچ۔ بی کالونی مالونی میں منتقل کیا گیا۔

اس دوران وزیر اعظم نے جوگیشوری فساد سے متاثرین کیلئے پچاس ہزار روپے منظور کئے اور شری ایس۔ بی۔ چوان، وزیر اعلیٰ مہاراشٹر نے بھی وزیر اعلیٰ ریلیف فنڈ سے پندرہ ہزار روپے منظور کئے۔ یہ رقم بھی پولس کو فراہم کی گئی تاکہ فساد سے متاثرین کو مزید راحت فراہم کی جائے۔

امداد کی تقسیم کے بعد عوام سے خطاب کرتے ہوئے شری پانڈے نے فرمایا کہ وہ سب آپس میں مل جل کر امن و امان سے رہیں۔ انہوں نے پولس کی بھی تعریف کی جس نے فساد سے متاثرہ علاقے کو معمول پر لانے کے لئے زبردست کوشش کی اور امدادی اقدامات کا انتظام کیا۔

جلسہ میں جو لوگ موجود تھے، ان میں شری ایس۔ ایس۔ جوگ، ایڈیشنل کمشنر آف پولس، شری وی۔ بالچندن، ڈپٹی کمشنر آف پولس، اسپیشل برانچ، شری ایم۔ جی۔ نراھنے، ڈپٹی کمشنر آف پولس، زون IV، شری موکاشی، اسسٹنٹ کمشنر آف پولس اور دوسرے پولس افسران شامل تھے۔

مہاراشٹر زمین سدھار کارپوریشن ڈائرکٹران کا تقرر

حکومت مہاراشٹر نے لینڈ ڈیولپمنٹ کارپوریشن لمیٹیڈ، پونا کے بورڈ آف ڈائرکٹرس میں سات ڈائرکٹروں کا تقرر کیا ہے۔

شری کے۔ ایم۔ پاٹل، وزیر مملکت برائے زراعت ڈائرکٹروں کے بورڈ کے چیرمین ہیں۔

دیگر ڈائرکٹران یہ ہیں: شری ڈی۔ ڈی ساٹھے، چیف سکریٹری، حکومت مہاراشٹر؛ شری شبرامنیم، ایڈیشنل ڈیولپمنٹ کمشنر اور سکریٹری، پلاننگ ڈپارٹمنٹ؛ شری بی۔ کے۔ چوگلے، سکریٹری، محکمۂ زراعت و امداد باہمی؛ شری ایل۔ ایس۔ ملا، سکریٹری، محکمۂ محصول و جنگلات؛ شری کے۔ وی۔

پونہ ضلع کے وکاس گٹ میں بے زمین دبے کچلے کاشتکار مزدوروں کے لئے بنائے گئے پکے اور مضبوط مکانات کی تصویر میں نئے مکانات کے قریب پرانی جھونپڑی بھی نظر آرہی ہے۔ یہ مکانات یشونت سہکاری شکر کارخانہ، تھیور، کرشی اُتپادن بازار سمیتی، حویلی تعلقہ سہکاری خریدی بکری سنگھ اور تعلقہ پنچایت سمیتی کی امداد سے باندھے گئے ہیں۔

ڈیسائی، کمانڈ ایریا ڈیولپمنٹ کمشنر اور سکریٹری، محکمۂ آبپاشی و بجلی اور شری آر۔جی۔اوک ایڈیشنل ڈائرکٹر آف ایگری کلچر (انجینئرنگ)۔

شری آر۔جی۔اوک، ایڈیشنل ڈائرکٹر آف ایگری کلچر (انجینئرنگ) کارپوریشن کے مینجنگ ڈائرکٹر کی حیثیت سے بدستور برسرکار رہیں گے۔

آرے گھی کی قیمتوں میں کمی

آرے گھی کی قیمت میں یکم جون ۱۹۷۵ء سے مزید دو روپیوں کی کمی کر دی گئی ہے۔ اب یہ گھی (کھلا) ۱۸ روپے فی کلوگرام دستیاب ہوگا۔

منظوری منسوخ

حکومتِ مہاراشٹر نے یونیورسل ہائی اسکول، گورے گاؤں (مغربی) کے درجہ دہم اور درجہ نہم کو دی ہوئی منظوری یکم جون ۱۹۷۵ء سے منسوخ کر دی ہے۔ کاسموپولیٹن ہائی اسکول، ملنڈ کے درجہ دہم کی منظوری بھی منسوخ کر دی گئی ہے۔

دی انفینٹ اینڈ جیسس اسکول جوگیشوری غیر تسلیم شدہ اسکول ہے اور اس کے طلبہ منظور شدہ اسکولوں میں داخلے کے مستحق نہ ہوں گے۔

ایگزیکیوٹیو مجسٹریٹ

حکومت مہاراشٹر نے ضابطۂ فوجداری بابت ۱۹۷۳ء کے تحت بمبئی عظمیٰ میں ایک سال کی مدت کیلئے ۱۵۳۳ اسپیشل ایگزیکیوٹیو مجسٹریٹ مقرر کئے تھے۔

یہ مدت ۳۱ مئی ۱۹۷۵ء کو ختم ہوگئی۔ لہٰذا حکومت نے بذریعہ اطلاعنامہ موجودہ اسپیشل ایگزیکیوٹیو مجسٹریٹوں (ماسوا اُن کے جو مستعفی ہوگئے ہیں یا گذر گئے ہیں) کی مدتِ کار ۱۴ اگست ۱۹۷۵ء تک بڑھا دی ہے۔

ہیکسا کلوروفین ملے کاسمیٹک پر پابندی

حکومت ہند نے آرائشِ حسن کے لئے تیار کردہ ایسے کاسمیٹک جن میں ہیکسا کلوروفین کا استعمال کیا گیا ہو اُن کی تیاری اور برآمد پر پابندی عائد کر دی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک اطلاعنامہ حکومتِ ہند کے گزٹ میں شائع کر دیا گیا ہے۔

ٹیکنیکل کورسوں میں داخلہ
طلبہ کو ہدایت

حکومتِ مہاراشٹر نے ٹیکنیکل اداروں میں داخلہ کے خواہشمند طلبہ کو یہ ہدایت کی ہے کہ وہ داخلہ حاصل کرنے سے قبل بذاتِ خود اس بات کا اطمینان کرلیں کہ مخصوص ادارہ اور کورس حکومت کی جانب سے منظور شدہ ہے یا نہیں۔

مختلف ڈپلوما اور ڈگری کورسوں سے متعلق اداروں کی منظوری کی بارے میں معلومات ڈائرکٹوریٹ آف ٹیکنیکل ایجوکیشن، ۳ مہاپالیکا مارگ، بمبئی ۴۰۰۰۰۱ سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

مختلف سرٹیفکیٹ سطح کے کورسوں کے بارے میں معلومات ریجنل ڈپٹی ڈائرکٹر آف ٹیکنیکل ایجوکیشن، گورنمنٹ ٹیکنیکل ہائی اسکول بلڈنگ، ویر ساورکر مارگ، دادر، بمبئی ۴۰۰۰۲۸ نیز ڈپٹی ڈائرکٹر آف ٹیکنیکل ایجوکیشن، پونہ/ ناگپور/ اورنگ آباد علاقہ جات سے ان کے علاقے میں واقع اداروں کے بارے میں حاصل کی جاسکتی ہے۔

مہاراشٹر اکادمی برائے سائنس کا قیام

مہاراشٹر اکادمی برائے سائنس کا رجسٹریشن یکم مئی ۱۹۷۵ء سے کمپنیز ایکٹ کے تحت ہوگیا ہے۔

اس اکادمی میں سائنس، ٹیکنالوجی، میڈیسن اور انجینئرنگ کے میدان کے ۱۵۰ مشہور نمائندے ہیں جو سائنس اور ٹیکنالوجی سے متعلق تمام معاملات پر ماہرانہ مشورے عطا کریں گے۔

●●

قومی راج

یکم جولائی سنہ ۱۹۷۵ء شمارہ: ۱۳

: ۵۰ پیسے ✻ سالانہ: ۱۰ روپے

نگرانی: خواجہ عبدالغفور آئی اے ایس

ترسیلِ زر اور مراسلت کا پتہ:

نفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومتِ مہاراشٹر، سچیوالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

فہرست

مواد حوالے کے ساتھ یا بلا حوالہ نقل کیا جا سکتا ہے تاہم جس شمارے میں یہ مواد
چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز کو مزید روانہ کی جائے؛

نارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل
پریس بمبئی سے چھپا کر شائع کیا۔

سخن ہائے گفتنی

آزادی کے بعد پہلی بار ملک میں اردو کے لئے ایک خوشگوار فضا پیدا ہوئی ہے اور اس زبان نیز اس کے ادب کی اشاعت اور فروغ کے لئے وہ ساری راہیں کھل رہی ہیں جو متعدد غلط فہمیوں کی بنا پر بند ہو گئی تھیں۔ موجودہ حالات اس بات کی ضمانت دیتے ہیں کہ اردو اب ملک کی دیگر زبانوں کے ساتھ ساتھ قومی یکجہتی اور ملکی ترقی کا اہم فریضہ انجام دے سکے گی اور یقین کے ساتھ ایک انتہائی اہم لسانی اقلیت کے دل میں اعتماد کی فضا پیدا کر کے جمہوری اقدار کو تقویت عطا کرے گی۔

تاہم سرکاری سطح پر جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ ہونا باقی ہے وہ بغیر اردو داں طبقہ کی عملی دلچسپی کے بے سود ہوگا۔ وقت آگیا ہے کہ اردو بولنے، پڑھنے اور لکھنے والے عوامی سطح پر زیادہ کام کریں۔ اس سلسلے میں وہ دیگر زبانوں کے شیدائیوں سے سبق لے سکتے ہیں۔ ابتک بجا یا بیجا طور پر اردو والوں کا طرزِ عمل شکایتی یا احتجاجی رہا ہے لیکن اب جبکہ مرکزی اور مختلف ریاستی حکومتیں اردو کی ترقی و ترویج نیز اس زبان کو اس کا جائز مقام دینے کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہی ہیں، اردو دوستوں کو بھی پر اعتماد اور مثبت رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

مہاراشٹر اردو اکادمی کے قیام نے اس اعتماد کو مزید قوت دی ہے۔ اکادمی کو اب مختلف گوشوں سے مشورے اور شکایتیں موصول ہو رہی ہیں۔ اکادمی اپنے دائرۂ عمل میں ان گرانقدر مشوروں کو عملی جامہ پہنانے اور شکایتوں کو دور کرنے کی پوری کوشش کرے گی۔ اس کے ساتھ جیسا کہ ہمارے ہردلعزیز اور اردو دوست وزیر اعلیٰ عالیجناب شنکر راؤ چوہان کی خواہش ہے، اردو اکادمی ایک ایسا موثر اور فعال وسیلہ ثابت ہونے کی کوشش کرے گی جس کے ذریعہ ریاست مہاراشٹر میں اردو کی ترقی نئی جہتیں اختیار کرے اور جو دیگر ریاستوں کے لئے مثال بن جائے۔

زیرِ نظر شمارہ میں اردو اکادمی سے متعلق ایک خصوصی ضمیمہ شائع کیا جا رہا ہے جس میں اکادمی کی افتتاحی تقریب کی روداد، بورڈ کی پہلی میٹنگ کی رپورٹ اور اکادمی کے اغراض و مقاصد کے علاوہ ممبران کا تعارف بھی شامل ہے۔

یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ مہاراشٹر اردو اکادمی کے قیام کے اعلان کے بعد دیگر کئی ریاستوں مثلاً کرناٹک، مدھیہ پردیش، بنگال اور اڑیسہ نے اپنے ہاں اردو اکادمیاں قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اردو کی اس کامیابی پر مہاراشٹر اردو اکادمی فخر بھی محسوس کرتی ہے اور خوشی بھی!

خواجہ عبدالغفور
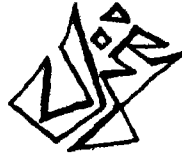
کب آدمی کو ملے عافیت خدا جانے
ہمیں تو مار ہی ڈالا امیدِ فردا نے

سبو و جام تو کیا ڈوب جائیں مے خانے
چھلک پڑیں جو مری تشنگی کے پیمانے

شکستِ دل کو شکستِ حیات کیوں سمجھیں
ہے میکدہ جو سلامت ہزار پیمانے

کبھی نگاہِ کرم بھی نہ کہہ سکی اُن کو
تری نگاہِ خفی کہہ گئی جو افسانے

نگاہِ شوق کو یہ ہمت و مجال کہاں
نقاب اٹھایا ہے تیرے حجاب بیجا نے

فلک پہ کوکب و انجم زمیں پہ لالہ و گُل
ہیں کس کے ہاتھ سے چھلکے ہوئے یہ پیمانے

مری وفا بھی ہوس کا لطیف جوہر ہے
یہ رمزِ حسنِ محبت نواز کیا جانے

انھیں کی خاک سے اُبھریگا ایک کعبۂ نو
دبے ہوئے ہیں تری روح میں جو بُتخانے

یہ میرا کام ہے میں زندگی کو پہچانوں
حیات ہوش میں کب ہے کہ مجھ کو پہچانے

بلند نغمۂ آدم ہے بزمِ انجم میں
کب اک ستارۂ نو ہنس پڑے خدا جانے

خلافِ ظرف ہے ماتم جراحتِ غم کا
دیئے جو زخم دیئے زندگی میں دنیا نے

ساغر نظامی

ڈی - دوم - ۳۵۹ - پنڈارا روڈ - نئی دہلی ۳

کل آج اور کل

نچے تھے۔ کل ہم نوجوان تھے۔ کل ہم جوان تھے۔
ں جوانی کا خون تھا، جوش تھا، ضد تھی۔ عشق کرنے کا حوصلہ
ب لانے کی آرزو تھی۔ نئی دنیا بسانے کا ارمان تھا۔
مجاز ...

محفل میں آرزو تھی کسی دل میں ہم بھی ہوں
اِک روز سوز و ساز کی محفل میں ہم بھی ہوں
اِک لشکرِ عظیم ہو مصروفِ کارزار
لشکر کے پیش پیش مقابل میں ہم بھی ہوں!

ا جس کی تصویر شاعر نے یوں کھینچی تھی ۔

ں بزم میں نیزے پھینکے ہیں، اِس بزم میں خنجر چومے ہیں
ں بزم میں گھبرکر تڑپے ہیں، اِس بزم میں پی کر جھومے ہیں
آ کے ہزاروں بار یہاں خود آگ بھی ہم نے لگائی ہے
ہر سارے جہاں نے دیکھا ہے یہ آگ ہمیں نے بجھائی ہے
ں ہم نے کمندیں ڈالی ہیں یاں ہم نے شب خوں مارے ہیں،
ں ہم نے چٹانیں نوچی ہیں یاں ہم نے تاج اُتارے ہیں

"کل" ــ پُرانا کل ایک زمانہ نہیں تھا ایک آگ تھی جس میں ہم روز نہا کر سمجھتے تھے کہ ہم امر ہو گئے ہیں۔

اور آج ؟

آج وہ جوش، وہ تڑپ، وہ اُمنگ، وہ آگ ٹھنڈی پڑ گئی ہے۔
کئی مزدوروں کے ہاتھوں بک گئے ہیں۔
کئی کے دل کی آگ پر بُڑھاپے کی ذمہ داریوں نے اوس برسا دی ہے
کوئی "غمِ دل" کی ٹھنڈی راکھ کو کرید رہا ہے۔
کوئی "غمِ جہاں" کو سینے سے لگائے بیٹھا ہے۔
کوئی ــ اور یہ کئی کروڑ کوئی ہے ــ روٹیوں اور نئے پیسوں کے چکر میں ایسا پھنسا ہوا ہے کہ اُس سے باہر نہیں نکل سکتا۔

خیالات، نظریات، معروفیات Ideas اور Ideals

خواجہ احمد عباس
فلومینا لاج، چرچ روڈ، جوہو، بمبئی ۵۴

حقیقت اور آدرش سب کو بھلا دیا ہے۔ خود نے بھلا دیا ہے یا زندگی نے بھلانے پر مجبور کر دیا ہے۔

بھول گئے ناچ رنگ بھول گئے جکڑی
تین چیز یاد رہی نون، تیل، لکڑی

بڑھتی ہوئی قیمتیں زندگی کا ابدی سوال بن گئی ہیں۔ سنہ ۱۹۴۰ء میں گیہوں ایک روپے کا بیس کلو آتا تھا۔ آج دو روپے کلوگرام ہے۔ سنہ ۱۹۴۷ء میں چاول ایک روپے کا ایک پائیلی ملتا تھا۔ یعنی ساڑھے تین سیر۔ اور لوگ "کال کال" چلا رہے تھے۔ آج وہی چاول تین چار روپے کلوگرام ملتا ہے۔ سنہ ۳۶ء میں جب میں پہلی بار بمبئی آیا تو ایک چیز ہوتی تھی بنیان شرٹ، یعنی کالر لگا ہوا بنیان جو چھ آنے کا آتا تھا۔ اب بنیان ۴ روپے سے کم نہیں ملتا۔ شرٹ تیس روپے کی ہے۔ سوٹ سنہ ۱۹۳۶ء میں سِلا سِلایا چودہ پندرہ روپے میں ملتا تھا۔ آج اس کی صرف سِلائی ستر اسّی روپے ہو گئی ہے۔ کھانے کی تھالی اُن دنوں چھ آنے کی آتی تھی — آج پیٹ بھر کا کھانا چھ روپے سے کم میں نہیں ملتا دودھ اُس زمانے میں چار آنے سیر بمبئی میں ملتا تھا۔ پانی پت میں ڈیڑھ آنے سیر۔ اور اب بمبئی میں چار روپے سیر ہو گیا ہے۔

بڑھتی ہوئی قیمتوں کے اس مینار کے نیچے ہندوستان والے دبے جا رہے ہیں، اور ایک نیا سماج جنم لے رہا ہے۔ طبقے اوپر نیچے جا رہے ہیں۔ نئی معاشرتی قدریں جنم لے رہی ہیں۔ پرانے گھرانے کی عورتیں پردہ چھوڑ کر آج نوکری ڈھونڈنے پر مجبور ہیں۔ عورتوں کی آزادی اقتصادی ضرورت کے کندھے پر بیٹھ کر آئی ہے۔

ایئر ہوسٹس۔
کلرک، ٹائپسٹ، سٹینوگرافر۔
منیجر، وکیل، مجسٹریٹ۔
دکانوں پر کام کرنے والی لڑکیاں۔
ایم۔ ایل۔ اے، پارلیمنٹ کے ممبر، کیبنیٹ کے منسٹر۔
اور پرائم منسٹر۔

تیس برس پہلے کون سوچ سکتا تھا کہ آزاد ہندوستان کی تیسری پرائم منسٹر ایک خاتون ہوں گی!

کون کہہ سکتا تھا سنہ ۷۵ء کے Republic day کی پریڈ میں پولیس کی Contingent کے آگے آگے ایک مہیلا پولیس آفیسر چلے گی؟

کون کہہ سکتا تھا کہ ہندوستان کی عورتیں پیراشوٹسٹ بھی ہوں گی؟

تیس سال پہلے کون کہہ سکتا تھا کہ ایک دن وہ آئے گا کہ ہندوستانی عورتیں ہوا میں اُڑیں گی۔ کل تک وہ خیالی پریاں کہلاتی تھیں۔ اب یہ پریاں ایروپلین کے پنکھ لگائے ڈیڑھ سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اُڑ رہی تھیں — دو سو میل۔ تین سو میل۔ چار سو میل۔ پانچ سو میل۔ چھ سو میل فی گھنٹہ۔

تیز رفتاری اس نئے ریگ کی ایک خصوصیت ہے —

سنہ ۱۹۳۸ء میں میں نے سمندری جہاز میں دنیا کے گرد سفر کیا تھا۔ جون میں بمبئی سے چلا تھا۔ کولمبو، سنگاپور، ہانگ کانگ اور شنگھائی اور ٹوکیو ہوتا ہوا امریکہ پہنچا تھا۔ اس سفر میں ایک مہینہ لگا تھا۔ پھر چار دن ریل میں امریکہ کے پچھمی کنارے پر Pacific Ocean پر بسے ہوئے لاس اینجلز سے لے کر مشرقی کنارے پر Atlantic Ocean پر بسے ہوئے نیویارک تک۔ پھر چھ دن Atlantic Ocean کراس کر کے فرانس پہنچا اور واپسی ہوئی ریل سے دس دن میں فرانس سے جرمنی۔ جرمنی سے آسٹریا۔ آسٹریا سے ہنگری۔ ہنگری سے رومانیہ۔ رومانیہ سے ترکی۔ ترکی سے شام۔ اور شام سے عراق۔ عراق سے جہاز لے کر چار دن میں میں کراچی پہنچا۔ اس طرح کل دنیا کے سفر میں چھپن دن لگے۔ آجکل جیٹ ہوائی جہاز سے چوبیس گھنٹے میں یہ سفر ہو سکتا ہے۔

مگر اس تیز رفتاری سے فائدہ؟ جب میں دنیا کے گرد گیا تھا تو میں نے راستے میں ساری دنیا دیکھی تھی۔ آج کل چوبیس گھنٹے میں آپ ساری دنیا کے گرد گھوم سکتے ہیں — لیکن آپ صرف گھوم سکتے ہیں اور آپ کا سر گھوم سکتا ہے۔ آپ کچھ دیکھ نہیں سکتے — دس ہزار میٹر کی بلندی سے تو نیچے سوائے بادلوں کے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ کسی ایئرپورٹ پر رُکتے بھی ہیں تو سب ایئرپورٹ اب ایک جیسے ہی دِکھتے ہیں۔ اور پھر آپ ہوائی جہاز میں اور ہوائی جہاز دس ہزار میٹر کی بلندی پر اور نیچے بادلوں کا قالین بچھا ہوا۔ رہے ہوائی جہاز تو وہ سب امریکہ میں بنتے ہیں — اور سب اندر سے ایک جیسے ہی دِکھائی دیتے ہیں۔ کھانے کا مزا بھی ایک جیسا ہی ہوتا ہے۔

اور اب جلد سفر راکٹ سے ہونے لگے گا۔ یعنی سترہ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے آپ دنیا کے گرد سفر ڈیڑھ پونے دو گھنٹے میں پورا کر لیں گے۔ چند گھنٹے میں آپ یورپ کے کسی شہر میں ہوں گے۔ گھنٹہ بھر سے کم میں آپ یہاں سے امریکہ کے کسی حصّے میں پہنچ جائیں گے۔

لیکن اس تیز رفتاری سے فائدہ کیا؟

میں تو یہ چھ سات سو میل فی گھنٹہ کا سفر بھی غیر ضروری سمجھتا ہوں۔ آخر اتنی جلدی پہنچنے میں مزا ہی کیا ہے؟ نہ راستے میں کہیں رُکے، نہ کوئی ایئرپورٹ دیکھا، نہ ایشیا کے ہرے بھرے کھیت دیکھے، نہ یورپ کی برف سے ڈھکی پہاڑیاں دیکھیں، نہ افریقہ کا صحرا دیکھا۔ نہ عرب ممالک کے تیل کے ڈیرک دیکھے۔ دیکھا تو ہوائی جہاز کا اندر کا حصّہ دیکھا، اُس کی ایئر ہوسٹس دیکھیں

ین پر ایک ہی طرح کی مسکراہٹیں چپکی

ہے لوگ مجھے بیوقوف اور ترقی کا
ں لیکن میں اب بھی سمجھتا ہوں کہ ۱۹۳۸ء
ں نے اٹالین سمندری جہاز CONTE
پر کیا تھا وہ سب سے دلچسپ تھا،
یشیر مزا بھی چھ سو میل فی گھنٹہ چلنے
یٹ ہوائی جہاز میں نہیں آسکتا۔
قدامت پسند نہیں ہوں۔ سوائے اس
مخالفت کے میں اور سب چیزوں میں
ترجیح دیتا ہوں۔ ہندوستان آزاد ہو
ہوگئی ہے، ہر چند کہ آج ہندوستان میں
ہیں، اگرچہ بعض گاؤں میں اب بھی
، کو اُن کے جھونپڑوں میں جلا دیا جاتا
بھتا ہوں کہ یہ بھی ایک ترقی کی نشانی ہو
ی ہر چند کہ آج جلائے جارہے ہیں جو اونچ
ے ساتھ برابری کا دعویٰ کرتے ہیں اور
ناحق مانگتے ہیں۔
ہیں بدل گیا ہے۔
ت زندگی کی قیمتیں اونچی ہوگئی ہیں۔
ل ہوگیا ہے۔
، کی راہیں ان گنت نئی نکل آئی ہیں۔
رقی کی وجہ سے متعدی بیماریاں ۔۔ چیچک،
، کالرا ۔۔ تقریباً ختم ہوگئی ہیں۔
ی اوسط عمر بڑھ گئی ہے۔
کو استعمال کرنے کیلئے نئے نئے راستے

ملک میں صنعتی اور زراعتی ترقی کی نشانیاں
ہیں۔

ہرا انقلاب ۔۔ Green Revol

نئی ریاستوں میں زراعت نے حیرتناک ترقی کی ہے
جہاں پہلے گیہوں کی ایک بالی پیدا ہوتی تھی اب پانچ
پیدا ہوتی ہیں۔ کیمیکل کھادوں کی بدولت ٹریکٹروں
کی مدد سے زمین میں سے کھانے پینے کے خزانے نکالے
جارہے ہیں۔ ہزاروں کارخانے۔

فولاد بنانے کے بڑے بڑے کارخانے۔
دوائیں بنانے کے کارخانے۔
مشینیں بنانے کے کارخانے۔
ہوائی جہاز بنانے کے کارخانے۔
موٹریں اور ٹرکیں بنانے کے کارخانے۔

آج ہندوستان میں بن گئے ہیں، بنتے جارہے ہیں۔
مگر ہندوستان کی آبادی؟
ہر سال بڑھتی جارہی ہے۔
خطرناک حد تک بڑھتی جارہی ہے۔

۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان کا بٹوارہ ہوا تو تقسیم
شدہ ہندوستان میں ۳۵ کروڑ انسان رہتے تھے۔
یہ تعداد آج پچپن کروڑ ہوگئی ہے۔

کل کا حال کیا ہوگا ۔۔ جب یہ آبادی ساٹھ کروڑ
۔۔ ستر کروڑ ۔ اسّی کروڑ ۔ نوّے کروڑ ہو جائیگی۔؟

تصویر کا ایک رخ تو بہت تاریک ہے۔
لیکن دوسرا رُخ روشن ہے۔
اگر آبادی بڑھے گی۔
تو کام کرنے والے ہاتھ بھی زیادہ ہوں گے۔

اب ایک سو دس کروڑ ہاتھ ہیں۔ کل دو سو بیس
کروڑ ہوں گے۔ کام کرنے کے لئے ۔۔ محنت
کرنے کے لئے، قدرت کو اپنے بس میں کرنے
کے لئے، ڈیم بنانے کے لئے۔ دریاؤں کو
اپنے قابو میں کرنے کے لئے ۔۔ پیداوار بڑھانے
کے لئے ۔ ملک کے بنجر حصوں میں نئی
زراعت سے پھول کھلانے کے لئے، گیہوں
اور چاول اُگانے کے لئے ۔۔

تعلیم کی ترقی کے بعد ۔۔ اقتصادی ترقی
کے بعد ۔ فیملی پلاننگ بھی آجائے گی۔

قدرت کسی نہ کسی طریقہ سے توازن پیدا
کردے گی۔

شرط یہ ہے کہ ہم سائنس کی مدد سے اپنی
مدد آپ کرنا سیکھیں۔

سوشلزم کی مدد سے نئی پیدا ہونے
والی دولت کی منصفانہ تقسیم کریں۔

جب انسان کو یقین ہوتا ہے کہ اُس
کی محنت کا پھل اُسی کو ملے گا ۔ کسی ساہوکار،
بیوپاری، ٹھیکے دار ۔۔ کی تجوری میں نہیں جائیگا
۔۔ تو کام کرنے کا حوصلہ بھی بڑھ جاتا ہے۔

سائنس اور سوشلزم ۔۔
یہ ہیں وہ دو ستون جن پر ہمارے مستقبل
کی عمارت کھڑی ہوگی۔

یہ ہے وہ راستہ جو پُرانی "کل" سے "آج"
اور "آج" سے "کل" کی طرف جارہا ہے۔

اس لئے میں آنے والے کل کے بارے
میں مایوس نہیں ہوں۔

بہ قول مجروح کے ۔۔

دیکھ زنداں سے پرے رنگِ چمن، جوشِ بہار
رقص کرنا ہے تو پھر پاؤں کی زنجیر نہ دیکھ!

●●

قلمی معاونین سے

"قومی راج" میں اشاعت کے لئے
مضامین و منظومات ورق کی صرف
ایک جانب صاف و خوشخط لکھ کر ارسال
فرمائیں۔ تخلیقات ذیل کے پتہ پر بھیجی
جائیں:

چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز،
حکومت مہاراشٹر، سچیوالیہ، بمبئی ۳۲ ۔۔۔ ۴۰۰

عبدالحمید بوبیرے
ماہنامہ 'صبح امید'
بلاسس روڈ، بمبئی ۸

اگرچہ مہابھارت میں ہمارے صوبہ کے موجودہ نام "مہاراشٹر" کا ذکر نہیں لیکن ودربھ کا ذکر اس عظیم رزمیہ میں موجود ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب آریوں نے جنوب کی جانب پیش رفت کی تو انھوں نے ودربھ ہی کے علاقے کو اپنا مسکن بنایا۔ ودربھ کا ماضی خاص طور پر شاندار رہا ہے۔ مہابھارت کی ہیروئنیں کسی نہ کسی حیثیت میں اسی علاقہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ کرشن کی بیوی رکمنی، آجا کی بیوی اندومتی اور نالا کی دھرم پتنی دمیانتی ودربھ ہی کے مختلف راجاؤں کی بیٹیاں تھیں۔

اسی طرح اس رزمیہ میں ناگا۔ آریہ گروپوں کے "اپرنتا" کے علاقے میں بود و باش اختیار کرنے کا ذکر بھی ملتا ہے۔ تمام آثار و قرائن کی روشنی میں "اپرنتا" سے مراد ودربھ کا مغربی کنارا ہے جسے بعد میں کوکن کے نام سے موسوم کیا گیا اور جو آج بھی اسی نام سے جانا جاتا ہے۔ قدیم کتب تاریخ (مثلاً پراشورما کشیترا وغیرہ) میں اس مغربی کنارے (کوکن) کا ذکر موجود ہے۔

مہاراشٹر کی وجہ تسمیہ سے متعلق گوناگوں نظریات متداول ہیں۔ مشہور مورخ وشوناتھ کاشی ناتھ راجواڑہ کی رائے میں قدیم ہندوستان چھوٹی بڑی ریاستوں پر مشتمل تھا جنھیں ان کے ایک دوسرے کے مقابلے میں بڑا یا چھوٹا ہونے کی نسبت سے "مہاراشٹر" یا "راشٹر" کہا جاتا تھا۔ کسی ریاست کے "مہاراشٹر" یا "راشٹر" کے نام سے موسوم کیے جانے کا انحصار دو امور یعنی ریاست کے جغرافیائی حدود اربعہ اور حکمرانوں کی قوت و جبروت پر ہوتا تھا۔ "مہاراشٹر" کے حکمرانوں کو "مہاراجہ" اور ان کی رعایا کو "راشٹریکا" کے ناموں سے موسوم کیا جاتا تھا۔ مگدھ ایسا ہی ایک مہاراشٹر تھا جس پر موریاؤں کی حکومت تھی۔ یہ "مہاراشٹر" شمال میں ہمالیہ سے لے کر جنوب میں وندھیہ تک پھیلا ہوا تھا۔

بدھ مت کے زمانۂ عروج میں پرانے ویدک دھرم کے سیکڑوں ماننے والے جو بدھ مت سے متفق نہیں تھے وندھیہ کو ہجرت کر گئے، لیکن نئے ملک میں ان کی پرانی قومیت یعنی "مہاراشٹریکا" برقرار رہی۔

"دکشن پاتھ" کی تحریک میں یہ مہاجرین تنہا نہیں تھے بلکہ اسی قسم کے حالات میں کرو پنچالا اور وراشٹرا کے وہ باشندے بھی جو بدھ مت کے اصولوں سے متفق نہیں تھے، جنوب کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ اس نئے علاقہ (وندھیہ) میں ہجرت کر کے آنے والے ان 'مہاراشٹریکاؤں' نے جنوب اور مغرب میں رہائش اختیار کر لی۔ اس کے برعکس کرو پنچالا اور وراشٹرا سے آئے ہوئے راشٹریکاؤں نے صرف جنوب ہی کو اپنا مرکز بنایا۔ اس طرح مہاجروں کی یہ کالونی "نزی مہاراشٹریکا" کے نام سے مشہور ہو گئی اور رفتہ رفتہ یہ نام تبدیل ہوتے ہوتے صرف "مہاراشٹر" ہو کر رہ گیا۔ اس نئے علاقہ کی اصلی زبان "مہاراشٹری" قرار پائی جو اگرچہ موجودہ مرہٹی تو نہیں تھی تاہم اس سے ملتی جلتی زبان تھی۔ یہی زبان مرور زمانہ کے ساتھ "مرہٹی" بن گئی۔

دوسری قومیتیں

اس علاقے کے پرانے باشندے گونڈ، بھیل، کولی، ٹھاکر، وڈھر اور کاتھوڑی وغیرہ تھے جو پہاڑوں اور جنگلات میں رہتے تھے۔ ہجرت کر کے

نے اس علاقہ کے قدیم باشندوں کے
ضبط پیدا کیا - یہاں کی قدیم آبادیاں
، پورنا کی وادیوں اور گوداوری کے
ہیں - یہ لوگ نیم مہذب قسم کے ناگا
ب آریہ راجہ "جنابیجا" نے انکے
کر کے ان کے علاقوں سے نکال دیا

رکے - پی - ککلکنی کی رائے میں ان
ں کو ایک دوسرے میں ضم ہونے
یک ہزار سال لگے - ان دونوں کے
ے نئی نسلی و ثقافتی وحدت وجود میں
اشٹر" کہا جاتا ہے - ان کی زبان
- یہ زبان "مہاراشٹری" اور ناگاؤں
لب تھی - اس کے بعد بھی خارجی
ساتھ نئے روابط برابر جاری رہے
ادوار میں بھوج، کیول پتلا، چوہان،
اور مغل باشندے یہاں آتے اور
ہے اور مرہٹی زبان بھی ان نئے
ی زبانوں مثلاً مگدھی پالی اور فارسی
اثر ہوئی - بلکہ اسی خلط ملط کے نتیجہ
رہٹی زبان وجود میں آئی -

ختلف ادوار

ے مہاراشٹر کسی منظم گروپ کی صورت
ے تھے ، بلکہ وہ مختلف قبیلوں یا
نسب تھے - ہر گروہ پر ایک طاقتور
مت تھی جو اپنی طاقت کے بل بوتے
کا حاکم بن جاتا تھا - ۳۲۱ قبل مسیح
یح تک مہاراشٹر موریہ خاندان کی
ک حصّہ تھا - اس زمانہ میں سوپارہ
شٹرپانک) اور چول (چمپاوتی) جو
ے وجوار میں واقع ہیں بڑے تجارتی
م کے مرکز تھے - موریہ خاندان کی
حکومت کے زوال کے بعد مہاراشٹر پر لاتعداد
فاتحوں نے یکے بعد دیگرے قبضہ کیا اور حکومت
کی - یہ سلسلہ تقریباً ایک ہزار سال تک چلتا رہا -

ثقافت کی ابتداء

حکومت کی تبدیلیوں کے باوجود ریاست میں
داخلی امن و امان برابر قائم رہا - اس زمانۂ امن کی
ایک برکت یہ تھی کہ یہاں تہذیبوں کے میل جول
اور باہمی میل ملاپ کے نتیجہ میں خود ایک مقامی
تہذیب کے خدوخال واضح ہونے لگے - آرٹ
اور نقاشی کو بھی فروغ ملا - اسی زمانہ میں اجنتا
کی لافانی گپھائیں تراشی گئیں -

اب مرہٹی اس علاقہ کی اہم زبان تھی - تاہم
پہلی بار نویں صدی کے وسط میں اسے ضبطِ تحریر
میں لایا گیا - تیرھویں صدی میں مکند راج،
دھیانیشور اور نام دیو جیسے بلند پایہ شاعروں
نے مرہٹی کے روپ کو مزید نکھارا اور سنوارا -
تاہم مرہٹی اپنے عروج کو اس وقت پہنچی جب
اس زبان کو دیوگری کے یادو خاندان کے حکمرانوں
نے اپنے دربار کی زبان کے طور پر تسلیم کرکے اسے
سرکاری زبان کے افتخار سے نوازا -

ابتدائی نقوش

مہاراشٹر کی ملی جلی تہذیب بقول کے - پی -
ککلکنی ، ایک ہزار سال کے عرصے میں وجود میں
آئی - اس کے بعد دھیرے دھیرے اس قوم نے
اپنی اجتماعی قوت بنائی - سیاسی طور پر بھی مہاراشٹر
کی حدود کسی حد تک اُس زمانے میں معین کر
دی گئی تھی - اس بات کا ثبوت مہانوبھاؤ فرقہ
کے بانی چکرا دھر کے شاگرد مہندر و یاس کی تخلیق
"لیلا چریت" سے ملتا ہے :

علاقۂ مہاراشٹر کی آبادی ساٹھ لاکھ ہے
اس علاقہ کے لوگ پڑھے لکھے اور
چالاک ہیں - وید اور شاستروں کے
احکام کو اس علاقہ میں بہ نگاہ احترام
دیکھا جاتا ہے - مہاراشٹر کے حکمران بڑے
شریف ہیں - گوداوری کے کنارے ترمبکیشور
ایک مقدس مقام ہے - "ولیش" اس علاقے
کا ایک حصّہ ہے - پھلٹن سے لے کر
اس علاقے تک جہاں تک کہ مرہٹی بولی جاتی
ہے یہ ایک علاقہ ہے جو بلنے گھاٹ سے
علیحدہ ہو جاتا ہے - گوداوری کے دونوں
کناروں پر آباد علاقہ ایک الگ خطّہ ہے
جو اسی میں شامل ہے (گوداوری ویلی)
یہاں سے مہیکار کا علاقہ ایک اور خطّہ
ہے - اس کے علاوہ وراڑ (ودربھ)
بھی اسی میں شامل ہے - ان تمام علاقوں
کے مجموعے کو "مہاراشٹر" کہتے ہیں -

تاریخ ہماری شاہد ہے

دیوگری کے یادو خاندان کے حکمرانوں کے زوال
کے بعد ۱۲۹۴ء میں اس علاقہ پر مسلم حکمرانوں
کا قبضہ رہا - سب سے پہلے بہمنی خاندان کی حکومت
اس علاقہ پر قائم ہوئی - ان کی راجدھانی گلبرگہ تھی -
بہمنی حکمرانوں نے جو تعلیم اور آرٹ کے دلدادہ
تھے، اپنے عہدِ حکومت میں اسے کافی فروغ دیا -
دربار میں فارسی زبان کو اہمیت حاصل تھی لیکن
اسی زمانہ میں مرہٹی زبان کو کافی فروغ حاصل ہوا
اور اسی لئے فارسی کا مرہٹی زبان پر اثر بھی رہا -

فارسی اور مرہٹی زبانیں ایک دوسرے سے
قریب ہوتی گئیں - مرہٹی ادب نے اسی دور میں
فلسفہ کی گہرائیوں کو چھو لیا - ہر چند کہ مرہٹی زبان
میں لاتعداد شعراء ہوئے ہیں لیکن ایکناتھ اور
داسوپنت کو مراٹھی ادب میں غیر معمولی اہمیت
حاصل ہے - یہ دونوں شعراء اسی دور سے تعلق
رکھتے ہیں -

سنت بھانوداس نے جو وٹھل کی مورتی کو بجیانگر سے پنڈھر پور دوبارہ لے آئے تھے، اسی زمانے میں وارکری فرقے کی بنیاد ڈالی۔ اس فرقہ نے مہاراشٹر کی ثقافتی و سماجی زندگی پر اپنا گہرا نقش چھوڑا ہے۔

بہمنی حکمرانوں نے یہاں ۲۰۰ سال تک حکومت کی۔ ان کے بعد مہاراشٹر آزاد حکمرانوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ یہ حکمران بیجاپور، گولکنڈہ، بیدر، برہان پور اور احمد نگر سے حکومت کیا کرتے تھے۔ بیشتر مراٹھا سردار مختلف کیمپوں میں تھے اور لڑائیوں میں حصہ لیتے تھے۔

ایک عرصے تک مراٹھا قوم کا شیرازہ بکھرا رہا۔ لیکن اس امر سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ جب کوئی قوم مُردہ ہو جاتی ہے، بے حس ہو جاتی ہے، اُس کا شیرازہ بکھر جاتا ہے تو ایسے وقت میں کوئی نہ کوئی اپنی قوم کو متحد کرنے کے لئے میدانِ عمل میں کود پڑتا ہے۔

معمارِ قوم و وطن

دیانیشور سے لے کر تکارام تک سنت شعراء نے بھگتی گیت کے ساتھ ساتھ جو پیغام مراٹھی تہذیب و تمدن و اتحاد کا دیا تھا، لوگوں کے دلوں میں یہ جذبہ مفقود تھا۔ لیکن دادا جی کونڈیو اور جیجا بائی نے شیواجی کے دل میں یہ جوت جلائی۔ شیواجی مہاراج نے آخر ہنکری اور مالوہ قوم کی مدد سے مراٹھا سوراج کی بنیاد ڈالی۔ شیواجی نے صرف مراٹھا سوراج میں ہی کامیابی حاصل نہیں کی بلکہ اپنی سلطنت میں صحیح طور پر امن و امان قائم کیا۔ اُس کی منصفانہ طبیعت نے مسلم حکمرانوں اور رعایا کے بھی دل جیت لئے۔

پیشواؤں کی پیشوائی

مؤرخین میں اب بھی اس بات پر اختلاف ہے کہ شیواجی کے بعد صحیح معنوں میں اسکا جانشین کون تھا۔ شیواجی کے بعد مراٹھا حکومت کی پیشوائی، پیشواؤں کے ہاتھ آئی۔ پیشواؤں کے دور میں مراٹھا قوم نے کافی ترقی کی۔ دراصل شیواجی کی زندگی کا بڑا حصہ اپنی قوم کو از سر نو ایک پلیٹ فارم پر لانے اور اُس کے لئے جنگی جدوجہد کرنے میں گذرا۔ جبکہ پیشواؤں کا ابتداء میں خارجی حملوں سے زیادہ وقت قوم کو ایک ترقی یافتہ سماج دینے کی شکل میں گذرا۔ اس دور میں مہاراشٹر کے سماجی اور ثقافتی ورثہ کو کافی فروغ ملا۔ باجی راؤ اور بالاجی کے زمانے میں مراٹھا حکومت کی بنیادیں نہ صرف مضبوط ہوئیں بلکہ اسے وسعت بھی ملی۔

احمد شاہ ابدالی کی آمد پر، پانی پت کی لڑائیوں میں، مراٹھا قوم کا ایک بار پھر شیرازہ بکھر گیا۔ ۱۸۰۰ء میں پیشواؤں کے وزیرِ اعظم اور قابل ترین سیاست داں نانا فرنویس کے انتقال کے بعد مراٹھا سوراج کو ایک اور دھچکا پہنچا۔

انقلابی مراٹھے

مراٹھا سوراج ختم ہو چکا تھا لیکن اس کی حسین یادیں مراٹھوں کے ذہن پر ہمیشہ کے لئے مرتسم ہو کر رہ گئیں۔ اسی لئے مراٹھے اپنی سرزمین پر غیر ملکی حکومت برداشت نہیں کر سکے۔ اُماجی نائیک، راگھو بھنگارہ، بھاؤ کھیر، چافیکر برادران اور نانا دربارے جو مہاراشٹر کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ وقتاً فوقتاً انگریز سامراجیت سے ٹکر لیتے رہے، لیکن اجتماعی طاقت نہ ہونے سے اُن کے بھی پیر اُکھڑ گئے۔

سامراجیت کا تسلط

انگریزوں نے جو بھارت کے ایک بڑے حصے پر قابض ہو چکے تھے، مراٹھی علاقوں پر بھی دھیرے دھیرے قبضہ کرتے چلے گئے۔ اس دور حکومت میں بھارت کے دیگر علاقوں کی طرح مہاراشٹر بھی ترقی کر رہا تھا۔ ریلوے، پوسٹ، اخبارات، کتابیں یہ سب ملک کے لئے نئی چیزیں تھیں۔ اسکول اور کالج قائم ہوئے، صنعتی ترقی نے اس علاقے کو ایک اہم مرکز قرار دیا تھا۔

مراٹھی صحافت کی ابتداء

اسی دوران مراٹھی صحافت کی ابتداء ہوئی۔ شاستری جامبھیکر نے سب سے پہلے "درپن" نامی ایک ہفت روزہ اخبار مراٹھی زبان میں جاری کیا۔ ۱۸۴۰ء میں "دگ درشن" نامی ایک مراٹھی ماہنامہ بھی انھیں کے ادارے سے شائع ہوا جس کے ذریعہ موصوف نے ہندو سماج کی کافی مذمت کی۔ شاستری جامبھیکر کی اس جرأت کی داد دینی چاہئے کہ قدامت پرستی کے اس دور میں، بیواؤں کی شادی کی حمایت کی اور ہندو ضعیف الاعتقادی کے خلاف تحریک چلائی۔

سماجی اصلاح

شاستری جامبھیکر کے اس مشن نے روشن خیال مراٹھوں کو اپنی قوم کو بیدار کرنے پر اُکسایا گوپال ہری دیشمکھ (لوک ہتوادی) اور مہادیو گووند راناڈے نے اصلاح کا بیڑا اُٹھایا۔ اپنی تحریروں، تقریروں اور عملی خدمت سے اُنھوں نے اس سلسلے میں بہت کام کیا۔ اسی عہد میں، پونا میں جوتی با پھولے نے اُس عقیدے کے کمزور زمانے میں ہریجن بچوں کے لئے ایک اسکول جاری کیا، جبکہ اچھوتوں کا مسئلہ سماج میں غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا۔ پونا جو مہاراشٹر میں برہمنوں کا سب سے بڑا گڑھ رہا ہے، جوتی با پھولے کی راہ میں مشکلات کا اضافہ کرتا گیا۔ جوتی با پھولے نے ہمت نہیں ہاری۔ ایک اور اہم قدم اٹھایا اور آج سے سو سال

لہ اپنے ہی گھر میں اچھوت عورتوں کیلئے ایک
یتیم خانہ ہوم " قائم کیا - لڑکیوں کے لئے ایک
یہ بھی قائم کیا - اُن کی رفیقۂ حیات نے اُن کا
تھ دیا - جوتی با پھولے کو اسی " جُرم " میں پونا
سڑکوں پر سنگسار کیا گیا - لیکن انھوں نے اُف
ے نہیں کی اور اپنے مقدس مشن کو جاری رکھا -

مہاراشٹر کے اِن سماجی مصلحین میں گوپال
یشں اگارکر بھی جوتی با پھولے کی طرح عملی میدان
ں کود پڑے - ذات، فرقہ اور دیگر باتوں سے
ٹ کر سماج کی اِصلاح میں اگارکر لگے رہے - ان
بھی خوب مذاق اُڑایا گیا، دل شکنی کی گئی لیکن
ارکر کی زندگی میں، جن مخالفین نے اُن پر کیچڑ
چھالا، وہی اُن کی ارتھی کو کاندھا دئے بڑے
زسے جارہے تھے -

مراٹھی نثر کے باوا آدم وشنو کرشن چپلونکر
نے بھی اپنی تحریروں سے مراٹھا قوم کے شاندار
اضی کو ایک بار پھر عوام کے سامنے پیش کیا اور
یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ہمارے سماج کی
قیادت ہمیشہ غلط لوگوں کے ہاتھ رہی ہے - چپلونکر
ی تحریروں کو لوکمانیہ تلک کی زبردست حمایت
حاصل رہی -

تِلک کا سُنہری دَور

سنہ ۱۸۹۰ء سے لے کر سنہ ۱۹۲۰ء کا زمانہ
نہ صرف مہاراشٹر بلکہ ہندوستان بھر میں تلک
کے سُنہری دور کے نام سے مشہور ہے - آزادی
کی مشعل کو انھوں نے اس وقت تک اپنے
مضبوط ہاتھوں میں رکھا جب تک کہ موت کے
ہاتھوں وہ مغلوب نہ ہو سکے - لوکمانیہ تلک کا
نعرہ " آزادی ہمارا پیدائشی حق ہے " جنگِ آزادی
کا محرک بنا -

گوپال کرشن گوکھلے بھی میدانِ عمل میں آئے -
لیکن تلک کے مقابلے میں گوکھلے کے مزاج اونچے
طبقہ سے تعلق رکھتے تھے - تلک کو عوام کی
حمایت حاصل تھی - ڈی - وی - ساورکر بھی اس
تحریک کے دھارے میں شامل ہو گئے - ڈھونڈھو
کیشو کروے نے بھی عملی میدان میں قدم رکھا -
موصوف نے عورتوں کی یونیورسٹی قائم کر کے سماج
پر احسان کیا - جنوبی مہاراشٹر میں کرمویر بھاؤ راؤ
پاٹل جو دیہی علاقوں میں تعلیم کے زبردست حامی
تھے " ریت شکشن سونستھا " کی بنیاد ڈالی -

۱۹ ویں صدی کا آخری حصّہ اور بیسویں صدی
کا ابتدائی حصّہ مہاراشٹر کے عروج کا زمانہ تھا -
تِلک، پھولے، گوکھلے، اگارکر جیسے عظیم سوشل
ریفارمرز، راجواڑہ اور بھنڈارکر جیسے اسکالر،
چپلونکر اور ہری نارائن جیسے ادیبوں، کیشوسُت
جیسے شاعر، کرلوسکر، دیوال اور گڈکری جیسے ڈرامہ
نویسوں نے اپنی دھرتی کی سماجی، سیاسی، ثقافتی
اور ادبی ترقی کے لئے جدوجہد کی اور اپنی تحریکوں
کو کامیابی کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا -

گاندھی جی کی قیادت میں

بھارت کے عوام مہاتما گاندھی کی قیادت
میں سچائی اور عدم تشدد کے ہتھیاروں سے
آزادی حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کر رہے تھے -
گاندھی جی کی ۲۵ سالہ کوششوں نے بالآخر
سنہ ۱۹۴۷ء میں ملک کو آزادی دِلائی - جنگِ آزادی
میں مہاراشٹر دوسری ریاستوں کی طرح بڑھ چڑھ
کر حصّہ لیتا رہا اور آزادی کی تحریک کا ایک
اہم مرکز بنا رہا - مہاتما جی نے ہمیشہ ہریجنوں کو
سماج میں مناسب مقام دلانے کی جدوجہد
کی - ہریجنوں کے عظیم لیڈر ڈاکٹر بی - آر -
امبیڈکر نے ہریجنوں کو احساسِ کمتری کے عمیق
غار سے نکالا، اور اُن میں بیداری پیدا کی -
انھیں وہ انسانی حقوق دلائے جن کے لئے وہ
صحیح معنوں میں مستحق تھے - ڈاکٹر امبیڈکر نے
مہاراشٹر کے اُن سپوتوں کے جذبہ اور روح کو
برقرار رکھا جو سماجی اصلاح کے لئے اپنے اپنے
عہد میں کوشاں رہے -

آج کا مہاراشٹر

آج کا مہاراشٹر اپنے انھیں معماروں کے
خوابوں کی تعبیر ہے - آج کا یہ " جدید مہاراشٹر "
سائنسی، صنعتی، زراعتی، معاشی، اقتصادی،
سماجی، سیاسی، علمی، ادبی، ثقافتی غرضیکہ
زندگی کے ہر شعبہ میں ملک کی دیگر ریاستوں
کی طرح ترقی کی طرف کوشاں ہے -

●●

حسین شہزادی

بمبئی، اے حسین شہزادی !
تیرے دامن میں کتنی وسعت ہے
سیکڑوں لوگ روز آتے ہیں
تیرے سائے میں چین پاتے ہیں
کام اچھا ہو یا کہ ہو وہ بُرا
کچھ نہ کچھ سب کو مل ہی جاتا ہے
زیست کی شمع کو جلاتا ہے
بھوک کی آگ کو بجھاتا ہے
تیرے پھیلے ہوئے حسیں ساحل
رشتہ رکھتے ہیں ساری دنیا سے

ریت کی نرم ریشمی چادر
کالے پتھر کے دلنشیں پیکر
تیرے ساحل کی زیب و زینت ہیں
تیرے ساحل پہ شام کا سورج
جیسے گلشن میں کھل گئے ہوں گلاب
نیلگوں بے کراں سمندر ہے
کشتیاں اُس پہ تیرا کرتی ہیں
نیلے ساحل کی نقرئی لہریں
روز بیتاب ہو کے بڑھتی ہیں
آکے ساحل پہ ٹھہر جاتی ہیں
تیری عظمت پہ سر جھکاتی ہیں
بوسے لیتی ہیں لوٹ جاتی ہیں
تیرے ساحل کی پاسبانی کو
ہیں قطاریں کھڑی درختوں کی
سبز دھانی قبائیں پہنے ہوئے

شبِ ماہتاب میں یہی ساحل
کتنے دلکش، حسین لگتے ہیں
نورِ ساحل پہ پھیل جاتا ہے
اس کی ضو سے زمیں کے سب ذرّے
مثلِ ہیروں کے جگمگاتے ہیں
تیرے ساحل کی چاندنی راتیں
کتنا کیف و سرور رکھتی ہیں
درد و غم سے گھرے ہوئے انساں
آکے اس دلفریب ساحل پر
اپنی ساری مصیبتیں اور دُکھ
چند لمحوں کو بھول جاتے ہیں

علم و تہذیب کا یہ گہوارہ
درس گاہیں بھری ہیں بچّوں سے
اُردو، ہندی، مراٹھی، گجراتی
پڑھتے رہتے ہیں ان زبانوں کو
ہیں زبانیں الگ الگ ایسے
جیسے گلشن میں رنگ رنگ کے پھول
علم حاصل کسی زباں سے کریں
ایک منزل پہ جا کے ٹھہریں گے

پھول تہذیب اور تمدن کے
اپنے باغوں میں کھلتے رہتے ہیں
رنگ، نکہت جدا جدا لیکن
زندگی سب کی خوبصورت ہے

سُرخ مٹی کے کوہساروں پر
مخملی چادریں ہیں سبزے کی
اُودے، نیلے، گلابی، بادامی
زرد اور سُرخ پھولوں کے اشجار
اپنے اندازِ خوشنمائی سے
تیری رعنائیاں بڑھاتے ہیں

رات آتے ہی نور آتا ہے
شہر سب جگمگانے لگتا ہے
رقص و نغمے کی محفلیں ہر جا
یہ تیرے قصر تیری جنت ہیں
تیری محفل کی نازنینوں کا
حُسن ہے مصر و روم سے بہتر
تیری تہذیب اور تمدن میں
سب کی تہذیب کی حلاوت ہے
تیری شامیں حسین شامیں ہیں
رنگ و بو سے بھری بہاریں ہیں

حسن و دولت کا دلنشیں پیکر
پھر بھی جنّت ہے یا سراب ہے یہ
کتنے بنتے ہیں کتنے مٹتے ہیں
دل میں امید لے کے آتے ہیں
زندگی بھر اُسی پہ جیتے ہیں
اونچے اونچے محل نگاہوں میں
زندگی بیتتی ہے راہوں میں

رباب جعفری
۱۰- سیتا محل، بومن جی پیٹٹ روڈ، بمبئی ۳۶

سلام بن رزاق

۴/۲۸-بی، قریش نگر، کرلا، بمبئی ۴۰۰۰۷۰

ریسپشنسٹ لڑکی نے چق کو تھوڑا سا ہٹایا - اور بیٹھک میں جھانک کر دیکھا۔ اِدھر اُدھر صوفوں اور کرسیوں پر بہت سے مریض بیٹھے تھے۔ اُس نے اُن پر ایک اُچٹتی سی نگاہ ڈالی - اور دھیرے سے پکارا —

"مسٹر جانی !"

"یس" بائیں طرف صوفے کی پُشت سے ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا ایک دُبلا پتلا لمبا سا شخص چونک کر کھڑا ہوگیا۔

"کم اِن پلیز" لڑکی اپنے خشک بالوں کو جھٹکا دے کر ایک رسمی مسکراہٹ اُچھالتی ہوئی بولی - وہ چق ہٹائے کھڑی تھی۔ مسٹر جانی، بغیر کچھ بولے گردن جھکا کر اندر داخل ہوگئے۔

سامنے وہی چمکیلی آنکھوں اور پھولے ہوئے گالوں والا ڈاکٹر بیٹھا تھا جس نے کل انھیں چیک کیا تھا - مسٹر جانی نے ڈاکٹر کو 'صبح بخیر' کہا۔ ڈاکٹر نے ایک نظر اُن کی طرف دیکھا پھر گردن سے سامنے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ مسٹر جانی کرسی پر سمٹ کر بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر کے سامنے مختلف پیپرس اور رپورٹس بکھری پڑی تھیں۔ مسٹر جانی نے گردن اُٹھا کر اُن کاغذات پر ایک نظر ڈالی۔ وہ پہچان گئے۔ وہ سارے پیپرس اُنہیں کے تھے۔ خون، پیشاب اور اسکریننگ وغیرہ کی تفصیل۔ ڈاکٹر چند سیکنڈ تک کاغذات کو اُلٹتا پلٹتا رہا۔ پھر اپنی کرسی کی پُشت سے ٹیک کر مسٹر جانی کی طرف دیکھنے لگا۔ اُسکے ہونٹوں پر بھی وہی رسمی مسکراہٹ چمک اُٹھی۔ وہ چند لمحے یوں ہی بلا وجہ مسکراتا اور اپنی کرسی کی پُشت سے ٹِکا جھولتا رہا۔ پھر ایک دم سیدھا ہوتا ہوا بولا۔ "مسٹر جانی ! آپکے سارے پیپرس آگئے ہیں۔ میں انھیں دیکھ بھی چکا ہوں" ڈاکٹر ایک بار پھر میز پر رکھے کاغذات کو اِدھر اُدھر کرتا ہوا بولا۔

"آپ فزیکلی بالکل نارمل ہیں - بلڈ اور یورین بھی ٹھیک ہے۔ اِسکریننگ بھی کلیر ہے۔"

مسٹر جانی کچھ لمحوں تک ڈاکٹر کو تملاتی نظروں سے دیکھتے رہے۔ پھر نہایت تھکے ہوئے لہجے میں بولے۔ "مگر ڈاکٹر! مجھے ہر لمحہ ایسا کیوں محسوس ہوتا رہتا ہے کہ میں زمین میں دھنستا چلا جا رہا ہوں۔ ایک عجیب سی اُداسی ہر دم میرے وجود سے لپٹی رہتی ہے۔ ایسا کیوں ہے ڈاکٹر؟"

ڈاکٹر دوبارہ گردن جھکائے میز پر پھیلے کاغذات کو اِدھر اُدھر سے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"مسٹر جانی! اِدھر پچھلے کچھ دنوں میں آپ کے ساتھ کوئی بہت بڑا سانحہ تو نہیں گذرا۔ آئی مین، اینی ٹریجڈی ان یور لائف؟"

"نہیں ڈاکٹر، ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔"

"کسی بہت ہی قریبی شخص کی موت؟"

"میرا اس دنیا میں کوئی عزیز نہیں ہے ڈاکٹر!"

"اوہو" ڈاکٹر نے سیدھے ہاتھ کی شہادت کی اُنگلی سے اپنی چاند کو کھجلاتے ہوئے دھیرے سے کہا۔ "مسٹر جانی! آپ کو جسمانی طور پر کوئی بیماری نہیں ہے۔ البتہ آپ کا نروس سسٹم کچھ غلط جا رہا ہے، اور یہ چیز آگے چل کر خطرناک بھی ہو سکتی ہے ۔۔ نہیں ۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اس کا علاج بہت آسان ہے۔ آپ آسانی سے اس ٹینشن پر قابو پا سکتے ہیں۔ بس تھوڑی سی احتیاط برتیئے اور اپنے کچھ روٹین چینج کیجئے۔ میرا مطلب ہے۔ آپ اپنے روزمرّہ کے کاموں میں کچھ تبدیلی کیجئے۔ یہ بے حد ضروری ہے۔ بعض اوقات کام کی یکسانیت بھی آدمی کے نروس سسٹم پر خراب اثر ڈالتی ہے۔ آپ کو اپنا روزمرّہ کا سارا پروگرام بدلنا پڑے گا۔ ہوسکے تو کچھ روز کے لئے یہ شہر ہی چھوڑ دیجئے۔"

"ایسا کر سکنا مشکل ہے ڈاکٹر!"

"خیر، اگر شہر نہیں چھوڑ سکیں تو کمپلیٹ ریسٹ تو لینی ہی ہوگی۔ ہمیشہ خوش و خرم رہیئے۔ خوب ہنسئے، بولئے۔"

"ڈاکٹر میں یہی تو عرض کرنے جا رہا ہوں۔ ایک عرصے سے میرے ہونٹوں پر ہنسی نہیں آئی ہے۔ لوگوں کو ہنستے ہوئے دیکھ کر میرے اندر کچھ چھنّنے سا لگتا ہے۔ میں بہت کوشش کرتا ہوں کہ ہنسوں ۔ دوسروں کی طرح قہقہے لگاؤں مگر میں جب بھی ایسا سوچتا ہوں، دل جیسے کسی گہری اندھی کھائی میں اُترنے لگتا ہے اور میں اُداس ہو جاتا ہوں۔"

"دیکھئے، آپ اس طرح نروس مت ہوئیے۔ ہنسنے اور خوش رہنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت سیر و تفریح، کھیل تماشے میں صرف کیجئے۔"

"کھیل تماشے!" مسٹر جانی نے پُرتفکر انداز میں زیرِ لب دہرایا۔ "آج تک کھیل تماشے ہی تو کرتا رہا ہوں ڈاکٹر!"

مسٹر جانی کے اداس اور بھرّائے ہے ۔۔۔ مسٹر جانی کے اُداس چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"مسٹر جانی! ذہنی تناؤ کو کم کرنے کے لئے سیر و تفریح سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں، ہلکی پھلکی ورزش، کھیل تماشے وغیرہ ۔۔ اس کے لئے میں آپ کو سب سے پہلے آج کل شہر میں چلنے والے مشہور کامیڈی ناٹک "پاگل خانہ" کا نام سجیسٹ کروں گا۔ آپ اس میں پاگل خانے کے ڈاکٹر کی حرکتوں پر اپنے قہقہوں کو کسی طرح روک نہیں سکیں گے۔ آپ یہ ڈرامہ ضرور دیکھئے۔"

"مگر ڈاکٹر! ..... " مسٹر جانی مزید بےچین نظر آنے لگے۔

"ہاں، ہاں بولئے کیا بات ہے؟"

"ڈاکٹر! شاید آپ نہیں جانتے۔ اس ڈرامے میں ڈاکٹر کا رول ادا کرنے والا کیرکٹر میں ہی تو ہوں۔"

ڈاکٹر نے چونک کر مسٹر جانی کی طرف دیکھا۔ مسٹر جانی گردن جھکائے اپنے پیروں کے انگوٹھے کی طرف دیکھ رہے تھے اور ان کے چہرے پر اداسی کی پرچھائیاں مزید گہری ہو گئی تھیں۔ ●●

میونسپل ملازمین کو بھی زائد بھتّہ ملے گا!

حکومتِ مہاراشٹر نے ریاست کی میونسپل کونسلوں کو اجازت دے دی ہے کہ حکومت نے ۸ مئی ۱۹۷۵ء کو اپنے ملازمین کے لئے جس زائد مہنگائی بھتہ کا اعلان کیا ہے، اس کا مساوی مہنگائی بھتہ وہ اپنے ملازمین کو بھی دیں۔

جو میونسپل کانسلیں اپنے ملازمین کو زائد مہنگائی بھتہ دیں گی وہ حکومت سے امداد کی مستحق ہوں گی!

• علاءُ الدین جینا بڑے

چٹان اور پانی

"چٹان اور پانی" جناب فضیل جعفری کے پانچ تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے۔ عنوانات حسب ذیل ہیں؛

(۱) ترقی پسند تحریک اور شاعری (۲) چٹان اور پانی (۳) نئی شاعری اور جدیدیت (۴) نئی نظم کی زبان (۵) نئی غزل کا مزاج

دوسرے مضمون کا عنوان غیر متعلق سا نظر آتا ہے اور اس طرح کتاب کے نام سے بھی دھوکا ہو سکتا ہے۔ لیکن اس مضمون میں فضیل جعفری نے نہایت خوبصورت انداز میں ماضی کے روایتی، ترقی پسند نیز جدید ادب اور حال کے نئے ادب کا تقابلی مطالعہ پیش کیا۔ جس کا ماحصل انھیں کے الفاظ میں یوں ہے :

" یہ قطعاً غلط ہے کہ نیا پن ماضی اور حال کے آپسی تصادم سے پیدا ہوتا ہے، نیا پن تو دراصل ماضی اور حال کے بامعنی ملاپ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ میرے نزدیک ادب کی صحتمند روایتیں ایک مضبوط چٹان کی مانند ہوتی ہیں، ایسی چٹان جسے نئی شاعری اور نئے ادب کا بہتا ہوا پانی اپنی جگہ سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹا سکتا۔ نئے ادب کا پانی تو اس چٹان سے ٹکرا کر اپنے لئے نئے راستے تلاش کرتا ہے۔ جس طرح یہ پانی نہ تو چٹان کو توڑ سکتا ہے، نہ اسے پیچھے ہٹا سکتا ہے بالکل اسی طرح اس چٹان میں بھی یہ قوت نہیں کہ وہ بہتے ہوئے پانی کو نئے راستوں کی طرف جانے سے روک سکے۔ چٹان اور پانی کا جنم جنم کا رشتہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ !"

پہلے مضمون میں ترقی پسند تحریک اور اس سے متعلق شاعری کے اُبھار اور اس کے اغراض و مقاصد سے بحث کی ہے۔ تیسرے مضمون میں نئی شاعری کا بنظرِ غائر مطالعہ کرنے کے بعد اُس کی خصوصیات بیان کی ہیں جو اس طرح ہیں:

(۱) برگشتگی جس میں ایک انٹلیکچوئل احتجاج ہے۔ (۲) انکشافِ ذات یعنی نیا شاعر نجی اور داخلی شخصیت سے ہٹ کر سماجی اور ثقافتی تجربات میں اپنی ذات کو دریافت کرتا ہے۔ وہ مخصوص سیاسی نظریوں کی غلامی قبول کرنے کی بجائے اگر کوئی نظریہ رکھتا ہے یا رکھ سکتا ہے تو وہ ہے انسان دوستی اور انسان پرستی کا نظریہ۔ (۳) جنسی حقیقت نگاری جو دراصل مُردہ روایات اور بے مصرف احساساتی اور تجرباتی ڈھانچوں کے خلاف ایک احتجاجی رویّہ ہے۔

چوتھے مضمون میں نئی نظم کی زبان سے متعلق چند ایسے نکات کی وضاحت کی ہے جنھیں اگر ذہن میں رکھا جائے تو بقول مصنّف " ناقدین و قارئین کے لئے نئی نظم کو پڑھنا اور سمجھنا اتنا ہی آسان ہوگا جتنا ایک آدمی کے لئے رات کے اندھیرے میں، کسی قسم کی روشنی کی مدد کے بغیر، باتھ روم جاکر، بحفاظت اور بغیر ٹھوکر کھائے، اپنی خواب گاہ میں واپس آجانا۔"

اسی طرح آخری مضمون میں نئی غزل کے ارتقاء اور اس کے عصری عوامل کا جائزہ لیتے ہوئے اُس کی خصوصیات۔ جرأت، بے باکی، صداقت اور بے تکلفی بیان کی ہیں۔

کتاب دراصل ایک عمیق مطالعہ و تنقیدی بصیرت کی مظہر ہے اور نئی شاعری کو سمجھنے اور اُس کی خوبیوں کو پرکھنے میں معاون ہو سکتی ہے۔

نیشنل آرٹ پرنٹرس الہ آباد سے چھپی، ۱۰۲ صفحات کی یہ مجلد کتاب ۶ روپے میں مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ، جے۔ جے۔ اسپتال، بمبئی ۳ اور شب خون کتاب گھر، رانی منڈی، الہ آباد ۳ سے مل سکتی ہے۔

••

پدم بھوشن
پروفیسر ہارون خان شروانی کی اُردو خدمات

اردو نثر کے دامن نے ترجموں کے ذریعہ وسعت پائی۔ اس کا سلسلہ فورٹ ولیم کالج سے شروع ہوا جہاں اردو نثر کو تکلف و تصنع کے دائرے سے نکال کر سادہ، سہل و عام فہم راستہ دکھایا گیا۔ اس کے بعد سرسید نے سائنٹیفک سوسائٹی کے قیام کے ذریعہ اردو کو ایک علمی زبان کی حیثیت سے ترقی دینے اور اس کے دامن کو وسیع تر کرنے کی سعیٔ مشکور کی۔ اس کام کو آگے بڑھانے میں جو حضرات پیش پیش رہے اُن میں پروفیسر ہارون خاں شروانی بھی شامل ہیں۔

پروفیسر موصوف نے "تاریخِ یونانِ قدیم" کا چار ضخیم جلدوں میں ترجمہ کیا۔ نیز "دستورِ ہند اور اس کی مختصر شرح" لکھی۔ ان کے یہ دو عظیم کارنامے ہی ایک بلند پایہ مترجم کی حیثیت سے ان کی بقائے دوام کے ضامن ہیں۔

دراصل پروفیسر ہارون خان شروانی کی اردو خدمات متعدد و متنوع نوعیت کی ہیں۔ وہ بجائے خود ایک دور ہیں، ایک تہذیبی روایت ہیں۔ حکومتِ ہند نے انھیں ۲۶ جنوری ۱۹۶۹ء کو بجا طور پر پدم بھوشن کے اعزاز سے نوازا ہے۔

صادق نوید کی زیرِ تبصرہ کتاب ایک تحقیقی مقالہ ہے۔ جو انھوں نے ایم۔ اے۔ سالِ آخر کے لیے پروفیسر ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ کی رہنمائی میں لکھ کر پیش کیا تھا۔ اس تین ابواب پر مشتمل کتاب میں پروفیسر شروانی کے خاندان اور اسلاف سے متعلق تاریخی تفصیلات پیش کرنے اور آپ کی سیرت و شخصیت پر روشنی ڈالنے کے علاوہ آپ کی علمی و ادبی نیز اردو سے متعلق سیاسی خدمات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

کتاب اس لحاظ سے بھی قابلِ قدر ہے کہ اس میں نہ صرف ایک خادمِ اردو کی گوناگوں خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے بلکہ تاریخ ادبِ اردو کے بعض گوشوں کو دلچسپ، مختصر و جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

اس مجلد کتاب کی کتابت و طباعت نقائص سے پاک ہے۔ لکی پریس، حیدرآباد میں چھپی ۱۹۶ صفحات کی اس کتاب کی قیمت ۵ روپیہ ہے۔ ملنے کے پتے حسبِ ذیل ہیں:

(۱) صادق نوید ایم۔ اے عثمانیہ
مکان ۱۲-۲-۸۴۹ آصف نگر، حیدرآباد ۲۸

(۲) شفیع اقبال، ایڈیٹر "ہماری منزل"
دفتر روبرو کیفے سعدی، نام پلی، حیدرآباد ۱

(۳) ادبی ٹرسٹ بک ڈپو،
کنارا بینک، عابد روڈ، حیدرآباد ۱

شیریں کے خطوط

مرزا محمد زمان آزردہ، لکچرر شعبۂ اردو، کشمیر یونیورسٹی کے انشائیوں کا مجموعہ "غبارِ خیال" شائع ہو کر مقبول ہو چکا ہے۔ "شیریں کے خطوط" ان کی دوسری تصنیف ہے جو عنوان کے اعتبار سے "لیلیٰ کے خطوط" کی یاد دلاتی ہے۔ تاہم قاضی عبدالغفار کے مکتوبی ناول کے برعکس یہ تصنیف ایک نیم افسانوی انشائیوں کا مجموعہ ہے جو ۲۴ مکتوبات کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔

شیریں متوسط طبقے کی ایک بدنصیب لڑکی ہے جو تعلیم یافتہ، خوبصورت اور نیک اطوار ہونے کے باوجود، اپنی شادی کے معاملے میں جہیز کی رسمِ قبیح کا شکار ہو کر اپنی بیمار ماں اور پریشان حال بھائی کے لئے ایک مسئلہ بن کر رہ گئی ہے۔

یہ خطوط شیریں کی جانب سے اُس کی سہیلی اور کالج کی ساتھی سلمیٰ کو لکھے گئے ہیں۔ جہیز کے مسئلے کے علاوہ مالکانِ مکان کی ہوس اور کرایہ داروں کی دقتیں، اسکول کی حالتِ زار، اور ٹیچروں کی زبوں حالی جیسے متعدد سماجی و معاشی اُلجھنوں کو ادھیڑا گیا ہے۔ علاوہ ازیں کالج کے طلبہ و طالبات کے ساتھ اجمیر، دہلی، آگرہ، لکھنؤ کی سیر اور سید مسعود حسین رضوی ادیب سے ملاقات کی تفصیلات ایسے دل نشیں انداز میں بیان کی ہیں کہ ہر بات دل پر نقش ہو کر رہ جاتی ہے۔ جا بجا مناسب و موزوں شعروں کے استعمال سے شگفتہ اندازِ بیان مزید شگفتہ ہو گیا ہے۔

تکنیک کے اعتبار سے شیریں کے خطوط ناول نہیں اور نہ ہی افسانے۔ تاہم شیریں کی ایک خوش مزاج، ذہین، حاضر دماغ اور الھڑ نئی سہیلی زرینہ کا کردار یادگار رہے گا۔

ڈاکٹر شکیل الرحمٰن اور ڈاکٹر گیان چند کی ابتدائی تحریروں کے بعد ڈاکٹر اکبر حیدری نے بعنوان تعارف کتاب پر مختصر تبصرہ کیا ہے اور خود مصنف نے پیش لفظ لکھا ہے۔

اس مجلد کتاب کی کتابت و طباعت نقائص سے پاک اور کاغذ عمدہ ہے۔ صفحات ۱۴۸۔ قیمت ۷ روپے ۸۰ پیسے۔ خواتین کے بین الاقوامی سال کے دوران ایک بیش قیمت تحفہ ہے جس میں عورت کی سیرت اور اس کے مسائل کو نہایت خوش اسلوبی سے پیش کیا ہے۔

بروکاز گلشن پریس، سری نگر سے چھپی

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

کوکن کھاڑی میں بندرگاہوں کی سہولتوں میں بہتری

شری آر۔ وی۔ بیلوسے

مہاراشٹر کے ساحل سے لگے بحیرہ عرب سے ملنے والی ۴۴ سے زائد ندیاں اور کھاڑیوں میں کشتیوں کے ذریعہ سفر کیا جا سکتا ہے اور تقریباً ۵۰ لاکھ مسافر ہر سال ان کے ذریعہ سفر کرتے ہیں :

حالانکہ زیادہ تر کھاڑیوں میں مسافر بادبانی یا پتواری کشتیوں کے ذریعہ سفر کرتے ہیں مگر کچھ ایسی بھی کھاڑیاں ہیں جیسے ساوتری، وششٹی، جگبوڑی اور شاستری ندیاں ہیں جن میں مشینی مسافر لانچز کے ذریعہ طولاً فیری سروسیز چلتی ہیں۔

سروے

ریاستی ڈائرکٹوریٹ برائے اندرونی آبی مواصلات نے ساوتری ندی کا ایک سروے کیا جس سے پتہ چلا کہ ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ مسافر اس ندی میں بانکوٹ اور داس گاؤں کے درمیان دونوں سمتوں میں سفر کرتے ہیں جو کہ بمبئی - کوکن - گوا سڑک کے قریب ہے اور یہ فاصلہ مسافر بردار لانچوں کے ذریعہ ۲۸ میل کا ہے۔ جبکہ وششٹی اور جگبوڑی ندیوں کے ذریعہ سفر کرنے والے مسافروں کی تعداد ۲,۶۸,۶۴۰ ہے۔

پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے چونکہ اچھی سڑکوں کی کمی ہے اس لئے اس کے حل کے طور پر ان ندیوں کے اطراف میں دسترس سے دور علاقوں میں بسنے والوں کے لئے مواصلات کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے اندرونی آبی مواصلات۔

تعارف اور بہتری

گزشتہ کچھ عرصے سے حکومت مہاراشٹر کا دھیان ان اندرونی آبی مواصلات میں مناسب ترقی کے فلاحی کام کی طرف جا رہا تھا اور اس سلسلہ میں بندرگاہوں کی سہولتوں میں بہتری پیدا کرنے کا پروگرام حکومت نے ۱۹۷۱ء میں شروع کیا۔

چونکہ پکی جیٹیاں بنانے سے کیچڑ بڑھے گا اور اس کے علاوہ زائد لاگت اور تعمیر میں زائد وقت صرف ہوگا اس لئے حکومت کو مجبور ہو کر دوسرے قسم کی جیٹی کے بارے میں غور کرنا پڑا۔ اور آخرکار ریاستی حکومت نے تیرتی ہوئی پونٹون جیٹیاں فراہم کرنے کی تجویز تیار کی۔

فوائد

ان پونٹون جیٹیوں پر تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپے لاگت آتی ہے اور بہت تیزی سے تیار

شری آر۔ وی۔ بیلوسے

وزیر مملکت برائے ماہی گیری، بندرگاہ، شراب بندی اور سیاحت

کی جا سکتی ہیں۔ ان جیٹیوں کی ڈیزائن اس طرح تیار کی گئی ہے کہ پانی کے کسی بھی سطح پر چاہے جوار ہو یا بھاٹا یا برسات میں سیلابی کیفیت ہو اترنے اور چڑھنے کے لئے آسان ڈیک کی سطح فراہم کرتی ہیں۔ لانچیں جیٹی کے ساتھ بہاؤ پر بھی قطار سے کھڑی کی جا سکتی ہیں۔ ایسی جیٹیوں کے لئے مناسب مقامات ڈھونڈنے میں بہت کم وقت صرف ہوتا ہے اور آسانی سے تلاش کئے جا سکتے ہیں۔

پونٹون جیٹیاں آسانی سے کھول کر نئی جگہ پر آسانی سے منتقل کی جا سکتی ہیں۔ آغاز میں یہ جیٹیاں ان کھاڑیوں اور ندیوں میں لگائی جائیں گی: امبا (دھرمتر اور کھاڑی سے دور)، ساوتری، وشِشٹھی، جگبوڑی اور شاستری۔

ہر مائلڈ اسٹیل پونٹون جیٹی جس میں گینگ وے، لنگر بلاک، زنجیروں وغیرہ کے ساتھ بشمول ۱۰ ملی میٹر موٹی لوہے کی پلیٹ کنٹرول قیمت نیز بیمہ کے ساتھ، محکمہ جاتی جہازوں کے ذریعہ کھینچنا وغیرہ کے اصل لاگت جب یہ ۱۹۷۱ء میں تیار کی گئی تھیں تو فی جیٹی کل لاگت ۷۹,۹۹۶ روپے آتی تھی مگر قیمتوں میں اضافہ کی وجہ سے پانچویں پانچ سالہ منصوبے کے دوران اس کی قیمت فی جیٹی ڈیڑھ لاکھ روپے ہوگئی۔

خصوصیات

ان جیٹیوں کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں: ۳۰ فٹ لمبی، ۱۵ فٹ چوڑی، ۴ فٹ گہری تاکہ زیادہ سے زیادہ وزن پر دو فٹ ہی نیچے جا سکے۔ ساتھ میں دس ملی میٹر موٹے لوہے کی پلیٹ جو کہ تمام ضروری فٹنگ سے آراستہ مثلاً اسٹیفنر چار واٹر ٹائٹ کمپارٹمنٹ، بولارڈز بشمول ۶۰ فٹ لمبی اور چار فٹ چوڑی گینگ وے جو کہ دس ہزار پاؤنڈ زندہ وزن کے لئے ڈیزائن کی گئی ہیں، لکڑی کی ریلنگ، لکڑی کا پلیٹ فارم، پونٹون پر رولر اور ساحل پر اس کو باندھنے کے لئے کڑے وغیرہ کا انتظام۔

اب تک آٹھ جیٹیاں چلپ، کدگاؤں، امباوے، شگوان، پاوے، سندیری، شپولے اور اکا دیوی پر لگائی جا چکی ہیں اور کچھ مزید جس کا انحصار فنڈ کی فراہمی پر ہے، جاریہ سال کے دوران لگائی جائیں گی۔

یہ تمام جیٹیاں کوکن کھاڑی کے مسافروں کو کچھ سہولت فراہم کریں گی۔ جن جگہوں پر ٹرافک کم ہے وہاں چھوٹی جیٹیاں فراہم کرنے کی بھی کوشش کی جا رہی ہے۔

ان جیٹیوں کی دیکھ بھال اور مرمت وغیرہ کے لئے ایک مناسب ٹیکنیکل سیل ڈائرکٹر ان لینڈ واٹر ٹرانسپورٹ کے تحت قائم کیا جائیگا۔

کوکن کے پسماندہ علاقوں کے عوام کو نئی پونٹون جیٹیاں مناسب سماجی اور مواصلاتی فائدہ پہنچائیں گی اور اندرونی آبی مواصلات کی مناسب ترقی میں بہت اہم کردار کی حامل ہوں گی۔

حکومت ان جیٹیوں کو تجارتی مقاصد کیلئے استعمال نہیں کر رہی ہے۔ ان جیٹیوں کو استعمال کرنے والے مسافروں سے کسی قسم کی فیس وغیرہ نہیں وصول کی جاتی اور نہ ہی حکومت کوئی لیوی لگانے کی خواہشمند ہے۔

بقیہ: تبصرے

یہ کتاب ریاستِ جموں وکشمیر کی کلچرل اکیڈیمی کے مالی اشتراک سے شائع ہوئی ہے اور حسب ذیل پتوں پر مل سکتی ہے:

(۱) شیخ محمد عثمان اینڈ سنز بک سیلرز، فتح کدل، سری نگر، کشمیر
(۲) علی محمد اینڈ سنز بک سیلرز، میرا کدل، سری نگر، کشمیر
(۳) بک کارنر، مولانا آزاد روڈ، سری نگر کشمیر
(۴) محراب اردو ڈائجسٹ، اردو بازار، دہلی ۶
(۵) اردو پبلشرز، ۸۔ تلک مارگ، لکھنؤ یوپی
(۶) مرزا پبلیکیشنز، حسن آباد، رعناواری، سری نگر ۱۳، کشمیر

لیوی کا انحصار ملکیتِ زمین پر ہوگا

حکومت مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ ۱۹۷۵-۷۶ء کی فصل کے لئے اناج کی لیو[ی] کاشتکار کی کل ملکیتِ زمین پر مبنی ہوگی [،] اس کے کل محصولِ اراضی کے حساب سے ش[...] کی جائے گی اور اس کے ساتھ آبپاشی کے [...] اراضی کا بھی خیال رکھا جائے گا۔

خریف علاقوں میں لیوی دھان یا چا[...] خریف جوار، باجری یا ناگلی یا ان سب اناج کے مرکب کی شکل میں اور ربیع علاقوں میں لی[...] ربیع جوار یا گیہوں کی شکل میں ادا کی جا سکتی[...]

جن کاشتکاروں کی زمین کنوؤں یا نہروں یا د[...] ذرائع سے سینچی جاتی ہے تو جہاں تک آبپاشی وال[...] کا معاملہ ہے ان پر لیوی زائد شرح سے وصول کی جا[...]

فصلوں کے کل ہند مقابلے

موسم خریف اور ربیع ۱۹۷۵-۷۶ء کے دوران خریف اور ربیع فصلوں کے کل ہند مقابلے منعقد کئے جائیں گے۔ خریف فصل میں دھان، مکئی، جوار، باجرہ، راگی، آلو اور ارہر کی فصلیں نیز ربیع فصل میں گیہوں، سرسوں، دھان، جوار، چنا اور آلو کی فصلیں بوئی جائیں گی۔

تمام فصلوں کے مقابلوں کے لئے میدانی علاقوں میں کم ازکم اراضی کا آدھا ایکڑ ٹکڑا جس پر کاشت نہیں کی گئی ہو مقرر کیا گیا ہے۔ پہاڑی خطے میں یہ میدانی علاقہ کے کاشتکاروں کے لئے مقررہ اراضی کے حصے سے نصف ہوگا۔ مقابلے میں حصہ لینے والا شخص ایک فصل میں ایک یکجا قطعہ اراضی پر مقابلہ کرسکتا ہے۔ تمام فصلوں کے لئے مقابلے میں حصہ لینے کی غرض سے ریاستوں کی تعداد ہر فصل کیلئے کم ازکم تین ہونی چاہئے۔ مندرجہ ذیل کاشتکار کل ہند مقابلے میں حصہ لینے کے اہل قرار دئے جائیں گے:

(۱) ریاستی سطح پر ۱۹۷۴-۷۵ء میں مخصوص فصل مقابلہ میں جیتنے والے پہلے چار کاشتکار۔

(۲) ایسے کاشتکار جنھوں نے قدرتی آفتوں کی بنا پر یا کسی اور سبب سے نقصان کی بنا پر ۱۹۷۴-۷۵ء کے فصلوں کے مقابلوں سے اپنا نام واپس لے لیا ہو۔

(۳) سنہ ۱۹۷۳-۷۴ء کے انعامات جیتنے والے کاشتکار جن کے ریاستی سطح مقابلے میں نتائج کا اعلان ۱۹۷۴-۷۵ء میں تاخیر سے کیا گیا ہو۔

انعامات کی تعداد تین ہوگی یعنی پہلا، دوسرا اور تیسرا انعام بالترتیب ۲۰۰۰ روپے، ۱۲۰۰ روپے اور ۸۸۰ روپے کا ہوگا۔ ہر ایک فصل میں پہلا انعام جیتنے والے کو کرشی پنڈت سرٹیفکیٹ دیا جائے گا۔ انعامات کا فیصلہ کرنے کے لئے مکمل پلاٹ کی فصل کی کٹائی وغیرہ مرکزی نمائندے کے سامنے کی جائے گی۔

شرکت کیلئے مقررہ فارم پر درخواستیں ایکسٹینشن ڈائرکٹوریٹ، منسٹری آف ایگریکلچر اینڈ اریگیشن، شاستری بھون، نئی دہلی کو خریف فصل کے لئے ۱۵ اگست ۱۹۷۵ء تک اور ربیع فصل کے لئے ۱۵ فروری ۱۹۷۶ء تک مل جانی چاہئیں۔

مقابلے میں شرکت کرنے والے کاشتکار داخلہ فارم کے ساتھ اپنا ایک فوٹو بھی بھیجیں۔

ہاؤسنگ بورڈ کے مکانوں کی فروخت

حکومت مہاراشٹر نے کم آمدنی گروپ ہاؤسنگ اسکیم اور درمیانی آمدنی گروپ ہاؤسنگ اسکیم کے تحت مہاراشٹر ہاؤسنگ بورڈ اور ودربھ ہاؤسنگ بورڈ کے تعمیر کردہ مکانات کے فروخت کی پالیسی میں تبدیلی کر دی ہے۔

لہٰذا بورڈ اس امر کا خیال رکھے گا کہ امداد باہمی تعمیر مکانات اداروں اور دیگر اداروں کو موجودہ ضابطہ کے مطابق تعمیر شدہ عمارتیں حق خریداری کی بنیاد پر فروخت کی جائیں۔ ایسی صورت میں جبکہ براہ راست فروخت کی بنیاد پر مکانوں کی فروخت کے لئے کوئی مطالبہ نہ ہو تو بورڈ ان عمارتوں کو ہائر پرچیز بنیاد پر فروخت کرسکتا ہے۔

جب کہ مکانات ہائر پرچیز بنیاد پر دئے گئے ہوں تو فروخت قیمت الاٹی سے حسب قاعدہ وصول کی جائے گی۔

کم آمدنی ہاؤسنگ اسکیم اور درمیانی آمدنی ہاؤسنگ اسکیم کے تحت بمبئی ضلع اور پونہ میں بورڈ کے ذریعہ تعمیر شدہ ایک منزلہ مکانات فروخت نہ کرنے کی پالیسی تھانہ میں تعمیر کردہ مکانات پر بھی لاگو کی جائے گی۔

اس بات کا بھی خیال رکھا جائے گا کہ جن حضرات کو مکانات الاٹ کئے گئے ہیں وہ انھیں دوسروں کو نہ بیچ سکیں چنانچہ معاہدہ کے تحت ۱۰ سال کیلئے مکانات کی دوبارہ فروخت پر پابندی عائد ہوگی۔ اگر اس کی خلاف ورزی کی گئی تو بورڈ کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ مکانات پر دوبارہ بغیر کسی معاوضہ کے قبضہ کرلے اور حق ملکیت مکرر حاصل کرلے۔

ایگزیکیوٹیو مجسٹریٹوں کا تقرر

مہاراشٹر محصول اراضی ضابطہ بابت ۱۹۶۶ء کے تحت ان تمام افراد کو جو کہ اوّل کارکن اور فاضل اوّل کارکن کے عہدہ پر عارضی یا مستقل طور پر بمبئی ضلع کے میٹروپولیٹن علاقے کے باہر مامور ہیں، بطور ایگزیکیوٹیو مجسٹریٹ ان ضلعوں میں جہاں ان کا تقرر کیا جائیگا اس مدت کیلئے جبکہ وہ برسر عہدہ رہیں مقرر کیا گیا ہے۔ انھیں ضابطہ کی دفعات ۱۴۳، ۱۴۴ اور ۱۷۳ کے تحت اختیارات دئے گئے ہیں۔

کل ہند پھل نمائش

کل ہند پھل نمائش اور آپیان پشت مقابلوں کے تحت ڈائرکٹوریٹ آف ایکسٹینشن، مرکزی وزارت زراعت و آبپاشی، نئی دہلی ۱۹۷۵ء کے دوران کل ہند پھل نمائش کا اہتمام کرے گا۔ چنانچہ آم کی کل ہند نمائش جولائی ۱۹۷۵ء میں، سیب کی کل ہند نمائش ستمبر/اکتوبر ۱۹۷۵ء میں۔ اسی طرح ترش پھلوں اور دیگر پھلوں نیز کیلے کی کل ہند نمائش دسمبر ۱۹۷۵ء اور جنوری ۱۹۷۶ء میں اور انگور کی کل ہند نمائش مارچ ۱۹۷۶ء میں ہوگی۔

مشاورتی کمیٹی برائے بمبئی دودھ اسکیم

حکومت مہاراشٹر نے ڈیری ڈیولپمنٹ کمشنر بمبئی کی زیر صدارت بمبئی عظمیٰ دودھ اسکیم، بمبئی کیلئے صارفین کی مشاورتی کمیٹی کی تشکیل کی ہے۔

اس کمیٹی کے دیگر ممبران یہ ہیں، ڈاکٹر وامن ایس۔ منگر، ایم۔ایل۔اے، بمبئی؛ شریمتی کملا رامن، ایم۔ایل۔اے، بمبئی؛ شری عمر قاضی، ایم۔ایل۔اے، بمبئی؛ شری منوہر جوشی، ایم۔ایل۔سی؛ شری پرکاش موہاڈیکر، ایم۔ایل۔سی، بمبئی؛ ڈاکٹر سدھاکر ایچ۔ دیشپانڈے، بمبئی؛ شریمتی سروج آپٹے، بمبئی؛ شریمتی فرینی جیمی، بمبئی؛ شری شنکر راؤ رامچندر چلے، بمبئی؛ شری شریکانت دِنکر کلکرنی، بمبئی؛ شری ڈی۔ایس۔ نلوڈے، کارپوریٹر، بمبئی میونسپل کارپوریشن؛ اور شری وی۔جی۔ دھرپ، کارپوریٹر، بمبئی میونسپل کارپوریشن، بمبئی۔

جنرل مینیجر، بمبئی عظمیٰ دودھ اسکیم، اس کمیٹی کے کنوینر ہیں۔

غذا میں ملاوٹ کی روک تھام

افسران کو اختیارات

حکومت مہاراشٹر نے غذا میں ملاوٹ کی روک

تمام ایلٹ ... کے تحت بمبئی پونا ناگپور اور اورنگ آباد ڈویژن کے جوائنٹ کمشنر، فوڈ اینڈ ڈرگ ایڈمنسٹریشن کو قانونی کارروائی کرنے کے لئے منظوری دینے کے اختیارات دیدئے ہیں۔

ہومیوپیتھک منتظم کی مدت میں توسیع

گورنر کا آرڈی ننس

گورنر مہاراشٹر نے ایک آرڈی ننس کے ذریعہ ہومیوپیتھک اینڈ بایوکیمک پریکٹیشنرز ایکٹ بابت ۱۹۵۹ء میں ترمیم کردی ہے تاکہ بورڈ آف ہومیوپیتھک اینڈ بایوکیمک سسٹمز آف میڈیسن، بمبئی کے اختیارات و فرائض کی انجام دہی کے سلسلہ میں منتظم (ایڈمنسٹریٹر) کی مدت کار میں توسیع کی جاسکے۔

فی الحال ریاستی قانون ساز کے دونوں ایوانوں کا اجلاس نہ ہونے کی وجہ سے یہ آرڈی ننس جاری کیا گیا ہے۔

یہ آرڈی ننس جو فوری طور سے نافذالعمل ہوگا حکومت مہاراشٹر کے غیر معمولی گزٹ کے حصہ ۴ میں ۲۸ مئی ۱۹۷۵ء کو شائع کردیا گیا ہے۔

اسپورٹس اداروں کو امداد

ایسے اسپورٹس ادارے یا جماعتیں جو کہ سوسائٹیز رجسٹریشن ایکٹ یا چیریٹی کمشنر ایکٹ کے تحت درج رجسٹر ہوں اور وہ مہاراشٹرا اسٹیٹ اسپورٹس کونسل کی جانب سے منظور شدہ مندرجہ ذیل کسی ایک یا اس سے زائد اسپورٹس کو فروغ دی ہوں، متعلقہ ضلع اسپورٹس افسران سے مقررہ فارم حاصل کرکے امداد کیلئے درخواستیں بھیج سکتی ہیں۔

والی بال، کرکٹ، شطرنج، فٹ بال، بلیرڈز، جوڈو، بال۔ بیڈمنٹن، کبڈی، کُشتی، سافٹ بال (SOFT - BALL)، ہاکی، جمناسٹک، وہیٹ ... سائیکلنگ، ٹینس، کسرت، کھوکھو، مال کھمب اور آسن، کوہ پیمائی، باکسنگ، نشانہ بازی، بر... ٹینیکوئٹ (TENNIQUOIT)، ہینڈ بال ا... کیرم۔

درخواست فارم متعلقہ ضلع کے ضلع اسپورٹس آفیسر سے جولائی کے پہلے ہفتہ میں مفت حا... کیا جاسکتا ہے۔

درخواستیں متعلقہ ڈسٹرکٹ اسپورٹس افسر کو ضروری دستاویزات کے ساتھ ۱۵ اگست ۱۹۷۵ء تک ارسال کردینا چاہئیں۔

لائسنسنگ اتھارٹی

برائے ادویہ قوانین

حکومت مہاراشٹر نے ادویہ کوسمیٹک ... بابت ۱۹۴۵ء کے تحت جائنٹ کمشنر (ہیڈ...) فوڈ اینڈ ڈرگس ایڈمنسٹریشن کو لائسنسنگ اتھارٹی برائے ریاست مہاراشٹر کی حیثیت مقرر کیا ہے۔

میونسپلٹیوں کی جانب سے عطیات

حکومت مہاراشٹر نے ریاست میں میونسپل کونسلوں کو مہاراشٹر میونسپلٹیز ایکٹ بابت ۱۹۶۵ء کی ۴۹ (۳) (ڈبلیو) کے تحت ادبی کانفرنس، ر... اسپورٹس مقابلے، ریاستی سطح پر ڈراموں کے م... اور اسی قسم کے دوسرے پروگراموں کیلئے امداد پر عطیات دینے کی ہدایت کی ہے۔ اس سے قبل کلکٹران کے توسط سے حکومت کی منظوری کرلینی چاہیے۔

اس سلسلے میں اگر کونسلوں نے خلاف ... کی تو کونسلروں کو رقم ادا کرنی پڑے گی

منصوبہ بندی کے ڈھانچے میں تبدیلی کی ضرورت

وزیر اعلیٰ کی تقریر

ریاستی سطح پر پسماندہ علاقوں کے مسئلوں کو حل کرنے کے لئے، مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ شری ایس۔ بی۔ چوان نے ضرورت پیش آنے پر منصوبہ بندی کے ڈھانچے میں تبدیلی پر زور دیا۔ شری چوان، ناندیڑ سے ۷۰ کلومیٹر دور ایک مقام اماری پر حال ہی میں ایک میٹنگ سے خطاب کر رہے تھے۔ آپ نے اس بات کی وضاحت کی کہ ضلع منصوبہ بندی بہرصورت اپنے بنیادی ڈھانچے پر قائم رہے گی۔

شری چوان نے آبپاشی منصوبوں پر اثرانداز ہونے والی مقامی سیاست سے خبردار کیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر ایسا ہوا تو اس سے نہ صرف ضلعوں کو بلکہ پوری ریاست کو نقصان پہنچے گا "یہی وجہ ہے کہ میں نے سمت اور منصوبہ کی ترجیحات میں کچھ تبدیلی کا مشورہ دیا ہے تاہم یہ میری ذاتی رائے ہے حکومت کی رائے نہیں، میں خاص طور پر اس بات کی وضاحت کر دینا چاہتا ہوں"۔

وزیر اعلیٰ نے بیلولی تعلقہ میں بیل گجا ری مقام پر بے زمین مزدوروں میں ۱۷ جھونپڑے تقسیم کئے۔ ہر جھونپڑے پر تخمیناً لاگت ۵۰۰ روپے ہے جس میں سے ۱۵۰ روپے فی جھونپڑے کے حساب سے حکومت کی جانب سے امداد کی گئی اور باقی امداد عوام کی جانب سے حاصل ہونے والے عطیات سے پوری کی گئی۔

دھرم آباد میں دیئے گئے استقبالیہ جلسہ میں

وزیر اعلیٰ نے بتایا کہ ۱۵ مئی ۱۹۷۵ء تک ۲۵،۰۰۰ جھونپڑوں کی تعمیر کا نشانہ مکمل کر لیا گیا ہے۔ انہوں نے مارچ ۱۹۷۶ء تک مزید ۵۰،۰۰۰ جھونپڑے تعمیر کرنے کا اعلان کیا۔

کاشتکاروں کے لئے ۲ کروڑ روپے کے قرضہ جات

شری وی۔ جی۔ مہوڈ، ڈسٹرکٹ ڈپٹی رجسٹرار امداد باہمی ادارہ جات نے گذشتہ ۸ جون کو اکولہ میں ایک بیان میں بتایا کہ سنٹرل کوآپریٹو بینک کی جانب سے کاشتکاروں کو آئندہ خریف فصل مہم کے لئے دو کروڑ روپے سے زائد رقم پیشگی دی گئی ہے۔ امداد باہمی خرید و فروخت ادارے کاشتکاروں کے درمیان قرضہ کی تقسیم میں مصروف ہیں۔

بینک نے ۸۱ فیصدی پیشگیاں ۴ جون تک وصول کر کے ودربھ علاقے میں اوّلیت حاصل کر لی ہے۔ بینک ۸۵ فیصدی بقایا جون کے آخر تک وصول کرے گا۔

اجارہ داری کپاس خریداری اسکیم کے تحت ضلع میں ۱۳۶۵۲ لاکھ کوینٹل کپاس جس کی لاگت تقریباً ۴۱ کروڑ روپے ہے، خریدی گئی ہے۔ ۱۳ کروڑ روپے کی رقم کپاس کے کاشتکاروں کو ۳۰ فیصدی بقایا جات کے عوض دی گئی ہے۔

کلکٹر شری ڈی۔ ایم۔ نائیک کی سربراہی میں افسران کے ایک وفد نے کاشتکاروں کے مسائل کو فوری طور پر حل کرنے کیلئے ضلع کا دورہ کیا۔

جنوماں ٹیکری جھونپڑی میں مزدوروں کے فلاحی مرکز کا افتتاح ۱۱ جون کو مہاراشٹر کے وزیر محنت شری شنکر راؤ پاٹل کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اس موقع پر لی گئی تصویر میں مرکزی نائب وزیر محنت شری رام ناتھ پانڈے بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

گائناکولوجیکل کانفرنس کا افتتاح

ڈاکٹر لیسٹ ڈیسوزا، وزیر مملکت برائے صحت عامہ اور پروٹوکول نے بمبئی آبسٹیٹرک اور گائناکولوجیکل سوسائٹی کی تیسری کانفرنس کا افتتاح حال ہی میں بمبئی کے انڈین میڈیکل ایسوسی ایشن ہال میں کیا۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے وزیر موصوف نے خاندانی منصوبہ بندی کے سلسلہ میں گائناکولوجسٹوں کی خدمات کو سراہا۔ انہوں نے دیہی علاقوں میں خاندانی منصوبہ بندی کی کامیابی کے لئے حکومت کی بھرپور امداد کی یقین دہانی کی۔

وزیر موصوف نے ماہرین اور مختلف اداروں سے ابتدائی صحت مراکز جیسی اسکیموں کو عملی جامہ پہنانے کیلئے تعاون کی اپیل کی۔

ابتدا میں ڈاکٹر آر۔ ڈی۔ پنڈت، سوسائٹی کے سکریٹری نے مہمانوں کا استقبال کیا اور ڈاکٹر ایم۔ این۔ پاریکھ، جوائنٹ سکریٹری نے شکریہ ادا کیا۔

اسلفانگر، گھاٹ کوپر (بمبئی) میں واقع جھونپڑپٹیوں کے سدھار کا پروگرام ۵ رجون ۱۹۷۵ء کو وزیر مملکت برائے شہری ترقیات ستری پربھاکر کُنٹے کے دست مبارک سے شروع ہوا۔ اس پروگرام پر تقریباً گیارہ لاکھ روپے کا صرفہ آئے گا۔

یہ اسی موقع کی تصویر ہے!

سائیکل رکشاؤں میں موٹر انجن
اِمکانات کے جائزے کیلئے مطالعاتی جماعت

حکومت مہاراشٹر نے ریاست میں سائیکل رکشاؤں کے خاتمہ کے لئے طریقہ اور ذرائع تجویز کرنے کے لئے مقررہ مطالعاتی جماعت سے کہا ہے کہ وہ اس بات کے امکانات کا جائزہ لے کہ آیا موجودہ سائیکل رکشاؤں میں موٹر انجن لگائے جا سکتے ہیں اور اس مقصد کے لئے تفصیلی پروگرام تیار کرے۔

مطالعاتی جماعت کا تقرر گزشتہ فروری میں ہوا تھا۔ حکومت کو اس سلسلہ میں مختلف اداروں جیسے کرلوسکر، ریلیس انڈیا لیمیٹڈ وغیرہ کی جانب سے درخواستیں موصول ہوئی ہیں جن میں یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ سائیکل رکشاؤں میں موٹر انجن لگائے جا سکتے ہیں جو پٹرول سے چلیں گے اور ان پر تقریباً ۱۵۰ روپے کا خرچ آئے گا۔

پٹرول یا آئل انجن لگانے کے بعد سائیکل رکشا موٹر گاڑی ایکٹ ۱۹۳۹ء کے تحت موٹر گاڑی کے زمرے میں آجائے گا۔

ہر ضلع کے لئے رصدگاہ
غذائی ملاوٹ کی روک تھام کے لئے اقدامات

حکومت مہاراشٹر نے غذائی ملاوٹ کی روک تھام کے لئے ہر ضلع میں غذا، دودھ اور پانی کے تجزیہ کی خاطر صحت عامہ رصدگاہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اورنگ آباد، پونا، امراؤتی اور ناگپور میں موجودہ رصدگاہوں کے علاوہ جلگاؤں، شولاپور اور کولہاپور میں جلد ہی اس قسم کی تین رصدگاہیں قائم کرنے کی منظوری دی گئی ہے، اور وہ جلد ہی کام شروع کر دیں گی۔

شریمتی پربھا پاٹل، وزیر صحت عامہ و سماجی بہبود نے گزشتہ ۵ رجون کو سچیوالیہ میں مشاورتی بورڈ برائے غذائی آمیزش کی روک تھام کی بیٹھک کی صدارت کرتے ہوئے اس بات کا اعلان کیا۔

بیٹھک سے خطاب کرتے ہوئے موصوفہ نے بتایا کہ صارفین کو غذائی آمیزش کی روک تھام کے بارے میں نمائش و کیمپ منعقد کرکے بڑے پیمانے پر تعلیم دی جانی چاہیئے۔ انھوں نے کہا کہ ریاست میں خواتین کے تنو کیمپ بین الاقوامی خواتین سال منانے کے سلسلے میں منعقد کئے جائیں گے۔ اور ان کے ذریعے خواتین کو انسدادِ ملاوٹ کے سلسلہ میں تعلیم دی جا سکے گی۔

- افتتاحی تقریب
- اغراض و مقاصد
- چند آراء، چند تبصرے
- اوّلین اجلاس کی روداد
- اراکین کا تعارف

خصوصی ضمیمہ

مرتبین
سردار عرفان
ڈاکٹر عبدالستار دلوی

قومی راج
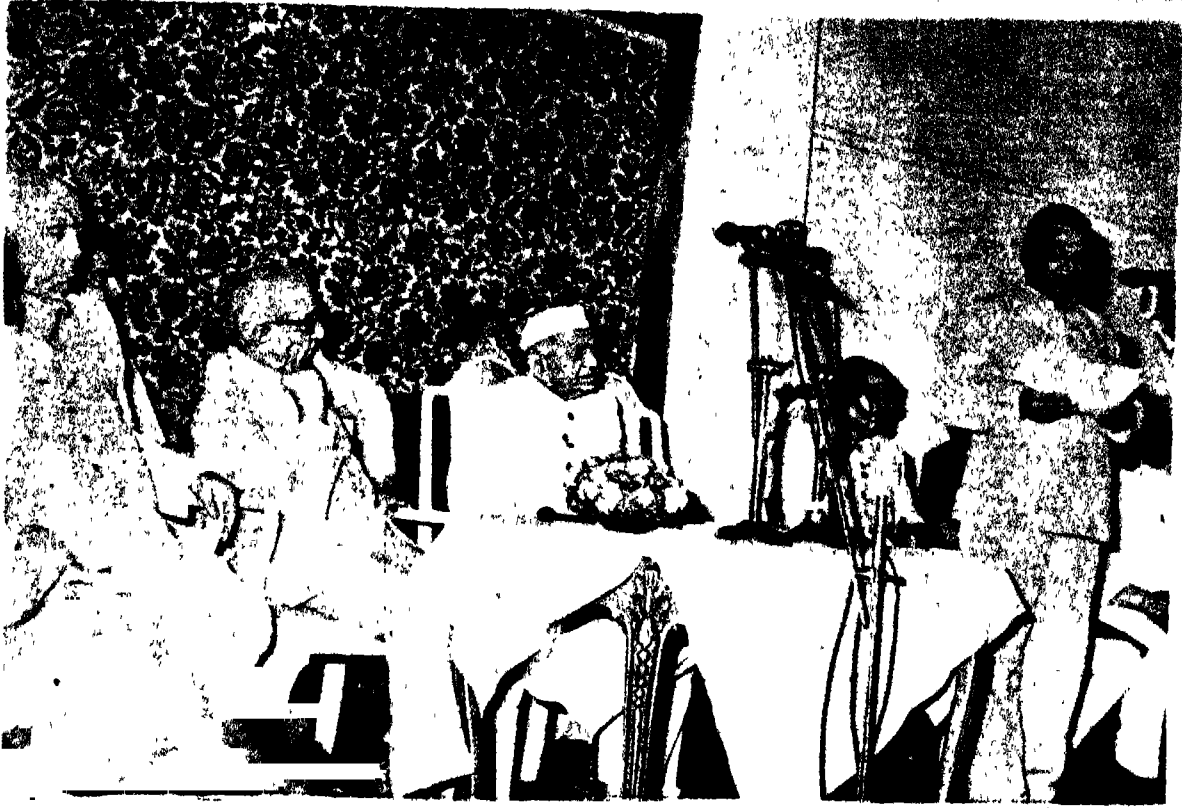
مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کی افتتاحی تقریب کے دوران وزیر اعلیٰ جناب شنکر راؤ چوان تقریر کرتے ہوئے۔ ڈائس پر (دائیں سے بائیں) ڈاکٹر رفیق زکریا، صدر جمہوریہ فخر الدین علی احمد، گورنر علی یاور جنگ اور شیخ عبداللہ!

مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادیمی

صدرِ جمہوریۂ ہند کے ہاتھوں اِفتتاح

اتوار، ۲۰ اپریل ۱۹۷۵ء اردو دوستوں کے لئے ایک انتہائی اہم اور یادگار دن تھا جب رسمی طور پر مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادیمی کا قیام عمل میں آیا۔

اس روز صبح سویرے ہی سے راج بھون کے عظیم الشان اور باوقار دربار ہال میں ایک انوکھی چہل پہل نظر آرہی تھی۔ اردو دوستوں اور اُردو نوازوں کا ایسا مختصر لیکن نمائندہ اجتماع بمبئی کی ادبی تاریخ میں شاذ ہی دیکھا گیا ہوگا۔ ایک طرف اردو زبان و ادب کے ممتاز ادبا، وشعرا جلوہ گر تھے تو دوسری طرف ثقافتی اور صحافتی دنیا کے تقریباً تمام اہم نمائندے اس تقریب کی رونق بڑھا رہے تھے۔

مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادیمی کا افتتاح کرتے ہوئے صدر جمہوریۂ ہند عالیجناب فخرالدین علی احمد نے اس امر پر اظہارِ مسرت کیا کہ اُردو کو اب ملک میں اس کا جائز مقام مل رہا ہے اور اس زبان کو اب وہ اہمیت دی جارہی ہے جو آزادی کے بعد اسے ملنا چاہیے تھی۔

صدر جمہوریہ نے فرمایا کہ اُردو کی کتابوں کی اشاعت اور فروخت تشویشناک حد تک کم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نہ صرف ریاستی حکومتوں بلکہ اُردو سے دلچسپی رکھنے والی رضاکار تنظیموں کو بھی اردو زبان و ادب کے تحفظ اور اس میں اضافہ کے لئے خصوصی کوششیں کرنی ہونگی۔

صدر جمہوریہ نے مزید فرمایا کہ اُردو اور ہندی زبانوں میں ملک کو متحد رکھنے کی صلاحیت اور قوت پائی جاتی ہے لہٰذا ان زبانوں کی ترویج و ترقی بے حد ضروری ہے۔

وزیر اعلیٰ کشمیر شیخ محمد عبداللہ کی غیر متوقع شرکت نے اکادمی کے افتتاح کی تقریب میں چار چاند لگادئے تھے۔ شیخ محمد عبداللہ نے اپنی تقریر کے دوران حکومت مہاراشٹر کو مبارکباد دی کہ اس نے اُردو اکادمی قائم کرکے صحیح سمت میں قدم اٹھایا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ کشمیر میں ۱۹۴۷ء ہی میں اُردو کو سرکاری زبان قرار دیدیا گیا تھا۔ آپ نے اپنی اس دیرینہ خواہش کا اظہار کیا کہ ملک بھر کے اردو ادیبوں اور شاعروں کو کشمیر میں مدعو کرکے انھیں وہاں تخلیقی کام کرنے کی تمامتر سہولیات فراہم کی جائیں۔ شیخ صاحب نے فرمایا کہ ابتداءً وہ ایسے ادباء و شعراء کے لئے آرام گاہ قائم کرنے کی کوشش کریں گے جنھیں تبدیلیٔ آب و ہوا کی ضرورت ہو۔

وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری شنکر راؤ چوان نے صدر جمہوریہ فخرالدین علی احمد صاحب کا خیر مقدم کرتے ہوئے اعلان کیا کہ اردو اکادمی کے لئے حسب ضرورت مزید رقم فراہم کی جائے گی۔

وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ ریاست مہاراشٹر میں مراٹھی کے بعد اردو ہی سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان ہے اور اس اکادمی کے قیام کا اوّلین مقصد یہ ہے کہ دونوں زبانوں میں ایک مؤثر ربط قائم کیا جائے۔

شری ایس۔ بی۔ چوان نے مہاراشٹر کے نئے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے جب ذمہ داریاں سنبھالیں تو اعلان کیا کہ اردو اور مراٹھی کے درمیان ربط و تعاون کی غرض سے ایک اردو اکادیمی قائم کی جائے گی۔ حکومت نے اکادیمی کے لئے سال رواں کے دوران ایک لاکھ روپے منظور کئے ہیں!

اس تقریب کی صدارت کے فرائض گورنر مہاراشٹر عالیجناب علی یاور جنگ نے انجام دئے۔ مہمانوں اور مقررین کا تعارف عالیجناب ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر محصولات و شہری ترقیات، نیو ٹاؤن شپس، پروٹوکول، سیاحت اور اوقاف نے کرایا۔ اس اکادمی کے امور کی نگرانی کے لئے ایک اکتیس نفری بورڈ مقرر کیا گیا ہے جس کے چیرمین ڈاکٹر رفیق زکریا اور سکریٹری جناب خواجہ عبدالغفور ہیں۔

تقریب کے دوران کی جانے والی مختلف تقاریر کا متن پیش خدمت ہے۔

وزیر اعلیٰ کی تقریر

آج اُردو اکادمی کے قیام کا مبارک دن ہے۔ اس موقع پر میں مہاراشٹر حکومت کے تعلیمی منتری کی حیثیت سے اور اردو اکادمی کے صدر کی حیثیت سے بھی آپ سب کا خیر مقدم کرتا ہوں۔

مراٹھی میری مادری زبان ہے اور یہ ایک طرح سے میرے تمدن میں شامل ہے۔ میری تہذیبی زندگی اس سے عبارت ہے۔ لیکن اسے میری خوش قسمتی سمجھئے کہ اردو نے مہاراشٹر کے جس خطہ میں جنم لیا، اسی علاقہ میں پیدائش کا فخر مجھے بھی حاصل ہے۔ اس کے علاوہ میں نے اپنی تعلیم بھی اُردو میں حاصل کی ہے اس لئے اگر مجھ پر اُردو زبان سے پیار کا دوش رکھا جائے تو یہ غلط نہ ہوگا، اور میں اس کو بخوشی قبول کرتا ہوں۔ مگر ساتھ ہی ساتھ میں یہ پوچھنا چاہوں گا کہ کیا اردو زبان محبت کے لائق نہیں؟ اس کے لکھنے پڑھنے والے تو بیشک اس کو اپنا سمجھ کر چاہتے ہی ہیں لیکن بہت سارے لوگ صرف اس کوشش کر اور اکثر بغیر اس کی نزاکت اور نفاست کو سمجھے ہی

اس سے پیار کرتے ہیں۔ اس کی شیرینی اور اس کا لوچ اتنے دلفریب ہیں کہ ہر ایک اس کو چاہنے لگتا ہے۔ مگر اردو کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ اور بہت ساری زبانوں سے اتنا قریبی میل رکھتی ہے کہ اس میں غیریت بالکل نہیں پائی جاتی ہے۔ بالخصوص مراٹھی سے تو اس کا بہت قریبی اور گہرا تعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اُردو اکادیمی کے قیام کا سوچا تاکہ مہاراشٹر کی سرکاری زبان مراٹھی سے اس کو قریب سے قریب تر لایا جائے۔ چنانچہ اس کے اغراض و مقاصد میں اسی طرح کی لچک رکھی گئی ہے تاکہ یہ ایک کامیاب واسطہ ثابت ہو۔

میں نے جب اردو اکادیمی کے قیام کا اعلان کیا تھا تو میں یہ ضرور جانتا تھا کہ اُردو سے محبت کرنے والے اس کو خوش آمدید کہیں گے لیکن اس وقت میں یہ نہیں جانتا تھا کہ میرے اس اقدام کو ہمارے ملک کی عظیم ترین اور اعلیٰ ترین ہستی یعنی شری فخرالدین علی احمد' صدرِ جمہوریۂ ہند کی سرپرستی نصیب ہوگی۔

اگر آپ اُردو مراٹھی ڈکشنری اُٹھاکر دیکھیں' جو ہماری حکومت نے شائع کی ہے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مراٹھی اور اُردو کے صدیوں پُرانے میل جول سے سیکڑوں نہیں ہزاروں اُردو الفاظ ہماری مراٹھی بھاشا میں داخل ہو چکے ہیں اور اس کی طرزِ ادا اور حُسنِ تحریر کا ایک حصّہ بن چکے ہیں' اور اسی طرح مراٹھی کے بہت سے الفاظ اُردو میں شامل ہوکر اس کی قوّتِ اظہار کا بہتر وسیلہ بن گئے ہیں۔ جب دو زبانیں اس طرح شیر و شکر ہوتی ہیں تو اس عمل سے قومی یکجہتی کی نمود ہوتی ہے۔ مراٹھی اور اُردو کے میل ملاپ اور یک جائی کا اس سے بہتر ثبوت اور کیا ہوگا کہ اُردو کے مستند ادیبوں کے ساتھ ساتھ مراٹھی زبان کے مشہور ادیب اور قلمکار بمبئی میں موجود ہیں۔

مراٹھی کے بعد اُردو ہماری ریاست کی دوسری سب سے بڑی زبان ہے۔ اس کے علاوہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس کا دائرۂ عمل صرف مہاراشٹر تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک ہندوستان گیر زبان ہے۔ یہ ہماری ہندوستانی تہذیب اور کلچر کا ایک نہایت ہی قیمتی ورثہ ہے۔ اس زبان میں ہمارے ملک کے مختلف مذہبوں' تمدّنوں اور تہذیبوں کے آثار ملتے ہیں۔ یہ کسی ایک خاص مذہب' کسی ایک خاص تہذیب یا کلچر کی زبان نہیں ہے بلکہ پورے ہندوستان میں پھیلی ہوئی زندگی کا احاطہ کرتی ہے۔ اگر اس میں قرآن مجید کا ترجمہ ہے تو رگ وید کا ترجمہ بھی ہے۔ گورو نانک کی گوربانی سے لے کر مراٹھی کے بھگتی واد کے سنتوں کے دوہوں تک اُردو کا دامن پھیلا ہوا ہے۔ یہ ایک سیکولر زبان ہے۔ محبّت' صلح اور امن و آشتی کی زبان ہے۔ اس زبان میں ہماری تحریکِ آزادی کی ساری داستان موجود ہے اور ہماری آزادی کی جد و جہد میں اس زبان نے ہر موڑ پر ہمارا ساتھ دیا ہے اور اس کے ادیبوں نے سیکڑوں کی تعداد میں ستیہ گرہ کیا ہے' قید و بند کی تنہائی قبول کی ہے اور اپنے وطن کی خاطر کوئے یار کو چھوڑ کر سرِ دار جا پہنچے ہیں۔ ابوالکلام آزاد سے لے کر رام پرشاد بسمل تک کس کس کا ذکر کروں! راشٹرپتی اور راجیہ پال دونوں ہی کی سرپرستی جس اکادیمی کو حاصل ہے اسکی کامیابی یقینی ہے۔ شری علی یاور جنگ کی ہمیشہ رہبری اس کو حاصل رہے گی اور ڈاکٹر رفیق زکریا بحیثیت بورڈ کے صدر اس کی کارکردگی کو بنائے رکھیں گے۔ ان کی اُردو دوستی مسلّمہ ہے۔

اس بورڈ کے معتمد شری غفور کے متعلق مجھے کچھ زیادہ کہنا نہیں ہے اس لئے کہ مہاراشٹر کے ایک اعلیٰ عہدیدار ہونے کے سوا یہ اُردو' ہندی اور انگریزی ادب کے جانے پہچانے اور مانے ہوئے مزاحیہ ادیب بھی ہیں اور ان کی لگن یقیناً اس اکادیمی کے لائحۂ عمل کو کامیاب بنائے گی۔

آخر میں مجھے بورڈ کے تعلق سے صرف اتنا کہنا ہے کہ مہاراشٹر اور بالخصوص بمبئی میں اُردو کے اتنے بہت سارے بلندپایہ ادیب ہیں کہ مجھے ان کے انتخاب میں بڑی دشواری ہو رہی ہے جن کو میں شریک کر سکا ہوں' ان کے علاوہ بہت سارے ایسے ہیں کہ جن کو میں ضرور شریکِ فہرست کرتا لیکن یہ میرے لئے ممکن نہ تھا۔

مجھے امید ہے کہ اس اکاڈمی کے اغراض و مقاصد کے روبہ عمل لانے کے لئے سب کا تعاون حاصل رہیگا۔

میں ایک بار پھر صدرِ جمہوریہ کا ممنون و مشکور ہوں کہ انھوں نے آج کے اس فنکشن کو اپنی موجودگی سے زینت بخشی ہے۔

جے ہند - جے مہاراشٹر

اردو ہماری ہندوستانی تہذیب اور کلچر کا ایک نہایت ہی قیمتی ورثہ ہے!

ڈاکٹر رفیق زکریا کی تقریر

صدرِ محترم، خواتین و حضرات!

آج کا دن نہ صرف مہاراشٹر بلکہ پورے ہندوستان کی ادبی تاریخ میں ایک اہم دن ہے کہ آج صدر جمہوریۂ ہند جناب فخر الدین علی احمد مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کا افتتاح فرما رہے ہیں۔ درحقیقت اس اہم اور مبارک ذمّہ داری کی انجام دہی کے لئے صدر موصوف سے زیادہ مناسب و موزوں شخصیت شاید ہی میسّر آتی۔ اُردو کے لافانی شاعر غالبؔ کے خانوادہ سے تعلق رکھنے والی یہ ہستی ابتدا ہی سے اردو زبان و ادب میں دلچسپی لیتی رہی ہے۔ عالیجناب فخر الدین علی احمد نے اردو کی اشاعت و ترقی اور ترویج میں ہمیشہ نمایاں اور عملی حصہ لیا ہے جس کی سب سے روشن مثال ملک بھر میں جشنِ غالب کا شاندار اور کامیاب انعقاد تھا۔ آج کی اس تقریب میں آپ کی موجودگی اس بات کا یقین دلاتی ہے کہ اردو اکادمی کی راہیں روشن ہیں۔

مہاراشٹر میں اردو اکادمی کا قیام ایک فالِ نیک ہے۔ گوکہ اُردو کو اس رٰیاست میں بہ نسبت دیگر علاقوں کے زیادہ سہولتیں فراہم رہی ہیں لیکن اکادمی کے قیام سے اس کی منظّم اور صحیح خطوط پر ترقی کے امکانات روشن ہوگئے ہیں۔ اب یہ زبان جو ریاست کی سرکاری زبان مراٹھی کے بعد دوسری بڑی زبان ہے، قومی یکجہتی اور حُبّ الوطنی کے وہ مقاصد بہتر طور پر پورے کرسکے گی جن کے لئے اس کا وجود عمل میں آیا تھا۔ مہاراشٹر میں اُردو کو اس کا مقام دینے کا سہرا ہمارے ہردلعزیز وزیر اعلیٰ جناب شنکر راؤ چوان کے سر ہے جنھوں نے وزارتِ اعلیٰ کا عہدہ سنبھالتے ہی اُردو سے اپنی محبّت اور دلچسپی کا ثبوت دیا۔ وزیر اعلیٰ کی سرپرستی میں اردو اکادمی کا کام آسان ہی نہیں پُرلطف بھی ہوگا، اور جیالے مراٹھوں کی سرزمین پر اُردو اپنی شیرینی و حلاوت کے چشمے ہر سمت میں بہاسکے گی۔ میں بحیثیت چیرمین اردو اکادمی، وزیر اعلیٰ کا شکرگذار ہوں کہ انھوں نے اپنے پالیسی اعلامیہ میں اردو اکادمی کا اعلان کرنے ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس ادارہ سے اپنی عملی اور مستقل وابستگی کے ذریعہ اس بات کا ثبوت دیا ہے کہ وہ جو کہتے ہیں وہ کرتے بھی ہیں۔

ہماری ریاست کے مقبول گورنر جناب علی یاور جنگ بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ہر ہر قدم پر اردو اکادمی کی تشکیل میں دلچسپی لی اور یقیناً وہ آئندہ بھی اس اکادمی کی کارکردگی اور کامیابی میں دلچسپی لیتے رہیں گے۔

یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ اردو اکادمی کی نگرانی کے لئے جو بورڈ تشکیل دیا گیا ہے وہ ہر لحاظ سے مکمل نہیں ہے۔ دراصل مہاراشٹر میں اردو ادب کے اتنے بلند پایہ اور ممتاز نمائندے موجود ہیں کہ کوئی بھی کمیٹی یا بورڈ ان سب کو اپنے دامن میں سمیٹنے سے قاصر رہے گا۔ لہٰذا اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ بورڈ نمائندہ حیثیت کا حامل ہو۔ پھر بھی ہمیں احساس ہے کہ متعدد لوگوں کو شکایت ہوگی۔ میں اپنے ان دوستوں سے معذرت خواہ ہوں جنھیں بورڈ میں نہیں لیا جاسکا۔

ہماری اس افتتاحی تقریب کی شان اس بات سے اور دوبالا ہوگئی ہے کہ ہمارے درمیان شیخ عبداللہ جیسی عظیم شخصیت بھی موجود ہے۔ شیخ صاحب کی اردو دوستی کسی سے پوشیدہ نہیں اور وہ اُردو کے ادیبوں اور شاعروں کے بہت اچھے دوست ہیں۔

اس موقع پر اُن اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالنا اشد ضروری ہے جن کی تکمیل کے لئے مہاراشٹر اردو اکادمی کا قیام عمل میں آیا ہے۔ مختصر الفاظ میں اکادمی کی سرگرمیاں اس نوعیت کی ہوں گی :

اکادمی کے اغراض و مقاصد

۱۔ ریاستِ مہاراشٹر میں اردو زبان کی ہمہ جہتی ترقی۔

۲۔ تراجم اور دیگر ادبی سرگرمیوں کے ذریعہ ریاستی زبان مراٹھی اور اردو کے درمیان تخلیقی خیالات کے تبادلہ کا فروغ۔

۳۔ ایسی اسکیموں اور سرگرمیوں کا آغاز اور ان کی امداد جن سے اُردو کے مقصد کو تقویت پہنچے۔

۴۔ اُردو میں جرائد و رسائل اور کتب کی اشاعت کی ذمہ داری اور ایسے کاموں کی امداد۔

۵۔ مہاراشٹر میں مقیم ادباء و شعراء کو بورڈ کی منظوری سے اُن کی تخلیقات کی اشاعت کے لئے مالی امداد کی فراہمی۔

۶۔ اُردو کی ادبی تنظیموں اور ادبی سرگرمیوں کو مالی امداد کی فراہمی۔

۷۔ ریاست میں اُردو کی حوصلہ افزائی کیلئے سیمینار، کانفرنس، سمپوزیم اور نمائشوں کا انعقاد اور ایسی سرگرمیوں کی امداد۔

۸۔ لائبریریوں اور پبلک ریڈنگ رومس (دارالمطالعوں) کے لئے کتابوں اور رسائل کی فراہمی۔

۹۔ ریاست میں رہنے والے ادباء و شعراء کو مختلف ادبی میدانوں میں اعلیٰ ادبی مساعی پر مالی انعامات۔

۱۰۔ ریاست میں رہنے والے اُردو اسکالرز اور طلبہ کو وظائف اور فیلوشپ۔

۱۱۔ حکومت کے منظور کردہ طریقوں سے عوام سے مالی وسائل، عطیات اور فنڈ کی حصولیابی اور اکادمی کے مقاصد کیلئے اُنکا استعمال۔

۱۲۔ بورڈ کی سرگرمیوں نیز اردو بولنے والوں کی ضروریات سے وقتاً فوقتاً حکومت کو آگاہ کرنا۔

۱۳۔ اُردو کے فروغ کے سلسلہ میں پالیسیوں کی تشکیل میں حکومت کو مشورہ دینا نیز اُن پر عملدرآمد میں مدد دینا۔

علی سردار جعفری

اس وقت مجھے حافظ کا ایک مصرعہ یاد آرہا ہے ؎

"مردے از غیب بروں آید و کارے بکند"

اور واقعی مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ جناب شنکر راؤ صاحب چوہان مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اردو کے لئے ایک نیک اقدام کیا ہے۔ مہاراشٹر میں اردو اکادمی کا قیام ایک قابلِ قدر عمل ہے۔ یہاں میں یہ ذکر بھی کرنا چاہتا ہوں کہ اتر پردیش میں کئی سال سے ایک باعمل اور اچھی اردو اکادمی قائم ہے، لیکن اس کی حیثیت ایک گلدستے کی سی ہے کیونکہ اتر پردیش، بہار، دہلی وغیرہ میں ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ اردو کو ہندی کے بعد دوسری سرکاری زبان تسلیم کیا جائے۔ لیکن مہاراشٹر میں دوسری سرکاری زبان کا مطالبہ نہیں ہے بلکہ اردو کو پھلنے پھولنے کے مواقع فراہم کرنے کی بات ہے جو یہاں ہم کو ہر طرح سے حاصل ہیں، اس لئے مہاراشٹر کی اکادمی اردو کا ایک نیا پودا ہے جو بہت جلد ایک سرسبز و شاداب درخت بن جائے گا۔

اعداد و شمار کے اعتبار سے مہاراشٹر میں اردو، مراٹھی کے بعد سب سے بڑی زبان ہے۔ گجراتی اور ہندی کا نمبر اس کے بعد آتا ہے۔ اس لئے اردو اور مراٹھی کا باہمی رشتہ بہت خوشگوار ہونا چاہئے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اردو مدارس میں پڑھنے والے طالب علم اتنی اچھی مراٹھی سیکھیں کہ مراٹھی اسکولوں کے طالب علموں سے بھی بہتر ثابت ہوں۔ اردو اکادمی کا قیام شنکر راؤ چوہان صاحب کی فراخدلی کا ثبوت ہے جن کی مادری زبان مراٹھی ہے۔ ہم مراٹھی سے دلچسپی لے کر اپنی فراخدلی کا ثبوت دیں تو مہاراشٹر میں ایک ایسی دوستانہ فضا پیدا ہوگی جو اردو اور مراٹھی دونوں کی ترقی کا باعث ہوگی۔

میں ایک بار اور شنکر راؤ چوان صاحب کو اور اردو والوں کو مبارکباد دیتا ہوں۔ اردو اکادمی کی تشکیل آج ہوگئی ہے۔ اس سے صحیح فائدہ اٹھانا اور بھرپور فائدہ اٹھانا اب ہمارا اپنا کام ہے۔

سکندر علی وجد

فضیلت مآب صدر جمہوریہ، عالی جناب گورنر صاحب، عزت مآب وزیر اعلا مہاراشٹر، محترم شیخ صاحب، خواتین و حضرات!

یہ ایک مسلّمہ تاریخی حقیقت ہے کہ اردو زبان کی ابتدا شمالی ہند میں ہوئی، لیکن اس کو علمی مقام اور مرتبہ مہاراشٹر اور اس کے اطراف کے علاقے میں نصیب ہوا۔ آج یہاں کے تقریباً ۴۰ لاکھ باشندوں کی مادری زبان اردو ہے۔ سیکڑوں اسکولوں میں اردو ذریعۂ تعلیم ہے۔ اکثر یونی ورسٹیوں میں اردو کی اعلا تعلیم کا انتظام ہے۔ اس وقت یہاں اردو کے صفِ اوّل کے ادیب، شاعر اور صحافی آباد ہیں۔ یہاں سے اردو کے کئی معیاری اور مستند اخبار اور ماہنامے شائع ہوتے ہیں۔ ہماری فلمی دنیا اردو کے تمثیل نگاروں اور گیت کاروں کے دم سے رنگین اور تازہ ہے۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر مہاراشٹر کے ہردلعزیز، دوراندیش اور انصاف پسند وزیر اعلا شری شنکر راؤ چوان نے یہاں اردو اکادمی قائم کر کے ہزاروں مایوس اور مغموم دلوں میں امید اور خوشی کی جوت جگادی ہے۔ ہم اس شاندار کارنامے پر صاحب موصوف کی خدمت میں ہدیۂ تہنیت و تشکر پیش کرتے ہیں۔

تہذیب، زبان، علم، آرٹ اور سائنس ضروری ہے۔ یہ انتہائی مسرّت کا مقام ہے کہ برسوں کے بعد مہاراشٹر میں امن و عافیت کے آثار نظر آرہے ہیں۔ یہ خوش گوار تبدیلی محترمہ اندرا گاندھی کے حسنِ عمل کا فیض ہے۔ انھوں نے مہاراشٹر کی خدمت کے لئے مرہٹواڑے کے ایک ایسے محنتی، جیوٹ اور کھرے سپوت شنکر راؤ چوان کو چنا جو ہمارے دکھ درد کو اچھی طرح جانتا اور ہماری آرزوؤں اور آدرشوں کو پہچانتا اور مانتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس اکادمی کے قیام سے مہاراشٹر کی حکومت نے ہم پر جس اعتماد کا اظہار کیا ہے، ہم پوری طرح اس کے اہل ثابت ہوں گے۔

محترم رفیقانِ علم!

ہم کو اردو اکادمی کے ذریعے اپنی زبان کی خدمت کا بہترین موقع ملا ہے۔ اردو زبان کے سارے خزانے — قدیم و جدید ادب، ذخیرۂ الفاظ، صرف و نحو اور رسم الخط — کی حفاظت اور ترقی ہمارا فرض ہے۔ یہاں ہماری پہلی اور آخری وفاداری اردو سے ہے۔ ہم تہیہ کر لیں کہ اس قومی امانت میں خیانت نہ ہونے دیں گے۔ آج یہاں ہم کو یہ عہد بھی کرنا ہے کہ ہم اردو کی خدمت کے مقدس فرض کی ادائی میں کسی سرکاری، سیاسی یا شخصی مصلحت، مصالحت یا فیصلے سے ہرگز متاثر و مرعوب نہ ہوں گے۔ دوستو،

ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو!

*

خواجہ احمد عباس

اتوار ۲۰ راپریل کا دن مہاراشٹر کی تاریخ میں ایک انوکھا یادگار دن ہے۔
اس دن ایک بے گھر شرنارتھی کو گھر ملا۔ ایک بے آسرا کو آسرا ملا۔ ہے نہ انوکھی بات ... ؟ ورنہ ہندوستان کے کروڑوں بے گھر اور بھوکے لوگ ستائیس برس سے انتظار کر رہے ہیں۔ انھیں روٹی' کپڑا اور مکان ملتا ہے تو صرف سنیما کی رنگین پرچھائیوں میں' اور کہیں نہیں۔
یہ بے گھر جسے گھر ملا اُردو زبان ہے' جسے راج بھون جیسے شاندار محل میں لبسایا گیا جناب صدر جمہوریت کی موجودگی میں۔ جناب گورنر صاحب کی سرپرستی ملی۔ نامدار مکھیہ منتری شری شنکر راؤ چوان کی پیشوائی ملی۔
اصل میں یہ سب شنکر راؤ چوان صاحب کا ہی قصور ہے۔
مکھیہ منتری بنتے ہی انھیں یاد آیا کہ ایک زبان اُردو بھی ہے اُسے بھی آسرے اور سہارے کی ضرورت ہے۔
اُنہوں نے اپنے افتتاحیہ ایڈریس میں اُردو کا ذکر کردیا۔ اُردو کی ترقی کیلئے اور اردو و مراٹھی کو اور قریب لانے کے لئے ایک اردو اکادیمی بنائی جائے گی' یہ بھی کہا۔

پھیوالیہ کا گھیراؤ

بس اُن کا یہ کہنا تھا کہ اردو والوں نے سچیوالیہ میں مکھیہ منتری کے دفتر کا گھیراؤ کر ڈالا۔
کرشن چندر اور سردار جعفری۔
راجندر سنگھ بیدی اور مجروح سلطانپوری۔
سکندر علی وجد اور اعجاز صدیقی۔
ظ۔ انصاری اور قاضی سلیم وغیرہ وغیرہ۔
غرض یہ معلوم ہوتا تھا کہ سچیوالیہ میں اردو کا مشاعرہ اور شبِ افسانہ ساتھ ساتھ ہی ہو رہے ہیں۔
مکھیہ منتری جی کا شکریہ ادا کیا گیا۔
مکھیہ منتری جی کو مبارکباد دی گئی۔ کہ انھوں نے ایک مردہ کو زندہ کردیا۔ اُن کو تعاون کا پورا پورا یقین دلایا گیا۔
مگر یہ سب ایک یاد دہانی تھی کہ کہیں وہ اوروں کی طرح اپنا وعدہ بھول نہ جائیں۔
بات یہ ہے کہ ہمارے سیاست دانوں میں بھول کی بیماری عام ہے۔ جب ہی تو الیکشن کے وقت کئے گئے اکثر وعدے بھول جاتے ہیں' خواہ وہ وعدے جنتا کو ضروریاتِ زندگی دینے کے بارے میں ہوں یا اُردو کو اُس کا حق۔

کیا زبان ہندو ہوتی ہے؟ مسلمان ہوتی ہے؟

حالانکہ یہ وہ زبان ہے جس میں سرتیج بہادر سپرو اور پنڈت موتی لال نہرو بات کرتے تھے' پنڈت نہرو یہی زبان بولتے تھے' مہاتما گاندھی نے خاص طور سے یہ زبان سیکھی تھی اور اس سے انھیں بہت پیار تھا۔ بنارس یونیورسٹی میں ایک بار تقریر کرتے ہوئے انھوں نے کہا تھا کہ کاش کسی کو خیال آیا ہوتا کہ یونیورسٹی کے دروازے پر نام انگریزی میں لکھا ہونے کے بجائے ہندی کے ساتھ اردو رسم الخط میں لکھا ہوتا۔
زبان کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔
ہندی کے روپ کو رس خان اور رحیم اور جائسی نے سنوارا۔ اس سے ہندی مسلمان زبان نہ ہوگئی۔
اردو زبان کو رتن ناتھ سرشار سے لے کر رگھوپتی سہائے فراق تک ہزاروں غیر مسلم ادیبوں اور شاعروں نے روح اور تازگی بخشی۔ اس سے وہ ہندو زبان نہ ہوگئی۔ مگر ہندی کی طرح ہی قومی یکجہتی کی ایک اور نشانی ضرور بن گئی۔
پھر بھی ہمارے ملک کی یہ ایک عجیب روایت ہے کہ وہی لوگ رات رات بھر مشاعروں میں اُردو شاعروں کا کلام سُنتے رہتے ہیں' اور اس زبان کی طاقت اور اس کی خوبصورتی سے متاثر ہوتے ہیں' وہی صبح کو اپنے دفتر میں جاکر اپنی نوکِ قلم سے اُردو کا نام اس طرح کاٹ دیتے ہیں جیسے یہ کوئی زبان نہ ہو' کوئی بیماری ہو۔

بات کے پکے مکھیہ منتری

مگر اس اتوار کو مکھیہ منتری جی نے قلمدانِ وزارت سنبھالنے کے تین مہینے کے اندر ہی اُردو اکادیمی قائم کرکے ثابت کردیا ہے کہ وہ اپنی بات کے پکے ہیں۔
جہاں وہ غریب بے گھر لوگوں کے لئے گھر بنا رہے ہیں' بے کار لوگوں کے لئے کام مہیا کر رہے ہیں' وہیں اُردو زبان کو ایک گھر بھی دے رہے ہیں۔
اب یہ ہمارا فرض ہے کہ اس کام میں اُن کا پورا ہاتھ بٹائیں۔
اردو اکادیمی کا معقول دستور بنائیں۔
اُردو کتابیں لکھیں۔ مرہٹی کتابوں کا اُردو میں ترجمہ کریں۔ اُردو کتابوں کا مرہٹی میں ترجمہ کریں۔ مرہٹی کے ادیبوں اور شاعروں سے تبادلۂ خیالات کریں۔ کتابیں نہ صرف

ھیں بلکہ پڑھیں بھی... خریدیں بھی کیونکہ
ارے ملک میں کتابیں تو بہت چھپتی ہیں
ر ان میں سے کئی عالمی ادب کی سطح کی
ی ہوتی ہیں مگر پڑھی جاتی ہیں کم، اور
یدی جاتی ہیں اس سے بھی کم۔

ھماری خوش قسمتی

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ادیبوں اور شاعروں
ز زندہ رہنے کے لئے کچھ اور کام کرنا پڑتا ہے
ئی ڈاکٹری کرتا ہے، کوئی وکالت...
ئی ڈاکخانے میں ملازم ہے تو کوئی ریلوے
ں۔ کوئی گھاس کاٹتا ہے تو کوئی تیل
بیتا ہے۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ آج کا اردو
کادمی کا افتتاح نہ صرف اُردو کے لئے
لکہ ہندوستان کی سب زبانوں کیلئے مبارک
ابت ہوگا۔ اُردو کے لئے، ہندی کے لئے
و ہماری راشٹر بھاشا ہے، مرہٹی کے لئے جو
ہمارے پرانت کی بھاشا ہے۔ گجراتی کیلئے
جو ہمارے پڑوسیوں کی بھاشا ہے۔ سندھی
کے لئے جو اُردو کی طرح ہی ایک مظلوم
بھاشا ہے۔ ... بنگالی کے لئے، کنڑ، تامل،
تیلگو اور ملیالم ... اور ان زبانوں کے لئے
بھی جن کا نام میں نے لیا نہیں ہے۔

انگریز کہتے تھے کہ ہندوستان ایک
ملک ہی نہیں ہے کیونکہ یہاں کے لوگ
ایک سے زیادہ زبانیں بولتے ہیں۔ وہ یہ
بھول گئے کہ ان کے چھوٹے سے ملک
میں بھانت بھانت کی بولیوں کے علاوہ چار
خاص زبانیں بولی جاتی ہیں ــ انگلش، آئرش،
سکاٹ اور ویلش۔

ہمارے ملک کی یہ بدقسمتی نہیں بلکہ
خوش قسمتی ہے کہ چودہ پندرہ زبانیں یہاں

بولی، لکھی اور پڑھی جاتی ہیں۔ ان سب
بھاشاؤں کا الگ الگ ساہتیہ ہے، ادب
ہے، شاعری ہے... یہ ایک انمول تمدنی خزانہ
ہے۔ ہم نہ صرف بیوقوف ہیں بلکہ بدقسمت
بھی اگر ہم اس خزانے سے کچھ موتی نکال
کر باہر پھینک دیں کیونکہ ان کا رنگ ہمیں
پسند نہیں۔

زبان کا مسئلہ، ادب کا مسئلہ، کلچر کا
مسئلہ ــ بغیر محبت اور رواداری کے حل
نہیں ہوسکتا۔

بقول اقبالؔ کے ؎

شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مُکتی پریت میں ہے

کرشن چندر

گذشتہ چند صدیوں میں ناانصافی صرف
اُردو ہی کے ساتھ نہیں ہوئی ہے دوسری
زبانوں کے ساتھ بھی ہوئی ہے۔ "پیغمبری
وقت" ہندوستان کی دوسری زبانوں پر
بھی پڑا ہے۔ مغلوں کے عہد میں فارسی کا
بول بالا تھا اور باقی سب زبانوں کا مسئلہ
ڈھیلا ڈھالا تھا۔ انگریزوں کے راج میں
انگریزی ہر جگہ چھائی تھی اور باقی زبانوں کے
لئے تباہی آئی تھی۔ صرف آزادی کے بعد
ہی ہندوستان کی قومی زبانوں کو پھلنے پھولنے
کا موقع ملا ہے اور گذشتہ پچیس برس
میں ہمارے دیکھتے دیکھتے ایک 'رینےساں'
دور سے گذری ہیں، اور اس نشاۃ ثانیہ کے
عہد میں لسانی اعتبار سے جو کمزور پودے
تھے وہ اب بڑھ کر تناور درخت بن گئے
ہیں۔ یہ ترقی یقیناً حیرت انگیز ہے۔

جیسا کہ میں نے کہا گذشتہ پچیس برس
میں ہندوستان کی سبھی قومی زبانوں نے
ترقی کی ہے، اُردو کے سوا ــ گذشتہ پچیس
برس میں اس خوبصورت زبان پر طرح طرح
کے الزام وارد کئے گئے۔ یہ کہا گیا کہ اس
زبان کی خوبصورتی اور اس کا حُسن کسی
دوسری زبان کا اسلوب ہے۔ ظاہر ہے
اردو اگر کسی دوسری زبان کا اسلوب
ہے تو وہ خود کوئی زبان نہیں ہوسکتی۔
اور اگر خود کوئی زبان نہیں ہے تو اس کا
تحفظ کیا معنی؟ ــ یوں کہہ کر اس خوبصورت
قومی زبان کے حقوق پامال کرنے کی کوشش
کی گئی۔ اسے اس کے اپنے ہی گھر سے
بے گھر کیا گیا۔ اپنے ہی وطن سے جلاوطن
کیا گیا اور اس طرح اس زبان کی اُن تمام
قربانیوں کو بھلا دیا گیا جو قومی آزادی کی
لڑائی میں دوسری زبانوں کے شانہ بشانہ
لڑ کر اس کی تاریخ کا ایک قیمتی ورثہ بن
چکی تھیں۔

پھر یہ کہا گیا کہ اردو زبان اس لئے
گردن زدنی ہے کہ یہ پاکستان کی قومی
زبان ہے۔ حالانکہ اگر یہ الزام ہے تو
ہمارے لئے وجۂ افتخار ہے؟ کہ ہماری
کوئی ایک زبان تو ایسی ہے جو ہندوستان
سے باہر جاکر بھی پھل پھول رہی ہے، جس
نے اپنے جھنڈے غیر ملکوں میں گاڑے ہیں
اور اس طرح ہندوستان کا نام روشن
کیا ہے۔

پھر یہ بھی سوچنا چاہئے کہ کوئی ایک
زبان ایک سے زیادہ ملکوں کی قومی زبان
قرار دی جاسکتی ہے۔ انگریزی زبان انگلینڈ
کے علاوہ کنیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور
امریکہ کی بھی قومی زبان ہے۔ فرانسیسی فرانس
کے علاوہ بہت سے افریقی ملکوں کی قومی

زبان ہے ۔ سوئٹزرلینڈ میں سوئس کے علاوہ جرمن اور فرانسیسی بھی وہاں کی قومی زبانیں ہیں ۔ اسی طرح اردو اگر ہندوستان کی سولہ قومی زبانوں میں ایک قومی زبان ہونے کے علاوہ پاکستان کی بھی قومی زبان بن چکی ہے تو اس میں کیا قباحت ہے اور اس میں اُردو زبان کا کیا قصور ہے ؟ آخر پاکستان میں دوسری ایسی بھی زبانیں ہیں جو ہندوستان کی بھی قومی زبانیں ہیں ۔ مثال کے طور پر پنجابی —— پنجابی مغربی پنجاب میں بھی رائج ہے اور مشرقی پنجاب میں بھی ۔ سندھی پاکستان کی ایک قومی زبان قرار دی جا چکی ہے اور ہمارے ہاں بھی اُسے وہی درجہ مل چکا ہے ۔ پاکستان کی تقسیم سے پہلے بنگالی اُردو کے ساتھ ساتھ پاکستان کی قومی زبان تھی ، اور اب بھی وہ سارے بنگلہ دیش کی قومی زبان ہے ۔ تو ذرا اپنے غلط مفروضے کے تحت اردو کے ساتھ ساتھ پنجابی ، سندھی اور بنگالی کو بھی جلاوطن کر دو گے ؟ ذرا ایسا ایک بار کر کے تو دیکھو ! بے چاری اُردو ہی کیا ایسی زبان ملی ہے جس پر بار بار ہاتھ اُٹھاتے ہو ۔ یہ سمجھ کر کہ اگر ہم اسے پاکستانی زبان کہہ دیں گے تو کوئی اس کی حمایت کو نہیں آئے گا ؟

پھر یہ الزام وارد ہوتا ہے کہ اُردو کو اس لئے ہماری قومی زندگی میں جگہ نہیں ملنی چاہئے کیونکہ یہ مسلمانوں کی زبان ہے ۔ میں کہتا ہوں اگر یہ سچ بھی ہوتا تو کیا مضائقہ تھا : کیا ہندوستان کے چھ کروڑ مسلمان ہماری قومی زندگی کا ایک حصہ نہیں ہیں ؟ کیا ان کی تہذیب ، مذہب اور زندگی کی بے شمار روایتیں ہماری قومی زندگی کا ورثہ نہیں ہیں ؟ ہندوستانی مسلمانوں کو ہمارے قومی دھارے سے الگ رکھ کر آپ کسی متحدہ اور مضبوط ہندوستان کی بنیاد نہیں رکھ سکتے ۔

مگر یہ الزام ، اگر یہ الزام ہے تو وہ بھی درست نہیں ہے ۔ اُردو بولنے والوں میں بلاشبہ زیادہ تعداد مسلمانوں کی ہے مگر چھ کروڑ مسلمانوں میں سے صرف ڈھائی کروڑ نے اپنی زبان اُردو لکھوائی ہے ۔ اس مردم شماری میں کروڑوں مسلمانوں نے اپنی زبان کے خانے میں مراٹھی کو لکھوایا ہے ، ملیالی کو لکھوایا ہے ، تامل کو لکھوایا ہے ، تیلگو کو لکھوایا ہے اور ہندی کو لکھوایا ہے ۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح ہندی صرف ہندوؤں کی زبان نہیں ہے ، اسی طرح اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں ہے ۔ دنیا کی کسی زبان کو کسی ایک مذہب سے متصف نہیں کیا جا سکتا ۔ عربی تک بھی صرف مسلمانوں کی زبان نہیں ہے ۔ اسلام سے پہلے تمام عرب عربی ہی بولتے تھے ۔ آج بھی لبنان کے عرب عیسائی ، عیسائی ہونے کے باوجود عربی ہی بولتے ہیں ۔ یہی حال اُردن اور فلسطین کے عرب عیسائیوں کا ہے ۔ یہ لوگ عیسائی ہونے کے باوجود عربی کو اپنے کلچر کا ایک ناقابل تقسیم اور قیمتی ورثہ سمجھتے ہیں ۔ اسی طرح سے وہ پچاس لاکھ غیر مسلم جنھوں نے مردم شماری میں اپنی زبان اُردو لکھوائی ہے ، اردو زبان پر فخر کرتے ہیں اور فخر کرتے رہیں گے ۔ زبان کا کوئی مذہب نہیں ہوتا ۔ زبان تو اظہار کا ایک وسیلہ ہے ۔

گزشتہ پچیس برس میں اُردو پر جو حملہ کیا گیا تو یہ حملہ اردو زبان پر نہیں ، ہماری قومی یکجہتی پر حملہ ہے ، ہماری قومی زندگی کے اتحاد و اتفاق پر حملہ ہے ۔ سوشلزم پر حملہ ہے ہمارے قومی شعور کے اُن تمام عزائم اور مقاصد پر حملہ ہے جس سمت ہم مستقبل میں اپنی قومی زندگی کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں ، اس لئے بار بار صاف اور برملا کہتا ہوں کہ جو لوگ اُردو زبان کے دشمن ہیں وہ ہندوستان اور اس کے مستقبل کے بھی دشمن ہیں ۔

مگر اب حالات بدل رہے ہیں ۔ ہماری جدوجہد سے قومی شعور جاگ رہا ہے اور اس خطرے کو محسوس کر رہا ہے جو بظاہر اردو پر لیکن بباطن ہماری قومی جاگرتی پر حملہ ہے ۔ سب سے پہلے پنڈت جواہر لال نہرو نے اس خطرے کو محسوس کیا اور سب سے پہلے شیخ عبداللہ نے جموں اور کشمیر کی ریاست میں اردو زبان کو پناہ دی ۔ اب شریمتی اندرا گاندھی کی رہنمائی میں اردو کو اس کے گھر میں بسایا جا رہا ہے ۔ یوپی اور بہار میں اردو اکادمیاں قائم ہو چکی ہیں ۔ ہزاروں اُستاد اسکولوں اور کالجوں میں مقرر کئے گئے ہیں جو اُردو جاننے والے بچوں اور لڑکوں کو اردو میں درس دے سکیں ۔ عدالتوں میں اردو زبان میں لکھی گئی عرضیاں قبول کی جا رہی ہیں اور سرکاری دفتروں میں بھی غریبوں کی داد فریاد اردو میں سُنی جانے لگی ہے ۔ اسی سال اپنے بجٹ میں پنجاب کی حکومت نے پانچ لاکھ روپے اردو کی ترقی کے لئے منظور کئے ہیں اور اب مہاراشٹر میں جہاں اردو کا مسئلہ اتنا سنگین مسئلہ نہیں رہا ، اُردو اکادمی کا قیام ظہور میں آیا ہے اور اُردو کو اس بڑی ریاست میں بھی ایک مکان مل گیا ہے یعنی شنکر راؤ چوان مل گیا ہے ۔

میں امید کرتا ہوں کہ شری شنکر راؤ چوہان کی قیادت میں جو ہماری حکومت کے مکھیہ منتری ہیں اور اب ہماری اردو اکادمی کے صدر بھی ہیں ۔ اور ڈاکٹر رفیق ذکریا کی رہنمائی میں اور خواجہ عبدالغفور کی مدد سے

جو ہماری اکادمی کے ممبر سکریٹری ہیں اور ان تمام اصحاب کی اعانت سے جو اس اکادمی کے ممبر ہیں اور مہاراشٹر کی حکومت کے تعاون سے اردو کو وہ حق مل سکے گا جس کی وہ مستحق ہے، اور وہ مراٹھی زبان کے ساتھ ساتھ اس کے گھر آنگن میں رس بس کر وہ مقام حاصل کر سکے گی جس کی وہ بہر طور حقدار ہے۔

خواجہ عبدالغفور

(تقریب کے اصل پروگرام کے مطابق اکادمی کے رکن و معتمد خواجہ عبدالغفور صاحب مہمانوں اور حاضرین کا شکریہ ادا کرنے والے تھے لیکن وقت کی کمی کے باعث موصوف یہ تقریر نہیں کر پائے تھے۔)

•

محترم و عالی مقام فخرِ ہند فخرالدین علی احمد، صدرِ جمہوریہ، آج آپ کے مبارک ہاتھوں سے اُردو اکادمی کے افتتاح کی رسم انجام پائی ہے۔ یہ فالِ نیک تو ہے ہی لیکن یہ اس بات کی ضمانت بھی ہے کہ ہمارے مقبول اور ہردلعزیز وزیرِ اعلیٰ شری شنکر راؤ چوہان کے ہاتھوں لگایا ہوا پودا خود ان کی قیادت اور صدارت میں نہ صرف سرسبز و شاداب رہے گا بلکہ پھلے گا اور پھولے گا۔ اس کی ٹھنڈی چھاؤں میں اُردو زبان کے بولنے والے اس سے پیار کرنے والے تازہ دم ہوکر ترقی کی منزل پر گامزن رہیں گے۔ اس خصوص میں مہاراشٹر کے راجیہ پال عالی جناب علی یاور جنگ کی مساعی جمیلہ بھی لائقِ تحسین و تشکر ہیں کہ یہ اُس جامعہ عثمانیہ کے وائس چانسلر رہ چکے ہیں کہ جہاں انگریزی سے ہٹ کر پہلی بار علاقائی زبان میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا اور جو ایک کامیاب تجربہ ثابت ہوا اور اب ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں علاقائی زبانیں تعلیم کا میڈیم بن چکی ہیں۔ ڈاکٹر رفیق زکریا بھی جامعہ اردو کے چانسلر ہیں اور ان کی رہبری کے بغیر نہ تو ایسی اکادمی قائم ہوسکتی تھی اور نہ اس کی مجلس عاملہ کی صدارت کے بنا یہ چل سکتی ہے۔ ان ہی کی انتھک کوششوں اور مسلسل سوچ بچار سے اس کی تشکیل ممکن ہوئی اور انھیں کی گرانقدر ہستی ایسی ہے کہ جسکو جملہ اہلِ قلم کا تعاون حاصل ہے اور رہے گا۔

ہم محترم شیخ عبداللہ صاحب، وزیر اعلیٰ جموں و کشمیر کے بھی ممنون ہیں کہ انھوں نے آج کی اس تقریب میں شرکت فرما کر اس کی رونق دوبالا کی اور اپنی قیمتی تجاویز سے ہم کو سرفراز فرمایا۔

اس موقع پر میں یہ بھی عرض کرنا چاہوں گا کہ وزیر اعلیٰ کی اس تجویز کو مہاراشٹر کی کابینہ نے یک دلی سے منظور کیا اور آج کی اس محفل میں بھی کابینہ کے ایک تہائی سے زائد اراکین کی موجودگی اردو دوستی کی دلیل ہے۔

صدرِ جمہوریہ کی خدمت اقدس میں میں مہاراشٹر اور بالخصوص بمبئی کے دانشوروں، ادیبوں، شاعروں اور اردو زبان کے پریمیوں کی طرف سے ایک بار پھر ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہوں اور یہ توقع رکھتا ہوں کہ ہندوستان کے سب سے بڑے شاعر اور مفکر حضرت غالبؔ کے رشتے سے آپ جس طرح منسلک ہیں اسی طرح اردو کے محسن بھی ہیں، آپ کی نظرِ عنایت کے ہم جویا رہیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ شکر مند!

•

اُردو اکادمی کے اراکین

مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کے صدر وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوہان اور نائب صدر ڈاکٹر رفیق زکریا ہوں گے۔ اکادمی کی کارکردگی کا ذمّہ دار ایک بورڈ ہوگا جو حسب ذیل افراد پر مشتمل ہے:

۱۔ ڈاکٹر رفیق زکریا	وزیر	چیرمین
۲۔ جناب سکندر علی وجد	شاعر	وائس چیرمین
۳۔ جناب کرشن چندر	ادیب	"
۴۔ جناب علی سردار جعفری	شاعر	"
۵۔ محترمہ عصمت چغتائی	ادیبہ	رکن
۶۔ جناب خواجہ احمد عباس	ادیب و صحافی	"
۷۔ جناب راجندر سنگھ بیدی	ادیب	"
۸۔ جناب اعجاز صدیقی	شاعر و صحافی	"
۹۔ ڈاکٹر این. ایس. گوریکر	معلم و محقق	"
۱۰۔ جناب حفیظ اللہ خان	معلم	"
۱۱۔ ڈاکٹر ایس. رفیع الدین	"	"
۱۲۔ جناب قاضی سلیم	شاعر	"
۱۳۔ جناب فاروق پاشا	ایم ایل اے	"
۱۴۔ محترمہ عائشہ اقبال	"	"
۱۵۔ جناب سیتو مادھوراؤ پگڑی	مؤرخ	"
۱۶۔ جناب شری پاد جوشی	محقق	"
۱۷۔ جناب ودیادھر گوکھلے	ادیب و صحافی	"
۱۸۔ جناب جوگندر پال	ادیب و معلم	"
۱۹۔ جناب حسن کمال	شاعر و صحافی	"
۲۰۔ جناب خواجہ عبدالغفور	ادیب	رکن معتمد
۲۱۔ ڈاکٹر عبدالستار دلوی	معلم محقق	معاون معتمد

•

اس اکادمی کی میعادِ کارکردگی ابتداء میں تین سال ہوگی۔ اکادمی کے اراکین بذاتِ خود اکادمی سے کوئی مالی استفادہ نہیں کر سکتے اور نہ ہی وہ کسی امداد یا ایوارڈ کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

اُردو اکادمی کے قیام پر

چند آراء
چند تبصرے

روزنامہ اِنقلاب بمبئی

۲۸ اپریل ۱۹۷۵ء

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اُردو کو مہاراشٹر کی سرزمین راس آگئی ہے۔ آسمانِ ادب کے آفتاب و ماہتاب اسی سرزمین پر ایک عرصے سے جگمگا رہے ہیں۔ بمبئی کے بے شمار پرائمری اسکول ہر سال تقریباً ایک لاکھ بچوں کو اردو ذریعۂ تعلیم سے علم کی راہ پر گامزن کرتے ہیں۔ تاہم مہاراشٹر کے نئے وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان کا عہد شروع ہوتے ہی گلشنِ اُردو میں گویا بہار آگئی ہے۔ ابھی اربابِ اردو کے ذہنوں سے "قومی راج" کے اجراء کی مسرت محو نہ ہو پائی تھی کہ وزیر اعلیٰ چوان کے ہاتھوں اردو اکادمی کے قیام نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ دلوں کی تسخیر کا نسخہ جانتے ہیں۔

اس حقیقت کے پیشِ نظر کہ مہاراشٹر میں اردو کا مسئلہ کبھی سنگین نہیں رہا' یہاں کی حکومت کی جانب سے اردو پر خصوصی توجہ اس کی اردو دوستی اور وسیع النظری کا ثبوت ہے جس سے اُن حکومتوں کو سبق لینا چاہئے جہاں اردو اپنا حق مانگ رہی ہے لیکن سیاسی مصلحتوں کی بناء پر اب تک اسے اس حق سے محروم رکھا گیا ہے۔ کاش مہاراشٹر کی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے وہ ریاستیں جہاں کی اصل زبان اردو ہے' اسے سرکاری زبان کا درجہ دے دیں۔

جہاں تک اردو اکادمی کا تعلق ہے' ہمیں یقین ہے کہ یہ ادارہ اُردو کی ترویج و ترقی میں نمایاں کردار ادا کرے گا۔ باوجودیکہ اردو اکادمی نے اپنے پیشِ نظر جو اغراض و مقاصد رکھے ہیں ان کے لئے ایک لاکھ روپے کی رقم کافی نہیں' تاہم ابتداء تو ہوئی۔ وزیر اعلیٰ اور حکومتِ مہاراشٹر کی وسیع القلبی سے توقع ہے کہ آئندہ سال اکادمی کے لئے بجٹ میں کم از کم ۵ لاکھ روپے کی رقم رکھی جائے گی۔

بعض حلقوں میں اکادمی کے بورڈ پر اعتراض کیا گیا ہے لیکن اکادمی کی افتتاحی تقریب میں ہی وزیر اعلیٰ نے اس سلسلہ میں اردو والوں سے معذرت طلب کی تھی کہ ناموں کے انتخاب میں بڑی دشواری ہوئی اور وہ متعدد دیگر افراد کو بھی لینا چاہتے تھے لیکن تنگیٔ داماں نے اجازت نہ دی۔ بہرحال یہ بورڈ تین سال کے لئے ہے اور آئندہ نئے اراکین کی شمولیت کی راہ کھلی ہوئی ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ بورڈ میں شامل افراد اکادمی کی جانب سے کسی امداد یا ایوارڈ کے مستحق نہیں ہوں گے اس لئے اکادمی جن لوگوں کی مدد کرنا چاہتی ہے انھیں غالباً دانستہ بورڈ میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

اکادمی کی خوش قسمتی ہے کہ اسے وزیر اعلیٰ کی سرپرستی حاصل ہے اور بورڈ کے چیرمین کی حیثیت سے عالیجناب ڈاکٹر رفیق زکریا کا انتخاب کیا گیا ہے جن کی اُردو دوستی پر اردو کے ہر ادیب' شاعر اور صحافی کو ناز ہے۔ اپنی گوناگوں سیاسی اور وزارتی ذمہ داریوں کے باوجود ڈاکٹر رفیق زکریا اُردو زبان اور

اُردو ادب کی ترقی اور اس سے متعلق مسائل کے حل پر پوری دلچسپی لیتے ہیں۔ اس سے قبل بھی انھوں نے شاعروں اور ادیبوں کی مالی امداد کے لئے عملی اقدام کئے ہیں ۔ اب اکادمی کے قیام کے بعد امید ہے کہ اُن کی کوششوں میں مزید شدّت اور وسعت پیدا ہوگی۔

اکادمی کے اغراض و مقاصد قابلِ تعریف ہیں تاہم اگر اکادمی اس پہلو پر بھی توجّہ دے جس پر افتتاحی تقریب میں صدرِ جمہوریۂ ہند عالیجناب فخرالدین علی احمد نے اشارہ کیا تھا کہ غیر اردو حلقوں میں اُردو تعلیم کا انتظام کیا جائے تو اکادمی ایک بڑی اور مفید خدمت انجام دے گی ۔ صرف شہر بمبئی میں ایسے کئی مراکز ہیں جہاں بنگالی اور مراٹھی کی کلاسیں چلتی ہیں لیکن اردو کا دم بھرنے والا کوئی ایسا ادارہ نہیں جس نے اُردو کے لئے ایسا انتظام کیا ہو ۔ اُردو اکادمی سے ایسی توقع کرنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ اس کمی کو پورا کرے گی ۔

روزنامہ سیاست حیدرآباد

چیف منسٹر مہاراشٹر مسٹر شنکر راؤ چوان نے اپنے عہدے کا حلف اٹھانے کے بعد اپنے پہلے پالیسی فیصلوں میں اپنی ریاست میں اردو اکادمی کے قیام کا اعلان بھی کیا تھا۔ انھوں نے ناندیڑ میں اُردو انجمنوں اور اداروں کی جانب سے منعقدہ خیر مقدمی جلسوں کو مخاطب کرتے ہوئے بتایا تھا کہ اردو والوں سے جب انھوں نے اکادمی کے مالیہ کے بارے میں استفسار کیا تو معمولی رقم کا ان سے مطالبہ کیا گیا۔ چیف منسٹر نے خود ہی کہا تھا کہ وہ آئندہ اس رقم میں مزید اضافہ پر بھی غور کریں گے ۔ اس اعلان کے دو مہینہ کے اندر اس اکادمی کا باضابطہ افتتاح صدر جمہوریۂ ہند کے ہاتھوں عمل میں آیا ۔ اس جلسہ میں شیخ محمد عبداللہؒ، چیف منسٹر کشمیر بھی شریک تھے، جنھوں نے اردو کے موقف پر اظہارِ خیال کیا کہ اُردو اکادمی کا سب سے پہلا تجربہ اُترپردیش میں چیف منسٹر مسٹر کملاپتی ترپاٹھی کے دور میں شروع ہوا ۔ اس کے بعد بہار، بنگال اور دہلی میں اردو اکادمی کا قیام عمل میں آیا ہے اور اب مہاراشٹر میں بھی اکادمی قائم ہوگئی ہے ۔ اردو اکادمی کے قیام سے اُردو کے مسائل حل نہیں ہو سکتے اور نہ اس سے کسی نئے روشن افق کی توقع کی جا سکتی ہے اور نہ اسے پالیسی فیصلہ کہا جا سکتا ہے لیکن اس کے باوجود اردو اکادمی کے قیام کا فیصلہ، اردو لٹریچر اور اُردو ادیبوں کی مدد ثابت ہو سکتا ہے ۔

اُترپردیش جو اُردو کا گہوارہ ہے، وہاں ۲۵ سال تک اردو سے بدترین، بلکہ مجرمانہ ناانصافی ہوئی - ایک نسل اُردو سے ناواقف ہوگئی ۔ اب ہمارے ملک میں جیسے جیسے جمہوری قدریں مستحکم ہو رہی ہیں، اُردو کو اس ملک کی زبان سمجھنے کے علاوہ قومی رابطہ کی زبان کے لئے اردو کی اہمیت کا اعتراف ہونے لگا ہے ۔

اُترپردیش میں اُردو تعلیم کے لئے کئی نئی سہولتیں حاصل ہوئی ہیں ۔ لکھنؤ کے مؤقر اخبار "قومی آواز" مورخہ ۱۷/ اپریل کے بموجب چیف جسٹس الہ آباد ہائیکورٹ مسٹر استھانا نے صحافی کانفرنس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اگر دیوانی عدالتوں میں اُردو میں درخواستیں دی جائیں تو عدالت انھیں قبول کرلے گی ۔ ظاہر ہے کہ یہ نیا تغیّر صحتمندانہ اور جمہوری ہے، اور جوں جوں یہ ترّقی کرے گا ہمارے ملک میں اقلیتی زبانوں کا مسئلہ بھی طے ہوگا ۔ اگر آج اٹل بہاری باجپئی یہ کہتے ہیں کہ اُردو اُترپردیش کی دوسری بڑی زبان ہے تو یہ اعتراف بجائے خود جمہوری فضا کا نتیجہ ہے ۔

چیف منسٹر مہاراشٹر نے اکادمی کے بارے میں اعلان کے ساتھ یہ بڑی جرأتمندانہ بات بھی کہی تھی کہ مہاراشٹر میں مراٹھی کے بعد اُردو دوسری بڑی زبان ہے ۔ انہوں نے ناندیڑ میں ایک خیر مقدمی جلسہ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ اردو زبان میں تعلیم حاصل کرنے والوں کو ملازمتوں کے حصول میں دشواری پیش نہیں آئے گی ۔ یہ خیالات اس

بات کی مزید توثیق کرتے ہیں کہ کانگریس میں نظریاتی تقسیم کے بعد مسٹر شنکر راؤ چوان ان معدودے چند قائدین میں سے ایک تھے جنھوں نے وزیر اعظم کی پالیسیوں کی حمایت کی تھی، اور جب انھیں اقتدار کا موقع ملا تو انھوں نے اپنے اس نظریہ کا عملی ثبوت بھی دیا۔

اُردو اکادمی کا مقصد، ادیبوں کی تصانیف کی اشاعت میں مدد کے علاوہ ادیبوں کی مدد بھی ہے۔ یہ کام آج بجائے خود اس لئے بڑا ہے کہ اردو مصنفین اور اردو ناشرین دونوں کی حالت خراب ہے۔ اس کا ثبوت، اُتر پردیش اُردو اکادمی میں داخل شدہ ان تصانیف سے ملتا ہے جو ملک کے کونے کونے سے وہاں جاتی ہیں۔ اردو اکادمی کا ایک بڑا فائدہ نئی تصانیف کی اشاعت کے علاوہ مصنفین کی جائز مدد ہے۔ یہ اس لئے اہم ہے کہ اردو میں نئی تصانیف یا نئے لٹریچر کی کمی اور قلت کو پورا کیا جا سکتا ہے۔

مسٹر چوان نے مہاراشٹر میں ایک قدم اور آگے بڑھا کر مراٹھی اور اردو میں باہمی ربط کے استحکام کے لئے بھی ادبی کام کا خاکہ بنایا ہے۔ مراٹھی میں اردو کے اور اردو میں مراٹھی کے کئی الفاظ ہیں تو یہ ماضی کا ورثہ ہے۔ اب لسانی ریاستوں کے قیام کے بعد تو یہ ربطِ باہم مزید مستحکم ہونا چاہیے۔

لسانی ریاستوں کے قیام کے بعد آندھرا پردیش کی حکومت نے اُردو کے ساتھ بڑا فراخدلانہ سلوک کیا، اور مسٹر سنجیوا ریڈی کی ابتدائی تقریر کو، جو انھوں نے اردو کے بارے میں کی، میگنا کارٹا کہا تھا۔ آندھرا پردیش نے لسانی اقلیتوں کے تعلق سے سارے ملک کی رہنمائی کی تھی۔ اب یہی فضا دوسری ریاستوں میں ترقی کا ایک اور بڑھتا ہوا قدم بن گئی ہے۔ اس پس منظر میں یقین ہے کہ اُردو کی جائز مدد کیلئے ملک کی ہر ریاست میں ایسے قدم اٹھیں گے، چونکہ اردو ملک کی کئی ریاستوں میں دوسری بڑی زبان ہے، لیکن اپنے جائز حق سے محروم رہی ہے۔ اب اس درد کا مداوا مل رہا ہے اور اسی لئے اردو اکادمی مہاراشٹر کا قیام اور اس کا شاندار آغاز دونوں لائق خیر مقدم بنے ہیں۔

ہفتہ وار ہماری زبان دہلی

۲۲ مئی ۱۹۷۵ء

حکومت کی پالیسی اردو کے حق میں آہستہ آہستہ ہی سہی، نرم اور ہمدردانہ ہو رہی ہے۔ اس کا ثبوت اُتر پردیش اردو اکادمی کی تشکیل، پھر بہار اُردو اکادمی کا قیام اور اب مہاراشٹر اردو اکادمی کا قیام ہے۔ ہر چند کہ اس کے قیام میں بمبئی کے کچھ ممتاز و مخلص اردو دوستوں، ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں کی برسوں کی مسلسل کوششوں کو بھی دخل ہے لیکن ان کوششوں کو عملی شکل دینے کے لئے اردو دنیا کو مہاراشٹر کے وسیع القلب وزیر اعلیٰ کا بھی احسان مند ہونا ہوگا۔ ....

... . یہ اکادمی کسی شاعر، ادیب یا کسی اور فنکار کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف کی خاطر نہیں بنائی گئی ہے اور نہ ہی اس کے بورڈ میں شمولیت کو اس نقطۂ نظر سے دیکھنا مناسب ہوگا۔ اس کا بنیادی مقصد اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت ہے۔ یہ اکادمی علمی، ادبی اور تعلیمی میدانوں میں اُردو کے فروغ پر توجہ دے گی اور ان میدانوں میں اُردو کو درپیش مسائل حل کرنے کی کوشش کرے گی۔ اس ضمن میں اُردو ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں کو مالی امداد کے علاوہ ان کی تخلیقات کی اشاعت میں اعانت بھی شامل ہے۔ ....

... ... اُردو کے ساتھ اکثر ایسا ہوا ہے کہ حکومت کی پالیسی کی صحیح ترجمانی نہیں ہو سکی ہے۔ بیشتر ایسی مراعات ہیں جو حکومت اردو کو دینا چاہتی ہے لیکن حکومت کے دوسرے ذمہ داران محض اپنی تنگ نظری، جانبداری یا عدم دلچسپی کی وجہ سے ان پر عملدرآمد ہونے میں مشکلات پیدا کرتے ہیں۔ جہاں کہیں ذمہ داران حکومت نے ذاتی دلچسپی سے کام لیا ہے کم یا زیادہ اردو کو اس کے حقوق ملے ہیں۔ مثال کے طور پر مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ جناب شنکر راؤ چوان کو اگر اردو سے ذاتی دلچسپی نہ ہوتی تو مہاراشٹر میں اردو اکادمی کا قیام اتنی آسانی سے نہ ہوتا۔ اسی طرح کرناٹک اور اڑیسہ کے ذمہ داران حکومت نے بھی اپنی ذاتی دلچسپی کے پیش نظر ان علاقوں میں جلد ہی اُردو اکادمیز قائم کرنیکا اعلان کیا ہے۔ امید ہے دوسرے علاقے بھی ان ریاستوں اور انکے سربراہوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کریں گے۔ ●●

قومی راج

یکم جولائی ۱۹۷۵ء

مہاراشٹر اُردو اکادیمی کا اوّلین اجلاس

مہاراشٹر اُردو اکادمی کے بورڈ کا اوّلین اجلاس عالیجناب شنکر راؤ چوان، وزیر اعلیٰ کی صدارت میں ان کی قیامگاہ پر بدھ ۲۸ رمئی کو منعقد ہوا۔

مندرجہ ذیل اراکین نے شرکت فرمائی:

۱۔ ڈاکٹر رفیق زکریا صاحب — چیرمین
۲۔ جناب سکندر علی وجد — وائس چیرمین
۳۔ جناب کرشن چندر — وائس چیرمین
۴۔ جناب علی سردار جعفری — وائس چیرمین
۵۔ محترمہ عصمت چغتائی
۶۔ جناب خواجہ احمد عباس
۷۔ ڈاکٹر این۔ ایس۔ گوریکر
۸۔ جناب قاضی سلیم
۹۔ جناب فاروق پاشا
۱۰۔ محترمہ عائشہ اقبال
۱۱۔ جناب شری پاد جوشی
۱۲۔ جناب ودیادھر گوکھلے
۱۳۔ جناب جوگندر پال
۱۴۔ جناب حسن کمال
۱۵۔ جناب خواجہ عبدالغفور — سکریٹری
۱۶۔ ڈاکٹر عبدالستار دلوی — جوائنٹ سکریٹری

ابتداء میں اکادیمی کے سکریٹری صاحب نے اراکین کا خیر مقدم کیا اور انھیں ایک دوسرے سے متعارف کرایا۔ آپ نے بتایا کہ اتر پردیش اردو اکادیمی نے ایک تجویز منظور کی ہے جس میں اردو اکادمی کے قیام پر حکومتِ مہاراشٹر اور وزیر اعلیٰ مہاراشٹر کو مبارکباد پیش کی گئی ہے۔ وزیر اعلیٰ اور اراکینِ اکادیمی نے اس پر اظہار مسرت کرتے ہوئے کہا کہ شکریہ کے ساتھ اس خط کا جواب دیا جائے۔

اُتر پردیش اکادیمی نے ایک اور تجویز پیش کی ہے کہ مختلف ریاستوں میں جو اردو اکادمیاں بن رہی ہیں ان کے درمیان ربط اور تعاون کی غرض سے سال میں کم ازکم ایک بار کسی جگہ ان کے نمائندوں کا ایک اجتماع ہو۔ اکثر اراکین نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔

ممبران کی جانب سے موصولہ مختلف تجاویز کا خلاصہ اجلاس میں پیش کیا گیا جس کے اہم نکات پر غور وخوض کیا گیا۔ اس تجویز کے متعلق کہ ہر سال مختلف اصناف کے تحت اردو ادیبوں اور شاعروں کو کم ازکم چھ انعامات دیئے جائیں، اجلاس نے طے کیا کہ یہ اسکیم جو پہلے ہی محکمۂ تعلیمات کے تحت جاری ہے، اب اکادیمی کے تحت لے لی جائے۔ نیز یہ کہ چھ کی بجائے دس انعامات دیئے جائیں۔ انعامات کے سلسلہ میں ایک علیحدہ کمیٹی تشکیل دی جائیگی۔

اس تجویز پر کہ ادیبوں اور شاعروں کو علمی و تہذیبی اہمیت کی حامل تصانیف کی ترتیب و اشاعت کے لئے معقول گرانٹ دی جائے۔ کافی غور وخوض کے بعد یہ طے پایا کہ ایسی تصانیف کی امداد کی اسکیم پر جلد سے جلد عمل شروع کیا جائے۔

یہ امر بھی معرض بحث میں آیا کہ اردو اکادیمی کے اراکین یا ان کے متعلقین اکادیمی سے کسی رقمی امداد کے مستحق نہیں ہوسکتے۔ اس پر رائے شماری کی گئی اور تجویز کثرت رائے سے منظور کرلی گئی۔

اس اجلاس میں حسب ذیل فیصلے کئے گئے:

(۱) "مہاراشٹر میں اردو" کے زیر عنوان مواد مہیا کیا جائے اور یہ کام کسی اہل صاحب قلم کے ذمہ کیا جائے۔

(۲) اردو کہانیوں کا مراٹھی میں اور مراٹھی نظموں اور ڈراموں کا اردو میں ترجمہ اور انتخاب کیا جائے۔

(۳) مراٹھی کے ادبی و علمی اداروں اور تنظیموں سے قریبی رابطہ قائم کیا جائے اور ان کے علمی و تحقیقی کام سے استفادہ کیا جائے نیز ان کے ساتھ مشترکہ اجتماعات منعقد کئے جائیں۔

(۴) مہاراشٹر کے اردو اسکولوں اور کالجوں میں اردو کی تعلیم اور نصاب کا جائزہ لے کر معینہ مدت کے اندر بہتر صورتحال کے لئے سفارشات پیش کرنے کے لئے ایک ضمنی کمیٹی کے تقرر کی تجویز پر وزیر اعلیٰ نے جناب علی سردار جعفری کو مشورہ دیا کہ وہ فوری طور پر اس کمیٹی کے سلسلے میں نام اور لائحہ عمل ترتیب دے کر انھیں پیش کریں اور یہ کمیٹی فوری کام شروع کردے۔

(۵) اُردو میں کلاسیکی ادب کے صحیح اور معیاری نسخے شائع کرائے جائیں۔

(۶) ترقی اردو بورڈ، انجمن ترقی اردو اور ایسے ہی دیگر اداروں کی جانب سے کئے جانے والے کاموں کے نتائج حاصل کئے جائیں

مہاراشٹر اُردو اکادمی کے قیام پر حکومتِ مہاراشٹر کو مبارکباد کی تجویز

(جو اُترپردیش اُردو اکادمی کی مجلسِ انتظامیہ منعقدہ ۲۹ مارچ ۱۹۷۵ء کو منظور کی گئی۔)

تجویز

اُتر پردیش اردو اکادمی کی مجلسِ انتظامیہ کا یہ جلسہ مہاراشٹر اردو اکادمی کے قیام پر اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے حکومتِ مہاراشٹر بالخصوص مہاراشٹر کے وزیرِاعلیٰ جناب شنکرراؤ چوان کو ان کے اس اقدام پر مبارکباد پیش کرتا ہے۔ ساتھ ہی اتر پردیش اردو اکادمی کی مجلس انتظامیہ کا یہ جلسہ مہاراشٹر اردو اکادمی کو اُترپردیش اردو اکادمی کے مکمل تعاون کی پیشکش کرتے ہوئے اِس اعتماد کا اظہار کرتا ہے کہ مہاراشٹر اردو اکادمی کے قیام سے مہاراشٹر میں اردو کی ترویج و اشاعت کی رفتار میں تیزی سے اضافہ ہوگا۔

"یہ اطلاع ہم دے چکے ہیں کہ حکومتِ مہاراشٹر نے اپنی ریاست میں ایک اُردو اکادمی قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ معلوم کر کے اور مسرت ہوئی کہ مغربی بنگال اور اُڑیسہ کی حکومتیں بھی اپنی اپنی ریاستوں میں اردو اکادمی قائم کرنے کے سوال پر غور کر رہی ہیں اور آندھرا پردیش میں بھی غالباً ایک اُردو اکادمی جلد ہی قائم ہو جائے۔ یہ خبریں بڑی دل خوش کن ہیں اور جیسا کہ ہم کبھی پہلے کہہ چکے ہیں اترپردیش اُردو اکادمی اس سلسلے میں ہر اکادمی کو اپنی خدمات پیش کرنے کے لئے تیار ہے۔"

اترپردیش اکادمی کے خبرنامے سے

اور ان سے استفادہ کیا جائے۔

(۷) اس تجویز پر کہ مہاراشٹر میں اُردو لائبریریوں کو حسبِ ضرورت کتابیں فراہم کی جائیں' طے پایا کہ لائبریری ایکٹ پر عملدرآمد کرا کے اس کے تحت قابلِ حصول امداد حاصل کی جائے۔

(۸) اکادمی کا ایک علیحدہ رسالہ یا خبرنامہ جاری کرنے کے معاملے پر کہا گیا کہ سرکاری رسالہ "قومی راج" میں ہی اس مقصد کے لئے چند صفحات مخصوص کئے جائیں اور علیحدہ رسالہ نکالنے کی بجائے "قومی راج" سے ہی استفادہ کیا جائے۔

(۹) اکادمی کے تحت ایک سالانہ مشاعرہ' ایک شبِ افسانہ اور ایک ادبی سیمینار منعقد کیا جائے۔

اس درخواست پر کہ کالجوں میں اُردو کے مسائل پر بھی توجہ دی جائے' وزیرِاعلیٰ نے فرمایا کہ انھیں جامع تجاویز و سفارشات پیش کی جائیں جنھیں وہ یونیورسٹیوں کے وائس چانسلروں کی میٹنگ میں پیش کریں گے۔

آخر میں سکریٹری صاحب نے اکادمی کے ایگزیکیوٹیو آفیسر جناب سردار عرفان کا صدر اور اراکین سے تعارف کرایا۔

اس اجلاس میں مہمان خاص کی حیثیت سے چیف ڈائرکٹر' ڈائرکٹوریٹ آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز' حکومتِ مہاراشٹر' جناب ایشور راج ماتھر بھی موجود تھے۔

تعارف

ڈاکٹر رفیق زکریا

بیک وقت قانون، سیاست، ادب اور ثقافت کے میدان میں اگر کوئی شخصیت سرگرم نظر آتی ہے تو وہ ہے ڈاکٹر رفیق زکریا کی۔ گذشتہ چند برسوں کے دوران زکریا صاحب اپنی اردو دوستی کا عملی ثبوت پیش کر چکے ہیں ۔ چاہے وہ غالب صدی کا "جشنِ غالب" ہو یا "جشنِ کرشن چندر" یا "یادِ شکیل" ان کی کامیابی کے پیچھے زکریا صاحب ہی کا ہاتھ رہا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بے شمار ادارے اور انجمنیں آپ کے زیر سرپرستی اپنے علمی، ادبی اور تعلیمی مشن کو کامیابی سے چلا رہی ہیں ۔ انڈو عرب سوسائٹی کے بانی اور پھر صدر کی حیثیت سے آپ نے ہندوستان اور عرب ممالک کے درمیان دوستی و خیرسگالی کیلئے اہم خدمت انجام دی ہے۔ آپ مولانا آزاد ایجوکیشنل ٹرسٹ کے چیرمین ہیں نیز مولانا آزاد کالج آف آرٹس، سائنس اینڈ کامرس اور مراٹھواڑہ کالج آف ایجوکیشن کے بانی۔ مہاراشٹر کالج آف آرٹس اینڈ سائنس بھی آپ ہی کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے۔

ادب اور صحافت سے گہرا لگاؤ ہے اور عملی تعلق بھی رہا ہے۔ آپ کا ہفتہ وار کالم "ایشین ڈائری" آج بھی ذہنوں میں تازہ ہے۔ اسی طرح "اے اسٹڈی آف نہرو" "رضیہ۔ کوئین آف انڈیا" اور "رائز آف مسلمز اِن انڈین پالیٹکس" آپ کی اہم تصنیفات ہیں جنھیں عالمی شہرت و قبولیت حاصل ہوئی ہے۔

۱۹۷۳ء میں اردو کے ممتاز امتحانی ادارہ جامعہ اردو (علیگڑھ) نے آپ کو متفقہ طور پر چانسلر منتخب کیا۔ مہاراشٹر میں اردو اکادمی کے قیام کے سلسلہ میں آپ کی کوشش اور دلچسپی کو بڑا دخل رہا ہے۔

سِکَندَر عَلی وَجد

سکندر علی وجد ۲۲ر جنوری ۱۹۱۴ء کو ویجا پور ضلع اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اورنگ آباد میں ہوئی اور وہیں ۱۹۲۹ء میں شاعری کا آغاز ہوا۔ ۱۹۳۵ء میں بی۔ اے۔ کے امتحان میں اردو اور فارسی میں عثمانیہ یونیورسٹی میں اوّل آنے پر وظیفۂ امتیاز ملا۔ آپ آندھرا کے بورڈ آف سکنڈری ایجوکیشن کے ممبر اور مہاراشٹر کے بورڈ میں اردو نصاب کے ادبی نگراں رہے ہیں۔ ۱۹۶۴ء میں انجمن ترقی اردو (ہند) کے لائف ممبر اور ریاست مہاراشٹر کی شاخ کے صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹۶۹ء میں آپ کو پدم شری کا اعزاز ملا۔

۱۹۳۶ء میں حیدرآباد سول سروس کے امتحانی مقابلہ میں کامیاب ہوئے اور ۱۹۳۷ء میں منصفی پر تقرر ہوا۔ ترقی کرتے کرتے آپ سب جج اور اڈیشنل ڈسٹرکٹ اینڈ سشن جج کے عہدوں پر فائز ہوئے۔ ۱۹۵۶ء میں ملک کی تنظیم جدید میں سشن جج کی حیثیت سے مہاراشٹر میں منتقل ہوئے۔ ۱۹۶۴ء میں وقت سے پہلے ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ ۱۹۶۷ء میں مہاراشٹر سے راجیہ سبھا کے ممبر منتخب ہوئے۔ آپ کا شمار جدید نظم کے باکمال شاعروں میں ہوتا ہے اور غزلیں سہل ممتنع کا نمونہ ہوتی ہیں۔ لہو ترنگ (۱۹۴۴)، آفتاب تازہ (۱۹۵۲)، اوراقِ مصوّر (۱۹۶۳)، بیاضِ مریم (۱۹۷۴) کے نام سے چار شعری مجموعے چھپ چکے ہیں۔ ۱۹۷۵ء میں اترپردیش اردو اکادمی نے "بیاضِ مریم" پر تین ہزار روپے کا پہلا انعام دیا ہے۔

کرشن چندر

اُردو کے مشہور ادیب اور افسانہ نگار ہیں۔ آپ ۱۹۱۲ء میں ریاست بھرت پور میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد ڈاکٹر گوری شنکر چوپڑہ ریاستِ کشمیر میں ملازم اور ریاست پونچھ کے شاہی خاندان کے طبیب تھے۔ کرشن چندر کی ابتدائی تعلیم دسویں جماعت تک پونچھ کے ہائی اسکول میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد کرشن چندر نے ۱۹۳۴ء میں ایف۔سی۔کالج لاہور سے انگریزی میں ایم۔اے اور ۱۹۳۷ء میں لاء کالج سے ایل ایل۔بی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۳۶ء سے کرشن چندر کی ادبی زندگی کا آغاز ہوا۔ ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۳ء تک آل انڈیا ریڈیو میں ریڈیو ڈرامے کے ہدایت کار رہے۔ پھر شالیمار پکچرز پونا چلے گئے اور پچھلی چوتھائی صدی سے بمبئی میں مقیم ہیں۔

کرشن چندر اردو کے بین الاقوامی شہرت کے ادیب و افسانہ نگار ہیں۔ دنیا کی کئی زبانوں میں ان کی تخلیقات کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ ترقی پسند تحریک سے آپ کا گہرا تعلق رہا ہے۔ جدید دور میں اُردو کے مجاہدین میں اُن کا نام سرفہرست آتا ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک کی سیاحت کر چکے ہیں اور اپنی باغ و بہار نثر سے پہچانے جاتے ہیں۔ آپ کی درجنوں کتابیں شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں۔ طنز و مزاح کے میدان میں بھی آپ نے اپنے جوہر دکھائے ہیں جس کی مثال "ایک گدھے کی سرگذشت" اور "چڑیوں کی الف لیلہ" سے ملتی ہے۔ کئی جاسوسی ناول بھی لکھے ہیں۔

علی سردار جعفری

علی سردار جعفری ۲۹ر نومبر ۱۹۱۳ء کو بلرام پور ضلع گونڈہ (یوپی) میں پیدا ہوئے۔

دہلی یونیورسٹی سے بی۔اے کیا۔ ۱۹۳۶ء میں انگریزوں کے خلاف سیاسی سرگرمی کے جرم میں مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سے خارج کر دئے گئے۔

لکھنؤ یونیورسٹی سے ایم۔اے (فرسٹ ایئر) کیا لیکن ۴۰-۱۹۳۹ء میں اپنی شاعری میں مخالف جنگ پروپگنڈہ کرنے پر انھیں فائنل امتحان میں بیٹھنے نہیں دیا گیا۔

زمانۂ طالبعلمی سے جہدِ آزادی میں شریک رہے۔ دوبار جیل ہوئی۔

معروف شاعر اور تنقید نگار ہیں۔ انجمن ترقی پسند مصنفین اور ہندوستانی عوام کی تنظیم سے متعلق رہے۔ فلموں میں بھی اسکرپٹ رائٹر، گیت نگار اور پروڈیوسر کی حیثیت سے کام کیا۔

چھ شعری مجموعے اور تین کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ادب، ثقافت اور سیاست پر اردو اور انگریزی میں تین سو سے زائد مضامین لکھ چکے ہیں۔ آپ کی منتخبہ نظموں کا روسی، ازبک اور فارسی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے جو کتابی صورت میں شائع ہو چکی ہیں۔ بعض نظمیں انگریزی، فرانسیسی، زیک، عربی اور متعدد ہندوستانی زبانوں میں ترجمہ ہوئی ہیں۔ ایک طویل نظم امن کا ستارہ بارہ ہندوستانی زبانوں میں منتقل ہو چکی ہے۔

نیشنل بک ٹرسٹ نے ان کی ایک طویل ڈرامائی نظم 'نئی دنیا کو سلام' کو چودہ ہندوستانی زبانوں میں ترجمہ کیلئے منتخب کیا ہے۔ دو ادبی رسائل 'نیا ادب' اور 'گفتگو' کے بانی اور مدیر ہیں۔ ۱۹۵۸ء سے ہندوستانی بک ٹرسٹ بمبئی کے ایڈیٹر ہیں، جس کے تحت غالب، میر اور کبیر کے کلام کا خوبصورت انتخاب شائع کیا گیا ہے۔

۱۹۶۷ء میں آپ کو پدم شری کے خطاب سے نوازا گیا۔ ۱۹۷۳ء میں حکومت مہاراشٹر کی جانب سے جسٹس آف پیس مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۵ء میں 'ایک خواب اور' پر سوویت لینڈ نہرو ایوارڈ حاصل کیا۔

عصمت چغتائی

عصمت چغتائی ۱۹۱۵ء میں پیدا ہوئیں۔ لکھنؤ اور علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۳۹ء میں آپ کا پہلا ڈرامہ "فسادی" شائع ہوا اور کافی پسند کیا گیا۔ اس کے بعد سے برابر لکھ رہی ہیں۔ ان کا شمار اُردو کے صفِ اوّل کے ادیبوں میں ہوتا ہے۔ ان کی بیشتر کہانیوں کے ترجمے ہندوستان کی متعدد زبانوں کے علاوہ انگریزی، روسی، چیک اور جرمن زبانوں میں ہوئے ہیں۔

عصمت چغتائی اردو کی بلند قامت افسانہ نگار ہیں جنھوں نے اردو افسانے کو سمت و رفتار عطا کی۔ بے باکی اور صاف گوئی ان کے افسانوں کا عام مزاج ہے۔ کلیاں، چوٹیں، چھوئی موئی، ایک بات اور دو ہاتھ کہانیوں کے مجموعے اور ٹیڑھی لکیر، ضدی، تین اناڑی اور معصومہ ان کے ناول ہیں۔ فلمی دنیا سے بھی آپ کا قریبی تعلق ہے۔ بیس بائیس فلموں کی کہانیاں، مکالمے اور سینیریو لکھ چکی ہیں۔ اس کے علاوہ ریڈیائی ڈرامے اور اسٹیج پلے لکھے ہیں بچوں کے لئے بھی بہت سی کہانیاں لکھیں۔ تعلیم سے بھی گہرا تعلق رہا ہے اور سپرنٹنڈنٹ کی حیثیت سے بمبئی میونسپل اسکولس کی خدمات انجام دے چکی ہیں۔ فلم "گرم ہوا" کی کہانی پر اسٹیٹ ایوارڈ، فلم فیر ایوارڈ اور شمع ایوارڈ حاصل کر چکی ہیں۔

خواجہ احمد عباس

خواجہ احمد عباس ۷ جون ۱۹۱۴ء کو پانی پت میں پیدا ہوئے۔ یہ مولانا الطاف حسین حالی کے گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔ احمد عباس نے ۱۹۳۳ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی۔اے اور ۱۹۳۵ء میں ایل ایل۔بی کی ڈگری حاصل کی۔

اردو اور انگریزی کے بلند پایہ صحافی ہیں۔ ابتدا میں آپ بمبئی کرانیکل سے متعلق رہے اور بعد میں انگریزی، اردو اور ہندی بلٹز کا آخری صفحہ لکھنے کی ذمّہ داری سنبھالی۔

عبّاس صاحب اردو کے مشہور ادیب اور افسانہ نگار ہیں۔ ان کی کہانیوں کے ترجمے متعدد ملکی اور غیر ملکی زبانوں میں بھی ہو چکے ہیں۔ ان کی تقریباً ۷۳ کتابیں اردو، انگریزی اور ہندی میں شائع ہو چکی ہیں۔

ہندوستانی فلموں کو خواجہ احمد عباس نے نیا موڑ دیا۔ ان کی کئی فلموں کو ایوارڈ ملے ہیں۔ اُن کی فلم "شہر اور سپنا" کو پریسیڈنٹس گولڈ میڈل دیا گیا تھا۔

۱۹۶۸ء میں آپ کو پدم شری کا اعزاز بھی ملا۔

"زعفران کے پھول" "ایک لڑکی" "میں کون ہوں" اردو میں اور "آؤٹ سائیڈ انڈیا" "رائس اینڈ اَدر اسٹوریز" نیز "انقلاب" انگریزی میں آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔

راجندر سنگھ بیدی

راجندر سنگھ بیدی سنہ ۱۹۱۰ء میں لاہور میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم حاصل کی۔ ان کی پہلی کہانی 'بھولا' سنہ ۳۲ء میں شائع ہوئی اور بہت پسند کی گئی۔ اس کے بعد سے ابتک ان کے افسانوں کے ۳ مجموعے 'کوکھ جلی' 'گرہن' اور 'دانہ و دام' اور ڈراموں کے دو مجموعے "بے جان چیزیں" اور "سات کھیل" شائع ہوکر سند قبول عام حاصل کر چکے ہیں۔ بیدی کا پہلا ناول" ایک چادر میلی سی" مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی نے سنہ ۱۹۶۲ء میں شائع کیا تھا۔ بیدی کے افسا[نے] ہندوستان کی متعدد دوسری زبانوں کے علاوہ انگریزی، جرمن، روسی اور فرانسیسی زبانوں میں بھی چھپ چکے ہیں۔

بیدی اردو کے صفِ اوّل کے لکھنے والوں میں ہیں۔ ان کے افسانوں اور ناولوں میں گہری فکر اور نفسیاتی تجزیہ شامل ہوتا ہے۔ ابتدا میں بیدی پوسٹ آفس میں ملازم رہے اور ترقی کرتے کرتے ادبی اور فلمی زندگی کی اعلیٰ ترین منزلوں کو چھولیا۔ آجکل زیادہ وقت فلمسازی میں گذارتے ہیں۔ ان کی ایک فنکارانہ فلم" دستک" بہت مقبول ہوئی۔

ڈاکٹر نظام الدین ایس گوریکر

ڈاکٹر نظام الدین گوریکر ۱۳ر اگست سنہ ۱۹۲۱ء کو بھیونڈی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بھیونڈی میونسپل اسکول ا[ور] اینگلو اردو ہائی اسکول میں پائی۔ اعلیٰ تعلیم سینٹ زیویرس کالج بمبئی میں حاصل کی اور وہیں اردو فارسی میں لیکچرر مق[رر] ہوئے۔ اب آپ سینٹ زیویرس کالج میں اردو، فارسی اور اسلامیات کے صدرِ شعبہ ہیں۔ چار سال قبل آپ نے بمبئی یونیور[سٹی] سے اسلامیات میں پی ایچ۔ ڈی۔ کی ڈگری حاصل کی۔

گوریکر صاحب فعّال شخصیت کے مالک ہیں۔ ضلع تھانہ میں اردو کی تعلیمی زندگی میں نمایاں حصہ دار ہیں۔ بمبئی، [...] مراٹھواڑہ، شیواجی، الہ آباد وغیرہ یونیورسٹیوں کے بورڈ آف اسٹڈیز اِن اردو، پرشین کے ممبر ہیں۔

گلمپسز آف اردو لٹریچر، انڈو ایران ریلیشنز، طوطیانِ ہند اور اردو مراٹھی شبدکوش آپ کی مرتّب کتابیں ہیں۔

حفیظ اللہ خان

حفیظ اللہ صاحب بلڈانہ ضلع کے تاریخی شہر ملکاپور میں سنہ ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی اور ثانوی تعلیم امراوتی کے محمڈن ہائی اسکول میں پائی۔ سنہ ۱۹۳۴ء میں ناگپور یونیورسٹی سے بی۔ اے اور سنہ ۱۹۴۲ء میں فرسٹ کلاس میں اردو میں ایم۔ اے۔ کی ڈگری حاصل کی۔ سنہ ۴۷ء میں جبلپور سے بی۔ ٹی کی ڈگری لی۔ سنہ ۴۷ء سے انجمن ہائی اسکول کھام گاؤں کے پرنسپل ہیں۔ آپ ودربھ بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن اور ناگپور کی اکیڈمک کونسل کے ممبر بھی رہے۔ اسٹیٹ بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن پونا کے عربی، فارسی بورڈ آف اسٹڈیز کے ممبر بھی ہیں۔ اردو تعلیم کی توسیع اور اردو مدارس کی ترقی میں کوشاں رہنے کی بنا پر سنہ ۱۹۶۵ء میں مہاراشٹر سرکار کی جانب سے آپ کو ایوارڈ بھی ملا۔
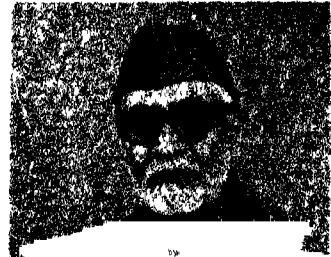
ڈاکٹر سید رفیع الدین

ڈاکٹر سید رفیع الدین ۱۴؍ جنوری ۱۹۱۸ء کو تلے گاؤں، دشاسر میں پیدا ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم علی گڑھ اور ناگپور میں حاصل کی۔ آپ اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں ایم۔ اے ہیں اور ناگپور مہاودیالیہ ناگپور میں صدر شعبہ ہیں۔ "اُردو میں نعت گوئی" پر ناگپور یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کی ڈگری حاصل کی۔
"کشمکش" کے زیر عنوان آپ نے ۱۹۵۴ء میں ایک ڈرامہ بھی لکھا جو کتابی صورت میں شائع ہوا ہے۔

قاضی سلیم

قاضی سلیم ۲۷؍ نومبر ۱۹۲۷ء کو پیدا ہوئے۔ آپ نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی۔ اے۔ اور عثمانیہ یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔
اورنگ آباد کی ممتاز شخصیتوں میں سے ہیں۔ ایک عرصہ تک لیجسلیٹیو کونسل کے رُکن کی حیثیت اس علاقے کی نمائندگی کرتے رہے۔ تعلیم اور سماجی خدمات آپ کی اہم دلچسپیاں ہیں۔
جدید شاعری میں قاضی سلیم کا ایک منفرد اور اہم مقام ہے۔ آپ کی نظموں کا مجموعہ "نجات سے پہلے" کافی مقبول ہوا ہے۔

عائشہ اقبال

مسز عائشہ اقبال مالیگاؤں کی رہنے والی ہیں۔ ابتدائی اور ثانوی تعلیم وہیں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم صوفیہ کالج، اسمٰعیل یوسف کالج اور ایس۔ ٹی۔ کالج بمبئی میں ہوئی جہاں سے آپ نے بالترتیب بی۔ اے۔ (فرسٹ کلاس) ایم۔ اے اور بی۔ ٹی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ اپنے شہر مالیگاؤں چلی گئیں اور درس و تدریس کو اپنا مقصد بنا کر نوجوان نسل کے مقدر کو سنوارنے میں مصروف ہوگئیں۔
آپ کا تعلق طالب علمی کے زمانہ میں اُردو کی علمی و ادبی زندگی سے بھی رہا ہے، چنانچہ کئی افسانے اس زمانے کی یادگار ہیں جو چھپ چکے ہیں۔ ایک ادبی رسالہ بھی جاری کیا تھا۔
۱۹۷۲ء کے صوبائی الیکشن میں نئی کانگریس کی جانب سے مالیگاؤں حلقہ سے اسمبلی کی رکن منتخب ہوئیں۔ آپ کو تعلیمی اور سماجی کاموں سے گہری دلچسپی ہے۔

سیتومادھوراؤ پاگڈی

آپ ضلع عثمان آباد کے مقام نلنگا میں ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گلبرگہ اور عثمان آباد میں حاصل اعلیٰ تعلیم نظام کالج حیدرآباد میں پائی۔ بنارس ہندو یونیورسٹی سے اوّل درجہ میں بی۔اے۔ اور الٰہ آباد یونیورسٹی سے میں ایم۔اے۔ کی ڈگری حاصل کی۔ آپ حیدرآباد میں ناظم تعلیمات رہے۔ پھر مہاراشٹر میں کلکٹر اور سکریٹری کی حیثیت سے خدمات انجام دینے کے بعد مہاراشٹر گزیٹر کے ایڈیٹر کی حیثیت سے ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

پاگڈی صاحب ادیب اور مؤرخ دونوں حیثیتوں سے بلند درجہ رکھتے ہیں۔ طہماسپ نامہ، دکن مراٹھا تعلقات شیواجی وغیرہ ان کی تاریخ دانی کا ثبوت ہیں۔ مراٹھی میں ان کی خودنوشت سوانح بہت مقبول ہو چکی ہے۔ اردو زبان و ادب کے عاشقوں میں سے ہیں اور مراٹھی میں اردو ادب پر متعدد کتابیں تصنیف کرکے شائع کر چکے دیوانِ غالب کا مراٹھی ترجمہ اور اردو شاعری کا تعارف ان کی دو نہایت اہم کتابیں ہیں۔ مراٹھی اخبارات رسائل میں اردو زبان و ادب کے بارے میں پاگڈی صاحب کے مضامین ہمیشہ شائع ہوتے رہتے ہیں۔ آپ مراٹھی، اردو، فارسی، کنڑ زبانوں کے ماہر ہیں اور تحریر و تقریر دونوں کے دھنی ہیں۔

شری پاد جوشی

شری پاد جوشی ۱۹۲۰ء میں پیدا ہوئے۔ آپ گزشتہ ۳۰ سال سے علمی و ادبی کام میں مصروف ہیں۔ آپ ابتک تقریباً ۱۵۰ کتابیں ہندی اور مراٹھی میں شائع ہو چکی ہیں۔ جوشی صاحب مراٹھی، ہندی، اُردو، گجراتی اور زبانوں پر قدرت رکھتے ہیں۔ آپ کی تخلیقات میں تراجم کے علاوہ سفرنامے، کہانیاں، ناول، مضامین سبھی شامل جوشی صاحب کو مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت سے خصوصی دلچسپی ہے اور اُردو زبان و ادب کو مراٹھی داں حضرات متعارف کرتے رہتے ہیں۔ مسلمانوں کے تیوہار، اردو شاعری کا تعارف، اُردو کے نورتن، اُردو مراٹھی ڈکشنری قرۃ العین حیدر کے مشہور ناول "آگ کا دریا" کا مراٹھی ترجمہ وہ چند کتابیں ہیں جو ان کی اُردو سے دلچسپی دلالت کرتی ہیں۔

وِدیادھر گوکھلے

جنگِ آزادی کے سپاہی، سابق مدھیہ پردیش وزارت میں کانگریسی وزیر اور لوکمانیہ تلک، مہاتما گاندھی اور پنڈت کے معتقد سنبھاجی راؤ گوکھلے کے فرزند ودیادھر گوکھلے مراٹھی کے ایک اچھے صحافی، ڈرامہ نگار اور مقرر ہونے کے سماجی کارکن بھی ہیں۔

۴ر جنوری ۱۹۲۴ء کو امراوتی میں پیدا ہوئے۔ ناگپور یونیورسٹی سے ایم۔اے۔ کیا اور بمبئی کے جی۔ای۔ انسٹی ٹیوٹ ایک مدرس کی حیثیت سے ۱۹۴۵ء میں عملی زندگی کی ابتداء کی۔ صحافت سے انھیں دلی لگاؤ تھا لہٰذا ۱۹۵۰ء کے سب سے زیادہ اشاعت رکھنے والے مراٹھی روزنامہ "لوک ستا" میں شامل ہوگئے اور گزشتہ سات سال اس اخبار کے جوائنٹ ایڈیٹر ہیں۔ موصوف ایک اچھے ڈرامہ نگار ہیں اور مراٹھی ناٹیہ پریشد کے صدر بھی! اب تک ۱۳ ڈرامے لکھے ہیں جنمیں پنڈت راج جگناتھ، سورن تُلا اور جے جے گوری شنکر بہت مقبول ہیں۔

ودیادھر گوکھلے کئی زبانیں جانتے ہیں۔ اُردو سے تو انھیں دلی لگاؤ ہے۔ اُن کی کتاب "شاعرِ اعظم مرزا غالب" غالب یادگار کمیٹی سے ۱۰۰۰ روپے کا انعام بھی حاصل کیا ہے۔

جوگندر پال

جوگندر پال ۵ ستمبر ۱۹۲۵ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ اپنے افلاس زدہ والدین کی بیچارگی کے باعث انھیں ہردم ۔ عالمِ خواب ہی میں بھی ۔ آنکھیں کھلی رکھنے کی عادت سی ہوگئی اور ان محسوسات نے انھیں کہانیاں لکھنے پر مجبور کردیا۔ ۱۹۴۷ء میں وطن چھوٹا اور آپ افریقہ میں قیام پذیر ہوئے۔ گذشتہ دس سال سے ہندوستان میں ہیں اور آجکل اورنگ آباد میں قیام ہے جہاں آپ ایس۔ بی۔ ای۔ ایس کالج آف آرٹس اینڈ سائنس کے پرنسپل ہیں۔ افسانوں اور ناولوں پر مشتمل آٹھ دس کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ ملک کے مشہور اور معیاری رسائل میں آپ کے افسانے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ تازہ ترین کتاب "آمدورفت" ہے۔

حسن کمال

نوجوان صحافی حسن کمال لکھنؤ کے رہنے والے ہیں۔ لکھنؤ یونیورسٹی سے بی۔اے۔ پاس کیا اور بمبئی تشریف لائے۔ پہلے اردو بلٹز کے اسسٹنٹ ایڈیٹر ہوئے اور اب ترقی کرکے ایڈیٹر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آل انڈیا اردو ایڈیٹرس کانفرنس کے رکن ہیں۔

زمانۂ طالبعلمی سے ہی شعروادب کے دلدادہ رہے ہیں۔ جدید شاعروں میں باکمال غزل گو کی حیثیت سے ان کا مرتبہ بہت بلند ہے۔

آج کل فلموں میں بھی لکھ رہے ہیں۔ فلمی دنیا میں بحیثیت کہانی نگار اور نغمہ نگار مقبول ہیں۔

خواجہ عبدالغفور (آئی۔اے۔ایس)

خواجہ عبدالغفور صاحب انڈین ایڈمنسٹریٹیو سروس کے ایک سینیئر رکن ہیں۔ کچھ عرصہ قبل تک آپ کمشنر آف سیلز ٹیکس، حکومتِ مہاراشٹر کی حیثیت سے ذمہ داریاں انجام دے رہے ہیں اس سے قبل آپ کئی اعلیٰ اور امتیازی عہدوں پر فائز رہے۔ مثلاً کمشنر آف ٹرانسپورٹ، ڈائرکٹر آف انڈسٹریز، ڈپٹی سکریٹری۔ محکمۂ محصولات و سماجی بہبود۔

ایسے موقعہ پر جبکہ سماجی بہبود کے میدان میں کسی سرکاری منظم محکمہ کا تصور بھی نہ تھا، اُن کی فلاحی سرگرمیوں نیز ادیباسیوں، ویمکت جاتیوں، خانہ بدوش قبیلوں اور دیگر پسماندہ طبقوں سے ان کے گہرے تعلق کی بنار پر انھیں بحیثیت تیکنیکی مشیر برائے رفاہ عامہ نظم ونسق، اقوام متحدہ میں طلب کیا گیا۔ علاوہ ازیں محنت کشوں کے بین الاقوامی ادارہ (آئی۔ایل۔او) میں بھی انھوں نے یہ ذمہ داری انجام دی جسکے دوران انہوں نے متعدد ترقی پذیر ممالک میں فلاحی سرگرمیوں کو فروغ دیا۔ آپ دنیا کے کئی ممالک کا سفر کرچکے ہیں۔

عمرانیات، سماجیات اور سماجی بہبود پر انگریزی میں کئی کتابیں لکھ چکے ہیں۔ ان میں سے کئی ایم۔اے۔ کی کلاسوں میں حوالہ کی کتب کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں۔

مزاح سے فطری دلچسپی اور شگفتہ مذاق نے انھیں اُردو کے صفِ اوّل کے ادباء میں جگہ دیدی ہے۔ ان کی کتابوں پر ملک بھر میں اہم انعامات اور بہترین تبصروں سے نوازا گیا ہے۔ ان کی کئی کتابوں کے ہندی اور مراٹھی ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں۔ "قہقہہ زار" پر آل انڈیا ہندی اُردو سنگم لکھنؤ کا ایوارڈ ملا اور "شگوفہ زار" کو یوپی اُردو اکادمی کا نقد انعام دیا گیا۔

حکومتِ مہاراشٹر اور بورڈ آف کلچر اینڈ لٹریچر کے علاوہ کل ہند اہمیت کے متعدد ادبی اور ثقافتی اداروں سے متعلق ہیں۔

مہاراشٹر کے چیف الیکٹورل آفیسر ہیں۔ پروٹوکول اور مہمان نوازی کے انچارج سکریٹری کی حیثیت سے مرکزی وزارتِ خارجہ سے گہرا ربط رکھتے ہیں۔ اس ذمہ داری کی بناء پر خواجہ صاحب مختلف ممالک کے سفراء، وزراء اور صدور کے ملاقاتی ہیں۔

ڈاکٹر عبدالستار دلوی

۱۸ اگست ۱۹۳۶ء کو داہبس ضلع رتناگری میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اُردو اور مراٹھی میں حاصل کی۔ ۱۹۵۸ء میں بمبئی یونیورسٹی سے پہلے درجہ میں بی۔ اے۔ کی ڈگری لی اور سینٹ زیویرس گولڈ میڈل کے مستحق قرار پائے۔ ۱۹۶۰ء میں ایم۔ اے۔ میں فرسٹ کلاس فرسٹ آئے اور یونیورسٹی کا سب سے بڑا اعزاز چانسلرس میڈل حاصل کیا۔ ۱۹۶۴ء میں اردو ادب میں پی ایچ۔ ڈی۔ کی ڈگری حاصل کی اور لسانیات و صوتیات کی اعلیٰ تعلیم کے لئے اسکول آف اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز میں داخلہ لیا، اور اعلیٰ تربیت حاصل کی۔ ۱۹۷۰ء میں دوسری مرتبہ لسانیات میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی۔ آپ اسمٰعیل یوسف کالج میں اُردو کے اُستاد اور الفنسٹن کالج، بمبئی میں صدرِ شعبۂ اردو رہ چکے ہیں۔ کچھ عرصہ تک آپ کا تعلق بمبئی کے شعبۂ لسانیات سے بھی رہا ہے۔ ۱۹۶۷ء میں جب مہاتما گاندھی میموریل ریسرچ سینٹر کی بنیاد ڈالی گئی تو ڈاکٹر دلوی کو اس ادارہ کا سربراہ مقرر کیا گیا، جہاں وہ ڈائرکٹر کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ آپ ترقیٔ اردو بورڈ، دہلی کے لسانی پینل اور اصطلاح ساز کمیٹی کے ممبر بھی ہیں اور بمبئی یونیورسٹی کے پی۔ ایچ۔ ڈی کے رہنما بھی۔ من سمجھاون، اُردو میں لسانیاتی تحقیق اور رانی کیتکی کی کہانی آپ کی مرتبہ کتابیں ہیں۔ آپ تحقیقی مجلہ 'ہندوستانی زبان' کے ایڈیٹر ہیں۔ لسانی و ادبی تحقیق ان کا خاص موضوع ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کے بلندپایہ رسائل میں ان کے متعدد مضامین شائع ہو چکے ہیں۔

فاروق پاشا

مراٹھواڑہ کی مقبول و معروف شخصیت ہیں اور ممتاز سوشل ورکر ہونے کے علاوہ آزمودہ کار سیاستداں ہیں۔ ناندیڑ حلقۂ انتخاب سے لیجسلیٹیو اسمبلی کے رُکن ہیں۔ سیاسی امور کے علاوہ تعلیمی اور سماجی میدانوں میں کافی سرگرم ہیں تاہم نام و نمود سے گریز کرتے ہیں اور خاموش خدمات میں مصروف رہتے ہیں۔

نہایت خلیق، نرم گفتار اور دوست نواز انسان ہیں۔ اردو زبان و ادب کی ترقی سے آپ کو گہرا لگاؤ ہے اور اپنے علاقہ میں اردو اداروں سے عملی طور پر وابستہ ہیں۔

قومی راج

۱۶ر جولائی سنہ ۱۹۷۵ء شمارہ : ۱۴

پرچہ : ۵۰ پیسے ❋ سالانہ : ۱۰ روپے

زیر نگرانی : خواجہ عبدالغفور آئی۔اے۔ایس

ترسیل زر اور مراسلت کا پتہ :

آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومت مہاراشٹر، سچیوالیہ بمبئی ۳۲۔۔۔۴۰۰

فہرست

سخنہائے گفتنی

یوں تو ہنگامی صورت حال کے نفاذ نے پورے ملک میں معاشی و سماجی تعمیر نو کی ایک نئی لہر دوڑا دی ہے تاہم مہاراشٹر میں اس صورتحال سے قبل ہی اس لہر کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ ضمانت روزگار اسکیم اس کی اوّلین مثال تھی۔ اب دوسرا قدم بے زمین کھیتی مزدوروں کو سستے اور آرام دہ مکانات کی فراہمی ہے جس پر نہایت تیزی سے عملدر آمد ہو رہا ہے۔ یقین ہے کہ دیہاتوں میں ان مکانوں کی تعمیر اور شہری خطوں میں جھونپڑپٹیوں کے سدھار سے آبادی کے رہن سہن میں ایک نمایاں فرق آئے گا اور معیارِ حیات بلند ہوگا۔

اس ماہ سے مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی نے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا ہے اور اخباری کانفرنس کے انعقاد کے ساتھ اردو کے ادیبوں اور شاعروں کو مطلع کیا ہے کہ اب وہ اپنی تخلیقات کی اشاعت کے لئے اکادمی سے مالی امداد کی درخواست دے سکتے ہیں۔ اسی طرح لائبریریوں کو بھی مالی امداد کے لئے درخواستیں دینے کا مشورہ دیا گیا ہے ان اطلاعات کی تفاصیل "قومی راج" کے آئندہ شمارے میں پیش کی جائیں گی۔

خواجہ عبدالغفور

قومی راج میں شائع شدہ مواد حوالے کے ساتھ یا بلا حوالہ نقل کیا جا سکتا ہے تاہم جس شمارے میں یہ مواد شائع ہو اُس کی ایک کاپی چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز کو ضرور روانہ کی جائے۔

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا۔

جینا نہیں ہے راس کریں بھی تو کیا کریں
رہتے ہیں ہم اُداس کریں بھی تو کیا کریں

اُجڑا سا اِک مزار ہے یہ اپنی زندگی
کوئی نہیں ہے پاس کریں بھی تو کیا کریں

خود ہی اُڑا رہے ہیں گریباں کی دھجیاں
آخر ہجومِ یاس کریں بھی تو کیا کریں

ہم آدمی کے سائے سے ڈرتے ہیں آجکل
چھایا ہے وہ ہراس کریں بھی تو کیا کریں

ہم جوشِ تشنگی میں زہر تک بھی پی گئے
پھر بھی بجھی نہ پیاس کریں بھی تو کیا کریں

اللہ رے چشمکیں کسی زہرہ جمال کی
گُم ہو چکے حواس کریں بھی تو کیا کریں

انسان سیکڑوں ہیں شرافت نہیں رہی
دُنیا ہے بے لباس کریں بھی تو کیا کریں

اب تو ہی کچھ علاج بتا میری بیکسی
ڈوبی ہے دل کی آس کریں بھی تو کیا کریں

حسرتؔ ہر ایک پھول کو دل سے لگا لیا
آتی ہے اُن کی باس کریں بھی تو کیا کریں

حسرت جے پوری
۱۳۱۔ کیلاش، ایس۔ وی۔ روڈ، کھار، بمبئی ۴۰۰۰۵۲

نثار اعظمی
دفتر بنجارہ، ۸۲۔ وکٹوریہ اسٹریٹ، لکھنؤ ۲۲۶۰۰۳

غزل
انیس کے نام

سچ ہی کہا تھا تم نے، میں آوارہ گرد ہوں
اپنی روش پہ آج بھی میں درد درد ہوں

موجوں کی طرح یادوں کے آتے رہے اُبال
کس کو خبر کہ ہر گھڑی میں گرم و سرد ہوں

ٹکراتی ہیں ہوائیں، پلٹ جاتی ہیں ابھی
اب آگے کیا ہو، صدیوں سے محوِ نبرد ہوں

اِس خالی ہاتھ پیڑ کی چپ چپ زباں پہ ہے
کیا غم ابھی جو میں صفتِ برگِ زرد ہوں

چہروں پہ میں لکھی ہوئی تحریر ہوں مگر
مجھ کو مٹاتے ہیں کہ حقیقت کی گرد ہوں

جس کو پناہ تیری گلی میں نہ مل سکی
وہ آہوئے رمیدہ ہوں صحرا نورد ہوں

بے زمین کھیتی مزدور اپنے گھروں میں آباد
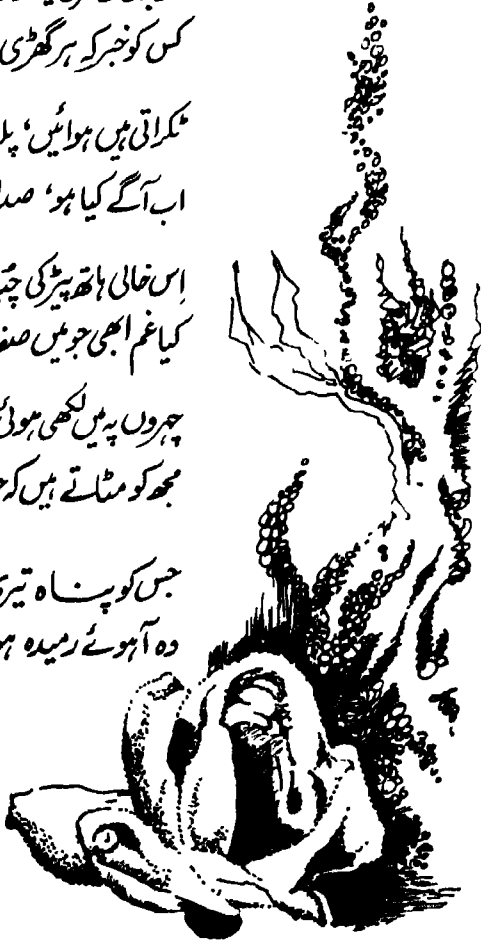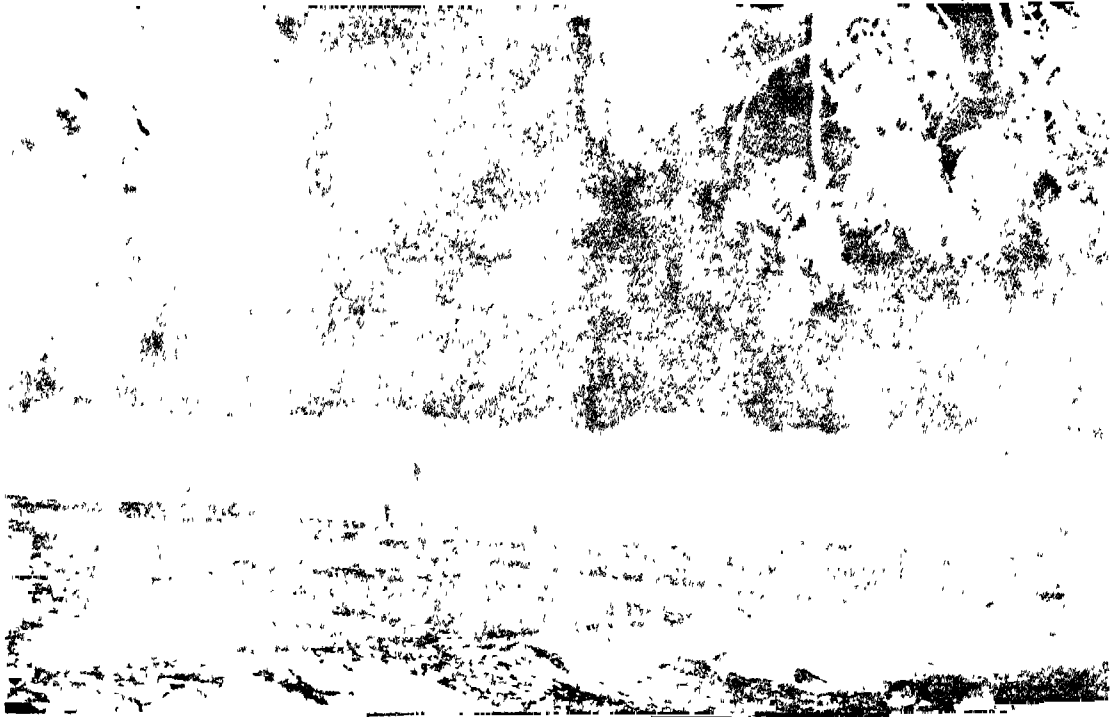
حکومت مہاراشٹر نے اشتراکی نظام معاشرت کے قیام کی سمت ایک زبردست قدم اٹھایا ہے۔ یہ ہے 'ضمانت روزگار اسکیم' جو ریاستی حکومت کے ۱۵۔ نکاتی پروگرام میں شامل ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ بیکاری سے نجات ملے اور غریبی دور کرنے کی راہ ہموار ہو۔

اسی طرح دوسری اہم اسکیم بے گھروں کے لئے تعمیر مکانات کی اسکیم ہے۔ دیس میں بے زمین کھیتی مزدوروں کی تعداد تقریباً ۱۴ ملین ہے۔ اس معاملہ میں بھی حکومت مہاراشٹر نے پورے ملک کی رہنمائی کی ہے اور یہ اعلان کیا ہے کہ ہر ضلع میں بے زمین کھیتی مزدوروں کے لئے ۱۰۰۰ جھونپڑیاں بنائی جائیں گی جن کی تعداد تقریباً ۲۹ء۲ لاکھ ہے۔ وہ کھیتوں میں کام کرتے ہیں اور درختوں کے نیچے یا دھرم سالہ میں رہتے ہیں۔ اس طرح ان کی زندگی بڑی مصیبت میں گذرتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ اسکیم اُن کے لئے بڑی قابلِ قدر ہے۔

وزیرِ اعلیٰ شری ایس۔ بی۔ چوان نے ۲۱ فروری ۱۹۷۵ء کو اپنے پالیسی بیان میں پُرزور طریقے سے اس کے بارے میں یقین دہانی کی تھی۔ چنانچہ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ۳۱ مئی ۱۹۷۵ء کو یہ وعدہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا اور تین ماہ کی مختصر مدت میں ہر ضلع میں ۱۰۰۰ جھونپڑے بن چکے ہیں۔ یہ کام آگے بھی جاری رہے گا۔ آئندہ ریاست میں مزید ۵۰،۰۰۰ جھونپڑے مارچ ۱۹۷۶ء تک بن جائیں گے۔

اس زبردست اسکیم کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں سماجی اور خیراتی اداروں، سماجی کارکنوں اور مخیّر حضرات غرض کہ سب ہی نے ہاتھ بٹایا۔

بھانجر نبھا، تعلقہ بیڑ میں نئے جھونپڑی نما گھروں کا دلکش منظر

یہ تمام مزدور درختوں کے نیچے یا گاؤں کے باہر رہتے آئے ہیں۔ اُن کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ کبھی خود اُن کی زمین یا اپنا گھر ہو سکتا ہے۔ اس اسکیم کی بدولت یہ اُن کو مل گیا ہے اور ان میں اطمینان و مسرت کی لہر دوڑ گئی ہے۔

اورنگ آباد کے ایک کھیت مزدور شری کاربھری لچھمن تصوراٹ نے ان الفاظ میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا "اپنے پُرکھوں کے زمانے سے ہم اپنی گزر بسر کے لئے کھیتوں میں محنت کرتے آئے ہیں۔ ان حالات میں کون مکان کا تصور کر سکتا ہے۔ لیکن آج ریاستی حکومت کے مکانات ہمارے بچوں کے لئے بڑی نعمت ہیں۔ اس سے آنے والی نسلیں بھی آرام پائیں گی۔"

ایک اور مزدور شری کچرو مہادو تھیاڈے نے جو ضلع اورنگ آباد کے تعلقہ خلد آباد میں پلس واڑی کا رہنے والا ہے ان الفاظ میں اطمینان کا اظہار کیا: "میری ماں کی دلی آرزو کہ خود اس کا اپنا مکان ہو پوری ہو گئی۔"

"ہم سرکار کے آبھاری ہیں جو غریبوں کے جیون میں سکھ لائی۔" یہ الفاظ ضلع جلگاؤں کے تعلقہ یاول میں واقع وڈھوڈے میں ایک ہریجن کے مکان کی دیوار پر لکھے ہیں۔ حال ہی میں اس بستی کا افتتاح شری ایم۔ ڈی۔ چودھری، وزیر مالیات نے کیا تھا۔ اس موقع پر آپ نے ایک نئی جھونپڑی میں آباد ایک غریب بڑھیا سے دریافت کیا "تمہیں یہاں کیسا لگتا ہے؟" تو اس نے فوراً جواب دیا "میں بڑی سکھی ہوں۔ یہ میرا اپنا گھر ہے۔"

افتتاح کے موقع پر بستی کی سب عورتوں نے اپنے گھروں کی خوب صفائی کی۔ صحن میں 'رنگولی' بنائی — دروازوں پر پھول سجائے۔ معلوم ہوتا تھا دیوالی کا تہوار ہے۔ اُن کے چہروں پر خوشی کھیل رہی تھی۔

وسرواڑی (ضلع دھولیہ) میں ادیباسی بستی کے ایک ۵۴ سالہ مزدور شری بھولیا ماتھی سنگھ بھیل نے اس طرح اپنے تاثرات کا اظہار کیا "اس اسکیم سے ہماری زندگی میں کچھ یکسوئی آئی ہے۔" اسی بستی کے ۶۵ سال کے بوڑھے گونیا کو خوشی کے ساتھ اس بات کا دکھ تھا کہ آج اس کی بیوی زندہ نہیں ہے۔ اس نے دکھ بھری آواز میں کہا "اس نئے گھر کو دیکھ کر وہ کتنی خوش ہوتی۔" اسی طرح ۳۲ سالہ نوجوان کا گڑے بھیوا بھیل بھی خوش تھا کیونکہ وہ نوجوانی ہی میں ایک مکان کا مالک بن گیا۔

دلوراؤ مٹھو چوان ایک ہریجن ہے جو بھنڈارہ شہر سے تقریباً ۸ کلومیٹر دور اپنے گاؤں شاہ پور میں ایک مکان کا مالک بن گیا ہے۔ اس کے چھ بچے ہیں۔ اس نے یہ شکایت کرنی چاہی کہ یہ مکان اس کے بڑے کنبہ کے لئے ناکافی ہے۔ لیکن اس کی بیوی نے اسے زیادہ بولنے نہیں دیا۔ اس نے کہا کہ "اسے کیا معلوم، میں کب سے یہ آس لگائے بیٹھی ہوں کہ میرا اپنا گھر ہو۔ کھیت سے کام کر کے واپس آتے ہوئے جب یہ خیال آتا ہے کہ ہم اپنے گھر جا رہے ہیں تو کتنا اطمینان اور خوشی ہوتی ہے۔"

کچھ مزدوروں کی سمجھ میں یہ بات بھی آ گئی ہے کہ چھوٹا کنبہ ہونے سے کیا فائدہ ہے۔ مثلاً وردھا سے تقریباً ۱۲ کلومیٹر ناگ ٹھانہ کے ایک ادیباسی کسان فقیر دڈھاولے کے تین بچے ہیں اور نیا مکان اس کے چھوٹے کنبہ کیلئے کافی ہے۔ اسے یقین آ گیا ہے کہ بہت سے بچوں والے بڑے کنبہ سے کوئی فائدہ نہیں۔ اسی طرح امید ہے کہ بہت سے ادیباسی جلد ہی 'خاندانی منصوبہ بندی' کی اہمیت سمجھ لیں گے۔

اس اسکیم نے ایک ہی بستی میں مختلف جاتیوں کے لوگوں کو یکجا کر کے سماجی مساوات کا بیج بھی بو دیا ہے۔ مثلاً ضلع تھانہ میں دہی والی کے نوبدھ کاشی ناتھ گنپت پوار نے بتایا کہ اس کے پڑوسی سورن یا اعلیٰ ذات کے ہندو ہیں۔ مراٹھا بھی ہیں جنہوں نے ملی ہوئی اراضی پر مکانات بنائے ہیں۔ یہ سب بے زمین مزدور بستی میں ایک بڑے خاندان کی مانند مل جل کر رہتے ہیں۔

اس اسکیم کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ ان نئے مکانات کی تعمیر کے کام سے یہ لوگ الگ تھلگ نہیں رہے انہوں نے شرمدان دیا۔ انھیں انتہائی خوشی تھی کہ وہ جو مکانات بنا رہے ہیں اس کے مالک وہ خود ہوں گے۔

اس نئی اسکیم کا پس منظر یہ ہے کہ عہدہ سنبھالنے کے بعد گزشتہ ۱۵ مارچ کو وزیر اعلیٰ نے جب ضلع اورنگ آباد کا دورہ کیا تو آپ نے وہاں مکشیتر واڑی اور کنچن واڑی میں بنائے گئے دس مکانات دیکھے۔ آپ کو یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ ایسے ماڈل مکان کی لاگت صرف ۱۵۰ روپے ہے۔ مزید برآں یہ بات بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ خود گاؤں کے لوگوں نے ان مکانات کی تعمیر میں دل و جان سے تعاون کیا۔ اس جماعتی کام سے وزیر اعلیٰ بہت متاثر ہوئے اور آپ نے فوراً یہ اعلان کر دیا کہ برسات شروع ہونے سے قبل ریاست کے ہر ایک ضلع میں بے زمین کھیتی مزدوروں کے لئے اس طرز کے ۱۰۰۰ مکانات بنائے جائیں گے۔

اس دورہ کے مطابق ریاستی حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ ۳۰×۸۰ کے پلاٹ تقسیم کئے جائیں جن پر مکان (۱۰×۱۰) بنائے جائیں۔ ہر مکان کیلئے ۱۵۰ روپے

وزیر اعلیٰ کے وعدے کی تکمیل

ی گئی ۔ ریاستی حکومت نے بے زمین مزدوروں
ی دلایا کہ ضروری سامان مثلاً بانس وغیرہ بھی
ائیں گے ۔

ورنگ آباد کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے وقت
، وزیر اعلیٰ کا وعدہ پورا کر دیا ۔ مزید بر آں
ن نشانہ پورا ہوا بلکہ ۱۰۰۰ سے زیادہ مکانات

ے آباد میں محکمۂ جنگلات نے ضروری سامانِ تعمیر
ں فراہم کیا ۔ بڑھئیوں نے بھی چوبی ڈھانچہ
ِد کی ۔ بعض مکانات پر بے زمین مزدوروں نے
ے اینٹیں بنانا شروع کیں ۔ جہاں یہ ممکن
اں انھوں نے دیواریں 'گڈ' سے بنائیں
مضبوطی اور پائیداری کے لئے اوپر گارا مٹی
اس کے بعد چھت ڈالی گئی اور مکان چھٹ
گیا ۔

اورنگ آباد کے تاریخی مقام دولت آباد میں
ایک منفعت بخش کاروبار ہے ۔ زراعتی
کے تقریباً ۲۸ خاندان کھیتی پر کام کرتے ہیں
ں بنائی جاتی ہیں ۔ حکومت نے فیصلہ کیا کہ
یم کے تحت لاکر مکانات فراہم کئے جائیں بھی
اب سید چاند سید منور نے اس کام میں
جذبہ سے اپنے مزدوروں کی پوری بستی کیلئے
ے مفت دی ۔ گرام پنچایت کے سرپنچ نے
سے ضروری سامان اکٹھا کیا ۔ اورنگ آباد
ارکا داس جیسوال نے مکانات کے لئے
وں کی قیمت ادا کی ۔ اس طرح دولت آباد

اپنا گھر :
وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ
چوان اور اُن کی بیگم
کُسم تائی ایک
نئے گھر میں

میں سب کے تعاون سے مزدوروں کی ایک خوبصورت
بستی وجود میں آگئی ۔

کئی اضلاع میں مختلف مخیّر لوگوں اور جماعتوں
نے اسی طرح فراخدلی اور تعاون عمل کا اظہار کیا ۔
جہاں کہیں ریاستی حکومت کو ضروری قطعات اراضی یا
تعمیری سامان وغیرہ کے حاصل کرنے میں دقت پیش آئی
وہاں خود لوگ مشکل حل کرنے کیلئے آگے بڑھے ۔ ضلع
پونا میں جھونپڑوں کیلئے تقسیم کی گئی سرکاری اراضی ناکافی
تھی ۔ لیکن ایک صاحبِ خیر نے اپنی ذاتی زمین دے کر
اسکیم کو کامیابی سے زیر عمل لانے میں مدد دی ۔ یہ واحد
مثال نہیں ہے ۔ ضلع بیڑ میں پارلی دیجناتھ کے ایک
تاجر نے یہ وعدہ کیا کہ وہ ۱۰۱ جھونپڑوں کی تعمیر کا خرچ
برداشت کرے گا ۔ اسی طرح ماجل گاؤں میں بیوپاری
برادری نے ۵۰ جھونپڑے بنانے میں مدد دینے کا فیصلہ
کیا ۔ اس طرح اسکیم کو زیر عمل لانے کی راہ میں طبقاتی
اونچ نیچ کا سوال رکاوٹ نہ بنا ۔ امیر غریب سب ہی
نے اسے ایک نیک کام سمجھا ۔

بیڑ میں لائنس کلب نے شہر کے قریب جھونپڑے
بنانے کے لئے ضلع کلکٹر کو ۱۰۰۰ روپے کی رقم عطا کی ۔
ضلع قلابہ میں اسی کلب کی اُورن شاخ نے چانزے
گاؤں میں ۲۰ جھونپڑے بنانے کے واسطے ایک بڑی
رقم دی نیز اکولہ میں اسی کلب نے دو گاؤں لے کر وہاں
جھونپڑے بنانے کا فیصلہ کیا ۔ ضلع وردھا میں آکوٹ
اور تلہرا میں اسی جماعت کی شاخوں میں سے ہر ایک نے
۴،۵۰۰ روپے کی رقم نقد دی ۔
ضلع ایوت محل کے جالا گاؤں میں ایک امیر کسان

نے بھی ایک بے زمین کھیتی مزدور کے کنبہ کی سرپرستی کی اور اس کے لئے گھر بنانے کا فیصلہ کیا۔ اسی طرح کچھ دیگر کسانوں نے بھی بے گھروں کی آبادکاری کے لئے اپنی زمین عطا کی۔ ۳۱ طرح اس چھوٹے سے گاؤں میں ۱۰۰ جھونپڑے بنانے کا نشانہ پورا ہو سکا۔ لیکن کام یہیں پر ختم نہیں ہوا۔ گرو دیو میوا منڈل نے بھی زراعتی مزدوروں کے ۶ کنبوں کیلئے مکان بنانے کے واسطے اپنی اراضی دی اور دیگر تعمیری سامان فراہم کیا۔

اکولہ ضلع پریشد بھی پیچھے نہ رہا۔ اس نے پست طبقات کے اشخاص کے لئے فی جھونپڑا ۵۰ روپے کے حساب سے مالی امداد دینے کا اعلان کیا۔ اسی طرح اکولہ، بالاپور اور اکوٹ کی پنچایت سمیتیوں نے ۵۰ روپے فی دروازے کے حساب سے دروازہ کی لاگت ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔ سوالی مصتوڈی کی گرام پنچایت نے یہ فیصلہ کیا کہ ۲۵ روپے کی رقم منظور کی جائے جس سے ہر جھونپڑے کے معمولی اخراجات پورے کئے جا سکیں۔ تعلقہ بالاپور میں کنہری کے سرپنچ نے ۷,۰۰۰ روپے کی رقم دی۔ لدکھیڈ گاؤں کی ایک بوہ شریمتی انسویا بائی پاردتے نے تعلقہ اکوٹ میں تعمیر کئے جانیوالے مکانات کے لئے ۱,۵۰۰ روپے کی امداد دی نیز سوالی کے چند ممتاز شہریوں نے ۶۵۰ روپے کی رقم دی۔

ناگپور حلقہ میں تمام ضلع پریشدوں، پنچایت سمیتیوں اور گرام پنچایتوں وغیرہ نے چھت اور دروازے بنانے کے لئے مالی امداد دی۔ ضلع تھانہ میں مزدوروں نے پوری خود اعتمادی کا مظاہرہ کیا اور اپنے مکانات اپنے پیسہ سے بنانے کا فیصلہ کیا۔

ضلع ایوت محل کے بعض مقامات میں زیادہ مکانات کی ضرورت تھی۔ پاٹودہ کے ایک ترقی پسند کسان شری گجرے فوراً اپنی چار ہیکٹر اراضی بخوشی دینے پر آمادہ ہو گئے۔ اس گاؤں میں اب سرکاری دواخانہ سے لگے ہوئے ۱۶۰ پلاٹ ہیں اور ۶۷ جھونپڑے بنائے جا چکے ہیں۔ اسی طرح ۱۰ گنٹھے اراضی پر ۲۷ جھونپڑے بنے ہیں جو ضلع پربھنی کے تعلقہ پربھنی میں جھری گاؤں کے ایک سماجی کارکن شری آنند راؤ دیشمکھ نے دی ہے۔ تعلقہ بسمت میں کروندا گاؤں کو ہر سال سیلاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس خطرہ کا خیال رکھتے ہوئے یہاں ۹۰ جھونپڑے تعمیر کئے گئے ہیں۔

بعض جگہ ان تبدیلیوں کی وجہ سے منظر ہی بدل گیا ہے۔ تعلقہ خلد آباد میں پلاس واڑی میں اینٹیں بنانے والے مزدوروں کے شرمدان کی بدولت یہاں خوبصورت بستی وجود میں آگئی ہے۔ انھوں نے بستی کے چاروں طرف باڑھ بنائی ہے اور اس کے آس پاس لیمو اور آم وغیرہ کے درخت بوئے ہیں۔ بعض شوقین مزدوروں نے جھونپڑوں کے سامنے سبزیوں کی کاشت کی ہے۔ ان درختوں اور سبزیوں کے کھیتوں کی وجہ سے وہاں کا منظر بڑا حسین اور دلکش ہو گیا ہے۔

ضلع پونا کے تعلقہ ڈھونڈ میں واکھنڈ میں نئے گھر مالکان نے اپنی بستی کا نام "ماتا نگر" رکھا ہے جس سے اُن کی اپنے گھر سے وابستگی اور محبّت کا اظہار ہوتا ہے۔

جھونپڑوں کو مضبوط اور پائیدار بنانے کے لئے ضلع پونا کے تعلقہ حویلی میں ایک باقاعدہ پروگرام شروع کیا گیا۔ اسمیں حویلی تعلقہ پنچایت سمیتی، تعلقہ کوآپریٹیو خرید و فروخت یونین، زراعتی پیداوار منڈی کمیٹی اور یشونت کوآپریٹیو شکر فیکٹری نے تعاون کیا اور جھونپڑوں کے اضافی اخراجات پورے کئے۔ اس سے ان کی دیواریں سفید گارے اور چھتیں منگلوری ٹائل سے بنائی جا سکیں۔ اس طرح یہ مکانات پکے اور پائیدار ہو گئے۔

ضلع بیڑ میں منجوشا میں وزیر اعلیٰ شری ایس۔ بی۔ چوان نے نئے تعمیر شدہ مکانات متعلقہ مالکان کے حوالے کرنے کے کام کا افتتاح کیا۔ اس بستی کا نام "شنکر نگر" رکھا گیا ہے۔

دشوار گزار پہاڑی علاقوں میں بھی ایسی بستیاں آباد ہوئی ہیں۔ ۱۹ جھونپڑوں کی ایک بستی مانن گاؤں میں بنی ہے جو قلابہ ضلع میں علی باغ کے قریب پہاڑی کے دامن میں واقع ہے۔ اسی ضلع کے شیر گاؤں میں ۶۷ جھونپڑوں کی بستی آباد ہوئی ہے۔

ضلع جلگاؤں میں یہ اسکیم بڑے جوش و خروش سے زیر عمل لائی گئی۔ یہاں ۸ تعلقہ جات اس کے تحت لائے گئے۔ تعلقہ یاول سب پر سبقت لے گیا۔ یہاں ۱,۱۸۲ پلاٹ اتنی ہی تعداد میں جھونپڑوں کی تعمیر کے لئے دئے گئے۔ صرف واڈودے گاؤں میں ۶۵ جھونپڑے بنائے گئے ہیں۔

ضلع بھنڈارہ میں ہر جھونپڑے کا رقبہ ۱۵ × ۱۰ ہے اور اس کی چھت بھی ٹائل کی ہے۔ یہ دو کمروں والے جھونپڑے ہیں۔

ضلع رتناگیری میں تقریباً ۱۲۸۳ بے زمین کھیتی مزدور ہیں۔ ان میں سے ۷۳۲ کو فی الحال رہنے کی جگہ مہیا کی جا چکی ہے اور ۲۵۰ نے انھیں ملے ہوئے پلاٹ پر مکانات بنا لئے ہیں۔ دیگر مزدور جن کی تعداد ۴۸۷ ہے برسہا برس سے کرایہ دار کی حیثیت سے مکانات میں رہتے آئے ہیں۔ اب ریاستی حکومت نے انھیں حقوقِ ملکیت دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

وردھا ضلع پریشد نے ہر جھونپڑے کے لئے ۵۰ روپے کی امداد دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ بہرحال یہ صرف ایسے مزدوروں کو دی جائے گی جو اپنا جھونپڑا مکمل کر لیں گے۔ اس کا مقصد ان کی حوصلہ افزائی ہے تاکہ تعمیر کے کام کی رفتار تیز ہو۔ اس کیلئے ضلع پریشد نے ۵۰,۰۰۰ روپے کی گنجائش رکھی ہے۔

ضلع بھنڈارا میں ضلع کلکٹر اور دیگر سرکاری افسران تعمیراتِ مکانات ہی سے مطمئن نہیں ہو گئے ہیں۔ اب وہ پانی کی فراہمی وغیرہ کے لئے بھی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کی اپیل پر گونڈیا میں ہوٹل حلوائی ایسوسی ایشن نے ایک کنواں بنانے کا کام شروع کیا ہے۔ اسی طرح ضلع ایوت محل کے مقامات

میں نوبدھ
زدور شری پوار
پے بنائے ہوئے
ر کے سامنے
دی بچوں
اتھ

گاؤں اور راہور میں سمت عامہ انجینیرنگ محکمہ عتی مزدوروں کی بستی میں نل کے ذریعہ پانی کی کے لئے قابل قدر امداد دی۔

اس اسکیم کے سلسلہ میں ایک قابل ذکر بات یہ ہے ٹے مختلف اشخاص کو ذات پات کا لحاظ کئے ے گئے ہیں۔ بعض مقامات پر مختلف ذات لق رکھنے والے بے زمین زراعتی مزدور ایک ؤں میں رہتے ہیں۔ اس سے ان میں قدرتی طور ی برابری اور اتحاد و اتفاق کا جذبہ بڑھے گا۔ اورنگ آباد کے کنٹر تعلقہ میں مکانات پانے بے زمین زرعی مزدوروں کے ۲۷ کنبے پسماندہ ے مثلاً گوساوی، مالی اور بھیل جاتی سے ر رکھتے ہیں ۔ ۱۱۰۲۰ مکانات تعمیر کر کے علقہ نے نیا ریکارڈ قائم کیا ہے۔

تعمیر مکانات کے ضلع وار اعداد حسب ذیل بیشتر اضلاع میں ریاستی حکومت کی جانب ر ضلع کے لئے ۱۰۰۰ جھونپڑوں کے مقررہ نشانہ سے زیادہ تعداد میں جھونپڑے بنائے گئے ہیں۔

ضلع	تعمیر کئے جانے والے جھونپڑوں کی تعداد
تھانہ	۲،۶۵۰
بیڑ	۱،۲۱۴
کولابہ	۱،۲۰۰
احمدنگر	۱،۱۵۸
شولاپور	۱،۱۰۰
پونہ	۱،۰۳۲
پربھنی	۱،۰۲۵
اورنگ آباد	۱،۰۲۰
ستارا	۱،۰۱۱
نانڈیڑ	۱،۰۰۵
ایوت محل	۱،۰۰۱
بلگاؤں	۱،۰۰۱
ناگپور	۱،۰۰۰
چندرپور	۱،۰۰۰
اکولہ	۱،۰۰۰
بھنڈارہ	۱،۰۰۰
امراؤتی	۱،۰۰۰
ناسک	۱،۰۰۰
دھولیہ	۱،۰۰۰
عثمان آباد	۱،۰۰۰
سانگلی	۹۸۲
وردھا	۶۸۰
رتناگیری	۴۱۸

ضلع نانڈیڑ میں سرکاری افسران کے ساتھ سماجی کارکنوں اور مخیر حضرات کے تعاون سے مقررہ نشانہ ایک ماہ کے اندر ہی پورا ہوگیا اور ۱۰۰۵ جھونپڑے بن گئے۔ اب نئے مکین انھیں پختہ اور پائیدار بنانے کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔

تعلقہ قندھار (ضلع ناندیڑ) کے باسی شری رام بھگونت شنڈے جن کا پیشہ روزانہ اُجرت پر راج گیری ہے' اپنے نئے مکان کی دیواریں گارا مٹی سے پختہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ شری شنڈے نے انتہائی مسرت و اطمینان کا اظہار کیا کیونکہ اب برسہا برس کے بعد انھیں آقاؤں کے رحم و کرم سے نجات ملی ہے اور ان کی بے بسی دور ہوئی ہے۔ اسی طرح وسرانی کے شری کھوبراجی کولیے خوش تھے کیونکہ اب وہ کسی کے محتاج نہیں رہے۔

تعلقہ دیگلور کے شاہ پور میں ۶۹ جھونپڑے بن گئے ہیں۔ یہ ایک مثالی بستی ہے جہاں پینے کے پانی کی سہولت فراہم ہے۔ ان پکے جھونپڑوں نے انھیں نیا جیون دیا ہے۔

حکومت نے ہر ایک جھونپڑے کیلئے ۱۵۰ روپے کی رقم دی اور چوبی ڈھانچہ بنانے میں مدد دی۔ خود گاؤں والوں نے 'کڑ' مفت دی۔ لوگوں کے چندہ ہی سے کچی دیواریں بنائی گئیں جو خود گاؤں والوں نے اکٹھا کیا تھا۔ تقریباً ۴۰،۰۰۰ روپے کی رقم اس طرح جمع کی گئی۔ گاؤں والوں نے اینٹیں' پرانے دروازے' لکڑی اور مٹی وغیرہ بھی دی۔ جھونپڑے بنانے کے لئے مزدوروں نے شرمدان دیا۔

ضلع ناندیڑ کے دورے کے وقت دھرم آباد میں لوگوں نے وزیر اعلیٰ کا بڑی گرمجوشی سے خیر مقدم کیا۔ میونسپل کونسل کے صدر شری بابا پاٹل نے شہریوں کی جانب سے ۸،۵۰۰ روپے کی رقم وزیر اعلیٰ کو پیش کی۔

اس فراخدلانہ پیشکش پر دلی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے فرمایا "یہ اسکیم حکومت کے 'غریبی ہٹاؤ' پروگرام کا ایک اہم جز ہے۔ ریاست بھر میں لوگوں نے اسے دل و جان سے سراہا ہے جس سے حکومت کا بھی حوصلہ بڑھا ہے۔ اسی جذبہ اور تعاون سے ہم زیادہ سے زیادہ مکانات بناکر غریبوں کو گھر دے سکیں گے۔

اس بیان سے حوصلہ پاکر ضلع کے لوگوں نے یہ طے کیا ہے کہ رواں سال کے دوران ۲،۰۰۰ جھونپڑے تعمیر کئے جائیں۔ اگر یہ پروگرام اسی تیز رفتار سے جاری رہا تو امید ہے کہ آئندہ تین چار سال کے دوران ہر بے گھر شخص کو گھر مل جائے گا جس کا وہ خود مالک ہوگا۔

مردم گاؤں (تعلقہ گڑھ چرولی' ضلع چندرپور) میں اس اسکیم سے فیضیاب ہونے والے لوگ اپنے نئے مکانات میں منتقل ہونے سے ہچکچا رہے تھے کیونکہ وہاں پینے کے پانی کی قلت تھی۔ یہاں پانی لانے کے لئے تین کلومیٹر دور جانا پڑتا ہے۔ لیکن ایک ادیباسی بیوہ خاتون نے پہل کی۔ نیا جھونپڑا ملنے پر وہ خود تین کلومیٹر جاکر پانی لائی۔ دیواروں کو پانی سے تر کیا۔ فرش گائے کے گوبر سے پوتا اور جھونپڑے کو خوب صاف اور رہنے کے قابل بنایا۔ پھر وہ اسمیں رہنے لگی۔ اس سے دوسروں کو سبق ملا اور وہ بھی نئے گھروں میں آباد ہوگئے۔

ضلع چندرپور میں ایک ہزار جھونپڑے تعمیر کرنے کا نشانہ پورا کرنے کا سہرا ضلع کلکٹر' صدر ضلع پریشد' چیف ایگزیکٹیو افسر' دیگر افسران' ڈائرکٹر زمین شدھار بینک اور نوجوانوں کے سر ہے۔ دادا بھائی پوٹری' چوان ٹائلز اور کوآپریٹیو ٹائلز فیکٹری نے ۹،۰۰۰ چھت کے ٹائلز مفت نیز مزید ۹ لاکھ ٹائلز نہ نفع نہ نقصان کی بنیاد پر دئے۔

ڈائرکٹر زمین شدھار بینک شری وسادے نے پالس گاؤں میں ۵۰ جھونپڑوں کی بستی کے قیام میں ہر ممکن مدد بہم پہنچانے کی کوشش کی۔ اس بستی کا نام کسمنور نگر ہے۔ کسان اپنی گاڑیوں میں جنگلات سے لکڑی وغیرہ لائے۔ نوجوانوں نے جھونپڑے بنانے میں شرمدان دیا۔ اس طرح پورے گاؤں نے غریبوں کے لئے گھر بنانے میں بڑی دلچسپی کا اظہار کیا جسے کبھی فراموش نہ کیا جاسکے گا۔

ضلع احمد نگر میں کھیتی مزدوروں کے ۱۱،۳۰۰ خاندان ہیں۔ ان میں سے ۷،۲۳۸ کو مکانات کے لئے پلاٹ دئے جاچکے ہیں۔ ۳۰ جون سے قبل حکومت کی جانب سے ۲۹۶ خاندانوں کو زمین تقسیم کی جا چکی تھی۔ بقیہ ۲،۷۶۶ خاندانوں کے لئے حکومت نجی اراضی حاصل کرکے ۳۰ اکتوبر تک انھیں دیدے گی۔

ضلع کلکٹر' امداد باہمی جماعتوں' سماجی انجمنوں' سماجی کارکنوں اور شہریوں کی کوششوں سے ضلع میں ایک ہزار کے نشانہ سے بھی زیادہ یعنی ۱۱۵۸ جھونپڑے بن چکے ہیں۔ ضلع میں 'مکر سنکرانتی' سے قبل ۳،۰۰۰ جھونپڑے بن جانے کی قوی امید ہے

"برسہا برس کے بعد ہمیں آقاؤں سے نجات ملی ہے"

"اب ہم کسی کے محتاج نہیں رہے"

بے زمین کھیتی مزدوروں کا ردعمل

اس ضلع میں تعلقہ راہوری اوّل رہا جہاں ۱۹۳ مکانات تعمیر ہوئے۔ اس نمایاں کارگزاری پر شری بی جے۔ کھتال' وزیر مملکت برائے اطلاعات و پبلسٹی اور آبادکاری نے پورے ضلع خصوصاً راہوری کے لوگوں کو مبارکباد دی۔ شری کھتال نے کھاروندی اور تکلی میاں گاؤں میں نئی بستیوں کا نام رکھنے کی رسم ادا کی۔ کھاروندی میں بستی کا نام 'ویانیشور کالونی' رکھا گیا ہے جس کے لئے شری راموانا پھنکے' سرپنچ گرام پنچایت نے ۴۰۰ روپے کا عطیہ دیا ہے۔ وڈالا مشن نے کنویں بنواکر پینے کے پانی کی سہولت بہم پہنچائی۔ تکلی میاں گاؤں'

کا نام "شری کھنڈوبا واڑی" رکھا گیا
، بستی نیز دیولالی کی بستی کے لئے گاؤں
، ۹,۰۰۰ روپے کا عام چندہ جمع کیا۔
اشخاص نے کھیتی مزدوروں کے خاندانوں
، کی اور ان کے لئے مکان بنانے میں
اسی طرح شری سائی اور دیگر جماعتوں نے
لی چھوڑا کے ایک بڑھئی شری نرائن ستار
رمیں رکھے لکڑی کے بکسوں سے اینٹیں
کے لئے ڈھانچہ تیار کیا۔ ریاستی سرکاری
نے بھی جو اس زمانے میں ہڑتال پر تھے
بر مکان بنانے میں مدد دی اور اسطرح
ے سماجی فرض ادا کیا۔ اس احساسِ فرض
آبادکاری نے انھیں مبارکباد دی۔
ح میں ان جھونپڑوں کے باسیوں نے نیا جیون
ہے۔ ان میں سے کچھ کا ارادہ ہے کہ اپنی
ے کمائی ہوئی آمدنی سے اپنے بل پر الگ
ی کریں۔ بعض کا ارادہ یہ ہے کہ بچوں کو
۔ چند اپنی خود کی صنعت قائم کرنے کیلئے
ہیں۔
انیشور بستی میں شری کھشال نے جب بابوراؤ
لے نئے گھر میں دیا جلایا تو وہ بولا "آج
ے کا سمے بیت گیا" اس کی گھروالی
نے بتایا کہ اسے اپنا مستقبل بنانے کی
۔ وہ اپنے دو لڑکوں کو تعلیم اور لڑکیوں کی
رنا چاہتی ہے۔ تکلی میاں کے شری راجہ کماؤ
سائیکل کی دکان کھولنا چاہتے ہیں۔ شیخ
ن اپنے پان کے بیوپار کو ترقی دینا چاہتے
اسطرح شری کھنڈوبا واڑی کے سب ہی باسی
قبل کو سنوارنا چاہتے ہیں۔ شری کھشال
بی یقین دلایا کہ حکومت بھی اس معاملہ
بیں مدد دینے پر غور کرے گی۔
●●

کھیت اور کھلیان

فصل خریف میں پیداوار بڑھانے کے اقدامات
برادری کنوؤں سے پانی حاصل کرنے کی اجازت

حکومت مہاراشٹر نے آئندہ فصل خریف میں زراعتی پیداوار بڑھانے کے لئے اٹھائے گئے اقدامات کو مدنظر رکھتے ہوئے مستند فائدہ اٹھانے والوں کو برادری کنوؤں سے پانی نکالنے کی منظوری دیدی ہے۔ آئندہ فصل خریف کیلئے برادری کنوؤں سے پانی لینے کے خواہشمند افراد تحصیلدار کو اپنے ارادے سے مطلع کر کے پانی لینا شروع کر سکتے ہیں۔

اس اطلاع کے علاوہ فائدہ اٹھانے والوں کو چاہیئے کہ وہ تحصیلدار کو یہ لکھ کر دیں کہ وہ ایک روپیہ سالانہ لیز (lease) کا کرایہ ادا کرنے کیلئے تیار ہیں، اور اس بات کا بھی اقرار کریں کہ وہ ضرورت سے زیادہ پانی حاصل کر کے دیگر فائدہ اٹھانے والوں کو نقصان نہیں پہنچائیں گے اور کسی بھی تنازعہ کے سلسلہ میں وہ تحصیلدار کے فیصلہ کے پابند ہوں گے۔

فائدہ اٹھانے والے افراد کنوؤں سے پانی حاصل کرنے کے لئے باقاعدہ اجازت کا انتظار نہ کریں۔ اس سلسلہ میں تحصیلدار جہاں تک ممکن ہوگا جلد از جلد اجازت نامے جاری کرے گا۔ ہر حالت میں یہ اجازت اپنے ارادے سے مطلع کرنے والوں کو تیس دن کے اندر دے دی جائے گی۔

متذکرہ رعایت محض آئندہ فصل خریف کے لئے ہی دی جائے گی۔

ساٹھ کروڑ روپے کی مالیت کا بیج اور کھاد تقسیم کی جائے گی:

حکومت مہاراشٹر اور مہاراشٹر اسٹیٹ کوآپریٹیو مارکٹنگ فیڈریشن لیمیٹیڈ نے فیصلہ کیا ہے کہ اجارہ داری کپاس حصولیابی اسکیم کے تحت کاشتکاروں کی جو رقم باقی ہے اسمیں سے ساٹھ کروڑ روپے مالیت کا بیج اور کھاد کاشتکاروں میں تقسیم کی جائے۔ جون کے بعد جو رقم ان کو دی جانے والی ہے اسکا یہ ۲۰ فیصدی حصہ ہے۔ حکومت اور فیڈریشن نے یہ فیصلہ اس وجہ سے کیا ہے کہ اناج کی پیداوار میں اضافہ کی رفتار تیز کرنے کیلئے کاشتکاروں کو جو دشواریاں پیش آتی ہیں انھیں دور کیا جا سکے۔

دستیاب ذرائع آب کا استعمال

حکومتِ مہاراشٹر نے دستیاب ذرائع آب کو کام میں لا کر فصلِ خریف میں زراعتی پیداوار بڑھانے کے لئے مختلف اقدام اٹھانے کا فیصلہ کیا ہے۔

چنانچہ ندیوں اور نالوں وغیرہ سے اٹھاؤ سینچائی اور دوسرے طریقوں سے زیادہ سے زیادہ پانی حاصل کرنے کی اجازت ہوگی۔ نیز اس موسم کے دوران اٹھاؤ سینچائی کے ذریعہ نہر کے پانی کا مطالبہ بھی پورا کیا جائے گا۔ حلقہ کے ہر موضع میں خریف فصل کے لئے خواہشمند باغبانوں کو پانی کے استعمال کے لئے فوراً اجازت نامے جاری کئے جائیں گے۔

کبیر داس دنیا کے ایک عظیم عوامی شاعر تھے
اُن کی شاعری صحیح معنوں میں سیکیولرزم کا مظہر ہے۔ اس
جدید نقطۂ نظر سے صاحبِ مضمون صفدر آہ نے کبیر کی شخصیت
اور ان کی شاعری کو اُجاگر کرنے کی سعی کی ہے!

کبیر

صفدر آہ
ڈاکخانہ گنیش پوری،
براہ وسئی روڈ (ویسٹرن ریلوے)

دُنیا کی کوئی زبان شاید کبیر سے بڑا عوامی شاعر نہیں پیدا کر سکی ہے۔ عوامی شاعر سے میرا مطلب صرف عوامی زبان میں شعر کہنے والا نہیں بلکہ ایسا عوامی شاعر ہے جس کے بیان اور طرزِ ادا پر دانش (Intellect) کا اثر مطلق نہ ہو لیکن پھر بھی اُس نے بڑی سے بڑی باتیں ٹھیٹھ عوامی الفاظ، عوامی بھاؤ اور عوامی ڈھب سے اسطرح کہہ دی ہوں کہ وہ تکمیلِ تخیّل کا بھرپور نمونہ یا "سوتر" معلوم ہونے لگیں۔ جیسے اس حقیقت کو لے لیجئے کہ "زر" نے معاشرت کے اقتصادی نظام کو زیر و زبر کر دیا ہے۔ بڑے بڑے فلسفیوں اور ماہرینِ اقتصادیات نے اس نظریے پر کیا کچھ نہیں لکھا ہے۔ کارل مارکس کی کتاب "کیپٹل" اس موضوع کی وہ عالمانہ توضیح ہے جس کی بناء پر ایک نئی دنیا اور نیا معاشرہ پیدا ہو گیا ہے۔ آج تک "نظریۂ زر" پر جو کچھ کہا گیا ہے وہ سب کبیر کے اِس دانش سے مبّرا بول میں بھرپور توانائی اور تکمیلِ تاثر کے ساتھ موجود ہے کہ

رمیّا کی دُلہن نے لوٹا بجار

چھم چھم کرتی ہوئی قتالۂ روزگار رمیّا کی دُلہن یعنی لکشمی (زر) نے بازار لوٹ لیا۔ یعنی اقتصاد کو تہ و بالا کر دیا ہے۔ گاؤں کی رمیّا کی دُلہن کا کردار ہی زر کا حقیقی کردار ہے جو سب کو لبھاتا ہے لیکن ہاتھ بمشکل آتا ہے۔

کبیر کا یہ بے تصنّع مگر زوردار بول عوام کے دل کی جس گہرائی کو چھو سکتا ہے وہاں تک کسی بڑے سے بڑے فلسفی کا بھی استدلال نہیں پہنچ سکتا۔ اس بول پر دانش کی پرچھائیں تک نہیں پھر بھی کتنا بامزہ اور پُراثر ہے۔

اسی طرح سالکین کو عارف اور فلسفی نئے نئے دلائل سے یہ بتا چکے ہیں کہ قرنوں سے تم جس خدا کا تجسّس کر رہے ہو وہ تمہاری رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے۔ ان تمام بحثوں پر کبیر کا یہ عوامی نہیں بلکہ عامیانہ مصرعہ حاوی ہے کہ

چلتے چلتے جگ بھیا پاؤ کوس پر گاؤں

ہم یگوں سے تجسّسِ خدا کا سفر کر رہے ہیں لیکن منزل صرف پاؤ کوس پر ہے۔ یہاں پاؤ کوس کی غیر دانشورانہ پیمائش الہام اور وحی معلوم ہوتی ہے۔

یوں ہی "ماسوا اللہ فنا کے منہ میں جا رہا ہے"

اہلِ علم اور اہلِ معرفت نے اس بات کو کس کس
طرح سے نہیں سمجھایا ہے، لیکن کبیر کے اس
آخری مصرع کے سامنے وہ سب ہیچ ہے کہ

خلق چبینا کال کا کچھ منہ میں کچھ گود

اس مصرع کو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے
ہیں۔ کائنات کال کا ایسا چبینا ہے جس میں سے
کچھ تو اس کے منہ کے اندر پہنچ چکا ہے اور کچھ
اس کے دامن میں ہے۔ دم بھر میں وہ ایک پھنکا
مارے گا اور اسے بھی چبا کر ختم کر دے گا۔

کبیر کی شاعری کا یہی وہ معجزنما پہلو ہے جو
ان کو عالمی عوامی ادب کا ممتاز ترین شاعر بنادیتا
ہے۔ بڑی بڑی عالمانہ باتیں وزنی لفظ مانگتی ہیں
لیکن کبیر انھیں عامیانہ الفاظ (جو عوامی الفاظ سے
بھی پست ہیں) میں اسطرح ادا کر دیتے ہیں کہ
وہ ضرب المثل بن جاتی ہیں۔

ہندی نقادوں نے کبیر کی حیات کو توہمات
کا ایک طلسم بنادیا ہے۔ حقیقتاً وہ بنارس
کے ایک جولاہے خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کے
والد کا نام نورو (غالباً نورعلی) اور والدہ کا نام
نعیمہ تھا۔ ماں باپ نے ان کا نام کبیر رکھا جس
کے معنی ہیں "بڑا"۔ اس نام میں ایک انانیت
اور اہنکار تھا لہذا خود کبیر نے اپنے نام کے
ساتھ داس بڑھا کر کبیر داس کر دیا۔ کبیر
اسمائے الٰہی میں بھی شمار ہوتا ہے۔ اس طرح
اس کے معنی ہوگئے "خدا کا بندہ"۔

کبیر جولاہے تھے اس کا ثبوت بیسیوں جگہ
خود کبیر کے کلام میں موجود ہے جیسے

تُت مُوری مواٹی جات جولاہا

یا

باھمن! میں کاسی کا جولاہا بوجھو میرا گیان

یا

کہت کرلی میں بھیا جولاہا — وغیرہ

ان کے کنول سے پیدا ہونے، یا کسی برہمن
کے بطن سے پیدا ہونے، یا لہرتال پر پڑا ہوا
ملنے کی کہانی بالکل غیر معقول اور لایعنی ہے۔
یہ کہانیاں اس وقت گڑھی گئیں جب کبیر کی عظمت
کے سامنے بڑے بڑے عالم اور برہمن سر جھکانے
لگے تھے۔

کبیر اُس عہد کی پست ترین اور جاہل ترین
مسلمان ذات میں پیدا ہوئے تھے۔ لہذا اُن کی
صحیح تاریخ پیدائش کسی کو نہیں معلوم ہے۔ جب
کبیر پنتھ ایک مذہب کی صورت میں شروع ہوا تو
ان کے چیلے دھرم داس نے تحقیق کر کے یا ذاتی
اندازے پر ان کی تاریخ ولادت اسطرح بتائی ہے

چودہ سو پچپن سال گئے
چندوار اک ٹھاٹھ ٹھئے
جیٹھ شدی برسایت کو
پورن ماسی پرگٹ بھئے

چودہ سو پچپن سال جانے کے بعد (یعنی سمت
۱۴۵۶ بکرمی میں) سوموار کو ایک شاندار انداز
میں، جیٹھ شدی برسایت (نیک ساعت) کو
پورن ماسی کے دن (وہ) پیدا ہوئے۔

ایک لفظ ہے बरसायत اور دوسرا
لفظ ہے बरसाइत۔ پہلے لفظ کے معنی
ہیں نیک ساعت اور دوسرا لفظ ایک تیوہار
کا نام ہے جو جیٹھ اماوس کو ہوتا ہے۔ بعض
ہندی محققوں نے اسی اماوس کے تیوہار کو کبیر
کا یوم پیدائش قرار دیا ہے۔ کبیر پنتھی بھی اسی
اماوس کو نہ جانے کیوں کبیر کا جنم دن مناتے
ہیں۔ لیکن یہ قطعاً غلط ہے۔ ان کی ولادت
جیٹھ شدی بتائی گئی ہے جس کے بعد اماوس
کا کوئی سوال ہی نہیں رہتا۔

جیوتش کے مطابق جیٹھ پورن ماسی کو
اکثر عظیم روحانیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس اعتبار
سے اس تاریخ کو قبول کرنے میں کوئی قباحت
نہ تھی۔ لیکن مندرجہ بیان کے اگلے دو مصرعے
بات کو توہمات کی حد میں پہنچا دیتے ہیں ؎

گھن گرجے دامنی دَمکے
بوندیں برسن جھر جھر لاگ گیو
لہرتال ماں کمل کھِلے
تہاں کبیر بھانو پرگٹ بھیو

جیٹھ میں گرج، چمک اور بارش کو اگر درست
بھی مان لیا جائے تو بھی یہ بات تو کسی طرح
درست نہیں ہو سکتی کہ کبیر پنتھیوں کے عقیدے
کے مطابق کبیر کمل کے پھول سے پیدا ہوئے۔ سوموار
دن کے لئے، جو گنت کی گئی ہے وہ یک لخت
غلط ہے۔

کبیر کو جو روشنی ملی وہ کسبی نہ تھی، مبدءِ
فیض کی دین تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بالکل
پڑھے لکھے نہیں تھے جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں کہ

مسی کاگج چھوا نہیں کلم لیا نہیں ہاتھ

(روشنائی، کاغذ اور قلم کو (میں نے) کبھی
ہاتھ نہیں لگایا)

کبیر اپنی زبان کو پوربی کہتے ہیں ؎

بولی ہمری پورب کی ہمیں لکھا نہیں کوئی
ہم کو تو سوئی لکھے گھر پورب کا ہوئی

پوربی کے معنی یہاں اودھی ہی ہوں گے۔
ان کا مقام ولادت خالص اودھی کا علاقہ نہیں
ہے۔ آج تک بنارس کی پکی حویلی کی زبان اودھی
اور کچی حویلی کی زبان بھوجپوری کہی جاتی ہے۔
یعنی وہاں خواص اودھی بولتے ہیں اور عوام کی
زبان بھوجپوری ہے۔ کبیر قطعاً طبقۂ عوام میں
شمار ہوں گے۔ لیکن ایک عجیب بات یہ ہے کہ
ان کی زبان پر بھوجپوری کا اثر بالکل نہیں ہے ان
کا کلام ایک خاص قسم کی اودھی میں ہے جسے
ٹکسالی اودھی کہنا مشکل ہے۔ شاید مسلمان ہونے
کی وجہ سے ان کے یہاں بعض جگہ کھڑی بولی
کی جھلک بھی نظر آجاتی ہے۔ اس کا سبب

یہی سمجھنا چاہئے کہ بنارس خالص اودھی کا حلقہ نہ تھا۔ ورنہ تلسی داس کے علاوہ اودھی ادب کے تمام سربراہ شاعر مسلمان تھے اور زبان کے اعتبار سے وہ مستند تر مانے جاتے تھے۔ ملک محمد جائسی کی پدماوت کی اودھی اب بھی تلسی داس کے رام چرت مانس کی اودھی سے افضل اور بہتر سمجھی جاتی ہے۔ پہلے اودھی بیشتر فارسی رسم الخط ہی میں لکھی جاتی تھی۔

آجکل سیکیولرزم کا لفظ بہت عام ہے۔ لیکن سیکیولرزم صحیح معنوں میں جس شاعر کے یہاں ملے گا وہ کبیر ہیں۔ ان کے حسب ذیل اشعار دیکھئے ؎

ہندو کہو تو میں نہیں، مسلمان میں نائے
پنچ تت کا پوتلا گیبی کھیلیں مائے

میں نہ تو ہندو ہوں نہ مسلمان۔ میں بس پانچ تت کا ایک پتلا ہوں جس میں کوئی انجانی چیز اپنے کرشمے دکھا رہی ہے۔

مالا لکڑ، ٹھاکر پتھر، سگرے تیرتھ پانی
راما کرشنا مرتے دیکھا چاروں بید کہانی

مالا لکڑی، ٹھاکر پتھر اور سارے تیرتھ پانی ہیں۔ رام اور کرشن کو مرتے دیکھا۔ چاروں وید کہانی ہیں۔

پاتھر پوجے جو ہر ملے تو میں پوجوں پہار
وا پاتھر سے چاکی بھلی جو پیس کھائے سنسار

اگر پتھر پوجنے سے خدا ملے تو میں تو پہاڑ کو پوجوں۔ اس پوجیہ پتھر سے چکی اچھی جس سے دنیا کچھ پیس کھاتی ہے۔

کانکر پاتھر جوڑ کے مہجت لئی بنائے
تا چڑھ ملا بانگ دے کا بہرا ہوا کھدائے

کنکر پتھر جوڑ کے مسجد بنائی۔ اس پر چڑھ کر ملا اذان کا شور کرتا ہے، کیا خدا بہرا ہوگیا ہے؟

کرتا ایک او سب کی باجی
نا کُو پیر، مسائکھ، کاجی

ایک عامل ہے اور سب کھیل رہے ہیں۔ نہ کوئی پیر ہے، نہ مشائخ ہے، نہ قاضی ہے۔

اِس اکھڑ اور عامیانہ لہجے میں یہ بے لاگ اور گرجتے ہوئے انقلابی خیالات شاید ہی کسی عوامی شاعر کے یہاں مل سکیں۔

آج سے پانچ سو سال پہلے صوفی شعراء کا ہم آہنگ ہوکر جس سیکیولرزم کو کبیر نے شروع کیا تھا اُس کی بازگشت ہندوستانی زبانوں میں سب سے زیادہ اردو شاعری میں سنائی دیتی ہے جس میں کعبہ اور بت خانے کو اُڑا دیا گیا۔ شیخ اور واعظ کی پگڑی اُچھال دی گئی۔ رندی اور مستی کو بلند ترین مشرب قرار دیا گیا ہے۔ کبیر کا انقلابی رنگ ہندی نہیں اردو کا پیشرو تھا۔ بھاکھا اور ہندی کے شاعر شاعر پریم کے علم بردار ہیں۔ کبیر کی للکار کسی کے پاس نہیں۔ کبیر کا طنز اردو کی رندانہ شاعری سے گذرتا ہوا باغیانہ شاعری تک آیا اور آج مارکسی رنگ میں دنیا کی ترقی پسند شاعری کے ساتھ چل رہا ہے۔ کبیر کی بھگتی کی ورثہ دار بیشک ہندی ہے جس نے اُن کے ادھیاتمک رنگ کو نئی نئی صورتوں میں پیش کیا ہے۔

کبیر کی شاعری کم تر فارسی رسم الخط میں اور بیشتر ناگری میں لکھی گئی۔ لیکن اسے اردو سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ کبیر کا سیاق بیان اور درجنوں محاورے آج بھی اردو کے پاس موجود ہیں۔ جیسے ع

"یو گھر ہے پریم کا کھالا کا گھر نائے

یا

ناچ نہ جانے باوری کہے کہ آنگن ٹیڑھا

یا

کبیرا کھڑا بجار ما دیکھے واکی سیر
ناکُو سے دوستی ناکُو سے بیر

یا

پاؤں کلھاڑی ماریا مورکھ اپنے ہاتھ
(فارسی محاورہ "تیشہ بر پا زد
خط کشیدہ محاورے بالکل اسی صو
یا معمولی تبدیلی کے ساتھ آج بھی اردو م
ہیں۔

اردو کے عظیم ترین شعراء نے کبیر سے ا
کیا ہے۔ مثلاً زبان کے معاملے میں انیس
شاعر اردو میں کوئی نہیں۔ کبیر کے تلاش کے
موتی ان کے دامن میں بھی مل جاتے ہیں۔ ج
کہتے ہیں ؎

جتنی جانت ست بڑا ہوت ہے
اتنا کُو نہ جانے دن دن گھٹت ہے

انیس کہتے ہیں ؎

جب سالگرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھلا
یاں اور گرہ سے ایک برس جاتا ہے

کہا جاتا ہے کہ کبیر کا ایک مجموعۂ نظم ر
تھا جو اب نایاب ہوگیا ہے۔

اسلامی مساوات نے ہندوستانی م
پر زبردست اثر ڈالا۔ لاکھوں آدمی جا
کے بندھن توڑ کر نکل بھاگے۔ سنت سما
صوفیوں کا اثر ہوا۔ ان سنتوں میں راما نج
راما نند سب سے اہم ہیں۔ وہ مساوات
کی حمایت میں گرد سے الگ ہوکر بنارس
یہاں ریداس چمار اور کبیر داس جولاہے
چیلا بنایا۔ راما نند کا چیلا بننے کی تائید
کلام میں موجود ہے۔

کبیر کی بھگتی اور ان کے خیالات
کا بے حد اثر ہے۔ بنیادی طور پر کبیر
کی تشکیل راما نند ہی کے زیر اثر ہوئی لیکن

توحید کو بھی مانتے ہیں ـــ

ایک نرنجن اللہ میرا
ہندو ترک دؤ نہیں نیرا

وہ رام کو مانتے ہیں لیکن ان کا رام تو شرتھ کا بیٹا نہیں نرگن رام ہے ـــ

دسرتھ ست بہوں لوک بکھانا
رام نام کا مرم نہ جانا

ان کا کلام صوفی شعراء سے بھی متاثر نظر آتا ہے۔ حافظ کہتے ہیں ـــ

ہر کسے پنج روزہ نوبت اوست

کبیر کہتے ہیں کہ

کبیر نوبت آپنی دن دس لیہو بجائے

فردوسی نے کہا ہے ـــ

چہ بندی تو دل بر سرائے فسوس
کہ ہر زماں ہمی آید آواز کوس

کبیر کہتے ہیں ـــ

کبیر سر پر سرائے ہے کیا سووے سکھ چین
سو اس نگاڑا کوچ کا باجت ہے دن رین

ابوالفرج نے کہا ہے ـــ

ہر کس بقدرِ خویش گرفتارِ محنت است
کس را نہ دادہ اند براتِ مسلمی!

کبیر کہتے ہیں ـــ

راجا دکھیا، پرجا دکھیا، جوگی کا دکھ دونا
کہت کبیر سنو بھائی سادھو کوئی مندر نہیں سونا

بڑے شاعروں کے خیالات اکثر یکساں ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہاں لغوی یکسانیت دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کبیر صوفیوں کی صحبت میں بھی کافی رہے ہیں۔

کبیر کے بہت سے اشعار ایسے ملیں گے جنکی زبان تو ہندی ہے لیکن رنگ صوفیوں کا ہے۔ فنا فی اللہ کا مسئلہ خالص صوفی رنگ میں ہے ـــ

ہیرت ہیرت ہیریا رہا کبیرہ ہرائے
بوند سمائی سمند میں سو کت ہیرے جائے

اُسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے خود کبیر کھو گیا۔ قطرہ سمندر میں سما گیا۔ اُس قطرے کو اب کہاں ڈھونڈا جاسکتا ہے۔

یہی بات ایک انوکھے رنگ سے غالب کہتے ہیں ـــ

ہاں اہلِ طلب کون سُنے طعنۂ نایافت
دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے

کبیر کا یہ شعر دیکھئے ـــ

جیسے بٹ کا بیج، تاہی میں پتر پھول پھل چھایا
کایا مدھے بیج براجے بیجا مدھے کایا

جس طرح پیپل کے بیج میں پتا، پھول، پھل اور سایہ ہے اسی طرح جسم میں بیج اور بیج میں جسم ہے۔

یہی مضمون کسی نے یوں کہا ہے کہ

جو تخم میں مجمل ہے متصل ہے شجر میں

اصولی طور پر کبیر ایک ویشنو بھگت تھے، لیکن وہ اپنی پیشانی کے کھڑے رامانندی تلک کو اللہ کا الف بھی کہتے ہیں۔ دوسرے ویشنو بھگتوں اور کبیر میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ کبیر رام یا کرشن کے روپ آکرشن اور ان کے اصنام کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ ان کا راستہ یوگ کا مارگ ہے جس میں کیرتن اور بھجن کے ساتھ کڑی تپسیا اور ہر سوختگی کی ضرورت ہے ـــ

کبیر کھڑا بجار ما لئے لکیٹی ہاتھ
جو گھر پھونکے آپنا چلے ہمارے ساتھ

بھجن کے ساتھ پہلے وہ دوسرے جولاہوں کی طرح اپنے پیشے کا کام بھی کرتے تھے۔ جوانی میں انھوں نے شادی بھی کی اور اُن کے دو بچے کمال اور کمالی ہوئے۔ لیکن لڑکے کی ولادت پر وہ کہتے ہیں کہ

بوڑا بنس کبیر کا اُپجے پوت کمال

شاید اولاد ہونے کے بعد ہی ان کا بیراگ جیون شروع ہوا جو آخر تک قائم رہا۔ انھوں نے اسی بیراگ کی بناء پر آخر عمر میں اوتار ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنا ایک پنتھ کبیر پنتھ کے نام سے شروع کیا جو آج تک باقی ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس پنتھ کے کتنے اصول خود کبیر نے بنائے اور کتنے ان کے پیروؤں نے وضع کئے۔ کبیر پنتھ اتحادِ مذاہب کی ایک پُر خلوص کوشش ہے۔

کبیر انسانی مساوات کے زبردست حامی تھے۔ برہمن کو وہ اس طرح للکارتے ہیں ـــ

ہمرے رکت نہ تمرے دود
تم کس باھمن ہم کس سود!

کبیر ناخواندہ ہونے پر بھی گویا فلسفۂ السنہ کے ماہر تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ خواص کی زبان خواہ کتنی ہی شائستہ اور اعلیٰ کیوں نہ ہو لیکن توانائی ہمیشہ اُس زبان میں ہوتی ہے جسے عوام بولتے ہیں۔ ہندوستان کی تاریخ میں برہمنی زبان سنسکرت کی مخالفت شاید سب سے پہلے کبیر ہی نے کی ہے کہ

سنسکرت کوپ جل بھاشا بہتا نیر

خدا کی ذات کو پانے کے لئے پہلے انا کا فنا کرنا ضروری ہے۔ اس مضمون کو کس انوکھے انداز میں کہا ہے ـــ

جب میں تھا تو ہری نہ تھے اب ہری ہیں میں نائیں
پریم گلی اتی سانکری، جہا دوئی نہ سمائیں

انھیں اپنے صفائے قلب کا یقین تھا۔ جسکے بعد تجسسِ خدا کی ضرورت نہیں رہتی ـــ

کبیر من نرمل بھیو جیسا گنگا نیر
پاچھے پاچھے ہری پھرے کہت کبیر کبیر

یہ انوکھا خیال سرمد نے بھی اپنی ایک رباعی میں پیش کیا ہے ـــ

سرمد اگرش وفاست خود می آید
گر آمدنش رواست خود می آید
بیہودہ چرا در پئے او می گردی
بنشیں کہ اگر خداست خود می آید

سرمد اگر اس میں وفا ہے تو خود آئے گا!
اگر اس کا آنا مناسب ہے تو خود آئے گا۔ اسکے
پیچھے بیکار کہاں بھاگ رہا ہے۔ بیٹھ اگر خدا
ہے تو وہ خود آئے گا۔

ایک فلسفیانہ تخیل بالکل عامیانہ زبان میں ـــ

مایا تو ٹھگنی بھئی، ٹھگت پھرت سب دیس
جا ٹھگ نے یا ٹھگنی ٹھگی تا ٹھگ کو آدیس

خدا ہمارے ساتھ ہے لیکن آنکھ سے دکھائی نہیں
دیتا ـــ

پیے رمت نین نہیں پیکھوں

ایک بھرپور فلسفیانہ شعر لیکن بے تکلفی اور
سادگی میں صرف گاؤں کی بات ـــ

جل میں کمبھ، کمبھ میں جل ہے باہر بھیتر پانی
پھوٹا کمبھ جل جل ہی سمانا یوتتھ کتھو گیانی

پانی میں گھڑا اور گھڑے میں پانی۔ باہر بھی پانی
اندر بھی پانی۔ گھڑا ٹوٹا۔ پانی پانی میں سما گیا۔
اے گیانی ذرا اس کا مطلب تو سمجھا۔

لوگ زر کو تحفظِ ذات کا ذریعہ سمجھتے ہیں
یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ موت ایک قدم پر ہماری
منتظر ہے۔ کبیر حریص انسان سے کہتے ہیں ـــ

ٹیڑھ ہوئے سو ہاتھ کر، ہاتھ ہوئے سو دے
آگے ہاٹ نہ بانیا جو لینا ہو لے

جسم انسانی عالم اکبر ہے۔ اسمیں کیا کچھ نہیں
خارج میں بھٹکنے والوں سے وہ کہتے ہیں ـــ

باگوں نا جا نا جا رے تیری کایا میں گلزار
اس گھٹ انتر باگ بگیچا اس گھٹ نو لکھ تارا
اس گھٹ انتر سات سمندر اس گھٹ سرجن ہارا
باگوں نا جا نا جا رے

ایک انوکھا بھجن جس میں وجود کو ایک چادر
سے تشبیہہ دی ہے ـــ

جھینی جھینی رے بینی چدریا
کاہے کا تانا کاہے کی بھرنی
سشمن تارتے بینی چدریا
سائیں کا بینت ماس دس لاگے
ٹھونک ٹھونک کے بینی چدریا
سوئی چادر سریر میں اوڑھی
اوڑھ کے میلی کینی چدریا
داس کبیر جتن سے اوڑھی
جیوں کی تیوں دھر دینی چدریا

کبیر کو دنیا سے گئے ہوئے تقریباً پانچ سو
سال ہو گئے ہیں۔ لیکن ان کی آواز ہمارے
کانوں میں اس طرح گونج رہی ہے جیسے کوئی
زبردست شاعر صرف پانچ گھنٹے پہلے اپنا کلام
سنا کر گیا ہو۔ ہندوستان میں سب سے زیادہ
جس شاعر کا کلام زبان زد عوام ہے وہ بلاشبہ
کبیر ہیں۔

کبیر کا کلام بیشتر معتبر اور مصدق ہے، لیکن
ان کی تصنیفات کی جو تعداد ۸۲ بتائی جاتی ہے وہ
محل نظر ہے۔ یہ تو ظاہر ہے تصنیف سے مراد
یہاں کبیر کا وہ کلام ہے جو مختلف عنوانوں کے تحت
ان کے معتقدین نے مرتب کیا ہے۔ ایسا کلام ۸۲
کتابوں تک پہنچنا مشکل ہے۔ اندازہ ہے کہ ایسی
کتابیں بہت سے بہت پندرہ ہوں گی، جن کا
خاصہ حصہ اب معدوم ہو چکا ہے۔ ان کے کلام کا
کچھ حصہ سکھ گرو گرنتھ میں بھی شامل ہے۔

کبیر کا ایسا روایت شکن انقلاب پسند ذہن شاذ ہی
پیدا ہوا ہوگا۔ وہ کاشی کی موکش والی نگری میں پیدا
ہوئے مگر اپنی موت سے تقریباً ایک سال پہلے گنگا
تٹ چھوڑ کر مگہر (متصل گورکھپور) کے اوسر گاؤں میں
چلے آئے۔ حالانکہ مگہر کے لئے مشہور ہے کہ

مگہر مرے سو گدھا ہوئے

کبیر کے چیلوں نے جب انھیں روکنا چاہا تو انہوں
نے جواب دیا ـــ

کاسی کا اوسر مگہر رام ہردے بس مورا
جو کاسی تن کے کبیرا رامے کون نہورا

یعنی کاشی ہو یا اوسر مگہر ہر جگہ میرا رام دل
میں ہے۔ کاشی میں مرنے والوں کو تو موکش ملتی ہے
اگر یہاں مر کر میں نے موکش حاصل کی تو پھر رام کا کونسا
احسان ہوگا۔

کبیر کی عمر ۱۲۰ سال کی بتائی جاتی ہے۔ جیوتش میں
ونشوتری مہادشا کی تکمیل کی یہی مدت ہے۔ اوپر
انکا سالِ ولادت سمت ۱۴۵۶ بکری بتایا گیا ہے۔ اس
سمت میں انکی عمر کے ۱۲۰ سال اگر جوڑ دئے جائیں
تو ان کا سال وفات سمت ۱۵۷۶ بکری قرار پاتا ہے۔
ان کی موت کا سال اس پد میں بتایا گیا ہے ـــ

سمت پندرہ سو پچھتر کیو مگہر کو گون
ماگھ شدی ایکادسی رلیو پون ما پون

سمت ۱۵۷۵ بکری میں وہ مگہر گئے (اور ایک سال بعد
سمت ۱۵۷۶ میں جو سالِ ولادت میں انکی عمر کے اکیسویں
سال جوڑنے سے نکلتا ہے) ماگھ شدی ایکادشی کو
انتقال کیا۔

کبیر کی حیات کے متعلق جو کہانیاں ہندی
مصنفین نے لکھی ہیں ان کے دلچسپ ہونے
میں کلام نہیں، لیکن کسی علمی اور تحقیقی مقالے
میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں نکل سکتی۔

کبیر کی درگاہ مگہر میں آج بھی موجود ہے جو
ہر قوم کی زیارت گاہ ہے۔

●●

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی

خورشید مظہر الحق نعمانی

انجمن اسلام بمبئی کا ایک قدیم و وقیع ادارہ ہے اور اسے اپنی تعلیمی و ثقافتی سرگرمیوں کی بنا پر بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس ادارے کی بنیاد ۱۸۷۵ء میں ملک کے مشہور مسلم قوم پرست رہنما بدرالدین طیب جی کے ہاتھوں پڑی۔ اس پر آشوب دور میں ایک ایسے ادارے کا قائم کرنا بڑی جرأت کا کام تھا۔ اس کا مقصد مسلمانوں کو تعلیم کی طرف مائل کرنا اور ان میں سیاسی شعور پیدا کرنا تھا۔ ۱۸۷۵ء سے اس وقت تک یہ ادارہ مسلمانوں کی اہم خدمات انجام دے رہا ہے۔ یہ شروع ہی سے ترقی پسند رجحانات کا حامل رہا ہے۔ اس نے ہمیشہ وقت کے تقاضوں کو پیش نظر رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت اس کے تحت جہاں لڑکے اور لڑکیوں کے عام قسم کے ہائی اسکول ہیں وہیں ایک اسکول آف کامرس، کالج آف کامرس اینڈ ایکنامکس، ٹکنیکل ہائی اسکول، پالی ٹکنیک و یتیم خانے وغیرہ ہیں۔

بمبئی جیسے بڑے شہر میں اردو کا کوئی ایسا ادارہ نہ تھا جہاں تحقیق کا کام کرنے والوں کی تربیت کی جاسکے اور محققین کو اپنے تحقیقی کاموں میں سہولتیں مل سکیں۔ اس امر کی طرف بھی انجمن اسلام کے ارباب حل و عقد نے توجہ دی۔ ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے تحت جب ہندوستان میں عوامی وزارتیں بنیں تو بمبئی کی کھیر حکومت نے اپنے صوبہ کی تین زبانوں مراٹھی، گجراتی اور کنڑ میں تحقیقی کام کی ترویج و ترقی کے لئے بارہ، بارہ ہزار روپیہ سالانہ امداد منظور کی۔ انجمن اسلام نے حکومت کے اس اقدام پر یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو وزیر تعلیم (جو اتفاق سے خود وزیر اعلیٰ تھے) کی خدمت میں ایک عرضداشت بھیجی جس میں یہ بتایا گیا کہ انجمن اسلام ایک اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قائم کرنا چاہتی ہے اور اس کیلئے حکومت سے مدد کی درخواست کرتی ہے۔ جنگ چھڑ جانے کی وجہ سے اس اسکیم پر غور نہ ہو سکا لیکن جنگ ختم ہو جانے کے بعد حکومت نے اس اسکیم کو منظور کر لیا اور انسٹی ٹیوٹ کے لئے دس ہزار روپیہ کی گرانٹ اس شرط پر منظور کرلی کہ انسٹی ٹیوٹ اردو میں پوسٹ گریجویٹ سطح پر ادبی و تحقیقی کام سرانجام دے اور اسے بمبئی یونیورسٹی سے الحاق کی منظوری بھی حاصل کرنا ہوگی۔

اس طرح سیٹھ طیب جی (مرحوم) کی کوششیں بارآور ہوئیں اور فروری ۱۹۴۷ء میں انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قائم ہوا کریمی لائبریری کو انسٹی ٹیوٹ سے ملحق کر دیا گیا، نو ہزار روپئے کی کتابیں خریدی گئیں اور ہندوستان کے تمام علمی و ادبی و تحقیقی رسائل و جرائد بھی جاری کرائے گئے۔ انسٹی ٹیوٹ کے اغراض و مقاصد واضح طور پر متعین کئے گئے جو حسب ذیل تھے:

۱۔ ایم۔ اے۔ کی تعلیم کا انتظام

۲۔ پی۔ ایچ۔ ڈی اور دوسرے تحقیقاتی کام کرنے والوں کی اعانت

۳۔ تحقیقاتی کام کرنے والے اداروں اور جامعوں سے تعاون

۴۔ ایک جامع کتب خانہ کا قیام

۵۔ مختلف کتب خانوں کے اردو مخطوطات کی فہرست کی ترتیب

۶۔ نایاب مخطوطات و مطبوعات کی اشاعت

۷۔ اردو سے متعلق ایک علمی و تحقیقاتی سہ ماہی رسالہ کا اجراء

جنوری ۱۹۵۰ء میں انسٹی ٹیوٹ نے ایک سہ ماہی تحقیقی رسالہ " نوائے ادب " جاری کیا ، ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی اس کے ایڈیٹر اور پروفیسر سید نجیب اشرف ندوی نگراں مقرر ہوئے۔ یہ رسالہ مندرجہ ذیل مقاصد کے ساتھ جاری کیا گیا۔

۱۔ اردو زبان و ادب سے متعلق مختلف پہلوؤں پر بحث و تحقیق

۲۔ گجرات و دکن کی غیر مطبوعہ اردو تصانیف کی اشاعت

۳۔ اردو سے متعلق تحقیقاتی کاموں کی اطلاع

۴۔ اردو کے علمی و ادبی رسائل کے مضامین کی تلخیص و اشاعت

اس رسالے کو شروع ہی سے اہل علم اور خصوصاً اردو کے محققین نے قدر کی نگاہ سے دیکھا۔

ڈاکٹر مدنی کے انسٹی ٹیوٹ سے علاحدہ ہونے کے بعد پروفیسر سید نجیب اشرف ندوی " نوائے ادب " کو مرتب کرتے تھے۔ ستمبر ۱۹۶۱ء میں ان کا انتقال ہوگیا تو رسالے کی ادارت کی ذمہ داری جناب عبدالرزاق قریشی کو سپرد کی گئی اور اب تک وہی اسے مرتب کر رہے ہیں۔

۱۹۵۸ء میں بمبئی یونیورسٹی کی اس ہدایت پر کہ انسٹی ٹیوٹ میں ایک باقاعدہ ریسرچ اسسٹنٹ مستقل طور پر رکھا جائے جس کا تحقیقی کام پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے لئے نہ ہو بلکہ اسے کتابی شکل میں شائع کیا جائے چنانچہ اس ہدایت کے بموجب اکتوبر ۱۹۵۸ء میں جناب عبدالرزاق قریشی کا تقرر ہوا اور وہ ابتک اس انسٹی ٹیوٹ سے وابستہ ہیں۔

اس انسٹی ٹیوٹ سے ابتک مندرجہ ذیل کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

۱۔ ولی گجراتی مصنفہ ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی۔

۲۔ نورالمعرفت مصنفہ ولی گجراتی مرتبہ ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی

۳۔ اردو مخطوطات ۔ کتب خانہ جامع مسجد بمبئی۔ مرتبہ حامد اللہ ندوی

۴۔ مرزا مظہر جانجاناں اور انکا اردو کلام از عبدالرزاق قریشی

۵۔ دیوان عزلت مرتبہ عبدالرزاق قریشی

۶۔ لغات گجری مرتبہ سید نجیب اشرف ندوی

۷۔ مبادیات تحقیق از عبدالرزاق قریشی

۸۔ راگ مالا مصنفہ عزلت سورتی مرتبہ عبدالرزاق قریشی

۹۔ "مقالہ نما" مرتبہ رقیہ الغامدار (نوائے ادب کے بیس سال کے مقالات کا مقالہ نما)

مرکزی حکومت کی وزارت سائنسی تحقیقات و ثقافت نے غیر مطبوعہ نسخوں کی طباعت کی اسکیم کے تحت ایک معقول رقم کی گرانٹ انسٹی ٹیوٹ کو عنایت فرمائی اور انجمن اسلام اور وزارت مذکور کے اشتراک سے ۱۹۶۲ء میں لغات گجری اور دیوان عزلت اور ۱۹۷۱-۷۲ء میں راگ مالا شائع ہوئی۔

پروفیسر سید نجیب اشرف ندوی مرحوم کے بعد ڈاکٹر آدم شیخ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر مقرر ہوئے۔ یکم جنوری ۱۹۷۱ء سے ڈاکٹر سید ظہیر الدین انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ہیں۔

انسٹی ٹیوٹ میں تحقیق کر کے ذاکر حسین فاروقی نے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ان کے مقالہ کا موضوع تھا۔ " دبیرستانِ دبیر" خورشید منظرالحق نعمانی نے بھی انسٹی ٹیوٹ سے اپنا مقالہ یونیورسٹی میں پیش کر دیا ہے۔ ان کے مقالے کا موضوع ہے " اردو کی ترقی میں دارالمصنفین کا حصّہ"۔ ایم۔ اے۔ کے لئے طلبہ کی اچھی خاصی تعداد یہاں سے داخلہ لیتی ہے۔

ترقی اردو بورڈ دلّی کی طرف سے انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کو تین سال کے لئے ڈیڑھ لاکھ روپیہ ایک ایسی اُردو۔ اُردو ڈکشنری مرتب کرنے کے لئے ملے ہیں جو بی۔ اے۔ تک کے طلبہ کے لئے مفید ثابت ہوسکے۔ چنانچہ یہ کام ڈائرکٹر کی نگرانی میں ہو رہا ہے۔ اس کام کے لئے مولوی حفیظ الدین صاحب کا تقرر ہوا ہے۔ امید ہے کہ یہ کام وقت مقررہ کے اندر پورا ہو جائیگا۔

انسٹی ٹیوٹ میں ملک کے ممتاز اہل علم و قلم وقتاً فوقتاً آتے رہتے ہیں۔

●●

مالکان راشن کارڈ کو آگاہی
انسپکٹروں سے شناختی کارڈ طلب کریں

بمبئی راشن بندی علاقے کے تمام مالکان راشن کارڈ سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ تصدیق کے لئے بھرے ہوئے ڈکلیریشن فارم اور ریکارڈ سلپ تیار رکھیں۔

مالکانِ راشن کارڈ کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ جس وقت راشن بندی تنظیم کے افسران ان کے گھروں پر تصدیق کے لئے آئیں تو ڈکلیریشن فارم اور ریکارڈ سلپ ان کے حوالے کرنے سے قبل وہ ان افراد سے شناختی کارڈ طلب کریں۔

بیس ہزار نہتے امریکی (ریڈ انڈین)
پانویوں کا حملہ نہ روک سکے تو پھر
ے کا بہت ہی کم امکان نظر آتا ہے
ر آدمی اپنا دفاع ان بیس ہزار جھوٹوں
دنیاوی مصلحتوں کے اسلحہ سے
، سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔
آدمی اگر کسی بھلائی کے لئے کچھ
ے تو اُسے سب سے زیادہ ان کی
امنا کرنا ہوگا۔ اس لئے میں اُسے
ے سکتا ہوں کہ اچھی طرح وہ یہ
س جو کھم کو وہ اعلانیہ مہم کی شکل میں
ے سکتا۔ اُسے آخر پسپا ہو کر اپنے
خندق میں روپوش کر لینے اور اتنے
کے مقابلے میں اپنے پل اور راستے
ے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔
ات یہ ہے کہ ایماندار انسان یا
ار ہو جائے جتنی کہ خود یہ دنیا ہے

اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو یہ دنیا اُس کا مذاق اُڑائے گی۔ اگر اُس نے اپنے جنونِ حق کا فوری علاج نہ کیا تو یہ جھوٹی دنیا اُس پر ہنسے گی۔

ایک سمجھ دار آدمی اپنے آپ کو دشمن کے انتقام اور جوابی حملے سے محفوظ رکھتا ہے۔ لیکن مہذب انسان کے بھیس میں شہری درندوں کے معاملے میں صورتِ حال بد سے بدتر ہے۔ جنگلی جانور اجنبی کو دیکھ نہ صرف ناچتے ہیں بلکہ آخر میں اُسے کھا جاتے ہیں، کیونکہ وہ درندے ہیں۔ جبکہ انسان محتاط آدمی کو اپنی بدمستی کی محفل سے بآسانی نہیں نکلنے دیتے، کیونکہ درندوں کی طرح یہ بھی اپنا شکار آسانی سے نہیں چھوڑتے۔

اس پر کیا آپ کو حیرت ہوگی کہ ایک فرشتہ سیرت انسان کو تنہا رہنے پہ مجبور ہونا پڑے جس میں اسے انتہائی زحمت ہوگی، ایسا وہ اس صورت میں نہیں کر سکتا، جبکہ وہ خود بھی انہی بیس ہزار میں سے ہو۔

تنہائی نہ تو اتنی آرام دہ ہے۔ وہ بھی ایسی صورت میں جبکہ کوئی دوسری مخلوق اس کے ساتھ نہ ہو اور اس کا مقابلہ درندوں سے ہو۔

آدمی، آدمی کے لئے ہر قسم کا درندہ بن سکتا ہے۔ ایک بھونکتا ہوا کتا، ایک گرجتا ہوا شیر، ایک چوری کرتی ہوئی لومڑی، ایک راہزنی کرتا ہوا بھیڑیا، ایک ریاکاری کرتا ہوا مگرمچھ، ایک پرندوں کو پھانستی ہوئی چالاک بجری، ایک چیر پھاڑ ڈالنے والا گدھ۔ ان تمام مخلوق میں تہذیب و شائستگی ملے گی۔

جبکہ ہم ان کو انتہائی وحشی سمجھتے ہیں، آدم خور قبائل میں بھی کچھ رواداری ہے۔ وہ کسی آدمی نہیں بلکہ اپنے دشمن کو کھاتے ہیں۔ جبکہ ہم صاحب علم اور مہذب شارک مچھلی کی طرح بلانوش ہیں جو ہر اُس چیز کو شکار کر لیتی ہے جسے کھایا جا سکتا ہے۔

ہم اپنی خطابت اور فلسفہ کی مدد سے پہلے

تصنیف: ابراہیم کاولی
تلخیص و ترجمہ: احمد جمال پاشا

منتشر انسانوں کو یکجا کرکے معاشرے کی شکل میں متحد کرتے ہیں۔ مکانات بناتے اور شہروں کے گرد فصیلیں کھڑی کرتے ہیں۔ پھر انھیں قتل کرتے ہیں۔

میری تمنا ہے کہ وہ اس اسرار کو حل کریں جس کو انہوں نے معمہ بنا دیا ہے اور اسے حل کریں جسے انھوں نے چیستاں بنا دیا ہے، تاکہ ہم دوبارہ اپنے جنگلوں میں واپس جاسکیں، اور اپنی ازلی معصومیت کو واپس لاسکیں۔ انھوں نے ہزاروں ادھر اُدھر بکھرے ہوئے افراد کو ایک سماجی قالب میں یکجا کرلیا ہے۔ وہ انھیں ٹھگنے کے لئے شہروں میں لائے ہیں۔ ایکدوسرے کو قتل کرنے کے لئے انھوں نے فوجیں بنائی ہیں۔ مگر شیخی یہ مارتے ہیں کہ انھوں نے ان کو پُرامن بنا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے انھیں صرف لڑائی کا فن سکھایا ہے، اور اپنے ہی بھائیوں کے شکار کے لئے انھیں شکاری بنا دیا ہے۔

مجھے اس کا بھی اعتراف کرنا چاہیے کہ بُرائیوں کو روکنے کے لئے جو قانون بنائے گئے ہیں اُن کی رُو سے صرف انہی کو گناہ گار قرار دیا جاسکتا ہے۔ جن کے گناہوں پر پردہ ڈالنے سے قانون معذور ہے، لیکن اس سے محفوظ گناہ گاروں کے لئے اس قانون میں کوئی سزا نہیں۔ اس میں جو کم سے کم ملوث ہیں ان کے لئے کوئی انعام نہیں۔

گو کہ ہم اپنے چاروں طرف آگ کا حصار قائم کرکے اپنے آپ کو جنگلی جانوروں سے بچا لیتے ہیں مگر اس طرح رہنا انتہائی ناخوشگوار ہے کیونکہ ہمیشہ آگ کی نگرانی کرنا پڑتی ہے۔ اس کا بھی خطرہ رہتا ہے کہ غفلت کی صورت میں حملہ ہوجائے۔

آخر ہم کہاں جائیں؟
کدھر پرواز کریں؟

حاصلِ کلام یہ کہ ایک ایماندار آدمی خطرات میں گھرا ہوا ہے اور اسے تباہ ہوجاتا ہے۔

ایک آدمی ممکن ہے کہ تیر لے، لیکن اس طرح وہ مچھلی نہیں پکڑ سکتا۔ ایسی صورت میں شکار کرنے سے زیادہ اس کے خود شکار ہوجانے کا خطرہ رہے گا۔ اگر وہ اپنے ساتھ جال نہیں لایا ہے تو خواہش کے باوجود مچھلی نہیں پکڑ سکتا۔

لاکریٹیس کی تعریف یہ ہے کہ وہ بہت اچھا شاعر تھا۔ لیکن بدطینت انسان تھا۔ خاص طور پر اُس وقت جب وہ کہتا ہے — "دوسرے آدمی کو زبردست طوفان میں پھنسا ہوا دیکھنا باعثِ

حاصلِ کلام یہ کہ ایک ایماندار آدمی خطرات میں گھرا ہوا ہے اور اسے تباہ ہوجاتا ہے!

مسرت ہے۔" لیکن اس سے کم بدطینت ڈیموکریٹس کو میں سمجھتا ہوں۔ جو پوری دنیا پر ہنستا ہے۔ انسانی بہتری، خوشحالی، عزت، حُسن اور ذہانت کا کوئی صحیح منصف اس پر ترس ہی کھا سکتا ہے۔

مختصراً ایک عقلمند آدمی، انسانی زندگی کی عظیم شاہراہ پر کامیابی سے نہیں گزر سکتا۔ اُسے گھٹن، غم، شرم، غصہ، نفرت اور بے چینی کے جذبات سے دوچار ہونا ہوگا۔ جس کا وہ اظہار نہ کرسکے گا۔ (کیونکہ یہ لاحاصل ہوگا) اُس کے لئے یہی بہتر ہوگا کہ وہ اولادِ آدم کی حرکتوں کو زیادہ خاطر میں نہ لائے۔

ایسی صورت میں پھر آخر ہم کہاں جائیں؟ کدھر پرواز کریں؟ قدیم صحرا نوردوں کی طرح ریگستانوں میں؟ یہ سوچنے کی بات ہے کہ انسانیت اس کی پابند ہے۔ (جیسا کہ تحریرِ مقدس میں آیا ہے) — "انھیں گناہ کے ہاتھ بیچ دو۔"

پہلی بار جب اِن کے درمیان رہنے کے لئے گیا تو میں نے سوچا کہ بلاشبہ "پرانی شاعرانہ شہری دور کی زندگی سے میرا سابقہ ہے۔" میں سمجھا کہ مجھے یہاں کوئی ہم زبان نہ ملے گا۔ اور سر فلپ سڈنی کی "آرکیڈیا" کے چرواہے کی طرح انسانی بات چیت کی بنیادی ضرورت سے کم پر قانع رہنا ہوگا۔

میرے لئے بہتر ہوتا کہ اس حق کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتا یا ویسٹ منسٹر ہال جاکر پوچھتا
"آخر ہم کہاں پرواز کریں؟"
یا پھر —
"ہم کیا کریں؟"

یہ دنیا اس طرح ایماندار آدمی کی راہ میں حائل ہے کہ وہ طے نہیں کرسکتا کہ کسی طرح صراطِ مستقیم پر چلے۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں کہ وہ اسے دور ہی سے سلام کرلے۔ اور سمجھ لے کہ وہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔

مجھے دو یا تین دوستوں کے ہمراہ بیڈلام جانا پڑا۔ میں نے بہت سے لوگوں کو بہت سی چیزوں پر پاگل پن کی حد تک فضول خرچی کرتے دیکھا۔ جس کا مجھ پر اُلٹا اثر ہوا۔ اُس جگہ سے اُکتا کر اور اُداس ہوکر لوٹ آیا۔ میں اتنا بیزار تھا جیسے ایک ہزار پاگلوں سے مل چکا ہوں۔

آخر میں انھیں میں صرف سینٹ پال کی نصیحت یاد دلا سکتا ہوں کہ:

"بھائیو! وقت مختصر ہے۔ یاد رکھو، وہ جن کی بیویاں ہیں، ایسے رہیں، جیسے کہ وہ جن کی ایک بھی نہیں۔"

لیکن میں کہوں گا کہ تمام مرد ایسے ہی ہیں جیسے کہ میں اپنے تئیں اس پر انھیں اپنی برتری اور سربراہی برقرار رکھنا چاہیے۔ وہ لوگ خوش ہیں جو اس دھوکے باز حُسن کی نظروں سے اوجھل ہوسکیں اور اپنے آپ کو لالچ میں اتنا نہ بہالے جائیں کہ نہ صرف اس سب سے بڑے شہر کو چھوڑنے پر مجبور ہوجائیں بلکہ اس کے بازاروں کو بھی کبھی نظر ہی نہ آئیں۔ ●●

غزلیں
زمانہ مظالم جو ڈھاتا ہے، ڈھائے
ہمارا مذاقِ وفا آزمائے
اگر دیدۂ تر پہ قابو نہ پائے
کوئی پھر غمِ عشق کیونکر چھپائے
کچھ ایسی کشش جذبۂ دل دکھائے
کہ راہی کے قدموں میں منزل پہنچ آئے
ملیں خاک میں ساری منھ بند کلیاں
نئی فصلِ گل نے یہ کیا گل کھلائے
نہ ہو گر تمہیں اپنی نکہت سے ملنا
کبھو یاد سے اپنی وہ بھی نہ آئے
نکہت خان
۳۲۔ چھندواڑہ روڈ
ناگپور
میرا ایمان لا الہٰ نہیں
کیا تو اس بات کا گواہ نہیں
حق پرستی کی ہو اگر توفیق
خود پرستی کوئی گناہ نہیں
فخر ہے مجھ کو اس حقیقت پر
میری فردِ عمل سیاہ نہیں
کیسی منزل، کہاں کا عزمِ سفر
جب پہنچنے کی کوئی راہ نہیں
ہم پہ کیوں معترض ہیں وہ جن کی
اپنے اعمال پر نگاہ نہیں
قیدِ غم ہے عطائے دستِ ستم
بچ نکلنے کی کوئی راہ نہیں
تم نہیں اس کے خیر خواہ تو کیا
شعلہ خود اپنا خیر خواہ نہیں
دوارکا داس شعلہ
گھر نمبر ۱۶۸۵، گلی جوگ دھیان، بھگت
پیلیس، چاندنی چوک، دہلی

مہاراشٹر میں امداد باہمی کی بنیاد پر پہلا دودھ پروجیکٹ

ہندوستان اور خصوصاً مہاراشٹر میں ڈیری کاروبار کے ذریعہ سماجی اور اقتصادی ترقی کی رفتار تیزتر ہوسکتی ہے۔ کسانوں نے یہ بات سمجھ لی ہے اور اسی سمت کوششیں ہورہی ہیں۔

انڈین ڈیری ڈیولپمنٹ ڈپارٹمنٹ' دہلی نے انٹرنیشنل فوڈ اینڈ ایگریکلچر آرگنائزیشن کے تعاون سے ہندوستان بھر میں ڈیری کاروبار کو ترقی دینے کا ایک زبردست اور وسیع پروگرام شروع کیا ہے۔ اس پورے پروگرام کا تخمینی خرچ ۱۰۰ کروڑ روپے ہے جس میں سے ۱۲ کروڑ روپے حکومت مہاراشٹر کا حصہ ہے۔

ضلع جلگاؤں میں اکتوبر ۱۹۷۵ء تک امداد باہمی کی بنیاد پر ایک دودھ پروجیکٹ شروع کیا جائے گا جو مہاراشٹر میں اپنی نوعیت کا پہلا پروجیکٹ ہے۔ مہاراشٹر کے ۱۲ کروڑ روپے کے حصہ میں سے ضلع جلگاؤں کے لئے ۲۰۳ کروڑ روپے کی رقم مختص کی گئی ہے۔ اس سے قبل نیشنل ڈیری ڈیولپمنٹ کارپوریشن آنند نے ضلع جلگاؤں کا سروے کیا جس سے یہ اندازہ ہوا کہ وہاں دودھ کی پیداوار بڑھانے کے زبردست مواقع ہیں۔ اسی بناء پر اس نے قرضہ جات کی منظوری دے دی۔

دس لاکھ مویشی میں سے ۲۰۵۲ لاکھ دودھاری ہیں۔ اوسطاً روزانہ دودھ کی پیداوار ۳ لاکھ لیٹر کے قریب ہے۔ اسمیں سے ۴۰ فیصدی امداد باہمی کی بنیاد پر حاصل کیا جاتا ہے، جبکہ بقیہ نجی بیوپاریوں کے پاس جاتا ہے۔

۱۰۵ امداد باہمی سوسائٹیوں نے اپنا فیڈریشن بناکر اس میدان میں قدم رکھا۔ تجویز یہ ہے کہ ۴۰۵ امداد باہمی سوسائٹیاں اور ۱۰۲۵ لاکھ دودھ دینے والے مویشی منصوبے کے تحت لے آئے جائیں۔ امداد باہمی حلقہ میں دودھ کا منصوبہ نہ صرف امید کی ایک کرن بلکہ مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

۱۰۵۰ کروڑ روپے کا دودھ پروجیکٹ سینٹر

پروجیکٹ کی عمارت جس کی تخمینی لاگت ۱۰۵ کروڑ روپے ہے ستمبر ۱۹۷۵ء تک بن جائے گی۔ دودھ کی پروسیسنگ مشینری کا بڑا حصہ مل چکا ہے جس میں روزانہ ۱۰۵ لاکھ ٹن دودھ پروسیسنگ کی گنجائش ہے۔ باقی بچے جانے والے دودھ سے گھی اور پاوڈر وغیرہ بنانے کا انتظام بھی کیا گیا ہے۔ فیض پور اور پیرول میں ۲۵ لاکھ روپے سے دودھ ٹھنڈا کرنے کے دو مراکز (Milk Chilling Centre) قائم کئے جاچکے ہیں جہاں ہر ایک میں ۲۰،۰۰۰ لیٹر دودھ روزانہ ٹھنڈا کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ دودھ کی پیداوار بڑھانے کا پروگرام بھی شروع کیا گیا ہے جس کی تخمینی لاگت ۱۲۹ لاکھ روپے ہے۔ جلگاؤں میں ڈیری اور فیض پور میں 'سرد خانہ' پایۂ تکمیل کو پہنچ رہا ہے اور توقع ہے کہ اکتوبر ۱۹۷۵ء تک کام شروع کردے گا۔ اس پلانٹ کی کل طاقت پیداوار ایک لاکھ لیٹر اور پانچ ٹن پاوڈر روزانہ ہے۔ یہ پورا منصوبہ گجرات میں امول ڈیری کے نمونہ کا ہے۔

مویشی کی دیکھ بھال

مویشیوں کے لئے قوت بخش ہرا چارہ بہم پہنچانے اور ان کی صحت و تندرستی کے خیال سے جلگاؤں سے ۹ کلومیٹر دور مڈلی گاؤں میں ایک "کیٹل فوڈ سینٹر" ۶۸ لاکھ روپے کے صرفہ سے قائم کیا گیا ہے۔ اندازہ ہے کہ چارہ اور بہتر دودھ پروگرام کیلئے مزید تقریباً ۲۹ء۱ کروڑ روپے کی رقم درکار ہوگی۔ مزید برآں افزائش نسل کے لئے بھی اقدامات کئے گئے ہیں۔

دودھ پروجیکٹ کی تکمیل پر چھوٹے سے چھوٹے کسان کو اس سے فائدہ پہنچے گا۔ کسان کے کنبہ کے تمام افراد اسمیں حصہ لے سکیں گے۔ جلگاؤں ڈسٹرکٹ کوآپریٹیو ملک ڈیولپمنٹ فیڈریشن بناکر دودھ فراہمی میں 'بیچ کے فرد' کو ختم کردیا گیا ہے۔ اسطرح خرچ بھی کم ہوگا اور متعلقہ لوگوں کو زیادہ فائدہ پہنچے گا۔

مختصراً اس پروجیکٹ میں افزائش نسل، کم خرچ پر اچھے چارہ کی فراہمی' مویشیوں کی دیکھ بھال اور دودھ کی فروخت وغیرہ سب ہی پہلوؤں کا خیال رکھا گیا ہے۔

ضلع جلگاؤں میں کپاس کے زیر کاشت تقریباً ڈیڑھ لاکھ ہیکٹر اراضی، متوقع تین شکر کارخانے' دو چالو اسپننگ مل اور اب یہ دودھ پروجیکٹ یہ سب ضلع کی معاشی خوش حالی کے ضامن ہیں۔

●●

سرکاری فیصلے اور اعلانات

۴ اگست کو مجلسِ قانون ساز کا اجلاس

گورنر مہاراشٹر نے کونسل ہال، بمبئی میں ۴ اگست ۱۹۷۵ء کو مہاراشٹر لیجسلیٹیو اسمبلی اور مہاراشٹر لیجسلیٹیو کونسل کا اجلاس بالترتیب ایک بجے اور ۲ بجے دوپہر کو طلب کیا ہے ۔

اخبارات کے مواد کی جانچ پڑتال

ریاستی حکومت کا اعلان

حکومتِ مہاراشٹر نے ڈیفینس آف انڈیا قوانین کے تحت ایک حکمنامے کے ذریعے یہ
...ی ہے کہ عوام کے تحفظ اور امنِ عامہ کی برقراری کی غرض سے تمام اخبارات، رسائل
... اور ڈاکیومینٹس کے پرنٹروں، پبلشروں اور ایڈیٹروں کو چاہیئے کہ وہ چیف ڈائرکٹر آف
...یشن اینڈ پبلک ریلیشنز بمبئی کو یا پونا اور ناگپور کے پولس کمشنران یا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو
... متعلقہ حلقۂ اختیارات میں اپنے اخبارات وغیرہ میں شائع کئے جانے والے تمام مواد کو
...ت سے قبل جانچ کے لئے پیش کریں ۔

اِس حکم میں جو دو ماہ تک نافذالعمل رہے گا، اس بات کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ حکومت
...یعے اخبارات کو برائے اشاعت بھیجے جانے والے مواد یا کسی عدالت یا مجلسِ قانون ساز
...روائیوں کی اشاعت پر اس حکم سے کوئی اثر نہیں پڑے گا ۔

پاکستان کیلئے پاسپورٹ

...کستان کے لئے پاسپورٹ اب ریجنل پاسپورٹ
... بمبئی کے ذریعے جاری کئے جائیں گے ۔ وہ تمام
...ستانی شہری جو پاکستان جانا چاہتے ہیں ضروری
... کاغذات حاصل کرنے کے لئے ریجنل پاسپورٹ
...ے رجوع کریں ۔

...لوں اور سڑکوں کی تعمیر

...کومتِ مہاراشٹر نے مندرجہ ذیل پُلوں کے
... کام کی انتظامی منظوری دیدی ہے :
ضلع شولاپور میں شیگاؤں نالہ پر پُل، نیز ضلع تھانہ میں چینا کے قریب چینا کھاڑی پر، دہانو۔ جوہر۔ موکھاڈے ۔ ترمبک روڈ، جوہر۔ موکھاڈے روڈ پر وال ندی پر اور بھیونڈی کے قریب کاموڑی کھاڑی پر پُل بنائے جائیں گے جن کی تخمینی لاگت ۱۵ء۴۹ لاکھ روپے ہے ۔

اقل ترین ضروریات پروگرام کے تحت مندرجہ ذیل سڑکوں کی تعمیر کے کاموں کی منظوری بھی دیدی گئی ہے جن کی تخمینی لاگت ۱۸ء۸۶ لاکھ روپے ہے ۔ ضلع دھولیہ میں تیر ۔ مہاسولی ۔ دھام نیر سڑک، سوارت ۔ اُمنی ۔ نوگاؤں سڑک اور کسک واڈا ۔ دھام نیر سڑک، اور ضلع جلگاؤں میں کادھالی سے پالدھی تک کی سڑک اور دھونوری سے پمپل گاؤں تک کی سڑک ۔

حکومتِ مہاراشٹر نے قلابہ ضلع میں دارل موضع سے دارل دتہ مندر تک جانے والی سڑک کی تعمیر کی منظوری دیدی ہے جس کی تخمینی لاگت ۲،۱۹،۴۷۹ روپے ہے ۔ اسی طرح ضلع رتناگیری میں متند ۔ پندھروارٹی سڑک کی تعمیر کی منظوری دے دی ہے جسکی تخمینی لاگت ۴،۹۷،۳۸۴ روپے ہے ۔

ضلع احمدنگر میں ۴۳ء۴۴ کلومیٹر طویل راہوری ۔ دلیش وارٹی دیہی سڑک کی تعمیر کی انتظامی منظوری دی گئی ہے ۔ اس سڑک کی تخمینی لاگت ۱،۶۳،۳۵۷ روپے ہے ۔

قلابہ ضلع میں پٹنہ کے مقام پر کنڈلیکا ندی پر پُل کی تعمیر کی منظوری دی گئی ہے جس کی تخمینی لاگت ۴،۳۱،۲۸۰ روپے ہے ۔

اِنسانوں کی نقل وحمل کیلئے مال بردار گاڑیوں کا ناجائز استعمال

عوام کو آگاہی

حکومتِ مہاراشٹر نے ایسی مال بردار موٹر گاڑیوں کے بڑھتے ہوئے حادثات پر تشویش کا اظہار کیا ہے جو مسافروں کو بھی لے جاتی ہیں نیز عوام کو مشورہ دیا ہے کہ افراد کو ٹولیوں کی شکل میں لانے لے جانے کے لئے مال بردار موٹر گاڑیاں

کا استعمال غیر قانونی اور غیر محفوظ طریقہ ہے جس سے بچنا چاہیئے۔

بمبئی موٹر گاڑی قوانین بابت ۱۹۵۹ء کے قانون ۱۱۸ کے تحت مال بردار موٹر گاڑی کے مالک یا اس کو کرایہ پر لینے والے شخص یا ان کے مقررہ ملازم یا ڈیوٹی پر سفر کرنے والے باوردی پولس افسر کے علاوہ کسی دیگر شخص کو مال بردار گاڑی میں لے جانے کی ممانعت ہے۔

اس صورت میں بھی چھوٹی مال بردار موٹر گاڑیوں کے علاوہ مال بردار گاڑیوں میں لیجائے جانے والے افراد کی زیادہ سے زیادہ تعداد سات سے زیادہ نہ ہونا چاہیئے۔

بہر حال حکومت قانون ۱۱۸ (۳) کے تحت ناگزیر و فوری موقعوں پر عوام کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے مال بردار گاڑیوں میں مسافرین کو لانے لے جانے کی اجازت دیتی ہے۔

ان قوانین کے باوجود ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ افراد کو لانے لے جانے کے لئے مال بردار موٹر گاڑیوں کو ناجائز طریقے سے استعمال کیا جاتا ہے جس سے اکثر حادثات رونما ہوتے ہیں۔

شادیوں یا سیر و تفریح کی غرض سے بمبئی، شولاپور، پونا، کولہاپور شہروں کی حدود کے اندر کسی بھی آپریٹر سے کنٹراکٹ پر گاڑی حاصل کی جا سکتی ہے۔ دیگر شہری یا ضلع مضافات میں اس مقصد کے لئے مہاراشٹر اسٹیٹ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن سے رجوع کر کے بندوبست کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح افراد کی زیادہ تعداد میں نقل و حرکت کے لئے متذکرہ علاقوں میں مستقل طور پر بسیں حاصل کی جا سکتی ہیں اور اس طرح موٹر ٹرکوں کا ناجائز استعمال ختم کیا جا سکتا ہے۔

حکومت مہاراشٹر نے ضلع تھانہ کے امرناتھ ترقیاتی منصوبہ کی منظوری کی تاریخ ۱۲ ستمبر ۱۹۷۵ء تک بڑھادی ہے۔

فلم انڈسٹری میں حالت ملازمت کی تحقیق کمیٹی کی تشکیل

حکومت مہاراشٹر نے ایک کمیٹی مقرر کی ہے جو فلم اسٹوڈیوز اور فلم لیباریٹریوں میں موجودہ حالتِ ملازمت کی تحقیقات کرے گی نیز اس ملازمت میں اقل ترین اجرت مقرر کرنے کے سلسلے میں حکومت کو مشورہ دے گی۔

شریمتی کملا رمن، ایم۔ایل۔اے، اس کمیٹی کی صدر ہوں گی اور شری جی۔وی۔آتیتکر، اسسٹنٹ کمشنر آف لیبر، بمبئی اس کمیٹی کے ممبر سکریٹری ہوں گے۔

شری جے۔ڈی۔رونگٹا، شری جی۔پی۔سپّی، شری آر۔اے۔پٹیل، شری وجے دشرتھ کوگنولے مالکان کے نمائندے ہوں گے اور شری منوہن کرشن، شری اے۔جی۔کوکلجے، شری ایس۔جی۔گولے اور شری آر۔دی۔مگنورکر ملازمین کے نمائندے ہوں گے۔

کمیٹی کو چھ مہینوں کے اندر اپنی رپورٹ حکومت کو پیش کر دینا ہوگی۔

طلبہ کیلئے تحریری مقابلہ درخواست کیلئے آخری تاریخ ۳۱ اگست

حکومت ہند نے بین الاقوامی خواتین سال کے دوران طلبہ کیلئے قومی سطح پر ہندی اور انگریزی میں تحریری مقابلہ کا اہتمام کیا ہے۔ مقابلے میں مضامین کے موضوعات یہ ہیں:

(الف) کیا موجودہ تعلیمی و ثقافتی رجحان ترقی نسواں میں رکاوٹ ڈالتا ہے؟ (ب) خواتین دیہی تعمیر نو کے لئے کیا خدمات انجام دے سکتی ہیں؟ (ج) ترقی نسواں کے لئے مردوں کے رجحانات کو کس طرح موڑا جا سکتا ہے؟

نئی نسل میں خواتین سے متعلقہ مسائل میں دلچسپی پیدا کرنے کی خاطر یہ مقابلہ منعقد کیا گیا ہے۔

تین نقد انعامات الگ الگ ہندی اور انگریزی مضامین کو دئے جائیں گے۔ پہلا انعام ۱۰۰۰ روپے، دوسرا انعام ۷۵۰ روپے اور تیسرا انعام ۵۰۰ روپے کا ہوگا۔

اسکول کے طلبہ جن کی عمر ۱۸ سال سے کم ہو اور کالج کے طلبہ جن کی عمر ۱۸ سے ۲۵ سال کے درمیان ہو اس مقابلے میں حصہ لے سکتے ہیں۔ مضامین کے ساتھ اداروں کے سربراہوں کے سرٹیفیکیٹ کا ہونا ضروری ہے جس میں امیدوار کی تاریخ پیدائش درج ہو، نیز یہ تحریر ہو کہ یہ مضمون مقابلے میں حصہ لینے والے کی ذاتی تخلیق ہے۔ مضامین کی چار ٹائپ کی ہوئی نقول آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی، ڈپارٹمنٹ آف سوشل ویلفیر، روم ۶۱۶، اے ونگ، شاستری بھون، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱ کو ۳۱ اگست ۱۹۷۵ء تک مل جانی چاہئیں۔

اسکول کی منظوری منسوخ

حکومت مہاراشٹر نے لال بہادر شاستری اسکول سی۔ایس۔ٹی۔روڈ، کرلا اور مہادیو اپادھیائے اسکول دکھردلی، بمبئی ۸۳ کے درجہ پنجم کو دی ہوئی منظوری منسوخ کر دی ہے نیز سوامی دیانند ودیالیہ، اولڈ آگرہ روڈ، کرلا، بمبئی ۷۰ کے درجے پنجم، ششم ہفتم کی منظوری بھی منسوخ کر دی ہے۔

قلمی معاونین سے

ازراہِ کرم اپنی تخلیقات کے خاتمہ پر یا پشت پر اپنا مکمل پتہ ضرور تحریر فرمائیں۔ قلمی نام کے ساتھ اصل نام بھی درج فرمائیں

نامطلوبہ مضامین کی ایک نقل اپنے پاس ضرور رکھیں!

راشن کارڈوں کے خاتمے میں تعاون
شری چوان کی اپیل

وزیر اعلیٰ مہاراشٹر، شری شنکر راؤ چوان نے
جون کو بمبئی فیر ٹریڈ پریکٹیسس ایسوسی ایشن
آٹھویں سالانہ عام اجلاس کا افتتاح کرتے
ے ایسوسی ایشن کے ممبران سے گذارش کی کہ
بئی شہر میں بوگس راشن کارڈوں کے خاتمے
ر حکومت سے تعاون کریں۔

علاوہ ازیں شری چوان نے اس بات پر زور
ہ ایسوسی ایشن اس بات کا بھی خیال رکھے کہ
ری اشیاء مقررہ داموں پر فروخت ہوں نیز
ی ایشن کے ممبران دو روپے سے زائد قیمت
روخت کے وقت رسید بھی ضرور دیا کریں۔

شری چوان نے کہا کہ وناسپتی، کپڑا اور
ضروری اشیاء بنانے والوں کو چاہیے کہ وہ
رہ ایسوسی ایشن کی سرگرمیوں سے رابطہ رکھیں۔

شری نارائن دالا، صدر ایف۔ ٹی۔ پی۔ اے۔
ایسوسی ایشن کی کارگذاریوں پر روشنی ڈالی۔
۔ ایف۔ ٹی۔ خوراکی دالا، آنریری سکریٹری نے
یہ ادا کیا۔

پردھان کمیٹی کی رپورٹ

شری ڈی۔ آر۔ پردھان، صدر پانچ رکنی
نے سچیوالیہ میں شریمتی پربھا راؤ، وزیر
لیم کو اپنی رپورٹ پیش کی۔ یہ کمیٹی مہاراشٹر
یونیورسٹیوں اور غیر سرکاری کالجوں کے
تدریسی اراکین کی شرح تنخواہ اور حالات و شرائط
مت پر غور کرنے کیلئے مقرر کی گئی تھی۔

اردو اسکولوں کے مسائل
کمیٹی کا تقرر

حکومت مہاراشٹر نے شری علی سردار جعفری کی زیر صدارت ایک عارضی کمیٹی مقرر کی ہے جو ریاست میں اردو اسکولوں کو درپیش مشکلات اور بد انتظامی کے بارے میں شکایات پر غور کرے گی۔

کمیٹی کے دیگر ممبران یہ ہیں: (۱) شریمتی عائشہ اقبال ایم این اے، مالیگاؤں، ضلع ناسک (۲) شری ایس۔ ایس۔ دسنوی، جنرل سکریٹری، انجمن اسلام بمبئی (۳) شری سید فاروق پاشا، ایم۔ ایل۔ اے، ناندیڑ (۴) شری ظفر الاسلام، ریس ہائی اسکول، بھیونڈی، ضلع تھانہ (۵) شری محمد شمیم، نگراں، محکمہ تعلیم بمبئی میونسپل کارپوریشن، (۶) شری بشیر احمد خان، ناگپور (۷) شری ذوالفقار حسین، اورنگ آباد، اور (۸) شری ایم۔ جی۔ شیخ، شانتی نکیتن، سانگلی۔

ڈپٹی ڈائرکٹر آف ایجوکیشن، پونا، کمیٹی کے ممبر سکریٹری ہوں گے۔

یہ کمیٹی ریاست میں اردو اسکولوں کے حالات نیز اردو درسی کتب کی تیاری اور تقسیم سے متعلق معاملات کا جائزہ لے گی اور ہر پہلو سے ان کے مسائل پر غور کرے گی۔ یہ کمیٹی چھ ماہ کے اندر اپنی رپورٹ حکومت کو پیش کرے گی۔

یساجی کنک تالاب

حکومت مہاراشٹر نے یساجی کنک کی یاد میں بھٹ گھر پروجیکٹ تالاب کا نام تبدیل کرکے یساجی کنک تالاب کر دیا ہے۔ یساجی کنک شیواجی کے زمانے کے مہان سورما تھے۔

لدھیانہ میں ساحر روڈ

گذشتہ ۲۹ مئی ۱۹۷۵ء کو اردو کے ممتاز شاعر ساحر لدھیانوی کو اُن کے وطن مالوف، لدھیانہ (پنجاب) کے شہریوں نے اعزاز بخشا جبکہ وہاں شہریوں کے متفقہ فیصلہ پر احسان روڈ کا نام بدل کر 'ساحر روڈ' رکھا۔

کرنال کے سٹی پارک میں آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو کا ایک مجسمہ نصب کیا گیا ہے۔ اس مجسمہ کے ایک رخ پر پنڈت جی کی قابل یادگار وصیت اور دوسرے پر ساحر لدھیانوی کی مشہور نظم کندہ ہے جو انھوں نے پنڈت جی پر کہی تھی۔

ہوم گارڈ خواتین نے خون دیا

حال ہی میں شولاپور میں شریمتی ایس۔ ایس۔ کرلوسکر، آفیسر کمانڈنگ، ڈیمنسٹر ونگ آف ہوم گارڈز شولاپور کی رہنمائی میں ۶۱ ہوم گارڈ خواتین نے رضاکارانہ طور پر بائی گوپا بائی دمنی بلڈ بینک میں خون کا عطیہ دیا۔

خون جمع کرنے کی یہ مہم انڈین ریڈ کراس سوسائٹی شولاپور نے چلائی تھی۔ سوسائٹی کے اعزازی سکریٹری ڈاکٹر این۔ کے۔ دیسائی نے ہوم گارڈ خواتین کے اس جذبہ کو سراہا۔

سرکاری صنعتی اداروں کیلئے سازوسامان

حکومت مہاراشٹر نے ریاست میں ۴۴ سرکاری صنعتی تربیتی اداروں کے واسطے آڈیو ویژول ایڈ (audio visual) سازوسامان خریدنے کیلئے ۲۰,۰۰۰ روپے کی رقم کی منظوری دیدی ہے۔

شری پاٹل اور شری دھر کی رحلت

وزیر اعلیٰ چوان کا پیغام تعزیت

وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری شنکر راؤ چوان نے پرانی ریاست بمبئی کے سابق وزیر شری شام راؤ پاٹل نیز ہندوستانی سفیر برائے سوویت یونین اور سابق مرکزی وزیر منصوبہ بندی شری ڈی۔پی۔ دھر کی گذشتہ ماہ موت پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کیا۔

وزیر اعلیٰ کے پیغامات تعزیت کا متن حسب ذیل ہے:

"سابق ریاست بمبئی کی تشکیل کے بعد مجھے کابینہ میں ایک ساتھی کی حیثیت سے شری شام راؤ پاٹل کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا تھا۔ اسوقت مجھے اندازہ ہوا کہ وہ پسماندہ اور نچلے درجے کے لوگوں کے زبردست ہمدرد اور بہی خواہ تھے۔ اس کے علاوہ وہ گاندھی جی کے اصولوں کے پابند تھے۔ وہ بڑے محنتی اور عملی انسان تھے اور ان کی زندگی بیحد سادہ تھی۔ آنجہانی شری شام راؤ پاٹل نے ۱۸ سال کی عمر میں عدم تعاون تحریک میں حصہ لیا اور اسکے بعد مہاتما گاندھی کی قیادت میں آزادی کیلئے ہر جدوجہد میں وہ برابر شریک رہے۔ وہ تعمیری کارکن کی حیثیت سے بورڈی علاقے کے سماجی، تعلیمی اور ثقافتی اداروں میں کام کرتے رہے۔ انکی موت نے ہم سے ایک نیک صفت اور باعمل کارکن چھین لیا۔"

"شری ڈی۔پی۔ دھر کی صرف ۵۷ سال کی عمر میں اچانک موت پر سخت صدمہ پہنچا۔ وہ غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ انھیں جو بھی کام سونپا گیا انہوں نے اسے ایک منتظم اور دانش ور کی حیثیت سے ہمیشہ خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ مجھے ان کی رہنمائی کی سعادت اس وقت حاصل ہوئی جبکہ وہ وزیر منصوبہ بندی اور پلاننگ کمیشن کے ڈپٹی چیرمین تھے۔ دوسرے تمام لوگوں کی طرح میں بھی ان کی ذہانت، انکی زبردست شخصیت اُن کے خلوص اور لگن سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ امن اور خوشحالی کیلئے انتھک کوشش کرنیوالے لیڈر کی حیثیت سے انھوں نے ہند و روس کے باہمی تعلقات کو استوار کرنے میں اہم رول انجام دیا۔ اس کی بدولت ہی بنگلہ دیش کی آزادی کی جانب قدم بڑھایا گیا اور ہمسایہ ممالک اور ہندوستان کے درمیان خیر سگالی کی فضا پیدا ہوئی۔"

میونسپل صدور کا براہ راست انتخاب

سوالنامے کے جوابات ۳۱ر جولائی تک مطلوب

حکومت مہاراشٹر نے ریاستی مجلس قانون ساز کے اراکین پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کی ہے جو میونسپل کونسلوں کے صدر کے عہدے کیلئے براہ راست انتخاب کے طریقے سے پیدا ہونے والے بعض مسائل اور امور پر غور کرے گی۔ شری ایس۔ایس۔ دیگھے، ایم۔ایل۔اے۔ کمیٹی کے چیرمین ہیں۔

کمیٹی کے دوسرے اراکین یہ ہیں، سروشری ایل۔ بی۔ پاٹل، شری این۔ایم۔ برشیکر، سید فاروق پا[illegible] سید مخدوم پاشا، ڈی۔کے۔ رنگنیکر، ڈی۔ وی۔ پرو[illegible] اے۔ ایچ۔ مہدانی، ای۔ پی۔ سالوے (سب ممبران اس[illegible]) آر۔ ایف۔ چودھری، ایس۔کے۔ ویشمپئن اور ال[illegible] اے بشندے (سب ممبران کونسل)۔

شری ایس۔ ایس۔ گڈکری، ڈپٹی سکریٹری، م[illegible] شہری ترقیات، صحت عامہ اور ہاؤسنگ، کمیٹی کے سکریٹری ہیں۔

کمیٹی سے ۳۰ر ستمبر ۱۹۷۵ء تک اپنی رپورٹ دا[illegible] کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔

مذکورہ بالا کمیٹی کی جانب سے جاری کردہ سوا[illegible] کے جوابات پیش کرنے کی تاریخ میں ۳۱ر جولائی ۱۹۷۵ء تک توسیع کر دی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں جوابات و تجاویز شری ایس[illegible] گڈکری، ڈپٹی سکریٹری، محکمہ شہری ترقیات، صحت عامہ اور [illegible] مکانات، سچیوالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲ وصول کریں گے۔
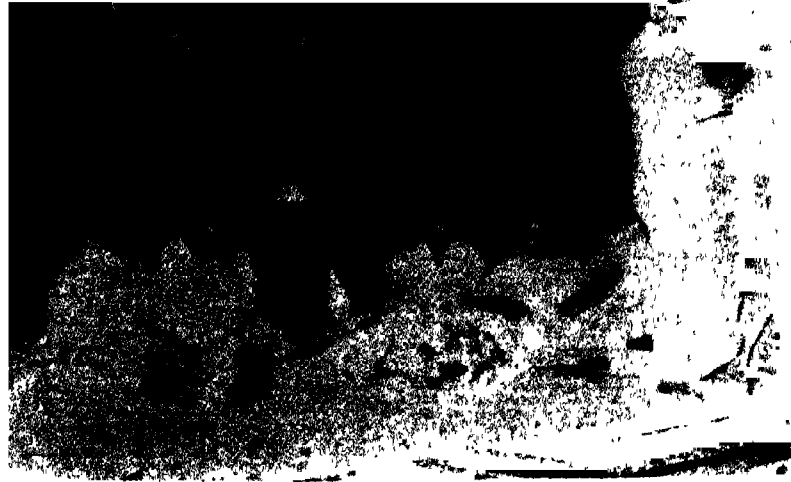
پاچاڑ میں ۱۶ر جون کے دن چھترپتی شیواجی مہاراج کے جشن تاجپوشی کی تین صد سالہ سالگرہ کے افتتاحی جلسے کے[illegible] نائب صدر ہند شری بی۔ ڈی۔ جتی تقریر کر رہے ہیں۔ تصویر میں وزیر مملکت برائے تعلیم شری رام ناتھ پانڈے، وزیر اعلیٰ [illegible] شنکر راؤ چوان اور وزیر پبلک ورکس و ہاؤسنگ شری اے۔آر۔ انتولے بیٹھے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔

جلد: ۲ — یکم اگست سنہ ۱۹۷۵ء — شمارہ: ۱۵

قیمت فی پرچہ: ۵۰ پیسے ❀ سالانہ: ۱۰ روپے

زیرِ نگرانی: خواجہ عبدالغفور آئی۔اے۔ایس

ترسیلِ زر اور مراسلت کا پتہ:

چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومتِ مہاراشٹر، سچیوالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

فہرست

سخنہائے گفتنی

کچھ عرصہ قبل تک مفاداتِ محصلہ نے ملک کے مختلف حصّوں میں جو شور و شر برپا کر رکھا تھا ہنگامی صورتِ حال کے اعلان کے ساتھ ہی اس کا یکلخت خاتمہ ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہنگامی صورت حال نے ان عوامی مسائل کا حل پیش کر دیا ہے جنھیں ہوا دے کر یہ مفادات اور انکے ہاتھوں میں کھیلنے والا حزبِ اختلاف بدامنی کے شعلے بھڑکا رہا تھا بلکہ اس نے مفسد پردازی کا اِنسداد کر دیا ہے اور ایک ایسی پُرسکون فضا قائم کر دی ہے جس میں قومی تعمیرِ نو اور معاشی و اقتصادی ترقی کے امکانات روشن ہو گئے ہیں۔ ان حالات میں یہ ضروری تھا کہ قومی تعمیرِ نو کا کام بہ تعجیل شروع کیا جاتا چنانچہ ہماری باشعور و دانشمندانہ رہنما مسز اندرا گاندھی نے اپنا ۲۰ نکاتی معاشی پروگرام پیش کر کے اس تعمیرِ نو کا آغاز کر دیا ہے۔ اس پروگرام کی تفصیلات اور بالخصوص مہاراشٹر میں اس پر عملدرآمد کے اقدامات پر ہمارے چیف ڈائرکٹر جناب ایشور راج ماتھر نے نہایت عمدگی کے ساتھ اپنی تقریر میں روشنی ڈالی ہے جو اس شمارے کی زینت ہے۔

آئندہ شمارہ آزادی نمبر ہوگا۔ ہماری کوشش ہے کہ یہ نمبر بھی قومی راج کے سابقہ نمبروں کی طرح حسین و جمیل اور دلچسپ ہو۔

خواجہ عبدالغفور

قومی راج میں شائع شدہ مواد حوالے کے ساتھ یا بلا حوالہ نقل کیا جا سکتا ہے تاہم جس شمارے میں یہ مواد شائع ہو اُس کی ایک کاپی چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز کو ضرور روانہ کی جائے!

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس بمبئی میں چھپا کر شائع کیا!

وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی

پر عملدرآمد کیلئے

پردھان منتری اندرا گاندھی کے بیس نکاتی معاشی پروگرام کا ملک کے ہر طبقے نے سواگت کیا ہے۔ ملک کی معاشی حالت سدھارنے اور اسے ترقی کے راستے پر بہ سُرعت آگے بڑھنے کیلئے یہ بڑا اہم قدم ہے۔ پروگرام کا اعلان کرتے ہوئے شریمتی اندرا گاندھی نے کہا تھا کہ ہمارے بھارتی ناگرک اس پروگرام کو کوئی جادوئی کرشمہ نہ سمجھیں۔ وہ تو صرف ایک ہی جادو ہے جو کہ دیش کی غریبی، بیروزگاری اور اونچ نیچ دور کر سکتا ہے اور وہ ہے محنت اور ایمانداری بشرطیکہ ہماری منزلِ مقصود ہمارے دماغ میں اور ہماری نظر کے سامنے صاف ہو۔ آئیے ہم سب اس کام میں لگ جائیں اور دیش کو اونچا اٹھانے میں ہم سب اپنی مدد آپ کریں۔

شریمتی اندرا گاندھی نے عوام سے اپیل کی کہ وہ سرکار کے اس پروگرام کو نافذ کرنے میں مدد دیں!

یہ ۲۰ نکاتی پروگرام ایک فوری پروگرام کی شکل میں دیش کے سامنے رکھا گیا ہے جس کی بنیادی بات یہ ہے کہ جنتا کی فوری ضرورتیں پوری ہوں اور وہ اپنی ضرورت کی چیزیں آسانی سے اور واجبی داموں پر حاصل کر سکیں۔ ہماری پیداوار بڑھے اور اسکو عام لوگوں تک پہنچانے کا مناسب بندوبست ہو۔

چھوٹے کسانوں کی تکلیفیں فوراً دور کی جائیں۔ جوت بندی قانون ٹھیک سے نافذ کئے جائیں زمین کے ریکارڈ کو صحیح اور درست کیا جائے تاکہ کسان اپنے کھیتوں کی ملکیت کو آسانی سے جان پائیں۔ گاؤں میں بسے بے زمین کھیت مزدوروں نیز ان لوگوں کو جن کی مالی حالت کمزور ہے، گھر مہیا کئے جائیں۔ ان کے سروں پر آسمان کی بجائے چھتیں ہوں جس کے نیچے وہ اپنے پریوار کے ساتھ گرمی، برسات اور جاڑے شکھ سے بتا سکیں۔ بےگاری جہاں کہیں بھی ہو غیر قانونی سمجھی جائے گی۔ دیہاتوں سے قرضہ داری ختم ہو، اور بے زمین کھیت مزدور، چھوٹے کسان نیز کاریگر جو کہ پُشت در پُشت سے قرضوں کے بوجھ تلے

وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان

ایشور راج ماتھر

چیف ڈائرکٹر، ڈائرکٹوریٹ آف انفارمیشن
اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومت مہاراشٹر،
سچیوالیہ - بمبئی ۳۲۔۴۰۰۰

”میں یہ بتانے کی کوشش کروں گا کہ اس ۲۰ نکاتی پروگرام کو ریاستِ مہاراشٹر میں کس طرح نافذ کیا جارہا ہے اور اس انقلابی قدم سے ریاست کے عوام کو کتنی راحت ملیگی۔“

حکومت مہاراشٹر کے اقدامات

دبے ہوئے ہیں اُن کو سود خوروں کے پنجے سے چھڑایا جائے۔

یہ بھی فوری قدم اُٹھانے کے سلسلہ میں اس ۲۰ پروگرام میں زور دیا گیا ہے۔ اس پروگرام کے تحت ۵۰ لاکھ ہیکٹر مزید اراضی کیلئے آبپاشی کا انتظام کیا گیا ہے۔ زیر زمین پانی کا استعمال کرنے کیلئے ایک قومی پروگرام ہاتھ میں لیا جائیگا۔ بجلی کی پیداوار میں تیزی سے اضافہ کرنے کیلئے پروگرام شروع کئے جائیں گے جس سے کھیتی اور کارخانوں کو بجلی وافر مقدار میں مل سکے۔ گاؤں میں بسے لوگوں کو روزگار حاصل ہو سکے۔ اُن کی آمدنی بڑھ سکے اس لحاظ سے ہاتھ کرگھا اُدیوگ کے وکاس کیلئے نئے منصوبے بنائے گئے ہیں۔

شہروں میں زمین کی قیمت کو بڑھنے سے روکنے کے لئے شہری زمینوں کے سماجی کرن کی تجویز پیش کی گئی ہے جس سے شہر میں بسے ہوئے معمولی آمدنی کے لوگوں کو سستے مکان مہیا کرنے میں مدد مل سکے۔

غیر قانونی طریقہ پر ٹیکس بچانے والوں کے خلاف سخت کارروائی کئے جانے کا اعلان کیا گیا ہے۔ لائسنس گھوٹالے اور اسمگلنگ کو پُراثر طریقے سے روکنے کے لئے بڑی تاکیدی سفارش اس ۲۰ نکاتی پروگرام میں ہے۔ ۸۰۰۰ روپے سالانہ آمدنی کے لوگوں کو ٹیکس چھوٹ دیکر عوام کے بہت بڑے طبقے پر سے معاشی بوجھ حکومت نے اٹھالیا ہے۔

میں یہ بتانے کی کوشش کروں گا کہ اس بیس نکاتی پروگرام کو ریاستِ مہاراشٹر میں کس طرح نافذ کیا جارہا ہے اور اس انقلابی قدم سے ریاست کے عوام کو کتنی راحت ملے گی۔

فوری پروگرام پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ جی چوان نے ۳ر جولائی کے روز کہا تھا کہ ریاستی حکومت اس پروگرام کو سچی بھاؤنا سے لاگو کرے گی۔ ان کاریہ کرموں کا دیش بھر پر اچھا اثر پڑے گا کیونکہ ان سے بے زمینوں، نوکری پیشہ لوگوں اور درمیانی طبقہ کے لوگوں کو بہت حد تک فائدہ ہوگا۔ ۲۰ نکاتی پروگرام

میں نئے کچھ پروگرام تو ریاستی حکومت اسکے اعلان کے پہلے ہی لاگو کرنے میں سرگرم عمل ہے۔ مثال کے طور پر گاؤں میں بسے ہوئے بے زمین کھیت مزدوروں، دلت اور پچھڑی جاتی کے لوگوں کے لئے گھر مہیا کرنا۔ مہاراشٹر میں ۴ لاکھ ۲۹ ہزار بے زمین کھیت مزدور ہیں۔ ریاستی حکومت نے طے کیا ہے کہ ان سارے کھیت مزدوروں کو کم سے کم وقت میں گھر بنا کر دیگی۔ صرف چار مہینے کے عرصے میں ہر ضلع میں ایک ایک ہزار مکان بنائے جا چکے ہیں اور باقی ۷۵ ہزار اس سال کے اختتام تک بنائے جائیں گے۔ اس طرح سال ختم ہونے تک ایک لاکھ مکان بے گھر لوگوں کو مہیا کئے جائیں گے۔ ان مکانوں کے لئے عوام سے بھی بڑی مدد ملی ہے۔ ڈھائی سو مربع فٹ کے ایک مکان کی لاگت تقریباً ڈھائی سو روپے ہے جسمیں سے ڈیڑھ سو روپے حکومت دیتی ہے، باقی خرچ مخیر حضرات اور اداروں کی مدد سے پورا کیا گیا ہے۔

حکومتِ مہاراشٹر کی دوسری انقلابی یوجنا جسے ۲۰ نکاتی پروگرام کا ایک اہم جزو کہہ سکتے ہیں، ضمانتِ روزگار اسکیم ہے۔ اس اسکیم کے تحت گاؤں میں بسے ہوئے محنت کش اور کام کرنے کے قابل نوجوانوں کو روزگار دیا جائے گا۔ حکومتِ مہاراشٹر سارے ملک میں اس اسکیم کو نافذ کرنے میں سب سے آگے ہے اور سبھی راجیہ اس کی کامیابی کی پوری خواہش رکھتے ہیں۔

ریاستی حکومت نے ۲۰ نکاتی پروگرام کو نافذ کرنے کیلئے کابینہ کی خاص کمیٹی بنائی ہے جو اس پروگرام کو بہ سرعت نافذ کرنے پر نگرانی رکھے گی۔ ریاستی کابینہ نے ہفتہ میں ایک کی بجائے دو دن بیٹھک کرنا طے کیا ہے جس میں پروگرام کے عمل پر پوری تفصیل سے بات چیت ہو سکے گی۔

اناج کی پیداوار بڑھانے کے لئے ریاستی حکومت نے اسکے ذریعہ اٹھائے گئے قدموں میں اور تیزی لانا طے کیا ہے۔ اناج کی کمی مہاراشٹر کی بہت بڑی پریشانی ہے۔ آبپاشی کی سہولت اس ریاست میں شمالی ریاستوں کی طرح نہیں ہے۔ ویسے ہم یہ بات بڑے فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ مہاراشٹر کا کسان دیش کے ترقی پسند اور محنتی کسانوں میں سے ہے۔ ریاستی حکومت کی یہ کوشش ہے کہ وہ اناج کی کمی کو ختم کر سکے اس لئے اس نے خریف اور ربیع ہنگامی اسکیمیں چلائی ہیں جن کے نتیجے اچھے نکل رہے ہیں۔ ان نئے حالات میں حکومت نے افسران کو خاص تاکید کی ہے کہ ان منصوبوں کو پورے مشنری جوش کے ساتھ لاگو کریں۔ گذشتہ سال جبکہ اناج کی پیداوار ۴۷ لاکھ ٹن ہوئی تھی اس سال ریاستی حکومت نے ۸۵ لاکھ ٹن اناج پیدا کرنے کا نشانہ رکھا ہے اور اسے امید ہے کہ وہ اسکو ضرور پورا کرے گی۔

اناج پیدا کرنے والے کسانوں کو راجیہ سرکار نے سستے در سے پانی دینا طے کیا ہے۔

ریاست میں امن اور شانتی کیلئے کالا بازاری اسمگلنگ وغیرہ کو روکنے کیلئے سرکار نے جو سخت قدم اٹھائے ہیں اس کے نتیجے بہت اچھے نکلے ہیں اس سے شہری جنتا کو بہت آرام ملا ہے غیر ملکوں سے آنے والے کروڑوں کی قیمت کے مال پکڑے اور ضبط کئے گئے ہیں۔ اسمگلروں کے ہر جانکاری میں آئے ہوئے سینٹر پر چھاپے مارے جا رہے ہیں۔ ریاست کے سمندری کنارے کی چوکیداری کافی مضبوط اور تیز کر دی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں ۱۸۳ اسمگلروں کو پکڑا جا چکا ہے۔

ریاست کے شہروں میں غیر قانونی ڈھنگ سے چلنے والے مٹکا بازار کو جو کہ ہماری عام جنتا کے خون کو جونک کی طرح چوستا تھا پوری طرح بند کر دیا گیا ہے۔ سبھی مٹکا شاہوں کو گرفت میں لے لیا گیا ہے۔ ویسے ہی اناج کو بڑے پیمانے پر چھپا کر رکھنے اور ملاوٹ کرنے والے بیوپاری، غنڈوں اور سود خوار مجرموں پر بھی سرکار کی کڑی نظر ہے۔ ابتک تقریباً ۹۰ لوگوں کو گرفتار کیا جا چکا ہے۔ اس وقت بھی ریاست بھر میں مختلف دفعات کے تحت گرفتاریاں جاری ہیں۔

روزمرہ کی ضرورت کی چیزیں واجبی قیمتوں پر لوگوں کو مہیا کرنے کیلئے مہاراشٹر سرکار مال بنانے والوں پر لیوی لگانے کی سوچ رہی ہے۔ ویسے تو یہ لیوی سسٹم ابھی دیہاتوں میں صرف اناج جمع کرنے پر لاگو ہے۔ اس کے لئے ریاستی کابینہ نے ایک ضمنی کمیٹی بنائی ہے جو کہ اس کے بارے میں پوری چھان بین کر رہی ہے۔ اس بات کی کوشش کی جا رہی ہے کہ Standard کپڑا زیادہ مقدار میں تیار کیا جائے تاکہ وہ سستی قیمت پر عام آدمی کو مل سکے۔

۷۵-۱۹۷۴ء میں دو لاکھ ۷۵ ہزار ٹن اناج لیوی سے وصول کیا گیا تھا جبکہ ۷۶-۱۹۷۵ء میں ساڑھے پانچ لاکھ ٹن اناج وصول کرنے کا پروگرام ہے۔ اس کے ساتھ اناج کی لیوی اب کسان کے ذریعہ دی جانے والی مالگذاری کی شرح پر وصول کی جائیگی۔ لیوی کا اوسط لگاتے وقت آبپاشی کے ذرائع کو بھی نظر میں رکھا جائے گا جس سے چھوٹے کسانوں کو بڑی سہولت ہوگی۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ سرکار نے شہروں میں اناج کے بے جا استعمال کو روکنے کیلئے پُر اثر قدم اٹھایا ہے۔ بوگس راشن کارڈوں کی چھان بین سختی سے کی جا رہی ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ صرف بمبئی شہر میں ۲۰ فیصدی راشن کارڈ بوگس ہیں جن پر حکومت کو ۲ لاکھ ٹن اناج دینا پڑتا ہے۔

اچاریہ ونوبا بھاوے نے ایمرجنسی کو انوشاسن پرو کہا ہے۔ جنتا کو اس انوشاسن پرو کے اچھے نتیجے نظر آنے لگے ہیں۔ ہماری روزمرہ کی استعمال کی چیزوں کے بھاؤ نیچے

بڑھ رہے ہیں ۔ مثال کے طور پر ۴۰۰ گرام کی
ماڈرن ڈبل روٹی ایک روپیہ ۲۵ پیسے میں
ملتی تھی' وہ اب ایک روپیہ ۱۵ پیسے میں مل
رہی ہے ۔ یہاں پر دس پیسے قیمت میں کمی
ہوئی ہے ۔ اسی طرح ۸۰۰ گرام وزن کی ڈبل
روٹی کی قیمت میں ۲۰ پیسے کی کمی واقع ہوئی ہے
پہلے اس کے دام دو روپے ۴۵ پیسے تھے جو کہ
اب دو روپے ۲۵ پیسے میں مل رہی ہے ۔ اسی
طرح مونگ پھلی کے تیل کے بھاؤ میں فی کوئنٹل
دس روپے کی کمی ہوئی ہے ۔ بمبئی شہر میں مونگ
کی دال کی قیمت میں فی کوئنٹل ساڑھے سات
روپے کی کمی ہوئی ہے ۔ دھولیہ شہر میں گیہوں
کا بھاؤ فی کوئنٹل ساڑھے چار روپے کم
ہوا ہے ۔ بمبئی میں چنے کی قیمت میں ساڑھے
سات فی صدی کمی ہوئی ہے ۔ ۲۵ر جون سے
۱۴ر جولائی ۱۹۷۵ء تک روزمرہ کی چیزوں
کے دام میں چھ فی صدی کمی ہوئی ہے ۔

پردھان منتری نے کارخانہ داروں اور
مزدوروں سے اپیل کی ہے کہ پیداوار بڑھائیں
اس لئے یہ بہت ضروری ہے کہ مالک اور
مزدوروں کے تعلقات اچھے ہوں ۔ یہ بہت
اچھے آثار ہیں کہ ایمرجنسی شروع ہونے کے
بعد مزدور علاقوں سے صنعتی بے چینی بالکل
ختم ہوگئی ہے ۔ ہڑتالوں کا دور چلا گیا ۔ اس
شانتی کو ٹھوس روپ دینے کے لئے حکومت
کی جانب سے عملی قدم اٹھائے گئے ہیں ۔ بہت
جلد مہاراشٹر سرکار ریاست کی تمام مزدور
تنظیموں اور صنعتکاروں کی ایک بیٹھک
بلانے والی ہے اور مزدور نیتاؤں اور صنعت
کے میدان کے لوگوں سے اپیل کرنے والی ہے
کہ وہ تاریخی ۲۰ نکاتی پروگرام کو تیزی سے
لاگو کرنے میں حکومت کے ہاتھ مضبوط کریں ۔

مختلف فرقوں کے آپس کے بھائی چارے کے
سلسلے میں بھی سرکار نے فرقہ پرست تنظیموں اور
انتہا پسند بائیں بازو کی پارٹیوں پر پابندی
لگادی ہے ۔ ان سب پر پابندی لگانے کا
ایک سبب فرقہ پرستی کو روکنا تھا ۔ اس سلسلے
میں دائیں اور بائیں دونوں قسم کے انتہا پسندوں
کو گرفتار کیا جارہا ہے تاکہ امن اور شانتی
قائم رہے ۔

شہروں کی سب سے بڑی پریشانی ہے مکان ۔
بڑے شہروں میں یہ مسئلہ خاص کر بمبئی ایسے شہر
میں بڑا دردناک ہے ۔ بہت بڑی تعداد میں لوگ
یہاں گندی بستیوں میں رہتے ہیں جنھیں ہم سلم
کے نام سے پکارتے ہیں ۔ کم اور درمیانی آمدنی
والوں کو سستی قیمت کے مکان مل سکیں
اس کے لئے حکومت نے ہاؤسنگ بورڈ قائم
کئے ہیں جس کے بارے میں آپ سب پوری
طرح واقف ہوں گے ۔ اب تک ان ہاؤسنگ
بورڈوں کی معرفت بمبئی ، پونا ، ناگپور اور اورنگ آباد
وغیرہ شہروں میں تقریباً ایک لاکھ مکان بنائے
جاچکے ہیں ۔ ان مکانوں کی تعمیر میں اب اور تیزی
لائی جائے گی جس سے کہ شہروں میں رہنے والے
لوگوں کے رہائشی مسئلے کو حل کیا جاسکے گا ۔

سلم یعنی گندی بستیوں کو سدھارنے کے
لئے حکومت نے تیزی سے قدم اٹھائے ہیں ۔ اس
نے سلم امپرومنٹ بورڈ قائم کیا ہے جس کے ذریعہ
گندی بستیوں میں سدھار کیا جارہا ہے ۔ سڑکوں
پر روشنی کا انتظام ، سنڈاس ، پکے راستے ،
نلوں کے ذریعے پانی فراہمی کی سہولتیں ان بستیوں
میں رہنے والوں کو دی جارہی ہیں ۔

**حکومت نے ان بستیوں کے سدھار
کے لئے تقریباً پانچ کروڑ روپے کا
انتظام کیا ہے ؛**

مہاراشٹر ملک کی تاریخ میں ہمیشہ آگے چلنے
والا راجیہ رہا ہے ۔ جب بھی کوئی مسئلہ ملک کے
سامنے آیا ہے اس نے اپنا فرض ایمانداری سے
پورا کیا ہے ' چاہے وہ چین یا پاکستان کی
لڑائی ہو چاہے کوئی اندرونی پریشانی ۔ اس
تاریخی ۲۰ نکاتی پروگرام کو عملی جامہ پہنانے میں
بھی مہاراشٹر کسی سے پیچھے نہیں رہے گا ۔

حکومتِ مہاراشٹر پردھان منتری کے
خیالات کے مدنظر انتظامیہ کو مزید عوامی بنانے
کے لئے بھی قدم اٹھا رہی ہے ۔ سرکاری افسران
اور دیگر ملازمین کو ترقی صرف ان کی سینیارٹی کی
بنیاد پر نہیں دی جائے گی بلکہ ان کی اہلیت
اور قابلیت کو بھی مدنظر رکھا جائے گا ۔ وزیراعلیٰ
شری شنکر راؤ چوان نے ۹ر جولائی کو کابینہ کی
بیٹھک کے بعد اخباری نمائندوں سے کہا کہ
سرکاری ملازمین کے کاموں کے جائزے کے لئے
نیا طریقہ کار اپنایا جائے گا ۔ لال فیتہ شاہی کو
کم کرنے کے لئے Officer-oriented
یوجنا کو لاگو کیا جارہا ہے جس کا اثر تعلقہ ۔ ضلع
اور میونسپالیہ کی سطح پر بھی ہوگا ۔

یہ قدم جو جنتا کی بھلائی کے
لئے حکومت نے اٹھائے ہیں
ان کا گرم جوشی سے استقبال
ہوگا اور ملک ترقی کی راہ پر
تیزی سے گامزن ہوگا ۔

ریڈیو تقریر جو ۱۳ر جولائی ۱۹۷۵ء کو
آل انڈیا ریڈیو کے بمبئی اسٹیشن سے
نشر کی گئی ۔
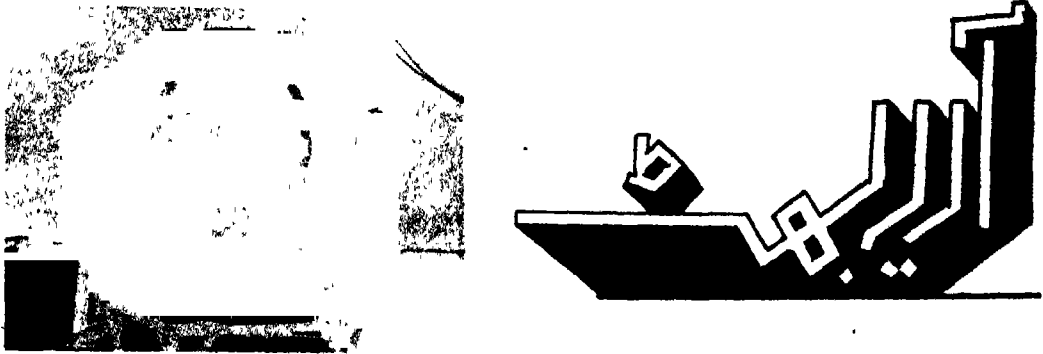
۱۹ اپریل ۱۹۷۵ء کو ہندوستانی وقت کے اعتبار سے دن کے ایک بجے ہندوستان حقیقی طور پر خلائی عہد میں داخل ہونے والا گیارہواں ملک بن گیا جبکہ اس کا اوّلین مصنوعی سیارہ 'اریہ بھٹ' ماسکو کے قریب واقع ایک روسی کاسموڈرام سے بذریعہ روسی راکٹ زمین کے گرد خطِ استوا سے ۵۰.۶۴ ڈگری پر مائل ایک بیضوی مدار میں کامیابی کے ساتھ چھوڑ دیا گیا۔ زمین سے اس کی اونچائی زیادہ سے زیادہ ۶۳۲ اور کم سے کم ۵۶۴ کلومیٹر ہے۔ اس طرح کرۂ ارض سے اس کی اوسط بلندی تقریباً ۶۰۰ کلومیٹر رہتی ہے اور وہ ہر ۹۶،۴۱ منٹ میں ایک مرتبہ زمین کی گردش مکمل کر رہا ہے۔

۲۶ چہروں والے ایک وسیع ہیرہ نما اس نیلے بنفشی رنگ کے مصنوعی چاند کا وزن ۳۶۰ کلوگرام اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک کی دوری ۱،۴۶ میٹر ہے۔ واضح رہے کہ اس سے قبل دوسرے ممالک نے جو اپنے اوّل مصنوعی چاند چھوڑے ہیں ان میں سے کوئی بھی اتنا بھاری بھرکم نہیں تھا۔ 'آریہ بھٹ' کو بنگلور کے قریب پینیا نامی مقام پر واقع لیبوریٹری میں تقریباً دوسو سائنسدانوں نے تیار کیا۔ اس کے آلات کو چلانے کے لئے شمسی توانائی سیل سے طاقت فراہم ہو رہی ہے جو روس نے فراہم کئے ہیں۔

'آریہ بھٹ' سے آنے والے سگنل ہندوستان میں مدراس کے نزدیک شری ہری کوٹا اور روس میں ماسکو کے قریب بیرس لیک میں واقع اسٹیشنوں میں حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ 'آریہ بھٹ' کی کل زندگی صرف لگ بھگ ۶ ماہ ہے کیونکہ اس کے بعد اس کے آلات کام کرنا بند کردیں گے۔ اس درمیان یہ کئی اہم سائنسی تجربات اور دریافتیں کرے گا جو ایکس شعاعی فلکیات، شمسی طبیعیات اور کرۂ ہوا کے بلند ترین حصوں میں طبیعی افعال کی تحقیق کے بارے میں ہوں گے۔

ہندوستان کے اس پہلے مصنوعی چاند کا نام نامور ہندوستانی ہیئت داں اور ریاضی داں آریہ بھٹ اوّل کے نام پر 'آریہ بھٹ' رکھا گیا ہے جو ۴۷۶ء میں پاٹلی پتر (موجودہ پٹنہ) کے نزدیک واقع کسم پورا نامی مقام میں پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی مشہور و معروف کتاب 'آریہ بھٹیہ' میں اپنی دریافتوں اور کھوجوں کا ذکر سنسکرت کے شلوکوں میں کیا ہے۔ اس کتاب کو انھوں نے صرف ۲۳ سال کی عمر میں یعنی آج سے تقریباً پونے پندرہ سو سال قبل لکھا تھا۔ انھیں اس بات کا علم تھا کہ زمین گول ہے اور اپنی کیلی پر گھومتی ہے۔ انھوں نے زمین کی عمر ۱۵۸۲۲۳۷۷۰۰ یعنی ایک ارب ۵۸ کروڑ سال کے لگ بھگ بتائی تھی۔ آپ کو یہ جان کر تعجب ہوگا کہ تازہ ترین دریافتوں کے مطابق زمین کی عمر تقریباً ۵ ارب سال ہے۔ اس حد تک زمین کی صحیح عمر بتا دینا ان کے زمانے کے لحاظ سے ایک بڑی اہمیت کی دریافت تھی۔ علم الحساب میں بھی انھوں نے کئی اہم کھوجیں کی تھیں۔ انھوں نے اس کے علاوہ ایک اور کتاب بھی بعد میں لکھی تھی جو تنتر (Tantra) کے نام سے مشہور ہے۔ درحقیقت آریہ بھٹ اوّل ہندوستان کا ہی نہیں بلکہ دنیا کا ایک بہت بڑا ہیئت داں اور ریاضی داں تھا۔ اس لئے اس کے نام پر ہندوستان کے پہلے مصنوعی چاند کا نام رکھنا ہر معنوں میں مناسب ہے۔ واضح رہے کہ آریہ بھٹ نام کا ہی بعد میں ایک دوسرا مشہور ہندوستانی ہیئت داں و ریاضی داں بھی گزرا ہے جو ۹۵۰ء کے آس پاس میں رہتا تھا۔ اسی سبب سے ان دونوں ہم نام ہیئت دانوں کو آریہ بھٹ اوّل اور آریہ بھٹ دوم کے نام سے پکارتے ہیں۔

●●

مرزا احسن ناصر
۱۶۱/۲۰۵ - تازی خانہ - مشک گنج ، لکھنؤ - ۱

چھائی ہوئی گھنگھور گھٹاؤں کو سلام

رُباعیات

تھم تھم کے برستی ہیں گھٹائیں اے دل
چلتی ہیں طرب ناک ہوائیں اے دل
وعدے کی تو جب بات ہے وہ رُک نہ سکیں
سہمے ہوئے بھیگے ہوئے آئیں اے دل

پیغامِ طرب آ کے سُنایا تو نے
سینوں کے جہنّم کو بجھایا تو نے
شہروں کو دیا تو نے بہاروں کا پیام
صحرا کو بھی گلزار بنایا تو نے

اُٹھتی ہوئی نوخیز جوانی برسات
گلشن کی بہاروں کی کہانی برسات
ہر رنگ میں اِک رنگ نیا ہے تیرا
اے شامِ حسیں، صبح سہانی برسات

بالوں سے یہ کس شوخ نے جھٹکا پانی
گھِر آئی گھٹا ٹوٹ کے برسا پانی
ہاں آتشِ دل کا یہ کرشمہ دیکھا
جو آگ لگی آنکھ سے نکلا پانی

چھائی ہوئی گھنگھور گھٹاؤں کو سلام
مخمور و طرب ناک ہواؤں کو سلام
مفلس کے لئے بند ہے میخانے کا در
ساقی تیری قلاش اداؤں کو سلام

مظفر حیات نیّر
اسلام آباد، جانسٹھ روڈ، کھتولی۔ ضلع مظفر نگر۔ (یوپی)

ضلع ناسک کے تعلقہ ایولہ میں نگرسول ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس کی آبادی سات ہزار ہے۔ یہ ایولہ گاؤں سے صرف ۱۰ کلومیٹر دور ہے جو اضلاع احمد نگر اور اورنگ آباد کی سرحد پر واقع ہے۔ نگرسول کے باسیوں کا اتحاد، میل محبت اور بھائی چارہ مثالی ہے۔ انہوں نے اپنے اس قدیم، شاندار اور تاریخی رشتۂ اتحاد کو برقرار رکھا ہے۔

اپنے اسی روایتی اتحاد و تعاون کی بدولت انھوں نے نو رساؤ تالاب (Percolation Tanks) تعمیر کئے ہیں!

تین سال ہوئے گاؤں والوں نے رساؤ تالاب تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا تھا تاکہ بار بار کی خشک سالی سے نجات ملے۔ بیشتر دیہاتوں کی طرح نگرسول بھی بارش کے رحم و کرم پر ہے۔ گاؤں میں کل ۵,۲۰۰ ہیکٹر اراضی میں سے تقریباً ۳,۰۶۰ ہیکٹر اراضی زیر کاشت ہے۔ کچھ کسانوں کے کھیت میں کنویں ہیں لیکن ان میں سے بیشتر گرمیوں کے موسم میں سوکھ جاتے ہیں۔

صرف چند کسان میسر پانی کے لحاظ سے پیاز، گنّے اور چنے وغیرہ کی کاشت کرتے تھے۔ اس طرح صرف ۴۰ تا ۶۰ ہیکٹر پر دوسری فصل بوئی جا سکتی تھی۔ گاؤں کی اصل فصل صرف باجرہ تھی۔

گاؤں والے بخوبی جانتے ہیں کہ زراعت سُدھار کے لئے سب سے اوّل یہ ضروری ہے کہ پانی سال بھر دستیاب ہو۔ لہٰذا انھوں نے مال واڑی میں ایک، اور ہڈپ سُر گاؤں میں دوسرا رساؤ تالاب مکمل کیا۔ ان کی محنت بار آور ہوئی اور آس پاس کے کنوؤں میں پانی کافی بڑھ گیا۔ رساؤ تالاب کے فائدے ابھی ظاہر ہی ہوئے تھے کہ انھیں ۱۹۷۱-۷۲ء میں سخت خشک سالی کا سامنا کرنا پڑا۔

گاؤں والوں کی ساری زراعتی اراضی گاؤں کے تین کلومیٹر کے حلقہ میں ہے۔ برسات کے موسم میں ندیاں وغیرہ پانی سے چھلکنے لگتی ہیں۔ گاؤں والوں نے سوچنا شروع کیا کہ اس قیمتی ذریعۂ آب کو محفوظ کیا جائے۔ لہٰذا فنی ماہرین نے اس سلسلہ میں جائزہ لیا۔

اسی سال ریاستی حکومت نے لابت

رساؤ تالاب مکمل کیا جس کی تعمیر قلت کام کے طور پر شروع کی گئی تھی۔ اس کے بعد کا سال شدید خشک سالی کا تھا۔ چنانچہ حکومت نے گاؤں والوں کو کام سے لگانے کیلئے متعدد قلت کے کام شروع کئے۔

بہرحال گاؤں والوں نے متفقہ طور سے طے کیا کہ وہ رساؤ تالاب کی تعمیر کے علاوہ اور کوئی کام قبول نہ کریں گے۔ انھوں نے ان کسانوں کی بھی رضامندی حاصل کرلی جن کے کھیت رساؤ تالاب کے باعث زیر آب ہو جاتے اس عزم کے ساتھ گاؤں کے ۴۰۰ افراد نے خود نگر سول، مال واڑی ۲، فرتال واڑی، لول واڑی، وڈاچہ، مالا اور کیشرے واڑی میں رساؤ تالابوں پر کام شروع کیا۔

ایک ہی گاؤں میں نو رساؤ تالابوں کے لئے منظوری حاصل کرنے کا سہرا شری جنادن پاٹل کے سر ہے۔ انھیں حکومت کی منظوری حاصل کرنے کے لئے بار بار بمبئی جانا پڑا۔ گاؤں والوں کو ان کی قیادت پر پورا پورا اعتماد ہے۔ وہ وزیر اعلیٰ کے بھی ممنونِ احسان ہیں جن کی اجازت اور اعانت کے بغیر وہ یہ بڑا کام سرانجام نہ دے سکتے تھے۔

اب تک بارہ لاکھ روپے کی رقم ان نو رساؤ تالابوں پر خرچ ہو چکی ہے جن میں سے چار مکمل ہو چکے ہیں۔ دیگر پانچ تالابوں کی بھرائی کا کام جلد ہی شروع کیا جا رہا ہے۔ ان میں سے دو رساؤ تالابوں پر کام ضمانتِ روزگار اسکیم کے تحت شروع کیا گیا ہے جس کا مقصد بے روزگار اشخاص کو روزی فراہم کرنا ہے۔

تمام مکمل تالابوں میں گذشتہ سال پانی جمع کیا گیا اور ہر تالاب کے نیچے ۵۰ تا ۶۰ کنویں پانی سے بھرے ہیں۔

گذشتہ فصلِ ربیع میں گاؤں والوں نے پہلی مرتبہ گیہوں کی کاشت کی۔ پچھلے ربیع کے زیر کاشت صرف ۱۲۰ ہیکٹر اراضی تھی لیکن اب یہ ۴۰۰ ہیکٹر ہو گئی ہے۔ گاؤں والے ۷۰۰ بورے گیہوں خوب دھوم دھام سے فروخت کے لئے لاسل گاؤں کی منڈی لے گئے تھے۔

اسی کے ساتھ گاؤں والوں نے ۲۸۰ ہیکٹر پر گنے کی کاشت بھی کی۔ نیز انھوں نے گرمائی مونگ پھلی اور کپاس کی بھی کاشت شروع کی ہے۔ انھوں نے باغبانی بھی شروع کی ہے اور انگور کی کاشت کی۔ قابلِ کاشت ۳۶۰۰ ہیکٹر اراضی میں سے ۱۶۰۰ ہیکٹر پر باغبانی کی جاتی ہے جو یقیناً ایک انقلاب ہے۔ بقیہ تالابوں کی تکمیل کے بعد مزید ۶۰۰ ہیکٹر کے لئے اتنی ہی مقدار میں پانی مل سکے گا۔

رساؤ تالابوں نے نگر سول گاؤں کا روپ بدل دیا ہے۔ اس انقلاب میں کسی طلسم یا کرشمہ کی کارفرمائی نہیں ہے بلکہ یہ خود گاؤں کے لوگوں کے اتحاد، عزم اور محنت کا ثمر ہے۔

دیہاتوں میں بجلی فراہمی

۳۱ مارچ ۱۹۷۵ء کو ختم ہونے والی سہ ماہی میں ۵۱۳ گاؤں اور قصبہ جات کو بجلی فراہم کی گئی اور ۹,۳۱۷ بجلی کے پمپ لگائے گئے۔ اس طرح ریاست بھر میں اب تک ۱۹,۵۱۴ قصبہ جات اور گاؤں کو بجلی فراہم کی جا چکی ہے اور ۳,۸۰,۸۴۴ بجلی کے کھمبے لگائے جا چکے ہیں۔

ان کی ضلع وار تعداد یوں ہیں:

احمد نگر ۹۲۶ (گاؤں) اور ۳۶,۱۵۴ (بجلی کے کھمبے)، اکولہ ۷۱۳ اور ۹,۸۴۱؛ امراوتی ۱,۰۷۵ اور ۲۳,۸۶۷؛ اورنگ آباد ۱,۰۷۱ اور ۲۴,۷۸۸؛ بھنڈارہ ۷۲۵ اور ۳,۶۳۹؛ بیڑ ۴۸۸ اور ۶,۷۳۲؛ بلڈانہ ۶۲۸ اور ۱۴,۱۷۶؛ چندرپور ۵۳۸ اور ۲,۲۰۰؛ دھولیہ ۵۹۹ اور ۱۸,۱۸۳؛ جلگاؤں ۱,۴۱۷ اور ۳۶,۱۴۶؛ قلابہ ۱,۰۶۸ اور ۲,۵۱۸؛ کولہاپور ۸۳۷ اور ۱۵,۴۳۲؛ ناگپور ۱,۱۰۹ اور ۱۸,۶۴۲؛ ناندیڑ ۶۸۶ اور ۹,۳۳۴؛ ناسک ۸۷۴ اور ۳۳,۶۰۷؛ عثمان آباد ۶۶۶ اور ۱۷,۲۲۲؛ پربھنی ۶۳۷ اور ۱۰,۱۳۱؛ پونہ ۷۷۷ اور ۲۲,۱۲۸؛ رتناگیری ۶۴۷ اور ۲,۶۶۹؛ سانگلی ۳۶۲ اور ۱۸,۹۵۸؛ ستارا ۶۲۴ اور ۱۳,۸۵۷؛ شولاپور ۵۶۷ اور ۱۵,۱۶۳؛ تھانہ ۷,۸۰۱ اور ۵,۳۴۷؛ وردھا ۶۹۰ اور ۱۰,۴۹۵ اور ایوت محل ۱,۰۴۰ اور ۹,۹۲۹۔

مہدی پرتاپگڈھی

معرفت ایگزیکیوٹیو انجینئر، اریگیشن ڈویژن، پرتاپ گڑھ۔ (یوپی)

ملی نہ خوئے وفا شہر کے غزالوں میں
بسی ہے گاؤں کی دوشیزگی خیالوں میں

روش روش پہ تھیں رُخسار ولب کی قندیلیں
مگر میں بھول گیا راہ ان اُجالوں میں

سب اپنی اپنی خدائی کا بار اُٹھائے ہیں
کوئی صنم نظر آتا نہیں شوالوں میں

مرا وجود پگھل کر کہیں نہ بہہ جائے
گھرا ہوا ہوں میں جلتے ہوئے سوالوں میں

مہک اُٹھی گلی، دہلیز تک ہی کیا موقوف
گلاب اُس نے سجائے تھے آج بالوں میں

ہر ایک لمحہ چٹکتا ہے میرے فن کا گلاب
بہار آئی ہوئی ہے مرے خیالوں میں

ہمارے چہروں کو پڑھ کر ہمیں سمجھ لیجے
ہمیں مزید نہ اُلجھائیے سوالوں میں

مری غزل نے وہ جادو جگا دیا مہدی
کہ تذکرہ ہے مرا آج خوش جمالوں میں

غزلیں

اِس طرح خوش ہیں عشق میں ہستی مٹا کے ہم
جیسے کہ حکمراں ہیں "ارض و سما" کے ہم

تیرا خیال پاؤں کی زنجیر بن گیا
تجھ سے چلے تو آئے تھے دامن چھڑا کے ہم

اس عہد کا ہمیں بھی پیمبر کہے کوئی
سر سے قدم تک آئے ہیں خوں میں نہا کے ہم

یہ اپنا معجزہ ہے کہ اس دورِ کرب میں
لائے ہیں اپنے لب پہ تبسّم سجا کے ہم

ہم کو جِلا سکیں گے نہ عیسیٰ کے ہونٹ بھی
مارے ہوئے ہیں وقت کی اک اک ادا کے ہم

آخر تری نظر نے اُسے چوُر کر دیا
دل کا جو شیشہ لائے تھے سب سے بچا کے ہم

دیکھے کوئی ہماری یہ مشکل پسندیاں
چلتے ہیں اپنی راہ میں کانٹے بچھا کے ہم

احسان لغزشوں کے ہیں احساس اپنے سر
یعنی سنبھل گئے ہیں ذرا لڑکھڑا کے ہم

احساس گونڈوی

فری پرائمری اسکول۔ تلجالا روڈ۔ کلکتہ ۴۶

قادر حسین
پرنسپل - محمد حاجی صابو صدیق پالی ٹیکنک، بمبئی ۸

چھوٹی صنعتیں اور تعلیمیافتہ بے روزگار

اِس مضمون کا موضوع دراصل دو حصّوں پر شتمل ہے۔ موضوع کے دونوں حصّے 'چھوٹی صنعتیں اور تعلیم یافتہ بے روزگار' ملک کے دو اہم مسائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ پہلا اہم مسئلہ جو ملک کو درپیش ہے وہ ہے قوم کے تعلیم یافتہ لوگوں کی بے روزگاری کا۔ دوسرا مسئلہ جو ملک میں چھوٹی صنعتوں سے وابستہ ہے، اسکو ہم پہلے مسئلہ یعنی تعلیمیافتہ بے روزگاروں کے مسئلہ کا درحقیقت ایک موزوں اور قابلِ عمل حل کہہ سکتے ہیں۔

موضوع کی مختصر وضاحت کے بعد ہمارے لئے ضروری ہے کہ [illegible] ہم [illegible] کہ چھوٹی صنعتوں [illegible] کے مسائل [illegible] ہیں۔ کچھ [illegible] تعلیمیافتہ بے روزگاروں کے مسائل کا جائزہ لینے کی کوشش کریں تاکہ صورتحال اچھی طرح سے [illegible]

تعلیمیافتہ بے روزگار

بمبئی کے ایمپلائمنٹ ایکسچینج دفتر کے تازہ اعداد و شمار کے مطابق شہر کے تعلیم یافتہ بے روزگار لوگوں کی تعداد پچھتر ہزار ہے جن میں پچاس ہزار مرد اور ۲۵ ہزار عورتیں ہیں۔ یاد رہے کہ یہ سرکاری اعداد و شمار صرف اُن لوگوں کے ہیں جنھوں نے ایکسچینج میں اپنے نام باقاعدہ طور پر رجسٹر کروائے ہیں۔ اگر ہم اُن بے کار اور بے روزگار تعلیم یافتہ لوگوں کی تعداد کو بھی جنھوں نے اپنے آپ کو رجسٹر نہیں کروایا سرکاری اعداد و شمار میں شامل کر لیں تو ہو سکتا ہے بمبئی کے بے روزگار لوگوں کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ جائے گی۔ شہر بمبئی کو [illegible] ہندوستان [illegible] کی حیثیت سے [illegible] ایک مثالی [illegible] بمبئی کے [illegible] ایک لاکھ تعلیم یافتہ بے روزگار لوگوں کے مسائل کو ہم ریاست مہاراشٹر بلکہ پورے ہندوستان کے تعلیمیافتہ بیروزگاروں کے مسئلہ سے منسلک کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔

ایک تخمینہ کے مطابق بمبئی کی لگ بھگ ستر لاکھ کی آبادی میں تقریباً آٹھ لاکھ تعلیم یافتہ مرد و عورت پائے جاتے ہیں۔ گویا بمبئی کے آٹھ لاکھ تعلیمیافتہ افراد میں تقریباً ایک لاکھ افراد بے روزگار اور بے کار بیٹھے ہیں۔ بالفاظ دیگر بمبئی کے ہر آٹھ تعلیم یافتہ افراد میں ایک فرد بے روزگار اور بے کار رہتا ہے۔ بمبئی صرف مہاراشٹر بلکہ سارے ہندوستان کا ایک بڑا صنعتی و تجارتی مرکز یا دارالخلافہ کہا جا سکتا ہے۔ [illegible] بمبئی [illegible] ایک اہم [illegible]

بمبئی اقتصادی مرکز ہے۔ یہاں تجارت و روزگار کے بے شمار مواقع ہندوستان کے تقریباً ہر ریاست اور ہر شہر کے لوگوں کو میسر ہیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر بمبئی جیسے ایک صنعتی ترقی یافتہ شہر میں ایک لاکھ تعلیم یافتہ افراد کا بے کار رہنا یقیناً نہ صرف بمبئی اور ریاست مہاراشٹر بلکہ سارے ملک کے لئے ایک سنگین اور اہم قومی، سماجی اور معاشی مسئلہ ہے۔

بمبئی شہر کو چھوڑ کر اگر ہم مہاراشٹر اور ملک کے دیگر چھوٹے بڑے شہروں اور دیہی علاقوں کا جائزہ لیں تو تعلیم یافتہ بے روزگار افراد کی تعداد بلاشبہ بہت زیادہ اور تشویشناک ہوگی۔ ایک اندازہ کے مطابق ہم کو ملک کے غیر ترقی یافتہ شہروں اور علاقوں میں ہر آٹھ تعلیم یافتہ افراد میں تقریباً پانچ یا چھ افراد بے کار اور بے روزگار ملیں گے۔

چھوٹی صنعتیں اور اُن کے فوائد

ملک کے تعلیم یافتہ افراد میں بے کاری اور بے روزگاری کی سنگین نوعیت کو دیکھنے کے بعد ہم کو ملک کے اُن تمام قدرتی اور قومی ذرائع اور وسائل کے استعمال کے بارے میں سوچنا اور جدوجہد کرنا چاہئے جن سے ہم کو اس سنگین مسئلہ کا حل دریافت کرنے میں مدد مل سکے۔

بلاشبہ ملک کی صنعتی ترقی بڑی صنعتوں کے قیام سے عمل میں لائی گئی ہے۔ ہندوستان نے خصوصاً آزادی کے بعد گذشتہ پچیس ستائیس برسوں میں صنعت و حرفت کے میدان میں جو ترقی کی ہے وہ برصغیر ہند میں بلکہ ایشیا و افریقہ کے کئی ممالک کے مقابلہ میں ایک صنعتی انقلاب سے کم نہیں ہے۔ لیکن کسی ملک کی ترقی کا دارومدار سَو فیصدی صرف بڑی صنعتوں پر ہی نہیں ہو سکتا۔ جبکہ جاپان، چین، روس اور امریکہ وغیرہ دنیا کے دیگر صنعتی ترقی یافتہ ملکوں کی مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے، ملک کی اقتصادی ترقی کے لئے چھوٹی صنعتیں اتنی اہم ہیں جتنی کہ بڑی صنعتیں۔ بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ ہندوستان جیسے ترقی پذیر ملک کیلئے چھوٹی صنعتیں ملک کے کروڑوں باشندوں کے لئے ضروری اور کارآمد ثابت ہو سکتی ہیں۔ ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی کے ساتھ ساتھ ہم ہر سال یہ منظر دیکھتے ہیں کہ ہمارے اسکولوں اور کالجوں سے ہزاروں کی تعداد میں ایسے طلبہ و طالبات سرٹیفکیٹ، ڈپلوما اور ڈگریاں حاصل کرکے نکلتے ہیں جن کی بیشتر تعداد ملازمت کے مناسب و موزوں مواقع کے نہ ملنے سے بے کار و بے روزگار رہنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ یہ ناممکن سی بات ہے کہ ملک کے ہر تعلیم یافتہ کو ایک White Collar Job ملنا ہی چاہئے کیونکہ ملازمت کے مناسب مواقع محدود ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان تلخ اقتصادی حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے حکومت ہند اور مہاراشٹر سرکار نے اپنے پنج سالہ منصوبوں میں چھوٹی صنعتوں کی ترقی کے لئے ایک نمایاں رول ادا کیا ہے۔

چھوٹی صنعتوں کی ایک قابل تعریف خصوصیت یہ ہے کہ ان کی مدد سے زیادہ سے زیادہ افراد کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ چھوٹی صنعتوں کے قیام سے صنعت و حرفت کے میدان میں عوام کے جذبۂ خودکفالت و خود اعتمادی کو فروغ اور ترقی حاصل ہوتی ہے۔ چھوٹی صنعتوں کے قیام سے لوگ ملازمتوں کے محتاج نہیں رہتے بلکہ اپنی مدد آپ کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

اگرچہ مرکزی اور ریاستی حکومتوں کی جانب سے چھوٹی صنعتوں کی ہر ممکن حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے تاہم یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ ملک کے بیشتر تعلیم یافتہ افراد چھوٹی صنعتوں سے اس قدر مستفید نہیں ہو رہے ہیں جتنا کہ ہونا چاہئے۔ اس کی وجہ چھوٹی صنعتوں کی بیشتر صلاحیتوں سے عوام کی ناواقفیت بتائی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ بہتر ہوگا اگر ملک کے تعلیم یافتہ بے روزگار چھوٹی صنعتوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ ضروری معلومات حاصل کرکے ان سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔

سرکاری اصطلاح میں اُن صنعتوں کو 'چھوٹی' کہا جاتا ہے جن کی مشینری اور پلانٹ پر ساڑھے سات لاکھ روپیوں کا سرمایہ لگایا گیا ہو یا اتنے سرمایہ کی ضرورت ہو۔ حکومت مہاراشٹر کے نزدیک جو تعلیم یافتہ بے روزگار افراد حکومت کے مختلف امدادی منصوبوں سے فائدہ اٹھانے کے مستحق سمجھے جاتے ہیں اُن کے لئے یہ شرطیں ضروری قرار دی گئی ہیں کہ کم از کم مہاراشٹر کے ایس۔ ایس۔ سی کورس یا اُس کورس کے برابر کا کوئی منظور شدہ کورس پاس ہوں۔ یا جنھوں نے انڈسٹریل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ کا کوئی منظور شدہ کورس پاس کیا ہو اور جنھوں نے ریاست یا شہر کے کسی ایمپلائمنٹ ایکسچینج میں اپنے آپ کو باقاعدہ رجسٹر کرلیا ہو۔

مہاراشٹر سرکار نے تعلیم یافتہ بے روزگار لوگوں کی امداد کے لئے مختلف منصوبے بنائے ہیں۔ ایک منصوبے کے تحت حکومت نے بیورو آف سیلف ایمپلائمنٹ قائم کیا ہے جو ڈائرکٹوریٹ آف انڈسٹریز کے محکمہ سے ملحق ہے اور جس کا صدر دفتر بمبئی میں سچیوالیہ کے مقابل نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ میں واقع ہے۔ اس محکمہ کی مختلف شاخیں مہاراشٹر کے مختلف ضلعوں میں بھی قائم کی گئی ہیں۔ اِس محکمہ کی طرف سے ریاست کے تعلیم یافتہ بے روزگار لوگوں کو چھوٹی صنعتوں کو قائم کرنے کے لئے ضروری مالی امداد کے علاوہ چھوٹی صنعتوں کے بارے میں ضروری ٹکنیکل معلومات و ہدایات اور ٹکنیکل تربیت بھی دی جاتی ہے۔ تعلیم یافتہ بے روزگار افراد کو چھوٹی صنعتوں کے قیام کے لئے ضروری سرمایہ کا پندرہ فیصدی حصہ خود کو فراہم کرنا پڑتا ہے۔ باقی سرمایہ حکومت براہ راست اپنی طرف سے یا بینکوں کے ذریعہ سے افراد کو کم شرح سود اور آسان

رطوں پر فراہم کرتی ہے۔ مہاراشٹر سرکار نے
راشٹر اسٹیٹ نیشنل کارپوریشن قائم کرکے
راشٹر میں تعلیم یافتہ بے روزگار لوگوں کی مدد
لئے چند کارآمد منصوبے بھی بنائے ہیں۔ اِس
رپوریشن کا صدر دفتر دھرادیا آیوگنا بھون ۲۳-۸
لشرانی بیسنٹ روڈ، ورلی بمبئی ۱۸ پر واقع
ہے۔ کارپوریشن کے ایک منصوبہ کے تحت حکومت
لیم یافتہ بے روزگار شخص کو پچاس ہزار روپے
رض، زمین، عمارت اور مشینری کی فراہمی کیلئے
ہے بشرطیکہ یہ چھوٹی صنعت صرف ان خام
یاء کا استعمال کرے جو مقامی طور پر آسانی کے
تھ مہیا ہوں۔ دوسری ضروری شرط یہ ہے کہ
عتی پیداوار کی ملک میں مانگ ہونی چاہیئے۔
رپوریشن نے اپنے ایک پروگرام کے تحت مہاراشٹر
، مختلف اضلاع میں ایسے کارخانوں کے شیڈ
ں بنانے کا فیصلہ کیا ہے جن کو کارپوریشن معمولی
ایہ پر اُن لوگوں کو دینا چاہتی ہے جو اپنی طرف
ے چھوٹی صنعتیں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ قرضوں
ادائیگی کی میعاد میں اور نیز شرح سود میں کارپوریشن
ے چھوٹے صنعت کاروں کیلئے کافی سہولتیں رکھی ہیں۔

مہاراشٹرا اسٹیٹ نیشنل کارپوریشن اپنی دوسری
لیم کے تحت ان تعلیم یافتہ بے روزگار لوگوں کو جو
یکل و انجینئرنگ تعلیم، قابلیت یا تجربہ رکھتے ہیں
ں جو اپنے پاس سرمایہ نہ ہونے سے مجبور ہوں،
ھائی لاکھ یا تین لاکھ روپوں کی حد تک سو فیصدی
ی امداد چھوٹی صنعتوں کے قائم کرنے کیلئے فراہم
تی ہے۔ اس اسکیم سے فائدہ اٹھانے والے افراد
ے لئے یہ ضروری ہوگا کہ وہ کم از کم کوئی انجینئرنگ
لی یا ڈپلوما پاس ہوں اور کم از کم تین سال
تجربہ رکھتے ہوں۔ اگر کوئی فرد انجینئرنگ ڈگری
ڈپلوما نہ رکھتا ہو تو اس کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ
از کم اپنی مخصوص صنعت میں پانچ سال کا تجربہ
کھتا ہو۔ عام طور سے امیدوار کی عمر ۴۵ سال سے
زیادہ نہیں ہونی چاہیئے لیکن تجربۂ خاص کے
پیش نظر عمر کی حد ۵۰ سال تک بڑھائی جا
سکتی ہے۔

قرضوں کی ادائیگی کے لئے کارپوریشن نے خصوصی
طور پر آسان شرائط رکھی ہیں جن کے مطابق
Fixed Assets کے لئے قرضہ جات بارہ سال
کی مدت میں اور Working Capital کیلئے
پانچ یا نو سال کی مدت میں ادا کئے جا سکتے ہیں۔
قرضہ جات کی شرح سود میں بھی خصوصی طور پر
رعایتیں ملحوظ رکھی ہیں۔

یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ حکومت ہند
نے عالمی بینک سے ایک معاہدہ کے تحت ڈھائی کروڑ
ڈالر کا قرضہ حاصل کیا ہے جس کا مقصد بیرونی ممالک
سے چھوٹی صنعتوں کے لئے ضروری مشینری درآمد
کرنا ہے۔

مذکورہ کارپوریشن اُن افراد کو جو پارٹنروں
کی حیثیت سے یا کوآپریٹیو سوسائٹی کی حیثیت سے
صنعتیں قائم کرنا چاہتے ہیں اپنی طرف سے پندرہ
یا تیس لاکھ روپے کی حد تک قرضہ جات دے سکتی ہے۔

کارپوریشن قرضہ جات دینے کے لئے صنعت
وحرفت کی جن خصوصی اقسام کو ترجیح دیتی ہے
وہ ہیں،

(۱) ٹرانسپورٹ یا مال اور مسافروں کو بری،
بحری یا فضائی رسل ورسائل کے ذریعہ لانے اور
لے جانے کے لئے موٹر ٹرک وکار اور جہاز
وغیرہ کی خریدی کے لئے قرضہ جات۔

(۲) ٹورسٹ یا سیاحوں کی آمد و رفت
بڑھانے کے لئے ہوٹل انڈسٹری کے قیام، ترقی
اور توسیع کے لئے۔

(۳) الکٹرک پاور یا برقی طاقت کی پیداوار اور
تقسیم کے لئے کسی پراجکٹ کا قیام۔

(۴) ٹریکٹرس، ٹریلرس اور موٹر بوٹ کی
مرمت کے کارخانوں کے لئے۔

(۵) کسی موٹر یا انجن کی اسمبلی، مرمت اور
پیکنگ کے کارخانے کے لئے جس کو چلانے کیلئے
مشینری اور برقی طاقت کی ضرورت ہو۔

(۶) انڈسٹریل اسٹیٹ یا صنعتی علاقوں کی تعمیر
و توسیع کے لئے۔

(۷) ماہی گیری سے متعلق صنعتوں کے لئے۔

عام طور پر حکومت ان تمام صنعتی
منصوبوں کی حوصلہ افزائی کرے گی جن سے
ملک کی برآمدی تجارت یا ایکسپورٹ کو تقویت
ملتی ہو یا جن کی ترقی سے ملک کو Import
Substiture کے بارے میں زرِ مبادلہ
کا خاطر خواہ فائدہ ہوسکتا ہے۔

●●

اِنجینئرنگ ڈگری کورسوں میں داخلے

تعلیمی سال برائے ۸۶-۱۹۸۵ء کے لئے چار سالہ
انجینئرنگ کورسوں کے پہلے سال میں کالج آف
انجینئرنگ پونا، کراڈ اور اورنگ آباد؛ وی جے۔
ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ، بمبئی، والچند کالج آف
انجینئرنگ، سانگلی اور سردار پٹیل کالج آف
انجینئرنگ، بمبئی میں نیز پانچ سالہ انجینئرنگ ڈگری
کورس کے دوسرے سال کے لئے اراوتی کے انجینئرنگ
کالج میں داخلے دیئے جائیں گے۔

ریاست میں کسی بھی سائنس کالج سے
جہاں طلبہ زیرِ تعلیم ہیں، درخواست کے مقررہ
فارم اور کتابچے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

درخواست فارم پُر کرکے متعلقہ امتحانی
کے پاس لیاقتی امتحان کے نتائج کے اعلان
کی تاریخ سے چودہ دن کے اندر بھیج دیئے جائیں۔

بمبئی صنعتی طور سے ایک ترقی یافتہ شہر ہے' لہٰذا دیگر ریاستوں سے لوگ بڑی تعداد میں یہاں کھنچے چلے آتے ہیں۔ تعمیر مکانات کی سست رفتاری' اراضی کی گرانی' تعمیرات کی بھاری لاگت نیز صنعتی ترقی کے سبب گندی بستیاں اندھا دھند بڑھ رہی ہیں؛
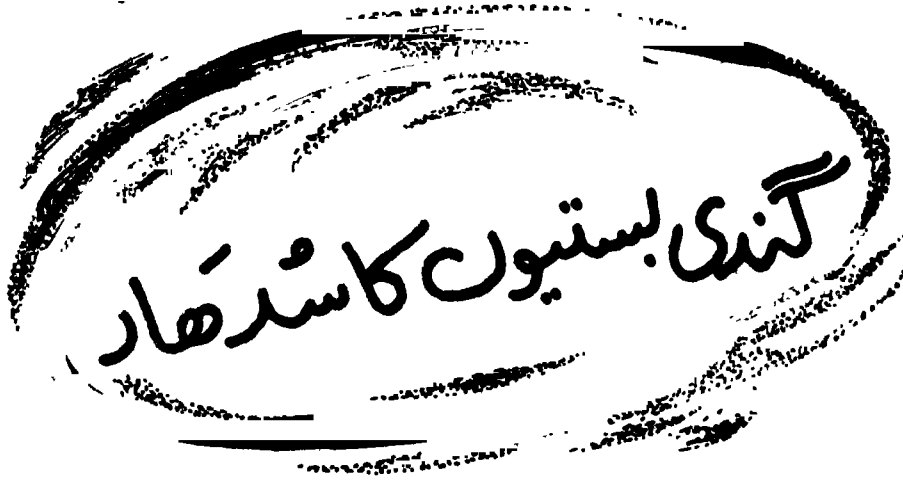
جہاں کہیں کھلی جگہ ہوئی وہاں جھونپڑے بن جاتے ہیں۔ رہنے کا ٹھکانہ ہو جائے' بس یہی مقصد پیش نظر ہوتا ہے۔ دیگر پہلو یعنی صحت و صفائی وغیرہ بالکل نظر انداز کر دئے جاتے ہیں۔ حالیہ سالوں میں بمبئی شہر میں جھونپڑپٹیاں چھوٹے قصبہ جات کے مانند نمودار ہو گئی ہیں۔

دیگر شہروں کی حالت بھی کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ ریاست کے صنعتی طور سے ترقی پذیر علاقوں میں بھی ہر جگہ گندی بستیاں پھیل گئی ہیں۔ مہاراشٹر کی دوسری راجدھانی ناگپور گندی بستیوں کے معاملے میں بھی دوسرے نمبر پر ہے۔ اس کے بعد پونا اور مالیگاؤں کا نمبر آتا ہے۔ ریاست کے تیرہ بڑے شہروں کی گندی بستیوں کی آبادی کے متعلق حسب ذیل اعداد و شمار سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ کتنا بڑا ہے۔

بمبئی: ۱۳,۰۰,۰۰۰ (اس میں وہ لوگ شامل نہیں ہیں جو فٹ پاتھ یا زیرین ریلوے برج وغیرہ جگہوں پر رہتے ہیں)۔

ناگپور: ۲,۵۴,۴۸۴

پونا: ۱,۵۲,۷۲۵

مالیگاؤں: [illegible]

شولاپور: ۸۰,۰۰۰

اورنگ آباد: ۳۵,۰۰۰

امراوتی: ۳۵,۰۰۰

اکولہ: ۳۰,۲۲۳

ناندیڑ: ۲۵,۸۵۲

ناسک: ۱۵,۳۵۰

الہاس نگر: ۱۳,۸۴۰

تھانہ: [illegible]

[illegible]

کلیان، [illegible] دھولیہ، اچل کرنجی جیسے دیگر مقامات میں بھی [illegible]

[illegible]

بنیادی سہولتوں مثلاً پانی کی فراہمی، [illegible] گندے پانی کی نکاسی وغیرہ کے

بغیر بے قاعدہ تعمیرات کے باعث جھونپڑ پٹیوں کے باسیوں کی زندگی قابلِ رحم بن گئی ہے۔ اس سے پورے شہر کی صحت و تندرستی کا مسئلہ بھی پیدا ہو گیا ہے کیونکہ وبائیں پھیلنے کا خطرہ بڑھ گیا ہے۔

سدھار پروگرام

گندی بستیوں کے سدھار پروگرام کے ذریعہ بنیادی سہولتیں بہم پہنچا کر ہی جھونپڑ پٹیوں کے باسیوں کی زندگی قدرے خوشگوار بنائی جا سکتی ہے۔ پلاننگ کمیشن نے یہی انسانی نقطۂ نظر اختیار کیا اور اقل ترین ضروریات کے قومی پروگرام میں گندی بستیوں کے ماحول کے سدھار کا کام شامل کیا۔ کیونکہ گندی بستیوں کو آئندہ دس سال تک ہٹانا ممکن نہیں ہے لہٰذا حکومتِ مہاراشٹر نے بھی اپنے ۱۵ نکاتی پروگرام میں اس اسکیم کو فوقیت دی ہے۔

گندی بستیوں کے ماحول کے سدھار کی اسکیم سنہ ۷۳-۱۹۷۲ء میں مرکزی حکومت نے آٹھ لاکھ سے زیادہ آبادی والے شہروں یعنی بمبئی، پونا اور ناگپور میں شروع کی تھی۔ اس وقت یہ کلی طور سے مرکزی اسکیم تھی جسے مہاراشٹر ہاؤسنگ بورڈ بمبئی اور پونا میں سرکاری اراضی پر نیز بمبئی میونسپل کارپوریشن میونسپل اراضی پر زیرِ عمل لاتی تھی۔ ناگپور میں یہ اسکیم وِدربھ ہاؤسنگ بورڈ، ناگپور امپروومنٹ ٹرسٹ اور ناگپور میونسپل کارپوریشن کے ذریعہ زیرِ عمل لائی گئی۔

سہولتوں کی بہم رسانی

مارچ سنہ ۱۹۷۴ء کے اختتام تک ماحول سدھار کی اس اسکیم کے تحت بمبئی میں ۱۲ پروجیکٹ، ناگپور میں ۲۴ اور پونا میں تین منصوبہ جات کی تکمیل ہوئی، جن کے تخمینی مصارف ۳,۳۷,۲۵,۰۰۰ روپے ہیں۔ اس پروگرام سے بمبئی میں کل ۳,۲۹,۸۶۷، ناگپور میں ۹۸,۹۵۴ اور پونا میں ۲,۰۵۰ جھونپڑ پٹی کے باسی فیضیاب ہوئے۔ اس طرح بمبئی میں گندی بستیوں کی آبادی کے چوتھائی حصہ، ناگپور میں ⅖ حصہ اور پونا میں ایک فیصدی حصہ کی حالت سدھری۔

ریاستی حکومت نے جھونپڑ پٹیوں میں بنیادی ضرورتیں بہم پہنچانے کے پروگرام کے تحت شولاپور اور اورنگ آباد شہر کا انتخاب کیا ہے۔ دونوں شہروں میں اس پروگرام کو زیرِ عمل لانے کا کام مہاراشٹر ہاؤسنگ بورڈ کو سونپا گیا ہے۔ شولاپور میں پانچ پروجیکٹ اور اورنگ آباد میں سات پروجیکٹ اب تک پایۂ تکمیل کو پہنچ چکے ہیں جن سے کل ۱۶,۹۶۷ آبادی کو فیض پہنچا اور ۱۶,۹۱,۰۰۰ روپے کی لاگت آئی۔

علیحدہ بورڈ کا قیام

مقامی اداروں، ہاؤسنگ بورڈوں اور امپروومنٹ ٹرسٹوں وغیرہ کی جانب سے گندی بستیوں کی حالت سدھارنے کی مسلسل جدوجہد کے باوجود یہ مسئلہ باقی رہا۔ نیز گندی بستیوں کے ماحول کو بہتر بنانے کی اسکیم اب کلی طور سے مرکزی امدادی اسکیم نہیں رہی ہے۔ اب یہ ریاست کو منتقل کر دی گئی ہے جسے اپنے ذرائع سے نیز تعمیرِ مکانات کے لئے مرکز کی جانب سے مختص کی گئی رقم سے سرمایہ مہیا کرنا ہوتا ہے۔

لہٰذا ریاستی حکومت نے اس مسئلہ سے تیزی اور مؤثر طریقے سے نپٹنے کے لئے یہی ضروری سمجھا کہ اس کے لئے علیحدہ اور خودمختار ادارہ قائم کیا جائے۔ چنانچہ ایک خودمختار بورڈ یعنی سرکاری افسران، غیر سرکاری افراد اور شہری ادارہ جات کے نمائندوں پر مشتمل ۱۹ رکنی مہاراشٹر سلم امپروومنٹ بورڈ ۲ر فروری سنہ ۱۹۷۴ء سے مہاراشٹر سلم امپروومنٹ بورڈ ایکٹ بابت سنہ ۱۹۷۳ء کے تحت کام کر رہا ہے۔ ریاست میں گندی بستیوں کے سدھار پروگرام کو زیرِ عمل لانے کا کام اس بورڈ کے سپرد کیا گیا ہے۔ اس کا مقصد جھونپڑ پٹیوں میں بنیادی سہولتوں جیسے پانی کی سپلائی، سنڈاس، نہانے دھونے، ڈرینیج، سڑک اور اسٹریٹ لائٹ وغیرہ کا بندوبست کرنا ہے۔

۳۱ر مارچ سنہ ۱۹۷۵ء تک بورڈ نے سلم علاقے میں ۴,۷۰۸ سنڈاسوں کا انتظام کیا جبکہ ۷,۲۱۲ کے لئے منظوری دی گئی تھی۔ اسی طرح ۲۴۹۶ پانی کے نل لگائے گئے جبکہ ۱۹۹۴ کی منظوری دی گئی ہے۔ مزید برآں اس علاقے میں لگائے جانے والے ۴,۲۳۷ میں سے ۱۵۴۳ بجلی کے کھمبے لگائے جا چکے ہیں۔ ۱,۴۷,۸۸۹ مربع میٹر علاقے میں سڑک کی تعمیر مکمل ہوئی جبکہ نشانہ ۲,۲۷,۵۲۳ مربع میٹر کا تھا۔ اس کے علاوہ گندے پانی کی نکاسی کے لئے ۹۴,۳۰۶ نالیاں بنائی گئیں جبکہ نشانہ ۱,۴۵,۰۸۶ تھا۔

بورڈ نے اپنے قیام کے اول سال مذکورہ بالا ۱۳ شہروں میں گندی بستیوں کے سدھار کیلئے ۱۴۴ اسکیمات منظور کیں جن کی تخمینی لاگت ۴ء۳۰ کروڑ روپے ہے۔ ان منصوبہ جات کی تکمیل پر ان شہروں میں گندی بستیوں کی تقریباً چار لاکھ آبادی کو فائدہ پہنچے گا۔ بمبئی شہر میں جہاں یہ مسئلہ سب سے اہم نوعیت کا ہے ایسے ۷۳ منصوبہ جات سے تقریباً دو لاکھ جھونپڑ پٹی باسیوں کو راحت پہنچے گی۔

سال سنہ ۷۶-۱۹۷۵ء کے لئے بھی بورڈ نے ایک زبردست پروگرام بنا رکھا ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے حکومت نے یہ پروگرام اپنے ۱۵ نکاتی پروگرام میں شامل کیا ہے، (باقی صفحہ ۱۷ پر)

گندی بستیوں کی صفائی: شولاپور نے ایک نیا راستہ دکھایا!

میونسپل کارپوریشن کے ذریعہ جھونپڑ پٹیوں کو ختم کرنے کے لیۓ تیار کردہ عمارت کا افتتاح مرکزی وزیر خارجہ شری وائی۔بی۔چوان کر رہے ہیں۔

گندی بستیوں میں رہنے والوں کیلئے پانی اور سنڈاس وغیرہ جیسی بنیادی ضروریات کی فراہمی کو پانچ سالہ منصوبہ میں ترجیح دی گئی ہے کیونکہ اس سے بہتر زندگی کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ اسی لئے ریاستی حکومت نے آئندہ سال کے سالانہ منصوبہ میں گندی بستیوں کے سدھار کے پروگرام کیلئے ۱۹۸۰ کروڑ روپے کی گنجائش رکھی ہے۔

وزیر اعلیٰ کی اعلان کردہ پالیسی کے تحت جھونپڑ پٹیوں کی بہتری کے لیۓ فی الحال ایک زبردست پروگرام تیار کیا گیا ہے۔ شولاپور میں گندی بستیوں کے رہنے والوں کیلئے ایک کالونی کا قیام اس سمت میں ایک زبردست قدم ہے۔

بارہ لاکھ روپے کی لاگت کے منصوبہ کے تحت دو کمروں پر مشتمل ۱۲۸ مکانات کی کالونی کا افتتاح حال ہی میں شولاپور میں وزیر خارجہ شری وائی۔بی۔ چوان کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ شولاپور شہر کے مضافات میں تعمیر کردہ اس کالونی نے ۱۲۸ خاندانوں کی زندگی میں ایک نئے باب کا اضافہ کردیا ہے جو کہ گندگی اور کیچڑ بھری گندی بستی میں رہنے پر مجبور تھے۔ اُن میں سے کتنے ہی لوگوں نے تو خواب میں بھی نہ سوچا تھا کہ کبھی اُن کو ایک یا دو کمروں پر مشتمل اچھا اور ہوادار مکان اُن کی زندگی میں مل سکے گا جس میں زندگی کی تمام ضروریات موجود ہوں گی۔

اس کا اعزاز حقیقی طور پر شری بھیم راؤ جادھو، شولاپور میونسپل کارپوریشن کے میئر کو جاتا ہے جو کہ خود بنجارا قبائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ انھوں نے خود بھی گندی بستی کی تکالیف اٹھائی ہیں کیونکہ وہ زندگی کے ایک بڑے حصہ تک گندی بستی میں رہ چکے ہیں۔ گندی بستیوں کو ختم کرنے کیلئے پوری کارپوریشن میئر کے پیچھے کھڑی ہوگئی اور شری جادھو نے اس پروگرام پر پوری قوت لگا دی جس کے لئے گندی بستیوں میں سہولیات فراہم کرنے کے لئے خاکہ تیار کیا جا چکا تھا۔

کارپوریشن نے اسکیم کے ساتھ ریاستی حکومت سے رجوع کیا اور اسکیم کے ساتھ رقم بھی منظور کردی۔ جیسے ہی کارپوریشن نے ۱۲۸ مکانات پر مشتمل کالونی کیلئے جگہ تجویز کی۔ اسی وقت سے کام شروع کردیا گیا۔ کام کی رفتار کو یکساں بنائے رکھا گیا حالانکہ سیمنٹ وغیرہ کی کمیابی کی مشکلات درپیش آئیں اور پھر بھی کالونی مناسب وقت میں تیار ہوگئی۔

کالونی کے ہر مکان کا رقبہ ۲۳۴ مربع میٹر اور مکمل فلیٹ ہے۔ اس میں ایک پاخانہ اور

میونسپل کارپوریشن کی جانب سے تیار کردہ عمارات کی تصویر جو کہ جھونپڑ پٹیوں میں رہنے والوں کے لیۓ تعمیر کی گئی ہیں۔

ثقافتی میدان میں نوجوان فنکاروں کو وظائف

کلاسیکل ہندوستانی اور کرناٹک موسیقی، گیت سنگیت (Instrumental & Vocal) مغربی موسیقی، کلاسیکل ہندوستانی ناچ، ڈرامے، روایتی تھیئٹر یعنی کوڈی یتم، یکشگنا وغیرہ فائن آرٹس (مصوری و سنگ تراشی) اور اپلائیڈ آرٹس (بک السٹریشن اور ڈیزائن) کے میدان میں ہونہار نوجوان فنکاروں سے ۵۰ وظائف کے لئے درخواستیں مطلوب ہیں۔

یہ وظائف ہندوستان میں ہی اعلیٰ تربیت کے لئے ہیں اور منتخبہ امیدواروں کو ۱۹۷۶ء انعام کی بنیاد پر جولائی ۱۹۷۶ء سے شروع ہونے والی ٹریننگ کے لئے دیئے جائیں گے۔ یہ وظیفہ ۲۵۰ روپے ماہانہ ہے اور اس کی مدت عام طور پر دو سال ہوگی۔ امیدوار کی عمر یکم جولائی ۱۹۷۵ء تک ۱۸ اور ۲۸ سال کے درمیان ہونی چاہیئے۔

درخواست فارم حاصل کرنے کی آخری تاریخ ۱۵ر اگست ہے اور درخواستیں ۳۱ر اگست ۱۹۷۵ء تک مطلوب ہیں۔ امیدوار درخواست فارم حاصل کرنے کے لئے تحریری درخواست اور اس کے ساتھ اپنا پتہ لکھا ہوا نیز ان اسٹیمپڈ لفافہ (۱۰سم × ۲۳سم) سیکشن آفیسر، ڈپارٹمنٹ آف کلچر، سی اے آئی (ا) سیکشن، روم ۳۳۳ سی ونگ، شاستری بھون، نئی دہلی کے نام بھیجیں۔

اسپورٹس اداروں کو امداد

حکومتِ مہاراشٹر نے مختلف اسپورٹس اداروں اور جماعتوں سے امداد کے لئے درخواست فارم وصول کرنے کی آخری تاریخ ۳۰ر ستمبر ۱۹۷۵ء تک بڑھادی ہے۔

درخواست فارم ڈسٹرکٹ اسپورٹس آفیسر سے اگست کے تیسرے ہفتہ کے دوران حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

پولس والوں کیلئے کوارٹرس

حکومتِ مہاراشٹر نے ضلع کولھاپور میں گادھنگ لاج کے مقام پر ۲۷ کانسٹیبلری کوارٹرس کی تعمیر کے لئے منصوبہ اور ۴۰۰،۶۱،۴ روپے کے تخمینہ جات کو انتظامی منظوری دیدی ہے۔

حکومت نے جلگاؤں پولس ہیڈ کوارٹر میں ۴۴ کانسٹیبلری کوارٹرس میں بجلی کنکشن کے لئے بھی ۱۶۶،۲۳،۱ روپے کے تخمینی مصارف کی منظوری دیدی ہے۔

واگھور منصوبہ کی منظوری

حکومتِ ہند نے ضلع جلگاؤں میں واگھور منصوبہ کو منظوری عطا کردی ہے جس کی تخمینی لاگت ۲۵ء۱۲ کروڑ روپے ہے۔ اس منصوبہ کے تحت ضلع کے بھساول تعلقہ میں ورہد کے نزدیک واگھور ندی پر ایک تالاب ۲ء۹۰ ٹی ایم سی تعمیر کیا جائیگا جس سے تقریباً ۱۸,۵۶۷ ہیکٹر زمین پر سینچائی ہوسکے گی۔ یہ پروجیکٹ ریاست کے پانچ سالہ منصوبہ میں شامل ہے۔

نہ جیسی سہولت ہے جس کے
ونپڑوں میں رہنے والوں نے کبھی
یں تھا۔ کالونی میں پختہ سڑکیں،
روشنی کا مناسب انتظام ہے۔
اا مکانوں کی ایک کالونی شولاپور
تعمیر ہے۔
میونسپل کارپوریشن نے ۱۹۷۴-۷۵ء
گندی بستیوں میں سڑکیں، بدرویں،
سنڈاس اور غسلخانے فراہم کرنے
لاکھ روپے خرچ کئے ہیں۔ کارپوریشن
میں رہنے والوں کی زندگی سدھارنے
لیا ہے اور اب جھونپڑوں میں
نے بھی سمجھ لیا ہے کہ کارپوریشن
کے رہے گی۔

گندی بستیوں کا سُدھار

اس بات کی سخت فکر ہے کہ کم سے کم وقت
کی آبادی کے بڑے سے بڑے حصے کو اس
سلم امپروومنٹ بورڈ نے تیار مال کیلئے مال
سے ٹھیکہ کیا ہے جس سے کام نہ صرف تیزی
گا بلکہ بہتر بھی ہوگا۔ ●●

یکساں نظامِ تعلیم

اعلیٰ ثانوی درجہ سے متعلق حکومت کے فیصلے میں تبدیلی!

حکومتِ مہاراشٹر نے یکساں نظامِ تعلیم میں اعلیٰ ثانوی درجہ سے متعلق اپنے بعض سابقہ فیصلوں میں تبدیلیاں کردی ہیں ۔

اس تبدیلی کے مطابق لڑکیوں اور اقلیتوں کے اعلیٰ ثانوی اسکولوں اور درج فہرست علاقوں میں واقع اسکولوں کے علاوہ تعلیمی طور سے پسماندہ آٹھ ضلعوں میں ایسے مقامات پر جہاں کی آبادی ۱۰،۰۰۰ یا اس سے کم ہے، اعلیٰ ثانوی جماعتوں کے لئے طلبہ کی تعداد ۴۰ سے ۵۰ تک ہونا چاہیئے اور اوسط حاضری کم سے کم ۳۰ ہونی چاہیئے ۔ تعلیمی طور پر یہ پسماندہ علاقے قلابہ، چندرپور، بھنڈارہ، ایوت محل، ناندیڑ، پربھنی، بیڑ اور اورنگ آباد اضلاع ہیں ۔

مقررہ چھ زبانوں میں ذریعۂ تعلیم کے علاوہ کنڑ کو بھی اعلیٰ ثانوی درجہ میں ذریعہ تعلیم کی اجازت ہوگی ۔ اسی طرح اگر کسی دیگر زبان کو دسویں تک ذریعۂ تعلیم کی اجازت ہے تو اسے اعلیٰ ثانوی درجہ میں ذریعۂ تعلیم رکھنے کی اجازت ہوگی لیکن اس شرط پر کہ منتظمینِ اسکول مہاراشٹرا سٹیٹ بورڈ برائے ثانوی تعلیم کی منظوری پر تمام معیاری نصابی کتابیں ترجمہ کرائیں اور اپنے خرچ پر انھیں چھپوائیں ۔ نیز کم سے کم حاضری اور دیگر متعلقہ معاملات میں قواعد و ضوابط کی تعمیل کریں ۔

آرٹس اور سائنس یا کامرس سلسلہ کیلئے ایک ادارہ مختلف ذریعۂ تعلیم، دستیابی اسٹاف اور طلبہ کے مطالبہ کو مدنظر رکھ کر اپنا سکتا ہے ۔

ماہرین کمیٹی برائے اعلیٰ ثانوی تعلیم کے مشوروں کو مدنظر رکھتے ہوئے اور نئے دس سالہ نظامِ تعلیم کے تحت ہشتم تا دہم جماعتوں کے لئے اسکولوں میں فی الحال سائنس کے سازوسامان کی موجودگی کی وجہ سے انھیں سائنس لیبوریٹریوں کے لئے اب مزید سامان کی خریداری پر بڑی رقم صرف کرنے کی ضرورت نہ ہوگی ۔ لہٰذا یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ ۸،۵۰۰ روپوں کی حد تک امداد ان اسکولوں کو دی جائے ۔ اس میں تقریباً ۲،۸۳۰ روپے کی حد تک رقم اسکولوں کے منتظمین ۷۵ فیصدی اور ۲۵ فیصدی تناسب کے حساب سے بڑھا سکتے ہیں ۔

لیبوریٹری اسسٹنٹ اسکیل : ۱۵۰—۲۲۵ روپے کی بجائے ۱۱۵—۲۲۵ روپے کردیا گیا ہے ۔ اس عہدہ پر مقرر کیا جانے والا امیدوار کم سے کم ایس ۔ ایس ۔ سی یا کیمسٹری اور فزکس کے ساتھ مساوی امتحان میں پاس ہونا چاہیئے ۔

مخصوص شعبہ میں اختیاری مضمون کم سے کم ۲۰ طلبہ کی موجودگی میں جاری کرنے کی اجازت ہوگی ۔ کالجوں میں کھولی گئی اعلیٰ ثانوی کلاسوں میں طلبہ کی تعداد ۷۰ یا اس سے زیادہ ہونی چاہیئے ۔ ثانوی اسکولوں میں جاری ہونے والی اعلیٰ ثانوی کلاسوں کے لئے طلبہ کی تعداد ۵۰ تا ۶۰ ہونی چاہیئے ۔ نیز اوسط حاضری کم سے کم ۴۰ ہونی چاہیئے ۔ گرلز ہائی اسکولوں، اقلیتی اسکولوں اور درج فہرست علاقوں میں واقع اسکولوں نیز ایسے علاقوں میں جہاں کی آبادی ۱۰،۰۰۰ یا اس سے کم ہو، ثانوی اسکولوں میں طلبہ کی تعداد ۴۰ تا ۵۰ ہونا ضروری ہے نیز اوسط حاضری کم از کم تیس ہونی چاہیئے ۔

جو ادارے متذکرہ فیصلوں کے تحت طلبہ کی مناسب تعداد نیز اوسط حاضری کی شرط پوری نہیں کرتے وہ کسی بھی قسم کی امداد کے مستحق نہیں قرار دئے جائیں گے ۔

جن اداروں کو آرٹس کی اعلیٰ ثانوی کلاسیں (ڈویژن) چلانے کی اجازت دی گئی ہے اور وہاں مقررہ تعداد میں آرٹس کے طلبہ نہ ہوں تو وہ کامرس کا ڈویژن کھول سکتے ہیں لیکن کامرس یا آرٹس دونوں کے لئے مقررہ تعداد میں طلبہ کا ہونا ضروری ہے ۔

طلبہ کی مقررہ تعداد اور مستند اسٹاف کو مدنظر رکھتے ہوئے ادارہ جات آرٹس یا کامرس کے دو ڈویژن کھول سکتے ہیں ۔ اس طرح کسی ادارے کو جتنے ڈویژن کھولنے کی اجازت دی گئی ہے اس میں کمی و بیشی نہیں ہوگی البتہ ادارہ چاہے تو آرٹس اور کامرس کی کلاسوں میں ردوبدل

کرسکتا ہے۔

ایسا کوئی بھی ادارہ منتخب نہیں کیا گیا ہے جہاں فائن آرٹس، ہوم سائنس اور زراعت کی تعلیم دی جاسکے لیکن آرٹس اور سائنس کالجوں میں یہ مضامین اختیاری مضامین کے طور پر جاری کئے جا سکتے ہیں۔ تاہم مہاراشٹرا سٹیٹ بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن کی مقررہ شرط پوری کرنی ہوگی۔

اعلیٰ ثانوی اسکولوں کے اساتذہ اور لیکچرار کی تعلیمی قابلیت کے متعلق حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ایسے معاملات میں جہاں اساتذہ کی قابلیت میں ڈائرکٹر تعلیم سے اجازت لے کر نرمی کرلی گئی ہے۔ متعلقہ اساتذہ اپنی مقررہ تنخواہ سے ۵۰ روپے ماہانہ زیادہ حاصل کرنے کے مستحق ہوں گے لیکن کسی بھی صورت میں وہ اعلیٰ ثانوی اساتذہ کے اسکیل کے مساوی تنخواہ پانے کے مستحق نہ ہوں گے۔

جواہر لال نہرو یونیورسٹی
میں ریاستی فیلوشپ

حکومت مہاراشٹر نے جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی، میں ریاستی سرکار اسکالرشپ کی رقم یکم جولائی ۱۹۷۴ء سے پہلے دو سال کے لئے ۳۰۰ روپے ماہانہ کی بجائے ۴۰۰ روپے اور باقی دو سالوں کیلئے ۵۰۰ روپے کردی ہے۔

نیز حکومت نے اس یونیورسٹی میں زیر تعلیم مہاراشٹر کے طلبہ کیلئے عارضی امداد کی رقم مذکورہ بالا تاریخ سے بڑھا کر ۱۰۰۰ سے ۱۵۰۰ روپے ماہانہ کردی ہے۔

علاوہ ازیں فیلوشپ کی مدت بھی ۳ سال کے بجائے ۴ سال کردی گئی ہے اور مستحق طلبہ کیلئے مزید چھ ماہ بڑھادی گئی ہے۔ ضروری قانون میں بھی اس طرح ترمیم کردی گئی ہے۔

پونا میٹروپولیٹن ریجنل منصوبہ

حکومت مہاراشٹر نے ڈاکٹر دھننجے راؤ گاڈگل کمیٹی کی سفارش پر پہلے پونا میٹروپولیٹن ریجن اور بعدازاں پونا میٹروپولیٹن ریجنل بورڈ قائم کیا۔ ریاستی کابینہ نے ۹ جولائی کو بورڈ کی جانب سے پیش کردہ پونا میٹروپولیٹن ریجنل پلان کو منظوری دیدی ہے۔

پونا میٹروپولیٹن ریجن کا رقبہ ۱۵۱۳ مربع کلومیٹر ہے جس میں پونا میونسپل کارپوریشن کے علاقوں کے علاوہ پونا، دیہو روڈ، کھڑکی کنٹونمنٹ بورڈز، تلے گاؤں، دبھاڑے اور آلندی میونسپل کونسلز، بھوساری، پمپری، چنچوڈ میونسپلٹیز، پمپری چنچوڈ نیوٹاؤن ڈیولپمنٹ اتھارٹی اور دیگر ۱۲۷ مواضعات شامل ہیں۔

اس خطہ کا منصوبہ ۱۹۹۱ تک ۱۲ سال کی مدت کیلئے بنایا گیا ہے۔

راجہ رام موہن رائے فاؤنڈیشن کیلئے ریاستی حکومت کی امداد

حکومت مہاراشٹر نے ملک میں لائبریری خدمات کی ترقی کی خاطر نیشنل لائبریری کلکتہ میں حکومت ہند کے قائم کردہ خود مختار ادارہ راجہ رام موہن رائے فاؤنڈیشن کو ۷۶-۱۹۷۵ء کے لئے ریاستی حکومت کی جانب سے ۲ لاکھ روپوں کی امدادی رقم دینے کی منظوری دے دی ہے۔

ہریجنوں کو مفت قانونی امداد

مہاراشٹر کے تمام ضلعوں میں ہریجنوں کو مفت قانونی امداد دینے کی اسکیم مارچ ۱۹۷۶ء تک جاری رکھی جائے گی۔

حکومت مہاراشٹر کی جانب سے ہریجنوں کو ایذا رسانی کے واقعات میں معاوضہ نقصان کا دعویٰ کرنے کی غرض سے دیوانی کارروائی کے لئے مفت قانونی امداد دی جائے گی۔

کاشتکاروں کو کھاد

بلڈانہ ضلع پریشد کے چیف ایگزیکیٹو آفیسر شری دی۔ جی۔ بنسوڑ کی اطلاع کے مطابق کاشتکاروں کو ۶۰ لاکھ روپے کی قیمت کی کیمکل کھاد اور ۲۰ لاکھ روپیوں کی قیمت کی جراثیم کش ادویات۔ کپاس کی فروخت پر ان کی ۲۰ فیصدی ڈپازٹ رقم میں سے فراہم کی گئی ہیں۔

امداد باہمی شکر کارخانے
مالی امداد کے طریقہ کار میں تبدیلی

حکومت مہاراشٹر نے ریاست میں امداد باہمی کارخانوں کو مالی امداد دینے کے طریقہ کار میں تبدیلی کردی ہے۔ تعمیری کاموں، مشینری کی قیمتوں اور کارخانوں کے منصوبہ کی بڑھتی ہوئی لاگت کے مدنظر حکومت نے زیادہ فراخدلی سے امداد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

تبدیل شدہ طریقے کے تحت سرکاری حصۂ سرمایہ کی رقم ترقی یافتہ علاقوں میں کارخانوں کے لئے ۴۵ لاکھ روپوں سے بڑھا کر ۸۰ لاکھ روپے کردی گئی ہے جبکہ پسماندہ علاقوں میں یہ امداد ۶۰ لاکھ روپوں سے بڑھا کر ۱۰۰ لاکھ روپے کر دی گئی ہے۔ نیز حکومت کے اپنے حصے کے طور پر رقم دینے کے طریقے میں بھی نرمی کردی گئی ہے۔

مفاد عامّہ خدمات

حکومت مہاراشٹر نے ہوائی جہاز بنانے والی صنعت کو چھ ماہ کے لئے مفاد عامّہ کی خدمات قرار دے دیا ہے۔

●●

۵۵ ویں سالگرہ پر مبارکباد
شری چوان نے شکریہ ادا کیا

وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری شنکر راؤ چوان نے ۱۴ر جولائی ۱۹۷۵ء کو اپنی ۵۵ ویں سالگرہ کے موقع پر مبارکباد دینے والے تمام حضرات کا شکریہ ادا کیا۔

انھوں نے اپنے پیغام میں کہا کہ میں ان تمام لوگوں کا جنھوں نے میرے یوم پیدائش پر بذات خود آکر مبارکباد دی یا دیگر ذرائع سے مبارکباد کے پیغام بھیجے ہیں، دل سے شکر گذار ہوں۔ انہوں نے مجھ سے جس محبت اور شفقت کا اظہار کیا ہے اس کے مدنظر میرا فرض ہے کہ میں ان کی توقعات پوری کرنے کی حتی المقدور کوشش کروں۔

چیرمین کا تقرر

حکومت مہاراشٹر نے سکریٹری، ہوم ڈپارٹمنٹ ۱۱ کو ٹیکنیکل ماہرین کمیٹی برائے شعار تھانہ کھاڑی آلباس نلی۔ بیین کھاڑی اور دھرمتر کھاڑی، کا چیرمین مقرر کیا ہے۔

۱۴ر جولائی ۱۹۷۵ء کو مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان کی ۵۶ ویں سالگرہ کے موقع پر مہاراشٹر پردیش کانگریس کمیٹی کے صدر شری پی۔ کے۔ ساونت وزیر اعلیٰ کو مبارکباد دے رہے ہیں۔ تصویر اسی موقع کی ہے۔

محکمۂ تعلیم کے ۲۴۴ افسران کی ترقی روک دی گئی!

وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان نے محکمۂ تعلیم کی انتظامیہ شاخ کے درجہ دوم کے ۲۴۴ افسران کی ترقی روک دی ہے۔

اس سلسلہ میں جب وزیر اعلیٰ کے سامنے ناانصافی کے بعض واقعات پیش کیے گئے تب انھوں نے یہ قدم اٹھایا۔

غذائی پیداوار اسکیم کی امداد کیلئے ثقافتی پروگرام

ثقافتی پروگرام 'امیج آف انڈیا' کے پروڈیوسر شری یوگیندر ڈیسائی اور مشہور فلمسٹار کماری آشا پاریکھ نیز مشہور رقاص شری گوپی کرشن نے گذشتہ ۱۰ر جولائی کو وزیراعلیٰ شری شنکر راؤ چوان کو اُن کی رہائش گاہ پر ایک ملاقات کے دوران یہ یقین دلایا کہ وہ مہاراشٹر میں چھ مختلف جگہوں پر یہ پروگرام پیش کریں گے۔

یہ پروگرام عوامی اقدام برائے ترقی (ہند)' مہاراشٹر اسٹیٹ کمیٹی کے ریاستی فنڈ کی امداد کیلئے منعقد کیے جائیں گے۔ جس سے غذائی پیداوار بڑھاؤ اسکیم کیلئے امداد کی جائے گی۔

اس موقع پر شری ایس۔جی۔پوار، وزیر زراعت وچیرمین پی۔اے۔ڈی (آئی) 'مہاراشٹر کمیٹی' شری دی۔ایس۔پاگے 'چیرمین' ایم۔ایل۔سی 'شری بی۔جے۔کھتال' وزیر مملکت برائے اطلاعات و پبلسٹی' شری کے۔ایم۔پاٹل' وزیر مملکت برائے زراعت و آبپاشی اور شری پی۔کے۔ساونت' صدر مہاراشٹر پردیش کانگریس کمیٹی بھی موجود تھے۔

اوپر: اناج کی پیداوار بڑھانے کی مہم میں تعاون دینے کی غرض سے چھ کلچرل پروگرام پیش کرنے کی یقین دہانی ۱۰ر جولائی کو مشہور کلاکاروں نے وزیراعلیٰ شری شنکر راؤ چوان کو دی۔ اس موقع پر مشہور فلمی اداکارہ آشا پاریکھ نے وزیراعلیٰ کو پھولوں کا گلدستہ پیش کیا۔ تصویر اسی موقع کی ہے۔

نیچے:۔ خواتین کے بین الاقوامی سال کے تحت ۱۲ر جولائی ۱۹۷۵ء کو سچیوالیہ میں ریاستی سطح کے ایک سیمینار کا افتتاح شریمتی پرتبھا پاٹل' وزیر سماجی بہبود نے کیا۔ تصویر میں (بائیں سے دائیں) وزیر مملکت برائے سماجی بہبود شری سوشیل کمار شندے' شریمتی انجاگر اور مرکزی سماج کلیان منڈل کی صدر شریمتی سروجنی ورد پن نظر آرہی ہیں:

وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری شنکر راؤ چوان کی ۵۶ ویں سالگرہ پر ۱۴ جولائی ۱۹۷۵ء کو مرکزی وزیر مالیات شری سی۔ سبرامنیم نے وزیر اعلیٰ کی رہائش گاہ ’سہیادری‘ پر جا کر اُن کو مبارکباد پیش کی۔ تصویر میں شریمتی کسم تائی چوان بھی نظر آرہی ہیں۔

ملازمین کی ریاستی بیمہ اسکیم کے تحت مخصوص ہسپتال کی تجویز پر حکومت غور کرے گی

حکومت مہاراشٹر ملازمین کی ریاستی بیمہ اسکیم کے تحت حادثات میں متاثرین کے علاج کے لئے اور معذوروں کی بحالی کے لئے ایک مخصوص ہسپتال کے قیام کی تجویز پر یقینی طور پر غور کرے گی۔

شری ایس۔ بی۔ پاٹل، وزیر محنت کی زیر صدارت حال ہی میں ہوئے ایمپلائیز اسٹیٹ انشورنس کارپوریشن کے ریجنل بورڈ کی بیٹھک میں موصوف نے اس بات کا یقین دلایا۔

شریمتی پرتبھا پاٹل، وزیر صحت عامہ اور ڈاکٹر لیون ڈیسوزا، وزیر مملکت برائے صحت عامہ بھی اس بیٹھک میں موجود تھے۔

اس بیٹھک میں اس بات کا بھی فیصلہ کیا گیا کہ بمبئی میں بیمہ شدہ ملازمین کے لئے ایمبولینس کی سہولتیں بڑھائی جائیں جس کے لئے چار نئے ایمبولینس کا آرڈر دیا جا چکا ہے۔

بورڈ نے ملازمین کی ریاستی بیمہ اسکیم کے تحت دکھرولی اور باندرہ میں مجوزہ ہسپتالوں کے لئے حصول اراضی سے متعلق مسئلہ پر بھی غور کیا۔

ڈاکٹر لیون ڈیسوزا نے ممبران کو اس بات کا یقین دلایا کہ وہ ایمبولینس کی فراہمی اور مجوزہ ہسپتالوں کے لئے اراضی کے حصول کیلئے پوری کوشش کریں گے۔

بیٹھک نے ریاستی بیمہ اسکیم کے تحت صنعتی ملازمین کے فوری رجسٹریشن کے طریقوں پر بھی تبادلۂ خیال کیا۔

گرام پنچایتوں کو انعامات

حکومت ہند کی اسکیم برائے سال ۷۴-۱۹۷۳ء کے تحت ریاستی سطح پر تین گرام پنچایتوں نے انعامات حاصل کئے۔ ضلع پونا میں واقع بیلہے گرام پنچایت نے ۱۰۰۰ روپے کا اول انعام، ضلع شولاپور میں واقع ناتے پوتے گرام پنچایت نے ۵۰۰ روپے کا دوسرا انعام اور ضلع رتناگیری میں ہیڈاوی گرام پنچایت نے ۳۰۰ روپے کا تیسرا انعام حاصل کیا۔ انعامات ان گرام پنچایتوں کو قومی بچت سرٹیفکیٹ کی شکل میں دئے جائیں گے۔ ●●

اڑیسہ کے گورنر شری اکبر علی خان نے ۱۰ جولائی ۷۵ء کے دن مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان سے موصوف کی قیام گاہ ’سہیادری‘ پر ملاقات کی۔ یہ تصویر اسی موقع کی ہے۔

مہاراشٹر
اردو اکادمی کی خبریں

ہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی
ں سرگرمیوں کا آغاز

باری نمائندوں سے خواجہ عبدالغفور کی ملاقات

۱۰ر جولائی ۱۹۷۵ء کو صبح ۱۱ بجے جناب خواجہ عبدالغفور، سکریٹری جنرل ایڈمنسٹریشن ڈپارٹمنٹ ست مہاراشٹر اور ممبر سکریٹری مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کے دفتر میں اخبارنویسوں کا ایک ع منعقد ہوا جس میں بمبئی کے تقریباً تمام ممتاز صحافیوں اور اخباری نمائندوں نے شرکت کی۔

پروگرام کے مطابق اس پریس کانفرنس سے ی کے چیرمین عالیجناب رفیق زکریا، وزیر محصولات ں ترقیات، یو٘ناٹون شپس، پروٹوکول اور ن خطاب کرنے والے تھے لیکن اسی روز ہ کا اجلاس ہونے کی وجہ سے وزیر موصوف سے قاصر رہے اور ان کی جگہ اکادمی کے رُکن و معتمد نے پریس کانفرنس لی۔

خواجہ عبدالغفور صاحب نے اخبارنویسوں کو بتایا کہ وزیر موصوف اکادمی کے سلسلے میں پریس سے ملنے کے خواہشمند تھے لیکن کابینہ کی میٹنگ کے باعث وہ قاصر رہے تاہم بہت جلد وہ اخباری دوستوں سے ملیں گے۔

خواجہ صاحب نے بتایا کہ یکم جولائی سے اکادمی کے دفتر نے باقاعدہ کام شروع کردیا ہے اور اب ادیبوں اور شاعروں کی مالی امداد نیز کتابوں کی فراہمی کے ذریعہ لائبریریوں کی اعانت کی اسکیم شروع کردی گئی ہے۔

اس میٹنگ میں اخباری نمائندوں نے مشورے بھی پیش کیے اور کئی امور کی وضاحت چاہی۔ مثلاً

پریس کانفرنس کا ایک منظر۔ خواجہ عبدالغفور صاحب (وسط میں) اخباری نمائندوں سے گفتگو میں مصروف ہیں۔ انکی بائیں جانب جناب اللہ ورلاج ماتھر بیٹھے ہیں۔

نقش کوکن کے ایڈیٹر جناب یونس اگاسکر نے مشورہ دیا کہ اکادمی ایک ایسی ریفرنس لائبریری قائم کرے جس سے ادیب، شاعر اور صحافی حسب ضرورت استفادہ کرسکیں۔ اُردو ٹائمز کے نمائندہ حنیف اعجاز صاحب نے مشورہ دیا کہ اکادمی صحافیوں کی مدد کرنے پر بھی غور کرے۔

شاعر کے نمائندہ جناب ناظر نعمان صدیقی نے مشورہ دیا کہ اکادمی اُردو سکھانے کیلئے کلاسوں کا انتظام کرے۔ خواجہ عبدالغفور صاحب نے فرمایا کہ کچھ عرصہ بعد اکادمی اس سلسلے میں قدم اٹھانیوالی ہے۔

اردو رپورٹر کے ایڈیٹر جناب لے رشید نے شکایت کی کہ اکادمی بورڈ میں نہ تو کسی صحافی کو لیا گیا اور نہ انھیں کسی امداد کا مستحق سمجھا گیا۔ سکریٹری صاحب نے اپنے جواب میں کہا کہ عنقریب اکادمی کے صدر اور چیرمین کے سامنے یہ بات رکھیں گے اور اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔

گگن کے ایڈیٹر جناب شمس کنول نے اس بات پر اظہارِ مسرت کیا کہ اکادمی کے دفتری امور کی انجام دہی کے لئے ایک صحافی کو مقرر کیا گیا ہے جو اخباری دنیا کے جانے پہچانے شخص ہیں۔

اس میٹنگ میں حکومت مہاراشٹر کے چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز جناب ایشور راج ماتھر بھی موجود تھے۔ اردو اخباروں کے نمائندوں نے ان سے متعدد مسائل پر بحث کی اور ماتھر صاحب نے اپنے بھرپور تعاون کا وعدہ فرمایا۔

قلمی معاونین سے ازراہ کرم اپنی تخلیقات کے خاتمہ پر یا پشت پر اپنا مکمل پتہ ضرور تحریر فرمائیں۔ قلمی نام کے ساتھ اصل نام بھی درج فرمائیں۔ ناطلبیدہ مضامین کی ایک نقل اپنے پاس ضرور رکھیں۔

اکادمی کا پروگرام

فوری طور پر اکادمی مندرجہ ذیل سرگرمیاں شروع کرنے والی ہے:

(۱) ایسے ادباء و شعراء کو مالی امداد کی فراہمی جو اپنی تخلیقات شائع کرانے کے خواہشمند ہوں لیکن مالی دشواریوں کی وجہ سے ایسا کرنے سے قاصر ہوں۔ مسودوں کا قابل اشاعت ہونا شرط ہے۔

(۲) ایک معیاری اُردو مراٹھی سیلف ٹیچر اور ایک معیاری مراٹھی اردو سیلف ٹیچر کی تیاری اور اشاعت۔

(۳) ریاست کی اُردو لائبریریوں کو کتابوں کی فراہمی کے ذریعے ان کی امداد۔

(۴) (الف) "مہاراشٹر میں اردو" کے زیرعنوان مواد کی فراہمی اور اس کی اشاعت یہ کام ڈاکٹر عبدالستار دلوی کو سونپا جائے گا۔

(ب) ایسے کلاسیکی ادب کے بارے میں رپورٹ تیار کرنا جس کی ازسرنو تدوین اور اشاعت ضروری ہے۔ یہ کام جناب علی سردار جعفری کو سونپا جائے گا۔

(۵) ایک مختلف اللسانی مشاعرہ کا انعقاد جس میں اردو، ہندی، مراٹھی، گجراتی اور سندھی کے شعراء حصہ لیں گے۔

(۶) مراٹھی کے ڈراموں کا اردو میں اور اُردو نظموں اور افسانوں کا مراٹھی میں ترجمہ کرانا۔ اس مقصد کیلئے دو ضمنی کمیٹیاں ترتیب دی جارہی ہیں جو کتابوں کا انتخاب کریں گی اور مترجمین کے نام تجویز کریں گی۔

(۷) مراٹھی اور اردو کلاسوں کا اجراء۔ یہ ذمہ داری ہندوستانی پرچار سبھا کو سونپی جائے گی اور انھیں اس کام کے لئے اکادمی مالی امداد فراہم کرے گی۔

★

ادباء و شعراء

مالی امداد کے لئے درخواست دیں

مہاراشٹر اُردو اکادمی ایسے ضرورتمند ادیبوں اور شاعروں سے درخواستیں طلب کرتی ہے جو اپنی تخلیقات کی طباعت و اشاعت کے لئے اکادمی سے مالی امداد کے متمنی ہیں۔ درخواستگذار ریاست مہاراشٹر کے باشندے ہوں۔ تخلیقات کا معیاری ہونا شرط ہے۔

اکادمی کے دفتر میں درخواستوں کی موصولی کی آخری تاریخ ۳۱ راگست ۱۹۷۵ء ہے۔ مسودوں کے ہمراہ درخواستیں حسب ذیل پتہ پر ارسال کی جائیں۔

سکریٹری، مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی
جی-لے-ڈی، روم ۵۱۷ سچیوالیہ - بمبئی ۴۰۰۰۳۲

لائبریریوں کو اطلاع

ریاست مہاراشٹر میں قائم اردو لائبریریوں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ اگر وہ مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کی امدادی اسکیم سے فائدہ اٹھانے کی خواہشمند ہوں تو اپنی درخواستیں سکریٹری اردو اکادمی کے نام روانہ کریں۔ درخواست میں لائبریری سے متعلق تمام تر تفصیلات درج ہونی چاہئیں۔ مثلاً کتنے عرصہ سے قائم ہیں۔ آیا رجسٹرڈ ہیں یا نہیں۔ کس علاقے کو مستفید کرتی ہیں وغیرہ۔

اکادمی کے دفتر کا قیام

مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی اس ماہ سے سرگرم عمل ہوگئی ہے۔ اکادمی کے بورڈ کے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے اور عوام سے رابطہ رکھنے کی غرض سے اکادمی کا دفتر سچیوالیہ کے روم ۵۱۷ (پانچویں منزل) میں قائم کردیا گیا ہے۔ اکادمی کے ایگزیکیوٹیو آفیسر کی حیثیت سے معروف صحافی جناب سردار عرفان کا تقرر عمل میں آیا ہے جن سے اکادمی کے دفتر میں ربط قائم کیا جاسکتا ہے۔

فہرست

جلد: ۲ شمارہ: ۱۶ قیمت فی پرچہ: ۵۰ پیسے ؛ سالانہ: ۱۰ روپے

زیرِ نگرانی: خواجہ عبدالغفور آئی اے ایس

ترسیلِ زر اور مراسلت کا پتہ: چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومتِ مہاراشٹر، سچیوالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا۔

۱۹۷۵ء کا یوم آزادی ہندوستان کی تاریخ میں یادگار رہے گا۔ اس سے قبل بھی ہم نے آزادی کے کئی جشن منائے۔ لیکن اس بار یوم آزادی جس قدر بامعنی ٹھوس اور پُرمسرت ہے سابقہ جشن اسکے پاسنگ بھی نہیں۔

کیونکہ امسال ہمیں آزادی ملی ہے ان رجعت پرست عناصر سے جو آزادی اور جمہوریت سے بھرپور فائدہ اٹھاکر خود آزادی اور جمہوریت کا گلا گھونٹ رہے تھے جو آزادئ تحریر و تقریر کے نام پر ملک میں انتشار و بغاوت کے شعلے بھڑکانے میں مصروف تھے۔

امسال ہمیں آزادی ملی ہے ان استحصال کنندگان سے جو اپنی لوٹ کھسوٹ سے ملک کو کنگال بنائے ہوئے تھے۔ جنھوں نے ذخیرہ اندوزی، کالا بازاری اور ملاوٹ کے ذریعہ اس ملک اور قوم کی رگوں سے لہو نچوڑ لیا تھا۔

امسال ہمیں آزادی ملی ہے ان فرقہ پرستوں سے جو طرح طرح کے خطرناک نعرے بلند کرکے اس ملک کی تہذیب اور ثقافت کے ماتھے پر کلنک لگا رہے تھے، جو دین اور دھرم کا نام لے کر نفرت کا بازار گرم کرتے تھے اور برتری و خودپسندی کے جذبہ سے سرشار معصوم انسانوں کے خون سے ہولی کھیلنے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔

امسال یوم آزادی ایک انوکھے موقع پر آیا ہے۔ ایسے موقع پر جب ملک میں دوہری ہنگامی صورتحال نافذ ہے۔ جب ملک و قوم نے خارجی اور داخلی غنیموں سے بیک وقت نپٹنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔

اور امسال یوم آزادی ملک کے طول و عرض میں ایک عجیب سا سکون دیکھ رہا ہے۔ اس نے فضا کو ایک نئے جذبۂ عمل سے معمور پایا ہے۔ اسے ہندوستان کا ہر فرد ایک انوکھے اور خوشگوار احساس ذمہ داری سے سرشار نظر آیا ہے۔ شاید پہلی بار ہندوستانی قوم جسے دنیا باتونی اور کاہل کہتی تھی، فکر و عمل کی ایسی اعلیٰ بلندیوں پر نظر آرہی ہے اور اس نے تساہل، بے نیازی اور یاوہ گوئی کو خیرباد کہہ کر متانت و بردباری اور حرکت و عمل کو گلے لگالیا ہے۔

اور ملک میں نئے اقتصادی پروگرام کے اعجاز سے اطمینان اور امید کی ایک نئی روشنی نظر آرہی ہے۔ اس کا اُجالا شہروں کے پچھواڑے کی تاریک گلیوں سے دیہاتوں کے تنگ و تیرہ جھونپڑوں تک پہنچ رہا ہے۔

امید ——— جو زندگی کی محرک ہے، اس کا مدار ہے
ایک بار پھر زندہ ہوگئی ہے۔

عمل ——— جو تقدیریں بدلنے کی کلید ہے
ایک بار پھر سرگرم ہوگیا ہے۔

اس یوم آزادی نے ارضِ ہند کی فضا میں یہ نئی تبدیلیاں دیکھی ہیں اور وہ مسرور ہے کہ ایک نئے دور کا آغاز ہوا ہے۔ ایک نیا سورج طلوع ہوا ہے اور ایک عظیم قوم کی زندگی ایک نئی کروٹ لے رہی ہے۔

یوم آزادی کے موقع پر وزیر اعلیٰ کا پیغام

دوستو !

آزادی کی اس اٹھائیسویں سالگرہ کے موقع پر میں آپ سب کو دلی مبارکباد اور نیک خواہشات پیش کرتا ہوں۔ ایمرجنسی کے اعلان کے کارن اس موقع پر ہونے والی خوشی میں کسی طرح کوئی کمی نہیں ہوئی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس وقت لازمی طور پر ایک ایسا واتاورن پیدا ہوگیا ہے جس کی وجہ سے ہماری خوشیاں دوبالا ہوگئی ہیں۔ اس نئے دور کی شروعات کے ساتھ جسے ونوباجی نے 'انوشاسن پرو' یا ڈسپلین کا دور کہا ہے، صحیح معنوں میں امن وشانتی اور تخلیقی جدوجہد کے دور کی بنیاد پڑی ہے۔ اس سے اس انقلاب کے لئے راستے کھل گئے ہیں جو بہت ضروری ہے اور جس کا ہمیں ایک مدّت سے انتظار ہے۔ انقلاب ان لوگوں کے خوابوں کا انقلاب نہیں ہوگا جن کے کارن ہنگامی حالات کا اعلان ضروری ہوا۔ بلکہ یہ وہ انقلاب ہوگا جس کا بہت سوں نے ذکر کیا ہے اور خواب دیکھے ہیں۔ لیکن جس کے لئے بہت کم لوگوں نے ایمانداری سے کوشش کی ہے۔

پردھان منتری نے ایک ایسی جدوجہد میں شرکت کے لئے سارے ملک کو دعوت دی ہے جس سے زندگی کو بہتر بنانے اور ملک کو بلندیوں تک پہنچانے میں خاص مدد ملے گی۔ اس قومی تعمیر کے کام میں مہاراشٹر کے لوگ کسی سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ یہ پیغام ایک ایسی بہتر زندگی کا پیغام ہے جو چند مخصوص لوگوں کے لئے نہیں بلکہ ان بہت سارے لوگوں کے لئے ہوگی جنھیں کھانے کو روٹی اور رہنے کو جگہ نہیں اور جو صحتمند زندگی کی سہولتوں بلکہ ہر اچھی چیز کو ترس رہے ہیں۔ ہمیں کوشش کرنا چاہیے کہ بھلائی ہر انسان تک پہنچے۔ "آخری حد تک" جیسا کہ رسکن نے کہا اور جس کی گاندھی جی نے بھی خواہش کی تھی۔ اگرچہ کہ یہ بہت بڑا کام ہے اور ایک مقررہ وقت کے اندر اس کو پورا کرنا ہماری

طاقت سے باہر ہے، پھر بھی ہمیں اتنا تو کرنا چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کی زندگی سدھر جائے۔

آنجہانی محترم پنڈت جی ہمارے بڑے ترقیاتی کارناموں کو ہندوستان کے جدید مندر کہا کرتے تھے۔ یہ مناسب رہے گا کہ ہم ایمرجنسی کے ۲۰ نکاتی پروگرام کو جدید گیتا کہیں۔ شری کرشن نے ارجن کو نصیحت کی تھی: "اپنے فرض سے منہ مت موڑو، چاہے وہ کتنا ہی مشکل ہو" اسی طرح آج ہمیں ان بہت سارے مسائل کا مردانہ وار مقابلہ کرنا اور ان کو زیر کرنا ہے جو ہماری ترقی اور سدھار کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں۔

اس سال کے شروع ہی میں قدرت نے ہماری مدد کی ہے کہ وقت پر کافی بارش ہوئی اور ان علاقوں میں ہوئی ہے جہاں پر اس کی سخت ضرورت تھی۔ جس سے ہم امید کر سکتے ہیں کہ اس سال ہمارا ۸۵ لاکھ ٹن اناج کی پیداوار کا جو نشانہ ہے وہ پورا ہوگا۔ شکر ہے کہ اس برسات کی وجہ سے ریاست کے زیادہ تر حصوں میں بیج بونے کے کام وقت پر شروع ہوئے اور آگے بڑھ رہے ہیں۔ تالاب اور رساؤ تالاب جو بھر کر بہہ رہے ہیں ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک، دل کو سرور اور روح کو بالیدگی عطا کر رہے ہیں۔ ہر نعمت کے ساتھ زحمت بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض ضلعوں میں ضرورت سے زیادہ بارش کی وجہ سے بیج بونے کے کاموں میں رکاوٹ پیدا ہوئی۔ جن لوگوں کو ایسی کٹھنائی پیش آئی ہے ہم اُن کی امداد کریں گے۔

جیسا کہ میں نے کہا کہ قدرت ہم پر مہربان ہے۔ لیکن یہ ٹھیک نہیں کہ ہم صرف قدرت پر ہی بھروسہ کریں۔ ہمارا یہ مقصد بھی نہیں ہے۔ ہمیں کام کرنا چاہیئے، ہمت اور حوصلے سے کام لینا چاہئے اور جدید طریقے استعمال کرنا چاہئے۔ چنانچہ ہم نے اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کئی قدم اٹھائے ہیں۔ ہم نے ایسی شرائط عائد کردی ہیں جن کی وجہ سے زیر آبپاشی علاقوں میں زیادہ سے زیادہ اناج اگایا جائے گا۔

ربیع کی فصل کے لئے ہم نے نہری پانی کی سہولتیں مہیا کی ہیں، اس شرط پر کہ وہ موسم خریف میں اناج کی فصلوں کے لئے استعمال کیا جائے گا اور دونوں موسم میں برابر برابر استعمال کیا جائیگا۔ ڈاونی ملڈیو کے سبب باجرے کی پیداوار میں جو کمی ہوئی اُسے ربیع فصل کے دوران پورا کیا جائے گا۔ ہمیں یقین ہے کہ ان اقدامات کی وجہ سے ہمارے ارادوں اور جدوجہد کی مناسبت سے کافی مقدار میں اناج پیدا ہوگا۔

پیداوار سے متعلق جدوجہد کے ساتھ ہی ساتھ حصولیابی کیلئے بھی کوشش جاری رکھنا ضروری ہے۔ لیوی کے نئے طریقے کی وجہ سے جو محصول اراضی کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ ساڑھے پانچ لاکھ ٹن اناج کی حصولیابی کی امید ہے جبکہ پرانے طریقے سے دو لاکھ ستر ہزار ٹن اناج وصول ہوا تھا۔ لیوی کے اس طریقے کو دوسری ضروری اشیاء مثلاً ونسپتی، کھانے کے تیل، مٹی کے تیل اور اکسرسائز بک پر بھی نافذ کرنے کے سوال پر ہم غور کر رہے ہیں۔ اس طرح آبادی کے ایک بڑے طبقہ کو غیر سماجی عناصر کی لوٹ کھسوٹ سے بچایا جا سکے گا۔

بجلی کی پیداوار بڑھے گی تو صنعتی پیداوار بھی بڑھے گی۔ ایمرجنسی نے تسانتی کا جو واتاورن پیدا کیا ہے اس سے صنعتی پیداوار میں زبردست اضافہ ہوا ہے اور ہڑتالیں، تالہ بندیاں اور صنعتی بے چینی پرانی باتیں ہوگئی ہیں۔ اب مورچوں، دھرنوں اور اس قسم کی باتوں کا زمانہ ختم ہوگیا ہے۔ ایسا ہی ہونا چاہئے تھا اور ایسا ہی رہنا چاہیئے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آنے والے سالوں میں بھی مزدوروں اور مالکوں کے درمیان یہ آدرش رشتہ قائم رہے گا۔ یہ دونوں کیلئے بہتر ہے اور ملک کیلئے بھی۔

۲۰ نکاتی پروگرام میں غریبوں کے لئے فوری طور پر رہائشی جگہیں مہیا کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ ہم ایک قدم آگے بڑھ کر نہ صرف ان کے لئے گھر کیلئے جگہ بلکہ گھر مہیا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس وقت تیس ہزار بے زمین مزدور فخر کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ زمین کے قطعات کے مالک ہیں جن پر ان کے اپنے مکانات ہیں۔ ریاستی حکومت ان لوگوں کی مدد کو بھی پہنچ گئی ہے جو دنیا سے دور پہاڑوں اور جنگلوں میں سخت مشکلوں کی زندگی گذار رہے تھے۔

ایک آنگن اور ایک گھر ان کی زندگی کو کچھ کم دشوار اور کچھ زیادہ قابل برداشت بنا دے گا۔ ہمیں یہی طریقہ اپنانا ہوگا۔ آئندہ چار سالوں میں ہم ریاست کے تمام ۴ لاکھ ۳۰ ہزار بے زمین مزدوروں کو ان کے اپنے گھروں میں آباد دیکھنے کے آرزومند ہیں

یہ آرزو سالانہ ایک لاکھ گھروں کی تعمیر چاہتی ہے اور ہم اس کے لئے پوری طرح تیار ہیں۔ اس پروگرام میں مقامی ماحول ایک خاص اہمیت رکھتا ہے کیونکہ جن کے لئے یہ پروگرام تیار کیا گیا ہے ان میں ایکتا کا جذبہ پیدا کرے گا اور ان میں یہ احساس بھی پیدا کرے گا کہ ان کی خود کی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے جو پروگرام تیار کئے گئے ہیں ان میں مقامی لوگوں کا بھی پورا سہکار ہے۔

ہمیں شہری علاقوں میں بے زمین مزدوروں کے بھائی یعنی گندی بستیوں میں رہنے والے لوگوں کی طرف بھی دھیان دینا ہے۔ آئندہ سال مارچ سے قبل تک ایک لاکھ سے زیادہ آبادی والی گندی بستیوں میں پانی، روشنی اور پکے راستے مہیا کر دئے جائیں گے۔ دیہی مکانات کی تعمیر کے پروگرام میں ہمیں سماجی اداروں، شکر کارخانوں، صنعتی اداروں اور فراخدل افراد کی جانب سے دلی تعاون حاصل ہوا ہے۔ ہمیں شہری علاقوں میں بھی اداروں اور افراد سے اسی طرح کے تعاون کی امید ہے اور مجھے یقین ہے کہ ان کی مدد سے ہم گندی بستیوں کو ایک نیا روپ اور ان کے مکینوں کو ایک نئی زندگی دے سکیں گے۔ ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ تمام میونسپل کاونسلیں اپنی آمدنی کا ایک مناسب حصہ غریب لوگوں پر خرچ کریں۔

دیہی علاقوں میں قرضہ داری ایک جان لیوا مسئلہ ہے۔ چھوٹے کسانوں، بے زمین مزدوروں اور دوسرے غریبوں کو اس شکنجہ سے نجات دلوانا ضروری ہے جس میں مقامی سود خوروں نے انھیں سالہا سال سے جکڑ رکھا ہے۔ ہم ان بے سہارا غریبوں کو اس بوجھ سے چھٹکارا دلانے کا نشچے کر چکے ہیں جسے وہ برداشت نہیں کر سکتے ہیں اور جس کی وجہ سے وہ سماج کا سب سے پچھڑا ہوا طبقہ بن گئے ہیں۔ دیہی علاقوں کی طرح شہری علاقوں کے لوگ بھی غیر ذمہ دار سود خوروں کے شکار ہیں اور دیہی قرضداری کو ختم کرنے والا بل شہری قرضداری کو بھی ختم کرنے کے لئے مؤثر ہوگا۔ مرکزی حکومت کے مشوروں کے ساتھ اس سلسلے میں فوری طور پر ضروری اقدامات اٹھائے جا رہے ہیں۔

وزیراعظم نے شہری زمینوں کے "سماجی کرن" کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ ہمیں اس مسئلہ کا پوری طرح احساس ہے اور ہم نے اپنی ریاست میں ذاتی ملکیت کے ایسے خالی مکانوں کو دوبارہ سرکاری اختیار میں لینے کی اسکیم کو جاری کیا ہے جن کا خالی رہنا کسی طرح مناسب نہیں۔ ایسے موقع پر جبکہ ہزاروں لاکھوں افراد کو رہائش کی جگہ میسر نہیں، ہم چند لوگوں کو ان کی ضرورت سے کہیں زیادہ مکانات رکھنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ چنانچہ ایسے مکانات غریب اور متوسط طبقے کے افراد کے حوالے کر دئے جائیں گے جنھیں ان کی سخت ضرورت ہے۔ یہ راستہ سماجی انصاف اور ایک منصفانہ معاشرے کی جانب ایک درست قدم ہے۔

لیکن فوری اور مؤثر عمل درآمد کے بغیر پالیسیاں اور پروگرام بے معنی ہیں۔ اس مقصد کے لئے انتظامیہ کی طرف بھی دھیان دیا جا رہا ہے تاکہ سرکاری کارروائیاں مختصر مدت میں تیزی کے ساتھ ہو سکیں اور سرکاری ملازمین اسمیں اپنی شرکت کی ذمہ داری کو محسوس کر سکیں۔

میں نے جن باتوں کا ذکر کیا ہے ان کے بارے میں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم یہ سب کچھ سنجیدگی سے کرنا چاہتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اسکے سوا کوئی چارۂ کار ہی نہیں۔ اب جبکہ راہ میں حائل رکاوٹوں کے خاتمہ کے بعد بہتر زندگی کی راہ ہموار ہوگئی ہے اور ہم صحیح معنوں میں آگے شروع کر چکے ہیں۔ پیچھے پلٹ کر دیکھنے کا سوال ہی نہیں، صرف آگے بڑھنا ہے۔ میں اور میرے رفقائے کابینہ ہر ہفتہ معاملات کا جائزہ لیتے ہیں اور ہمارے پیش نظر ہمیشہ آپ لوگ ہوتے ہیں جن کے مسلسل تعاون کے ہم خواہشمند ہیں۔ ہم خود دل و جان سے سرگرم عمل ہوں گے اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ بھی اس میں شامل ہوں۔ جیسا کہ وزیراعظم نے کہا ہے، حکومت صرف رہنمائی کر سکتی ہے، کام کرنے والے تو دراصل ہم سب ہیں۔ البتہ نصب العین کو حاصل کرنے میں حکومت آپ کی پوری مدد کر سکتی ہے اور کرے گی۔ ہنگامی صورتحال نے ہمارے اور آپ کے لئے اپنے اپنے رول کو با نتیجہ طور پر ادا کرنا ممکن بنا دیا ہے۔ خدا ہمیں ایک انصاف پسند معاشرے کی منزل کی جانب تیز رفتاری اور ثابت قدمی سے بڑھنے کی قوت عطا فرمائے۔

گھروں کے لئے مکان

کسی انسان کی یہ خواہش نہیں کہ اس کا ذاتی مکان ہو اور وہ فخر و مسرت سے کہہ سکے "یہ ہے میرا اپنا پیارا گھر"؟ چنانچہ ریاستی حکومت نے اپنے غریبی ہٹاؤ پروگرام کے سلسلے میں بے گھر کھیت مزدوروں کے لئے تعمیر مکان کی ایک اسکیم شروع کی ہے جن کی تعداد ۴ لاکھ سے اوپر ہے۔ ابتک برسات سے قبل تین ماہ کی [illegible] (۳۱) نے ایسے ۲۵,۰۰۰ اشخاص کو [illegible] ستھرے جھونپڑے فراہم کئے ہیں۔ نیز یہ طے کیا ہے کہ جون ۱۹۷۵ء سے مارچ ۱۹۷۶ء تک کی مدت کے دوران ۰۰۰ [illegible] جھونپڑے [illegible] کا زبردست پروگرام شروع کیا جائے۔ حکومت کو یہ بھی یقین ہے کہ دسمبر ۱۹۷۵ء تک تمام بے گھروں کے لئے [illegible]

مزید برآں بے زمین مزدوروں کی حالت سدھارنے کے لئے بھی مختلف اقدامات کئے جائیں گے۔

جرأت مندانہ اقدام

[illegible] مضمون میں بے زمین مزدوروں کیلئے تعمیر مکان اسکیم کے [illegible] پر مختصراً روشنی ڈالی [illegible] ہے بلکہ ایسا جرأت مندانہ اقدام ہے جو ان کی حالت زندگی کو بہتر بنانے اور معاشی بھلائی کی خاطر اٹھایا گیا ہے۔

مہاراشٹر اولین ریاست ہے جس نے ان بے زمین مزدوروں کے لئے گھر مہیا کرنے کا وسیع پروگرام شروع کیا ہے جن کے پاس کوئی گھر نہیں جہاں وہ اور ان کے بال بچے آرام سے رہ سکیں۔ وزیر مالیات شری ایم۔ ڈی۔ چودھری نے اس سال کے بجٹ میں جھونپڑوں کی تعمیر کے لئے ۳ء۱۱ کروڑ روپے کی رقم رکھنے کا اعلان کیا ہے جو ان کو دی ہوئی اراضی پر بنائے جائیں گے۔

وزیر اعلیٰ شری ایس۔ بی۔ چوان نے ۲۱ فروری ۱۹۷۵ء کو اپنے اولین پالیسی بیان میں یہ یقین دلایا کہ دسمبر ۱۹۷۵ء تک [illegible] تمام بے زمین اشخاص کو مکان کے لئے اراضی مہیا کر دی جائے گی اس سے اس قومی مقصد کی تکمیل ہو سکے گی جو [illegible] شریمتی اندرا گاندھی نے رکھا ہے۔

نعمۃ نجاپور (ضلع عثمان آباد) کے [illegible] تامل واڑی میں تعمیر شدہ جدید جھونپڑے جو بے زمین مزدوروں کو رہائش کے لئے دے دیئے گئے ہیں۔

امباڈی تعلقہ بھیونڈی میں بے زمیں مزدوروں کے لئے تعمیر کردہ ہی لسی کا عالیجناب ڈاکٹر رفیق زکریا وزیر محصولات افتتاح فرما رہے ہیں۔

۲ لاکھ سے زیادہ کنبوں کیلئے مکان کی جگہ فراہم

اب تک ریاست مہاراشٹر میں ۴۶۰۵ لاکھ مستحق کنبوں میں سے تقریباً ۲۶۵۴ لاکھ کنبوں کے لئے مکان کی جگہ فراہم کی جا چکی ہے۔ امید ہے کہ دسمبر ۱۹۷۵ء تک بقیہ کنبوں کا کو بھی مکان کی جگہ مل جائے گی۔

بہرحال ایک بے زمین کھیت مزدور کے واسطے محض زمین کا بندوبست کر دینے ہی سے اس کا اصل مسئلہ حل نہ ہوگا' اسے گھر نہیں مل جائیگا۔ مکان کے لئے محض زمین دے دینا بے سود ہے جبکہ وہ اس قابل نہ ہو کہ اس پر ایک چھوٹا سا جھونپڑا ہی بنا سکے جس سے اسے اطمینان و مسرت حاصل ہو۔

وزیرِ محصول کا مشورہ

لہٰذا وزیرِ محصول' ڈاکٹر رفیق زکریا نے یہ خیال پیش کیا کہ مکان کی جگہ سدھارنے پر جو پرانی اسکیم کا جزو ہے' ۱۵۰ روپے کی رقم صرف کرنے کی بجائے زیادہ بہتر یہ ہے کہ یہ رقم اس کے لئے ایک چھوٹا اور سادہ سا جھونپڑا بنانے پر صرف کی جائے۔ جہاں ضرورت ہو وہاں مکان کی جگہ سدھارنے کا کام گاؤں کے لوگوں اور اس سے فائدہ اٹھانے والے اشخاص کے سپرد کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ اسکیم کے تحت تقسیم کئے گئے قطعات پر جھونپڑے تعمیر کرنے کا ایک مثالی پروگرام مارچ ۱۹۷۵ء میں شروع کیا گیا۔ اس پروگرام کے تحت ۱۵۰ روپیہ فی جھونپڑا کی لاگت سے سادہ جھونپڑے (رقبہ ۹ مربع میٹر / ۱۰۰ مربع فٹ) تعمیر کئے جانے تھے۔ نیز مستفیض ہونیوالے بے زمین مزدوروں سے یہ توقع کی گئی کہ وہ مٹی یا مٹی پتھر یا مقامی طور پر روایتاً استعمال ہونے والی اشیاء سے دیواریں بنائیں گے اور چھپر ڈالیں گے۔

اسکیم کی کامیابی

ابتداء میں اس اسکیم کی کامیابی کے بارے میں کافی شک و شبہ تھا لیکن یہ اس وقت دور ہوگیا جبکہ ۱۵ر مارچ ۱۹۷۵ء کو اورنگ آباد کے قریب نکشیتر واڑی اور کنچن واڑی میں وزیراعلیٰ شری چوان نے دس مثالی جھونپڑوں کا افتتاح فرمایا۔ انھیں ان مثالی جھونپڑوں کو دیکھ کر انتہائی مسرت ہوئی جو فی جھونپڑا ۱۵۰ روپے کی لاگت سے بنائے گئے تھے جیسا کہ اسکیم میں گنجائش رکھی گئی ہے۔ ان جھونپڑوں کی تعمیر میں گاؤں والوں نے جس جوش و خروش اور اتحادِ عمل کا اظہار کیا تھا اس سے بھی وہ بہت متاثر ہوئے اور فوراً یہ اعلان کر دیا کہ ریاست کے ہر ضلع میں برسات سے قبل بے زمین مزدوروں کے لئے اس نمونہ کے ۱۰۰ جھونپڑے بنائے جائیں گے۔

اس طرح اسکیم کے آخری شکل پاتے ہی افسران کا یہ فرض ہوگیا کہ وہ اسکیم کے تحت مقررہ نشانہ وقت کے اندر پورا کرنے کے لئے پوری پوری کوشش کریں۔ حکومت نے فی جھونپڑا کے حساب سے صرف ۱۵۰ روپے کی مالی امداد منظور کی تھی جو کافی نہ تھی۔ لہٰذا افسران نے لوگوں سے عطیات لے کر سرمایہ بڑھانے کی کوشش کی۔ خام مال مثلاً بلیاں بانس، اینٹیں اور سوکھی گھاس وغیرہ اکٹھا کرنے کے علاوہ افسران نے مخیر شہریوں اور سماجی جماعتوں سے لاکھوں روپے بھی جمع کئے فرض شناس افسران نے اپنا کام دل و جان سے انجام دیا۔ نتیجہ یہ کہ وزیر اعلیٰ نے ہر ضلع میں ۱۰،۰۰۰ جھونپڑے بنانے کا جو نشانہ رکھا تھا وہ برسات شروع ہونے سے قبل ہی تین ماہ سے بھی کم مدت میں پورا ہوگیا۔

محرک قیادت

اس سلسلے میں کمشنر ناگپور ڈویژن اور کلکٹران بلڈانہ، ایوت محل اور ... کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں جنھوں نے اپنا کام مقررہ مدت کے اندر کر دکھایا۔ نیز دیگر کمشنران اور کلکٹران بھی زیادہ پیچھے نہ رہے۔ بہرصورت وزیر اعلیٰ چوان نے ہر ایک کے دل میں اس کے لئے جوش و ولولہ پیدا کیا۔ اسی طرح وزیر محصول ڈاکٹر رفیق زکریا نے جو اس پروگرام کے نگراں ہیں مسلسل دلچسپی لی۔ اس نمایاں کامیابی کا سہرا انھیں دونوں کے سر ہے۔

زبردست پروگرام

ابتدائی کامیابی اور لوگوں کے تعاون سے حکومت کا حوصلہ بڑھا اور ... نے طے کیا کہ یکم جون ۱۹۷۵ء تا ۳۱ مارچ ۱۹۷۶ء کے

...ارا لھیسڑی تعلقہ ملکاپور میں تعمیر کردہ ایک نیا مکان

دوران مزید ... ۱۰۰ جھونپڑے تعمیر کرنے کا اور بھی بڑا پروگرام شروع کیا جائے۔

لہٰذا حکومت نے شری دی۔ بی۔ پاٹل، وزیر آبپاشی کی زیر صدارت کابینہ کی ضمنی کمیٹی قائم کی تاکہ وہ اس پروگرام کو بہ سرعت زیر عمل لانے کا ذریعہ اور طریقہ بتائے نیز مہاراشٹر میں گاؤں کے غریبوں کی بحالی اور ان کی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے مناسب اقدامات تجویز کرے۔

شری وی۔ ایس۔ پاگے، چیرمین لیجسلیٹو کونسل نے بھی نمایاں حصہ لیا اور اُن بے زمین اشخاص کی حالت سدھارنے کے لئے متعدد اقدامات تجویز کئے جنھیں اب اپنا گھر مل جائیگا۔ کابینہ ضمنی کمیٹی نے اپنے اجلاس میں غور و خوض کیا اور جھونپڑوں کی بہتر تعمیر، اس پروگرام میں مقامی لوگوں کی شرکت اور بے زمین اشخاص کو کام کی سہولتیں بہم پہنچانے کے لئے سفارشات پیش کیں۔

ریاستی کابینہ کے منظور کردہ اس پروگرام کے مطابق اب ہر ضلع میں کم سے کم ۳،۰۰۰ جھونپڑے بنائے جائیں گے تاہم جہاں بے زمین اشخاص کی تعداد ۳،۰۰۰ سے کم ہے وہاں یہ تعداد اسی لحاظ سے محدود ہوگی۔ حلقہ وار اعداد یہ ہیں ناگپور - ۳۲،۰۰۰، پونا - ۲۴،۰۰۰، بمبئی - ۲۴،۰۰۰ اور اورنگ آباد - ۲۰،۰۰۰

سماجی اور خیراتی اداروں کا تعاون

کئی سماجی ادارے اور خیراتی ادارے مثلاً لائینس کلب، روٹری کلب اور یوتھ کانگریس اس نیک کام میں امداد کے لئے آگے بڑھے۔ وزیر امداد باہمی شری وائی۔ جے۔ موہیتے کی زیر قیادت امداد باہمی شکر کارخانوں جیسے عوامی اداروں نے اپنے فنڈ سے دو تین کروڑ روپے کی رقم دینے کے لئے آمادگی ظاہر کی ہے جس سے ان کے حلقہ میں نیز دیگر حلقوں میں بھی رہنے والے بے زمین اشخاص کے کنبوں کے لئے ایسے زیادہ بہتر جھونپڑے بنائے جائینگے۔ بہرحال یہ جھونپڑے ۱۰۰،۰۰۰ کے نشانہ کے علاوہ ہوں گے جو ریاستی حکومت نے اس سال کے لئے رکھا ہے۔ اس طرح مہاراشٹر میں

۳۱/ مارچ ۱۹۷۶ء تک بنائے جانیوالے جھونپڑوں کی تعداد ۴۲,۸۵۴,۱ ہوگی۔

مزید براں یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ جھونپڑے اسی گاؤں میں بنائے جائیں جہاں مستحق اشخاص رہتے ہیں۔ یہ ایسے گاؤں میں بھی بنائے جاسکتے ہیں جہاں ان کے لئے روزی کے زیادہ مواقع ہیں بشرطیکہ وہ ہنسی خوشی وہاں جاکر آباد ہونے پر آمادہ ہوں۔

مالی امداد میں اضافہ

اب ہر جھونپڑے کے لئے مالی امداد ۱۵۰ روپے سے بڑھاکر ۲۰۰ روپے کردی گئی ہے۔ مزید براں وزیر مملکت برائے منصوبہ بندی شری .ی۔ جے۔ کھٹال کی تحریک پر ضمانتِ روزگار اسکیم کے تحت کچی اینٹیں بنانے یا مقامی پتھر جمع کرنے یا توڑنے کے لئے محنتانہ کی شرح بھی طے کر دی گئی ہے جو ۶۰ روپے فی جھونپڑا سے زیادہ نہ ہوگی۔ یہ مزدور کچی اینٹوں اور دیسی ٹائل بنانے کے کام میں بھی لگائے جاسکتے ہیں جن کی مقررہ حد تک جھونپڑوں کی تعمیر کے لئے ضرورت ہو۔

شری آر۔ جے۔ دیوتلے، وزیر جنگلات نے اس پروگرام کو کامیابی سے زیر عمل لانے میں بڑی دلچسپی لی۔ آپ نے محکمۂ جنگلات کو ہدایت کی۔ ان جھونپڑوں کی تعمیر کے لئے بانس اور بلّیاں اصل قیمت پر مہیا کی جائیں۔ شری اے۔ آر۔ انتولے، وزیر برائے پبلک ورکس اور ہاؤسنگ نے یہ وعدہ کیا ہے کہ خالی ڈرم کاٹنے اور ٹھیک کرنے کے بعد مفت مہیا کئے جائیں جو ان جھونپڑوں پر چھت ڈالنے کے لئے استعمال کئے جائیں گے۔

ہزاروں اشخاص نقد اور جنس کی شکل میں عطیات دے رہے ہیں۔ ضلع پریشدوں کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اس پروگرام کے لئے فی سال زیادہ سے زیادہ ۵۰,۰۰۰ روپے کی رقم کی حد تک نقد یا جنس کی شکل میں عطیہ دے سکتی ہیں۔ اسی طرح ایک پنچایت سمیتی ۱۰,۰۰۰ روپے تک اور گاؤں پنچایت ۵,۰۰۰ روپے دے سکتی ہے۔

کھرونڈی تعلقہ میں نے جھونپڑوں کے درمیان صاف پانی کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔

سماجی یک جہتی

جھونپڑوں کی تعمیر کے وقت جاتیوں کی تفریق روانہ رکھی جائے گی تاکہ باسی ذات اور عقیدہ کے تمام اختلافات فراموش کرسکیں۔ مختلف جاتیوں کے افراد کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے کہ وہ یکجا رہیں جس سے ان میں سماجی یک جہتی، مساوات اور بھائی چارہ کا جذبہ بڑھے گا۔

مندرج جاتیوں یا مندرج قبائلی علاقوں میں بنائی گئی جھونپڑ پٹیوں میں ضلع پریشدوں کی جانب سے کنویں، سڑک کی بتی، گاؤں کی سڑک، اسکول اور ڈسپنسری وغیرہ کی سہولتیں بہم پہنچائی جارہی ہیں۔

معاشی حالت کا سُدھار

ریاستی حکومت کا خیال میں صرف یہی کافی نہیں ہے کہ بے زمین مزدوروں کے لئے گھر مہیا کر دیا جائے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ان کی معاشی حالت بھی سُدھاری جائے۔ بلاشبہ زرعی کام نہ ملنے پر انھیں ضمانتِ روزگار اسکیم کے ذریعہ کام مہیا کیا جاتا ہے۔ تاہم دیہاتوں میں بے کاری کا مسئلہ حل کرنے کے لئے صرف یہی کافی نہیں ہے۔ لہٰذا حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ انھیں امدادی کام بہم پہنچایا جائے اور اس مقصد سے انھیں دودھاری مویشی، بھیڑ بکریاں، پولٹری اور سور دئے جائیں۔ چنانچہ اس مقصد سے اس سال اسمال فارمر ڈیولپمنٹ ایجنسی اور معمولی کسان اور کھیتی مزدور اسکیمات کے تحت ۸۰ لاکھ روپے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ تجویز یہ ہے کہ پانچویں پنجسالہ منصوبے کے دوران اور بھی بڑی رقم یعنی ۷ کروڑ روپے کی گنجائش رکھی جائے۔

ڈیری ڈیولپمنٹ ڈپارٹمنٹ انچارج وزیر شری ایس۔ بی۔ پاٹل کی تحریک پر اس سال ۱۰,۰۰۰ بے زمین افراد کو امدادی روزگار بہم پہنچانے کے لئے ایک اسکیم بنارہا ہے۔ اس پروگرام کے تحت اچھی دیسی گائیں دی جائینگی جس سے مخلوط نسل کے مویشی پیدا کئے جاسکیں

اس میں دودھ کی امداد باہمی جماعتوں کا قیام نیز مویشی کے علاج اور چارہ کا انتظام بھی شامل ہے ۔ کامیابی کی صورت میں اِس اسکیم کو اور وسیع کیا جائے گا ۔

حکومت کا یہ بھی خیال ہے کہ کھادی اور دیہی صنعت بورڈ کے تعاون سے بے زمین افراد کے لئے معاون روزگار مہیا کیا جائے ۔

اس کے علاوہ کئی دیگر اسکیمات حکومت کے زیرِ غور ہیں جن سے مہاراشٹر میں پہلی مرتبہ بے زمین افراد اور ان کے بال بچوں کا مستقبل بہتر اور محفوظ ہوگا ۔

۳۱ مئی ۱۹۷۵ء تک تعمیر شدہ جھونپڑوں کی تعداد ذیل میں دی گئی ہے :

ستری دھرنگر تعلقہ کھامگاؤں میں نئے جھونپڑوں کے مسرور باسی !

ضلع	جھونپڑوں کی تعداد جو بنائے جائیں گے	۳۱ مئی ۱۹۷۵ء تک تعمیر کردہ جھونپڑوں کی تعداد
ناگپور	۱۰۵۶۶	۱۰۰۰
بلڈانہ	۲۵۰۶۹	۱۰۰۰
بھنڈارہ	۹۵۴۹	۱۲۰۰
چندرپور	۱۴۶۴۲	۱۰۰۰
وردھا	۷۹۳۳	۱۰۰۴
اکولہ	۲۶۹۸۶	۱۰۰۰
ایوت محل	۳۸۴۴۷	۱۰۰۱
امراوتی	۲۰۴۸۹	۱۰۰۰
ناگپور ڈویژن		۸۲۰۵
اورنگ آباد	۲۲۸۲۰	۱۰۰۰
ناندیڑ	۱۵۰۴۷	۱۰۰۶
پربھنی	۱۹۱۸۹	۱۰۰۵
بیڑ	۱۴۵۶۳	۱۰۸۱
عثمان آباد	۳۰۳۹۸	۱۰۰۰
اورنگ آباد ڈویژن	۱۰۲۰۱۷	۵۰۹۲

ضلع	جھونپڑوں کی تعداد جو بنائے جائیں گے	۳۱ مئی ۱۹۷۵ء تک تعمیر کردہ جھونپڑوں کی تو
دھولیہ	۱۴۶۵۶	۱۰۰۰
جلگاؤں	۳۶۷۲۲	۱۰۲۶
ناسک	۱۲۳۷۸	۱۰۰۰
تھانہ	۲۵۲۰۸	۱۰۰۷
قلابہ	۱۰۹۵۴	۱۲۰۰
رتناگیری	۱۲۸۳	۴۱۰
بمبئی ڈویژن	۱۰۱۲۰۱	۵۶۴۳
احمد نگر	۱۱۳۰۰	۱۰۵۱
کولھاپور	۶۳۴۶	۱۲۲۴
پونہ	۵۱۳۵	۱۰۱۳
ستارا	۶۵۷۶	۱۰۱۱
سانگلی	۴۴۵۶	۱۰۰۰
شولاپور	۱۴۹۱۳	۱۱۰۰
پونہ ڈویژن	۴۸۷۲۶	۶۳۹۹
میزان کُل :	۴۰۵۶۲۵	۲۵۳۳۹

ظم وضبط
کا دور
مہوریت کے
تحکام کا ضامن

علاءُ الدّین جینا بڑے
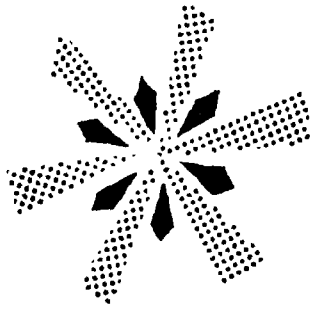
ہنگامی حالات کے اعلان کے ساتھ ہندوستان کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا ہے۔ یہ دور ہے نظم وضبط کا۔ بعض طبقات نے جمہوری حقوق کے غلط استعمال سے ہمارے آدرشوں، توقعات اور امنگوں کو ایک خطرہ سالاحق کر دیا تھا جس کے ازالہ کے لیے ایک سنگین اقدام کی ازحد ضرورت تھی۔ وہ اقدام ایمرجنسی کے اعلان کی صورت میں اٹھایا گیا۔

وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی نے ہنگامی حالات کے اعلان کے بعد سے اب تک اپنے کئی انٹرویوز، نشریات اور تقریروں میں ان خطرات کا جائزہ لیا ہے جو ہماری جمہوریت کو تباہ کرنے کے درپے تھے۔ ان جائزوں میں وزیراعظم نے جن نظریات کو پیش کیا ہے اُن کو ملک بھر میں بنظر تائید استحسان قبول کرلیا گیا ہے۔ بلکہ ہر شخص نے وزیراعظم کے خیالات کو اپنے دِل کی گہرائیوں سے نکلتی ہوئی آواز سمجھا ہے۔

سیاسی آزادی سے متعلق وزیراعظم فرماتی ہیں،

"سیاسی آزادی اور سیاسی حقوق صرف اسی وقت تک باقی رہ سکتے ہیں جب تک کہ جمہوری نظام برقرار رہے گا۔ نراج اور طوائف الملوکی کی صورت حال فرد کی ہر آزادی اور ہر سیاسی حق کی تیزی سے پائمالی کا باعث ہو سکتی ہے۔"

جی ہاں: نراج اور طوائف الملوکی!! لوک سبھا
میں ہنگامی حالات کے اعلان پر بحث کے دوران
وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی نے جو تقریر فرمائی اُس
میں اس کی وضاحت ہے۔ ملاحظہ ہو یہ اقتباس:

الہ آباد ہائی کورٹ کے فیصلے کے بعد بھی یہ نعرہ
لگا دیا گیا کہ عوام احتجاجاً سڑکوں پر جمع ہو جائیں یہ
میرا مشورہ نہیں تھا کہ عوام سڑکوں پر جمع ہو جائیں۔
نام نہاد مورچے نے یہ نعرہ دیا تھا کہ یہ معاملہ سڑکوں
پر طے کیا جائے۔ یہ بات واضح طور پر کہی گئی کہ
بہار میں جو تحریک شروع کی گئی ہے وہ غیر آئینی ہے۔
یہ تاثرات میرے نہیں ہیں بلکہ اس تحریک کے سربراہ
کے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ یہ غیر آئینی ہو سکتی ہے،
لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ یہ غیر جمہوری ہے۔
شاید آپ اس کے کچھ معنی سمجھے ہوں لیکن میں اس
کا کوئی خاص مطلب نہیں سمجھی۔ میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ
ہمارے اقدامات کسی کے خلاف نہیں ہیں — نہ تو کسی
فرد کے اور نہ کسی پارٹی کے خلاف ہیں۔ ہم جو کچھ کر
رہے ہیں وہ کسی جنرل موافقت میں کر رہے ہیں
یعنی یہ اقدام بھارت کی موافقت میں ہے۔ بھارتی
عوام کی موافقت میں ہے اور یہ بھارت کے مستقبل
اور سب کی موافقت میں ہے۔"

بالکل: یہ اقدام بھارت کے مستقبل اور ہم
سب کی موافقت میں ہے۔ بھارت کا ہر فردِ بشر
گویا شاعر کے الفاظ میں کہہ رہا ہے۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

اسی لئے بھارت کے عوام نے ان اقدامات کا
خیرمقدم کیا جو ہنگامی حالات کے اعلان کے بعد
ملک بھر میں نظم و ضبط کی بحالی کے لئے کئے گئے
اور جن کا ذکر وزیراعظم کی تقریر کے اس اقتباس
میں ملتا ہے:

"آج کچھ لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے، اور

"ہر وہ حق جو سرکار کی طرف سے فرد کو حاصل ہے، اُس فرد پر ایک ذمّہ داری عائد ہوتا ہے:"

ان میں سے زیادہ تر لوگ سیاسی نہیں ہیں۔ یہ وہ
لوگ ہیں جو بالعموم تشدد یا مجرمانہ حرکتوں میں ملوث
ہوئے ہیں اور جو اپنی سماج دشمن سرگرمیوں کے لئے
مشہور ہیں۔ دوسرے نمبر پر سیاسی لوگوں میں وہ
عناصر ہیں جن کا تعلق فرقہ پرست جماعتوں سے ہے۔
اگرچہ کچھ گروپوں کا کہنا ہے کہ وہ سیاسی نہیں ہیں۔
یہ وہ ہیں جو ان فرقہ پرست جماعتوں یا گروپوں
سے تعلق رکھتے ہیں جو خوف و دہشت اور قتل
و غارت گری کے اصولوں میں یقین رکھتے ہیں۔"

حکومت نے یہ اقدام اور اس قسم کے متعدد
دیگر اقدامات نظم و ضبط کی بحالی کے لئے اُٹھائے
ہیں۔ لیکن ایک جمہوری ملک میں صحیح نظم و ضبط اور
صحیح ڈسپلن اُس وقت مستحکم ہوتی ہے جبکہ عوام
خود اپنی ذمّہ داریوں کو سمجھیں۔ چنانچہ وزیراعظم نے
قوم کو یہ پیغام دیا ہے:

"ہر وہ حق جو سرکار کی طرف سے فرد کو حاصل
ہے، اُس فرد پر ایک ذمّہ داری عائد کرتا ہے اس
طرح ان گروپوں اور منظّم انجمنوں پر بھی جن کو
جمہوریت میں سیاسی آزادی حاصل ہے یہ ذمّہ داری
عائد ہوتی ہے کہ وہ ان حدوں کا احترام کریں
جن کے اندر رہ کر انھیں اپنے حقوق کا استعمال
کرنا ہے۔"

اس ڈسپلن اور نظم و ضبط کے لئے قوانین
پر موثر طور پر عمل کیا جا رہا ہے، اور اس کے لئے
ایمرجنسی کا نافذ کیا جانا ضروری تھا۔ ایمرجنسی کا
اعلان دستورِ ہند کے عین منشا کے مطابق کیا
گیا ہے۔ ملاحظہ ہو، وزیراعظم کی لوک سبھا
میں کی گئی تقریر کا یہ اقتباس:

"ہمارے آئین سازوں نے پہلے ہی
اندازہ کر لیا تھا کہ ایسی صورتِ حال پیدا
ہو سکتی ہے کہ جب صرف بیرونی خطرے کے
سبب ہی نہیں بلکہ اندرونی انتشار کے
باعث قومی زندگی کے ڈھانچے کو خطرہ
لاحق ہو سکتا ہے اور اس لئے انھوں نے
ہمارے آئین میں "ہنگامی حالات کے نفاذ
سے متعلق انتظامات" کے عنوان سے ایک
مکمل باب کا بندوبست کیا ہے۔ سرکار نے
جو اقدام کیا ہے اس سے جمہوریت کو کوئی
خطرہ لاحق نہیں ہوا بلکہ جمہوریت کو اگر
خطرہ تھا یا وہ کمزور ہو رہی تھی تو اس
بات سے کہ حزبِ مخالف کو براہِ راست
کارروائی کرنے کی اجازت دے دی جاتی۔"

ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو:

"ہمارے اس قول پر کہ ہم نے آئین کے
مطابق کام کیا ہے اب اعتراضات کئے جا رہے
ہیں اور یہ کہا جا رہا ہے کہ ہٹلر نے بھی ایسا
ہی کیا تھا۔ حالانکہ اگر آپ اس دور کی تاریخ
کا مطالعہ کریں تو یہ ثابت ہو جائے گا کہ ہمارا
اقدام ہٹلر کی کارروائی سے قطعی کوئی مناسبت
نہیں رکھتا۔ مجھے ان کتابوں کی مطالعے کی

حسرت جے پوری

پیاری اندرا جی

اِندرا جی نے دیش بچایا
بھاگ گیا بھوتوں کا سایا

بھڑکے تھے جو دیش میں شعلے
ن گئے وہ تو برف کے گولے
انی پانی سب کو بنایا
ندرا جی نے دیش بچایا

لوٹ رہے تھے یہ بیوپاری
ہر شے کی قیمت تھی بھاری
دیکھو سب کا بھاؤ گھٹایا
اندرا جی نے دیش بچایا

ہم کو نہ وشواس کسی پر
ہم کو ہے وشواس اُن ہی پر
ہر مشکل سے ہمیں چھڑایا
اندرا جی نے دیش بچایا

ہم تو اُن کے ساتھ ہیں بھائی
وہ ہی اپنے ہاتھ ہیں بھائی
اپنے سر پر اُن کی چھایا
اندرا جی نے دیش بچایا

زادی کی لاج بچائی
ج کہتے ہیں میرے بھائی
ر طوفاں کے سر کو جھکایا
درا جی نے دیش بچایا

اُن کا ہی اُپکار ہے لوگو
ہم سے کتنا پیار ہے لوگو
دیش کی خاطر خود کو مٹایا
اندرا جی نے دیش بچایا

اُن کو ہی ہمراز بناؤ
اُن سے ہی آواز ملاؤ
کوئی نہ اُن کے سامنے آیا
اندرا جی نے دیش بچایا

نہرو جی کی راج دلاری
حسرت کو ہے جان سے پیاری
اُس نے سچا رہبر پایا
اندرا جی نے دیش بچایا
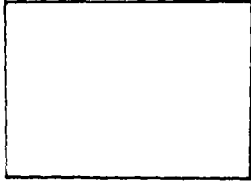
کو جانے کیا ہو جاتا
پایا تھا وہ کھو جاتا
ر بگڑا کام بنایا
را جی نے دیش بچایا

سارے دیش کے ٹکڑے ہوتے
گھر گھر میں سو جھگڑے ہوتے
لیا دیا کچھ آڑے آیا
اندرا جی نے دیش بچایا

وہ ہی ہم پہ راج کریں گی
سب کی جھولی وہی بھریں گی
ہم نے پالی من کی مایا
اندرا جی نے دیش بچایا

ضرورت نہیں اس لئے کہ میں اس زمانے میں موجود تھی اور اس وقت جرمنی میں جو کچھ ہا تھا اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔"

" میں حزبِ مخالف کے محترم ممبروں سے معلوم کرنا چاہوں گی کہ کیا وہ کسی ایک بھی سربراہِ مملکت کا نام مجھے بتا سکتے ہیں جس نے اتنے برس تک اتنا سب کچھ برداشت کیا آپ کی رائے میں دنیا میں کس ملک نے اس کی باتوں یعنی جھوٹ، بہتان طرازی اور ... کو برداشت کیا ہوگا۔ اور اب ہم جمہوریت کی ... کرتے ہیں۔ یہ کون ہیں جمہوریت کا ... دے رہا ہے؟"

ایمرجنسی کا نفاذ جمہوریت کی بقاء اور اس کے استحکام کے لئے کیا گیا ہے اور اس کا قطعی ثبوت! سنئے وزیر اعظم کے الفاظ میں:

" محض پارلیمنٹ کا طلب کیا جانا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ بھارت میں جمہوریت کام کر رہی ہے۔ پارلیمنٹ میں بڑی تعداد میں حزبِ مخالف ممبروں کی موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ ان میں سے ہر ایک نظر بند یا مقید نہیں ہے۔ یہ اقدام ہمارے آئینی ڈھانچے کے عین مطابق ہے اور یہ اقدام آئین کو تباہ کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ آئین اور جمہوریت کے تحفظ کے لئے کیا گیا ہے۔"

قوم نے ان اقدامات کا خیر مقدم کیا اور ان خیالات کی تائید کی اور ان کے ساتھ ہی جب وزیر اعظم نے حکومت کے اقتصادی نشانوں کی صاف اور کھلے الفاظ میں وضاحت کی اور قوم کے سامنے ۲۰ نکاتی پروگرام پیش کیا۔ جس پر تیزی سے عمل بھی شروع ہو چکا ہے — تو قوم کی خود اعتمادی مستحکم ہوئی ہے۔ آج ہندوستان ایک نئے دور میں قدم رکھ چکا ہے۔ یہ دور نظم و ضبط اور عزم و ارادہ کی پختگی کا دور ہے جس میں بھارت کی جنتا یہ محسوس کر رہی ہے کہ اب سماجی انصاف اور معاشی خوشحالی کی منزل دور نہیں ہے۔

●●

اقبال اعظمی (ایم۔ اے، بی۔ ایڈ)
۹۲۔ ڈاکٹر ڈی۔ این۔ روڈ۔ بمبئی ۱

بھارت کی تحریک آزادی میں بمبئی کا حصّہ

ہندوستان کے مغربی ساحل پر بحیرۂ عرب کے نیلگوں پانی سے اُبھرے ہوئے سات جزائر کے جھرمٹ نظر آتے ہیں جو جغرافیائی تبدیلیوں کے باعث خشکی کے ایک بڑے حصّے میں تبدیل ہوگئے ہیں۔ یہ جزائر قلابہ، فورٹ، بائیکلہ، پریل، ماٹونگا، ورلی اور ماہم ہیں۔ مورخین کی رائے ہے کہ زمانۂ قبل از تاریخ میں یہ ساتوں جزائر سرزمین ہند کا ایک حصّہ تھے اور آتش فشاں پھوٹنے کی وجہ سے دیس سے الگ ہوگئے۔ آج بھی بمبئی کے سنگ ریزے اور سیاہ جلی ہوئی چٹانیں زبانِ حال سے اس کی شہادت دے رہی ہیں۔

بمبئی عظمیٰ کے وجود میں آنے سے قبل بمبئی شہر صرف ماہم تک ہی پھیلا ہوا تھا۔ لیکن اب تو یہ شمال میں ضلع بسین تک پھیل گیا ہے۔ آج بمبئی کو جزیرہ کہنا ایک بہت بڑی غلطی ہوگی کیونکہ جغرافیائی اصطلاح میں بمبئی صحیح معنوں میں جزیرہ نہیں رہ گیا۔ ان سات جزائر کے درمیان کی خلیجیں پٹ گئیں۔ اب یہ ایک جزائر نما ہے جس کے تین طرف سمندر ہے اور ایک طرف وہ جنوبی جزیرہ نمائے ہند کے مغربی ساحل سے ملحق ہے۔

ریاستِ مہاراشٹر میں آج بمبئی جمہوریہ ہند کا سب سے اہم اور مشہور شہر ہے۔ اسے عروس البلادِ ہند کے خطاب سے نوازا گیا ہے۔ اس کا شمار دنیا کے بڑے اور بہترین شہروں میں کیا جاتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ باب الہند بلکہ یوں کہئے باب المشرق ہے۔ سمندر یا ہوائی جہاز سے آنے والے سیّاح کی آنکھیں بمبئی کے حسین قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔ دور بہت دور افق کے دامن میں مغربی گھاٹ کے ہرے بھرے کوہستانی سلسلے، پُرسکوت سمندر جس میں سفید سفید بادبانوں والی ماہی گیروں کی دلفریب کشتیاں، ناریل کے درختوں سے صف بستہ ساحلِ سمندر، مضافات کے

علاقہ کی ملوں کی چمنیوں سے بادل کی طرح لہراتے ہوئے دھوئیں بمبئی عظمیٰ کی طرف سے ہر نووارد کا استقبال کرتے ہیں۔

تاریخ کے لمبے دور میں یہ شہر مختلف ناموں سے پکارا گیا اور اس پر مختلف قوموں کے حکمرانوں نے حکومت کی۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ اس کا نام "ممبائی" یا "مہا امبائی" تھا جو کولیوں کی دیوی مہادیوی کے نام پر تھا۔ بعض مؤرخین کا یہ خیال ہے کہ لفظ بمبئی پرتگالی لفظ بمبین (Bombaim) بمعنی "اچھی خلیج" سے ماخوذ ہے اور بعض کا خیال ہے کہ اس کا نام بمبئی یہاں کے سمندر میں بکثرت پائی جانے والی بمبیلی مچھلی کے نام کی رعایت سے پڑ گیا ہے۔

بہرحال جزیرہ بمبئی جس پر پتھر کے زمانہ ہی سے انسان رہتے چلے آئے ہیں اس نے نہ جانے کتنے دور دیکھے، نہ جانے کتنے تاریخی انقلابات سے دوچار ہوا۔ آریوں کا دور، عہدِ موریہ، سلطنتِ اپرنتھا کے ستواہنہ راجاؤں کا دور، سلہار راجاؤں کا زمانہ، سلاطینِ گجرات کی حکومت، پرتگالیوں کا قبضہ، انگریزوں کی آمد، ایسٹ انڈیا کمپنی کا دور، ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی، تاجِ برطانیہ کی حکومت، قومی تحریک اور حصولِ آزادی یہ سب ڈرامے اسی بمبئی کے اسٹیج پر کھیلے گئے اور سب نے اپنے کچھ نقوش چھوڑ رکھے ہیں۔

بمبئی پر پرتگالیوں کا قبضہ

۱۵۰۷ء میں سلطانِ گجرات کے ایک افسر نے پرتگالی بیڑے کو شکست دی۔ اس کے دو سال بعد ۱۵۰۹ء میں پرتگالیوں نے کاٹھیاواڑ میں دیو میں مسلم بیڑے کو شکست دی۔ انھیں مہمات کے سلسلے میں پرتگالیوں نے پہلی بار بمبئی دیکھا۔ اسکے بعد ۱۵۱۷ء، ۱۵۲۲ء اور ۱۵۲۴ء میں انھیں بمبئی دیکھنے کا موقع ملا۔ ۱۵۲۹ء میں سلطانِ گجرات اور لوپو واز کی کمانڈ میں پرتگالی بیڑے کے درمیان بمبئی کے نزدیک ایک خطرناک جنگ ہوئی۔ جنگ کے بعد فوجیوں کو آرام کیلئے کمانڈر نے ساحلِ بمبئی پر اتارا۔ سپاہیوں کو یہ جگہ بہت پسند آئی۔ انھوں نے اس جزیرہ کو "عیش و عشرت کے جزیرہ" کے نام سے یاد کیا۔ "ایلہا ڈا بو اویڈا" یہ ہیں وہ پرتگالی الفاظ جو بمبئی کیلئے کہے گئے۔ اس کے بعد وہ اکثر بمبئی آتے رہے۔ سلطانِ گجرات محمد شاہ کا پوتا بہادر شاہ پرتگالیوں کی دست درازیوں کو نہ روک سکا۔ کیونکہ اسی وقت شمال کی طرف سے مغلوں کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ چنانچہ بہادر شاہ پرتگالیوں سے صلح کرنے پر مجبور ہوا اور یہ صلحنامہ ۲۳ر دسمبر ۱۵۳۴ء کو بہادر شاہ اور نونو ڈا کونہا کے درمیان ہوا جس کی رو سے شہر بسین، مضافاتِ بسین کے جزیرے اور سمندر پر شاہِ پرتگال ڈی۔ جو۔ سوم کا قبضہ ہو گیا۔

بمبئی کے یہ سات جزائر بسین سے ملحق تھے۔ اس طرح بمبئی بھی پرتگالیوں کے قبضے میں آگیا اور یہ قبضہ ایک سو تیس سال تک رہا۔ ایک پرتگالی رپورٹ میں لکھا ہے:

"اس جزیرہ کی زمین نشیبی ہے اور خوبصورت باغات سے بھری ہے۔ شکار کافی ہیں۔ گوشت اور چاول کی بہتات ہے۔ ناریل، چاول، آم، اور جامن یہاں کی خاص پیداوار ہے۔ یہاں کے لوگوں کا خاص پیشہ مچھلی مارنا اور نمک بنانا ہے۔"

پرتگالی لوگ بہت متعصب تھے۔ دیگر مذاہب کے ساتھ اُن کا برتاؤ بہت خراب تھا۔ ہندوؤں کے مندروں اور مسلمانوں کی مساجد کے انہدام کی کئی واقعات رونما ہوئے۔ والکیشور اور مہالکشمی کے مندر اسی وقت برباد کیے گئے۔ پرتگالی کورٹ آف نارتھ کی بربریت کا یہ زخم بمبئی نے اپنے سینے پر کھایا۔

بمبئی پر انگریزوں کا قبضہ

۲۳ر جون ۱۶۶۱ء کو شاہِ انگلستان چارلس دوم کی شادی پرتگال کی شہزادی کیتھرائن ڈی برگنزا کے ساتھ ہوئی شاہ انگلستان چارلس دوم کو بمبئی اپنی ملکہ کے جہیز میں ملی۔ ۱۸ر فروری ۱۶۶۹ء ہمفرے کک شاہِ انگلستان کی طرف سے بمبئی پر قابض ہوا۔ بمبئی نے اپنی مجبوری پر آنسو بہائے۔

بمبئی پر کمپنی کی حکومت

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں نے دوڑ دھوپ کر کے چارلس دوم سے بمبئی کا سودا کر لیا۔ چارلس دوم کو چونکہ ہمیشہ روپیہ کی ضرورت رہتی تھی اسلئے ۲۷ر مارچ ۱۶۹۹ء کو چارلس دوم نے دس پونڈ سالانہ لگان پر ان جزائر اور بندرگاہ کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کر دیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں بمبئی کا ہاتھ

۱۸۱۹ء میں انگریز فوجوں نے کرنل اسٹین ہوپ کی زیرِ قیادت دوارکا (گجرات) کی ساری فوجوں کو تہ تیغ کر ڈالا جس کے بعد وہ خود کو محفوظ سمجھنے لگے۔ مگر ان کا یہ تحفظ کافی عرصے تک برقرار نہ رہ سکا۔ ۱۸۵۷ء میں انگریزی فوج کے ہندوستانی سپاہیوں نے علمِ بغاوت بلند کیا اور کھیتوں میں ہل جوتنے والے کسانوں اور مزدوروں نے بھی حسبِ مقدور ان کا ساتھ دیا۔ جھانسی کی رانی اور نانا صاحب، اودھ کی بیگمات، فیض آباد کے مولوی صاحب، بہار کے کنور صاحب، کانپور میں تانتیا ٹوپے اور دلی میں بہادر شاہ ظفر اور ان کے بیٹوں نے انگریزوں کو ملک سے نکال باہر کرنے کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا رکھی تھی۔ کمپنی کی حکومت کی بنیادیں ہل گئیں۔ اس وقت لارڈ ایلفن اسٹون بمبئی کے گورنر تھے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ اگر بمبئی میں بغاوت کامیاب ہوگئی تو پھر حیدرآباد، پونہ اور علاقۂ بمبئی کے دوسرے حصے بھی انگریزوں کے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ اس کے بعد پھر مدراس یقیناً انھیں چھوڑنا پڑے گا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت جو

جنگ آزادی کا پہلا قدم تھا اس کو دبانے کے لئے انگریزوں نے ظلم وستم کے وہ پہاڑ توڑے جنھیں سُنکر انسانیت خون کے آنسو روتی ہے۔

انگریزوں نے اپنی فوجی طاقت کا ہر ممکن استعمال کیا۔ بمبئی میں جنگ آزادی کے دو متوالوں کو سر بازار توپ سے اڑوا دیا گیا اور چھ کو تاعمر کالے پانی کی سزائیں دی گئیں۔ بمبئی اپنے سپوتوں کی ان قربانیوں پر آج بھی نازاں ہے۔

بمبئی تاج برطانیہ کے زیرنگیں

غدر اور اسباب غدر پر جب برطانیہ کے مُدبروں نے غور وخوض کرنا شروع کیا تو ان کو معلوم ہوا کہ کمپنی کا انتظام نہایت خراب ہے اور ہندوستان کے لوگ کمپنی کے نظام حکومت سے نہایت دل برداشتہ اور ناراض ہیں اس لئے کمپنی کا خاتمہ کر دیا گیا اور ہندوستان کی حکومت براہِ راست تاج برطانیہ اور پارلیمنٹ کے تحت چلی گئی۔ یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو لارڈ کیننگ نے ملکہ وکٹوریہ کا شاہی اعلان سنایا۔ لارڈ ایلفن اسٹون ہی بمبئی کے گورنر مقرر ہوئے مگر اب وہ کمپنی کے بجائے وائسرائے ہند کے سامنے اپنے ہر کام کے جوابدہ قرار پائے۔ بمبئی پر برطانوی سامراجیت کا یونین جیک لہرا اٹھا اور بمبئی نے شرم وحیا سے اپنی گردن جھکالی۔

بمبئی میں قومی تحریک کی نشوونما اور حصولِ آزادی

۱۸۸۰ء میں لارڈ رپن ہندوستان کے وائسرائے بن کر آئے۔ وہ نہایت انصاف پسند اور رحم دل شخص تھے۔ ان کے علاوہ اس زمانہ میں بہت سے انگریز حکام بھی اس خیال کے تھے کہ ہندوستانیوں کے مطالبات پورے ہونے چاہئیں۔ ان ہی انگریز حکام میں سر اے۔ او۔ ہیوم بھی تھے۔ اس سلسلہ میں سر اے۔ او۔ ہیوم لارڈ ڈفرن سے ملے۔ انہوں نے بھی اس بات کو مان لیا۔ غرضیکہ انھیں چند انگریز حکام اور خصوصاً ہیوم صاحب کی کوشش سے ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد پڑی۔ ۱۸۸۵ء میں بڑے دن کی چھٹیوں میں ۲۸ دسمبر کو کانگریس کا پہلا اجلاس بمبئی میں گوالیا ٹینک پر گوکل داس تیج پال ہال میں ہوا۔ مختلف صوبوں کے نمائندے اور دوسرے بہت سے لوگ اس اجلاس میں شریک ہوئے۔ کانگریس کے ان بانیوں میں زیادہ تر لوگ بمبئی کے باشندے تھے۔ رمیش چندر اور سُریندر ناتھ بنرجی بنگال کے تھے۔ ڈاکٹر سر سُبرمنیم آئر کا تعلق مدراس سے تھا اور اجودھیا ناتھ جی یوپی کے رہنے والے تھے۔ بقیہ دادا بھائی نوروجی، جسٹس مہادیو، گوند راناڈے، سر فیروز شاہ مہتہ، تلنگ اور بدرالدین طیب جی وغیرہ سب ہی بمبئی کے رہنے والے تھے اور کانگریس کے بانیوں کی حیثیت سے بمبئی آج بھی ان پر نازاں ہے۔

تحریک آزادی کو جاندار بنانے والے لوکمانیہ تلک، گوکھلے اور مہاتما پھولے بھی اسی سرزمین بمبئی سے تعلق رکھتے تھے۔

"آزادی ہمارا پیدائشی حق ہے اور اسے ہم لے کر رہیں گے۔" تلک کا یہ نعرۂ شیریں بمبئی میں ہی سب سے پہلے گونجا۔ مہاتما گاندھی کی افریقہ سے واپسی پر کانگریس کی قیادت گاندھی جی کے ہاتھ میں آئی اور مختلف منزلوں میں ستیہ گرہ، ترکِ موالات، سوراج، مکمل آزادی، سول نافرمانی، بھارت چھوڑو تجاویز سے گذر کر آزادیٔ ہند اور قیام جمہوریہ تک ہر منزل پر گاندھی جی کی قیادت رہی اور ہندوستان کی اس تحریک آزادی میں بمبئی بھی ایک مقام رکھتا ہے۔ انڈین نیشنل کانگریس کا قیام، اس کا پہلا اجلاس، "تحریک ترکِ موالات" "بھارت چھوڑو تحریک" ان سب اہم واقعات کا تعلق بمبئی سے بہت گہرا ہے۔ آج بھی بمبئی میں گوکل داس تیج پال ہال جہاں کانگریس کا پہلا اجلاس ہوا تھا؛ چوپاٹی کا ساحل جہاں آزادی کے متوالے تلک کی لاش نذرِ آتش کی گئی تھی؛ منی بھون جہاں گاندھی جی نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ گزارا تھا؛ آزاد میدان جہاں سے گاندھی جی نے ۱۹۲۱ء میں تحریکِ ترکِ موالات شروع کی تھی اور گوالیا ٹینک یا کرانتی میدان جہاں ۸ اگست ۱۹۴۲ء کو "بھارت چھوڑو" تجویز پاس کی جانے والی تھی بجاطور پر اپنے اوپر فخر کر سکتا ہے۔ یونین جیک کے پرچم شاہی کی سرسراہٹ سے لے کر ترنگے کے لہرا اٹھنے تک بمبئی ایک خاموش تماشائی نہیں بلکہ ایک سرگرم مجاہد کی طرح ہمیشہ سربکف رہا۔ انگریزی بحریہ کے ہندوستانی سپاہیوں کی بغاوت نے ایک بار پھر ۱۸۵۷ء کی فوجی بغاوت کی یاد تازہ کر دی۔

یہاں کے پہاڑ ہمیں استقامت کا سبق دیتے رہے۔ اسکے قدموں کو چومنے والی بحرۂ عرب کی نیلگوں موجیں ہمیں دعوت فکر وعمل دیتی رہیں۔ تحریک آزادی کی ابتدار یعنی کانگریس کا قیام بمبئی میں ہوا، اور تحریک آزادی کی انتہا یعنی بھارت چھوڑو تحریک بھی بمبئی ہی میں ہوئی یہاں کا ذرّہ ذرّہ بہادر شاہ والی گجرات کی بے چارگی، مراٹھوں کی جانبازی، پُرتگالی کورٹ آف نارتھ کے ظلم وستم اور انگریزوں کی ملک گیری کی داستانیں بیان کر رہا ہے۔
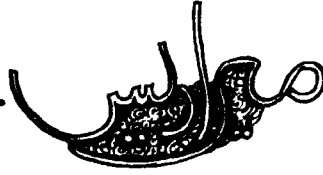
سارے جگ کو دیتا ہے یکجہتی کا سندیس
رنگ برنگی تہذیبوں کا سنگم میرا دیس

گنگا تٹ پر اونچے مندر، جمنا تٹ پر تاج
پورب پچھم اتر دکشن مانوتا کا راج
دھرم سکھائے لگے نہ ہرگز کسی کے من کو ٹھیس

رنگ برنگی تہذیبوں کا سنگم میرا دیس

راہیں جدا جدا ہیں لیکن منزل سب کی ایک
دونوں کو مکتی کی چنتا، دونوں کتنے نیک
ملا کے حلیہ سے ملتا پنڈت جی کا بھیس

رنگ برنگی تہذیبوں کا سنگم میرا دیس

خسرو، تلسی، نانک سب اس دھرتی کی سنتان
اس دھرتی کے پھول ہیں گیتا، بائبل اور قرآن
خوشبوؤں سے مہک رہے ہیں اس دھرتی کے کیس

رنگ برنگی تہذیبوں کا سنگم میرا دیس

شہر شہر اور گاؤں گاؤں بسے ہوئے سب لوگ
"دیس پریم کی ڈوری" سے ہیں بندھے ہوئے سب لوگ
پیغام آزاد وہی جو گاندھی کا سندیس

رنگ برنگی تہذیبوں کا سنگم میرا دیس

متین اچل پورشہری

بیابانی ۰ ڈاکخانہ اچل پور شہر، ضلع امراوتی

اردو غزل میں قومی یکجہتی کے رجحانات

اردو میں غزل کے امکانات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ غزل گوناگوں جذبات اور رنگا رنگ خیالات کا گلدستہ ہوتی ہے۔ شاعر چونکہ اپنے گردوپیش سے برابر متاثر ہوتا رہتا ہے لہٰذا قالب شعر میں روح عصر کا ڈھل آنا یقینی ہے۔

حیات و کائنات کی ترجمانی نے غزل کو نئی قدریں عطا کیں۔ گل و بلبل، ساغر و مینا، خضر و کارواں وغیرہم کی علامت کو بانٹ دے دیا گیا اور غزل میں سماجی اور سیاسی مضامین بھی ہوئے جانے لگے۔ یوں تو غزل کو ہر دور کے سرآوردہ شعراء نے سنوارا اور نکھارا لیکن نمایاں تبدیلی اقبال، حسرت موہانی، اصغر گونڈوی، فانی بدایونی، یگانہ جنگیزی اور جگر مرادآبادی کی آوردہ ہے۔ یہاں سے غزل کو بدلا ہوا لب و لہجہ، نیا رنگ و آہنگ ملا اور متنوع خیالات کی ادائیگی کی گنجائش پیدا ہوئی بحیثیت مجموعی غزل میں تعمیری و افادی شان آگئی۔

فی زمانہ "قومی یکجہتی" کی ضرورت کا ہر خاص و عام میں شدت سے احساس پایا جا رہا ہے جو ملکی فلاح و ترقی کے لئے از حد مفید ثابت ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ہمارا ملک متعدد تہذیبی اکائیوں کا گہوارا ہے۔ ہندوستانی قومیت انھیں تہذیبی اکائیوں سے عبارت ہے۔ قومی یکجہتی کا مسئلہ صرف نفسیاتی یا جذباتی نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ سماجی اور معاشی ہے۔ اس کا تعلق سماجی اور معاشی مساوات نیز ہر قوم کے ترقی کے مواقع کی فراہمی سے ہے۔ جب تک ملک میں مختلف ملل ایک سطح پر نہیں آجاتیں اور انھیں اپنی تہذیب اور زبان کو ترقی دینے میں رکاوٹ باقی نہیں رہتی، قومی یکجہتی کے خواب کی صحیح تعبیر نہیں مل سکتی۔

اگر ہم قومی یکجہتی کے تاریخی پس منظر کا بنظر غائر مطالعہ کریں تو ظاہر ہوگا کہ ابتدا سے ہمارے ملک میں کچھ عظیم تصادمات [illegible] کلچروں، مذہبوں اور ملتوں کے درمیان [illegible] ہیں۔ آریوں کی آمد کے بعد ملک [illegible] میں [illegible] گیا۔ فاتح آریوں کی بالادستی نے قدیم باشند[illegible]

محمد شرف الدین ساحل ایم اے

محمد علی روڈ - مومن پورہ - ناگپور ۴۴۰۰۱۸

کو نقلِ مکانی پر مجبور کیا۔ فاتح اور مفتوح میں علیحدگی پسندی کا رجحان ترقی پا گیا اور اس طرح یکجہتی کی کڑی ٹوٹ گئی۔

دوسرا تصادم مسلمان بادشاہوں کی آمد سے ظہور میں آیا۔ قیادت و ملکیت پر ضرب لگنے سے یہاں کے باشندے مضطرب ہوئے۔ مسلم بادشاہ اس حقیقت سے باخبر تھے کہ قومی یکجہتی کے ذریعہ حکومت برقرار رکھی جا سکتی ہے اور ملک ترقی کر سکتا ہے لہٰذا انھوں نے اتحاد قائم کرنے اور دیگر مذاہب سے عدل و رواداری کا برتاؤ کرنے کو اپنا وطیرہ بنایا۔ اس کے لئے ان بادشاہوں نے مذہبی امور میں ہندوؤں کے دھرم شاستر کو جاری رکھا اور اس کے نفاذ میں مدد دینے کے لئے ملک کی مرکزی اور صوبائی عدالتوں میں پنڈت مقرر کئے۔ ویسے یہ کھلی حقیقت ہے کہ اکبری دورِ حکومت ہندوستان میں قومی یکجہتی کا سنہرا دور ہے۔ یہاں صرف غزل میں قومی یک جہتی کے رجحانات سے بحث ہے لہٰذا دیگر سیاسی و ملکی معاملات کی تفصیل سے درگذر بہتر ہے۔

اس عہد میں علم و ادب سے دلچسپی رکھنے والی گرانقدر شخصیتوں نے جن کا مسلک تصوف یا ویدانت تھا اپنی غزلوں اور دوہوں میں وحدت الوجود کی تعلیم دی اور حرم و دیر کے امتیازات کو مٹانا چاہا یہ لوگ اپنے خیالات بھی ایسی زبان میں پیش کرتے تھے جو بھاشا اور اُردو کے اتحاد سے بنی تھی۔ لہٰذا اس سے بھی قومی یکجہتی کے مقصد کو از حد تقویت پہنچی۔ اس ضمن میں خاص طور پر امیر خسرو، ملک محمد جائسی، کبیر اور گرو نانک کے اسمائے گرامی قابلِ لحاظ ہیں۔

ولی دکنی اُردو کا پہلا باقاعدہ شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس نے بھی یہ بات محسوس کی تھی کہ سبحہ و زنار کی قیود میں رہ کر مشترکہ فلاح و نجات کے راستے کو فراموش نہیں کر دینا چاہئے۔ مذہب و ملت سے آزادگی عام انسانی فلاح کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی لہٰذا ایک مقام پہ کہتے ہیں:

گر ہوا ہے طالب آزادگی
بندِ مت ہو سبحہ و زنار کا

ولی سے پیشتر جو شعراء گذر چکے ہیں ان میں ایک ہاتفی بھی تھے۔ محبت کو یہ بھی یگانگت اور دو قوموں میں یک جہتی کا واحد ذریعہ بتلاتے ہیں۔ ان کی غزل کا ایک شعر ہے ؎

نغمۂ عشق سے ہے سبحۂ و زنار ملے
ایک آواز پہ دو ساز کے ہیں تار ملے

سراج اورنگ آبادی کے نزدیک مشربِ عشق میں شیخ و برہمن مساوی ہیں لہٰذا سبحہ و زنار کے اختلافات بے سود ہیں ؎

مشربِ عشق میں ہے شیخ و برہمن یکساں
رشتۂ سبحہ و زنار کوئی کیا جانے

عشق و محبت کا جذبہ انسانیت آموز ہے اس سے آشنا ہو کر یہ انسان بلا امتیازِ مذہب و ملت عوام الناس سے ہمدردی و اخلاق سے پیش آتا ہے۔ اس طرح مذہبی تعصبات باقی نہیں رہتے۔ آبرو کہتے ہیں ؎

کیا شیخ کیا برہمن جب عاشقی میں آوے
تسبیح کرے فراموش زنار بھول جاوے

ایک اور مقام پر اسی تصور کو یوں پیش کیا ہے ؎

کوئی تسبیح اور زنار کے جھگڑے میں مت بولو
یہ دونوں ایک ہی ہیں اور انکے بیچ رشتہ ہے

مرزا رفیع الدین سودا نے اپنی سیاسی شاعری میں فقیر کی زبان سے شہنشاہِ وقت کو آئینِ حکومت بتائے ہیں۔ ایک قطعہ بند غزل کے دو شعر ملاحظہ فرمائیے جن میں عدل و رواداری سے کام لینے کو کہا گیا ہے تاکہ ہر مذہب و ملت مساویانہ سلوک سے خوش ہو۔ قومی یک جہتی کے جذبات پیدا کرنے کا یہی مؤثر و کامیاب طریقہ ہے ؎

چمن ہے ملک رعیت ہے گل انھوں کے لئے
بسانِ ابر سر سایہ گستری جانے
مقامِ عدل پہ جس دم سریر آرا ہو
ہر ایک خورد و کلاں میں برابری جانے

یہی وجہ ہے کہ وہ دیر و حرم کے امتیازات سے دور رہنا چاہتے ہیں ؎

غرض کفر سے کچھ نہ دیں سے ہے مطلب
تماشائے دیر و حرم دیکھتے ہیں

اسی مفہوم کو دورِ حاضر کے ممتاز شاعر شارق ایرایانی نے واضح کیا ہے ؎

نہ صنم کدے سے غرض کوئی نہ حرم سے مجھ کو ہے واسطہ
مجھے ناز ہے کہ میں فتنۂ سرو آستاں سے گذر گیا

سودا کے اس شعر میں بھی قومی یکجہتی کی جھلک پائی جاتی ہے ؎

جز سنگ کیا ہے دیر و حرم میں جو سر جھکے
سجدہ کیا ہے تجھ کو میں پہچان کر کہیں

میر کے اس شعر کو روحانیت سے الگ اگر دیکھا جائے تو اسی مفہوم کی اشاریت ملے گی کہ ایک مقام پر رہنے بسنے والوں میں بیگانگی اور اختلاف نہیں ہونا چاہئے ؎

وجہ بے گانگی نہیں معلوم
تم جہاں کے ہو واں کے ہم بھی ہیں

مندرجہ ذیل شعر میں بھی لگاؤ اور انسیت کے جذبہ کی ترجمانی ہے کہ اپنے ماحول سے بُعد یا فراق چاہے قلیل مدت کے لئے ہی کیوں نہ ہو، ناگوار ہے ہم بہت جلد "بازگشت" کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان اتفاق و اتحاد کے تنے ہوئے تاروں میں جھول نہ پڑ جائے ؎

اب تو جاتے ہیں بتکدہ سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

ایک اور شعر میں اسلام کی رونق کے لئے کفر کو لازمی قرار دیتے ہیں تاکہ دونوں میں محبت باقی رہے ؎

کفر کچھ چاہئے اسلام کی رونق کے لئے
حُسن زُنّار ہے تسبیحِ سلیمانی کا

درؔد کہتے ہیں ؎

شیخ کعبہ ہو کے پہنچا ہم کنشت دل میں ہو
درؔد منزل ایک تھی کچھ راہ ہی کا پھیر تھا

اسی مفہوم کی اشاریت سوزؔ کے اس شعر میں بھی پائی جاتی ہے ؎

کعبہ و دیر ہم نے جا دیکھا
اپنا ہی سب کو آشنا دیکھا

مندرجہ ذیل اشعار پر غور کیجئے۔ انھیں حقائق کی ترجمانی کر رہے ہیں ؎

حق مجھے باطل آشنا نہ کرے
میں بُتوں سے پھروں خدا نہ کرے
(یقینؔ)

جو رب الحرم ہے صنم میں وہی ہے
میں دیر و حرم ایک ساں دیکھتا ہوں
اے برہمن اور اے شیخ مانے
یہ آپس کا جھگڑا یہاں دیکھتا ہوں
(شاہ نیاز بریلوی)

دیر و حرم ہیں شیخ و برہمن کے واسطے
ہم جن کو پوجتے ہیں وہ پتھر ہی اور ہیں
(کبیرا سنگھ جہانگیر)

دیر و مسجد پہ نہیں موقوف کچھ اے غافلو
یار کو سجدے سے مطلب ہے کہیں سجدہ کیا
(مادھورام جوہر)

اِنشاؔ بھی جدائی سے متفق نہیں۔ یہاں بھی قصد میں مجبوریت پائی جاتی ہے ؎

چند مدت کو فراق صنم و دیر تو ہے
چلو پھر کعبہ بھی ہو آئیں بلایا تو ہے

تیسرا تصادم انیسویں صدی عیسوی کے شروع میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے تجارتی پروگرام ترک کر دینے اور ملک گیری کی ہوس سے وقوع پذیر ہوا۔ جب انگریز ہندوستان پر قابض ہو گئے تو ان کے سیاسی نقطۂ نظر نے ہندو مسلم اتحاد کے سمندر میں اپنی حکمرانی کا سفینہ ڈوبتا پایا لہٰذا یہاں کے دو ممتاز فرقوں میں ایک دوسرے کے خلاف شکوک و نفرت کے شعلے بھڑکانا شروع کئے اور سماجی و اقتصادی نظام پر ضربیں لگا کر ہم آہنگی کی کڑیاں توڑ دیں۔ قومی یکجہتی کو برقرار رکھنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی گئی۔ اسکے لئے ہر طبقہ کوشاں رہا۔ شعراء نے بھی اپنی غزلوں میں اس کا پرچار کیا۔

محبّت قومی زندگی کے لئے اساسی حیثیت رکھتی ہے۔ آتشؔ کہتے ہیں کہ جب انسان کے دل سے نفرت و نفاق کی ساری تاریکیاں معدوم ہو جاتی ہیں تو تعصّب کی وہ دیواریں جو دو ملتوں کے درمیان حائل ہوتی ہیں خود بخود منہدم ہو جاتی ہیں ؎

دل کی کدورتیں اگر انساں سے دور ہوں
سارے نفاق گبر و مسلماں سے دور ہوں

اسی لئے وہ بُت کو چھیننا، برہمن کے دل کو توڑنا اور مسجد کو ڈھانا کفر کی علامت بتاتے ہیں ؎

کون چھینے بُت کو توڑے برہمن کے دل کو کون
اینٹ کی خاطر کوئی کافر ہی مسجد ڈھائے گا

آتشؔ شیخ و برہمن کو مذہب و ملّت سے آزاد انسان بننے کی تعلیم دیتے ہیں ؎

کفر و اسلام کی کچھ قید نہیں اے آتشؔ
شیخ ہو یا کہ برہمن ہو پر انساں ہوئے

ناسخؔ بھی بغض و کینہ اور دل شکنی کو لعنت سے تعبیر کرتے ہیں ؎

انساں کو انساں سے کینہ نہیں اچھا
جس سینے میں کینہ ہو وہ سینہ نہیں اچھا

اے شیخ و گبر مسجد و زنّار توڑیئے
پر دل کسی بشر کا نہ زنہار توڑیئے

حضرت ذوقؔ جب اس مسئلہ پر غور کرتے ہیں تو ان کی نگاہوں میں زندگی کے وہ پاکیزہ مناظر پھر جاتے ہیں جہاں ہندو مسلم اپنے اپنے مذہبوں پر قائم رہتے ہوئے بھی برادرانہ مودت و محبت رکھتے ہیں۔ بھائی چارے کی یہ فضا قومی یکجہتی کا کتنا سہانا منظر پیش کرتی ہے ؎

کیسا مومن کیسا کافر، کون ہے صوفی، کیسا رند
سارے بشر ہیں بندے خدا کے سارے جھگڑے شر کے ہیں

غالبؔ کہتے ہیں کہ مختلف ملل میں رہ کر میرا یہ عالم ہے کہ مجھے سب کی محبت کھینچتی ہے۔ میرے لئے ہر ایک دلکشی کا باعث ہے۔ حرم و دیر مجھے جدائی سے روکتے ہیں۔ اس اتحاد سے بھی قومی یک جہتی کا مفہوم پیدا ہوتا ہے ؎

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

ایک شعر میں کہتے ہیں ؎

ہم موحّد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

اسی جذبہ کا نتیجہ ہے کہ غالبؔ برہمن کو کعبہ میں گاڑنے کی تلقین کرتے ہیں ؎

وفاداری بشرطِ استواری اصل ایماں ہے
مرے بُت خانہ میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

میر انیسؔ کے اس شعر کو دیکھئے تو اس کی معنوی آفاقیت بھی یہی اشارہ کرتی ہے کہ برادرانِ وطن کے جذبات کا احترام کرنا ضروری ہے۔ خوش معاملگی سے تعلقات کی نزاکتوں کو قائم رکھنا چاہئے تاکہ "ترکِ محبت" کی منزل ہی نہ آنے پائے۔ ربط میں مزاولت پائی جائے ؎

خیال خاطرِ احباب چاہئے ہر دم
انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

۱۸۵۷ء کے خونچکاں عرصہ میں شیفتہؔ نے ایک

پوری غزل ہندوستان کی تعریف میں لکھی جس کا
مقصد وطن سے محبت اور اتحادِ ملی ہی تھا۔
زاہد یہاں کوئی پرہیز نہیں کرتے یعنی ہندومسلم
یا شیخ و برہمن میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ دو شعر
ملاحظہ ہوں ؎

ہند کی سرزمیں ہے عشرت خیز
کہ نہ زاہد کرے یہاں پرہیز
بوستاں کی طرح یہاں صحرا
دلکشا، دلپذیر، دلآویز

افرنگی سیاست سے ملکی حالات امید افزا نہ
پاکر ہر صاحبِ شعور مایوس تھا۔ شعراء نے قومی
یک جہتی کا بندھن ٹوٹا ہوا دیکھ کر اتحاد کے نعرے
بلند کئے۔ نظموں میں تو اس موضوع پر بہت کچھ
مواد فراہم ہوسکتا ہے۔ لیکن غزل بھی پوری طرح
ہم قدم رہی اور اپنے اشعار میں قومی یک جہتی کی
لے کو ماند نہیں پڑنے دیا۔ چنانچہ حالی، اقبال،
اکبر اور چکبست نے خالص غزل کی بحروں میں طرح
طرح سے اس نکتہ کی وضاحت کی اور لوگوں کو متحدہ
قومی نظریہ کے فوائد بتلائے اور کہیں لطیف طنز و
شکایت سے کام لیا۔

باغباں ہو سبق آموز جو یک رنگی کا
ہم زباں ہو کے رہے کیوں نہ طیورِ گلزار
گوسفند و شتر و گاؤ پلنگ و خرِ لنگ
ایک ہی رنگ میں رنگے تو رہے اپنا وقار
(اقبال)

اذاں دیتے ہیں بتخانے میں جاکر شانِ مومن
حرم میں نعرۂ ناقوس ہم ایجاد کرتے ہیں
بلائے جاں ہیں یہ تسبیح اور زنار کے پھندے
دلِ حق بیں کو ہم اس قید سے آزاد کرتے ہیں

٭

قوم کی شیرازہ بندی کا گلہ بیکار ہے
طرزِ ہندو دیکھ کر رنگِ مسلماں دیکھ کر
(چکبست)

محترم اور دبدبہ ساتھ ہوگا
نباہ اس کا ہمارے ساتھ ہوگا
(اکبر الٰہ آبادی)

بن جائے گا یہ رشتۂ تسبیح ایک دن
دھوکا نہ کھائیو کہیں زنار دیکھ کر
(محمد علی جوہر)

اثر لکھنوی کے یہاں تو سب کچھ حرفِ غلط
ثابت ہوتا ہے اگر انسان کے دلوں میں
ہمدردی اور ایک دوسرے کا ساتھ دینے کا جذبہ
باقی نہ رہے اور انسانی اتحاد قائم نہ ہو ؎

ایماں غلط، اصول غلط، ادّعا غلط
انساں کی دلبری اگر انساں نہ کرسکے

اس دور میں غزل میں سیاسی اور قومی یکجہتی
کے خیالات کو کثرت سے پیش کیا گیا۔ رشید احمد
صدیقی لکھتے ہیں کہ " شعوری طور پر سیاسی تاثرات
کو غزل کے جام و مینا میں ڈھالنے کی پہلی اور
کامیاب کوشش سہیل نے کی۔ ان کے پیش رو
حسرت موہانی ہیں .. سیاسی شعور کے چھینٹے
مولانا محمد علی جوہر کی غزلوں میں بھی ملتے ہیں۔
سہیل اور جگر کے یہاں یہ رنگ پائیدار اور
غیر منقطع ہے۔"

پنڈت کیلاش نرائن کول بیدل دہلوی کا
یہ خیال تھا کہ آزادی ملتے ہی ہندو مسلم عداوت
محبت، دوستی اور بھائی چارگی میں تبدیل ہو
جائے گی۔ انھوں نے آزاد ہند کی خواب میں
جو تصویر دیکھی تھی وہ یہ ہے ؎

بہار آنے کو ہے گلشن مرا ہندوستاں ہوگا
رہا محکوم گو اب تک مگر اب حکمراں ہوگا
مٹیں گے تفرقے احساسِ خودداری جواں ہوگا
زمانہ آئے گا ہندوستاں ہندوستاں ہوگا
یہ ثالث بن کے بیٹھے غیر کیوں ہندی مذاہب کے
یہاں ناقوس کا نغمہ باندازِ اذاں ہوگا

لیکن ۱۹۴۷ء میں جب آفتابِ حریت طلوع
ہوا تو قومی یک جہتی کے تار سیاسی ہنگاموں نے
اور شکستہ کردئے۔ شعراء کے قلم کو جنبش ہوئی
اور نظموں اور غزلوں کی شکل میں ایسا سرمایہ ہاتھ
آیا جو افادی ادب میں یادگار اور یک جہتی کے
حصولِ مقصد کے لئے مفید ثابت ہوا۔

قومی یکجہتی کے لئے انسانیت کا جذبہ بہت ضروری
ہے کیونکہ اسی سرچشمے سے ہمدردی، رواداری، ملی و
حق شناسی کے سوتے پھوٹے ہیں۔ جگر کہتے ہیں ؎

انسان بن انسان یہی ہے تری معراج
رنگِ وطن و قوم کی لعنت سے گذر جا
انسانیتِ عام کے مرکز کی بنا ڈال
ہر ناقص و محدود جماعت سے گذر جا

جگر صاحب سارے تفرقات کو مٹاکر ایک ہونے کا
درس دیتے ہیں اور ساتھ ہی ایسے نظام کے منتظر
ہیں جسمیں تفریقِ خاص و عام نہ ہو۔ ناتواں توانا کے
دوش بدوش کھڑا ہوسکے۔ ساقی کا کرم ان امتیازات
سے بالاتر ہو اور ہر کس و ناکس کو سیراب کرے۔ اگر
طرفداری اور احباب نوازی کی جھلک نظر آتی ہے
تو وہ جام و مینا سے دست بردار ہونا پسند کرتے ہیں ؎

مجھ کو نہیں قبول یہ تخصیصِ خاص و عام
ساقی یہ اپنا شیشہ اٹھا اپنا جام لے

جگر صاحب کے لب و لہجہ میں اعتماد پایا جاتا ہے کہ
اگر روحِ آدم کے تقاضوں کو پورا کردیا جائے تو یہی
عالم جو شر پسند عناصر کی وجہ سے "نمونۂ دوزخ" بنا ہوا
ہے "جنت جاوید" بن سکتا ہے بشرطیکہ ہم اسے
اجتماعی مساعی سے حاصل کرنا چاہیں ؎

روحِ آدم نگراں کب سے ہے تیری جانب
اٹھ اور اک جنتِ جاوید یہیں پیدا کر

ملک میں تعمیری پروگرام کی کامیابی کیلئے "قومی یک جہتی"
اشد ضروری ہے۔ اس کو مفکر شعراء نے پالیا اور اپنے
اشعار میں مختلف طریقوں سے ظاہر بھی کردیا۔

●●

ہے زمینِ مہاراشٹر کتنی حسیں　　اس کا ہر ذرّہ ہے عکسِ خلدِ بریں
کیوں نہ اس پر کریں ناز اس کے مکیں　　سارے بھارت کی زینت مہاراشٹر ہے
کتنی پیاری ریاست مہاراشٹر ہے!

اس میں آباد ہیں سارے صوبوں کے لوگ　　اپنے اپنے خیالوں، عقیدوں کے لوگ
مختلف رسموں، ریتوں، رواجوں کے لوگ　　مرکزِ قوم و ملت مہاراشٹر ہے
کتنی پیاری ریاست مہاراشٹر ہے!

اس کی آغوش میں کتنے ہی کوہسار　　لہلہاتے ہوئے کھیت اور سبزہ زار
کتنے روماں پرور ہیں لیل و نہار　　رشکِ گلزارِ جنت مہاراشٹر ہے
کتنی پیاری ریاست مہاراشٹر ہے!

وہ اجنتا ایلورا کے مشہور غار　　رشکِ بہزاد ہیں جن کے نقش و نگار
سنگ تراشی کے بے حد حسیں شاہکار　　جائے سیر و سیاحت مہاراشٹر ہے
کتنی پیاری ریاست مہاراشٹر ہے

یہ شیواجی کے خوابوں کی تعبیر ہے　　سنبھاجی کے عزائم کی تحریر ہے
شاہوجی کے ارادوں کی تصویر ہے　　ویرتا کی علامت مہاراشٹر ہے
کتنی پیاری ریاست مہاراشٹر ہے

سنت اکناتھ اور سوامی گیانیشور　　نام دیو سوامی اور ہیں رشی چکردھر
یہ سبھی اس زمیں کے ہیں لعل و گہر　　مخزنِ علم و حکمت مہاراشٹر ہے
کتنی پیاری ریاست مہاراشٹر ہے

وِدّیا، دھرم، وشواس اور شانتی　　شِکشا تھی رام داس اور تکارام کی
فیض پاتا رہا اس سے اشرف کا جی　　ہند کی شان و شوکت مہاراشٹر ہے
کتنی پیاری ریاست مہاراشٹر ہے

محمد غلام رسول اشرف
تکیہ معصوم شاہ، مومن پورہ، ناگپور ۱۸

رشید الدین
مددگار مترجم (اردو) محکمۂ ترجمہ، حیدرآباد۔ ۲۸ (آندھرا پردیش)

مراٹھواڑہ ریاست مہاراشٹر کا ایک ڈویژن ہے۔ اس کا مستقر اورنگ آباد ہے اور اس میں پانچ اضلاع اورنگ آباد، ناندیڑ، پربھنی، بیڑ اور عثمان آباد شامل ہیں۔ ریاستوں کی تنظیم جدید (۱۹۵۶ء) سے قبل یہ علاقہ ریاستِ حیدرآباد میں شامل تھا۔ یہاں کی اکثریت کی زبان مراٹھی ہونے کی وجہ سے یہ مہاراشٹر کے حصّہ میں آیا۔ سابق ریاستِ حیدرآباد میں یہ بے حد پسماندہ علاقہ تھا لیکن اب بہت تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔ ۱۹۵۸ء میں یہاں اسی علاقہ کے نام سے اپنی یونیورسٹی بھی قائم کر دی گئی ہے جو مراٹھواڑہ یونیورسٹی کہلاتی ہے۔ یہ خطّہ تقریباً ۲۷ ہزار مربع میل پر مشتمل ہے جس کی آبادی لگ بھگ ۶۰ لاکھ ہے۔

دکن کی تاریخ میں مراٹھواڑہ اور اس کے مستقر اورنگ آباد کو ہمیشہ اہمیت حاصل رہی ہے۔ تاریخ کے قدیم ترین دور سے لے کر آج کے جمہوری دور تک دکن میں مراٹھواڑہ کی سرزمین یکساں اہمیت کی حامل رہی ہے۔ اس قول کی تائید میں دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس سرزمین پر پھیلی ہوئی بیسیوں تاریخی نشانیاں زبانِ حال سے اس کی گواہی دے رہی ہیں۔ اس مختصر سے مضمون میں مراٹھواڑہ کی چند ایسی ہی قدیم اور تاریخی یادگاروں کا جائزہ لیا گیا ہے جس کا مقصد قارئینِ "قومی راج" کو مہاراشٹر کی اس سرزمین کی اہمیت سے واقف کروانا ہے۔

اورنگ آباد

• مراٹھواڑہ میں جو تاریخی یادگاریں ہیں ان میں سے کچھ اس کے مستقر پر بھی موجود ہیں اس لیے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سلسلہ یہیں سے شروع کیا جائے۔ اورنگ آباد زمانۂ قدیم سے ایک تاریخی، تمدنی اور ثقافتی شہر رہا ہے۔ یہاں کے باشندے بہت متین، سنجیدہ اور سمجھدار ہیں۔ اسی لئے سابق رضاکار لیڈر قاسم رضوی نے اورنگ آباد کو طنزاً "عقلائے یونان کی بستی" کہا تھا۔ بہمنی دور

تک یہ ایک چھوٹا سا موضع تھا جس کا نام کھڑکی تھا۔ عادل شاہی سپہ سالار ملک عنبر نے پہلی بار اس کی طرف توجہ کی اور اس کا نام فتح نگر رکھ کر اس کی ترقی کی طرف توجہ کی۔ اس نے یہاں مٹی کے نلوں کا جو نظام قائم کیا تھا وہ اپنی نظیر آپ تھا اور آج بھی اس کی نشانیاں جگہ جگہ شہر میں موجود ہیں۔

اورنگ آباد کا دوسرا محسن اورنگ زیب تھا جس نے اپنی دکن کی صوبیداری کے زمانہ میں (بعہد شاہجہاں) اسے اپنا مستقر بنایا اور بے حد ترقی دی۔ اس کا موجودہ نام اسی بادشاہ کے نام پر ہے۔ اورنگ زیب کو یہ شہر بہت پسند تھا اور "رقعاتِ عالمگیری" میں اس نے اس کی آب و ہوا اور باشندوں کی تعریف کی ہے۔ اورنگ آباد پر تیسری اور سب سے بڑی مہربانی نظام الملک آصف جاہ اوّل نے کی اور اسے اپنی نئی نویلی ریاست (جو بعد کو ریاستِ حیدرآباد کے نام سے مشہور ہوئی) کا پایہ تخت بنایا۔ ان کا محل جو نوکھنڈہ کہلاتا ہے آج بھی موجود ہے۔ ان کے جانشین نظام الملک ثانی نے اپنا پایہ تخت حیدرآباد منتقل کر لیا۔ اورنگ آباد کی سب سے مشہور اور خوبصورت تاریخی یادگار مقبرہ رابعہ دُرّانی ہے جو عرفِ عام میں "بی بی کا مقبرہ" کہلاتا ہے۔ یہ اورنگ زیب کی بیوی رابعہ دُرّانی کا مقبرہ ہے جسے اس کے بڑے بیٹے شہزادہ اعظم نے اپنی ماں کی یاد میں تعمیر کروایا۔ یہ بالکل تاج محل کی نقل ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تاج محل سنگِ مرمر کا ہے اور یہ اینٹ اور چونے کا۔ اسی مناسبت سے اسے 'دکن کا تاج محل' بھی کہا جاتا ہے۔

اورنگ آباد کی تاریخی یادگاروں میں ایک پن چکی ہے۔ یہ بھی ایک قدیم عمارت ہے جہاں آج بھی بڑے خوبصورت انداز میں کافی اونچی دیوار سے پانی چادر کی شکل میں گرتا رہتا ہے۔ یہ ملک عنبر کے نظامِ آب رسانی کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ چونکہ قدیم زمانے میں یہاں پانی سے چکی چلا کرتی تھی اس لئے یہ عمارت اس نام سے مشہور ہو گئی۔ چکی آج بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ اس عمارت میں ایک مسجد، ایک لائبریری اور دکن کے ایک بزرگ بابا مسافر شاہ کی درگاہ بھی ہے۔ ندی کے کنارے بنی ہوئی یہ ایک خوبصورت عمارت ہے اور لائق دید ہے۔

اورنگ آباد فصیلوں سے گھرا ہوا شہر ہے جسے اورنگ زیب نے تعمیر کروایا تھا۔ یہاں اورنگ زیب کا محل بھی ہے جو "قلعہ ارک" کہلاتا ہے۔ شہر میں داخل ہونے کے لئے کئی بڑے بڑے دروازے ہیں جو اب تاریخی اہمیت کے حامل ہو گئے ہیں جن میں دلّی دروازہ، فتح دروازہ، پیٹھن دروازہ اور جنگل دروازہ خاص طور پر مشہور ہیں۔ یہاں اورنگ زیب کی بنائی ہوئی جامع مسجد بھی ہے جو آج بھی شہر کی سب سے بڑی مسجد ہے اور جہاں آج بھی کثیر جماعت ہوتی ہے۔ اورنگ آباد میں مقبرہ کے پیچھے کی پہاڑیوں میں بدھ مت کے زمانے کے بعض غار بھی ہیں لیکن انھیں زیادہ شہرت حاصل نہیں ہے۔ آج بھی شہر اورنگ آباد میں گھومتے ہوئے آپ کو جگہ جگہ مسجدیں، درگاہیں، گنبد اور کھنڈر نظر آئیں گے اور آپ کو اس بات کی یاد دلائیں گے کہ ۔ ایک تاریخی اور تمدنی شہر ہے۔

اجنتا کے غار

مراٹھواڑہ کی تاریخی یادگاروں میں جتنی اہمیت اجنتا کے غاروں کو حاصل ہے وہ کسی دوسری یادگار کو نہیں، اور مراٹھواڑہ ہی پر کیا منحصر ہے یہ سارے ہندوستان کی سب سے بڑی تاریخی یادگار ہے۔ اس کی ہمسری کا دعویٰ تاج محل ہی کر سکتا ہے یا پھر ایلورہ کے غار۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے کونے کونے سے جوق در جوق لوگ اسے دیکھنے آتے ہیں۔ اِن غاروں کو عالمگیر شہرت اور اہمیت حاصل ہے۔ یہ غار جتنے مشہور ہیں اتنے ہی قدیم بھی ہیں۔ بعض تاریخی شہادتوں کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ غار دکن کے قدیم ہندو راجاؤں کے زمانے میں بنائے گئے جن میں چالوکیہ خاندان کے راجا خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اس طرح ان غاروں کو بنے ہوئے ڈیڑھ ہزار سال کا عرصہ ہوتا ہے۔

ایک زمانہ گزرنے کے بعد یہ غار مٹی کی تہوں میں چھپ گئے تھے۔ لیکن انگریزوں کے زمانے میں ان کی دوبارہ کھدائی ہوئی اور اس طرح دنیا ایکبار پھر ان سے روشناس ہوئی۔ اِن غاروں کی جملہ تعداد ۲۶ ہے جو ایک ہی چٹان کو کاٹ کر بنائے گئے ہیں۔ اجنتا کے غاروں کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ پتھروں کو تراش کر بنائے جانے کے بعد پینٹ بھی کئے گئے ہیں

ایلورہ - غار ۱۶ . خوبصورت تراشیدہ کھڑکی

یہی پینٹنگ اجنتا کے غاروں کو ایلورہ کے غاروں سے ممیز کرتی ہے ۔ ایلورہ میں صرف پتھر کا کام ہے جب کہ اجنتا میں دیواروں کے اوپر پینٹنگ کا کام بھی کیا گیا ہے ۔ کل ۲۶ غار ہیں جن میں سے غار نمبر ۲، ۱۱، ۱۷، ۱۹ اور ۲۶ خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ غار کسی زمانے میں بُدھ مت کی خانقاہیں یا درسگاہیں رہے ہیں کیونکہ ہر غار میں گوتم بدھ کی مورتی ضرور ہے ۔ اس کے علاوہ مختلف تصاویر میں اس زمانے کی معاشرت اور ماحول کی جھلک ملتی ہے ۔

ایلورہ کے غار

اجنتا کے غاروں کے بعد مراٹھواڑہ میں دوسری اہم تاریخی یادگار ایلورہ کے غار ہیں ۔ یہ غار اورنگ آباد سے کچھ میل دور خلد آباد کے قریب ایک پہاڑی میں واقع ہیں ۔ جو بھی سیاح ہندوستان آتے ہیں وہ اجنتا کے بعد ان غاروں کو ضرور دیکھتے ہیں ۔ اجنتا کے غاروں کی طرح یہ غار بھی قدیم ہندو راجاؤں کے زمانے میں تراشے گئے ۔ اجنتا کی طرح ایک ہی پہاڑ کے طویل سلسلوں کو کاٹ کر یہ غار بنائے گئے ہیں ۔ ایلورہ میں کیلاش کا مندر خاص طور پر قابل ذکر ہے ۔ اجنتا کے برخلاف یہاں ہندو دیوی دیوتاؤں کی تصاویر ہیں ۔

قلعہ دولت آباد

مراٹھواڑہ میں یہ قلعہ بھی کافی تاریخی اہمیت کا حامل ہے ۔ گیارھویں صدی عیسوی میں یادو خاندان کے بادشاہ بھیلم اوّل نے یہ قلعہ تعمیر کروایا تھا جو اس وقت مٹی کا تھا بعد میں یہ خلجیوں کے ہاتھ آیا اور اس کے بعد اس پر تغلق قابض ہوئے ۔ اسی زمانے میں اس قلعہ کو دوبارہ پختہ تعمیر کیا گیا ۔ تغلق خاندان کا زمانہ اس قلعہ کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا کیونکہ محمد تغلق نے دولت آباد کو سارے ہندوستان کا پایۂ تخت قرار دے کر چند سال اسی قلعہ سے حکمرانی کی ۔ تغلق خاندان کے بعد یہ مغل بادشاہوں کے قبضہ میں آیا ۔ مغل خاندان کے بعد یہ قلعہ آصف جاہی علمبرداری میں شامل رہا اور آج کل مہاراشٹر کا جزو ہے ۔ اس طرح اس قلعہ نے کئی زمانے اور ادوار دیکھے اور ہر زمانے کی یادگاریں اس میں موجود ہیں ۔

یہ قلعہ آج بھی کافی مضبوط اور مستحکم ہے اور اسے دیکھنے سے شاہی جلال ٹپکتا ہے ۔ قلعہ کے برابر ہی ایک ہلکے لال رنگ کا اونچا مینار ہے جسے "چاند مینار" کہا جاتا ہے ۔ اسے احمد شاہ ولی بہمنی نے اپنی فتح کی خوشی میں سنہ ۱۴۳۵ء میں تعمیر کرایا تھا ۔ اس کے علاوہ یہاں ایک خوبصورت اور چھوٹا سا محل بھی ہے جسے "چینی محل" کہا جاتا ہے ۔ اسے ایک نظام شاہی ملکہ نے بنوایا تھا ۔ یہ محل پورے کا پورا چینی کے کام سے مرصع ہے ۔ اسی کی مناسبت سے اسے چینی محل کہا جاتا ہے ۔ اورنگ زیب نے گولکنڈہ کے آخری تاجدار ابوالحسن تانا شاہ کو یہیں قید کیا تھا ۔ قلعہ دولت آباد میں ایک مسجد بھی ہے جسے علاء الدین خلجی کے تیسرے بیٹے مبارک خلجی نے بنوایا تھا ۔ یہاں ایک مٹھ بھی ہے جو جنار دھن سوامی کا ہے ۔ سوامی جی بہمنیوں کے زمانے میں قلعدار تھے ۔ ہر سال یہاں ان کی جاترا بہت جوش و خروش سے منائی جاتی ہے ۔

خُلد آباد

خُلد آباد جہاں ایک تاریخی جگہ ہے وہیں ایک روحانی مقام بھی ہے ۔ تاریخی جگہ اس لئے ہے کہ یہاں بڑے بڑے بادشاہ دفن ہیں اور انکے عالیشان مقبرے ہیں، اور روحانی مقام اسلئے ہے کہ یہاں مسلمانوں کے بہت بلند پایہ عالم اور ولی ابدی نیند سو رہے ہیں ۔ خلد آباد مراٹھواڑہ کا ایک بہت ہی پرفضا مقام ہے اسی لئے اسے خلد آباد یعنی جنت سے مناسبت دی گئی ہے ۔ پہلے یہ ایک نامعلوم اور معمولی سا مقام تھا مگر اس کی آب و ہوا اور محل وقوع کی وجہ سے بہت جلد ہر ایک کی توجہ کا مرکز بن گیا جن میں دنیا دار بھی تھے اور دین دار بھی ۔ یوں تو یہاں کئی اولیا واللہ دفن ہیں لیکن انمیں خواجہ منتجب الدین زرزری بخش دولھا کی درگاہ کو خاص شہرت حاصل ہے ۔ ہر سال یہاں بڑے پیمانے پر ان کا عرس ہوتا ہے ۔

تاریخی حیثیت سے یہ مقام اس لئے اہم ہے کہ یہاں آصف جاہی خاندان کے پانچ بادشاہ دفن ہیں اور مغل شہنشاہ اورنگ زیب کا مزار بھی یہیں ہے ۔ ابوالحسن تانا شاہ (آخری فرمانروائے گولکنڈہ) کو بھی یہیں دفن کیا گیا ہے ۔ اسی وجہ سے آئے دن یہاں زائرین اور سیاحوں کا جمگھٹ رہتا ہے ۔

خلد آباد اورنگ آباد سے سولہ میل دور ہے اور ایک تعلقہ ہے ۔ ایلورہ کے غاروں کو یہاں سے پیدل جا سکتے ہیں ۔ دولت آباد بھی اسکے قریب ہی ہے ۔

پیٹھن

پیٹھن بھی خلد آباد کی طرح ایک تاریخی اور روحانی مقام ہے لیکن فرق یہ ہے کہ خلد آباد مسلمانوں کا تاریخی اور روحانی مقام ہے اور یہ ہندوؤں کا ۔ قدیم زمانے میں یہاں ہندوؤں کی عظیم الشان سلطنت قائم تھی جس کے سطوت کے نشان آج بھی اس سرزمین پر موجود ہیں ۔ یہ گوداوری کے کنارے (جسے دکن کی گنگا کہتے ہیں) آباد ہے ۔ سنت ایکناتھ مہاراج کی سمادھی کی وجہ سے یہ مقام ایک روحانی مقام بھی بن چکا ہے ۔ ہر سال یہاں ان کی جاترا بڑے شاندار پیمانے پر منائی جاتی ہے ۔ سنت ایکناتھ بھگتی دور کے ایک ممتاز (باقی صفحہ ۲۸ پر)

• سیّد آلِ رسول
۱۱ ، ہیپی ہاؤس ، سیکنڈ فلور ، کالینہ کرلا روڈ ،
سانتا کروز ایسٹ ، بمبئی ۴۰۰۰۲۹

اندھیرے اُجالے

سیٹھ کروڑی مل کا دفتر ۔ دفتر نہیں شاید محل ! فرش پر ڈنلپ کا غالیچہ ، جس پر چلتے ہوئے ایسا محسوس ہو جیسے امریکی خلاباز آرمسٹرانگ چاند کی سطح پر چل رہا ہو ۔ کھڑکیوں پر مخمل و کمخواب کے دبیز پردے جن کی ڈیزائن ایسی گویا پردے نہیں شالیمار یا نشاط باغ جھول رہے ہوں ۔ دائیں بائیں دیواروں میں ایئرکنڈیشنز جڑے ہوئے ۔ اُس کونے میں ایک قدآدم فریج رکھا ہوا ۔ وسط میں ہل ٹاپ کی بڑی سی میز جس کی جھلکتی ہوئی سطح میں سر کے کالے سفید بال نمایاں نظر آئیں اِس کے اوپر لال ، پیلے اور سفید رنگ کے ٹیلیفون قرینے سے سجے ہوئے ۔ چھت میں آویزاں فلوریسنٹ فانوس کی ٹھنڈی سفید شعاعیں میز پر رکھے بلوریں قلمدان کے گلے ملتی ہوئی ۔ میز کے اُس طرف ایک بڑی سی ریوالونگ چیئر اور اُس میں کمر تک دھنسے ہوئے سیٹھ کروڑی مل اس وقت اپنی پرائیویٹ سکریٹری مس پرمیلا کو ڈکٹیشن دے رہے تھے ۔

" میسرز چھیلا رام کیمیکلز کے ڈائرکٹر کو لکھو کہ ہمارا سولہ ہزار روپیہ اُن کی کمپنی کے ذمّہ ہے ۔ اب یہ فیصلہ کرنا اُن کا کام ہے کہ اس رقم کی ادائیگی نقد ہوگی یا مال کی صورت میں ۔ اور دیکھو ، میسرز رام بھروسے پلائی وڈ مینوفیکچرنگ کمپنی کو لکھو کہ پچھلے ہفتے جو سامان انھوں نے ہمیں بھجوایا تھا اُس کے بل جلدی بھیج دیں ۔ بعد میں بینک والے بہت پریشان کرتے ہیں ۔ اور ہاں جوگیشوری پلاسٹک ورکس کو لکھ دو کہ انھوں نے جو آرڈرز ہمیں دیئے ہیں اُن کی تعمیل میں مزید ایک ہفتہ لگ جائے گا ۔ مال تیار ہوتے ہی سب سے پہلے اُن کو ہی بھیجا جائے گا ۔ ایک لیٹر انڈسٹریل ایکسپریس اخبار کے ایڈورٹائزنگ منیجر کو لکھو کہ دو دن پہلے ہماری کمپنی کا جو اشتہار انھوں نے .... اچھا آج اتنا ہی رہنے دو ۔ اخبار کو کل دیکھا جائے گا ۔"

یہ کہہ کر سیٹھ جی نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی ۔ مس پرمیلا نے نوٹ بک بند کر کے میز پر دونوں ہاتھ ٹیکتے ہوئے آگے کو جھک کر کہا ۔ " سر آج آپ کی طبیعت کچھ ..." بائیس سالہ سکریٹری کے اُبلتے ہوئے شباب کو آنکھوں میں

تے ہوئے سیٹھ بولے: "ہاں، آج سر میں
سا درد ہے!"

جیسے ایک ڈاکٹر اپنے مریض کا معائنہ
کے لئے اُٹھتا ہو ایسے مس پرمیلا اُٹھی
پنے باس کی کرسی کے ہتھے پر بیٹھ گئی۔
اسکرٹ کچھ اور اونچا ہو گیا۔ سیٹھ نے
ی کمر میں ہاتھ ڈال کر اُسے اپنے اندر سمیٹ

بھی سفید ٹیلی فون کی گھنٹی چیخ اٹھی۔ اپنے
اور لباس کی شکنیں درست کرتی ہوئی
پرمیلا ایک جھٹکے سے الگ ہو گئی۔ سیٹھ
برا منہ بناتے ہوئے ریسیور اُٹھایا، دوسری
اُن کی آفس سکریٹری بول رہی تھی: " سر
والی ایجنسی کا نمائندہ آپ سے ملنا
ا ہے۔"

' سہاری! اس وقت میں کسی سے نہیں مل
اُس سے کہو کل شام کو آجائے!"
ر رکھتے ہوئے سیٹھ بولے۔ اُس وقت
ن پرمیلا اپنے ہونٹوں پر لپ اسٹک
، تہہ چڑھا چکی تھی۔ اُس نے بڑھ کر پنسل
ٹ بک اُٹھائی اور اپنے کیبن کی طرف
کے لئے مُڑی۔

جاتے جاتے دوسرا ایرکنڈیشنر بھی چالو
نا" سیٹھ نے لانگ چیئر پر دراز ہوتے
کہا۔

نام کو جس وقت سیٹھ کروڑی مل اپنی
ڑ آٹومیٹک کار میں گھر واپس ہوئے
قت تک وہ اچھی خاصی نیند لے چکے
ر شمپئن کی کافی مقدار اُن کے معدے
چکی تھی۔ کار سے اُتر کر انھوں نے
روم میں قدم رکھا ہی تھا کہ اُن کی
لہ اکلوتی بیٹی نیلما اُن کی ٹانگوں سے
)۔" لائیے ہماری سویٹ، لائیے ہماری
سویٹ!"

سیٹھانی نے غصے سے نیلما کو پیچھے گھسیٹتے
ہوئے کہا:

"تھوڑی سانس تو لینے دے، کام پر سے
تھکے ہارے آرہے ہیں۔"

بیوی کا یہ جملہ سُن کر سیٹھ کروڑی مل
کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

— ۵ —

"مدد کرو بابا، مدد کرو میرے مائی باپ،
دونوں ٹانگوں سے محتاج غریب کی مدد کرو سیٹھ"
بھگوان تمہاری روزی روزگار میں برکت دے بابا،
تمہارے بال بچے سُکھی رہیں، آنہ دو آنہ، پیسہ
دو پیسہ جھولی میں ڈالتے جاؤ میرے ماں باپ،
یہ لنگڑا دعائیں دے گا بابا، بھوکے بچوں کو روٹی
......" گوپال کی آواز رُندھ گئی۔ اُس کا گلا
سوکھ گیا تھا۔ اُس نے کندھے پر لٹکی جھولی میں
ہاتھ ڈال کر ٹٹولا۔ ڈبل روٹی کے دو سوکھے
ٹکڑے اور دو چار سڑے ہوئے بسکٹ۔ آج کی
کمائی یہی کچھ تھی۔ اُس کے ڈبے کی زنگ آلو تہہ
میں پڑے دو دو پیسے کے تین سکے گویا سورج کی
تیز کرنوں کو اپنے اندر سمو لینے کی کوشش کر رہے
تھے۔ اُس نے سوچا: کل چھ پیسے! ان میں تو
مٹھی بھر چنے بھی نہیں آئیں گے۔ منّی، رجیا،
لاڈو، رامو اور ان کی ماں کو کیا کھلاؤں گا؟

اُس نے ایک نظر اپنے اوپر ڈالی۔ وہ جو کچھ تھا
بس کمر کے اوپر تھا! اُس کی دونوں ٹانگیں کچھ برس
پہلے لوکل ٹرین کے خونخوار پہیوں کی نذر ہو چکی تھیں۔
اسپتال میں اُس نے اپنی موت کی کیسی کیسی دعائیں
مانگی تھیں مگر اُسکی قسمت میں تو بمبئی کی ان تپتی ہوئی
سڑکوں پر گھسٹتے گھسٹتے زندگی گزارنا لکھا تھا۔

"کچھ تو رحم کرو میرے مائی باپ، میں لنگڑا محتاج
کوئی کام بھی نہیں کر سکتا، میرے بال بچے بھوکے ہیں
سیٹھ، بھگوان تمہیں بہت سا دے، مدد کرو میرے
مائی...."

اُسے پھر رُک جانا پڑا۔ دھڑ کے نیچے بندھے
ہوئے لکڑی کے تختے کا ایک تسمہ ڈھیلا ہو گیا تھا۔
رات کو رجیا کی طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی اس لئے
وہ دیر سے سو پایا تھا۔ اُس کا معمول تھا کہ وہ صبح
چار بجے اُٹھ جاتا اور تیار ہو کر پانچ بجے کی پہلی لوکل
پکڑتا۔ پہلی شفٹ پر جاتے ہوئے لوگ کام پر
چڑھنے سے پہلے بھگوان کو خوش کرنے کے لئے
کچھ نہ کچھ دان ضرور کیا کرتے۔ مگر رات کو دیر سے
سونے کی وجہ سے وہ آج صبح جلدی نہیں اُٹھ پایا
تھا اور اُلٹی سیدھی تیاری کر کے جس وقت وہ اسٹیشن
پر پہنچا تھا تب تک پہلی لوکل جا چکی تھی۔ صبح کی
جلدی جلدی میں اُس کے تختے کا ایک تسمہ ڈھیلا رہ
گیا تھا۔ لکڑی کے جن گٹکوں کو ہاتھ میں تھامے وہ
زمین پر گھسٹتا تھا انھیں ایک طرف رکھ کر اُس نے
تسمہ کو کس کر باندھا۔

گوپال نو بجے تک لوکل ٹرینوں میں بھیک مانگتا
اور جب دفتر جانیوالوں کی بھیڑ بڑھ جاتی تو وہ بس
اسٹاپوں کا رُخ کرتا۔ بس کی کیو کے ساتھ گھسٹتے
صبح سے دوپہر، دوپہر سے شام اور شام سے رات ہو
جاتی۔ گھر آتے آتے وہ سوکھی روٹیوں اور جھوٹے چاولوں
کی اتنی مقدار ضرور حاصل کر لیتا کہ رات کو اُسکے بچے
خالی پیٹ نہ سونے پائیں۔ تھوڑا بہت چلّر بھی جمع
ہو جاتا تھا۔

اُس نے ایک نظر بس کی لمبی لائن پر
ڈالی اور پھر ڈبے میں پڑے ہوئے دو دو پیسے
کے تین سکّوں کو دیکھا۔ آج اُس کی قسمت
اُس کے ساتھ مذاق کر رہی تھی۔ اپریل مئی کے
سورج کی جھلس، بدن کو پگھلاتی ہوئی کولتار
کی سڑک، بس کے انتظار میں کھڑے ہوئے یہ بابو
لوگ! خالی ڈبہ، خالی جھولی۔

ہم اس چمن کو جنّت ارضی بنائیں گے !

جب ذہن ارتقائے مکمل تک آئیں گے
جب دل صحیح جشن محبّت منائیں گے
جب اہل فکر منزلِ مقصود پائیں گے
ناآفریدہ غنچہ و گُل مُسکرائیں گے
ہم اس چمن کو جنّتِ ارضی بنائیں گے

اُبھریں گے خاکِ دشت سے گلشن نئے نئے
دامن میں ابر لائیں گے ساون نئے نئے
چمکیں گے بجلیوں پہ نشیمن نئے نئے
معراجِ زندگی کا فسانہ سنائیں گے
ہم اس چمن کو جنّتِ ارضی بنائیں گے

ذوقِ نگاہ بن کے گلستانِ روشنی
دے گا غرورِ فکر کو احساسِ برتری
اور بہرِ خیر مقدمِ انوارِ آدمی
شمعیں لئے ثوابت وسیّار آئیں گے
ہم اس چمن کو جنّتِ ارضی بنائیں گے

نفرت کی دھوپ غم کی کڑی جھیل جھیل کے
ذہنوں میں بھر کے تند خیالات میل کے
پاکیزگیٔ شوق دلوں میں انڈیل کے
احساس کو شرابِ طہورا پلائیں گے
ہم اس چمن کو جنّتِ ارضی بنائیں گے

زر داریٔ ستم کا کلیجہ نکال کے
نخوت کے سر سے ظلم کی پگڑی اچھال کے
پھندا وفا کا تیغ کی گردن میں ڈال کے
شمشیرِ آب دار کو سولی چڑھائینگے
ہم اس چمن کو جنّتِ ارضی بنائیں گے

مینائے زندگی سے شرابِ اَبد پیو
آغوش رنگ و نور کے پالو جیو جیو
بھر کو شباب عظمتِ انساں کی مستیو
اس سرمدی رباب پہ دل گیت گائینگے
ہم اس چمن کو جنّتِ ارضی بنائیں گے

انور نواب انور لکھنوی
شیش محل، حسین آباد، لکھنؤ

پھر بھی اُس نے ہمت نہیں ہاری۔

سورج ڈھلتے ڈھلتے اُس کے ڈبے میں کچھ سکے اور جھولی میں باسی سوکھے ٹکڑے اور آ گئے تھے۔

پھٹے پرانے ٹاٹ اور سڑی گلی چٹائیوں سے منڈھی ہوئی جھونپڑی میں جس وقت گوپال داخل ہوا، منی، لاڈو اور رامو دوڑ کر اُس سے لپٹ گئے:

"بابو ہمارے لئے کیا لائے، بابو ہمارے لئے کیا لائے؟" ایک کونے میں پڑی بیمار رجیا نے بھی چمکتی ہوئی نگاہوں سے بابو کے کندھے پر لٹکتی ہوئی جھولی کو دیکھا۔

تبھی گوپال کی بیوی گلا پھاڑ کر چلائی ——

"کم بختو، تھوڑی تو سانس لینے دو، کام پر سے تھکے ہارے آ رہے ہیں۔"

بیوی کے یہ الفاظ سُن کر لنگڑے محتاج بھکاری گوپال کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

بقیہ مراٹھواڑہ

مراٹھی شاعر ہی نہیں ہیں بلکہ ایک روحانی بزرگ بھی ہیں۔ اُردو کے مشہور محقق اور نقاد سید حامد مرحوم ایم۔ اے، ایل ایل بی (عثمانیہ) لکچرار اُردو عثمانیہ یونیورسٹی کا وطن پٹن ہی تھا۔ اس کے علاوہ مہاراشٹر کے موجودہ چیف منسٹر شری ستکار راؤ چوان کا تعلق بھی پٹن ہی سے ہے۔ شری چوان عثمانیہ یونیورسٹی کے اردو میڈیم کے گریجوایٹ ہیں اور اپنی اردو دوستی کے لئے شہرت رکھتے ہیں۔ چنانچہ امسال اُنھوں نے اپنے عہدہ کا جائزہ حاصل کرتے ہی سب سے پہلا اعلان یہ کیا کہ مہاراشٹر میں ایک اُردو اکاڈمی قائم ہوگی۔ اُن کی اس رواداری اور شائستگی کو پٹن ہی کی دین سمجھنا بے جا نہ ہوگا۔

ریاض احمد خاں

مہاراشٹر میں سبز انقلاب

یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ کسی بھی ریاست کی مکمل خوشحالی اُس کی اپنی زرعی پیداوار پر منحصر ہوتی ہے۔ ہر ریاست اپنی پیداوار بڑھانے کے لیۓ مختلف ذرائع استعمال میں لاتی ہے اور جہاں تک ممکن ہوتا ہے ایک سال میں دو فصلیں اُگانے کی کوششیں کرتی ہے۔ ہمارے یہاں فصلوں کا زیادہ تر دارومدار بارش پر ہوتا ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ موسم میں بارش نہیں ہوتی جس کی وجہ سے ایک بھی فصل نہیں ہو پاتی۔ اس مشکل پر قابو پانے کے لیۓ غیر قدرتی ذرائع استعمال میں لاۓ جانے لگے ہیں تاکہ وقت پر فصلوں کو پانی میسّر ہو سکے اور فصلیں اچھی ہوں۔

مہاراشٹر بھی ہندوستان کی اُن ریاستوں میں شمار کیا جاتا ہے جہاں پر فصلوں کا دارومدار برسات کے اچھا اور بروقت ہونے پر ہے۔ یہ ریاست تین لاکھ سات ہزار سات سو باسٹھ مربع کلومیٹر کے رقبہ میں پھیلی ہوئی ہے جہاں پر لوگوں کا عام پیشہ کاشتکاری ہے۔

زرعی پیداوار بڑھانے کے لیۓ حکومتِ مہاراشٹر ہر ممکن ذرائع استعمال کر رہی ہے۔ ہمارے وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان نے اپنے پہلے پالیسی اعلان میں جو کہ آل انڈیا ریڈیو بمبئی سے ۱۲ر فروری ۱۹۷۵ء کو نشر ہوا تھا، فرمایا ہے کہ ہم مہاراشٹر میں زرعی ترقی کے لیۓ ہر نۓ طریقے کو بروۓ کار لائیں گے اور آبپاشی کے ذریعہ جہاں تک ممکن ہوگا اُن مقامات پر کاشتکاری کے لیۓ پانی مہیّا کریں گے جہاں پانی نہیں پہنچ سکتا۔ وزیر اعلیٰ نے اپنے اعلان میں یہ بھی کہا ہے کہ کسانوں کے فوائد کو مدِنظر رکھتے ہوۓ بڑے پیمانے پر زمینوں کو سُدھار کر کاشت کاری کے لائق بنایا جاۓ گا۔

اِس مضمون کے اعداد و شمار "مہاراشٹر ۷۴-۱۹۷۳ء" سے لیۓ گۓ ہیں۔

مہاراشٹر نے پچھلے ۳، ۴ سالوں میں اناج کی پیداوار بڑھانے میں نمایاں کام انجام دئے ہیں۔ جہاں تک جوار، باجرہ، دھان اور مکئی کا تعلق ہے۔ ہائی برِیڈ طریقہ کار اپنایا گیا ہے جس سے پیداوار کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ اس سمت میں جو دوسرا قدم مہاراشٹر نے اٹھایا ہے وہ یہ ہے کہ کاشتکاروں کو اناج کی ترغیب آمیز قیمت دیتی ہے اور ساتھ ہی قرض کی شکل میں مالی امداد بھی دیتی ہے۔

پورے ہندوستان میں مہاراشٹر پہلی ریاست ہے جس نے کاشتکاروں کو اناج کی ترغیب آمیز قیمت دینا شروع کی اور ساتھ ہی تھوک خرید کی اسکیم بنائی۔ یہ اسکیم اب حکومتِ ہند نے بھی اپنائی ہے اور دوسری حکومتوں کو اسے اپنانے کی سفارش بھی کی ہے۔

حکومت کو اس بات کا پورا پورا احساس ہے کہ تا وقتیکہ آبپاشی کے ذرائع عمدہ نہ ہوں، بڑے پیمانے پر اناج نہیں اُگایا جاسکتا اس لئے پانی جمع کرنے اور اسے مناسب اور ضرورت کے وقت کھیتوں میں پہنچانے کے لئے قریب قریب ہر ضلع میں ڈیم (بندھ) بنوائے ہیں۔ مثال کے طور پر بمبئی ڈویژن کے ناسک ضلع میں گرنا ڈیم تعمیر کرایا جس سے ۵۷,۲۰۶ ہیکٹر زمین پر سینچائی ہوتی ہے۔ پونا ڈویژن میں کھڑک واسلہ اور ویر ڈیم تعمیر کرائے ہیں جن سے بالترتیب ۲۱,۱۶۱ اور ۱۶,۱۰۷ ہیکٹر زمین پر سینچائی کی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ پونا ڈویژن میں اور بھی کئی ڈیم تعمیر کرائے ہیں جنمیں ٹلا، بھیما، وارنا و کرشنا ڈیم شامل ہیں جو احمد نگر، پونا، شولاپور، سانگلی، کولھاپور اور ستارہ اضلاع میں سینچائی کے کام میں معاون ثابت ہو رہے ہیں۔ ناگپور ڈویژن میں اپٹادو، باغ اور پس ڈیم ہیں جو چندرپور، بھنڈارہ اور ایوت محل کے اضلاع میں سینچائی میں مدد کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی درمیانی اور چھوٹے چھوٹے ڈیم ہیں جن سے سینچائی کے کام میں مدد ملتی ہے۔

حکومت نے ان ڈویژنوں میں نئے پروجیکٹوں کی تعمیر کا کام بھی شروع کردیا ہے جس سے اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ اب کسانوں کو آبپاشی کے لئے پانی کی تکلیف نہیں ہوگی اور وہ اپنے کھیتوں کو بارش کے رحم وکرم پر نہیں رہنے دیں گے بلکہ اپنی ضروریات کے لئے ان ڈیموں سے پانی حاصل کریں گے۔

مہاراشٹر میں چاول کی کاشت بڑے پیمانے
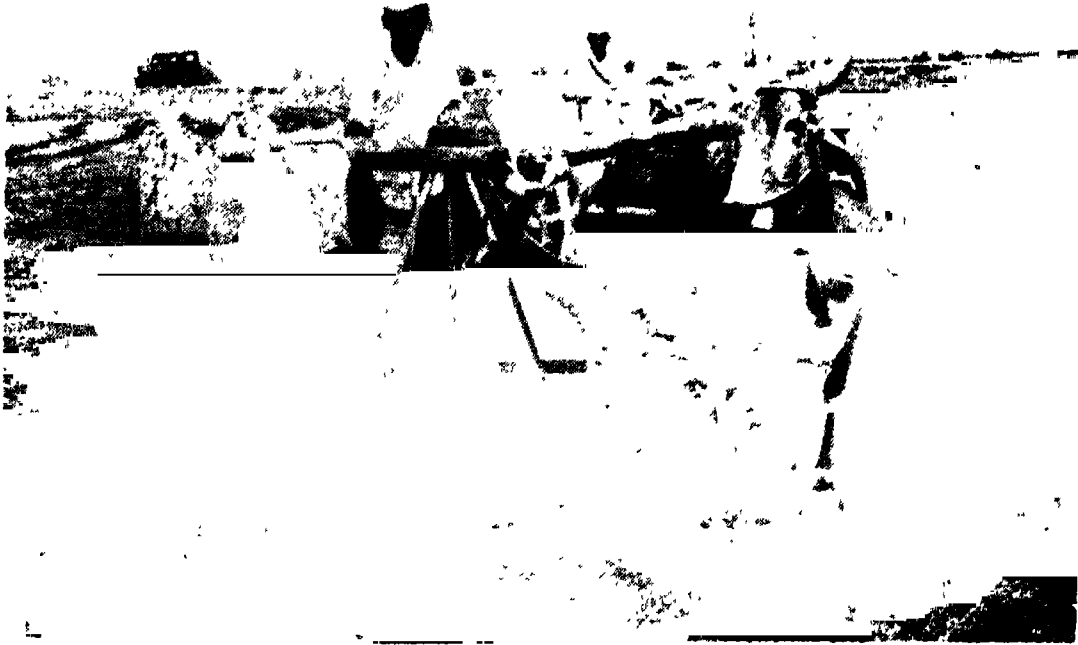
بارش سے پہلے کھیتوں کو تیار کیا جارہا ہے۔
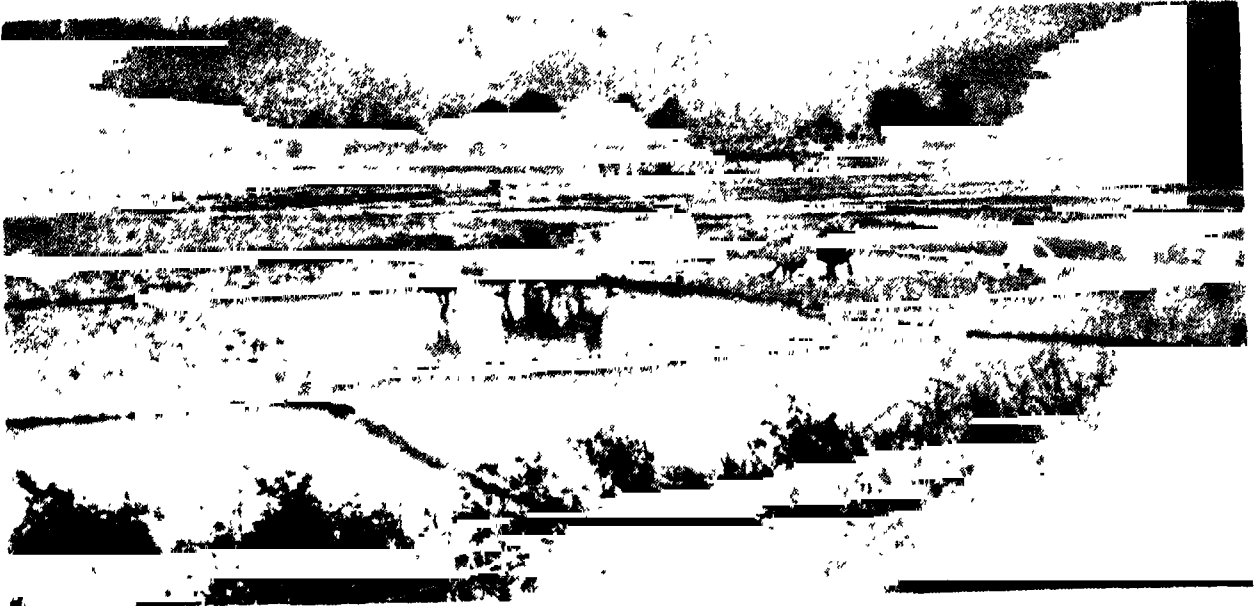
کولھاپور ضلع میں چاول کا کھیت تیار کیا جا رہا ہے!

پر ہوتی ہے۔ ساحلی اضلاع جیسے تھانہ، قلابہ، اور رتناگیری؛ ودربھ کے اضلاع جیسے چندرپور اور بھنڈارہ میں چاول بڑے پیمانے پر اُگایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی اضلاع میں چاول کی کاشت ہوتی ہے۔ ان ساحلی اضلاع میں ۴ء۱ لاکھ ہیکٹرز زمین پر چاول کی کاشت ہوتی ہے اور ۵ء۴ لاکھ ٹن چاول حاصل کیا جاتا ہے۔ اسطرح چندرپور اور بھنڈارہ میں ۵ لاکھ ہیکٹر زمین پر چاول کی کاشت ہوتی ہے اور ۰۷ء۴ لاکھ ٹن چاول سالانہ حاصل کیا جاتا ہے۔

مہاراشٹر میں تیسرے پنجسالہ منصوبے کے آخر تک کپاس کی کاشت ۲۶ء۶ لاکھ ہیکٹرز زمین پر ہوتی تھی جس سے ۱۰ لاکھ گانٹھ کپاس حاصل کی جاتی تھی۔ حالانکہ منصوبے کے مطابق ۱۵ء۴۴ لاکھ گانٹھ کپاس ہونا چاہیئے تھی مگر بارش نہ ہونے کی وجہ سے پیداوار میں کمی واقع ہوگئی۔

مہاراشٹر میں ودربھ ڈویژن کے امراوتی، اکولہ ضلع خاص طور سے کپاس کی کاشت کیلئے مشہور ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں کی زمین کالی اور چکنی ہے جو کپاس کی پیداوار کے لئے بہت موزوں ہے۔ مہاراشٹر میں جتنی بھی کپاس پیدا ہوتی ہے اُسمیں ودربھ میں ۸۰٪ اور باقی ۲۰٪ دوسرے علاقوں میں ہوتی ہے۔ حکومت نے کپاس کی تھوک خرید کے لئے مختلف اقدام اُٹھائے ہیں جن سے کاشتکاروں کو بروقت کپاس کے دام دیئے جاتے ہیں اور وہ مختلف کپاس کے بیوپاریوں کے چنگل میں پھنس جانے سے محفوظ رہتے ہیں۔

چوتھے پنجسالہ منصوبے کے اختتام (۷۴-۱۹۷۳ء) تک حکومتِ مہاراشٹر کا منصوبہ تھا کہ کپاس کی ۱۹ لاکھ گانٹھیں پیدا کی جائیں۔ جبکہ ۷۰-۱۹۶۹ء میں ۱۲ء۱۴، ۷۱-۱۹۷۰ء میں ۴ء۷۴، ۷۲-۱۹۷۱ء میں ۱۱ء۴۹ اور ۷۳-۱۹۷۲ء میں ۱۰ء۵۳ لاکھ گانٹھیں پیدا کی جاسکیں۔ پیداوار میں کمی کا سبب بارش کا وقت پر نہ ہونا ہے۔ اس کے علاوہ کپاس کے پودوں اور پھولوں کو برباد کر دینے والے جراثیم بھی ہیں۔ حکومت نے کپاس کی پیداوار بڑھانے کے لئے نئے اقدام بھی اٹھائے ہیں جن میں I.C.D.P.، سینٹرل پیکیجس، اسٹیٹ اور کوآرڈی نیٹیڈ کاٹن ڈیولپمنٹ اسکیم، شامل ہیں۔ بڑے ریشے والی کپاس زیادہ مقدار میں پیدا کرنے کیلئے ضروری اقدام اٹھائے جارہے ہیں۔

گنے کی کاشت پر مہاراشٹر میں ۱۹۴۹ء سے توجہ دی جارہی ہے۔ اس سے پہلے بھی یہاں گنے کی کاشت ہوتی تھی مگر اس طرف کاشتکاروں کی خاص توجہ نہیں تھی مگر اس منافع بخش تجارت کی طرف جیسے ہی کاشتکاروں کی نظریں گئیں، گنے کی پیداوار میں دن رات اضافہ ہوتا گیا۔ شروع میں ۲۴,۸۰۰ ہیکٹر زمین پر گنے کی کاشت ہوتی تھی اور خاص طور سے ان علاقوں کے قرب وجوار میں جہاں شکر بنانے کے کارخانے تھے۔ دوسرے پنجسالہ منصوبے کے اختتام تک ۴۸,۰۰۰ ہیکٹر زمین پر گنے کی کاشت ہونے لگی اور بڑھتے بڑھتے تیسرے پنج سالہ پلان تک ۱,۷۱,۲۰۰ ہیکٹر

زمین پر گنے کی کاشت ہونے لگی۔ چوتھے پنچسالہ منصوبے کے تحت ۲,۲۰,۰۰۰ ہیکٹر زمین پر گنے کی کاشت کرنے کا حکومت نے پروگرام بنایا تھا کیونکہ اس وقت تک آبپاشی کے لئے مختلف ذرائع سے پانی کی فراہمی اچھی طرح ہو سکتی تھی۔ تیسرے پنچسالہ منصوبے کے اختتام (۶۶-۱۹۶۸ء) تک مہاراشٹر میں ۱,۱۰,۴۰,۰۰۰ میٹرک ٹن گنے کی کاشت ہوئی جبکہ چوتھے پنچسالہ منصوبے کے اختتام تک گنے کی کاشت ۴۲۰, ۲,۶۲, ۲ میٹرک ٹن تک پہنچ گئی [illegible] تک گنے کی پیداوار ایک کروڑ ۲۹ لاکھ [illegible] تک پہنچ گئی تھی۔ ۷۲-۱۹۷۱ء سے گنے کی پیداوار میں کمی ہونا شروع ہوگئی ہے کیونکہ آبپاشی کے لئے ڈیموں میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے پانی کا ذخیرہ نہ رہ سکا۔

ملک میں اناج کی قلت کو دور کرنے میں مہاراشٹر کافی جدوجہد میں مصروف ہے اور ہر اس اسکیم کو استعمال میں لانے سے گریز نہیں کیا جس سے پیداوار میں اضافہ ہو۔ یہاں پر حکومت کے ساتھ کاشتکاروں نے بھی زیادہ سے زیادہ اناج پیدا کرنے میں نئی مثالیں پیش کی ہیں۔ حکومت کی طرف سے اچھے قسم کے بیج کاشتکاروں کو مہیا کئے جاتے ہیں۔ مختلف قسم کی کھاد کے ساتھ ہی حکومت اس کے استعمال کے طریقوں سے بھی کسانوں کو معلومات پہنچاتی رہتی ہے۔ حکومت نے محسوس کیا ہے کہ جب تک کاشتکاروں کو مفید معلومات فراہم نہ کی جائیں گی اسوقت تک کاشتکار بڑے پیمانے پر اناج نہیں اگا سکتے اسلئے کاشتکاروں کو بروقت صحیح مشورہ دینے کا بھی حکومت نے انتظام کیا ہے۔

حکومت کی طرف سے غلہ اور تجارتی اجناس کی کاشت پر ریسرچ کیلئے آٹھ ریسرچ اسٹیشن قائم کئے گئے ہیں جہاں جوار، باجرہ، کپاس، گنا، تلہن اور دالوں کی کاشت کے ساتھ ہی ساتھ پھلوں اور سبزی ترکاریوں کی پیداوار پر ریسرچ کی جا رہی ہے۔

زرعی تعلیم کے لئے حکومت مہاراشٹر نے سات گورنمنٹ ایگریکلچرل کالج قائم کئے ہیں اور امدادی

کپاس کی کاشت کا
ایک منظر

گنے کی کاشت مہاراشٹر میں بڑے پیمانے پر کی جاتی ہے۔
تصویر میں سات مختلف قسم کے گنوں کی نمائش کی جا رہی ہے۔

مہاراشٹر میں برسات اور فصل کی صورت حال

مانسون کے آغاز سے ہی آکولہ اور امراوتی اضلاع کے شمالی حصے اور ستارا ضلع کے مشرقی حصے کو چھوڑ کر پوری مہاراشٹر ریاست میں تسلی بخش بارش ہوئی ہے۔ دھان، جوار، باجرہ اور راگی، دالوں نیز کپاس اور مونگ پھلی کی بوائی جولائی کے چوتھے ہفتے تک مکمل کرلی گئی ہے۔ روایتی علاقوں میں دھان کے پودے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا کام بھی پورا کرلیا گیا ہے۔ البتہ بھنڈارہ اور چندرپور اضلاع میں دھان کے پودوں کی منتقلی کا کام ابھی جاری ہے۔ موجودہ صورت حال فصلوں کے صحتمند ارتقاء کیلئے آدرش تصور کی جارہی ہے۔ کچھ دنوں کے لیے بارش تھم جانے سے ریاست کے بہت سے علاقوں کے کسانوں کو نرائی کرنے کا موقع مل گیا ہے۔

ریاستی سرکار نے ساٹھ ہزار ٹن کیمیاوی کھاد اور ۷۵ لاکھ روپے کی مالیت کی جراثیم کش ادویات کی تقسیم کے انتظامات کئے ہیں۔ دور دراز دیہات کو بھی زرعی خام مال کی فراہمی کا بندوبست کیا گیا ہے۔

ریاستی حکومت نے رواں فصل خریف کے دوران ۵۰ تا ۶۰ لاکھ ٹن غذائی اجناس کے حصول کے نشانے کی تکمیل کے لئے پوری تیاریاں کرلی ہیں۔ ربیع سیزن کیلئے ۳۶ لاکھ ٹن کا نشانہ مقرر کیا گیا ہے۔ اسطرح دونوں فصلوں کو ملاکر تقریباً نوے لاکھ ٹن غلے کے حصول کا نشانہ متعین کیا گیا ہے جو ۷۴-۱۹۷۳ء کے دوران خوراکی اجناس کی پیداوار سے تقریباً چودہ فیصد زیادہ ہوگا۔

ریاست مہاراشٹر میں تیرہ لاکھ ہیکٹر پر خریف چاول، ۲۲ لاکھ ہیکٹر پر جوار، ۲.۰ لاکھ ہیکٹر پر باجرہ، دو لاکھ ہیکٹر پر راگی، چھ لاکھ ہیکٹر پر ارہر اور چودہ لاکھ ہیکٹر پر دوسری دالوں کی کاشت کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ۲۷ لاکھ ہیکٹر پر کپاس اور نو لاکھ ہیکٹر پر مونگ پھلی بوئی گئی ہے۔ ریاست میں کل قابل کاشت علاقہ ۱۸۳ لاکھ ہیکٹر ہے جسمیں دس لاکھ ہیکٹر کا وہ علاقہ بھی شامل ہے جہاں دوہری فصل اگائی جاسکتی ہے۔

اس سال مانسون کی صورت حال گذشتہ تین برسوں کے مقابلے میں کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ عملی طور پر ریاست کے کسی بھی حصے میں اپریل کے مہینے میں ماقبل مانسون چھینٹے نہیں پڑے۔ مئی کا مہینہ قدرے بہتر گذرا۔ پورے مراٹھواڑہ، ناسک، پونہ، ستارہ، کولھاپور اور شولاپور اضلاع اور بلڈانہ، ایوت محل، وردھا اور چندرپور اضلاع اور کوکن خطے میں مانسون سے پہلے کی نارمل بارش ہوئی۔ شمالی مہاراشٹر اور بقیہ علاقوں میں بارش نہ ہونے کے برابر تھی۔ ریاست کے بڑے حصے میں ماقبل مانسون چھینٹے پڑ جانے کی وجہ سے مٹی نرم پڑگئی جس سے کسانوں کو کھیت جوتنے کا موقع مل گیا۔

ریاست کے جنوبی کوکن خطے میں عموماً ۶ جون سے موسلا دھار بارش شروع ہوجاتی ہے۔ اس سال بھی مانسون اپنے مقررہ وقت پر شروع ہوا مگر بعض ناقابل فہم وجوہات کی بنا پر مانسون ۱۷ درجہ عرض البلد شمال پر ہی تھم گیا۔ ۱۵ جون کے بعد مانسون تیزی سے بڑھنا شروع ہوا اور ۱۹ جون تک پوری ریاست پر چھاگیا۔ اگرچہ مانسون نے پوری ریاست کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا پھر بھی بارش کی صورت حال اطمینان بخش نہیں تھی۔ کوکن، جنوبی دکن اور اکوٹ، دریا پور تحصیلوں کو چھوڑ کر پورے ودربھ میں اور مراٹھواڑہ میں ناندیڑ اور پربھنی اضلاع میں جون کے تیسرے ہفتے تک نارمل برسات ہوئی جبکہ احمد نگر، شولاپور، پونہ کا مشرقی حصہ، ستارا اور سانگلی جون کے آخر تک بارش کے منتظر رہے۔ جون کے آخر تک تقریباً ساٹھ تا ستر فی صد خریف علاقے میں بوائی شروع ہوگئی تھی۔ احمد نگر ضلع کا شری رام تعلقہ بھی جون کے آخر تک سوکھا رہا لیکن متعلقہ حکام نے حاجت مند کسانوں کے لئے پروَرا نہر سے پانی مہیا کیا جس کی مدد سے اس تعلقے میں بھی بوائی کا کام شروع کردیا گیا۔ نہر سے پانی کی فراہمی کے سلسلے میں عام طور پر کافی سے زیادہ دفتری کارروائیاں کرنی پڑتی ہیں مگر موجودہ ایمرجنسی کی وجہ سے یہ کام جلد ہی پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔

جولائی کے مہینے میں ریاست بھر میں دور دور تک اچھی بارش ہوئی اور خریف کی بہتر فصل کے امکانات روشن ہوگئے۔ زرعی ماہرین کا کہنا ہے کہ فصلوں کے ارتقاء کے لئے ابھی اور زیادہ بارش کی ضرورت ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ اناج حاصل کرکے عوام کی ضروریات کی تکمیل کی جاسکے۔

اور ورودھ (ضلع چندرپور) میں دو اگریکلچرل کالج مالی امداد کے تحت قائم کئے گئے ہیں۔ یہ کالج پونا، ناگپور، اکولہ، دھولیہ، پربھنی، کولھاپور اور داپولی (ضلع رتناگیری) میں قائم کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ کسانوں کے لئے اور بھی ٹریننگ سینٹر قائم کئے گئے ہیں جہاں مختلف قسم کی تربیت دی جاتی ہے۔

ان تمام ترقیاتی منصوبوں کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ عنقریب مہاراشٹر نہ صرف اپنی ضرورت کیلئے اناج پیدا کرسکے گا بلکہ ملک کی دوسری ریاستوں کی بھی مدد کرسکے گا۔ ◆◆

چھوت چھات کا تاریخی پس منظر

بھارت کی قدیم تاریخ کا مطالعہ کرنے سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ آج سے ہزاروں سال پہلے بھارت کے شمال میں دراوڑ نام کی ایک مہذب قوم رہتی تھی۔ اس قوم کے تہذیبی آثار موہن جو داڑو اور ہڑپا کی صورت میں آج بھی سندھ کے علاقے میں محفوظ ہیں۔ یہ ایک قوم تھی۔ ان کا ایک مذہب تھا، ایک تہذیب تھی، ایک تمدن تھا۔ یہ لوگ پستہ قد تھے۔ ان کا جسم گھٹا ہوا تھا، رنگ سیاہ تھا۔ جسم پر بال تھے۔ یہ لوگ اپنے طور پر ایک شائستہ تہذیب کے مالک تھے۔ اس وقت اس قوم میں کسی بھی قسم کا امتیاز یا بھید بھاؤ نہیں تھا۔ یہ لوگ آپس میں متحد تھے اور مل جل کر کام کرتے تھے۔

اس کے بعد تاریخ کا وہ دور آیا جب آریاؤں نے شمالی ہند پر حملہ کیا۔ دونوں قوموں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ یہ جنگ صرف دو قوموں کی جنگ نہیں تھی بلکہ دو تہذیبوں کی جنگ تھی۔ اس جنگ میں دراوڑوں نے شکست کھائی۔ ان میں سے کچھ جنوب کی طرف بھاگ گئے اور جو نہیں بھاگے انہوں نے آریاؤں کی اطاعت قبول کرلی۔

آریہ بھارت میں حملہ آور کی حیثیت سے نہیں آئے تھے بلکہ وہ یہاں بود و باش اختیار کرنا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے بہ حیثیت فاتح، مفتوح قوم کے ساتھ کسی بھی قسم کا ظالمانہ رویّہ اختیار نہیں کیا، بلکہ وہ ان کے ساتھ شیر و شکر ہوگئے۔ البتہ دونوں قومیں ایک دوسرے کی تہذیب اور رسم و رواج سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں۔ لیکن یہ بات ضرور ہے کہ آریاؤں اور دراوڑوں کے اس باہمی ملاپ سے چھوت چھات کی تاریخ کا آغاز ضرور ہوا۔ ہم اس ملاپ کو آغاز اس لئے کہتے ہیں کہ اپنے میں اور دراوڑ میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے آریاؤں نے دراوڑوں کو "ان آریہ" کہا۔ اس طرح آریاؤں نے بھارت کی سرزمین پر قومی امتیاز کا پہلا بیج بویا۔

وقت گذرتا گیا۔ آبادی بڑھتی گئی اور اس کے ساتھ ساتھ ضروریاتِ زندگی میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ اب آریہ اور ان آریہ دونوں قومیں پورے شمالی ہندوستان میں پھیل چکی تھیں۔ ضروریاتِ زندگی نے ذمّہ داریوں کا احساس دلایا۔ ابتدا میں اس احساس نے ذمّہ داریوں کو چار گروپ میں تقسیم کیا۔ ایک گروپ مذہبی فرائض ادا کرانے والوں کا تھا۔ آگے چل کر یہ گروپ برہمن کہلایا ان کے ذمّہ پوجا پاٹ، یگیہ، شادی بیاہ اور موت میّت کے وقت مذہبی رسموں کا ادا کرنا تھا۔ سماج میں اس گروپ کو بہت بڑی اہمیت حاصل تھی۔ دوسرا گروپ ان لوگوں کا تھا جنھوں نے اپنے ذمّہ تجارت اور کاروبار کو لیا تھا۔ یہ ویشس کہلائے۔ تیسرے گروپ کے لوگ فوج میں بھرتی ہوئے اور کھتری کہلائے اور چوتھے گروپ نے عوام النّاس کی خدمت اپنے ذمّہ لے لی۔ تاریخ آج بھی ان کو شُدر کے نام سے جانتی ہے۔ اس طرح پہلی بار سماج چار ذاتوں میں تقسیم ہوا۔ ابتدا میں یہ چاروں گروپ ایک ساتھ رہتے، سہتے اور کھاتے پیتے تھے۔ سبھوں کو مندروں میں جانے کی اجازت تھی، گاؤں کے کنوئیں سبھوں کے لئے کھلے ہوئے تھے۔ شادی بیاہ پر کسی قسم کی پابندی نہیں تھی۔ یہ لوگ آسانی سے اپنی ذات بدل سکتے تھے۔ اپنا پیشہ بدل سکتے تھے۔ کوئی کسی سے برتر یا کم تر نہیں تھا۔

لیکن جوں جوں وقت گذرتا گیا۔ ذاتوں میں تناؤ

ریاض آفندی ۱۴، مسجد اسٹریٹ، بمبئی ۴۰۰۰۰۳

اور کھنچاؤ پیدا ہوگیا۔ ایک ذات کئی ذاتوں میں تقسیم ہوئی۔ اس طرح چار ذاتوں میں سے بے شمار چھوٹی چھوٹی ذاتیں بنیں۔ ان چھوٹی چھوٹی ذاتوں نے سماج کی فضا کو اسقدر گندہ اور مکدّر کرکے رکھدیا کہ انسان کو اس میں گھٹن محسوس ہونے لگی۔ بڑی ذات والوں نے چھوٹی ذات والوں پر اَن گنت پابندیاں عائد کیں۔ شادی بیاہ کے مسائل میں پیچیدگیاں پیدا ہوگئیں۔ ہر ذات کا اپنا الگ کنواں تھا۔ کھیتی باڑی کے لئے زمینیں بٹ گئیں، بستیاں ایک دوسرے سے الگ ہوگئیں۔ پیشے ایک دوسرے کیلئے مخصوص ہوگئے غرض قدم قدم پر ذات پات کی پابندیاں عائد تھیں اور ان پابندیوں نے انسان کا جینا دوبھر کردیا۔

ممکن تھا کہ ذات پات کے اس بڑھتے ہوئے ظلم وستم میں انسان مرجاتا، انسانیت دم توڑ دیتی، لیکن قدرت کو یہ منظور نہیں تھا۔ قدرت کو اس سرزمین پر انسانیت کو زندہ رکھنا تھا، اس لئے اس نے انسان کے روپ میں ایک مہاتما کو بھارت کی سرزمین پر بھیجا، جس نے اپنی روحانی طاقت سے ذات پات کے بندھنوں کو کاٹا اور انسان کو ذات پات، چھوت چھات کی غلامی سے نجات دلائی۔ اس روحانی طاقت کا نام **گوتم بدھ** تھا۔

گوتم بدھ نے اپنی تعلیمات کے ذریعے ایک عظیم انقلاب پیدا کیا۔ انہوں نے صرف ذات پات، چھوت چھات اور چھوٹے بڑے کے خلاف ہی جنگ نہیں لڑی بلکہ اہنسا کے ذریعہ امن و آشتی کا پیغام بھی دیا۔ گوتم بدھ کا یہی پیغام بھارت کی آزادی کا سبب بنا۔

گوتم بدھ کے بعد اُن کے پیروکار راجاؤں نے بدھ کی تعلیمات پر سختی سے عمل کیا، لیکن ہرش وردھن کے بعد بدھ مذہب شاہی سرپرستی سے محروم ہوگیا تو ہندو مذہب کو دوبارہ فروغ حاصل ہوا اور ذات پات ایک بار پھر سماج کیلئے بدنما داغ کی صورت میں نمودار ہوئی۔ وہ چنگاری جو برسوں سے راکھ میں دبی ہوئی تھی، ایک شعلہ بن کر اٹھی اور کئی سو سالوں تک سماج اس آتش گیر شعلہ کی لپیٹ میں سُلگتا رہا، جلتا رہا۔

زمانے بدلتے گئے۔ ایک دور کے ساتھ ایک تاریخ ختم ہوئی اور دوسرے دور کے ساتھ دوسری تاریخ کا آغاز ہوا۔ اس طرح ہندوستان کی تاریخ کا زمانہ آگے بڑھتا گیا یہاں تک کہ آزادی کی جدوجہد کا دور شروع ہوا۔ یہ جدوجہد کسی ایک خاص قوم کے لئے نہیں تھی۔ کسی ایک مذہب سے تعلق رکھنے والوں کیلئے نہیں تھی بلکہ یہ ان تمام ہندوستانیوں کے لئے تھی جو بھارت میں شمال سے لے کر جنوب تک اور مشرق سے لیکر مغرب تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس جدوجہد کی باگ ڈور مہاتما گاندھی کے ہاتھ میں تھی۔ وقت کا تقاضا یہ تھا کہ تمام ہندوستانیوں میں اتحاد، اتفاق اور یکجہتی ہو۔ لہٰذا گاندھی جی نے آزادی کی تحریک کے ساتھ ساتھ سماج کو چھوت چھات کی غلامی سے آزادی دلانے کی کوشش شروع کی۔ انہوں نے سابرمتی اور وردھا کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی چھوٹے بڑے آشرم قائم کئے۔ ان آشرموں میں ان لوگوں کو بسایا جن کا سماج میں کوئی مقام نہیں تھا یا جن کو سماج نے ٹھکرادیا تھا۔ گاندھی جی نے ان کو اپنے سینے سے لگایا اور ان کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر آزادی کی مہم کیلئے پدیاترائیں کیں۔

گاندھی جی کی اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے پورے بھارت میں ان کے پیروکاروں نے عملی طور پر حصہ لیا۔ اس سلسلے میں مہاراشٹر بھی کسی سے پیچھے نہیں رہا لہٰذا بال گنگادھر تلک، گوپال کرشن گوکھلے، مہاتما جیوتی باپھلے، مہارشی کروے جیسے لیڈروں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور چھوت چھات کے خلاف ایک مضبوط محاذ کھڑا کیا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر امبیڈکر اور سنت ونوبا بھاوے کی خدمات کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

آزادی کے بعد چھوت چھات کے انسداد کو دستوری حیثیت دی گئی۔ آج حکومت پچھڑی ہوئی قوموں کو سماجی، معاشی، اقتصادی اور ثقافتی طور پر آگے بڑھنے کے لئے ہر قسم کی مراعات دے رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان طبقوں نے گذشتہ پچیس سالوں میں زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کی ہے۔ حکومت کے ہر شعبہ میں ان کو ملازمتیں حاصل ہیں، مرکزی اور ریاستی کابیناؤں میں ان کی نشستیں محفوظ ہیں۔ آج یہ ہر محکمے میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں اور تعلیم کے میدان میں بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ غرض ملک کی آزادی کے ساتھ ساتھ سماج کو بھی ذات پات، چھوت چھات سے آزادی مل چکی ہے، لیکن صدیوں کی لعنت پل بھر میں ختم نہیں ہوتی آزادی کی ربع صدی گذرنے کے بعد بھی سماج میں اس کے ہلکے پھلکے جراثیم اب بھی باقی ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ آج کی تعلیمیافتہ نسل آگے چل کر سماج کو ان گندہ جراثیم سے پاک وصاف کرکے رکھ دے گی۔

چھوت چھات کے افادی اور غیر افادی پہلو

اس مختصر تاریخی جائزہ کے بعد ہم ذات پات کے غیر افادی اور افادی پہلوؤں پر سرسری نظر ڈالیں گے جنھوں نے سماج کو دونوں طور پر متاثر کیا ہے۔

ابتدا میں ذاتوں کی بنیاد جن وجوہات کی بنا پر پڑی اُن کا مقصد ہرگز یہ نہیں تھا کہ سماج کو مختلف ذاتوں میں تقسیم کرکے انسانی برادری کے ٹکڑے کردئے جائیں اور بے بس انسانوں پر انسانیت سوز مظالم ڈھائے جائیں بلکہ سماجی

حیثیت سے اس کا بنیادی مقصد صرف کاموں کی تقسیم تھا۔ معاشی اعتبار سے کاموں کی تقسیم مفید ہے۔ اس سے صرف کام ہی تقسیم نہیں ہوتا ہے بلکہ ذمہ داری کے احساس کے ساتھ ساتھ اس کی تکمیل بھی ہوتی ہے، اس لئے ہر شخص اپنے کام کو اپنا فرض سمجھ کر اس کو خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیتا ہے۔ اس طرح مدتوں تک جب ایک فرد یا ایک قوم مسلسل ایک ہی کام کو انجام دیتی ہے تو وہ فرد یا وہ قوم اس کام میں ماہر ہو جاتی ہے۔ اس طرح سماج میں ہر کام کے ماہرین پیدا ہوتے ہیں جو اپنی فنی صلاحیتوں سے زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کرتے ہیں اور ہر پہلو سے سماج کی نشو و نما ہوتی ہے۔

ذات پات کا یہ ایک نہایت ہی روشن پہلو ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا اور اسی وجہ سے آریاؤں نے ابتداء میں سماج کو چار ذاتوں میں تقسیم کیا۔ لیکن آگے چل کر تنگ نظری اور تعصب نے ذات پات کے اس روشن پہلو کو تاریکی میں بدل دیا۔ اس سے صرف یہی نقصان نہیں ہوا کہ انسان کئی چھوٹی بڑی برادریوں میں بٹ گیا بلکہ اس سے نفرت و حقارت کی بھاؤناؤں نے بھی جنم لیا۔ ایک ذات کا دوسری ذات سے تنفر اس قدر مضرت رساں ثابت ہوا کہ اس نے انسانی قدروں کو مٹا کر رکھ دیا اور انسانیت کو پامال کر کے چھوڑا۔ خصوصاً چھوٹی ذات والوں پر جو مظالم ڈھائے جاتے تھے اُن کی داستان سُن کر آج بھی دل کانپ اُٹھتا ہے۔ نفرت کے جذبے نے سماج میں بے شمار مسائل پیدا کئے۔ ان مسائل کا تعلق صرف مذہب ہی سے نہیں تھا بلکہ انسان کی روزمرّہ کی زندگی سے بھی تھا۔ اس کی ادنیٰ سی مثال یہ ہے کہ چھوٹی ذات والوں کو پانی جیسی بنیادی ضرورت کے لئے بھی ترسنا پڑتا تھا۔ صرف پانی حاصل کرنے کے لئے انھیں میلوں کا فاصلہ طے کرنا پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ اتحاد، باہمی یکجہتی کا تصور مفقود ہو چکا تھا۔ محبت و اخوت نام کو بھی نہیں تھی

خود غرضی اور مفاد پرستی کی جڑیں اسقدر مضبوط ہوگئی تھیں کہ اس کے اثرات آجتک موجود ہیں۔

ذات پات کے ان تاریک پہلوؤں سے سماج کو اس قدر پست کر دیا تھا کہ ہر پہلو سے اس کی ترقی رک گئی تھی۔ معاشی (اقتصادی) طور پر ہی نہیں بلکہ تعلیمی، ثقافتی، مذہبی اور تجارتی طور پر بھی ہندوستانی سماج بہت پچھڑ چکا تھا۔ ہماری آزادی کے مراحل میں بھی ذات پات کا مسئلہ ایک زبردست رکاوٹ بن کر سامنے آیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ گاندھی جی نے آزادی کی مہم کو کامیاب بنانے کے لئے ذات پات کی تقسیم کا قلع قمع کر دیا۔ ہماری آزادی کی تاریخ کا ایک زرّین باب ذات پات کا خاتمہ بھی ہے۔

آج آزادی کے ۲۷ سال بیت چکے ہیں۔ بھارت نے ہر میدان میں ترقی کی ہے۔ ارتقاء کی اس مختصر سی تاریخ میں ہر اس قوم کا ہاتھ ہے جو بھارت میں پیدا ہوئی ہے، پروان چڑھی ہے اور آج بھارت کی آزاد فضا میں سانس لے رہی ہے۔ آج آزاد جمہوریہ بھارت میں کوئی چھوٹا نہیں ہے، کوئی بڑا نہیں ہے، کوئی اچھوت نہیں ہے، بلکہ سب برابر ہیں۔ سب ہندوستانی ہیں۔ سب بھارتی ہیں۔ ہمارا دستور ان سب کا محافظ ہے اور ہم سب اپنی آزادی و جمہوریت کے پاسبان ہیں۔

●●

بہشتِ جاوداں

کروٹیں لینے لگی صبح بہارِ گلستاں
آگئی پھر ساعت آزادئ ہندوستاں

خون سے سینچا ہے برسوں ہم نے اپنا گلستاں
اے خزاں تیرا مقدّر ہوگئیں رسوائیاں

یہ سمن زاروں کی مستی جھوم جائے زندگی
یہ گلابوں کی قطاریں دیکھنے کا ہے سماں

اب گلوں کے رُخ پہ ہے شبنم کی بوندوں کی قطار
دور سے لیکن نظر آتا ہے رقصِ کہکشاں

جشن پھر آزادئ ہندوستاں کا جشن ہے
آج تو ہے نام سب کے دعوتِ پیرِ مغاں

جنگ سے نفرت ہے امن و آشتی اپنا شعار
جس کا عنواں پیار ہے وہ ہے ہماری داستاں

نغمۂ آزادئ ہندوستاں گاتے ہوئے
جانبِ منزل رواں ہے زندگی کا کارواں

ذرہ ذرہ سے وطن کے ہم کو بیحد پیار ہے
ہم وطن ہی کو سمجھتے ہیں بہشتِ جاوداں

مومن خاں شوق
۱۳-۳-۳ سی، معظم پورہ (جدید ملے پلی) حیدرآباد ۱

چھوت چھات کی روک تھام اور قومی یکجہتی

ہندوستان جیسے عظیم ملک میں جہاں بہت ساری خوبیاں ہیں وہاں چند بُرائیاں بھی ہیں جنھوں نے بھیانک بیماری کی شکل اختیار کر لی ہے۔ چھوت چھات اور فسادات اُن بیماریوں میں سے ہیں جنھوں نے ناسور کی شکل اختیار کر لی ہے اور ملک کے ترقیاتی جسم کو کھائے جا رہی ہیں۔ چھوت چھات کی وبا اس ملک میں بہت قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے۔ پیغمبروں اور مذہبی رہنماؤں کے اس دیش میں گوتم گاندھی اور خواجہ معین الدین چشتی کے اس ملک میں لوگوں نے امن وامان کے ترانے گائے۔ دوستی و بھائی چارگی کے پھول کھلائے وہیں پر چھوت چھات کے بیج بوئے۔ فسادات کے کانٹے اُگائے۔ یہ پودے عشق پیچاں کی بیل کی طرح بن گئے ہیں جسے آپ کانٹ چھانٹ دیجئے' اکھاڑ کر کہیں اور پھینک دیجئے مگر پھر وہ کہیں نہ کہیں دوسری شکل میں اُگ آتے ہیں۔ تباہی و بربادی کا جال بن کر ملک کے کسی نہ کسی حصے پر چھائے رہتے ہیں۔

ملک کی ترقی میں چھوت چھات اور فسادات کی بیماریوں نے بڑی رکاوٹ ڈالی ہے۔ جہاں جہاں ملک آگے بڑھتا ہے' یہ بیماریاں ملک کو کمزور کرکے ترقی کی راہ میں روڑے اٹکاتی رہتی ہیں۔

ان امراض کی تشخیص بڑی آسانی سے کی جا سکتی ہے لیکن ان کا علاج اتنا ہی مشکل ہے۔ انسانی خود غرضی' مذہبی جنون اور چند انسانوں میں حد سے بڑھا ہوا احساسِ برتری ان بیماریوں کو جنم دیتے ہیں۔ انسان اپنی غرض اور مذہبی جنون کی تسکین کے لئے آئے دن اس قسم کے ہتھکنڈوں سے لاکھوں انسانوں کے چین وسکون کو غارت کرتا رہتا ہے۔ ایسا کہتے ہیں کہ معاشی بدحالی چھوت چھات اور فسادات کی وبا کو بڑھاتی ہے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ معاشی خوشحالی کے زمانے میں بھی یہ بیماریاں اپنی تمام تر خوفناکیوں کے ساتھ ملک کے کسی نہ کسی گوشے میں پلتی اور پروان چڑھتی رہتی ہیں۔

ان بیماریوں کا علاج کیا ہے۔ کیا قوم کے باپو کی تعلیمات اور اُن کی شب و روز کی محنت بیکار ہوگئی؟ کیا یہ جنون کبھی ختم نہ ہوگا؟ کیا اس دیش میں مظلوم اسی طرح مشقِ ستم بنتے رہیں گے؟ یہ ہیں وہ سوالات جو آج شدت سے اُن مظلوموں کے ذہن و دل میں گونج رہے ہیں جو سیکڑوں سال سے ان ظلموں کا شکار رہے۔ اور اب بھی شکار ہو رہے ہیں۔

ایک اچھے کام کے لئے اگر آپ دس پندرہ آدمی جمع کرنا چاہیں تو آپ کو بڑی محنت کرنا پڑے گی اور پھر ہو سکتا ہے کہ آپ کامیاب نہ ہوں۔ لیکن ایک دیوانہ ہزاروں انسانوں کے مجمع کو صرف ایک پتھر پھینک کر منتشر کر سکتا ہے انھیں پریشان کر سکتا ہے اور یہ کام بڑا آسان ہے۔ اس ملک میں یہی ہو رہا ہے۔ اس لئے اگر ان بیماریوں کو ختم کرنا ہے تو ان پتھر پھینکنے والے پاگل کو قابو میں کرنا ہوگا۔ اس کے پاگل پن کا علاج کرنا ہوگا۔

ملک میں ایسے لوگوں کو اپنی گرفت میں لینے کیلئے قوانین بنے ہیں' لیکن ہمیں ایک ایسے سماج کی تشکیل کرنا چاہئے جو ان قوانین کی دل سے عزت کرے اور ان پر عملدرآمد کو اپنا انسانی فریضہ سمجھے۔

حیات انصاری [illegible]
۲۲/۱۵ محمد رجب منزل۔ بمبئی ۸

حقیقت میں چھوت چھات کی ایک ہی تشخیص ہے اور وہ ہے نفرت اور احساسِ برتری کی شدت ۔ ان رجحانات کے شکار افراد نہ صرف سماج میں اونچ نیچ کے تفرقات کو فروغ دیتے ہیں بلکہ ملک کے اتحاد اور قومی یکجہتی کے لئے بھی خطرہ پیدا کرتے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے انسانوں کو سخت سے سخت سزائیں دی جائیں' اُن کی دیوانگی کو ختم کر دیا جائے۔ اور اس وقت تک انھیں قبضے میں رکھا جائے جب تک کہ اُن کا پاگل پن ختم نہ ہو جائے ۔

ہمارے ملکی قوانین میں جہاں کہیں بھی لچک ہے اور جو پیچ وخم ہے اُسے ختم کرکے سیدھے سادے مگر سخت قوانین بنائے جائیں تاکہ ان بیماریوں کو ختم کرنے میں مدد ملے۔

لیکن قوانین ان وباؤں کو کسی حد تک ہی دبا سکتے ہیں۔ انھیں یکسر ختم کرنے کے لئے معاشرے میں بڑا کام کرنا ہوگا اور یہ کام حکومت یا قانون کا نہیں بلکہ اُن لاکھوں کروڑوں انسانوں کا ہے جو حضرت محمدؐ کی تعلیمات پر ایمان رکھتے ہیں، رام، کرشن اور گوتم کے بتائے ہوئے اصولوں پر چلنا چاہتے ہیں، جو نانک، کبیر اور خواجۂ اجمیریؒ کی باتوں پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ ہمارا کام ہے کہ ان تعلیمات کو عام کریں۔ اُن کے اصولوں کو گھر گھر پہنچائیں اور لوگوں کے دلوں میں مذہب کی صحیح روشنی پھیلائیں۔

ملک میں انفرادی غنڈہ گردی کے ساتھ ساتھ جماعتی غنڈہ گردی بھی موجود ہے۔ یہ جماعتیں اپنی فاشسٹ تحریکوں کے ذریعے ملک کے امن وامان پر اکثر و بیشتر حملہ کرتی رہتی ہیں۔ آئے دن خون خرابہ کراتی رہتی ہیں۔ ضرورت ہے کہ صلح و امن پسند عوام خود اپنی اپنی اخلاقی طاقتوں کے ذریعے انھیں ختم کریں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو ملک میں چھوت چھات کی بیماری پھیلتی رہے گی۔ قومی یکجہتی کا مذاق اُڑتا رہے گا۔ مذہبی دیوانوں اور خود غرض انسانوں کی بھینٹ پر لاکھوں بیگناہ قربان ہوتے رہیں گے۔

●

غزل

جب سے تجھ پر فدا ہو گئے ہم — کیا کہیں کیا سے کیا ہو گئے ہم

پہلے تھے تیرے جلوؤں کے مشتاق — اب ترا آئینا ہو گئے ہم

پڑتے ہی تیرا ہلکا سا پرتَو — کیا مجسّم ضیاء ہو گئے ہم

یوں ہمیں دیکھتا ہے زمانہ — جیسے تیری ادا ہو گئے ہم

جوں ہی تیرا پتہ ہاتھ آیا — آپ ہی لاپتا ہو گئے ہم

راہِ اُلفت میں گُم راہ ہوکر — معتبر رہنما ہو گئے ہم

اب نہ زحمت ہو چارہ گری کی — بے نیازِ دوا ہو گئے ہم

منشا، وہ آرزوئے بقا تھی
جس کی خاطر فنا ہو گئے ہم

ڈاکٹر محمد منشاءُ الرحمٰن خاں منشا
۱۱۔ اسٹار کی ٹاؤن ۔ ناگپور

اسکول سے روزگار تک

محمد رفیع الدین فاروقی کی کتاب "اسکول سے روزگار تک" ان لوگوں کے لئے ایک بیش قیمت گائیڈ کی حیثیت رکھتی ہے جو یا تو سرے سے بے روزگار ہیں یا ایسے روزگار سے لگے ہوئے ہیں جو اُن کے لئے موزوں نہیں۔

روزگار کا فرد کی فطری صلاحیتوں کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ اس کے بغیر نہ وہ آسودہ، مطمئن و خوشحال زندگی گزار سکتا ہے اور نہ ہی اپنے منصب اور پیشے سے پورا پورا انصاف کر سکتا ہے۔

تعلیمی و پیشہ ورانہ رہنمائی پر انگریزی میں بے شمار کتابیں ہیں لیکن اردو میں اس موضوع پر شاذ ہی کوئی کتاب مل سکتی ہے۔ چھ ابواب یا حصوں پر مشتمل اس کتاب میں مصنف نے دقیق اور غیر دلچسپ بحثوں میں اُلجھے بغیر "غم روزگار" سے متعلق تمام تر گتھیوں کو ایسے عام فہم اور دلچسپ انداز میں سلجھایا ہے کہ اسکول اور کالج کے طلبہ اور ان کے سرپرست اس سے بھرپور استفادہ کر سکتے ہیں۔ اس کتاب میں حروفِ تہجی کے لحاظ سے پانسو پیشوں کی فہرست دی ہے اور مختلف پیشوں، ملازمتوں اور عہدوں کے لئے ضروری جسمانی و ذہنی صلاحیتوں اور تعلیمی و فنی قابلیتوں کی وضاحت کی ہے۔ نیز اُن کے حصول کے ذرائع کی نشاندہی کی ہے۔ انٹرویو کے لئے مفید مشورے پیش کئے ہیں۔ امریکی مصنف ڈیل کارنیگی نے اسی قسم کی کتابیں لکھ کر عالمگیر شہرت حاصل کی ہے۔ محمد رفیع الدین فاروقی صاحب بھی ایسی ہی مقبولیت اور اردو داں طبقے کی ممنونیت کے مستحق ہیں۔

لکی فائن آرٹ پرنٹنگ پریس، حیدرآباد سے چھپی اس کتاب کی کتابت و طباعت معائب سے پاک اور جاذب نظر ہے۔ یہ ۲۲۴ صفحات کی اس کتاب کی قیمت ۱۰ روپے ۵۰ پیسے ہے اور یہ ۲۳-۲-۶۷۲ شاہ علی بنڈہ روڈ، حیدرآباد (اے پی) سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

● علاء الدین جینابڑے

گیان مارگ کی نظمیں

کرشن موہن جدید شاعر ہیں اور اُن کی غزلوں اور نظموں کے متعدد مجموعے شائع ہو کر مقبول ہو چکے ہیں۔ اُن کی زیر تبصرہ تصنیف "گیان مارگ کی نظمیں" میں اردو اور ہندی کا ایک حسین گنگا جمنی سنگم ہے جو نہ صرف کومل، شرس اور بامعنی الفاظ کی صورت میں نظر آتا ہے بلکہ اردو اور ہندی کی اُن الگ الگ تشبیہات، استعارات اور تلمیحات کو جو ان دونوں زبانوں کے ادب کی ایک حد تک جداگانہ نمائندگی کرتی ہیں کچھ اس طرح شیر و شکر کر دیا گیا ہے کہ مختلف دِچار دھاراؤں کی بنیادی ایکتا ظاہر ہوتی ہے، زبان و ادب نئے آفاق سے روشناس ہوتے نظر آتے ہیں اور قومی یکجہتی تقویت پاتی ہے۔

اسی طرح کرشن موہن کے کلام میں جدید شاعری کی یہ قابلِ قدر جدت بھی نظر آتی ہے کہ وہ کسی ایک ڈگر پر چل کر روایت لستہ نہیں ہوتی۔ اس میں موضوع اور ہیئت کے گوناگوں تجربات کی گنجائش ہے نیز یہ کلاسیکیت اور ترقی ... بھی اپنے اندر سمونے کی گنجائش رکھتی ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

ایشور کا دھیان ہو تو وِشو کا زِیان ہو
کرم اور بھگتی کی ندیاں گیان ساگر میں ملیں
کرشن موہن من کے درپن سے اگر ہٹ جائے دھول
آس اور وشواس سے آنند کے نیرج کھلیں

●

مسالک نورِ عرفاں کی
اولیں شرط ہے ترکِ آز
کوئی پہنچے کسی راہ سے
قلۂ کوہ ہے بے نیاز

●

اے بشر اپنے وہمِ انا کا
ایک ادنیٰ سا نخچیر ہے تو

بچپنی ٹیگ کی مذمت اس طرح کی ہے :

گانجا، چرس، حشیش
رفعت سنا نشیب
احساس کا فریب
ان سے ملے نہ ایشن

ایک نظم میں سستی کی مذمت کرتے ہوئے شاعر پوچھتا ہے "لیکن ان بے سہارا، بیواؤں کا کیا ہوگا جو دن رات اپنی زندگی کی آگ میں جل رہی ہیں؟" اس طرح گیان مارگ کی نظمیں" جن میں حضرت شاہ حسین کی بعض کافیوں کے خوبصورت تراجم بھی ملتے ہیں، محض ماورائیت کی نظمیں نہیں ہیں بلکہ ان میں زندگی کا بھرپور شعور پایا جاتا ہے۔

یہ کتاب نیشنل اکاڈمی، ۹۔ انصاری مارکیٹ دریا گنج، دہلی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

• علاؤالدین جینابڑے

سائنس کی دنیا

اردو پر اکثر و بیشتر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ یہ ایک پسماندہ زبان ہے اور اس کے ثبوت میں یہ حقیقت پیش کی جاتی ہے کہ اس کا ادب محدود ہے جس میں شعر و سخن اور افسانہ کے سوا اور کچھ نہیں۔ حد تو یہ ہے کہ اردو میں سوانح نگاری اور تواریخ نویسی میں بھی پرواز تخیل اور افسانوی انداز بیان کو بڑا دخل رہا ہے جبکہ سفرنامے، ریاضی اقتصادیات اور سائنس کی دولت سے اردو کا دامن تہی ہے۔

بلاشبہ شعر اور افسانہ نے اردو زبان و ادب کو نہایت مالا مال کیا ہے اور اس زبان کے حسن و نزاکت اور چاشنی میں بڑا اضافہ کیا ہے تاہم آج کی تیز رفتار زندگی کے حقائق ایک زندہ زبان سے کچھ اور بھی چاہتے ہیں۔ زبان محض ماضی کے ذخیرے پر، خواہ وہ ورثہ کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو، زندہ نہیں رہ سکتی۔ اردو کے بارے میں یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ محض اپنے ماضی پر زندہ ہے کیونکہ ناساعد حالات کے باوجود گذشتہ ربع صدی میں اس نے اپنی دولت میں اضافہ کیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس اضافہ اور پیشقدمی کی سمت غیر اطمینان بخش رہی ہو۔

بہرحال اردو کو ایک طاقتور اور زندہ زبان کی حیثیت حاصل کرنے کے لئے شعر و ادب کے ساتھ ساتھ سائنسی اور تکنیکی علوم و فنون کو اپنے دامن میں سمیٹنا ہوگا اور اس سلسلے میں جو بھی کوشش ہوگی اس کی پذیرائی اور حوصلہ افزائی ہر اس اردو دوست کا فریضہ ہے جو دیانتداری کے ساتھ اس زبان سے محبت کرتا ہے۔

ایسی ہی ایک کوشش "سائنس کی دنیا" ہے، ایک سہ ماہی رسالہ جس کا پہلا شمارہ فردوس نظر بن کر بازار میں آگیا ہے اور اردو نوازوں سے متعارف ہونے کیلئے بیقرار ہے۔ یہ جریدہ اردو کے لئے بدلتے ہوئے سازگار ماحول میں ایک خوشگوار اضافہ ہے جو اس بات کا مژدہ دے رہا ہے کہ

ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہے

یہ بھی انوکھی بات ہے کہ "کاؤنسل آف سائنٹفک و انڈسٹریل ریسرچ" کے اس سہ ماہی جریدہ کی ادارت کی ذمہ داری ایک شاعر کے حصہ میں آئی جو اس پر بید مسرور و مطمئن بھی ہے۔ گو کہ اردو رسالہ کے اجرا میں پیش آنے والی حوصلہ شکن دشواریوں نے اس کا بھی امتحان لیا۔ لیکن ذرا عزم ملاحظہ ہو۔

"گذشتہ ۲۷ برسوں میں اردو سے ناواقفیت اور تعلیم کے فقدان کی وجہ سے ایک عمومی کمی جو سرکاری دفتروں اور عام معاشرے میں کسی اردو پروجیکٹ کو کامیاب کرنے کے لئے حائل ہو سکتی ہے۔ اس کے نتیجے کے طور پر ہمیں بھی قدم قدم پر نہایت پیچیدہ سیکڑوں دشواریاں پیش آئیں اور آرہی ہیں۔ ان حالات میں صبر شکن نتائج معلوم۔ پھر بھی یہ

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم

سے وجدان لے کر ایک جہاد و خدمت اور تبلیغ کے نقطۂ نظر سے اس کا فریضہ نے بسم اللہ کی ہے۔"

اس عزم اور خلوص پر پنڈت گلزار زتشی دہلوی کو مبارکباد نہ دینا بددیانتی اور ظلم ہوگا۔ اردو کے عام قاریوں کے لئے "سائنس کی دنیا" خواہ کتنا ہی ناموس اور "خشک" کیوں نہ ہو انھیں اسے کامیاب بنانا ہوگا۔ سائنسی اور جدید علوم پر مواد پڑھنے اور اسے روزمرہ زندگی میں استعمال میں لانے کی عادت ڈالنی ہوگی۔

مدیر و معتمد جناب گلزار دہلوی اور چیف (پلیننگ) نگراں جناب لے۔ رحمٰن کی یہ اولین کوشش ایک مبارک قدم ہے جو اردو صحافت کو نئی راہیں دکھائے گا اور اردو کو نئی وسعت اور بصیرت عطا کرے گا۔

سائنسی مواد کے ۳۲ صفحات میں مختلف دلچسپیاں مثلاً سائنس کا تہذیبی اقدار سے تعلق، کوئلہ کے بارے میں معلومات، پھولوں اور پودوں کی پیدائش، علاج میں پانی کی اہمیت نیز نئے اور پرانے عناصر سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم بہتر ہوگا کہ ان مضامین کی معلومات اور زبان کو زیادہ عام فہم بنایا جائے نیز applied sciences پر زور دیا جائے تاکہ سائنسی معلومات کا افادی پہلو اجاگر ہو اور "سائنس کی دنیا" عام گھریلو جریدہ بھی بن جائے۔

اس میں شک نہیں کہ رسالہ کی ترتیب میں گلزار دہلوی کی ذاتی محنت کا ہاتھ سب سے نمایاں ہے لیکن کیا ضروری ہے کہ ہر مضمون میں خالق یا مترجم کی حیثیت سے ان کا نام بھی ہو؛ بحیثیت ایڈیٹر ہی وہ کافی بھاری بھرکم شخصیت کے مالک ہیں۔

"سائنس کی دنیا" چیف (ایڈمنسٹریشن) سی۔ ایس۔ آئی۔ آر۔ رفیع مارگ نئی دہلی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ دیگر خط و کتابت کیلئے جناب گلزار دہلوی ایڈیٹر "سائنس کی دنیا" سی۔ ایس۔ آئی۔ آر۔ رفیع مارگ نئی دہلی کو لکھنا چاہئے

• سردار عزوان

اِندرا درشنی

وزیراعظم ہند' محترمہ اِندرا گاندھی کی ذات فی زمانہ نئے ہندوستان کی آرزوؤں کا مرکز ہے۔ اپنی وسیع النظری اور دور اندیشی کی بناء پر اس دلیر اور جری خاتون نے عالمی تاریخ میں اپنے لئے ایک ایسا منفرد مقام بنالیا ہے جو بہت کم سیاسی رہنماؤں کو نصیب ہوتا ہے۔ خصوصاً اپنے حالیہ اقدام سے انہوں نے وطن دوست عوام کے دل مسخر کرلئے ہیں اور ملک کو اقتصادی اور سماجی خوشحالی کی نئی منزلوں پر گامزن کردیا ہے۔

ان حالات میں عوام کے دلوں میں اپنی محترم رہنما کی زندگی سے دلچسپی پیدا ہونا فطری ہے یوں تو اندرا گاندھی کی زندگی پر کئی کتابیں دستیاب ہیں اور کئی سوانح بھی چھپ چکی ہیں لیکن ایک عام اردو داں قاری کے لئے "اِندرا درشنی" سے بہتر شاید ہی کوئی کتاب ہو۔ کتاب کیا ہے، ایک خوبصورت البم ہے جس میں رنگا رنگ تصویروں کے ذریعہ پریہ درشنی اِندرا گاندھی کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ بالخصوص نہرو خاندان کی گھریلو تصویریں اس البم کی جان ہیں۔ اس کتاب کی خوبصورت تدوین اور عمدہ طباعت پر اس کے مصنف علی صدیقی مبارکباد کے مستحق ہیں۔

کئی رنگوں میں فوٹو آفسیٹ پر چھپی ہوئی یہ خوش رنگ اور دیدہ زیب کتاب لائبریریوں کے لئے ایک اچھا تحفہ ہے۔ تصویروں کے ساتھ معلوماتی کیپشن اس کی افادیت میں اضافہ کرتے ہیں۔

"اِندرا درشنی" آپ اندرا درشنی لائبریری کنگ کوٹھی روڈ، حیدرآباد (اے۔پی) سے منگوا سکتے ہیں۔

• سردار عرفان

غزل

اُس کے جلنے کا بھی انداز حریفانہ ہے
شمع کے بھیس میں شاید کوئی پروانہ ہے

پھر بھی تو حالتِ دل سے مری بے گانہ ہے
جبکہ روداد مری تیرا ہی افسانہ ہے

اُس کو حق ہے کہ اُڑائے غمِ دوراں کا مذاق
جس کے ہاتھوں میں چھلکتا ہوا پیمانہ ہے

مطمئن ہو کے اُلٹ دیجئے اب رُخ سے نقاب
کیونکہ محفل میں ہر اک ہوش سے بیگانہ ہے

رحم کر اپنی محبت پہ، نہ ترسا، آجا
کب سے محرومِ تجلّی مرا غم خانہ ہے

زاہدو! تم کو مبارک ہو تمہاری فردوس
ہم سے مستوں کی تو جنت یہی میخانہ ہے

ایک دو پر نہیں موقوف سبھی کا ہے یہ حال
جو ترے راز سے واقف ہے وہ دیوانہ ہے

رشک کر رشک کہ تو مرکزِ الفت ہے آج
ناز کر ناز کہ ساحر ترا دیوانہ ہے!

ساحر بھوپالی

قبائلی علاقوں میں سڑکوں کی ترقی

یہ ایک حقیقت ہے کہ گذشتہ ۲۰ سالوں کے دوران منصوبہ بند ترقیات کے فوائد عوام کو حاصل ہوئے مگر قبائلی آبادی کو اس سے کچھ فائدہ نہ ہو سکا۔ پلاننگ کمیشن نیز حکومت ہند کی وزارت داخلہ نے اسی وجہ سے قبائلی علاقوں کی ترقی کی ضرورت اور اہمیت پر خاص زور دیا ہے۔

حکومت کا مقصد یہ ہے کہ ان قبائلی علاقوں کو زراعتی، تعلیمی، سماجی اور صنعتی میدانوں میں ہونے والے تمام ترقیاتی کاموں کا فائدہ پہنچایا جائے تاکہ سماج کے پسماندہ اور کمزور طبقہ کی حالت سدھر سکے۔

حالانکہ مہاراشٹر ہندوستان کی ایک ترقی یافتہ ریاست ہے مگر بعض علاقے جیسے پہاڑی اور قبائلی علاقے ایسے بھی ہیں جہاں ترقیاتی کام بڑے پیمانے پر ابھی کرنے باقی ہیں۔ ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق مہاراشٹر میں تقریباً ۳۰ء۹۵ لاکھ قبائلی آبادی ہے جو کہ ملک کی قبائلی آبادی کا ۷ء۶ فیصد حصہ ہے۔ قبائلی آبادی کی کثرت کی بنیاد پر حکومت نے بارہ اضلاع کے ۴۶ تعلقہ جات کو قبائلی علاقہ قرار دیا ہے۔ ان علاقوں میں ترقی اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ وہاں بنیادی لوازمات کی سہولتیں فراہم نہ کر دی جائیں۔

سڑکوں کا جال

چیف انجینئر کا منصوبہ یعنی ۱۹۶۱-۸۱ء سڑک منصوبہ اس طرح تیار کیا گیا ہے کہ ہر ضلع میں سڑکوں کا جال بچھا دیا جائے۔ اس منصوبہ کے تحت ذہن میں یہ بات رکھی گئی ہے کہ قبائلی علاقوں میں ۲۵,۷۶۶ کلومیٹر سڑکیں تعمیر کی جائیں گی۔ ریاستی حکومت نے اب تک مختلف اسکیموں جیسے ضمانت روزگار اسکیم، بجٹ میں شامل کام، کار قلت وغیرہ کے تحت ۲۰,۶۱۱ کلومیٹر سڑکیں تیار کی ہیں۔ اس میں سے ۷,۶۷۵ کلومیٹر پختہ سڑکیں ہیں، باقی ۱۲,۹۳۶ کلومیٹر سڑکیں یا تو موسم کی ہیں یا کچی ہیں۔

رعایت

ایک قومی پالیسی کے طور پر ریاستی حکومت ایک خصوصی پروگرام یعنی کم از کم ضروریات پروگرام (دیہی سڑکیں) جاری کر چکی ہے جس کے تحت اس نے طے کیا ہے کہ ڈیڑھ ہزار یا زائد آبادی والے گاؤوں کو ہر موسم میں کارآمد رہنے والی سڑکوں سے جوڑ دیا جائے گا۔ یعنی پختہ سڑکیں جس میں بعض مقامات پر آر پار بدرووں کے کام کی گنجائش بھی ہوگی۔ قبائلی اور پہاڑی علاقوں کی سڑکوں کے لئے ایک خاص رعایت رکھی گئی ہے کہ صرف ایک گاؤں جس کی آبادی ڈیڑھ ہزار یا زائد ہو، کی بجائے بہت سے قریبی گاؤں کو ملا کر اگر آبادی ڈیڑھ ہزار یا زائد ہوتی ہے تو وہاں سڑک تعمیر کی جائے گی۔ اس کے علاوہ پروگرام تیار کرتے وقت مرکز افزائش، بازار اور ابتدائی صحت مراکز فراہم کرنے پر بھی غور کیا جائیگا۔

قبائلی ضمنی منصوبہ

اپنی اس پالیسی کے مدنظر کہ منصوبہ بندی جڑ سے شروع ہو، حکومت تمام اضلاع میں ڈسٹرکٹ منصوبہ بندی اور ترقیاتی کانسل کا تقرر کر چکی ہے۔ وہ ذرائع، ضروریات اور عوام کی مانگوں کو ذہن میں رکھ کر اپنا منصوبہ خود تیار کرتی ہے۔ ان تمام کانسلوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ الگ سے ایک قبائلی ضمنی منصوبہ تیار کریں۔ اس کے علاوہ حکومت نے ایک صلاح کار کانسل تشکیل دی ہے جو قبائلی علاقوں میں سڑکوں کے کاموں کے انتخاب پر حکومت کو مشورہ دے گی۔

دیکھ بھال

ایسے اقدام کئے گئے ہیں کہ ان علاقوں میں سڑکوں کے کام کی اچھی دیکھ بھال ہو سکے اور یہ کام جلد سے جلد مکمل کئے جائیں۔ اسی لئے یہ تجویز کی گئی ہے کہ پبلک ورکس اور ہاؤسنگ کے محکمہ کے بعض سب ڈویژن ان علاقوں میں منتقل کر دئے جائیں، اس وقت خود قبائلی علاقوں میں چودہ سب ڈویژن ہیں اور باقی چھ سب ڈویژنوں کو منتقل کرنا زیر غور ہے۔

زائد اُجرتوں پر لازمی ڈپازٹ ختم
زائد مہنگائی بھتہ پر لازمی ڈپازٹ جاری

وزارتِ مالیات، حکومتِ ہند نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ زائد مشاہرہ (لازمی ڈپازٹ) ایکٹ ۱۹۷ء کے تحت زائد اُجرتوں پر تمام درجوں کے ملازمین سے چاہے اُن کی تنخواہوں کی ادائیگی ماہانہ، ہفتہ وار سی اور بنیاد پر ہو، لازمی کٹوتی یکم جولائی سے ۵ر جولائی ۱۹۷۵ء تک پانچ دن کی مختصر مدت کے لئے نہیں جائے گی، البتہ ملازمین کی تنخواہوں پر زائد مہنگائی بھتہ کی نصف رقم کی کٹوتی ۶ر جولائی ۱۹۷۶ء تک ری رہے گی۔

زائد مشاہرہ (لازمی ڈپازٹ) ایکٹ ۱۹۷۴ء کے ت زائد اُجرتوں پر لازمی ڈپازٹ محض ایک سال ی تھی اس لئے ۶ر جولائی ۱۹۷۵ء سے اب اس ں کی ضرورت نہیں رہی۔

ایسے کارخانوں میں جہاں ماہانہ تنخواہیں دی ی ہیں اس ایکٹ کے تحت یکم جولائی سے ۵ر جولائی ۱۹ء تک (دونوں روز شامل) پانچ دن کی مختصر ت کیلئے جولائی کی تنخواہ پر لازمی ڈپازٹ کی کٹوتی ری ہے۔ لیکن محض اس مختصر مدت کیلئے کٹوتی ڈپازٹ کی کارروائی میں دقت کے مدِ نظر حکومت اس بات کا فیصلہ کیا ہے کہ مذکورہ پانچ دن کی کے لئے زائد اُجرتوں کی لازمی ڈپازٹ اس ٹ کے تحت اب ضروری نہیں ہے۔

لہٰذا تمام متعینہ مالکان سے درخواست کی جاتی کہ وہ ایکٹ کے تحت لازمی ڈپازٹ کے لئے راج یکم جولائی سے ۵ر جولائی تک پانچ دن کی مختصر مدت کے لئے تمام درجوں کے ملازمین کے معاملہ میں خواہ ان کی تنخواہوں کی ادائیگی ماہانہ، ہفتہ وار یا کسی اور طریقہ پر کی جاتی ہو، زائد اجرت کی کٹوتی نہ کریں۔

اس ایکٹ کے تحت ۶ر جولائی ۱۹۷۶ء تک زائد مہنگائی بھتہ کی نصف کٹوتی لازمی ڈپازٹ کیلئے مقرر کی گئی ہے۔ لہٰذا تمام مالکان کو چاہیئے کہ وہ اپنے ملازمین کو ۶ر جولائی ۱۹۷۶ء تک دیئے جانے والے مشاہرہ میں سے زائد مہنگائی بھتہ کی نصف کٹوتی جاری رکھیں۔

مذکورہ ایکٹ کے تحت جمع شدہ زائد اجرتوں کی پہلی قسط مع سود تمام ملازمین کو ۶ر جولائی ۱۹۷۵ء سے واپس ادا کی جانے والی ہے۔ لیکن افراطِ زر کو روکنے کی غرض سے حکومت نے ملازمین سے درخواست کی ہے کہ وہ پہلی قسط وصول کرنے کی بجائے اپنی رقم جمع رہنے دیں جس پر سود ملتا رہے گا وہ کم سے کم ایک سال تک اس رعایت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ مزید برآں ملازمین اگر چاہیں تو اختیاری طور پر زائد اُجرتوں کو اپنی مرضی سے مزید ایک سال کیلئے جمع کر سکتے ہیں۔ انتظامیہ سہولتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اختیاری طور پر جو زائد رقم جمع کی جائے گی وہ مہنگائی بھتہ ڈپازٹ اکاؤنٹ میں جمع ہوگی اور زائد مہنگائی بھتہ ڈپازٹ کے ساتھ مع سود اس کی واپس ادائیگی کی جائے گی۔

حکومت ملازمین سے یہ توقع رکھتی ہے کہ وہ اس اختیاری ڈپازٹ اسکیم کے ساتھ بھرپور تعاون کریں گے جسمیں خود ان کا نیز ملک کا فائدہ ہے۔

ناگپور میں پرائیویٹ پرائمری اسکولوں کی منظوری منسوخ

حکومتِ مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ شہر ناگپور کے ۸۷ پرائیویٹ پرائمری اسکولوں کی منظوری منسوخ کردی جائے۔ یہ اقدام اسکولوں میں بدانتظامی کی وجہ سے اٹھایا گیا ہے۔

ناگپور میونسپل کارپوریشن سے ان نامنظور شدہ اسکولوں کے طلبہ کے لئے تعلیمی سہولتیں فراہم کرنے کی درخواست کی گئی ہے۔ اس مقصد کیلئے کارپوریشن کو فوری طور پر نامنظور کردہ اسکولوں کے اخراجات کی ۵۰ فیصدی رقم بطور امداد دی جائے گی۔

اِن اسکولوں کے تربیت یافتہ قابل اساتذہ کی ملازمت کیلئے کارپوریشن خیال رکھے گی اور جب بھی کارپوریشن کی اسکولوں میں پرائمری اساتذہ کی جگہ خالی ہوگی تو ان نامنظور کردہ اسکولوں کے اساتذہ کا تقرر کیا جائے گا۔

اسی طرح حکومت نے تعلیمی سال ۱۹۷۵-۷۶ء سے شری بنکت سوامی ایجوکیشن سوسائٹی کی جانب سے چلائے جانے والے کیلاش کلانکیتن، بیٹر کی منظوری منسوخ کر

دی ہے۔ اس ادارہ میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کے لئے لاتور، ناندیڑ اور اورنگ آباد کے آرٹ اسکولوں میں انتظام کیا گیا ہے۔

سولہویں ریاستی آرٹ نمائش

سولہویں ریاستی آرٹ نمائش ۷۶-۱۹۷۵ء آرٹ طلبہ اور پیشہ ور آرٹسٹوں کے لئے دو حصوں میں ہوگی۔

آرٹ طلبہ کیلئے یہ نمائش ۳۰ اکتوبر سے ۸ نومبر ۱۹۷۵ء تک اور پیشہ ور آرٹسٹوں کے لئے ۳ جنوری سے ۱۳ جنوری ۱۹۷۶ء تک ہوگی۔ یہ نمائشیں جہانگیر آرٹ گیلری بمبئی میں ہوں گی۔

نمائش میں حصہ لینے کے لئے طلبہ آرٹ ڈائرکٹوریٹ کو درخواستیں بھیج سکتے ہیں۔ آرٹ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات چاہے انہوں نے آرٹ میں کوئی تعلیم حاصل نہ کی ہو نیز آرٹ میں تعلیمیافتہ حضرات اس نمائش میں حصہ لینے کے اہل ہیں۔

طلبہ سیکشن کیلئے داخلے کی درخواستیں ۱۶ اور ۱۷ اکتوبر کو صبح ۱۱ بجے سے شام کے ۵ بجے تک جمنازیم، سرجے جے آرٹ عمارت، ڈاکٹر ڈی این روڈ، بمبئی میں وصول کی جائیں گی۔

پیشہ ورانہ آرٹسٹوں کے سیکشن کیلئے درخواستیں اسی جگہ مقررہ وقت کے دوران ۱۹ اور ۲۰ دسمبر کو وصول کی جائیں گی۔

نمائش کے متعلق پراسپکٹس اور دیگر تفصیلات کے لئے ڈائرکٹوریٹ آف آرٹ، مہاراشٹر اسٹیٹ سرجے جے اسکول آف آرٹ عمارت، ڈاکٹر ڈی۔ این۔ روڈ بمبئی ۴۰۰۰۰۱ سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

مجاہدین آزادی کا تعارف نامہ

حکومت مہاراشٹر جنگ آزادی میں حصہ لینے والے اشخاص کی مختصر سوانح حیات پر مشتمل ایک کتاب "مہاراشٹر کے مجاہدین آزادی کا تعارف" شائع کر رہی ہے۔

حکومت چاہتی ہے کہ اس تعارف نامے میں ہر مجاہد آزادی کا نام شامل رہے لہذا ریاست میں تمام مجاہدین آزادی یا ان کے احباب اور رشتہ داروں سے گذارش کی جاتی ہے کہ وہ گزیٹیرس ڈپارٹمنٹ، ۲۷ برجورجی بھروچہ مارگ، فورٹ، بمبئی ۱ کے پتہ پر جلد سے جلد معلومات فراہم کریں۔

ادویہ کے قابل اعتراض اشتہارات کیمسٹوں وغیرہ کو انتباہ

غذا و ادویہ انتظامیہ کو معلوم ہوا ہے کہ ادویہ بنانے والے، تقسیم کرنے والے، کیمسٹ و اشتہاری ایجنسیاں قابل اعتراض اشتہارات شائع کرتی ہیں جو ڈرگس اینڈ میجک رمیڈیز (قابل اعتراض) اشتہارات ایکٹ بابت ۱۹۵۴ء کے قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

چنانچہ انتظامیہ نے ان لوگوں کو وارننگ دی ہے کہ وہ ایسے اشتہارات شائع کرنے سے باز رہیں ورنہ ان کے خلاف سخت کارروائی کی جائیگی۔

منصوبہ بندی ضمنی کمیٹی

کابینہ کی منصوبہ بندی ضمنی کمیٹی (پلاننگ سب کمیٹی) کی دوبارہ تشکیل شری ایس بی چوان وزیراعلیٰ مہاراشٹر کی زیر صدارت کی گئی ہے۔ کمیٹی کے دیگر ممبران یہ ہیں:

شری وسنت دادا پاٹل، وزیر آبپاشی و شراب بندی؛ شری مدھوکر راؤ چودھری، وزیر مالیات؛ شری این۔ ایم۔ تڈکے، وزیر صنعت؛ ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر محصول و شہری ترقیات؛ شری بی۔ جے۔ کھتال، وزیر مملکت برائے محصول و منصوبہ بندی۔

ابتدائی اساتذہ کی نئی شرح تنخواہ

حکومت مہاراشٹر نے مراٹھواڑہ علاقے میں ایسے مقررہ پرائمری اسکول اساتذہ کی شرح تنخواہ پر نظر ثانی کی ہے جنھوں نے منشی یا میٹرک یا اسکے مساوی امتحان پاس کیا ہے لیکن وہ غیر تربیت یافتہ ہیں یکم نومبر ۱۹۵۶ء سے قبل جن کی تنخواہ کا اسکیل ۹۸-۵۴ روپے تھا۔

تبدیل شدہ تنخواہ اسکیل یہ ہے: ۱۱۰-۳-۱۲۲-۴-۱۵۰-ای بی-۴-۱۷۰-۵-۱۸۵ روپے۔ یہ نیا اسکیل یکم اپریل ۱۹۶۶ء سے لاگو کیا گیا ہے۔

میونسپل ملازمین کو مہنگائی بھتہ

میونسپل کونسلوں کو ہدایت

حکومت مہاراشٹر نے میونسپل کونسلوں کو ہدایت کی ہے کہ سال ۷۶-۱۹۷۵ء کیلئے ان کے ملازمین کو ادا کئے جانے والے مہنگائی بھتہ کے باعث امداد سابقہ سال کی بجائے سال رواں میں ٹیکس سے حاصل شدہ فیصدی رقم پر مبنی ہوگی۔

چنانچہ تمام میونسپل کونسلوں کو یہ ہدایت دی جاتی ہے کہ ۷۶-۱۹۷۵ء کے دوران وہ ٹیکس وصولی رقم کی فیصدی میں اضافہ کی پوری پوری کوشش کریں۔

شری کے۔ راگھو راما شیٹھی

حکومت مہاراشٹر نے شری کے۔ راگھو راما شیٹھی کو ملازمین کے نمائندے کی حیثیت سے سینے اسٹوڈیو اور سینے لیبارٹریوں میں حالت ملازمت کی جانچ کی غرض سے مقررہ کمیٹی کا ممبر مقرر کیا ہے۔ یہ تقرر شری اے۔ جی۔ کوکاجے کی جگہ کیا گیا ہے کیونکہ انہوں نے اس کام کیلئے معذرت ظاہر کی تھی۔

بی۔ ایم۔ سی۔ رابطہ کمیٹی

حکومت مہاراشٹر نے بمبئی میونسپل کارپوریشن میں کانگریس (اولڈ) پارٹی کے لیڈر کو بمبئی میونسپل کارپوریشن کی رابطہ کمیٹی کا ممبر مقرر کیا ہے۔

تعمیر سڑک کے کام

حکومتِ مہاراشٹر نے اقل ترین ضروریات پروگرام کے تحت حسب ذیل آٹھ سڑکوں کے تعمیری کاموں کی انتظامی منظوری دیدی ہے۔ ان کاموں کی تخمینی لاگت ۵۴،۸۶،۷ لاکھ روپے ہے۔

قلابہ میں واڈولی دیو گیر سڑک، ضلع ناسک میں ایولہ۔ بھرم سڑک، ضلع ناسک میں ڈنڈوری۔ وال کھیڑ نگڈل جاروس سڑک، ضلع دھولیہ میں مہاسوڈ کھادو سڑک، ضلع جلگاؤں میں کولہاڈی۔ لوڈوڈ۔ ملکاپور سڑک، ضلع ناندیڑ میں خان پور۔ تارکھیڑ سڑک نیز گھوٹی۔ کیتنی سڑک اور ضلع رتناگیری میں کنکادلی۔ نردادے سڑک کا سدھار کام۔

اقل ترین ضروریات پروگرام ہی کے تحت حکومت نے ضلع احمد نگر میں گھر گاؤں۔ جوڑ والی سڑک کے تعمیری کام کی منظوری دیدی ہے۔ یہ سڑک پونا۔ ناسک سڑک کو جوڑے گی اور اس پر ۲۹،۹۸۰ روپے خرچ کئے جائیں گے۔

حکومتِ مہاراشٹر نے ضلع پونا میں ریاستی شاہراہ شیرور۔ پرگاؤں۔ سُپا۔ پھلٹن سڑک کے کاموں کی منظوری دیدی ہے۔ ان کاموں کی تخمینی لاگت ۵،۶۷،۵۷۷ روپے ہے۔

حکومتِ مہاراشٹر نے ضلع احمد نگر میں پمپل گاؤں۔ نیپانے موضع کی سڑک کے تعمیری کاموں کی منظوری دیدی ہے۔ ان کاموں پر خرچ کا تخمینہ تقریباً ۴۳،۱۹۹ روپے ہے۔

حکومت مہاراشٹر نے ضلع پونا میں اندپور۔ بارامتی۔ نیرا سڑک کے سُدھار کام کیلئے انتظامی منظوری عطا کردی ہے۔ اس کام کی تخمینی لاگت ۵،۱۲،۰۸۷ روپے ہے۔

ادیباسیوں کیلئے مزید آشرم اسکول

حکومتِ مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ ریاست

کھیت اور کھلیان

پیداوار بڑھانے میں حکام کی کارگذاری — وزیراعلیٰ کی ہدایت

وزیراعلیٰ مہاراشٹر شری شنکر راؤ چوان نے کمانڈ ایریا ڈیولپمنٹ اتھارٹیز کو ہدایت کی ہے کہ وہ ریاستی زرعی پیداوار بڑھانے میں اپنے حصہ سے اپنی کارگذاری کا اندازہ کریں۔

وزیراعلیٰ نے گذشتہ ۲۲ر جولائی کو کابینہ کی ضمنی کمیٹی برائے کمانڈ ایریا ڈیولپمنٹ اتھارٹیز کی میٹنگ بلائی تھی جس میں اس بات کا اظہار کیا گیا۔ یہ میٹنگ سچیوالیہ میں ہوئی تھی۔

وزیراعلیٰ نے یہ تجویز پیش کی کہ یہ حکام اپنے اپنے علاقہ میں خریف و ربیع فصل کیلئے متناسب منصوبہ بنائیں ناکافی بارش یا دوسری دشواریوں کے باعث فصل خریف کے نقصان کو پورا کرنے کیلئے انھیں تیار رہنا چاہیئے۔

مراٹھواڑہ میں پورنا پروجیکٹ کے کمانڈ ایریا میں پہلی مرتبہ دھان کی کاشت شروع کی گئی ہے لہٰذا وزیراعلیٰ نے مشورہ دیا کہ دھان کے ماہرین کو اس علاقہ میں کاشتکاروں کی رہنمائی کے لئے بھیجا جائے۔ شری چوان نے خواہش ظاہر کی کہ مراٹھواڑہ محکمۂ زراعت کے افسران دھان کی پیداوار کے علاقے مثلاً کرجت، کھپولی وغیرہ میں جاکر دھان کی پیداوار سے متعلق عملی تجربہ حاصل کریں۔

شری چوان نے حکام کی ستائش کی جنھوں نے ربیع رقبہ کاشت پورنا منصوبہ کے کمانڈ ایریا میں ۲۵،۲۰۰ (۷۴-۱۹۷۳ء) سے بڑھا کر ۷۵-۱۹۷۴ء میں ۴۳،۰۰۰ تک پہنچادیا ہے۔

اس میٹنگ میں وزیر آبپاشی، وزیر زراعت، وزیر صنعت، وزیر محصول، وزیر برائے پبلک ورکس وہاؤسنگ، وزیر جنگلات وٹرانسپورٹ، وزیر مملکت برائے امور داخلہ، وزیر مملکت برائے آبپاشی و زراعت اور وزیر مملکت برائے صنعت حاضر تھے۔

ادیباسی کاشتکاروں کیلئے بجلی پمپ

ناسک، تھانہ، دھولیہ اور جلگاؤں ضلعوں میں ادیباسی کاشتکاروں کو بجلی پمپ کی فراہمی کے لئے سال رواں میں ۱۲،۷۵ لاکھ روپیوں کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

اس اسکیم کے تحت تقریباً ۲۵۰ ادیباسی کاشتکار جو کہ دس ایکڑ زمین رکھتے ہیں فائدہ اٹھا سکیں گے۔ ضلع وار رقم کی تقسیم یہ ہے: ناسک ۔ ۳ لاکھ، تھانہ ۔ ۵ لاکھ، دھولیہ ۔ ۴ لاکھ اور جلگاؤں ۔ ۷۵،۰۰۰ روپے

اس سال اسکیم کے لئے کل ۲۴ لاکھ ۲ ہزار روپے کی گنجائش رکھی گئی ہے جس سے ریاست میں تقریباً ۴۰۰ ادیباسی کاشتکاروں کو فائدہ پہنچے گا۔

جوار کے بیجوں کی مفت فراہمی

حکومت مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ ایسے کاشتکاروں کو جوار کے بیج مفت سپلائی کئے جائیں جنھوں نے اعلیٰ قسم کے مخلوط باجرہ کے بیج بوئے تھے لیکن بعد میں پھپھوندی لگنے کی وجہ سے فصل خراب ہوگئی تھی۔

میں درج فہرست اور پہاڑی علاقے کے باشندوں کی سماجی و معاشی نیز تعلیمی ترقی کے لئے مزید ۲۰ آشرم اسکول ۱۹۷۵-۷۶ء میں کھولے جائیں۔

ان مقاموں کے نام یہ ہیں : ضلع تھانہ میں چمبی باڑہ اور گورلگاؤں؛ ناسک ضلع میں بھیل مار دود ھیشور اور مانی؛ ضلع دھولیہ میں رانی پور، بھایر اور بھوپکھیڈ؛ ضلع جلگاؤں میں یالا شبڑے (بزرگ) اور کمبھاری (خورد)؛ ضلع پونہ میں کوہڈے (خورد)؛ ضلع ناندیڑ میں سہسرا کنڈ؛ ضلع امراوتی میں جراولی؛ ضلع ناگپور میں ہردلی؛ ضلع وردھا میں پندھر کواڑہ؛ ضلع چندرپور میں کرودی - مل اور بینگل کھیڈا اور ضلع ایوت محل میں کورٹا وسنت پور اور پاؤ نار۔

تفریحی ٹیکس سے مستثنیٰ

حکومت مہاراشٹر نے خیراتی اور تعلیمی مقاصد کے لئے بعض اداروں کے زیر اہتمام "مال ڈالس" کو بمبئی تفریحی محصول ایکٹ ۱۹۲۳ء کے تحت تفریحی ٹیکس کی ادائیگی سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔

حکومت مہاراشٹر نے پوری ریاست میں ہندی فلم "آندولن" کی نمائش ایک سال کے لئے بعض شرائط کے تحت تفریحی ٹیکس کی ادائیگی سے مستثنیٰ کر دی ہے۔

جاروب کشوں کیلئے تعمیر مکانات اسکیم

حکومت مہاراشٹر نے جاروب کشوں کے لئے مکانات بنانے کی اسکیم مرکز کی جانب سے اس کے لئے امداد بند ہو جانے کے باوجود جاری رکھنے کا فیصلہ کیا ہے، البتہ ریاستی حکومت کی جانب سے دی جانے والی امداد اب بجائے دو قسطوں کے پانچ قسطوں میں ملے گی۔

کھیت اور کھلیان

جوار بیجوں کی مفت تقسیم کے وقت سی-ایس-ایچ-۴ قسم کے بیجوں کو فوقیت دی جائے گی، جو فی الحال ضلع پریشد یا مارکیٹنگ فیڈریشن کے پاس اسٹاک میں ہیں۔

حکومت کو بتایا گیا ہے کہ ریاست کے کئی حصوں میں حال ہی میں بوئی گئی ایچ-بی-۳ باجرہ فصل پھپھوندی کی وجہ سے خراب ہو گئی ہے۔ یہ بیج کسانوں کو ضلع پریشد کے ذریعہ نقد یا بینک کریڈٹ پر فروخت کئے گئے تھے۔ اس نقصان کو مدنظر رکھتے ہوئے حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ایسے کسانوں کو امداد کے طور پر جوار کے بیج مفت تقسیم کئے جائیں۔

آبپاشی ترقیاتی کارپوریشن : بورڈ آف ڈائرکٹرز کی دوبارہ تشکیل

گورنر مہاراشٹر نے آبپاشی ترقیاتی کارپوریشن مہاراشٹر لمیٹیڈ کے بورڈ آف ڈائرکٹرز کی شری وسنت دادا پاٹل، وزیر آبپاشی کی زیر صدارت دوبارہ تشکیل کی ہے۔ اس بورڈ کا نفاذ ۳۰ر اپریل ۱۹۷۵ء سے مانا گیا ہے۔

اس کے دیگر ممبران یہ ہیں : شری ایس-بی-پاٹل، وزیر محنت، ایمپلائمنٹ، ڈیری ڈیولپمنٹ اور ماہی گیری، شری کے-ایم پاٹل، وزیر مملکت برائے زراعت و آبپاشی، سکریٹری، محکمہ مالیات، سکریٹری محکمہ آبپاشی و پاور، سکریٹری، محکمہ منصوبہ بندی، چیف انجینئر (I) و جوائنٹ سکریٹری، محکمہ آبپاشی و پاور، چیرمین، مہاراشٹر اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ، مینیجنگ ڈائرکٹر، زراعت و مالیات کارپوریشن لمیٹیڈ بمبئی، شری ایم-ڈی-دلیسائی، بھارتیہ ایگرو انڈسٹریز فاؤنڈیشن لمیٹیڈ، اُرلی کنچن، ضلع پونا؛ شری ایس-ڈی-پاٹل، اسلام پور، ضلع سانگلی، شری ایس-این-موہتے-پاٹل، اکلج، ضلع شولاپور۔ شری ایم-ایس-پالودکر، اورنگ آباد؛ شری ایس-آر-نائیک، صدر، ایوت محل ضلع پریشد، شری ایس-ڈی-ناٹو، دادر، بمبئی؛ شری ونائک راؤ پاٹل، نپھڈ، ضلع ناسک؛ شری جی-ایس-چودھری جلگاؤں، ضلع بلڈانہ؛ شری ایس-ایس-کدم، ناندیڑ، شری سنتوش راؤ گوڈے، ڈائرکٹر اراضی ترقیات بینک، وردھا؛ اور شری جی-ایم-ویدیا، ایڈیشنل چیف انجینئر، محکمہ آبپاشی اور پاور (مینیجنگ ڈائرکٹر)۔

اورنگ آباد انجینئرنگ کالج کے لئے

پانی فراہمی اسکیم

حکومت مہاراشٹر نے اورنگ آباد انجینئرنگ کالج کے لئے علیحدہ سے پانی فراہمی اسکیم کی منظوری دے دی ہے جس کی تخمینی لاگت تقریباً ۶,۱۶,۱۶۰ روپئے ہے۔

صنعتی تنازعہ

پریسیشن ٹیپس اینڈ ڈائز لمیٹیڈ، بمبئی اور ان کے ملازمین کے مابین صنعتی تنازعہ حکومت مہاراشٹر نے بغرض تصفیہ شری سی-ڈی-پاٹل کی صنعتی عدالت کے سپرد کر دیا ہے۔ یہ تنازعہ سات ملازمین کی با تنخواہ بحالی کے سلسلہ میں ہے۔
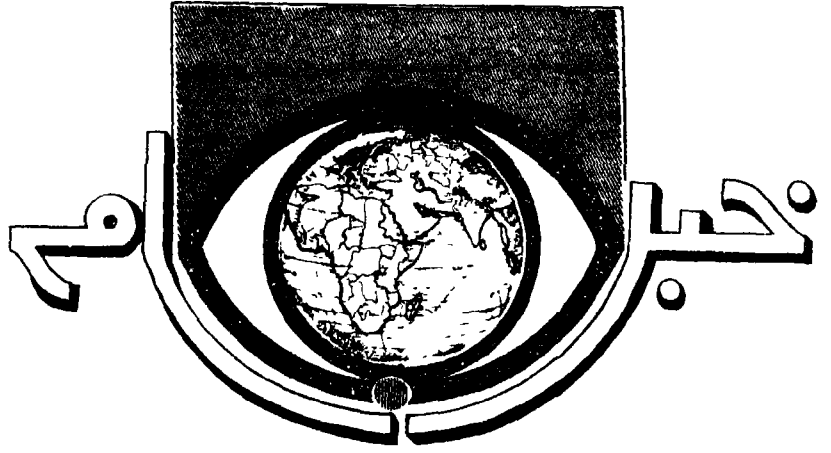
تِلک کو خراجِ عقیدت

مال گنگا دھر تلک کی ۵۵ ویں برسی کے موقع پر سچیوالیہ میں یکم اگست کو ایک سادہ تقریب میں انھیں خراج عقیدت پیش کیا گیا۔

شری شنکر راؤ چوان، وزیر اعلیٰ نے ال گنگا دھر تلک کی تصویر کی گلپوشی کی

ریاستی کابینہ کے ممبران اور افسران نے بھی حراج عقیدت پیش کیا۔

بمبئی فائر بریگیڈ کی کارگزاری
وزیر اعلیٰ کی جانب سے تعریف

وزیر اعلیٰ مہاراشٹر، شری شنکر راؤ چوان نے گذشتہ ۱۷ جولائی کو بمبئی میں پرنسس اسٹریٹ پر لال واڑی میں گرنے والی بلڈنگ میں پھنسے افراد کی مدد کے سلسلے میں بمبئی فائر بریگیڈ کے افسران اور عملے کی کارگزاریوں کی تعریف کی۔

میونسپل کمشنر کو ایک حط میں وزیر اعلیٰ نے تحریر کیا ہے کہ فائر بریگیڈ کے افراد اور افسران کی فرض شناسی قابل تحسین ہے۔ میں خاص طور پر فائر افسر زنول سنگھ کی فرض شناسی سے متاثر ہوا جنھوں نے بروقت جائے حادثہ پر پہنچ کر مصیبت زدوں کی مدد کی اور اپنا فرض ادا کیا، حالانکہ وہ اس وقت ڈیوٹی پر نہیں تھے۔

اس عظیم انسانی کام میں شریک تمام افراد سے میں نام بنام واقف نہیں ہوں۔ میری جانب سے ان سب کو فرداً فرداً مبارکباد پہنچا دیجئے۔

ضمانتِ روزگار اسکیم کے تحت آبپاشی کام
ریاستی کمیٹی کا فیصلہ

ضمانت روزگار اسکیم کی ریاستی کمیٹی نے ۲۹ جولائی کو اپنی بیٹھک میں اس بات کا فیصلہ کیا ہے کہ بڑے اور اوسط درجے کے آبپاشی پراجیکٹوں کے شدید محنت

شری ایس۔ بی۔ چوان، وزیر اعلیٰ یکم اگست ۱۹۷۵ء کو سیکریٹریٹ میں لوکمانیہ تلک کی ۵۵ ویں برسی کے موقع پر اُن کی تصویر کی گلپوشی کر رہے ہیں۔

پرمشتمل کام جیسے نہریں نکالنا یا مٹی کا کام یا مانڈ کا کام ضمانتِ روزگار اسکیم کے تحت کیے جائینگے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو روزگار کے مواقع فراہم کیے جاسکیں نیز آبپاشی کے کاموں کو تیزی سے ترقی دی جاسکے اور غذائی پیداوار بڑھائی جاسکے۔ ضمانتِ روزگار اسکیم کے تحت بجٹ میں متوقع گنجائش کی بناء پر ضلع کلکٹران کو ۵ لاکھ روپیوں سے زیادہ کی لاگت کے چھوٹے آبپاشی ٹینکوں کی تعمیر کے نئے کام شروع کرنے کا اختیار بھی دیا جائے گا۔

اس بات کا بھی فیصلہ کیا گیا ہے کہ ریاست کے ساحلی ضلعوں میں کھار اراضی سدھار کام بھی ضمانتِ روزگار اسکیم کے تحت انجام دئے جائیں۔ اس میٹنگ کی صدارت وزیراعلیٰ شری شنکر راؤ چوان نے کی اور شری وی۔ ایس۔ ملگے، چیرمن مہاراشٹر لیجسلیٹو کونسل اور کمیٹی کے دیگر وزراء نے اس میں شرکت کی۔

شراب بندی کی خلاف ورزیاں

بمبئی عظمیٰ کی شراب بندی پولس نے ۲ رجولائی ۱۹۷۵ء کو ختم ہونیوالے ہفتے کے دوران شراب بندی کی خلاف ورزی کے ۸۶ ۷ واقعات کا پتہ چلایا، ۳۰ افراد کو گرفتار کیا اور ۹,۴۰۹ لیٹر ناجائز شراب ضبط کی۔

وزیراعلیٰ مہاراشٹر شری شنکر راؤ چوان نے ۲۵ رجولائی کو تاج محل ہوٹل میں گویانا کے صدر مسٹر آرتھر چنگ کو اجنتا کی ایک پینٹنگ پیش کی۔

شری سی سُبرامیم، مرکزی وزیر مالیات اور صدر علاقائی مشاورتی کمیٹی (مغربی علاقہ) برائے قومیائے بینک ۲ راگست کو سچیوالیہ میں کمیٹی کے دوسرے اجلاس سے خطاب فرما رہے ہیں۔

تصویر میں بائیں جانب شری ٹی۔ اے۔ پائی، مرکزی وزیر صنعت اور شریمتی سوشیلا روہتگی، مرکزی نائب وزیر مالیات نظر آرہی ہیں۔ دائیں جانب وزیراعلیٰ مہاراشٹر شری ایس۔ بی۔ چوان، گوآ کی وزیراعلیٰ شریمتی ششی کلا کاکوڈکر اور گجرات کے وزیراعلیٰ شری بابو بھائی پٹیل تشریف فرما ہیں۔ نیز مہاراشٹر کے وزیر مالیات شری ایم۔ ڈی۔ چودھری اور وزیر محصولات و شہری ترقیات ڈاکٹر رفیق زکریا بھی نظر آرہے ہیں۔

دعظمت حسین خاں میکش

ـــا انتقـــال

مائی کو دن کے ساڑھے بارہ بجے با ہے
ملک کے مایہ ناز استادِ موسیقی عظمت حسین
ال ہوگیا۔ ان کی عمر ۶۶ سال تھی۔ مرحوم
ت بیمار تھے۔

ساتذۂ موسیقی میں بڑی قدر و منزلت کی نظر
ستے تھے۔ آگرہ اور خورجہ گھرانے کے وہ
تھے۔ سالہا سال آل انڈیا ریڈیو کے میوزک
البتہ رہے۔ فن موسیقی پر گہری نظر تھی۔ اس
نے نہایت قابل قدر مضامین لکھے۔ وہ
ے اور نائک بھی۔ ساتھ ہی نہایت خوش فکر
شاعر تھے۔ علامہ سیماب اکبر آبادی سے
تھا۔ بڑے با وضع، خلیق اور ملنسار

ن خاں اور راجہ ٹھاکر
کی رحلت پر
ہری وزیر ثقافتی امور کی جانب سے تعزیت

، ڈی۔ چودھری، وزیر مالیات اور ثقافتی
ستادِ موسیقی سری عظمت حسین خاں کے
رنج و غم کا اظہار فرمایا۔

صوف کے تعزیتی پیغام کا متن یہ ہے:
گھرانے کے استادِ موسیقی شری عظمت حسین
ال پُر ملال کی خبر سن کر مجھے شدید صدمہ ہوا
کلاسیکی موسیقی کے لئے ان کی قابل قدر
سب ہی واقف ہیں۔ چنانچہ ان کی خدمات
کھتے ہوئے حکومت مہاراشٹر نے حال ہی
یفہ منظور کیا تھا۔ یہ دکھ کی بات ہے
وظیفے سے فائدہ اٹھانے کے لئے زیادہ
رہے۔ میں اس غم میں برابر کا شریک ہوں۔

شری چودھری نے مشہور فلم ڈائرکٹر، شری راجہ ٹھاکر کی موت پر شدید رنج و غم کا اظہار فرمایا۔

اپنے تعزیت نامہ میں وزیر موصوف نے فرمایا:

" مشہور و معروف فلم ڈائرکٹر شری راجہ ٹھاکر کی بے وقت موت پر مجھے بڑا دکھ ہوا۔ شری ٹھاکر نے انھی فلموں کے ریاستی فیسٹیول میں کئی انعامات حاصل کر کے اپنی لیاقت کا سکہ جما دیا تھا۔ انہوں نے حال ہی میں ہندی فلم انڈسٹری میں قدم رکھا تھا اور اپنی پہلی ہندی فلم " زخمی " کی ہدایت کاری پر بڑی شہرت حاصل کی تھی۔ موصوف ہندی فلم صنعت میں اپنے جوہر پوری طرح دکھانے سے پہلے ہی چل بسے۔ میں اس غم میں اُن کے پسماندگان کا شریک ہوں۔

چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کو مالی امداد
شری چودھری کا مشورہ

شری ایم۔ ڈی۔ چودھری، وزیر مالیات نے خاص طور پر دیہی اور پسماندہ علاقوں میں واقع چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کو بینک سے مالی امداد بہم پہنچانے کی اہمیت جتائی۔

شری چودھری بینک آف بروڈہ کے زیر اہتمام فرام جی کاوس جی انسٹی ٹیوٹ ہال، بمبئی، میں ایک نمائش کا افتتاح کر رہے تھے جو بینک نیشنلائزیشن کی چھٹی سالگرہ کے موقع پر جولائی کے تیسرے ہفتہ میں لگائی گئی تھی۔

سری چودھری نے کہا کہ ہمارے ملک کی آبادی کا کثیر حصہ غریبی کی زندگی گذار رہا ہے اور یہ غریبی اس وقت تک دور نہیں کی جا سکتی جب تک کہ ہم پیداوار بڑھانے کے لئے سرمایہ اور استعداد کو پوری طرح کام میں نہ لائیں۔

نرسوں کی تنخواہ میں اضافہ

حکومت مہاراشٹر نے طالب علم نرسوں کی تنخواہ میں یکم جون ۱۹۷۵ء سے ۲۵ روپے ماہانہ اضافہ کر دیا ہے۔ ریاست میں تقریباً ۰۰ ۴ طالب علم

ددر ... میں واقع ... حال ہی میں ... نمائش ... وزیر مالی شری ... کر رہے ہیں۔ تصویر میں وزیر مالیات شری چودھری بھی نظر آ رہے ہیں

کو اس سے فائدہ پہنچے گا۔

فی الحال انھیں پہلے، دوسرے اور تیسرے سال کے لئے بالترتیب ۴۵ روپے، ۵۵ روپے اور ۷۵ روپے ماہانہ وظیفہ دیا جاتا ہے۔

میٹروپولیٹن اتھارٹی شہری مسائل کا حل

وزیر شری کُنٹے کی نشری تقریر

"میٹروپولیٹن اتھارٹی، بمبئی اور اس کے اطراف کے علاقے کی ترقی کے لئے قائم کی گئی ہے تاکہ شہریوں کو آرام دہ اور صحت مند زندگی میسر ہو۔" شری پی۔ کے۔ کنٹے، وزیر مملکت برائے شہری ترقی نے حال ہی میں آل انڈیا ریڈیو بمبئی سے اپنے نشریہ میں اس مقصد کا اظہار کیا۔

شری کنٹے نے مزید فرمایا کہ بمبئی شہر کی آبادی ۱۹۴۷ء سے قبل ۱۴ لاکھ تھی لیکن آج بڑھ کر تقریباً ۷۰ لاکھ ہو گئی ہے اور آئندہ پانچ چھ برس میں ۸۰ لاکھ تک پہنچ جائے گی۔ ۱۰ سے ۱۲ لاکھ لوگوں کیلئے بنائے گئے گھروں میں آج ۴۰ لاکھ سے زائد افراد بسے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے پانی کی فراہمی اور گندے پانی کی نکاسی وغیرہ مسائل بڑھ گئے ہیں۔

یہ ملاقات گزشتہ دنوں بمبئی میں مہاراشٹر ہندی سماج کی جانب سے منعقدہ ایک سیمینار "انسان کی بہبود کے لئے صحت مند اور ڈسپلن وقت کی اہم ضرورت ہے" سے وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان خطاب کر رہے ہیں۔

صنعتی ترقی کی وجہ سے شہر میں آبادی تیزی سے بڑھتی جا رہی ہے اور حالیہ مردم شماری کے مطابق تقریباً ۱۵ لاکھ افراد گندی بستیوں میں رہتے ہیں۔ بمبئی شہر کے مسائل کلکتہ، مدراس اور دہلی سے علیحدہ نوعیت کے ہیں کیونکہ یہاں جگہ کی قلت ہے اس لئے نئی صنعتوں کے قیام کو روکنا پڑا، اور صنعتوں کو شہر سے دور لے جانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

شری کنٹے نے بتایا کہ بمبئی شہر اور اس کے اطراف کے قصبات کو ترقی دینے کی غرض سے حکومت مہاراشٹر نے میٹروپولیٹن اتھارٹی قائم کی ہے۔ اس مقصد سے یہ اتھارٹی مختلف اسکیموں کو عملی جامہ پہنائے گی۔ ان اسکیموں کے لئے ریاست اور مرکز ۲۰ کروڑ روپے مہیا کرے گا۔

شری کنٹے نے بتایا کہ ہاؤس ریپیئرس بورڈ ۱۹۶۹ء میں قائم کیا گیا تھا۔ اس نے ابتک شہر بمبئی میں ۲۰۰ مکانات کی مرمت کی ہے جبکہ معائنہ کے بعد ۷۰ مکانات ایسے پائے گئے جنھیں مرمت کی ضرورت تھی۔ مزید ۱۵۰ مکانات کی مرمت جاری ہے۔ بورڈ کو کچھ مشکلات درپیش ہیں جن پر وہ لوگوں کے تعاون سے قابو پا لے گا۔

آپ نے اس نئی تجویز کا بھی ذکر کیا جس کے تحت ناقابل مرمت مکانات کو گرا کر ان کی جگہ نئی عمارت بنائی جائے گی۔ حکومت ایسے بوسیدہ مکانات کو

شری ایس۔ جی۔ پوار، وزیر زراعت جمعہ یکم اگست ۱۹۷۵ء کو نیچوالیہ جمخانہ، بمبئی میں پیڈی ملنگ ٹیکنالوجی پر سیمینار کا افتتاح فرما رہے ہیں۔

ے گی۔ ان کی قیمت طے کرنے کیلئے ایک بل
ں میں پیش کیا جاچکا ہے۔

گندی بستیوں کے بارے میں شری کینئے نے فرمایا
یراعلیٰ شری ایس۔ بی۔ چوان نے اپنے پالیسی
میں گندی بستیوں کے باسیوں کو بنیادی سہولتیں
پہنچانے پر زور دیا تھا۔ لہٰذا اس کے مطابق
سال کے بجٹ میں اس کے لئے مزید ۲۶۸۰
روپیے کی رقم رکھی گئی ہے۔ گندی بستی سُدھار
نے گندی بستیوں میں بنیادی سہولتیں مہیا
کرنے کا پروگرام شروع کیا ہے جس کی لاگت ۲۵ء۴
کروڑ روپے ہے۔ اس سے تقریباً ۴ لاکھ باسیوں
کو فائدہ پہنچے گا۔

وزیر موصوف نے خالی فلیٹوں پر قبضہ کے
بارے میں حکومت کے حالیہ فیصلہ کا حوالہ دیتے
ہوئے کہا کہ بمبئی میں خالی فلیٹوں کو حاصل کرکے
ان کا صحیح استعمال کیا جائے گا اور اس بات
کا بھی خیال رکھا جائے گا کہ ان کے مالکان کو کسی
قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔

... نے ... کے ... لئے ... کے ... ڈاکٹر سید محمد ... نے
جولائی کے روز راج بھون میں گورنر شری علی یاور جنگ کو دس لاکھ روپے کا ایک چیک پیش کیا۔ تصویر میں
... یاور جنگ بھی نظر آ رہی ہیں۔

خاندانی منصوبہ بندی مرکز کا افتتاح

ڈاکٹر لیون ڈیسوزا' وزیرِ مملکت برائے صحتِ عامہ نے ۲۳ جولائی کو باندرہ میں ایک فیملی کیئر سینٹر کا افتتاح کیا جو لائنز کلب مشرقی باندرہ نے جاری کیا ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق تمام سہولتیں یہ مرکز بہم پہنچائے گا۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے وزیر موصوف نے لائنز کلب مشرقی باندرہ کے اراکین کو اس مرکز کے قائم کرنے پر مبارکباد دی۔ آپ نے اس سلسلے میں خاص طور پر ڈاکٹر ایم۔ ڈی۔ کرمچندانی کی کوششوں کو سراہا۔

وزیر موصوف نے حکومت کی جانب سے اس مرکز کو ... مدد کا یقین دلایا۔ آپ نے یہ تجویز پیش کی کہ ہر ... سول اسپتال کم از کم ایک یا دو ابتدائی صحت مراکز قائم کرے۔ ایسے مریض جو کہ اسپتال کی دوری کی بناء ... آ سکیں ان کو گھر بیٹھے امداد پہنچائی جائے۔

قبل ازیں ڈاکٹر کرمچندانی نے مہمانوں کا استقبال کیا اور شری پی۔ جی۔ کھیر' چیرمین مہاراشٹر ہاؤسنگ بورڈ نے صدارت کے فرائض انجام دیے۔ ڈاکٹر ایس۔ ڈی۔ گاندھی نے شکریہ ادا کیا۔

فرسٹ ایڈ سول ڈیفینس کورس
۴۷ طلبہ نے تربیت حاصل کی

۴۷ طلبہ نے سول ڈیفینس اسٹاف کالج' بمبئی میں سول ڈیفینس فرسٹ ایڈ کورس برائے اسکاوٹ' گائیڈز اور سوشل سروس ختم کرکے سرٹیفکیٹ حاصل کئے۔ یہ سرٹیفکیٹ میجر آر۔ جی۔ سالوی' اسسٹنٹ اسٹیٹ کمشنر آف اسکاؤٹ اینڈ گائیڈز نے گذشتہ ۱۹ جولائی کو ایک تقریب میں انھیں عطا کئے۔

بریگیڈیر بی۔ جی۔ دیوسکر' ڈائرکٹر آف سول ڈیفینس نے مہمانوں کا استقبال کیا اور شری عبدالغنی اسکول ٹیچر نے شکریہ ادا کیا۔

۲۳ر جولائی کے روز گورنر مہاراشٹر شری علی یاور جنگ گوا کے صدر مسٹر آ کھر چلک کا سانتا کروز ہوائی اڈے پر کر رہے ہیں۔

تہہ خانوں میں پانی گھس گیا
گشتی دستہ کی بروقت امداد

حال ہی میں دو دنوں کی موسلادھار بارش کی وجہ سے جنوبی بمبئی کی کئی عمارتوں کے تہہ خانوں میں پانی بھر گیا تھا۔ ان عمارتوں میں سچوالیہ، آل انڈیا ریڈیو، سینٹ جارج ہسپتال، ڈینٹل کالج اور انڈوٹ بلڈنگ شامل ہیں۔

ڈائرکٹر سول ڈیفنس، مہاراشٹرا سٹیٹ سے ضروری مدد طلب کی گئی۔ آپ نے گشتی دستہ کو پمپ کے ذریعہ جمع شدہ پانی نکالنے کی ہدایت کی۔ لہٰذا دستہ کے افسران اور افراد نے فوراً وہاں پہنچ کر گھنٹوں کی سخت محنت اور کوشش سے ان عمارتوں کو بھاری نقصان سے بچالیا۔

لیفٹننٹ کرنل ایم۔ ایس۔ لوردے، کیپٹن وی۔ ایچ۔ مادھیکر اور کیپٹن ٹی۔ ڈبلیو۔ ٹھوردھ کی زیرنگرانی یہ کام انجام دیا گیا۔

چھوٹی بچت کا ریاستی نشانہ ۶۰ کروڑ

چھوٹی بچت برائے سال ۷۶-۱۹۷۵ء کا نشانہ ۶۰ کروڑ روپے مقرر کیا گیا ہے۔ اس بات کا اعلان شری ایم۔ ڈی۔ چودھری، وزیر مالیات و چھوٹی بچت نے ۲۲ر جولائی کو اسٹیٹ اسمال سیونگس ایڈوائزری بورڈ کے سالانہ جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔

شری چودھری نے روایتی بچت کی بجائے ذاتی بچت پر زیادہ زور دیا۔ چھوٹی بچت کے لئے برابر کوشش جاری رہنا چاہئے۔ جلسہ میں بتایا گیا کہ حکومت نے ایجنٹوں کے لئے انعام دینے کی اسکیم مقرر کی ہے۔ نیز چھوٹی بچت اسکیم کے تحت خواتین ایجنٹوں کے لئے نئی گنجائش پیدا کی گئی ہے۔ شری دنیش افضل پورکر، ڈائرکٹر فار اسمال سیونگز نے شکریہ ادا کیا۔

"نیانشہ" پر تفریحی ٹیکس دوبارہ عائد

چونکہ مدراسی فلم "نیانشہ" کے پروڈیوسر نے داخلہ ٹکٹ کی فروخت سے متعلق شرط پر عمل نہیں کیا لہٰذا حکومت مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ اس فلم کو تفریحی ٹیکس کی ادائیگی سے استثنیٰ کی رعایت منسوخ کر دی جائے اور اس کے پروڈیوسر سے پورا تفریحی ٹیکس وصول کیا جائے جو وہ صرف کر لا چکے ہیں۔

سیمینار پروگرام جاری

حکومت مہاراشٹر نے مالی سال ۷۶-۱۹۷۵ء کے دوران سیمینار ریڈنگ پروگرام کی اسکیم کو جاری رکھا ہے۔ یہ اسکیم نیشنل کونسل برائے تعلیم و دیہی کے ذریعے شروع کی گئی ہے۔ ریاستی حکومت نے ۱۹۷۱ء میں اس اسکیم کو منظوری دی تھی۔ اس کے تحت ریاستی سطح پر یہ سیمینار پروگرام شروع کیا۔ اس اسکیم کے تحت ...۲ روپے کی رقم بھی کے لئے منظور کی گئی ہے۔

اُردو اکادمی سے بھرپور تعاون
نئے اقتصادی پروگرام کی حمایت
اہلِ قلم حضرات کا اعلان

اُردو، ہندی، مراٹھی ساہتیہ سنگھ" بیڑ نے
نتہ ۷ ار جولائی کو دو خصوصی قراردادوں کے ذریعہ
شٹرا سٹیٹ اردو اکادمی کی تشکیل نیز ملک
ہنگامی سورتحال کے اعلان کا خیر مقدم کیا ہے۔
ردادیں حسب ذیل ہیں :

(۱)

" اردو، ہندی، مراٹھی ساہتیہ سنگھ کی عا
نج کا یہ اجلاس شری شنکر راؤ جی چوان ،
زبان کے بارے میں آن کے دسیع نقطۂ نظر
اردو اکادمی" کے قیام کا دلی خیر مقدم کرتا ہے۔
م زبانوں کے قلمکار اس" اردو اکادمی" کو
و را تعاون دیں گے ۔"

صدر

(ہنومنت بابو راؤ رنخانبہ)

(۲)

مصنفوں، شاعروں اور دانشوروں کا آج
جلاس اُردو، ہندی، مراٹھی ساہتیہ سنگھ
بہ سے اِس قرارداد کی حمایت کرتا ہے کہ وہ
وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کی جانب سے
ہنگامی صورتحال کے اعلان کا خیر مقدم کرتی ہے۔ یہ
اجلاس نئے اقتصادی پروگرام کی بھرپور حمایت کرتا ہے۔
ملک کے مفاد میں یہ ضروری ہی نہیں ناگزیر بھی تھا
ہم محترمہ اندرا جی اور مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ شری
شنکر راؤ جی چوان کے ساتھ دل سے ہیں ۔"

صدر

(ہنومنت بابوراؤ رنخانب)

اخبارات کے مسائل حل کرنے میں اُردو اکادمی کی عملی دِلچسپی

اُردو اخبار نویسوں کے ساتھ حالیہ ملاقات میں ،
جس کی رپورٹ گذشتہ شمارہ میں دی جا چکی ہے ،
خواجہ عبدالغفور صاحب ، سکریٹری حکومت مہاراشٹر
اور جناب ایشور راج ماتھر ، چیف ڈائرکٹر آف
اِنفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز نے وعدہ کیا تھا کہ وہ
اردو اخبارات کی مدد فرمائیں گے ۔ اخباری نمائندوں
نے خاص زور سرکاری اشتہارات کے حصول اور اکادمی
کے بورڈ میں نمائندگی پر دیا تھا۔
چنانچہ چیرمین ، مہاراشٹر اردو اکادمی ، ڈاکٹر رفیق
زکریا ، وزیر محصولات و شہری ترقیات کی ہدایت پر
سکریٹری اردو اکادمی نے اردو نیوز پیپرس ایسوسی ایشن
کے نمائندوں سے ملاقات کی اور ان کے مسائل اور
شکایات توجہ سے سنیں ۔ اس ملاقات میں غور کیا گیا
کہ اشتہارات کے حصول کی راہ میں حائل رکاوٹیں
کیونکر دور کی جائیں ۔ اکادمی میں نمائندگی کے سوال
پر ایسوسی ایشن کے اراکین نے اپنے نمائندہ کا نام تجویز
کرنے کے لئے مہلت طلب کی۔

مختلف اُردو اکادمیوں کی میٹنگ کی تجویز

مرکزی وزارت تعلیم و سماجی بہبود کے تحت اردو زبان
کی ترقی و فروغ کیلئے تشکیل یافتہ "ترقی اردو بورڈ" کے
پرنسپل پبلیکیشنز آفیسر جناب شہباز حسین خاں صاحب
نے مہاراشٹرا سٹیٹ اردو اکادمی کے ممبر سکریٹری جناب
خواجہ عبدالغفور کے نام ایک مکتوب میں اطلاع دی ہے
کہ ترقی اردو بورڈ عنقریب دارالخلافہ میں ملک کی
مختلف اردو اکادمیوں کا ایک مشترکہ اجلاس طلب
کرنے والا ہے۔ اس اجلاس کا مقصد یہ ہوگا کہ
اُردو کی ترقی و ترویج کے کاموں میں مرکزیت پیدا
ہو اور اکادمیوں کو مختلف ذمہ داریاں سونپی جا سکیں۔

اُردو اکادمی کا آئندہ اجلاس

مہاراشٹرا سٹیٹ اردو اکادمی کا آئندہ اجلاس جمعہ
۲۲ اگست کو صبح گیارہ بجے سچیوالیہ کمیٹی روم (پانچویں
منزل) میں منعقد ہوگا۔

اردو

قومی یک جہتی کا عمدہ وسیلہ

وی۔ بی۔ کلکرنی

اِدھر کچھ عرصہ سے اُردو کے فروغ میں دلچسپی کا خوشگوار احیاء عمل میں آیا ہے۔ غیر متعصب اور باشعور افراد کا ایقان ہے کہ اس زبان کی بھی حوصلہ افزائی، جو ہندی، بنگالی، کنڑ، تامل اور تیلگو ہی کی طرح ہندوستانی زبان ہے، قومی یک جہتی کو فروغ دینے میں نہایت مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

ایک ممتاز مسلم ماہر تعلیم نے جس نے گذشتہ فروری میں کالی کٹ (کیرالا) میں پانچویں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے خطاب کیا، سات کروڑ مسلمانوں کی جانب سے متعدد مطالبات پیش کئے جن میں سے ایک اُردو یونیورسٹی کے قیام کے متعلق تھا۔ اسی ماہ مہاراشٹر کے نئے وزیراعلیٰ نے ریاست میں ایک اُردو اکادمی کے قیام کا اعلان کیا۔ اس نئے پروجیکٹ کے لئے ریاست کے تازہ بجٹ میں ایک لاکھ روپے کی رقم مختص کی گئی ہے۔

اردو کے آغاز و ابتداء کے متعلق کئی نظریات ہیں۔ "اردو" ایک ترکی لفظ ہے جس کے معنی فوجی چھاؤنی کے ہیں۔ جب مسلمانوں نے ملک پر اقتدار حاصل کیا تو اپنی درباری زبان کی حیثیت سے فارسی اختیار کی۔ یہ صورتحال ان کے سیاسی اقتدار کے خاتمہ کے بعد بھی یعنی ۱۸۳۵ء تک جاری رہی۔

تاہم ابتداء سے ہی ملکی آبادی کے ساتھ اُن کے روزمرہ کے رابطے میں سہولت دینے کے لئے ایک نئے ذریعۂ مواصلت کی ضرورت محسوس کی گئی۔ ایسی زبان کے لئے اساس مغربی ہندی نے مہیا کی جو صدیوں سے دہلی اور میرٹھ کے گرد و نواح میں بولی جاتی تھی۔

یہی وہ زندہ بولی تھی جس نے بعض تبدیلیوں کے ساتھ غالباً شہنشاہ شاہجہاں کے دور میں اُردو کا نام پایا۔ گو کہ اردو کا مفہوم فوجی چھاؤنی ہے، یہ بات بعید از قیاس ہے کہ اس زبان نے کسی چھاؤنی میں جنم لیا ہو۔

یہ حقیقت ناقابلِ تردید ہے کہ اُردو ہندوستانی سرزمین کی پیداوار ہے۔ امیر خسرو نے اسے "ہندوی" یا "ہندی" پکارا اور ابوالفضل نے "دہلوی" یا دہلی کی بولی کہا۔ دکن میں جہاں اس نے ایک مقامی بولی سے فروغ حاصل کیا اور قابلِ ذکر ادبی حیثیت حاصل کر لی اسے "دکنی" یا "دکھنی" یا ہند[illegible] گیا جبکہ گجرات میں اسے "ہندی" یا "گوجر[illegible]" "گجراتی" کا نام دیا گیا جن میں سے موخرالذکر صریحاً گمراہ کن ہیں۔

اُردو نے جو کافی عرصہ تک محض ایک بول[illegible] دکن اور شمال کے درمیان سیاسی اور ثقاف[illegible] کے بعد خصوصاً مغل عہد کے دوران ایک [illegible] شیریں اور ادبی زبان کا روپ اختیار کیا۔ [illegible] ارتباط سے اردو کو ہمہ جہتی فروغ حاصل ہوا [illegible] والوں نے فارسی ترک کر کے دکھنی طرز میں [illegible] شروع کی اور جنوب والوں نے شمال سے [illegible] مفرس لسانی اسلوب حاصل کر لیا۔

یہ زبان ہندو اور مسلم ادباء و شعراء کی کوششوں کے نتیجہ میں پروان چڑھی ہے [illegible] باوجودیکہ ہندوؤں کے ادب کا بڑا حصہ [illegible] اور ہندی نیز ملک کی دیگر علاقائی زبانوں

ہے۔ ان کے بعض مخصوص طبقات مثلاً
ستھوں، کشمیری پنڈتوں، عاملوں اور کھتریوں
اردو کو فروغ دینے اور مالا مال کرنے کی
پور کوشش کی ہے، جسے ان میں سے اکثر نے
مادری زبان کا درجہ دے دیا تھا۔
اکبر کی حکومت کے عظیم منتظم راجہ ٹوڈرمل
نیسویں صدی میں نظام حیدرآباد کے وزیراعظم
لال شاداں جیسے ہندوؤں نے اُردو کے
ا د اشاعت کے لئے اپنی تمام تر قوت اور
یت صرف کی۔ اُنیسویں صدی کے اوائل میں
بان کے ہندو شعراء کی تعداد کافی زیادہ تھی۔
ں سب سے نمایاں شاعر دیاشنکر نسیم تھے
تخلیق اردو کی ممتاز کلاسیک بن چکی ہے۔
جب تک اردو سیاست کے بھنور میں نہ
تھی اُسے اِس ملک میں بدیسی زبان نہیں
انا تھا۔ کافی عرصہ تک یہ آبادی کے اہم عناصر
میان تصوّر اور ثقافت کے اشتراک کو
دینے کے لئے وسیلہ کی طرح استعمال
ہی۔
تب مقدس کتاب بھگوت گیتا کا تین بار
ں ترجمہ ہوا تو ہندو قدامت پسندی کی
پہ کوئی شکن نہ آئی۔ اسی طرح وید اور
ت پر تبصرے و تفسیریں اردو زبان و
کے متعلمین کو مہیا کی گئیں۔ بھرتری ہری
دیں دو بار مترجم کیا گیا۔
فسانہ نگاری میں ہندو ادبا اپنے مسلم
وں پر سبقت لے گئے۔ ایک ممتاز مسلم
س کی وجہ یوں بیان کرتا ہے ——
ہندو بُت تراش ذہن بڑی حقیقت پسندی
ش کردہ سماجی ماحول کے اندر کسی مخصوص
حال کے ساتھ حساس اور حقیقت پسندانہ
کھنے والے مدوّر انسانی پیکر تراشنے کا
"
ے

جب تک اردو سیاست کے بھنور میں نہ پھنسی تھی اسے اس ملک میں بدیسی زبان نہیں سمجھا جاتا تھا۔

مسلمانوں کا پڑھا لکھا طبقہ جو اردو اور اس کے ادب کو اپنے فرقہ کا انمول ورثہ سمجھتا تھا فطری طور پر اس میں اضافہ کا باعث بنا۔ بے شمار ادیبوں اور شاعروں نے نثر و نظم میں اعلیٰ تخلیقات کو جنم دیا اور اس زبان کو عظمت کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔ غالب (۱۷۹۶ تا ۱۸۶۹ء) نے بے مثال حسن کی حامل غزلیں لکھیں اور اسے بجا طور پر اردو کا عظیم ترین شاعر کہا جاتا ہے۔ آج بھی ان کا کلام بے حد مقبول ہے۔

سر محمد اقبال (۱۸۷۶ تا ۱۹۳۸ء) جن کے آباء و اجداد سپرو خاندان کے کشمیری پنڈت تھے، زبردست تنوع کے حامل شخص تھے اور تاریخ میں ان کا نام شاعرِ اسلام کی حیثیت سے مشہور ہو گیا ہے۔ انھوں نے اردو میں حب الوطنی کی ایک نظم لکھی تھی جو ایک زمانے میں بے مثال مقبولیت اور شہرت پا چکی ہے۔

علم و فضل اور تخلیقی ادب کی خوبیوں سے مالا مال یہ زبان خطابت کا بھی ایک مثالی آلہ بن گئی ہے۔ سر سید احمد خان اور اُن کے رفقائے کار اردو نثر کے ماہر تھے اور اپنے زورِ بیان سے ہر قسم کے سامعین کو مسحور کر سکتے تھے۔

اس طرح اردو ایک انتہائی لچکدار اور مسلسل ترقی پذیر زبان ہے جو انتھک کوششوں

اُردو ایک انتہائی لچکدار اور مسلسل ترقی پذیر زبان ہے:

کے ذریعہ جدید تصوّر کے ایک موزوں ذریعہ میں تبدیل کی جا سکتی ہے۔ ماضی میں اسے زیادہ سے زیادہ مفرّس بنانے کی کوششوں کے باوجود اس نے اپنی لچک اور انجذابی صلاحیت برقرار رکھی۔

اپنے ڈھانچے میں ہندی کے متعدد اصل خواص بشمول قواعد اور محاورے برقرار رکھنے کے باوجود اُردو نے نہ صرف فارسی، عربی اور ترکی زبانوں بلکہ ہندوستانی زبانوں کے وسیع اور متنوع ذخیرۂ الفاظ سے اکتساب کر کے اپنے حجم اور حسن میں اضافہ کیا ہے۔

مغرب سے رابطہ بھی اس کے لئے مفید ثابت ہوا اور اسے پرتگالی، فرانسیسی اور انگریزی الفاظ کا قیمتی ذخیرہ ملا۔ ایک ماہرِ لسانیات کے مطابق اردو میں آج ایک ہزار سے زائد انگریزی الفاظ رائج ہیں۔ فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے پرنسپل ڈاکٹر جان گلکرسٹ نے اردو نثر کی تجدید اور اس کے ادب کی ہمہ جہتی فروغ کے لئے جو کوششیں کیں وہ ناقابلِ فراموش ہیں۔

برطانوی دورِ اقتدار میں اردو کے فروغ کو ایک بے نتیجہ لسانی تنازعہ سے کافی نقصان پہنچا۔ برطانوی اقتدار کے قیام کے بعد شمالی ہند میں جہاں پہلے اردو کا دور دورہ تھا نچلی سطح پر نظم و نسق کی زبان کا سوال حل طلب تھا۔ اس حقیقت کے باوجود کہ ہندی اور اردو میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے موخرالذکر ہندو عوام کی مادری زبان نہیں تھی لہٰذا برطانوی راج کے تحت بھی سرکاری زبان کی حیثیت سے اس کا جاری رکھا جانا ان کے لئے قابل قبول نہ تھا۔

تاہم اردو کی جگہ ہندی اختیار کرنے پر مسلم فرقہ کے لیڈران مشتعل ہو گئے جن کے جذبات سر سید احمد خان کے پُر زور الفاظ میں واضح ہوئے:

" ناگری رسم الخط اور ہندی زبان کے اختیار کئے جانے سے تعلیمیافتہ مسلمانوں کو سرکاری اور ذاتی زندگی میں کافی نقصان پہنچے گا۔ درحقیقت یہ اُن کیلئے مذہب سے محرومی کے بعد دوسرا بڑا نقصان ہوگا۔"

دونوں فرقوں کے لیڈران چونکہ لسانی معاملہ پر مصالحت کرنے میں ناکام رہے اس لئے آگے چل کر ہندوستان کی تقسیم کے مطالبہ کی ایک وجہ یہ بھی بن گئی۔

ہم اب ایک مختلف دور میں رہ رہے ہیں اور پُرانے تنازعوں کا آج کے حالات میں کوئی مقام نہیں ہے۔ ہندوستان کی سرکاری زبان ہندی ہے لیکن یہ حقیقت اُردو کو ہندوستانی زبانوں میں اس کے مقام سے محروم نہیں رکھ سکتی۔ آج بھی ہندو تعلیمیافتہ طبقے میں متعدد لوگ ہیں جو نہ صرف اپنے گھروں میں اردو بولتے ہیں بلکہ اس کی ترقی کے لئے ہمہ تن کوشاں ہیں۔

سرتیج بہادر سپرو اس زبان کے ایک انتھک مجاہد تھے اور اس کی عظمت اور افادیت کو اجاگر کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ مارچ ۱۹۳۹ء میں عثمانیہ یونیورسٹی کے کنونیشن سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔

"اگر میں اردو کو اہمیت دیتا ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ ماضی میں اس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ثقافتی تعلقات اور رابطہ کے ایک طاقتور ذریعہ کا کام کیا ہے۔"

ہمیں اپنے قومی شعور کو مضبوط بنانے کیلئے ان سماجی اور ثقافتی رشتوں کا احیاء کرنا چاہئے جنھوں نے ماضی میں دونوں فرقوں کو یکجا رکھا تھا۔ دونوں فرقوں میں ایسے افراد کی تعداد بڑھنی چاہئے جو اپنے اپنے ورثہ کے مثبت پہلوؤں کی صحیح ترجمانی اور اشاعت پر توجہ دیں۔ ایک دوسرے کے کلاسیکی ورثہ کو سمجھنے کی مخلصانہ کوشش کرنی چاہیئے۔ اس مقصد کے حصول میں دیگر زبانوں کے ساتھ اُردو اہم رول ادا کرسکتی ہے۔ ■■

(سنڈے اسٹینڈرڈ سے)

روزنامہ "اردو ٹائمز بمبئی" سے اقتباس

مہاراشٹر اردو اکادمی صحافیوں اور اخبارات و رسائل کیلئے کیا کرسک

محمد سعید انصاری

مہاراشٹر اردو اکادمی کے ایگزیکیٹیو آفیسر، مشہور صحافی سردار عرفان کے طفیل سچیوالیہ میں ۱۰ر جولائی کی صبح کو سکریٹری، حکومتِ مہاراشٹر خواجہ عبدالغفور صاحب اور چیف ڈائرکٹر آف پبلسٹی شری ماتھر صاحب کی مخاطب کردہ پریس کانفرنس میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ بمبئی کے بیشتر اردو اخبارات کے نمائندوں نے اس میں حصہ لیا۔

اس پریس کانفرنس میں جہاں مہاراشٹر اردو اکادمی کے عملی اقدامات کے آغاز کا خواجہ صاحب نے اعلان کیا وہیں اس بات کے بھی طالب ہوئے کہ حاضرین اگر اس سلسلہ میں مفید تجاویز پیش کریں تو آسانی ہوگی۔

میرے ایک صحافی ساتھی حنیف اعجاز نے مشورہ دیا کہ مالی امداد کے مستحقین میں صحافیوں کو بھی شامل کر لیا جائے۔ اسی طرح میرے دوسرے صحافی و شاعر ساتھی انجم رومانی نے اردو اخبارات کو ریاستی حکومت کے اشتہارات کے سلسلے میں مہاراشٹر اردو اکادمی کے تعاون کی خواہش ظاہر کی۔ بدقسمتی سے ان تجاویز کے سلسلے میں کچھ غیر متعلق اور قدرے جذباتی بحث کے باعث کسی نتیجے پر نہ پہنچا جاسکا۔

خواجہ عبدالغفور صاحب نے صحافیوں کی مالی امداد کے بارے میں بالکل درست طور پر یہ سوال کیا تھا کہ ان کی امداد کی کیا صورت ہو۔

اس سلسلہ میں راقم الحروف چند راستے تجویز کرنے کی جرأت کرتا ہے۔ اگر انھیں قابلِ عمل سمجھا گیا تو مسرت ہوگی ورنہ اس کا گلہ بھی نہ ہوگا۔

(۱) ان صحافیوں کو جن کا کوئی مضمون یا ریاستی تہذیب و تمدن کا آئینہ دار ہو، فلاحی کا میں معاون ہو، اس کی تاریخ اور قومی یکجہتی روشن پہلوؤں کو اُجاگر کرتا ہو، ریاستی ز مراٹھی اور اردو سے قربت کا باعث بنتا ریاستی کھیل کود کی حوصلہ افزائی و فروغ کا بنتا ہو وغیرہ؛ ایسے مضامین میں سے چن انتخاب کرکے انھیں انعام کا مستحق قرار دیا جا۔

(۲) ایک ایسی بھی کمیٹی تشکیل دی جائے جو ا اخبارات و رسائل کو عمدہ ترتیب، تزئین و تدوین انھیں اعزازی سرٹیفکیٹ کے ساتھ اس سے م ایڈیٹر، نیوز ایڈیٹر اور ترتیب کار کو نقد انعام تجویز کرے۔

(۳) اردو زبان کی اشاعت میں فنِ کتابت ریڑ ھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ بہترین قرار پانے و خوش نویس حضرات کو انعام دے کر اُ حوصلہ افزائی کی جاسکتی ہے۔

اردو زبان کی ترویج اور ترقی کے۔ اخبارات و رسائل درمیانی کڑی کا مؤثر ادا کرتے ہیں۔ اُن کی زندگی کے لئے اور اُن متعلقہ لوگوں کی زندگی کے لئے ضروری۔ انھیں ریاستی سرپرستی ملے۔ کم از کم ہر اردو ا اور رسالے کو حصہ بقدرِ جثہ ہی سہی سرکاری اش ملیں، ایسی کوشش کے لئے مہاراشٹر ا اردو اکادمی سے درخواست ہے۔

پندرہ روزہ **قومی راج** بمبئی

جلد: ۱۳ یکم ستمبر سنہ ۱۹۷۵ء شمارہ: ۱۷

قیمت فی پرچہ: ۵۰ پیسے ❋ سالانہ: ۱۰ روپے

زیر نگرانی: خواجہ عبدالغفور آئی۔اے۔ایس

ترسیل زر اور مراسلت کا پتہ:

چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومتِ مہاراشٹر، سچیوالیہ بمبئی ۴۰۰۰۳۲

فہرست

سخنہائے گفتنی

بیس نکاتی پروگرام کے اعلان کے ساتھ ملک میں جوش و عمل کی جو نئی فضا پیدا ہوئی ہے اس نے قومی زندگی کے ہر شعبہ کو بڑے خوشگوار طور پر متاثر کیا ہے۔ بیجا تنقید، شکوہ، شکایات اور بے عملی و بے نیازی کی بجائے اب ایک احساس ذمہ داری پیدا ہوگیا ہے۔ عوام کا پسماندہ اور غریب طبقہ جو اب تک استحصال کا شکار تھا اور آزادی کی عطا کردہ برکتوں سے محروم رہا تھا اب اپنے گرد و پیش کی تاریکی میں نور کی کرنیں دیکھنے لگا ہے۔

سماج کے پسماندہ اور قابلِ رحم طبقات میں ایک طبقہ قیدیوں کا بھی ہے۔ سماجی جرائم کے مرتکب قیدیوں پر ہمیشہ کے لئے ایک قابلِ نفرین داغ لگ جاتا تھا اور سماج انھیں دوبارہ قبول کرنے میں ہچکچاتا تھا لیکن آزادی کے بعد قیدیوں کے بارے میں نقطۂ نظر کو تبدیل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ مجرموں کو جیل بھیجنے کا مقصد اب محض سزا نہیں بلکہ اصلاح بھی ہے۔ اس شمارہ میں قیدیوں اور جیلوں سے متعلق ایک خصوصی مضمون میں آپ دیکھیں گے کہ قیدیوں کو سماج میں دوبارہ مفید اور باعزت حیثیت حاصل کرنے میں کس طرح مدد دی جارہی ہے۔

ہمیں احساس ہے کہ آپ کو قومی راج کے "خسرو نمبر" کا بڑی بے تابی سے انتظار ہے۔ بہرحال اب یہ انتظار ختم ہو رہا ہے اور اکتوبر کا شمارہ "خسرو نمبر" ہوگا۔ اس نمبر کو زیادہ جامع اور مکمل بنانے کے لئے خسرو پر کام کرنے والے کئی ماہرین کی بھی مدد لی جارہی ہے۔ گذشتہ سال اس نمبر کے لئے متعدد تخلیقات موصول ہوئی تھیں اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ توقع ہی نہیں یقین ہے کہ یہ نمبر امیر خسرو پر ایک مکمل اور مفید دستاویز ثابت ہوگا۔

خواجہ عبدالغفور

سرورق کی تصویر:
جیل کے باسی مختلف صنعتوں میں تربیت پا رہے ہیں تاکہ رہائی کے بعد ذمہ دار شہری بن سکیں

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا۔

آزادی کے بعد ہندوستان کی جیلوں کے انتظام میں نمایاں سدھار ہوا ہے ۔ اس دور میں قیدیوں کو ایک نئے انسانی نقطۂ نظر سے دیکھا جانے لگا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ انہیں سدھار کر ذمہ دار شہریوں کی حیثیت سے سماج میں ایک اچھا مقام دیا جائے ۔

اس تبدیل شدہ تصور کے تحت ناسک روڈ سنٹرل جیل کے حکام نے بھی یہ کوشش کی ہے کہ اس جیل میں قید بھگتنے والے وہاں سے نکلنے کے بعد عزت کے ساتھ ایماندارانہ زندگی بسر کر سکیں ۔ یہ جیل سنہ ۱۹۲۷ء میں قائم کی گئی تھی ۔ اب ہندوستان کی آزادی کے بعد پہلی بار جیل کے حکام نے قیدی کو ایک بیمار ذہن رکھنے والے شخص کے طور پر قبول کیا ہے ۔ ہر قیدی پر انفرادی توجہ دی جاتی ہے ۔ جیل میں بشمول زراعت دس صنعتوں میں تربیت کا انتظام ہے ۔ قیدی کو کسی ایک کی طرف راغب کیا جاتا ہے جس سے یہ امید کی جاتی ہے کہ ہر قیدی رہا ہو جانے کے بعد ایک باعزت شہری کی طرح زندگی گذار سکے گا ۔

آج کل جیل کا انتظام جدید سائنٹفک اصولوں کے تحت کیا جاتا ہے ۔ نتیجتاً ناسک روڈ سنٹرل جیل میں مختلف صنعتوں میں تربیت کے لئے قیدیوں کا انتخاب اُن کے رجحان اور انفرادی قابلیت کی بناء پر کیا جاتا ہے ۔ ہر پیشہ کی ابتدائی تعلیم کی سہولت دی جاتی ہے اور اس کے بعد قیدی کو مقررہ کام دیا جاتا ہے اور اس کا الگ سے حساب رکھا جاتا ہے ۔

اس انتظام کا نمایاں نتیجہ سنہ ۱۹۷۴ء کی اس پیداوار سے ظاہر ہوتا ہے جو ناسک روڈ سینٹرل جیل کی مختلف صنعتوں سے حاصل ہوئی ہے :

ٹیکسٹائل	۷,۶۳,۳۵۳	روپے
کیمیکل	۳,۵۴,۵۰۲	روپے
لوہار کام	۲,۰۰,۶۸۵	روپے
بڑھئی کام	۱,۸۵,۷۰۷	روپے
چمڑے کا کام	۱,۴۶,۰۰۹	روپے
بیکری	۱۲,۶۷۰	روپے
درزی کام	۲,۸۳,۶۳۲	روپے
بیڑی بنانا	۵۰,۷۲۷	روپے
لانڈری	۴,۳۷۰	رو
جیل کی دیگر مصنوعات	۱۰۷,۰۳۰	ر

اس کے علاوہ اناج جیسے گیہوں، چاول، باجرہ اور ترکاریوں کی کاشت جیل کی ۴۸ ایکڑ پر کی جاتی ہے جس سے سالانہ ۲۶۵ لاکھ روپے کی آ[مدنی] ہوتی ہے ۔ یہ زرعی پیداوار ریاست کی مختلف جیلوں اور بمبئی کی جیل میں بھی بھیجی جاتی ہے ۔

مخصوص پیداوار

ناسک روڈ سینٹرل جیل کی پیدا کی ہوئی مختلف اش[یاء] کوالیٹی اور مالیت کے اعتبار سے کافی پسند کی نظ[ر سے] دیکھی جاتی ہیں ۔ یہاں کا ٹیکسٹائل ڈپارٹمنٹ ہر ق[سم کے] کپڑوں کی ضرورت پوری کرتا ہے ۔ اس میں سا[مان] بھی ہوتی ہیں جو ہسپتالوں میں استعمال کی جاتی اسی طرح ٹیلرنگ ڈپارٹمنٹ، پولس، ایس ۔ آر ۔ ہوم گارڈس، ایس ۔ ٹی ۔ ڈرائیوروں اور کنڈکٹروں [کے] لئے یونیفارم بنانے کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے سرکاری، نیم سرکاری و دیگر شعبوں کے لئے ضرور[ی] یہاں سے مہیا کیا جاتا ہے ۔ پولس اور محکمۂ جنگلات

(باقی صفحہ ۱۶

جیل کے اندر نجاری کے شعبہ میں قیدی عمدہ قسم کا[...] بناتے ہیں جو گھروں اور دفتروں میں کام آتا ہے :

سنت تکارام اور ان کی شاعری

پونا سے قریب دیہو ایک چھوٹا سا گاؤں ہے لیکن مہاراشٹر کے ایک مشہور سنت کوی تکارام کا جنم استھان ہونے کے ناتے بہت مشہور ہو گیا ہے۔ آج یہ گاؤں مہاراشٹر کے بڑے تیرتھوں میں سے ایک تیرتھ ہے۔ سنت تکارام اس گاؤں میں ۱۶۰۸ عیسوی میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک کُنبی یعنی کاشت کار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کے پتا کی گاؤں میں ایک چھوٹی سی دکان تھی۔ وہ پیشے کے اعتبار سے پرچون فروش یا پنساری تھے۔ اُن کا نام بالھوبا تھا۔ دکان خوب چلتی تھی اور اچھی آمدنی ہوتی تھی اسلئے گاؤں میں اُن کا خاندان ایک کھاتا پیتا گھرانا سمجھا جاتا تھا۔

تکارام کے ماں باپ دونوں بڑے ایشور بھگت تھے اور پنڈھرپور کے وِٹھوبا کے درشن کو ہر سال جایا کرتے تھے۔ وِٹھل یا وِٹھوبا کے درشن کرتے رہنے والوں کو مراٹھی میں وارکری کہا جاتا ہے گویا تکارام کا گھرانا وارکریوں یعنی پنڈھرپور کی "واری" یا زیارت کرنے والوں کا گھرانا تھا۔ تکارام کے پتا ہر روز وِٹھوبا کے نام کی مالا جپتے اور بھگوان کا سمرن کیا کرتے تھے۔ پوجا پاٹ اور بھگوت گیتا کا پاٹھ کرنا اُن کا روز کا معمول تھا۔ اس کے علاوہ ہر رات وہ پڑوسیوں کے ساتھ مل کر بھجن بھی گایا کرتے تھے۔ اس طرح اُن کی حیثیت گاؤں میں ایک مذہبی لیڈر کی سی ہو گئی تھی۔ تکارام کی ماں بھی اپنے شوہر سے پیچھے نہ تھیں۔ وہ گھر کا کام کاج کرنے کے علاوہ سارے دھارمک رسم و رواج کی پابندی کرتی تھیں اور اسطرح وِٹھل بھگتی کی جوت کو دل میں جگائے رکھتی تھیں۔ تکارام کے والدین اپنے پڑوسیوں، مہمانوں اور غریبوں مسکینوں کے ساتھ آدر اور ہمدردی سے پیش آنا اپنا دھرم سمجھتے تھے۔

ایسے گھرانے میں جب تکا کا جنم ہوا اور ایسے ماحول میں اُن کی پرورش ہوئی تو وہ بھی اپنے ماں باپ کی طرح نیک اور سیدھے سبھاؤ کے انسان بن گئے۔

یونس اگاسکر

سینٹ زیویرس ہوسٹل، دھوبی تالاب، بمبئی ۱

اپنے من کو انکس لگانا ضروری ہے اور انسان کو برائی سے بچنے کے لئے دن رات جاگتے رہنا پڑتا ہے!

اُن کے من میں ایشور بھگتی اور دین سیوا کی بھاؤنا جاگرت ہوئی۔ شروع ہی سے اُن کے دل میں غریبوں کے دکھ دور کرنے اور دکھی لوگوں کی مدد کرنے کے خیالات آنے لگے۔ اُن کو قدرت نے شاعری کا فطری ملکہ عطا کیا تھا۔ اُن کی قوتِ تخیّل اور کلپنا بہت تیز اونچی تھی۔ اپنی قوتِ شاعری سے انہوں نے سماج میں وٹھل بھگتی اور غریبوں کی سیوا کا جذبہ پیدا کیا انھوں نے سماج میں نابرابری اور اونچ نیچ کے خلاف آواز اُٹھائی۔ اُن کی یہ خدمت مہاراشٹر کا سماج ہرگز بھُلا نہیں سکتا۔

تُکارام کی دُنیوی زندگی بڑی دلچسپ ہے۔ اُن کی شادی بڑی کم عمری میں ہوگئی تھی۔ شاید اُسوقت وہ صرف بارہ سال کے رہے ہوں گے۔ پہلی بیوی سے انھیں سنسار کا سُکھ نہ ملا کیونکہ وہ دمہ جیسے تکلیف دہ اور خطرناک مرض کا شکار ہوگئی تھی اور ہمیشہ بیمار رہا کرتی تھی۔ مجبور ہوکر تکارام نے دوسری شادی کرلی۔ اُن دنوں ہندو سماج میں دوسری شادی کو بُرا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ جلد ہی تکارام کے ماں باپ پرلوک سدھار گئے اور گھر سنسار چلانے کی ذمّہ داریوں کا بوجھ تکارام کے کندھوں پر آپڑا۔ تکارام کو دھندے بیوپار کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ اور نہ ہی ان باتوں میں اُن کا من لگتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کاروبار میں نقصان ہونے لگا۔ اور اُن کے بُرے دن آگئے۔ کچھ ہی دنوں بعد مہاراشٹر میں بھیانک قحط پڑا اور گاؤں کے سارے لوگوں کے ساتھ تکارام کے خاندان کو بھی پیٹ پالنے کے لیے سخت محنت کرنا پڑی۔ تکارام نے اپنے خاندان کو موت کے منہ سے بچانے کے لیے جان لڑا دی۔ اپنی جائداد، مویشی، زیور بیچ باچ کر وہ اناج خریدتے اور قرض چکاتے رہے لیکن اتنی کوشش کے باوجود اُن کی پہلی بیوی رُکھما بائی اور ایک بیٹا اس کال کی بھینٹ چڑھ گئے۔ بچے کھچے جانور بھی بھُکمری کا شکار ہوگئے اور انھیں اپنی دکان بھی بند کرنی پڑی۔ اب تو سارے گھرانے کی جان کے لالے پڑگئے۔

اس بُرے وقت میں تکارام کے سسُر نے اُن کی مدد کی اور دوبارہ کاروبار شروع کرنے کیلئے دوسو روپے قرض دیئے۔ اس رقم سے تکارام نے دوبارہ دکان داری شروع کردی لیکن اس میں پھر گھاٹا ہوا اور ساری رقم برباد ہوگئی لیکن تب تک مہاراشٹر سے کال کی پرچھائیں دور ہوچکی تھی اسلئے زندگی کی گاڑی پھر سے راستے پر آگئی اور فاقوں سے مرنے کی نوبت ٹل گئی۔

گاندھی جی نے ایک مرتبہ کہا تھا " بھوک کے سامنے بھگوان بھی روٹی کے سوا کسی اور روپ میں آنے کی ہمّت نہیں کرسکتا۔" جس وقت مہاراشٹر میں سوکھا پڑا تھا، سبھی پیٹ کی فکر میں دیوانے تھے۔ انسان تو یوں بھی خدا کو بھُلائے رہتا ہے بھلا بھُکمری کے زمانے میں کیا یاد رکھتا؟ لیکن تکارام نے قحط کے زمانے میں بھی اپنے خالق سے لَو لگائے رکھی۔ جب اُن پر بپتا پڑی تو اُن کے دل میں دنیاداری کے خلاف وچار پیدا ہونے لگے۔ اُنھوں نے سوچنا شروع کیا کہ جو انسان دنیا میں اتنے کارنامے انجام دیتا ہے وہی موت کے سامنے بے بس ہوجاتا ہے۔ دنیا کا آرام اور چین حاصل کرنے کے لیے بھاگ دوڑ کرنے والا آدمی موت کے سامنے بے دست و پا ہوجاتا ہے اور ساری کوششیں دھری رہ جاتی ہیں۔ ایسے میں دنیا کے پیچھے بھاگنا فضول ہے۔ آہستہ آہستہ اُن کی سوچ سمجھ کی دنیا ہی بدل گئی۔ وہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت مذہبی کتابیں اور دھارمک لٹریچر پڑھنے میں صرف کرنے لگے انھوں نے وٹھل کا دھیان کرنا شروع کردیا۔ وہ سارا دن بھام ناتھ اور بھنڈارا کی پہاڑیوں میں جاکر وٹھل کی یاد میں گم بیٹھے رہتے اور شام کو گھر لوٹ کر وٹھل کے مندر میں کیرتن کیا کرتے۔ یہ مندر اپنے اچھے دنوں میں انھوں نے خود بنوایا تھا۔ کیرتن میں تال اور مردنگ کی تال پر جب وہ بھکتی رس سے بھری ہوئی رچنائیں سناتے تو سارے سُننے وا
جھومنے لگتے۔

آہستہ آہستہ تکارام کی شہرت لوگوں میں پھ
گئی۔ وہ ایک کیرتن کار کی حیثیت سے گاؤں گاؤں مش
ہوگئے اور لوگ انھیں سنت تکارام کہہ کر پکار
لگے۔ اب سنت تکارام کا نام بڑے آدر اور احتر
سے لیا جانے لگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیہو ک
ایک پیشہ ور کیرتن کار ممباجی گوساوی کے دل م
تکارام کی مقبولیت کو دیکھ کر حسد اور جلن پیدا ہوگ
کیونکہ تکارام کی شہرت کی وجہ سے لوگوں نے مم
کی اُپدیش سبھا میں جانا اور انھیں دان دکش
دینا کم کردیا۔ اُس کی آمدنی کم ہوگئی۔ اب وہ سن
تکارام سے بدلہ لینے کی سوچنے لگا۔ ایک دن اُ
اس کا موقع مل ہی گیا۔ تکارام کی گائے ایک دن مم
گوساوی کے کھیت میں گھُس گئی اور اس نے فص
کو کچھ نقصان پہنچایا۔ ممباجی نے گائے کے سات
ساتھ تکارام پر بھی اپنا غصہ اُتارا۔ اُس نے نہ
گائے کو ڈنڈے رسید کیے بلکہ تکارام کو بھی مارا
تکارام نے بڑے صبر و سکون کے ساتھ اس کی ما
سہا اور سچّے سنت ہونے کا ثبوت دیا۔

ایک مرتبہ سنت تکارام کے ایک شاگرد
بیوی بھی اُن پر بہت ناراض ہوئی۔ اُس کے خی
میں تکارام کے بہکاوے میں آکر اس کا شوہر گھ
سے بالکل بے خبر ہوگیا تھا۔ اُس نے تکارام کو
دینے کے لئے اُن پر کھولتا ہوا گرم پانی اُنڈیل
سنت تکارام نے ساری تکلیف کو برداشت
اور زور زور سے ایشور کا نام لیتے رہے۔
ہیں کہ اُن پر اس کھولتے ہوئے پانی کا کو
اثر نہیں ہوا اور اُن کی بڑائی کا سکّہ لوگوں
دلوں پر بیٹھ گیا۔

کہا جاتا ہے کہ دیہو کے ایک برہمن پنڈت
رامیشور بھٹ نے تکارام کو نیچ ذات کا ہوکر گ

تفسیر لکھنے کے جرم میں بہت برا بھلا کہا اور انھیں ری پوتھیاں اٹھا کر اندرایَنی ندی میں پھینکنے کا دیا۔ تکارام نے اُن کے حکم کا پالن کیا لیکن اندرایَنی نے اُن کی ساری کویتائیں جوں کی توں واپس دیں۔ اسی دن سے تکارام کی کویتاؤں کو ابھنگ ، نہ ٹوٹنے والی نظمیں کہا جانے لگا۔

اس میں شک نہیں کہ سنت تکارام نے دوسرے وں کی طرح دنیا نہیں تیاگی۔ انھوں نے دو شادیاں ۔ اُن کے دو بچے بھی تھے جن میں ایک لڑکا تھا دوسری لڑکی۔ اُن کی دوسری بیوی جیجا بائی بڑی اج عورت نکلی۔ وہ ہمیشہ اُن سے لڑتی جھگڑتی تھی لیکن سنت تکارام ہمیشہ ہنس کر ٹال دیتے کیونکہ ان کا دل ایک سنت کا دل تھا جس میں انسانوں لیے محبت اور پیار تھا۔ وہ شانتی کو پسند کرتے اور کرودھ یا غصّے سے بچتے تھے۔ انھوں نے سنسار ضرور بسایا لیکن اُن کی ساری زندگی دھرم میں گزری۔ وہ عمر بھر اچھے اصولوں کا پرچار رہے اور لوگوں کو روحانی باتوں کی تعلیم دیتے رہے آہستہ آہستہ اُن کے شاگردوں اور چاہنے والوں کی بڑھتی گئی اور اُن کے ابھنگ مہاراشٹر کے ر میں پھیل گئے

سنت تکارام کا آخری کیرتن دیہو میں اندرایَنی کے کنارے ہوا۔ اس میں اُنھوں نے لوگوں کو ت کی کر وٹھل بھگتی میں اپنا تن من دھن سب کچھ کر دیں۔ ۱۶۶۰ عیسوی میں انھوں نے انتقال تکارام کی زندگی اور اُن کی خدمات کو دیکھ کر تیار آنھیں کا ایک ابھنگ زبان پر آجاتا ہے ا ترجمہ درج ہے:

"ہم رات دن ایک یُدھ یعنی جنگ وچار ہیں۔ ہمارے من اور اس ی دنیا کے بیچ ایک ختم نہ ہونیوالی جاری ہے۔"

سنت تکارام کے ابھنگ اُن کے دل کی آواز ہوتے تھے اور اُن کے منہ سے نکلتے ہی سننے والوں کی روح میں اُتر جاتے تھے۔ اُن کو سُن کر ایک روحانی خوشی اور آتمک آنند حاصل ہوتا تھا۔ آج بھی مہاراشٹر کے جاہل اور پڑھے لکھے عوام تکارام کے ابھنگوں سے روحانی تقویت حاصل کرتے ہیں۔ یہ ابھنگ ہر کیرتن میں پڑھے جاتے ہیں اور کیرتن کا اختتام بھی انھیں کی لکھی ہوئی پرارتھنا پر ہوتا ہے۔ سنت تکارام کے ابھنگوں کے مجموعے کو "گاتھا" کہا جاتا ہے۔

گاتھا کو پڑھنے سے تکارام کی زندگی کا ہر پہلو ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ بچپن کے معصوم کھیلوں، جوانی کی ناکام دکان داری، مذہب کے ٹھیکیداروں کے ظلم وستم کا ذکر ان کے ابھنگوں میں پایا جاتا ہے۔ سنت تکارام اپنی زندگی میں مذہبی آچرن کو سدا اپنائے رہے لیکن وہ محض اوپر سے دھارمک نہ تھے، اُن کا من بھی ہمیشہ بھگتی سے اوت پروت بھرا رہتا تھا۔ سبھی سنتوں کی طرح وہ من کو قابو میں رکھنا گیان مارگ میں ضروری سمجھتے تھے۔

"اپنے من کو آنکس لگانا ضروری ہے اور انسان کو برائی سے بچنے کے لئے دن رات جاگتے رہنا پڑتا ہے۔"

انسان کے بھوگ پریہ من کو دنیا کی لذتوں سے دور رکھنا آسان کام نہیں۔ اس کے لئے کڑی تپسیا اور گہرا تیاگ کرنا پڑتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ بھگتی پر اٹل رہنا بھی ضروری ہے۔ سنت تکارام کو اس راہ میں طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن وہ اپنے راستے پر چلتے رہے اور آخر انھیں گیان اور روشنی ملی۔ دنیا کے ڈراوے اور لالچ کو انہوں نے شیر، سانپ اور بچھو کہا ہے۔

"سانپ، بچھو اور شیر لپک رہے ہیں لیکن دھیر گمبھیر لوگ کہیں ڈر کر اپنا راستہ چھوڑتے ہیں۔"

تکارام کے ابھنگوں میں اُن کی شخصیت کے نرم اور سخت دونوں پہلو جھلکتے ہیں۔ وہ موم سے زیادہ نرم دل رکھنے کے باوجود وقت پڑنے پر ہیرے سے زیادہ سخت ہو جاتے ہیں خود ہی کہتے ہیں کہ ہم وشنو کے داس موم سے نرم اور ہیرے سے سخت ہیں۔ ہم ماں جیسا نرم دل اور دشمن کی طرح سخت کلیجا رکھتے ہیں۔

تکارام نے اپنی دھارمک زندگی کی ابتدا ایک وارکری کی حیثیت سے کی تھی لیکن وہ مقام حاصل کرلیا کہ خود ہی دیو اور تیرتھ بن گئے۔

سنت تکارام کے خیال میں تیرتھ استھانوں پر تو بس پتھر اور پانی ہوتا ہے۔ دیو تو اصل میں سادھوؤں اور سجنوں میں چھپا ہوتا ہے اور دیوالی دسہرہ تو اُس دن ہوتا ہے جب سنت گھر آتے ہیں۔ اور بھگت جہاں جہاں جاتا ہے بھگوان اُس کے ساتھ ہوتا ہے۔

مہاراشٹر میں سنت کاویہ کی ابتدا سنت گیانیشور نے کی۔ سنت تکارام نے اسے معراج تک پہنچایا اسی لیے سنت گیانیشور کو سنت کاویہ کا پایہ اور سنت تکارام کو اس کا کلس سمجھا جاتا ہے۔ سنت تکارام نے دنیا کو تیاگنے کی تعلیم نہیں دی بلکہ سماج اور رہن سہن کو دھرم کرم سے مملو بنانے کی تلقین کی۔ وہ فلسفۂ گیان سے زیادہ دھیان کو مانتے ہیں اور سچی بھگتی کو مکتی کی ضمانت سمجھتے ہیں۔ ان کے ابھنگوں میں بھگتی رس اور انسانوں سے پریم کی مٹھاس ملتی ہے۔ سنت تکارام نے اپنے چھوٹے چھوٹے تجربوں کو بھی اس خوبی سے ابھنگوں میں سمویا ہے کہ ان کی ہر بات ہمیں اپنے دل کی آواز معلوم ہونے لگتی ہے۔

ج

کالے سپنے

شہناز کنول

حس وقت وہ بس اسٹاپ پر پہنچا لائن میں پورے بیس آدمی کھڑے تھے۔ وہ اکیسواں تھا۔ بیسویں شخص کے پیچھے کھڑے ہو کر اس نے سوچا اگر ہر بس میں پانچ مسافر کنڈکٹر نے لئے تو چوتھی بس میں اس کا نمبر لگ جائے گا۔ پھر اس نے اپنی چھوٹی سی چونے کی ڈبیہ جیسی گھڑی پر نظر ڈالی۔ نو بجکر پانچ منٹ ہوئے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پورے نو بجے ہیں۔ اس کی گھڑی ہمیشہ پانچ منٹ آگے چلتی تھی۔ اس تیز رفتار زمانے میں نہ جانے کیوں اس کی گھڑی کو تیز چلنے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ وہ سوچنے لگا۔ اگر دس دس منٹ بعد بھی چار نمبر کی بس آتی رہی تو پونے دس بجے تک اس کو بس مل جائے گی اور دس بجے تک وہ آفس پہنچ جائے گا۔ انٹرویو کے لئے ساڑھے دس بجے کا ٹائم دیا گیا ہے۔ چلو ٹھیک ہے۔ وہ خود سے بولا۔ بالکل صحیح وقت پر پہنچ جاؤں گا۔ بلکہ آدھے گھنٹے پہلے ہی پہنچوں گا۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر اس نے اپنے کپڑوں پر ناقدانہ نظر ڈالی۔ پینٹ تو خیر ٹھیک ہے لیکن بشرٹ گھر میں دھلنے کی وجہ سے سفید نہ ہو سکی بچاری سیما بھی کیا کرے۔ چھے مہینے پہلے اسے ٹینوپال کی ڈبیہ لا کر دی تھی اور ہر مرتبہ انٹرویو کے لئے اس نے یہ شرٹ دھوتے ہوئے چٹکی بھر ٹینوپال ڈال کر اس کی زردی کو زبردستی سفیدی میں تبدیل کرنا چاہا مگر اپنی شرٹ نے بطور احتجاج دامن چاک ہونے کی دھمکی دیدی اور اس کی زردی جوں کی توں رہ گئی۔ خود سیما ہی کتنی بدل گئی اس نے کچھ دکھ کے ساتھ سوچا۔ پہلے کتنی سفید اور گداز تھی لیکن اب تو اس کی شرٹ کی طرح زرد ہو چکی ہے۔ کاش ٹینوپال کی چٹکی اسے بھی سفید کرنے کے کام آ سکتی۔ اس کی نظر اپنے آگے کھڑے ہوئے شخص پر پڑی کتنی چمکدار سفید تھی اس کی شرٹ۔ دھوپ کی تیز کرنوں میں اس نے ایک نظر اپنی شرٹ پر ڈالی۔ اسے اپنی شرٹ کی زردی کچھ زیادہ ہی محسوس ہوئی۔ وہ بلا وجہ احساس کمتری میں مبتلا ہو گیا۔ لائن میں کھڑے لوگوں میں سے اگر کسی کی نظر اس پر پڑتی تو وہ کسی کنواری دوشیزہ کی طرح بدن چرانے لگتا۔

بس آئی۔ لیکن کھچا کھچ بھری ہوئی۔ کنڈکٹر نے دو آدمی لئے اور گھنٹی بجا دی۔ بس آگے بڑھ گئی اور یہ سب اس کے پیچھے اڑتی دھول میں نہا گئے۔ کچھ لوگوں نے ڈرائیور کو برا بھلا کہا۔ کچھ کنڈکٹر کو گالی دینے لگے۔ دو لوگ فوراً موجودہ سیاسی حالات پر بولنے لگے۔ مہنگائی، کرپشن، چور بازاری، وہ سوچنے لگا۔ ہم کتنی بکواس کرنے لگے ہیں۔ ہر شخص ہر وقت بھاشن دینے کے موڈ میں رہتا ہے۔ آخر ہم لوگ ہاتھ پیر کیوں نہیں ہلاتے۔ اتنا بول بول کر جو اپنی انرجی ضائع کرتے ہیں اگر کسی صحیح کام میں لگائیں تو یہ ساری پریشانیاں خود بخود ختم ہو جائیں۔ اس کے آگے والا شخص بہت بڑھ چڑھ کر بول رہا تھا۔ اسے پتہ نہیں کیوں ہر محکمہ سے شکایت تھی۔ وہ سوچنے لگا ہمیں تو زبان چلانے میں مزہ آتا ہے۔ ویسے ہم خود بھی تو کتنے کام چور ہیں۔ پھر اسے سارے مسافروں سے کچھ نفرت سی محسوس ہونے لگی۔ اس نے بے دلی سے سب کی طرف سے پیٹھ کر لی۔ بس اسٹاپ کی پشت پر باٹا کے شو روم میں حسین، دل آویز اور نت نئے فیشن کے خوبصورت ڈیزائنوں کے جوتے سجے ہوئے تھے۔ اس کی نظریں مختلف جوتوں کی چمکدار سطح پر پھسلتی رہیں اور پھر ایک سینڈل پر جم سی گئیں۔ اسے صبح کی بات یاد آ گئی جب وہ اپنے جوتوں کو بلی شو پالش کے جھٹکوں سے چمکانے میں مصروف تھا۔ اس نے اپنے جوتوں پر نظر ڈالی کم بخت کا چمڑا کتے کی کھال ہو کر رہ گیا ہے۔ چمک آتی ہی نہ تھی۔ اور پھر کائی جمے پانی جیسے دھندلے دکھائی دینے لگے۔ جوتے ہی اس نے پہن لئے تھے۔ یہ جوتے خریدے بھی تو تھے چور بازار سے پانچ روپے میں۔ اس وقت یہ بھی بہت اچھے معلوم ہوئے تھے۔ لیکن دو ہی مہینے میں یہ حال ہو گیا بزرگوں نے ٹھیک ہی تو کہا ہے مہنگا روئے ایک بار سستا روئے بار بار.... بس کی آواز سن کر اس نے پھر سڑک کی طرف رخ کر لیا۔ بس آئی۔ تین آدمی بیٹھ گئے۔ لائن آگے بڑھی وہ بھی سرکا۔ اس کی آنکھوں پر چوندھ سی پڑی آنکھ جھپکا کر اس نے نیچے دیکھا۔ اس کے آگے کھڑے ہوئے

ں کے سیاہ جوتے دھوپ میں چمک رہے تھے۔ غیرشعوری
پر اس کے مقابلے میں وہ خود کو کمتر محسوس کرنے لگا۔ اس
پھر سوچا یہ شخص ابھی تھوڑی دیر پہلے مہنگائی کی بات
رہا تھا لیکن جوتا اتنا قیمتی پہن رکھا ہے۔ عجیب
، یہ لوگ بھی۔ اچھا کھاتے ہیں، اچھا پہنتے ہیں لیکن
دتا روتے رہتے ہیں۔ اس نے اکتا کر گردن گھمائی
ر دور تک بس کا پتہ نہیں تھا۔ لائن میں آٹھ دس
میوں کا اضافہ ہو چکا تھا۔ سب کی نظروں میں
لا رہا تھا۔ نہ جانے کس کس کا۔ کچھ دیر بعد بس آئی
آدمی سوار ہو گئے۔ بس کنڈکٹر نے ہاتھ اٹھا کر
ں کو روک دیا۔ بس چل پڑی۔ لائن میں سے
شخص نکل کر بس کے پیچھے دوڑا۔ اور ہینڈل پکڑ
ک گیا۔ بس بھاگتی رہی اور وہ دور تک
لے کھاتا رہا۔ اس کی نظروں نے دور تک بس
لٹکے ہوئے آدمی کا تعاقب کیا۔ شاید بہت
ں میں تھا۔ وہ بڑبڑایا۔ پتہ نہیں کس مجبوری
ت یہ شخص اس طرح اپنی جان سے کھیلا۔ ورنہ
دلی کے ساتھ تو انسان خودکشی بھی نہیں کرتا۔ اصل
ب ہی اپنی خواہشوں اور ضرورتوں کو پکڑے
اور جھٹکے کھا رہے ہیں۔ اور زندگی اس بس
ح بھاگ رہی ہے۔ کون کہاں گر جائے اور
رجائے۔ اس طرف سے جان بوجھ کر انجان
ہتے ہیں۔ اس کی سوچ کو توڑتی ہوئی بس پھر
بغیر کسی مسافر کو لئے دندناتی ہوئی گذر گئی
دیکھ کر تیزی سے آگے بڑھنے والے پیچھے ہٹے
ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ "لے دیکھ کے
رہو۔" سوری کہتے ہوئے اس نے پیچھے مڑ کر
ایک بوڑھی پارسن اسے تیز نظروں سے
ی تھی۔ شاید اس کا پیر کچلا گیا۔ اس نے پارسن
پ نظر ڈالی اور پھر اس کے ہاتھ میں لٹکی ہوئی
پر جا کر ٹھہر گئی جو سیبوں اور اناروں سے بھری
۔ مجھے سیب کھائے کتنا زمانہ ہو گیا۔ اب
یاد کرنے پر بھی زبان پر ذائقہ محسوس نہیں

ہوتا۔ زبان بھی تو منہ میں چمڑے کا ٹکڑا سی محسوس ہوتی
ہے۔ روزانہ دال کھا کر شاید ذائقہ کی حس کھو چکی
ہے۔ وہ سوچنے لگا۔ جب شامی پیدا ہوا تھا تو
ڈاکٹر نے سیما کو سیب ہی بتائے تھے لیکن دبلے
پتلے کمزور سے شامی کے لئے دوا ضروری تھی آٹھ روپے
کلو کے سیب کہاں سے آتے۔ سیما کی ضد تھی کہ پہلے
ایک بیٹا ہی ہونا چاہیئے جو بڑھاپے کا سہارا بنے
شامی صرف ساڑھے تین پونڈ کا پیدا ہوا تھا۔ کتنے
ظلم کی بات ہے کہ بچے پیدا کر کے انھیں رفتہ رفتہ

دراصل ہم سب ہی اپنی
خواہشوں اور ضرورتوں کو
پکڑے جھکولے اور جھٹکے کھا
رہے ہیں اور زندگی اس بس
کی طرح بھاگ رہی ہے کون
کہاں گر جائے اور کب گر جائے
اس طرف سے جان بوجھ کر
انجان بنے رہتے ہیں

مارا جائے۔ اب شامی چار سال کا ہو گیا۔ مگر ابھی
تک چل پھر نہیں سکتا۔ پتہ نہیں یہ میرے بڑھاپے
کا سہارا بنے گا یا میں اس کی جوانی کا ..... دوائیں
بھی کتنی مہنگی ہو گئی ہیں۔ اس نے بس اسٹاپ پر
لگے ہوئے طاقت کی دوا کے اشتہار پر نظر جما کر سوچا
میں اگر اس دوا کی دو شیشیاں کھا لوں تو ملازمت
کی تلاش کے لئے زیادہ بھاگ دوڑ کر سکتا ہوں
لیکن دوا خریدنے کے لئے روپئے کہاں سے لاؤں
اونہہ! میں ایسا کمزور بھی نہیں ہوں۔ اس نے
بلاوجہ اپنے بازوؤں کے مسلس پر ہاتھ پھیرا۔ دواؤں
سے طاقت نہیں آتی۔ بس کی آواز سن کر وہ چونکا
لوگ جلدی جلدی چڑھ رہے تھے۔ وہ بھی تیزی
سے آگے بڑھا۔ لیکن اس کا نمبر آتے ہی کنڈکٹر نے گھنٹی بجا
دی۔ اس نے التجا آمیز نظروں سے کنڈکٹر کی طرف

دیکھا لیکن وہ دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ آگے
بڑھا۔ کنڈکٹر نے ہاتھ سے روکتے ہوئے کہا۔
جگہ نہیں ہے۔ وہ شرمندہ سا پیچھے ہٹ آیا اسے
اپنے آگے والے شخص پر غصہ سا آگیا۔ اس کے
مقابلے پر یہ شروع ہی میں کمتری کا شکار ہو گیا۔
اس نے خود ہی اس سے اپنا مقابلہ شروع کر دیا
تھا۔ اور اب اسی کو بس میں جگہ مل گئی۔ یہ دیکھتا
رہ گیا۔ اس نے گھڑی پر نظر ڈالی دس بج کر دس
منٹ ہوئے تھے اسے لائن میں کھڑے کھڑے
ایک گھنٹہ ہو چکا تھا۔ اس کا تمام حساب غلط ہو
چکا تھا۔ وہ مجبور سا کھڑا اگلی بس کا انتظار کرنے
لگا۔ سوا دس بجے بوڑھی پارسن نے ٹیکسی کی اور
چلی گئی۔ اسے خیال ہوا۔ جب اس کے پاس ٹیکسی
کے پیسے تھے تو یہ آدھے گھنٹے سے لائن میں کیوں
کھڑی تھی۔ پہلے ہی چلی جاتی۔ اس نے پھر گھڑی
دیکھی دس بیس ہو چکے تھے۔ بس کا پتہ نہیں تھا
پھر بھی اب وہ مطمئن تھا۔ آنے والی بس میں اسے
جگہ مل سکتی ہے۔ کیونکہ اب وہ لائن میں سب سے
پہلے تھا۔

اس کے پیچھے لائن کافی لمبی ہو چکی تھی
بوڑھی پارسن کے جانے کے بعد اب ایک لڑکا
اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ میلے سے کپڑے پریشان
بال۔ معمولی سا چپل پہنے بغل میں فائل دبائے
وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ دس بج کر
۳۵ منٹ ہو چکے تھے۔ مگر بس کسی طرح نہیں
آ رہی تھی۔ وہ کھڑے کھڑے تھک چکا تھا وہ
سوچنے لگا اگر نو بجے سے پیدل چلتا تو اب تک
چھ سات میل کا راستہ پورا کر کے دفتر پہنچ گیا
ہوتا۔ اور انٹرویو دے کر ملازمت ملنے کے امکانات
ہو جاتے۔ اپنے خیالوں میں وہ دفتر کی میز کرسی
پر بیٹھ چکا تھا۔ فائلوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے
اور مہینے کی پہلی تاریخ کو اس کے ہاتھ میں ڈھائی
تین سو روپے بھی آ چکے تھے۔ وہ بہت مگن تھا۔

اسے خبر بھی نہیں ہوئی کہ کب بس آئی اور اس کے پیچھے والا اسے بے خبر جان کر تیزی سے آگے بڑھا اور بس میں سوار ہوگیا۔ کنڈکٹر کی آواز پر وہ چونکا' وہ کہہ رہا تھا۔ "صرف ایک' صرف ایک" بس اک جھٹکے سے آگے بڑھی۔ وہ غصّے اور تھکن سے جھلاّ اٹھا اور کچھ اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ اس نے دوڑ کر اس لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر پیچھے گھسیٹ لیا۔ بس آگے بڑھ گئی اور یہ دونوں زمین پر گرے اور تیزی سے کھڑے ہوگئے۔ "میں دو گھنٹے سے لائن میں کھڑا تھا سمجھے؟" اس کے ساتھ ہی اس کا ہاتھ گھوما اور زناٹے سے سامنے والے کے چہرے پر پڑا۔ پھر دونوں ایک دوسرے سے گتھ گئے۔ اب سڑک پر دونوں ایک دوسرے کو مار رہے تھے لڑکے کا فائل دور پڑا ہوا تھا کاغذات بکھر چکے تھے۔ اسے بھی نہ کپڑوں کی صفائی کا خیال تھا' نہ جوتے کا۔ دونوں ہاتھ تول تول کر ایک دوسرے پر مکّے برسا رہے تھے۔ اس درمیان دو بسیں آکر گزر گئیں' لائن کے دوسرے لوگ بیٹھ بیٹھ کر چلے گئے اور یہ دونوں آپس ہی میں الجھے رہے۔ پھر ادھر ادھر سے کچھ لوگوں نے آکر بیچ بچاؤ کر دیا۔ تھکن کی وجہ سے دونوں جلدی ہی الگ ہوگئے وہ لڑکا اپنے کاغذات سمیٹ کر پیدل ہی روانہ ہوگیا۔ اس نے اپنی جیب سے رومال نکال کر چہرہ صاف کیا' کپڑے درست کئے اور پھر لائن میں کھڑا ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد بس آئی۔ وہ بھاگ کر سوار ہوگیا۔ کچھ دیر وہ اس لڑائی کے بارے میں سوچتا رہا اور سلگتا رہا' پھر گھڑی پر نظر ڈالی۔ گیارہ بج کر دس منٹ ہوچکے تھے۔ اس نے انٹرویو میں ہونے والے سوالات ذہن میں دہرائے اور بس سے اترا۔ امید و بیم کے درمیان اس نے سڑک پار کی اور آفس کی گلی میں مڑ گیا۔ گیٹ میں داخل ہوکر اس نے بڑی بڑی تین سیڑھیاں طے کیں اور جب اندر پہنچا تو کمرہ خالی پڑا تھا۔ چپراسی نے اسے بتایا کہ انٹرویو کا ٹائم ختم ہو چکا ہے۔ اس کی گھڑی گیارہ بج کر پچاس دکھا رہی تھی۔ وہ واپسی کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ دروازہ کھلا اور وہ شخص باہر نکلا جو بس کی لائن میں اس کے آگے کھڑا تھا۔ ج مہنگائی کا شکوہ تھا۔ جو ہر محکمہ سے نالا تھا۔ جس کی شرٹ دودھیا سفید تھی۔ ج کے جوتے بہت چمکیلے تھے۔

اس نے اپنی زرد اور میلی شرٹ پر ایک ز ڈالی اور باہر نکل آیا۔ ●

اندرا گاندھی

تیرا آنچل ہے کہ اڑتا ہوا پرچم کوئی
تیرے ماتھے پہ ہے اُگتے ہوئے سورج کا گماں
تو نئے دور کے آکاش کی نرماتا ہے'
تیرے لہجے میں ہیں تعمیر کے جذبات جواں

تیری آواز جگاتی ہے عمل کے نغمے
میرے سوئے ہوئے قدموں کو صدا دیتی ہے
اک نئے دور کی تصویر دکھاتی ہے مجھے
اک اُبھرتی ہوئی منزل کا پتہ دیتی ہے

کل جو نہرو کے تبسم سے ضیا پاش رہی
آج اس خاک کا تابندہ مقدّر تو ہے
جس کی جانب ہیں ہر اک ملک کی آنکھیں نگراں
ساری دنیا میں اگر ہے تو وہ رہبر تو ہے

صابر دت

پاتور

جہاں سے شاہجہانی دور کے سنہرے سکے برآمد ہوئے

چند ماہ قبل بورڈی ندی کی تہہ سے ا ہجہانی دور کے سنہرے سکے برآمد ہوئے ے سارے ملک میں ایک سنسنی پھیل گئی۔ دریافت کے سبب ضلع اکولہ کے تعلقہ بالاپور ایک ایک چھوٹا سا گاؤں "پاتور" آج ساری ، توجہ کا مرکز بن گیا ہے اور کولمبیا پکچرز ہور زمانہ فلم "میکناز گولڈ" کی یاد پھر سے ہوگئی۔

پاتور جو ودربھ کے علاقے کا ایک چھوٹا سا ردف گاؤں ہے وہ دراصل دورِ مغلیہ سے قلعہ میں واقع ہے جس کی شکل زمانے کے سرد و گرم سے شکستہ ہو چکی ہے۔ پاتور ودربھ کی سرسبز و شاداب پہاڑیوں کی آغوش میں تاریخ کے سنہرے دنوں کی یاد دلاتا ہے۔ یہ تاریخی مقام دورِ مغلیہ اور دورِ نظام میں صوبۂ برار کے زیرِ انتظام تھا۔ یہاں انتظامی اور فوجی مصلحت کے تحت تین قلعے موجود تھے۔ (۱) اکولہ (۲) بالاپور اور (۳) پاتور۔ یہاں مغل حکومت اور نظام کی فوج اور پیشکار قریبی علاقوں کی نگرانی اور بغاوتوں کو فرو کرنے کیلئے ہمیشہ موجود رہتی تھی۔ ان میں بالاپور کا قلعہ بہت مضبوط اور خوبصورت ہے اور آثارِ قدیمہ سے دلچسپی رکھنے والوں کا آج بھی منتظر ہے۔

پاتور میں زمانۂ قدیم کے غار موجود ہیں جن کا تعلق آٹھویں اور نویں صدی عیسوی سے ہے۔ تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ پاتور کا نام ایک صوفی بزرگ حضرت شیخ عبدالعزیز جنھیں شیخ بابو یا حضرت شاہ بابو بھی کہتے ہیں' کی وجہ سے مشہور ہوا، جو ۱۳۲۸ء میں دہلی سے یہاں تشریف لائے تھے۔ اس وقت دہلی میں غیاث الدین تغلق کی حکومت تھی۔ حضرت شاہ بابو تغلق خاندان کے بہی خواہوں میں سے تھے۔ اسی لئے جب ان کا انتقال ہوا تو بادشاہ تغلق نے آپ کے مزار پر ایک خوبصورت مقبرہ تعمیر کروایا جو آج بھی موجود ہے۔

حضرت شاہ بابو کے دور میں ایک سنت بھی گزرے ہیں جو نانا صاحب کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ان کی یادگار پاتور سے چار کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ ہندو مسلم ایکتا کا زندہ ثبوت یہیں پہنچ کر ملتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں کے ہندو مسلمان حضرت شاہ بابو کے ساتھ ہی

محمد قادر حسین

ڈپارٹمنٹ آف آرکیالوجی، الفنسٹن کالج بلڈنگ، بمبئی ۳۲

نانا صاحب کا عرس بھی مل جل کر خوب دھوم دھام سے مناتے ہیں۔

پاتور کے شکستہ قلعے کی ... قی دیوار سے لگی ہوئی بورڈی ندی قلعوں کے چہار طرف پائے جانے والی خندق کی مانند رواں ہے۔ یہ ندی پتھریلی اور ریت سے بھری ہوئی ہونے کے باوجود بہت تیز بہتی ہے۔ ندی کے دونوں کناروں پر آم کے گھنے درختوں نے سایہ کر رکھا ہے اور ایک دل فریب منظر پیش کرتا ہے۔ اسی لئے پاتور میٹھے اور رسیلے آموں کے لئے اطراف میں مشہور ہے۔

شاہجہانی دور کے یہ سنہرے سکے پاتور قلعہ سے چھ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع نانا صاحب کی سمادھی سے ایک کلومیٹر کی دوری پر بورڈی ندی کی تہہ میں ساڑھے تین فٹ کی گہرائی میں پائے گئے۔ جس طرح یہ سونے کا خزانہ دریافت ہوا اس کا پس منظر بہت ہی دلچسپ اور یادگار حیثیت کا حامل ہے جس کا انکشاف دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اس افسانوی خزانے کی دریافت کی ابتدا ایک حسین اور رومانی واقعہ سے ہوئی۔ ہوا یہ کہ ۱۹۵۹ء کے دوران میں ایک روز شراب کے نشہ میں مخمور ایک دیہاتی نے ایک خوش نصیب دلہن کو رونمائی میں ایک طلائی اشرفی نذر کی۔

اشرفی یا سنہرے سکے کی جلوہ نمائی نے موجود لوگوں کو حیران کر دیا اور پھر لوگوں نے اس سے اس شاہجہانی دور کے سکے کی حقیقت کسی نہ کسی طرح معلوم کرلی۔ اس نے وہ جگہ بھی بتادی جہاں اسے وہ اشرفی پڑی ہوئی ملی تھی۔ ۱۹۵۹ء بورڈی ندی میں سیلاب آچکا تھا جس سے ہو سکتا ہے کہ پانی کے تیز بہاؤ کی وجہ سے مٹی بہہ جانے کے سبب کچھ سکے اوپر آگئے ہوں۔

پھر ۱۹۷۳ء میں دوسری بار موڑنا پراجکٹ کے تحت بورڈی ندی سے ایک نہر نکالی گئی جو پارس تھرمل اسٹیشن کو پانی فراہمی کا ذریعہ بنتی تھی اسی کی کھدائی کے وقت اس میں سے کچھ سکے ملے

اس سنسنی خیز دریافت نے عوام میں ایک ہیجان برپا کر دیا اور دیہاتی لوگ سونے کی تلاش میں ٹوٹ پڑے۔ قرب و جوار کے تین گاؤں کے لوگ اپنے اپنے خاندان سمیت رات کی تاریکی میں، خود ساختہ روشنیوں کے ساتھ ندی کے پھیلاؤ

ح اکولہ کے تعلقہ بالاپور میں واقع پاتور گاؤں
، قریب بہنے والی بورڈی ندی سے شاہجہانی دور کے
سنہرے سکے برآمد ہوئے اُن میں سے ۲۲ سکوں
ر ایک سونے کے بازوبند کی تصویر میں ترتیب
، طرح ہے : (بائیں سے دائیں)

- سے ۴ - علاؤالدین خلجی
- محمد بن تغلق
- محمد بن فرید
- ہمایوں شاہ بہمنی
- محمد بن ہمایوں شاہ بہمنی
- غیاث شاہ خلجی (مالوہ)
- ۱۲۱ - تین چاندی کے ، اکبر
- جہانگیر
- تا ۱۸ - شاہجہاں کی پانچ عدد مہریں
- ۲۲ - شاہجہاں کی چھ عدد نصف مہریں
- سونے کا بازوبند جولوہے کے پتلے تار

پر خالص سونے کا پترا چڑھاکر بنایا گیا ہے ۔

ئے کی تلاش کرنے لگے جس کے سبب ندی کا
لاقہ روشنیوں سے جگمگا اٹھا ۔

وہاں ایک مورتی کو بھی براجمان کر دیا گیا اور
نے کی مناسبت سے اس کو گپتی دیوی کا نام دے
یا ' اور سونے کی تلاش کتنی ہی راتیں جاری رہی
، لوگوں کی کوشش بار آور ہوئی اور انھیں کچھ
لے بھی ۔ اس تلاش کے سبب ندی میں بے شمار
ڑ کھود ڈالے گئے اور اسی کے ساتھ ایک دلچسپ
یہ ہوا کہ ایک حاملہ عورت نے ایسے ہی ایک
، میں ایک بچے کو جنم دیا کیونکہ وہ بھی سونے کی
ش میں وہاں آگئی تھی ۔

سی جدوجہد اور تلاش میں ۱۹ اپریل ۱۹۷۶ء
، میں ایک بوڑھے آدمی کے ہاتھ اس خزانے کا
سنج لگ گیا ۔ وہ بوڑھا اور اس کے ساتھی رات بھر اس
خزانے کو جمع کرتے رہے اور سویرے بوڑھے آدمی نے
اپنے ساتھیوں میں اس سنہرے خزانے کا بٹوارہ کیا اور
اپنے حصّہ کا مال لے کر اپنے گھر چلا ۔ وہ سنہرے سکوں کے
بوجھ سے دبا جا رہا تھا ۔

دیکھتے ہی دیکھتے یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے
علاقے میں پھیل گئی ۔ آس پاس کے دیہاتوں سے عورت '
مرد ' بچے ' بوڑھے ندی کے اس مقام پر جمع ہوگئے
ہر ایک سونے کا متلاشی تھا ۔ جب اصلی جگہ کا پتہ نہ
چلا تو توہم پرست لوگوں نے ایک جادوگرنی کی مدد حاصل
کی ۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس جادوگرنی نے ٹھیک
جگہ کی نشاندہی کر دی ۔ مگر جادوگرنی نے لوگوں کو اس
سونے کو لینے سے منع کیا مگر سونے کے خواہشمند اس پر
ٹوٹ پڑے اور اسے اٹھا کر پھینک دیا ۔ جب اصلی
خزانے کا پتہ چلا تو لالچ اور حرص نے دیہاتیوں کو ایک
دوسرے پر سبقت لے جانے اور زیادہ سے زیادہ سکّے
حاصل کر لینے کی جدّوجہد شروع کر دی ۔ جس کے سبب
نوبت یہاں تک پہنچی کہ آپس میں زبردست لٹھ بازی شروع
ہوگئی اور کتنوں کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے ۔

دولت کی لالچ انسان کو اندھا کر دیتی ہے اسی درمیان
میں ایک واقعہ یہ ہوا کہ ایک قصائی کو ایک سکّہ مل گیا تو
وہ اسے نگل گیا ۔ لوگ اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کا منھ
پھاڑ دیا ۔

اس ہنگامے اور سُنہری سکوں کی دریافت کی خبر پولس
کو لگی ۔ پولس نے اس علاقے کو اپنے انتظام میں لے لیا ۔
اس کے بعد حکومت مہاراشٹر کے محکمۂ آثار قدیمہ کو اطلاع
دی گئی جہاں سے ماہرین کی ایک جماعت جس کی سرکردگی
میرے سپرد تھی ' پاتور پہنچ گئی ۔ راقم الحروف کی نگرانی
میں اس جگہ کی کھدائی ہوئی جہاں سے تین ہزار دو سو
باسٹھ (۳٫۲۶۲) سونے کے سکّے اور تین چاندی کے
نیز سونے کا ایک بازوبند برآمد ہوا ۔ موجودہ اندازے کے
مطابق ان کی مالیت ۲۲ لاکھ روپے ہوتی ہے ۔ اس میں
سے زیادہ تر دورِ شاہجہانی کے سکّے ہیں ۔ تعجب کی بات
اس میں یہ ہے کہ اب تک قدیم زمانے کے نوادرات '
مورتیاں ' اور خزانے جو برآمد ہوئے وہ اکثر قلعوں '
جنگلوں ' شکستہ محلات وغیرہ سے ملے مگر یہ خزانہ ایک
ندی کی تہہ سے دریافت ہوا جو کہ گرمیوں میں سوکھ جاتی
ہے اور یہی سبب ہے کہ اس کی تحقیق ضروری ہوگئی ۔

ندی کا محل وقوع کچھ ایسا ہے کہ نہ وہاں محل ہیں
نہ شکستہ عمارت کی ہی کوئی نشاندہی ہوتی ہے ۔ آثار قدیمہ
کے معمول کے مطابق نہ برتن کے ٹکڑے دستیاب ہوئے
نہ کوئی ایسی شئے جس سے شبہ ہو کہ ایک زمانے میں یہاں
لوگ بستے تھے ۔

شاہنواز خاں اور ان کے فرزند عبدالحیٔ ' مآثر الامراء ' میں
رقمطراز ہیں اور جس پر یقین کرنے کو بھی جی چاہتا ہے کہ
مغل شہنشاہ شاہجہاں اپنے دورِ حکومت میں برہانپور آیا
اور اپنے مصاحب خواجہ جہاں کو فوج کی سربراہی دیکر قندھار
کے قلعہ کی بغاوت فرو کرنے کے لئے بھیجا ۔ مگر
دوران سفر خواجہ جہاں کو اطلاع مل گئی کہ مغلیہ افواج نے
قلعہ کو فتح کر لیا ہے اور بغاوت ختم کر دی گئی ہے ۔
بارش کا موسم شروع ہو چکا تھا ۔ جائے پناہ کی تلاش
میں خواجہ جہاں نے فوج کو پاتور میں اسی بورڈی ندی
کے کنارے ڈیرہ ڈال دینے کو کہا ۔ اس وقت ندی میں
پانی بہت کم تھا ۔ رات کو زبردست بارش شروع ہوئی
اور چاروں طرف کے پہاڑوں کا پانی آنے سے ندی میں
زبردست سیلاب آگیا اور سارا فوجی کیمپ اس کی لپیٹ
میں آگیا ۔ خواجہ جہاں کسی طرح سے اپنی جان بچانے میں کامیاب
ہوگئے ' مگر اس تباہی میں مغل فوج کے تقریباً دو ہزار سپاہی
لقمۂ اجل ہوگئے اور سارا ساز وسامان معہ ایک لاکھ روپے
کے اس سیلاب کی ندر ہوگیا ۔

اس خزانے کا تعلق شیواجی مہاراج یا پنڈاریوں کے
کسی واقعے سے نظر نہیں آتا ۔ دلائل اور تذکرہ انکشاف
سے قیاس یہی ہوتا ہے کہ اس دریافت شدہ خزانے کا تعلق
خواجہ جہاں کے اسی شاہجہانی دور کے ایک لاکھ روپے
سے ہے جو کہ سیلاب کی نذر ہو گیا تھا ۔

●●

تعلیم و تربیت کے ساتھ کمائی

اپرینٹس شپ اسکیم کا مقصد

اپرینٹس شپ اسکیم گذشتہ دس سال سے مہاراشٹر میں زیرِعمل آئی ہے۔ اس سے بہت سے نوجوانوں کو ریاست میں مختلف صنعتوں میں اہم جگہ حاصل کرنے میں مدد ملی ہے۔ فی الحال اس اسکیم کے تحت، جسکی افادیت بتدریج صنعتوں پر واضح ہوتی جارہی ہے، ۸,۰۰۰ اپرینٹس تربیت پا رہے ہیں۔ اس مضمون میں اسکیم کے تحت مختلف سرگرمیوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ایک زمانہ میں بڑھئی کا بیٹا بڑھئی بنتا تھا اور ایک راج کا بیٹا اپنے باپ سے راج گیری سیکھتا تھا۔ پھر اس آبائی نظام میں کچھ تبدیلی ہوئی اور باپ اپنے بیٹے کو دوسرے دستکار کی شاگردی میں بٹھانے لگا جو اسے اپنا ہی بیٹا سمجھتا تھا اور کام سکھاتا تھا۔ یہ اپرینٹس شپ اسکیم کی اولین شکل تھی۔

سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی کے ساتھ بہت سی نئی صنعتیں، نئے کام اور نئے طریقے وجود میں آئے ہیں۔ پرانے طریقے فرسودہ ہو چکے ہیں۔ روایتی طریقہ سے موجودہ زمانہ کی ضروریات پوری نہیں ہوسکتیں۔ آج صنعتی ترقی مسلسل ماہرین کی طالب ہے۔ اس مقابلہ کے

باپ اپنے بیٹے کو دوسرے دستکار کی شاگردی میں بٹھانے لگا جو اسے اپنا ہی بیٹا سمجھتا تھا اور کام سکھاتا تھا۔ یہ اپرینٹس شپ اسکیم کی اولین شکل تھی!

*

دور میں ہر فرد کی یہی خواہش اور سعی ہے کہ اپنی صلاحیتوں کو پوری طرح کام میں لائے اور زیادہ کمائے۔ اس کے علاوہ قومی معاشی صورت حال زیادہ پیداوار کی متقاضی ہے۔

اس پس منظر کے مدنظر حکومتِ ہند نے دستکار تربیتی اسکیم شروع کی جس کے تحت صنعتی تربیتی ادارے قائم کئے گئے ہیں۔

مہاراشٹر میں تقریباً ۵۴ ادارے ہیں جنمیں ۳۸ مختلف پیشوں میں تقریباً ۲۰,۰۰۰ نوجوانوں کو تربیت دی جارہی ہے۔ مزید برآں حکومت نے ۱۹۶۳ء سے نیشنل اپرینٹس شپ پروگرام بھی شروع کیا ہے۔

اسکیم کی خاص خوبی

'تعلیم و تربیت کے ساتھ کمائی' اپرینٹس شپ اسکیم کی خاص خوبی ہے۔ اس اسکیم کے تحت ہر اپرینٹس کو کچھ وظیفہ دیا جاتا ہے اور وہ ورکشاپ میں کام کر کے ہنر سیکھتا ہے۔ اس طرح ایک اپرینٹس کی تربیت صنعت کی ضروریات سے مناسبت رکھتی ہے۔ اسے جدید ترین طریقوں کی تربیت اور مہارت حاصل ہوتی ہے۔ نتیجتاً برسرکار ہونے کے مواقع بڑھ جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی اسکول یا ادارے میں تربیت کے مصارف کے مقابلے میں اسکیم کے تحت تربیت کے مصارف بہت کم ہوتے ہیں۔

اپرینٹس ایکٹ کے تحت ہر ادارہ یا صنعت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ عموماً ۱ : ۷ کے تناسب سے اپرینٹس رکھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر مالک کو غیر ماہر کامگاروں کو چھوڑ کر ہر سات ورکروں پر ایک اپرینٹس رکھنا ہوگا۔ اسے مقررہ معاوضہ دینا ہوگا، نیز مختار (اتھارٹی) کی جانب منظور شدہ تربیتی پروگرام کے مطابق اسے تربیت دینا ہوگی۔

ہم کے تحت کل ہند سطح پر سینٹرل اپرینٹس
ور ریاستی سطح پر اسٹیٹ اپرینٹس شپ
ے۔ ہر کونسل حکومت، صنعت اور مزدور
ندوں پر مشتمل ہے۔ مہاراشٹر میں
نیکل ایجوکیشن کو اسٹیٹ اپرینٹس شپ
بنایا گیا ہے۔ اس ڈائرکٹوریٹ کے افسران
زہ لیتے ہیں اور اپرینٹسوں کی تعداد
جنھیں مالکان رکھیں گے۔ وہ عین
اور جانچ کرتے ہیں تاکہ تربیت ٹھیک ہو
ں کی بھرتی مالکان کی ذمہ داری ہے۔
اشتہار دے کر یا ایمپلائمنٹ ایکسچینج
ٹس لے سکتے ہیں۔ اپرینٹس ہونے
یا لڑکی کی کم سے کم عمر ۱۴ سال

فروری اور اگست میں

بھرتی سال میں دو مرتبہ یعنی فروری
ہوتی ہے۔ اپرینٹس کو مالک کے
معاہدہ (کنٹریکٹ) کرنا ہوگا کہ وہ
رہ مدت تک کام کرے گا۔ مالک کی
کہ اسے تربیت کی ضروری سہولتیں
یہ کنٹریکٹ اسٹیٹ اپرینٹس شپ
تر میں درج رجسٹر ہونا چاہیئے۔
ب جبکہ ایک اپرینٹس یا مالک
ے قبل کنٹریکٹ ختم کرنیکا خواہشمند
معاملہ اسٹیٹ اپرینٹس ایڈوائزر
کرنا چاہیئے۔

بیت اور تعلیم

س کی تربیت اور تعلیم دو حصوں
ی (۱) بنیادی تربیت' اور
ب ٹریننگ۔ بنیادی تربیت سے
نگرانی میں اپنے پیشہ سے متعلق
کی پوری جانکاری حاصل ہوتی
ہے۔ اس کے ساتھ اسے مشین اور اس کے آلات
وغیرہ احتیاط سے چلانا اور برتنا سکھایا جاتا ہے تاکہ
کارخانہ میں قیمتی مشینوں کو نقصان نہ پہنچ سکے نیز
وہ حادثات سے بچا رہے جن سے وہ مجروح
ہو سکتا ہے۔ ذہنی تربیت میں بھی استاد اسکی مدد
کرتا ہے تاکہ وہ اپنے پیشہ کے مسائل کو سمجھ سکے
اور حل کر سکے۔

بیشتر پیشوں میں بنیادی تربیت کی مدت
ایک سال ہے۔ کسی صنعتی تربیتی ادارہ میں تعلیم
پوری کرنے والے لڑکے بنیادی تربیت سے مستثنیٰ
ہیں۔ ایسی صنعتیں جن میں ۵۰۰ سے زیادہ افراد
کام کرتے ہیں کل مدتی اپرینٹس رکھتی ہیں اور اپنے
کارخانوں میں ان کی بنیادی تربیت کا انتظام کرتی
ہیں۔ انھیں اسٹیٹ اپرینٹس ایڈوائزر کی جانب سے
مقررہ تعداد میں اپرینٹس لینا پڑتے ہیں۔

کارخانے میں جاب کام کرتے ہوئے اپرینٹس
کو اپنا کام خود سیکھنا ہوتا ہے۔ وہاں استاد نہیں
ہوتا۔ البتہ نگراں اس کی کچھ رہنمائی کرتا ہے۔ وہ
اپنے ساتھیوں اور افسران کے ساتھ ساتھ برابر
کام کرنا اور ان کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنا سیکھتا
ہے۔ تربیت کی مدت کے دوران اسٹیٹ اپرینٹس
شپ ایڈوائزر کے منظور کردہ پروگرام کے مطابق
اسے مختلف کاموں پر لگایا جاتا ہے۔ اسے اپنے
کام کی ایک 'ورک ڈائری' بھی رکھنا پڑتی ہے
جو وہ کارخانہ میں انجام دیتا ہے۔

عملی تربیت کی تکمیل نظری یعنی متعلقہ تعلیم سے
کی جاتی ہے۔ تمام اپرینٹسوں کو متعلقہ تعلیم دینا
حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اس کے لئے عموماً کسی
صنعتی تربیتی ادارہ میں اتوار کے دن بنیادی تربیتی
اور متعلقہ تعلیمی مراکز پر کلاسیں چلائی جاتی ہیں۔
بہرحال بعض بڑے کارخانوں کو جن میں تربیت کی
کافی سہولت ہو اپنے اپرینٹسوں کے لئے مذکورہ
کلاسیں چلانے کی اجازت دی جاتی ہے۔ انھیں
پیشہ سے متعلقہ نظری تعلیم کے ساتھ سماجی علوم بھی
پڑھائے جاتے ہیں۔ اس اسکیم کا مقصد یہ ہے کہ تعلیم
کے ذریعہ نوجوانوں کو نہ صرف ماہر دستکار بلکہ اچھا
شہری بھی بنایا جائے۔

کورس کے اختتام پر اپرینٹس حکومت ہند کی
زیرنگرانی امتحان میں شریک ہوتے ہیں۔ اسمیں کامیابی
پر انھیں سرٹیفکیٹ دیا جاتا ہے جو پورے ملک میں
تسلیم شدہ ہے۔ اپرینٹس شپ کی کامیابی کے ساتھ
تکمیل پر اس بات کا پورا موقع ہوتا ہے کہ اپرینٹس
کو اسی کارخانے یا کسی دیگر کارخانے میں ملازم رکھ
لیا جائے۔ اسکیم کا مقصد یہ ہے کہ وہ ملازمت
اور کام کرنے کے قابل ہو جائیں۔

مہاراشٹر میں یہ اسکیم گذشتہ
دس سال سے زیادہ عرصہ سے زیر عمل
ہے۔ پچھلی جماعتوں کے اپرینٹس
صنعتوں میں اہم جگہوں پر مامور
ہیں اور اپنے فرائض بخوبی انجام دے
رہے ہیں۔ فی الحال اس اسکیم کے تحت
۸۰۰۰ اپرینٹس زیر تربیت ہیں صنعتکاروں
پر اس اسکیم کی اہمیت اور افادیت واضح
ہوتی جارہی ہے اور وہ اسے زیر عمل
لانے میں پوری طرح تعاون کر
رہے ہیں۔ ●●

بہرحال

مصنفہ مجتبیٰ حسین

خواجہ عبدالغفور

مجتبیٰ حسین اب تعارف، تبصرہ، دیباچہ، مقدمہ پیش لفظ (پس و پیش لفظ) کی منزلوں سے بہت دور نکل گئے ہیں جس کا ثبوت انھوں نے اپنے طنزیہ و مزاحیہ مضامین کے چھٹے مجموعے "بہرحال" میں بہرحال دے ہی دیا ہے۔ اس مجموعے کی کتابت اور طباعت کے دوران جو آسانیاں انھیں حاصل ہوئیں سرسری طور پر ان کا ذکر اور دوستوں کا شکریہ ادا کیا، چلئے اللہ اللہ خیر صلا۔

جہاں تک طنزیہ اور مزاحیہ ادب کا سوال ہے اب تک ادب کی یہ صنف شہری زندگی کی نا دلی تہذیب شائستگی اور رکھ رکھاؤ کا مظاہرہ کرتی رہی ہے اور اس قسم کا سارا ادب بیجے سجائے ڈرائینگ روموں یا متوسط طبقہ کے دانشوروں کی محفلوں کے لئے لکھا جاتا رہا ہے اور اس کے احساس سے اکثر اوقات بڑی گھٹن ہوتی ہے اب تک ہمارا طنزیہ اور مزاحیہ ادب سادگی، کھرے پن اور آزاد فضا سے محروم ہی رہا ہے لیکن مجتبیٰ حسین اور ان کے چند ہم عصروں نے اس بند کمرے کے کچھ دریچے کھول ڈالے ہیں اور اب آزاد فضا اور تازہ ہوا میں سانس لی جا سکتی ہے۔

طنز اور مزاح نگاروں کی صف میں مجتبیٰ حسین منفرد یا ممتاز ہی نہیں بلکہ انتہائی اہم شخصیت بن چکے ہیں اس لئے کہ اس میدان میں زیادہ تر لوگ یا تو مزاح نگار ہیں یا بے مقصد نگار۔ جب مزاح میں بامقصد طنز شامل ہو جاتا ہے تو وہ ہمیں اس طرح ہنساتا ہے کہ آنسو نکل پڑتے ہیں۔ وہ ایسا نشہ پلاتا ہے کہ حالات سے بے خبر ہونے کے بجائے انہیں سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور اس کے خلاف دبی ہوئی نفرت ابھرنے لگتی ہے۔ کبھی کبھی اس کے آئینہ میں خود اپنی شکل دیکھکر اپنے آپ پر ہنسی اور غصہ بھی آجاتا ہے اور یہ سب کچھ اس فنکارانہ انداز میں ہوتا ہے کہ ہمیں اس کا احساس نہیں ہوتا۔ مجتبیٰ حسین ایک باکمال ڈاکٹر ہیں کہ جو موجودہ مریض کو بے ہوش کرکے آپریشن کے ذریعہ جسم سے فاسد مواد نکال دیتے ہیں اور جینے کا سلیقہ عطا کرتے ہیں۔

"بہرحال" لو مضامین اور چار خاکوں کے مطالعہ سے ہمیں اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ مجتبیٰ حسین وقت کی نبض پہچانتے ہیں اور جانتے ہیں کہ مریض صرف دوا اور انجکشن سے صحت یاب نہیں ہوتا بلکہ اس کے نفسیاتی علاج کے لئے قلم کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ دکھتی رگ وہ اس طرح پکڑتے ہیں کہ دیا جہاں کے مسائل کے حل خود بخود روشن ہو جاتے ہیں۔ اور ساری بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔

تمام مضامین بہرحال پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں خصوصاً، "قصہ داڑھ کے درد کا"، "تعزیتی جلسے"، "جناب صدر، شاعروں کی حکومت"، "خدا بچائے قلم دیکھنے سے" اور "انتخابی نعرے"۔

مشہور شخصیتوں کے بارے میں کیا خوب لکھتے ہیں کہ ان کی موت اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک کہ ان کی یاد میں کوئی تعزیتی جلسہ منعقد نہ کیا جائے اور ایسا جلسہ منعقد نہ ہو تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ شخصیت بے موت ماری گئی ہے۔

شاعروں کے تعلق سے لکھتے ہیں کہ جب شاعروں کے ہاتھ حکومت کی باگ دوڑ آئی تو جگہ جگہ مشاعرے ہونے لگے۔ کسی کا چہلم ہوتا تو اس کے ساتھ مشاعرہ بھی ہوتا۔ کسی بچے کی سالگرہ ہو تو مشاعرہ، کسی کا چھلہ ہو تو مشاعرہ، کسی کی برسی ہو تو مشاعرہ، کسی کی منگنی ہو تو مشاعرہ کہیں مشاعرہ ہو تو مشاعرہ گویا کہ ہر طرف مشاعرہ ہی مشاعرہ ہو گیا

ہندوستانی فلموں کے دیکھنے والے نوجوانوں کے تاثرات ملاحظہ کیجئے۔ دل میں یہ تمنا جاگتی تھی کہ ایسی ہی ایک ہیروئن ہو جس کا باپ لکھ پتی ہو اور میں اس کے ساتھ باپ کے کارخانہ میں مزدور بن کر جاؤں اور ترقی کرتے کرتے اس کا داماد بن جاؤں۔

مضامین کے علاوہ خاکے بہرحال شامل ہیں اور ان کے متعلق صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ وہ فن خاکہ نگاری کے اعلیٰ معیار پر پورے اترتے ہیں۔ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ خاکہ نگار کسی شخصیت کی خوبیاں بیان کرنے اور اسے فرشتہ صفت ثابت کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ لیکن جسطرح یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان صرف انسان ہوتا ہے۔ فرشتہ نہیں۔ اس میں خوبیاں اور خامیاں دونوں موجود ہوتی ہیں۔ اس کی شخصیت کے مثبت اور منفی دونوں پہلو ہوتے ہیں ہاں ان کے تناسب میں کمی و بیشی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح خاکہ نگار کو بھی چاہیئے کہ وہ کسی شخصیت کے بارے میں لکھتے وقت اس کے دونوں پہلوؤں پر نظر رکھے اور دونوں کے ساتھ انصاف کرے۔ اس کے بعد ہی متعلقہ شخصیت کے خاکے میں زندگی کی لہر پیدا ہو جاتی ہے۔ مجتبیٰ حسین محض خاکہ نگاری نہیں کرتے بلکہ اپنے خاکوں میں جان بھرتے ہیں اور کبھی کبھی ان کو زندہ جاوید بنا دیتے ہیں۔

عزیز قیسی کے متعلق لکھتے ہیں یہ دیکھنے کی چیز نہیں بلکہ سمجھنے اور پرکھنے کی چیز ہیں جیا سچا ایسی مد

، میں کہہ سکتا ہوں کہ انھیں پہلے دیکھیے اور بعد میں انھیں سمجھ درمیان میں نے کافی مہلت لی بلکہ اتنی مہلت میں تو آدمی ، کو سمجھ کر پھر اپنی سمجھ کی تصحیح بھی کر لیتا ہے۔

بھارت چند کھنہ کو مجتبیٰ حسین نے بڑی ہمت کے فون کیا اور کہا کہ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ انھوں ورا ملنے کا وقت دے دیا۔ مجھے یقین نہ آیا کہ میں ایک نر سے بات کر رہا ہوں۔ مجھے یہ بھی شبہ ہوا کہ کہیں موں کا بلطار مل گیا ہو۔ مجھے بڑی مایوسی ہوئی اور اسی مایوسی کے میں ان کے پاس پہونچا۔ انھوں نے فوراً اندر بلا کر میری ی میں مزید اضافہ کر دیا۔ میں صرف ایک خیال خام ران کے پاس پہونچا تھا۔ مگر آدھے گھنٹے کے بعد جب ان کے کمرہ سے باہر نکلا تو میں کا فر ' کا معتقد بن چکا آدھے گھنٹہ میں شاید ہی کسی آدمی نے اتنی زبردست کی ہو۔

مجتبیٰ حسین کی تحریریں محض انسانی حالو ںلی ۔ محدود نہیں ہوتی ہیں بلکہ یہ ماحول اور زمانہ کا بھی جاک یہ ہیں جو ہر ایک کے بس کا نہیں۔

○

تم کون ہو؟

مصنفہ آمنہ ابوالحسن

لوگ کہتے ہیں کہ لکھنا بہت مشکل ہے اور لونا آسان لیکن آمنہ ابوالحسن کے لئے لکھنا بہت آسان لئے رہنا ذرا مشکل۔ چنانچہ ان کی کاوش قلم پڑھئے ہے کہ ان کے دل و دماغ میں کوئی خزانہ ہے کہ جو بغیر الوں کے لئے کھل گیا ہے یہ کبھی ختم نہیں ہوگا! ان کارش میں وہ جاذبیت ہے کہ انسان ہمہ تن اس میں اتا ہے دنیا و مافیہا سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ خلوص زوری ہے جس کی وجہ سے انکی تحریر میں تاثیر اور گہرائی ، کی ناول کے مکالمے فلموں جیسی ڈرامائی کیفیت رکھتے۔ ان میں صرف نفسیاتی حقائق بھرے ہوئے منظر نگاری سے گریز کرتی ہیں۔ خود ان کا دل ج

گلستان ہے اس لئے یہ اپنی شگفتہ تحریر میں پھول بکھرتی ہیں لیکن سایہ دار پھولدار درختوں کے ساتھ کانٹے بھی ہوتے ہیں جو زندگی کی حقیقت ہے اور یہی حقیقت غم روزگار کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

بقول خود مصنفہ رومانی اور جذباتی ہیں لیکن تحریر میں کہیں بھی یہ اپنے کردار کو جذبات کے دھارے پر بہنے نہیں دیتی ہیں بلکہ اس کو زمانے کے ساتھ لے چلتی ہیں کہ دنیاوی زندگی عصیاں اور گناہوں سے آلودہ ہے ان کا قلم محض سیاہی کے سہارے صفحے رنگین نہیں کرتا بلکہ وہ ان کی انگلیوں کے حساس پوروں میں نپے تلے انداز میں آگے بڑھتا ہے اور یہی حس دل و دماغ سے بجلی کے کرنٹ کی طرح جادو جگاتی ہے۔ ان کی زبان کی سادگی اور صفائی بانکپن لئے ہوتی ہے جو شستہ اور پاک وصاف بھی ہوتی ہے اور گہرے نقوش مرتسم کر دیتی ہے۔ اس طرح ان کی انفرادیت مسلم ہے۔ "تم کون ہو" کا موضوع ازدواجی زندگی ہے جس پر بہت کم خامہ فرسائی کی جاتی ہے اس لئے کہ ہمارے سماج میں سب کچھ شادی سے پہلے ہوتا ہے اور ہم اس کے قائل ہیں کہ زندگی کا طربیہ شادی پر ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد وہ دونوں کہانی کہانی نہیں رہتی بلکہ صرف یہ رہ جاتا ہے کہ "شادی کے بعد وہ دونوں ہنسی خوشی اپنی زندگی بتانے لگے"۔ جیسے کہ شادی کوئی سوشیل سیکوریٹی ہے کہ اس کے بعد الفقط۔ اس ناول کا موضوع متاہلانہ زندگی ہے مگر زندگی کے آتار چڑھاؤ اور نفسیاتی ہلچل زیر و بم، نیکی و بدی کی جنگ ہر موڑ پر نظر آتی ہے۔ میاں بیوی ایک دوسرے سے ہر قدم پر ٹکراتے ہیں اور چکنا چور رہتے ہیں اور پھر مصنفہ ان ٹکڑوں کو جوڑتی ہیں لیکن ٹوٹی ہوئی شئے وہ نہیں رہتی کہ جو ٹوٹنے سے پہلے ہوتی ہے اس لئے زندگی کے دو شگاف صاف نظر آتے ہیں۔ یہ ایک مسلم حقیقت ہے۔

اس ناول کی بڑی خوبی یہ ہے کہ سارے کردار جانے پہچانے لگتے ہیں اور ہماری زندگی کے کردار ہیں کہیں بھی نہیں لگتا کہ کہانی من گھڑت ہے اور واقعات

یا کردار سسپنس قائم رکھنے کے لئے گھڑے گئے ہیں

تم کون ہو، ہم کون ہیں، ہم کیا ہیں۔ ہم کدھر کو جا رہے ہیں؟ ہمیں کیا کرنا ہے، اور ہم کیا کر رہے ہیں۔ زندگی کیا ہے، یہ ہمیں کس رخ لے چل رہی ہے یا ہم اس کو کس موڑ کی طرف لئے جا رہے ہیں اس کے آگے کیا ہے، یہ سوال ہر وقت ہمارے سامنے ہیں آمنہ ابوالحسن ان پیچیدہ راستوں اور بھول بھلیوں سے اپنے کرداروں کو نکال کر آگے لے چلتی ہیں لیکن وہ پھر سے کسی نہ کسی گڑھے میں گر پڑتے ہیں۔ اور کبھی کسی اور کو لے کر گرتے ہیں اور بہت کم کردار ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوتے ہیں۔ ہر قدم پر سوال اٹھتا ہے کہ تم کون ہو اور یہ سوال شروع سے آخر تک مسلسل قائم رہتا ہے جس کے جواب تو بہت سارے ہیں لیکن یہ خود کوئی حل پیش نہیں کرتی ہیں اس لئے کہ وہ جانتی کہ یہ سوال صحیح حل چاہتا ہے اور صحیح حل کیا ہے یہ قارئین کے ادراک اور دانش پر بطور ایک چیلنج رکھ دیا گیا ہے ہر شخص اپنی فہم و ذکا کے سہارے اس کا جواب ٹٹولے اور بطور خود مطمئن ہو جائے اگر قاری از خود کوئی حل نہیں ڈھونڈ سکتا ہے تو یہ کسی اور کا قصور نہیں زندگی ایک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔ سچ تو یہ ہے کہ جو دماغی کاوش اس گتھی کے سلجھانے پر لگتی ہے وہ خود اس کا انعام ہے اور وہی جواب ہے۔

پورے ناول میں صرف دو اہم کردار ہیں۔ نعیم اور انیسہ۔ میاں بیوی کی زندگی کا بہاؤ کس غیر متوقع یا تحیر کن موڑ کی طرف نہیں لے جاتا۔ کوئی سسپنس نہیں آتا۔ لگتا ہے کہ وہی ہو رہا ہے کہ جو ان حالات میں ہونا چاہئے۔ بیچ بیچ میں رابعہ آجاتی ہے جو پہلے الھڑ لڑکی کے رول میں آتی ہے۔ جو پیاسی نظر کو نہیں پہچانتی، توجہ کے مفہوم سے نابلد جو بہت اونچی آواز سے ہنستی ہے جس کو طرح طرح کے کھیل آتے ہیں ایک سے ایک پر لطف اور دلچسپ، جو زندگی بھر صرف کھیلتے رہنا چاہتی ہے۔ جو نہیں جانتی کہ شباب کیا ہے اس کھلنڈرے پن میں وہ شباب

کا مزہ لوٹ لیتی ہے۔ اور اپنا جوہر کھو بیٹھتی ہے اور اپنی بہن کے سہاگ میں رخنہ ڈال دیتی ہے۔ یہ کردار بار بار کہانی میں آتا ہے حتیٰ کہ شادی کے بعد بھی نعیم اس پر دست درازی کرتا ہے اور شوہر کے سامنے بے عزتی پر وہ خودکشی کرلیتی ہے۔ کالج کے ساتھی جمیل کا سہارا لے کر نعیم انیسہ پر گندے الزام تراشتا ہے اور اس کو غم و اندوہ کے کنویں میں ڈھکیل دیتا ہے تاکہ اسی کم زوریوں پر پردہ پڑ جائے۔ آج کل کے فلمی ہیرو کی طرح نعیم کی زندگی محض کھیل کود اور عیاشی میں نہیں بسر ہوتی بلکہ وہ سماج کے خلاف لڑتا ہے اور خفیہ جماعت سے وابستہ ہوکر اپنی مردانگی کے جوہر دکھانا چاہتا ہے لیکن وہاں پر بھی وہ ناکام رہتا ہے پھر کالج کی پروفیسری سنبھال لیتا ہے۔ اس کی عیاشی کی رگ پھڑکتی ہے تو عائشہ بھی ست خراب کرتا ہے۔ عائشہ کم گو، کم سخن، کم آمیز، کھلنڈرے پن سے کوسوں دور رہنے والی سیدھی سادھی لڑکی ہے استاد کا جادو چلا کر وہ عائشہ کو جسمانی اتصال کا مزہ چکھانا چاہتا ہے مگر عائشہ قبل اس کے کہ نعیم اسے بالکل عریاں کردے اس کے چنگل سے بچ کر نکل جاتی ہے۔

اس کے بعد کلاس کی سب سے اچھی طالبہ ثروت جو خوبصورت بھی ہے نعیم کی زندگی میں داخل ہوتی ہے دونوں عجلت سے قریب ہونے لگتے ہیں حتیٰ کہ ایک اور رمد اور نوبت ایسی آتی ہے کہ جب خود سپردگی اور خود موانگی کے لئے یہ دل و جان سے نعیم کی آغوش میں آجاتی ہے اس کا شوخ کنوارا گلگوں بدن غازہ اس کے جسم اور چہرے سے لوچا اور دکھر جاتا ہے۔ اس کے ریشمی جسم پر صرف معصیت کے کالے دھبے اور نشان باقی رہ جاتے ہیں جو سدا کے لئے داغ دھبے بن کر اس کے وجود سے چمٹ جاتے ہیں۔ پھر وہ جان جاتی ہے کہ نعیم وہ نہیں جو نظر آتا ہے جس کو اپنے اور ساوہ دلی سے اپنا دیوتا مان بیٹھی تھی وہ تو گندا اور شرا انسان ثابت ہوتا ہے

ثروت کو بلکتا چھوڑ کر نعیم فوراً ہی دوسری لڑکیوں کی طرف بڑھ جاتا ہے۔ ثروت نے خود اپنے کرب کی انگلیوں سے رگ رگ کر تار تار کر لیا کتنی معصوم صبیح و ملیح لڑکیاں کتنی تیستی بازیں موا ایاں سمندر کے کف اور جھاگ کی طرح ساحل تک چڑھ چڑھ کے محض ٹکرا کے اور اپنا سر پھوڑ کے اتر گئیں۔

ان تمام جھمیلوں کے بیچ بیچ انیسہ اور نعیم کا تصادم کبھی مصالحت آمیز ہوتا ہے کبھی ان کا اظہار و ... عام نعیم انیسہ کو اپنے انتقام کی زد میں لانا چاہتا ہے کہ وہ اس کے راستہ کا کانٹا بنتی جاتی اور انیسہ نے بھی ضد پکڑ لی۔ اس طرح یہ دونوں ایک دوسرے کی نفی کرنے میں اپنی فتح سمجھنے لگے۔

انیسہ کے والد کی دولت اور نعیم کی تنخواہ اس کی عیاشیوں میں برباد ہو جاتی ہے اور وقت آتا ہے کہ پیسہ کی کمی نے دونوں کو جینا مشکل کیا گھر کی قیمتی اور قابل فروخت چیزیں بار بار بیچ گئیں۔ کچھ دن خستہ حالی کے بعد نعیم کو پھر سے دولت ہاتھ آتی ہے اور ان کے دن پھرتے ہیں لیکن دل سے مطمئن نہیں ہو پاتے کوئی چیز کانٹے کی طرح اندر ہی اندر کھل اور مجروح کرنے لگتی ہے۔ اس بوجھ کے تلے نعیم مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کرنا چاہتا ہے کبھی مصوری، کبھی مجسمہ سازی، موسیقی تو کبھی تصنیف و تالیف مگر دونوں عام انسانی مرض یعنی قنوطیت، گھبراہٹ اور بے چینی میں مبتلا ہو جاتے ہیں خالی پن اور خالی پن کا وزن محسوس کرتے ہیں۔ بیمار رہنے لگتے ہیں۔ انیسہ کے دماغ میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ تم کون ہو، کون؟ جو جواب اسے سمجھائی دیتا وہ بہل اور جھوٹا لگتا اور وہ خود فراری کی سوچتے ہیں مگر وہ راستہ بھی نہیں ملتا۔

انیسہ اس سوال کی الجھن میں ہمیشہ پھنسی رہتی ہے اور نعیم سے پوچھتی ہے کیا تمہیں بھی کسی سوال کی گونج سنائی دیتی ہے، نعیم پوچھتا ہے۔ کیسا سوال؟ کونسا سوال کون سے سوال؟

ایک بھرپور زندگی عیش و طرب کی زندگی، دھوکے و سیدھے طریقہ سوانح حیات بے معنی بے مطلب ہوکر ہوکر رہ جاتی ہے۔ آمنہ ابوالحسن نے اپنے قلم کی نوک سے دیگر تمام انسانوں کے ذہنوں کو جھنجھوڑا ہے اور انھیں سوچنے پر مجبور کیا ہے اس کے تاثرات دیرپا ہیں اور یہ ناول یقیناً ناول نگاری کا شاہکار ہے۔

●●

بقیۂ قیدیوں کی بحالی صفحہ ۲ سے

عملے کیلئے جوتے اور چپل مہیا کئے جاتے ہیں۔ ہسپتا اور سرکاری اداروں کے لئے صابون، فنائل اور وغیرہ کیمیکل سیکشن سے سپلائی کئے جاتے ہیں۔

جیل کے تقریباً ۹۵۰ باسی پیداواری صن میں کام کر رہے ہیں۔ انھیں وہ عملی تعلیم ملتی رہا ہونے کے بعد نہایت ہی کارآمد ہوسکتی ہے اس کام کے لئے انھیں جیل میں مزدوری بھی ملتی بہت سارے قیدی اپنی کمائی میں سے کچھ بچا کر ا کے لئے بھیج دیتے ہیں۔ حال ہی میں اس جیل باسیوں نے ایک گوبر گیس پلانٹ بنایا جس سے ہزار روپے کی بچت ہوئی۔ اس کے علاوہ اب کے سالانہ خرچ میں ۳۵۰۰ روپے کی بچت ہو میں سالانہ پیداوار ۶۸ و ۲۱ لاکھ ہوئی جو ر کے جیلخانوں کی صنعتوں کی جملہ پیداوار کا نصف حصہ تھی۔ اس طرح قیدیوں کے دل میں سماجی اق ایک احترام پیدا ہوتا ہے جس سے وہ رہائی کے کے ذمہ دار افراد بن سکتے ہیں۔

ناسک روڈ جیل کے نوعمر ناخواندہ قیدیا جماعت چہارم تک کا ایک اسکول بھی کھولا گیا ہے تین تربیت یافتہ اساتذہ کام کرتے ہیں۔ یہا قیدی تعلیم پاتے ہیں۔ قیدیوں کی صحت کیلئے ۱۲ کا ایک اچھا خاصہ ہسپتال بھی کھولا گیا ہے۔

قیدیوں کی رہائی کے بعد اُن کی جو دیکھ بھ ہے جیل کے حکام اس پر فخر محسوس کرتے ہیں دیکھ بھال کا ایک نمایاں نتیجہ اس سے ملا ہر جیل کے رہا شدہ فرد شری کے۔ پی۔ چوگلے مم ساکن ہے، تحفۃً بستر کو تقسیم کئے گئے بلکہ آبپاشی کنویں کیلئے قرض دیا گیا ہے۔

جیل کے حکام کو اس بات کا یقین ہوگیا قیدیوں کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کیا جائے تو کے معاشی و سماجی ڈھانچے میں ذمہ دار افرا پر زندگی گزار سکتے ہیں۔

مہاراشٹر میں زمین دوز پانی کے ذخیرے اور اُن کے ترقیاتی امکانات کا جائزہ

از : جی - ایس - کرکرے
(ڈائرکٹر جی - ایس - ڈی - اے - پونا)

ترجمہ : آفتاب عزمی
پیلی حویلی - کامٹی - ناگپور

صوبہ مہاراشٹر کی غذائی پیداوار میں کمی کی خاص وجہ ذرائع آبپاشی کی ترقی میں انتہائی سُست رفتاری ہے ۔ پانی جسے آبپاشی کیلئے استعمال میں لایا جاتا ہے دیکھنا یہ ہے کہ وہ کہاں سے اور کن ذرائع سے حاصل کیا گیا ہے ۔ آیا وہ اوپری پروجیکٹ یعنی نہروں سے حاصل کیا گیا ہے یا زمین دوز ذرائع یعنی معمولی کنوئیں، ٹیوب ویل یا بورویل سے حاصل کیا گیا ہے اور یہی بات زراعتی پیداوار کے لئے بڑی اہمیت کی حامل ہے ۔ خصوصاً ہندوستان میں جہاں آبپاشی کے ذرائع نہیں کے برابر ہیں اور کسانوں کو بارش کے غیر یقینی پانی پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے سال میں کئی اچھی فصلیں حاصل کرنا بہت دشوار ہوتا ہے اور بعض اوقات تو ایک فصل بھی نکالنا کافی مشکل ہو جاتا ہے اِس لئے یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ غذائی قلت کے زمانے میں ذرائع آبپاشی کی سہولیتں بڑھانی ہی چاہئیں

فی الحال صوبہ مہاراشٹر میں فقط آٹھ فی صد زمینوں ہی کو آبپاشی کی سہولت حاصل ہے ۔ لیکن اگر تمام پانی جو نہروں اور کنوؤں سے حاصل کیا جا سکتا ہے، استعمال میں لایا جائے تو پچاس فیصد زمینوں کو کاشتکاری کے لئے آبپاشی کی سہولت حاصل ہو سکتی ہے ۔ اس لئے کنوؤں اور نہروں کی ترقی ہی کو اپنے منصوبوں میں اولین اہمیت دینے کی فوری ضرورت ہے ۔ زمین سے حاصل شدہ پانی نہایت قیمتی ہوتا ہے اور مہاراشٹر صوبہ کے لئے تو اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے جس کا ۹۴ فیصدی حصہ سخت مٹی پر منحصر ہے اور جہاں کا ایک تہائی علاقہ جغرافیائی اعتبار سے خشک ہے ۔ مہاراشٹر میں آبپاشی کی ابتدائی جانچ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ کل سالانہ اوسط یعنی ۱۷ لاکھ ایکڑ فٹ پانی کی مقدار میں سے صرف ۵ لاکھ ایکڑ فٹ پانی آبپاشی کے لئے حاصل کیا جاتا ہے گویا ۳۰ فیصدی حصہ کو ہی آبپاشی کے ذرائع حاصل ہیں ۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کنوؤں کو ترقی دینے کے لئے مہاراشٹر میں بہت گنجائش ہے ۔

مہاراشٹر میں دکن جیسے چٹانی علاقے میں آبپاشی کا ایک ہی کنواں تقریباً ۱۰ ایکڑ فٹ پانی مہیا کر سکتا ہے اور یہ پانی ۵ ایکڑ زمین پر موسمی غذائی فصل کے لئے کافی ہوگا ۔ گذشتہ تحقیق سے بھی پتہ چلا ہے کہ مہاراشٹر میں آبپاشی کے لئے مزید ۵ لاکھ کنوئیں بنانے کی ضرورت ہے اور مشرقی مہاراشٹر میں تاپی پورنا ندی (Tapi-Purna River) کے علاقے نشیبی علاقے اور گونڈوانہ کے گاد شدہ علاقوں میں بڑے پیمانے پر ٹیوب ویل لگانے کے کام کو ترقی دی جا سکتی ہے ۔ ان علاقوں میں ایک ٹیوب ویل تقریباً ۵ ایکڑ زمین کی مکمل آبپاشی کر سکتا ہے کنوؤں کو ترقی دینے کے لئے تقریباً ۵، کروڑ روپیوں کی رقم ہر سال درکار ہوگی، اور جسے نیشنل بنک سے آئی ڈی اے (IDA) منصوبے کے تحت آئندہ دس سالوں تک حاصل کیا جا سکتا ہے اور جس سے پورے صوبے میں تقریباً ۲½ لاکھ ایکڑ زمین ہر سال کاشت کے قابل بنائی جا سکتی ہے ۔ اس طرح زراعتی پیداوار کو بڑھایا جا سکتا ہے اور ایک اچھے اور بہتر ترقیاتی منصوبے نیز ندی اور کنوؤں کے پانی کے استعمال سے کاشتکاری کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچ سکتا ہے ۔ اور جس کی وجہ سے غذائی پیداوار میں خود کفیل ہونے میں بڑی مدد ملیگی

آبپاشی کیلئے کنوؤں کے پانی کا استعمال

جہاں تک آبپاشی کا تعلق ہے اس میں مہاراشٹر ہندوستان کا ایک کم درجہ کا صوبہ ہے ہندوستان میں زراعتی زمینوں کے ۲۰ فیصدی حصہ ہی کو آبپاشی حاصل ہے ۔ اور اس آبپاشی کا ۴۰ فیصدی کنوؤں سے حاصل کیا جا سکتا ہے ۔ مہاراشٹر میں ذرائع آبپاشی کی کمی ہی دراصل زراعتی پیداوار میں کمی کی ذمہ دار ہے ۔ دوسرے صوبوں مثلاً پنجاب، ہریانہ، تامل ناڈو اور آندھرا پردیش میں غذائی پیداوار اس لئے ضرورت سے زیادہ ہے وہاں مہاراشٹر کے مقابلے میں آبپاشی کی بہتر سہولیتں فراہم ہیں ۔ مہاراشٹر میں زراعتی زمین کے صرف ۸ فیصدی حصے ہی کو آبپاشی کی سہولت میسر ہے ۔ یا دوسرے الفاظ میں ۵۰۰ لاکھ ایکڑ زراعتی زمینوں میں صرف ۳۵ لاکھ ایکڑ زمین ہی کو آبپاشی کی سہولت حاصل ہے اور جس کا

۵۹ فیصدی حصہ کنوؤں کے پانی سے اور باقی ماندہ حصہ دریاؤں اور نہروں کے پانی سے حاصل ہوتا ہے کنوؤں سے پانی حاصل کرنے کے امکانات پر گراؤنڈ واٹر سروے اینڈ ڈیولپمینٹ ایجنسی (G.S.D.A.) کی ۱۹۶۶ء کی ابتدائی تحقیقات سے جو کہ پورے صوبے کو پانی سے سیراب کرنے سے متعلق تھیں، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کنوؤں میں پانی کے امکانات کی کل سالانہ مقدار ۷۰ لاکھ ایکڑ فٹ کے برابر ہے۔ اس کے برخلاف موجودہ آبپاشی کے کنوؤں سے پانی کی سالانہ نکاسی ۵۰ لاکھ ایکڑ فٹ ہے۔ چنانچہ صاف پتہ چلتا ہے کہ زمین دوز پانی کی دو تہائی سے بھی زیادہ مقدار اب بھی غیر استعمال شدہ ہے اور جسے استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ لہذا یہ بالکل یقینی امر ہے کہ زمین دوز پانی کی دستیابی کو بڑھانے کے بہت سے مواقع ہیں اور جسے بڑھایا جانا بے حد ضروری بھی ہے۔ اس لئے اس کام کو مناسب سرمایہ کے ذریعے پورا کیا جانا چاہیئے۔

صنعت کے لئے مہاراشٹر نے صنعتی ترقی میں ایک نمایاں مقام حاصل کر لیا ہے۔ اس لئے چھوٹی بڑی صنعتوں کی توسیع نے پانی کی ضرورت کو بھی بڑھا دیا ہے حالانکہ اوپری پانی کے ذخیروں کے لئے بڑی تعداد میں ٹینک بنائے جاتے ہیں لیکن وہ بھی بڑھتی ہوئی ضرورتوں کے پیش نظر ناکافی ہی ہوتے ہیں دوسرے اس قسم کے پانی کے ذخیرے ہمیشہ فیکٹریوں کے نزدیک نہیں بنائے جا سکتے۔ اس لئے فیکٹری میں پانی کے دور کے ذخیروں سے پائپ لائن کے ذریعے لانا پڑتا ہے۔ اور اس لئے پانی کی اس ضرورت کے مطابق قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح پانی کی یہ ضرورت قیمتوں میں اضافہ کا سبب بن جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض فیکٹریوں میں فیکٹری کے پاس ہی کنوئیں کھودنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ لہذا صنعتوں کے لئے بھی زمین دوز پانی کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

پینے کے لئے پانی کا استعمال

دیہاتی آبادیوں میں پینے کے پانی کی ضرورت ہندسی (Geometrical) کے تناسب سے بڑھ رہی ہے جس کا پہلا سبب ایک تو آبادی میں اضافہ اور دوسرا سبب آدمی کی اپنی ضرورت میں پانی کا اضافہ ہے۔ ایک ایسا اندازہ قائم کیا گیا ہے کہ مہاراشٹر میں تقریباً دس ہزار دیہات پینے کے پانی کی قلت سے دوچار ہیں اور طویل فاصلے طے کر کے عورتوں کو دور کے دیہاتوں سے پانی حاصل کرنے کی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ لہذا جتنی جلد ممکن ہو سکے اس دشواری پر قابو پا لیا جائے تو اتنا ہی بہتر ہے فی الحال مہاراشٹر میں اس ضمن میں ایک اچھا قدم اٹھایا جا چکا ہے یعنی دور دراز کے دیہاتوں میں اب تک تقریباً ۴۰۰۰ بور ویل (Bore Well) نہایت کامیابی سے کھودے جا چکے ہیں جس پر ریاستی سرکار نے چار کروڑ روپیہ خرچ کیا ہے۔ اس طرح تقریباً ۲۰۰۰ بور ویل سالانہ کے حساب سے پینے کے پانی کا انتظام جاری رکھا جا سکتا ہے۔

حفاظتی اقدامات کی ضرورت

زمین دوز پانی کے ذخیروں کو ہوشیاری سے محفوظ رکھنے کی بے حد ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں یہ دیکھنا چاہیئے کہ حاصل شدہ تمام وسائل کلی طور پر استعمال میں آ رہے ہیں یا نہیں اور اس بات پر بھی دھیان دینے کی ضرورت ہے کہ زمین دوز پانی کے ذخیروں میں مصنوعی طریقے سے بھی بتدریج اضافہ ہو رہا ہے یا نہیں۔ گذشتہ قحط کے ایام میں مہاراشٹر سرکار نے پانی حاصل کرنے اور اسے احتیاط کے ساتھ صرف کرنے کے لئے حوض بنائے تھے اور پانی کے اخراجات کے لئے نہ صرف نالوں کو بند کیا بلکہ کھیتوں سے بھی پانی کو باہر نہ جانے دیا تھا چنانچہ اگر حفاظت کے ترقی یافتہ طریقوں کو بروئے کار لایا جائے تو زمین دوز پانی کے ذخیروں میں معقولیت کے ساتھ اضافہ ہو سکتا ہے۔

فوائد زمین دوز پانی کو عام کنوؤں، ٹیوب ویل اور بور ویل کے ذریعہ حاصل کر کے اس آبپاشی کی جا سکتی ہے۔ صنعت کیلئے بھی کام لایا جا سکتا ہے اور اس پانی کو پینے کے لئے بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی زمین دوز پانی کے اور بہت سے فوائد ہیں جو درج ذیل ہیں

(۱) جو پانی عام کنوؤں، ٹیوب ویل و بور ویل سے حاصل ہوتا ہے وہ چونکہ چٹانوں سے ہو کر گزرتا ہے اس لئے بیماریوں کے جراثیم اور گندگیوں سے پاک ہوتا ہے ایسا پانی کاشتکاری اور پینے کے لئے نہایت مفید ہے۔

(۲) پانی کے اوپری ذخیروں کی بہ نسبت عام کنوؤں، ٹیوب ویل اور بور ویل میں خرچ کم آتا ہے کیونکہ پانی کے اوپری ذخیروں میں پانی کی تقسیم کا انتظام بہت پیچیدہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے آبپاشی مہنگی پڑتی ہے۔

(۳) زمین دوز پانی کو کنوئیں وغیرہ کے ذریعے حاصل کر کے اسے ضرورت کے مطابق قدم قدم پر ترقی دی جا سکتی ہے۔

(۴) عام کنوئیں، ٹیوب ویل اور بور ویل جس دن سے لگائے جاتے ہیں اسی دن سے ان پر آئی ہوئی جملہ لاگت بھی وصول ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ زراعتی پیداوار میں ان کنوؤں کی وجہ سے فوراً درجہ اضافہ ہو جاتا ہے جبکہ اوپری پانی سے آبپاشی کے منصوبے کئی برسوں بعد اپنے فوائد ظاہر کرتے ہیں۔

(۵) زمین دوز پانی کے ذخیرے چونکہ قریب قریب تمام دیہاتوں کے آس پاس ہی موجود ہیں اس لئے تمام علاقوں کی ایک ساتھ متوازن ترقی بھی ہو سکتی ہے۔

(۶) بور ویل چونکہ بہت کم جگہ گھیرتے ہیں اس لئے یہ کھیت کے کسی بھی مناسب گوشہ میں آسانی سے لگائے جا سکتے ہیں۔

قومی راج

، عام کنوئیں، ٹیوب ویل اور بورویل پانی کو ضائع ہونے
ے بچاتے ہیں کیونکہ ان کنوؤں سے پانی کی جتنی ضرورت
اتنا ہی پانی نکالا جا سکتا ہے۔ جب کہ نہروں کے ذریعہ
پاشی کرنے میں بہت سا پانی ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ
تو پانی زمین جذب کر لیتی ہے اور پانی کا کچھ حصہ تبخیر
(Evaporation) کے ذریعہ ہوا میں اڑ جاتا ہے جس کی
ل تمام نہیں کی جا سکتی۔ (۸) زمین دوز پانی کے
کنوؤں کو برقرار اور قائم رکھنے میں بہت کم خرچ آتا ہے

تخیص

مہاراشٹر گراونڈ سروے اینڈ ڈیولپمنٹ
ی جولائی ۱۹۷۱ء میں قائم ہوئی۔ اس نے زمین دوز پانی
وجودگی کی جانچ پڑتال کا اہم کام پورے صوبے میں کر لیا
۔ اس نے اس مقصد کے لئے پورے صوبے کو چھوٹے
ٹے مختلف علاقوں میں تقسیم کیا جس میں ہر علاقے کا
تقریباً ۱۰۰ سے لیکر ۱۲۰ مربع میل ہے۔ اس طرح مجموعی
سے پورے صوبے میں پانی کے ۱۴۶۷ ذخیرے بتائے
اور کنوؤں کی فرضی تعداد تو ممکن سمجھ کر ہر حصے میں موجود
مقدار کا اندازہ کیا گیا۔ صوبہ مہاراشٹر کا جغرافیائی رقبہ
یا ۱۱۸۷۰۰ مربع میل ہے جس میں مختلف زمینیں شامل
ان زمینوں میں زیادہ سے زیادہ دکنی لاوے سے
ہوئی زمینیں ۸۱ فیصدی ہیں۔ اور رقبہ کے اعتبار سے
ار مربع میل تک پھیلی ہوئی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عملی
پورنا ندی (Purna Tapi) کے ساحلی گادشدہ
ے اور گونڈوانہ کے چٹانی علاقوں کو چھوڑ کر تقریباً ۹۳۰۰
رعلاقہ سخت چٹانی قسم کا ہے۔ پورے صوبے میں پانی
۱۴۶ ذخیروں میں سے پانی کے بارہ منتخب ذخیروں پر تجربہ
سے یہ معلوم ہو گیا کہ پورے صوبے کے زمین دوز
ی سالانہ مقدار ۱۷۰ لاکھ ایکڑ فٹ کے برابر ہے جیسا
جودہ آبپاشی کے کنوؤں سے پانی کی نکاسی ۵۰ لاکھ
ٹ کے مساوی ہے۔ لہٰذا باقی ماندہ ۱۲۰ لاکھ ایکڑ
پانی کی مقدار کو مستقبل میں مجوزہ پروگرام کے تحت
ے اور ٹیوب ویل کھود کر حاصل کیا جا سکتا ہے اگر
ں اس پانی کی ۵۰ فیصدی مقدار بھی آبپاشی کے نئے
کھود کر حاصل کی جائے تو اس پروگرام کے مطابق
پورے صوبے میں تقریباً ۵ لاکھ نئے کنوئیں کھودنے پڑیںگے
صوبہ مہاراشٹر میں پانی کے زیادہ تر سوتے تاپی پورنا ندی کی
وادیوں میں رواں دواں ہیں۔ اور جن کا علاقہ دھولیہ،
جلگاؤں، بلڈانہ اور امراوتی تک پھیلا ہوا ہے۔ تاپی کے
دلدلی علاقے کا طول تقریباً ۱۴۰ میل تک ہے اور ۱۸۰۰
مربع میل رقبہ کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس طرح پورنا کے
گادشدہ علاقے کا طول جو بلڈانہ، آکولہ، اور امراوتی میں
پھیلا ہوا ہے وہ تقریباً ۱۰۰ میل ہے اور ۲۶۰۰ مربع میل
رقبہ کو گھیرے ہوئے ہے۔

۵۷-۱۹۵۶ء کی درمیانی مدت میں ایکسپلوریٹری ٹیوب
ویل آرگنائزیشن (Exploratory Tubewell
Organisation) اور جیولاجیکل سروے آف
انڈیا کی مشترکہ کوششوں سے تاپی کی وادی میں ۱۷ بورویل
اور پورنا کی وادیوں میں ۱۴ بورویل کھودے اور جانچ کئے
گئے جن کی گہرائی تقریباً ۱۵ فٹ سے لیکر ۴۰۰ فٹ
تک تھی۔ اس کے بعد ۱۹۶۴ء اور ۱۹۶۶ء میں ایکسپلوریٹری
ٹیوب ویل آرگنائزیشن نے ڈپازٹ ٹیوب ویل اسکیم کے
تحت جلگاؤں ضلع میں ۱۶ ٹیوب ویل کھودے تھے
اور جن میں سے زیادہ تر ٹیوب ویل کو جلگاؤں کے
ضلع حکام نے اپنے انتظام و انصرام میں لے لیا ہے۔

اوپر کے تجربہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ٹیوب ویل
تقریباً ۸۰۰۰ (آٹھ ہزار) گیلن سے لے کر ۵۰۰۰۰ (پچاس ہزار)
گیلن فی گھنٹہ تک پانی برآمد کرنے کے قابل ہوتے ہیں اس
طرح کشادہ علاقوں اور بے شمار پانی کے ذخیروں کو دیکھتے
ہوئے یہ بات ممکن ہے کہ ٹیوب ویل نکالنے کا کام ہر سال
۲۰۰ ٹیوب ویل سے لے کر ۳۰۰ ٹیوب ویل تک مختلف
درجوں میں تکمیل پا سکتا ہے۔ اور اگر اس پروگرام کو
بروئے کار لایا جائے تو یہ کام دس سال سے پندرہ ۱۵
سال کی مدت میں مکمل ہو جائے گا۔ اور اس کام کے لئے
سالانہ لاگت تقریباً ۲ کروڑ روپیہ آئے گی۔ اور چونکہ ہر
ایک ٹیوب ویل کے ذریعے تقریباً ۵۰ ایکڑ زمین کی آبپاشی
ہو سکتی ہے لہٰذا ہر سال مزید دس ہزار ایکڑ زمین کو بھی
آبپاشی مہیا کی جا سکتی ہے۔

اقتصادی سہولتیں

عام کنوئیں، ٹیوب ویل اور بورویل کے
ذریعے آبپاشی کرنے میں یوں تو اقتصادی فوائد بہت سے
ہیں لیکن گراؤنڈ واٹر سروے اینڈ ڈیولپمنٹ ایجنسی کی
تحقیقات کی روشنی میں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کنوؤں کو
فنی اور اقتصادی طور پر بنانے کا پروگرام کا حصہ ممکن ہے
اور اس پروگرام کو عملی شکل دینے کے لئے مہاراشٹر
اسٹیٹ کو آپریٹیو اینڈ ڈیولپمنٹ بنک یا دیگر قومی
بنکوں سے مالی تعاون حاصل کیا جا سکتا ہے۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ صوبہ کی موجودہ
باقی ماندہ زمین دوز پانی کی مقدار کو حاصل کرنے کے
لئے تقریباً ۵ لاکھ کنوؤں کی ضرورت ہوگی اور پانی کے اس
ذخیرے پر تقریباً پچھتر کروڑ روپیہ سالانہ خرچ آئے گا
کیونکہ ایک کنوئیں کو کھودنے اور آبپاشی کرنے کے لئے
پمپنگ سیٹ (Pumping set) لگانے پر تقریباً پندرہ ۱۵
ہزار روپیہ خرچ آتا ہے اس لئے کسانوں کو یہ سرمایہ
قومی ملکیت والے بنکوں سے بطور قرض دلوایا جا سکتا
ہے۔ اس طرح صوبے کی آبپاشی میں ۲½ لاکھ ایکڑ کا اضافہ
ہو جائے گا جس کی وجہ سے زراعتی پیداوار میں بھی
اضافہ ہو جائے گا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ اس قسم کے
ترقیاتی منصوبوں سے صوبے کی پوری اقتصادیات
پر ایک خوش گوار اثر پڑے گا۔ اور دیہاتی آبادی کے
لئے روزگار مہیا کرنے میں اور اس کا معاشی معیار بلند
کرنے میں یقیناً مدد ملے گی۔

(انگریزی سے ترجمہ)

قلمی معاونین سے

اپنی تخلیقات کے خاتمہ پر یا پشت پر اپنا مکمل پتہ
ضرور تحریر فرمائیں۔ قلمی نام کے ساتھ اصل نام
بھی درج فرمائیں۔
نا طلبیدہ مضامین کی ایک نقل اپنے پاس ضرور رکھیں!

سرکاری فیصلے اور اعلانات

نومبر میں ٹیکنیکل امتحانات

۱۵ ستمبر تک درخواستیں مطلوب

سیمسٹر (semester) طریقے پر لئے جانے والے مختلف انجینیرنگ اور ٹیکنولوجیکل ڈپلوما کورس کے امتحانات نیز آرکیٹیکچر اور فارمیسی میں سپلیمنٹری امتحانات برائے ڈپلوما کورس، بورڈ آف ٹیکنیکل اگزامینیشن کے ذریعے نومبر ۱۹۷۵ء میں جاری کئے جائیں گے۔

طلبہ کی جانب سے متعلقہ اداروں کے سربراہوں کو فارم داخل کرنے کی آخری تاریخ ۱۵ ستمبر ۱۹۷۵ء ہے۔ تاخیری فیس کے ساتھ درخواست فارم ۲۵ ستمبر ۱۹۷۵ء تک لئے جائیں گے۔

متعلقہ امیدواروں کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اس سلسلے میں تفصیلات اور درخواست فارم کیلئے اپنے اداروں کے سربراہوں سے رجوع کریں۔

ایس۔ایس۔سی۔امتحان

تاریخ میں تبدیلی

مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ برائے ثانوی تعلیم کے پونا ڈویژنل بورڈ کی زیر نگرانی ایس۔ایس۔سی امتحان (نیا و پرانا کورس) اب ۳۰ اکتوبر ۱۹۷۵ء کی بجائے ۳ نومبر ۱۹۷۵ء کو ہوں گے۔

اس اثناء میں ان امتحانات کے مفصل ٹائم ٹیبل (نیا و پرانا کورس) متعلقہ اسکولوں کے سربراہوں کو بھیج دئے جائیں گے۔

اپنی موٹر گاڑیوں کو اچھی حالت میں رکھئے

موٹر مالکان کو آگاہی:

اسٹیٹ ٹرانسپورٹ کمشنر نے تمام موٹر مالکان کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ اپنی موٹر گاڑیوں کو اچھی حالت میں رکھیں اور اس بات کا بھی خیال رکھیں کہ واجب الادا ٹیکس وقت کے اندر ادا کیا جائے اور متعلقہ کاغذات درست ہوں، اور گاڑیوں میں رکھے جائیں۔

ایسے موٹر رانوں سے جن کی موٹر گاڑیوں پر دوسری ریاستوں کے رجسٹریشن مارک ہیں، یہ درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اس ریاست میں داخلے کے بعد آر۔ٹی۔او۔کو سات دن کے اندر مطلع کریں نیز ٹیکس ادا کریں اور ۱۲ یا اس سے زیادہ مہینوں تک مہاراشٹر میں موٹر کار رکھنے پر اس کا رجسٹریشن مارک بدلوا کر مہاراشٹر رجسٹریشن مارک کروالیں۔ چنانچہ ان موٹر مالکان سے درخواست ہے کہ وہ اس سلسلہ میں فوری اقدام اٹھائیں۔

اسی طرح ٹیکسی یا آٹو رکشا کے مالکان کو بھی یہ خیال رکھنا چاہئے کہ ان کے ڈرائیور مسافروں کے ساتھ اپنا رویہ ٹھیک رکھیں اور ان سے زیادہ کرایہ وصول نہ کریں نہ ہی سواری لے جانے سے انکار کریں۔ ایسا کرنے پر ان ڈرائیوروں کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔

موٹر گاڑیوں کے مالکان اور مال بردار گاڑیوں کے نیز بس آپریٹروں کو خاص طور پر اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ان کی گاڑیاں اچھی حالت میں ہوں اور دھواں وغیرہ نہ چھوڑتی ہوں کیونکہ اس طرح ہوا میں آلودگی پیدا ہونے سے صحت عامہ کو خطرہ لاحق ہوتا ہے۔

ریاست بھر میں جلد ہی اس محکمہ کی جانب سے مہم چلائی جانے والی ہے لہٰذا موٹر مالکان کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں فوری قدم اٹھائیں ورنہ انکے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔

جوار کی قیمتوں میں تخفیف

حکومت مہاراشٹر نے بمبئی میں منظور شدہ راشن کی دوکانوں نیز ریاست میں کارپوریشن و دیہی علاقوں میں مناسب قیمتوں کی دوکانوں کے ذریعہ فی الحال ۲ روپے فی کلو کے بھاؤ سے فروخت کی جانے والی مدھیہ پردیش اور آندھرا پردیش سے درآمد کی گئی جوار کی قیمت میں تخفیف کردی ہے۔

بمبئی اور دیگر کارپوریشن کے علاقوں میں جوار کی خوردہ قیمت میں ۱۳ پیسے فی کلو کے حساب سے اور اضلاع میں ۱۵ پیسے فی کلو کے حساب سے تخفیف کی گئی ہے۔ یہ تخفیف ۱۶ اگست ۱۹۷۵ء سے عمل میں آئی ہے۔

چنانچہ بمبئی راشننگ علاقوں اور کارپوریشن کے علاقوں میں جوار کی قیمت ایک روپیہ ۸۷ پیسے فی کلو اور اضلاع میں ایک روپیہ ۸۵ پیسے فی کلو ہوگئی ہے۔

مدّت میں توسیع

حکومت مہاراشٹر نے سنیما نمائش انڈسٹری میں حالتِ ملازمت وغیرہ کا جائزہ لینے کی غرض سے مقررہ کمیٹی کو اپنی رپورٹ حکومت کے سامنے پیش کرنے کی تاریخ ۳۱ جنوری ۱۹۷۶ء تک بڑھا دی ہے۔

شری پی۔ کے۔ کُنٹے، وزیر مملکت برائے شہری ترقیات نے ۱۹ر اگست ۱۹۷۵ء کو بمبئی میں اکادمی آف آرکیٹکچر کے زیر اہتمام منعقدہ ایک نمائش "ڈیزائن ۷۵" کا افتتاح فرمایا۔ اس موقع کی ایک تصویر :

قوانین کی اشاعت

حکومت مہاراشٹر نے مسودہ مہاراشٹر ضلع پریشد ڈسٹرکٹ سروسز (ہندی امتحان) (ترمیم) قوانین ۱۹۷۵ء کے سلسلہ میں موصولہ اعتراضات و تجاویز پر غور کرنے کے بعد یہ قوانین مہاراشٹر سرکار کے غیر معمولی گزٹ مورخہ ۹ر جولائی ۱۹۷۵ء کے حصہ چہارم ب میں شائع کر دئے ہیں۔

صنعتی تنازعہ

میسرز وولٹاس لمیٹیڈ، بمبئی اور ان کے متعلقہ کارخانہ کے ملازمین کے مابین شفٹ طریقہ جاری کرنے سے متعلق صنعتی تنازعہ، حکومت مہاراشٹر نے تصفیہ کی غرض سے شری جی۔ کے۔ پاٹنکر کی صنعتی عدالت کے سپرد کر دیا ہے۔

خاص الاؤنس

اقل ترین اجرت قانون بابتہ ۱۹۴۸ء کے تحت سپیشنٹ اتھارٹی نے خاص بھتہ کی شرح کا اعلان کیا ہے جو مختلف اداروں میں متعلقہ ملازمین کو جولائی ۱۹۷۵ء سے ۳ یا ۶ ماہ جیسا کہ معاملہ ہو، دیا جائیگا۔

ان اداروں کے نام یہ ہیں: پرنٹنگ پریس، سپتال (بمبئی ضلع میں)، سینے اسٹوڈیو اور سینے یبوریٹریز، پاورلوم دوکانیں اور تجارتی ادارے، وڈن ٹو، چاول، آٹا اور دالوں کی چکیاں، ٹینری، چمڑے غذ اور پیپر بورڈ، لانڈری اور ربر کی صنعتیں۔

اس سلسلے میں اطلاعنامہ مہاراشٹر سرکار کے ر معمولی گزٹ مورخہ ۳۱ر جولائی ۱۹۷۵ء کے حصہ ۔ ایل میں شائع کر دیا گیا ہے۔

صنعتی تنازعے

بمبئی چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری، بمبئی ر ان کے ملازمین کے مابین ورکروں کی بحالی کے بارے ے چلنے والا صنعتی تنازعہ نیز وکھرولی میٹل فیبریکیٹ ن راج

لمیٹیڈ اوران کے ملازمین کے مابین عام مطالبات مثلاً شرح اجرت، مہنگائی بھتہ وغیرہ کے سلسلے میں چلنے والا تنازعہ حکومت مہاراشٹر نے بغرض تصفیہ شری پی۔ ایس۔ مالوکر کی صنعتی عدالت کے سپرد کر دیا ہے۔

چھوٹی بچت مہم

حکومت مہاراشٹر نے چھوٹی بچت منصوبے کو زوردار طور پر آگے بڑھانے کے لئے ۲۰ر اگست سے ۲۰ر ستمبر ۱۹۷۵ء تک مہاراشٹر کے تمام ضلعوں میں متعلقہ وزیر کے تعاون سے چھوٹی بچت مہم جاری کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

اس مدت کے دوران یہ کوشش کی جائے گی کہ زیادہ سے زیادہ افراد کم سے کم ۲۰ روپے کے کم مدتی ڈپازٹ رقم پوسٹ آفس بینکوں میں جمع کریں نیز زیادہ سے زیادہ تعداد میں طویل مدت کے سرٹیفیکیٹ بھی بیچے جائیں گے۔

چھوٹی آبپاشی اسکیموں کو منظوری

حکومت مہاراشٹر نے مختلف ضلعوں میں ۱۴۰۵۵ لاکھ روپے تخمینی لاگت کی چھوٹی آبپاشی اسکیموں کو منظوری عطا کر دی ہے۔ ان اسکیموں کے نام یہ ہیں :

ضلع بھنڈارہ میں چیکھل پا ہیلڈ ٹینک، ضلع احمد نگر میں ہنگے ٹینک، ضلع جلگاؤں میں جولاہل کھیڑا اور موہدی ٹینک۔

مدت میں توسیع

حکومت مہاراشٹر نے ضلع بلڈانہ میں دیولگاؤں راجا میونسپل کونسل کے حلقۂ اختیار کے علاقہ میں سروے، موجودہ استعمال اراضی کے نقشہ کی تیاری اور اس کے مسودہ ترقیاتی منصوبے کی اشاعت نیز اسے منظوری کیلئے حکومت کو پیش کرنے کی مدت میں ۱۳ر اگست ۱۹۷۶ء تک توسیع کر دی ہے۔ ۵۵

ناسک ضلع پریشد کی منسوخی

حکومت کی جانب سے نئے منتظم کا تقرر

حکومت مہاراشٹر نے ناسک ضلع پریشد کو ۲۳ اگست ۱۹۷۵ء سے منسوخ کردیا ہے یہ منسوخی ۳۱ مارچ ۱۹۷۶ء تک جاری رہے گی۔ حکومت نے سری کے۔ پدنا بھائیہ، کلکٹر، ناسک کو منسوخ شدہ ضلع پریشد کا منتظم مقرر کیا ہے۔ منتظم کو متذکرہ ضلع پریشد کے تمام اختیارات کے استعمال کرنے کا حق ہوگا نیز ضلع پریشد کی پنچایت سمیتیوں، اسٹینڈنگ کمیٹیوں، سبجیکٹ کمیٹی اور دیگر کمیٹیوں کے تمام فرائض کی انجام دہی کا اختیار ہوگا۔

مہاراشٹر ضلع پریشد اور پنچایت سمیتی ایکٹ ۱۹۶۱ء کے قوانین کے تحت یہ قدم اٹھایا گیا ہے۔ حکومت کو یہ اطلاع ملی ہے کہ اس ایکٹ کے تحت ناسک ضلع پریشد پر عائد فرائض کی انجام دہی میں کوتاہیاں سرزد ہوئی ہیں اور ضلع پریشد نے اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کیا ہے۔

حکومت ضلع پریشد پر لگائے گئے الزامات کی تحقیقات اور ضلع پریشد سے باز پرس کرنے کے بعد اس بات پر مطمئن ہے کہ یہ الزامات صحیح ہیں۔

ریاستی لائبریری کونسل کا اجلاس

شریمتی پربھاراؤ، وزیر تعلیم و صدر مہاراشٹر اسٹیٹ لائبریری کونسل نے گذشتہ ۱۱ راگست کو سچیوالیہ میں ریاستی لائبریری کونسل کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ ریاستی حکومت اس بات پر غور کر رہی ہے کہ لائبریریوں کو موجودہ ۵ فیصد شرح سے دی جانے والی امداد کی بجائے ۷۵ فیصدی امداد دی جائے نیز لائبریریوں کو تعلیمی ادارے تسلیم کرنے کا مسئلہ بھی حکومت کے زیر غور ہے۔

اس موقع پر شری دی۔ ایس۔ پاگے، چیرمین، مہاراشٹر لیجسلیٹو کونسل بھی موجود تھے۔

اجلاس میں ضلع اکولہ کے مقام واشم میں راجہ وکاتک سرواجنک واچنالیہ' کی گولڈن جوبلی کے موقع پر ۱۰۰ روپے دینے کی سفارش کی گئی۔ اسکے علاوہ مندرجہ ذیل تبدیل شدہ شرح سے بلڈنگوں کی تعمیر کیلئے امداد دینے کی تجویز بھی منظور کرلی گئی۔

'اے' کلاس لائبریریوں کو ۷۵,۰۰۰ روپیوں کی بجائے ۱,۰۰,۰۰۰ روپے' 'بی' کلاس لائبریریوں کو ۴۸,۰۰۰ روپیوں کی بجائے ۶۰,۰۰۰ روپے اور 'سی' کلاس لائبریریوں کو ۲۴,۰۰۰ روپیوں کی بجائے ۳۰,۰۰۰ روپے۔

اس کے علاوہ اجلاس میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ مراٹھواڑہ ڈویژنل لائبریری کمیٹی کو عمارت کی تعمیر کیلئے ۵۰,۰۰۰ روپیوں کی خاص امداد دینے کے بارے میں حکومت کو غور کرنا چاہیئے۔

'وکاس کس کیلئے' پر پابندی

حکومت مہاراشٹر نے "وکاس کس کے لئے" اردو اور ہندی میں، " آرتھک وکاس کونچا ساٹھی" مراٹھی میں اور "وکاس کونا ملٹے" گجراتی میں' نامی کتاب کی تقسیم و فروخت پر پابندی عائد کردی ہے۔ اس کتاب کے مدیر شری واڈی لال ڈگلی ہیں۔ پبلشر اور پرنٹر بالترتیب شری لیشونت دوتی اور شری لے-ا نائیک ہیں۔ یہ پابندی دفاع ہند ضوابط اور داخلی سلامتی کے قانون ۱۹۷۱ء کے تحت لگائی گئی ہے حکومت نے مضرت رساں مواد کی بناء پر یہ کتاب اس کی نقل یا اس کے اقتباس کو بحق سرکار ضبط قرار دیا ہے۔

بدعنوانیوں کا استیصال

کمیٹی کی تشکیل

سرکاری مشینری میں بدعنوانیوں کی جانچ اور ان کے خاتمے کے لئے تجاویز پیش کرنے کی غرض سے حکومت مہاراشٹر نے پانچ ممبران پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی ہے۔

کمیٹی کے ممبران یہ ہیں: وزیر آبپاشی' وزیر پبلک ورکس اور ہاؤسنگ' وزیر مملکت برائے محصول و پلاننگ' وزیر مملکت برائے تعمیر مکانات و شہری ترقیات اور حکومت کے ایڈیشنل چیف سکریٹری۔

یہ کمیٹی بدعنوانیوں سے متعلق محکمہ جاتی تفتیش میں تاخیر کے معاملات کا جائزہ لے گی اور اس سلسلہ میں مناسب تجاویز پیش کرے گی۔

ضمانتِ روزگار اسکیم سے متعلق حکومتِ ہند کی ٹیم نے ۱۴ اگست ۱۹۷۵ء کو سچیوالیہ میں وزیراعلیٰ ایس۔ بی۔ چوان سے ملاقات کی۔

ضلعوں کے نگراں وزراء

وزیراعلیٰ شری شنکر راؤ چوان نے وزراء اور وزرائے مملکت کو مندرجہ ذیل اضلاع کا نگراں مقرر کرنے کا فیصلہ کیا ہے:

وزراء

شری وی۔ بی۔ پاٹل ۔ سانگلی اور ستارا ؛ شری این۔ ایم۔ تِدکے ۔ ناگپور اور ایوت محل ؛ شری ایم۔ ڈی۔ چودھری ۔ جلگاؤں اور تھانہ ؛ ڈاکٹر رفیق زکریا ۔ ناندیڑ اور اورنگ آباد ؛ شری وائی۔ جے۔ موہیتے ۔ ستارا اور رتناگری ؛ شری اے۔ آر۔ انتولے ۔ قلابہ ؛ شریمتی پرتبھا پاٹل ۔ امراوتی اور عادل آباد حلقہ ضلع جلگاؤں ؛ شری ایس۔ بی۔ پاٹل ۔ پونا اور عثمان آباد ؛ شری ایس۔ اے۔ سولنکے ۔ بیڑ اور پربھنی ؛ شری ایس۔ جی۔ لوار ۔ پونا اور شولاپور ؛ سری آر۔ جی۔ دیوتلے ۔ چندرپور اور بھنڈارہ ؛ شری رتنپا بی۔ کنبھار ۔ کولھاپور اور شریمتی پربھاراؤ ۔ وردھا۔

وزرائے مملکت

شری بی۔ جے۔ کھتال ۔ احمدنگر اور ناسک ؛ شری کے۔ ایم۔ پاٹل ۔ جلگاؤں ؛ شری پی۔ کے۔ کنّے ۔ بمبئی ؛ شری یو۔ این۔ گائیکواڑ ۔ کولھاپور ؛ شری آر۔ بی۔ دلوی ۔ دھولیہ ؛ شری آر۔ ایم۔ پانڈے ۔ بمبئی ؛ شری ایس۔ اے۔ ستندے ۔ شولاپور ؛ شری آر۔ دی۔ بیلوسے ۔ رتناگری ؛ شری این۔ ایس۔ سپکال ۔ اکولہ اور بلڈانہ ؛ شری جگیش دلسائی ۔ بمبئی ؛ اور ڈاکٹر جے۔ لیون ڈی سوزا ۔ بمبئی۔

نرودھ کی قیمت

حکومت مہاراشٹر نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ نرودھ کے پیکٹ کی قیمت (ترمیم شدہ) ۲۵ پیسے ہے حالانکہ نرودھ پیکٹ پر یہ قیمت ۱۵ پیسے درج ہے۔ قیمتوں میں یہ تبدیلی پچھلے سال اکتوبر میں کی گئی ہے۔ لہٰذا تمام دکانداروں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ نرودھ پیکٹ ۱۵ پیسے کی بجائے ۲۵ پیسے میں فروخت کریں۔

پروجیکٹ ضمنی کمیٹی کی پہلی بیٹھک

چھ اسکیموں کے جائزے

عوامی اقدام برائے ترقیات (ہند) مہاراشٹر اسٹیٹ کی

۱۳ اگست ۱۹۷۵ء کے روز سچیوالیہ بمبئی میں منعقدہ ریاستی وزرائے مالیات کی ایک کانفرنس سے مرکزی نائب وزیر مالیات شریمتی سوشیلا روہتگی خطاب کر رہی ہیں:

کی نئی تشکیل شدہ پروجیکٹ ضمنی کمیٹی کی پہلی بیٹھک گذشتہ ۷ راگست کو کونسل ہال بمبئی میں منعقد ہوئی۔ شری وی۔ ایس۔ پاگے، چیرمین مہاراشٹر لیجسلیٹیو کونسل نے صدارت کے فرائض انجام دے۔

ضمنی کمیٹی نے وردھا، ستارا، تھانہ اور رتناگری ضلعوں سے حاصل ہونے والی اسکیموں کا جائزہ لیا۔ ضمنی کمیٹی ریاست میں رضاکارانہ طور پر چلائے جانے والے رجسٹرڈ اداروں کی جانب سے شروع کی گئی غذائی پیداوار اسکیموں کا بھی جائزہ لیتی ہے اور عوامی اقدام برائے ترقیات (ہند) مہاراشٹرا اسٹیٹ کمیٹی کو ان اداروں کی امداد کے لئے سفارش کرتی ہے۔ غذائی پیداوار میں زراعت، باغبانی، پولٹری اور ماہی گیری وغیرہ شامل ہیں۔

اس بیٹھک میں زراعتی یونیورسٹیوں کے نمائندوں اور ڈائرکٹر ایگریکلچر، مہاراشٹرا اسٹیٹ، پونا نے حصہ لیا۔

ڈاکٹر لیون ڈیسوزا
ممبر کونسل منتخب

وزیر مملکت برائے صحت عامہ، ڈاکٹر لیون ڈیسوزا بلا مقابلہ اسٹیٹ لیجسلیٹیو کونسل کے ممبر منتخب ہوگئے ہیں۔

ان کی کامیابی پر وزیر اعلیٰ شری ایس۔ بی۔ چوان نے انھیں مبارکباد دی۔

۲۱ راگست ۱۹۷۵ء کے روز سچیوالہ میں منعقدہ "سنسکرت دوس" کے موقع پر وزیر تعلیم سریمتی پربھاراؤ حاضرین سے خطاب کر رہی ہیں۔

سڑکوں کے کام کی منظوری

حکومت مہاراشٹر نے ضلع ایوت مال میں اکولہ بازار۔ تالنی پارڈی سڑک، ضلع اکولہ میں سنگھوی سے بالار کھیڑ روڈ تک سڑک، ضلع رتناگری میں ماروتی مندر ہوائی اڈہ سڑک کو چوڑا کرنے اور ضلع ناگپور میں بیلا تھانہ سڑک کے تعمیری کاموں کی منظوری دیدی ہے۔ ان کاموں کی تخمینی لاگت بالترتیب ۳,۴۵,۱۲۷ روپے، ۲,۷۴,۸۲۱ روپے، ۸۰,۹۱۳۱ روپے اور ۴ لاکھ روپے ہے۔

پل کے کام

حکومت مہاراشٹر نے ضلع رتناگری میں دیوگڑھ تعلقہ کے دیجے درگ ریڈی روڈ پر نارنگر پل کے تعمیری کاموں کی منظوری دے دی ہے۔ اس کام کی تخمینی لاگت ۳,۷۰,۲۰۰ روپے ہے۔

خیراتی اداروں کو وٹامن کی گولیوں کی فراہمی

حکومت مہاراشٹر نے خیراتی اداروں کو وٹامن کی گولیوں کی فراہمی اسکیم کو ۳۱ مارچ ۱۹۷۶ء تک جاری رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ اسکیم یکم جنوری ۱۹۷۳ء کو جاری کی گئی تھی اور ۳۱ مارچ ۱۹۷۵ء تک جاری رکھی گئی تھی۔

••

وزیر مملکت برائے صنعت شری یو۔ این۔ گائیکواڑ، ۲۲ راگست کو بمبئی کے اسمال انڈسٹریز انسٹی ٹیوٹ میں "ماڈرن مینوفیکچرنگ ٹیکنیک" کے موضوع پر منعقدہ ایک سیمینار کا افتتاح فرمارہے ہیں۔

PRINTED AT THE GOVT PHOTOZINCO PRESS, POONA 1975

پندرہ روزہ **قومی راج** بمبئی
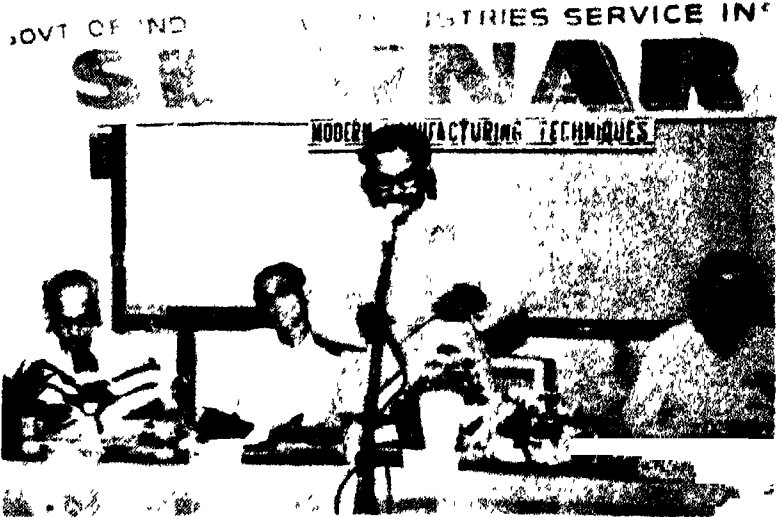
جلد : ۲۶ — ۱۶ ستمبر ۱۹۷۵ء — شمارہ : ۱۸

قیمت فی پرچہ : ۵۰ پیسے — سالانہ : ۱۰ روپے

زیر نگرانی : **خواجہ عبدالغفور** آئی-اے-ایس

ترسیل زر اور مراسلت کا پتہ :
چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومت مہاراشٹر، سچوالیہ، بمبئی ۳۲-۴۰۰۰

فہرست

مہاراشٹر نے ثقافتی، سماجی اور معاشی کتنی ہی تحریکوں میں شہرت حاصل کی ہے۔ ہوم گارڈز ان میں ہی سے ایک تحریک ہے جس کو مہاراشٹر نے ۲۸ سال قبل شروع کیا تھا تاکہ عوام کی خدمت کی جاسکے۔ اس کی ایک دلچسپ کہانی ہے۔ یہ ایک ایسا ادارہ ہے جس نے وقتی دقتوں کے باوجود گذشتہ عرصے میں خود کو مضبوطی سے قائم کیا اور جو آج مستقبل کی جانب بڑی خوش اسلوبی سے گامزن ہے اور اس امید کے ساتھ کہ اس کی توسیع اور ترقی میں شامل ہونے کے لئے بڑی تعداد میں لوگ آئیں گے۔

یہ ادارہ شہر بمبئی میں پولس کی مدد کرنے کیلئے اسوقت قائم کیا گیا تھا جبکہ سنہ ۱۹۴۶ء میں شہر زبردست فرقہ وارانہ فسادات کی لپیٹ میں تھا۔ شہر میں امن و امان قائم کرنے کے لئے عہدیداروں کی مدد کی غرض سے شہریوں کی ایک رضاکارانہ تنظیم کا خیال اس اعتماد کے ساتھ آیا تھا کہ اگر فرقہ وارانہ جذبات

...شروع کی گئی تھی۔ اس
...ے۔ بعد میں یہ جماعت
...گئی تاکہ قدرتی اور
...۔ مہاراشٹر ہوم گارڈز
...قیام کی سفارش کی۔

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹر کی تشکیل یافتہ مرکزی مشاورتی کمیٹی کی اولین میٹنگ سے خطاب کر رہے ہیں :

اور خیالات کے شر سے پنپتا ہے تو یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ عوام کے پاس ایک ایسی رضاکارانہ منظم جماعت کے ذریعہ پہنچا جائے جو کہ حالات کا مقابلہ نہ صرف مضبوطی سے کر سکے بلکہ عوام کی اپیل بھی کر سکے۔ اگست ۱۹۴۷ء کے آزاد سویرے نے آزاد ہندوستان کے شہریوں پر کچھ مزید ذمہ داری ڈال دی۔ اس وقت یہ ضروری ہو گیا کہ اگر ہم کو قومی تعمیر نو میں کامیابی حاصل کرنی ہے تو ان میں ڈسپلن، ہم آہنگی اور تعاون کا جذبہ بیدار کرنا ہوگا۔

چنانچہ ہوم گارڈز کا ادارہ عوام میں حقیقی شہریت کا جذبہ بیدار کرنے کے لئے قائم کیا گیا تھا نیز ان میں یہ خیال بھی پیدا کرنا تھا کہ ملک و قوم کی فلاح کے لئے بڑی سے بڑی قربانی بھی کم ہوتی ہے۔ بمبئی میں ہوم گارڈز کی تحریک سے حاصل ہوئے تجربے اور یہ جان لینے کے بعد کہ وہ ایک سودمند کردار ادا کر سکتی ہے اسکی شاخیں مہاراشٹر کے تمام اضلاع اور تعلقوں میں قائم کی گئیں۔

زبردست خدمات

ہوم گارڈز جو کہ بمبئی ہوم گارڈز ایکٹ ۱۹۴۷ء کے تحت قائم کیا گیا، ایک رضاکارانہ ادارہ ہے جس میں زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے لوگ شامل ہیں۔ ان کو ان کے فالتو اوقات میں تربیت دی جاتی ہے تاکہ کسی بھی ہنگامی حالات کے وقت ریاست اور عوام کی مدد کر سکیں۔ حالانکہ ابتداء میں اس کا قیام صرف پولس کی مدد کے لئے ہوا تھا مگر یہ ادارہ جلد ہی شہری ہنگامی دستہ کے طور پر پھل پھول گیا اور جب بھی حالات کا تقاضہ ہو مختلف ضروری خدمات میں فائدہ مند خدمات پیش کرتا ہے۔

اس کے قیام سے ہی یہ ادارہ مختلف مواقع مثلاً سیلاب، زلزلہ، آگ، ڈوبنے والوں کو بچانا، ضرورت کے وقت پانی فراہمی مشینری کی حفاظت نیز عام امن و امان کے قیام میں شہریوں کو مدد پہنچانے لگا۔ اس کی کامیابی اس حقیقت میں مضمر ہے کہ اس میں زندگی کے ہر شعبے سے آدمی و عورتیں، بلالحاظ مذہب، ذات یا سیاسی جھکاؤ کے اس میں شریک ہیں اور جب بھی ضرورت ہوتی ہے وہ مدد کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔

جائزہ کمیٹی کی مبارکباد

حکومت مہاراشٹر کی جانب سے ۱۹۶۲ء میں جنرل کے۔ ایم۔ کری اپا، سابق کمانڈر انچیف، انڈین آرمی کی زیر صدارت جو جائزہ کمیٹی مقرر کی گئی تھی اس نے ہوم گارڈز کی بیش بہا خدمات کا جائزہ لیا تھا۔ مختلف اضلاع کا دورہ کرنے کے بعد اور سینکڑوں لوگوں کے بیانات سننے کے بعد کمیٹی اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ نہ صرف ہوم گارڈز ایک اہل فورس ہے بلکہ ان تمام سالوں میں اس نے بیش بہا عوامی خدمات کی ہیں۔ کمیٹی نے اس ادارے کو مندرجہ ذیل الفاظ میں مبارکباد پیش کی تھی۔ "ہم ہوم گارڈز ادارے کو مبارکباد پیش کرنا چاہتے ہیں جس نے گزشتہ پندرہ سالوں میں اپنا ایک عظیم فلاحی کردار رکھا ہے۔ عوام کے ہر طبقے امیر، غریب، اعلیٰ، ادنیٰ کی جانب سے اسکی مقبولیت کو سراہا گیا ہے۔ ادارے نے حب الوطنی کے زبردست جذبے نیز قوم کی فائدہ مند خدمات کرنے کی خواہش کو یکجا کیا ہے۔ اس ادارے کی تعمیر کا کریڈٹ بڑی حد تک کمانڈنٹ جنرل مانک جی کو جاتا ہے جنھوں نے اپنی تمام تر کوشش صرف کر کے ادارے کو عوام کی بہتر خدمات کیلئے وقف کر دیا ہے۔ اس ادارے نے اپنی سودمندی اس طرح ثابت کی کہ مرکزی وزارت داخلہ نے بھی اسکا نوٹس لیا۔ حکومت ہند اس کے کاموں سے اسقدر متاثر ہوئی کہ اس نے ہندوستان کی تمام ریاستوں میں اپنے ہوم گارڈز ادارے اسی نہج پر قائم کرنے کے لئے سفارش کی جس کو کہ 'بمبئی پیٹرن' کہتے ہیں۔ ہم ہوم گارڈز ادارے کے عظیم مستقبل کا اندازہ کر سکتے ہیں جس نے کہ ہنگامی حالات کے دوران عوام کی بے مثل خدمت کر کے عوام کے ایک بڑے طبقے کو مطمئن کیا ہے۔"

یکساں طریقہ

مہاراشٹر میں ہوم گارڈز ادارے کی کامیابی اور آفات کے وقت اس کے اراکین کی جانب سے کئے گئے فائدہ مند کاموں کی تعریف آنجہانی جی۔ بی۔ پنت، مرکزی وزیر داخلہ نے کی تھی اور فیصلہ کیا کہ ایسے ادارے پورے ملک میں قائم کئے جائیں۔ بعض ریاستوں میں اس سے ملتے جلتے ادارے تھے مگر یہ ضروری تھا کہ ان سب کا طریقہ کار یکساں ہو تاکہ جب بھی ضرورت ہو تو ہوم گارڈز مؤثر کردار ادا کر سکیں۔

حقوق اور فرائض

یہ بات خالی از دلچسپی نہ ہوگی اور وہ بھی موجودہ ہنگامی حالات کے ضمن میں کہ برسوں قبل پنڈت پنت نے اس ادارے کے متعلق ریاستی نمائندوں کی کل ہند کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا — "یہ ریاست کے حق میں ہے، خاص طور پر اس لئے کہ ہم ایک ایسے وقت میں جی رہے ہیں جب کہ اُفق پر بادل چھا رہے ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ ہر شہری کسی بھی قسم کے ہنگامی حالات سے نبرد آزما ہونے کے لئے تیار رہے۔ جب ہم پر غیر ملکی حکمرانی کر رہے تھے اُس وقت ہم شہریت کے حقوق کو پوری طرح سمجھ نہیں پا رہے تھے۔ ایک آزاد شہری اپنے درجے کے لئے فخر کرنے کا حق رکھتا ہے، یہ وہ درجہ ہے جس کے تحفظ کے لئے اسکو ہمیشہ تیار رہنا چاہئے لیکن حقوق کے ساتھ ہی ساتھ اس پر فرائض بھی عائد ہیں اور چاہے ہم ان فرائض کا نوٹس لیں یا نہیں ایک شہری کو بہادر، نڈر، خود پر بھروسہ کرنے والا اور مستعد ہونا چاہئے تاکہ خود اپنے ملک میں آزادی کا ثمر حاصل کر سکے۔

"اس کا صرف یہی مقصد نہیں ہے کہ مختلف میدانوں میں خدمات پیش کر سکے بلکہ ایک بہتر اور

لائق فرد بھی بنا سکے جو کہ دوسری صورت میں شاید نہ ہو' اس لئے آپ کو پوری کوشش کرنی چاہیے کہ ایسے ہی ادارے آپ کی متعلقہ ریاستوں میں قائم ہوں۔

" دوسری رضاکار جماعتوں کی طرح ہوم گارڈز سے بھی یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ قدرتی آفات یا انسان کی پیدا کردہ مصیبتوں سے نپٹنے میں مددگار ہونگے جب بھی ضرورت ہو وہ ضروری راحت فراہم کرنے کے لائق ہونے چاہئیں۔ ضرورت کے وقت نہ صرف عوامی امن وامان قائم رکھنے میں فائدہ مند ہوں گے بلکہ بغیر کسی رکاوٹ کے قوم کی سماجی زندگی کو برقرار بھی رکھ سکیں گے۔

مقاصد پورے ہوئے

مہاراشٹر کا ہوم گارڈز ادارہ جو کہ ملک میں اس تحریک کا قائد ہے اس نے اپنے ان مقاصد کو حاصل کرلیا جس کے لئے اس کا قیام عمل میں آیا تھا۔ مہاراشٹر میں اس ادارے کا قیام رضاکارانہ خیالات کی مضبوط بنیادوں پر ہے۔ یہ بات بھلائی نہیں جاسکتی کہ کوئنا اور قرب وجوار کے علاقوں میں جب زلزلہ آیا تھا اس وقت سب سے پہلے ضلع ستارا کے ہوم گارڈز ہی وہاں پہنچے تھے اور ۳۹ دنوں تک متاثرہ افراد کو راحت فراہم کرتے رہے تھے۔ وہ اس وقت وہاں پر بھی لوگوں کو بچانے کے لئے موجود تھے جب کہ پانشیٹ باندھ پھٹ جانے سے پونا میں سیلاب آگیا تھا اور کوکن میں طوفان سے متاثر افراد کی مدد کرنی تھی۔ جب بھیونڈی اور دوسرے علاقے فرقہ وارانہ فسادات کی لپیٹ میں تھے تو پونہ اور ناسک سے ہوم گارڈز کو فوری طور پر بھیجا گیا تھا تاکہ فساد زدہ علاقے میں امن وامان قائم کیا جاسکے اور شرارتی لوگوں کی لگائی آگ کو ٹھنڈا کیا جاسکے۔ مشہور اور مخیر آنکھ سرجن ڈاکٹر ایم سی۔ مودی نے جو مفت آنکھ کیمپ ریاست کے مختلف مقامات پر لگائے۔ اس میں پوری ریاست کے ہوم گارڈز نے زبردست مدد کی۔

خاص کام

اس ادارے کے کام یوں تو مختلف ہیں مگر خاص خاص درج ذیل ہیں۔

(۱) قدرتی آفات کے وقت شہری ہنگامی اداروں کے مرکز کے طور پر امداد بہم پہنچانا۔

(۲) شہری دفاعی خدمات مثلاً آگ تحفظ' مواصلات اور ایمبولنس میں بطور مرکزی ادارے کے مدد کرنا۔

(۳) ٹرانسپورٹ' مواصلات' بجلی' پانی فراہمی نیز دوسری ضروری خدمات میں ہڑتال یا بریک ڈاؤن کے وقت مدد کرنا ہے۔

(۴) امن وامان برقرار رکھنے میں پولس کی مدد کرنا۔

(۵) حکومت کی سماج سدھار اسکیموں میں مدد کرنا۔

اور (۶) ریاستی حکومت یا ہوم گارڈز کے کمانڈنٹ جنرل کی جانب سے وقتاً فوقتاً دیئے جانیوالے کام کرنا۔

ادارہ

یہ ادارہ جس میں کہ پوری ریاست میں پچاس ہزار سے زیادہ افراد ہیں وہ کمانڈنٹ جنرل کی کمانڈ اور انتظامی کنٹرول میں ہے جو کہ ادارے سے متعلق تمام معاملات کا حکومت کو جواب دہ ہے۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۶۹ء کو شری ایم۔ جے۔ بی۔ مانک جی کی افسوسناک موت کے بعد ۱۱ نومبر ۱۹۶۹ء کو کمانڈنٹ جنرل' ہوم گارڈز' ریاست مہاراشٹر کی جگہ پر بریگیڈیر بی۔ جی۔ دیسائی کا تقرر عمل میں آیا۔

اضلاع میں ریاستی حکومت کی جانب سے متعین کردہ کمانڈنٹ اسکو کمانڈ کرتے ہیں اور رضاکارانہ طور پر وہ یہ خدمات انجام دیتے ہیں۔ کمانڈنٹ ان کے چارج میں جتنی بھی یونٹ اور سب یونٹ ہیں ان سے متعلق تمام معاملات کیلئے کمانڈنٹ جنرل اور حکومت کو جوابدہ ہوتے ہیں۔ تعلقہ جات میں واقع یونٹوں کے انچارج آفیسر کمانڈنگ ہوتے ہیں جو کہ کمانڈنٹ جنرل کی منظوری سے ضلع کمانڈنٹ متعین کرتے ہیں۔ مواضع جات کی چھوٹی یونٹوں کے انچارج' آفیسر انچارج ہوتے ہیں۔ ریاست میں کل ۲۳۲ تعلقہ یونٹیں ہیں اور ۱۲۵ سب یونٹیں ہیں۔

خواتین شاخ

تمام اضلاع میں ہوم گارڈز کی خواتین شاخیں قائم کی گئی ہیں۔ ان شاخوں کی ممبران کو فرسٹ ایڈ' نرسنگ اور مواصلات کی تربیت' بنیادی ڈرل اور بنیادی تحفظ اور آگ بجھانے کی تربیت کے علاوہ دی جاتی ہے۔ پوری ریاست میں خواتین شاخوں میں چار ہزار سے زیادہ ممبر ہیں۔

تربیت

قدرتی آفات یا شہری گڑبڑ کے وقت ہوم گارڈز کو جو کام کرنے ہوتے ہیں وہ خصوصی طرز کے ہوتے ہیں یعنی ان کو آگ بجھانے' جانوں کا تحفظ' فرسٹ ایڈ نیز ایمبولنس اور مواصلاتی کاموں کے علاوہ داخل ہونے کے بعد جو عام تربیت ڈرل و مسلح ڈرل وغیرہ کی دی جاتی ہے۔ یہ سب ضروری ہوتا ہے۔

مہاراشٹر کے ہر ضلع میں ہوم گارڈز یونٹ شروع کرنے کے بعد یکساں تربیت کی ضرورت محسوس کی گئی چنانچہ سب سے پہلے سنٹرل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ کاندیولی بمبئی میں قائم کیا گیا جو کہ بعد میں گھاٹ کوپر منتقل کردیا گیا۔ یہ انسٹی ٹیوٹ اضلاع سے آنے والے ہوم گارڈز کو ایڈوانس ٹریننگ دیتا ہے۔

کارہائے نمایاں

۱۹۶۲ء میں چینی حملے اور ۱۹۶۵ء میں پاکستانی حملے کے دوران شہری دفاع انتظامات کی پہلا ذمہ داری کا

ہوم گارڈز پر تھی کیونکہ اس وقت شہری دفاع کا کوئی ادارہ نہ تھا۔ سنہ ۱۹۶۲ء میں کتنے ہی وارڈن اور فرسٹ ایڈ پوسٹ قائم کئے گئے۔ عوام کی جانب سے بطور رضاکار درج ہونے میں چین سے جنگ بندی کے بعد کمی آئی مگر سنہ ۱۹۶۵ء میں پاکستانی حملے کے دوران اچانک اس میں تیزی آگئی۔ بطور رضاکار کے شہری دفاعی ادارے میں شرکت کے لئے عوام نے زبردست جوش و خروش دکھایا۔ ہوم گارڈز کے افسران اور اراکین نے جو کہ شہری دفاع میں تربیت یافتہ تھے، راتوں رات شہری دفاع کی ذمہ داری سنبھال لی۔

کتنے ہی مواقع پر ہوم گارڈز کو بلایا گیا تاکہ ضروری خدمات، امن و امان قائم رکھنے یا آفات سے متاثرہ لوگوں کو راحت فراہم کرنے میں عہدیداروں کی مدد کریں۔ بعض ایسے مواقع ہیں جن کا ذکر ضروری ہوگا۔ جولائی سنہ ۱۹۶۰ء میں مرکزی حکومت کے ملازمین کی ہڑتال؛ جولائی سنہ ۱۹۶۱ء میں پانشیٹ باندھ پھٹ جانے کے موقع پر؛ جولائی سنہ ۱۹۶۲ء میں جنرل الیکشن اور بمبئی میونسپل ہڑتال؛ اگست سنہ ۱۹۶۳ء میں بمبئی میونسپل ورکرز کی ہڑتال؛ دسمبر سنہ ۱۹۶۴ء میں ۳۸ ویں بین الاقوامی یوکرسٹک کانگریس در بمبئی؛ گوآ میں سینٹ فرانسس زیویر کی نعش کی نمائش؛ جون ۱۹۶۶ء میں ماٹونگا اور وڈالا میں ریلوے حادثہ؛ ۱۹۶۷ء میں کوئنا کا زلزلہ؛ سنہ ۱۹۶۳ء میں اورنگ آباد فرقہ وارانہ فساد؛ اکتوبر سنہ ۱۹۶۷ء میں مہاراشٹر اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ کے ملازمین کی ہڑتال اور بمبئی فائر بریگیڈ کی ہڑتال؛ سنہ ۱۹۶۷ء دسمبر میں مہرون تالاب کا حادثہ؛ جولائی سنہ ۱۹۶۷ء میں مولا اور موٹھا کا سیلاب؛ اپریل سنہ ۱۹۶۸ء میں ضلع ناسک کے مقام دلی میں سپت شرنگی مندر پر چٹان پھسلنے کا حادثہ؛ مئی سنہ ۱۹۷۰ء میں بھیونڈی، جلگاؤں اور دوسرے مقامات کے فرقہ وارانہ فسادات؛ سنہ ۱۹۷۱ء میں پاکستان سے جنگ کی وجہ سے لگائے گئے ہنگامی حالات کے دوران؛ اگست سنہ ۱۹۷۳ء میں بمبئی میونسپل ملازمین کی ہڑتال؛ سنہ ۱۹۷۴ء میں کل ہند ریلوے ملازمین کی ہڑتال اور اپریل/مئی سنہ ۱۹۷۵ء میں مہاراشٹر سرکاری ملازمین کی ہڑتال کے دوران۔

مہاراشٹر کے ہوم گارڈز نے ریاست کے عوام کی بہت اچھی خدمت کی ہے۔ ادارے کے کاموں کو مؤثر طور پر جاری رکھنے کے لئے خواتین شاخ کی ممبران نے مرد ہوم گارڈز کے کاندھے سے کاندھا ملا کر کام کیا ہے۔ ہوم گارڈز کے اراکین ایسے شہری ہیں جو کہ زندگی کے ہر شعبے سے آتے ہیں۔ حالانکہ انہیں نجی پیشہ ورانہ کام میں ان کو اپنے مالکان کے تعاون پر بھروسہ کرنا ہوتا ہے تاکہ ہوم گارڈز کی تربیت اور ڈیوٹی کر سکیں مگر ان تمام برسوں میں ہر طرف سے بڑے پیمانے پر تعاون ملتا رہا ہے۔ اس انسانی کام میں وہ ریاست کے شہریوں کی پوری ہمدردی، سمجھداری اور نیک خواہشات کے مستحق ہیں جس کی بنیاد پر بے لوث شہریوں کا یہ رضاکار ادارہ قائم ہے۔ ●●

حکومت ہند اسکے کاموں سے اسقدر متاثر ہوئی کہ اس نے
ہندوستان کی تمام ریاستوں میں اپنے ہوم گارڈز ادارے اسی نہج پر
قائم کرنیکی سفارش کی جسکو "بمبئی پیٹرن" کہتے ہیں!

ہوم گارڈوں نے خون کا عطیہ دیا

سماجی خدمت انجام دینے والے بمبئی عظمیٰ کے مرد اور خاتون ہوم گارڈوں نے بڑی تعداد میں رضاکارانہ طور پر بمبئی کے عوام کی خاطر خون کا عطیہ دینے کے لئے آمادگی ظاہر کی۔

پہلے سیشن میں ہوم گارڈز ٹریننگ سینٹر، کراس میدان، دھوبی تالاب میں علاقہ ۱، ۲، نیز ویمنز ونگ کے تقریباً ۵۰ ہوم گارڈوں نے سینٹ جارج ہسپتال کے بلڈ بینک کو خوشی خوشی خون کا عطیہ دیا۔

اگلے ماہ کے دوران دیگر علاقوں کے ہوم گارڈ اپنے مختلف تربیتی مراکز پر خون کا عطیہ دینگے۔

اس موقع پر ہوم گارڈز ٹریننگ سینٹر میں ٹی۔ وی۔ کیمرہ ٹیم اور فوٹوگرافروں نے بھی متاثر ہوکر رضاکارانہ طور پر خون کا عطیہ دیا۔

تحقیقاتی کمیشن

مدتِ کار میں توسیع

حکومت مہاراشٹر نے ضلع پربھنی میں بسمت نگر مقام پر ۲۷ر مارچ سنہ ۱۹۷۴ء کو پولس فائرنگ کے واقعہ کی تحقیقات کیلئے مقررہ انکوائری کمیشن کی مدت کار میں ۳۱ر مارچ سنہ ۱۹۷۶ء تک توسیع کردی ہے۔

حکومت مہاراشٹر نے ۲۰ر اور ۲۱ر اپریل سنہ ۱۹۷۴ء کو اورنگ آباد میونسپل علاقے میں پولس کی جانب سے کی گئی فائرنگ کی تفتیش کیلئے مقررہ انکوائری کمیشن کی مدت میں ۳۱ر مارچ سنہ ۱۹۷۶ء تک توسیع کردی ہے۔ ■■

امیر مینائی

نجمہ اخلاق
ایڈیٹر "ترنم" لکھنؤ

امیر مینائی اردو ادب کی ممتاز شخصیتوں میں سے ہیں۔ اردو شاعری کی تاریخ میں ان کی اہمیت کا اعتراف نمایاں طور پر کیا گیا ہے۔ وہ دبستان لکھنؤ کے ان شعراء میں سے ہیں جن پر کافی لکھا جا چکا ہے غزل کے علاوہ امیر کا کلام مختلف اصناف سخن نیز نثر میں ان کی مذہبی تالیفات، مکاتیب، تذکرہ، متفرق تحریریں اور لغت نویسی ہے۔ غزل گوئی میں امیر کا اپنا ایک انفرادی رنگ ہے اسی لئے انھیں لکھنؤ اسکول کا نمائندہ بھی کہا جاتا ہے۔

امیر نے اپنی منفرد شخصیت کے بارے میں خود کہا ہے ؎

کہو فلک سے ملائے نہ خاک میں مجھکو
کہ انتخاب جہاں مفخر روزگار ہوں میں

دبستان لکھنؤ کی تشکیل عروج سلطنت اودھ کے سائے میں ہوئی۔ رفتہ رفتہ زبان وادب کا مذاق اس قدر عام ہو گیا کہ اس کے بغیر لکھنؤ کی معاشرت کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بقول شرر لکھنوی:۔

"گذشتہ صدی میں جبکہ ترقی و تعلیم کی دنیا میں لکھنؤ کا ڈنکا بج رہا تھا یہاں کا بچہ بچہ فارسی گو تھا۔ جاہل منڈیوں اور بازاری مزدوروں کی زبان پر فارسی کی غزلیں تھیں۔ اور بھانڈ تک فارسی کی نقلیں کرتے تھے۔"

پہلے پہل جب شعرائے اردو نے شجاع الدولہ کے عہد میں یہ محفلیں فیض آباد میں جمائیں پھر آصف الدولہ نے جب لکھنؤ کو اپنا پایۂ تخت بنایا تو ان کے ساتھ یہ پورا قافلہ لکھنؤ آیا اس کے بعد نواب سعادت علی خاں شاہزادہ سلیمان شکوہ مرزا جوان بخت اور دیگر امراء نے لکھنؤ کو عروج بخشا۔ اس سارے عرصہ میں خان آرزو سودا، میر سوز اور میر حسن سے لیکر انشاء، مصحفی، جرأت رنگین تک میدان شاعری دہلوی شعراء کے ہاتھ رہا اس کے بعد آتش و ناسخ اور ان کے شاگردوں نے میدان سنبھالا اور ان کا عروج اس کے بعد سے واجد علی شاہ کے عہد تک رہا جو خاص طور پر دبستان لکھنؤ کی تشکیل کا دور کہلاتا ہے اس دور میں سلطنت اور عوام کی سرپرستی اور دلچسپی کی وجہ سے لکھنؤ اردو زبان و ادب کا ایک بہت بڑا ٹکسالی مرکز بن گیا۔

اس کے بعد اردو شاعری اور زبان دانی کی روایات میں تغیر ہونا ناگزیر تھا جس نے لکھنؤ میں ایک خاص شکل اختیار کی اس کے بانی شیخ ناسخ اور خواجہ آتش بتائے جاتے ہیں۔ ان حضرات کا طرز چونکہ تاریخی، معاشرتی اور ادبی تقاضوں کا مظہر تھا اس لئے اس نے بالآخر سکۂ رائج الوقت کا درجہ حاصل کر لیا لکھنؤ شاعری کا کمال یہ ٹھہرا کہ دلی والوں کے برعکس سچے شعری میلان سے قطع نظر کر کے الفاظ و محاورات اور اسلوب بیان کے ساتھ ساتھ قافیہ، ردیف اور وزن کے سانچے میں اشعار ڈھال کر پیش کرنا شروع کر دیئے۔ چونکہ شاہی دور میں ہر طرف رنگینی اور عیاشی کا دور دورہ تھا۔ فضا جوان تھی، مشرقی تعلیم عام تھی جس نے ادق الفاظ و ترکیب کا سرمایہ مہیا کیا۔ معاشرہ کا ایک سرا تہذیب و شائستگی سے دوسرا مبتذل اور بازاری پن سے جڑا ہوا تھا اس لئے زبان کے خزانے میں مہذب اور شائستہ الفاظ و محاورات کے دوش بدوش مبتذل اور بازاری الفاظ و محاورات چولی دامن کی طرح ایک ساتھ ملتے ہیں۔ عورتوں کی بول چال بھی اس کا ایک جز بن گئی مستند، مہذب، فصیح اور ثقیل مردانہ اور زنانہ ہر طرح کے الفاظ و محاورات کو نظم کرنا قدرت کلام قرار پایا یا جن سے اس عہد سے لیکر بعد کے آنے والے تمام شعراء کافی حد تک متاثر نظر آتے ہیں۔

قادر الکلامی کی دھن میں پر گوئی۔ قافیہ پیمائی کے نشہ میں لمبی لمبی غزلیں کہنا، مشکل اور سنگلاخ زمینوں میں دو غزلے، سہ غزلے، چہار غزلے یہاں تک کہ پنج غزلوں تک نوبت پہنچ گئی تھی۔ کھرے کھوٹے کی آزمائش میں پتھر پر پھول کھلائے جانے لگے۔ اس کے بھی بانی ناسخ و آتش تھے۔ آتش کس انداز سے اس کا اعادہ فرماتے ہیں ؎

آتش زمین شعر ہو ہر چند سنگلاخ
لغزش سے آشنا نہیں اہل سخن کے پاؤں

یہ شعر اسی ذہنی رجحان کا ترجمان ہے جس نے ناسخ وغیرہم سے اس نوع کے اشعار کہلوائے ؎

ظلم طول شب فرقت کے تلادل سے کیا
دادرس کوئی بجز فالق الاصباح نہیں — ناسخ

باعث گریہ ہوئی فرقت میں مجھکو بیکسی
ساقیا اشکوں سے کاسہ لالا ہو گیا

اک مشت استخواں ہیں نہ اتنا غرور کر
قبریں بھری ہوئی ہیں مقام رمیم سے — آتش

آنکھیں سجائیں ہم نے لہو رو کے ہجر میں
اے اشک گرم کیوں یہ تکرر فضول ہے — اسیر

بس گیا بوئے عرق یار سے سارا حمام
غیرت دامن گل کیسہ دلاک نہیں — برق

قادر الکلامی کی اس لاگ ڈانٹ میں زبان کو مزید وسعت ہوئی مگر کچھ بندش کی تیز جاتی رہی۔ لکھنؤ اسکول کا ایک اور کارنامہ لفظی صناعی تھا جیسا کہ آتش کے اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے ؎

بندش الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں
شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا

غرض کہ ناسخ و آتش کی تحریک اصلاح زبان سے جہاں نفس شعر میں کچھ عیب داخل ہوگئے وہاں زبان میں بندش و چستی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے صحت و درستی شیرینی و لطافت کے ساتھ استعمال کرنا صفت کلام کا جزو سمجھ کر اسے برتا شعرائے لکھنؤ کو آگیا چنانچہ ان کے کلام میں ایسے بھی نادر نمونے پائے جاتے ہیں مثلاً ؎

روٹھے ہوئے تھے آپ کئی دن سے من گئے
بگڑے ہوئے تمام مرے کام بن گئے — ناسخ

مشتاق درد عشق جگر بھی ہے دل بھی ہے
کھاؤں کدھر کی چوٹ بچاؤں کدھر کی چوٹ — آتش

آدمی سے تھے خطا ہوئی ہم سے
جو رم کو کہا، قصور ہوا — اسیر

تیرے جاتے ہی گئی اپنی بہار زندگی
جوش غم سے موسم باغ جوانی پھر گیا — برق

ہم جو کہتے ہیں سراسر ہے غلط
سب بجا ہے آپ جو فرمائیے — رند

دم بدم ساقی و مطرب کو صدا دیتے ہیں
موسم گل میں ہم اک دھوم مچا دیتے ہیں — صبا

اسی زمانے میں رعایت لفظی کا بھی بڑے زوروں پر اہتمام کیا جاتا تھا جس کے امام کسی نے ناسخ کو کسی نے امانت کو قرار دیا ہے۔ بہرکیف یہاں اس سے بحث نہیں کہ امام کون تھا۔ ماموں کون چند اشعار مثال کے طور پر پیش کرنے کے بعد میں اپنے اصل موضوع کی طرف رجوع کرتی ہوں ؎

لب اس کے ہیں پستہ، ذقن سیب، آنکھیں ہیں بادام
کچھ میوہ دانت ہنسی میں نظر انار آیا — ناسخ

ڈھونڈھا انھیں کہ آپ رواں کا سراغ لگ گیا ہے
ملا یا باغ میں اس گلبدن نے خوب شبنم کو — امانت

کسی چشم سیہ کا عیب ہوا ثابت میں دیوانہ
تو مجھ سے مست ہاتھی کی طرح جنگل ہر نگر — آتش

ہمیں کنگھی بھی کرینگے ہمیں دیکھیں گے جوئیں
لعنتم نکہ ہے پتھر کی اگر تیری بات — اشک

مرگیا ہوں میں لب رنگین جاناں دیکھ کر
سنگ تربت کے عوض لعل بدخشاں چاہیئے — آباد

غزل کے علاوہ دوسرے اصناف سخن میں یہ رنگ، خصوصاً مثنوی گلزار نسیم میں ملتا ہے۔

صحیح معنوں میں اردو شعر و ادب کے دو بڑے مرکز ہیں ایک دلی دوسرا لکھنؤ۔ امیر مینائی جس ادبی اسکول سے زیادہ متاثر ہوئے وہ لکھنؤ ہے۔ امیر مینائی ۱۸۲۹ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے ان کے والد شیخ کرم محمد مینائی کا سلسلہ نسب اول الصحابہ و افضلہم بالتحقیق حضرت ابوبکر الصدیق تک منتہی ہوتا ہے۔ ان کے مورث اعلیٰ شیخ عثمان عرب سے ہندوستان آکر پہلے دلی پھر جون پور اور رڈلو میں قیام کرتے ہوئے لکھنؤ میں بسے ان کے بیٹے شیخ قطب نے نویں صدی ہجری میں لکھنؤ میں مستقل سکونت اختیار کی لکھنؤ کے مشہور صوفی بزرگ مخدوم شاہ مینا شیخ قطب کے بڑے صاحبزادے تھے جنھوں نے ساری عمر تجرد اور تصوف میں گذاری۔ امیر مینائی انھیں شیخ قطب الدین کی نسبت سے مینائی کہلائے۔ مولوی کرم محمد مینائی شاہ عبدالرحمٰن کے مرید مجاز تھے اور ایک زبردست فاضل اور صوفی پاک باطن تھے تمام عمر درس و تدریس کا شغل رہا۔ صغر سنی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد امیر کی پرورش اور داشت ان کے بڑے بھائی مولوی طالب حسن نے کی۔ امیر نے اس کا اعتراف ایک تحریر کے ذریعہ کیا ہے۔

" انھوں نے مجھے عمر ہفت سالگی سے کہ میرے والد شیخ کرم محمد مینائی مغفور نے رحلت فرمائی تھی فرزندوں کی طرح پالا، پڑھایا لکھایا، تربیت کی اور تادم مرگ ان کے مجھے کبھی اس کا موقع نہ ملا کہ میں اپنے والد ماجد کا سایہ شفقت اٹھ جانے پر تاسف کرتا۔"

لکھنؤ اس وقت مشرقی علوم کا ایک مرکز تھا۔ امیر مینائی نے کتب متداولہ عربیہ کی تحصیل علمائے فرنگی محل اور دیگر علماء سے کی۔ درس نظامیہ اور طب کے ساتھ ساتھ نجوم، جعفر وغیرہ علوم عربیہ حاصل کئے۔ اور تھوڑے عرصہ میں فارغ التحصیل ہوکر فضیلت کی پگڑی سے سرفراز ہوئے۔ ذیل کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ دنوں تک درس و تدریس کا کام بھی کیا ؎

طبیعت میں اول سے تھا ذوق علم
رہا ابتدا سے مجھے شوق علم

کتب تھے جو درسی پڑھے سب تمام
پڑھایا کیا صبح سے تا بہ شام

امیر اگر اپنے خاندانی ماحول میں مگن رہتے تو ان کی داستان حیات درویشی پر ختم ہوجاتی مگر انھوں نے اس ماحول میں رہتے ہوئے باہر کی دنیا کو بھی دیکھا جب جان عالم پیا واجد علی شاہ اختر آخری فرمانروائے اودھ تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوئے اس وقت امیر کا شباب تھا۔ لکھنؤ کی گلی کوچوں میں شعر و شاعری کے چرچے ہوتے رہتے تھے اور ہر خاص و عام اسی رنگ میں رنگا ہوا نظر آتا تھا۔ محفل سخن وزیر، برق، اشک اور رند، صبا اور اسیر وغیرہ کی زمزمہ سنجیوں سے گونج رہی تھی۔ امیر کو اس ماحول نے اپنی طرف مائل کیا تو وہ کہہ اٹھے ؎

مگر شاعروں سے جو صحبت ہوئی
سوئے نظم مائل طبیعت ہوئی

امیر طبع موزوں لیکر آئے تھے، دوسرے ماحول کا تقاضا انھیں شعر گوئی کا چسکا لگا تو امیر لکھنوی سے تلمذ ہوئے اصلاح کلام کی ابتدا حسب ذیل زمین میں اس غزل سے ہوئی ؎

دل میں جب مہمان خیال زلف جاناں ہوگیا
آنکھ میں خواب پریشاں سنبلستاں ہوگیا

امیر کی شعر گوئی کا چرچا پھیلتے ہی اسیر نے انھیں شاہی دربار سے منسلک کرا دیا جہاں انھیں

کے سلسلے میں خلعت اور انعام سے سرفراز
ے ایک مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا
غیرت بہارستان " کے نام سے ترتیب
ندر میں تلف ہو گیا۔
شاعری قابلیت اور دربار کی باریابی
یں اس وقت لکھنؤ میں ایک خاص
حاصل ہوا۔ غزل گوئی کے علاوہ ان
نگاری کو بھی ادبی حلقوں میں بہت
حوالوں سے ان کی ان دنوں کی چند
ہیں جن کے ایک ایک شعر درج کئے

ہو ملی مرے لہو کی
لائیں لیں گلو کی

چھپے چاند سے رخسار قیصر باغ میں
ہے سایۂ دیوار قیصر باغ میں

عجب حالت ہے ان روزوں سحر دیکھی
چٹکیاں لیتی ہیں منقاریں عنادل کی

گردوں مخالف غم نہیں مجھکو امیر
ین ظل دامن شاہ ابو المنصور میں

ہے کہ زمانہ کو کروٹ بدلتے دیر نہیں
یں انگریزوں کی روز افزوں مداخلت
سے جاری تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ واجد
کرکے اودھ کو انھوں نے اپنے اختیار
جب غدر برپا ہوئی، افراتفری پھیلی
مکانات اور حویلیاں کھودنے لگیں تو
متاثر ہو کر ذیل کی رباعی کہی ؎

کی چھوٹ مصیبت ہم سے
لپٹ لپٹ کے حسرت ہم سے
سے گلے رخصت ہو کر
ہے آج رخصت ہم سے

اور بھنگوڑ میں امیر کاکوری پہنچے
تقریباً ایک سال رہا۔ اعلان امن
نو واپس آئے اس کے بعد تلاش

معاش کے سلسلہ میں کانپور ہوتے ہوئے میرپور پہنچے
جہاں شیخ وحید الزماں ڈپٹی کلکٹر تھے جن کی صاحبزادی
سے ان کی نسبت بہت پہلے قرار پا چکی تھی۔ اسی عرصہ
میں ڈپٹی صاحب کا تبادلہ رام پور ہو گیا۔ ان کے بھائی
شیخ وجیہ الزماں ریاست رامپور میں سفارت کے
عہدے پر فائز تھے انھیں کی بدولت دربار
رام پور میں امیر مینائی کی رسائی ہو گئی

امیر نے رام پور پہونچنے کے بعد اپنے استاد اسیر
کو بھی وہیں بلوا لیا۔ دربار رام پور سے تعلق ہونے کے بعد
امیر کی ادبی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا جنوری ۱۸۶۸ء
میں جب غالب پہلی بار رام پور گئے تو والیٔ رام پور
نے انھیں ان کی غزل پر امیر کی غزل سنوائی جس کا مطلع
ہے ؎

؎ میرے بس میں یا تو یا رب وہ ستم شعار ہوتا
یہ نہ تھا تو کاش دل پر مجھے اختیار ہوتا

یہ دربار رام پور ہی کا فیض تھا جس نے تھوڑے ہی
عرصہ میں انھیں ایک عظیم شاعر اور کامل ادیب کی
حیثیت سے ساری اردو دنیا میں مشہور کرا دیا ؎
؎ وہ اگلے شعرا کا تھا کبھی اور امیر
اب تو ہے ملک معانی میں نمانہ تیرا

نقادان ادب کا خیال ہے کہ امیر کا ابتدائی کلام لکھنؤ
اسکول کے مخصوص رنگ میں ہے لیکن رام پور آنے کے
بعد داغ کا رنگ ان کے کلام پر چھا گیا۔ عبدالسلام ندوی
لکھتے ہیں :-

"اس دور کے اساتذہ لکھنؤ میں امیر
احمد مینائی کا پہلا دیوان مراۃ
الغیب لکھنؤ کے اسی مخصوص رنگ
میں ہے اور اس میں وہ تمام معائب
موجود ہیں جو ناسخ و آتش اور ان
کے تلامذہ کے کلام میں پائے جاتے
ہیں "

لیکن ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی کہتے ہیں :-

" اس میں رعایت لفظی اور صنعت
گری کے وہ نمونے موجود نہیں ہیں جو
آتش اور ناسخ کے شاگردوں کے کلام میں
پائے جاتے ہیں۔ البتہ بعض اشعار میں
خارجی رنگ موجود ہے لیکن بالعموم امیر
نے جذبات نگاری کی طرف توجہ دی ہے "

ڈاکٹر ابو محمد سحر کہتے ہیں کہ :-

" ان کے دو دواوین مراۃ الغیب اور صنم خانہ
عشق کے رنگ میں فرق ہو سکتا ہے لیکن
اس کا گوہر انتخاب اور جوہر انتخاب سے
کوئی رشتہ نہیں "

بہرحال یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ امیر کی غزل گوئی کا بنیادی رشتہ
لکھنؤ اسکول سے ہے اور بحیثیت مجموعی ان کی غزل گوئی پر اس
کا اثر نمایاں ہے جس کے اسباب ان کی افتاد طبع، خاندانی
ماحول، انقلاب زمانہ اور شق مزاولت ہیں۔ انھیں ہمیشہ
اپنے لکھنوی ہونے پر ناز رہا ؎

؎ دعویٰ زباں کا لکھنؤ والوں کے سامنے
اظہار بوئے مشک غزالوں کے سامنے

اور ان کی یہ بات صرف رنگ سخن تک محدود نہ تھی بلکہ
انھیں لکھنؤ کی ہر چیز پیاری تھی وہ خاندانی اعتبار سے
مذہبی ہونے کے باوجود رنگ زمانہ سے بے حد متاثر
ہوئے جس کی نشاندہی ان کے دواوین سے ہوتی ہے چند
متفرق اشعار ملاحظہ ہوں ؎

؎ ٹکا کے مار رکھتی ہے عشاق کو تیرے
ٹکا عجب ہے یہ تری زلف رسا کے پاس

؎ جائے میخانہ بنی ہے مسجد
کبھی گھونٹ کے بھی ڈنڈ پیلتے ہیں

؎ چھپ گئی گو نہ جوانی کی بگڑ کر پولے
ہاتھ لوٹیں تیرے شاطر مرے کان سے گئے

رعایت لفظی کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں ؎

؎ نہ جاتا تھا اس تک کبوتر دہل کر
روانہ کیا رو فسن تازل کر

؎ وہ کہتے ہیں باتیں عجب چکنی چکنی
یہ مطلب ہے چوٹ ہو کوئی پھسل کر

؎ عشق اس کے لب شیریں سے میں رکھتا ہوں امیر
درد بھی ہوگا مرے دل میں تو میٹھا ہوگا

؎ گئی ہے جان اک پردہ نشین پاک دامن پر
عجب کیا بخیۂ مریم ہو پیدا مرے مدفن پر

؎ نازک بہت ہیں ہونٹ مرے نونہال کے
ساقی پلائے پھول تو کانٹا نکال کے

صنعت گری، مضمون آفرینی اور مبالغہ آرائی کے جوہر بھی انھوں نے دکھائے ہیں ؎

؎ رخ نور، جبیں نور، شکم نور، ساق نور
ترا اے صنم ہے نور خدا سر سے پاؤں تک

؎ عطر تحفہ میں نہ بھیجو مجھے بھیجو کسی دن
شیشے میں گل عارض کا پسینہ بھر کر

؎ گرہ میں دیکھئے گیسو کی یا جوڑے کی مٹھی میں
نہ سینے میں مرا دل ہے نہ پہلو میں مرا دل ہے

ڈاکٹر اعجاز حسین امیر کے امتیازی خصوصیات کلام کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

"امیر کا ابتدائی کلام ایک بڑی حد تک ناسخ کے رنگ میں ہے لیکن خوبی یہ ہے کہ نہ تو تمثیلی شاعری خشک ہونے پائی ہے اور نہ تصنع کی شاعری بے کیف ہوئی ہے تکلف میں امیر نے ایسی لطافت بھر دی ہے کہ نزاکت اور لوچ کے علاوہ ایک خاص مزا پیدا ہو گیا ہے جو ان کے کلام کو دوسروں کی ایسی (اس نوع کی) شاعری سے بہت زیادہ دلکش اور پر لطف بنا دیتا ہے۔"

مثال کے طور پر چند شعر دیئے جاتے ہیں ؎

؎ میرے ہی سامنے دامن اٹھا کر ناز سے چلنا
کبھی پر پھر گوارا مرے چاک گریباں کا ہو

؎ کوچہ میں ترے طالب آرام
نیند آگئی چشم نقش پا کو

؎ پہلے ہی چوٹی میں ہار اس پری نے
جو کالے تھے اب کوڑیالے ہوئے ہیں

؎ باغباں کلیاں ہوں ہلکے رنگ کی
بھیجنا ہے ایک کمسن کے لئے

؎ پڑا جو سایۂ گیسو تو وہ کمر لچکی
ڈھلا جو کاندھے سے آنچل تو دوشانہ ہوا

؎ اللہ رے اس گل کی کلائی کی نزاکت
بل کھا گئی جب بوجھ پڑا رنگ حنا کا

؎ تو جہاں بن ٹھن کے نکلا خلق دیوانی ہوئی
جامہ زیبی سے تری کس کس کی عریانی ہوئی

مگر وقت کے ساتھ ساتھ امیر کی غزلوں میں لکھنو کے مخصوص رنگ کو برتنے میں لطافت و رنگینی کا جز بڑھتا گیا ان کے کلام کے مطالعہ سے انفرادی اور تقلیدی دونوں روشوں کا پتہ چلتا ہے۔ امیر نے میر کے رنگ میں جو اشعار کہے ہیں ان کے نمونے بھی جا بہ جا ملتے ہیں ؎

؎ فتنہ تھا قہر تھا تھا جلوہ ترا اے یار نہ تھا
جب تلک دل کو سنبھالوں میں دل زار نہ تھا

؎ جی میں ہے اب وہاں نہ جائیں ہم
دل کی طاقت بھی آزمائیں ہم

؎ دل جو سینے میں زار سا ہے کچھ
غم سے بے اختیار سا ہے کچھ

؎ کل تو آفت تھی دل کی بے تابی
آج بھی بے قرار سا ہے کچھ

؎ رہ رہ کے اب کھٹک سی سینہ میں ہو رہی ہے
شاید ابھی ہے باقی ٹکڑا کوئی جگر کا

؎ بہت غم نہ کھا عشق کا اے امیر
تجھے کوئی آزار ہو جائے گا

؎ الفت میں یوں تو اکثر ہم زار زار روئے
کل دل پہ ہاتھ رکھ کر بے اختیار روئے

؎ نعم البدل دیا مجھے اللہ نے امیر
دل ہو گیا جو خون تو رنگیں سخن ہوا

امیر کے کلام کی دوسری نمایاں صفت سلاست و صفائی الفاظ و محاورات کی برجستگی اور بول چال کا لطف ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

؎ زیست کا اعتبار کیا ہے امیر
آدمی بلبلا ہے پانی کا

؎ ہے جوانی خود جوانی کا سنگار
سادگی گہنا ہے اس سن کے لئے

؎ آگئیں پھر واعظوں کی شامتیں
آج پھر آئی وہ کل والی گھٹا

؎ ماننے کو تو میں نہیں کہتا
جان من سن تو لو ذرا مطلب

؎ نہ مہر اس گل کا ہمسر ہے نہ مہ اس کے برابر ہے
یہ دونوں ایک ہی سے کچھ چڑھتے اترتے ہیں

؎ مانی ہیں میں نے سیکڑوں باتیں تمام عمر
آج آپ ایک بات مری مان جائیے

؎ پھنسی جو دام میں بلبل تو کن نگاہوں سے
کبھی چمن کو کبھی سوئے آشیاں دیکھا

؎ روٹھنا روز کا ٹھہرا ہے تو یہ سن رکھئے
روز کے روٹھنے والے کو منانا بھی نہیں

؎ چل اے باد بہاری اک ذرا آہستہ آہستہ
کہ وہ مجھ سے بگڑتے ہیں جو بال انکے بکھرتے ہیں

؎ تم کو آتا ہے پیار پر غصہ
مجھ کو غصہ پہ پیار آتا ہے

؎ میں نے جو کہا ضبط فغاں ہو نہیں سکتا
اٹھے وہ چھری لے کے کہ ہاں ہو نہیں سکتا

؎ بیتاب محبت میں ادھر میں ہوں ادھر دل
میں دل کو سنبھالوں تو مجھے کون سنبھالے

؎ وہ گل آئے تو اچھی طرح رکھنا دیکھ بھال اس کی
کہ اے نرگس چمن میں ایک تو ہی آنکھ والی ہے

یہ سب کچھ تو تھا مگر دربار رام پور میں داغ کی ہم نشینی نے ان پر یہ اثر کیا کہ ان کے کلام میں داغ کا رنگ بھی سرایت کر گیا۔ داغ اگرچہ کہ لکھنوی نہ تھے مگر دربار مغلیہ کے زوال پذیر ماحول کی پیداوار تھے جس نے فصاحت بیان کے ساتھ انھیں شوخی بھی عطا کی تھی اور وہ اپنی چھیڑ چھاڑ، خوش فعلی اور لاگ ڈانٹ کے لئے مشہور ہو چکے تھے۔ رام پور کی صحبتوں نے امیر کو ان کی طرف مائل کر دیا جس کے نمونے ذیل کے چند اشعار ہیں ؎

؎ لپٹ کے چوم لیا منہ، مٹا دیا انکار

نہیں کا ان کے سوا اسکے کچھ جواب نہ تھا

• وصل میں بیٹے وہ گھبرا کے مری صحبت سے
کیا کرے بات کوئی اس سے یہ انسان ہے کچھ

• ہم بڑھ چلے جو وصل میں بولے وہ ناز سے
بس بس کہ بوسے ایک کے تم چار لے چکے

• کیا مزے کی ہے طبیعت اپنی
ایک بوسہ جو ملا لوٹ گئی

• چل کے اب سو رہو باتیں نہ بناؤ صاحب
وصل کی شب ہے نہیں حرف و حکایت کی رات

• شب وصلت میں مجھ سے جبراں پر ہو نہیں سکتا
تڑپ جاتا ہے دل فریاد سنکر ان کے چھاگل کی

• جوبن ابھار پر ہے چمن کو نہ جائیے
باد صبا لگائے گی چوری انار کی

• بولے وہ شب وصال مجھ سے
اس شوق کی انتہا بھی کچھ ہے

• جو رنشہ میں یار بد خو ہے
اب لیٹ جائے تو قابو ہے

• لپٹا میں بوسہ لیکے تو بولے کہ دیکھئے
یہ دوسری خطا ہے وہ پہلا قصور تھا

• ہاتھ میں نے جو بڑھایا تو کہا
بس بہت پاؤں نہ پھیلائیے گا

• کوئی بوسہ مانگے کوئی وصل چاہے
وہ کہتے ہیں لو ہو گیا میں اسی کا

• ایک سے ایک حسینوں میں ہے اچھا لیکن
ہتھے چڑھ جائے جو اپنے وہی مال اچھا ہے

• آنکھیں دکھلاتے ہو جوبن تو دکھاؤ صاحب
وہ الگ باندھ کے رکھا ہے جو مال اچھا ہے

• لگ جائے کہاں سینہ سے اٹھ کر
یہیں تو حسن کی دولت گڑی ہے

امیر مینائی کے یہاں اساتذہ کی تقلید میں غزلوں پر غزلیں ملتی ہیں۔ بعض جگہ مضامین بجنسہ یا معمولی تغیر کے ساتھ ملتے ہیں۔ کہیں کہیں توارد کا شبہ ہوتا ہے اس قسم کے نمونے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

• گل پھینکے ہے اوروں کی طرف اور ثمر بھی
اے خانہ بر انداز چمن کچھ تو ادھر بھی
— سودا

• آئینہ ترے حسن کا دل بھی ہے جگر بھی ہے
ہے ایک ہی صورت کہ ادھر بھی ہے ادھر بھی
— امیر

• ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے کہ کچھ آرزو کریں
— درد

• گم گشتہ دل کی تا بکجا آرزو کریں
ہاں اور دل ملے تو نئی آرزو کریں
— امیر

• ہے شب وصل جو لے ماہ جبیں تھوڑی سی
ہے مرے جسم میں بھی جان حزیں تھوڑی سی
— ناسخ

• صلح کل میں ہے ابھی شرکت کیں تھوڑی سی
اور لے پیر خرابات نشیں تھوڑی سی
— امیر

• خوشا وہ دل کہ ہو جس دل میں آرزو تیری
خوشا دماغ جسے تازہ رکھے بو تیری
— آتش

• گلوں میں کی رگ ہر گل کی جستجو تیری
ملا نہ رنگ ہی تیرا کہیں نہ بو تیری
— امیر

• وصال میں تو کرو رحم مجھ سے لاغر پہ
کہو تو لیٹ رہوں ایک تار بستر پہ
— وزیر

• کبھی تو بھول کے رکھ دے قدم مرے سر پہ
پڑا ہوں صورت نقش قدم ترے در پہ
— امیر

• چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیئے
یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیئے
— غالب

• چاہنا ہمکو تو اس کا چاہیئے
وہ اگر چاہے تو پھر کیا چاہیئے
— امیر

• کہتے ہیں تمکو ہوش نہیں اضطراب میں
سارے گلے تمام ہوئے اک جواب میں
— مومن

• قاضی بھی اب تو آئے ہیں بزم شراب میں
ساقی ہزار شکر خدا کی جناب میں
— امیر

امیر کی غزل گوئی گو کہ لکھنؤ اسکول سے قریبی تعلق رکھتی ہے جس سے وہ آخری وقت تک منسلک رہے تاہم ان کے کلام میں شعرائے دلی کی تقلید سے دہلوی امتزاج پیدا ہوا۔ ڈاکٹر اقبال احمد صدیقی کہتے ہیں:۔
"امیر کا مخصوص کوئی رنگ نہیں۔ رنگا رنگی ان کا رنگ ہے۔ اسی چیز نے امیر کو امیر بنایا اور زمانہ سے ان کی شاعری کا لوہا منوایا۔"

امیر نے نعتیہ کلام بھی بہت کہا ہے۔ میں شروع میں لکھ چکی ہوں کہ غدر ہوتے ہی وہ کاکوری چلے گئے تھے وہاں انھوں نے سال بھر قیام کیا اس دوران محسن کاکوری جو حیات تھے اور کاکوری میں قیام فرما تھے ان کی صحبت میں اور اس کے بعد بھی وہ نعت کہتے رہے۔ امیر شیعہ نہ تھے مگر حب اہل بیت ان کا ایمان تھا جس کا اظہار انھوں نے کئی جگہ کیا ہے ان کے چند اشعار یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

• الفت امیر آل محمدؐ کی فرض ہے
شکل ہے بے سفینہ ارادہ عبور کا

• کیا عجب میں بھی شہیدوں میں ہوں محشو امیر
انس رکھتا ہوں بہت حضرت شبیرؑ کے ساتھ

• امیر خستہ جاں آفت میں ہے یا حیدرؑ صفدر
کرو امداد اس کی وقت ہے مشکل کشائی کا

• الفت پنجتن پاک سے دل ہے معمور!
پانچ میخانوں کی مے ایک مرے جام میں ہے

واقعہ کربلا سے متاثر ہو کر کہتے:

• اللہ رے انقلاب جہان پلید کا
خون حسینؑ غازہ ہے روئے یزید کا

امیر غم حسین میں آنسو بہانا اپنی نجات کا باعث سمجھتے تھے۔

• کام آئیں گے محشر میں امیر اشک غم شاہ
قیمت میں یہ قطرے دُر و گوہر سے بڑھینگے

امیر کے کلام میں فقیہانہ انداز بھی ملتا ہے:

• حسب ارشاد نبی فقر حقیقت میں ہے فخر
ابر رحمت کہ گلیم فقرا ہے سر پہ

• یکھے جسے تجلی نور خدا کلیم
در پردہ تھا جمال خدا کے حبیبؐ کا

اسلامی فلسفہ کی تشکیل جدید میں امیر کی فکری بلندی ملاحظہ ہو:

محبوبِ حق کا خاص یہ رتبہ ہے اے امیر
داخل ہو لامکاں میں یہ حد بشر کی ہے

فی الحقیقت قطرۂ بے [illegible] ہے لا الٰہ
ہے اُبھرا اس بھنور سے ذکر الا اللہ کا

اب امیر کے کلام میں تصوف کی بھی جھلکیاں ملاحظہ کیجئے ؎

اُٹھائے صدمے پہ صدمے تو آبرو پائی
امیر ٹوٹ کے دل گوہرِ یگانہ ہوا

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

برق چمکی تھی جو کوہِ طور پر
وہ بھی تھا اک پرتوِ رخسارِ یار

ہر طرف اپنی ہی صورت نظر آتی ہے ہمیں
آئینہ خانہ میں حیران سے ہم دیکھتے ہیں ؎

نہ پوچھو ناز و نیاز اُس کے میرے کب سے ہیں
یہ حسن و عشق تو اب کے اُسے زمانہ ہوا!

پڑھا من عرفہٗ برسوں امیر
تو کچھ معرفت اس کو حاصل ہوئی

امیر اُس بے نشاں کو دل میں پایا
جسے ڈھونڈھا کئے تھے چار سو ہم

حق شناسی کی حقیقت کو اُنہیں نے جانا
اے امیر اپنی حقیقت کو جو پہچان گئے

مذہبِ صلح کل میں اے زاہد دیر بھی اک حرم کا سایا ہے

مذہبِ عشق میں تمیزِ نیک و بد ہے کفر
توبہ کیجے جو خیالِ حق و باطل آئے

آئینہ جہاں میں شاید جو دیکھتا ہے مجھ کو
ہندو ہو یا مسلماں اپنا سا جانتا ہے

عشقِ بت سے بھی تھا خدا مطلب
الحمدللہ کچھ نہ تھا مطلب

امیر کے پورے کلام کا تجزیہ کرنے سے دو چیزیں بیک وقت برآمد ہوتی ہیں جنھیں اصغر نے ایک شعر میں واضح کر دیا ہے ؎

تفاوت اس قدر ہے زاہدوں میں اور رندوں میں
کہ وہ کچھ دل میں لے بیٹھے ہیں یہ سب کر گزرتے ہیں

وہ کہیں زاہد دکھائی دیتے ہیں تو کہیں رند نظر آتے ہیں۔

میں نے اس مضمون میں امیر کا انفرادی رنگ بھی دکھایا ہے اور تقلیدی غزلوں کے نمونے بھی درج کر دئے ہیں۔ مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ وہ غزل میں ایک رچا ہوا مذاق رکھتے تھے جس کی جڑیں اُن کی زندگی اور شخصیت کے ساتھ مضبوطی سے وابستہ ہیں۔ جس نے اُن کی اُستادی کی طرح ان کی شاعری کو مسلّم کر دیا ہے۔ امیر کے منتخب کلام کا مطالعہ کرنے کے بعد بھی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ ان کا رتبہ چوٹی کے شعراء کے مقابل میں کسی طرح کم نہیں ہے بلکہ بعض جگہ معنویت اور گہرائی کے اعتبار سے ان سے اعلیٰ و ارفع ہے۔

●●

غزل

ہم سے نہ پوچھو زہرہ جبینو ہم بیکل دیوانے ہیں
لوگ تمہارے شہر کے اکثر حال ہمارا جانے ہیں

ہم نے ہی گھبرا کے یقیں کے روپ پہ پردہ ڈال دیا
ایک ہی اپنا کعبۂ دل ہے چاروں طرف بتخانے ہیں

ہونٹ ہمارے تیری ہنسی ہے، چہرہ اپنا رنگ تیرا
سب کچھ اپنا، اپنا نہیں ہے ہم اپنے بیگانے ہیں

اک دن تجھ کو ڈھونڈھ ہی لوں گا یہ بھی ہے آسان مگر
میرے مکاں سے تیری گلی تک راہ میں کچھ میخانے ہیں

بکھرے گیسو، اُترا چہرہ، حسن کا یہ انداز تو دیکھ
جس پہ ہزاروں باغ نچھاور ایسے بھی ویرانے ہیں

جلوۂ طور سے شمع حرم یا حلقۂ نور سے حسنِ مبہم
ایک اکیلے تم ہو حقیقت باقی سب افسانے ہیں

بیکل اُتساہی بلرام پوری

رس ابھنگوں کا تیری فضاؤں میں ہے
شہد گیتوں کا، تیری ہواؤں میں ہے
رام داس اور تکارام کے لے چمن
اے بہادر مراٹھوں کے پیارے وطن!

شیخ محمد
ایک عظیم مراٹھی سنت شاعر

مہاراشٹر کی سرزمین سنتوں کی سرزمین ہے۔ گیانیشور، نام دیو، ایکناتھ، تکارام اور رام داس جیسے بے شمار سنتوں نے اس سرزمین پر وحدانیت کے گیت گائے ہیں اور اس دھرتی کے باسیوں کو محبت اور اخوت کا پیغام سُنایا ہے۔

مہاراشٹر کی فضاؤں میں رواداری کی جو دل نواز اور روح پرور خوشبو صدیوں سے رچی بسی ہوئی ہے اُسے اس سرزمین کے عظیم سنتوں کی تعلیمات ہی کا اثر سمجھنا چاہیئے۔ یہاں کے سنتوں نے اپنے افکار و خیالات کے اظہار کیلئے جو ابھنگ اور پد تخلیق کئے وہ "سنت کاویہ" (سنت شاعری) کے نام سے مشہور ہیں اور مراٹھی ادب کا لازوال اور قابلِ فخر سرمایہ سمجھے جاتے ہیں۔

یہ مراٹھی سنت شاعری جس کا اولین نمونہ "گیانیشوری" کو تسلیم کیا جاتا ہے دراصل بھگتی تحریک کی تبلیغ و اشاعت کے نتیجے میں وجود میں آئی ہے اور بھگتی تحریک کا سب سے بڑا اعجاز یہ ہے کہ اس تحریک نے نہ صرف ذات پات کی تفریق کو مٹایا بلکہ ہندو اور مسلمان کے امتیاز کو بھی ختم کر کے رکھ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس تحریک کے مبلغ مراٹھی سنتوں کی طویل فہرست میں جہاں چاروں صنفوں کے افراد کے نام مل جاتے ہیں وہیں متعدد مسلمان صوفیوں کے اسمائے گرامی بھی نظر آتے ہیں۔

مراٹھی کے سب سے پہلے مسلمان سنت شاعر کی حیثیت سے شاہ منتوجی برہمنی کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے جو "مرتیونجے" کے لقب سے پہچانے جاتے ہیں۔ مراٹھی ادب کے بیشتر مورخین اس بات پر متفق دکھائی دیتے ہیں کہ مرتیونجے سنت ایکناتھ (۱۵۴۸ - ۱۵۹۹ء) کے ہمعصر تھے۔ ان کا مزار نارائن پور میں ہے جو مرتضیٰ قادری کی درگاہ کے نام سے مشہور ہے اور جہاں ہر سال اکیسویں رمضان المبارک کو اُن کا سالانہ عرس منایا جاتا ہے۔ انھوں نے "سدّھ سنکیت پربندھ" "امرت سار" "پرکاش دیپ" "سوروپ سمادھان" "ادویت پرکاش" "جیوتدھرن" "گرو لیلا" "امرتانو بھو" اور "پنچی کرن" کے نام سے کل نو تصانیف یادگار چھوڑی ہیں ان تصانیف کے علاوہ بے شمار متفرق پد اور ابھنگ بھی ان کے نام سے منسوب کئے جاتے ہیں۔

شاہ منتوجی برہمنی کے سوا مہاراشٹر میں حسین عنبر خان، عالم خان، شیخ محمد، شیخ سلطان، شاہ مُنی، شاہ نورنگ اور شاہ حسین فقیر جیسے اور بھی کئی مسلمان سنت شاعر ہو چکے ہیں جنھوں نے مراٹھی عوام اور مراٹھی زبان و ادب کی قابلِ قدر اور یادگار خدمات انجام دی ہیں۔

کبیر کا اوتار

مراٹھی کے ان تمام مسلمان سنت شاعروں میں جن کے کلام کے نمونے کم یا زیادہ پیمانے پر دستیاب ہو چکے ہیں مقبولیت اور شہرت کے اعتبار سے شیخ محمد کا درجہ اس قدر بلند ہے کہ مراٹھی کے قدیم سنت شاعروں کی کوئی مختصر سے مختصر فہرست بھی ان کے نام کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ مراٹھی عوام میں کوئی ایسا فرد مشکل ہی سے مل سکتا ہے جو شیخ محمد کو "شیخ بابا" کے نام سے جانتا نہ ہو اور اُن سے والہانہ عقیدت نہ رکھتا ہو۔ مہاراشٹر کے لوگ جس طرح ایکناتھ کو سنت گیانیشور کا اور تکارام کو سنت نام دیو کا اوتار مانتے ہیں ٹھیک اسی طرح وہ شیخ محمد کو بھی سنت کبیر داس کا اوتار سمجھتے ہیں۔ اس سلسلے میں ذیل کا قول ایک عقیدے کی حیثیت رکھتا ہے اور زبان زدِ خاص و عام ہے:

ज्ञान्याचा एका , नाम्याचा तुका आणि
कबिराचा शेख

[ایکناتھ گیانیشور کا، تکارام نام دیو کا اور شیخ محمد کبیر کا (اوتار ہیں)]

شیخ محمد کے بارے میں اُن کے کسی گمنام مدّاح کی لکھی ہوئی ایک قدیم نظم بھی کافی مشہور ہے جسے اکثر محققین نے نقل کیا ہے۔ اس نظم میں بھی شیخ محمد کو کبیر کا اوتار کہا گیا ہے۔

" شیخ محمد پیر ہیں اور کبیر کا اوتار ہیں۔ میں اُن

بدیع الزماں خاور

ڈھنگر کوارٹرس، مندن گڑھ روڈ، پوسٹ آفس داپولی، ضلع رتناگیری

کے حالات کیا سناؤں؟ ان کی لیلائیں تو بہت ہی مشہور ہیں اور ایک دنیا ان کے روحانی کمالات کی معترف ہے۔ بڑے بڑے سادھو سنتوں نے بھی اُن کے گن گائے ہیں۔"

شیخ محمد کے شاگردوں میں دیال داس دیونگ اور رگھوناتھ یوگی جیسے ہندوؤں کے نام بھی ملتے ہیں اور اعظم شاہ جیسے مسلمانوں کے بھی۔ ان کے کم و بیش تمام معروف اور غیر معروف شاگردوں نے ان کی تعریف میں نظمیں لکھ کر انھیں "گیان ساگر" قرار دیا ہے اور نہایت عزت اور احترام کے ساتھ ان کے روحانی فیوض و برکات کا بیان کیا ہے۔ ان کے شاگردوں کے علاوہ اکبر شاہ، بالا شاہ اور برہان شاہ جیسے مسلمان صوفیوں اور جے رام سوامی اور رام داس جیسے ہندو سنتوں نے بھی ان کے قصیدے اور ان کی آرتیاں لکھ کر ان کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ اٹھارویں صدی کے مشہور پنڈت کوی مورو پنت (۱۷۲۹-۱۷۹۴ء) نے بھی اپنی ایک نظم میں شیخ محمد کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ عہدِ حاضر کے کچھ مراٹھی عالموں نے بھی ان کی شاعری کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے اور انھیں "مسلمان تکارام" کہہ کر ان کی تعریف کی ہے۔ ان سب باتوں کی روشنی میں پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ شیخ محمد مراٹھی کے ایک عظیم اور غیر معمولی سنت شاعر تھے۔

شیخ محمد کا زمانہ

شیخ محمد نے کافی طویل عمر پائی تھی۔ وہ ۱۵۵۵ء کے آس پاس پیدا ہوئے اور ۱۶۶۰ء کے قریب انتقال فرما گئے۔ سنت ایکناتھ کے سمادھی لینے تک شیخ محمد تقریباً چالیس پینتالیس کے سن کو پہنچ چکے تھے۔ مگر اس وقت تک مراٹھی سنت شاعر کی حیثیت سے وہ مشہور نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے ان کو ایکناتھ کا ہم عصر نہیں کہا جا سکتا۔ وہ صحیح معنوں میں سنت تکارام مہاراج (۱۶۰۸-۱۶۴۹ء) کے ہم عصر تھے۔ مراٹھی سنت شاعر کی حیثیت سے شیخ محمد اور تکارام مہاراج کی شہرت کا زمانہ بالکل ایک ہی ہے۔ تکارام مہاراج سے متعلق مختلف سوانحی داستانوں میں شیخ محمد کا نام ملتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہی ہے کہ جس وقت دیہو میں تکارام مہاراج کے نام کی دھوم مچی ہوئی تھی، ٹھیک اُسی وقت شری گوندہ میں شیخ محمد کا طوطی بول رہا تھا۔ جب چھترپتی شیواجی مہاراج کے سیاسی عروج کا آفتاب طلوع ہو رہا تھا، اُس وقت تکارام مہاراج اور شیخ محمد کی شہرت کا سورج نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ سنت رام داس (۱۶۰۸-۱۶۸۱ء) ان دونوں کے بعد مشہور ہوئے۔ چونکہ شیخ محمد تکارام مہاراج کے بعد بھی دس گیارہ سال تک زندہ رہے اور اس دوران بھی اُن کا ابھنگ اور اوویاں لکھنے کا سلسلہ جاری تھا اس لئے ان کو سنت رام داس کا بھی ہم عصر سمجھنا چاہیے۔

حالاتِ زندگی

شیخ محمد اپنے دور میں سنت تکارام مہاراج اور سنت رام داس سے کچھ کم مشہور نہیں تھے۔ اس کے باوجود ان کے مفصل اور مستند حالاتِ زندگی ہم تک پہنچ نہیں پائے ہیں، یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔ ہماری اس محرومی کی ایک وجہ غالباً یہ بھی ہو سکتی ہے کہ شیخ محمد کی چھترپتی شیواجی مہاراج تک رسائی نہیں ہوئی تھی۔ ورنہ عین ممکن تھا کہ یعقوب بابا کی طرح شیخ بابا کے سوانح حیات جاننے کے سلسلے میں بھی ہمیں بہت سی تاریخی سہولتیں فراہم ہوئی ہوتیں۔

بہرطور یہ مہاراشٹر کی خوش قسمتی ہے کہ شیخ محمد کے بے شمار ابھنگ اور اُن کی اَن گنت اوویاں نہ صرف مراٹھی عوام کے سینوں میں آج بھی تازہ ہیں بلکہ ان کا کم و بیش سارا مراٹھی کلام دستبردِ زمانہ سے محفوظ رہا ہے اور اس کا ایک بڑا حصہ کتابی شکل میں شائع بھی کیا جا چکا ہے اور کچھ قدیم خاندانی تذکرہ نگاروں کے قلمی شہ پارے بھی محققین کے ہاتھ آئے ہیں جن کی روشنی میں ہم مراٹھی کے اس عظیم سنت شاعر کی حیات اور تعلیمات سے بڑی حد تک مستفیض ہو سکتے ہیں۔

شیخ محمد کے مختلف اشعار کی روشنی میں ان کے جو حالات سامنے آئے ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا نام سید محمد قادری تھا۔ ان کے والد کا نام راج محمد اور ان کی والدہ کا نام پھلائی تھا۔ ان کے والد راج محمد جن کو بعض محققین نے راجے محمد بھی لکھا ہے، ضلع بیڑ کے دھارور نامی قصبے میں رہا کرتے تھے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ قصبہ دھارور کے حوالدار تھے اور وہیں مدفون ہیں۔ شیخ محمد نے اپنے ایک شعر میں دھارور کو اپنا مولد کہا ہے۔ لہٰذا ہمارے لئے یہ تسلیم کرنے میں کسی تردد کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ شیخ محمد دھارور میں پیدا ہوئے تھے۔ البتہ ان کی پیدائش کا صحیح سال ابھی دریافت نہیں ہو سکا ہے۔

شیخ محمد نے ۱۵۹۵ء میں شری گوندہ (ضلع احمد نگر) میں جا کر وہاں مستقل سکونت اختیار کی تھی۔ اُس وقت ان کی عمر چالیس سال کے قریب تھی اس لئے قیاس غالب ہے کہ وہ ۱۵۵۵ء میں یا اس کے آس پاس پیدا ہوئے ہوں گے۔

شیخ محمد کی پیدائش کے وقت دولت آباد کے نواح میں ایک بڑے پایے کے بزرگ رہا کرتے تھے۔ اُن کا اصلی نام تو سید چاند صاحب قادری تھا مگر مہاراشٹر میں وہ چاند بودھلے کے نام سے مشہور ہیں۔ خود شیخ محمد نے بھی اپنے اُن تمام اشعار میں جو انہوں نے اپنے روحانی پیشوا کی تعریف میں لکھے ہیں، اپنے گرو کا نام چاند بودھلے ہی بتایا ہے۔ دولت آباد کے دامن میں ان کا مزار آج بھی موجود ہے۔ ایک روایت کے مطابق شیخ محمد کے والد خود بھی سلسلۂ قادریہ کے ایک مشہور صوفی تھے اور چاند بودھلے انہیں کے مرید تھے

اس لئے اُنھوں نے شیخ محمد کو بچپن ہی سے چاند بودھلے کی تربیت اور نگرانی میں رکھنے کا انتظام کیا تھا۔

شیخ محمد شری گوندہ میں اقامت پذیر ہونے کے بعد نصف صدی سے بھی زیادہ عرصے تک زندہ رہے۔ ایک مراٹھی سنت شاعر کی حیثیت سے ان کی شہرت کا آغاز وہیں سے ہوا اور وہیں رہ کر انھوں نے مراٹھی زبان میں اپنے صوفیانہ افکار و خیالات کی اشاعت کا کام کیا۔ انھوں نے ۱۶۶۰ء میں وفات پائی۔ شری گوندہ میں ان کا مزار آج بھی زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ شری گوندہ سے اسی نسبت کے باعث وہ شیخ محمد شری گوندیکر بھی کہلاتے ہیں۔

شیخ محمد خاندانی زندگی کے قائل تھے۔ اُن کی رفیقۂ حیات کا مقبرہ ان کے مزار کے پہلو ہی میں واقع ہے۔ ان کے وارثوں میں داول جی (عرف لاڈجی)، حکیم جی، بالا بابا، حفیظ بابا اور ملنگ بابا وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔ ان میں سے داول جی اور حکیم جی دونوں مراٹھی میں شعرگوئی کا ملکہ رکھتے تھے۔ شیخ محمد پر ان کی لکھی ہوئی جو آرتیاں دستیاب ہوئی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ داول جی شیخ محمد کے صاحبزادے اور حکیم جی شیخ محمد کے پوتے تھے۔

مراٹھی تصانیف

گو کہ شیخ محمد کے نام سے کچھ ہندی اشعار بھی منسوب کئے جاتے ہیں مگر وہ بنیادی طور پر مراٹھی ہی کے ایک مسلم الثبوت سنت شاعر تھے۔ وزن و وقار کے اعتبار سے ان کے اشعار کو مراٹھی ادب میں نہایت بلند مقام حاصل ہے اور ان کی تصانیف کو بڑی قدر اور عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

ان کی مراٹھی تصانیف میں "یوگ سنگرام" (سالِ تصنیف ۱۶۴۵ء) سب سے زیادہ ضخیم اور سب سے زیادہ مشہور ہے۔ تقریباً ڈھائی ہزار اوویوں پر مشتمل ان کی یہ تصنیف روحانیت کے موضوع پر ایک شاہکار کا درجہ رکھتی ہے۔

شیخ محمد کی دوسری مراٹھی تصانیف میں "پَون وجے" اور "نِش کلنک بودھ" خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں سے "پَون وجے" تین ابواب پر مشتمل ہے اور اس کا تیسرا باب نامکمل صورت میں دستیاب ہوا ہے۔ اس کتاب کی اوویوں کی مجموعی تعداد پانچ سو کے قریب ہے۔ "نِش کلنک بودھ" کی اوویوں کی تعداد تین سو ہے۔

ان تصانیف کے علاوہ شیخ محمد نے چند بھارُوڈ بھی لکھے ہیں، اور ڈھائی سو سے زیادہ متفرق ابھنگ یادگار چھوڑے ہیں۔

شیخ محمد نے اپنے خیالات کے اظہار کے لئے جو زبان استعمال کی ہے وہ بڑی عام فہم ہے اور اسے صحیح معنوں میں اُس دور کی عوامی زبان کہا جا سکتا ہے۔ زبان کی سلاست، سادگی اور روانی کے اعتبار سے شیخ محمد سنت رام داس کے پیش رو معلوم ہوتے ہیں۔ اُنہوں نے مراٹھی کے عام محاوروں اور سنسکرت کہاوتوں کے مراٹھی ترجموں کو بھی اپنے اشعار میں بڑی چابکدستی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ انھوں نے پُرانوں کی مختلف کتھاؤں کو بھی ان کے عوامی روپ میں ہی اخذ کیا ہے ان کے عقیدت مندوں میں ہر ذات اور ہر طبقے کے افراد شامل تھے اور ان کے ابھنگ اور ان کی اوویوں پر تمام لوگ جان چھڑکتے تھے۔ ان کی اس بے پناہ مقبولیت کا راز اُن کی تعلیمات ہی کی طرح اُن کی اس زبان میں بھی پوشیدہ ہے جسے انہوں نے اپنی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ بنایا تھا۔

شیخ محمد کی تعلیمات

شیخ محمد صوفی بھی تھے اور سادھو بھی۔ مہاراشٹر کے سنتوں میں ان کی ذات کو تصوّف اور ویدانت کا سب سے بڑا سنگم کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ انہوں نے قرآن کے ساتھ ساتھ پُرانوں کا بھی عمیق مطالعہ کیا تھا اور وہ اسلام کے شانہ بہ شانہ ہندو فلسفے سے بھی متاثر تھے۔ انھوں نے گیانیشور اور ایکناتھ جیسے مشہور مراٹھی سنتوں کی تعلیمات کا بھی گہرا اثر قبول کیا تھا۔ وہ "گیتا" اور "گیانیشوری" کا دل سے احترام کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے متعدد اشعار میں پنڈھرپور کے وِٹھوبا کا بڑی عقیدت کے ساتھ ذکر کیا ہے اور جا بجا گیتا کے حوالے پیش کئے ہیں۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ پنڈھرپور کی زیارت بھی کرتے تھے اور ایکادشی کے دن اُپواس بھی رکھتے تھے۔

ہندو دھرم گرنتھوں اور ہندو سنتوں کی تعلیمات سے متاثر ہونے اور "ہندو سنت بانی" اختیار کر لینے کے باعث مسلمان شروع میں ان کو کافر سمجھتے تھے تو وہ نسلاً مسلمان ہونے کی وجہ سے ہندو ان پر بھروسہ نہیں رکھتے تھے۔ اس صورتِ حال نے شیخ محمد کو بڑے کرب میں مبتلا کر دیا تھا۔ انہوں نے "یوگ سنگرام" میں مختلف مقامات پر اپنی اس بے چینی کا اظہار کرتے ہوئے بتایا ہے کہ "روحانیت میں ذات پات کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس لئے خدا جس کو (روحانی علم سے) نوازتا ہے، لوگوں کو اس کا حسب نسب نہیں دیکھنا چاہیئے۔" اپنے اس بیان کی تصدیق کے لئے انہوں نے مختلف مذہبی قصّے بھی "یوگ سنگرام" میں پیش کئے ہیں۔

رفتہ رفتہ لوگ جب شیخ محمد کی تعلیمات کو سمجھنے لگے تو کوئی اُن کا مخالف نہیں رہا۔ مسلمان ان کو اپنا صوفی اور ہندو اپنا سادھو ماننے لگے۔ ان کی شہرت دور دور تک پہنچتی چلی گئی اور سارے مہاراشٹر کے لئے شیخ محمد کا نام ایک مقدس نام بن گیا۔

شیخ محمد ایک طرف ہندوؤں کے باہمی بھید بھاؤ اور چھوت چھات سے نالاں تھے تو دوسری جانب وہ مسلمانوں کے کٹرپن اور ان کی انتہا پسندی کے بھی شاکی تھے۔ وہ تمام انسانوں کو صلح کل کے راستے پر گامزن دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ سماج کے غلط رسم و رواج اور توہم پرستی کے بھی سخت خلاف تھے۔

اور جہالت اور اندھی تقلید سے ان کو شدید نفرت تھی۔ انہوں نے انسان کے سکون و اطمینان اور اس کی نجات کے لئے علم، عبادت، غور و فکر اور عمل صالح کو ضروری قرار دیا ہے، اور اپنے ایک شعر میں خدا کی محبت کو ماں کی محبت سے بھی عظیم کہا ہے۔ اُن کی تعلیمات رواداری، اخوت، حُسنِ اخلاق، مساوات، ہمدردی اور وسیع النظری کا بہترین نمونہ ہیں۔

مہاراشٹر کے اکثر دوسرے صوفیوں کی طرح شیخ محمد کو بھی لوگ ولی اور مہاتما مانتے ہیں اور ان کی کرامات کے بارے میں بھی کچھ قصّے مشہور ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک بار وہ اپنے کسی عقیدت مند سادھو کو شیر کے روپ میں دکھائی دیئے تھے اور جب وہ سادھو شیر سے بغلگیر ہوا تھا تب اُسے شیخ محمد اپنی اصلی شکل میں نظر آئے تھے۔ بہرحال اس قسم کے فرضی یا حقیقی قصے شیخ محمد کے نام سے منسوب نہ ہوتے تب بھی ہمارے لئے اُن کو ولی اور مہاتما تسلیم کرنا لازمی تھا کیونکہ اُنکا یہ چمتکار بھی کچھ معمولی نہیں ہے کہ وہ بیک وقت مسلمانوں کیلئے مصلح قوم تھے تو ہندوؤں کے لئے سماج سُدھارک کا درجہ رکھتے تھے۔ اُن کے ابھنگوں اور ان کی اوویوں کے اصلاحی پہلوؤں کا اگر بہ غور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت خود بخود واضح ہو جائے گی کہ شیخ محمد صرف ایک صوفی، ایک سنت یا ایک شاعر ہی نہیں بلکہ مہاراشٹر کی تہذیبی تاریخ کے ایک بہت بڑے معمار بھی تھے۔

ہم مراٹھی لوگوں کو اپنے خدا کا، اپنے دیش کا شکرگذار ہونا چاہیے کہ شیخ محمد ہماری سرزمین پر پیدا ہوئے تھے اور ہماری ہی سرزمین میں مدفون ہیں مگر شکرگذاری کے لئے بھی تو ہمارے دلوں میں جذبۂ عبادت کا ہونا ضروری ہے ورنہ شیخ محمد یہ ابھنگ کیوں لکھتے :

یہ خورشید و مہتاب اور یہ ستارے
چراغ آسماں میں ہیں ضوپاش اُس کے
بڑا ہے یہ بندوں پہ احسان خدا کا
کہ ہم کو میسر ہے سامان ضیا کا
جو اُس کے کرم کا نہیں شکر کرتے
جو اُس کے کہے پر نہیں کان دھرتے
گناہوں میں انسان جو مبتلا ہیں
وہ احسان فراموش ہیں اور کیا ہیں

٭

کسی کے لیۓ اک چٹائی بچھا کر
جتاتا ہے احسان کوئی زندگی بھر
مگر جس خدا نے زمیں کو بنایا
یہ اتنا بڑا فرش جس نے بچھایا
ہے بھولا ہوا آدمی اُس خدا کو
سمجھتا ہے بے سود اُسکی ثنا کو
یہ انسان کی ہے جہالت سراسر
حماقت نہیں ہے کوئی اس سے بڑھ کر

٭

بنا دے جو پنڈال کوئی کسی کا
تو ہوتا ہے احسان یہ بھی کسی کا
سروں پر مگر جن کے یہ آسماں ہے
خدا کا بنایا ہوا سائباں ہے
خدا سے وہ انسان غافل ہیں اتنے
گناہوں کی جانب وہ مائل ہیں اتنے
کہ اپنے خدا کو نہیں یاد کرتے
خدا کے کہے پر نہیں کان دھرتے

٭

محمد کہے : اے خدا تو بڑا ہے
ترے ہی لیۓ ساری حمد و ثنا ہے
تری شکل و صورت بتائے زباں کیا
کرے تیرے اوصاف کوئی بیاں کیا
ہمیں جو دیا ہے وہ تو نے دیا ہے
بڑا ہم پہ احسان تو نے کیا ہے
کوئی تیرے گن عمر بھر چاہے گائے
ترا شکر پھر بھی ادا کر نہ پائے ■■

[منظوم ترجمہ. بدیع الزماں خاور]

غزل

جو بھی چہرا ہے وہ بجھتی ہوئی مشعل کی طرح
شہر بے نور ہوا جاتا ہے جنگل کی طرح

ڈوبتا چاند ستاروں کے حسیں میلے ہیں
لگ رہا ہے تری کھوئی ہوئی پایل کی طرح

ایسا اک دور بھی آئے گا ضرور آئے گا
لوگ سونے کو بھی دیکھیں گے تو پیتل کی طرح

ہم نے دیکھی ہے چناروں سے پگھلتی ہوئی برف
اس کے شانوں سے ڈھلکتے ہوئے آنچل کی طرح

دوستو جسم کو جی بھر کے اذیت دے لو
روح کانٹوں پہ نہ کھینچو مری ململ کی طرح

پیاسی آنکھوں نے تجھے دیکھ کے محسوس کیا
قحط میں جھوم کے آئے ہوئے بادل کی طرح

عقل خوابوں کے جزیرے میں گرفتار رہی
وقت ہر دور میں چیخا کیا پاگل کی طرح

قاتلو مرے ارادوں پہ بھروسہ رکھنا
وقت آجائے تو جل جاؤں گا مشعل کی طرح

ایسے کچھ سانپ بھی اس دشت میں پھرتے ہونگے
جو سمجھتے ہیں ترے جسم کو صندل کی طرح

اس کو تسنیم بھلاتا ہوں تو یاد آتا ہے
وہ مجھے بھول گیا بیتے ہوئے کل کی طرح

تسنیم فاروقی

رمضان اور عید کیلئے رعائتیں

حکومت مہاراشٹر نے رمضان اور عید الفطر کے لئے بمبئی دکانات اور کارخانہ جات ایکٹ ۱۹۴۸ء کے بعض قوانین میں نرمی کر دی ہے جس کے تحت مٹھائی کی دکانیں، ہوٹلیں اور طعام خانے ۱۷ ستمبر سے ۷ اکتوبر ۱۹۷۵ء تک، اور کپڑے، جوتے، ٹوپیاں، کنڈری، اسٹیشنری، عطر، کوسمیٹک، ہیر کٹنگ سیلون اور ٹیلرنگ دکانیں ۱۷ ستمبر سے ۷ اکتوبر ۱۹۷۵ء کے دوران آدھی رات تک کھلی رہ سکتی ہیں۔

حکومت مہاراشٹر نے رمضان کے مہینے میں مسجدوں میں مغرب کی نماز کے بعد صرف نمازیوں کو غیر اجناس غذا پیش کرنے کی اجازت دے دی ہے لیکن اس غذا کی مقدار تین سے زائد نہیں ہونی چاہئیں۔ غیر اجناس غذا سے مراد وہ چیزیں ہیں جن میں چاول، گیہوں، باجری، جوار اور جلو کا استعمال نہیں ہوتا ہے۔ میدے کی بنی ہوئی ڈبل روٹی کی البتہ اجازت ہے۔

سرکاری وظیفے

حکومت مہاراشٹر نے شیواجی پریپریٹری ملٹری اسکول، پونا میں فی وظیفہ ۱۰۰۰ روپے مالیت کے دو وظائف برائے سال ۱۹۷۵-۷۶ء اور ۱۹۷۶-۷۷ء شری تاوڑے کند رگھوناتھ اور شری بھگوت پرتاپ پرجاکر کو دئے ہیں۔

سیلز ٹیکس انکوائری کمیٹی سوالنامہ

۳۰ ستمبر سے قبل سوالنامے کے جوابات مطلوب

حکومت مہاراشٹر کی جانب سے قائم کردہ سیلز ٹیکس انکوائری کمیٹی نے تجارت و صنعت نیز دیگر متعلقہ دلچسپی رکھنے والے افراد سے، مناسب سیلز ٹیکس طریقے پر اور سیلز ٹیکس قانون کے ڈھانچے و انتظامیہ پر جس میں شری ایس۔ ڈی۔ کلکرنی، ممبر سکریٹری کی جانب سے تیار کردہ طریقہ بھی شامل ہے، تجاویز حاصل کرنے کے لئے سوالنامہ جاری کیا ہے۔

دلچسپی رکھنے والے افراد سے گزارش ہے کہ وہ سوالنامے کی کاپیاں، انگریزی یا مراٹھی میں ممبر سکریٹری، وکری کر بھون، چھتّامالہ، مجگاؤں، بمبئی ۱۰ سے حاصل کرلیں اور ۳۰ ستمبر ۱۹۷۵ء سے قبل جوابات بھیج دیں۔

چھوٹی بچت ایجنٹوں کی حوصلہ افزائی

حکومت مہاراشٹر نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ چھوٹی بچت کے مقررہ ایجنٹوں کے ادارہ کی جانب سے بمبئی عظمیٰ میں چھوٹی بچت کی خاص مہم کے دوران اس مد میں زیادہ سے زیادہ رقم اکٹھا کرنے والے مقررہ ایجنٹوں کی حوصلہ افزائی کے لئے انعامات دئے جائیں۔

حوصلہ افزائی انعامات کی اس اسکیم کے تحت ۱۰ انعامات ۵۰,۰۰۰ روپے اور اس سے زیادہ رقم اکٹھا کرنے والے ایجنٹوں کو اور ۲۵ انعامات ۵۰۰۰ روپے سے ۵۰,۰۰۰ روپیوں تک رقم اکٹھا کرنے والے ایجنٹوں کو دئے جائیں گے۔

یہ مہم یکم ستمبر سے شروع ہو چکی ہے اور ستمبر کے اواخر میں ختم ہوگی۔

پروجیکٹ سے متاثرہ افراد کی بحالی

تجاویز مطلوب

مہاراشٹر لیجسلیچر سکریٹریٹ نے پروجیکٹ سے متاثرہ افراد کی بحالی کے مہاراشٹر بل ۱۹۷۵ء سے متعلق عوام سے تجاویز طلب کی ہیں۔

ایسے افراد کی جن کی اراضی پروجیکٹ کے لئے لی گئی ہے، بحالی کے لئے یہ بل مہاراشٹر قانون ساز اسمبلی کے دونوں ایوانوں کی مشترکہ کمیٹی کے سپرد کیا گیا ہے۔

یادداشت کی شکل میں تجاویز کی تین کاپیاں شری ایم۔ جی۔ رانے، انڈر سکریٹری، مہاراشٹر لیجسلیچر سکریٹریٹ، کونسل ہال، بمبئی ۴۰۰۰۳۹ کے نام ۳۰ ستمبر سے قبل بھیجی جاسکتی ہیں۔

بل کی کاپیاں اشاعت کے بعد منیجر آف پبلیکیشنز، ڈائرکٹوریٹ آف گورنمنٹ پرنٹنگ اینڈ پبلیکیشنز، نیتاجی سبھاش روڈ، بمبئی ۴۰۰۰۰۴ سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

ناندیڑ پانی فراہمی اسکیم

حکومت مہاراشٹر نے ناندیڑ پانی فراہمی اسکیم کی

توسیع کے لئے منصوبہ اور تخمینہ جات ۲۰،۳۱،۲۵۶ روپے کے لئے انتظامی منظوری دے دی ہے، نیز کل خرچ کے ۲۳½ فیصدی کے برابر یعنی ۴،۷۳،۹۶۰ روپے کی امداد دینے کی منظوری بھی دیدی ہے۔

بہار کے سیلاب زدگان کے لئے دل کھول کر امداد کیجئے! چیریٹی کمشنر کی اپیل

مہاراشٹر کے چیریٹی کمشنر نے ریاست میں پبلک ٹرسٹوں سے اپیل کی ہے کہ بہار کے سیلاب زدگان کی امداد و بحالی کے لئے دل کھول کر چندہ دیں۔

کمشنر کی اپیل کا متن حسب ذیل ہے۔

"جیسا کہ لوگ جانتے ہیں شہر پٹنہ اور بہار کے کئی اضلاع میں مواضع جات گنگا اور سون کے سیلاب سے متاثر ہوئے ہیں۔ زبردست جانی و مالی نقصان ہوا ہے۔ ضلع پٹنہ اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں میں ہزاروں افراد اپنا سب کچھ کھو بیٹھے ہیں۔ لہٰذا یہ ہمارا اولین فرض ہے کہ ایسے موقع پر اٹھ کھڑے ہوں اور فراخ دلی سے چندہ دیں اور مصیبت زدہ لوگوں کی بحالی میں ہاتھ بٹائیں۔

سرکاری اور عوامی جماعتوں نیز خیراتی اداروں نے متاثرہ علاقوں کے لئے امداد دینا شروع کردی ہے لیکن نقصان اس قدر ہوا ہے کہ اس کے لئے بہت بڑی رقم درکار ہے۔ مختلف مقاصد کے حامل پبلک ٹرسٹ اس موقع پر اپنا فرض ادا کرسکتے ہیں۔

لہٰذا میں ریاست میں پبلک ٹرسٹ کے تمام ٹرسٹیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ٹرسٹ کے مقاصد کے مطابق جہاں تک گنجائش ہو سیلاب زدگان کی امداد کریں۔ اس سلسلہ میں چیف منسٹرز "فلڈ ریلیف فنڈ" کے نام پر چیک چیریٹی کمشنر، مہاراشٹر اسٹیٹ، بمبئی کو بھیجے جاسکتے ہیں۔

میں یہ امید کرتا ہوں کہ اب تک بعض پبلک ٹرسٹوں نے اپنے ٹرسٹ فنڈ میں سے کچھ نہ کچھ چندہ دے دیا ہوگا۔ ان سے گذارش ہے کہ وہ چیریٹی کمشنر کے آفس کو چندے کی رقم سے مطلع کردیں اور جن ٹرسٹیوں نے ابھی تک چندہ نہیں دیا ہے ان سے گذارش ہے کہ وہ چندہ دیں نیز اس آفس کو اس کی اطلاع دے دیں۔

ریاستی ہنگامی فنڈ

۱۲ کروڑ روپے

گورنر مہاراشٹر نے ایک آرڈی ننس جاری کیا ہے جس کی رو سے ریاستی ہنگامی فنڈ کی حد بڑھا کر بارہ کروڑ روپے مقرر کردی گئی ہے۔

یہ آرڈی ننس بمبئی ہنگامی فنڈ (ترمیم) آرڈی ننس ۱۹۷۵ء کے نام سے مہاراشٹر سرکار کے غیر معمولی گزٹ مورخہ ۳۰ اگست ۱۹۷۵ء کے حصہ چہارم میں شائع کردیا ہے۔

ریڈیو اور ٹی۔ وی۔ لائسنسوں کے بارے میں ایک آگاہی

انڈین ٹیلی گراف ایکٹ کے تحت بغیر لائسنس کا ریڈیو یا ٹیلی ویژن سیٹ رکھنا جرم ہے۔ لہٰذا ریڈیو یا ٹیلیویژن رکھنے والے افراد کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ اگر ان کے پاس لائسنس نہیں ہے تو وہ نیا لائسنس حاصل کریں یا اگر لائسنس کی مدت ختم ہو گئی ہے تو اس کی تجدید کرالیں۔ دوسری صورت میں حکومت کی جانب سے سخت کارروائی کی جائے گی۔

ہر لائسنس جو کینسل نہیں ہوا ہے اس کی تجدید کرانی ضروری ہے۔ اگر ریڈیو یا ٹیلیویژن سیٹ چوری ہوگیا ہے یا مستقل طور سے خراب ہوگیا ہے تو ایسے سیٹوں کے لائسنس کینسل کرالینے چاہئیں۔

مزید تفصیل کے لئے ریڈیو یا ٹیلی ویژن رکھنے والے افراد اپنے قریبی ڈاکخانے سے یا پوسٹ ماسٹر جنرل، مہاراشٹر سرکل، بمبئی ۴۰۰۰۰۱ سے رابطہ قائم کرسکتے ہیں۔

وزیراعلیٰ شری شنکر راؤ چوہان کے ہاتھوں یکم ستمبر ۱۹۷۵ء کو حکومت مہاراشٹر کے محکمۂ پولس کی جانب سے شائع ہونے والے ماہنامے "دکشتا" کے نئے سال کے پہلے شمارہ کا اجراء عمل میں آیا۔ اس موقع پر لی گئی تصویر۔

ریاستی گنا کمیٹی کی دوبارہ تشکیل

حکومت مہاراشٹر نے وزیر زراعت کے زیر صدارت ریاستی گنا کمیٹی کی از سر نو تشکیل کی ہے۔ وزیر مملکت برائے زراعت اس کمیٹی کے نائب صدر ہوں گے۔

کمیٹی کے دیگر ممبران یہ ہیں : جوائنٹ ڈائرکٹر، زراعت (Horticulture) ؛ ڈائرکٹر شکر، مہاراشٹر اسٹیٹ، پونا ؛ چیف شگر کین ڈیولپمنٹ آفیسر اس کمیٹی کے سکریٹری ہوں گے۔ کمیٹی کے غیر سرکاری ممبران مندرجہ ذیل ہیں :

ڈاکٹر ایس۔ جے۔ رندیوے، ماہر گنا، پاڈیگاؤں، ضلع ستارا ؛ شری وی۔ ایس۔ شندے، ایکزیکیوٹیو ڈائرکٹر، شیتکری ساہکاری سنگھ لمیٹڈ، کولہاپور ؛ شری وی۔ آر۔ دیشمکھ، پارلی ویجناتھ، ضلع بیڑ ؛ شری پی۔ ڈی۔ پاٹل، سٹانہ، ضلع ناسک، شری ایس۔ کے۔ ڈودگے، ڈین، مہاتما پھلے کرشی ودیاپیٹھ، راہوری، ضلع احمد نگر ؛ شری بالا صاحب وکھے پاٹل، ایم۔ پی۔ احمد نگر ؛ شری شنکر راؤ کولھے، ایم۔ ایل۔ اے، کوپرگاؤں ؛ شری شنکر راؤ موہیتے پاٹل، صدر، مہاراشٹر راجیہ ساہکاری ساکھر کارکھانہ سنگھ، بمبئی ؛ شری ڈی۔ جی۔ پوار، بی۔ ایس سی۔ (زراعت)، بارامتی ضلع پونا ؛ شری گجانند راؤ آر۔ بوراڈکے، سسوڈ۔ مالی، ساہکاری ساکھر کارکھانہ لمیٹیڈ، مالی نگر، ضلع شولاپور ؛ شری جیونت راؤ کے۔ بھوسلے، کرشنا ساہکاری ساکھر کارکھانہ لمیٹیڈ، ریٹھارے بزرگ، کراڈ تعلقہ، ضلع ستارا اور شری وشنو پنت پاٹل، ڈائرکٹر، سانگلی شیتکری ساہکاری ساکھر کارکھانہ لمیٹڈ، سانگلی۔

غیر سرکاری ممبران کی مدت کار تین سال ہوگی۔ کمیٹی کا اجلاس سال میں کم از کم دو بار ہوگا۔

خوراکی بھتہ بڑھا دیا گیا

حکومت مہاراشٹر نے ستارا سینک اسکول میں تعلیم حاصل کرنے والے لڑکوں کے خوراکی بھتہ کی شرح ۲ء۷۵ روپے کی بجائے ۴ روپے روزانہ کردی ہے۔ اسی طرح یہ رعایت مہاراشٹر کے ان طلبہ کو بھی دی گئی ہے جو کورو کونڈہ، آندھرا پردیش کے سینک اسکولوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

یکم اکتوبر ۱۹۷۴ء سے ۳۰ اپریل ۱۹۷۵ء تک کی

وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان نے ملک میں ایمرجنسی کے نفاذ سے متعلق شری ایم۔ ایف۔ حسین کی تصویروں کی نمائش کا افتتاح ۲۷ اگست ۱۹۷۵ء کو جہانگیر آرٹ گیلری میں فرمایا۔ اس موقع پر وزیر اعلیٰ تقریر فرما رہے ہیں۔

مدت کے لئے ۶۸۵ روپیوں کی رقم کورو کونڈہ سینک اسکول میں زیرِ تعلیم ۲۶ مہاراشٹرین طلبہ کے خوراکی بھتہ میں اضافہ کے طور پر منظور کی گئی ہے۔

ایشیاٹک لائبریری بمبئی کو مالی اِمداد

حکومتِ مہاراشٹر نے سالِ رواں کے دوران ۵۰,۰۰۰ روپے کی سالانہ امداد کی پہلی قسط ادا کرنے کی منظوری دے دی ہے تاکہ سینٹرل لائبریری بمبئی کی ضروریات پوری کی جاسکیں۔

ڈگری تسلیم کرلی گئی

حکومتِ مہاراشٹر نے ریجنل کالج آف ایجوکیشن، میسور (ریاست کرناٹک) کی بی-اے، بی-ایڈ، ڈگری کو ریاست کی بی-اے، بی-ایڈ ڈگری کے مساوی تسلیم کرلیا ہے۔

سرکاری اور غیرسرکاری ثانوی اسکولوں میں اساتذہ کے تقرر نیز اُن کی شرح تنخواہ کے مقاصد سے یہ ڈگری تسلیم کی گئی ہے۔

وِلے پارلے ٹاؤن پلاننگ اسکیم

حکومتِ مہاراشٹر نے میونسپل کارپوریشن، بمبئی عظمیٰ کے وِلے پارلے نمبر ۴ کی ٹاؤن پلاننگ اسکیم کے مسودہ سے متعلق تمام معاملات طے کرنے کیلئے مدت ۴ جولائی ۱۹۷۵ء سے مزید ایک سال کیلئے بڑھادی ہے۔

پے اینڈ اکاؤنٹس آفس

اوقات میں تبدیلی

بمبئی عظمیٰ میں ریاستی سرکاری دفاتر کے کام کاج کے اوقات میں یکم ستمبر ۱۹۷۵ء سے تبدیلی کے مدنظر پے اینڈ اکاؤنٹس آفس، حکومت مہاراشٹر بمبئی کے پنشن اور لاٹری کی ادائیگی کے کیش کاؤنٹروں کے اوقات بدل کر روزانہ ۱۰ ½ بجے صبح سے ۲ بجے دوپہر تک کردئے گئے ہیں۔

پنشن لینے والوں اور دیگر متعلقہ افراد کو چاہئے کہ وہ اوقات میں تبدیلی کا خیال رکھیں۔

جاروب کشوں اور مہتروں کیلئے

اقل ترین اُجرت

حکومت نے کمیٹی کی سفارشات منظور کرلیں

حکومتِ مہاراشٹر نے جاروب کشوں اور مہتروں کے کام اور حالتِ ملازمت کا جائزہ لینے کی غرض سے مقررہ کمیٹی کی سفارشات پر کافی غور و خوض کرنے کے بعد انھیں منظور کرلیا ہے۔

کمیٹی نے کُل وقتی جاروب کشوں اور مہتروں کیلئے بمبئی عظمیٰ میونسپل کارپوریشن علاقے میں کم سے کم ۲۱۵ روپے ماہانہ اور ناگپور، پونا، شولاپور اور کولہاپور میونسپل کارپوریشن کے حلقۂ اختیار کے علاوہ نیز ناگپور میونسپل کونسل اور پونا کنٹونمنٹ بورڈ کے علاقہ میں ۲۰۵ روپے ماہانہ شرح اُجرت کی سفارش کی ہے۔

کمیٹی کی دیگر سفارشات یہ ہیں: ۷ گھنٹے کام کے اوقات، زیادہ کام کے لئے علیحدہ اُجرت، ہفتہ وار چھٹی (جہاں ایک سے زیادہ مہتر یا جاروب کش کام کرتے ہوں) تہوار اور قومی تعطیلات پر باتنخواہ چھٹی، سال میں کم سے کم ۲۱ روز کی مع تنخواہ رخصت، سال میں پانچ روز کی اتفاقی چھٹیاں اور کم ازکم ۱۰ روز کی آدھی تنخواہ پر چھٹی۔

کمیٹی نے حکومت سے پُرزور سفارش کی ہے کہ ریاست کے کچھ حصوں میں اور بالخصوص مراٹھواڑہ میں سر پر فضلہ اور کچرا وغیرہ اٹھاکر لے جانے کا طریقہ ختم کردیا جائے۔ کمیٹی کی جانب سے ایسے جاروب کشوں اور مہتروں کے لئے جو نجی گھروں میں کام کرتے ہیں حسب ذیل شرح اجرت تجویز کی گئی ہے:

بمبئی میں فلش سسٹم میں دن میں ایک مرتبہ ۵ روپے فی سیٹ ماہانہ، پونا، ناگپور، کارپوریشن

مدھیہ پردیش کے وزیرِ منصوبہ بندی شری کے-پی-سنگھ نے ۲۶ اگست ۱۹۷۵ء کو سچیوالیہ میں وزیراعلیٰ شری چوان سے ملاقات کی۔ اس موقع پر لی گئی تصویر۔

اور پونا کنٹونمنٹ علاقوں میں ۴ روپے فی سیٹ ماہانہ، کولہاپور، شولاپور اور اورنگ آباد ۳ روپے فی سیٹ ماہانہ۔ نان فلش سسٹم کے لئے علاقہ وار شرح بالترتیب ۷ روپے، ۶ روپے، ۵ روپے ہے۔

کمیٹی نے یہ بھی تجویز پیش کی ہے کہ کم آمدنی والوں کے لئے تعمیر مکانات کی اسکیموں میں جاروب کشوں اور مہتروں کو بھی شامل کیا جائے۔

کمیٹی نے اس بات پر بھی زور دیا کہ شہری علاقوں میں پی۔ ڈبلیو۔ آر۔ اسکیم کے ذریعے پسماندہ طبقوں کو ملنے والی تمام سہولتیں وغیرہ جاروب کشوں اور مہتروں کو بھی فراہم کی جائیں۔

کمیٹی نے 'وسیلہ طریقے' کو جاری رکھنے کی سفارش کی تاکہ جاروب کشوں اور مہتروں کو سرکاری اور نجی اداروں اور فیکٹریوں میں اگر ضروری ہو تو بھرتی کے قوانین میں ترمیم کرکے ملازمت ایکسچینج کے ذریعے ملازمتیں دی جا سکیں۔

کمیٹی نے اعلیٰ اختیاری مشاورتی کمیٹی کی تشکیل پر زور دیا ہے تاکہ تمام تر سفارشات پر عمل کروایا جا سکے کمیٹی گاہے بگاہے مختلف علاقوں میں اپنی میٹنگ بلائے گی اور مقامی نمائندوں کو بلا کر اُن کے بیانات قلمبند کرے گی۔

راجہ دِنکر کیلکر میوزیم

مشاورتی کونسل کی تشکیل

حکومت مہاراشٹر نے چیف سکریٹری شری ڈی۔ ڈی۔ ساٹھے کی بلحاظ عہدہ زیر صدارت راجہ دنکر کیلکر میوزیم پونا کے انتظامیہ بورڈ کو میوزیم سے متعلقہ تمام معاملات میں خصوصاً اس کی توسیع کے بارے میں مشورہ دینے کی غرض سے مشاورتی کونسل قائم کی ہے۔

بورڈ کے دیگر ممبران یہ ہیں: شری ایس۔ ایل۔ کرلوسکر، شری دی۔ ایس۔ ویدیا، شری آر۔ کے۔ بجاج، شری بی۔ ڈی۔ گروارے، شری ایم۔ ایس۔ پارکھی (یہ سب حضرات پونا کے ہیں)؛ شری نسلی واڈیا، شری مدن موہن روئیا، شری کے۔ سی۔ شراف اور شری جے۔ جے۔ بھابھا (یہ سب بمبئی کے ہیں)۔

شری ڈی۔ جی۔ کیلکر ممبر سکریٹری ہوں گے۔

کونسل کی مدت کار پانچ سال ہوگی۔

بورڈ کے انتظامیہ کے ممبران معاہدہ کے تحت اپنے اختیارات و فرائض انجام دیں گے۔

صنعتی تنازعہ

اینگلو امریکن میرین کمپنی لمیٹیڈ، بمبئی اور ان کے ملازمین کے مابین عام مطالبات یعنی مہنگائی بھتہ، رخصت اور سفری بھتہ سے متعلق صنعتی تنازعہ حکومت مہاراشٹر نے تصفیہ کی غرض سے شری پی۔ ایس۔ مالونکر کی صنعتی عدالت کے سپرد کر دیا ہے۔

نجی جنگلات حصولی ایکٹ

۳۰ اگست سے لاگو

مہاراشٹر نجی جنگلات (حصول) ایکٹ ۱۹۷۵ء ۳۰ اگست ۱۹۷۵ء سے لاگو کیا گیا ہے۔ صدر ہند کی جانب سے اس ایکٹ کو منظوری دی جا چکی ہے۔

اس ایکٹ کی رو سے مہاراشٹر میں نجی جنگلات حاصل کرکے ان کی حفاظت کی جائیگی نیز ایسے جنگلاتی علاقوں میں آباد دیہی باشندوں اور خاص طور پر ادیباسیوں اور دیگر پسماندہ طبقوں کی سماجی اور معاشی حالت سدھارنے میں مدد ملے گی۔

'۲۰ نکاتی پروگرام پر عملدرآمد' سے متعلق سیمینار کا افتتاح ۲۹ اگست ۱۹۷۵ء کو وزیر مالیات شری ایم۔ ڈی۔ چودھری نے کیا۔

وزیراعظم کو ضبط شدہ نظموں کا مجموعہ پیش کیا گیا!

وہ نظمیں اور گیت جنھوں نے ہندوستانی عوام کو برطانوی اقتدار سے آزادی کی تحریک کے لئے گرمایا اور جنھیں غیر ملکی حکومت نے اُنہی دنوں ضبط کرلیا تھا، اب پرانے ریکارڈ سے فراہم کرلی گئی ہیں۔ تقریباً ایک سو اسی نظموں کا ایک مجموعہ جو "ضبط شدہ نظمیں" کے عنوان سے شائع ہوا ہے مرکزی وزیر فولاد شری چندرجیت یادو نے ۲۹ اگست کو وزیراعظم کو پیش کیا۔

ان نظموں میں حب الوطنی، سماجی انقلاب اور گاندھی۔ نہرو قیادت کے زیرسایہ سوشلسٹ طرز کے سماج کی تعمیر جیسے عنوانات پر شعراء نے طبع آزمائی کی ہے۔ ابتداء ہی سے تمام شعراء کو سورگیہ نہرو کی شخصیت انتہائی محبوب تھی اور انھیں "قوم کا بادشاہ" تصور کیا جاتا تھا۔ جلیانوالہ باغ کے المیہ اور بھگت سنگھ کی شہادت جیسے واقعات سے متاثر ہوکر چند یادگار نظمیں تخلیق کی گئیں۔ ان میں رام پرشاد بسمل، حسرت موہانی، اشفاق اللہ خاں، برج نرائن چکبست، مہاراج بہادر برق، جوش، گورکھ سنگھ، جمیل مظہری وغیرہ شعراء شامل ہیں۔

اس کے بعد وزیراعظم نے جناب علی جواد زیدی کو اس مجموعے کی ایک کاپی پیش کی۔ یہ مجموعہ جناب زیدی کو حب الوطنی پر مبنی ان کی ۴۰ سالہ ادبی اور شعری خدمات کے اعتراف کے طور پر پیش کیا گیا۔ زیدی صاحب ایک مجاہد آزادی ہیں۔ وہ آل انڈیا اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے جنرل سکریٹری رہ چکے ہیں۔

اس موقع پر اپنی مختصر تقریر میں وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی نے کہا کہ یہ کتاب دیوناگری رسم الخط میں بھی شائع ہونی چاہیئے، اور اسے دیگر علاقائی زبانوں میں مقبول بنانے کیلئے بھی کوشش کی جائے۔

شریمتی اندرا گاندھی نے مزید کہا کہ اس بات کی کوشش کی جانی چاہیئے کہ ہمارے بچوں کو جنگ آزادی کے بارے میں صحیح معلومات فراہم ہوں۔ انھوں نے یہ مشورہ بھی دیا کہ نوجوانوں، رہنماؤں اور دیگر افراد کی ولولہ انگیز جدوجہد پر مبنی کہانیاں ضلع وار سطح پر جمع کی جائیں تاکہ نئی نسل انھیں پڑھ کر تحریک عمل حاصل کرے۔

بمبئی میں چھوٹی بچت اسکیم کا فروغ

مہاراشٹر کے وزیر مالیات شری ایم۔ ڈی۔ چودھری نے گزشتہ ہفتہ سچیوالیہ میں مختلف ٹریڈ یونینوں کے نمائندوں کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے بتایا کہ بمبئی میں واقع پرائیویٹ اور پبلک سیکٹر صنعتوں میں تنخواہ اور اُجرت پانے والے کُل ساڑھے بارہ لاکھ کارکنوں میں سے صرف بارہ فیصد کارکن پے رول سیونگز اسکیم کے توسط سے چھوٹی بچت تحریک میں حصّہ لیتے ہیں۔ پرائیویٹ سیکٹر سے متعلق اسکیم صرف ۳ء۴ فی صد ملازمین کا احاطہ کرتی ہے۔

مذکورہ اجلاس میں اس سال اکتوبر کے آخر تک دس فی صد ملازمین کا احاطہ کرنے سے متعلق ایک پروگرام مرتب کیا گیا۔ اگلے سال مارچ کے آخر تک مذکورہ اسکیم کے تحت مزید ۲۵ فی صد ملازمین کا احاطہ کئے جانے کا نشانہ مقرر کیا گیا ہے۔

اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ کارکنوں اور ملازمین کو اس بات کی ترغیب دی جائے کہ وہ بونس کی رقم کا کچھ حصہ اور لازمی ڈپازٹ اسکیم کے تحت واپس ملنے والی پہلی قسط چھوٹی بچت اسکیموں میں لگائیں۔

اجلاس میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ مہاراشٹر کے وزیر مالیات کی صدارت میں چھوٹی بچتوں سے متعلق مہاراشٹر اسٹیٹ ورکرز ایکشن کمیٹی کی تشکیل کی جائے۔ مہاراشٹر کے امور محنت اور شہری ترقی کے وزرائے مملکت اور بمبئی عظمیٰ کی مختلف ٹریڈ یونینوں کے نمائندوں پر مشتمل ایک مجلس عاملہ کے قیام کی بھی تجویز پیش کی گئی۔

وزیراعظم کے پروگرام کی حمایت

کل ہند ڈاک و تار انتظامیہ دفاتر انجمن، مہاراشٹر کی مجلس عاملہ نے وزیراعظم کے ۲۰ نکاتی اقتصادی لائحہ عمل کی بھرپور حمایت کا اعلان کیا ہے۔

مذکورہ انجمن نے کل اپنے اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی جس میں کہا گیا ہے کہ ہنگامی حالات کے اعلان کے بعد نظم و ضبط کے جس دور کا آغاز ہوا ہے وہ ملک کے لئے ایک نعمت ثابت ہوا ہے۔ انتظامی سطح پر مختلف شعبوں میں ہمہ جہت جوش و خروش اور خود اعتمادی پائی جاتی ہے۔ مذکورہ انجمن نے اپنے اراکین سے التماس کیا ہے کہ وہ فرض شناسی، خلوص اور دیانت داری کے ساتھ اپنے فرائض کی تکمیل کریں۔

پولس مکانات میں بجلی

حکومتِ مہاراشٹر نے ضلع رتناگیری میں راجہ پور کے مقام پر ۱۴۱ پولس کوارٹرز میں بجلی کنکشنوں کے کاموں کے لئے ۳,۸۷۹ روپے کے تخمینی مصارف کو منظوری عطا کردی ہے۔

قلمی معاونین سے

اپنی تخلیقات کے خاتمہ پر یا پُشت پر اپنا مکمل پتہ ضرور تحریر فرمائیں۔ قلمی نام کے ساتھ اصل نام بھی درج فرمائیں۔

ناطلبیدہ مضامین کی ایک نقل اپنے پاس ضرور رکھیں!

لائبریریوں کو امداد

موصول ہونیکی آخری تاریخ میں توسیع

اراشٹراسٹیٹ اردو اکادمی نے ریاست میں
ریوں کو امداد کی اسکیم کے تحت درخواستیں
ہونے کی آخری تاریخ ۳۱ اگست ۱۹۷۵ء
کر ۳۰ ستمبر کردی گئی ہے۔
اقدام اس بنا پر کیا گیا ہے کہ اضلاع
لائبریریوں کو اُردو اکادمی کی مذکورہ اسکیم
اطلاع نہیں مل سکی تھی۔
عض اخبارات میں اس قسم کے بیانات چھپے
ئبریریوں کی جانب سے اکادمی کو تعاون
بنار پر آخری تاریخ میں توسیع کی گئی ہے۔
ادمی نے ان بیانات کی تردید کی ہے اور
کہ ریاست کے دور دراز علاقوں میں واقع
کی سہولت کی غرض سے یہ فیصلہ کیا گیا ہے۔

غلام احمد خاں آرزو اُردو اکادمی کے رُکن

اشٹراسٹیٹ اردو اکادمی کے بورڈ کی رکنیت
ب اعجاز صدیقی مدیر "شاعر" نے بربنائے
استعفیٰ دے دیا ہے۔
نامہ "ہندوستان" بمبئی کے مدیر جناب غلام
آرزو کو بحیثیت رکن نامزد کیا گیا ہے۔

کتابوں پر انعامات کی اسکیم

اُردو اکادمی کو منتقل کردی گئی

اُردو ادیبوں اور شاعروں کی تخلیقات پر انعام کی اسکیم جواب تک محکمۂ تعلیم کے ذمہ تھی، اب مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کو منتقل کردی گئی ہے۔ چنانچہ سال ۷۴-۱۹۷۳ء کے دوران شائع شدہ کتابوں پر انعامات اکادمی کی جانب سے دیئے جائیں گے۔

صحافیوں کو اِنعامات

اکادمی کا فیصلہ

صحافتی حلقوں سے یہ شکایت موصول ہوئی تھی کہ مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی نے صحافیوں کیلئے کوئی اسکیم نہیں رکھی۔ اس شکایت کے ازالہ کی غرض سے اکادمی کے بورڈ نے اپنی گزشتہ میٹنگ منعقدہ ۲۲ اگست میں فیصلہ کیا ہے کہ اخبارات و رسائل میں شائع ہونے والی اعلیٰ، معیاری اور بامقصد تحریروں پر بھی انعامات دیئے جائیں گے۔ ابتداء میں یہ انعامات سال رواں (۷۶-۱۹۷۵ء) کے دوران شائع شدہ مضامین، مقالات، شذرات اور اداریوں پر دیئے جائیں گے۔ اس سلسلہ میں مشہور و ممتاز صحافیوں پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جا رہی ہے جو مارچ ۱۹۷۵ء تک شائع ہونے والی تحریروں پر غور کرے گی۔

کالجوں کی اُردو انجمنوں کو

اردو اکادمی کی جانب سے اِمداد

مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کو یہ مشورے موصول ہوئے ہیں کہ اکادمی اپنی سرگرمیوں میں یونیورسٹی اور کالجوں کے ان نوجوان طلبہ کی بھی حوصلہ افزائی کرے جو اپنی درسگاہوں میں اردو کے فروغ کیلئے جدوجہد میں مصروف ہیں۔

اس مشورے کے پیش نظر اکادمی کے بورڈ نے اپنی گزشتہ میٹنگ میں فیصلہ کیا ہے کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں سرگرم طلبہ کی انجمنوں کو بھی مالی امداد دی جائے گی۔ ریاست کے ایسے تمام کالج جہاں اُردو پڑھائی جاتی ہے اور جہاں اردو کی انجمنیں قائم ہیں، اس اسکیم تحت درخواست دے سکتے ہیں۔ درخواست میں بالتفصیل درج ہو کہ طلبہ کی انجمن کیا کیا سرگرمیاں انجام دیتی رہی ہے اور اسکا آئندہ پروگرام کیا ہے۔ درخواست کے ساتھ کالج کے پرنسپل کا تصدیق نامہ ضروری ہے۔ درخواست معتمد اردو اکادمی خواجہ عبدالغفور صاحب سکریٹری، جی۔ اے۔ ڈی، سچیوالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲ کے نام ۳۰ ستمبر ۱۹۷۵ء تک بھیج دی جائے۔

ترویج اُردو کا مسئلہ

ایک مذاکرہ

(شرکاء)

پنڈت رام سرن ناش، آصف اوتاڈ، اوم پرکاش سونی کے ایل کمیش، بال کرشن سیلی، نرلیش کمار سیکریٹری، شور جہاں، اوم پرکاش سرین پرنسپل پرکاش اردو کالج

۱۳ اگست: نادرن انڈیا ماٹرز فورم کے زیر اہتمام اردو کے مسائل پر ایک مذاکرہ ہوا جس کی مختصر روداد درج ذیل ہے۔

پنڈت رام سرن نے بحیثیت صدر مجلس مذاکرات کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ جب کبھی اردو کی ترویج و ترقی کا ذکر چھڑ جاتا ہے، جمود (بے حسی) کا شکوہ کیا جاتا ہے اور اس کی تان حکومت پر آکر ٹوٹتی ہے۔ یہ درست ہے کہ حکومت کی سرپرستی سے ادب و فن کی پرورش اور نشو و نما ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی عوام پر بھی فرض ہوتا ہے کہ وہ ترقی فن اور ترویج زبان کے لئے پیش پیش رہیں۔ اور اس کام میں سرگرمی اور جوش درکار ہے قرارداد میں منظور کرنا کوئی تیری منصوبہ نہیں اور نہ ہی محض مشاعروں کے انعقاد سے اردو زبان فروغ پذیر ہو سکتی ہے۔ ہر اردو داں یہ مقدم سمجھے کہ وہ اپنے بچوں اور عزیزوں کو اردو پڑھائے گا۔ فرصت کے اوقات میں اپنے دوستوں کو اردو پڑھانے کی ترغیب دے۔ صوبائی سرکار اردو طلبہ کی حوصلہ افزائی کے لئے خصوصی وظائف دے تاکہ لوگوں میں اردو پڑھنے کا شوق پیدا ہو۔ نئی نسل کے نوجوان اردو زبان کی لطافتوں نزاکتوں اور خوبیوں سے ناواقف ہیں چونکہ اردو ادب کا سرمایہ بیش قیمت ہے اس کی قدر و قیمت عظمت اور ہمہ گیری کو وسیع تر کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ نئی پود کو اردو زبان سے بہرہ مند کرایا جائے

قومی راج

جناب کے ایل کمیش نے کہا:-

"جمہوری اشتراکیت کی بنیاد مضبوط کرنے اور اُردو کو ملک گیر زبان بنانے کے لئے اس کا رسم الخط دیوناگری رکھنا چاہیئے"

اوم پرکاش سونی نے جناب کمیش کی اس تجویز کی شدید مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ اچاریہ ونوبا بھاوے نے رسم الخط دیوناگری ہونے کے متعلق مشورہ دیا تھا جو حیرت انگیز نظر آتا ہے اور صرف دیوناگری رسم الخط کو قبول کرنا آئین ہند اور دستور کے خلاف ہے۔ اگر اردو کا رسم الخط بدل دیا جائے تو اس کی انفرادیت ختم ہو جانے کا احتمال ہے۔ فارسی رسم الخط سے ہی اردو کی بقا و حیات قائم و دائم ہے اور وہی اس کی شان و عظمت ہے فروغ اردو کے لئے داخلی امکانات ہے کہ اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے کیونکہ دنیا میں ایسے پچیس ممالک ہیں جن کی سرکاری زبانیں دو یا دو سے زائد ہیں اور یہ طرز عمل ہندوستان میں بھی ہو سکتا ہے ہندوستان کے کروڑوں باشندے اُردو داں ہیں اور وہ اُردو کو دوسری زبانوں پر ترجیح و فوقیت دیتے ہیں۔

جناب بال کرشن سیلی نے تجویز پیش کی کہ اسکولوں میں ابتدائی تعلیم کے دوران اردو کی تعلیم بھی دی جائے اور طلبہ کو خصوصی وظائف اور مراعات دی جائیں تاکہ انہیں اردو پڑھنے کا شوق پیدا ہو اور وہ اردو زبان سیکھ کر اعلیٰ زبان داں بھی بن سکیں۔

جناب نرلیش کمار سیکریٹری نے اس تجویز کی تائید میں کہا کہ ماہرین تعلیم اس تجویز پر متفق ہیں کہ چھوٹی عمر میں بچے کو جس زبان کی تعلیم دی جائے وہ اس کے ذہن پر نقش ہو جاتی ہے اور اُس کی شخصیت پر بھی غالب آجاتی ہے۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اگر اسکولوں میں اُردو کی تعلیم لازمی قرار دی جائے تو اُردو زبان کی ترویج کا مسئلہ از خود حل ہو سکتا ہے اور ایسا کرنا کوئی دشوار کام نہیں۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ نہایت ہی آسان طریقہ ہے۔

"اگر اُردو کا رسم الخط بدل دیا جائے تو اس کی انفرادیت ختم ہو جانے کا احتمال ہے۔"

اوم پرکاش سرین نے کہا:-

فنونِ لطیفہ کی سرپرستی ہمیشہ امرا اور حکومتوں نے کی ہے اب حکمرانوں کا زمانہ نہیں۔ نہ قدرداں شہنشاہ باقی ہیں جو ادب و فن کی ترقی و ترویج کیلئے اپنا اشتیاق ظاہر کریں۔ جمہوری حکومت کا عہد ہے اور دستور کا تقاضہ ہے کہ ہر مکتب فکر اور طبقہ و جماعت کے احساسات کا احترام کیا جائے۔ "اُردو" چودہ مسلّمہ زبانوں میں سے ایک ہے۔ ہندی کو سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے اُردو پڑھنے اور جاننے والوں کی تعداد بھی کروڑوں ہے مختلف صوبائی سرکاروں نے اردو کی اہمیت کو وقت کی کسوٹی پر پرکھا ہے اور اُردو کو اس کا جائز مقام دینے کے لئے اُردو اکیڈمیاں قائم کی ہیں۔ مثلاً مہاراشٹر، آندھرا، اتر پردیش میں اردو کے لئے عملی اقدامات کئے جا رہے ہیں پنجاب سرکار نے بھی اردو کی تعلیم کے لئے ہر ضلع کے بھاشا دفتر میں مفت تعلیم کا بندوبست کیا ہے۔ اب عوام کا فرض ہے کہ وہ اسے شوق کے ساتھ سیکھیں تاکہ اردو کی ترویج کا مسئلہ آسان ہو۔ حکومت نے آسانیاں بہم پہنچا دی ہیں۔

۱۶ ستمبر ۸۵ء

پندرہ روزہ قومی راج بمبئی

جلد ۲۷ یکم اکتوبر ۱۹۷۵ء شمارہ ۱۹

قیمت فی پرچہ : ۵۰ پیسے سالانہ : ۱۰ روپے

زیر نگرانی : خواجہ عبدالغفور آئی۔اے۔ایس

ترسیلِ زر اور مراسلت کا پتہ :

چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومت مہاراشٹر، سچیوالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

فہرست

سخنہائے گفتنی

قومی راج کا یہ شمارہ دیکھ کر آپ کو کسی قدر حیرت ضرور ہوگی کیونکہ اعلان کے مطابق ۱۶ اکتوبر کو خسرو نمبر ہی شائع ہونیوالا تھا لیکن ۲ اکتوبر کو اس عظیم ہستی کی سالگرہ آتی ہے جس نے عدم تشدد کا سبق دیتے ہوئے ایک بےمثال انقلاب برپا کیا اور آزاد ہندوستان کی بنا رکھی۔

قومی راج اس موقع پر بابائے قوم مہاتما گاندھی کو خراج عقیدت پیش کرتا ہے۔ ایسے موقع پر یہ امر لازم ہو جاتا ہے کہ جن لوگوں کی یاد منائی جائے ان کے اصولوں اور تعلیمات کو بھی تازہ کیا جائے۔ اسی لئے ملک بھر میں گاندھی جینتی کے موقع پر "نشہ بندی ہفتہ" منایا جاتا ہے اور عوام کو خصوصاً ان کے نچلے طبقے کو جو عموماً ان پڑھ اور غریب ہوتا ہے اور بآسانی شراب نوشی کی لعنت کا شکار ہو جاتا ہے، اس برائی کے مضر اثرات و نتائج سے آگاہ کیا جاتا ہے۔

آئندہ شمارہ خسرو نمبر ہوگا۔ اسے ایک معیاری نمبر بنانے کے لئے ہماری کوششیں جاری ہیں اور ہمیں اس سلسلے میں جو تعاون مل رہا ہے اس سے یقین ہو چلا ہے کہ قومی راج کے "خسرو نمبر" کو آپ ایک یادگار کے طور پر رکھ سکیں گے۔

خواجہ عبدالغفور

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا!

بدیع الزّماں خاورؔ

ڈمکھکر کوارٹرس، مندگڑ روڈ، داپولی، ضلع رتناگری

امرباَنی

[گاندھی جی کے منتخب اقوال کا منظوم روپ]

۱

ڈوبنے لگ جائے تو، اس کو یاد آئے بھگوان
کتنی عجب مخلوق ہے، جس کو کہتے ہیں انسان

۲

ہے انسان کا ہر اک پاپ، خود اس کے بھاگ کا دوش
جس کے علاج کی خاطر اُسکو ملے ہیں عقل و ہوش

۳

روکتی ہے اس کو بڑھنے سے، نیک عمل کی اور
کرتی ہے شیطانی طاقت انساں کو کمزور

۴

چاہے کوئی کام ہو چھوٹا، یا ہو کاج مہان
جو کچھ کرتا ہے دنیا میں، کرتا ہے بھگوان

۵

جس کے ساتھ رہے بھگوان، اُس سے ٹکرائے کون؟
جسے بچانا چاہے ایشور، اُسے مٹائے کون؟

۶

مرجانے پر سُندر جسم بھی ہوتے ہیں بیکار
اِنساں کرتا ہے جسموں سے ناحق اتنا پیار

۷

امرت کی اُس بوند میں بھی ہے کتنی عجب مٹھاس
زہر کا پیالہ پی لینے کے بعد جو آئے راس

۸

جو انساں الگ رہنے کی سوچتے ہیں ترکیب
اپنے ہاتھوں خود وہ مٹاتے ہیں اپنی تہذیب

۹

اِس میں مِلائی جاتی ہے جب کوئی ہلکی دھات
روپ میں گہنوں کے ڈھلتی ہے تب کندن کی ذات

۱۰

بوجھ جہازوں کا جو قطرہ' پانی میں سہہ جائے
ساگر سے باہر نکلے تو، سوکھ کے وہ رہ جائے

۱۱

جاتا ہے وہ جتنے گہرے پانی کے اندر
اُتنے زیادہ غوطہ خور کو ملتے ہیں گوہر

۱۲

اس سے اچھا نہیں ہے کوئی دنیا میں ہتھیار
اِنسانوں کو کھینچنے والا مقناطیس ہے پیار

۱۳

لوگ گلاب کے پھول کا رکھیں چاہے کوئی نام
اس کو بس ہوتا ہے خوشبو پھیلانے سے کام

۱۴

اِتنا پھیلے گاؤں گاؤں کا' شہر شہر کا پیار
دل کے گھیرے میں آجائے یہ سارا سنسار

۱۵

جس کے باعث لگ جاتی ہے ملکوں ملکوں آگ
اچھا ہے کہ دیس کی اُس بھگتی کو دیجے تیاگ

گاندھی

وہ ایسا ابر تھا :
صحرا میں کُنج کُنج گُلاب
وہ ایسا ذہن کہ
دانِش بھی سرنگوں ٹھہرے
اُصول ایسے کہ
دنیا مثال دیتی ہے
شبِ اَلم میں
ستاروں کی جگمگاتی برات
فنا کے دشت میں ، نفرت کے خارزاروں میں
سحر کی چاپ ، محبّت کی روشنی کا نزول
وہ کون تھا ؛
وہ فرشتہ خصال اِنساں تھا :

مومن خاں شوقؔ
۲۱۳۰ سی معظم پورہ (حدید ملے پلی) حیدرآباد ۱

یاد پھر آرہی ہے گاندھی کی
وردِ لب ہے فسانۂ ماضی

زندگی شاندار تھی اپنی ،
آج پیدا ہوئے تھے گاندھی جی

رگِ گُل کی جو چاک سیا ہو
اُس کا ثانی کہاں تلاش کریں

جس کی ہستی ہو زینتِ گُلشن
جس پہ نازاں ہے آج اپنا وطن

کہکشاں میں ہو جس کا ذکرِ جمیل
جس نے سب کے دِلوں کو موہ لیا

وہ پرستار ذاتِ باری ہے
وہ اہنسا کا اِک پجاری ہے

گرچہ لوگوں نے ظلم ڈھائے ہیں
بل نہ پھر بھی جبیں پہ آئے ہیں

راستے امن کے دکھائے ہیں
ظلمتوں میں دیئے جلائے ہیں

تب کہیں جا کے یہ گھڑی آئی
ہم نے آزاد زندگی پائی

جس کو کہتے ہیں پیار سے باپو
اس کی بے مثل ہے مسیحائی

جو پلائے شرابِ امن و اماں
اب کہاں بزم میں وہ ساقی ہے
شمع ہرچند بجھ چکی لیکن :
دل میں یادوں کا نور باقی ہے

خ ۔ زماںؔ انصاری
حیات خاں مارگ ، سدپانڈے لاج ، وردھا ۱ ۴۴۲

مہاراشٹر میں غذائی خود کفالتی کے لئے جد و جہد

مہاراشٹر غذائی خود کفالتی کے لئے جد و جہد میں مصروف ہے۔ اس سلسلے میں وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان رہنمائی کر رہے ہیں۔ محکمہ زراعت فی الحقیقت جنگی پیمانے پر کام کر رہا ہے۔ اس مضمون میں ریاستی حکومت کی جانب سے اناج کی پیداوار بڑھانے کے لئے اٹھائے گئے اقدامات پر مختصراً روشنی ڈالی گئی ہے۔

مہاراشٹر نے اناج کے معاملے میں خود کفالتی حاصل کرنے کی شدید ضرورت کا بخوبی اندازہ لگا لیا ہے۔ جب سے وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان نے وزارت اعلیٰ کا عہدہ سنبھالا ہے انکی رہنمائی میں ریاست میں زرعی پیداوار بڑھانے اور خود کفالتی حاصل کرنے کے لئے اقدام اٹھائے گئے ہیں۔

موجودہ فصل خریف کے دوران اناج کی پیداوار بڑھانے کے لئے زبردست مہم چلائی گئی ہے۔ فی الحال سرسری طور پر ۹۰ لاکھ ٹن اناج کی پیداوار کا نشانہ رکھا گیا ہے۔ لیکن انسانی قابو سے باہر مشکلات کے مد نظر سنہ ۶۶-۱۹۶۵ء میں غذائی پیداوار حاصل کرنے کا نشانہ ۸۵ لاکھ ٹن ہی مقرر کیا گیا ہے۔ خریف فصل اور ربیع فصل میں پیداوار کا اندازہ بالترتیب ۵۶ لاکھ ٹن اور ۲۹ لاکھ ٹن ہے۔

علاقوں کے نشانے

مخلوط اور اعلیٰ اقسام کے بیجوں کے ذریعے خریف پیداوار کے لئے مخصوص علاقوں کے نشانے یہ ہیں۔

(الف) دھان کی اعلیٰ قسم	۲۵ء۵ لاکھ ہیکٹر
(ب) مخلوط جوار	۷۷،۸ 〃
(ج) جوار کی اعلیٰ قسم	۶۵،۰ 〃
(د) مخلوط باجرہ	۹۰،۵ 〃
(ہ) مخلوط مکئی	۱۸،۰ 〃
	۷۵ ۲۰،۶ لاکھ ہیکٹر

بیجوں کی تقسیم

حکومت مارکٹنگ فیڈریشن کے ذریعے جوار، باجرہ اور دھان کی مستند مخلوط اور اعلیٰ اقسام کے بیج خریدتی ہے اور ضلع پریشدوں کو ان کی ضروریات کے تحت مہیا کرتی ہے۔ اب تک تقسیم کئے گئے بیجوں کی کل مقدار حسب ذیل ہے۔

(۱)	مخلوط جوار	۳۸،۰۰۰ کوئنٹل
(۲)	مخلوط باجرہ	۱۳،۶۹۴ 〃
(۳)	اعلیٰ اقسام کی دھان	۱۷،۰۰۰ 〃

نیشنل سیڈ کارپوریشن اور دیگر بیج کمپنیوں نے ۲۰،۰۰۱ کوئنٹل مخلوط باجرہ فروخت کیلئے مہیا کیا ہے۔ اسی طرح ۱۸،۰۰۰ کوئنٹل مخلوط باجرہ نیشنل سیڈز کارپوریشن اور نجی کسانوں کے پاس دستیاب تھا، نیز ۱۰،۰۰۰ کوئنٹل سی ایس ایچ۔۴ اور سی۔ایس۔ایچ۔۵ مستند بیج مارکیٹنگ فیڈریشن اور ضلع پریشدوں کے پاس گذشتہ سال کے اسٹاک میں سے باقی تھا خیال ہے کہ متذکرہ بیجوں کا اسٹاک ضلع پریشدوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کافی ہوگا۔ اس کے علاوہ کچھ ضلع پریشدوں نے اپنے سرمایہ سے مخلوط جوار اور باجرہ کے بیج متعلقہ ضلعوں کے کاشتکاروں میں تقسیم کرنے کے لئے خریدے ہیں۔

حلقہ واری نظام

جوار کی فصل کو بیج مکھیوں کے حملے سے بچانے کے لئے کاشتکاروں سے یہ گذارش کی گئی ہے کہ وہ حلقہ واری طریقے اختیار کریں۔ اس نظام کے تحت ۸ تا ۱۰ موضع جات کا ایک حلقہ بنایا گیا ہے اور کاشتکاروں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ کسی ایک ہی قسم کی جوار کی کاشت کریں نیز تخم ریزی کا کام آٹھ دس دن کے اندر مکمل کر لیں۔

کاربوفیورن ملے مستند مخلوط جوار بیج شوٹ مکھی (Shoot fly) کے انسداد کے لئے موثر ثابت ہوئے ہیں۔ مذکورہ بیج کے تین تین کلو کے

سے کاشتکاروں کو امداد کی قیمت پر یعنی ۲ فیصد سے ۵۰ روپے کے حساب سے مہیا کئے گئے۔ تقریباً ۳۵۰۰ کوئنٹل کاربوفیوران مخلوط جوار کے بیج کاشتکاروں میں تقسیم کئے گئے۔ یہ تجویز ہے کہ اس قسم کے بیج ربیع کے موسم میں بھی تقسیم کئے جائیں۔

کھاد

موسم کے آغاز پر مناسب مقدار میں کیمکل کھاد ریاستی اور مرکزی ویر ہاؤسنگ کارپوریشن کے گوداموں میں جمع کر لی جاتی ہے۔ خریف فصل ۱۹۷۵ء کے لئے ۶۳۲ الاکھ ایم ٹن کھاد مہیا ہوگی۔ اب تک کاشتکاروں میں تقریباً ۱۱ کروڑ روپیوں کی مالیت کی ۶۰۰۰۰ ایم ٹن کھاد تقسیم کی جا چکی ہے۔ یہ کام اب بھی جاری ہے۔

کیڑا مار ادویہ

مہاراشٹر زرعی صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کو کاشتکاروں کی ضروریات کے مطابق مختلف قسم کی کیڑا مار ادویہ کی خرید و فروخت کا کام سونپا گیا ہے چنانچہ کارپوریشن نے کافی مقدار میں مخصوص کیڑا مار ادویہ مثلاً اینڈرین ۲۰ فیصدی ای سی، بی ایچ سی ۱۰ فیصدی کاربیرل اور فوریٹ ۵۸ ریاستی یا مرکزی ویر ہاؤسنگ گوداموں میں جمع کر رکھا ہے۔ دیگر کیڑا مار ادویہ کا بھی ضرورت کے مطابق زیادہ اسٹاک جمع کیا جائے گا۔ یہ کیڑا مار ادویہ کاشتکاروں کو نقد ادائیگی پر دی جائیں گی۔

اب تک ۵۷ لاکھ روپیوں کی قیمت کی کیڑا مار ادویہ کاشتکاروں میں تقسیم کے لئے ہر ضلع پریشدوں اور کوآپریٹو سوسائٹیوں کو دی جا چکی ہیں مندرجہ ذیل تحفظ فصل اسکیمیں موجودہ خریف فصل میں زیر عمل لانے کی تجویز کی گئی ہے۔

	علاقہ لاکھ ایکڑوں میں	مصارف لاکھ روپیوں میں
بج مکھی کا انسداد	۱۵	۳۰۰
تھانہ اور قلابہ ضلعوں میں دھان		
پر اسٹم بورر کا انسداد۔	۶۴۳	۸۵۶۷۵
رتناگیری اور چندر پور ضلعوں میں		
دھان پر کالی مکھی کا انسداد	۶۲۰	۴۱۶۸۸
سفید کیڑوں پر کنٹرول	۱٫۱۰	۷۵۶۶۳

کل میزان - ۵۰۳۶۲۶

اسال ضلع بھنڈارہ، بیڑ، اور عثمان آباد جیسے قلت زدہ علاقوں کو چھوڑ کر ضروری سامان کی خریداری کے لئے کہیں بھی تقاوی قرض نہیں دیا گیا مذکورہ تینوں ضلعوں میں تقاوی قرضہ کے طور پر ۳ کروڑ روپیوں کی رقم دینے کی منظوری دی گئی ہے۔ امداد کے باہمی بنکوں اور قومیائے گئے بنکوں کو یہ ہدایت کی گئی کہ تمام اہل کسانوں کو جہاں تک ممکن ہو حکومت کی جانب سے مقرر کی گئی شرح پر امداد دیں۔ یہ قرضہ جات تمام ضروری سامان مثلاً کھاد اور کیڑا مار ادویہ کے لئے ہوں گے۔ فصل خریف میں امداد باہمی قرضے تنہا ۱۷ کروڑ روپئے کے ہونگے۔ امداد باہمی محکمہ اور امداد باہمی بنک کو اس کی حالت کا مقابلہ کرنے کا کام سونپا گیا ہے۔

ریاستی حکومت نے اس بات کا فیصلہ کیا ہے کہ وہ بیج، کھاد اور کیڑا مار ادویہ کپاس کے ایسے کاشتکاروں کو مہیا کرے گی جن کی خریداری کی پر ۲۰ فیصدی رقم فیڈریشن کے پاس جمع ہے۔ یہ سامان بھی قیمتاً ۲۰ فیصد رقم کے برابر ہوگا۔ اس اسکیم کا خاطر خواہ نتیجہ ظاہر ہوا یعنی کاشتکاروں نے عموماً اس سہولت کا خیر مقدم کیا اور اس کا پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

آبپاشی

آبپاشی کے تالابوں میں فراہم ۵۰ فیصدی پانی خریف فصل کے لئے محفوظ کر لیا گیا ہے۔ اس مہم کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے محکمہ آبپاشی و پاور نے خریف فصل کے لئے آبپاشی کی شرائط میں نرمی کر دی ہے۔ چنانچہ خریف اور ربیع فصلوں کے لئے پانی کی فراہمی میں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔

اس مرتبہ برسات ۱۰ روز تاخیر سے شروع ہوئی۔ ریاست کے بڑے حصہ میں برسات سے قبل بارش معمول سے کم رہی۔ بہرحال جون ۱۹۷۵ء کے وسط میں برسات شروع ہو گئی۔ کوکن اور گھاٹ کے علاقوں میں موسلا دھار بارش ہوئی جبکہ مدھیہ مہاراشٹر، مرٹھواڑہ اور ودربھ میں اچھی بارش ہوئی۔ جون کے آخری ہفتہ میں کوکن، جنوبی خطہ دکن اور ناگپور میں اور ودربھ کے ضلعوں میں زوردار بارش ہوئی۔

مخلوط باجرہ فصلوں پر پھپھوندی

ناسک، احمد نگر، دھولیہ اور جلگاؤں ضلعوں میں جہاں پچھلے برس بھی مخلوط جوار کی فصل بوئی گئی تھی اس مرتبہ فصل پر پھپھوندی لگنے کے واقعات رونما ہوئے۔ انڈین کونسل برائے زراعت و ریسرچ کے ماہرین کی ایک

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

چھوٹا سا آدمی

ظہیر کیفی امروہوی
کٹکوئی۔ امروہہ (یو۔پی) ۲۴۴۲۲۱

رمضان خاں نے اپنا سینہ تھام لیا۔ اور پھر ایک ،کیساتھ وہ اپنی بیوی سے بولا "سلطنت کی ماں! میری بیس سال کی نوکری چھوٹ گئی آج ....!"

"کیا کہتے ہو...؟" اسکی بیوی تمکنت بائی نے حیرت سے شوہر کے چہرے کو تکتے ہوئے پوچھا۔

"وہ میرا دین اور ایمان ختم کرانا چاہتا تھا سیٹھ وقو..." مختصر طور پر رمضان خاں نے بتایا۔

"ہائے میری بیٹی کی شادی اس عید پر نہ ہو گی کیا" تمکنت بائی شوہر کے دکھ اور پریشانی کو بھول کر اپنے ہی جذبوں، خوابوں، امنگوں، اور چاہتوں کی دہائی دیتے ہوئے بولی۔ "پر تم تو کہتے تھے سیٹھ ہمیں پانچ ہزار قرض دینے پر آمادہ ہو گیا ہے..."

"وہ پانچ ہزار قرض کیا، پورے پچیس ہزار انعام سے رہا مجھے، لیکن میں نے نوکری پر بھی لات مار دی ہے..." رمضان خاں جوشیلے لہجہ میں بولا۔

"تمہاری عقل اور مزاج تو ہمیشہ ہی سے ضدی لگے ہے" تمکنت بائی جھنجلا کر بولی۔ "اپنی شادی کے وقت بھی اڑیل گھوڑے جیسے بنے رہے اور اب بیٹی کی شادی کے معاملے میں بھی... زمانہ بدل گیا ہے... پر تم نہیں رہے... اپنی ہی ہٹ کے کارن تو آج ماہم کی اس جھونپڑپٹی میں ہمیں بھی سڑا رہے ہیں۔ میرے باپ کی بات مانتے و کیوں آجتک یوں اس موئی بمبئی میں نوکری کرتے... گاؤں کی دھرتی تو تمہیں سدا ہی بانجھ لگی ہے"....!

رمضان خاں اپنی بیوی کے اس طعنے کو بیس سال سے بمبئی میں رہتے ہوئے سنتا آیا تھا۔ لیکن اپنی آزاد فطرت، خودداری، اور سچائی کے اصولوں اور عقیدوں کی تلاش میں اس نے جانتے بوجھتے ہی ہمیشہ تکلیفوں میں گزارا رہنا قبول کیا تھا۔ رمضان خاں تلملا کر بولا۔ "تو کیا میں اپنا دین و ایمان بیچ دوں؟ اپنے عقیدے اور اصول برباد کر لوں؟ اپنے ملک کو نقصان پہونچا کر اس جھونپڑپٹی سے نکل کر میں بھی نریمان پوائنٹ کے کسی شاندار فلیٹ میں رہنے لگوں..."

"بس... بس... اپنا وعظ و نصیحت اور تقریر بند کرو..." تمکنت بائی زچ ہو کر بولی "پہلے کھانا کھا لو سلطنت کو مت بتانا یہ سب، لیکن وہ گئی کہاں؟ ورنہ وہ ایکبار پھر دکھی ہو گی اور بھی رنجیدہ ہو جائے گی یہ سب جان کر..."؟ لیکن وہ گئی کہاں ہے؟

"نوکری کی تلاش میں متی ڈاون روڈ پر کسی دفتر میں انٹرویو دینے گئی ہے..." تمکنت بائی نے تعریفی نظروں سے رمضان خاں کی طرف دیکھا۔ مگر رمضان خاں بھڑک اٹھا "نوکری کی صلاح کس نے دی اسے.....؟"

"اپنی ہی مرضی سے وہ نوکری کرنا چاہتی ہے تا کہ تمہارا بوجھ کم کر دے"!

"تو کیا وہ بوجھ سمجھتی ہے اپنے آپ کو...؟"

رمضان خاں روہانسا ہو کر بولا "ہائے میری بچی.... میں تجھے کیسے بتاؤں کہ میں کتنا مجبور ہوں اپنے اصولوں، عقیدوں، خیالات اور ملک سے"!

میں کہتی ہوں جب ہمارے نیتا تک اپنے آپ کو بدل رہے ہیں تو ہم کیوں نہیں بدل سکتے... ہماری غریبی، مجبوری اور دکھی زندگی تک کو یہ لوگ بھلا رہے ہیں۔ اپنے فائدے اور غرض کے لئے لیکن تم پھر بھی ہر کٹھن وقت میں ملک، دین اصول، عقیدے اور سچائی کے گیت گانے لگ جاتے ہو۔ میں کہتی ہوں مہاتما جی کی یہ باتیں کتنے لوگوں نے یاد رکھی ہوئی ہیں جو تم کلمہ طیبہ کی طرح ہر وقت دہراتے رہتے ہو...!!

تمکنت بائی بہت بولنے والی زمانہ شناس عورت تھی۔ مگر اپنے شوہر کے آگے اس کی ایک نہ چلتی تھی۔ اس وقت بھی وہ یہ تقریر کر تو گئی مگر دل میں ڈری کہ کہیں اس کا شوہر مار نہ بیٹھے رمضان خاں میں اگر کوئی عیب تھا تو صرف یہی کہ وہ اپنی سچی اور کھری بات کو کٹتے پھٹتے اور لٹتے پاکر غصہ سے بے قابو ہو جاتا تھا.... اور نامعقول مقابل کی غلط بات سن کر وہ اس پر اپنا ہاتھ اٹھانے سے بھی نہ چوکتا تھا...!

رمضان خاں اپنے عقیدوں، سچائی ایمان داری، مذہب اور ملک کا پرستار تھا مگر وہ اپنا یہ اصول بھی کبھی نہ چھوڑتا تھا.... تمکنت بائی کو کھا جانے والی نظروں سے تکتے ہوئے بولا "میرے اصول ٹوٹ جائیں تجھے گوارہ ہے اور تیرے لئے یہ خوشی کی بات نہیں ہے کہ تیرا شوہر کھرا اور سچا ہندستانی ہے۔ قربانی اور اصولوں کو جس نے ہمیشہ اپنایا ہے.. خدا کی قسم ــ لڑکی کو نوکری پر تو نے ہی اکسایا ہوگا..... ہائے ہائے ـ وہ پگلی اپنے بپا کو کیا سمجھ بیٹھی ہے...؟"

ڈرتے ڈرتے تمکنت بائی بولی "اس میں ہرج ہی کیا ہے کہ وہ نوکری ڈھونڈنے نکل گئی ہے؟ اب تم تو نوکری چھوڑ آئے نا۔ گھر کا خرچ کیسے چلیگا؟

یکم اکتوبر ۱۹۷۵ء

دی راج

"اللہ مالک ہے"! رمضان خاں بھرپور یقین سے بولا۔"میں اس بمبئی سے ہمیشہ کے لئے چلا جاؤں گا۔ اپنے گاؤں میں رہوں گا۔ کھیتی کروں گا، محنت کرونگا لیکن ملک سے غداری نہیں کروں گا۔ ایمان نہیں بیچوں گا۔"!

"لیکن ہوا کیا کہ سیٹھ نے بیس سال کی نوکری ختم کرادی ...؟"

"یہ میں بعد میں بتاؤں گا۔" رمضان بولا "میں پہلے اپنی بیٹی کو ڈھونڈ لاؤں ..." الٹے قدم وہ ماہم ریلوے اسٹیشن کی جانب چلا گیا۔

تمکنت بائی اپنے شوہر اور بیٹی کے انتظار میں جھونپڑی کے دروازے پر بیٹھ گئی۔ اسے ڈر تھا کہ اس کا شوہر لڑکی پر غصہ ہو رہا ہوگا۔ اور ایسی پر اس کا جانے کیا حشر کرے گا ... سلطنت کی شادی کا رشتہ کئی بار کئی جگہ سے طے ہوا تھا وہ کئی سال سے اپنے گاؤں برس کے برس جاتی رہی تھی مگر جہیز کی لعنت کے سبب رشتہ ٹوٹ جاتا تھا۔ کوئی کار کے خواب دیکھتا تھا تو کوئی اسکوٹر کے، نقد رقم کا لالچ بھی کتنے ہی کے ذہنوں میں سمایا ہوا تھا۔ گاؤں کے لوگ اس کے شوہر کو بمبئی کے میم کی بجائے سیٹھ سمجھتے تھے۔ انھیں کیا معلوم تھا کہ رمضان خاں بیس سال سے بمبئی میں اپنے خون اور پسینے کو بہا کر بھی تین سو روپے کا صرف ایک منیم ہی بن سکا تھا۔ وہ جھونپڑپٹی کی غلاظت میں رہ کر جیتا تھا۔ ہر روز لوکل ٹرین میں آٹے کی طرح گوندھا جاتا رہا تھا۔ ماش کے آٹے اور میدے کی طرح بیٹا جاتا رہا تھا۔ سمندر کی طرح متھا گیا تھا۔ حالات نے اسے پتھروں کی طرح بے رحمی سے کوٹا تھا، توڑا تھا اور ریزہ ریزہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر رمضان خاں اپنے اصولوں، عقیدوں، خیالوں، اور دین و ایمان سے ذرا بھی نہ ڈگمگایا تھا ...! اس نے بمبئی کی بلاخیز پلٹیں اسی جھونپڑپٹی کی دلدل میں رہ کر جھیلی تھیں بھوک کو کسی جانور کی طرح مٹایا تھا۔ اسے ٹیسیدھے کھانے اور ہر نقلی شئے کے استعمال نے اسے چالیس سال کی عمر میں ہی بوڑھا بنا دیا تھا۔ مگر رمضان خاں کبھی حالات اور مصیبتوں کا شاکی نہ ہوا تھا۔ اپنی محرومیوں، دکھوں اور پریشانیوں کا رونا کبھی نہ رویا تھا۔

لیکن اپنی اکلوتی بیٹی سلطنت کی شادی کے لئے وہ ہر لمحہ بے چین رہا تھا۔ کسی نہ کسی طرح وہ اس فرض اور ذمہ داری سے سبکدوش ہونا چاہتا تھا۔ لیکن رشتے ٹوٹ جاتے تھے۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ اپنی گاؤں کی دھرتی پر ہی سلطنت کو بیاہے گا۔ جہاں معصومیت محبتیں اور دردمندیاں اور اپنا پن آج بھی اپنی سرسبز اور شاداب آغوش پھیلائے ہوئے ہیں۔ بمبئی کی خود غرض مشینی اور پرفریب زندگی کے جہنم میں وہ اپنی بیٹی کو نہ دھکیلنا چاہتا تھا۔ گاؤں کی نسبت بمبئی میں سلطنت کی شادی کا مسئلہ اس کے لئے اتنا پیچیدہ نہ تھا۔ رمضان خاں کے کئی ایک دوست اس کی مدد کرنے کے لئے تیار تھے مگر اس کی ہمیشہ کی ضد اور رٹ تھی کہ وہ سلطنت کی شادی اپنے وطن میں ہی کرے گا۔

تمکنت بائی اپنے ایک ایک دکھ پر تلملا، تلملا کر رہ جاتی تھی۔ مگر شوہر کے آگے بے بس تھی .....!

سلطنت کو نوکری مل گئی تھی۔ ! مگر رمضان خاں پورے ایک ہفتہ سے گھر واپس نہ آیا تھا تمکنت بائی اور سلطنت نے اس کے سیٹھ ڈوقو کے دفتر کے بھی کئی چکر لگائے تھے لیکن سیٹھ ہر بار یہی جواب دیتا رہا کہ "رمضان خاں نوکری خلاص کر گیا..... دونوں کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ آخر کہاں چلا گیا ہے کہ پلٹ کر گھر اور بیٹی کی بھی خبر نہ لی۔ کبھی وہ سوچتیں، حالات سے تنگ آکر اس نے کہیں جان تو نہیں دیدی، کسی حادثے کا شکار تو نہیں ہوگیا؟

دسویں دن انھوں نے پولس میں رمضان خاں کی تصویر کے ساتھ رپورٹ درج کرائی تھی۔ جیسے تیسے کر کے اخبار میں بھی اس کی گمشدگی کی رپورٹ بھی چھپوا دی تھی مگر دوسرا ہفتہ گذر جانے پر بھی رمضان خاں واپس نہ آیا تھا۔ دونوں ماں بیٹیوں کا روتے روتے برا حال ہوگیا تھا۔ انھیں نہ کھانے کا ہوش تھا نہ پ
اڑوس پڑوس کی عورتیں بھی بس مختلف سوالات کر
چلی جاتی تھیں، دم دلاسے ہی دے جاتی تھیں۔ سلط
اپنی نئی نوکری کی وجہ سے اور بگڑے ہوئے حالات
سبب ان سنگین لمحات میں بھی اپنی ڈیوٹی پر جاتی رہ
ماں بیٹی نے ماہم والے بابا کی درگاہ پر جاکر منت بھ
تھی .... تمکنت بائی تو قرآن کھول کر اس کے آ
دو زانو بیٹھی رہتی تھی۔

خدا خدا کر کے وہ دن خلاف امید جلد ہی
جب رمضان خاں مسکراتا ہوا اپنی جھونپڑی میں
آیا۔ سلطنت اس سے چمٹ کر رونے لگی۔ تمکنہ
بائی بھی مخدوم بابا کا شکر بجا لائی۔ اڑوس پڑوس کی ع
بھی رمضان خان کو زندہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی
جب یہ ہنگامہ ختم ہوگیا تو تمکنت بائی بو
"پر تم ایک دم کہاں غائب ہوگئے تھے
دنوں تک ...؟

"ابی مرنی سے کہاں غائب ہوا تھا؟ م
سلطنت کو دیکھنے کے لئے گیا تھا۔ مگر دو غنڈوا
مجھے پستول دکھا کر سیٹھ ڈوقو کے اشارے پر ایک نـ
مقام پر بند کر دیا تھا۔ اور وہاں مجھے دھمکیاں د
سیٹھ ڈوقو وہ کام کرانا چاہتا تھا جو میں نے پچیس
کا لالچ دلانے پر بھی نہیں کیا تھا۔ کیونکہ یہ میرے د
ایمان، اصولوں عقیدوں ملک کے وقار، عزت
داری، اور زندگی و موت کا سوال تھا۔ رب الع
کی مہربانی سے میں اس امتحان میں پورا اتر گ
سلطنت کی ماں ...!" یہ کہہ کر رمضان خاں
شریر نظروں سے تمکنت بائی کو تاکا اور پھر بولا۔"
بڑے باپ کی بیٹی تمکنت! دیکھ میں نے اتنے سنگ
حالات میں بھی اپنے اصول منوا ہی لئے سیٹھ ڈ
بھی۔ کچھ غصہ اور کچھ ادا سے تمکنت بائی بولی۔" پر
تھا۔؟

سیٹھ ڈوقو مجھ سے جعلی کھاتے بنوانا چاہتا

(باقی صفحہ ۱۴

دیہی رسوئی گھر میں انقلاب

ضلع جلگاؤں کے تعلقہ ... (مہاراشٹر)

دا تے سوناس نامی گاؤں کے دور اندیش باشندوں نے فضلہ کو کام میں لاکر اپنے جیون کو سکھی بنالیا ہے آج ... یہ فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ کھانا پکانے کے لئے انکے پاس خود اپنا گیس مینوفیکچرنگ پلانٹ ہے۔

ابتک بیشتر دیہاتوں کی طرح سوناس گاؤں میں بھی جانوروں کا گوبر وغیرہ سڑتا رہتا اور فضا کو آلودہ کرتا رہتا تھا۔ اس حقیقت کو بھی نظر انداز کردیا گیا تھا کہ بہت سے دیہاتی اسے سکھا کر کھاد اور ایندھن کے طور پر کام میں لاتے ہیں۔ پانچ سو گھروں اور دو ہزار آبادی پر مشتمل اس گاؤں میں ۸۰۰ مویشی باڑے ہیں جو جھونپڑے یا گھر کے سامنے بنائے گئے ہیں۔

حیوان اور انسان کے فضلہ کو ٹھکانے لگانا اور ٹھیک سے کام میں لانا دیہاتوں کے لئے ایک مسئلہ ہے۔ لیکن اس گاؤں کے ہوشیار نیتاؤں نے نہ صرف اس مسئلہ کو حل کیا بلکہ گاؤں کی زندگی میں ایک چمتکار کر دکھایا۔ سابق ... سرپنچ اور چیرمین ولیج کوآپریٹیو سوسائٹی، شری ڈی۔ پی۔ پاٹل نے گوبر گیس پلانٹ اسکیم کو بڑے پیمانے پر روبہ عمل لانے کی تحریک کی اور دیہاتیوں کی زندگی میں انقلاب پیدا کردیا۔

تیس دیہاتوں اور خود گاؤں پنچایت کو کھادی ولیج انڈسٹریز کمیشن کی گوبر گیس پلانٹ اسکیم بہت پسند آئی۔ یہ سب متفرق المقاصد امداد باہمی سوسائٹی کے ممبر بن گئے تاکہ اپنے مکانات میں گوبر گیس پلانٹ لگائیں۔ کمیشن نے ۵،۰۰۰ روپے کا بلا سود قرض دیا جس میں انفرادی اراکین کے لئے قرض نیز ہر ایک کے لئے ۲۰۰ روپے کی امداد شامل ہے تاکہ گیس پلانٹ کے پاس سنڈاس بنایا جائے۔ اس طرح انہیں انسانی فضلہ کو جانوروں کے گوبر کے ساتھ کام میں لانے میں مدد ملی۔

۲۸۳ لٹر (۱۰۰ مکعب فٹ) سے لے کر ۷۰۸ لٹر (۲۵۰ مکعب فٹ) تک مختلف گنجائش رکھنے والے گیس پلانٹ ٹنکیوں کے لئے حکم صادر کیا گیا۔ دسمبر ۱۹۷۴ء میں ناآزودہ ... سے ... تھا اس وقت کمیشن کے ۶۵ ضلع منتظمین نے گاؤں میں ڈیرا ڈالا تھا تاکہ عین موقع پر گیس پلانٹ کی تعمیر کے سلسلے میں تربیت و نگرانی کا کام انجام دے سکیں۔

گاؤں میں تیس گیس پلانٹ پایہ تکمیل کو پہنچ چکے ہیں۔ اس نے گاؤں کی رسوئی کو نیا روپ دیا ہے اور اس سے گھر والی کو بڑی راحت ملی ہے۔ پندرہ گھروں میں ۲۸۳ لٹر (۱۰۰ مکعب فٹ)، نو میں ۴۲۵ لٹر (۱۵۰ مکعب فٹ)، چار میں ۵۶۶ لٹر (۲۰۰ مکعب فٹ) اور دو میں ۷۰۸ لٹر (۲۵۰ مکعب فٹ) گنجائش کے پلانٹ ہیں۔ ۲۸۳ لٹر گنجائش کے گیس پلانٹ کی تعمیر پر کل ۲۱۰۰ روپے خرچ ہوئے جس میں ۱۲۲۰ روپے قرض اور سنڈاس کے لئے ۲۰۰ روپے کی امداد کی رقم ہے۔ بقیہ مصارف متعلقہ افراد نے برداشت کئے۔

۲۸۳ لٹر گنجائش والے پلانٹ سے روزآنہ تیار ہونے والی گیس سے ۱۰ افراد کے ایک کنبہ کی کھانا پکانے کی تمام ضروریات پوری ہو جاتی

ہیں۔ نیز ایندھن پر صرف ہونے والی ۳۰۰ روپے کی رقم بھی بچ جاتی ہے اور زرخیز نائٹروجن دار کھاد ۲ سے ۳ ہیکٹر کے لئے مہیا کی جا سکتی ہے۔

اب سوناس گاؤں میں پنچایت نے عام سنڈاس بنائے ہیں۔ نیز ان کے پاس ہی ۱۵ ہم الرٹر (۵۰۰ مکعب فٹ) گنجائش کے گیس پلانٹ تعمیر کر رہی ہے تاکہ گیس تیار کی جائے۔ یہ گیس غریب اور بے گھر اشخاص کو دی جائے گی جنہیں … میں آباد کیا گیا ہے۔

کھادی ویلیج … نے حال ہی میں اپنی امداد … میں تبدیلی کی ہے اور یہ فیصلہ کیا کہ گیس پلانٹ کی تعمیر کے لئے قومیائے بینکوں کی معرفت پورا قرض دیا جائے … سادہ … گاؤں کے کامیاب تجربے نے آس پاس کے دیہاتوں کے لوگوں کے دماغوں میں بھی ایک لہر دوڑا دی ہے۔

اس طرح گیس پلانٹ نے دیہی باورچی خانے کو نئی زندگی دی ہے۔ نیز فضلہ کو کام میں لاکر ایک چمتکار کر دکھایا ہے جسے دیہات کے لوگوں نے ابتک نظرانداز کر رکھا تھا۔ دیگر دیہاتوں کے لوگ بھی اب سوناس گاؤں کے نقش قدم پر چلنا چاہتے ہیں۔

●●

بقیہ : مہاراشٹر میں غذائی خودکفالتی کے لئے جدوجہد

جماعت ڈاکٹر سوامی ناتھن کی زیرنگرانی متاثرہ علاقہ کا سروے کر رہی ہے۔ اندازہ ہے کہ ۵ فیصد سے لیکر ۹ فیصد تک فصل متاثر ہوئی ہے کاشتکاروں کو یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ متاثرہ فصل باجرہ کو تلف کر دیں۔ جہاں کافی نمی ہے وہاں مفت باجرہ بیج بونے کے لئے دیئے گئے ہیں۔ لیکن یہ بیج ان کاشتکاروں کو دیئے گئے ہیں جنھوں نے مارکیٹنگ فیڈریشن کے سرکاری کھاتہ سے خریدے ہوئے بیج سے باجرہ بویا تھا۔

ان علاقوں میں بھی جہاں مخلوط بیج متاثر نہیں ہوئے اس کے بدلے تازہ جوار کے بیج دیئے گئے ہیں۔

ربیع پروگرام

ربیع فصل میں اناج کی پیداوار کا پروگرام بڑے پیمانے پر آنے والے سرما کے دوران شروع کیا جائے گا۔ ربیع پروگرام کا ابتدائی نشانہ مندرجہ ذیل ہے۔

	لاکھ ہیکٹر
(۱) مخلوط جوار	۳
(۲) گیہوں	۸
(۳) مکئی	۰.۵
(۴) گرماکی جوار	۰.۴

موسم گرماکی فصل کے لئے گیہوں اور دھان کے بیج حاصل کرنے کے انتظامات کرلئے گئے ہیں۔ ۴۷,۰۰۰ کوئنٹل مستند بیج حاصل کرنے کے لئے نیشنل سیڈ کارپوریشن اور ترائی … سے … جا رہا ہے۔

چوہوں سے ہونے والے نقصان پر کنٹرول

چوہے گیہوں، مونگ پھلی اور گنے وغیرہ کی فصلوں کو سخت نقصان پہنچاتے ہیں۔ لہذا چوہوں کے خلاف مہم ۱۲ ضلعوں کے ۴۹۵ لاکھ ہیکٹر علاقے میں شروع کرنے کی تجویز رکھی گئی ہے۔ اس کے تحت زینوفوسائیڈ اور المونیم فوسفائیڈ کاشتکاروں کو مفت سپلائی کیا جائے گا۔ اس اسکیم پر تخمینی لاگت کا اندازہ ۵۰۔۱ کروڑ روپئے ہے۔

اناج کی پیداوار بڑھانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔ حکومت کی کوششوں اور کسانوں اور عوام کے تعاون سے مہاراشٹر یقیناً بہت جلد غذائی خودکفالتی کے نشانے کو حاصل کرلے گا۔

ہوم گارڈز، پونہ کے نئے فوجی افسر!

شری ایل۔ جے راکھی، سیکنڈ ان کمانڈ ہوم گارڈ، پونہ نے ضلع کمانڈنٹ کی حیثیت سے ٦ ستمبر سے عہدہ سنبھال لیا ہے۔

شری راکھی ہوم گارڈز تنظیم میں ۲ سال تجربہ رکھتے ہیں نیز انھوں نے کئی کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ انھیں کیمیکل انڈسٹری میں مینجمنٹ، ڈیولپمنٹ اور منصوبہ بندی کا تجربہ بھی حاصل ہے۔

قلمی معاونین سے

اپنی تخلیقات کے خانہ پر یا پشت پر اپنا مکمل پتہ ضرور تحریر فرمائیں۔ قلمی نام کے ساتھ اصل نام بھی درج فرمائیں۔

نا طلبیدہ مضامین کی ایک نقل اپنے پاس ضرور رکھیں!

نظر آرٹ کی تعلیم کے کورس پر نظر ثانی اور
بہتر بنانے کی شدید ضرورت تھی۔ لہٰذا
۱۹ء میں شریمتی ہنسا مہتا کی زیر صدارت
آرٹ ایجوکیشن کمیٹی قائم کی گئی جس نے
سی مفید سفارشات پیش کی تھیں۔ ان
رشات کی روشنی میں نیا نصاب تیار کرنے کی
سے ۱۹۶۷ء میں شری دی۔ آر۔ امبیکر کی
دارت ' آرٹ ایجوکیشن ریویو کمیٹی ' مقرر
۔ اس کمیٹی کا تیار کردہ نیا نصاب ۱۹۷۰ء سے
شٹر میں تمام سرکاری اور غیر سرکاری آرٹ
ں میں جاری کیا گیا ہے۔

نئے نصاب کی خصوصیات

ئے نصاب کے مطابق آرٹ کے ہر طالب علم کو
بنیادی کورس میں ایک سال تک تربیت حاصل
ی جو تمام شعبوں میں مشترک ہے۔ اس کورس
کے بعد ہی طالب علم کی صلاحیت اور رجحان
ق اسے کسی مخصوص شعبہ میں مہارت حاصل
ی اجازت ہوگی۔ نظری مضامین مثلاً تاریخ
طیفہ اور آرٹ کے بنیادی اصول وغیرہ پہلی
ماب میں شامل کئے گئے ہیں۔
س خیال سے کہ ڈپلوما یافتہ ہو جانے کے
لب علم ملازمت یا خود روزی کمانے کے
رطے لیتھوگرافی ، فوٹوگرافی ، بلاک میکنگ
ٹنگ جیسے مضامین ایلائیڈ آرٹ کے
نصاب میں اختیاری مضامین کی حیثیت سے شامل
کئے گئے ہیں۔ اسی طرح سلک اسکرین پرنٹنگ ،
ڈرائی پینٹ ، وُڈکٹ اور لینوکٹ وغیرہ ڈرائنگ
آرٹ اور پینٹنگ کورس میں اختیاری مضامین کی
حیثیت سے رکھے گئے ہیں۔

اس کے علاوہ آرٹ کے اداروں کو نئے
نصاب کی تعلیم کیلئے امداد دی جاتی ہے۔

تعلیم کے پرانے کورسوں کو بتدریج ختم
کیا جارہا ہے۔ پانچ سالہ ڈپلوما کورس کے طلبہ
کی پہلی جماعت ۱۹۷۵ء میں نکلی ہے۔ فروری
۱۹۷۵ء میں ایک کمیٹی قائم کی گئی ہے تاکہ آرٹ
ٹیچرس ٹریننگ کورس میں اصلاح کے لئے سفارشات
پیش کرے۔ گذشتہ پانچ سال کے تجربہ کے مدنظر
موجودہ نصاب پر نظرثانی کے لئے ایک ریویو کمیٹی
کے قیام کا سوال بھی حکومت کے زیر غور ہے۔

آرٹ یونیورسٹی

آرٹ کی تعلیم کی توسیع کے مدنظر ایک
علیحدہ یونیورسٹی کے قیام کا مسئلہ بھی حکومت
کے زیر غور ہے۔

پیشہ ور آرٹسٹوں کی حوصلہ افزائی کی غرض
سے مہاراشٹر میں ۱۹۵۶ء سے آرٹ کی نمائشوں
کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ۱۹۷۰ء سے
بچوں کے لئے آرٹ کے مقابلے کرائے جاتے ہیں
تاکہ ابتدائی اور ثانوی اسکولوں کے طلبہ میں آرٹ
کا شوق پیدا ہو۔

سو سالہ روایات کے حامل ڈرائنگ گریڈ
امتحانات کا اہتمام ابتدا ہی سے کل ہند بنیاد پر
کیا جاتا ہے۔ آج بھی ثانوی اسکولوں کے طلبہ
کے لئے مختص یہ امتحانات مہاراشٹر کے علاوہ
گوآ ، مدھیہ پردیش ، راجستھان ، اترپردیش
اور دہلی میں منعقد ہوتے ہیں۔ گذشتہ چالیس
سال کے دوران امتحانات میں کوئی خاص تبدیلی
رونما نہیں ہوئی ہے۔ بہرحال ۱۹۷۲ء میں
امتحان کے طریقے میں کچھ بنیادی تبدیلیاں کی گئیں ،
تاکہ آرٹ کے میدان میں جدید رجحانات سے
مطابقت رہے۔ طلبہ کو دیئے جانے والے
انعامات کی تعداد ۱۹۷۵ء سے پانچ گنا بڑھا
دی گئی ہے نیز انعامات کی رقم میں آٹھ گنا اضافہ
کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس سال سے نئی اسکیم کے
مطابق مستحق طلبہ ۷,۵۰۰ روپے کی مالیت
کے انعامات حاصل کر سکیں گے۔

اس طرح حکومت نے مختلف اسکیموں
کے ذریعہ آرٹ کو فروغ دینے اور لوگوں کے
ذوق و شوق کو بڑھانے کی کوشش کی ہے۔

●●

ٹرانسپورٹ آپریٹروں کو ہدایت

موٹر گاڑی محکمہ کے نفاذ دستہ نے حال ہی میں گجرات
کے کچھ ٹریکٹر ٹریلر یونٹوں کو مناسب رجسٹریشن کے بغیر
چلانے پر پکڑا۔ اس سلسلہ میں ان کے خلاف کارروائی
کی گئی اور ٹیکس وغیرہ وصول کیا گیا۔ اس طرح ۱۳,۰۰۰
روپے ٹیکس اور جرمانے کے طور پر وصول کئے گئے نیز کل
۱۴۰۰ روپے کورٹ کی جانب سے جرمانہ عائد کیا گیا۔ لہٰذا
ٹرانسپورٹ کمشنر مہاراشٹر اسٹیٹ نے ٹرانسپورٹ آپریٹروں
کو ہدایت کی ہے کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ استعمال
ہونے والی گاڑیاں ٹھیک طور سے رجسٹرڈ ہوں ، انکے
ٹیکس ادا کر دیئے گئے ہوں اور انکے تمام کاغذات درست ہوں۔

قومی راج کا آئندہ شمارہ
خسرو نمبر ہوگا

پیشہ ٹیکس کی بینکوں میں وصولی کا انتظام

حکومتِ مہاراشٹر نے ریاست مہاراشٹر پیشہ ٹیکس ایکٹ ۱۹۷۵ء کے تحت بمبئی عظمیٰ میں مندرج افراد سے ۲۵ر ستمبر ۱۹۷۵ء سے پیشہ ٹیکس چیک کے ذریعے بینک آف بڑودہ، بینک آف مہاراشٹر، کینارا بینک، سنٹرل بینک آف انڈیا، دینا بینک، انڈین اوورسیز بینک، یونین بینک آف انڈیا اور چارٹرڈ کمرشیل بینک میں قبول کرنے کا انتظام کیا ہے۔

بمبئی عظمیٰ کے تمام افراد جو کہ اس ایکٹ کے تحت مندرج ہیں یعنی جن پر ان کے ملازمین کی جانب سے نہیں بلکہ خود ان پر واجب ٹیکس کی ادائیگی لازمی ہے بہ متذکرہ بالا بینکوں کی کسی شاخ میں ان کا کھاتہ کھلا ہے، ان سہولتوں کا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

رسالے ضبط

حکومتِ مہاراشٹر نے تین رسالوں کے حسب ذیل شماروں کی فروخت اور تقسیم کی ممانعت کر دی ہے۔ یہ کارروائی دفاع اور اندرونی سلامتی ہند قوانین بابت ۱۹۷۱ء کے تحت ان میں نقصان دہ حروف شائع کرنے پر کی گئی ہے۔

(۱) بمبئی سے شائع ہونے والا مراٹھی ہفتہ وار "پربھنجن" مورخہ ۲۴ر اگست ۱۹۷۵ء جس کے مدیر شری نرائن گجانن اٹھاولے اور شری دجے مراٹھے ہیں۔

(۲) ضلع وردھا کے مقام اروی سے شائع ہونے والا ہندی۔ مراٹھی سہ روزہ "اروی ٹائمز" مورخہ ۲۸ر جولائی ۱۹۷۵ء جس کے مدیر شری موتی لال دودھر جنذرتھی ہیں۔

(۳) پونہ سے شائع ہونے والا مراٹھی ہفت روزہ "سادھنا" مورخہ ۳۰ر اگست ۱۹۷۵ء جس کے ایڈیٹر، پرنٹر اور پبلشر شری یادوناتھ دتاترے تھتے ہیں۔

حکومت نے مذکورہ شمارے، ان کی نقول اور اقتباسات بحق سرکار ضبط قرار دے دئے ہیں۔

ترقیاتی منصوبہ جات

تاریخ منظوری میں توسیع

حکومتِ مہاراشٹر نے ٹاؤن پلاننگ اسکیم، دِلے پارلے نمبر ۶ کو منظور کرنے کی تاریخ ۱۰ر نومبر ۱۹۷۵ء تک بڑھا دی ہے۔

حکومت مہاراشٹر نے چندرپور کے مسودہ ترقیاتی منصوبہ کو منظوری دینے کی مدت ۲۴ر جنوری ۱۹۷۶ء تک بڑھا دی ہے۔

حکومت مہاراشٹر نے ناندیڑ کے تبدیل شدہ ترقیاتی منصوبہ کو منظوری دینے کی مدت ۲۸ر دسمبر ۱۹۷۵ء تک بڑھا دی ہے۔

حکومت مہاراشٹر نے مسودہ سانگلی ٹاؤن پلاننگ اسکیمات نمبر ۳ اور ۴ کو منظوری دینے کی مدت ۱۵ر دسمبر ۱۹۷۵ء تک بڑھا دی ہے۔

حکومت مہاراشٹر نے ضلع کولہاپور میں ملکاپور ترقیاتی منصوبہ کی تاریخ منظوری یکم جنوری ۱۹۷۶ء تک بڑھا دی ہے۔

صنعتی تنازعات

میسرز آیورویدا سیوا سنگھ، ناسک اور ان کے ملازمین کے مابین عام مطالبات پر یعنی بونس، دو خواتین ملازمین کی مستقلی اور بحالی سے متعلق صنعتی تنازعہ کو حکومتِ مہاراشٹر نے بغرض تصفیہ شری سی۔ ڈی۔ پاٹل کی صنعتی عدالت کے سپرد کر دیا ہے۔

میسرز راج کمل ڈریسز، پونا اور ان کے ملازمین کے مابین عام مطالبات پر ہونے والے صنعتی تنازعہ کو حکومتِ مہاراشٹر نے بغرض تصفیہ شری ڈی۔ ایل۔ بھوجوانی کی صنعتی عدالت کے سپرد کر دیا ہے۔

سینڈوز (انڈیا) لمیٹڈ، تھانہ اور ان کے ملازمین کے مابین صنعتی تنازعہ حکومت مہاراشٹر نے بغرض تصفیہ شری پی۔ ایس۔ مالونکر کی صنعتی عدالت کے سپرد کر دیا ہے۔ یہ تنازعہ دو ملازمین کی پوری تنخواہ اجرت کے ساتھ بحالی کے معاملہ پر چل رہا ہے۔

آئل ملوں کیلئے پاور کٹوتی ختم

حکومت مہاراشٹر نے ریاست میں خوردنی تیل تیار کرنے والی ملوں کو فوری طور پر پاور کے استعمال کی پابندی سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔

ہائر سیکنڈری کلاسیں کھولنے کی شرائط

حکومت مہاراشٹر نے سال برائے ۷۶-۱۹۷۵ء کے لئے ہائر سیکنڈری کلاسوں میں داخلہ کے چند اصول مقرر کئے ہیں ۔

چنانچہ بوائز اسکولوں میں جہاں ۳۰ یا اس سے کم طلبہ ہوں اور لسانی اقلیتی اسکولوں، گرلز اسکولوں، سائی علاقے کے اسکولوں اور تعلیمی طور پر پسماندہ اضلاع مثلاً قلابہ، چندر پور، بھنڈارہ، ایوت محل، امدیڑ، پربھنی، بیڑ اور اورنگ آباد کے اسکولوں میں ۲۷ یا اس سے کم طلبہ ہونے کی صورت میں انھیں ہائر سیکنڈری کلاسیں چلانے کی اجازت نہیں دی جائے گی نیز اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو وہ سرکار سے سطوری اور امداد کے مستحق نہ ہوں گے ۔

اسی طرح بوائز اسکولوں میں جہاں طلبہ کی تعداد ۳۱ تا ۴۱ اور دیگر مذکورہ بالا اسکولوں میں جہاں طلبہ کی تعداد ۲۶ تا ۳۱ ہو ہائر سیکنڈری کی گیارھویں کلاس جاری کرنے کی اجازت نہیں دی جائیگی اگر انھوں نے ایسا کیا تو انھیں سرکار کی جانب سے گرانٹ کا مستحق نہیں قرار دیا جائے گا۔

بوائز اسکول میں جہاں ۴۲ تا ۴۹ داخلے ہوں اور جہاں حاضری کا اوسط ۴۰ سے کم نہ ہو اور متذکرہ بالا اسکولوں میں جہاں ۳۲ تا ۴۰ داخلے ہوں اور جہاں حاضری کا اوسط ۳۰ سے کم نہ ہو ہائر سیکنڈری چلانے کی اجازت ہوگی ۔ لیکن ان اسکولوں کو یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ اوسط حاضری مقررہ تعداد بالترتیب ۴۰ اور ۳۰ سے کم نہیں ہونی چاہیئے ۔

ایسے حلقوں میں جہاں محض ایک سیکنڈری اسکول میں ایک یا اس سے زائد کلاسیں ہائر سیکنڈری گیارہویں جماعت کی ہیں پر ۱۰ میل کے احاطہ میں کوئی اور منتخبہ اسکول نہیں ہے تو اس اسکول کو آرٹس اور کامرس شعبوں میں مشترکہ کورس چلانے کی اجازت ہوگی لیکن اس صورت میں مذکورہ کورس کیلئے کم ازکم ۷۰ طلبہ کے داخلے ہونے چاہئیں نیز اختیاری مضامین ۶ سے زیادہ نہ ہونا چاہئیں ۔

قبائلی ترقیاتی حلقوں میں کسی ایک اسکول کو جبکہ ایک شعبہ میں کسی اور اسکول کو کلاسیں الاٹ نہیں کی گئی ہوں، ۲ تا ۳۶ طلبہ کی تعداد اور کم ازکم حاضری کا اوسط ۲۰ ہونے پر کلاسیں چلانے کی اجازت ہوگی نیز ایسے اسکول سرکاری گرانٹ کے بھی مستحق ہوں گے ۔

ڈپٹی ڈائرکٹرز آف ایجوکیشن کو جو ہائر سیکنڈری کورس چلانے کے ذمہ دار ہیں، سختی سے ان قواعد پر عمل کرنے کی تاکید کی گئی ہے ۔ انھیں یہ بھی ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ ہائر سیکنڈری اسکولوں میں کلاسیں ٹھیک طور سے چلیں اور بعض اسکولوں میں مذکورہ شرائط پوری نہ ہونے پر کلاسیں بند ہوجانے پر طلبہ کو دوسرے اسکول میں داخلہ دلایا جائے ۔ ان کی فیس انھیں واپس کردی جائے اور کوئی بھی طالب علم داخلے کے بنا نہ رہ جائے ۔

گیارھویں اور بارھویں جماعتوں پر مشتمل اعلیٰ ثانوی طریقہ مہاراشٹر بھر میں موجودہ تعلیمی سال سے جاری کیا گیا ہے ۔ گیارہویں جماعت ۷۶-۱۹۷۵ء سے جاری کی گئی ہے اور بارھویں جماعت ۷۷-۱۹۷۶ء سے جاری ہوگی ۔ اس بابت فیصلہ کا اعلان فروری ۱۹۷۵ء میں کیا گیا تھا ۔ اس فیصلہ کے مدنظر مغربی مہاراشٹر میں منتخبہ سیکنڈری اسکولوں نیز

وزیر خارجہ سری وائی ۔ بی ۔ چوان، صدر کانگریس سری ڈی ۔ کے ۔ بروا اور مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ سری ایس ۔ ایس ۔ رے کے ساتھ ۱۳ ستمبر ۱۹۷۵ء کو ۲۰ نکاتی پروگرام سے متعلق سچیوالیہ میں ایک میٹنگ کے دوران وزیر اعلیٰ سری ایس ۔ بی ۔ چوان اپنے رفقائے کابینہ کے ساتھ نظر آرہے ہیں !

مراٹھواڑہ اور ودربھ میں تمام کالجوں، ہائر سیکنڈری اسکولوں اور منتخبہ سیکنڈری اسکولوں کو جاری تعلیمی سال سے گیارہویں جماعت جاری کرنے کے لئے چُنا گیا تھا۔ ایس۔ ایس۔ سی۔ امتحان مارچ ۱۹۷۵ء (دسویں جماعت) کے نتیجے کے اعلان کے بعد ہائر سیکنڈری کلاسوں میں داخلے ہوئے تھے۔ اس کے بعد صورتحال کا جائزہ لے کر حکومت نے ہائر سیکنڈری کلاسوں میں طلبہ کی تعداد اور امداد کے سلسلے میں مذکورہ قواعد وضع کئے ہیں۔

مراٹھواڑہ اور ودربھ کالجوں کو حکومت کی ہدایت

حکومت مہاراشٹر نے یہ ہدایت کی ہے کہ ودربھ اور مراٹھواڑہ علاقوں کے ایسے کالجوں کو جہاں آرٹس، سائنس اور کامرس کے الگ الگ شعبوں میں دس یا اس سے زیادہ طلبہ نے داخلہ لیا ہو، صرف سال ۷۶-۱۹۷۵ء کے لئے ان شعبوں میں کلاسیں جاری رکھنے کی اجازت دیجائے اور ان کلاسوں پر آنے والے خرچ کے لئے وہ امداد کے مستحق ہونگے۔

کسی بھی شعبہ میں اختیاری مضمون جاری کرنے کے لئے طلبہ کی کم ازکم تعداد سالِ رواں میں دس سے کم نہیں ہونی چاہئے۔

ایسے کالج جہاں کسی خاص شعبہ کی ایک کلاس میں طلبہ کی تعداد دس سے بھی کم ہے، وہ کلاسیں فوراً بند کردیں نیز ایسے کالج جہاں اختیاری مضامین کے لئے دس سے کم طلبہ ہیں ایسے اختیاری مضامین کی تعلیم فوری طور پر بند کردیں۔

کالجوں میں ایسی کلاسیں یا اختیاری مضامین کی تعلیم بند ہونے سے متاثرہ طلبہ کو ڈپٹی ڈائرکٹر آف ایجوکیشن اور متعلقہ ایجوکیشن آفیسر کے ذریعے نزدیکی کالجوں اور اعلیٰ ثانوی اسکولوں میں داخلے دیئے جائیں گے۔ انھیں یہ بھی ہدایت کی گئی ہے کہ طلبہ سے وصول کی گئی فیس انھیں پوری پوری واپس کردی جائے۔

کھیت اور کھلیان

چوہوں سے نجات پانے کی مہم سالِ رواں میں جاری

حکومتِ مہاراشٹر نے کھیتوں کو نقصان پہنچانے والے چوہوں اور دیگر کترنے والے جانوروں سے نجات پانے کی اسکیم ۲ لاکھ روپوں کے تخمینی مصارف سے رواں سال میں جاری رکھی ہے جو بیس اضلاع میں زیرِعمل لائی جائے گی۔ یہ اسکیم متعلقہ کرشی ودیا پیٹھ کی فنی رہنمائی میں ضلع پریشدیں زیرِعمل لائیں گی۔ محکمۂ زراعت بھی پوری مدد دیگا۔

مہاراشٹر زرعی صنعتی ترقیاتی کارپوریشن لمیٹیڈ اس مقصد کے تحت زنک فوسفائیڈ خریدنے کا انتظام کرے گی جو ضلع پریشدوں کے افسرانِ اعلیٰ کی جانب سے مقررہ گوداموں میں جمع کیا جائے گا۔ مذکورہ کارپوریشن کافی مقدار میں الومنیم فاسفائیڈ بھی فروخت کیلئے جمع کرے گی۔

گذشتہ سال اس اسکیم کی کامیابی کے مدنظر حکومت نے غوروخوض کے بعد سالِ رواں میں بھی اس اسکیم کو جاری رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔

فصل کٹائی تجربات : کمیٹی کی تشکیل

حکومت مہاراشٹر نے دیہی سطح پر محصول انسپکٹر کی زیرِصدارت ہر موضع میں ایک کمیٹی قائم کی ہے تاکہ وہ فصل کٹائی کے تجربات کرے۔ کمیٹی کے دیگر ممبران گرام سیوک اور سرپنچ ہیں۔

حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کسی محصول انسپکٹر کو ۱۲ سے زیادہ تجربوں کا کام نہیں سونپا جائے۔ باقی کے تجربات بلاک کے زرعی افسر کی زیرِصدارت کمیٹی انجام دے گی۔

فصلِ ربیع میں اناج کی پیداوار کا نشانہ : وزیرِاعلیٰ کی منظوری

وزیرِاعلیٰ شری شنکر راؤ چوان نے بمبئی ڈیویژنل کمشنر شری کے۔ جی۔ پرانجپے کے اس مطالبہ کو کہ فصلِ ربیع کے لئے اناج کے ۷۷،۴ لاکھ ٹن کے نشانے کے معاملے میں لچکدار رویّہ اختیار کیا جائے، اس شرط پر فوراً بخوشی منظور کرلیا کہ اس کا مقصد اس سے زیادہ اناج حاصل کرنا ہو۔

جوار کی فصلوں کی حفاظت : ایوت محل ضلع پریشد کا اقدام

ایوت محل ضلع پریشد نے جوار فصل کو مچھ مکھیوں اور کیڑے مکوڑوں سے بچانے کیلئے ۴۶،۰۰۰ ہیکٹر اراضی پر اعلیٰ اور مقامی قسم کی جوار کی فصلوں پر ۱۰ فیصد بی۔ ایچ۔ سی۔ پاؤڈر کے چھڑکاؤ کی مہم شروع کی ہے۔ چھڑکاؤ پروگرام شروع کیا جاچکا ہے اور ۴۶،۰۰۰ ہیکٹر اراضی پر مکمل کیا جاچکا ہے۔ فی الحال ریاستی حکومت اس مہم پر عملدرآمد کرنے کے لئے ۸۰۰ ٹن بی۔ ایچ۔ سی۔ ۱۰ فیصد پاؤڈر ضلع پریشدوں کو تقسیم کرچکی ہے۔

واضح رہے کہ حکومت مہاراشٹر نے کالجوں میں اعلیٰ
دی کلاسوں کیلئے طلبہ کی تعداد ۷۰ یا اس سے زیادہ
زر کی ہے۔ چونکہ ودربھ میں تمام اعلیٰ ثانوی اسکول
مراٹھواڑہ میں کچھ منتخب ثانوی اسکول گیارہویں جماعت
نے کیلئے منتخب کئے گئے ہیں لہٰذا کالجوں کو ان کے لئے
رر کردہ اعلیٰ ثانوی کلاسوں میں داخلہ کے لئے کافی
بہ نہ مل سکے۔

لہٰذا حکومت نے یہ فیصلہ کالجوں اور طلبہ کی
شانیوں کو دور کرنے کی غرض سے کیا ہے جو طلبہ کی کم
راد کے باعث کلاسوں کے بند ہوجانے پر انھیں پیش
سکتی ہیں۔

تعلیمی اداروں کے ملازمین کیلئے رعایت

حکومت مہاراشٹر نے ہدایت کی ہے کہ پنشن، گریجویٹی
کرایہ مکان بھتہ وغیرہ کے مقاصد سے مہنگائی بھتہ کا
انی حصہ بطور تنخواہ شمار کرنے کی رعایت سرکاری ملازمین
ی جانے والی شرائط پر انجینئرنگ کالجوں، پالی
لک، ٹیکنیکل ہائی اسکول نیز دی۔ آر۔ کالج آف
نیئرنگ، ناگپور کے تدریسی اور غیر تدریسی ملازمین
بھی دی جائے۔

پنشن میں عارضی اضافہ

حکومت مہاراشٹر نے یہ ہدایت کی ہے کہ سرکاری
ن پانے والے اشخاص کے لئے منظور کردہ پنشن میں
بھی اضافہ نیز اقل ترین پنشن کی رعایت غیر سرکاری
ی اسکولوں کے ایسے تدریسی اور غیر تدریسی افراد
بھی دی جائے جو یکم اپریل ۱۹۶۶ء کو یا اس کے
ریٹائر ہوئے ہیں اور پنشن پا رہے ہیں۔
یہ احکامات یکم اپریل ۱۹۷۵ء سے نافذ کئے گئے

بھنڈارکر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

حکومت مہاراشٹر نے بھنڈارکر اورینٹل ریسرچ
انسٹی ٹیوٹ، پونہ کی ریگولیٹنگ کونسل میں تین سال
یعنی ۱۹۷۵ء سے ۱۹۷۸ء تک کیلئے مندرجہ ذیل
افراد کو اپنے نمائندوں کی حیثیت سے مقرر کیا ہے۔

ڈاکٹر اے۔ ایم۔ گھاٹے، ڈائرکٹر، دکن کالج،
پوسٹ گریجویٹ اور ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، پونا؛
پروفیسر ٹی۔ جی۔ مینکر، ہیڈ آف ڈپارٹمنٹ آف
سنسکرت، بمبئی یونیورسٹی، بمبئی؛ شری وی۔ وی
میراشی، ناگپور یونیورسٹی، ناگپور؛ ڈاکٹر کے۔ ایم۔
کلکرنی، ڈائرکٹر آف لینگویجز، بمبئی اور پروفیسر آر۔
بی۔ کانگلے، بمبئی۔

نیز حکومت نے ڈاکٹر اے۔ ایم۔ گھٹگے اور ڈاکٹر
دی۔ ایم۔ کلکرنی کو بھی متذکرہ انسٹی ٹیوٹ کے
ایگزیکیوٹیو بورڈ میں مذکورہ تین سال کی مدت کے لئے
اپنے نمائندوں کی حیثیت سے مقرر کیا ہے۔

ٹیچرس سرٹیفکیٹ کی منظوری

حکومت مہاراشٹر نے چند شرائط کے ساتھ آندھرا پردیش
سرکار کے سینئر گریڈ بیسک ٹیچرس سرٹیفکیٹ (دوسالہ
کورس) کو ملازمت دینے کی خاطر حکومت مہاراشٹر کے
ڈپلوما ان ایجوکیشن کے مساوی تسلیم کرلیا ہے۔

میسور ڈپلوما کی منظوری

حکومت مہاراشٹر نے مہاراشٹر پبلک سروس کمیشن،
بمبئی کے حدود اختیار سے باہر مناسب شعبوں میں ریاستی
حکومت کے ماتحت ملازمتوں میں بھرتی کی خاطر بورڈ آف
ٹیکنیکل اگزامینیشن، میسور کی جانب سے دیئے
گئے میٹالرجی (Metallurgy) ڈپلوما کو بورڈ
آف ٹیکنیکل اگزامینیشن، مہاراشٹرا اسٹیٹ، بمبئی کے
میٹالرجی ڈپلوما کے مساوی قرار دیا ہے۔

اطفال آرٹ مقابلہ برائے سال ۷۶-۱۹۷۵ء

حکومت مہاراشٹر نے ۷۶-۱۹۷۵ء کے دوران ضلع
پریشدوں کے ذریعے دیہی علاقوں میں اور رضاکار
اداروں کے ذریعے بمبئی عظمیٰ میں اطفال آرٹ مقابلے
منعقد کرنے کی اسکیم جاری رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔

دیہی علاقوں کے لئے ہر ضلع پریشد کو ۵۰۰ روپے
کی اور بمبئی عظمیٰ میں مقابلہ کا اہتمام کرنے والے ہر
ادارے کو ۱۰۰۰ روپے تک امداد دی جائے گی۔

مارکیٹ کمیٹیوں کے انتخابات ملتوی

گورنر مہاراشٹر نے زرعی پیداوار مارکیٹ کمیٹیوں کے
ممبران کے انتخابات کو ہنگامی حالات کے دوران ملتوی
کرنے کی خاطر فرمان (آرڈیننس) جاری کیا ہے جو فوری
طور پر لاگو ہوگیا ہے۔

مہاراشٹر زرعی پیداوار مارکیٹ (باقاعدگی) ہنگامی
حالات کے باعث التوائے انتخابات آرڈیننس بابت
۱۹۷۵ء مہاراشٹر سرکار کے غیر معمولی گزٹ مورخہ
۶ ستمبر ۱۹۷۵ء کے حصہ چہارم میں شائع کردیا گیا ہے۔

میونسپل انتظامیہ میں سدھار سرکار کی ہدایت

حکومت مہاراشٹر نے ریاست میں تمام میونسپل
کونسلوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ میونسپل انتظامیہ کو
بہتر بنانے کے لئے قدم اٹھائیں۔ انھیں ہدایت کی
گئی ہے کہ انتظامیہ میں بدعنوانی، بے ضابطگی اور اقربا
پروری روکی جائے اور اس کی کارگزاری کو بہتر بنایا جائے۔

حکومت نے انھیں مزید ہدایت کی ہے کہ معقول
وجہ کے بغیر نئے تقررات نہ کئے جائیں اور عملی اقدام کئے
جانے کے بعد امداد وغیرہ کی منظوری کے لئے سرکار
سے رجوع نہ کیا جائے نیز سفر اور اسی قسم کے دیگر
امور پر غیر ضروری اخراجات سے پرہیز کیا جائے۔

حکومت نے ہر کلکٹر کو چھ ماہ کے اندر میونسپل
انتظامیہ میں ہونے والے سدھار کی اطلاع دینے کی
ہدایت کی ہے۔ پہلی رپورٹ دسمبر کے آخر تک پیش
کی جانی چاہیے۔

●●

یومِ اساتذہ تقاریب

ڈاکٹر رادھا کرشنن کے نقشِ قدم پر چلئے اساتذہ کو گورنر کی نصیحت

گورنر مہاراشٹر شری علی یاور جنگ نے ۵ ستمبر کو یوم اساتذہ پر راج بھون میں منعقدہ ایک تقریب میں ۳۸ ابتدائی، ثانوی و خاص مدرسین اور پروفیسروں کو ریاستی انعامات تقسیم کئے۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے گورنر موصوف نے ڈاکٹر رادھا کرشنن کی ملک کی خاطر خدمات پر روشنی ڈالی، جن کے جنم دن پر یہ تقریب منعقد ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ڈاکٹر رادھا کرشنن ایک مثالی استاد تھے جو ترقی کر کے جمہوریۂ ہند کے سربراہ مقرر ہوئے۔ تاہم ریاست کی ذمہ داریوں اور ان مشکلات کے باوجود جن کا اس زمانے میں ہندوستان کو سامنا کرنا پڑا، تعلیم کے فروغ، تعلیمی اداروں کی ترقی اور استادوں کے مفاد سے ان کی دلچسپی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔

گورنر موصوف نے مزید فرمایا کہ طب کی طرح معلمی ایک اعلیٰ پیشہ ہے اور بڑی ذمہ داریوں کا حامل ہے۔ معلم کو محض درس ہی نہیں بلکہ اپنی ذات کو نمونہ بنا کر پیش کرنا چاہیئے۔ اس کا فرض ہے کہ نوجوانوں میں بحیثیت شہری احساس فرض اور علم کا ذوق وشوق پیدا کرے۔ اسی طرح وہ اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوسکتا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اساتذہ کی برادری بڑی اہم عوامی خدمت انجام دیتی ہے۔ ان کا پیشہ قابلِ قدر ہے۔ لہٰذا ریاست کا فرض ہے کہ اساتذہ کے مفاد کا ہر طرح خیال رکھے، جبکہ خود اساتذہ کو قوم کے مفاد کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔

گورنر نے انعامات پانے والوں کو مبارکباد دی اور اُن کی کامیابی کی خواہش ظاہر کی۔

مرکزی وزیر تعلیم پروفیسر نور الحسن اس تقریب میں موجود تھے۔ اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے آپ نے اساتذہ سے گذارش کی کہ وہ نوجوانوں کی ذہنی تربیت کرتے وقت ہندوستانی تہذیب کے مختلف پہلوؤں کا خیال رکھیں۔ آپ نے اساتذہ سے یہ بھی درخواست کی کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ پسماندہ طبقات کے بچوں کو کافی سہولتیں حاصل ہوں تاکہ وہ اپنی تعلیم جاری رکھ سکیں۔

شریمتی پربھا راؤ، وزیر تعلیم نے مہمانوں کا خیرمقدم کیا۔ شری رام ناتھ پانڈے، وزیر مملکت برائے تعلیم نے شکریہ ادا کیا۔

بلڈانہ ضلع پریشد میں یوم اساتذہ

۵ ستمبر کو بلڈانہ میں آنجہانی ڈاکٹر ایس۔ رادھا کرشنن کی سالگرہ یوم اساتذہ کے طور پر بلڈانہ ضلع

شری شنکر راؤ چوان کو ۱۸ ستمبر ۱۹۷۵ء کو وزیر اعلیٰ امدادی فنڈ کے لئے ایک لاکھ روپے کا عطیہ پیش کیا گیا۔ اس موقع پر لی ہوئی تصویر۔ عطیہ دہندہ ، صابو ، باباصاحب ، او ، تمرنگا

پرلیشد کے زیر اہتمام منائی گئی۔ سروشری آر۔این پاٹل' ہیڈماسٹر' میونسپل ہائر سیکنڈری اسکول' ملکاپور' پانڈورنگ مہادیو نم جے' ہیڈماسٹر' کوٹھاری ہائر سیکنڈری اسکول' نندورا؛ تُرسم راؤ باپوراؤ دیال' ہیڈماسٹر' ضلع پرلیشد پرائمری اسکول' میرا بزرگ اور ماروتی شری پت کستورے' ہیڈماسٹر' ضلع پرلیشد پرائمری اسکول' سوانہ' کو شری این۔کے۔ فرٹونیس' کلکٹر' بلڈانہ نے اُن کی قابل قدر خدمات پر مبارکباد دی اور انھیں اعزاز بخشا۔

چیف ایگزیکیوٹیو آفیسر' ضلع پرلیشد' شری پی۔ ایس۔ بھوگال نے صدارت کے فرائض انجام دیئے۔

قوم کی تعمیر میں تعلیم کا حصہ

ڈاکٹر لیون ڈیسوزا

ڈاکٹر لیون ڈیسوزا' وزیر مملکت برائے صحت عامہ نے ۱۴ ستمبر کو ولے پارلے بمبئی میں موہو جے سینر کے زیر اہتمام " طلبہ کی مشکلات اور اساتذہ کے فرائض کے عنوان" پر ایک سیمینار کا افتتاح کیا۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر لیون ڈیسوزا نے فرمایا کہ تعلیم کا مقصد قوم کی تعمیر ہے' چنانچہ طلبہ' اساتذہ اور ماہرین تعلیم کو چاہیئے کہ وہ تعلیم کا درجہ بلند کرنے اور اس کے مقصد کو پورا کرنے کی سخت کوشش کریں۔

شری سول پواری' ڈاکٹر جے۔ آر۔ چن والا' شری ایم۔اے۔ لطیف' شری فرینک واز' اور ڈاکٹر ڈبلیو۔ بھاوے نے بھی سیمینار میں حصہ لیا۔

عام آدمی کے مفاد کی حفاظت

سرکاری وکلاء کو شری انتولے کا مشورہ

شری اے۔آر۔ انتولے' وزیر قانون و عدلیہ نے ۱۴ ستمبر کو سچیوالیہ بمبئی میں سرکاری وکیلوں کی کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے سرکاری وکلاء سے گذارش کی کہ وہ عام آدمی کے مفاد کو مدنظر رکھیں تاکہ مجموعی طور پر عوام کا مفاد محفوظ رہے۔

شری بی جے۔ کھتال' وزیر مملکت برائے قانون و عدلیہ نے کانفرنس کی صدارت کے فرائض انجام دیئے۔

شری انتولے نے مزید فرمایا کہ جمہوری نظام میں حکومت عوام ہی کے منتخب کردہ نمائندوں پر مشتمل ہوتی ہے اور ان کی ہی نمائندہ ہوتی ہے۔ لہٰذا حکومت کی پالیسی لوگوں ہی کی پالیسی بن جاتی ہے۔ اس حیثیت سے سرکاری افسران اور ملازمین کا یہ فرض ہے کہ وہ حکومت کی پالیسی اور خیالات کی پیروی کریں۔

شری بی۔ جے۔ کھتال نے اپنے صدارتی خطبہ میں فرمایا کہ سرکاری وکلاء کو اپنا کام سماجی خدمت سمجھ کر انجام دینا چاہیئے۔ آپ نے یہ امید بھی ظاہر کی کہ کانفرنس وکیلوں کو درپیش مسائل پر بھی غور کریگی۔

ابتداء میں حکومت مہاراشٹر کے قانونی مشیر شری مہتا نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ مہاراشٹر کے ایڈوکیٹ جنرل' شری رام راؤ اڈک اور ممتاز قانون داں شری مادھو راؤ پرانجپے بھی شریک تھے۔

عوامی ترقیاتی فنڈ

ضلع پونا نے ۸ لاکھ سے زیادہ رقم جمع کی:

" عوامی اقدام برائے ترقی ہند " کی شاخ مہاراشٹر ریاست میں اناج کی پیداوار بڑھانے کے لیۓ زبردست جدوجہد شروع کی ہے۔ جمع ہونے

وزیر قانون و عدلیہ شری اے۔آر۔ انتولے نے ۱۴ ستمبر کو سچیوالیہ میں سرکاری وکلاء کی کانفرنس کا افتتاح فرمایا۔ وزیر مملکت برائے قانون و عدلیہ شری بی۔جے۔ کھتال اور ایڈوکیٹ جنرل مہاراشٹر شری رام راؤ اڈک بھی تصویر میں نظر آرہے ہیں۔

وزیر اعلیٰ ریلیف فنڈ میں ایک لاکھ کا عطیہ

سائیں بابا سنستھان' شرڈی نے مبلغ ایک لاکھ روپے کا عطیہ وزیر اعلیٰ کے ریلیف فنڈ میں دیا۔ ٹرسٹ کی جانب سے چیک ۱۸ ستمبر کو شری این۔کے۔ پاریکھ جج' سٹی سول کورٹ بمبئی اور شری کے۔ ایس۔ پاٹھک کورٹ ریسیور نے وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان کو پیش کیا۔

شری بسیسر لال گوئنکا میموریل ٹرسٹ نے بھی اس فنڈ میں مبلغ دس ہزار کا عطیہ دیا ہے۔

والی رقم میں سے ایسے اداروں کو ضروری مالی امداد دی جائے گی جو زراعت کو ترقی دے رہے ہیں۔"

شری شرد پوار، وزیر زراعت نے گزشتہ ۱۴ ستمبر کو پونا میں ایک تقریب "ایمج آف انڈیا" میں جو کمیٹی کے لئے فنڈ جمع کرنے کے لئے منعقد ہوئی تھی، بحیثیت مہمانِ خصوصی تقریر کرتے ہوئے مذکورہ بالا اعلان کیا۔

اس عزم کا اعادہ کرتے ہوئے کہ ریاست آئندہ چند سال میں اناج کی پیداوار میں خود کفالت حاصل کرے گی، شری پوار نے فرمایا کہ "عوامی ترقیاتی فنڈ کے لئے چندہ رضاکارانہ عطیات، کلچرل پروگرام اور دیگر مناسب ذرائع سے جمع کیا جا رہا ہے ضلع پونا نے فنڈ کے لئے فراخ دلی سے چندہ دے کر دیگر اضلاع کے لئے ایک مثال قائم کر دی ہے۔

اس خیال کے ماتحت کہ سماج کے سبھی طبقات کے افراد عوامی ترقیاتی پروگرام میں حصہ لیں، وزیر اعلیٰ نے "روپیہ فنڈ" کی تجویز پیش کی ہے۔ اناج کی پیداوار بڑھانے کی شدید ضرورت کے مدنظر سب ہی کو فوراً اس میں حصہ لینا چاہئے۔

وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان کی اپیل پر ممتاز فلم اسٹار کماری آشا پاریکھ اور ممتاز رقاص شری گوپی کرشن نے بخوشی یہ آمادگی ظاہر کی تھی کہ وہ مہاراشٹر میں عوامی ترقیاتی فنڈ کے لئے رقم جمع کرنے کی غرض سے چھ پروگرام پیش کریں گے۔ اس سلسلے میں ۱۴ ستمبر کو بال گندھروا مندر، پونا میں منعقدہ یہ ان کا پہلا پروگرام تھا جس میں ۴۰ سے زیادہ فنکاروں کی ٹولی نے شری یوگیندر دلیپائی کی رہنمائی میں عوامی رقص اور گیت پیش کئے۔

ہوم گارڈ کی خدمات

گزشتہ ۱۱ ستمبر ۱۹۷۵ء کو بوری بندر اور گھاٹ کوپر کے اسٹیشنوں پر ۵۰ سے زائد ہوم گارڈز نے بکنگ کھڑکیوں، پلیٹ فارموں اور ٹیلوں پر

وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان نظام اسٹریٹ، پایدھونی پر گری ہوئی عمارت عائشہ منزل کا معائنہ ۲۱ ستمبر کر رہے ہیں۔ وزیر اعلیٰ کے ساتھ وزیر شہری ترقیات ڈاکٹر رفیق زکریا بھی نظر آرہے ہیں۔

مسافروں میں نظم و ضبط برقرار رکھنے کیلئے سینٹرل ریلوے حکام کی امداد کی۔

مستقبل میں ہوم گارڈز اتوار کو یا کسی اور منتخبہ روز دو گھنٹے ریلوے حکام کی مدد کیا کریں گے۔

ڈسپلن کے لئے سِول ڈیفنس تربیت کی ضرورت وزیر اعلیٰ کا ارشاد

وزیر اعلیٰ مہاراشٹر، شری شنکر راؤ چوان نے ۱۰ ستمبر کو سول ڈیفنس اسٹاف کالج کے قیام کی بارھویں سالگرہ پر منعقدہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے خصوصاً موجودہ ہنگامی حالات میں لوگوں میں ڈسپلن پیدا کرنے کی خاطر سول ڈیفنس تربیت کی ضرورت پر زور دیا۔

وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ لوگوں کو ہمیشہ چوکنا رہنا چاہئے اور غیر متوقع صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے پوری طرح تیار رہنا چاہئے۔ سول ڈیفنس تربیت سے ڈسپلن کا شعور، قربانی اور خدمت کا جذبہ اور سب سے بڑھ کر تمام مشکلوں پر قابو پانے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔

وزیر اعلیٰ نے شہری دفاع تربیت کو بڑھانے کی ضرورت جتائی اور بتایا کہ اس مقصد سے ہشتم سے دہم تک ثانوی اسکولوں کے نصاب میں حکومت کی جانب سے سول ڈیفنس کو ایک مضمون کی حیثیت سے شامل کیا گیا ہے۔

وزیر اعلیٰ نے سول ڈیفنس سے متعلق مظاہرے کا معائنہ کیا۔

بریگیڈیر بی۔ جی۔ دیوسکر، ڈائرکٹر، سول ڈیفنس نے مہمانوں کا استقبال کیا اور شری جے۔ ایف۔ شراف نے شکریہ ادا کیا۔

اینٹ صنعت کیلئے میٹرک طریقہ

اینٹ صنعت میں میٹرک طریقے کو اپنانے کے بارے میں

ستمبر کو سچیوالیہ میں صنعت کے نمائندوں کی میٹنگ میں
ور کیا گیا۔

اس میٹنگ میں یہ تجویز رکھی گئی کہ روایتی اینٹ
انے کے طریقے کو میٹرک طریقے میں تبدیل کرنے کی نومبر
۱۹۷۶ء سے شروعات کی جائے اور نومبر ۱۹۷۷ء تک
ں کی تکمیل کی جائے۔

اس تبدیلی کے لئے اینٹ بنانے والوں کو انڈسٹریز
ے ڈائرکٹر بعض قوانین اور شرائط کے تحت ضروری لائسنس
ینے کے بارے میں قدم اٹھائیں گے۔

نابیناؤں کیلئے چندہ جمع کرنے کی مہم
گورنر نے افتتاح کیا :

شری علی یاور جنگ، گورنر مہاراشٹر نے نابیناؤں کے
لئے نیشنل ایسوسی ایشن کی جانب سے چندہ جمع کرنے کی
ہم کا گذشتہ ۱۲ ستمبر کو راج بھون میں افتتاح کیا، اور
نڈ میں چندہ دیا

ڈاکٹر جے۔ این۔ سرجی، چیرمین، فلیگ ڈے کمیٹی
ے اس موقع پر گورنر کے کوٹ پر فلیگ لگایا۔

شری وجے مرچنٹ، صدر، نیشنل ایسوسی ایشن فار
ی بلائنڈ، شریمتی تہمینا ایف۔ ڈی۔ ناناوٹی، چیرمین،
ینانس ریزنگ کمیٹی، اور لیڈی جے۔ ڈگن، ایسوسی ایشن
ا آنریری خزانچی اس موقع پر موجود تھیں۔

نیشنل ایسوسی ایشن فار دی بلائنڈ کی جانب سے
بیناؤں کے واسطے چندہ جمع کرنے کیلئے سال میں ایک
رتبہ فلیگ ڈے منایا جاتا ہے۔ اس سال فلیگ ڈے
۱۱ ستمبر کو منایا گیا۔

پچھلے سال ۱٫۶۵ لاکھ روپے کا نشانہ رکھا گیا
تھا جب کہ اس سال ۲ لاکھ روپے کا چندہ اکٹھا کرنے
ا نشانہ مقرر کیا گیا ہے۔ یہ رقم ملک کے نابیناؤں کی
علیم اور بحالی پر خرچ کی جائے گی۔

ہندی کلاس کا اجراء

شری پی۔ کے۔ کنٹے، وزیر مملکت برائے ہاؤسنگ
نے گذشتہ ۱۴ ستمبر کو سائن کولی واڑہ کے ٹرانزٹ
کیمپ میں ہندی کلاس کا افتتاح کیا جو ممبئی ہندی
ودیا پیٹھ چلائے گی۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری کنٹے نے
ہندی کی اہمیت پر زور دیا اور فرمایا کہ لوگوں کو دیگر ریاستوں
کی زبانیں بھی سیکھنا چاہئیں تاکہ پورا ملک جذباتی طور پر متحد رہے۔

ہاؤسنگ مسئلہ کا ذکر کرتے ہوئے شری کنٹے نے فرمایا
کہ حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ تقریباً ۴۰ ہیکٹر زمین حاصل
کرکے صرف متوسط طبقہ، کم آمدنی رکھنے والے طبقہ اور
محنت کش طبقہ کی امداد باہمی سوسائٹیوں کو تقسیم کی جائے
جہاں ڈرینج اور لائٹ وغیرہ کا بھی انتظام کیا جائے گا۔

شری ایس۔ وی۔ ادارکر، سکریٹری، جال کمیٹی، رابطہ
کنفیڈریشن، ٹرانزٹ کیمپ نے مہمانوں کا استقبال کیا
اور شری پی۔ آر۔ مہاڈکر، چیرمین نے شکریہ ادا کیا۔ شری
پرمود نونکر اور ڈی۔ بی۔ سولے (ایم۔ ایل۔ اے) نے
بھی اس موقع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

جے۔ جے۔ ہسپتال میں میونسپل اسکول
ڈاکٹر لیون ڈیسوزا نے افتتاح کیا

ڈاکٹر لیون ڈیسوزا، وزیر مملکت برائے صحت عامہ نے
گذشتہ ۱۸ ستمبر کو جے۔ جے۔ ہسپتال کمپاؤنڈ، ممبئی
میں میونسپل مراٹھی اسکول کا افتتاح کیا۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ قوم
کی ترقی میں تعلیم بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ نوجوان نسل ہی
قوم کے مستقبل کو بناتی ہے اور اس نوجوان نسل کو
ذمہ دار شہری بنانے کا واحد ذریعہ تعلیم ہی ہے۔

ہسپتال کے چوتھے درجے کے ملازمین کے لئے
تعمیر مکانات کے مسئلے سے متعلق وزیر موصوف نے
فرمایا کہ سرکار مختلف ہسپتالوں کے کمپاؤنڈز میں
فاضل اراضی کمرشیل مقاصد کے لئے استعمال کرنے
کے بارے میں غور کر رہی ہے تاکہ اس مسئلہ کو حل
کرنے کے لئے ضروری سرمایہ اکٹھا کیا جا سکے۔

ابتدا میں شری پی۔ سی۔ بانڈیا، ڈپٹی کمشنر،
ممبئی میونسپل کارپوریشن نے مہمانوں کا استقبال کیا
شری پی۔ ڈی۔ ہلڈنکر، ایجوکیشن آفیسر نے شکریہ
ادا کیا۔

مفادِ عامہ خدمات

حکومت مہاراشٹر نے پٹرولیم کی پیداوار، تقسیم اور سپلائی
سے متعلق صنعتوں کو ۲۹ ستمبر ۱۹۷۵ء سے مزید چھ
ماہ کیلئے مفادِ عامہ خدمات قرار دے دیا ہے۔

وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان ممبئی و ٹھاگ کی ریع فصل سے متعلق اجلاس سے ۱۵ ستمبر کو سچیوالیہ میں خطاب فرما رہے ہیں۔
تصویر میں (بائیں سے دائیں طرف) وزیر زراعت شری شرد پوار، وزیر آبپاشی شری وسنت دادا پاٹل اور مہاراشٹر پردیش کانگریس
کمیٹی کے صدر شری پی۔ کے۔ ساونت بھی نظر آرہے ہیں۔

پینسٹھ ہزار سے زیادہ نابیناؤں کی بینائی بحال

رائل سوسائٹی کی کارگذاری :

رائل کامن ویلتھ سوسائٹی فار بلائنڈ (آر۔سی۔ایس۔بی) کے زیر سرپرستی طبی جماعتوں نے تیرہ کامن ویلتھ ممالک میں ۱۹۷۴ء میں بینائی کی بحالی کے لئے ۶۵,۸۳۲ آپریشن کئے۔ اس امر کا انکشاف سوسائٹی کے صدر ایچ۔آر۔ایچ۔ پرنس الگزینڈر نے حال ہی میں سینٹ جیمس پیلس میں سالانہ اجلاس میں کیا۔

سال کے دوران ۸,۰۰,۰۰۰ اشخاص کی آنکھوں کا معائنہ کیا گیا۔ ۵,۰۰,۰۰۰ سے زیادہ اشخاص کا علاج کیا گیا اور ۱۲,۰۰۰ آپریشن کر کے اندھے پن سے بچایا گیا۔ ۵۰۰ سے زیادہ "دیہی آئی کیمپ" انڈیا، پاکستان اور بنگلہ دیش میں لگائے گئے۔ ۲۹ گشتی جماعتوں نے ایشیا اور افریقہ میں ڈھائی لاکھ میل کا سفر کیا اور لوگوں کی آنکھوں کا معائنہ کیا۔

کامن ویلتھ کے ممالک میں زیادہ تر زرعی معیشت ہے۔ لہٰذا سوسائٹی نے چھ ممالک بشمول ہندوستان میں نابینا کسانوں کی بحالی کا کام جاری رکھا۔

بین الاقوامی خواتین سال میں نابینا خواتین کی خصوصی مدد کے مدنظر سوسائٹی نے خاص فنڈ (Self Help Endowment Fund) قائم کیا ہے۔

دنیا میں خصوصاً ترقی پذیر ممالک میں اندھے پن کی روک تھام کے لیے سوسائٹی نے عالمی تنظیم یعنی (International Agency for the Prevention of Blindness) قائم کی ہے۔ آج دنیا میں نابینا اشخاص کی تعداد ۱۶ سولہ ملین سے زیادہ ہے جو آئندہ ۲۵ سال کے عرصہ میں دوگنا ہو سکتی ہے۔ سوسائٹی اندھے پن کی روک تھام کے کام میں بہت کچھ کرنے کا عزم رکھتی ہے۔

مرکزی سیلاب کنٹرول اتھارٹی کی ضرورت

وزیر اعلیٰ کا اظہارِ خیال

وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری شنکر راؤ چوان نے آب گیر (catchment) علاقوں کے لئے سیلاب کنٹرول اتھارٹی قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔

شری چوان گزشتہ ۶ ستمبر کو ناندیڑ میں ممبرانِ قانون ساز مجلس، میونسپل کونسلروں، ناندیڑ ضلع پریشد کے عہدیداران اور افسران، محکمہ جات آبپاشی شہری ترقی اور زراعت کے افسران اور سیلاب سے متاثرہ لوگوں کے نمائندوں سے سیلاب کی صورت حال اور امدادی اقدامات پر تبادلہ خیال فرما رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ سیلاب کنٹرول اتھارٹی کو اس قابل ہونا چاہئے کہ پیشگی فیصلہ کر سکے اور مختلف سطحات پر رابطہ قائم رکھے۔ شری چوان نے انجنیروں کو ہدایت کی کہ وہ اس بات کا پتہ چلائیں کہ موجودہ یا زیر تعمیر باندھ سیلاب کو روکنے میں کہاں تک مزید مدد دے سکتے ہیں۔

ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر محصول و شہری ترقیات؛ شری شام راؤ کدم، ایم ایل سی اور چیرمین مہاراشٹر اسٹیٹ کوآپریٹیو بینک، شری فاروق پاشا اور شری بالاصاحب پوار، ممبران اسمبلی؛ ڈی۔این۔کپور، ڈویژنل کمشنر اور شری اشوک بساکھ، کلکٹر اس موقع پر موجود تھے۔

چار اشعار

خود اپنی خواہشوں کے آستاں پر
پریشاں حال کتنا آدمی ہے

شبِ دیر و حرم سے میکدے تک
مرے ہی آنسوؤں کی روشنی ہے

پلائی عمر بھر ساقی نے لیکن
مری قسمت میں اب تک تشنگی ہے

ہم اپنے آپ ہی قاتل بنے ہیں
یہ کس تہذیب کی جادوگری ہے

سوہن راہی
(انگلستان)

فہرست

سرزمین ہند کے اُفق پر تا ابد چمکنے والے تابناک ستاروں میں سے ایک کا نام خسرو ہے۔
یہ روشن ستارہ آنے والے ادوار کو ماضی کی ان حسین روایتوں سے روشناس کراتا رہے گا جنھوں نے ہندوستان کو جنّت نشان کا درجہ دیا۔ خسرو ایک شاعر، ایک سپاہی اور ایک صوفی ہی نہیں، ایک علامت ہے — ارضِ ہند کی مشترکہ تہذیب کی، مشترکہ زبان کی اور یہاں کے باشندوں کے باہمی خلوص اور محبت کی — آج جو سارے ملک میں خسرو کی یاد میں جشن منایا جارہا ہے تو یہ محض ایک شخصیت کو نہیں اس علامت کو خراجِ عقیدت ہے جس نے آج کا پیغام محبت سات سو سال پہلے پھیلایا تھا۔

کافرِ عشقم مسلمانی مرا درکار نیست !

خسرو نے ہندوی اور فارسی شاعری کے خزانے میں جو بیش بہا اضافہ کیا اس کی بنا پر ملک کی دو عظیم زبانیں اردو اور ہندی تا ابد ان کی احسانمند رہیں گی۔ اس دور میں یہ اعلان صرف وہی شخص کرسکتا ہے جس کے دل میں ہندوستان، اس کی مٹی، اس کی ثقافت اور اس کے عوام سے محبت کا سمندر موجزن ہو۔

ترکِ ہندوستانیم من ہندوی گویم جواب
شکرِ مصری ندارم کز عرب گویم سخن

شعر و سخن کے اس سالار، میدانِ تصوّف کے شہسوار اور حب الوطنی کے علمبردار حضرت امیر خسرو کو "قومی راج" کا یہ حقیر نذرانہ پیش کرتے ہوئے ہمیں فخر بھی ہے اور خوشی بھی۔

اس نمبر کی تیاری میں ہمیں جشنِ خسرو تقریبات کمیٹی کے جنرل سکریٹری جناب ظ۔ انصاری سے خصوصی تعاون ملا۔ ہم اُن کے اور جناب حسن عباس فطرت کے شکرگزار ہیں جنھوں نے ادارتی ذمہ داریوں میں بڑی لگن اور تندہی سے ہمارا ہاتھ بٹایا۔ علاوہ ازیں تصاویر کے لئے ایران سوسائٹی کلکتہ کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔
زیرِ نظر شمارہ ۱۶ اکتوبر اور یکم نومبر کا مشترکہ شمارہ ہے۔ براہ کرم اس کے بارے میں اپنی گرانقدر رائے سے ضرور نوازیں۔

خواجہ عبدالغفور

جلد : ۲	۱۶ اکتوبر/یکم نومبر ۱۹۷۵ء	شمارہ : ۲۰
قیمت فی پرچہ : ۵۰ پیسے	زیرِ نگرانی : خواجہ عبدالغفور	سالانہ : ۱۰ روپے

ترسیلِ زر اور خط و کتابت کا پتہ : چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومتِ مہاراشٹر، سچوالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

سلسلۂ روحانی امیر خسرو

خواجہ ابو احمد ابدال چشتی

ولادت ۲۶۰ھ | ۳۵۵ھ وفات

عثمان ہارونی

" ۵۳۰ھ | ۶۰۳ یا ۶۱۷ھ "

خواجہ معین الدین اجمیری

" ۵۳۷ھ | ۶۲۳ھ "

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی

| ۶۳۳ھ "

خواجہ فریدالدین گنج شکر (بابا فرید)

| ۶۶۴ھ

محمد نظام الدین سلطان الاولیاء بدایونی ابن احمد غزنوی ثم بدایونی ابن علی دانیال بخاری

۶۳۴ھ | ۷۲۵ھ

امیر خسرو

۶۵۲ھ ۷۲۵ھ
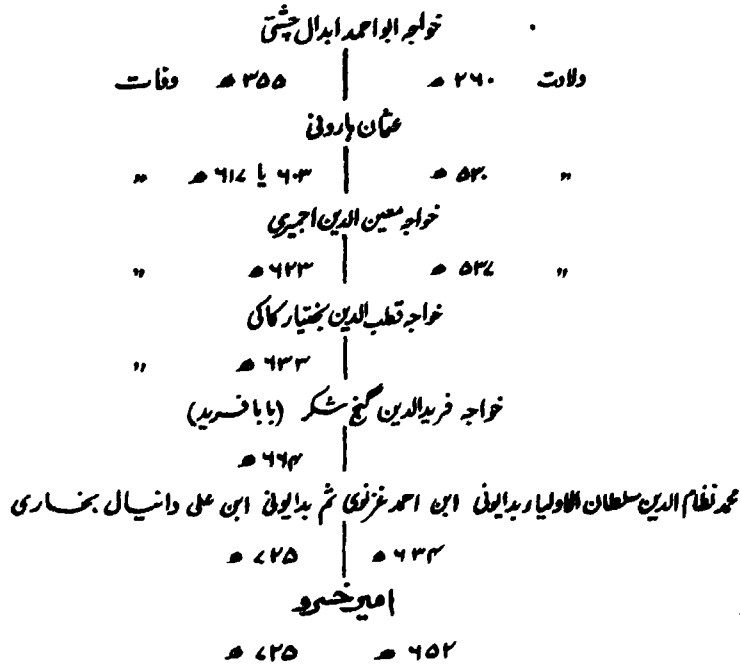
امیر خسرو کا گھرانہ

والد امیر سیف الدین لاچین کشی ملقب بہ محمود سلطان شمسی (متوفی ۶۵۸ھ)

والدہ مسماۃ دولت ناز (متوفی ۶۹۸ھ) دختر عماد الملک (متوفی ۶۷۱ھ)
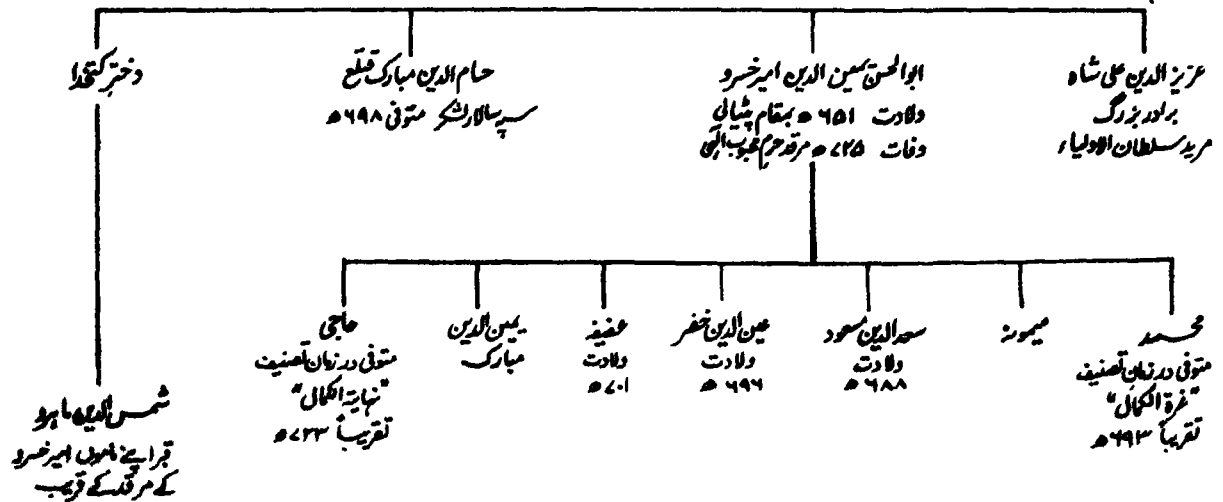
خسرو کے آثار عظیمہ و خصوصی

الف) دواوین :

		سال تصنیف	
۱.	پہلا دیوان بنام "تحفۃ الصغر"	۶۷۱ ھ	بعمر ۲۰ سال
۲.	دوسرا دیوان بنام "وسط الحیاۃ"	۶۸۳ ھ	بعمر ۳۲ سال
۳.	تیسرا دیوان بنام "غرۃ الکمال"	۶۹۳ ھ	بعمر ۴۲ سال
۴.	چوتھا دیوان بنام "بقیہ نقیہ"	۷۲۱ ھ	بعمر ۷۰ سال
۵.	پانچواں دیوان بنام "نہایۃ الکمال"		آخر عمر

(ب) تاریخی مثنویاں :

۱.	قِران السعدین	۶۸۸ ھ	بعمر ۳۷ سال
۲.	مفتاح الفتوح	۶۹۱ ھ	بعمر ۴۰ سال
۳.	عشیقہ یا دول رانی خضر خاں	۷۱۵ ھ	بعمر ۶۴ سال
۴.	نہ سپہر	۷۱۷ ھ	بعمر ۶۶ سال
۵.	تغلق نامہ		آخر عمر

(ج) خمسہ یا مثنویات پنج گنج

۱.	مطلع الانوار بجواب مخزن الاسرار از نظامی گنجوی	۶۹۸ ھ	دو ہفتہ کے اندر مکمل ہوئی
۲.	شیریں و خسرو بجواب خسرو شیریں "	۶۹۸ ھ	بعمر ۴۴ سال
۳.	مجنوں و لیلیٰ بجواب لیلیٰ و مجنوں "	۶۹۹ ھ	بعمر ۴۷ سال
۴.	آئینۂ سکندری بجواب سکندر نامہ "	۶۹۹ ھ	بعمر ۴۷ سال
۵.	ہشت بہشت بجواب ہفت پیکر "	۷۰۱ ھ	بعمر ۵۰ سال

(د) دیوانِ غزلیات

(ہ) نثری تصنیفات :

۱.	اعجاز خسروی (رسائل الاعجاز)	۷۱۹ ھ میں مکمل ہوئی
۲.	تاریخ علائی (خزائن الفتوح)	۷۱۱ ھ
۳.	افضل الفوائد بہ تقلید فوائد الفواد از حسن سجزی	

(و) ہندوی :

منظومات

عہدِ خسرو کے سلاطین دہلی

۱.	محمد غیاث الدین بلبن	۶۶۴ - ۶۸۶	ہجری
		۱۲۶۵ - ۱۲۸۷	عیسوی
۲.	مُعز الدین کیقباد	۶۸۶ - ۶۸۹	ہجری
		۱۲۸۷ - ۱۲۹۰	عیسوی
۳.	جلال الدین فیروز خلجی	۶۸۹ - ۶۹۵	ہجری
		۱۲۹۰ - ۱۲۹۵	عیسوی
۴.	محمد علاء الدین خلجی	۶۹۵ - ۷۱۵	ہجری
		۱۲۹۵ - ۱۳۱۵	عیسوی
۵.	مبارک شاہ قطب الدین خلجی	۷۱۶ - ۷۲۰	ہجری
		۱۳۱۶ - ۱۳۲۰	عیسوی
۶.	غیاث الدین تغلق	۷۲۰ - ۷۲۵	ہجری
		۱۳۲۰ - ۱۳۲۴	عیسوی
۷.	محمد بن تغلق	۷۲۵ - ۷۵۲	ہجری
		۱۳۲۴ - ۱۳۵۱	عیسوی

خسرو کے اولیائے نعمت اور ملازمتیں

۱.	کشلو خاں عرف ملک چھجو برادر زادہ سلطان بلبن	۲ سال	
۲.	بغرا خاں ابن سلطان بلبن	۳ سال	
۳.	سلطان محمد فرزند بزرگ سلطان بلبن	۵ سال	
۴.	امیر علی حاتم	۲ سال	
۵.	سلطان معز الدین کیقباد	۱ سال	ملک الشعراء کا خطاب ملا
۶.	جلال الدین فیروز خلجی	۵ سال	ملک الشعراء کے ساتھ امیر بھی بنائے گئے
۷.	محمد علاء الدین خلجی	۲۰ سال	
۸.	مبارک شاہ قطب الدین خلجی	۴ سال	
۹.	غیاث الدین تغلق	۴ سال	

ظ - انصاری

خسرو غریب است و گدا ، افتادہ در شہر شما
باشد کہ از بہرِ خدا سوئے غریباں بنگری

لفظ و معنی کا یہ نذرانہ

دنیائے ادب کی اُس عظیم الشان ہستی، ہندوستان کے اُس سپوت کی یاد میں پیش کیا جا رہا ہے جس کے فکر و فن کی سطحیں برابر بدلتی رہیں،
— اور یہ تھے اب سے ٹھیک سات سو سال پہلے (۶۹۴ھ) ۴۲ سال کی عمر میں اپنا تیسرا اور سب سے ضخیم دیوان مرتب کرنے کے بعد کہہ دیا کہ یہ "غرۃ الکمال" ہے
تب تک خسرو کے ہزاروں اشعار درباروں، محفلوں، گلی کوچوں، ہاٹ بازاروں میں گائے جا چکے تھے؛ والیانِ حکومت اُن کی قربت کے آرزومند ہو چکے تھے اور گاؤں گاؤں شہرت و مقبولیت پہنچ چکی تھی۔

امیر خسرو اپنے کمال کی اس خاص قدردانی اور عوام پسندی سے مطمئن ہو کر بیٹھ نہیں رہے۔ انھوں نے اپنے مشاہدے کو بھی وسعت دی، زندگی کو ایک ایک پہلو سے برتا، پرکھا، اپنایا اور نوکِ قلم سے رنگا رنگ نقش اُبھارے؛ یہاں تک کہ اُن کی شخصیت اپنے تاریخی دور کی ترجمان بن گئی، اُن کی نظم و نثر سیاسی اور سماجی تاریخ کا ایک مستند ذخیرہ ثابت ہوئی، اپنے زمانے کی سب سے اہم تہذیبی تحریک نے اُن کے نغموں کی بدولت قبولِ عام پایا اور ان کا کلام وقت کی حد بندیوں سے آزاد ہو کر انسانی ہمدردی، راحت، لطف و لذّت کا ایسا لازوال کارنامہ ثابت ہوا جس کے قیمتی نسخے ملک سے باہر دور دراز کے کتب خانوں میں، سرحد پار کے کتاب خوانوں اور فارسی دانوں میں سرمۂ اہلِ نظر بن گئے ہیں۔ زمان و مکان کے فاصلے نے ان کا قد کم نہیں کیا۔

امیر خسرو فی الوقت دنیا کے پانچ ملکوں میں پڑھے اور پڑھائے جاتے ہیں: ہندوستان، پاکستان، ایران، افغانستان اور تاجیکستان (سوویت یونین)۔
پانچ کے عدد کو، بجائے، اُن سے کیا پُراسرار نسبت ہے کہ:

۷۲ برس کی پُرآشوب، ہنگامہ طلب اور مصروف زندگی میں وہ پانچ بادشاہوں کے درباری رہے؛
پانچ فرمائشوں پر انھوں نے ایسی پانچ تاریخی مثنویاں لکھیں کہ اُن کا جواب آج تک نہ لکھا جا سکا؛
یکے بعد دیگرے پانچ دیوان مرتب کئے؛ اُن سے پہلے فارسی کے کسی شاعر کو یہ توفیق نہ ہوئی تھی؛
اخلاقی اور افسانوی مضامین کی پانچ مثنویوں کا خمسہ مکمل کیا جس میں ۱۷۹۰۰ شعر ہیں۔ ان کے بعد سے نسل در نسل "خمسہ" لکھنے کا رواج چل پڑا؛
انھوں نے بیک وقت پانچ زبانوں میں طبع آزمائی کی جن میں تنہا فارسی کے کم و بیش پانچ لاکھ شعر چھوڑے؛
نثر میں رسائل کے پانچ دفتر "رسائل الاعجاز" لکھ کر یکجا کر دئے جو آج بھی تہذیبی تاریخ کے لئے معلومات کا سرچشمہ ہیں؛
پانچ شہروں میں انھوں نے عمر کا بیشتر حصہ گذارا، کبھی خوشی سے، کبھی ناخوشی سے؛
ملک کے مختلف مقامات پر پانچ جنگوں میں کمر سے تلوار باندھ کر شریک ہوئے؛
اور اپنے زمانے تک کے پانچ علوم و فنون کی تمام ترقیوں سے آگاہی بلکہ معرفت حاصل کی۔

آج امیر خسرو کا مطالعہ کرنا، اُن کی یاد تازہ کرنا، محض ایک بڑے شاعر، پچھلی دنیا کے ایک اہم شاعر اور فنکار سے آگاہی یا لطف اندوزی ہی نہیں۔ بلکہ ہندوستان کے موجودہ ہزار سالہ دور کی پہلی مرکزی سلطنت، کُل ہند نظامِ حکومت کے تانے بانے اور اس کی قوت کے راز معلوم کرنا بھی ہے۔ شمس الدین التمش کے تسلط (۱۲۱۰ء) سے لے کر محمد تغلق کی تخت نشینی (۱۳۲۵ء) تک پورے سو سال وہ کون سا دستِ غیب تھا جو ہندوستان کو سیاسی جبر اور تہذیبی سماجی اختیار کے ساتھ ایک رشتے میں پروتا گیا اور اسے روئے زمین کی دوسری بڑی سلطنت کی حیثیت سے بچائے بھی رہا۔

اسی تاریخی ٹھوس حقیقت کو، جس سے ہمارا زندہ اور توانا رشتہ برقرار ہے، اور یہ رشتہ برقرار رکھنے کیلئے ہیں پچھلے ورق اُلٹنے اور پھر سے ٹٹول کر مرتب کرنے بھی ہیں، امیر خسرو کا وجود چراغ لئے کھڑا ہے۔ کہ وہ ہم عصر مورخ سے بڑھ کر سچا اور شاعر سے بڑھ کر دلآویز، دلگداز اور ہمدرد ہے۔ جلال و جمال کا ایک ایسا شیرازہ ہیں امیر خسرو کہ ہمیں اپنی شیرازہ بندی کے لئے اُن سے تجربہ، سلیقہ اور درد مول لینا ہے۔

امیر خسرو کی سیرت اور بصیرت کی تلاش میں ہم صاف دیکھ سکتے ہیں کہ وہ تاریخ کے اس نقطۂ اتصال پر براجمان ہیں جہاں اسلام کی چھ صدیاں اُن سے آگے گئیں اور چھ صدیاں ان کے بعد گزریں۔ تب تک کے سیاسی تہذیبی حالات میں اسلام کی اثر اندازی اور اثر پذیری کا رنگین، بھرپور اور جاندار منظر جو امیر کی تحریروں اور سرگرمیوں سے ہم پر کھلتا ہے وہ ہمیں آج کے حالات کا تعاقلی مطالعہ کرنے میں اور مستقبل کے ہندوستان اور اسلام کے باہمی رشتے جاننے میں مدد دیتا ہے۔

خسرو نامہ

وسط ایشیائی ترکوں کا ایک قبیلہ لاچین جو افغانوں سے ربط ضبط رکھتا تھا، سمرقند کے نزدیک شہر کس (Kesh) سے جو دو سو برس بعد شہر سبز کہلایا، چنگیز خانی خونخوار حملوں میں بے وطن ہوا اور بلخ میں آ بسا جو اس وقت تک زبردست قلعہ بند اور تہذیبی مرکز شمار ہوتا تھا۔ سنہ ۱۲۲۰ء میں ایک زبردست منگول فوج خود چنگیز خاں کی سالاری میں سمرقند اور بخارا کو تباہ اور مسمار کر کے بلخ کی طرف بڑھی اور اگلے سال ۱۲۰۰ مسجدوں اور ۲۰۰ حماموں کے اس شہر میں بھی کوئی چراغ جلانے والا نہ رہا۔ امیر سیف الدین محمود اپنے قبیلہ کی ایک "ہزارہ" شاخ کے پناہ گزین سردار حملے کے وقت یا حملے سے پہلے بلخ چھوڑ کر ہندستان کی طرف روانہ ہو گئے۔ پنجاب اور دریائے سندھ کی وادی اس وقت چنگیزی خونخواری سے سہمی ہوئی تھی۔ دہلی کے ہوشیار، موقع شناس سلطان شمس الدین نے، خوارزم شاہی ترک سپہ سالار جلال الدین کو نہ صرف یہ کہ مدد دینے سے انکار کر دیا بلکہ حیلے حوالے اور فوجی تدبیر سے پنجاب میں اس کی سرگرمیاں توڑ دیں اور یوں سرحدی علاقے کو خوفناک جنگی میدان بننے سے بھی بچا لیا اور اپنے یہاں اُدھر کے اُجڑے ہوئے بہترین شہسواروں کو ملازمت یا پناہ دینے کی راہ بھی ہموار کر لی۔ سیف الدین محمود انہی میں سے ایک تھے۔ چند سال معمولی خدمتوں پر رہنے کے بعد انھیں متھرا سے ایٹہ جانے والی شاہراہ پر گنگا کے کنارے پٹیالی قصبے (مومن آباد) میں چھوٹی سی جاگیر دے دی گئی۔ غالباً افغانوں سے دور کی قرابت کو مدنظر رکھا گیا، یا پھر اس شورہ پشت علاقے میں جہاں افغانوں کی تین گڑھیاں تھیں، مرکزی حکومت نے اپنا وفادار نگہبان بٹھا دیا۔

سیف الدین محمود کی شادی ایک سیاہ فام ہندستانی امیر عماد الملک کی بیٹی دولت ناز سے ہوئی جو شوہر کی زندگی میں اور اس کے بعد بھی اکثر پٹیالی میں رہی۔ چار بچے ہوئے — تین لڑکے، ایک لڑکی۔ یمین الدین محمود ان میں منجھلے تھے، جو سنہ ۱۲۵۲ء (۶۵۱ھ) میں پیدا ہوئے اور بعد میں اپنے تخلص اور امیرانہ وراثت کے جوڑ کی بدولت امیر خسرو کہلائے۔

پس منظر کی یہ ہلکی سی تفصیل اس لئے ضروری ہو گئی ہے کہ بعض لوگ انھیں "بلخی معروف بدہلوی" لکھتے ہیں، بعض ان کے والد کو "شمسی غلام"۔ حالانکہ امیر خسرو کے اپنے بیانات اور معاصر تاریخیں اور تذکرے اسکی تائید نہیں کرتے۔

یمین الدین نے سات برس کی عمر تک باپ کو دیکھا، وہ بھی وقفوں سے، کیونکہ وہ جنگی معرکوں پر باہر جاتے رہتے تھے۔ انھوں نے اپنی خانہ نشین امیرزادی ماں کو، ماموں کو، نانا کو دیکھا، جانا، انھی سے باپ کے قصے سُنے ہونگے کہ وہ لکھتے ہیں:

گویائی جو انسان کی بہترین صفت ہے، انھیں غیب سے

جی بھر کے ملی تھی، مگر خاموشی پسند آدمی تھے...
ترک صرف سوتے میں فرشتہ ہوتے ہیں مگر میرے
باپ جاگتے میں فرشتہ تھے، ایسے نیک چلن تھے
کہ کالی آنکھوں والی حور کو نظر اُٹھا کر نہ دیکھتے...

اس سے کہیں زیادہ تفصیل نانا کے بیان میں ملتی ہے جو ایک سو تیرہ برس کے ہو کر مرے۔ تب خسرو ۲۰ سال کے تھے۔ نانا عماد الملک کے بارے میں بتاتے ہیں کہ سلطنت کے چار ستونوں میں سے ایک تھے۔ نثر سال عارض ممالک (سکریٹری محکمہ بخشی گری) رہے۔ دو سو ترک غلام، دو ہزار ہندو (پیدل) اور دو ہزار سوار ان کے جھنڈے تلے رہتے تھے۔ عمدہ کھانوں اور پانوں کے بڑے شوقین ہونگے کیونکہ ہر مہمان کو متواتر پان پیش کئے جاتے تھے اور پچاس ساٹھ آدمی صرف پاندان، خاصدان پر ملازم تھے۔ بے انتہا سخی آدمی تھے۔

جہاں ان بیانات سے یہ کھلتا ہے کہ عماد الملک چوٹی کے ذمہ دار اور قابل اعتماد امیروں میں سے گزرے ہیں، وہیں یہ بھی کہ وہ ایک نو مسلم ہوں گے، ہندوستانی نژاد ہوں گے، راجاؤں سے اور دشمنوں سے صلح صفائی کرانے میں لگے رہتے ہوں گے۔ اعلیٰ درجے کے کامیاب ڈپلومیٹ ہوں گے اور نثر سال میں غوریوں کے دور سے بلبن کے زمانے (۱۲۷۲ء) تک پانچ بادشاہتوں کا عروج و زوال نہ صرف دیکھ چکے تھے بلکہ خود اونچے عہدے پر قائم رہے تھے۔

خسرو بالآخر انھی کے نواسے نکلے۔
ننھیال میں پلے تھے، ننھیال سے عشق تھا، اُسی کے تربیت یافتہ اور طرفدار ثابت ہوئے۔

جس علاقے میں رہے وہ برج (یا برَج) بھاشا کے لئے سند کا درجہ رکھتا ہے۔ کرشن نگری ہونے کے باعث برج کے گیت اور بھجن اپنی مٹھاس، وسعت، نفاست میں ادبی نشان اختیار کر چکے تھے۔ نانا کا قیام دہلی میں تھا، بڑی حویلی، باہر خدمتگاروں کے اور رشتہ داروں کے مکانات، باپ کے انتقال کے بعد خسرو اکثر دہلی آئے گئے، اُن کی مکتبی تعلیم بھی یہیں ہوئی، اچھی صحبت بھی یہیں میسر آئی۔

طبیعت میں بچپن سے کھلنڈرا پن تھا، "دودھ کے دانت گرتے وقت منہ سے موتی جھڑتے تھے"! بھری محفل میں شعر سُنانے سے نہیں ہچکچاتے تھے، کتاب کے بجائے چوری چوری حسینوں کے مکھڑے تکا کرتے اور پھبتیاں کَسا کرتے۔

ظاہر ہے کہ ان عادات کا بچہ گلیوں میں، نوکروں اور ہمسایوں میں گھومتا، دھوم مچاتا پھرے گا اور یہ تھا ڈھلی ہوئی شہری کھڑی بولی کا علاقہ ـــ جسے وہ ہریانوی، ہندوی یا دہلوی کہتے ہیں۔ اس کی آوازوں میں ایسا کھڑا پن ـــ بلکہ سپاہیانہ کھُردرا پن تھا جو برج بھاشا (بھاکا) کی نرم آوازوں کی تکمیل کرتا ہے۔ ۱۲۷۲ء تک انھوں نے آزادی اور بے فکری کے دن گزارے، شعر کہے، سنائے، داد پائی اور ذی علم عزیز دوستوں (مثلاً تاج الدین زاہد) کے کہنے پر ایک دیوان "تحفۃ الصغر" کے نام سے تیار کر دیا

جب وہ اپنی عمر کے ۲۰ ویں سال آزادانہ تلاش معاش کے لئے نکلے تو شاعرانہ شہرت اور ایک اچھا خاصا دیوان اُن کے ساتھ تھا۔ چھوٹتے ہی سلطان کے بھتیجے علاء الدین کیشلو خاں نے اپنے دربار کی زینت بنالیا۔ کول (علی گڑھ) اس کی جاگیر میں تھا۔ وہاں بھی اس کے ہمرکاب جاتے ہونگے۔

شروع سے ہی اس کی نظر میں چڑھے اور اس کی بخششوں سے فیضیاب ہوتے رہے۔ شام کو شراب و کباب، رقص و سرود کی محفلیں جمتیں اور خسرو ان میں اپنے کلام اور اپنے جام زر سمیت شریک ہوتے۔ محفل اُن کے دم سے رونق پاتی اور وہ محفل کی خاطر نہ صرف غنائی شعر لکھتے بلکہ اُس کی نغماتی ادائیگی کی تیاری بھی کراتے۔ سنگیت کی چاٹ انھیں پڑ چکی تھی۔

وہ ملک علاء الدین کشلی (کیشلو، کشلو) خاں کے ہاں شاعر خاص بن کر دو سال رہے۔ یہ وہ نوجوان تھا جس کے باپ اور چچا (بلبن) غلام کی حیثیت سے دہلی میں داخل ہوئے تھے اور اب منگولوں کی غلامی سے بچنے کے لئے مسلم ملکوں کے اُمرا، وزراء اور شاہی خاندانوں کے وارث سیکڑوں کی تعداد میں ان کا دامن تھامے پڑے تھے۔ جگہ جگہ کے خزانے پنجاب، سندھ اور کشمیر کی راہ سے دہلی اور نواح دہلی میں پہنچ چکے تھے۔ بلبن نے تخت حکومت پر آنے سے پہلے ہی اپنے نیک نفس آقا ناصر الدین محمود کے اختیارات کی باگ ڈور سنبھال لی تھی اور اس کے جاہ و جلال کا یہ شہرہ تھا کہ خود ہولاگو (ہلاکو) نے اپنے سفیر بھیجے تو وہ دہلی دربار کی شان اور قوت دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ ایک زمانے تک چنگیز کے حوصلہ مند بیٹوں پوتوں میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی دہلی کی طرف بڑھنے کی۔

ایک طرف خزانوں کا اِدھر ڈھلاؤ، دوسری طرف سرحدوں کی طرف سے اور ناگہانی انقلاب حکومت کے خطرات کا احساس، پھر یہ کہ بڑی بڑی جاگیروں کی آمدنی ـــ اور ان سب پر طرّہ تھا دولت اور سیاسی قوت کی نئی نئی آمد۔ امیروں کے درمیان اندھا دھند خرچ اور سخاوت میں مقابلہ رہتا تھا۔ ایک شاعر شمس معین نے شاہی دربار میں اسی علاء الدین کشلی خاں کی پیشی کے وقت سلطانی مطربوں کی زبانی ایک نظم و غزل پیش کرائی تو

... ملک علاء الدین نے خوش ہو کر اپنی پائگاہ (جاگیر خاص) کے تمام گھوڑے شاعر کو بخش دئے اور گانے والوں کو دس ہزار روپے کی رقم اوپر سے دی...

خراسان و ہندستان میں اس کا نام اتنا مشہور خاص و عام ہو چکا تھا کہ بادشاہ اپنے گورنر بھتیجے سے جلنے لگا۔ امیر خسرو کو اپنا یہ پہلا ممدوح اتنا پسند تھا کہ وہ دوستوں سے کہا کرتے تھے،

ملک علاء الدین محمد کشلی خاں جیسا سخی، اندھا دھند لٹانے والا، نشانہ باز، شکاری اور پولو کھیلنے کا ماہر کوئی مائی کا لال ہو نہیں سکتا۔

بلبن کے مزاج میں درشتی تھی۔ وہ مداحوں، شاعروں اور گویوں کو منہ نہیں لگاتا تھا، لیکن اس کے منچلے بیٹے بھتیجے، گورنر اور امراء اپنی اپنی ڈیوڑھیوں اور حویلیوں میں عیش و عشرت کے تمام سامان رکھتے تھے اور فکر فردا سے بے نیاز دونوں ہاتھوں سے دولت لُٹاتے تھے۔

دوسرا سخی جس نے اپنی بے نیازانہ طبیعت اور عالی ظرفی میں نام پایا خود بادشاہ کا بڑا بیٹا بُغرا خاں تھا۔ وہ اسی چچا زاد بھائی کے مکان پر اپنے خاص شاعروں اور علمائے وقت (شمس الدین دبیر اور قاضی اثیر) کو ساتھ لئے ہوئے مہمان تھا۔ محفل جمی، سب نے اپنے اپنے جوہر

دکھائے۔ خسرو اپنے کلام اور ادائیگی، دونوں سے چھا گئے اور ان پر اشرفیاں بھی برسیں اور بغرا خاں نے اُٹھنے سے پہلے انھیں طشت بھر کر "نقرۂ خام" بھی دیا۔ خسرو کی چاندی ہوگئی ۔۔ لیکن کشلی خاں کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اور برتاؤ ایسا بدلا کہ

... خواست کہ مرا نشانۂ بلا سازد ... خیال
آں ہم در دلم بگزشت ... چوں تیر بجستم
وچلّہ کردم و بر عزم خدمت ملوک سامانی،
راہ سامانہ پیش گرفتم ...

کشلی خاں کے غصے کا تیر لگنے سے پہلے ہی وہ تیر کی طرح نکلے اور سیدھے بغرا خاں کے پاس سامانہ پہنچ گئے۔

سامانہ، پٹیالہ کے نزدیک پنجاب اور کشمیر کے راستے میں دہلی سلطنت کی بڑی چھاؤنی تھی۔ وہاں مضبوط اور قابل اعتماد گورنر رکھا جاتا تھا۔ کم از کم دو بار منگول فوجی حملہ آور سامانے کا قلعہ کترا کر دہلی کی طرف بڑھے اور سامانے کی فوج نے اُن کی سپلائی لائن کاٹی۔

ناصرالدین بغرا خاں نے انھیں اپنا ندیم بنالیا۔ مزے میں گزرنے لگی۔ یہیں انھوں نے پنجابی زبان سیکھی ہوگی اور اس کے لوک گیتوں کی لے۔ جو ہندوستان اور خراسان دونوں کے سنگیت سے الگ اپنا بانکپن رکھتی ہے۔

اُن کے مراتب بلند ہوتے جا رہے تھے کہ ناگاہ بنگال میں وہاں کے بلبنی گورنر طغرل نے لغاوت کردی۔ اڑیسہ کے ہاتھی اور خزانہ لوٹ کر تمام علاقے میں اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا، بڑی فوج جمع کرلی اور دہلی کے کارندوں کو ملالیا۔ اس نے بغاوت کا وقت بھی اپنے پیش رو باغیوں کو دیکھ کر چنا ہوگا کیونکہ بارش کا موسم سامنے تھا۔ دریاؤں میں طغیانی اور بنگال تک باہر کی فوج پہنچنے کے راستے بند۔

بغرا خاں کو حکم ہوا کہ پنجاب کی فوج لے کر بنگال کی طرف بڑھے۔ نہ یہ تاریخ ہند کا پہلا واقعہ تھا، نہ آخری کہ مرکز سے فوج بنگال پہنچی۔ راستوں کو صاف کرکے پہنچتے پہنچتے سال بھر لگ گیا۔

۱۲۷۹ء میں لکھنوتی، جو بنگال کے گورنر کا صدر مقام تھا، دہلی اور پنجاب کی فوج کی تلواروں سے سرخ ہوگیا۔ معاصر ادب اور تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ لکھنوتی (موجودہ مرشدآباد) میں سر بازار پھانسیاں اور ٹکٹکیاں لگائی گئیں، مشتبہ ملازموں اور ملزموں کو بیل اور گدھے کی کھال میں بھروایا گیا اور اتنی دہشت پھیلائی گئی کہ خود شہزادہ بغرا خاں تھرّا گیا۔۔ اسے گورنر مقرر کرکے اور "بے رحمی" برتنے کی نصیحتیں کرکے جب بلبن کئی مہینے بعد واپس ہونے لگا تو خسرو بھی واپس آنا چاہتے تھے۔ قتل و غارت گری کا یہ منظر اور پھر بنگال کی مرطوب آب و ہوا۔۔ جی نہ لگا۔ بغرا خاں نے روک لیا۔ پھر بھی وہ چھ مہینے کے اندر اندر ماں اور عزیزوں سے ملنے کا عذر کرکے دہلی چلے آئے۔

تیسرا اپنے دور کا سب سے فیاض ملک امیر علی سرجاندار جو حاتم خاں کے نام سے مشہور ہوا، خسرو کا منتظر تھا، لیکن شاعر نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ بلبن کا بڑا بیٹا سلطان محمد قاآن ملک، صاحب نظر بھی ہے، اقبال مند بھی، سپہ سالار بھی ہے اور ولی عہد بھی: ۱۲۸۰ء میں وہ ملتان سے دہلی آیا تو امیر پٹیالی سے دہلی پہنچے، شہزادے کی خدمت میں حاضر ہوئے، کلام سُنایا، شہزادے نے انھیں اور ان کے دوست امیر حسن سجزی کو چُن لیا۔ ملتان پہنچ کر اُن کی وہ قدردانی ہوئی جو اندازے سے بڑھ کر تھی۔

ملتان، پنجاب اور سندھ دونوں کے لئے مرکزی فوجی مقام، علماء، صوفیاء، شعراء اور عراق و عرب کے موسیقاروں کا گڑھ تھا۔ شہزادہ ذی علم بھی تھا، بہادر بھی، شاعری اور موسیقی دونوں کا رسیا۔ میدانِ جنگ اور محفلِ رنگ و آہنگ دونوں میں بے مثل شخصیت کے جوان سلطان محمد کا دربار دہلی کے ان دونوں شعراء کے لئے اہم تربیت گاہ ثابت ہوا۔ یہیں امیر نے اپنا دوسرا دیوان "وَسَطُ الحیٰوۃ" ترتیب دیا، یہیں قول (حدیث) کے عربی لحن کو ہندوستانی موسیقی سے جوڑا، جو آگے چل کر قول (قلبانہ) کہلایا، یہیں عربی اور ترکی سازوں کو پنجاب کے لوک گیتوں کے لئے استعمال کیا، یہیں انھوں نے بیک وقت عربی اور فقہ کی تحصیل و تکمیل کی اور ۲۳ قصیدے سلطان محمد کی شان میں لکھے۔ پہلے پہل انھیں ایک لائق ممدوح ملا تھا جس نے دہلی سے واپس آتے ہی سرحدی علاقوں کو منگولوں سے اور اپنے ماحول کو خوشامدیوں اور چھچھوروں سے پاک کردیا۔ بمشکل ساڑھے چار سال گزرے ہوں گے کہ ایران کے حاکم ارغون خاں بن اباق خاں بن ہولاگو (ہلاکو) خاں نے ہندوستانی سپاہ سے اپنے مقتولوں کا انتقام لینے کے لئے چنگیزی امیر تیمور خاں کو ۲۰ ہزار (بقول بعضے ۳۰ ہزار) کا لشکر جرّار دے کر لاہور اور دیپال پور کے راستے ملتان پر بھیجا۔ سلطان محمد کو غنیم کے حملے کی اطلاع دیر سے ملی تھی، پوری تیاری کئے بغیر اس نے دریائے راوی پار کیا اور جان ہتھیلی پر رکھ کر دشمن کو پسپا کردیا، امیر خسرو میدانِ جنگ میں تلوار چلاتے ہوئے منگول سوار کے ہاتھ گرفتار ہوئے۔ امیر کہتے ہیں کہ فتح قریب تھی کہ ہوا پلٹ گئی۔ دوسرے مورخین بتلاتے ہیں کہ ہندوستانی فوج (جس میں سرحد کے پٹھان شامل تھے) دشمن کا پیچھا کرنے میں بکھر گئے اور شہزادہ مغرب کی نماز شکرانہ میں لگ گیا کہ اتنے میں کمیں گاہ سے حملہ ہوا اور منگول کے تیر نے اسے ہلاک کردیا۔ اس کا ہلاک ہونا تھا کہ ملتان فتح ہوگیا اور ہر طرف بربادی پھیل گئی۔

منگول سوار امیر کو قیدی بنا کر لے چلا۔ یوں تو منگول لشکر سردیوں میں حملہ آور ہوتے تھے، اس بار گرمی کا موسم تھا اور سال ۱۲۸۵ء، دوسرے دن وہ انھیں رسّی میں کھینچتا، دوڑتا ہوا لے چلا۔ پیاس کے مارے منگول نے دریا کنارے گھوڑا ڈالا۔ سوار اور سواری دونوں نے ڈگڈگا کر پانی پیا۔

ہم او سیراب شد، ہم مرکبش نیز
لشد درد ادن جاں ہر دو را دیر

وہ دونوں تو وہیں ڈھیر ہوئے اور امیر منھ پر چھینٹا مار کر، رسّی کی گانٹھ کھول کر کنارے کنارے جنگل کی راہ سے دہلی کی طرف بھاگ نکلے۔

اس بربادی کا نہایت دردناک مرثیہ انھوں نے دہلی پہنچتے پہنچتے لکھ لیا اور آتے ہی غمزدہ بلبن کو سنایا، درباریوں نے سنا، فوجیوں نے اسے یاد کیا، مہینہ بھر تک کیمپ اور دربار میں دہرایا گیا اور جابجا مجلس ماتم بپا ہوتی رہی۔ گھر گھر ان کا دلدوز کلام پہنچا اور خسرو کی شاعری نئے رنگ میں گوش آشنا ہوئی۔

بلبن اس غم سے جانبر نہ ہوسکا اور سلطان محمد (شہید) کے بیٹے کی تخت نشینی کی وصیت کرکے سال بھر کے اندر ہی ۱۲۸۶ء میں دنیا سے اُٹھ گیا۔

خسرو کچھ دن ماں اور عزیزوں کے ساتھ پٹیالی میں رہے۔ دہلی کے درباری حالات پر اُن کی نظر رہی۔ امرا نے سازش کرکے بغرا خاں کے بڑے بیٹے معزالدین کیقباد کو تخت پر بٹھایا۔ اس کے کینہ پرور اور سازشی مشیر کار ملک نظام الدین سے خسرو کا دل نہیں ملتا تھا۔ اس سے کتراتے رہے اور بالآخر اپنے وقت کے تیسرے لک بخش قدردانِ علم و ادب امیر علی سرجاندار حاتم خاں کے دامن سے وابستہ ہوگئے۔

باپ، بغرا خاں نے جب سنا کہ نوجوان بیٹے نے تخت پر بیٹھتے ہی دادا کے سارے طور طریق ڈسپلن، سخت گیری کو اُلٹ دیا اور نیک چلنی اور بیدار مغزی کا راستہ چھوڑ دیا ہے تو بڑی فوج لے کر آگے بڑھا، اِدھر سے دہلی کی شاہی فوج چلی۔ اجودھیا میں دریائے گھاگھرا اور سرجو کے سنگم پر آمنا سامنا ہوا اور وزیر نظام الملک کی تمام ریشہ دوانیوں کے باوجود باپ بیٹے میں صلح صفائی ہوگئی۔ بغرا خاں نے اپنے صاحب تاج و تخت بیٹے کو عین وہی نصیحتیں کیں جو صرف ۶ سال پہلے فرماں روائے ہند باپ نے اسے اڑیسہ اور بنگال کا انتظام سونپتے وقت کی تھیں۔

حاتم خاں اس علاقے کا گورنر تھا ہی، نوجوان بادشاہ کی واپسی پر وہیں اودھ (اجودھیا فیض آباد) میں رہ گیا۔ خسرو بھی رہ گئے۔

اس حاتم خاں نے داد و دہش کے پچھلے تمام ریکارڈ توڑ دئے۔ "فراق نامہ" اور "فرس نامہ" جیسی یادگار اور خطابیہ مثنویوں کے علاوہ جو کلام اسی کی مدح میں ہے، وہ بھی یہ بتانے کو کافی ہے کہ ان کو طشت اور "کشتیٔ زر" بھر بھر کر اتنی رقم ملی کہ اگر وہ کفایت سے، اوروں کو کھلا پلا کر بھی خرچ کرتے تو اولاد کے آخری وقت تک پوری پڑتی مگر وہ خود بھی خاتم الشعراء نہیں، حاتم الشعراء ضرور تھے۔

دو سال اودھ میں رہے۔ برج بھاشا کے بعد اَودھی بول چال کا یہ علاقہ، رام بھگتی کی سرزمین اپنی لوچ دار تہذیب، خوش حالی اور نزاکت و نفاست کی بدولت انھیں پسند تو آیا، مگر وہ زیادہ دیر تک دہلی سے زیادہ دور نہیں رہنا چاہتے تھے۔ عموماً کہا جاتا ہے کہ والدہ کی جدائی ستا رہی تھی، یہ بھی ہوگا، لیکن ایک سبب اور بھی تھا: نوجوان اور شوقین بادشاہ کی من موجی طبیعت، آزادہ روی، عطا کا جذبہ اور اس کے دربار کا ملک الشعراء سے خالی رہنا۔

حاتم خاں نے اودھ سے دہلی، ایک مہینے کے سفر کا خرچ اشرفی بھرے دو تھال دے کر رخصت کیا۔ یہاں پہنچے ابھی دو دن گزرے تھے کہ بادشاہ نے بُلا بھیجا اور فرمائش کی کہ باپ بیٹے کی ملاقات، جو خونریز جنگ کی بجائے شفقت و محبت میں بدل گئی، ایسا تاریخی واقعہ ہے جس کے وہ خود عینی گواہ ہیں۔ صلے میں اتنا "زر" دینے کو تیار ہوں کہ عمر بھر کوئی احتیاج نہ رہے۔

"مہرِ زر" (شاہی اشرفی) اور "خلعتِ شاہی" سے ہاتھ کے ہاتھ اس پروجیکٹ کی مہورت بھی کردی گئی۔

وہ تب تک اسی دن کے آرزو مند تھے! خوش خوش گھر آئے۔ خود کو دوستوں، عزیزوں یہاں تک کہ "جنّ و انس" سے روپوش کرکے اعتکاف کیا اور پورے چھ مہینے بعد (رمضان ۶۸۸ھ) ۱۲۸۸ء کے آخر میں ۳۹۴۴ شعروں کی مثنوی مکمل کرکے اور نقل کرا کے پیش کردی۔

یہ مثنوی اُن کی تمام تصانیف میں کئی حیثیتوں (خصوصاً فنّی اور سماجی حیثیت) سے نہایت اہم ہے۔ اب وہ ۳۶ برس کے آزمودہ، جہاں دیدہ، پختہ کار شاعر بھی ہیں، اپنی برسوں کی مراد کو پہنچے ہیں۔ دربار میں کوئی شاعر اُن کا مدِمقابل نہیں، اور انھیں اپنے فن کی بلند قدر و قیمت کا پورا احساس بھی ہے۔ یہی وقت ہے کہ ہم اُن سے مل لیں۔

قیاسی تصویر

خسرو اپنی مثنوی "قران السعدین" پیش کرنے شاہی دربار چلے ہیں۔ مثنوی کا زرّیں بستہ خادم کی بغل میں ہے۔ آگے پیچھے دو دو خادم ہیں۔ درازی مائل قد، چوڑا سینہ، گردن کشیدہ، پیشانی کشادہ، منھ پر ڈاڑھی، جو نہ گھنی ہے (فقیہوں کی طرح)؛ نہ تکونی یا چھدری ہے (منگولوں تاتاریوں جیسی)؛ رنگ سانولا جو پچھلے چند برسوں میں اور

بھی سنولا گیا ہے۔ آنکھیں روشن، مگر ذرا بھووں
کے اندر کھنچی ہوئی۔ گوشۂ چشم میں ہلکی سی شوخی
یا بذلہ سنجی کی جھلک، چہرہ باوقار، شانے کسے
ہوئے۔ امیرانہ پوز۔ گھٹنوں تک قبا جس کی گوٹ
زرتار اور منقش ہے اور کپڑا بنگال کا، نازک،
نفیس اور باریک۔ سر پر صافہ اور عمامہ کی ملی جلی
شکل والی دستار، جس کا ایک سرا گردن پر لٹکتا
ہے۔ گھٹنوں سے نیچے پرجس جیسی مخروطی ازار
(شلوار) جو بے ایڑی کے سنہرے جوتوں (موزوں)
کو چھوتی اور ٹخنوں کو ڈھک لیتی ہے۔ دامن اور پہلو
سے عطر کی بھینی مہک آرہی ہے۔

اپنی ننھیال کی شاندار حویلی سے دربار تک
پہنچتے ہیں۔ گردن موڑ کر دائیں بائیں دیکھتے اور
کسی قدر جھک کر، مسکرا کر سلام کا جواب دیتے جاتے
ہیں۔ مسکراہٹ کے ساتھ چہرے پر بے تکلفی کی
ایک ایسی لہر آتی ہے جس میں ان کے چمکیلے دانت
اور پتلے ہونٹ، مسواک کے باوجود، ہونٹوں پر
پان کا لاکھا، دکھائی دے جاتے ہیں۔

ایک تو خسرو کا کمالِ فن، پھر مثنوی ایسی
کر تپ تک رزم، بزم، تاریخی تفصیلات، اندازِ
زندگی، فنون، اور صنعتوں حرفتوں کا ایسا مرقع
اور مکمل نقشہ کبھی کسی نے نہ کھینچا تھا، اہلِ دربار
اور خود بادشاہ عش عش کر گئے۔ معزالدین کیقباد
کو ایک تو اپنی تازہ فتح پر (جو منگولوں کے ایک دستے
پر نصیب ہوئی تھی) ناز تھا، پھر دادا اور نانا
دونوں طرف سے بادشاہ زادہ، عیش پسند اور
آئندہ کی تاریخ میں اپنا نام ثبت کرانے کا آرزومند۔
اس نے جی کھول کر داد بھی دی، اور سیم و زر بھی۔
چچا نے اسے ملتان لے جا کر مصحف دار (کتاب
خوان اور شاہی لائبریرین) بنایا تھا، باپ نے محض
ندیم اور قصیدہ گو۔ معزالدین نے ان دونوں سے
بلند مقام ملک الشعراء دیا۔ اور شاعر، جسے ڈھیر
سا (پیل بار) سونا چاندی ملنے کی توقع تھی، بظاہر
مسکراتا۔ بباطن پیچ و تاب کھاتا ہوا آیا۔

"کوئی میرے کلام کی قیمت کیا دے گا بھلا، یہ تو محض کاغذ
کے دام ہیں"۔ امیر نے ایک بار نظر اٹھا کر 'چہرہ مبارک' کی نقاہت
سے بھانپ لیا ہوگا کہ عنقریب اس تخت پر کوئی اور
براجے گا۔ وہ کوئی اور، ایک عمر رسیدہ، بے باک، نرم
دل، بے لوث خلجی امیر تھا۔ جسے مخدوش اور مہلوک
نظام الدین وزیر کی جگہ سامانہ سے بلا کر شائستہ خاں کا
خطاب، بلند شہر کی جاگیر اور خسرو کے مرحوم نانا کا عہدہ
"عارض ممالک" دے دیا۔ امیر خسرو نے اس کی مدح میں
قصیدہ لکھ کر پیش کیا اور یوں گویا مستقبل کی راہ ہموار کرلی
سال نہ گزرا تھا کہ معزالدین کیقباد کی منشا کے خلاف اور
ترک امرا کے منصوبوں کو شکست دے کر، ستر برس کا
ایک خلجی امیر فیروز اپنا شاہی لقب جلال الدین اختیار کر کے
بہاپور (موجودہ نواح نئی دہلی) سے بادشاہی قصر کیلو
کرھی میں آیا۔ بلبن کے عہد میں شاہی چتر سیاہ ہوا کرتا
تھا، پھر وہ سرخ ہوا، سادگی پسند جلال الدین نے چتر
سفید کو شاہی علامت قرار دیا اور زندگی بھر ادب کے
مارے بلبن کی تختگاہ پر قدم نہیں رکھا۔

غوریوں کی طرح خلجی بھی افغان تھے۔ لیکن وہ
افغان جن کا خون سلجوقی ترکوں میں ملا ہوا تھا۔ ترکوں
اور افغان کی پرانی کشمکش نے پھر زور پکڑا۔ بادشاہ اس
عمر میں بھی رنگیلا تھا اور دربار میں رنگیلا جشن منانے سے
نہیں جھجکتا تھا۔ لیکن زمانہ پر آنات پایا۔ ساڑھے
تین برس جنگ و جدل میں ہی گذر گئے۔ اس نے انھیں
ملک الشعراء تو نہیں بنایا البتہ مصحف داری کے عہدے
پر امیر کا آبائی خطاب دیکر بارہ سو روپے (تنکہ) سالانہ
مقرر کر دیا۔ امیر نے اس کی تخت نشینی پر یاد دلایا کہ میں
آپ کا قدیم مداح اور آپ کی حکومت کا آرزو مند رہا ہوں
تاہم دربار میں انھیں ایک مقررہ تنخواہ اور با ادب
کھڑے رہنے کی جگہ سے زیادہ کچھ نہ ملا۔

معلوم نہیں امیر خسرو کی شادی کب اور کہاں ہوئی
لیکن (۶۸۹ھ) ۱۲۹۰ء میں ان کے ہاں پہلا بیٹا تولد
ہوا اور اس کا نام مسعود رکھا گیا۔

جلال الدین فیروز خلجی کو اس تھوڑی سی مدت
میں تین جنگوں سے سابقہ پڑا بغرہ کے دو سابق ممدوح
ملک کشلو خاں (عرف ملک چھجو) اور امیر علی حاتم خاں
دگورنر اودھ)، یکے بعد دیگرے مقامی نادہند راجاؤں
اور غیر مسلم جنگجو زمینداروں کو ساتھ ملا کر پھر بغاوت پر
آمادہ ہوئے بلکہ فوج لیکر بدایوں تک چڑھ آئے۔

ان دونوں کی مدح میں خسرو کے قصائد ابھی تازہ
تھے کہ انھوں نے جلال الدین فیروز کو خوش رکھنے کے لئے
دونوں ترک امیروں کو برے لفظوں سے یاد کیا۔ وہ کڑہ
(مانک پور) کی فوجی مہم میں بادشاہ کے ساتھ بھی گئے۔ بعد
میں راجپوتوں کے مضبوط قلعے جھائن نتھنبور کی فوجی مہم میں
ساتھ تھے۔ انہی کی یاد میں بادشاہ کی جنگی مہموں پر ایک مختصر سی
مثنوی مفتاح الفتوح بھی لکھی، جس کے شروع میں
ہی جتا دیا ہے کہ میں واقعات کے نظم کرنے میں غلط بیانی
اور مبالغے سے کام نہ لوں گا۔ خود یہ بادشاہ بھی اسی طبیعت
کا آدمی تھا۔ ابھی وہ راجپوتانے سے واپس ہوا تھا۔ دم لینے
نہ پایا تھا کہ ایک زبردست منگول تاتار فوج شام اور ملتان
کی سرحد پر چنگیزی گھٹا کی طرح امنڈی۔ الگی خان کی ماندہ اس
مہم پر روانہ ہوا۔ بادشاہ خود بھی منگولوں سے مقابلہ کا
بڑا شائق تھا۔ لیکن وہ پایۂ تخت سے گیا نہیں۔ امیر خسرو بھی
یہیں رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ چنگیز کے بیٹے چغتائی قاآن (خان)
کے ایک فرزند تہ ترشیریں والی شاخ، جو ماوراء النہر پر قابض تھی
۴۰، ۵۰ سال کے رابطے کے بعد اب اسلام کی طرف مائل ہوتی جا
رہی تھی۔ اس نے قسمت آزمائی کے لئے یہ داؤ چلا کہ پوری قوت
سے ہندوستان پر حملہ کیا جائے۔ اگر افغانوں اور ترکوں کے
نفاق میں بوڑھے بادشاہ کا سنگھاسن ڈول گیا تو دونسلوں
کی منگولی تاتار مراد بر آئے گی۔ اگر ناکامی ہوئی تو وہیں اسلام
قبول کرنے کا اعلان کر کے رہ پڑیں گے اور رفاقت میں شریک
ہو جائیں گے۔ ایک معاصر تاریخ میں ڈیڑھ لاکھ کے اس لشکر جرار
کے سالار کا نام عبداللہ دیا گیا ہے، دوسری جگہ الغو خاں۔ دونوں
بہرحال ہلاکو دہلاکو کے پوتے تھے لو ابھی تک کہیں اپنا گڑھ نہیں
بنا سکے تھے۔ چند روز مبارز طرفین جنگ میں مشغول رہے اور

ایک جماعت کثیر قتل ہوئی۔ ۔بعض بہادر قمار علف تیغ خوں آشام ہوئے ۔ ۔ ۔ جنگی معرکے کے بجائے گفت و شنید شروع ہو گئی ۔ ۔ ۔ ۔
بادشاہ نے ان کے سردار کو، جو قرابت ہلاکو خاں سے رکھتا تھا اپنی زبان مبارک سے فرزند فرمایا، اس نے بادشاہ کو پدر رکھا۔" بادشاہ نے ان کو انعام اکرام، جیب خرچ، تحفے تحائف دے کر جو بیٹھنا چاہتے تھے، لاہور شہر اور دہلی کے مضافات میں بسنے کی جگہ دی ۔یہی محلے بعد میں مغل پورے کہلائے۔

امیر خسرو کے ہاں اس واقعے کا ذکر سرسری ہے، لیکن جب ان میں سے کئی ہزار کو عہد علائی اور مبارک شاہی میں قتل کیا گیا تو امیر خوش ہوئے ہیں ۔ اور یہ تنہا موقع ہے جب وہ قتل عام پر اعلانیہ یا در پردہ بیزاری کا اعلان نہیں کرتے بلکہ خسرو دو سال جم کر دہلی میں بیٹھے، اسی زمانہ میں خواجہ نظام الدین اولیا کی خانقاہ پہ آمد و رفت بڑھی ۔ انہوں نے اپنا سب سے اہم دیوان "غرۃ الکمال" صاحب نظر اور بزرگ دوستوں، مولانا شہاب الدین، قاضی سراج، تاج الدین زاہد اور علاء الدین علی شاہ کے مشورے اور مدد سے ترتیب دیا۔ بعد میں ایک تفصیلی دیباچہ بڑھایا۔

یہ پہلا دیوان تھا جس پر شیخ الشیوخ عالم نظام الدین کی مدح، خدا و رسول کے نور بعد آئی ہے اور تیسرا دیوان ہونے کے باوجود اس میں بھی اپنی غزلیں شامل نہیں کیں۔ اور دیباچے کے خاتمے اپنے بدلے ہوئے موڈ کی عکسی پرچھائیں یوں ڈالی۔

"افسوس صد افسوس کہ ان چند شعبدوں میں جھوٹ کی اس لوٹ میں اپنی عمر کے نفیس ترین سانس خالی کر دیئے ۔ اور عمر عزیز ان پہ ضائع کر دی ۔ شعر سے میرے ہاتھ وہی آیا جو گرد و غبار سے آدمی کی مٹھی میں آتا ہے ۔ اس خبط کے مارے اندھیرے میں مکے بہت چلائے، اب چاہتا ہوں کہ ہاتھ دھولوں، (دامن پاک کر لوں) تو میں ہوا سے ہاتھ بھی نہیں دھو سکتا۔ یہ محض دل کے ارمان تھے" کہ سخن نام بر بندہ فرض است ۔ ۔ کمزور زندگی میں اتنی فکر (یعنی فکر سخن) صرف کر دی، اسے کسی اچھے کام میں لگانا چاہیئے تھا ۔یعنی در عالم وحدانیت مصروف شدے۔"

اب تک انھوں نے کبریا اور امارت کی تلاش کی سلطنت ز رکی امید رکھی، شاعرانہ مقبولیت چاہی، غزلیں لہک لہک کر قومی راج

سنائیں اور خوش آواز گلنے والوں اور گانے والیوں کو تربیت دے کر سنیں اور سنوائیں، گیت سنگیت، ناچ رنگ، جام و دلارام کی محفلوں میں جی بھر کے رتجگے کئے، سفر کئے، کنیزیں رکھیں، زبان قلم اور تلواریں تینوں کی تیزی سنوائیں، میدانوں اور جنگلوں کی چلچلاتی دھوپ رن میں بجتے کھانڈے اور چھنکتے جام و پازیب کہیں سے منہ نہیں پھیرا اور اب عمر کے چالیس سال پورے کر کے وہ ماضی کا تنقیدی جائزہ لے رہے ہیں، مگر ایک ہی سانس میں پورا موڑ کاٹنا ان کے سے مزاج اور تاریخی حالات کو منظور نہ تھا ۔ بوڑھے، خوش مزاج جلال الدین خلجی کے ہاں، ترک نوجوان معز الدین کیقباد کی طرح دوست دشمن سب کو ڈھیل تھی۔ ڈیڑھ سال اور گذر گیا۔

بدھ کے دن ۱۹ جولائی ۱۲۹۶ء (۱۶ رمضان ۶۹۵ھ) کو اولوالعزم، بھتیجے اور اپنی کامیابی کی خاطر سب کچھ کر گذرنے والے بھتیجے اور داماد، علی گرشاسپ (بعد میں علاء الدین محمد) نے دھوکے سے مہربان چچا کا سرعام خاتمہ اپنی تخت نشینی کا اعلان کر کے کڑہ (مانک پور) کے مقام پر گنگا کنارے جہاں علاء الدین نے بادشاہ کے پرانے باغی ملا لئے تھے، باپ جیسے شفیق سلطان کا خون ناحق کرنے کے بعد جب وہ منزل بمنزل دہلی کی طرف ہن برساتا کو چوں سے روپے اشرفی کا بکھیر کرتا ہوا چلا تو تیس برس کا کڑیل جوان، دکن کا پہلا فاتح افغان اپنوں اور غیروں کے لئے امید گاہ بن گیا اور دشمنوں اور منگول چینیوں کے لئے سیلاب بے پناہ، بقول ستخصے دلیوگری میں ہی علاء الدین نے دہلی فتح کر لیا۔

علاء الدین نے اپنے سے پہلے کے دس سال، معز الدین کیقباد اور فیروز خلجی کا دور گویا تاریخ ہند سے بالکل نظر انداز کر کے بلبن کی سخت گیر، بے لوچ، منصفانہ، انتظامی مگر غیر شاعرانہ پالیسی اپنائی لیکن آگے تک پھیلایا فرق یہ کہ بلبن بیس برس مرکز کو مضبوطی سے تھام کر بیٹھا رہا، علاء الدین نے دیوگری کی آسان فتوحات میں سونے کی کانیں دیکھ لی تھیں اور وہ ایک مضبوط مرکز کا دائرہ اختیار کرۂ زمین کے چپے چپے پر پھیلانے کا آرزو مند تھا۔ کتاب کی معمولی شد بُد رکھنے والے حوصلہ مند بادشاہ کو، جس نے ترک امیروں کے باہمی اختلافات سے فیض اٹھایا بھی اور انہیں امید و بیم کی حالت میں رکھ کر فیض پہنچایا بھی ۔ سکندر ثانی کی طرح فاتح اعظم بننے کی تمنا تھی۔

امیر خسرو نے اس بدلے ہوئے سیاسی موسم میں اپنے شاعرانہ مرتبے کا مستقبل تو دیکھ لیا اور اس سے منسوب کر کے کسی عظیم مثنوی کی تصنیف کا خیال دل سے نکال دیا، تاہم ان کی رگوں میں آبا و اجداد کے حوصلہ مند خون کی گردش بڑھ گئی۔ اور جب اگلے ہی سال (۹۸–۱۲۹۷ء) وسط ایشیا سے ایک لاکھ منگول تاتار، اور چینیوں کا زبردست لشکر پے در پے دریائے جہلم پار کر کے پایۂ تخت کی طرف بڑھا اور اسے ظفر خاں اور الغ خاں نے شکست فاش دی، دوسری بار خود علاء الدین اپنے کمانڈروں کو لے کر نکلا اور فتح مند لوٹا، بیس ہزار منگول مارے گئے، ہزاروں افسر اور فوجی پابہ زنجیر شہر شہر گھمائے گئے، ہاتھی کے پاؤں کے تلے روندے گئے تو امیر خسرو کا جی ٹھنڈا ہو گیا۔ انہیں ملتان کی بربادی کی یاد رہ رہ کر ستایا کرتی تھی۔

محمد سلیمانی

علاء الدین نے تین سال کے دوران منگول تاتار اور چینی فوج کے لگاتار پانچ اور ایک سے زیادہ خوفناک حملوں کو اس قوت کے ساتھ کچلا کہ کم از کم ایک نسل کو شمالی سرحد کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔ امیر خسرو کا درباری منصب اور وردما قائم رہا، اس متحرک اور بے چین طبیعت کا ایک حال پر قائم اور مطمئن رہنا دشوار تھا۔ بادشاہ جہاں خود لاؤ لشکر لے جاتا، انھیں بھی ساتھ جانا پڑتا۔ ورنہ بادشاہ پوچھ بیٹھے کہ میرا ہُدہُد کہاں ہے ۔ اور ہُدہُد کو غائب پا کر وہ اس کی گرفتاری کا حکم صادر کر دے۔ مگر یہ سلیمان وقت اپنے ہُدہُد سے بے نیاز تھا۔

راجپوتانے کی لمبی فوجی مہم کے علاوہ تین سال وہ پایۂ تخت سے باہر نہیں گئے۔ اب انھیں تکمیل فن کے علاوہ ایک فکر اور تھی ۔ فارسی کے عالمی ادب میں، ایران، توران کی ٹکسال میں اپنی قیمت آنکنے اور اپنا سکہ چلانے کی فکر۔ فردوسی کے بعد اگر کسی نے مثنوی میں کمال دکھایا، بیان کے فن کو نفاتی سانچے میں ڈالا اور سب سے اہم یہ کہ شاہان وقت کو قصہ کہانی کے روپ میں اخلاقی سبق حلوے کا لقمہ بنا کر دیئے تو نظامی گنجوی نے ۔ وہ ایک عدیم المثال نمونہ سامنے تھا۔ خسرو نے اسی معیار پر کسنا چاہا۔ نظامی دنیاداری کے جھنجھٹ سے الگ، دامن میں پاؤں کھینچ کر کوہ صفت بھاری شخصیت کے ساتھ ایک جگہ جم رہے، تب ۴۳ برس (۵۵۲ھ سے ۵۹۶ھ) میں پانچ مثنویوں کا ایک خمسہ

ا کو نذر کرکے اوران سے نذرانے کرو نیلکے لئے گے پیش کیا
یہ کام تین سال میں کرڈالا (۱۳۰۱ء ـ ۱۲۹۸ء) وہ
کے معمولات اور دربار کی حاضری بجالاکر۔ یکے بعد
ون مثنویاں اپنے روحانی مرشد خواجہ نظام الدین
عقیدت کا اعلان کرتی ہوئی بلکہ انہی کی نذر، اب جاکر
توار ہوا تھا اوراس نے روحانی اور فکری قوت کا ایک
کھول دیا، سکون قلب بھی دیا اور وقت میں برکت بھی
شاہ، درویشوں کے درویش، چشتی سلسلے کے چوتھے پیراور
ہ رکھنے پر بھی جو الوں کے جوان خواجہ نظام الدین، امیر
ریں ۱۳ برس بڑے تھے ان کے ناناکی ڈیوڑھی سے اٹھائے
ہر طرح کی آزمائشوں سے ثابت قدم گزر چکے تھے، خسرو کی
رشاعری کے دلدادہ تھے، ان کا کلام انہی کی زبانی سننے اور
عادی تھے۔ مگراب خسروان کے فقیری دربار میں حاجت
پہنچے تو عالم ہی کچھ اور ہوگیا۔ قربت خلوت کے جس مقام پر
لے بلکہ بچے مرید نہ پہنچے تھے، خسرو وہاں پہنچ گئے اور دن بھر
یے مزے میں سنانے لگے۔ نظامی کی مثنویاں نظام کو
سرِ خود دل وجان سے "نظامی" ہوگئے۔ اس عشق کا اسرار
دار ہے، تاہم اس کی توجیہہ پروفیسر محمد حبیب نے یوں
ہے۔

طلع الانوار" پہلی کوشش تھی، تصوف واخلاقیات کے موضوع
ل رہی، شیرین خسرو میں پوراڈرامہ تھا، ۳ کردار۔ شہزادہ
یوان انجنیئر، عاشق ناکام، خسرو نے اس میں اپنا رنگ
ہ کامیابی سے دکھایا، اور اسے پھیلایا بھی زیادہ، جب
مجنوں لیلیٰ" لکھ رہے تھے (۱۲۹۹ء) چہیتی ماں اور
کا انتقال ہوگیا۔ مثنوی میں جہاں درد الفت یا غم
آگیا ہے، شاعر پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ عجب نہیں
ہمیں نہیں آنسو ٹپکائے ہوں جو تھی آئینہ سکندری
کی دونوں مثنویوں (سکندر نامہ بری وبحری) کا
ہے اور ہے بھی ان سے مختصر، لیکن ان کی پانچویں
ت واقعی بے مثال، رواں دواں، خوشگوار اور گہری
۔ علامہ دہر، مولانا جامی (متوفی ۸۹۸ھ) بعضوں
یں دولوک فیصلہ دیا تھا کہ خمسۂ نظامی کا جواب خسرو
نہیں لکھا۔ انھوں نے اسی راہ کو اپنایا، مگر بہشت

بہشت کے مضامین اور طرز بیان سے کترا کر۔ دنیا میں آج
اسی مثنوی کے مصور نسخے زیادہ ملتے ہیں اور ایسے کہ آنکھیں روشن
ہو جائیں۔

یہاں نہ حاشیہ آرائی کی ضرورت تھی نہ مدح سرائی کی، بیان
کئے ہوئے افسانوں کو انہی یا دوسری تفصیلات یا ترمیم واختصار
کے ساتھ اپنے رنگ سخن میں ڈھالنا اور تازگی بخشنا شاعر کا کام تھا
عام پسند غزل گوئی سے کہیں زیادہ دشوار۔ ہندوستان سے باہر کی
دنیا نے خمسے کے میدان میں ان کا لوہا مانا، سو برس آگے نظامی ہیں سو
برس پیچھے جامی اور نوائی۔ لیکن ہندوستان میں ان کا نام تاریخی
مثنویوں اور غزلوں نے پھیلایا۔ پھر ہم ان کے کفایت شعار ممدوح
کی طرف آتے ہیں۔

علاء الدین خلجی نے اندرون ملک پہلی مہم گجرات کو بھیجی
جہاں سے سمندر کے مغربی کنارے تک ہر جگہ فتح ہوتی چلی گئی۔
اسی فتح میں راجہ کرن کی رانی کنولادیوی اور ایک سیاہ فام تیلا پیر
دوراندیش ملک مانک قیدی بناکر لائے گئے (خسرو خاں جس
نے قبول اسلام کا اعلان کرکے یہ نام اختیار کیا) علاء الدین
کے زمانے میں بڑھتے بڑھتے بالآخر اس کے بیٹے قطب الدین مبارک
شاہ کا رازدار اور بعد میں اس کا قاتل بنا۔ چند روز کے لئے صاحب
تاج وتخت بھی رہا۔ مانک عظیم الشان سپہ سالار اور ڈپلومیٹ
ملک کافور کے نام سے تاریخ ہند میں امٹ نشان چھوڑ کر گیا۔ رانی
کنولادیوی نے اپنی فرقت زدہ کمسن بیٹی دیول دی کو پاس بلوانے کی
جو ضد کی وہ بعد میں رنگ لائی۔ اور اسی کے واقعات پر امیر خسرو کا بہترین
شعری کارنامہ مثنوی "دول رانی خضر خاں" مبنی ہے۔ یہاں تک کہا
جا سکتا ہے کہ علاء الدین کے خاندان کا چراغ گل ہوتے میں گجرات کے
ان تینوں "قیدیوں" کا ہاتھ ہے۔ اگرچہ ۱۲۹۶ء کے یہ تینوں گجراتی
قیدی سماج کی الگ الگ پرتوں سے آئے تھے، لیکن خلجی شاہی
خاندان میں اعتبار اور اقتدار حاصل کرکے انھوں نے واقعات کو وہ
رُخ دیا کہ جب ۱۳۲۱ء میں خسرو خاں کی شکست اور خاتمے کے بعد
شاہی خاندان کے وارث کی تلاش ہوئی تو ڈھونڈھے سے کہیں
نام ونشان نہ ملا۔ اور غازی ملک تغلق کو مجبوراً تختِ شاہی پر
قدم رکھنا پڑا۔

امیر خسرو ان تمام واقعات کے عینی گواہ ہیں لیکن یہ محض
اتفاقی امر نہیں کہ علاء الدین جیسے اولوالعزم حکمراں پر انھوں نے
کوئی تاریخی مثنوی خرچ نہیں کی۔ وہ اس کی مدح تو جی جان سے
کرتے ہیں۔ مگر کمال فن کے اظہار میں پہل نہیں کرتے۔ اسے کسی اور فن
کے لئے اٹھا رکھتے ہیں۔

علاء الدین خلجی نے دغا اور دولت سے دہلی کی وسیع
سلطنت قبضائی تھی، اور پورے بیس سال اسے دلیری، ہمت
سخت گیری اور انتظامی قابلیت کے ساتھ چلایا۔ اپنے زمانہ کی
ہر ایک مثنوی میں امیر خسرو بڑھ چڑھ کر اس کی مدح کرتے ہیں، کبھی
براہ راست، کبھی اوروں پر رکھ کر نصیحتیں کرتے ہیں اور نظامی
گنجوی کی طرح خود بھی "سکندر ثانی، علاء الدین والدنیا فاتح
عالم، نائب خلیفہ" سے صلہ، انعام اور قدر دانی کی اُمید رکھتے
ہیں۔ لیکن سلطان نے ان کو اپنے دربار کی زینت اور خانقاہ نظام
سے ایک رابطہ بنائے رکھنے کے علاوہ زیادہ اہمیت نہیں دی
امیر نے قصائد لکھے، اپنا منصبداری فریضہ پابندی سے انجام
دیا۔ مگر بالآخر سمجھ گئے کہ یہاں مبالغہ آرائی سے نہیں واقعہ نگاری
سے ہی کام چلے گا۔ اور وہ اپنے اس حقیقت پسند ممدوح کے
بارے میں خود بھی حقیقت پسند ہوگئے۔

دو عظیم الشان ہستیاں صرف تکلف، احتیاط اور اعتراف
کے رشتے بہت کر ہی ایک مقام پر رہ سکتی تھیں۔ اس لئے امیر خسرو
بار بار درخواست کرتے ہیں کہ انھیں "حاضری" سے مستثنیٰ کرکے
شاعرانہ مصروفیت کے لئے آزاد چھوڑ دیا جائے۔

امیر نے جا بجا علاء الدین کو اس کارنامے کی داد دی
ہے کہ غلے کے سرکاری گودام بھرے ہوتے ہیں، قحط کا خطرہ نہیں
رہا، ضرورت کی تمام چیزوں کی قیمتوں پر کنٹرول ہوگیا ہے، ناپ
اور ماپ میں دکانداروں کی بے ایمانی کا خاتمہ کردیا گیا۔ پتھر کے
بجائے لوہے کے باٹ آگئے۔ سازشی گروہ اور گروہی سازش
دونوں کا ناطقہ بند ہے۔ زمین کی لگان بندی، تنخواہوں اور بھتوں
کی شرح مقرر ہونے سے زمینداروں اور پٹواریوں کا زور ٹوٹا
عوام میں خوشحالی ہے۔ چوری ڈکیتی کی نہ ضرورت رہی، نہ گنجائش
ساحل سندھ سے بنگال اور دھور سمندر (تامل ناڈو) تک راستے
محفوظ، انصاف کا بول بالا اور حنفی شریعت کا حکم رواں ہے
شاہی لشکر نے منگول، تاتار اور چینی حملہ آوروں کو ایسی ہلاک شکستیں
دی ہیں کہ آئندہ وہ اس طرف کا رخ نہیں کریں گے۔ اور جنوب
کے راجا یا تو باج گزار اور دوست ہوگئے یا ان کا زور ٹوٹ گیا۔

یکم نومبر ۱۹۷۵ء

علاء الدین خلجی ان کے لئے محض ایک بادشاہ نہیں رہا تھا بلکہ اولوالعزمی، پامردی، بےرحم انصاف اور زبردست وسیع سلطنت میں رعایا کے جان و مال کی حفاظت کا نشان بن گیا۔ وہ اس کی کفایت شعاری کو اول اول بخل سمجھے، کچھ کبیدہ خاطر رہے پھر انھوں نے اس پالیسی کی قدر و قیمت جانی، اسے سراہا اور صرف قصیدوں میں یا مثنویوں کی تمہید میں نہیں، بلکہ عہد علائی کو بارہ برس جانچنے اور پرکھنے کے بعد اپنے قلم کا پہلا نثری کارنامہ "خزائن الفتوح" لکھ کر پیش کر دیا۔ جو پیچیدار اور کسی حد تک مبالغہ آمیز استعاروں کے باوجود علاء الدین کے دور میں شمالی اور جنوبی فتوحات کے واقعات کی ایسی منہ بولتی تصویر تھی کہ اس کا نام ہی "تاریخ علائی" پڑ گیا۔ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کی اس طاقتور مرکزی سلطنت کے جبر و قہر، شان و شکوہ، ناپ تول اور دوراندیش پالیسی کی تہہ میں اترنے کے لئے "خزائن الفتوح" کی تہہ دار نثر ایک زینے کا کام دیتی ہے۔ آج تک ہندوستان کی کوئی ایسی معتبر تاریخ نہیں لکھی گئی جس میں عہد علائی کے واقعات کی سند کے لئے امیر خسرو کی تصانیف، خصوصاً "خزائن" کو گواہ نہ بنایا گیا ہو۔

راجپوتانے کی جنگوں میں، جہاں جہاں بادشاہ بذات خود گیا، امیر خسرو ہمرکاب تھے۔ دکن کی فوجی مہموں میں (۱۳۰۶-۱۱) امیر خسرو نہیں گئے تھے۔ لیکن انھوں نے ایک ایک تفصیل ریکارڈ کی۔ معاصر مورخوں سے زیادہ صداقت کے ساتھ فتوحات کی تاریخی اور سماجی اہمیت کو ابھارا

امیر خسرو کی زندگی میں ہندوستان پر دس بار منگول حملے ہوئے جن میں سے پانچ حملے، بلکہ جان توڑ حملے علاء الدین کے شروع پانچ سال کے دوران ہوئے۔ آخری حملے میں دو لاکھ فوج تھی جس میں دو دو بار کے تجربہ کار منگول سپہ سالار موجود تھے۔ دو بار دشمن دہلی کی فصیلوں تک آگیا۔ اور وہاں سے پسپا ہوا۔ امیر خسرو کے نزدیک ان فتوحات میں علاء الدین خلجی کی پالیسی، مردانگی اور طریق جنگ کے علاوہ حضرت نظام الدین کی برکت بھی شامل تھی لیکن وہ خزائن میں یہ نہیں جتاتے۔

امیر خسرو کے نزدیک اس دور کی اہمیت یہ ہے کہ اس کے زمانے میں غریب اور پست حال کسان زمینداروں اور محصل داروں کی زبردستیوں سے محفوظ ہے اور جنگ کے زمانے میں لشکر قومی راہ کی گزرگاہ کے قریب دیہات اور شہر لوٹ اور بے آبروئی سے محفوظ ہیں ان کے نزدیک اس دور کی اہمیت یہ ہے کہ جہاں گیری کے ساتھ جہاں بانی بھی ہے۔ بادشاہ اس سرے سے اس سرے تک ملک کو فتح کرنے کے علاوہ انتظام میں بھی کامیاب ہے۔

......آں کہ بگیرد و نتواند داشت آں گرفت بروے گرفتہ بود، و واجب است کہ جہانے بروے گرفت کنند تا او از آں گرفت جہاں گیرد....

یہی خیال انھوں نے اپنی مثنویوں میں بھی ابھارا ہے۔ اور صاف نظر آتا ہے کہ امیر اب دربار میں ایک مصحف دار اور منصب دار شاعر کی حیثیت سے نہیں، خود کو ایک سخت گیر مدبر کی حیثیت میں دیکھتے ہیں اور خالی خولی مدح سرائی کو فعل عبث شمار کرتے ہیں۔

مثنوی "لیلیٰ مجنوں" انھوں نے ۱۲۹۹ء میں تمام کی ہے یہ علاء الدین کا جنگی زمانہ ہے جب علماء اور مفتیوں کی زبانیں اس کے آگے بند تھیں۔ وہ مثنوی کے ختم پر بیٹے کو نصیحت کرتے ہیں

چوں من نشوی کہ ہر زمانے ✤ ترکانہ زمو، گرہ کشائی
سازم بہ دروغ داستانے ✤ بیتے بکنی ثنا سرائی

یعنی شاعری اور مداح سرائی پر بسر نہ کرنا، آبائی پیشے شمشیر زنی اور نستلہ بازی اختیار کرنا۔ قوت بازو کی کمائی کھانا انھیں معلوم ہے کہ مثنوی دوست اور دشمن سبھی تک پہنچے گی۔ مدحیہ بیان ہے تو ممکن ہے علاء الدین پڑھوا کر سنے، پھر بھی کھلا ہاتھ بے باکی سے کہہ جاتے ہیں۔

"۔ ۔ ۔ ۔ محمد بیا "مسکین"، حاجت مند، بے سر و سامان، جو کھولتی ہوئی دیگ کی طرح تپ رہا ہے، رات سے صبح تک، صبح سے شام تک "گوشہ غم" میں چین نہیں پاتا۔ خود غرضی کے ہاتھوں یہ ذلت اٹھاتا ہوں کہ اپنے جیسے ایک آدمی کے سامنے (ادب سے) کھڑا رہنا پڑتا ہے جب تک پاؤں سے سر کو خون نہیں چڑھ جاتا، کسی کے پانی (معاوضے یا اجرت) سے میرا ہاتھ تر نہیں ہوتا۔ ۔ ۔"

یہ ہے موڑ ان کی زندگی اور تصورات کا، جو عہد علائی کی فتح مندی اور عہد قصیدہ گوئی کی شکست نے سازش کر کے انھیں سجھایا۔ اور جس کی بدولت "خمسہ" مکمل ہوا۔ بعد کی تین اہم مثنویوں میں بیان واقعہ پر زیادہ زور دیا گیا، "افضل الفوائد" اقوال حضرت نظام الدین مرتب ہوئی اور "رسائل الاعجاز" نے تکمیل پائی۔

علاء الدین کو فتح و کامرانی کے ۲۰ سال ملے اور ۸۴ جنگیں لڑی گئیں جن میں بعض غیر معمولی فتوحات بھی حاصل ہوئیں ان فتوحات میں ترکوں، افغانوں، نومسلم راجپوتوں اور ان سوداؤں کا ہاتھ تھا جنھیں مختلف تدبیروں سے نیا نیا سیاسی اقتدار نصیب ہوا تھا۔ ملک کافور اور خسرو خاں اور اس کے ہم قبیلہ لوگ انہی میں شامل تھے۔ انھوں نے شاہی خاندان کا مستقبل اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور آئندہ پانچ سال میں رفتہ رفتہ اسے بے دخل کر دیا۔ امیر خسرو ان امرا میں بعض کو وقت آنے سے پہلے ہی "خوش" کر چکے تھے۔

۴ جنوری ۱۳۱۶ء (۶ شوال ۷۱۶ھ) کو جب علاء الدین کی آنکھ بند ہوئی اس سے ذرا پہلے ملک کے دور دراز علاقوں میں بغاوت یا شورش پھوٹ پڑی تھی۔ علاء الدین کے انتقال اور اس کے ناز پروردہ بیٹے قطب الدین مبارک شاہ کی تخت نشینی (۱۸ اپریل ۱۳۱۶ء) کے درمیان پائے تخت میں کئی نشیب و فراز آئے، لیکن امیر خسرو خانہ نشین ہو کر "دول رانی خضر خاں" کی تصنیف میں مصروف رہے۔ خود کہتے ہیں کہ چار مہینے میں مثنوی تمام ہوئی۔ چار مہینے خانہ نشین تو رہے مگر انھوں نے یکسوئی سے اپنا بہترین کارنامہ "دول رانی خضر خاں" مکمل کیا۔

شہزادہ خضر خاں امیر خسرو کا قدرداں، خواجہ نظام الدین کے مرید کی حیثیت سے ان کا خواجہ تاش اور ولی عہد تھا اسی زمانے میں اپنی داستان عشق سنا کر، یادداشتیں حوالے کر کے اسے نظم کرنے کی فرمائش کی تھی۔ وہ فرمائش پر لکھ رہے تھے اور چاہتے ہوں گے کہ بادشاہ کے آخری دنوں میں ہی مکمل کر لیں۔ واقعات کا تفصیلی بیان بھی اس کی شہادت دیتا ہے۔ مگر حالات پلٹ گئے اور امیر خسرو نے مثنوی روک کر بعد کے حالات بھی، جو صاحب اختیار ملک کافور کے خلاف پڑتے تھے اس میں شامل کر لئے۔

خواجہ نظام الدین کی درگاہ پر ان کی حاضری اور حلقۂ ارادت میں شمولیت بھی ایک حد تک ذمہ دار ہوگی۔ اس جرأت کی، جو غیر معمولی طور سے اس مثنوی پر حاوی ہے

شہ آنرا داں کہ گفت از جہان آزاد
تبرک بخل و خشم و لہو و بیداد
شبے کش چار ترکش در کلا نیست

یکم نومبر ۱۹۷۵ء

بیاید ترک او گفتن کرشتہ نیست

ان اشعار کے پیچھے کون سا ذہن اور تجربہ کام کر رہا ہے، وہ ہم پر کھلتا ہے جب ہم اس سے ذرا پہلے کا یہ اندراج پڑھتے ہیں۔ امیر خسرو ۱۳۱۲ء (۲۴ ذی الحجہ ۷۱۲ھ) کو حضرت نظام الدین کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس روز حضرت کے قدم چومے اور انھوں نے ....

"... کلاہ چار ترکی بر سر بندہ نہادند و بشرف بیعت مشرف گردانیدند۔ الحمد للہ ...."

پھر وضاحت کی کہ ٹوپی میں چار گوشے ہیں اول شریعت کا تھا، دوسرا طریقت کا، تیسرا خانہ معرفت کا اور چوتھا "خانہ حقیقت" مزید تفصیل یہ بتائی کہ رسول اللہؐ نے ایک ترک والی ٹوپی ابوبکر صدیقؓ کے سر پر، دو ترک ٹوپی حضرت عمر خطابؓ کے سر پر تین ترک والی حضرت عثمانؓ کو بخشی اور چار ترک والی علی مرتضیٰؓ کو عطا کی۔ پھر چاروں کے الگ الگ مرتبے بیان کرکے فرمایا چار ترک والی ٹوپی "اصحاب اہل صفہ و سادات و طبقہ مشائخ کرام بر سر نہادہ اند"

و مراد ترک چہارم آنست کہ طہر القلب من حب الدنیا یعنی پاک گردانیدن دل را از دوستی دنیا و آنچہ در وست

اگر افضل الفوائد خود امیر خسرو کی تالیف نہ ہو، تب بھی یہ حقیقت کہ انھیں ۱۳۱۲ء میں پیر و مرشد نے چار ترک والی ٹوپی کا اعزاز بخشا، دونوں کے سوانح نگار کے لئے نہایت اہم ہے کیوں کہ اس سے ان کے روزمرہ معمولات، خیالات، اور خود فن پر ان کے اثرات کا سراغ ملتا ہے۔

انہی تین برسوں میں انھوں نے اپنا چوتھا دیوان "بقیہ نقیہ" مرتب کیا اور پہلی مرتبہ اپنے دیوان میں غزلیں شامل کیں۔ یعنی غزلیں جنھیں وہ محض تفریح طبع یا بزم آرائی کا سامان اور کمتر درجے کی شاعری شمار کرتے تھے، لیکن خواجہ کے ہاں محفل قوالی (یا سماع) کے وقت غزلیں ہی لے اور لحن کے ساتھ سنائی جاتی تھیں، عام لوگ انہی سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ اور اپنے طور پر گاتے پھرتے تھے، جن کے ترنم میں یقینی طور پر طبلے کی تھاپ اور سارنگی کے سرگم پر وہ موجود تھے۔

انہی برسوں میں امیر خسرو نے وہ پانچ ضخیم اور عالمانہ (انسائیکلوپیڈیائی) رسالے ترتیب دیئے جن میں سب سے پہلے

کے نثر و نظم، معاشرت و معیشت، رزم اور بزم کے نکات یوں بکھیر دیئے ہیں جیسے ریت میں چاندی کے ذرّے۔

اسی زمانے میں انھوں نے اپنی ترکانہ عصبیت کو زیر کیا۔ اور اس کی لگام گہری انسانی ہمدردی کے ہاتھ میں دی۔ اور یہی زمانہ ہے جب انھوں نے اپنی سب سے مفصل، مکمل، رنگین اور دلنشین مثنوی "دول رانی خضر خاں" بعد کے اضافوں کے ساتھ، ایسے وقت اپنے عام قدردانوں کے سامنے رکھی جب اس مثنوی کا ہیرو خضر خاں تہ تیغ کیا جا چکا تھا اور اس کی اصلی ہیروئین "دول رانی" نئے بے دریغ بادشاہ (قطب الدین مبارک شاہ) کے قید حرم میں لائی جا چکی تھی اس لڑکی کا تعارف جس اہتمام سے کرایا ہے، وہ بھی غور طلب ہے۔

برسم ہندوی از مام و بابش … دراول بود "دیول دی" خطابش

بنام آن پری چون دیو بہ داشت … فسونیدہ از دلوش نگہ داشت

بکاعلت درو افگندم از کار … کہ دیول "تا "دول" کردم ہنجار

دول چون جمع دولتہاست در شمع … دریں نام است دولت ہائے جمع

چو رانی بود مے دولت و کام … دول رانی مرکب کردمش نام

خطاب این کتاب عاشقی بہر … "دول رانی خضر خاں" ماند در دہر

. . . .

دگر چون "لیلیٰ و مجنوں" بہ ترتیب … "دول رانی خضر خاں" کرد ترکیب

نکتہ یہ ہے کہ لکھنے کی فرمائش تو شہزادے نے کی تھی مثنوی کے سر چڑھی "دول رانی" اور نام میں ہلکی سی ترمیم کرکے امیر نے اس کی معنویت و عظمت بڑھا دی۔ اسی طرح خمسے کی ایک مثنوی کا نام "شیرین خسرو" ہے۔ دوسری کا اگرچہ نظامی کے برعکس "مجنوں لیلیٰ" رکھا تھا، تاہم حوالہ دیتے وقت "لیلیٰ مجنوں" لکھ جاتے ہیں یعنی اول لیلیٰ، بعد مجنوں، جب امیر نے امیر وقت سے بے نیازی برت کر ۱۲۹۸ء (۶۹۸ھ) میں خمسے کی نیت باندھی اور پہلی مثنوی "مطلع الانوار" تمام کرنے لگے تو اپنی نوعمر بیٹی مستورہ بیوں شے یوں خطاب کیا۔

اے رخ تو شمع چراغ دلم … خوب ترین میوۂ باغ دلم

اگرچہ گلوان تو نیک اختر اند … نغزتو دیدہ حسن بہتر اند

یہی حال خسرو کی دوسری مثنویوں کا بھی ہے کہ بیشتر نسوانی کردار اپنی خوبیوں میں مردوں سے بڑھ جاتے ہیں۔ جبکہ تحریروں

خصوصاً "نہ سپہر"، "رسائل الاعجاز" اور "تغلق نامہ" میں عورت مظلوم ہے، باوفا، پاکباز اور جاں نثار ہے، ۔ اور مصیبت کے وقت مردانہ وار ہے۔ یہاں تک کہ ستی اور جوہر کی دہشتناک رسموں میں بھی وہ عورت کی قربانی کے نوحہ سرا نظر آتے ہیں۔ ایک دو حکایتی مثالیں چھوڑ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ امیر خسرو میں اپنے ہم عصر "ولایتی" شعرا کے برخلاف، عورتوں سے ہمدردی بلکہ طرفداری کا جذبہ جو پوشیدہ تھا، وہ بروئے کار آگیا ہے۔ ماں کی ممتا کی نفسیاتی تاثیر خواجہ نظام الدین کی شفقت و محبت نے اور تیز کر دی اور گویا ساری محبتوں اور شفقتوں کے سرچشمے کو ایک وسیع انسانی دھارے میں بدل ڈالا۔

مادرِ وطن ہندوستان سے ان کی الفت بھی اسی پاٹ دار دریا کی ایک موج ہے، یہ موج اس لئے متلاطم ہوگئی کہ نو وارد "ولایتی" فاتحانہ رعونت میں آکر ان ہندوستانی ماحول، کلچر اور اہل قلم پر طنز کیا کرتے تھے۔ ان کے جہل کی حقیقت جاننے کے علاوہ خسرو نے چاروں کھونٹ، گھوم کر مفتوح، مغلوب اور تہ حال ہندوستان کی صناعی، باریکی، ذہنی اور فنی کمال، تہذیبی گہرائی اور رنگارنگی کے جلوے دیکھ لئے، پھر یہ جانا کہ چھوٹے چھوٹے رجواڑوں اور تہذیبی اکائیوں (یا اس وقت کے تصور سے کہئے کہ تہذیبی خلوتوں) کو بزور شمشیر مٹا کر، تاراج کرکے جو سیاسی اور انتظامی وحدت (مرکزیت) قائم ہوتی تھی وہ دیرپا نہیں نکلی۔ بیرونی حملوں اور مرکزی حکومت میں معمولی سے خلفشار کے ظاہر ہوتے ہی ہر طرف شورش اور بغاوت کے شعلے اٹھنے لگتے تھے۔ علاء الدین خلجی نے دور نزدیک کی ان سیاسی اور تہذیبی کوٹھریوں کو مسمار نہیں کیا، انھیں مغلوب کرکے ساتھ ملا لیا، تب علاقوں کے بجائے ملک کا ایک نقشہ ابھرا اور سرحدیں محفوظ رہ سکیں۔

امیر خسرو بادشاہ کے دم قدم کے ساتھ تھے اور اس عمل کے محض خاموش تماشائی نہیں تھے۔ وہ دیکھتے ہوں گے کہ جارحانہ رد کا وقت گزر رہا ہے یا گزر چکا ہے، مصالحانہ قبول، کی ضرورت اور گنجائش پیدا ہوتی جا رہی ہے رد و قبول کے اس دیرینہ عمل میں ان کا دل قبول کے ساتھ ہو گیا تصوف کو محض ایک شغل بنانے کے بجائے اپنے وجود کے رگ و پے میں بھر لینے کی شرط لی غالقا سے اور اس بیرنگ

کی نقل آیا کرتی، چنانچہ کئی کئی دن بھوکے رہ کر روزے اور رات بھر کی عبادت سے سرخ رہتی تھیں جس کے فقیری خوان سے شب و روز سیکڑوں مہمان پیٹ بھر کر یا جھولی بھر کر اٹھا کرتے تھے، جہاں مذہب و ملت، رنگ و نسل کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ حتیٰ الیس نے کچھ سونے کو کھینچ لیا اور اسے کندن بنا دیا۔

ادھر قصر ہزار ستون میں سلطان علاء الدین کی آنکھ بند ہوئی، ادھر ملک نائب (چیف سکریٹری) جس کا نام کافور نے بڑے شہزادے خضر خاں کی آنکھیں نکلوا لیں (جو بحکم سلطانی گوالیار کے قلعے میں نظر بند تھا) اور سات سال کے بچے کو تخت نشین کر کے خود عنان حکومت سنبھالی۔ کم سن شہزادے شہاب الدین کی ماں جھاٹیا پال (الہ؟) رام دیو کی بیٹی تھی۔ اس سے نکاح کر کے کافور نے غالباً بادشاہ کے سوتیلے باپ کا سا اعتبار حاصل کرنا چاہا۔ خضر خاں کا ہم عمر، سوتیلا بھائی مبارک قید کر دیا گیا اور جب اس کو اندھا کرنے کے لئے چار "پیک" (باڈی گارڈ) بھیجے گئے، وہ شہزادے سے کھاسی بن کر پلٹ پڑے اور محل میں گھس کر ملک نائب کا ہی خاتمہ کر دیا۔ چند روز بعد ۱۸ اپریل ۱۳۱۶ء (۴ محرم ۷۱۶ھ) کو یہی مبارک خاں، قطب الدین کا لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوا۔

یہ تین مہینے امیر خسرو پر باوجود بے نیازانہ جینے کے کتنے سخت گذرے ہوں گے، اندازہ ہو سکتا ہے۔ ملک کافور اور خضر خاں، دونوں ان کے ممدوح رہ چکے تھے، دونوں معتوب ہوئے۔ کئی اور ممدوح اور قدر دان ادب میں آ گئے۔

نئے بادشاہ نے تخت نشین ہوتے ہی خضر خاں کو خط لکھا کہ تم نے باپ کی عزت کو بٹہ لگایا کہ گجرات کی ایک کنیز کے سامنے سر جھکاتے ہو، اسے فوراً ہی بھیج دو۔ ظاہر ہے کہ خضر خاں نے اپنی اس مونس تنہائی کی حمایت کی اور وہ قتل کر دیا گیا۔

خسرو کی عام مقبولیت اور خاص سرپرستی نے ان کے حاسد اور دشمن بھی پیدا کر دیئے تھے خصوصاً حسن سے متعلق اور عبید شاعر۔ دونوں دربار کے حاضر باش تھے اور فوجی مہموں میں بھی جایا کرتے تھے۔

خواجہ نظام الدین جن کی درگاہ پر اب خسرو قریب قریب ہر شام بعد مغرب حاضر رہنے لگے تھے، علماء کے تو محسود تھے ہی، رفتہ رفتہ بادشاہ کی نظر میں کھٹکنے لگے جو نوجوانی، اقتدار، زور و دولت کے نشے میں بدمست تھا۔ والیان حکومت یکے بعد دیگرے تخت سے اتارے، مارے یا سازش کا نشانہ بنتے۔ لیکن پائے تخت میں ایک سفید ریش درویش کی خانقاہ پر دعائیں مانگنے اور زیارت کرنے والوں کی ایسی چہل پہل رہتی کہ راستے میں جا بجا لنگر، کہ لئے سایہ دار چبوترے اور پانی کی سبیلوں کا انتظام رہنے لگا۔ ان کے بڑھتے ہوئے حلقۂ اثر کے خلاف بھی بادشاہ کے کان بھرے جاتے ہوں گے۔

امیر خسرو نے "غرۃ الکمال" کے دیباچے میں لکھا تھا کہ مجھ سے پہلے صرف ایک شاعر گذرا ہے جس نے تین دیوان چھوڑے، مسعود سعد سلمان (لاہوری) مگر اس نے ایک عربی میں، دوسرا دری (فارسی) میں تیسرا ہندی میں لکھا۔ لیکن میں تنہا شاعر ہوں جس نے ایک ہی زبان (دری) میں تین دیوان مرتب کر دیئے۔ عالمانہ انکسار کے باوجود ان کے ہاں شاعرانہ تعلّی کچھ کم نہیں۔ اسی قسم کے تعلّی سے چڑ کر مسعود سعد سلمان... (متوفی ۱۱۲۱ء) کو اس کے ہم عصر شعراء نے حسد کا نشانہ بنایا اور بادشاہ کے کان ایسے بھرے کہ وہ امارت کے مقام سے اتار کر سیدھا قید خانے بھیج دیا گیا۔ دس سال سزا کاٹنے کے بعد رہا ہوا، جالندھر کا حکمران اور پنجاب کا گورنر بنا دیا گیا۔ غزنوی حکومت میں انقلاب آیا تو پھر اس پر تہمت لگی۔ اور دوبارہ قید ہوا۔ عمر کے تیرہ سال جیل کی سختیاں کاٹنے کے بعد باہر نکلا تو وہی عمر (۶۰ سال) تھی جس عمر میں خسرو کو یہ سارے خطرے در پیش ہیں۔

مسعود سعد سلمان اور عبید فقیہ۔ جن کا نام اور ذکر امیر خسرو کی زبان پر آیا، دونوں اپنی بے باکی، صاف گوئی، درباری تعلق اور شاعرانہ مقبولیت اور مرتبے کی بنا پر حریفوں کی سازش کا شکار ہوئے اور جیلوں میں جوانی کاٹ کر مرے۔ امیر نے صورتحال کا جائزہ لیا ہوگا اور جوں ہی سنا کہ قطب الدین مبارک شاہ نے اپنے دربار میں دعوا کیا ہے کہ میں اہل قلم کو اتنا دوں گا جتنا کبھی کسی بادشاہ نے نہ دیا ہوگا

"گنج گراں مایۂ بے شمار کو ..... ہم پلہ پیش نے، پیل بار

امیر خسرو نے نعت سے خواب میں بشارت پائی اور "زمین بوسی" کے لئے گئے۔ بعد میں عرض کیا کہ

شہا، گنج بخشا، کرم گسترا
معانی شناسا، سخن پرورا
مرا عمر کز شصت بالا گزشت
ہر پیش شاہان والا گزشت
لیے بندگی کردم از عون بخت
کمر بستہ در خدمت چار تخت

اگلے تینوں بادشاہوں کا نام لینے کے بعد کہتے ہیں

شد اکنوں کہ اقبال ہمدم مرا
نوازندہ شد قطب عالم مرا
چنیں بخششے کز تو جم یافتم
ز شاہان پیشینہ کم یافتم

یعنی قطب الدین مبارک شاہ کے دربار میں بھی ا[illegible] مندی نے ان کا ساتھ دیا اور جب بادشاہ نے د[illegible] میں) باپ کے نقش قدم پر چل کر اگلے سال دیوگری کا رخ کیا تو امیر خسرو کو ساتھ رکھا تا کہ وہ ان واقعات پر نظر رکھیں اور آگے چل کر نظم کر دیں۔

مورخین لکھتے ہیں کہ جب دہلی کے باہر اس مہم کے لئے فوج نکالی گئی تو اسو اکلو میٹر میں پھیلی ہوئی تھی۔ جنوبی ہند کی طرف یہ امیر خسرو کا پہلا سفر تھا اور حقیقت یہ ہے کہ بڑھاپے کی اس ایک سالہ سخت سفر کا حاصل نہ نکلا۔ بادشاہ کا "سیاہ چتر" دیوگری پہنچ کر اطمینان سے ٹھہر گیا، خسرو خاں اور امیر شکار ملک قتلغ اور کئی ا[illegible]

امیر خسرو: سفر اور حضر میں (۱۳۲۰ - ۱۲۸۰ء کے درمیان)
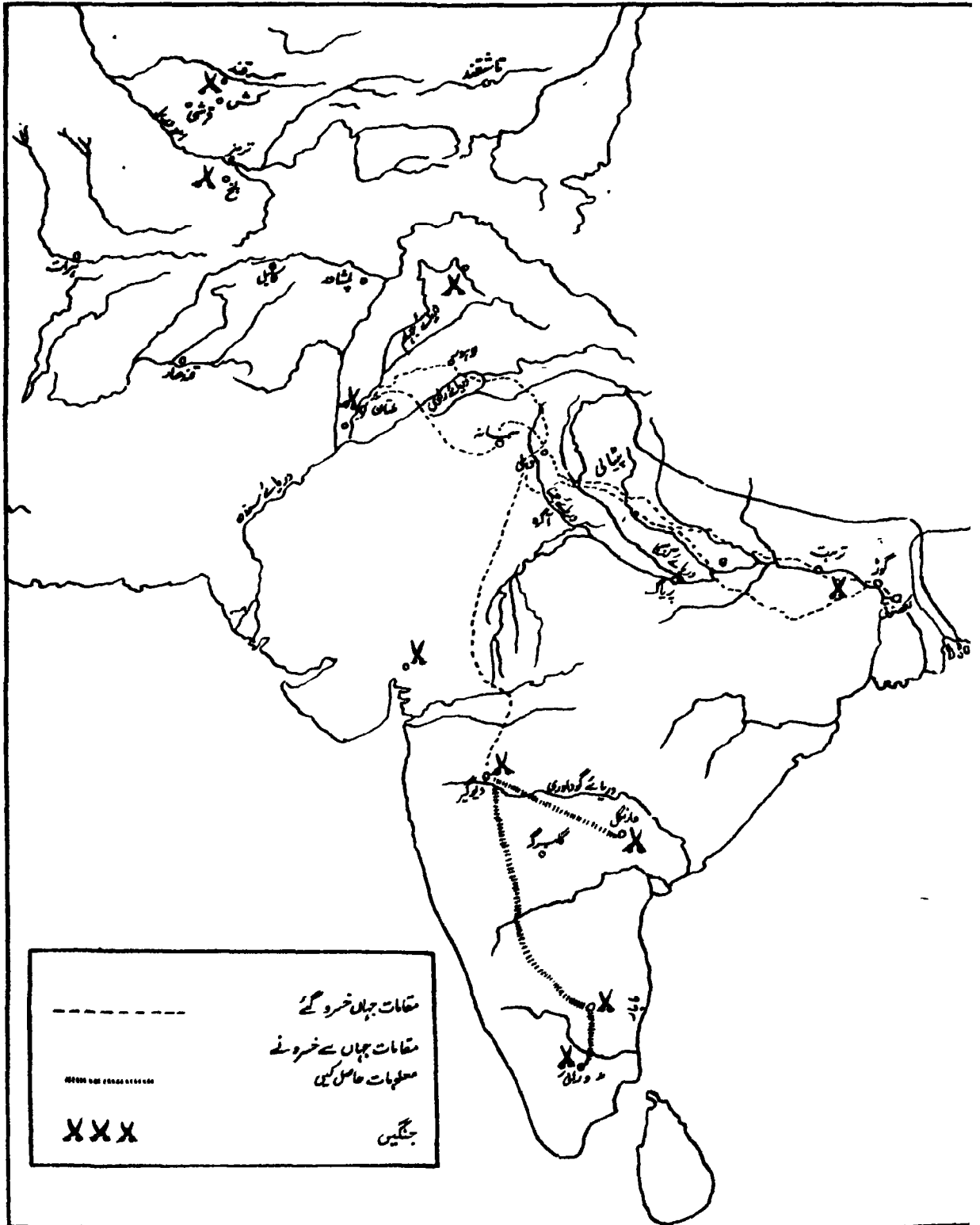
کو شاہی لشکر سمیت ورنگل کی طرف روانہ کر دیا۔ امیر خسرو
ساتھ نہیں گئے لیکن انھوں نے ایک ایک تفصیل کر ید کر
معلوم کرلی ہے

چنیں کردہ ام مشکل فتح راحل
ز دانندگان غزائے ارنگل

یہ فوج تلنگ، ارنگل اور جنگل سے فتح مند
واپس آئی۔ خراج اور مال غنیمت میں سونے، چاندی
ہیرے جواہرات کے انبار، سیکڑوں ہاتھی اور ہزاروں
گھوڑے، قیمتی سامان اور کپڑے لادتے ہوئے شاہی
لشکر سے آکر مل گئی۔

امیر خسرو نے واپسی پر ۴۵۰۹ اشعار کی ایک
بیش بہا مثنوی "نہ سپہر" ملکہ کو پیش کر دی۔ معلوم نہیں انہیں
شاہجہان شاہ سے کیا اور کتنا صلہ ملا، لیکن خسرو کو دربار سخن
سے جو صلہ ملا وہ بے مثال تھا، مورخین (مثلاً برنی اور
فرشتہ) کے بیان کو رد کر کے آج بھی اس مثنوی سے
سند لی جاتی ہے

گشت ہر پردہ ز نقش مستقیم
چوں خیال شاعر و ذہن حکیم
صورتے بنمود بر ہر سو جمال
کانچناں صورت نہ بندد در خیال

یہ اشعار انھوں نے سپہر ہفتم میں جشن نوروز کے
بیان میں لکھے ہیں جب شمال و جنوب کا حسن، دولت
زیورات، آرائش، کھیل تماشے، شعبدے اور جادو
تلوار کے ہنر اور سازوں (مثلاً نائے، چنگ، بربط،
عود، رباب، دف اور جھانجھ) کے باجے دہلی میں یکجا ہو
گئے ہیں، بالکل یہی مصرعے خسرو کی مثنوی پر صادق آتے
ہیں، جس میں جوش بیان کے بجائے سلاست، واقعیت
اور مبالغے کے بجائے بیان حقیقت اور عام استعاروں
کی جگہ اشیا اور اسما کی تفصیل بلکہ تصویر کھینچی ہوئی ہے۔

ہندوستان کی طرف سے خم ٹھونک کر وہ پہلے
بھی ترکی بہ ترکی جواب دیتے رہے، لیکن یہاں (سپہر
سوئم کے) تقریباً چار سو اشعار میں، دہلی، اہل دہلی اور
ہندوستان کی حمایت میں علمی دلیلیں قائم کی ہیں، جتنی
سنجیدگی، ہمدردی اور کرید سے البیرونی (متوفی ۴۴۰ھ)
نے ہندوستانی سماج، اس کے علوم اور رسوم کی تلاش کی
اور جن نتیجوں پر وہ پہنچا ڈھائی سو برس بعد امیر خسرو بھی اسی
راہ سے، انہی نتیجوں پر پہنچے۔

یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جن معنوں میں ابو ریحان محمد
بن احمد الخوارزمی (البیرونی) آخری کڑی تھا، عربوں کی
تلاش ہند کے تین صدی طویل سلسلے کی، انہی معنوں میں
امیر خسرو پہلی کڑی ہیں۔ ہندستان کے نئے سیاسی حالات
میں ہمدردانہ نقطۂ نظر کی جس نے صوفیا اور فارسی شعرا کی
صفوں میں اپنے ترجمان پائے۔

اس مثنوی میں (جس کے اشعار بعد کے
اساتذہ کے ہاں بھیس بدل بدل کر آتے ہیں) خسرو نے نجوم
ہیئت (فلکیات) لباس، تیر تلوار، مختلف زبانوں
گھوڑوں، کھیلوں، راستوں، لوگوں، موسموں اور نسلوں
کے بارے میں معلومات کا انبار لگا دیا ہے۔ ہندستانی
معاشرہ، عہد وسطیٰ میں کے مصنف کے لئے امیر خسرو سب سے
اہم ماخذ بن گئے ہیں۔

یہاں پہلی بار انھوں نے شراب کی مذمت کی
ہے، وہ بھی شراب میں دھت رہنے والے بادشاہ
کو دعائیں دے کر ہے

ہم چو مل کز وے خرد گرد و خراب
. . . .
عقل را دشمن ولیکن دوست روئی
دوستے صافی مزاج و تند خوئی

بادشاہ کو خسرو کے پیر و مرشد سے جو پرخاش
تھی اس کی پرواہ کئے بغیر، یہاں اتنی ہی شدت سے
نظام الدین کی مدح سرائی کی ہے۔

یہیں وہ روحانی محبت، خدا اور مخلوق کے قریب
ترین رشتے، انسانی الفت اور تصوف کی تعلیم میں پوشیدہ
خدمت خلق پر زور دیتے ہیں۔ یہیں انھوں نے اپنے
ہم عصر شعرا کا بڑھ چڑھ کر ذکر کیا ہے۔ ان کی فنی کمالات
کو سراہتے ہوئے یہاں تک آ گئے کہ خسرو جیسے خود نگر
شاعر کی زبان سے، اگر کبھی پہلے سنا ہوتا تو او پری معلوم
ہوتا ہے

کمترین ہمہ مسکین خسرو

وہ ان قلعوں، شہروں، مندروں، فنکاروں
اور ہنر مندوں کی ستائش کرتے ہیں جن پر بیداد ہوئی مگر
داد نہ ملی۔ وہ بادشاہ کی مدح کو تمہید بنا کر اسے کھلے
لفظوں میں نصیحت کرتے ہیں کہ ہے

پنج بنا شرط جہانداری است
آید از دکش ز خدا یاری است

پھر پانچوں شرطیں گنائی ہیں (۱) سلطنت
کی پالیسی مضبوط اور انتظامی مشین پکی ہونی چاہیئے
(۲) اندر عزم ہو، باہر سکون۔ یعنی امتحان کے وقت
ارادہ اٹل اور چہرہ پر وقار رہے (۳) دور اندیشی میں
ڈھیل یا غفلت نہ ہونے پائے (۴) یہ جا کو انصاف
ملے کہ کسی کی فریاد بلند نہ ہو (۵) خاص و عام کی آسودگی
یا فلاح پیش نظر رہے ہے

بر ہمہ دارد بہ بیابان و کاخ
جا خوش و رہ ایمن و لغت فراخ

پھر ایک ایک نکتے کو تفصیل وار تاریخی قصے
اور مثالیں دے کر بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ پانچ سو
صدی قبل دہلی کے راجہ اننگ پال کو ڈیوڑھی پر پتھر کے
دو شیر بنے ہوئے تھے جو قوت انصاف کی علامت
تھے۔ اور ان کے پہلو میں ایک گھنٹہ لٹکا ہوا تھا،
جسے فریادی آکر ہلاتے اور انصاف طلب کرتے تھے
وہ اس مثنوی میں عیش پسند اور شہوت پرست
بادشاہ کو (جسے روزانہ سفر و حضر میں نوجوان مردوزن
پر مردانگی خرچ کرنے اور بدمست ہو جانے کی عادت
تھی) صاف صاف جتاتے ہیں کہ ہے

تاجور آنے کہ تنعّم کنند
خرّم خود از عیش و طرب کم کنند

اور بالآخر بادشاہ کے چٹکی بھر لیتے ہیں ؎

ہوش براں دار کہ در زیر پوست
دشمن خود باز شناسی نہ دوست

اوروں کے علاوہ خاص اس مثنوی کو پڑھکر وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ کیوں پہلے دن سے مغل شہزادوں کو خسرو کی مثنویاں لفظ بلفظ پڑھائی جاتی تھیں اور خوش خطی کی مشق میں وہ انھیں نقل کیا کرتے تھے۔

نظام الدین اولیا کے مرید خسرو نے شاعری کے تقریباً آخری کارنامے سے وہ کام لیا جو ہمیشہ سے اس کا آخری اور پیمبرانہ فریضہ ہے۔ مگر نوعمر، ناز پروردہ بادشاہ نہیں جیتا۔ پہلا سال اس نے شاہی کے ولولے اور اپنا میدان صاف کرنے میں گزارا، دوسرا سال طمطراق، سفاکی اور فوج کشی میں، تیسرا اور چوتھا "گھال کے اندر دشمن" پالنے اور اس کی خاطر، بے حیائی کی حد تک اپنے دوستوں کو بے دخل اور ذلیل کرنے میں۔

آخر مئی ۱۳۲۰ء (۷۲۰ھ جمادی الثانی کی چاند رات)، کو قطب الدین مبارک شاہ اپنے خلوتیان راز کے ہاتھوں اسی قصر ہزار ستون میں قتل کر دیا گیا۔ جہاں اس نے اپنے عزیزوں اور مشتبہ یا بے قصور ملزموں کے قتل کے فرمان جاری کئے تھے۔

(۵)

؎ دریں ملک از بسے فتنہ کہ برخاست
خبر زیں گونہ دارم راست راست

ٹھیک چار سال چار مہینے بعد، اس رات کو جس کی صبح خواجہ نظام الدین کو حکم تھا کہ بادشاہ کے سلام کے لئے حاضر ہوں، یا حاضر کئے جائیں، خواجہ پورے اطمینان قلب کے ساتھ خانقاہ میں موجود تھے، بادشاہ نہیں تھا۔ جیسے ڈرامائی حالات میں اس نے اپنا سر بچایا تھا ویسے ہی ہولناک ڈرامے کے ڈراپ سین میں سر دے دیا۔ براد و قبیلے کا ایک انجانا نوجوان حسن، جو خسرو خاں کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ علائی خاندان کے کم سن بچوں کو راتوں رات قتل کرا چکا تھا۔ امیر خسرو نے ان دردناک واقعات کی پوری تصدیق کر کے یہاں تک تفصیل درج کر دی ہے کہ کونسا بچہ اس خونیں واقعے کی شام کونسا سبق پڑھ چکا تھا اور کس حال میں تھا۔ ورنگل و معبر میں امیر خسرو اپنی پچھلی مثنوی میں، کچھ تو بادشاہ کی خوشنودی کی خاطر اور کچھ محاکات کا فرض ادا کرنے کے لئے اسی خسرو خاں کی فوجی فتوحات پر داد دے چکے تھے۔

خسرو خاں نے اپنی ان پڑھ مگر جنگجو برادری "براد و" کے لوگوں کو ہر قسم کی چھوٹ دے دی، قصر ہزار ستون اور کوشک سبز (لال قلعہ) کے اندر اور باہر انھوں نے چند روز اپنی کرنی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن چند روز کے بعد ہی ایک بے چین سا امن قائم ہو گیا اور جن امرا سے کوئی فوری خطرہ نہیں تھا وہ اپنی اپنی جگہ بحال رہے۔

قاعدہ تھا کہ بڑے بڑے قلعہ داروں اور گورنروں یا باج گزاروں کے بیٹے بھتیجے مرکز میں رہ کر خدمت انجام دیں۔ وہ والی وقت کی ہمراہی میں جاں نثاری کی تربیت پانے کے علاوہ دور دراز کے طاقتور امیروں کی طرف سے وفاداری کی ضمانت بھی بنے رہتے تھے۔ دیپال پور چھاونی کے قلعہ دار غازی ملک کا بیٹا فخر الدین جونا خاں جسے خسرو خاں نے آخور بیگ (داروغہ اصطبل) کا عہدہ دیا، ایک اندھیری رات میں تیز رفتار گھوڑے اور چند آدمی ساتھ لے کر دہلی کی حدود سے نکل کر دیپال پور کی طرف فرار کر گیا۔ باپ نے بیٹے سے تمام عبرتناک حالات سنے اور پیغام بھیج بھیج کر دو مہینے کے اندر حلیف تیار کر کے دہلی کی طرف لشکر بڑھا دیا۔ ہریانہ کے مقام حصار پر اسے دہلی کی فوج نے "ٹوکا اور شکست کھائی"۔ اور جب وہ نمک حرام (خسرو خاں) غازی ملک کے آنے سے خبردار ہوا اور روانہ خزانے کا کھول کر بعض سپاہیوں کو سہ سالا اور بعض کو چہار سالا اور بعضے کو ڈھائی سالا پیشگی تنخواہ دی اور مشائخوں کو بھی زر خطیر تقسیم کر کے ایک حبہ تک خزانے میں نہ چھوڑا اور جواہرات آدمیوں کو بانٹ دیئے۔۔۔" اس نقد رقم کا قابل ذکر حصہ خواجہ نظام الدین کی درگاہ پر بھی پہنچا اور انھوں نے حسب عادت محتاجوں اور سائلوں میں تقسیم کرا دیا۔ اور جب خسرو خاں کے ترنج ملمع اقتدار کا خاتمہ کرنے کے بعد غازی ملک نے حکومت کا چارج لیا اور خزانہ خالی پایا تو جن جن خاندانوں یا خانوادوں میں رقم پہنچنے کی اطلاع تھی وہاں سے بجبر طلب کیا۔ یہاں تک کہ دس فیصدی فوری واپسی کی شرط عائد کر دی۔ خسرو کے پیر و مرشد کے پاس کیا بچا تھا کہ دیتے۔ انھوں نے ادائیگی سے مجبوری ظاہر کی تو نئے بادشاہ کے دل میں کدورت بیٹھ گئی۔

کدورت کی دو وجہیں اور بھی تھیں۔ ایک تو یہ کہ وہ جن تنگ نظر علما کے اثر میں رہا تھا وہ خواجہ کی خانقاہ پر میلے کی دھوم دھام اور "سماع" کی "غیر شرعی" رونق سے ناخوش تھے۔ دوسرے یہ کہ خواجہ باللہ نے اس انقلاب حکومت علائی خاندان کی تباہی اور خسرو خاں کے خلاف زبان نہ کھولی تھی۔ اور ایک حلقہ ان کے سیاسی و سماجی اثر پر انگلی اٹھا چکا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ خسرو خاں، فاتح دکن سے خوش تھے، قطب الدین مبارک شاہ کی شہوت پسندی کے شکار خسرو خاں سے ہمدردی رکھتے تھے۔ لیکن اس کے قبیلے کی اندھا دھند سفاکی نے ان کا دل پھیر دیا چنانچہ ان کی زبان پر براد و، اور ہندو، کافر اور مرتد کا لفظ بار بار آیا۔

۶ ستمبر ۱۳۲۰ء (شعبان ۷۲۰ھ) کی چاند رات کو دونوں طرف کی فوجیں آمنے سامنے آئیں۔ حوض شمسی پر جہاں اب حوض خاص ہے لہراوت کے میدان میں ملک غازی کی فوج نے صف بندی کر لی۔ یہ جنگ جو غازی ملک تغلق کی فتح پر تمام ہوئی۔ دہلی کی سب سے خوں ریز جنگوں میں تھی۔ اس جنگ نے جہاں ہندوستان کو آئے دن کی خانہ جنگی سے نجات دے کر کافی عرصے کے لئے مرکزی طاقتور سلطنت بخشی، وہیں اس کی بعض تفصیلات جن کی تصدیق امیر خسرو کے بیان سے ہوتی ہے تاریخ ہند کے طالب علم کے لئے بے حد اہم ہیں۔

دہلی کی فوج میں کم از کم دو لاکھ مسلح سوار موجود

تھے جن میں سے چالیس ہزار صرف ہراول میں بھیجے گئے؛

• ملتان اور دیپالپور کی طرف سے جو فوج بڑھی اس کی تعداد بھی کم تھی اور اسے اپنی فتح کا یقین بھی نہیں تھا۔ فتح کا نقارہ بجنے تک لڑائی برابر کی رہی۔

• ملتان کی فوج میں غز، ترک، منگول، تاجیک اور روسی شامل تھے۔ روس کے منگول سلطنت میں شامل کئے جانے کے بعد روسیوں کا "اوپری فوج" میں بھرتی ہونا یا سرحدی ملکوں میں فوجی ملازمت کے لئے جانا اس لئے بھی قرین قیاس ہے کہ "تودیر" کے شہر کا انافاسی نکی تین ایران کے راستے اسی تغلق خاندان کے دور حکومت میں بیجا پور اور بیدر تک پہنچا۔ تاجیک و خراسانی سپاہیوں کے ساتھ "بد پاک اصل" کہہ کر امیر خسرو جتلاتے ہیں کہ

نگشتہ اصل بد با اصل شاں وصل

یعنی وہ تازہ ولایت تھے، ان کا خون ہندوستانی خون میں نہیں ملا تھا — یہی نہیں بلکہ —

سواراں بیشتر ز اقلیم بالا
نہ ہندوستانی و ہندو و لالا

مطلب یہ ہے کہ اوپر سے آنے والے سوار مقامی فوج سے زیادہ طاقتور اور جنگجو ہوتے تھے۔ اُن کی ایک صفت یہ بھی کہ

بسے صف ہائے تاتاراں شکستہ

• اس جنگ کو اگرچہ بعض شعراء اور مورخین نے "جہاد" کا خطاب دیا، تاہم دہلی اور پنجاب دونوں لشکروں میں مسلم و غیر مسلم دونوں شریک تھے۔ دہلی کے لشکر میں آدھوں آدھ ہندو اور مسلمان تھے، پنجاب کے لشکر میں کئی رجمنٹیں غیر مسلموں (مثلاً کھوکھروں..) کی۔ حسن براد و خسرو خاں کے کمانڈروں میں جہاں خان و ملوک آخری دم تک اس کے ساتھ رہے، وہیں مسلمانانِ دہلی بھی شریک تھے۔ اگر اس کی ایک رجمنٹ سے نعرۂ تکبیر بلند ہوتا تو دوسری سے نعرہ "نارائن"۔

• ایک زمانے کے بعد اب یہ جنگی اصول بتا جانے لگا تھا کہ راستے میں فوجی سپلائی پوری قیمت دیکر خریدی جائے۔ ملک غازی نے :

ہمہ کالا بقیمت می خریدند
بریں سال رہ بہ تیزی می بریدند

• یہ بات کہ خسرو خاں کے ساتھ اس کے غیر مسلم "نیچ ذات" براد و بارہ سے پندرہ ہزار تک جنگ میں شریک تھے، مقامی مسلمانوں کو ایک مذہبی سماجی اصول کی تعمیل سے نہ روک سکی۔

بدہلی لشکرے کافزوں ز حد بود
ز ہر خانہ سوارے نامزد بود

ہر گھر سے جنگ پر ایک سوار جانے کا مطلب یہ ہے کہ اجتماعی سلامتی کا شعور مذہبی کی بجائے علاقائی یا جغرافیائی شکل اختیار کر چکا تھا۔ ورنگل، معبر اور بنگال کی لڑائیوں میں بھی مقامی مسلمان اپنے ہندو ہمسایوں کے ساتھ شریک ہو چکے تھے۔

• اگرچہ ابھی بارود کا استعمال شروع نہ ہوا تھا تاہم اس کے جنگی استعمال کی ابتدائی شکل نمودار ہو گئی تھی۔ پتھر کے گولے کی توپ "مغربی" اور شکاری "تفک" (بندوق) جنگ میں کارآمد ہتھیار بن چکی تھیں۔

• ملک غازی کی فوج میں نومسلم مغل (منگول)، افغان (ہندو) کھوکھر اور میو مقامی شکست خوردہ سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے۔ کچھ کو مار ڈالا، اکثر کو لوٹ لیا، لیکن ہندو فوجیوں کو یہ شکست زیادہ مہنگی پڑی۔

• شکست کے بعد جب خسرو خاں گرفتار کر کے لایا گیا اور اس سے فاتح ملک غازی نے سوال کیا کہ تو نے اپنے ولی نعمت کو کیوں قتل کیا تو اس نے جواب دیا :

اگر نا رفتی بر من نرفتے
زمن نا آمدے وین فن نرفتے

یعنی خسرو خاں لواطت کے عیب میں بدنام بھی تھا اور اس سے اتنا بیزار کہ جان دے کر یا جان لے کر اس دھبے کو دھونا چاہتا تھا۔

دوسرے سوال پر کہ تمام شہزادوں کو کیوں قتل کیا، جواب ملا کہ میں نے کسی کے گلے پر خنجر نہیں پھیرا۔ میرے حمایتیوں نے یہ سوچ کر کہ آئندہ کے لئے کوئی تخت کا دعویدار نہ رہے، بدنیتی سے ایسا کر ڈالا۔ پھر پوچھا گیا کہ خود بادشاہ کیوں بن بیٹھا تو اس نے جواب دیا کہ کوئی اور تخت نشین ہوتا تو مجھے زندہ نہ چھوڑتا۔

زبیم سر نہادم پائے بر تخت

آخر میں وہ فاتح سے درخواست کرتا ہے کہ میری دونوں آنکھیں نکال کر جان بخش دیجئے۔

• سوال و جواب سے جہاں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کی رسم قدیم کہ جسمانی عیب کے ساتھ کوئی تاج و تخت نہیں سنبھال سکتا، دہلی سلطنت کے وقتوں میں برقرار تھی، وہیں یہ بھی صاف ہے کہ امیر خسرو ملک غازی کے حامی ہونے کے باوجود خسرو خاں کی تصور دار شخصیت میں حالات کا ایک مجبور اور بے بس کھلونا بھی دیکھ رہے ہیں۔

غازی ملک خود بادشاہت کا طلبگار نہیں تھا مگر جب اسے بادل ناخواستہ یہ ذمہ داری سنبھالنی پڑی تو اپنی ترک عصبیت کے ساتھ یک رخی مذہبی سادگی اور شدت بھی سنبھالے رہا۔ امیر خسرو کی مثنوی "تغلق نامہ" جو دونوں عصبیتوں سے نسبتاً پاک ہے، اور جو خود بادشاہ کے ایما یا فرمائش پر زندگی کے آخری برسوں میں لکھی گئی، والی حکومت کے مزاج کی طرح سادہ و بے تکلف و بیباک ہے اور اسی نسبت سے کم سخن بھی — یہاں صرف تین ہزار ابیات ہیں۔

اس کا سبب، جیسا کہ عموماً سمجھا گیا، امیر کی ضعیفی نہیں بلکہ ذہنی و فنی پختگی ہے۔ حالات کا تقاضا ہے اور حقیقت پسندی ہے۔ امیر یہاں بیک وقت شاعر، مورخ اور اپنی طرز کے موجد نظر آتے ہیں۔

افسوس کہ "تغلق نامہ" اشاعت نہ پا سکا، سیاسی اسباب نے اُسے دبا دیا۔ ورنہ نثر میں "خزائن الفتوح" و "اعجاز خسروی" اور نظم میں "آئینہ سکندری" "ہشت بہشت" اور "مفتاح الفتوح" کا ورد کرنے والے

یا انھیں فارسی کے ہندوستانی طرز (سبک) کا پیشرو سمجھنے اور اختیار کرنے والے "تغلق نامہ" کو مثال بناتے . تو "سبک ہندی" تکلف، تصنع، پیچیدہ بیانی اور استعارہ در استعارہ پردہ داری کا نام نہ ہوتا۔

واقعات کے بیان میں امیر خسرو سے جس پُر تکلّف سبک کی بنیاد پڑی وہ سراج عفیف کی تاریخ "مبارک شاہی" سے ابوالفضل کی "آئینِ اکبری" اور نعمت خاں عالی کے "جنگ نامہ" اور پھر غالبؔ کے "دستنبو" اور "مہر نیمروز" تک تواتر کے ساتھ چلا گیا۔

اس آخری تصنیف میں بھی خسرو نے ہندوستانی الفاظ اور محاورات کو فارسی سانچے میں ڈھالا ہے، بلکہ یہاں تو ان کی کثرت ہے۔ مثلاً "حسن را بارگی یکبارگی ماند" یا "فرس ہندی د راوت نیز ہندی" — تاہم طرز بیان وہ ہے جسے ہم فردوسی کا برحق جانشین کہہ سکتے ہیں، اور حق یہ ہے کہ "تغلق نامہ" ایک اہم شعری کارنامہ اور خسرو کے ذہنی ارتقار کا آخری نشان ہے۔

(۵)

تغلق نے حکومت سنبھالی تو خزانہ خالی تھا اور جنوبی ہند میں سرکشی کی خبریں۔ مرض اور علاج دونوں وراثت میں ساتھ ملے۔ بوڑھے جنگ آزمودہ بادشاہ نے جوان بیٹے جونا خاں کو دیوگیر کی طرف روانہ کیا اور خود مرکز کا انتظام درست کرنے میں لگا۔

خواجہ نظام الدین بے حیل حجّت ہر ایک کو مریدی میں قبول کرتے تھے۔ بعدِ عشار خسرو کی زبانی شہر بھر کی خبریں اور دربار کے حالات سنتے تھے، ہر ایک نو وارد سے اسی کے ذوق کے مطابق گفتگو اور اس کی دل جوئی کرتے تھے، ان کی محفل میں سرِ شام "سماع" ہوتا جس میں مختلف فرقوں کے لوگ جمع ہوتے۔ فارسی، اودھی، پنجابی اور برج بھاشا میں کلام سنایا جاتا۔ لوگ سر دھنتے، درویش اور اہلِ دل جوش میں کھڑے ہو جاتے اور وجد یا حال کی کیفیت میں دائرہ بنا کر حرکت کیا کرتے تھے۔

اگرچہ چشتی سلسلے کے بعض پیروں اور اکثر پیرووں نے اپنی آزادانہ معاش کے لئے حلال پیشے اپنائے، زمین پر کاشت کی، تجارت کی، حرفت اختیار کی، لیکن خواجہ کی خانقاہ صرف "فتوح" (نذر نیاز کی آمدنی) پر چلتی تھی۔ تاہم بنیادی اصول یہ تھا کہ حکومتِ وقت سے کوئی سیاسی یا معاشی امداد نہ لی جائے، بلکہ ممکن حد تک بے تعلق برتی جائے۔

ملک غازی غیاث الدین تغلق کے دربار میں خواجہ کی طلبی ہوئی کہ وہ بادشاہ اور معترض علمار کی موجودگی میں اپنی پوزیشن صاف کریں۔

خواجہ نے بھرے دربار میں وضاحت کی کہ مشائخ اور درویشوں کے قدیم دستور کے علاوہ حدیث نبوی بھی اس کی تائید میں نکلتی ہے۔

اِنَّ لِنَفۡسِکَ عَلَیۡکَ حَقًّا

تم پر تمہارے نفس یا جسم کا حق ہے!

یعنی "جب طبیعت اور جسم پوری چوٹ کھا جائے تو اُن کا حق ہے کہ سماع سے قوت و تازگی حاصل کریں ...

چوں زمانے از سماع بیاساید باز اورا بر کارے بہ برند"!

ایک عالمِ وقت مولانا علم الدین نے، جو گواہ یا منصف کی حیثیت سے موجود تھے، خواجہ کی تائید کی یہ کہہ کر

"... جو دل سے سنتے ہیں اُن کے لئے حلال ہے اور جو نفس سے سنتے ہیں ان کے لئے حرام ..."

بحث کے بعد بادشاہ نے خواجہ کو جانے کی اجازت دے دی؛ نہ سماع کو منع کیا، نہ اس کی کھلی اجازت دی۔ مگر خواجہ کا یوں اپنے مذہبی اور شہری وقار کے ساتھ رخصت ہونا اُسے ناگوار ضرور گزرا۔

رفتہ رفتہ یہ ناگواری اس مشہور واقعے تک پہنچی کہ بادشاہ نے خواجہ نظام الدین کو سنہ ۱۳۲۴ء میں کہلوا دیا کہ وہ میری واپسی سے پہلے دہلی چھوڑ دیں اور خود بڑا لشکر لے کر بنگال کی طرف روانہ ہوا۔ امیر خسرو اس سفر میں بادشاہ کے ساتھ تھے۔

لیکن بنگال کی فوجی مہم سے پہلے اس نے شہزادے جونا خاں کو دوبارہ جنوب کی مہم پر بھیجا۔ پہلی مہم تفرقہ، شکست اور بربادی پر ختم ہوئی تھی۔ جونا خاں پرانے راستے سے دیوگری ہوتا ہوا ورنگل، مَعبَر، گنٹی، راجہ مندری اور مدورائے کی طرف بڑھتا گیا، صرف راستہ ہی نہیں، پالیسی بھی وہی تھی کہ مقامی راجاؤں، زمینداروں اور انتظامی یونٹوں کو برباد کرنے سے کم کوئی فیصلہ کر لیا جائے تاکہ آمدنی کے مستقل ذرائع اور اختیارِ اعلیٰ دونوں مرکزی طاقت کو میسّر رہیں۔ مدورائے میں یہ فوج سنہ ۱۳۲۳ء میں داخل ہوئی جب وہاں پانڈیا خاندان کی طرف سے عالمی شہرت کے سنہرے، بیش خرچ میناکشی مندر تعمیر ہو رہے تھے۔ اندرونِ مندر سونے کا ستون اور منقّش در و دیوار گواہ ہیں کہ محمود غزنوی سے غیاث الدین تغلق تک تین صدی کا فاصلہ ترک افغان حاکموں اور اُن کے سپہ سالاروں کو ہندوستانی تہذیب اور ہُنرمندی کی قدر سکھانے میں، شعور کا سفر کرانے میں بڑی حد تک کامیاب رہا۔

واپسی میں اسی شہزادے جونا خاں، مُلقب بہ اُلغ خاں نے مشرقی ساحل کے علاقے، خصوصاً اڑیسہ کے ساحلی مقامات فتح کئے۔ اسی دوران پھر ایک بار منگول فوج دریائے سندھ اُتر کر سامانہ کی طرف بڑھی اور شاہی لشکر نے اسے منھ توڑ شکست دے کر منگول دہشت کے رہے سہے آثار مٹا دئے۔

شاہی لشکر بنگال کی طرف ایسے وقت بڑھا جب وہاں کے مقامی حکمرانوں میں سرکشی اور خونریزی جاری تھی۔ یہاں بغیر کسی کشت و خون کے مہم سر ہو گئی اور بُغرا خاں کی اولاد میں سے ناصر الدین کو دہلی کا باج گزار بنا کر بٹھا دیا گیا، اور واپسی میں ترہت بھی فتح ہو گیا۔ اس مہم میں امیر خسرو ساتھ ساتھ رہے، لیکن انھوں نے اس کی کوئی اہم یادگار نہیں چھوڑی — وہ سفر و حضر میں اپنا دیوان — بلکہ دیوان زادہ "نہایۃ الکمال" ترتیب دینے میں معروف تھے۔ انھی دنوں ان کے عزیز ترین فرزند "حاجی" کا نوجوانی میں انتقال ہو گیا۔ یہ لڑکا درباروں، محفلوں اور خانقاہ میں امیر خسرو کا کلام ویسے لہک کر اور گا کر سُنایا کرتا تھا جیسے خود امیر خسرو سُناتے، اگر وہ ایک امیر، جلیل القدر شاعر اور

خانقاہِ نظامی کے مُرید نہ ہوتے۔

معلوم ہوتا ہے کہ "تغلق نامہ" مکمل کرنے کے بہانے یا بوڑھاپے کا عذر کر کے امیر خسرو ترہت میں ٹھیرے بغیر دہلی کی طرف تیزی سے روانہ ہوئے۔ اُن کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ خواجہ نظام الدین کہا کرتے تھے کہ خسرو میرے بعد جئے گا نہیں، اور خواجہ کا وقتِ آخر قریب تھا۔

اکتوبر ۱۳۲۴ء کی آخری تاریخوں میں (ورنہ نومبر کے شروع میں) اس نئے محل کی چھت گری جس کے نیچے فتحمند باپ نے اپنے سعادتمند بیٹے کے دسترخوان پر کھانا کھایا تھا۔ پچھلے دو بادشاہوں کی طرح وہ بھی چار سال کی حکومت کے بعد آناً فاناً دنیا سے رخصت ہوا۔

چند روز بعد ۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) کو خواجہ نظام الدین نے امیر خسرو کو یاد کیا اور ایک صوفی صافی نصیر الدین محمود (چراغ دہلی) کو خلافت کا خرقہ اور سلسلہ وار اپنے چاروں بزرگوں کے تبرکات سپرد کر کے ہمیشہ کے لئے آنکھیں موندلیں۔

امیر خسرو اپنے پیر کے دل و جان میں اتنے بسے ہوئے تھے کہ شریعت کی اجازت ہوتی تو وہ قبر میں انھیں ساتھ سُلاتے، لیکن خلافت کے خرقے انھی چار مریدوں کو عطا ہوئے جن کی تمام زندگی اس مسلک کی نذر ہوئی تھی۔ خسرو اس مسلک کے ماننے والے تھے، مخلص تھے، وہ اُن کی روحانی تسکین کا سرچشمہ اور فکر و نظر کی روشنی تھا۔ مگر وہ اُن کی کُل کائنات نہیں تھا۔ وہ اس کے سوا بھی موجود تھے۔ ٹھیک اُسی طرح جیسے پادشاہانِ وقت نے انھیں سراہا، قریب رکھا، فرمائشیں کیں، لیکن کوئی سیاسی یا فوجی منصب یا صوبے کی حکرانی عطا نہ کی۔ وہ اس کا پُرزہ ہو کر نہیں رہ گئے۔

امیر خسرو اپنے دور کی ذہنی، سیاسی اور سماجی تحریکوں اور اداروں سے باخبر اور علاقہ مند ضرور رہے لیکن کسی ایک حالت یا حکومت سے اتنے بندھے نہیں کہ نظامِ حکومت کے زیر و زبر ہونے میں یا اداروں کے نشیب و فراز میں خود بھی بہہ جاتے، گُم ہو جاتے۔ وہ موجوں میں رہکر موجوں سے نکلنا جانتے تھے۔ اپنے چار دیوانوں کی جو خانہ بندی انھوں نے کی تھی، وہی زمانے کے انقلابات اور اتفاقات، اداروں اور حلقوں کی بھی کی ہوگی۔

حدِ نظر سے آگے تک پھیلی ہوئی یہ دنیا اُن کے نزدیک ہر ایک حدبندی سے آزاد تھی۔

اسی میں ان کی شاعری کی رنگارنگ تہوں کا، نغمے کا، مجاز و حقیقت کا، لطف اندوزی کا اور لافانی قوت و دلکشی کا راز چھُپا ہوا ہے۔

انھوں نے ایک صبح خواجہ نظام الدین کو زینے سے اُترتے دیکھ کر، اُن کی شب بیدار آنکھوں کو مخاطب کیا تھا۔

تو شبانہ می نمائی بہ بَرِ کہ بودی اِمشب؛
کہ ہنوز چشمِ مستت اثر خمار دارد

خسرو کی "چشمِ مست" میں بھی "تلخ و شیریں راتوں" کے خمار کی دھاریاں پڑی ہوئی ہیں۔

محبوبِ الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء ۱۸ ربیع الاول ۷۲۵ھ کو سدھارے، اسی سال اُن کے جاں نثار مرید امیر خسرو نے، ۱۸ شوال ۷۲۵ھ کو اُسی دن تضادوں بھری دنیا کی دلکشی کو خیرباد کہا!

●●

خسرو

فخرِ ہندوستان تھے خسرو
ہند کے ترجمان تھے خسرو

روحِ جمہوریت سمجھتے تھے
کُل وطن کی زبان تھے خسرو

کاخِ شاہی کی، خانقاہوں کی
باعثِ عزّ و شان تھے خسرو

وقت کی ہولناک ظلمت میں
زندگی کا نشان تھے خسرو

شیرِ ہندی میں تھی شکر اردو
کتنے شیریں زبان تھے خسرو

کلمہ گویوں کی شان تھی اُن سے
فنِ آذر کی آن تھے خسرو

خواجۂ راستین کے عاشق
فقر کا امتحان تھے خسرو

روحِ گلزار دین و دنیا تھے
رونقِ دو جہان تھے خسرو

پنڈت گلزار زتشی دہلوی

حسن عباس فطرت

قلعہ دیوگیری

دکن اور امیر خسرو

ہی خصلت حسینانِ عشوہ طراز بخوبی واقف ہیں کہ دیوگیری (مہاراشٹر) کا کپڑا کتان سے زیادہ
ا ہے۔ کبھی تمہیں اس پر آفتاب کا دھوکہ ہوگا کبھی ماہتاب کا اور پھر تم کہوگے کہ یہ تو خود اپنا ہی
ے"

نکو داند خوبانِ پری کیش — کہ لطف دیوگیری از کتان بیش
زلطف آں جامہ گوئی آفتاب است — و باخود سایۂ یا ماہتاب است

خسرو اصلاً عہدِ خلجی کے شاعر تھے جبکہ دہلی
ں حدیں کشمیر سے کنیا کماری تک پہنچ گئی تھیں
، بعد ایک مکمل نقشہ' ہند کا ظہور جغرافیائی
تھا۔ خسرو امیر تو تھے ہی مگر اس سے زیادہ
پجاری یا سیلانی اور قلندر تھے۔ بنگال
اور ملتان' اودھ ہوکر دہلی اور دو آبہ'
گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا۔ ہر باغ وبن میں
ہر شاخ پر چہکے اور ہر چوٹی پر اڑان بھری
کا پر معنی لقب ان کی حیات و خصائل
میں علامت ہے۔ امیر خسرو کی وہ شاعری
، وعرض چار اور پانچ لاکھ ابیات کے
بانتے ہے۔ اس کا خام مواد یا مال مسالا

صرف دو آبے سے نہیں بلکہ ہندستان کے اکثر نشیب وفراز
اور بہت سے گلی کوچوں، تال اور پنگھٹ کی دھول
مٹی سے فراہم ہوا تھا۔ ورنہ آج ہمارے سامنے
ان کی وسعتِ بیاں اور جامعیتِ کمال کا وہ سیل رواں
ہرگز نہ ہوتا جس کی لہر لہر کتنا دیدہ وروں کے لئے
سمندر منتقن بن گیا ہے۔ ان کا وطن ہند' زبان
ہندوی' وہ خود ترکِ ہندی اور طوطیٔ ہند۔
نہ وہ دہلی کے نہ دکن والے، نہ چین و ماچین کی
ان کی نظروں میں کوئی سمائی تھی۔

بُتانِ ہند را نسبت ہمیں است
بہر یک موئے شاں صد ملک چیں است
(ہند کے حسینوں کا ایک بال تو چین پر بھاری ہے۔)

لائقِ توجہ بات یہ ہے کہ امیر دو آبہ کو ہندستان
اور پورے برصغیر کو ہند سے موسوم کرتے تھے۔

یوں تو خسرو کے بہت زیادہ سفر کا حال ہمیں
تاریخ سے نہیں ملتا اور بیرونِ ہند کے سفر کا تو کہیں
ذکر نہیں ہے۔ مگر جس انداز سے وہ اپنے اشعار اور
مثنوی و قصائد میں مادرِ وطن کا تقابل دوسرے
ممالک سے کرتے ہیں اور جزو جزو کی تفصیل' اعتماد
و پختگی کے ساتھ مدلل طور سے ظاہر کرکے ہند کو
افضل قرار دیتے ہیں وہ بالکل آنکھوں دیکھی لگتی
ہے اور یہی ان کا شاعرانہ اعجاز ہے۔ اسی طرح
جب خسرو فضائل ہند کا شمار اور گنتی کراتے ہیں تو
کتنے ہی عنوان' موضوع ، انسان' چرند' پرند' میوے
پھل' علم و فن' رسم و رواج وغیرہ ایسے ملتے ہیں
جن کا وجود اور چلن دکن ہی میں ہے اور شمالی
ہندوستان کیلئے اس کی حیثیت بدیسی جیسی ہے
اور یہ سب کچھ دکن سے پوری وابستگی بلکہ والہانہ
شغف اور طویل قیام و گہرے مشاہدے ہی سے
ممکن ہے۔ مگر تمام ماخذ کو کھنگالنے کے بعد ضعیف

ی روایتوں کو ملا کر ان کے دو یا تین سفر دکن
ت ہوتے ہیں۔ صرف ایک سفر متفقہ ہے جو
وں نے علاؤالدین خلجی کے بیٹے شاہ مبارک
لب الدین اور ملک خسرو خاں کی مہم کا بی میں ۱۳۱۷ء
ں کیا تھا اور اس کا اعتراف و اقرار قوی انداز
ں مثنوی نہ سپہر کے اندر امیر خسرو نے بھی کیا ہے۔

من از دیدۂ خویشں گویم سخن
نہ زافسانہ و داستانِ کہن

بہر حال اگر ایسا ہی ہے تو پھر اس صورت میں ان کے کمالِ فن پر اعتقاد اور بھی بڑھ جاتا ہے۔

مطربِ ہندوستان

عہدِ خسرو میں دنیائے اسلام کا آفتاب علم و کمال، فکر و فن نصف النہار پر تھا۔ قرطبہ و غرناطہ، مصر و بغداد، ایران و سمرقند، بلخ و ہرات ایشیائے کوچک حکمت و فلسفہ، سائنس و ادب فنونِ لطیفہ کا مخزن اور نعمتہائے گوناگوں سے معمور تھا۔ روحانی و مادی علوم و فنون کے اہلِ کمال کی ہوڑ لگی ہوئی تھی۔ فلسفۂ یونان کی توضیح و تشریح میں اسلامی فلاسفہ کا سکہ چل رہا تھا۔ اصفہان نصف جہاں تھا۔ قاہرہ و اندلس جنت نگاہ و فردوس گوش تھے۔ رسل و رسائل کے وسیلے آسان تھے۔ ہندوستان کی شہرت سُن کر غول کا غول وسط ایشیائی مسلمان چلا آرہا تھا اور یہاں آنے کے بعد خود کو برتر اور اہلِ ہند کو حقیر سمجھ کر زندگی بسر کرتا تھا۔ اکثر ہندی نژاد مسلمان بھی احساسِ کمتری کے جذبے سے مجبور ہو کر اپنا رشتہ جھوٹ موٹ کے شجروں کا سہارا لے کر باہری مسلمانوں کی کسی نہ کسی اعلیٰ شاخ سے جوڑ لیا کرتے تھے۔ اس پس منظر میں جب ہم دیکھتے ہیں کہ امیر خسرو

---

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: تاریخ علوم و ادبیات ایران جلد سوم۔ ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا
اور تاریخ عالم کی جھلکیاں۔ از جواہر لال نہرو

ہندوستان کی مدح سرائی اتنے اونچے سُر میں کرتے ہیں کہ تمام عالم پر ہند کی فوقیت ثابت کرتے ہیں تو ان کے حوصلہ و خلوص سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔ انھوں نے ہندی ہونے پر فخر کیا۔ اپنے اور بیگانوں دونوں سے ان کی نوک جھونک چلتی رہی اور پورے اعتماد، شیرینی و لطافت، منطقی دلیلوں، شاعرانہ ترنم و خوبصورتی کے ساتھ حُبِّ وطن کے "نغمۂ الہٰی" کو قاف سے تا قاف پہنچا دیا، اور یوں کہ دنیا گوش برآواز ہوگئی، مسحور ہوگئی۔ نہ کسی حجت کا یارا رہا نہ انکار کی گنجائش۔ قادر الکلامی کا حال یہ ہے کہ خسرو نے اپنی شاعری میں ایسی ایسی چیزوں سے دلیل کا کام لیا ہے جن کی بنا پر بہت معمولی حیثیت ہے بلکہ اس کی حسین اڑائی جاتی تھی اور دوسری بات میں نے یہ پائی ہے کہ مجموعی طور پر اکثر ان اشیاء کی فوقیت و حسن و خوبی بیان کر کے مخالف کا منہ بند کیا ہے جو دکنی تھیں۔

وابستۂ دکن

اعداد کے مشہور جادوگر "راماجن"[2] کی حیرت انگیز ذہانت کے قصے سُن کر ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب امیر خسرو ہندوستان کے ریاضی دانوں، جیوتشیوں اور نجومیوں کی فضیلت بیان کرتے ہیں تو ان کی نظر اوّل اوّل دکن ہی پر پڑتی ہوگی۔ جس طرح وہ جادوگروں کی تعریف کرتے ہیں تو پہلے بنگال کا خیال آتا ہے۔ اسی طرح سپیروں اور جوگیوں کا بیان دکن کی طرف ذہن کو منتقل کرتا ہے جہاں آج بھی ناگ پنچمی کے دن بچے بوڑھے سانپوں کے ساتھ دیرینہ رفیقوں کی طرح کھیلتے ہیں۔ جانوروں میں ان کا ممدوح خصوصیت کے ساتھ ہاتھی اور اس کی ذہانت ہے جو اہلِ ایران کے لئے ہندوستان کا انوکھا

---

[2] تنجور کا باسی، انیسویں صدی کا وہ ریاضی داں جسے اہلِ یورپ اب تک یاد کرتے ہیں۔

جانور تو ہے ہی، مگر میسور کے جنگلات اسکا خاص مسکن ہیں۔ اس کے بعد بندر کا ذکر آتا ہے اور رامائن کی کہانیوں کے مطابق جنوب ہی اس کی اصل مرز بوم ہے۔ پھلوں میں کیلے کی تعریف میں امیر خسرو نے قلم توڑ دیا ہے جو بلاشبہ دکن کا سدابہار پھل ہے اور پان جس کے دکنی ہونے کی گواہی مارکوپولو و البیرونی اور ابن بطوطہ سبھی نے دی ہے۔

موز جہاں میوۂ بے خستہ نگر
برگِ زتنبول نگر نائبِ خور

جہاں امیر خسرو خربوزہ اور آم کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں اور دہلی کے اہلِ علم کو دنیا بھر کے اربابِ علم سے بہتر قرار دیتے ہیں وہاں دکن کے ہر پھل و میوے کو بھی مقابلے کے لئے سامنے لاتے ہیں اور فلاسفۂ ہند کو یونانیوں سے برتر بتاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہندوستان کے نادر تحفے دو ہیں ۔ ایک کیلا، دوسرا پان۔ ہندوستان میں خراسان کے سب میوے پیدا ہوتے ہیں جبکہ خراسان میں ہندوستان کا ایک میوہ بھی نہیں ہوتا اور وہ اسمیں الائچی، لونگ، کافور کو بھی امرود و انگور کے ساتھ شامل کرتے ہیں:

هفتمش آں کاں طرف از میوہ تر
نیست چوں امرود چو انگور دگر
میوہ دگر کم نگری کر محلش
لاچی و کافور و قرنفل بدلش

اسی طرح سنترے کا ذکر ہے۔ آج بھی سارے ہندوستان میں ناگپور اور سنترہ کا تصور توام ہوتا ہے۔

سویدائے دکن

حسینانِ ہند کی فضیلت امیر خسرو کا محبوب موضوع ہے۔ اس شاعرِ حسن شناس کی نظر میں ساری دنیا کے حسینوں میں کوئی نہ کوئی کمی ہے مثلاً ختن والوں میں ملاحت نہیں، سمرقند و بخارا

...شیرینی مفقود ہے، خراسانیوں میں
...لی تو مصر و روم کے معشوق چست و
...مگر خوبانِ ہند کا کیا کہنا۔ ان میں
...ت، غمزہ و ادا اور لبوں پر تبسم
...ل بل ہے اور عجز و انکسار بھی۔ ہندوستان
...سی جامع و مکمل صورت گری وہی کر
...نے حسنِ بنگال و کشمیر کے ساتھ ساتھ
...گانہ اور مالابار کی سیاہ فام سندریوں
...پڑکتی جوانی کو دیکھا ہو اور شوخی و
...اتھ ان متانت اور بھید بھری تندرست
...ں سے بھی نظر ملائی ہو۔ ایسا لگتا ہے
...ی حاسدنے خوبردیانِ ہند کے سیاہ
...یا۔ امیر خسرو کے دل پر بڑی چوٹ
...ں لئے کہ اہلِ دکن کی اکثریت سیاہی
...بلکہ ساتھ ہی شاید ان کو اپنے نومسلم

نانا کی یاد آگئی جن کا رنگ بھی گورا نہ تھا۔ ماں سے بے پناہ محبت کی وجہ سے وہ اس رنگت پر اعتراض سن کر آپے سے باہر ہوگئے اور معترض کو اسطرح منہ توڑ جواب دیا۔

ہند را اے مدعی طعنہ بہ تاریکی مزن
زانکہ اندر ظلمت او آبِ حیواں مدغم است

(ہندوستانیوں کی سیاہ رنگت پر طعنہ زنی کرنیوالے! خاموش۔ ارے اس رنگ میں آبِ حیات[۳] کی آمیزش ہے۔)

دوسری جگہ "دول رانی خضر خاں" نامی مثنوی میں ہے:

سیہ را خود بدیدہ جائگاہ است
کہ اندر دیدہ ہم مردم سیاہ است

(سیاہ رنگت کو تو آنکھ میں جگہ دی گئی ہے اور آنکھ کی پتلی میں تو ہر شخص سیاہ ہی نظر آتا ہے۔)

وہ اپنے نانا کی سیاہ رنگت کا بیان فخریہ انداز میں کرتے ہیں اور یہ کہتے ہوئے نہیں شرماتے کہ میں اُن کا بیٹا ہوں۔

زلنسلِ عارضِ اسود منم آں نسخت معنی
کسی کز اصل خویشتن یک یک نشانے باز دادم من

امیر کا عہدہ اس زمانے میں تیسرے نمبر پر ہوتا تھا۔ سب سے بڑا الغ خاں یا خان خاناں جو لاکھ سواروں کا افسر ہوتا، دوسرے ملک یا ملک غازی۔ اس کے ماتحت دس ہزار سوار ہوتے۔ تیسرا نمبر امیر کا تھا جو ہزار سواروں پر حاکم ہوتا۔ امیر خسرو کو دو سو ترک اور دو ہزار ہندوستانی غلام دئے گئے جن پر انکو بڑا ناز تھا۔

خساں رامی کنم غرق و گہر را می دہم اُجرہ
ازاں ابر سیہ ہیں طرفہ دریائے کہ زادم من

---

[۳] آبحیات کے دریا کا نام چشمۂ ظلمات یا بحرِ ظلمت ہے یعنی سیاہی کا چشمہ یا دریا۔

دکن کا مستند مورّخ

میگستھنیز کے بیان سے قبلِ اسلام دکن میں علی الترتیب تین حکمراں خاندانوں کا پتہ چلتا ہے [1] چیرولی، چولوں، پانڈیوں ۔ بعد کے مورخین سات واہن، چالوکیہ اور راشٹرکوٹ کی ہلکی سی معلومات دیتے ہیں ۔ مارکو پولو جو تیرھویں صدی میں یہاں آیا، گھوما پھرا، وہ تو نام بھی نہیں بتاتا۔ کہتا ہے کہ پانچ بھائیوں کی "مدیدہ" حکومت تھی اور [illegible] ہمیش اُڑ رہے تھے ۔ البتہ ہیرے جواہرات کا ذکر اس طرح کرتا ہے کہ منہ میں پانی بھر آئے ۔ لہٰذا ہم ہر تفصیل سے دامن بچاکر راشٹرکوٹ کی سلطنت میں آجائیں تو بہتر ہے جن کی سلطنت کے حدود بنگال سے لنکا تک پہنچ گئے تھے ۔ فارغ البالی اور مال و دولت کی کثرت کا کچھ اندازہ ہی نہیں لگایا جاسکتا ایک عرب سفیر اس خاندان کے ایک راجا کی تعریف یوں کرتا ہے کہ روئے زمین پر بس تین بادشاہ ہیں، خلیفۂ بغداد، چین کا بادشاہ اور بھارت کا اموگھ ورش۔

دیوگیری کا یادو راج نسب مہاراشٹر کا آخری عالی مرتبہ سلسلہ تھا جسے راشٹرکوٹ کا معنوی وارث کہہ لیجیے ۔ اس خاندان نے تاریخ، تمدن و تہذیب میں بہت نمایاں رول ادا کیا۔ سنسکرت اور مقامی زبان کو بہت ترقی دی۔ نقاشی، صورتگری، سنگتراشی موسیقی و شاعری کی خصوصی سرپرستی کی اور برآمدی تجارت کو بہت فروغ بخشا۔ سندھن اس خاندان کا سب سے عظیم بادشاہ ہوا ہے جو بہت بہادر اور علوم و فنون کا قدرداں تھا۔ اسی کے عہد حکومت میں دیوگیری کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا تھا۔ یادو راج ہی میں مراٹھی زبان کو سرکاری درجہ حاصل ہوا۔ مشہور جیوتشی بھاسکر آچاریہ، شاعروںا میں نام دیو، مکندراج کے علاوہ سوامی چکردھر، سنت گیانیشور، پنڈت ہیماوری اسی سلطنت کے چاند تارے تھے جو خلجی حملے کے قبل و بعد دو سو برس تک قائم رہی۔

دیوگیری خود دولت کا خزانہ تھا اور دکن کا دروازہ بھی ۔ اس شہر کی فوجی اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ ہر مرتبہ جنوب کی طرف جاتے ہوئے دہلی کے لشکر نے یہی راستہ اختیار کیا۔ اس کی صنعت و حرفت، تجارت اور مال و دولت کی فراوانی میں اتنی زبردست کشش تھی کہ علاؤالدین خلجی کڑہ کی آرام دہ صوبیداری چھوڑ کر خفیہ طور پر کئی مہینے غیر معروف راہوں کا دشوار گذار و پہاڑی سفر کرکے ۱۲۹۴ء میں یہاں آدھمکا۔ راجا رام دیو کے عہد میں اس نے دیوگیری کو تسخیر کیا، اور اسقدر مالِ غنیمت لیکر واپس ہوا جس کی تفصیل پڑھ کر آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں [2] اس کی خوش حالی کی سب سے بڑی وجہ بیرونی تجارت اور تاتاری حملوں سے محفوظ رہنا تھا

یہاں سے دکنی تہذیب اور شمال کے دھاروں کا ملاپ شروع ہوجاتا ہے ۔ خلجیوں کے حملے اور آمد و رفت ۱۳۱۳ء تک جاری رہتے ہیں اور آندھرا، تلنگانہ، میسور تقریباً پورا دکن ان کا ہوجاتا ہے۔ دیوگیری کا نام قطب آباد پھر محمد بن تغلق کے زمانے میں اپنی دولت و ثروت کے باعث دولت آباد ہوجاتا ہے۔ دہلی و دولت آباد ایک ٹرین کے دو ڈبے جیسے ہوجاتے ہیں ۔ یہاں نئی راجدھانی بنتی ہے اور پھر اجڑتی ہے لیکن کتنے ہی یہیں بس جاتے ہیں۔ صوفیائے کرام میں حسن سجزی، برہان الدین غریب، زرجو قتال اور بہت سوں کو یہ مٹی اتنی بھا جاتی ہے کہ مرکر بھی نہیں چھوٹتی۔ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی درگاہ آج بھی خلائق کی زیارتگاہ ہے۔ بعد میں صوبہ دار خود مختار ہوجاتے ہیں ۔ بہمنی سلطنت قائم ہوجاتی ہے اور پھر وجیانگر، عادل شاہی ایسی کئی حکومتیں قائم ہوجاتی ہیں اور اندر اندر تہذیبی لین دین کا عمل زور و شور سے جاری رہتا ہے ۔

امیر کا احسان تاریخ پر

اگر شیکسپیئر نہ ہوتا تو ملکہ الزبتھ کے دور کے سماجی، سیاسی اور تمدنی حالات کی بھرپور اور رس بھری معلومات سے دنیا تشنہ لب رہ جاتی۔ یہی حال امیر خسرو کا ہے خلجی و تغلق حکمرانوں کی تمام مہمات اور دکن کے نکتہ بہ نکتہ حالات ہماری دسترس سے بالکل باہر ہوتے۔ امیر خسرو اپنی جملہ خوبیوں کے ساتھ ہی اپنے عہد کے پہلے مورخ و مشاہد ہیں جنھوں نے مروجہ رسوم و رواج، صنعت و حرفت، معیشت و معاشرت، علوم و فنون و عقائد پر بیش قیمت اور سچی معلومات کا خزانہ ہمارے سامنے رکھدیا ہے۔ دکن کے بعض اہم واقعات کی تاریخ کا تعین امیر خسرو کے علاوہ اس عہد کے کسی مورخ نے نہیں کیا ہے۔ امیر خسرو کی مشہور نثری تصنیف "خزائن الفتوح" یا "تاریخ علائی" تمام کی تمام حالاتِ دکن کا کچا چٹھا پیش کردیتی ہے۔ مثنوی "نہ سپہر" کا تیسرا سپہر "افضلیت ہند بر سائرِ عالم" کے موضوع کو سمیٹے ہے تو پہلا اور دوسرا حالاتِ دکن کا بہترین عکاس و نقاش ہے ۔ آج کا ہر بڑا مورخ فخر سے یہ کہتا ہے کہ امیر خسرو کی تصنیفات ہی اس عہد کی مستند دستاویز ہیں ۱۳۰۸ء میں ملک کافور وارنگل "تلنگانہ" کے ارادہ سے چلتا ہے اور دیوگیری میں قیام کرتا ہے۔ والئ دیوگیری راجا رام دیو اپنی رعایا اور فوج سمیت دہلی کے لشکر کا استقبال کرتا ہے اور کچھ دن مہمان رکھکر مہم وارنگل کے لئے مزید کمک کا انتظام کرکے لشکر کو رخصت کرتا ہے۔ "خزائن الفتوح" میں امیر خسرو نے اس کی نقشہ کشی یوں کی ہے ۔

"جب لشکرِ شاہی شہر میں داخل ہوا تو ایسا لگا کہ وہ قصرِ شداد میں پہنچ گئی ہو۔ باغ و بہار، سرسبز و شاداب، مسرت انگیز اور تعجب خیز۔ وہاں کی ہر شاہراہ چمنستان تھی جہاں صراف سونے چاندی کے سکے اچھال رہے تھے قسم قسم کے کپڑے تھان کے تھان دوکانوں میں موجود تھے

[1] تاریخ تسلط ہند

[2] تاریخ فرشتہ و تاریخ عالم کی جھلکیاں۔

جو بہار و بنگال سے لے کر خراسان تک کہیں نہیں مل سکتے تھے۔ ایسے ملائم و خوشرنگ کہ جیسے بہارٹوں پر گل لالہ یا چمن میں ریحان و نسرین۔ عمدہ اور نفیس قسم کے میوے، تازہ بتازہ رس بھرے پھلوں سے سارا بازار معطر اور لالہ زار بنا ہوا تھا۔ سوتی، اونی اور چرمی ملبوسات، تانبے، پیتل اور فولاد کی زرہیں سپاہیوں کیلئے تیار رکھی تھیں۔ طرح طرح کے برتن قرینے سے سجے ہوئے تھے۔ جو بھی چاہے مناسب قیمت پر خرید لے عدل و انصاف ایسا تھا کہ ۔

نہ ترکے کرد بر ہندو جفائے
نہ ہندو را مخالف بود رائے "

ملک کافور دیوگیری سے تلنگانہ کی راجدھانی ورنگل آیا تاکہ پرتاپ رودر کو شکست دے۔ (امیر خسرو کے الفاظ میں لدّر دیو) وہاں اسے عظیم الشان فتح حاصل ہوئی اور بہت سے ہیرے جواہرات اور کثیر مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ ان ہیروں میں ایک ہیرا ایسا بھی تھا جس کا مثل و نظیر دنیا بھر میں نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ہیرا "کوہ نور" رہا ہو جو مؤرخین کے بیان کے بموجب دکن سے حاصل ہوا تھا۔

دکن کی موسیقی اور رقص

چودھویں صدی کا سیاح ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ " اس زمانے میں دکن خصوصاً دولت آباد موسیقی کا گہوارہ تھا۔"[1] امیر خسرو ایسا ماہر موسیقی اور راگ رنگ کا رسیا جہاں پہنچے وہاں گیت کے شعلے بھڑکنے لگیں تو پھر ایسی نغمہ ریز زمین پر آکر کیا کیا نہ ہوا ہوگا اور کتنی گرما گرم صحبتیں رہی ہوں گی۔ غرض یہ سننے میں آیا ہے کہ امیر خسرو یہاں کی موسیقی و رقص پر مرمٹے اور لکھا کہ یہاں کے چنگ کی آواز سے زہرہ بھی نالہ و فریاد کرنے لگتی ہے، یہاں کی موسیقی آہوانِ صحرا کو مدہوش کردیتی ہے اور یہاں کے نغمے سے مردے بھی زندہ ہو سکتے ہیں ۔

دگر سرود چناں کز خراشش ہر زخمہ
چو چنگ خویش کند زہرہ نالہ و فریاد
عجب مباد اگر مردہ زندہ گردد آں
کہ لفظ در دل ہر نغمہ جان باز نہاد

دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ ہندی موسیقی ایک ایسی آگ ہے جو قلب و روح دونوں کو جلا دیتی ہے اور دوسرے تمام ممالک سے بہتر ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر جب وہ رقاصاؤں کا نقشہ کھینچتے ہیں تب تو قیامت ہی سر پر ناچتی دکھائی دیتی ہے۔ یہ رقاصائیں خضر خاں فرزند علاء الدین خلجی کی شادی میں بلائی گئی تھیں۔ آپ بھی کچھ سنئے کہ وہ کیا تھیں؟

" ان کے مژگاں سے سینے چھلنی ہوجائیں، ان کی دزدیدہ نگاہوں سے غم کافور ہوجائے۔ وہ پلکیں جھپکائیں تو جوان ہائے کرکے ٹھنڈے ہوجائیں اور ہنسیں تو جانیں تلف ہوجائیں۔ ان کے تِل جیسے موتی کی ڈبیہ، ان کے ابرو کی کمان پر جانیں قربان، ان کے گیسوؤں میں لیسے پیچ و خم جیسے سانپ صندل میں لپٹا ہوا۔ ان کی نیم خواب و نیم بیدار آنکھوں کو دیکھ کر نیند حرام ہو جائے۔ ان کے دہن غنچہ کی طرح کبھی بند ہوں کبھی شگفتہ، ان کے زنخداں سیب جیسے۔ اگر ان کا پسینہ نکلے تو اس میں ان کی ناز و ادا شامل ہو کر دکھائی دے۔

از   بہر مژگانے کے صد سینہ سفتہ
چہ غم دارد مرا دزدیدہ گفتہ
تا   عرق کز روئے برطناز مے ریخت
کرشمہ می چکد و ناز می ریخت

اسی سے ملتا جلتا انداز گانے والیوں کی تعریف میں ملتا ہے اور موسیقی کی ایک ماہر دکنی خاتون ترمتی کا ذکر بھی انہوں نے بڑے رومانی پیرائے میں کیا ہے۔

دیوگیری

ملک کافور کے قتل کے بعد دیوگیری کی حکومت دہلی کے حلقۂ اطاعت سے نکل گئی تو ۱۳۱۸ء میں علاء الدین خلجی کا بیٹا مبارک شاہ قطب الدین لشکر لیکر دیوگیری پر حملہ آور ہوا۔ رام دیو کا نائب راگھو اور اس کا داماد راجپال پہاڑیوں میں چھپ گئے مگر خلجی تلواروں سے بچ نہ سکے۔ امیر خسرو بادشاہ کے ہمرکاب تھے۔ انھوں نے اس معرکہ کا حال نہ سپہر میں درج کیا ہے اور اس کے بعد جب لشکر دیوگیری سے واپس نکل گیا تو وہاں بھی امیر خسرو موجود تھے؟ اس کا بیان بھی مثنوی میں موجود ہے۔ دیوگیری کا نام قطب آباد رکھا گیا۔ امیر خسرو ہی ہمیں بتاتے ہیں کہ قلعہ دیوگیری کی دیواریں اتنی شفاف و عمودی تھیں کہ اس پر کیڑا بھی نہیں چڑھ سکتا تھا۔

نہایۃ الکمال امیر خسرو کا آخری دیوان ہے جس میں تغلق سلاطین کے قصائد ہیں اس میں ایک مثنوی در تعریف تغلق آباد ہے جس میں دہلی کی نئی آبادی کا ذکر ہے مثنوی "صحیفۃ الاوصاف" جو تاریخی حیثیت سے بہت اہم ہے اس میں قطب آباد (دیوگیری) کا حال درج ہے۔

امیر خسرو کا دوسرا سفر دکن غیر مستند اور اندازاً اس وقت ہوا جب غیاث الدین تغلق تخت دہلی پر بیٹھا اس نے سلطنت کی بکھری ہوئی قوتوں کو اکٹھا کرنے کی خاطر ۱۳۲۱ء میں اپنے بیٹے جونا خاں محمد بن تغلق کو دکن کی مہم پر روانہ کیا تاکہ ورنگل (تلنگانہ) کے سرکش راجا پرتاپ رودر دیو کو دوبارہ اپنا مطیع بنائے۔ اب دیوگیری پوری طرح دہلی سلطنت کا حصہ بن چکا تھا۔ شہزادہ منزلیں مارتا ہوا پہلے دیوگیری پہنچتا ہے اور پھر آگے نکل جاتا ہے۔ فتحیاب ہونے کے بعد جو قصیدہ امیر خسرو نے اس کی شان میں کہا، وہ دیوان نہایۃ الکمال میں ہے۔ اُن کے انداز بیان سے قیاس آرائی کی جاتی ہے کہ شاید خسرو ساتھ رہے ہوں۔ عجب جد آفریں انداز ہے۔

دکن : جنّت کا نمونہ

" گل و گلزار، شاد و آباد جیسے جنّت شدّاد، راستے اتنے صاف و شفاف پاک و پاکیزہ کہ خود بولتے ہیں کہ ہم اسلامی حکومت کی جنت ہیں۔ اس کی شہرت سُن کر رشک و حسد نے مصر نے اپنا پیرہن اتار کے نیل کے دریا میں پھینک دیا۔ بغداد کا دل دوپارہ ہوگیا ہے۔ ہوائیں

[1] "الرحلہ" ابن بطوطہ کا سفر نامہ

خوشگوار کہ اس دنیا میں اس کی مثال نہیں بلکہ دوسری دنیا میں ممکن ہے جس کا وعدہ نیکوکاروں سے کیا گیا ہے کیا معطر ہوا ہے کہ جس کی خوشبو سے تمام پھولوں میں مہک جاگ اٹھتی ہے۔ ہر باغ بازار معلوم پڑتا ہے۔ یہاں کے میوؤں اور پھلوں کا کیا بیان ہو۔ دنیا بھر کے میوؤں کیلئے باعث رشک۔ یہاں کے کیلے چاند کے چھلکے ہیں اور روز عید کی طرح نشاط و لطف انگیز۔ آم اور اس کی حلاوت جیسے شہد اور دودھ سنہری سیپوں میں بند کر دئے گئے ہوں۔ اور تو اور یہاں ایک عجیب و غریب پتہ پایا جاتا ہے جس کا نام تنبول (پان) ہے جو منہ کو خوشبودار کرتا ہے اور دل کو فرحت بخشتا ہے۔ یہاں موتی اور بیش قیمت نگینوں کی بہتات ہے۔ شاید اب سمندر اور معادن میں اس سے بہتر اور زائد پیداوار کی صلاحیت ہی نہیں۔ یہاں کے کپڑوں کی عمدگی کا بیان مشکل ہے۔ اگر چاند کی جلد کو کوئی جلاد اس سے علیحدہ کر کے اور پھر اس جلد سے دیوگیری (مہاراشٹر) کے کپڑے کا موازنہ کیا جائے تو یہ باریکی میں بازی جیت لے گا۔ اس کا سو گز سوئی کے ناکے میں سما سکتا ہے۔ یہ اتنا باریک ہے کہ جب لباس بنا کر پہنا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بدن پر صاف شفاف پانی پڑ رہا ہے۔

بساں قطرۂ آبے توانستش گفتن اگر
چکد زچشمۂ خود قطرہ ہا معتاد

دکن کے شہروں کے علاوہ امیر خسرو نے بعض ہندوستانی قدیم قلعوں کا بھی ذکر کیا ہے اور ان کی خوبصورتی، پائیداری اور تعمیری محاسن کو بیان کیا ہے۔ ایک قلعہ کی تعریف یوں کرتے ہیں: وہ آسمان کی طرح بلند اور سنگِ خارا سے منقش تھا۔ گویا ہندوؤں کی بہشت ہو۔ در و دیوار کی تصاویر مانی کو شرمندہ کرتی تھیں۔ پتھر کی سیکڑوں مورتیاں ایسی دیکھنے میں آئیں جو موم سے نہیں بنائی جا سکتیں۔ اس کے باغ میں کئی مندر تھے جن پر سونے چاندی کے کلس تھے ؎

جس طرح امیر خسرو نے شہر دیوگیری کی آبادی، جغرافیائی خوبیوں اور موسم کی دلکشی کا ذکر بار بار کیا ہے اسکے پیش نظر یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ جب محمد بن تغلق نے دیوگیری کو دارالسلطنت کی شکل دینی چاہی تو امیر خسرو کے پیش کردہ خیالات کی پرچھائیں اسکے ذہن پر رہی ہو۔

"خزائن الفتوح" صرف فتح دکن و مہمات علاء الدین ہی پر مشتمل نہیں بلکہ اس میں بہت سے دلچسپ مباحث آگئے ہیں۔ یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہئے کہ ان کی تصنیفات صلہ و انعام کی لالچ و طلب کے زیر اثر ظہور میں آئیں۔ وہ دنیا کو مایا سمجھتے تھے اور زر و جواہر کو کنکر پتھر۔ انھوں نے کہا ہے کہ "میرا سخن بجائے خود ایک گنجینہ ہے اس کے سامنے گنج زر کی بساط کیا۔ شاعری سے مجھے جو ملتا ہے اسے میں غربا میں بانٹ دیتا ہوں۔ اگر سلطان مجھے فریدون و جمشید کا خزانہ عطا کرے تو میرے ایک حرف کا صلہ نہ ہوگا۔

در دہم گنج فریدون وجم — ہدیۂ یک حرف نبود بلکہ کم
یک بیت را زمن نتواند خرید کس
زیرا کہ کس بہشت برین را بہانہ کرد

امیر خسرو کا شاہکار

میری نظر میں امیر خسرو کا شاہکار ان کی مثنوی دول رانی خضر خاں ہے۔ جس میں انہوں نے گجرات کے راجا کرن دیو کی نازک اندام و پری پیکر بیٹی اور علاء الدین خلجی کے بیٹے خضر خاں کی داستان عشق کو نظمایا ہے۔ یہ طربیہ و المیہ شاعری کی اعلیٰ مثال ہے، اور اس میں سوز و گداز، جوش و خروش اور جادو بیانی اپنے کمال پر ہے۔ اس کا ایک نام عشیقہ بھی ہے۔ دو محبت بھرے دلوں کی جاں سوز واردات قلبی اور دو مہجور عاشقوں کی ایسی المیہ کہانی ہے جس میں تجسس، تحیر، فنی محاسن اور رنگا رنگی سے نئی جان ڈالی گئی ہے۔ ساری کہانی کا کینوس دکن ہے اور مرکزی کردار دکن کی ایک راجکماری۔ چار ہزار سے زائد اشعار کی اس مثنوی میں خسرو نے جذبۂ وطن پرستی، تاریخی واقعات کی صحت کے ساتھ کئی ہندی الفاظ کو فارسی میں کھپایا ہے۔ بعض سازوں اور پھولوں کے نام ہندی میں دئے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی دلچسپ کہانیوں کا پیوند بھی لگایا ہے۔ غزل کے ٹکڑے بھی ہیں۔ بہر حال جتنی دلکشی اور جاذبیت خسرو کی اس مثنوی میں ہے وہ اس قسم کی دوسری مثنویوں میں نہیں۔

دکنی ادب اور امیر خسرو

مقالہ کا عنوان یہ بھی مطالبہ کرتا ہے کہ ہم دکن اور مہاراشٹر میں ادب و ثقافت کے ان خطوط کی کھوج لگائیں جنھوں نے امیر خسرو کے عکس جمال سے روشنی پائی اور یہ بھی کہ طوطیٔ ہند کے زمزموں کی صدائے بازگشت کہاں تک اور کس انداز میں یہاں پہنچی۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ تیرھویں صدی کے آخر میں مراٹھی و دکنی ادب کے سوچنے کی دھارائیں اسی سمت مڑ گئی ہیں جو خاص امیر خسرو کی ڈگر تھی ان کی انسان دوستی، رواداری، جذبۂ خدمت خلق صوفیانہ و حکیمانہ شاعری کے ساتھ موسیقی کا عوامی سطح پر جاندار استعمال معاشرے کے لئے بھولا ہوا سبق ثابت ہوئی اور ہر طرف سے اس کی پذیرائی شروع ہوگئی۔ اور شمال و جنوب دونوں طرف بھکتی کال کا آغاز ہوگیا جس کے جملہ عناصر ترکیبی وہی تھے۔ دکن کی دھرتی پر بھی عوامی شعراء اور سنت و بھگت کی ٹولیاں ابھر آئیں۔ ذات پات کے بھید بھاؤ کو ختم کرنے کا وہ وسیع آدرش جو امیر خسرو کی شاعری کا طرۂ امتیاز ہے، مراٹھی ادب میں بھی عام ہونے لگا۔

خسرو اپنے فرسودہ سماج کے باغی، مساوات کے نقیب اور نثار وطن تھے جنھوں نے کبھی کہا ــ

کافر عشقم مسلمانی مرا درکار نیست
ہر رگ من تار گشتہ حاجت زنار نیست

پھر کئی بار کہا ــ

دیں ز رسول آمدہ کائی زمرۂ دیں
حب وطن است ز ایماں بہ یقیں

؎ مفتاح الفتوح

رکھا ہے
کشور ہنداست بہشتے بہ زمیں

و آواز کا یہ رقص جب نقطۂ اتصال و
نا ہے تو مہاراشٹر میں سنت تکارام اور
ی مدھر وانی میں ڈھل کر جذبۂ ملی اور قومی
نفر بن جاتا ہے۔ دلوں کو گدگداتا، دماغوں
، اور احساس کو جھنجھوڑتا ہے۔ تاریخ کی مٹی
یا ہے اور جدید مہاراشٹر کا تصوّر لے کر
یخ پر شیواجی رواداری و حق پسندی کا پیکر
ار ہوتے ہیں۔ ادب میں گہرے اور باریک
یالات داخل ہوتے ہیں۔ زبانِ فارسی
ت و اسلوب نگارش میں جگہ بنا لیتا ہے
ۃ و واسوینت ایسے ادیب و شاعر ظاہر
، جو ہندوستانی ادب میں لافانی مقام حاصل
۔

برخسرو اور ان کے مراٹھی و دکنی معاصرین
طالعہ ایک دلچسپ مگر سنگلاخ موضوع
شوق سے جرأتِ رندانہ کا طالب ہے۔ دیکھنا
ں کا سہرا کس کے سر بندھتا ہے۔ بقول

کون ہوتا ہے حریف مئے مرد افگن عشق
ہے مکرر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد

●●

امیر خسرو

ہندوستان کے فارسی شعراء کو اہلِ ایران نے کسی خاص توجہ کی نظر سے نہیں دیکھا لیکن امیر خسرو کا لوہا سب نے مانا۔ بلبن کا بڑا بیٹا شہزادہ محمد ملتان کا گورنر تھا۔ اسے علم و ادب سے بڑا شغف تھا۔ خسرو اور خواجہ حسن اس کے ساتھ وہیں تھے لیکن شہزادے کی یہ خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح شیخ سعدیؒ کو اپنے دربار کی زینت بنائے یا سعدی کے قرب سے خود کو بلند مرتبہ کرے، چنانچہ اس نے سعدی کو دو بار پیغام بھیجا لیکن روایت یہی ہے کہ وہ پیرانہ سالی کی وجہ سے نہیں آئے۔ خسرو اس وقت جوان تھے۔ ان کی خوش کلامی کی شہرت ایران تک پہنچ چکی تھی۔ سعدی نے شہزادے کو جواب میں لکھا کہ میں تو معذور رہوں۔ پیرانہ سالی کی وجہ سے آ نہیں سکتا تمہارے پاس خسرو ہے، اس کو غنیمت جانو۔

ناظم ہروی نے ایک دلچسپ قطعے میں ہر دور کے بڑے فارسی شاعر کا نام لیا ہے۔ سعدی کے بعد خسرو کو سب سے بڑا شاعر کہا ہے۔

چو اورنگِ سعدی فرو شد زکار سخن گشت بر فرقِ خسرو نثار

جامی نے لکھا ہے کہ پنج گنج نظامی کا جواب خسرو سے بہتر کسی نے نہیں دیا۔ نظامی نے پنج اٹھارہ سال میں لکھا اور امیر خسرو نے خمسہ پورے تین سال میں مکمل کر لیا۔ خسرو نے شیخ نظام الدین اولیاء کی منقبت ایک قصیدے میں کی ہے۔ پہلا مصرعہ ہے۔ کوس شہ خالی و بانگِ غلغلش دردسراست خسرو اس قصیدے پر ناز کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر کچھ اور نہ لکھتا تو یہ قصیدہ ہی کافی تھا۔ ڈاکٹر وحید مرزا نے اس قصیدے کا عنوان "دریائے ابرار" لکھا ہے اور شبلی نے "بحرالابرار"۔ دیوان غرۃ الکمال خسرو کا تیسرا دیوان ہے۔ اسی میں یہ قصیدہ ہے۔ اسمیں ایک بیت عنوان کے طور پر درج ہے۔

چار لاکھ ابیات کا اسے مصنف کہا جاتا ہے۔ پانچ دیوان، دس مثنویاں، اعجازِ خسروی کے پانچ ضخیم دفتر نثر میں، خزائن الفتوح یا تاریخ علائی، علاء الدین خلجی کی مہموں، فتوحات اور عہد کے دلچسپ نثری حالات ہندی کلام، موسیقی میں راگ راگنیوں کی ایجادیں؛ سپاہی زادہ تو تھا ہی، تصوّف رگ رگ میں رچا ہوا۔ شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید با اخلاص۔ فارسی، ترکی، عربی، ہندی، سنسکرت اور کئی ہندوستانی بولیوں کے جاننے پر عبور حاصل تھا۔ غرضیکہ وہ ایک محیر العقول ہستی تھے۔

کچھ لوگوں نے خسرو کو بعض مقامات پر غلط سمجھا ہے۔ اصل میں مہاتِ شاہی میں وہ غنیم کو نہیں بخشتے خواہ وہ ہندو ہو خواہ مسلمان، تاتاری ہو یا مغل۔ اسلئے خزائن الفتوح میں جب علاء الدین خلجی مہموں پر گیا ہے یا اس کا جرنیل ملک کافور حملہ آور ہوا ہے تو خسرو نے مخالف لشکر کو دشمن سمجھ کر بخشا نہیں انھیں کفّار بھی کہہ دیا یا اور کوئی نازیبا قسم کا لفظ استعمال کیا جس سے غصّے کا اظہار ہو سکے۔ یہ قدرتی بات تھی۔ لیکن ہندوستان کو خسرو نے بہشتِ عدن کہا ہے اور اس پر اس طرح فریفتہ ہیں کہ اُس عہد میں تو کیا آج کل مثال ملنی مشکل ہے۔

عرش ملسیانی

خسرو کی مثنویاں

• حسن برنی

سب سے پہلی خصوصیت خسرو کی طبعزاد مثنویوں کی یہ ہے کہ تقریباً تمام تاریخی مثنویاں ہیں ۔ ان مثنویوں کی بنیاد واقعات پر ہے ، محض شاعرانہ خیال آفرینی پر نہیں ۔ عشیقہ ' حسن و عشق کی ایک سچی اور دردناک داستان ہے جس میں عہد علائی اور مابعد کے مستند تاریخی حالات درج ہیں ۔ 'نہ سپہر' میں علاؤالدین کے رنگیلے جانشین قطب الدین مبارک شاہ کی تخت نشینی کے بعد کے مفصل واقعات ہیں جو اس عہد کی کسی دوسری تاریخ میں نہیں مل سکتے ۔ 'تغلق نامہ' میں خلجیوں کی بربادی اور تغلقوں کی سر آرائی کی پوری داستان ہے ۔ 'وسط الحیاۃ' میں بلبن کے عہد کی مثنویاں ہیں جن میں طغرل پر فوج کشی اور بلبن کے بڑے بیٹے سلطان محمد (شہید) کے غزوات درج ہیں ۔ 'غرۃ الکمال' میں جلال الدین خلجی کی فتوحات کی تاریخ اور 'نہایۃ الکمال' میں محمد بن تغلق کی مہم دکن کا ذکر ہے ۔ 'قران السعدین' میں جو واقعات درج ہیں وہ تمام کے تمام خسرو کے چشم دید ہیں ۔ اس کے علاوہ اور مثنویاں انھیں ایام میں تصنیف ہوئی ہیں جب کہ وہ واقعات پیش آئے اور بیشتر واقعات خود خسرو کے چشم دید ہیں ۔

مثنوی نگاری میں خسرو نے جا بجا اپنے آپ کو نظامی کا متبع بتایا ہے ۔ اس اتباع کی دو حیثیتیں ہیں جن میں فرق کرنا ضروری ہے ۔ ایک اتباع وہ ہے جو خمسے میں کیا ہے یعنی نظامی کی پانچوں مثنویوں کے جواب لکھے ہیں ۔ دوسرا اتباع اس سے بالکل جدا ہے جو محض زمانی حیثیت سے اُن پر عائد ہوتا ہے جیسے نظامی فردوسی کے ؛ یا فردوسی ' دقیقی کے متبع تھے اس اتباع سے خسرو کی شخصیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس بحث کو زیادہ پھیلانے کا موقع نہیں ہے ۔

" قران السعدین " (جو بڑی مثنویوں میں سب سے پہلی طبعزاد مثنوی ہے اور جو خمسے سے دس بارہ سال پہلے لکھی گئی تھی) یہ مثنوی فارسی لٹریچر میں اپنا جواب نہیں رکھتی اور اپنے رنگ میں بالکل انوکھی کتاب ہے ۔ اس مثنوی کے لئے خسرو کے سامنے کوئی نمونہ موجود نہ تھا اور ہمارے علم میں خسرو کے بعد اس کا جواب نہیں لکھا گیا ۔

دوسری خصوصیت خسرو کی طبعزاد مثنویوں کی یہ ہے کہ اُن میں واقعیت کا سر رشتہ کمال احتیاط کے ساتھ برقرار رکھا گیا ہے ۔ امیر داستان کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ شاعری کے ساغر میں حقیقت ہمیشہ عریاں نظر آتی ہے ۔ پہلی اور دوسری خصوصیت کے اجتماع کی وجہ سے خسرو کی مثنوی نگاری کو " تاریخی نقاشی " سے تعبیر کرنا بیجا نہ ہوگا ۔ انتخاب جزئیات اور تفصیل کوائف دونوں اجزاء وصف نگاری کی جان ہیں اور فارسی میں قران السعدین سے بڑھ کر شاید کہیں کوئی نمونہ موجود ہو ۔ مناظر فطرت کی مصوری بھی اسی خصوصیت کے تحت میں داخل ہے ۔

تیسری خصوصیت جو خسرو کی شاعری کا مابہ الامتیاز ہے اور جو مثنوی نگاری کی جان ہے وہ نفسیات کا صحیح ادراک ہے جسے حفظ و تفریق اشخاص بھی کہا جاسکتا ہے ۔ یہ لابُد ہے ' اس کے بغیر مثنوی میں روح نہیں پیدا ہوسکتی ۔ فارسی میں بہت کم مثنویاں اس معیار پر پوری اترتی ہیں ۔

خسرو کی مثنوی نگاری کی چوتھی خصوصیت جدّت ' اختراع اور طرفہ آفرینی ہے ۔ ان کی طبیعت کا سب سے زیادہ میلان ایجاد کی طرف تھا ۔ ہر صنف میں اس کے شواہد موجود ہیں ۔ صنائع و بدائع میں ان کی جدّت پسند طبیعت نے ایجادات کے انبار لگا دئے ہیں ۔

سب سے آخر میں ہم جس خصوصیت کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں وہ " تناسب " ہے ۔ فنون لطیفہ میں (جس کے اندر شاعری بھی داخل ہے) " حُسن " سب سے زیادہ تناسب کا نتیجہ ہوتا ہے ۔ جس طرح " تاج گنج " یا " الحمرا " کی دلکشی کا اندازہ محض ان کی پیمائشیں دے دینے سے نہیں ہوسکتا بلکہ ان کے حُسن کا تصور نظارے کے ایک مجموعی اثر کا ماحصل ہوتا ہے ۔ اسی طرح کسی کتاب کے تناسب کا خیال کتاب کے مجموعی اثر پر موقوف ہے ۔ کتاب کا حسن اسی تناسب کا نتیجہ ہے اور اسی تناسب میں فرق آنے سے کتاب کے حسن میں بھی فرق آجاتا ہے ۔

مثنوی میں اس حسن کا قائم رکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے ۔ شاعری کا جو کمال ہومر اور شکسپیئر کے یہاں نظر آتا ہے اس کا عکس ہماری شاعری میں سب سے زیادہ اسی صنف یعنی مثنوی میں ہوسکتا ہے لیکن ذرا غور کرو کہ بے شمار مثنوی نگاروں میں کتنے ہیں جو اس معیار پر پورے اترتے اور فردوسی ' و نظامی اور خسرو کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے کا استحقاق رکھتے ہیں ۔

(تمہید قران السعدین

خسرو پارے

قارا گر تہی ناید خزینہ
بہ گنج دیگر افشانم ز سینہ "

'اعجاز خسروی' کے ایک صفحہ کا عکس

انتخابِ خمسہ (پنج گنج)

۱۔ مطلع الانوار

جواب سلام میں بخل کرنے والا پتھر سے بھی گیا گذرا ہے۔

کوہ کہ سنگ است وسخن کم کند   گر تو سلامش کنی او ہم کند
آنکہ نگوید بہ سلامت جواب   سنگ بہ از وی بطریقِ صواب

باپ اور بیٹے کی محبت میں آسمان وزمین کا فرق ہے۔ کہاں یہ کہاں وہ!

خواجہ مبادا کہ بہ پیرانہ سر   بندۂ فرزند شود بہرِ خور
دہ پسر از یک پدر آسودہ گشت   یک پدر از دہ پسر افتد بہ دشت

ہمعصر نمائشی علماء سے خطاب کرتے ہوئے ان کا مذاق اڑاتے ہیں؛

نیست چو دستارِ ترا مایہ ہیچ   ہر کہ بہ پیچی سر ازیں پیچ، پیچ
ابلہ[1] نگردد بعمامہ[2] سفیہ   خر نشود از جُلِ دیبا فقیہ

اُمراء مُردے ہیں۔ اُن کے آگے جھکنا اسی طرح ناجائز و ناروا ہے جیسے نمازِ جنازہ میں سجدہ کرنا۔

وائی کہ تا چند چو افسردگاں   سجدہ کنی بر درِ ایں مردگاں
ای کہ گذاری بہ جنازہ نماز   سجدہ ندانی کہ ندارد جواز

علمِ نجوم سے امیر کی واقفیت؛ ستارہ زمین سے کئی گنا بڑا ہوتا ہے۔

ہر یک از انجم کہ بہ چشمت کم است   در محلِ خویش یکے عالم است
آنکہ سُہا[3] را نگری ذرّہ وار   ہست بمقدارِ زمیں ہژدہ بار

عطا و بخشش وہ بہتر ہے جو موقع و محل کے مطابق کی جائے۔

گرچہ عطا در ہمہ جا دلکش است   ہرچہ بہنجار بود آں خوش است

میل جول، دوستی سے عقل و تجربہ بڑھتا ہے۔

باکہ ومہ صحبت از انساں گزیں   کز تو خردمند شود ہم نشیں

سیرت کی خوبی کا معیار اعلیٰ خاندان ہی نہیں ہے؛

نیست ہمہ نسلِ کریماں عزیز   تخمِ خیار[4] است بسے تلخ نیز

ہر شخص اپنی غرض و مطلب سے تمہارا طرفدار و بہی خواہ ہے بے غرض کوئی نہیں؛

خلق دعاگو ز پئے فائدہ است   جائے لِاِیْلٰف[5] پس از مائدہ است

۲۔ شیریں وخسرو

صحتِ ایمان کا معیار محبت ہے۔ کوئی نہ ملے تو گھر کی بلی سے محبت کرو۔ یہ بھی ممکن نہ ہو تو اپنے دل کو پتھر سے کچل ڈالو کیونکہ وہ مر چکا ہے۔

دلت بر گربہ ای گر مہربان است   نشانِ صحتِ ایماں ہمان است
دلت را گربہ بُرد، وگرنہ بُرد است   بروپیش سنگ اندازش کہ مُرد است

مالِ دنیا سے استغناء رکھو اور دربدری سے پرہیز کرو۔ بے پروائی کے ساتھ منکسر مزاج رہو کہ اگر بے مانگے مل جائے تو اسے نہ لوٹاؤ۔

ز حاجت بیش، در دنیا مجو چیز   وگر ناجستہ یابی، رد مکن نیز
چو گردد ابرِ دولت بر تو دُربار   فروتن باش ہم چو شاخِ پُربار

در توصیفِ عشق؛

چو قمری را دہی بے جفت پرواز   ز بستاں در قفس رغبت کند باز
فدائے عشق شو گر خود مجاز است   کہ دولت را درو پوشیدہ راز است

مثنوی کا ابتدائیہ؛

(یہ میری دوسری مثنوی ہے۔ بشرطِ حیات تین اور کہوں گا۔ ماہ رجب ۶۹۸ھ میں یہ ختم ہوئی اور اس کے کل اشعار کی تعداد ۴۲۵۰ ہے)

---

[1] بے وقوف   [2] ریشمی جھول اور چادر
[3] ایک ننھا ستارہ   [4] ککڑی، کھیرا
[5] سورۂ لِاِیْلٰفِ قُرَیْش جو فقیر سے بھاڑ کے لئے کھانے پر پڑھتے ہیں۔

نخست از پردہ این صبح نشورم — نمود از مطلع الانوار نورم
پس از کلکم چکید این شربتِ نو — کہ نامش کردہ ام شیرین و خسرو
بقا را گر تہی ناید خزینہ — نہ گنج دیگر افشانم ز سینہ
در آغاز رجب فرخ شد این فال — ز ہجرت شش صد و ہشت و نود سال
دگر پرسی کہ بیتش را عدد چیست !
چہار الف و چہار ست و صد و بست

۳۔ مجنون و لیلیٰ

لیلیٰ کا خط مجنوں کے نام جس میں دردِ عشق کو یوں سمویا گیا ہے :

آں سینۂ بی فراغ چونست — زندانیٔ بی چراغ چون است
نو لے دمِ سردِ من براہش — خاشاک بچیں زتکیہ گاہش
دردِ تو رفیق جانِ من باد — ہم خوابۂ خاکدان من باد

امیر کہتے ہیں کہ میرا میدان غزل تھا؛ اپنے شیوۂ خاص سے ہٹ کر اسمیں قدم رکھا۔

از شیوۂ خود رمیدہ گشتم — تسلیم ہماں جریدہ گشتم

مرحومہ ماں کا وہ نوحہ جو بہت مشہور ہے۔ ایک شعر

اے مادرِ من کجائی آخر — روی از چہ نمی نمائی آخر

اپنے فرزند کو نصیحت کہ تم میری طرح "افسانہ گوئی میں نہ بہتانا، کیونکہ معیاری شاعری سخت دشوار ہے۔

چوں من نشوی کہ ہر زمانے — سازم بدروغ داستانے
حرفے کہ از و دلی کشاید — از ہر قلمی بروں نیاید

پیٹ کے لئے غریب شعبدہ باز کیا کیا کرتے ہیں۔ اپنا جسم کاٹ ڈالتے ہیں، خود کو زخمی کرتے ہیں۔

در شعبدہ مرد خنجر آشام — از پہلوئے خولش می خورد شام
ناداشت کہ نیست با خود خویش — بازو نپاے شکم کند ریش

خاتمہ مثنوی :

میری پُر گوئی کے باوجود یہ تازہ مضامین ہیں۔ دل صاحب انصاف سے انصاف طلب ہے۔

باچنداں شغل خاطر آشوب — چندیں بر نو دہم زیک چوب
انصاف من ار تو ندہی اے دوست — خود نافہ کند حکایت پوست
زانکس کہ نگہ کند بہ تمکیں — انصاف طلب کند ز تحسیں

۴۔ آئینہ سکندری

شاعرانہ تعلّی اور اپنی فکر و تلاش کی وسعت و گہرائی کا بیان :

دلم چوں بجو ہر کسی خاص گشت — بدریائی اندیشہ غوّاص گشت
بہر غوطہ چنداں بروں ریخت دُر — کہ دریا تہی گشت و آفاق پُر

اہلِ ہنر اُس عہد میں بھی روزی کی تنگی سے بہرہ یاب تھے، گویا یہ سنتِ جاریہ ہے۔

بشہر این مثل شہرۂ عالم است — کہ ہر کس ہنر بیش، روزی کم است

پندِ فلاطوں بہ سکندر :
دنیا کی اونچ نیچ اور نفسی نفسی کا عالم؛ کسی کا ضرر، دوسرے کیلئے نفع :

کسے رنج در حاصل چوں برد — کہ از رنج او دیگری بر خورد
یکی خورد در خواب نان و کباب — یکی را نیامد خود از فاقہ خواب

سخن کی مدح و ثنا : جو چپ رہے وہ مُردہ، جو بولے وہ زندہ :

گرامی کن گوہر آدمی — گرامی تریں جوہرِ آدمی
سخن گر نہ جانست بنگر بہوش — چرا مردہ یابی سراپا خموش

ہم کو عبث بدنام کیا۔ (جبر و قدر) :

بمستی چو راہم تو دادی نخست — زمن ہر چہ خیزد بتقدیر تست

لوگ تحسین یا نفرین سے کیوں بہت زیادہ متاثر ہو جاتے ہیں، امیر کو حیرت ہے :

چو بیش و کمی نیست در مغز و پوست — ز نفرین بدخواہ و تحسین دوست
ندانم چرا مردمِ سنگ دل — ازیں شاد گردند و زاں تنگ دل

قومِ فرنگ اور جزیرۂ قبرص کے بحری قزاقوں کا ذکر :

جزیرہ کہ خوانند قبرص بنام — شد این قوم بے عاقبت را مقام

ملکِ شام کے سوداگر آرمینیا کی طرف جاتے ہوئے :

ز شامیم بازرگانی سہ، چار — بارمینیا می کشیدیم بار۔

یکم نومبر ۱۹۸۵ء

۵ ۔ ہشت بہشت

حمد

اے کشایندۂ خزانۂ جود   نقش پیوند کارگاہ وجود
بودنی را ہمیشہ بود از تو   بود نابود را وجود از تو

تو جود و سخا کے خزانے کا کھولنے والا، کارگاہِ وجود کو جوڑنے والا، وجود و عدم تیرے ہی دم سے ہے کہ تو ابدی و ازلی ہے۔

نعت

روشنائی دہِ چراغِ یقیں   نورِ پیشینِ شمع باز پسیں
نور او کز سپہرِ صد چند است   مہ شگاف و سپہر پیوند است
انبیا و پیش آن خجستہ چراغ   طفلِ گہوارہ در مقامِ بلاغ

آنحضرتؐ یقین کے دیئے کو روشنی بخشنے والے اگلوں کے لئے نور اور بعد والوں کے لئے شمع ہیں ۔ سو آسمانوں سے آپ کا نور ہے۔ چاند تو اس کا شگاف ہے اور آسمان پیوند کا ٹکڑا۔ ان کے آگے انبیا کی مثال بالغ اور طفلِ گہوارہ کی ہے۔

مدحِ شاہ

گر دہد بخشش خاصگاں ہم چیز   داد بخشش گناہگاراں نیز
نوکِ پیکانش در مقامِ ہنر   بردہ داغ کلف زروئے قمر
فتح بر خاکِ پائے او زدہ فرق   فتنہ در آبِ تیغِ او شدہ غرق

اگر وہ اچھوں کو صلہ و بخشش سے نوازتا ہے تو گنہ گاروں کو انصاف بھی دیتا ہے۔
اگر وہ تیراندازی کا کمال دکھانے پر آجائے تو چاند کے داغ کو چھیل کر صاف کر دے۔
فتح اس کے پاؤں پڑی رہتی ہے اور اسکی تلوار کے جوہر میں ہر فتنہ غرق ہو جاتا ہے۔

بیٹی کی تعریف اور نصیحت

اے رخِ تو چشم و چراغِ دلم   خوب تریں میوہ ز باغِ دلم
گرچہ کہ اخواں چو تو نیک اختر اند   نے ز تو در دیدۂ و دل بہتر اند
گاہ تماشا بدلِ باغباں   سرو چناں باشد و سوسن ہماں
دختر اگر نیست پسر کے شود   بے صدفِ تازہ گہر کے شود
بخت کہ فالِ تو ہمایوں نہاد   نام تو مستورہ میموں نہاد

(۱) اے تیری صورت میرے دل کا چشم و چراغ اور باغِ دل کا بہترین میوہ ہے۔ (۲) گو تیرے بھائی تیرے ہی جیسے خوش اقبال ہیں مگر میرے لئے تجھ سے بہتر نہیں ہیں۔ (۳) باغباں کا دل جس طرح سرو کو پیار سے دیکھتا ہے اسی طرح سوسن کو بھی (۴) اگر لڑکی کا وجود نہ ہوتا تو لڑکا کہاں سے آتا۔ بغیر تازہ صدف کے گہر کا وجود کہاں۔ (۵) تیرا نصیب جو کہ تجھے شگونِ خوش دیتا ہے وہ تجھے پردہ کیلئے مقرر تاکید کرتا ہے۔

مطلع الانوار

طوطئ ہند اور ترانۂ ہند

خسرو کی شعری تخلیق ہو کہ نثری تصنیف جہاں ہاتھ لگا کے سونگھئے ہند کی خوشبو ملے گی مگر ہم یہاں صرف ان خاص منظومات کی نشان دہی کریں گے جہاں جہاں امیر نے شہر بشہر کے ہند کی نغمہ سرائی کی ہے اور عمر کے ہر حصے میں۔ خسرو پر آئندہ کام کرنے والوں کے لئے بھی یہ جدول کار آمد ہوگی اور خسرو کے چاہنے والوں کے لئے مسرت انگیز یادداشت بھی (ادارہ)

ا۔ نہ سپہر ۷۱۸ھ/۱۳۱۸ء بعمر ۶۴ سال

۱۔ مجمل: سپہر اوّل: دیوگیری کی بغاوت اور بادشاہ کی لشکر کشی

سپہر دوم: عمارات دہلی، جنگ تلنگانہ و ورنگل، عظمت دہلی

سپہر سوم: وصف ہند، افضلیت ہند بر اقالیم عالم، ہند کے جنت ہونے کی دلیل، پھول، پرندے، جانور، علوم مذہبی، ہند کی زبانیں، سنسکرت کی برتری، واقعہ شکست ہرپال۔

سپہر پنجم: ہندوستان کے جاڑے کی تعریف

سپہر ہفتم: موسم بہار، نوروز، موسیقی ہند و رقاصہ

سپہر ہشتم: بازی و چوگان

سپہر نہم: عظمت شعرائے ہند

ب۔ مفصل (مرتبہ ڈاکٹر وحید مرزا):

ہندوستان ص ۱۴۸۔۱۴۹
حب الہند ص ۱۴۸۔۱۴۹
کشور ہند است بہ زمیں ص ۱۵۱۔۱۵۷
خوبئ آب و ہوا ص ۱۵۸۔۱۶۱
علوم ہند ص ۱۶۱۔۱۶۳
تصور وحدانیت ہنود ص ۱۶۴
حقیقت ہندوان دیگراں ص ۱۶۴۔۱۶۶
اسباب فضیلت ہند ص ۱۶۶۔۱۷۲
زبانہائے ہند ص ۱۷۸۔۱۸۱
سنسکرت برتر ز دری ص ۱۸۱

جانوران و مرغہائے ہند:

۱۔ طوطا ۲۔ شارک (مینا) ۳۔ زاغ ۴۔ کنجشک ۵۔ مرغ پرّاز و مرغ ہنر ۶۔ طاؤس (مور) ۷۔ طرگی طاؤس ۸۔ بگلہ ۹۔ مرغ کستا ۱۰۔ دیگر ص ۱۸۱۔۱۹۱

فسوں گری ہند ص ۱۹۱۔۱۹۴
جذبۂ وفا زنان و مردان ہند ص ۱۹۴
تلقین اوصاف حکمران ہند ص ۱۹۵
تلقین اوصاف لشکریان ہند ص ۲۵۶
تلقین اوصاف باشندگان ہند ص ۶۵۔۲۶۳
دیوگیر ص ۵۰۔۵۱
میوہ ہائے دیوگیر — نہایۃ الکمال ص ۵۱۔۵۲
دیوگیر کی تعریف اور اسکے کپڑوں کی تعریف — نہایۃ الکمال
موسیقی — 〃
سیف ہندی وغیرہ — تغلق نامہ

قران السعدین

۶۸۸ھ ۱۲۸۹ء بعمر ۳۵ سال (مطبوعہ علیگڑھ)

برائے سلطان معز الدین کیقباد

ذکر حضرت دہلی ص ۲۸۔۲۹ — قلعہ و حصار دہلی ص ۲۹
مردم شہر دہلی ص ۲۹۔۳۰ — جامع مسجد دہلی ص ۳۰
وصف منارہ ص ۳۰۔۳۱ — حوض شمسی ص ۳۲۔۳۴
آب و ہوا و گلہائے و میوہ ہائے ہند ص ۳۲
مردان فرشتہ سرشت ص ۳۳ — علم و ہنر دہلی ص ۳۳۔۳۴
بتان سادہ دہلی ص ۳۶۔۳۷ — کیلوکھری ص ۵۴
قصر نو ص ۵۵۔۵۶ — جشن نوروز ہند ص ۷۳۔۷۴
چتر سیاہ ص ۷۴۔۷۵ — چتر سرخ ص ۷۵۔۷۶
چتر سبز ص ۷۶۔۷۷ — چتر گل ص ۷۷۔۷۸
رایت لعل و سیاہ ص ۸۲
صفتہای اسپان و فیل ص ۷۲، گلستان سیم و زر ص ۸۲۔۸۳
نخل موم ص ۸۳ — دستۂ گل دلفریب ص ۸۳
آرائش دربار ص ۸۴ — خربزۂ ہند ص ۱۰۹
جامۂ ہندی ص ۱۴۲ — تنبول ص ۱۸۵۔۱۸۶

الوان نعم بر مائدۂ سلطان ہند ص ۱۸۳۔۱۸۴۔۱۸۵

مفتاح الفتوح ۶۹۱ھ/۱۲۹۱ء بعمر ۳۷ سال
بعہد جلال الدین فیروز خلجی

قلعہ جہائیں نزد تھنبور ص ۳۵۔۳۶

شیرین خسرو ۶۹۸ھ/۱۲۹۸ء بعمر ۴۴ سال
علاء الدین محمد خلجی

اوصاف نوجوانان ہند ص ۳۵۔۳۹

ہشت بہشت ۷۰۱ھ/۱۳۰۱ء بعمر ۴۷ سال

اوصاف دختران ہند ص ۲۹۔۳۰

دول رانی خضر خاں ۷۱۵ھ/۱۳۱۵ء بعمر ۶۱ سال

خوبئ زبان ہند ص ۴۱۔۴۲
صرف و نحو زبان ہند ص ۴۱۔۴۲
بیان و معانی زبان ہند ص ۴۲۔۴۳
جامۂ ہندی ص ۴۳
نغزک (انبہ) ص ۴۳۔۴۴
موسم بہار و گلہائے ہند ص ۱۲۸۔۱۳۲
حسن ہند ص ۱۳۳۔۱۳۴
جشن ازدواج در خانوادۂ شاہی و آرائش شہر ص ۱۵۳۔۱۵۴
نوبت و شادیانہ ص ۱۵۴
شعبدہای بازیگران در جشن ص ۱۵۵۔۱۵۶
رقص و سرود نغمہ ص ۱۵۶۔۱۶۰
قرآن و حدیث ص ۱۶۰
تعیین ساعت سعید برائے جلوس ص ۱۶۰۔۱۶۱
سوداگی جلوس ص ۱۶۰۔۱۶۱
رسوم شادی ص ۱۶۸۔۱۶۹۔۱۷۰
درس از ہندوی آتش پرست ص ۱۹۵۔۱۹۶

[illegible]

اقبالؔ (بانگِ درا) — عقل و دل کا مکالمہ

عقل نے ایک دن یہ دل سے کہا　بھولے بھٹکے کی رہنما ہوں میں
ہوں زمیں پر، گذر فلک پہ مرا　دیکھ تو کس قدر رسا ہوں میں
کام دنیا میں رہبری ہے مرا　مثلِ خضرِ خجستہ پا ہوں میں
ہوں مفسّر کتابِ ہستی کی　مظہرِ شانِ کبریا ہوں میں
بوند اک خون کی ہے تو لیکن　غیرتِ لعلِ بے بہا ہوں میں
دل نے سن کر کہا یہ سب سچ ہے　پر مجھے بھی تو دیکھ، کیا ہوں میں
رازِ ہستی کو تو سمجھتی ہے　اور آنکھوں سے دیکھتا ہوں میں
ہے تجھے واسطہ مظاہر سے　اور باطن سے آشنا ہوں میں

علم تجھ سے تو معرفت مجھ سے
تو خدا جو، خدا نما ہوں میں

خسروؔ (نہ سپہر۔ سپہرِ چہارم) — حکایتِ بادو[illegible]

بادِ سبک سیر بکوہے بلند　گفت کہ ایں سنگ و سکونی ت[illegible]
آنکہ نہ گردد بہ بیابان و شہر　بہرہ نہ دارد نہ تماشائیٔ
کوہ جوابش بصدا گفت باز　کای تنگ و پویت ہمہ دور [illegible]
حاصلِ گشتن چو غباری تہی است　ایں ہمہ گشتن نہ طریقِ بہ[illegible]
بر سرِ ایں ہر دو دراں کارزار　بود حکیمی بہ تماشائیٔ
گفت شمارا بنمودار خویش　ہست غرض برتریٔ کارِ خو[illegible]
لیک اگر جانبِ انصاف روست　ہر صفتی در محلِ خود، نکو[illegible]
کوہ کہ نامش بگرانیست نشر　جنبش ناچار کند روزِ [illegible]
باد کہ در رویش خرمن خوش است　خرمنِ آتش زدہ تا آتش اس[illegible]

مفہوم اردو : چنچل ہوا نے پہاڑ کو طعنہ دیا کہ تم ایک جگہ پڑے ہو اور ساری دنیا سے بے خبر۔ ترکی بہ ترکی جواب دیا مگر ہر پھر کے تمہیں سوائے غبار و خاک کے کیا حاصل ہوتا ہے؟ ایک [illegible] یہ بات سنی تو بولا کہ تم دونوں تو بس اپنی بڑائی جتاتے ہو۔ ارے ہر صفت اپنے محل پر اچھی [illegible] پہاڑ بھی روزِ حشر چلایا جائیگا اور ہوا کا کیا ہے کبھی دھول مٹی اڑا لے جاتی ہے مگر جب [illegible] ہوئے کھیت کھلیان کے لئے دوہرا عذاب بن جاتی ہے۔

میر حسنؔ (سحر البیان) — ہنگامِ وصال بدرِ منیر و شاہزادہ بے نظیر

وہ بیٹھا جو خلوت میں آ، بے نظیر　اور ادھر سے آئی جو بدرِ منیر
لگی ہونے بے پردہ جو چھیڑ چھاڑ　درِ حسن کے کھل گئے وہ کواڑ
لبوں سے ملے لب، دہن سے دہن　دلوں سے ملے دل، بدن سے بدن
لگی جا کے چھاتی جو چھاتی کے ساتھ　چلے ناز و غمزہ کے آپس میں ہاتھ
کسی کی گئی چولی آگے نکل　کسی کی گئی چین ساری نکل
غم و درد دامن کشیدہ ہوئے　وہ گل نارسیدہ، رسیدہ ہوئے

اُٹھے پی کے باہم شرابِ امید
کوئی سرخرو اور کوئی رو سپید

خسرو (عشیقہ) — ملاقات دول رانی و شاہزادہ خض[illegible]

بشادی بانگارِ خویش بنشست　شدہ از دست و زلفِ دوست ب[illegible]
مقابل دل بدل آئینہ شد باز　زلب جانہا درون سینہ شد [illegible]
بسوئے شاہ خود دزدیدہ می دید　گہی پیدا، گہی پوشیدہ می [illegible]
پس از دیری کہ حیرت رخت بربست　ہوائے دل بعیاری کمر بس[illegible]
در آمد عاشقِ شوریدہ مشتاق　کہ تنگش در بر آید چوں بغلط
گرفت اندر کنار آں سرو گلرنگ　بساں برگِ گل در غنچہ تنگ

پس از مہر خزانہ دور شد پاس
بہ لولو سفتن آمد نوکِ الماس

مفہوم اردو : شاہزادہ خوشی میں جھومتا آیا اور معشوق کی زلفوں سے کھیلنا شروع کیا۔ [illegible] کی کہانیاں ہوئیں۔ پھر حیرت و شرم کا عمل اور پھر شوخی و گستاخی کا نمبر آیا، خواہش [illegible] گدگدایا۔ عاشق نے معشوق کو یوں چمٹا لیا جیسے کلی سے پنکھڑیاں چپکی ہوتی ہیں اور [illegible] کا پارہ گرم ہوتا گیا یہاں تک کہ دونوں ایک ہو جانے پر آمادۂ سفر ہو گئے۔ ہیرا موتی کی قیمت بڑھا [illegible] دُرِ ناسفتہ کم دام کا ہوتا ہے اور جب نوکِ الماس سے وہ سفتہ ہو گیا تو کچھ اور ہی شان ہو جاتی [illegible]

غالب (دیوانِ اُردو) — آم

مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیا ہے — آم کے آگے نیشکر کیا ہے
صاحبِ شاخ و برگ و بار ہے آم — ناز پروردۂ بہار ہے آم
نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر — کہ دواخانۂ ازل میں مگر
آتشِ گل پہ قند کا ہے قوام — شیرہ کے تار کا ہے ریشہ نام
یا یہ ہوگا کہ فرطِ رافت سے — باغبانوں نے باغِ جنت سے
انگبیں کے بحکمِ ربّ الناس — بھر کے بھیجے ہیں سربمہر گلاس
یا لگا کر خضر نے شاخِ نبات — مدتوں تک دیا ہے آبِ حیات
تب ہوا ہے ثمر فشاں یہ نخل — ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نخل

رہ روِ راہِ خلد کا توشہ
طوبیٰ و سدرہ کا جگر گوشہ

خسرو (قران السعدین) — خربزہ

خربزہ گوئی کہ بصحرا و کِشت — گوئے ربود از ثمراتِ بہشت
گوئی سشکم بستہ بچوگانش رہ — گوئی یکی بینی و چوگانش دہ
سبز خطے در خطِ او موئے نہ — مشک دمے مشک بداں بوئے نہ
بر سرِ ہر میوہ کلہ در شدہ — بہر کلہ را ہمہ تن سر شدہ
از مزہ گِرد آمدہ در وے نبات — خام خضر، پختہ چو آبِ حیات
گرچہ از و چشم کساں درد کرد — روشنیٔ چشمِ من ست آں نہ درد
ساختہ در آب کمانش کمیں — چاشنی و آب کمانش ببیں

رنگ زہش سبز د کماں آبگوں
زہ بروں بستہ کماں از دروں

مفہوم اردو: کھیتوں اور میدانوں میں خربوزے پھیلے ہوئے ہیں، اس کی فنکارانہ تشریح ہے۔ پانی و دریا کے آس پاس اس کی کاشت ہوتی ہے اور یہ خود سارا کا سارا پانی ہی تو ہے مگر اوپر کچھ اندر سفید، یہ ہمہ تن سر ہے۔ اس کی خوش رنگی، اس کا مزہ، اس کی شکل، اس پر جو دھاریاں بنی ہوئی ہوتی ہیں وغیرہ خضر خام پھل ہے اور پختہ آبِ حیات ہے اور ثمراتِ بہشت سے کہیں اعلیٰ ہے۔

انیسؔ — حضرت عباس علمدار کی جنگ

نعرہ کیا تو بھول گئے شیر ہمہما — آگے بڑھے تو ڈر سے ہٹی نہر علقما
جولاں کیا، تو پھر نہ کسی جا فرس تھا — پھیرا گیا کہیں، کہیں چمکا، کہیں جما

بجلی سا دل میں فوجِ ستمگر کے جا پڑا
اک شیر تھا کہ قلب میں لشکر کے جا پڑا

ناگہ سروں پہ تیغ گری شہسوار کی — مارا چمک نے صاعقہ شعلہ بار کی
آتش بھڑک گئی غضبِ کردگار کی — جلنے لگیں صفیں، سپہ نابکار کی

ہر تن پہ عکسِ تیغِ دو دم ناگ بن گیا
زخموں میں ناریوں کے لہو آگ بن گیا

خسرو (تغلق نامہ) — مصافِ غازی ملک

کسے داند کہ ہولِ معرکہ چیست — کہ چندے درزناگیر و غازلیست
دلیرے کو صفِ مرداں بدید است — نہارش دیدہ در خوابِ آرمیدست
گوئے را زیبد اندر زیرِ توسن — کہ صفتِ تیغ داند باغِ سوسن
رود یکسر چو باد آں جا کہ یکسر — چو برگِ بید بارد تیغ و خنجر
نیندازد دگر آید ببر د با شیر — چو نیلوفر، سپر بر آبِ شمشیر
چو در ہیجا برخشد تیغ بے رنگ — پدید آید کہ ہوشنگ است یا تنگ
نہ شیراں را کند کس حملہ تعلیم — نہ روبہ را گریز و حیلہ تسلیم

نباشد ہم شجاع و ہم خردمند
بجز غازی ملک شیر عدو بند

مفہوم: میدانِ جنگ کا ہول کون جان سکتا ہے؟ معدودے چندی اس میں ٹھہرتے ہیں مگر وہ بہادر صفِ مرداں میں جسکی جگہ ہے اسے تو وہ آرام دہ خواب گاہ جیسے لگتا ہے۔ جوان کی زینت پشتِ فرس ہے اور صفِ تیغ اس کے لئے باغِ سوسن، ہوا کی طرح ادھر سے ادھر جاتا ہے اور تیغ و خنجر کو بید کے پتوں کی طرح حرکت دیتا ہے۔ اسکی آنکھ میں شیر کی سمائی نہیں، ڈھال اس کیلئے کنول کا پھول ہے۔ شیروں کو نہ کوئی حملہ کرنا سکھاتا ہے نہ لومڑی کو فرار و چالاکی، اور دونوں باتیں یعنی بہادری و چالاکی ساتھ میں جمع نہیں پائی گئیں سوائے غازی ملک شیر کے جو دشمن کو بند کر دینے والا ہے۔

نثریات

اعجازِ خسروی، رسالہ چہارم

فی البدایع من المعنویات

از۔ رقعات موجز:

رقعہ در شبِ قدر

سواد اعظم لیلۃ القدر، کہ بہ سبب نزول روح و ملک، بہ از ہزار سپہر است، بارگاہ پوشیدہ خویش، کہ آسمان و انجم را سجود فرماید، بر پیر ولایت خواجہ، قائم اللیل، صائم الدہر، بدر الملۃ، روشن گرداناد و روز حسّاد، از شبِ یلدا تاریک تر

بقدر ایں شب، سلامہائیکہ، از اول مغرب تا مطلع فجر، تمام شود ارسال افتاد۔ و مبارک باد سواد متبرک ایں شب، کہ نسخۂ لیلۃ مبارک برات تواں خواند، کردہ آمد

بیت:

بادات بہ نیک روزی و فیروزی　　زینگو نہ شب قدر، ہزارت روزی

ترجمہ:

بزرگ ترین شب قدر جو نزول ملک و روح کے سبب سے ہزار آسمانوں سے بہتر ہے۔ اپنی اس پوشیدہ بارگاہ سے جس کے آگے آسمان و ستارے جھکے ہوتے ہیں۔ وہ پُر ولایت خواجہ جو رات بھر نماز پڑھتے اور دن کو روزہ رکھتے ہیں اور ملت کے چاند ہیں، ان پر روشن ہوا اور ان کے حاسدوں کے لئے اندھیری رات سے زیادہ تاریک۔ وہ تمام سلامتی جو مغرب سے صبح تک اس رات میں ہوتی ہے حضرت خواجہ کو حاصل ہو اور اس متبرک رات کی بزرگی ان کو مبارک ہو جس مبارک رات کو برأت کی رات بھی کہہ سکتے ہیں وہ سچ مچ برات والی ثابت ہو۔

آپ کو کشایش و اچھے دن و فتحمندی ملے۔ شب قدر ہی طرح آپ کے ہزاروں دن روشن و بابرکت ہیں۔

رقعہ در عید فطر:

ہلال عید، کہ بنوک ناخن مہر، نامہائی روزہ کشادہ است، سرحرف نامہ عمر مخدومی باد! و مجلسِ خاص، چوں مجمع عیدگاہ، بہ جمعیت فرحت و نشاط آراستہ، و دشمناں تہی میاں، چوں طبل نہ گانۂ عید، کوفتہ بہ برکت دوگانہ عید

بندہ (فلاں) کہ جزو مدائح شیریں خداوندی را، چوں دستہ نان و حلوائے عید خانہ بخانہ میفرستد، و مانند گلاب دان عید، خدمتہائی پیاپی میکند و بطیب درونہ ہرچہ در دل دارد فرومی ریزد، آنچہ کہ سی روز است، تا آں دوست میمون طلعت ما پوشیدہ است و خود را از نظر ما مستور داشتہ، نماز شام منتظر رویت مبارک بودہ ایم، کہ بخت تیرۂ ما ابر حرماں شد، امروز، بعد از غروب، منتظر طلوع آں غرہ فرخندہ ایم، کہ اگر طلعت آں ماہ مبارک و فرخ در نظر آید ماہ دو روزہ عید، بر ما ماہ دو ہفتہ گردد، و در ماہتاب آں جمال، شراب شفق وام در طاس ہلال رویت افگنم۔

ترجمہ:

ہلال عید جس نے ناخن محبت کی نوک سے روزہ کے بند خط کو کھولا۔ جناب والا کے نامۂ عمر کا سرحرف ثابت ہو۔ اور عیدگاہ کے مجمع جیسی فرحت و نشاط کے ساتھ آراستہ ہو اور عید کے دوگانہ کی برکت سے چھچھورے دشمن طبلِ عید کی طرح پیٹے جائیں

میں حضور والا کی چند صفات کی شیریں مدح کو عید کے حلواؤ نان کی طرح گھر گھر بھیجتا ہوں اور عید کے گلاب دان کی طرح مسلسل خدمت کرتا ہوں اور جو کچھ میرے اندر ہوتا ہے، خوشی سے باہر بکھیر دیتا ہوں۔ اس میں یہ بھی کہ ۳۰ دن ہو گئے، کہ مجھ سے میرا خوش بخت دوست پوشیدہ ہے اور خود کو نظروں سے چھپائے ہے۔ نماز مغرب کے وقت آپ کے روئے مبارک کا منتظر تھا کہ میرا نصیب سیاہ محرومی کا بادل بن گیا۔ آج مغرب کے بعد اس چاند کے طلوع کا منتظر تھا کہ اگر اس چاند کے چہرہ مبارک و فرخناک دکھائی دے۔ تو یہ دوجے کا چاند میرے لئے پورنیا کا چاند بن جائے اور ایسے بدر کامل کی روشنی میں شفق جیسی سرخ شراب کو تمہارے چاند سے مکھڑے کی طشت میں انڈیلوں۔

خزائن الفتوح

(نسبت از کوہ و دشت و راہ و زمیں)

دور روز برائے تفحص منازل پیش، آہنگ دمامۂ کوچ را از آہنگ باز داشتند۔ چوں شمارۂ ماہِ رجب نیز، درگذشتن کوہ بی پایاں بگذشت، مصرع، "یعنی از ماہ رجب شش رفذ بیست" روز سہ شنبہ کہ ناف ہفتہ است، نافِ زمین از جنبش لشکر درجنبیدن آمد، وزمین، چوں شکم خفقہ زدگان، فرو بالا شدن گرفت، ہم خاک را اندام کوفتہ بود، وہم سنگہارا تکسری سخت روی نمود۔ لشکر منصور، درچناں مہلکہ، بصحت وسلامت می گذشت تا برین طریق، قریب شانزدہ روز بعد، راہ "تلنگ" رابدشواری ای کہ کسی را امکان آسانی نہ بود، می نوشتند، زمینی پراز سنگلاخ ہائ درخت، کہ ہندوان را، بارہا، درگذشتن آں دل افتادہ بود، آنچناں خرسنگہائ گراں، زیر پائ چہار پایانِ اسلام برطریقی غباری گشت، کہ چشم فلک خیرہ ماند۔

نظم:

رہی چو حیلۂ رای رکیک نشیب و فراز　　کرو ھاش، چو حرمن بخیل، دور و دراز

شعر:

لوکان یوصف غارھا وجبالہا　　خرّت سجوداً فیہ فکرۃ واصف

ان دنوں میں آگے کی منزلوں کا حال معلوم کرنے کے لئے کوچ کا نقارہ بجانے کی ممانعت کر دی گئی۔ جب رجب کا مہینہ بھی ان پہاڑوں کو طے کرنے میں بیت گیا۔ یعنی رجب کی چھبیس تاریخیں گزر چکیں تو ہفتہ کا درمیانی دن سہ شنبہ کو زمین کا سینہ لشکر کی ہلچل سے تھر تھرانے لگا اور زمین خفقانیوں کے پیٹ کی طرح تہ و بالا ہونے لگی۔ زمین کا تن بدن قیمہ ہو رہا تھا اور پتھر چور چور ہو رہے تھے۔ نصرت یافتہ لشکر ان خوفناک گھاٹیوں سے صحت و سلامتی سے گزرتا رہا اور تقریباً سولہ دن بعد بڑی دشواری سے راہ تلنگ ملی جس کا پانا آسانی سے کسی کے لئے ممکن نہ تھا۔ لکھتے ہیں کہ زمین سخت اور بڑی چٹانوں سے بھری ہوئی ایسی کہ وہاں کے باشندوں کا اس سے گزرنے میں کلیجہ منہ کو آجاتا تھا۔ اسلامی لشکر کے جانوران کے لئے وہ چٹانیں غبار کی طرح ہو گئی تھیں جسے دیکھ کر چشم فلک بھی خیرہ تھی۔

راستہ مثل چھچھورو ں کے حیلہ کے ناہموار تھا اور جیسے بخیل کی لالچ کا سلسلہ دور و دراز۔

اگر اس کے غار اور پہاڑوں کا وصف بیان کرنا پڑے تو بیان کرنے والے کی فکر و عقل سجدہ میں گر پڑے یعنی شکست کھا جائے۔

نسبت قصۂ سلیماں

چوں "نیلکنتہ" سرحد" دیوگیر" است، و اقطاع "رای رایان" رام دیو" درحال دستور آصف رای، بحکم فرمان، آں حدود را، از تاراج لشکر چوں مور وملخ محافظت فرمود، چنانچہ کسی را از در و دیوار آبادانی، وکشت وخرمن دہقانی برداشتن امکان نبود۔

نظم

آنچہ در خانۂ موری گنجید　　یا بکام ملخی طعمہ شود!

چونکہ نیلکنٹھ دیوگیر کی سرحد اور راجا رام دیو کی سلطنت میں ہے اسلئے ان حدود کی، فرمانِ شاہی کے مطابق آصف رائے نے حفاظت کی، یوں کہ کیڑے مکوڑے بھی پامال نہ ہوں۔ چنانچہ کسی کی مجال نہیں تھی کہ بستی کے در و دیوار اور کھیت کھلیان کو ہاتھ لگا سکے۔

چاہے وہ چیونٹی کے بل میں چھپا ہو یا ٹڈی کے منہ کا لقمہ بنا ہوا ہو۔

افضل الفوائد حصہ اوّل

بتاریخ ہفتم ماہ شوال روز پنجشنبہ

دولت پابوس حاصل شد، سخن در سماع و اہل سماع افتادہ بود۔ دریں میان

دربارِ خواجہ میں حاضری کا موقع ملا۔ بات سماع اور اہل سماع کی چل رہی تھی

…بیامد حکایت گفت کہ جماعتی اکنون در فلاں مقام از یاران مخدوم
…کردہ اند و مزامیر ہم درمیان است ۔

خواجہ، ذکراللہ بالخیر، ایں معنی شنیدہ فرمود، تابدیں حد کہ گفت دست
…نزنند، کہ آں بہ لہو می ماند ۔ پشت دست برکف دست نزنند، یعنی
…ع دستک چندیں احتیاط آمدہ است در منع مزامیر، بہ طریق او بود ۔
…زاں فرمود : اگر یکی از مقامی بیفتد، باری درشرع افتد، مبادا اگراز
…ع بیروں افتد، پس اورا چہ ماند ؟

بعدازاں فرمود کہ سماع مشایخ کبار شنیدہ اند و آنکہ اہل کار ایں
… وہ کسی کہ صاحب ذوق است، و درد دردی است، بیک بیت از
…ندہ کہ شنود، اورا رقتی پیدا شود، اگرچہ درمیان مزمار باشد یا نباشد
آنکہ از عالم ذوق خبر ندارد، اگر پیش او گویندگان باشند از ہر جنس
…ار باشد، چہ شود، چوں او اہل درد نیست ۔ پس معلوم شد کہ ایں
…تعلق بدرد دارد نہ بمزمار ۔

بعدازاں فرمود کہ مردم را، ہمہ وقت، حضور کجا میسّر است ۔ اگر در
…زی، وقتی خوش دریافتہ شود، ہمہ اوقات تفرقہ او را در اتباع آں
…ز باشد ۔ اگر در جمعی صاحب ذوق و صاحب دردی باشد، جملہ اشخاص
…ر پناہ آں شخص باشند ۔

بعدازاں فرمود کہ درایّام ماضیہ، قاضی ای بود، در "اجودھن" و ایماً
خدمت شیخ الاسلام، فریدالحق، منازعت نمودی، تا وقتی کہ از غایت
…خصومت، در "ملتان" رفت با صدور ائمہ گفت، کجا روا باشد کہ یکی
…ر مسجد بنشیند، انجا سماع فرماید، و گاہ گاہ برقص ساند؟ ایشاں
…گفتند : ایں واقعہ، کیست کہ میکند؟ گفت شیخ فرید ۔ گفتند : ما
…او ہیچ نتوانیم گفت ۔

آں گاہ فرمود کہ تحمیل و تاویل ایں معنی، کہ فردای قیامت، یکی را
فرمان شود، کہ تو در دنیا سماع شنیدہ ای؟ گوید شنیدہ ام ۔ فرمان رسد کہ
ہر بیتے کہ می شنیدی، آں را بر اوصاف ما حمل میکردی؟ گوید آری! فرمان
…رسد کہ اوصاف ما حادث و ما قدیم؟ حادث بہ قدیم چگونہ روا باشد؟
…گوید خداوندا از غایت محبت می گفتم ۔ فرمان رسد کہ چوں از محبت میگفتی
…ما بتو رحمت کردم ۔

بعدازاں خواجہ ذکراللہ بالخیر فرمود : کسی را کہ مستغرق محبت اوست
ایں عنایت است، دیگر آنرا چہ خواہند گرفت ۔

[illegible]
کے مریدوں کی ایک جماعت اکٹھا ہے اور ان لوگوں کے پاس مزامیر (بانسری،
بین) بھی ہیں ۔

جناب خواجہ (خدا انھیں بھلی طرح یاد رکھے) یہ بات سن کر بولے کہ اس
حد تک حکم ہے کہ تالی مارنے سے پرہیز کرو کیونکہ وہ لہو ہوجاتا ہے ۔ ہاتھ پر
ہاتھ نہ مارو، مطلب یہ ہے کہ دستک کی ممانعت میں اسقدر احتیاط آئی ہے تو
مزامیر کی ممانعت کو اسی پر قیاس کر لو ۔ اسکے بعد فرمایا کہ اگر کوئی پھسل جائے غنیمت ہے
کہ شرع کے احاطہ کے اندر ہی گرے لیکن اگر کبھی ایسا ہوا کہ شرع کے باہر گرا تو پھر
اس کے لئے راہِ چارہ کہاں ؟

پھر فرمایا کہ مشائخ کبار سماع سنتے رہے اور جو اس کا اہل صاحب ذوق ہے اور اس
کے اندر درد کا مادہ ہے تو قوال کی ایک بیت سن کر اسمیں رقت و نرمی پیدا ہوجاتی
ہے عام اس سے کہ مزمار ہو یا نہو ۔ لیکن جو عالم ذوق و وجدان سے بے بہرہ ہیں،
ان کے سامنے مزامیر مع اپنی جملہ اقسام کے ہوں تو بھی کچھ نہیں کیونکہ وہ اہل درد نہیں
ہیں ۔ پس معلوم ہوا کہ اس کا تعلق درد سے ہے نہ کہ مزمار سے ۔

اسکے بعد فرمایا کہ آدمی کو ہمہ وقت "حضور" کہاں میسر ہے ۔ اگر دن میں کسی
وقت یہ نعمت مل گئی تو بھی ہر وقت پراگندگی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی ۔ اگر کسی
جماعت میں کوئی صاحبِ ذوق و درد ہو تو تمام دوسرے افراد اس کی پناہ میں ہوتے ہیں

پھر خود ہی ایک پرانی بات چھیڑی کہ اجودھن میں ایک قاضی ہوا کرتا تھا
جو کہ ہمیشہ شیخ الاسلام فریدالحق سے تکرار و نزاع جاری رکھتا تھا ۔ یہاں تک کہ
اس قاضی کے عناد و دشمنی سے آپ اجودھن سے ہجرت کرکے ملتان چلے گئے ۔
ہاں تو وہ قاضی بڑے بڑے ائمہ کے درمیان بولا کہ یہ کیونکر جائز ہوسکتا ہے کہ
ایک شخص مسجد میں بیٹھ کر سماع کا انعقاد کرے اور کبھی کبھی حرکت و گردش
کرے ۔ سب نے کہا کون ہے بھئی وہ ۔ قاضی نے کہا شیخ فرید ۔ ائمہ نے جواب دیا
ہم ان کے بارے میں زبان نہیں کھول سکتے ۔

پھر آپ نے اس کے معنی بیان کرنا شروع کئے کہ بروز قیامت جب ایک آدمی
سے پوچھا جائیگا کہ تو نے دنیا میں سماع سنا؟ وہ کہے گا ہاں سُنا ہے ۔ فرمانِ الٰہی
ہوگا کہ جو شعر تو سنتا تھا اس کو میرے اوصاف پر حمل کرتا تھا ۔ جب وہ شخص
ہاں کہے گا تو حکم ہوگا کہ میری صفات حادث ہیں کہ قدیم؟ اور حادث کو قدیم بنانا
کیسے جائز ہوا؟ وہ کہے گا خدایا بے انتہا محبت کی وجہ سے میں ایسا کہا کرتا تھا
تو فرمان پہنچے گا کہ جب تو محبت کے باعث ایسا کہتا تھا تو ہم نے تیرے اوپر رحم کردیا ۔

اس کے بعد خواجہ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کی محبت میں غرق ہونا چاہتا ہے
اس کے لئے یہی بس ہے ۔ اسے دوسرے کیا پکڑیں گے ۔

خسرو کے نشتر

ابر باراں و من و یار ستادہ بوداع — من جدا گریہ کناں، ابر جدا، یار جدا

بادل برس رہا ہے اور وداع کے لئے ہم دونوں کھڑے ہیں۔ حال یہ ہے کہ بادل بھی گریاں ہے، میں بھی اور میرا محبوب بھی۔

دلم در عاشقی آوارہ شد آوارہ تر بادا — تنم از بے دلی بے چارہ شد بیچارہ تر بادا

میرا دل جو عشق میں سودائی ہوگیا ہے خدا کرے اسمیں اور ترقی ہو۔ اسی طرح میرا جسم جو بیجان ہوگیا ہے اور مردار ہو جائے۔

گر اے زاہد دعائے خیر می گوئی مرا ایں گو — کہ آں آوارۂ کوئے بتاں آوارہ تر بادا

اے زاہد اگر تو میرے لئے دعائے خیر کرنا چاہتا ہے تو بس یہ دعا کر کہ یہ مرد جو آوارۂ کوئے بتاں ہے اس کی آوارگی اور بڑھے۔

خسرو بیک نظارۂ رویش ز دست رفت — ویں دیدہ را ہنوز تمنائی دیگر است

افسوس ہے کہ خسرو کا ایک ہی نظارۂ رخ میں کام تمام ہوگیا۔ اگرچہ آنکھوں کو اب بھی مزید دیدار کی آرزو ہے۔

آں سروراں کہ تاج سر خلق بودہ اند — اکنوں نظارہ کن کہ ہمہ خاکِ پا شدند

جو لوگ اتنے بلند تھے کہ مخلوق کے سر کے تاج بنے ہوئے تھے، آج دیکھو وہ سب کے سب پیر کی دھول بن چکے ہیں۔

تن پیر گشت و آرزوئے دل جواں ہنوز — دل خوں شد و حدیثِ بتاں بر زباں ہنوز

میرا جسم تو کمہلا گیا اور عمر زیادہ ہوگئی مگر دل کی تمنائیں جوان ہیں اور دل خون ہو چکا ہے۔ مگر زبان پر وہی حکایت خوباں ہے۔

بیدار اند شب ہمہ خلق از نفیرِ من — واں چشمِ نیم مست بہ خوابِ گراں ہنوز

مری فریاد شب سے تمام خلق کی نیند اچاٹ ہوگئی مگر وہ نیم مست آنکھوں والا اب بھی گہری نیند میں ہے۔

ہر دو عالم قیمتِ خود گفتۂ — نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

تو نے اپنی قیمت دونوں عالم بتائی ہے تو یہ تو بہت سستا سودا ہے۔ کچھ بھاؤ اور زیادہ کر۔

جاں ز بندِ کالبد آزاد گشت — دل بگیسوئے تو زندانی ہنوز

یہ خوب ہے کہ سوزِ محبت سے میری جاں تو جسم سے آزاد ہوگئی مگر دل اب بھی تیرے گیسوؤں کا قیدی ہے۔

تا بر رخِ زیبائے تو افتادہ زاہد را نظر — تسبیح زہدش یکطرف، ماندہ مصلّا یکطرف

جب تیرے رخِ زیبا پر زاہد کی نظر پڑی تو زہد کی تسبیح ایک کنارے گر گئی اور مصلّا دوسری طرف دھرا رہ گیا۔

در چار حدِ کوئی خود افتادہ بینی بندہ را — تن یکطرف، جاں یکطرف، سر یکطرف، پا یکطرف

تم میرے مرنے کے بعد بھی اپنی گلی کے چاروں طرف مجھے پاؤ گے۔ ایک طرف جسم ہوگا تو دوسری جانب جان اور پھر سر اور پیر باقی سمتوں میں ہوگا۔

جاں خسرو دل خستہ را خوں ریختہ فرمودہ است — خلقی بمنت یکطرف آں شوخ تنہا یک طرف

محبوب نے خسرو کا خون بہانے کا اعلان کر دیا ہے۔ تمام عالم کی سفارش ایک طرف ہے اور وہ شوخ تنہا ایک طرف۔

یادش دہی اے باد گہی نام گدائے — تا دولتِ دشنام برآید ز زبانش

اے ہوا کبھی محبوب کو اِس گدا کا نام یاد دلا دینا تاکہ اس کی زبان سے گالی کا خزانہ ابل پڑے۔

عمرم بآخر آمد و روزم بہ شب رسید — مستی و بت پرستی من ہم چناں ہنوز

میری عمر آخر ہوئی؛ مرا دن رات میں بدل چکا ہے مگر میری مستی و بت پرستی اب بھی پہلے جیسی ہے۔

بیامد پیش ازیں یکبار دل تسلیم او کردم — کنوں تسلیم شو اے جاں کہ باز آں نازنیں آمد

پہلی بار جب وہ آیا تھا تو اسے دل کا نذرانہ دیا تھا، اب پھر وہ آرہا ہے تو اے جان تیرا نذرانہ اسے دینا ہے۔

یاراں کہ بودہ اند ندانم کجا شدند — یارب چہ روز بود کہ از ما جدا شدند

معلوم نہیں میرے پرانے یار دوست کیا ہوگئے۔ خدایا کون سا منحوس دن تھا جب وہ مجھ سے جدا ہوئے تھے کہ اب تک لاپتہ ہیں۔

خبری دہ من اے باد کہ جاناں چوں است — آں گل تازہ و آں غنچۂ خنداں چوں است

اے ہوا! مجھے میرے معشوق کا حال سنا۔ میرا وہ گل تازہ اور غنچۂ خنداں کس عالم میں ہے۔

دیوانہ گشت خلق کہ از سحر چشم او — ہردم بشہر فتنہ و غوغائی دیگر است

اس کے سحر چشم نے خلق خدا کو پاگل سا کردیا ہے اس لئے شہر میں اب آئے دن فتنہ و غوغا مچا رہتا ہے۔

بر دیگراں نوشت بسی نامۂ وفا — برحاشیہ سلام ہم از من دریغ داشت

معشوق نے دوسروں کو اکثر وفا کے خط لکھے مگر مجھے خط کے کنارے پر بھی سلام لکھنے سے گریز کیا۔

ہر کس را خور و خواب و من بیچارہ مخواب — اے خوش آں وقت کہ خوابی و خوری بود مرا

سارا عالم سو رہا ہے اور میں تارے گن رہا ہوں۔ ہائے کیا وقت تھا وہ کہ جب مجھے بھی میٹھی نیند ملتی تھی۔

دل من پارہ گشت از غم نہ زانگونہ کہ برگردد — اگر جاناں بدیں شاد است یارب پارہ تر بادا

غم سے میرا دل اس طرح پارہ پارہ ہوا ہے کہ پھر اپنی پرانی حالت پر پلٹ نہیں سکتا۔ لیکن اگر محبوب کی خوشی اسی میں ہے تو خدایا یہ دل اور زیادہ پارہ پارہ ہوجائے۔

چہ پوشی پردہ بر روئی کہ آں پنہاں نمی ماند — وگر بے پردہ می داری تنی را جاں نمی ماند

نقاب سے تیرا چہرہ چھپنے والا نہیں اور اگر تو بے پردہ ہوجائے گا تو کسی جسم میں جان نہ رہ جائے گی۔

یک قدم بر جاں خود نہ یک قدم در کوئے دوست — زیں نکوتر رہرواں عشق را رفتار نیست

عشق کے راہرو کے لئے اس سے بہتر رفتار نہیں کہ وہ ایک پیر کوئے جاناں میں رکھے اور دوسرا اپنی جان پر۔

عقل دردسر است ایں معنی — عارفاں عاشق جنوں باشند

عارف کے لئے عقل دردسر ہے کیونکہ وہ جنوں کا عاشق ہوتا ہے۔

خسرو اگر عاشقی سر بمیاں آر ازانکہ — ہر کہ دریں راہ رفت سر بسلامت نہ برد

اے خسرو اگر تم عاشق ہو تو سر دے دو کیونکہ اس راہ میں کسی کا سر سلامت نہیں رہا ہے۔

ما و عشق یار اگر در قبلہ گر در بتکدہ — عاشقان دوست را با کفر و ایماں کار نیست

قبلہ ہو یا بتکدہ ہر جگہ یار کا عشق میرے ساتھ رہتا ہے۔ دوست کے عاشقوں کو کفر و ایماں سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔

عاشقم کہ گر آواز دہی جان مرا — دوست از سینہ ام آواز بر آرد کہ منم

میں ایسا عاشق صادق ہوں کہ اگر تم میری جان کو آواز دوگے تو جواب میں میرے سینے سے دوست بولے گا ہاں میں ہوں۔

ہستی من رفت و خیالش بماند — ایں کہ تو بینی نہ منم بلکہ اوست

میری ہستی مٹ گئی اور اس (دیار) کا خیال رہ گیا یہ جو تم دیکھ رہے ہو وہ میں نہیں ہوں بلکہ وہ (یار) ہے۔

ہردم کہ بخوش دلی برآید — سرمایۂ حاصل جوانی است

جو سانس بھی خوش دلی میں گذر جائے وہی جوانی کا حاصل کیا ہوا سرمایہ ہے۔

رہ نہ برد سوئے خموشاں کسے — زخم خورد مرد سخن گو بسی

جو چپ ہے اس کا رخ کوئی نہیں کرتا بلکہ زیادہ تر زخم مرد سخن گو کو کھانے پڑتے ہیں۔

مسلماناں گرفتارم بدست نامسلمانی — ازیں دیوانہ بدمستی و بدخوئی و نادانی

مسلمانو! میں ایک نامسلمان کے ہاتھ میں گرفتار ہوں۔ جو دیوانہ و بدمست و بدخو اور ناداں ہے۔

کج کلہا ستمگرا تنگ قبائی کیستی — لابہ گر او دلبرا عشوہ نمائی کیستی

اے کج کلاہ، ستمگر، تنگ قبا، فریبی، دلبر، ناز و انداز نما، تو کس حال میں ہے؟

اے چہرہ زیبائی تو رشکِ بتانِ آذری ہر چند وصفت می‌کنم در حسن ازاں بالا تری

اے میرے محبوب تیرا مکھڑا بتانِ آذری کے لئے رشک کا باعث ہے۔ میں تیرے حسن کا جتنا بھی بکھان کروں تو اس سے برتر ہے۔

آفاق را گردیدہ ام مہرِ بتاں ورزیدہ ام بسیار خوباں دیدہ ام اما تو چیزے دیگری

میں دنیا کے چاروں کھونٹ گھوما اور بتوں کی محبت کا تجربہ کیا۔ بہت سے حسینوں کو دیکھا مگر تو کچھ اور ہی شے ہے۔

خسرو غریب است و گدا افتادہ در شہرِ شما باشد کہ از بہرِ خدا، سوئے غریباں بنگری

تیرے شہر میں آن پڑا ہوا خسرو پردیسی اور فقیر ہے۔ تجھے چاہیے کہ برائے خدا مسافروں کی طرف نظر کرے۔

ای خوش آں شب کہ بیادِ رُخِ تو می خفتم ۔ در دلم بودی و در خواب ہماں می دیدم

کیا ہی اچھی رات تھی جب میں تیرے رخ کی یاد میں سویا تھا تو میرے دل میں تو تھا ہی، خواب میں بھی تجھے ہی دیکھا۔

بدیدۂ کہ ترا دیدہ ام نمی یارم کہ آں نظر ز تو بر روئے دیگری آرم

جن آنکھوں سے تیرا جلوہ دیکھا مجھ میں یارا نہیں کہ اس کو دوسرے چہرے پر ڈالوں۔

حکیم گفت شناسم بہ عقل یزداں را زہی کمالِ حماقت و ایں چہ گفتار است

حکیم کہتا ہے کہ میں خدا کو عقل سے پہچانتا ہوں۔ اس کمال حقیقت کے کیا کہنے! یہ بھی کوئی بات ہوئی!

یک مردہ اگر عیسیٰ کردی بدعا زندہ صد مردہ کنی زندہ ای شوخ بہ دشنامی

حضرت عیسیٰ اگر دعا سے ایک مردہ زندہ کرتے تھے تو تو (معشوق) ایک گالی سے سَو مردے زندہ کر دیتا ہے۔

کجا بودی اے اخترِ نیک فال کہ مہ رفتی و آفتاب آمدی

اے شبھ شگن کے تارے (محبوب) چاند جا چکا۔ سورج آگیا، تو اب تک (ولت) کہاں تھا؟

دعائے بد نخواہم کرد لیکن ایں قدر گویم کہ یارب مبتلا گردی چو من روزی بہجرانی

بد دعا نہیں کرتا۔ فقط اتنا کہتا ہوں کہ خدایا وہ بھی میری طرح ایک دن ہجر میں مبتلا ہو۔

با چشمِ آہوانہ کہ شیراں کند شکار ای آہوئے رمیدہ شکارِ کہ بودۂ

اپنی آہو چشمی سے شیروں کو شکار کرنے والے آہوئے رمیدہ! تو خود کس کا شکار ہے؟

آں کیست کہ می آید صد لشکرِ دل با او درویشِ جمالش ما، سلطانِ دلِ ما او

دلوں کے سو لشکر کے ساتھ یہ کون آرہا ہے؟ ہم تو اس کے جمال کے بھکاری ہیں اور وہ ہمارے دلوں کا راجا۔

ہستم بخیالِ خود من با او و او با من یارب چہ خیالست ایں اینجا من و آنجا او

میں بخیالِ خود اس کے ساتھ تھا اور وہ میرے ساتھ۔ خدایا یہ کیسا خیال تھا وہ کہیں ہے اور میں یہاں ہوں۔

چوں باز نیامد زبُت و بتکدہ خسرو اصلاحِ مزاجِ سگِ دیوانہ چہ کوشم

خسرو بت و بتخانہ سے باز نہیں آسکتا۔ وہ سگِ دیوانہ ہے۔ اس کی اصلاحِ مزاج نہیں ہو سکتی۔

بودہ است ز ہوش و دلم اندیشہ تیمار الْمِنّۃُ لِلّٰہ کہ نہ دل ماند نہ ہوشم

ہوش و دل کی موجودگی میں بیماری، پھر تیمار داری کا اندیشہ رہتا ہے۔ معبود کا احسان کہ اب نہ دل ہے نہ ہوش۔

در کعبہ و بُت خانہ ہر جا کہ بود خسرو دل با درِ تو بدخو دیوار ہماں در دل

خسرو چاہے کعبہ میں ہو یا بتخانہ میں، ہر جگہ اس کا دل تیرے در پر لگا رہتا ہے، اور تیری دیوار دل میں بسی رہتی ہے۔

دانا لب تو اگر بہ بوسد فتوئ نہ دہد کہ مے حرام است

سمجھدار شخص اگر تیرے لب کو چوم لے تو اس میں اتنی مستی ہو گی کہ وہ شراب کے حرام ہونے کا فتویٰ نہ دے گا۔

یک موئے ترا ہزار دام است یک روئے ترا ہزار نام است

اے محبوب تیرے ایک بال کا دام ہزار اور تیرے ایک چہرے کا نام ہزار ہے۔

آفتِ دینِ مسلمانی جز آں عیار نیست   تشنۂ خونِ مسلماناں جز آں خونخوار نیست

سوائے اس فریبی کے دین اسلام کی آفت اور نہیں اور بجز اس قاتل کے مسلمانوں کے خون کا پیاسا کوئی نہیں۔

بیا بیا کہ مرا طاقتِ جدائی نیست   رہا مکن کہ دلم را زِ غم رہائی نیست

آجا کہ مجھے جدائی کی برداشت نہیں۔ میرے دل کو آزاد نہ کر کیونکہ اسے غم سے رہائی کہاں۔

بیا و بندِ قبا باز کُن دمے بہ نشیں   کہ عشق بر دلِ من چوں قبائے تو تنگ است

آؤ بندِ قبا کھول کے دم بھر بیٹھ جاؤ کیونکہ جیسے تمہارے بدن پر قبا تنگ ہے ویسے ہی میرے دل پر عشق چست ہے۔

رُخِ تو نورِ دیدۂ قمر است   لبِ تو سُرخ روئی شکر است

تیرا مکھڑا چاند کی آنکھ کی روشنی ہے اور تیرے لب سے شکر کو سرخروئی حاصل ہے۔

آمد بہارِ مشک دم، سنبل دمید و لالہ ہم   سبزہ بصحرا از قدم سروِ روانِ من کجا

بہارِ مشک بو آگئی، سنبل ولالہ اُگ آئے، صحرا میں قدم قدم پر سبزہ ہے مگر میرا سروِ رواں کہاں ہے؟

گویند ترکِ غم بگو تدبیرِ سامانی بجو   درماندہ را تدبیر کو، دیوانہ را ساماں کجا

کہا جاتا ہے کہ ترکِ غم کر کے تدبیرِ زندگی کرو۔ ناچار کی تدبیر کیا اور دیوانے کو سرو سامانِ زندگی سے تعلق؟

ای ترکِ کماں ابرو، من کشتۂ ابروئیت   ملکِ ہمہ ہندوچیں نہ دہم بہ یکی موئیت

اے کماں ابرو ترک میں تیری ابرو کا مارا ہوں اور اگر پورا ملک ہند وچین دے کر کوئی تیرا ایک بال مانگے تو میں نہ دوں گا۔

ز عارض طرّہ بالا کن کہ کارِ خلق درہم شد   علم برکش کہ بر خوبانت سلطانی مسلّم شد

گالوں تک آئی ہوئی لٹ کو اوپر کر کہ دنیا الٹ گئی ہے۔ یعنی اس جھنڈے کو اوپر کر کہ حسینوں پر تیرا راج مسلّم ہو گیا۔

بہ کوئی عاشقی از عافیت نشاں نہ دہند   ہر آں کسی کہ باو ایں دہند آں نہ دہند

کوچۂ عاشقی میں آرام وعافیت نہیں ملتی۔ یا تو یہی ملتا ہے یا وہ۔ دونوں باتیں ایک جگہ جمع نہیں ہوتیں۔

ہمی خواہم ترا بینم نظر سوئے کہ من دارم   بخوباں دیدنم خو شد عجب خوی کہ من دارم

میں چاہتا ہوں کہ جدھر نظر اٹھاؤں تیرا ہی جلوہ دیکھوں۔ اس طرح حسینوں کو دیکھنے کی عادت ہو گئی ہے۔ کیا عجیب عادت ہے۔

نفسی کہ با نگاری گذرد بہ شادمانی   مفروش لذّتش را چہ حیاتِ جاودانی

جو لمحہ معشوق کے ساتھ خوشی سے گذر رہا ہے اس کی لذّت کو حیاتِ جاودانی کے عوض بھی نہ بیچو۔

از نردبانِ زلفِ تو ہر دم بہ آفتاب   آساں رسد ولیک شبے درمیاں کند

تیری زلفوں کی سیڑھی لگا کر ہر وقت آفتاب تک پہنچنا آسان ہے مگر بیچ میں رات (سیاہی) حائل ہو جاتی ہے۔

دلم بہ برد گرفتم کہ دزدِ دل بہ نما   بہ ناز خندۂ دزدیدہ کرد و خال نمود

جب میرا دل اڑا لیا گیا میں نے اس سے کہا کہ مجھے چور بتاؤ تو وہ ناز سے چوری چوری مسکرایا اور تِل دکھا دیا۔

شبِ ہجراں دراز ست ارچہ خسرو   مشو غمگیں کہ امیدِ سحر است

خسرو اگرچہ ہجر کی شب لمبی ہے مگر غمگیں نہ ہو کیونکہ سحر کی امید ہے۔

نے گلم، نے بلبلم، نے شمع نے پروانہ ام   عاشقِ حسنِ خودم بر حسنِ خود دیوانہ ام

نہ میں گل ہوں نہ بلبل، نہ شمع نہ پروانہ، میں اپنے حسن کا عاشق ہوں اور اسی کا دیوانہ ہوں۔

زبانِ شوخِ من ترکی و من ترکی نمی دانم   چہ خوش باشد کہ می بودی زبانش در دہانِ من

میرے شوخ یار کی زبان ترکی ہے اور میں ترکی نہیں جانتا کیا اچھا ہوتا کہ اس کی زبان میرے دہن میں ہوتی۔

کافرِ عشقم مسلمانی مرا درکار نیست   ہر رگِ من تار گشتہ حاجتِ زنّار نیست

میں عشق کا کافر ہوں مجھے مسلمانی کی حاجت نہیں۔ میری ہر رگ تار بن گئی ہے۔ مجھکو زنّار کی ضرورت نہیں

"نے گُلم، نے بُلبلم، نے شمع نے پروانہ ام
عاشقِ حسنِ خودم برحسنِ خود دیوانہ ام"

شبیہہ حضرت امیر خسروؒ

تصوف اور سماع

تصوّف : ابتداء و ارتقاء

تصوّف کی پوری تاریخ چار ادوار میں منقسم ہے ۔ ادائلی یعنی اسلام کی پہلی صدی والا دور جس میں تصوف کا حاصل اور دین کا باطن احسان تھا ۔ دوسرا دور حضرت جنید بغدادیؒ سے شروع ہوتا ہے جس میں تعلق باللہ کی نسبت حاصل کرنے پر زور دیا جاتا تھا۔ تیسرا دور شیخ ابوسعید بن ابی الخیر اور شیخ ابوالحسن خرقانی کا ہے جس میں صوفیائے اعمال اور احوال سے گذر کر " جذب " تک رسائی حاصل کی تھی - چوتھا اور آخری دور ابن العربی کا دور ہے جس میں حقائق تصوّف کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے مثلاً واجب الوجود سے اس کائنات کا صدور کس طرح ہوا وغیرہ۔

مقصودِ تصوّف تو تزکیۂ نفس ہے جس کی تکمیل کا نام احسان ہے جو سلوک کا سب سے ارفع و اعلیٰ مقام ہے ۔ اس کا تعلق روحِ عبادات سے ہے نہ کہ اس کے قوالب سے اور طاعات کی روشنی سے ہے نہ کہ ان کی تصاویر سے۔ تصوّف کی ابتدا ، گو قرنِ اوّل ہی سے ہو چکی تھی مگر امام غزالی کے زمانہ تک اس کی جو حالت تھی وہ تفصیل ذیل سے نمایاں اور ظاہر ہے :

امام قشیری فرماتے ہیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تک صحابۂ کرام کے علاوہ اور کوئی لقب ایجاد نہیں ہوا تھا ۔ اس کے بعد تابعین اور پھر تبع تابعین کا سلسلہ چلا ۔ اس کے بعد بزرگانِ دین کو عابد و زاہد کے ساتھ موسوم کیا جانے لگا مگر اس چیز کا دعویٰ ہر ایک فرقہ اور جماعت کو تھا اس لئے اہلِ سنّت والجماعت میں خاص حضرات کو صوفی کے لقب سے یاد کیا جانے لگا ۔

صوفی کا لقب سب سے پہلے ابو ہاشم صوفی کو ملا جنھوں نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی ۔ تعریف کی حقیقت بیان کرتے ہوئے حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں : صوفی وہ لوگ ہیں جنھوں نے سب کچھ چھوڑ کر خدا کا دامن سنبھال لیا ہے ۔

اور جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ جس کا جینا مرنا محض خدا کے لئے ہو ، وہ صوفی ہے ۔ غرض ہر ایک بزرگ نے اپنے مذاق کے مطابق تصوّف کے مقامات میں سے کسی خاص مقام کی تعریف بیان کر دی ۔ بعض نے زہد ، فقر ، تصوّف تینوں کا خلط کر دیا ہے مگر حقیقتاً تصوّف ابتداء میں صرف زہد و عبادت تھا ۔ جس قدر زہد بڑھتا گیا اوصافِ روحانی اس میں پیدا ہوتے گئے ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تصوف رفتہ رفتہ بہت سی چیزوں کا مجموعہ بن گیا ۔

امام غزالی سے پہلے تصوّف میں سب سے زیادہ جامع رسالہ امام قشیری کا تھا ۔

لفظ صوفی کے اشتقاق کے متعلق یہ احتمال زیادہ قوی ہو سکتا تھا کہ لفظ صوف سے مشتق ہو جس کے معنی پشمینہ کے ہیں ، لیکن پشمینہ پوش ہونا اس جماعت کی کوئی خصوصیت نہیں ہے ۔

(ماخوذ)

تصوّف اور اس کے مختلف مدارج

دین کے باطنی امور سے متعلق ہونے کا نام تصوف ہے اور اس کا مطمعِ نظر عبادت اور اطاعت کے اثرات سے حاصل شدہ روشنی کی تحصیل ہے ۔ اس کی معراج مقامِ احسان کو پا لینا ہے اور یہ دین کی باطنی حیثیت کا نچوڑ ہے ۔ دورِ حاضر کی اصطلاح میں معرفت اور طریقت کا دوسرا نام احسان ہی ہے ۔ اس کی اساسی روح آنحضرتؐ کے زمانے میں بھی موجود تھی لیکن مختلف شکل میں اور اس نام سے موسوم نہیں ہوئی تھی ۔ حیاتِ انسانی میں تصوف کو جو اہم مقام حاصل ہے ، اس کے علاوہ ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے

ذریعے آخرت میں ایمان پختہ ہوتا ہے۔ اس طرح تصوّف اجزائے اسلامی کا ایک اٹوٹ حصّہ ہے۔ ایک صوفی کی زندگی ایسے حقائق سے دوچار ہوتی ہے جس کے ادراک سے فلسفی اور عالم عاجز رہتا ہے، یا تو مدتوں بعد اس میں غور وخوض کرنے پر اسے حاصل کر پاتا ہے۔ بیعت کے مسنون ہونے کی دلیل بعض احادیث میں پائی جاتی ہے۔ خرقہ کی رسم حضرتِ جنید بغدادی کے زمانے میں جاری ہوئی۔ تب سے یہ رسم صوفیا میں چلی آتی ہے۔ اس کا ثبوت بھی آنحضرت کے ایک عمل سے ملتا ہے۔ انھوں نے اپنے ایک صحابی کو جنگ میں بھیجتے وقت اس کے سر پر صافہ باندھا تھا۔

اس دولت (تصوّف) کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ طالب پہلے اپنی طبیعی اور خارجی پریشانیوں سے نجات حاصل کرے۔ اپنے ایمان کو پختہ کرے۔ پھر اپنے خالق کی یاد اور ذکر کی جانب پورے شعور اور احساس کے ساتھ متوجہ ہو۔ اس کے احکام کے سامنے سر جھکا دے۔ ذاتِ باری کو سب سے عزیز اور محترم رکھے۔ اس کے آیات اور نشانیوں پر غور وفکر کی عادت ڈالے۔ اپنے اعضاء کو پُرسکون اور خیالات کو پاک رکھے۔ اس طرح ریاضت پر کچھ مدت گذر جائے گی تو اس کا قلب اس کی تجلّی کو دیکھنے لگے گا۔ اسے خالق کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا اور خود کو اس کی ذات سے ہم آغوش پائے گا۔

پس انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے ظاہر و باطن کو یادِ الٰہی سے ہمیشہ معمور رکھے تاکہ اس کا ہر عضو اس یاد، ذکر اور عبودیت سے اپنا حصہ حاصل کر سکے۔

"مقام" وہ صفتِ محمود ہے جسے ایک صوفی کو راہِ خدا میں سفر (سلوک) طے کر کے حاصل کرنا چاہیئے تاکہ اس کا سفر ایک حسین منزل پر آ کر ختم ہو۔ یہ وہ مقام ہے جو لوگوں کو مختلف طرح سے حاصل ہوتا ہے۔ "حال" دراصل "مقام" کے ثمرہ کا نام ہے۔ یہ مقام کی اس خاص صورت کا نام ہے جو ایک خاص شخص میں ایک مخصوص وقت پر اس کی مخصوص استعداد کے مطابق ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ مقام کو "مکتسب" اور حال کو "موھبت" کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ سمجھ لیا جائے کہ خواہشاتِ نفسانی کو ترک کرنا ایک "مقام" ہے اور اس کا حاصل، مآل یا ثمرہ وہ "نورانیت" یا وہ "کیفِ لطیف" ہے جو انجام کار روح کو حاصل ہوتی ہے (گویا یہ ثمرہ "حال" ہوا) اس حقیقت کا انکشاف ضروری ہے کہ "حال" بذاتِ خود ایک وقتی کیفیت ہے جسے دوام حاصل نہیں۔

(ماخوذ از تعلیمات شاہ ولی اللہ)

سَماع : حکمِ حِلّت و حُرمت اور آداب

جاننا چاہیئے کہ آدمی کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ایک راز ہے جیسے آگ لوہے اور پتھر میں۔ جیسے کہ لوہا پتھر پر مارنے سے آگ ظاہر ہوتی ہے اور صحرا میں لگ جاتی ہے۔ اسی طرح خوش نما اور موزوں آواز کا سننا آدمی کے دل میں جنبش پیدا کر دیتا ہے اور بے اختیار اس میں ایک چیز پیدا ہو جاتی ہے۔ خوش و موزوں آواز بھی اس عالم کے عجائبات سے مشابہت رکھتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ دل میں آگاہی پیدا ہوتی ہے اور حرکت و شوق کو ظاہر کرتی ہے۔ ممکن ہے کہ آدمی خود نہ جانے کہ وہ کیا ہے اور یہ بات ایسے دل میں پیدا ہوتی ہے جو سادہ ہو اور عشق و شوق جو اس راہ کی رہنمائی کرتا ہے اس سے خالی ہو۔ اور اگر وہ خالی نہ ہو اور کسی شے سے مشغول ہو اور جس چیز کے ساتھ مشغول ہو وہ اس کے حرکت میں آتی ہے جیسے آگ پھونک مارنے سے زیادہ ہوتی ہے اور جس کے دل میں حق تعالیٰ کے عشق کی آگ ہو تو سماع اس کے لئے ضروری ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے عشق کی آگ اس کے دل میں تیز ہوتی ہے اور جس شخص کے دل میں جھوٹی محبت ہے، سماع اس کے لئے زہرِ قاتل اور حرام ہے۔ اور سماع کے حلال و حرام ہونے میں علماء کا اختلاف ہے لیکن جس گروہ نے اسے حرام کہا ہے اس نے ٹھوکر کھائی ہے۔ سماع کی تین قسمیں ہیں، پہلی قسم یہ ہے کہ غفلت سے سُنے اور بطریقِ کھیل جانے تو یہ طریقِ اہلِ غفلت ہوگا۔ یہ بھی جائز نہیں کہ سماع اس باعث سے حرام ہے کہ خوش اور اچھا معلوم ہوتا ہے کیونکہ تمام خوشیاں حرام نہیں ہیں اور جو چیزیں خوشی میں سے حرام ہیں۔ وہ اس وجہ سے حرام نہیں کہ خوش ہیں بلکہ اس وجہ سے حرام ہیں کہ ان میں کوئی نہ کوئی فساد ضرور ہوگا۔ دوسری قسم یہ کہ

دل میں کوئی مذموم صفت ہو۔ جیسے کسی عورت یا امرد کی محبت ہو، اس کے سامنے سماع میں مشغول ہوتا کہ باعثِ ازدیادِ لذت ہو تو ایسا سماع حرام ہے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ دل میں خوشی ہو اسے سماع سے زیادہ کرنا چاہئے تو یہ بھی مباح ہے۔ چوتھی قسم اور یہی اصل ہے کہ جس کسی کے دل پر حق تعالیٰ کی دوستی غالب ہو چکی ہو اور عشق کی حد تک پہنچ گئی ہو تو اس کے لئے سماع ضروری ہوتا ہے۔ صوفیائے کرام کا سماع درحقیقت اس وجہ سے تھا کہ اُن سے حق تعالیٰ کی دوستی زیادہ ہوتی تھی اور سماع عشقِ الٰہی بھڑکانے میں ایک عظیم الشان اثر رکھتا ہے اور صوفیاء میں بعض بزرگ ایسے ہوتے ہیں کہ انھیں حالتِ سماع میں مکاشفات ہوتے ہیں اور لطف ایسے حاصل ہوتے ہیں کہ وہ سوائے سماع کے نصیب نہیں ہوسکتے۔ اور وہ حالتِ لطیف جو عالمِ غیب سے صوفیہ پر مستولی ہوتی ہے۔ اسے 'وجد' کہتے ہیں اور یہ ممکن ہے کہ ان کا دل سماع سے اس طرح پاک ہوجائے جیسے چاندی آگ میں ڈالنے سے صاف و مصفا نکل آتی ہے اور سماع بھی دل کو آگ لگاتا ہے جو تمام کدورتوں کو دل سے باہر نکال دیتا ہے اور ممکن ہے کہ بہت سی ریاضت کرنے سے بھی وہ بات حاصل نہ ہو جو سماع سے حاصل ہوتی ہے۔ روح انسانی کو جو سرّی مناسبت عالم ارواح سے ہے سماع اس کو حرکت میں لاتا ہے حتیٰ کہ ایسا ہوتا ہے کہ روح بالکل اس عالم سے بے خبر ہوجاتی ہے۔ حتیٰ کہ صوفی کو اس جہان کی مطلقاً خبر نہیں رہتی اور کبھی تو یہ بھی ہوتا ہے کہ صوفی کے اعضاء کی قوت ساقط ہوجاتی ہے اور وہ بے ہوش ہوجاتا ہے۔

پس غذائے عاشقاں آمد سماع
کہ از و باشد خیالِ اجتماع (مولانا روم)

سماع کے آثار و آداب :

جاننا چاہئے کہ سماع کے تین مقام ہیں۔ اوّل اس کا سمجھنا، دوم وجد کرنا، سوم حرکت کرنا۔ وہ صوفی کامل ہوتا ہے جو گانا سُن کر ساکن رہتا ہے اور اس کی حالت میں تغیّر نہیں ہوتا۔ اس میں اپنے بچانے کی قوت ہوتی ہے اور ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنی حالت پر قابو رکھے لیکن اگر کوئی قصداً حالت ظاہر کرے اور رقص کرنے لگے یا تکلف سے اپنے آپ کو رونے کی طرف لے آئے تو درست ہے اور جو شخص اپنے دل کی حالت کو مضبوط کرنے کے لئے رقص کرتا ہے تو یہ رقص نہایت بہتر و محمود ہے لیکن کپڑوں کو قصداً نہ پھاڑنا چاہئے کیونکہ یہ حال کے ضائع کرنے میں داخل ہے۔ ہاں اگر حالتِ غلبہ میں ہو تو درست ہے۔

ماخوذ از امام غزالی
کیمیائے سعادت

بادہ در اسلام اگر گوئی حرام این ست کفر   کاین چنیں نعمت خوریم آنگاہ کفرانش کنیم

تم کہتے ہو اسلام میں شراب حرام ہے۔ کفر تو یہ ہے کہ ایسی اچھی نعمت سے لطف اندوز ہوں اور پھر ناشکری کریں!

امیر خسرو کی صوفیانہ شاعری

ڈاکٹر صفدر علی بیگ
ریڈر شعبۂ نفسیات، عثمانیہ یونیورسٹی۔ حیدرآباد

صوفیوں کے عقیدے میں خدا کی ذات ہی سب سے اہم ترین ہے جس کے تصور میں انسان مستغرق ہو جائے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ انسانی عقل کے بس سے باہر ہے کہ وہ خدا کو سمجھ سکے اور اس کی تعریف و تحدید کر سکے۔ دماغ انسانی زمان و مکان میں محدود ہے اس لئے جو شے زمان و مکاں کے حدود سے ورا ہو، اس تک اس کی رسائی کیسے ہو سکتی ہے۔ خسرو کا دعویٰ ہے کہ ذہن و دماغ سے خدا کو سمجھنا خارج از امکان ہے ؎

حکیم گفت شناسم بہ عقل یزداں را
زہے کمال حماقت و ایں چہ گفتار است

فلسفی نے کہا کہ میں خدا کو عقل سے پہچانتا ہوں کیا کہنے اس حماقت کے اور اس بات کے بے تکے پن کے۔ کیا کہوں خدا سے مخاطب ہو کر دوسری جگہ کہتے ہیں ؎

درنیائی بہ فہم عالمیاں ✓ ورنہ گنجی بہ وہم آدمیاں

اے خدا تو دنیا والوں کی عقل و فہم میں نہیں آ سکتا نہ تو انسانوں کے وہم میں محدود ہو سکتا ہے۔
آدمی خود ہی ایک پر اسرار مخلوق ہے اس کی روح اور روحانی طاقت بصیرت و وجدان، استعداد و صلاحیت حقیقت ابدی سے اس کا رشتہ اور بہت سی ایسی باتیں ہیں جنھوں نے اسے ایک معمہ بنا رکھا ہے عبدالکریم جیلی کے الفاظ میں "انسان خود اپنے اندر ایک پر اسرار دنیا ہے باوجود اعلیٰ دماغی قوتوں کے جب وہ اپنے آپ کو سمجھنے سے قاصر ہے تو پھر اس کے لئے خدا کا ادراک کیسے ممکن ہے۔
امیر خسرو کہتے ہیں ؎

آنکہ خود را شناخت نتواند
آفرینندہ را کجا داند؟

جو انسان اپنے آپ کو نہیں سمجھ سکتا وہ اپنے پیدا کرنے والے کو کہاں جان سکتا ہے۔
خودنمائی حسن کا جبلی تقاضہ ہے وہ حیران آنکھوں تحسین آمیز نظر، محبت کرنے والے دل اور پرستش کرنے والی روح کی تلاش میں رہتا ہے اور مسلسل آرائش جمال میں معروف رہتا ہے تاکہ اپنے عاشق کو ہمیشہ لبھاتا رجھاتا رہے۔ حسن ربانی یا حسن کا منتہا بھی اپنے حسن کی نمائش اکثر و دائمی طور پر کر دلوں کو جیتنے کے لئے کرتا رہتا ہے۔ اب امیر خسرو کا نظریہ ان کے اشعار میں ملاحظہ کیجئے ؎

جمال مطلق آمد جلوہ آہنگ
مقید گشت یک رنگی بہ صد رنگ

جب وہ جمال مطلق جلوہ نما ہوا تو اس کی وحدت یکرنگی سیکڑوں متنوع رنگوں میں آگئی ؎

چوں جمالت آیت رحمت شد اندر شان خلق
آخر ایں چندیں زہر کشتن تا دیل چیست

جب خلق میں تیرا جمال رحمت کی نشانی ہے تو پھر جو میں تاب نظارہ نہ لا کے قتل ہو گیا اس کا سبب کیا ہے ؎

منادی کرد حسن جلوہ مشتاق
کہ ایک درد ما کو جان عاشق

وہ حسن جو جلوہ نمائی کے لئے بیتاب تھا اس نے منادی کرا دی ہے کہ میں بس اسی عاشق کا مشتاق ہوں جو جان کا نذرانہ دے۔
ربانی حسن انسان کی تشنگی کو بڑھاتا ہے اس کا سبب خود اس کا میلان ظہور ہے۔ مگر وہ کبھی خود کو مکمل آشکار نہیں کرتا خسرو شکایت کرتے ہیں ؎

رخ چہ پوشی چوں حدیث حسن تو پنہاں نماند
گل بصد پردہ در از بوئے خود مستور نیست

اے خدا جب تیرے حسن کا چرچا گلی گلی ہے تو تیرے منہ چھپانے سے فائدہ؟ پھول ہزار پردوں میں نہاں رہے مگر اپنی مہک کی وجہ سے چھپ نہیں سکتا۔
حسن حقیقی نہ تو خود کو پوشیدہ ہی رکھ سکتا ہے نہ مکمل بے حجاب ہو سکتا ہے کیونکہ اگر آشکار ہو جائے تو ہر سانس سینے میں رک جائے اور ہر آنکھ ہمیشہ کے لئے کھلی کی کھلی رہ جائے۔ حضرت امیر خسرو کہتے ہیں ؎

چہ پوشی پردہ بر روئی کہ آں پنہاں نمی ماند
وگر بی پردہ می داری تنی را جاں نمی ماند

خدایا وہ چہرہ جو چھپ نہیں سکتا اس پر پردہ ڈالنے سے حاصل؟ مگر تو بالکل بے پردہ بھی تو ہو نہیں سکتا کیونکہ اگر ایسا ہوا تو سب کی روح تن سے نکل جائے گی۔
ہاں اگر خدا اپنے حسن بے پایاں کو بے حجاب کر دے تو پیغمبر بھی غش کھا کے گر پڑیں اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ امیر خسرو فرماتے ہیں ؎

مسیح و خضر را آں رو نمائی
بکش جانم مرا گر زندہ مانند

امیر خسرو کا عشق

کائنات کا حسن ہر فرد بشر کو مسحور کر لیتا ہے اس کا دل موہ لیتا ہے اور ہر کس و ناکس اس کی چاہ و الفت میں پھنس جاتا ہے۔ سادہ و پرکار، عاقل و دانا زیرک و بے وقوف، سبھی اس کے عاشق ہیں۔ تاہم اہل بصیرت جانتے ہیں کہ نہ تو اس کا حسن دائمی ہے نہ اس کی یہ کشش و جاذبیت ہی مستقل ہے۔ مادی شے مسرور کن تو ہوتی ہے مگر لمحاتی طور پر بلکہ یہ اکثر دکھ رنج و محن اور مایوسی کا سبب ہوتی ہے۔ تاہم صوفیا کہتے ہیں کہ پہلے آدمی کو فطرت کی اس آنی جانی حسن سے اور فانی انسان سے محبت کرنا سیکھنا چاہیئے۔ کیونکہ کائنات کا حسن اور اس کی محبت ہی حسن کی کائنات کل (خدا) کی محبت کی سمت قدم اٹھواتی ہے۔ عبدالرحمٰن جامی کہتے ہیں ؎

متاب از عشق رو گرچہ مجاز است
کہ آں بہر حقیقی کارساز است

عشق مجازی سے نہ کتراؤ کیونکہ یہی مجازی عشق تو عشق حقیقی کا زینہ ہے محبت میں لو لگانا ناگزیر ہے اور جب کوئی شخص کسی مرئی صورت سے لو لگاتا ہے تو اس کا دل و دماغ غیر مرئی حسن کو حاصل کرنے کے لئے تجربہ کار ہو جاتا ہے۔ مشاہدہ میں آنے والی شے کی محبت ہی حسن نادیدہ کی محبت کا راستہ ہموار کرتی ہے۔ مگر یہ بھی ممکن ہوگا کہ انسان اس فانی حسن کی محبت کو وسیلہ و ذریعہ ہی قرار دے نا کہ منزل آخر یا لخاتمہ۔ خسرو کا دعویٰ ہے کہ فانی حسن کی محبت کے توسل سے آدمی کی رسائی حسن ازل تک ہو سکتی ہے بشرطیکہ اس کی محبت خالص پاک و پر خلوص ہو۔

آنکہ ز حق پاکی چشمش عطا ست
منع ز رخسار بتانش خطاست

جس کسی کو منجانب اللہ نظر کی پارسائی عطا ہو گئی ہو اسے معشوقوں کے رخسار کو چومنے سے منع کرنا گناہ ہے۔

اس کے علاوہ ایک دوسری حقیقت یہ بھی ہے کہ حسن مجازی کے عشق میں ناکامیاب ہو جانے والا عاشق اکثر حسن حقیقی کی طرف لپکتا ہے حسن ازل اس مایوس و ناامید روح کو جو حسن مجاز کی محبت میں دیوانہ ہو گیا ہے تسلی و تشفی دیتا ہے اور اسے دائمی مسرت دینے والی انتہا خوشی کی طرف کھینچ لاتا ہے۔ افلاطون کے قول کے مطابق حسن مطلق کے عاشق کو نئی اور درخشاں زندگی بطور انعام ملتی ہے جس میں وہ مادی زندگی کے درد و الم کو بھول کر نظارۂ حسن مطلق کا لطف اٹھاتا ہے اور ایسی خوشی پاتا ہے جو ہر خوشی سے اعلیٰ و ارفع ہوتی ہے۔ خسرو خدا سے کہتے ہیں ؎

تا تو نمودی جمال نقش ہمہ نیکواں
رفت بروں از دلم نقش تو از جاں نہ رفت

جب تو جلوہ نما ہوا تو تمام حسینوں کے نقوش جمال میرے دل سے معدوم ہو گئے مگر تیرا نقش دلفریب میری جان میں جم کر رہ گیا۔

حسن، محبت کا جنم داتا اور محبت، زندگی کا حسن ہے چاہے وہ حسین خیالات ہوں یا عمل و کردار بقول افلاطون محبت ایک ملہمانہ دیوانگی ہے اور خدا کی ایک خوبصورت بخشش جو انسانیت کے لئے برکت و سعادت اور اخلاقیات کا سرچشمہ ہے ایک شخص کی خدا تک رسائی صرف محبت ہی کے ذریعے ہو سکتی ہے محبت کنندگان خدا کی بارگاہ میں ایک اعلیٰ رتبہ رکھتے ہیں۔ خواجہ بندہ نواز کے عقیدے کے بموجب دو عالم پر محبت کی حکمرانی ہے یہی محبت کائنات کی روح ہے اور وہ سوائے خدا کے کچھ اور نہیں ؎

عقل درد سر است ازیں معنی
عارفاں عاشق جنون باشد

معرفت جنون سے حاصل ہوتی ہے ہوش سے نہیں۔ عارفان حق جنون کے بندے ہوتے ہیں۔ اس طرح عقل فقط دردسر بن کے رہ جاتی ہے۔

عشق خداوندی رفتہ رفتہ انسان کو فنا فی اللہ کر دیتی ہے اور وہ اپنی جبلّت اور اس کے تقاضوں سے آزاد ہو جاتے ہیں پھر وہ خدا کی درگاہ میں مثل... آگسٹائن کے یوں فریادی ہوتا ہے۔

"خدایا میری ہڈیوں کو اپنی محبت میں شرابور کر دے۔" جب تو نے ہمیں اپنے لئے بنایا ہے تو پھر ہمارے دلوں کو تیرے سوا کوئی سکون نہیں دے سکتا۔

عظیم امام حضرت زین العابدین جو فرماتے ہیں "خدایا! میں نے تیری تمنا میں سب کچھ تج دیا ہے اور مجھے بس اب تیری ہی چاہ ہے کیونکہ ایسا نادان کون ہوگا جو تیرے عشق کا لذت آشنا ہونے کے بعد ماسوا کی محبت کا خیال بھی کرے اور تیرے جوار میں آجانے کے بعد کون ہے جو دوسری طرف رخ کرے تو عشاق کا مدعا و مطلوب ہے میں تجھی سے تیری محبت کی بھیک مانگتا ہوں۔"

ان مدارج سے گذر کر عاشق اپنے محبوب خدا کو شب و روز اور ہر وقت اپنے سامنے نگراں و استادہ پاتا ہے۔ جو ہر لحظہ اس کی طرف مسکرا مسکرا کر دیکھ رہا ہو اور بغلگیر ہونے کے لئے باہیں پھیلائے ہو پیغمبر، امام، صوفیا اور اہل باطن خدا کی محبت میں خود کو نفس کشی اور ایثار کا مجسمہ بنا لیتے ہیں اور جو شخص خود کو مٹا دیتا ہے وہ رضا و توکل کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ توکل کی شدت اسے ہر ذاتی و نجی مسئلے سے دست کش کر دیتی ہے۔ اور وہ زندگی کے ہاتھوں میں ایک مردہ کی مثال ہو جاتا ہے۔

امیر خسرو خدا سے خطاب کرتے ہیں ؎

اثرے نماند باقی ز من اندر آرزویت
چہ کنم چو سیر دیدن نتواں رخ نکویت

"خدایا تیری آرزو کی شدت نے میرے اندر زندگی کا کوئی اثر باقی ہی نہیں رکھا اب اور میں کیا کروں جبکہ تیرے روئے خوب کو جی بھر کے دیکھنا بھی ممکن نہیں۔"

دورِ خسروی کا فنِ تعمیر

• پروفیسر سید یوسف کمال بخاری (بھوپا

اگرچہ امیر خسرو نے فنون لطیفہ کی اس اہم شاخ کو براہ راست نہیں چھیڑا نہ اس پر رائے زنی کی مگر ان جیسے اعلیٰ جمالیاتی حس رکھنے والے انسان کے لئے کیونکر ممکن ہے کہ وہ تعمیر کے نازک فن سے متاثر نہ ہوا ہو یا ان کی روح پر کشش نقش و نگار، اقلیدسی پیچ و خم، مدور گنبد، سبک مینار و خم دار محراب کا نظارہ کرکے جھوم نہ اٹھی ہو۔ یہی سبب ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنی مثنویات "غرۃ الکمال" نہ سپہر، خصوصاً "قران السعدین" میں بار بار اس کا ذکر کیا ہے۔

آیئے عہد خسرو کے فن تعمیر پر ایک نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ وہ کون سی خصوصیات تھیں جس نے خسرو کے جمالیاتی ذوق سے خراج تحسین حاصل کیا۔ اور اس اہل نظر نے ان کا ذکر رنگین کرکے انھیں زندہ جاوید بنا دیا۔

اس دور کے فن تعمیر کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ مرکزی فن تعمیر و صوبائی فن تعمیر مرکزی فن تعمیر سے مراد وہ فن تعمیر ہے جو سلاطین دہلی کے زیر سرپرستی پروان چڑھا اور صوبائی سے مراد وہ ہے جو ہندوستان کے مختلف صوبوں میں صوبائی سلاطین کے عہد میں ترقی پذیر ہوا۔ ہم یہاں صرف مرکزی فن تعمیر کا ذکر کریں گے۔ امیر خسرو دہلی میں زیادہ رہے اور وہیں وصال پایا اور وہیں کی عمارات کا ذکر اپنی مثنویات میں بہت زیادہ کیا ہے اور دوسری جگہوں کا کم۔ ہم بھی یہاں صرف دہلی کی عمارتوں تک ہی اپنے بیان کو محدود رکھیں گے۔ مثنوی قران السعدین "کو مثنوی در صفت دہلی" کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے گویا یہ اس بات کی مظہر ہے کہ خسرو نے اس مثنوی میں دارالسلطنت اور اس کی عمارات کی تعریف و توصیف بیان کی ہے اس وقت تک جو عمارات دہلی میں تعمیر ہو چکی تھیں حضرت امیر خسرو نے اس مثنوی میں قلم بند کیا ہے جس سے ان کی تفصیل اور کچھ فن تعمیر پر اجمالی روشنی پڑتی ہے۔ دہلی کو اس دور میں قبۃ الاسلام کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا ؎

قبہ اسلام شدہ در جہاں،

بستہ او قبہ ہفت آسماں

شہر پہاڑ پر آباد تھا۔ اس کے گرد دو میل تک باغ تھے اور دریائے جمنا اس کے قریب آبیاری کرتا تھا۔

شہر زنبل بحر عجائب نما

بحر دمی گشت بکوہ آشنا

دہلی میں اس زمانے میں تین حصار تھے دو پرانے اور ایک نیا ؎

از سہ حصارش دو جہاں یک قدم

وز دو جہاں یک نفسش دہ سلام

پہلے دو حصار میں ایک جو باہر کی طرف تھا غالباً قدیم دہلی کی شہر پناہ ہے اندر والا حصار شہر کا شاہی قلعہ تھا۔ حصار نو سے غالباً شہر نو واقع کیلوکیری کا حصار مراد ہے جو جمنا کے غربی کنا

پر پرانی دہلی سے تین میل شمال مشرق میں تھ

اور یہیں پر کیقباد نے ایک قصر تعمیر کیا تھا جس

مفصل کیفیت قران السعدین ص ۵۴-۵۶ میں

ہے۔ ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر نو جمن

کے قریب واقع تھا اور قصر نو دریا کے عین کنار

پر تعمیر کیا گیا تھا اور اس کا عکس دریا میں پڑتا تھا

کا حصہ اینٹوں سے بنا تھا جس پر چونا اور

ہو رہی تھی۔ اوپر کے حصہ میں سنگِ سفید لگا تھ

غرۃ الکمال میں بھی قصر معزی کی تعریف میں ایک

چھوٹی سی مثنوی ہے۔

دہلی کی عمارات اور آثار میں اسی زمانے

میں ۳ چیزیں امتیاز خاص رکھتی تھیں۔ مسجد جا

مینارۂ ماذنہ اور حوض سلطانی۔ خسرو نے اور بھی ج

کہیں دارالسلطنت کی یاد کی ہے۔ ان ہی تین چیزو

کو خصوصیت کے ساتھ شمار کیا ہے۔ مسجد جامع

کے متعلق حسب ذیل اشعار قابل غور ہیں ؎

غلغل تسبیح بگنبد درون

رفتہ زنہ گنبد دالا برون

گنبد او سلسلہ پیوند راز

سلسلہ چوں کعبہ شدہ حلقہ ساز

در تہ سقفش ز سما تا زمیں

نصب شدہ جملہ تو نہائے دیں

ان اشعار سے یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ اس نے میں مسجد مذکورہ میں ۹ گنبد تھے اور مسجد کی چھت کے نیچے جابجا ستون قائم تھے۔

در تہِ سقفش ز سما تا زمیں
نصب شدہ جملہ ستونہائے دیں

منارہ کے متعلق بھی مثنوی میں تفصیلی ذکر ہے۔ خسرو نے لکھا ہے کہ منارۂ مذکور کے اوپر چتر یا قبہ بنا ہوا تھا جس کے اوپر کا حصہ سونے کا تھا۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

شکل منارہ چو ستونے ز سنگ
از پئے سقفِ فلک شیشہ رنگ
آں کہ ز زر بر سرش افسر شدہ است
سنگ ز نزدیکی خود زر شدہ است
موذنش آں جا کہ اقامت کشید
قامت موذن نتواند رسید

آخری شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ منارہ ماذنہ تھا۔

حوضِ سلطانی کے متعلق

در کمر سنگ میانِ دو کوہ — آب گہر صنوت و دریا شکوہ
ساختہ سلطانِ سکندر صفات — در سر کوہ آئینہ ز آب حیات
شہر گر از وے نبود آب کش — کس نخورد در ہمہ شہر آب خوش
گرد وے از اہل تماشہ گروہ — دامن خیمہ شدہ دامانِ کوہ

مندرجہ بالا اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حوضِ سلطانی التمش نے ۶۲۷ھ مطابق ۱۲۲۹ء میں تعمیر کرایا تھا جو دو پہاڑوں کے بیچ میں واقع تھا اور اس کی موجیں دامانِ کوہ سے ٹکراتی تھیں۔ تمام شہر کو میٹھا پانی یہیں سے دستیاب ہوتا تھا۔ شہر کے لوگ تفریحِ طبع کیلئے یہاں آتے اور دامنِ کوہ پر خیمہ زن ہوتے تھے۔ علاء الدین کے زمانے میں اس حوض کی مرمت ہوئی تھی اور بیچ میں ایک خوشنما گنبد تعمیر کرایا تھا۔

قران السعدین کے بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس گنبد سے پہلے التمش کا چبوترہ موجود تھا۔

خسرو نے اس مثنوی میں دہلی کے علاوہ اس کے مضافات و حوالی کا ذکر بھی کیا ہے۔ کیقباد اپنے لشکر کے ساتھ دارالسلطنت سے روانہ ہوکر سیری میں خیمہ زن ہوا جس کا ذکر ان اشعار میں کیا ہے ؎

کوکبۂ زیں نمط انجم شمار — رفت بروں با علم شہریار
نصب شدہ اعلام مبارک اصول — گرد سراپردہ بسیری نزول
بارگہ شاہ دراں بوستاں — روئے ظفر داشت بہندوستاں
پانگہ خاص بسیری رسید
سبزۂ تر بر سر سبزی رسید

ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ "سیری" کوئی سبزہ زار تھا۔ کوئی تیرہ، چودہ برس بعد علاء الدین نے سیری کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا اور اس کا نام دارالخلافہ رکھا۔ یہ حالات مفصل طور پر امیر خسرو نے مثنوی "نہ سپہر" میں لکھے ہیں۔ اور حوالی شہر میں تلپٹ، اندپٹ اور افغان پور کا بھی ذکر کیا ہے ؎

میمنہ بر تلپتہ زد یکسرہ — بود میاں اندپتہ میسرہ
پیل گراں سنگ بہ بہاپور بود — قلب چو دریاش در آمد بجود
پیش بہاپور بقدر سہ میل — سنگ گراں سر شدہ از پائے پیل

اندپٹ وہ جگہ ہے جہاں بعد میں فیروز شاہ تغلق نے اپنے دارالسلطنت کا مرکز اور محل شاہی تعمیر کیا تھا جو فیروز شاہ کوٹلہ کے نام سے مشہور ہے۔ تلپٹ دہلی سے ۷، ۸ میل کے فاصلہ پر ہے۔ بہاپور خسرو کے بیان کے مطابق اندپٹ اور تلپٹ کے بیچ میں تھا۔ بدایونی نے بھی اس کا ذکر دو جگہ کیا ہے۔ افغان پور کا محل وقوع بدایونی نے تغلق آباد سے ۶ میل بیان کیا ہے۔ یہیں پر بنگال سے واپس ہوتے ہوئے محمد تغلق نے اپنے باپ غیاث الدین تغلق کا اس محل میں استقبال کیا تھا جو غیاث الدین پر گر کر اس کی موت کا باعث بنا۔
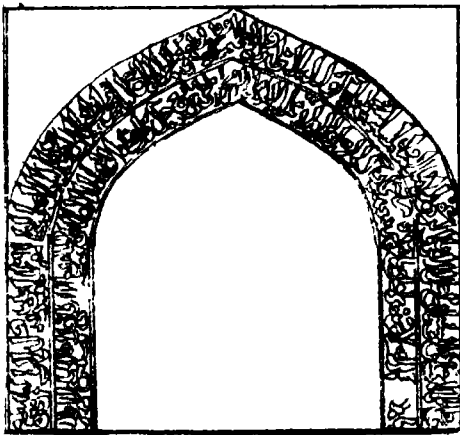
قطب مینار اور اس کے چند کتبے
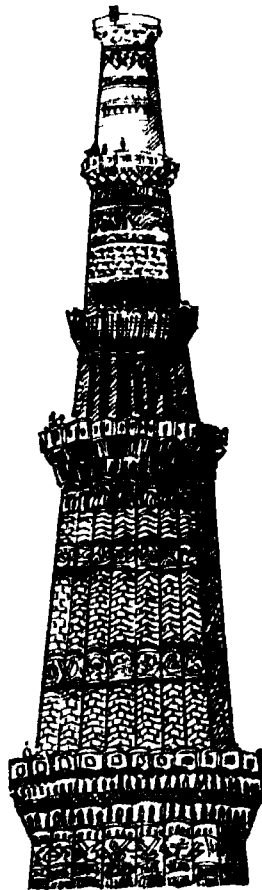
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ افغان پور تغلق آباد سے ۶ میل مشرق کی جانب واقع تھا جو جمنا کے عبور کرنے کے بعد تغلق آباد کے راستے میں پڑتا تھا۔ [1]

جب امیر خسرو پیدا ہوئے تو ناصر الدین محمود شاہ فرمانروائے شاہان خاندان مملوک سریر آرائے حکومت تھا۔ (۱۲۴۶ء تا ۱۲۶۶ء) اس وقت ہندوستان میں اسلامی فن تعمیر کی کیا کیفیت تھی اور کس حد تک ارتقائی منازل طے کر چکا تھا۔ بطور پس منظر اس پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تاکہ پیدائش امیر سے لے کر ان کے وصال تک کے فن تعمیر کو سمجھنے میں مدد مل سکے۔

بارہویں صدی عیسوی کے اواخر میں ہندستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ مسلم فرمانرواؤں نے مقامی علوم و فنون کی جو مربیانہ خدمات انجام دیں وہ اہل فن سے پوشیدہ و مخفی نہیں ہیں چنانچہ اہل ہنود و اہل اسلام کے ارتباط و اختلاط سے ایک نئے طرز کی ابتدا ہوئی جسے ہندی اسلامی فن تعمیر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

پروفیسر جے۔ بی۔ چودھری بنگال کے مشہور فاضل اور نامور عالم ہیں۔ وہ اپنے مقالے "مسلمان بادشاہوں کی سنسکرت اور ہندی علوم و فنون کی سرپرستی" میں کہتے ہیں۔

"یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ ہندوستان کے مسلمان بادشاہ علوم و فنون کے بڑے سرپرست اور مربی تھے ہندوؤں اور مسلمانوں کے تہذیبی تعلقات معلوم کرنے کے وسائل و ذرائع پر اب تک کوئی باقاعدہ توجہ نہیں کی گئی ہے اس بنا پر قرون وسطیٰ میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو تہذیبی اور ثقافتی یکسانیت پیدا ہو گئی تھی اس کا علم اب تک بہت کم حاصل ہو سکا ہے۔"

اس اقتباس کو پیش کرنے کا مقصد قارئین کرام کو یہ بتانا ہے کہ مسلم فرمانرواؤں نے دوسرے علوم و فنون کی سرپرستی کے دوش بدوش ہندی فن تعمیر کو بھی اپنایا اور اپنی فن دوستی کا ثبوت دیا۔ ایک دوسرے فاضل مبصر سید حسن برنی صاحب اپنی کتاب "دلی کی دو سو برس کی تاریخ" میں رقم طراز ہیں

"دلی کے مسلمان فاتحین اور ابتدائی حکمرانوں کو وحشی قرار دینا ایک خالص افسانوی نظریہ کا رتبہ رکھتا ہے۔ اسلامی تمدن صدیوں سے اپنا عروج پا چکا اور ان سب قوموں کو جو اس کی گود میں آچکی تھیں پورے طور پر شائستہ بنا چکا تھا۔ غوری سلاطین جو فاتح کی حیثیت رکھتے تھے علوم و فنون کے سرپرست تھے۔ چنانچہ مشہور عالم و حکیم امام رازی کا کچھ عرصہ تک غیاث الدین کے دربار میں قیام رہا (ابن الاثیر بذیل وقائع ۵۹۵ھ) اور یہ بادشاہ مساجد و مدارس کی تعمیرات میں خاص دلچسپی لیتا تھا۔"

غرض کہ مسلمان بادشاہوں نے صرف یہی نہیں کہ ہندی فن تعمیر کو اپنایا بلکہ اس کے جوڑ توڑ سے نئی نئی طرزیں قائم کیں جسے ہندی اسلامی فن تعمیر کہتے ہیں۔

سلاطین مملوک (غلامان)
از ۱۲۰۶ء تا ۱۲۹۰ء

اس دور کی خاص عمارات میں مسجد قوت الاسلام، قطب مینار، جامع التمش (یا اڑھائی دن کا جھونپڑا) اجمیر، مقبرہ سلطان غاری اور مقبرۂ التمش ہیں۔ اوّلین عمارت جو ہندوستان میں تعمیر ہوئی وہ مسجد قوت الاسلام ہے۔ جو... قطب الدین ایبک بانی خاندان مملوک نے ۱۱۹۱ء میں تعمیر کرائی یہ مسجد فتح دہلی کی یاد میں تعمیر کی گئی اس میں مقامی ہندو فن تعمیر کا رنگ ہی نہیں بلکہ غلبہ نظر آتا ہے۔ مغربی دیوار کی پانچ محرابوں کے سوا مسجد کی کل ساخت مثلاً دیواروں، ستون کے تاج، دروازوں کی چوکھٹ اور سقف بالکل ہندوانہ طرز کی ہے۔ چونکہ مسلمان اس طرز تعمیر سے غیر مانوس تھے لہذا انھوں نے مسجد قوت الاسلام کی تعمیر کے دو سال بعد ہی اسلامی طرز تعمیر کا آغاز کر دیا گو اسلامی حکومت کے انعقاد کے ساتھ ہی اسلامی طرز تعمیر بھی متوادار ہوا جیسا کہ مسجد کے بدنما چپٹے اور ناموزوں گنبدوں کی ساخت شاہد ہے لیکن جوں جوں زمانہ گذرتا گیا اسلامی طرز تعمیر فنی مہارت کے نقطہ پر آتی گئی۔ مسجد کی نماز گاہ (Prayer chamber) اسلامی طرز تعمیر کی محراب دار مقصورہ کا اضافہ۔ التمش نے ۱۲۳۰ء میں کیا اور اسی اضافہ سے بیّن طور پر اسلامی انداز تعمیر جھلکنے لگا۔ لیکن ابھی ہندو طرز کی سردلوں کے نمونے، ستون اور اس کے تاج موجود تھے۔

قطب الدین نے اجمیر میں دوسری مسجد تقریباً ۱۲۰۰ء میں تعمیر کرائی جو اڑھائی دن کا جھونپڑا یا جامع التمش کے نام سے موسوم ہے کیونکہ اس کی تکمیل التمش نے کی تھی۔ دہلی کی مسجد سے حاصل شدہ تجربہ نے معماروں کو اس قابل بنا دیا کہ اس مسجد کی تعمیر کے لئے ایک نیا خاکہ و نقشہ مرتب کر سکیں گو کہ اس مسجد میں بھی ہندو ملبہ استعمال ہوا تاہم صفائی کے لحاظ سے پہلی مسجد سے بہتر اور خوش نما ہے۔ نتیجہ کے طور پر اس کے نازک و سبک ستون

---

[1] تمہید مثنوی قران السعدین۔ مطبوعہ علیگڑھ۔ از سید حسن برنی

کی لطافت، موزوں تر و لطیف تر ستون نما:
بین المسقوف (columned aisles) اور چھت
کی عمدہ تکمیل مسجدوں کی جان ہے ۔ التمش نے
اس مسجد میں قبہ کا اضافہ کیا ۔ دہلی کی مسجد قوت
الاسلام کی طرح اس مسجد میں مسقف غلام گردش
نہیں ہے ۔ صدر محراب کے دو طرفہ دمدمہ
(parapet) کے عمودی گہراؤ اور ستون
تعمیر میں ۔ محراب کا کٹاؤ دہلی کی مسجد کے مقابلہ میں
کم ہے ۔ بجز محرابوں کے التمش کی وسیع کردہ محنی
دیوار (screen) میں ہندو غلبہ بہت
کم ملتا ہے ۔

قطب مینار بھی سلاطین مملوک (سلطان
غلامان) کا بنوایا ہوا ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ مسجد
قوت الاسلام کے ماذنہ مینار کے ہر جز اور فنی
خصوصیت میں اسلامی فن تعمیر کی روح جھلکتی ہے
اس قسم کے مینار ہندوستان میں پہلے کبھی تعمیر نہ
ہوئے تھے لیکن مسلمان عرصہ دراز سے اس
طرز کے فن تعمیر سے مانوس و روشناس تھے چنانچہ
غزنی میں اس نمونے کے مینار موجود ہیں ۔ پھر اس
کی ستارے نما ساخت، خوش نما کتبات چھجوں
کے نیچے موری نما سنگی تودے (stalactites)
کا سلسلہ مصر اور مغربی ایشیا کے فن تعمیر سے جا ملتا
ہے ۔ فرگسن کے بقول قطب مینار اپنی تمام خصوصیات
کے اعتبار سے ایک جامع و مکمل مینار ہے جس
میں اسلامی رنگ جھلکتا ہے ۔ اس کی سنگ
تراشی و منبت کاری اپنی مثال آپ ہے ۔ گویا
بالفاظ دیگر ہندو فن کے مقابلہ میں ایک رد عمل
شروع ہو چکا تھا جو خلجی عہد میں پہونچ کر پروان
چڑھنے لگا ۔

اولین مقبرہ جو دہلی میں تعمیر ہوا وہ
سلطان التمش کے بیٹے ناصر الدین محمود شاہ
کا ہے جو ۳۲-۱۲۳۱ء میں تعمیر ہوا اور مقبرہ سلطان
غازی کے نام سے موسوم ہے یہاں بھی ہندو
فن تعمیر کا غلبہ ملتا ہے ۔ ستون اور ان کا بالائی حصہ
(capitals) جو کھٹیں اور نقش و نگار
قطعی ہندو طرز کے ہیں حتیٰ کہ محرابیں اور گنبد جو اسلامی
طرز کی نمایاں خصوصیات ہیں وہ بھی ہندو فن تعمیر
کے ابھرے ہوئے طریقے پر تعمیر ہوئے ہیں ۔
اس کے بعد التمش کا مقبرہ جو ۱۲۳۵ء میں تعمیر ہوا
خاکے کے اعتبار سے مربع شکل کا ہے اس میں
بھی اسلامی فن تعمیر محض گوشوی ڈاٹوں . . . .
(squinch arches) جو گنبدی شکل کی
چھت کی مددگار ہیں خط نسخ و کوفی کے عمدہ قرآنی
کتبات اور مختلف اقلیدسی کمالات تک محدود
ہے ورنہ اس میں ہندوستانی خصوصیات
نمایاں ہیں جس سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ
ابھی ہندی معمار جو مقبرہ کی تعمیر کے لئے مامور
تھے وہ اسلامی فن تعمیر سے جس کی مقبرہ میں ضرورت
تھی اچھی طرح واقف نہ ہوئے تھے ۔ مقبرہ التمش
کی تعمیر کے بعد عہد غلامان کے زمانہ کی داستان
فن تعمیر اختتام پذیر ہو جاتی ہے یا کوئی اہم عمارت
۶۰ سال تک تعمیر نہ ہو سکی ۔ سوائے مقبرہ
کے جو اس خاندان کا بانی تھا ۱۲۸۰ء کے اردگرد
یہ مقبرہ تعمیر ہوا اور اب قلعہ رائے پورا کے
جنوب مشرق کی جانب غیر دلچسپ اور تباہ شدہ
عمارت کی شکل میں موجود ہے لیکن فنی ساخت
کے اعتبار سے فن تعمیر کے ارتقا میں ایک اہم
کڑی ہے کیونکہ اس مقبرہ میں ہندو معماروں
نے جو محرابیں قطب الدین اور التمش کی عمارات
میں اپنے روایتی طرز کے مطابق ابھار کے اصول
پر بنائی تھیں (corbelling system)
وہ نظر نہیں آتی ہیں ۔ پہلی بار ہندی اسلامی فن
تعمیر میں ہمیں (true arch) دکھائی دیتا
ہے باوجود بھدی طرز کی ساخت کے جس کی بنیاد
چونے کی استرکاری پر ہے ۔ یہ مقبرہ ۳۸ مربع فٹ
کمرہ پر بنا ہے جس پر مربع شکل کا گنبد ہے
اس کمرے کے چاروں طرف محرابی دروازے
ہیں ۔ ہر محراب سائنٹفک طرز پر تعمیر ہے جس کی ابتدا
رومن انجینیروں نے کی تھی یہ خصوصیت تاریخ فن
تعمیر میں ایک ارتقائی قدم تھا ۔

حضرت نظام الدین اولیاء رح کی درگاہ
میں پہلی مسجد جو خالصتاً اسلامی تصورات کے
مطابق تعمیر ہوئی حتیٰ کہ مسالہ و سامان وغیرہ بھی وہ
استعمال کیا گیا جو اسلامی فن تعمیر کے مناسب تھا ۔ یہ
مسجد، مسجد جماعت خانہ کے نام سے موسوم ہے
اس میں خلجیوں اور تغلقوں کی تعمیری خصوصیات
اور ان کا فرق نمایاں نظر آتا ہے ۔ مرکزی نماز
گاہ (sanctuary) خضر خاں ابن علاء
الدین نے بنوائی تھی اور اس کے دونوں جانب
کے حصے بعد میں عہد تغلق میں بڑھائے گئے
موخر الذکر کی دیواریں ریگی پتھروں کے بجائے
جو خلجیوں کی عمارات کا طرہ امتیاز ہیں خالص
چونے کی استرکاری (plastered
rubble) کی بنی ہوئی ہیں ۔ مثلث نما
قطعہ گنبد (pendentives) دونوں
بغلی کمروں میں سلاطین تغلق کے زمانے میں معاون
گنبد کی حیثیت سے تعمیر کئے گئے اس سے
صاف پتہ چلتا ہے کہ گوشوی ڈاٹیں . . . .
(squinches) جو خلجیوں نے
درمیانی کمروں میں بنائی تھیں اور جن کا سلاطین
خلجیہ کے زمانے میں بڑا رواج تھا عہد تغلق میں
متروک ہو چکی تھیں علائی دروازہ جو ہندی
اسلامی طرز تعمیر کا بیش بہا نمونہ ہے اور مسجد
قوت الاسلام کا جنوبی دروازہ ہے ، دراصل
توازن حسن و لطافت میں اکمل ہے ۔ اس
کی عالیشان، نعل نما محرابیں، بیرونی نقش و نگار
مناسب خطوط اور پھر دیدہ زیب ریت کے
سنگ سرخ کا امتزاج عہد خلجی کے معماروں کے
اعلیٰ ذوق کی نشان دہی کرتے ہیں ۔

یکم نومبر ۱۹۷۵ء
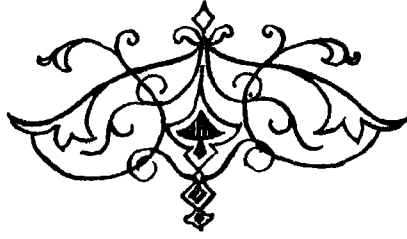
امیر خسرو: ہندوستان کا پہلا قومی شاعر

حضرت امیر خسرو کی ہمہ گیر طباعی کا جائزہ لیتے ہوئے مصنف نے انھیں ہندوستان کا ایک ایسا اور پہلا قومی شاعر بتایا ہے جس نے اپنے پیغام میں قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا ایک بے مثال ورثہ ہمارے لئے چھوڑا ہے:

از: ڈاکٹر عبدالسبحان کلکتہ

تیرہویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں ہندو مسلم تہذیب رونما ہوئی جس کی بناوٹ میں خالص دیسی عناصر شامل ہیں۔ یہ نیا مسلم معاشرہ جو ابتداً صحیح معنوں میں فارسی و عربی نہیں بلکہ فارسی و ترکی تھا، ہندو تہذیب کے ملاپ سے وجود میں آیا۔ زبان، ادب، فن معماری، موسیقی، مصوری، پوشاک اور رسم و رواج سب ہی پر ہندو مسلم ملاپ کی چھاپ نمایاں طور سے نظر آتی ہے اس تہذیبی اختلاط سے رفتہ رفتہ ایک نئی زبان اردو پیدا ہوئی جو آج بھی قومی یک جہتی کا سب سے بڑا سہارا ہے۔

امیر خسرو دہلوی اس نئی طرز کی ہندو مسلم تہذیب کے صحیح ترجمان تھے۔ انھیں اس ملک اور اس کے باشندوں سے دائمی محبت اور لگاؤ تھا۔ انھوں نے نثر یا نظم کی شکل میں جو کچھ لکھا اس سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔ اس سے قبل کوئی ہندوستانی شاعر ایسا نظر نہیں آتا جس کے دل میں اپنی جنم بھومی سے اس قدر پیار اور اس کی عظمت و قوت کا احساس ہو۔ اس کا آئینہ ان کا یہ مشہور شعر ہے۔

دین ز رسول آمدہ کائی زمرۂ دین
حب وطن ہست ز ایماں بہ یقیں

خسرو کا قومی تفاخر

خسرو کے قومی تفاخر کا اظہار ان کی مشہور و معروف مثنوی "نہ سپہر" سے بخوبی ہوتا ہے جس کے تیسرے باب میں مادر وطن کے بارے میں ان کا زور بیان اور فصاحت و بلاغت پورے ہندی و فارسی ادب میں بے مثال ہے ہندوستان میں علم کے ذوق و شوق اور اس کی جستجو کے بارے میں ان کے یہ زور بیان کو محض جذباتی قرار نہیں دیا جا سکتا

نویں صدی عیسوی کے مشہور و معروف عرب علماء جاحظ اور یعقوبی نے اس ملک کے باشندوں کی ذہانت و فطانت کی تعریف کی ہے۔ شاعر کا یہ بیان کہ بیرونی اشخاص وقتاً فوقتاً علم کی تلاش میں ہندوستان آتے جبکہ کسی ہندوستانی عالم نے علم کی تلاش میں سمندر پار جانے کی ضرورت محسوس نہ کی اس حقیقت پر مبنی ہے کہ فاہیان، ہیون سانگ ابو المعشر اور البیرونی جیسے سیاح ہند آئے تھے۔ نظام ہندسہ خصوصاً "صفر" یہیں سے نکلا کیونکہ بذات خود لفظ "ہندسہ" ہند اور اسہ سے مرکب ہے یعنی ہنداسہ، جو مشہور ہندوستانی ریاضی داں کا نام تھا عظیم بو علی سینا کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ہندستانی حساب ایک سبزی فروش سے سیکھا تھا جو اس فن میں ماہر تھا ہندوستانی الاصل عالم گیر کھیل شطرنج اور کتاب دانش "کلیلہ و دمنہ" کے باعث ہندوستان کو تہذیب و تمدن کی تاریخ میں لازوال شہرت حاصل ہوئی ہے۔ انسان اور حیوان دونوں کو یکساں مسحور کرنے والی ہندوستانی موسیقی کے بارے میں شاعر کا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ یہ دنیا بھر میں کسی بھی موسیقی سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ نیز یہ کہ لسانی مہارت حاصل کرنے میں بھی ہندوستانیوں کا جواب نہیں۔

ہندو عقائد کا احترام

ہندوؤں اور ان کے عقائد و مذہب کا احترام کرنے میں خسرو پیچھے نہیں رہے۔ ضیاء الدین برنی مصنف

(مصنف تاریخ فیروز شاہی) اور حسن نظامی (مصنف تاج المآثر) نے اپنی تحریروں میں ہندوؤں کے لئے حقارت آمیز ہلکی زبان استعمال کی ہے۔ لیکن اس کے برعکس خسرو نے ہندو تصورِ الوہیت کے ان اعلیٰ نکات پر توجہ مرکوز کی ہے جس سے وحدانیت و احدیت کی تبلیغ ہوتی ہے۔ ان کے خیال میں برہمن دھرم، مثنوی اور رباعی سے بہتر ہیں۔ گو اسلام میں خود سوزی ممنوع ہے لیکن خسرو اس عقیدت اور جانثاری سے متاثر ہوتے ہیں جس کا اظہار ایک ہندو بیوہ ستی ہو کر کرتی ہے۔

چوں زنِ ہندو کسے در عاشقی دیوانہ نیست
سوختن بر شمعِ مردہ کارِ ہر پروانہ نیست

ہشت بہشت میں وہ اپنے ہم مذہب عازمین حج سے کہتے ہیں کہ وہ ایک ہندو یاتری کے جذبہ عقیدت اور ایثار سے سبق لیں جو سینے کے بل گھسٹتا ہوا سومناتھ جاتا ہے۔

حُبِّ وطن

خسرو کے دل میں دیس کے چپے چپے اور اس کی ہر شے کے لئے محبت موجزن تھی۔ دلی میں انھوں نے اپنی زندگی کے چھیاسٹھ سال گذارے اسے انھوں نے ان تمام شہروں میں سب سے اونچا مقام دیا ہے، جن کی انھوں نے اپنی مختلف نظموں میں تعریف کی ہے۔ "غرۃ الکمال" کی تمہید میں اپنی پیاری دلی پر دلی عقیدت کے پھول برسائے ہیں۔ اور اسے "محرابِ اسلام" "قبلہ شاہ ہفت اقلیم" اور "جنت الفردوس" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ "خزائن الفتوح" میں خسرو نے شہر کے خوبصورت ذخیرہ آب "حوض شمسی" کا ذکر بڑی وضاحت سے کیا ہے جو سلطان التمش نے بنوایا تھا۔ انھوں نے اپنی تصنیف "اعجاز" میں اودھ (جدید ایودھیا) اس کے باغات، اشجار پھول اور اس کے باشندوں کے اخلاق و آداب کی بڑی تعریف کی ہے اس شہر میں وہ اپنے مربی سلطان کیقباد کی مصاحبت میں کچھ عرصہ رہے تھے۔ قران السعدین میں بنگال کی نفیس باریک ململ کا ذکر کیا گیا ہے جسے زیب تن کرنے والے کا بدن اندر سے جھلملاتا کرتا اور جس کی بعض اقسام کا ایک تھان انگوٹھی میں سے گذر جاتا تھا۔ اسی طرح خسرو نے "نہایت الکمال" میں دیوگیر (دولت آباد) اس کے کپڑے اور موسیقاروں کی تعریف کی ہے

بے مثال موسیقار

دیسی موسیقی میں خسرو کا قومی رجحان انتہائی عروج پر نظر آتا ہے۔ ان کے نغموں میں زبان اور مواد خالص ہندوستانی ہے۔ اس کے علاوہ موسیقی کی صورتوں میں ان کی ایجادات کو خود ان کے زمانے میں نیز ان کے بعد بھی بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ خسرو نے ستار اور ڈھولک کے ساتھ سترہ تال نکالیں جو ان کے ذہن رسا کی اختراع تھی۔ ان کے مکتب موسیقی میں قرارت کو بھی ماہرانہ جلا بخشی گئی۔ قوالی جو آج بھی ہندوستانی موسیقی کی جان ہے خسرو ہی کی دین ہے۔

خسرو کئی سلاطین دہلی کے مصاحب رہے، اپنے نغموں سے دربار میں جان ڈالی، قصیدے لکھے اور انھیں امر بنا دیا۔ خسرو صرف شاہوں ہی کے نہیں بلکہ عوام کے بھی ساتھی تھے۔ وہ ان سے ملتے جلتے ان کی زبان میں بات کرتے اور اپنے نغمات میں عام الفاظ استعمال کرتے تھے برسات اور موسم بہار پر ان کے گیت آج بھی شمالی ہند کے عام باشندوں کو ازبر ہیں۔

شاعری کی خوبیاں

خسرو کی شاعری روزمرہ کی زندگی کا عکس ہے انھوں نے ترچھی پگڑی باندھنے والے ایک عام تیلی کے لڑکے اور دہی بیچنے والی عام عورت پر گیت لکھے ہیں "اعجاز" میں لوگوں کے مختلف طبقات اعلیٰ و ادنیٰ، عالم اور جاہل، کسان اور دستکار، سب ہی کی زندگی کا بخوبی نقشہ کھینچا گیا ہے۔ ان کے کھیل کود، سیر و تفریح، رسم و رواج، اخلاق و آداب، اچھائیاں اور برائیاں غرض کہ کوئی بھی چیز شاعر کی نظر سے اوجھل نہیں ہوئی! ایک درزی کیسے کپڑا بیچتا ہے، ایک سنار کیسے سونا مارتا ہے اور ایک دھوبی گاہکوں کے کپڑے کیسے پہنتا ہے ان سب حرکتوں کا بڑا دلچسپ ذکر کیا گیا ہے۔ خسرو کی شاعری میں غیر سماجی عناصر کا بھی ذکر ملتا ہے جن کا وجود موجودہ دور میں بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً بے ایمان، ذخیرہ اندوز، اجارہ دار، منافع خور، غاصب اور زیادہ ہندو قرض دار۔

خسرو نے اپنے گیتوں میں جو زبان استعمال کی ہے وہ عوامی زبان ہے جسے دہلی اور اس کے اطراف سب ہی لوگ سمجھتے اور بولتے تھے۔ سلاطین نے انھیں "امیر" کے خطاب سے نوازا۔ لیکن ان کے شیدائی عوام نے انھیں پیار سے طوطی ہند پکارا۔ ایران کے فارسی شعرا نے بھی خود خسرو ہی کے زمانے میں یہ تسلیم کیا ہے کہ وہ فطری شاعر تھے۔ خسرو کو دنیا بھر میں "سبک ہندی" کا موجد مانا جاتا ہے جسے بعد میں ہندی و فارسی ادب کی ترقی میں نمایاں حیثیت حاصل ہوئی۔

امیر خسرو بلاشبہ ہندوستان کے پہلے قومی شاعر اور اس کے مشترکہ قومی کلچر کے مظہر ہیں۔ ان کا پیغام قومی یکجہتی و قومی اتحاد ایک بے مثال ورثہ ہے جو انھوں نے آنے والی نسلوں کے لئے چھوڑا ہے اور جسے محفوظ رکھنا ہمارا فرض ہے۔

●●

خسرو کی نثر نگاری

"خسرو کی طبیعت کی جولانی کسی بھی صنف سخن میں کم نہیں۔ مثنوی، قصیدہ، غزل، رباعی سب میں وہ جوہر دکھائے ہیں جن کا مقابلہ آج تک کوئی نہ کر سکا۔ نثر نگاری میں بھی ان کی انفرادیت نمایاں ہے۔ اعجازِ خسروی وہ نثری کارنامہ ہے جس میں خسرو نے زبان و بیان کے اصول منضبط کئے ہیں اور سیکڑوں صنعتیں اختراع کی ہیں۔ اس سے قبل کسی نے بھی نثر نگاری کے اصول و قواعد مرتب نہیں کئے تھے یہ تین جلدوں میں ہے اور اس کا سن تالیف ۷۱۹ھ ہے۔ خزائن الفتوح جو تاریخِ علائی کے نام سے بھی موسوم ہے خسرو نے ۷۱۱ھ میں تالیف کی۔ اس پر سلطان علاء الدین نے خسرو کیلئے ایک ہزار تنکہ سالانہ وظیفہ مقرر کیا ہے۔

— پروفیسر نظام الدین گوریکر (طوطیِ ہند)

ترانہ اور امیر خسرو

● عظمت حسین خاں میکش مرحوم

اس سے قبل کہ ترانے کے سلسلے میں لکھوں قول کا ذکر ناگزیر ہے اس لئے کہ قول میں اس حدیث کے بعد مَن کُنتُ مَولاہُ فَعَلیُ مَولاہ ٥ جو بول استعمال کئے گئے ہیں۔ ان میں سے چند کو چھوڑ کر ترانے کے بول بھی شامل ہیں۔ قوال جو قول گاتے ہیں ان بولوں میں تصحیح کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کثرتِ استعمال سے ان بولوں کی کچھ نہ کچھ شکل بدل گئی ہے۔

حدیث شریف کے بعد جو بول پڑھے جاتے ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں (دَرَاتِن دَرَاتِن دَرِ دَانِی) ہم تم تانانانانانا - تانانانا رے ۔ یَلاَلی یَلاَلی یا لاَ اللہ رے ۔ یَلا لاَ لاَ لاَ ۔ یَلا لاَ لاَ لاَ ۔ یَلا لاَ لاَ لاَ رے)۔ اب غور کرنا یہ ہے کہ دَرَاتِن کیا ہے۔ یا تو یہاں 'دَر دِل' ہو یا 'دَرتَن' ہو۔ ان دونوں لفظوں سے معنی پیدا ہوتے ہیں جبکہ دَرَاتِن سمجھ میں نہیں آتا۔ اسی طرح دَر دَانی کی جگہ دَرجانَم زیادہ با معنی ہے اس لئے کہ حدیث شریف کے جو معنی ہیں (یعنی : میں جس کا مولیٰ ہوں علی بھی اس کے مولیٰ ہیں۔) معنوی اعتبار سے دردل یا درتن ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ہم تم یہ دونوں لفظ اردو کے استعمال ہوئے ہیں۔ اس کے بعد ترانے کے بولوں کی تکرار ہے جن سے خوشی کا اظہار مقصود ہے۔ بعد میں عربی الفاظ ہیں جن سے 'لے' کے وزن کو پورا کیا گیا ہے۔

یہاں موسیقی کے ایک بہت ہی پرانے انداز کا ذکر کرنا بہتر ہوگا۔

صدیوں پہلے جب ہماری موسیقی نے الفاظ کا جامہ پہنا تو دھرپد[1] کی ابتدا ہوئی جس میں دیوتاؤں کی استُتی[2] ہوتی تھی یا مذہبی واقعات کا ذکر ہوتا تھا لیکن دھرپد شروع کرنے سے پہلے راگ کے وستار کیلئے بھی چند الفاظ وضع کئے گئے جن میں عبادت یا پرارتھنا کا مفہوم یا تأثر تھا۔ اس انداز کو الاپ[3] چاری کہا گیا، جس کے بول اسطرح ہیں : (اننت - ہری- نارائن- ادم- توم - تنوم - ری)

حضرت امیر خسرو نے قوت ایجاد سے کام لے کر الاپ چاری میں بھی ایک نئی چیز پیدا کردی جس کا نام ترانہ ہوا۔

---

[1] موسیقی کی ایک صنف [2] تعریف و توصیف
[3] راگ کا اظہار یا پھیلاؤ
[4] اس کا مطلب بھی راگ کو پھیلانا یا شکل دکھانا ہی ہوتا ہے۔

ترانہ اپنی ہیئت اور خصوصیت کے اعتبار سے موسیقی میں ایک نادر اور حسین ترین صنف ثابت ہوئی، گو جنوبی ہند میں 'تِلّانا' کے نام سے الاپ چاری کا انداز موجود تھا جو آج بھی قائم ہے۔

ترانے کو دو شکلوں میں قائم کیا گیا ہے اور 'لَے' کے لئے دو تال یا ٹھیکے چنے گئے: تین تال سولہ ماترے[6]، اور ایکتال بارہ ماترے کا۔ ان تالوں کے علاوہ ترانہ کسی اور تال میں نہیں باندھا گیا۔ بعد کے کچھ لوگوں نے جھپ تال جس کے دس ماترے ہوتے ہیں، میں ترانہ باندھنے کی کوشش کی لیکن ترانے کے مزاج نے اس کو قبول نہیں کیا۔ چونکہ اس صنف میں تیزی وطراری' چلت پھرت اور چنچل پن ہوتا ہے اس لئے اوّل الذکر دونوں تال ہی ترانے کے لئے مناسب سمجھے گئے جو بجائے خود خسرو ہی کی ایجاد ہیں۔

ترانے کی دونوں شکلیں مثال کے طور پر پیش کر رہا ہوں۔ راگ سوہنی میں ایک ترانہ دیکھئے۔ اس کا تال ایکتال ہے۔

استھائی: تانا درِ تانا در تانا درنا آدیم تنا
آتانا دیم دیم تاناناناتا تو اوم تانا
نانا توا وم تناناتا در در تانانا تم در در
تانانا تم در در در دانی تادانی۔

انترہ: یالی یلا لوم یالی یلا لوم تدرے دانی
تدرے دانی دھا کٹ تک دھم کٹ
تک ترکٹ تک دھر کٹ تک گدگن
دھا گدگن دھا گدگن دھا گدگن دھا۔

آخر کا دھا اناگھات[7] یعنی سم کی ضرب سے پہلے آتا ہے، یہی اس کی خوبی ہے۔

اسی انداز کا دوسرا ترانہ راگ بسنت[8] میں ہے اس کا ٹھیکا تین تال ہے۔

استھائی: تانانا دیم دیم دیم تا دیم تادانی تانا
دریا دیم توم تنا رے اودانی اودانی
تادانی تادانی در در تا آرے دا آنی۔

انترہ: اَودانی دانی تادانی دیم تا نانانانا دیم
تانانانانا دیم تانانانانا دھادھا
کٹ تک دھاکٹ تک دھم کٹ تک
گدگن دھتا کٹ تک دھا آتی دھا
آ۔

اس ترانے میں لَے کو ایک خاص انداز سے برتا گیا ہے۔ تال کے نویں ماترے سے مکھڑا شروع ہو کر سم[9] کے بعد پانچویں ماترے سے دوسرا بول اٹھتا ہے جو مشکل ہونے کے ساتھ بہت پرلطف بھی ہے اسی طرح انترے کی بندش بھی بہت خوب ہے لیکن ان نکات کا اظہار عملی طور پر ہی کیا جا سکتا ہے، لکھا نہیں جا سکتا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کتنی برجستگی اور خوبصورتی کے ساتھ ترانے میں طبلے کے بولوں میں سمایا ہے۔ اس کا سہرا امیر خسرو کے سر ہے۔

ترانے کا دوسرا انداز ملاحظہ ہو۔ یہ بھی اپنی انفرادیت کے اعتبار سے لاجواب ہے۔ یہ ترانہ راگ بہاگ میں ہے۔ اس کا تال بھی تین تال (سولہ ماترے) ہے۔

استھائی: نادر در دیم تناتنا تا دارے دانی
تارے تادارے دانی یلا لوم یلا لوم
یالے یلالے لالی دیم تنا نانانا دے
رے نانا دارے دانی تا آرے تادارے
دانی۔

انترہ: ہلاک می کند از جان جاں غم دوری
بیا بیا کہ مرا نیست خواب مہجوری

آخر کے لفظ مہجوری کی ادائیگی ایک تیار اور زوردار تان کے ساتھ ہوتی ہے جو اس انداز کے ترانے کی خاص خوبی ہے۔ ساتھ ہی ہر ترانہ کا انترہ فارسی کے کسی نہ کسی مطلع پر مبنی ہے۔ دوسرا ترانہ راگ چھایا نٹ اور تین تال میں ہے۔

استھائی: در در تانوم تنانا دے رے نا آنا
دارے دانی نادر دانی تدرے دانی
تانانانا دریا نارے تنا دھے تے
لیتے لانا توم تانانا۔

انترہ: ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد
ہر کہ خود را دید او محروم شد

راگ دیوگری میں ایک ترانہ اور ہے۔ یہ بھی سولہ ماترے میں ہے۔

استھائی: تانانا تانانا دے رے ناحق جانی
او دانی تادانی تدرے دانی نادارے دانی

انترہ: سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

امیر خسرو کی اس ایجاد کو بھی خیال کی طرح ان کے ہم مشربوں، دوستوں 'پیر بھائیوں[10]' یا شاگردوں نے یاد کیا اور قائم رکھا۔ یہی وہ سلسلہ ہے جو سینہ بہ سینہ چلا آ رہا ہے، ترقیاں ہوتی رہیں اور چلتا رہا۔

اور بھی مختلف راگوں میں بہت ترانے ہیں جن کا ذکر تفصیل طلب ہے۔ اس سلسلے میں ایک اور صنف ایجاد کی گئی جسے ترؤٹ کہا گیا۔ یہ طبلے کے بولوں کا ہی ایک مشہور حصہ ہے جسے راگوں میں بھی باندھا گیا ہے۔ راگ بھوپالی میں ایک ترؤٹ ملاحظہ ہو:

---

[6] یہاں سے طبلے کے بول ہیں۔ [7] میر موسیقی میں لَے کے ایک مقام کا نام ہے۔ [8] یہ راگ بھی امیر خسرو سے منسوب ہے۔ اس راگ میں "خیال" باندھنے کی تفصیل ملاحظہ ہو میرے دوسرے مقالے میں "خیال اور امیر خسرو"، مطبوعہ مجموعۂ مضامین ۱۹۷۵ء ترقی اردو بورڈ۔ نئی دہلی۔ [9] بیچ کی ضرب کو سم کہتے ہیں۔

[10] امیر خسرو موسیقی میں جو نئی چیز کہتے تھے وہ اپنے پیر بھائیوں کو سکھا دیتے تھے اور پھر مرشد کے سامنے پیش کر دیتے تھے اور خیر و برکت کی دعائیں پاتے تھے۔ یہی وہ لوگ تھے جنھیں قوال بچے کہا گیا۔ یہی وہ لوگ تھے جو خسرو کی موسیقی کے امین یا وارث کہے جا سکتے ہیں۔ قوال بچوں کا ہماری موسیقی میں بڑا مرتبہ ہے۔

یہ شُغلِ فاختہ[1] یا اصولِ فاختہ میں باندھی گئی ہے

اَستھائی : دھنا دِھی دِھی نا آدھنا دھنا دِھی دِھی
نا آدِھر دھر کرٹک گدگن دھا آ۔

انترہ : ترکٹ تک دھرکٹ تک دھرکٹ تک
ترکٹ تک کڑ اُن دُھاتی دُھا آکڑ اُن
دُھاتی دُھا آکڑ اُن دُھاتی دھا آ۔

یہاں ایک بات افسوس کے ساتھ لکھنی پڑتی ہے کہ موسیقی کی ایجادات و اختراعات تاریخ میں محفوظ نہیں ہوسکیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس دور میں کلاسیکی موسیقی عوام تک نہیں پہنچی تھی۔ صرف درباروں اور رئیسوں کی محفلوں تک محدود تھی۔ ۷۲۳ھ / ۱۳۲۳ء سے لے کر مغل دور حکومت کی ابتدا تک ایک افسوسناک جمود موسیقی کی دنیا پر چھایا رہا۔

لیکن موسیقار کسی نہ کسی طرح اپنے فن کو سینے سے لگائے رہے۔ یہاں تک کہ زمانے نے پھر ایک خوشگوار اور موسیقی کے لئے سازگار دور دیکھا جو شہنشاہ اکبر کا زرّیں دَور تھا۔ یہیں سے ہمارے ویدوں اور شاستروں کی سنگیت کے ساتھ خسرو کی موسیقی کو بھی نئی زندگی ملی اور ترانہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے قائم رہا۔

تقریباً دوسو سال سے لے کر موجودہ دَور تک جن موسیقاروں نے ترانے کو ترقی دی ہے ان میں سے چند کے نام پیش کرتا ہوں۔ بڑے محمد خانصاحب قوال بچے ؛ ان کے بیٹے مبارک علی خاں صاحب ؛ تان رس خانصاحب، جو آخری مغل بادشاہ کے اُستاد تھے۔ ہدّو خانصاحب گوالیار والے، سکندرہ والے قدرت اللہ خانصاحب؛ رام پور والے وزیر خاں صاحب جو میاں تان سین کے خاندان سے تھے ؛ شبّو خانصاحب، امراؤ خان صاحب؛ عبدالرحیم خان نادر اور عبدالکریم خاں صبر۔ یہ دونوں بھائی موسیقار ہونے کے علاوہ شاعر بھی تھے۔ فصیح الملک داغ کے شاگرد تھے۔ اول الذکر چاروں فنکار تان رس خانصاحب کی اولاد سے تھے۔ دہلی اجڑنے کے بعد نظام حیدرآباد محبوب علی بادشاہ کے دربار میں اس خاندان کی عزت افزائی اور قدردانی ہوئی۔

میں نے جن لوگوں سے ترانہ سنا اُن کے نام یہ ہیں :

حاجی الطاف حسین خاں خورجہ والے؛ فیاض خاں آگرہ والے ؛ رجب علی خاں دیواس والے؛ مشتاق حسین خان سہسوان والے ؛ کرشن راؤ پنڈت گوالیار والے؛ راجہ بھیّا پوچھ والے ؛ بڑوردھن بوا پونہ والے ؛ نثار حسین خاں بدایوں والے؛ مرحوم غلام علی خاں اور امیر خاں مرحوم۔

یہ سب موسیقار خیالئے تھے۔

یہاں ایک بات یاد رکھنی چاہئے کہ خیال گانے والے کے لئے ترانہ گانا بھی ضروری ہے، کیونکہ خیال اور ترانہ دونوں حضرت امیر خسرو کی موسیقی سے منسوب ہیں۔

●●

خواجہ اعزالدین نے امتحاناً چار غیر متناسب الفاظ 'مو' بیضہ' تیر اور خربزہ' نظم میں موزوں کرنے کے لئے کمسن خسرو کو دئے۔ خسرو نے برجستہ یہ رباعی کہی ؛

ہر موئے کہ در دو زلف آں صنم است
صد بیضۂ عنبریں بر آں موئے صنم است
چوں تیر بداں راست دلش زیرا
چوں خربزہ دندانش میانِ شکم است

رباعی سن کر خواجہ کو سخت حیرت ہوئی۔ انھوں نے خسرو کی بیحد تعریف کی اور دعائیں دیں۔

زبانِ یارِ من...

خوار شدم خوار شدم لٹ گیا
در غمِ ہجراں تو کمر ٹوٹ ہے
یار نہیں دیکھتا ہے سوئے من
بے گنہم ساتھ عجب روٹھ ہے
روئے تو رونق شکنِ آفتاب
سرو بہ پیشِ قدِ تو بوٹ ہے
گاہ ز خسرو تو نہ گفتہ کہ بیٹھ
وہ چہ کند بھاگ مرا پھوٹ ہے

زرگر پسرے چو ماہ پارہ
کچھ گڑھ سے سنوار ئیے' پکارا
نقدِ دلِ من گرفت و بشکست
پھر کچھ نہ گڑھا نہ کچھ سنوارا

خالقِ باری سرجن ہار — واحد ایک بدا کرتار
قوت نیرو زور بل آں — سارق دزد چور ہے جاں
بیا برادر آؤ رے بھائی — بنشیں مادر بیٹھ ری مائی
مولوی صاحب سرن پناہ — گدا بھکاری خسرو شاہ

گجری کہ تو در حسن و لطافت چو مہی
آں دیگِ دہی بر سرِ تو چتر شہی
از ہر دو لبت قندِ شکر می ریزد
ہر گاہ بگوئی کہ "دہی لیہو دہی"

[1] یہ ٹھیکہ بھی امیر خسرو کی ایجاد ہے۔ اس کا صحیح نام اُصولِ فاختہ ہے۔ اس کے دس ماترے اور تین ضربیں ہوتی ہیں۔

خسرو صاحبدلاں
خسرو شیریں زباں

ڈاکٹر مجاہد حسین حسینی
صدر شعبۂ اردو فارسی، ایم۔ ڈی۔ کالج۔ بمبئی

امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی من موہنی شخصیت ان کے چہرے کی معصومیت، ان کی باتوں کا بھولا پن، اور دل کی نیکی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ہر دلعزیز بننے اور عالمگیر شہرت حاصل کرنے کے لئے انسان میں جو خصوصیات ہونی چاہئیں وہ سب اس فرد واحد میں جمع ہو گئی تھیں

حضرت امیر خسرو کے سوانح پر ذرا گہری نظر ڈالی جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ ایک سچے صاحب دل تھے اور اسی لئے ان کی باتیں بہت ہی دلنشیں ہوا کرتی تھیں جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ہے۔

ع۔ دل سے جو بات نکلتی ہے، اثر رکھتی ہے

حضرت امیر خسرو ایک صوفی صافی بزرگ تھے اور آپ نے سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی سے شرف بیعت حاصل کیا تھا خسرو کو اپنے پیرو مرشد سے شدید محبت و عقیدت تھی سلطان المشائخ بھی آپ پر لطف خاص فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ:۔

"سلطان المشائخ نے ایک بارانی اور کلاہ چہار ترکی عطا فرمائی اور اپنے مریدان خاص میں داخل کیا[1]"

حضرت امیر خسرو، انھیں اتنا لوٹ کر چاہتے تھے کہ بقول قدرت اللہ قاسم:۔

"امیر نے جب خواجہ صاحب سے بیعت کی تو جو کچھ نقد اور اسباب تھا سب لٹا دیا[2]"

خواجہ صاحب کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے:۔

"امیر کو 'ترک اللہ' کا لقب دیا تھا۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:۔

"میں اور سب سے اکتا جاتا ہوں لیکن خسرو سے کبھی نہیں اکتاتا[3]"

امیر خسرو کے لئے خواجہ صاحب کی کہی ہوئی ایک رباعی مشہور ہے ؎

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خاست
ملکیت کہ ملک سخن آں خسرو راست
آں خسرو ماست ناصر خسرو نیست
زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست[4]

بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب مرحوم خواجہ صاحب اور امیر خسرو کے روابط پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"سلطان الاولیا شیخ نظام الدین رح سلسلۂ چشتیہ میں عجیب صاحب کمال، وسیع مشرب صاحب دل اور صاحب ذوق بزرگ گذرے ہیں۔ ہر ملت و مشرب کے لوگ ان کے پاس حاضر ہوتے اور ان کے عرفان و زندہ دلی سے فیض پاتے تھے ... امیر خسرو کو بھی سلطان الاولیا ہی کی درگاہ سے فیض پہنچا تھا وہ ان کے خاص مریدوں میں سے تھے[5]"

---

1. علامہ شبلی نے سال بیعت سنہ ۶۱۳ھ۔ علامہ کیفی چڑیاکوٹی نے سنہ ۶۸۰ھ اور ڈاکٹر وحید مرزا نے سنہ ۶۷۱ھ لکھا ہے۔
2. طبقات الشعراء
3. بحوالہ امیر خسرو اور ان کی ہندی شاعری از ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی ص ۴۷
4. ہفت اقلیم
5. اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام ص۔ ۱۵

خسرو نے اپنے خواجہ کے ملفوظات کو کتابی شکل میں ترتیب دیا تھا اور اس کا نام "افضل الفوائد" رکھا۔ ایک مرتبہ سلطان غیاث الدین تغلق کے ساتھ امیر خسرو کو دلی سے باہر جانا پڑا۔ ان کی عدم موجودگی میں سلطان المشائخ علیل ہو گئے اور آخر کار ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ کو آپ کا وصال ہو گیا۔ جب خسرو واپس لوٹے اور انھیں یہ خبر بد ملی تو ان پر حالت جنون طاری ہوئی۔ بے تابانہ شیخ طریقت کی خانقاہ کی طرف دوڑے۔ دروازے پر رک کر فی البدیہہ یہ شعر پڑھا ؎

ایں مکانیست کہ منزل گہہ جاناں بودہ است
راہ آمد شدہ آں سرو خراماں بودہ است

اس کے بعد خسرو، خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے اور فرمایا۔

سبحان اللہ آفتاب در زیر زمین و خسرو زندہ [۱]

آپ نے اپنا سر مبارک مزار پر دے مارا اور ہندی کا یہ دوہا پڑھا ؎

گوری سووے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر آپنے رین بھئی چہوں دیس

پیر و مرشد کے بعد آپ بمشکل چھ ماہ زندہ رہ سکے بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ:-

"امیر خسرو نے اپنے مرشد کے وصال کے ساڑھے تین ماہ کے بعد انتقال کیا [۲]"

حضرت نظام الدین اولیا اور امیر خسرو کے تعلقات پر اس لئے قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی گئی تاکہ اندازہ لگایا جا سکے کہ خسرو کا دل کس زبردست منبع لطف و کرم سے اکتساب فیض کر رہا تھا اور آگے چل کر خود امیر خسرو کو جو شہرت و ناموری حاصل ہوئی اس کا سوتا یا مرکز اصلی کہاں تھا

امیر خسرو جن کا پورا نام ابوالحسن یمین الدین خسرو تھا، کی مادری زبان* اگرچہ فارسی تھی اور ترکی سے بھی بخوبی واقف تھے لیکن انھیں سنسکرت پر بھی پورا عبور حاصل تھا جیسا کہ مولانا شبلی رح تحریر فرماتے ہیں:-

"حضرت امیر خسرو نے سنسکرت اور بھاکا میں جو کمال پیدا کیا وہ محتاج اظہار نہیں۔ مثنوی "نہ سپہر" میں انھوں نے خود اپنی سنسکرت دانی کا ذکر کیا ہے [۳]"

وہ ہندوستان کے پہلے شاعر ہیں جنھوں نے فارسی میں اشعار کہنے کے ساتھ ساتھ "ہندوی" یعنی فارسی اور بھاشا کی آمیزش سے تیار ہونے والی زبان میں شعر کہے۔ اس زبان میں ان کے اشعار فارسی داں اور ہندی داں، دونوں حلقوں میں پسند کئے گئے۔ مثلاً ملاحظہ ہو ہندی ساہتیہ کوش کے مرتبین کی یہ رائے:-

"دربھاگیہ ہے کہ امیر خسرو کی ہندی رچنائیں نکھت روپ میں پراپت نہیں ہوئیں، لوک مکھ کے مادھیم سے چلی آرہی ان کی رچناؤں کی بھاشا میں نرنتر پریورتن ہوتا رہا ہوگا اور آج وہ جس روپ میں پراپت ہوتی ہیں وہ اس کا آدھونک روپ ہے پھر بھی ہم نرسندیہہ یہ وشواس کر سکتے ہیں کہ خسرو نے اپنے سمے کی کھڑی بولی ارتھات ہندوی میں بھی اپنی پہیلیاں مکرنیاں آدی رچی ہوں گی [۴]"

ڈاکٹر وحید مرزا خسرو کی زبان دانی پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"ان کے فارسی اور ہندی زبانوں میں کامل ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں ہو سکتا اس لئے اگر فارسی ان کے آبا و اجداد کی زبان تھی تو ہندی انھیں اپنی والدہ سے ورثہ میں ملی تھی۔ ان دو زبانوں کے علاوہ وہ اور زبانیں بھی ضرور جانتے تھے چنانچہ "نہ سپہر" میں کہتے ہیں ؎

من زباں ہائے کساں بیشترے
کردہ ام از طبع شناسا گزرے
دانم و دریافتہ و گفتہ ہم
جستہ و روشن شدہ بیش و کم [۵]

ایک اور موقع پر خسرو اپنے "ہندوستانی پن" اور "ہندوی گوئی" پر فخر و مباہات کر کے کہتے ہیں ؎

ترک ہندوستانیم من ہندوی گویم جواب
شکر مصری ندارم کز عرب گویم سخن [۶]

اس میں کوئی شک نہیں کہ خسرو کا فارسی کلام بہت ہی اعلیٰ پایہ کا ہے اور ان کے حسب ذیل فارسی اشعار ہر خوش مذاق قاری کو یاد رہیں گے ؎

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے
من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے
خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی می کند
آری آری، می کنم با خلق و عالم کار نیست

○

---

* یہ خیال محل نظر ہے۔ (ادارہ)

۱ سفینۃ الاولیاء۔ ص ۱۷۰

۲ مونس الارواح (نسخۂ قلمی) مملوکہ دارالمصنفین اعظم گڑھ بحوالۂ بزم صوفیہ از صباح الدین عبدالرحمٰن۔ ص ۱۹۲

۳ مضمون بعنوان "بھاشا زبان اور مسلمان" مشمولہ مقالات شبلی (ادبی) جلد دوم طبع دوم ۱۹۵۰ء ص۔ ۸۰

۴ ہندی ساہتیہ کوش (بھاگ ۲) ودانسی گیان منڈل لمیٹڈ۔ ص ۱۹

۵ امیر خسرو ص ۲۴۴

۶ قرۃ الکمال

٥

توئی در ملک جاں خسرو، چہ خسرو، خسرو خوباں
بلا تحمل قد فتنہ، چہ فتنہ، فتنہ دوراں
جہانت، مجمعے باشد، چہ مجمع، مجمع خوباں
چہ خوبی، خوبی یوسف، چہ یوسف، یوسف کنعاں
دہانت غنچہ باشد، چہ غنچہ، غنچۂ دل کش
چہ دلکش، دلکش خرم، چہ خرم، خرم خنداں
چو خسرو بندۂ باشد، چہ بندہ، بندۂ عاشق
چہ عاشق، عاشق بے دل، چہ بیدل، بیدل حیراں

٥

"خسرو کے زمانے میں دنیا ان کے فارسی کلام کی دلدادہ تھی۔ صاحب دل لوگوں، محافل سماع اور قوالیوں کا تو ذکر ہی کیا، ان کے کلام پر معمولی پیشہ ور بھی عاشق تھے چنانچہ چھجو ساقی کا نام آج تک امیر خسرو کے سوانح کا ایک اہم جز ہے ۱ ؎"

کیا یہ تعجب اور تعریف کا مقام نہیں کہ فارسی کا ایک ایسا نغز گو اور قادر الکلام شاعر جب "ہندوی" میں شعر کہنا شروع کرتا ہے تو اس کی مدھر بانی ہر شخص کے کانوں میں رس گھولتی اور دل کو تڑپا دیتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جس زمانہ میں امیر خسرو نے ہندوی میں شعر کہنا شروع کیا وہ فارسی وعربی اور سنسکرت کی حکمرانی کا زمانہ تھا ایسے میں ایک فارسی شاعر کا سنسکرت کا عالم ہونا اور پھر بھاشا یا بھاکا کی طرف توجہ کرنا بڑی ہمت کا کام تھا۔ سنسکرت سے ان کی واقفیت کمال کی حد تک تھی جیسا کہ مرحوم پروفیسر حافظ محمود شیرانی لکھتے ہیں

"امیر خسرو، ادبی دنیا کے آفتاب عالمتاب ہیں اور خاک ہند اب تک ان کے اشعا ف وکمالات کا انسان پیدا نہیں کر سکی ہے وہ ایک طرف فارسی کے زبردست ناظم و ناثر ہیں، دوسری طرف عربی و سنسکرت میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں ۲ ؎"

اس میں کوئی شک نہیں کہ امیر خسرو سے پہلے بھی برج بھاشا اور عربی فارسی کا مثلث بن چکا تھا لیکن خسرو نے اسے بام عروج تک پہنچایا بقول محمد حسین آزاد :-

"جب برج بھاشا نے اپنی وسعت اخلاق سے عربی فارسی الفاظ کے مہمانوں کو جگہ دی تو طبیعت میں اس قدر روئیدگی نے بھی زور کیا، لیکن وہ صد ہا سال تک "دوہروں" کے رنگ میں ظہور کرتی رہی یعنی فارسی کی بحریں اور فارسی کے خیالات نہ آتے تھے امیر خسرو نے کہ جن کی طبیعت اختراع میں اعلیٰ درجہ صنعت وایجاد کا رکھتی تھی ملک سخن میں برج بھاشا کی ترکیب سے ایک طلسم خانہ انشا پردازی کا کھولا ۳ ؎"

امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ نے ہندوی زبان کو اسی لئے اختیار کیا کیونکہ وہ اپنے ملک کے یعنی ہندوستانی عوام سے قریب رہنا چاہتے تھے۔ اگرچہ انھیں بعض حالات کی بنا پر بادشاہوں کے ساتھ عرصۂ دراز تک رہنا پڑا لیکن انھیں عوامی زندگی، عوام کے مسائل، ان کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں اور غموں سے پیار تھا۔ گویا وہ بھی نظیر اکبر آبادی کی طرح ہندوستان کی "اصل روح" یعنی یہاں کی پبلک یا جنتا سے دلی لگاؤ رکھتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ ان کی بوجھ پہیلیاں، بن بوجھ پہیلیاں، کہہ مکرنیاں، دو سخنے نسبتیں، دوہے، ہلکے پھلکے نسخے اور ٹھیکلے ڈھکوسلے

انمل، موسموں کے گیت، فارسی ہندی کی ملواں غزلیں اور قوالیاں، عوام کے لئے آج بھی قیمتی سرمایہ ہیں میرا خیال ہے کہ فن موسیقی میں اختراعات، حضرت امیر خسرو کی موزونی طبع اور ذہانت وذکاوت کے علاوہ ایک شعوری کوشش بھی تھی جس کے ذریعے وہ عوام کے دلوں میں اترنا چاہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ موسیقی ہندوستانی عوام کو بہت محبوب ہے لہذا انھوں نے "دلوں کو فتح کرنے کے لئے" اس حربے کو بھی استعمال کیا۔

آخر میں حضرت امیر خسرو کی کتاب "خالق باری" کا ذکر بھی مجملاً کرنا چاہوں گا۔ اگرچہ حافظ محمود شیرانی اور کئی اور محققین کو اس کتاب کے "تخلیق خسروی" ہونے میں شبہ ہے لیکن بیشتر حضرات اسے امیر خسرو ہی کی کتاب سمجھتے ہیں۔ مثلاً مولوی محمد امین چریاکوٹی نے اسے اپنی تالیف "جواہر خسروی" میں شامل کیا۔ پروفیسر سید احتشام حسین صاحب بھی خالق باری (عرف حفظ اللسان) کو خسرو کا کارنامہ سمجھتے ہیں ۴ ؎ اور ڈاکٹر سید عبداللہ نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ:-

"امیر خسرو شاید پہلے ہندوستانی ہیں جن کے قلم سے ایک نصاب کی کتاب یعنی "بدیع النصاب" وجود میں آئی ۵ ؎"

اس ضمن میں تحقیقی اور علمی رسالہ "نوائے ادب" بمبئی میں ڈاکٹر مسعود رضا آہ اور مولانا مہر محمد خاں صاحب شہاب مالیر کوٹلوی کا محققانہ مقالہ بھی قابل مطالعہ ہے۔

مختصر یہ کہ حضرت امیر خسرو کی ذات بابرکات اردو، ہندی، والوں کے لئے عموماً اور اعلیٰ ظرف، کشادہ دل، پاک باطن لوگوں کے لئے خصوصاً ہمیشہ لائق و منزلت رہی ہے اور رہے گی۔ جب حضرت خسرو رحمتہ اللہ علیہ کا نام ہمارے ذہنوں میں گونجے گا۔ ہمارے دل ان کے لئے عقیدت سے چھلکیں گے اور لبوں پر ان کا یہ شعر مچل اٹھے گا۔

وانی کہ ہست درجہاں من خسرو شیریں زباں
گر نالی از بہر دلم بہر زباں من بیا

---

۱ ؎ آب حیات ص ۹۳ نیز امیر خسرو، علی عباس حسینی ص ۶۴
۲ ؎ پنجاب میں اردو، حافظ محمود خان شیرانی ص ۱۵۳
۳ ؎ آب حیات ص ۵۸
۴ ؎ اعتبار نظر ص ۱۲۱
۵ ؎ مباحث ص ۱۱۰

نُہ سپہر میں

خسرو کی ہندوستان دوستی

ڈاکٹر عصمت جاوید

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ قومیت ایک مغربی تصور ہے جو ہندوستان کو انگریزوں کی دین ہے جہاں تک اس تصور کے سیاسی مضمرات کا تعلق ہے، یہ بات غلط بھی نہیں۔ سارے دیس کو اپنا وطن سمجھ کر اس سے محبت کرنے اور اسے بیرونی سیاسی استیلا سے محفوظ رکھنے کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کا جذبہ بہت بعد کی پیداوار ہے جو رفتہ رفتہ ہم میں پیدا ہوا ہے۔ عام بول چال میں ہم آج بھی "وطن" سے صرف اپنا مقام پیدائش مراد لینے کے عادی ہیں لیکن جب ہم امیر خسرو کا کلام پڑھتے ہیں تو ہمیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ آج سے چھ صدی قبل ہماری سرزمین پر بھی ایک ایسا شخص گذرا ہے جس کے جذبۂ وطن پرستی میں قومیت کے جدید تصور کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ اگر امیر خسرو وطن سے صرف مقام پیدائش یا رہائش کی جگہ مراد لیتے تو شاید صرف دہلی اور نواح دہلی تک ہی اپنی مدح سرائیوں کا دائرہ محدود رکھتے۔ اور اگر وہ وطن کے تصور میں نسل و مذہب کو اساس بناتے تو اپنے سامنے ناز سے بہتے ہوئے گنگ و جمن کی اٹکھیلیاں کرتی ہوئی لہروں سے آنکھیں بند کر کے گیسوئے دجلہ و فرات کو سنوارنے میں لگ جاتے۔ لیکن امیر خسرو نے نہ صرف سارے ہندوستان کو اپنا وطن سمجھ کر اس سے محبت کی بلکہ اہل وطن کو بھی اس دائرے میں شامل کر کے انھیں بڑے چاؤ سے اپنے سینے سے لگا لیا ہے اور ایسے زمانے میں جب حکمراں طبقے کا تعلق ثقافتی، مذہبی، لسانی اور علمی اعتبار سے بیرون ہند سے قائم تھا اور وسط ایشیا سے اہل علم و ہنر کی آمد جاری تھی لیکن خسرو کی بڑائی یہ ہے کہ اپنے عہد کی پیداوار ہونے کے باوجود انھوں نے اس عہد کے حدود سے باہر نکل کر آگے بھی دیکھا ہے۔ اور صرف مذہب یا حکمراں طبقے کی ثقافت جس کے وہ خود حامل تھے ان کی وطن دوستی کی راہ میں حائل نہ ہو سکی۔ اگر خسرو چاہتے تو ایک آدھ شعر یا نظم میں اپنے وطن سے محبت کا ذکر کر دیتے لیکن انھیں ہندوستان سے اس قدر والہانہ محبت تھی۔ اور یہ محبت ان کے لہو میں اس حد تک رچ بس چکی تھی کہ انھوں نے اس ملک کی ایک ایک چیز کا ذکر مزے لے لے کر کیا ہے اور اپنی پسندیدگی اور محبت کے جواز میں ایک نہیں کئی دلائل و براہین پیش کئے ہیں۔ اپنے وطن کی تعریف اور اپنے محبوب مرشد سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؒ کی مدح ایسی دو چیزیں ہیں جن سے خسرو کسی موقع پر بھی غافل نہیں رہے ہے۔ سلطان المشائخ کی مدح "تحفۃ الصغر" سے لے کر "بقیہ نقیہ" تک ان کے تمام دواوین میں ملتی ہے اور ہندوستان کی تعریف ان کی مشہور مثنویوں "قران السعدین" "عشقیہ (دول رانی خضر خاں)" اور "نُہ سپہر" میں تفصیل کے ساتھ ملتی ہے۔ اس مضمون میں ہم صرف انھیں اشعار کے حوالے سے امیر خسرو کی ہندوستان دوستی کا ذکر کریں گے جو مثنوی "نُہ سپہر" کے "سپہر سوم" میں پائے جاتے ہیں۔

امیر خسرو نے "نُہ سپہر" سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے عہد حکومت میں لکھی جب ان کی عمر ساٹھ سے تجاوز کر چکی تھی اور اس میں اس سلطان کے عہد کے اہم تاریخی واقعات اور فتوحات کو منظوم کیا ہے انھوں نے ہر سپہر میں علیحدہ بحر استعمال کی ہے اور سپہر سوم صرف ہندوستان کی تعریف و توصیف کے لئے وقف کیا ہے جس کی بحر اس قدر مشکل ہے کہ صرف خسرو جیسا قادر الکلام شاعر ہی اس سے عہدہ برآ ہو سکتا تھا۔ فرماتے ہیں ؎

"روم خراسان اور ختن طعنہ دیتے ہیں کہ یہ
سرزمین (ہندوستان) تعریف کے لائق
نہیں ہے۔ لیکن میں جادو بیان اسی خطے
کا رہنے والا ہوں اور میں نے دل میں یہ
تہیہ کر لیا ہے کہ اگر خدائے بخشندہ توفیق
عطا کرے اور میرے قلم کو برتری دے
تو میں اس سرزمین کو بلندی سے زمین پر نہ
آنے دوں اور اسے آسمان بھی بنا دوں
اور خلد بریں بھی۔"

اس کے بعد وہ تلنگانہ سے آئے ہوئے ہاتھیوں اور قتل ہر پال کا واقعہ بیان کرنے اور اس سپہر کی مخصوص بحر کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

"میرا ارادہ ہے کہ اس جادو بیانی سے جو
ہندوستان کی تعریف میں جلوہ گر ہوگی
خالی از خطا دلائل کے ذریعے اسے عراقین
خراسان اور ختا سے بہتر ثابت کروں
اگر حریف یہ طعنہ دے کہ ہندوستان کو
ترجیح دینے کا سبب کیا ہے تو اس کلام
کے لئے میں دو وجہیں پیش کرتا ہوں
ایک تو یہ کہ (اس دور میں) یہ زمین میرا

مقامِ پیدائش، پناہ گاہ اور وطن ہے
آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ اے دین والو!
بالتحقیق حب وطن جز و ایمان ہے۔ دوسری
وجہ یہ ہے کہ سلطان قطب الدین
مبارک شاہ جیسے قطب زماں کی وجہ سے
ساری دنیا میں اس ملک کا پلہ بھاری ہے"

اس اعتذار کے بعد وہ اپنے وطن ہندوستان
کو جنت نشان، ثابت کرنے کے لئے سات دلائل پیش
کرتے ہیں۔ پہلی دلیل یہ کہ حضرت آدم کو جنت سے نکالنے
کے بعد خدا نے انھیں ہندوستان میں بھیجا۔ دوسری
دلیل یہ کہ مور ہندوستان کا خاص پرندہ ہے اور یہ پرندہ
جنت میں بھی پایا جاتا ہے۔ تیسری دلیل یہ کہ جب حضرت
آدم حضرت حوا کی تلاش میں ہندوستان سے باہر گئے
تو انھوں نے ہندوستان کی نعمت کھائی تھی اور پھر
صحرائے دمشق میں غوطہ لگایا تھا۔ پانچویں دلیل یہ
کہ ہندوستان میں جنت کی طرح سال بھر بہار ہی
بہار ہوتی ہے۔ چھٹی دلیل یہ کہ از روئے حدیث
نعمت دنیا اہل ایمان کے لئے نہیں بلکہ گبر (آتش پرستوں)
کے لئے ہے۔ اور (ہندوستان از آدم تا ایندم کافروں
کے لئے خلد بریں ہے) ساتویں دلیل یہ کہ اگرچہ فردوس
کے اعتبار سے یہ دنیا اس کی تمام خوبیوں کے باوجود
سجن المومن ہے لیکن ہندوستان کی نسیم میں جنت کی
تاثیر ہے۔ اور یہ تاثیر اس لئے پیدا ہوئی کہ یہاں قطب
الدین مبارک شاہ کی فرمانروائی ہے جو قطب زماں
ہیں ؎

شاہ مبارک کہ جہاں از رخ او
گشت بہشتی چو رخ فرخ او

ہندوستان کو جنت نشاں ثابت کرنے کے بعد
خسرو مزید دس دلیلیں یہ ثابت کرنے کے لئے پیش
کرتے ہیں کہ ہندوستان کو روم، عراق، خراسان
اور قندھار پر کیوں فضیلت حاصل ہے
خسرو ہندوستان کی آب و ہوا اور پھلوں پھولوں
ہی کی تعریف پر اکتفا نہیں کرتے۔ اگر وہ صرف اسی پر بس
کرتے تو یہ بات اس قدر حیرت انگیز نہ ہوتی کیونکہ ہر کوئی
اپنے گرد و پیش کی تعریف کرتا ہی ہے لیکن جیسا کہ بتایا جا
چکا ہے خسرو وطن سے صرف اس کا طبعی ماحول نہیں بلکہ
اہل وطن بھی مراد لیتے ہیں اور یہاں کے قدیمی باشندوں
کی تعریف کرتے ہوئے ان کی برتری اہل عجم پر ثابت
کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سے ان کی وسعت
قلبی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ابتدا میں وہ ہندوستان
کے علوم کے متعلق فرماتے ہیں۔

"اگرچہ فلسفہ روم (یونان) سے نکلا اور وہاں
سے سبھوں نے اکتساب کیا لیکن ہندوستان
اس معاملے میں تہی مایہ نہیں ہے۔ اگر سوچو
تو اس میں حکمت کا ایک ایک شعبہ ہے یہاں
منطق علم نجوم کلام بلکہ فقہ کے علاوہ ہر علم ہے
چونکہ فقہ دین اسلام کا جائزہ ہے اس لئے
یہاں کے لوگ اس باب میں خاموش ہیں
لیکن تمام عقلی میں سے بیشتر علوم بطر زقدیم
یہاں موجود ہیں۔ یہاں وہ برہمن ہے جو
علم و خرد میں قانون ارسطو کے دفتر کو پھاڑ
دیتا ہے۔ یہاں علم ریاضی ہے، طبعیات ہے
علم ہیئت ہے جس کی رو سے ماضی اور مستقبل
دونوں کا علم حاصل ہوتا ہے۔ سوائے
الٰہیات کے کہ اس میدان میں علم و خرد عاجز
ہے۔ صرف ہندو ہی اس راہ میں گم نہیں ہوا
ہے بلکہ فلسفے کو بھی اس میں سو رکاوٹیں ملتی
ہیں"

اس کے بعد خسرو ہندوؤں کے عقائد کا مقابلہ اسلامی
عقائد سے کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

"ان کے عقائد مجوسیوں اور عیسائیوں کے
مقابلہ میں اسلام سے زیادہ قریب ہیں
اگرچہ وہ اب تک ہماری طرح صاحب ایمان
نہیں ہیں لیکن ان کے اکثر عقائد ہمارے
عقائد سے ملتے جلتے ہیں کیونکہ وہ موحد
ہیں اور خدا کے لم یزل ہونے اور اس کی معدوم
کو پھر سے موجود کرنے کی قوت پر ایمان
رکھتے ہیں۔ ہندو پتھر، جانور، گدھے، سورج
اور گھاس جس کو بھی پوجتے ہیں تو انھیں مخلوق
سمجھ کر یاد لو یاد یو صورت مان کر"

غرض اہل ہند کے علم و ہنر اور ان کے عقائد کی تعریف
کرنے کے بعد خسرو ان کی اہل عجم پر برتری ثابت
کرنے کے لئے مزید دس دلائل پیش کرتے ہیں اور
دسویں دلیل یہ ہے کہ یہاں خسرو جیسا جادو بیان
شاعر ہے جس کی مثال اس چرخ کہن تلے کہیں اور
نہیں ؎

حجت دہ آنکہ چو خسرو بہ سخن
سحری گری نیست تہ چرخ کہن

اس کے بعد خسرو ان زبانوں کا ذکر کرتے ہیں جن سے
وہ واقف ہیں اور عربی اور ترکی سے مثالیں پیش کر کے
یہ لسانی اصول وضع کرتے ہیں کہ کسی ملک کے حکمران
طبقے کی زبان رفتہ رفتہ اس ملک کی عام زبان
بن جاتی ہے اس اصول کا اطلاق ہندوستان پر کرتے
ہوئے کہتے ہیں۔

"ہندوستان پر بھی اسی قاعدے کا اطلاق
ہوتا ہے۔ یہاں زمانہ قدیم سے ہندوی
بولی جاتی ہے (لیکن) جب غوری و ترک
آئے تو ان کی زبان ظاہر و باطن میں فارسی
تھی۔ جب عوام ان سے وابستہ ہوئے
کیا چھوٹے کیا بڑے، کیا اچھے کیا برے
سبھوں نے فارسی سیکھی اور یہاں جتنی
زبانیں تھیں وہ اپنی حدوں سے آگے
نہ بڑھ سکیں"

غرض امیر خسرو نے جس طرح ہند اور اہل ہند
کی تعریف کی ہے اس کی مثال تاریخ کے صفحات
میں مشکل سے ملے گی۔

●●

"گوری سووے سیج پہ مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر آپنے، سانج بھئی چہوں دیس"

حضرت امیر خسرو کا مزار۔

یوسف بسرسوی
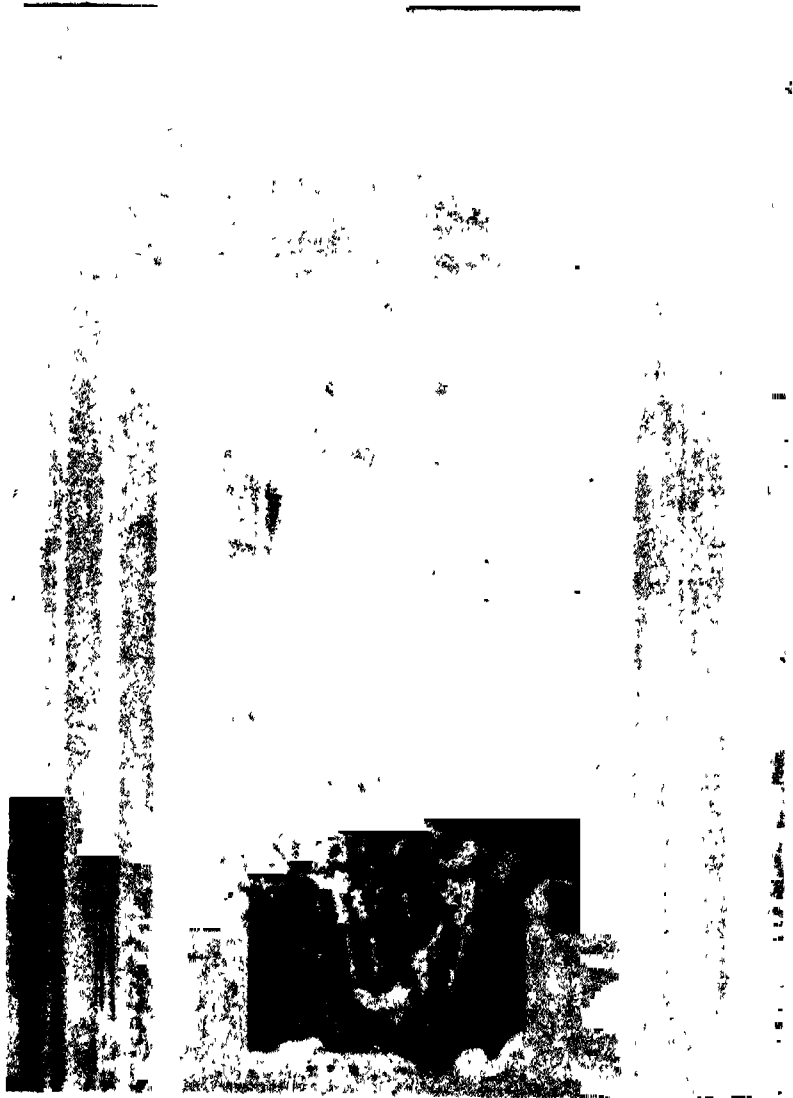
اک نغمۂ شیراز ہے تو ہند کی لے میں

اے خسرو لاچین و جگر گوشۂ کشکا
اے فخرِ کش و بلخ و سمرقند و بخارا
اے نازشِ گنگ و جمن اے رشکِ ہمالہ
اے مطربِ دہلی و دکن شاعرِ والا
ہے بسکہ عجب سوز ترے بربط و نے میں
اک نغمۂ شیراز ہے تو ہند کی لے میں

نقش اپنے اپنے چھوڑ گئے کاملانِ دہر
لیکن کسے نصیب بھلا طرزِ "نہ سپہر"
دیکھا ہے سب کا زورِ قلم ہم نے شہر شہر
سب ہیں نظر میں دہلی سے تا ماورائے نہر
یوں اپنا اپنا رنگ ہے انداز و طور ہے
"اعجازِ خسروی" کی مگر بات اور ہے

نیرنگیٔ سخن لبِ اعجاز کی دلیل
اشعار موجِ کوثر و تسنیم و سلسبیل
ہے لفظ لفظ ترشا ہوا پیکرِ جمیل
گر نظم بے نظیر ہے تو نثر بے عدیل
فکرِ رسا و طبع گہر بار لاجواب
تیرا ہزار رنگ سخن زار لاجواب

یہ راگنیاں، راگ، یہ سُرتال، یہ سنگیت
گھر گھر ہیں ترانے ترے گھر گھر ہیں ترے گیت
یگ آئے گئے ایک زمانہ گیا گو بیت
باقی ہے تری چاہ، تری ریت، تری پریت
ہر دل کے لئے بول ترے پیار کی سوغات
خوشبو کی طرح پھیلے ہوئے ہیں ترے نغمات

اک نغمۂ شیراز ہے تو ہند کی لے میں

امیر خسرو

ترانۂ روحِ دو جہاں ہیں نوائے جاں ہیں امیر خسرو
حیات خود نغمہ خواں ہے جن کی وہ نغمہ خواں ہیں امیر خسرو

"سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں"
"اندھیری رتیاں" نہ کیوں ہوں روشن کہ ضوفشاں ہیں امیر خسرو

وہ ہندی الاصل فارسی گو، وہ برج بھاشا، وہ کہہ مکرنی
مگر جو کہہ کر کبھی نہ مکری وہی زباں ہیں امیر خسرو

وہ شاعر و عارف و قلندر، وہ خسروی شان، وہ فقیری
نہ کیوں ہوں جانِ جہاں کہ آخر جہانِ جاں ہیں امیر خسرو

نظامِ دین و نظامِ دنیا کا ان پہ فیضان ہے کہ اب تک
نظامِ عالم ہے پیر و کہنہ مگر جواں ہیں امیر خسرو

جمالِ اجمیر و حسنِ دہلی کہ جس پہ ہندوستاں ہے نازاں
اُسی جمالِ ابد نما کے قصیدہ خواں ہیں امیر خسرو

رئیسؔ ان کا دوامِ عظمت نہ کیوں ہو پھر عظمتِ دوامی
"دوام" خود ترجمہ ہے جس کا وہ ترجماں ہیں امیر خسرو

رئیس امروہوی (کراچی)

نذرِ خسرو

کوئی پیغامبر یا جامۂ احرام میں آئے
محمدؐ کی گلی یا کوچۂ گھنشام میں آئے
خدا شاہد ہے سر جھکتا ہے اہلِ دل کے قدموں پر
مئے صافی سے مطلب ہے کسی بھی جام میں آئے

نیاز آگیں جبیں لے کر جو بزمِ ناز میں آئے
نہ کیوں پھر وہ شمارِ اہلِ سوز و ساز میں آئے
تصوّف کی نگاہیں تو اُسے پہچان ہی لیں گی
کسی بھی بھیس میں آئے کسی انداز میں آئے

مبارک اس کا جینا جو تری سرکار میں آئے
صفائے قلب لیکر صدق سے دربار میں آئے
نگاہِ اہلِ عالم میں جو عزّت ہو تو کیا عزّت
وہ قسمت کا دھنی ہے جو نگاہِ یار میں آئے

مقام اُن کا بھی اونچا ہے جو تیری راہ میں آئے
اور اُنکی بات ہی کیا جو تری درگاہ میں آئے
عبادت اور سجدوں کی بھی عزّت دل میں ہے لیکن
عبادت وہ عبادت ہے مزہ جب آہ میں آئے

گوپی ناتھ امنؔ

سراپائے خسرو

…اخموش تھی کچھ نیند کا سا غلبہ تھا
پلک جھپکتے ہی شاعر کا قلب جاگ اُٹھا
…دنگاہ نے دیکھا بقیدِ ہوش و حواس
کھڑا ہے سامنے اک مردِ باخدا تنہا

…زقد، رُخِ پرنور، کاکلِ پیچاں
نگاہِ زہد پہ قرباں ہزار میخانے
…ہ ریشِ مقدس، کشادہ پیشانی
سکوتِ لب کا مقدّر حسین افسانے

…سر پہ بدلئے سفید شانے پر
نفس نفس میں حدیثِ جمالِ یار لئے
…قدم نگہ شوق سے ملاقاتیں
نظر نظر مئے عرفان کا خمار لئے

قمرؔ سیوہاروی

رباعیٔ خسرو

وصفِ شرفِ تو بیش از ادراک آمد
سبقِ ادبت نعبُد ایاک آمد
توقیعِ تو کر صحیفۂ پاک آمد
لولاک لما خلقت الافلاک آمد

ترجمہ خضرؔ برنی

تیری توصیف کو عقل و خرد سے بھی سوا پایا
ادب سے تیرے درسِ بندگی کو ہم نے اپنایا
کتابِ آسمانی میں یہی نکتہ نظر آیا
تمہاری ذات کے باعث ہوا افلاک کا سایا

خضرؔ برنی

کرشن موہن

امیر خسرو

پہیلیوں کا رچیتا وہ زندہ دل شاعر
پہیلیوں کا چہیتا وہ عشق کا کافر
جو کہہ مکرنیوں اور چٹکلوں کا تھا رسیا
وہ میت گیتوں کا، اہلِ وفا کا من بسیا
وہ نغمہ سنجِ عظیم و شہیر، وہ فاضل
مرید پہنچے ہوئے پیر کا، خلامائل

وہ مردِ مستانہ
خیال و ایمن و قول و ترانہ، قلبانہ
اسی کی دین ہیں سنگیت کو، اسی نے تو
(وہ اجتہادِ سراپا تھا نابغہ خسرو)
ستار کو وہ رسیلا، انوپ روپ دیا
کہ جس نے اپنے سُروں سے دلوں کو جیت لیا

کئی زبانوں کا ماہر تھا، رہبر کامل
فریدِ عصر تھا سرشار عالم و عامل
وہ فارسی کا سخنور، کوی تھا ہندی کا
وہ ترکی و عربی، سنسکرت کا بھی شیدا
اُسے عزیز تھی پنجابی اور سندھی بھی
کہی اسی نے غزل سب سے پہلے اُردو کی
کہ جدت و ندرت
صفت تھی اس کے شعورِ ہزار پہلو کی

وہ اتحادِ مذاہب کا شوخ پیغمبر
تھا بیکسوں کا حبیب لبیب، تیز نظر
حق آشنا تھا بشر دوستی کا موسیقار
عطا و جود کا پیکر، غنا کا شاہسوار
غبار راہ سمجھتا تھا مال و دولت کو
وطن پرست فقیر امیر دل خسرو
امیر ایسے ہی دھرتی کا غم بٹاتے ہیں
فقیر ایسے تو صدیوں کے بعد آتے ہیں

قومی راج

بدیع الزماں خاور

پیامِ خسرو کا

مرا وطن
مری دھرتی کی ایک جنت ہے
یہاں کی آب و ہوا
خوشگوار ہے کتنی
یہاں کے سبزہ و گل ہی میں کیا لطافت ہے؟
مرے وطن میں ہے جو شے، وہ خوبصورت ہے
مرا وطن، مری دھرتی کی ایک جنت ہے

یہی تو ہے وہ زمیں
سات سو برس پہلے
کیا تھا جس کی فضاؤں سے پیار خسرو نے
کیے تھے جس پہ دل و جاں نثار خسرو نے

یہی زمیں ہے، جہاں سات سو برس پہلے
مری زبان کے اک بے مثال شاعر نے
مری زبان میں زورِ قلم دکھایا تھا
مری زمین کی عظمت کا راگ گایا تھا

یہی زمیں ہے جہاں سات سو برس پہلے
مری زبان کا معمار، اپنے گیتوں میں
مری زمین کی فصلوں کا ذکر کرتا تھا
مری زمین کی صبحوں کا ذکر کرتا تھا
مری زمین کی شاموں کا ذکر کرتا تھا
مری زمین کے باغوں کا ذکر کرتا تھا
مری زمین کے پھولوں کا ذکر کرتا تھا

مرے چمن کا وہ طوطی تو اب نہیں ہے، مگر
جو اس نے چھوڑی ہے، وہ یادگار باقی ہے
مرے وطن کا وہ گایک تو اب نہیں ہے مگر
وہ چھیڑتا تھا جسے، وہ ستار باقی ہے

یہی ستار مری قیمتی امانت ہے
یہی ستار مری لازوال دولت ہے
یہی ستار مری شان، میری شوکت ہے
نہیں ہے ساز کوئی
اِس ستار سے بڑھ کر
ہیں اِس کے تاروں میں پوشیدہ، پیار کے نغمے
ہیں اس کے تاروں میں پنہاں، بہار کے نغمے

یہی ستار مجھے آج پھر اٹھانے دو
کہ سن لیں مشرق و مغرب، پیام خسرو کا
یہی ستار مجھے جھوم کر بجانے دو
کہ گونج اٹھے زمانے میں نام خسرو کا
اسی ستار پہ وہ راگ مجھ کو گانے دو
کہ جس سے نوعِ بشر سیکھ لے رواداری
کرے نہ کوئی کسی کی یہاں دل آزاری

یکم نومبر ۱۹۷۵

فہرست

●

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز' گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس' بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا ؛

سخنہائے گفتنی

۱۹۷۵ء ساری دنیا میں "سالِ خواتین" کے طور پر منایا جا رہا ہے۔ یہ فیصلہ اقوامِ متحدہ نے عالمی ممالک کے حکمرانوں اور حکومتوں کی توجہ صنفِ نازک کی زبوں حالی پر مبذول کرنے کیلئے کیا ہے۔ مشرق کے پسماندہ ممالک میں تو عورت سماجی اور معاشی طور پر کچلی ہوئی ہے ہی' لیکن مغربی ملکوں میں بھی جو عموماً ترقی یافتہ ہیں' عورت کا حال کچھ اچھا نہیں۔ وہاں عورت نے اسقدر مادّی ترقی کر لی ہے کہ وہ چراغِ خانہ کی بجائے اب صرف شمعِ محفل بن کر رہ گئی ہے جس کی بناء پر وہاں کی روزمرہ زندگی میں انتشار اور عدمِ تسکین عام ہے۔ Women's Lib جیسی تحریکیں مغربی خاتون کو درپیش اس انتشار میں مزید اضافہ کر رہی ہیں۔

تاہم "بین الاقوامی سالِ خواتین" کا بنیادی مقصد زیادہ تر پسماندہ علاقوں میں عورت کا درجہ بلند کرنا ہی ہے۔ اقوامِ متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق عورتوں میں ناخواندگی کا تناسب مردوں کے مقابلہ میں تقریباً دوگنا ہے۔ اسی طرح صنفِ نازک کی کل آبادی کا تقریباً ستر فیصدی حصہ دنیا کے پسماندہ اور ترقی پذیر ملکوں میں رہتا ہے جہاں انھیں نہ تو ووٹ دینے کا حق حاصل ہے اور نہ ملکیت و وراثت کا۔

ہندوستان اس معاملہ میں یہ امتیاز رکھتا ہے کہ باوجودیکہ وہ مغرب کے ترقی یافتہ معاشرہ کے ہم پلّہ نہیں ہے پھر بھی جہاں تک عورتوں کا تعلق ہے اس نے انھیں نظر انداز نہیں کیا۔ یہاں عورتوں کو ووٹ دینے کا بھی حق حاصل ہے اور حقِ املاک بھی۔ حال ہی میں ایک نئے قانون کے تحت جنس کی بناء پر اُجرتوں اور معاوضوں کے فرق کو ختم کر دیا گیا ہے اور عورتوں کو بھی مردوں کے مساویانہ کام کی اُجرت مردوں کے برابر ملے گی۔

ہندوستان میں عورتوں کو جو بلند مقام حاصل ہے اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس ملک کی سربراہ ایک عظیم خاتون ہے جس نے بجا طور پر ساری دنیا میں عورتوں کا مقام بلند کیا ہے۔

"بین الاقوامی سالِ خواتین" کے سلسلہ میں قومی راج اپنا یہ خصوصی نمبر پیش کر رہا ہے۔ توقع ہے کہ قارئین پسند فرمائیں گے۔

خواجہ عبدالغفور

جلد : ۲ — ۱۶ نومبر ۱۹۷۵ء — شمارہ : ۲۱

قیمت فی پرچہ ۵۰ پیسے ● سالانہ ۱۰ روپے

زیر نگرانی: خواجہ عبدالغفور

ترسیلِ زر اور مراسلت کا پتہ :

چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز' حکومتِ مہاراشٹر' سچیوالیہ' بمبئی ۴۰۰۰۳۲

بیگم عابدہ احمد

عورت امن کی علامت ہے

• بیگم عابدہ احمد

یہ سال عورتوں کا بین الاقوامی سال قرار دیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ سوویت دیس نے اس موقع پر صدر جمہوریہ کی رفیقۂ حیات بیگم عابدہ فخرالدین علی احمد سے انٹرویو حاصل کیا۔ بیگم بذاتِ خود ایک تہذیبی اور سماجی شخصیت کی حامل ہیں۔ انھوں نے ہمیں راشٹرپتی بھون کے "فیملی ونگ" میں مدعو کیا اور ہم تقریباً ایک گھنٹہ تک بیگم کی دلچسپ محفل میں بے تکلف اور غیر رسمی فضا میں عورتوں کے رول اور حیثیت پر بات چیت کرتے رہے۔

گفتگو کے شروع ہی میں بیگم عابدہ احمد نے بڑے فخر سے کہا کہ عورت آج اس دور میں اس منزل سے بہت دور آگے بڑھ چکی ہے جہاں سماج میں اس کی حیثیت کمتر مانی جاتی تھی، جہاں اس کی دنیا باورچی خانے اور بچوں کی پرورش و پرداخت تک محدود تھی۔ ہمارے ملک نے ترقی کی بہت سی منزلیں سر کی ہیں۔

ان کے اس بیان میں اس حقیقت کی طرف خاص اشارہ مضمر تھا کہ دنیا کے مختلف ممالک میں سماجی و معاشی رشتوں میں روس میں سنہ ۱۹۱۷ء کے انقلاب کے بعد رونما ہونے والی تبدیلیوں کی طرح جو تبدیلی آئی ہے اس کے ساتھ ساتھ عورت کی حیثیت اور اہمیت میں بھی اہم تبدیلی آئی ہے۔ انھوں نے اس خیال پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ہندوستان کی قومی آزادی کی جدوجہد کے دوران عورتوں کی صفوں میں بھی قابلِ تعریف ہستیاں اُبھری ہیں۔" درحقیقت آج کی ہندوستانی عورت کو مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے اور جدوجہد کی روایات گویا ورثہ میں ملی ہیں۔" ماضی کی یادوں کو اُجاگر کرتے ہوئے انھوں نے چاند بی بی، رضیہ سلطانہ، جھانسی کی رانی اور سروجنی نائیڈو

جیسی ولولہ خیز ہستیوں کا تذکرہ کیا۔ "کسی نیک اور بلند مقصد کو زندگی کا آدرش بنانے سے آدمی خود بھی بلند اور زیادہ انسان دوست بن جاتا ہے۔" انہوں نے مزید کہا "اور آج کی روشن خیال عورت اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی عورتیں ہر اس مقصد کا پرچم بلند کرنے میں صفِ اوّل میں نظر آتی ہیں جو ایک نیک مقصد ہے۔ انہوں نے آزادی کی جدوجہد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اب وہ جدوجہد کر رہی ہیں تاکہ ہماری یہ آزادی ہر گھر، ہر خاندان کی خوشحالی کی ضامن بن جائے۔" انہوں نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

ایک لمحہ خاموشی، ایک ہلکی سی مسکراہٹ، اور پھر فخر کے احساس سے بھرا ہوا یہ جملہ ان کی زبان سے نکلا:

دُنیا جانتی ہے کہ ہماری عوامی حکومت کی سربراہی ایک عورت کر رہی ہے۔ ایک ایسی عورت جو انوکھی فوقیت اور برتری کی حامل ہے!

جن افریقی ایشیائی ممالک نے جنگ کے بعد کے دور میں آزادی و خود مختاری حاصل کی ہے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے بیگم احمد نے ان ممالک کی جدوجہد میں عورتوں کے رول پر خاص روشنی ڈالی اور اس کی داد دی۔ اور جب وہ اپنی جنس کی نمایاں ہستیوں کو دادِ تحسین دے رہی تھیں تو مجھے ویت نام کی اُن جیالی بیٹیوں کا، بنگلہ دیش کی اُن عورتوں کا خیال آ رہا تھا جنھوں نے اپنے اپنے دیش کی تحریک آزادی کی تاریخ کے زریں باب خود اپنے خون سے لکھے ہیں۔

اپنی تمام تر روایتی نزاکت و نفاست کے باوجود صنفِ نازک کے نمائندوں نے ایسی ناقابلِ تسخیر قوت، ایسی ہمت و جرأت کے مظاہرے کئے جس نے صدیوں سے ظلم و ستم سہنے والے لاکھوں انسانوں کے لئے روشن اور آزاد مستقبل کو یقینی بنا دیا باتوں باتوں میں وسطِ ایشیائی علاقے کا تذکرہ نکل آیا جہاں ایک ایسا سماج قائم ہو چکا ہے جس میں مردوں اور عورتوں کو یکساں حقوق حاصل ہیں۔

بیگم عابدہ احمد نے روسی عورتوں کے کارناموں کو سراہتے ہوئے ویلینٹینا ترشکووا کی مثال دی جس نے خلا میں قدم رکھنے کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ انھیں یہ چیز بڑی غیر معمولی معلوم ہوئی کہ دنیا میں پہلی اور واحد عورت خلا باز ہونے کے باوجود ترشکووا بھرپور نسوانی خصوصیات کی حامل ہیں۔ یہ سال فاشزم پر سوویت یونین کی فتح کا ۳۰ واں سال ہے۔ اس پس منظر میں یہ بات نہایت منطقی اور برمحل ہے۔ بیگم احمد نے بڑے جوش سے امن کا ذکر کیا اور نہایت شاعرانہ انداز میں کہا: "کتنا حسن ہے امن میں" اور واقعی کتنا وزن ہے ان چند لفظوں میں۔

راشٹرپتی بھون سے رخصت ہونے سے پہلے سوویت دیس کے نمائندے نے اپنے دوسرے ہفتہ وار رسالے "یوتھ ریویو" کی طرف سے بیگم عابدہ سے پوچھا کہ کیا آج کے حالات میں رومیو اور جولیٹ یا شیریں فرہاد کی سی محبت ممکن ہے؟ انہوں نے ہنس کر جواب دیا "ہاں ہاں کیوں نہیں؛ لیکن آج کے حالات بدل چکے ہیں۔

آج جب کہ عورت زیادہ سے زیادہ آزاد اور سماجی طور پر خود مختار ہے، جب جنس پر مبنی استحصال کی روایات کم سے کم ہوتی جا رہی ہیں، آج اس قسم کے روایتی عشق کا تجربہ انسان کی زندگی میں کم سے کم ہوتا چلا جائے گا لیکن اس قسم کے جذباتی تجربے جو انسان کو زیادہ نرم؛ زیادہ حسین بنا دیتے ہیں؛ جو اس کے سماجی رکھ رکھاؤ میں گمبھیرتا پیدا کرتے ہیں، آج بھی اہم ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے۔"

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ بیگم احمد کے اِن الفاظ کی گونج آج کے نوجوانوں کے دِلوں میں سنائی دے گی۔ ●●

ڈاکٹر جے۔ بیبان ڈیسوزا، وزیر مملکت برائے صحت عامہ نے ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو گورنمنٹ ڈینٹل کالج ہسپتال بمبئی میں پہلی "موبائل ڈینٹل وان" کا افتتاح فرمایا۔ اس موقع پر لی گئی تصویر میں ڈاکٹر جنگو ڈی۔ کاپڑیا، صدر انڈین ڈینٹل ایسوسی ایشن، مہاراشٹر اسٹیٹ برانچ، ڈاکٹر جی۔ بی۔ شنک والکر، ڈین گورنمنٹ ڈینٹل کالج اینڈ ہسپتال، بمبئی، ڈاکٹر جی۔ ایس۔ مانک، ڈائرکٹر میڈیکل ایجوکیشن اور ریسرچ؛ ڈاکٹر کے۔ این۔ راؤ، ڈائرکٹر آف ہیلتھ سروسیز اور ڈاکٹر ڈی۔ ایم۔ آدانی، ڈپٹی ڈائرکٹر میڈیکل ایجوکیشن اینڈ ہیلتھ (ڈینٹل) بھی گاڑی کے پاس کھڑے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔

شریمتی اندرا گاندھی کو بین الاقوامی خواتین انعام

ریاستہائے متحدہ امریکہ کی قومی انجمن برائے تعلیم بالغان کی جانب سے تعلیم بالغان کے میدان میں قابلِ قدر خدمات انجام دینے پر "بین الاقوامی خواتین انعام" ہندوستان کی وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کو عطا کیا گیا۔

۱۷ نومبر ۱۹۷۵ء کو شکاگو میں منعقدہ ایک خاص تقریب میں تالیوں کی گونج میں مذکورہ انعام واشنگٹن میں مقیم ہندوستانی سفیر شری ٹی۔ این۔ کول نے وزیر اعظم اندرا گاندھی کی جانب سے مذکورہ انجمن کے صدر مسٹر گریس ہیویل کے دستِ مبارک سے وصول کیا۔

انعام کو قبول کرتے ہوئے شریمتی اندرا گاندھی نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ "کمیٹی کا یہ فیصلہ کہ جہالت دور کرنے کی جدوجہد کے سلسلے میں مجھے یہ انعام دیا جائے، میرے لئے باعثِ فخر ہے۔"

شریمتی گاندھی نے مزید لکھا "ٹیلیویژن کے ذریعہ دور دراز دیہاتوں میں تعلیم بالغان اور سماج سدھار کے پروگرام کو پھیلانے میں بڑی مدد ملی اور ہمارا تجربہ بڑا کامیاب رہا۔ ہم نے عوامی انقلاب کا جو بیڑا اٹھایا ہے یہ اُسی کا ایک حصہ ہے۔"

"تعلیم وسیع تر معنوں میں اوّلین قدم ہے۔ میں امریکی فنّی مہارت اور ان کی فراخ دلی کی قدر کرتی ہوں جس کی بدولت یہ تجربہ کامیاب رہا۔ 'اے۔ ٹی۔ ایس۔ ۶ سیٹیلائٹ' سے ہم جو فائدہ اُٹھا رہے ہیں وہ قوموں کے درمیان تعاون کی ایک اچھی مثال ہے۔"

اس موقع پر ایک نظم بھی پڑھی گئی جس میں شریمتی اندرا گاندھی کی قیادت اور تعلیم بالغان کے سلسلے میں ان کی خدمات کو سراہا گیا۔

عورت اور خاندان

• صالحہ عابد حسین

عورت اور مرد، مرد اور عورت —— بڑا پرانا مسئلہ ہے۔ شاید اتنا ہی پرانا جتنی پرانی یہ دنیا ہے۔ مگر آج تک یہ مسئلہ حل نہ ہوا کہ عورت افضل ہے یا مرد، عورت کی اہمیت زیادہ ہے یا مرد کی۔ ہمارا آج کا بین الاقوامی خواتین کا سال بھی اسی لمبے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ عورت کا مقام، اس کے حقوق، فرائض، اس کی اہمیت غرض عورت کے ہر مسئلے پر اور سب سے زیادہ عورت کے برابری کے حق پر بحث مباحثہ ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے عورتیں اس میں پیش پیش ہیں۔ رہے مرد تو ان میں سے کچھ تو سچ مچ عورت کے حقوق اور برابری کے حامی ہیں، کچھ فیشن کے مارے یا ہوا کا رُخ دیکھ کر یا دنیا کے ڈر سے اس کے حق میں بول رہے ہیں اور کچھ بگڑ رہے ہیں، اعتراض کر رہے ہیں، کڑھ رہے ہیں۔

اندر خانہ مرد کیا کچھ کہتے ہیں یہ تو عورت ہی کا جی جانتا ہے۔ آج بھی ایسے مردوں کی کمی نہیں جو عورت کو ناقص العقل، پیر کی جوتی کہتے اور اپنی باندی سمجھتے ہیں۔ وہ ان کے حکم کی پابند نہ رہے تو گھر جہنم بن جاتا ہے۔

جی ہاں! یہ مسئلہ دنیا کے سب اہم مسئلوں کی طرح جتنا پرانا ہے اتنا ہی اہم بھی ہے۔ مثلاً جنگ کو ہی لیجئے۔ ہزاروں برس سے دنیا اس مصیبت سے دوچار ہے۔ صدیوں سے جنگ اور خون خرابا کے خلاف آوازیں اٹھتی رہی ہیں۔ دنیا مانتی ہے کہ اس سے بدتر لعنت اور مصیبت اور کوئی نہیں — اور نتیجہ؟ دنیا آج بھی بھیانک جنگ سے دوچار ہونے کے خوف سے لرز رہی ہے۔!

عورت کے حقوق اور مسائل کا معاملہ بھی ایسا

رہی ہے۔ کہنے کو سبھی کچھ کہا جاتا ہے — مگر عمل؟ مانتی ہوں یہ جاگرتی کا زمانہ ہے۔ عورت علم حاصل کر سکتی ہے۔ عمل کے وسیع میدان اس کے سامنے کھلے ہیں۔ سمجھتی ہوں کہ وہ اپنے حق منوانے کی شکتی اور اپنی مسائیں حل کرنے کا حوصلہ رکھتی ہے۔ یہ بھی دیکھتی ہوں کہ اس میں کبھی کبھی وہ اپنی حد سے آگے نکل جاتی ہے۔ جانتی ہوں کہ اس کے باوجود دنیا میں۔ دنیا کو چھوڑیئے خود میرے ملک میں — ابھی لاکھوں پریوار، کروڑوں عورتیں ایسی ہیں جن کو قانونی طور پر سب حق حاصل ہیں لیکن عملی طور پر وہ بہت سے سماجی حقوق سے محروم ہیں۔ وہ کیا ہیں اور ان سے ہماری عورتیں کس کس طرح دکھ اٹھاتی ہیں اس چھوٹے سے مضمون میں ان کی طرف اشارہ کرنا بھی ممکن نہیں لیکن اتنا جانتی ہوں کہ جب تک قانون، سماج اور دنیا عورت کو گھر میں اس کا بالکل صحیح اور جائز ادھیکار نہ دے گی اور خود عورت یہ نہ سمجھے گی کہ گھر اور پریوار کی طرف اس کے کیا فرائض ہیں اور اس کی کس قدر اہمیت ہے — سارے قانونی حق بے معنی ہیں!

میں ذرا اپنی اس بات کو کھول کر سمجھانا چاہتی ہوں۔ عورت کو گھر اور خاندان میں صحیح مقام ملنے کے کیا معنی ہیں۔ یہ کہ اس کی گھر میں عزت ہو، اس کو پورا پورا اختیار وہاں حاصل ہو۔ مرد باہر کے کام سنبھالتا ہے، عورت گھر کے، اس بنا پر اس کو گھٹیا یا کم تر نہ سمجھا جائے۔ وہ گھر اور گھر والوں کی باندی نہیں۔ وہ گھر کی ملکہ ہوتی ہے۔ وہ مرد کے لئے اینٹوں اور گارے کی چھوٹی اور بڑی عمارت کو اصلی معنوں میں "گھر" بناتی ہے۔ بچوں کو سنبھالتی، ان کو پالتی پوستی، دن بھر اپنی ہڈیاں پیستی اور گھر کی راحت کے لئے کام کرتی ہے۔ عورت جتنا کام اور محنت — باہر کا ذکر چھوڑیئے — صرف گھر میں کرتی ہے — مرد کو اس کے مقابلے میں پیسہ کمانے کے لئے بہت کم محنت کرنی پڑتی ہے۔ یہ میرا مبالغہ نہیں، ایک ایسی حقیقت ہے جس کے بارے میں ساری دنیا میں تحقیقات کی جا رہی ہے۔ ہاں یہ ظاہر بات ہے کہ میرا روئے سخن ان عورتوں کی طرف نہیں ہے جو پرانی کہاوت کے مطابق صرف پلنگ کے بان توڑتی۔ یا آج کے حالات کو دیکھتے ہوئے صرف کلبوں اور تاشوں اور عیش و آرام میں زندگی گزارتی، نوکروں سے خدمت لیتی اور عورت کے نام پر بٹہ لگاتی ہیں!

میں اس عورت کا ذکر کر رہی ہوں — جس کی بہت بڑی اکثریت ہے دنیا میں — جو اپنے گھر کی سلطنت کی ملکہ — جانے دیجئے ملکہ نہیں، اس جمہوری دور میں بادشاہ ملکہ کا کیا ذکر — اپنے گھر کی وزیر اعظم ہے۔ مگر وہ ایسی وزیر اعظم ہونی چاہیئے جو پوری طرح با اختیار رہو (اگر ضرورت ہو تو ایمرجنسی بھی ڈیکلیر کر سکے) گھر میں مرد کی حیثیت آئینی صدر سے زیادہ نہ ہے نہ ہونی چاہیئے — وہ مشورہ دے سکتا ہے مگر حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے اور اسے صحیح طرح سے چلانے کی پوری پوری ذمہ داری اور اختیار عورت کا ہے اور ہونا چاہیئے۔

ہمارے اس نئے دور کی عورت — جو اپنے حقوق و مساوات کی علمبردار ہے کبھی کبھی اس دھوکے میں آ جاتی ہے کہ گھر داری کرنا اس کی ہتک یا نابرابری کی نشانی ہے۔ مرد کو بھی گھر کے فرائض اسی طرح ادا کرنا چاہیئں جس طرح عورت کو۔ بلکہ پچھلے دنوں تو بین الاقوامی سیمینار میں ہماری بعض مغربی بہنوں نے بڑے فخر سے ان مردوں کا ذکر کیا جنھوں نے گھر کی ساری ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں۔

معاف کیجئے — میں اسے عورت کی فتح نہیں سمجھتی۔ اپنی سلطنت غیر کو سونپ کر خود بے دخل ہو جانا، اپنی بہت بڑی طاقت سے دست بردار ہو جانا بڑی محرومی بڑی نادانی ہے۔ مگر ہمارے دیس کی عورت شعوری یا غیر شعوری طور پر ہمیشہ یہ سمجھتی رہی ہے کہ گھر اس کا ہے، اس کی ذمہ داریاں اس کی ہیں۔ مرد کا حصہ اس میں اتنا ہے کہ وہ گھر اور بال بچوں کے اخراجات کے لئے پوری (یا آج کے زمانے میں بہت سے گھرانوں میں آدھی) ذمہ داری اٹھائے۔ اس کا بدلہ اسے جو ملتا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔ یعنی گھر کی راحت اور سکون!

میں سمجھتی ہوں کہ ہمارے دیس میں یہ چیز باقی رہنی چاہیئے۔ اس طرح کہ دوسرے دیسوں کی عورتیں بھی اس سے بصیرت حاصل کریں۔ اس لئے کہ عورت کو مرد کے برابر حقوق ملنے چاہیئں، مل رہے ہیں اور آئندہ ملیں گے — اسے مرد کے برابر علمی، ادبی، سماجی خدمات کا اعلیٰ سے اعلیٰ سائنسی، ٹیکنیکل تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملے۔ ہر شعبے میں کام کرنے اور مرد کے برابر معاوضہ ملنے کا بھی اسے پورا پورا حق ہے۔ اسے شادی بیاہ، طلاق اور سماجی زندگی میں وہی مقام حاصل ہو جو مرد کا ہے — وہ اس کی دوست، رفیق اور ساتھی بن کر رہے کہ وہ ایک گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ ان کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور رہنا چاہیئے۔ ایک کے بغیر دوسرے کی زندگی بے معنی ہے — نامکمل ہے — یہ ہماری آرزو ہے، کوشش ہے! دنیا کی عورتوں کی اور سب انصاف پسند مردوں کی بھی۔ اور ہم اسے دیر سویر حاصل کر کے رہیں گے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر دنیا کے امن اور سکون کا انحصار ہے۔ جس طرح ملکوں کی حکومتیں دوسری قوموں پر حکومت کر کے ان کے دلوں میں نفرت اور بغاوت پیدا کرتی ہیں اور وہ اس سے چھٹکارا حاصل کر کے آزادی کی جدوجہد اپنا حق سمجھتی ہیں۔ اس طرح انفرادی زندگی میں جن گھروں اور خاندانوں میں — اور یہ گھر اور خاندان بے گنتی ہیں — عورت کی عزت نہیں، برابری کے حق نہیں، اختیار نہیں، وہ مرد کی باندی یا محکوم سمجھی جاتی ہے۔ وہاں کبھی سچی خوشی، دلی راحت اور ذہنی سکون نہیں مل سکتا۔ وہاں وہ محبت اور اپنائیت اور خلوص پیدا ہی نہیں ہو سکتا جو انسانیت کی جان اور خاندانی زندگی کی روح ہے۔ اس لئے عورت کی برابری اور مساوات کے حقوق کے لئے میں دنیا بھر کی عورتوں کے گلے گلے ساتھ ہوں۔

دل و جان سے اس کی حمایت کرتی ہوں — اور اپنی زندگی بھر میں نے قلم سے اس کے لئے جہاد کیا ہے — مگر میرا یقین بلکہ ایمان یہ ہے کہ گھر اور خاندان کی ذمہ داری سارے حقوق ملنے کے بعد بھی عورت ہی کی رہنی چاہئے — برابری کے معنی کبھی یہ نہیں ہوتے کہ ہر کام، ہر عمل، ہر فرض برابر برابر بانٹ لیا جائے۔ جس میں جس کام کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے وہ وہی سیکھتا ہے، وہی کرتا ہے۔ اس میں پوری کامیابی اُسے ہوتی ہے۔ یہ میں جانتی ہوں کہ ساری پابندیوں اور ناانصافیوں اور رکاوٹوں کے باوجود، عورت نے بھی دنیا میں بڑے بڑے کارنامے نمایاں انجام دئے ہیں۔ اس نے سائنس کی دنیا میں مادام کیوری جیسی عظیم ہستی تک پیدا کی ہے۔ علم کی دنیا میں وہ آفتاب کی طرح چمکی ہے۔ ادب کی دنیا میں نام پیدا کیا ہے۔ طب، حکمت، نرسنگ، درس و تدریس کون سا شعبہ ہے جس میں اس نے کام نہیں کیا اور نام نہیں پایا۔ اس طرح یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ عورت میں دنیا کے ہر طرح کے کام کی صلاحیت ہے اور جتنے زیادہ مواقع ملیں گے اس کی یہ صلاحیتیں اور زیادہ ابھر کر سامنے آئیں گی — مگر اس کے باوجود — اور ان سب کاموں کے علاوہ اس کی سب سے بڑی ذمہ داری گھر ہے — بچے ہیں۔ خاندان ہے — اس لئے کہ فطرت نے عورت میں یہ صلاحیت رکھی ہے۔ گھر کو گھر عورت اور صرف عورت بنا سکتی ہے۔ خاندانی زندگی کی بقا عورت کے ہاتھ ہے۔ یہ رشتہ جوڑنا اسی کا کام ہے (اور توڑتی بھی وہی ہے) عورت عورت ہے۔ ماں ہے۔ مرد کچھ ہو جائے ماں نہیں بن سکتا۔

وہ بچے پال بھی لے گا تو بچوں کو وہ پیار، وہ ممتا نہیں دے سکتا جو ماں دے سکتی ہے۔ وہ کٹھن صبر آزما خدمت اور سیوا ان کی نہیں کر سکتا ہرگز نہیں کر سکتا جو عورت بڑی آسانی سے اور دل کی پوری مسرت کے ساتھ ہزاروں برسوں سے انجام دیتی آئی ہے۔ یہ ممتا اور ایثار عورت کا حصہ ہے۔ بچوں کی پیدائش کا دکھ — دنیا کا سب سے بڑا دکھ اٹھانے کا عورت ہی کا حوصلہ ہے — اور اس دکھ کو دنیا کا سب سے بڑا سکھ سمجھنا عورت ہی کی فطرت ہے — پھر بچوں کو پالنے میں، ان کی تربیت میں جس نرمی، جس لگن، جس صبر، جس ان تھک محبت اور بے پناہ پیار کی ضرورت ہوتی ہے وہ مرد بیچارا کیسے دے گا؟ کہاں سے دیگا؟

وہ ماں نہیں ہے نا!

فرائض کی تقسیم سے عورت کا درجہ گھٹتا نہیں۔ اردو کے مشہور شاعر حالی نے جو عورت کے حقوق کے بہت بڑے حامی تھے۔ سو سال پہلے کہا تھا —

تھا پالنا اولاد کا مردوں کے بوتے سے سوا

اور یہ بھی بتایا تھا —

لیتیں خبر اولاد کی مائیں نہ گر بچپن میں یاں
خالی کبھی کا نسل سے آدم کی ہو جاتا جہاں

وہ عورت سے کہتے ہیں —

پیدا اگر ہوتیں نہ تم بیڑا نہ ہوتا پار یہ
چیخ اٹھتے دو دن میں اگر مردوں پہ پڑتا بار یہ

یہ عورت کی عظمت ہی نہیں اس کی طاقت بھی ہے۔ بڑی طاقت!

اور یہ ماں پہلے بیوی ہوتی ہے۔ بہو ہوتی ہے — بہن اور بیٹی ہوتی ہے!

اور اپنے ہر روپ میں گھر اور خاندان کی روح ہوتی ہے۔ اس کی جان ہوتی ہے۔ اگر گھر اور خاندان مردوں کے ہاتھ پڑ گیا تو میں سمجھتی ہوں اس کی صورت ایسی ہو جائے گی جیسے سائنسی مشینی آدمی کو یہ کام سونپ دیا جائے۔

آج انسان کو سکون، مسرت، راحت کی تلاش ہے۔ وہ ہر جگہ اس تلاش میں بھٹک رہا ہے ——— حالانکہ وہ اس سے دور نہیں — اسی کے گھر کے اندر مل سکتا ہے — اس گھر کی دنیا میں جس کی مالک ایک حساس، دردمند، باسلیقہ، بامحبت عورت ہو — جو اس کی کرتا دھرتا ہو — منتظم اور مختار ہو۔

یہی وہ میدان ہے جس میں عورت برابر نہیں مرد سے افضل ہے اور ہمیشہ افضل رہے گی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اُسے مرد سے زیادہ حقوق حاصل ہو سکتے ہیں بلکہ اب بھی ہیں۔

چلتے چلتے کچھ باتیں مشترک خاندان کے سلسلے میں بھی عرض کرنا چاہتی ہوں۔

مشترک خاندان مصیبت بھی ہے اور راحت بھی۔ جس سے زندگی سورگ بھی بن سکتی ہے اور نرک بھی۔ جس سے آپ کو مدد اور حوصلہ بھی مل سکتا ہے اور پریشانی اور دکھ بھی۔

عام طور پر مشترک خاندان کے برے اور کٹھن پہلو آج ہمارے سامنے زیادہ ہیں اور اس میں جو آسانیاں اور راحتیں تھیں وہ نظر سے اوجھل ہوتی جا رہی ہیں۔ کچھ تو اس لئے کہ نیا زمانہ، نئے خیالات، نئے رجحانات، نئی زندگی کے نت نئے مسئلے ایسے ہیں جس کی وجہ سے بڑے خاندانوں کا رواج ختم ہو رہا ہے۔ لوگ اپنی چھوٹی سی گھر گرہستی، چھوٹی سی دنیا بسا کر رہنا پسند کرتے ہیں۔ دنیا کے بہت سے ان ملکوں میں جو خود اپنے کو اوروں سے زیادہ "مہذب" اور "ترقی یافتہ" کہتے ہیں اور دوسرے لوگ بھی پروپیگنڈہ کی بدولت ایسا ہی سمجھنے لگتے ہیں، مشترک خاندان کی روایت

آج انسان کو سکون، مسرت، راحت کی تلاش ہے — وہ ہر جگہ اس تلاش میں بھٹک رہا ہے — حالانکہ وہ اس سے دور نہیں — اسی کے گھر کے اندر مل سکتا ہے — اس گھر کی دنیا میں جس کی مالک ایک حساس، دردمند، باسلیقہ، بامحبت عورت ہو — جو اس کی کرتا دھرتا ہو — منتظم اور مختار ہو!

بڑی حد تک ختم ہو چکی ہے۔ اس کا اثر دوسرے دیس بھی قبول کر رہے ہیں۔ بہت سے دوسرے مسئلے بھی اس کی وجہ سے سامنے آئے ہیں مگر سب سے بڑا مسئلہ بزرگ لوگوں، بوڑھوں اور معذوروں کا ہو گیا ہے۔ ان کی زندگیاں عبرتناک بن گئی ہیں۔ ان کے گھر اجڑ گئے ہیں دل ویران ہیں۔ گھریلو زندگی کی خوشیوں سے وہ محروم ہو چکے ہیں۔ یا تو وہ تنہا رہ کر کٹھن زندگی گزارتے ہیں۔ اور اس صورت میں یہاں تک ہوتا ہے کہ جب کسی عمارت میں بدبو پھیلنے لگے تو پتہ چلتا ہے کہ فلاں فلیٹ کا بوڑھا یا بوڑھی قید ہستی کی مصیبت سے آزاد ہو گئے ہیں۔ کیونکہ ان کے بال بچے اگر بہت سعادت مند ہوئے تب بھی دو چار مہینے یا سال چھ مہینے میں ان سے ملنے آجاتے ہیں اور گویا بڑا احسان کرتے ہیں۔ یا پھر معذور اور بوڑھے لوگوں کے لئے "وسیع گھر" حکومت بنا دیتی ہے جس میں وہ اپنے ہی جیسے بیمار، مجبور، معذور لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ مگر انسان کی یہ بھی فطرت ہے کہ اُسے اپنے عزیزوں، اپنے بچوں، اپنے پوتا پوتی، ناتی نواسوں سے گہرا لگاؤ ہوتا ہے۔ وہ اسی کا خون ہوتے ہیں اور خون کی محبت ہزاروں برسوں سے مستند سمجھی جاتی ہے — ان کے پاس رہ کر ان سے محبت اور خلوص پاکر، ان پر اپنے پیار کی برکھا کر کے، اپنے برگد کے سے سائے میں ان کو رکھ کر اُسے سکون اور خوشی مل سکتی ہے چاہے گھر میں زندگی کتنی کٹھن اور "ہومز" میں راحت والی ہو۔ اور جب یہ نصیب نہ ہو تو اس کی زندگی حسرتناک اور عبرتناک ہوتی ہے۔

ہم لوگوں میں ابھی خود غرضی اور نفس پروری کی یہ لعنت بہت کم ہے۔ تھوڑے بڑے شہروں کو چھوڑ کر ابھی تک ہم اپنے بزرگوں، ماں باپ، ساس سسر یا اور کسی بے سہارا بزرگ کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں، ہمیں دوسرے "مہذب" ملکوں کی صورت حال سے سبق لیکر اپنے ہاں کے اس اچھے رواج کو باقی رکھنا چاہیئے۔ اس میں اصلاح ضرور کیجئے، مگر ختم نہیں۔ یاد رکھئے یہاں بھی اس کا زیادہ دکھ عورت کو ہوگا کہ اپنے بچوں اور خاندان سے جو گہری اُلفت اسے ہوتی ہے مرد کو اتنی نہیں ہوتی۔

پرانے زمانے میں مشترک خاندان کے معنی سو سو پچاس پچاس لوگوں کا اکٹھے رہنا اور ساری جائیداد، روپیہ آمدنی اکٹھے جمع ہونا اور خرچ ہونا تھا۔ یہ یقینی بات ہے کہ یہ چیز آج کے دور میں باقی نہیں رہ سکتی اور نہیں رہی۔ نئی صنعتی تہذیب، شہری زندگی اور دوسرے بہت سے مسئلے ایسے ہیں کہ خاندان کو مختصر ہونا پڑا۔ مگر غیروں کی نقالی میں ان کو اتنا مختصر کیجئے کہ میں اور میرے میاں بچے اور بس۔ ماں، باپ، یا دوسرے بزرگ عزیز جن کا اور کہیں ٹھکانا نہ ہو بہرحال ہماری آپ کی ذمہ داری ہیں۔ اپنی کمزوری، بیماری اور مزاج اور طبیعت کی خامیوں کے باوجود ہماری ذمہ داری ہیں۔ ان کا بار اُٹھانا، ان کی سیوا کرنا کل بھی چھوٹوں کا فرض تھا۔ آج بھی ہے اور ہمیشہ رہنا چاہیئے۔ یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ آج جو جوان ہیں، تندرست ہیں بڑھاپا، بیماری، معذوری کل ان کا بھی مقدر ہے۔ آج ہم اپنے بزرگوں کو پناہ، خدمت اور محبت دیں گے کل ہمارے بچے ہمیں دیں گے۔

یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ بڑے بوڑھے لوگ بالکل بے کار بھی نہیں ہوتے۔ آج کے زمانے میں، خاص کر شہروں میں اور بڑے قصبوں میں نوکر اور مددگار نایاب ہوتے جا رہے ہیں۔ اگر گھر میں ایک دو بڑے بوڑھے ہوں گے تو وہ گھر کی نگہداشت کر سکتے ہیں۔ ننھے بچوں کی دیکھ ریکھ میں حصہ لے سکتے ہیں۔ بہت سے چھوٹے چھوٹے آسان کاموں میں ہاتھ بٹا سکتے ہیں۔ یہ نہیں کہ ماں اگر کام کرنے جاتی ہے تو ننھے بچے کو کمرے میں بند کر کے قفل لگا کر جائے یا محلے پڑوس والوں کی خوشامد کرے۔ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ ابھی ہمارے ملک میں معذور خانے اور بوڑھوں کے گھر نہیں ہیں۔ نہ ننھے بچوں کے لئے بے بی سٹر ملتے ہیں اور نہ گلی گلی "کریشے" قسم کے ادارے ہیں۔ یہی بڑے بوڑھے لوگ گھر کی دیکھ ریکھ، نوجوان بچوں کی دیکھ بھال اور ننھے بچوں کی حفاظت کا اہم اور کٹھن کام بڑی آسانی سے انجام دیتے رہے ہیں اور اب بھی دے سکتے ہیں۔ اگر ہم ان کو خلوص اور محبت دیں جس کے وہ بھوکے ہیں تو ان سے ہمیں اس سے دُگنا ملے گا۔ جانتی ہوں بڑی عمر میں لوگ چڑچڑے اور زیادہ حساس ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کو جھیلا نہ جا سکے۔ ہاں شرط خلوص ہے۔ قبل اس کے کہ یہ مرض لاعلاج ہو جائے ہمیں اس پر قابو پالینا چاہیئے۔

ان ہی بزرگوں کی محبت کی چھاؤں میں ہمیں کسی نہ کسی وقت وہ سکون بھی مل سکتا ہے جس کی آج کی دنیا میں روز بروز کمی ہوتی جا رہی ہے۔ ہم اسے تلاش کرتے ہیں اور جہاں وہ ملتا ہے اس سے پیٹھ موڑ لیتے ہیں۔

غرض میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ گھر اور پریوار کل بھی عورت کا فرض اور حق تھا اور آج بھی ہے۔ دنیا کے سارے حقوق مساوی طور پر عورت مرد میں بٹ جائیں — میں خوش میرا خدا خوش مگر ہمیں اپنے اس حق سے ہرگز دست بردار نہیں ہونا چاہیئے۔ ہاں یہ حق ہمیں مل سکتا ہے۔ ایثار، خدمت، خلوص کے بل پر۔ جو ہندی عورت کی ہمیشہ سے خصوصیت تھی اور آج بھی ہے۔ یہ اس کی مظلومی اور محرومی نہیں اس کی سب سے بڑی شکتی ہے۔

●●

قلمی معاونین سے

اپنی تخلیقات کے خاتمہ پر یا پُشت پر اپنا مکمل پتہ ضرور تحریر فرمائیں۔ قلمی نام کے ساتھ اصل نام بھی درج فرمائیں۔

ناطلبیدہ مضامین

کی ایک نقل اپنے پاس ضرور رکھیں!

عورت ایک کھلونا

عورت کے بغیر دنیا کا کاروبار نہیں چلتا۔ زندگی کے ہر موڑ پر اُس کی ضرورت مجبور کرتی ہے۔ اس کے دم سے دنیا کا سب سے اہم معجزہ وابستہ ہے۔ وہ دنیا کو جنم دیتی ہے۔ یہ ایسا فعل ہے جو اس کے سوا کسی کے بس کا روگ نہیں۔ اُسے فنا کر کے دنیا باقی نہیں رہتی۔

عصمت چغتائی
انڈس کورٹ، اے روڈ، چرچ گیٹ، بمبئی

کہتے ہیں عورت کو مرد کی پسلی سے پیدا کیا گیا تاکہ وہ اس کا ہاتھ بٹائے۔ زندگی کی راہوں میں اُس کے ساتھ چلے، بچے پیدا کرے اور نسل بڑھائے۔ یعنی ہر طرح سے اُس کے کام آئے۔ وہ اس کے لئے پیدا کی گئی ہے، اسکی ملکیت ہے، اُس کی جاگیر ہے، اُس کا کھلونا ہے۔ بڑے بڑے عقلمندوں نے مرد کو یقین دلایا ہے کہ عورت صرف اس کے لطف اور آرام کیلئے پیدا کی گئی ہے۔ اور یہ یقین اسکے دماغ میں کیلوں کی طرح ٹھکا ہوا ہے۔ وہ کیلیں زنگیا گئی ہیں مگر اس کے دماغ کا ایک حصّہ بنی ہوئی ہیں۔
وہ یہ بھی جانتا ہے کہ عورت اُس کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر اس کی زندگی زیرو سے بھی کم رہ جاتی ہے۔ اُسے حاصل کرنے کیلئے اپنی زندگی کا پورا زور لگا دیتا ہے۔ اُس کے لئے انسان سے کولہو کا بیل بن جاتا ہے۔ جیسے ہی کمانے کھلانے کے لائق ہوتا ہے اُس کے سامنے اپنا سب کچھ انڈیل دیتا ہے۔ بیوی یا محبوبہ کی صورت میں وہ اسکے وجود پر چھائی رہتی ہے۔ اُسے نہ پاسکنے یا کھو دینے کے خوف سے لرزاں رہتا ہے۔ اُسے اپنے شکنجہ میں کسنے کے نئے نئے طریقے سوچتا ہے۔ کوشش کرتا ہے کہ وہ اسے مجبور، جاہل اور مقید رکھے کیونکہ یہ ڈر اس کے دل سے کبھی نہیں نکلتا کہ وہ اس سے بہتر موقع پاکر اُسے چھوڑ کر دوسرے کی ہو جائیگی۔ اپنی عورت کو پیس کوٹ کر بالکل گوشت کا لوتھڑا بنا دیتا ہے۔ اس کی سوچنے سمجھنے کی طاقت کو مفلوج کر دیتا ہے۔ وہ ایک بجر بھو بن جاتی ہے تو اس سے گھن کھا کر دوسری عورت کی تلاش میں لگ جاتا ہے جو جاندار ہو، جس کے ہوش و حواس قائم ہوں۔ بڑی تگ و دو کے بعد اُسے حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر اُس کا بھی وہی حشر کرنے لگتا ہے۔ اس کی صلاحیتوں سے خوف زدہ ہونے لگتا ہے۔ اگر اتفاق سے وہ اس سے زیادہ سمجھدار ہو تو مرد کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔ وہ دنیا کی ہر ذلت برداشت کر سکتا ہے اپنے سے زبردست بیوی نہیں جھیل سکتا۔ ویسے بھی وہ کسی بھی عورت کو کسی اونچے عہدے پر برداشت نہیں کر سکتا۔ صدیوں سے یہ بات اس کے کان میں ڈالی گئی ہے کہ عورت ناقص العقل ہے۔ اس نے عورت کو بھی یہی یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ وہ ناقص العقل ہے۔ وہ صرف مرد کے سائے میں محفوظ رہ سکتی ہے۔ باپ بھائی اور شوہر

اس کے سب سے بڑے ہمدرد اور رکھوالے ہیں۔ وہ اس کا اچھا بُرا جانتے ہیں۔

مگر اُس وقت وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ کتنے باپ اور بھائی ایسے بھی ہیں جو بیٹیوں اور بہنوں کو بازار میں بیچتے ہیں۔ یہ اچھے رکھوالے ہیں جنھوں نے بازار سجا رکھے ہیں۔ مال بیچنے کیلئے عورت کے ننگے جسم کا استعمال کرتے ہیں۔

یورپ جہاں بظاہر عورت آزاد سمجھی جاتی ہے، سب سے زیادہ عورت کا بیوپار کرتا ہے۔ عورت کو مرد کی دلچسپی کا سامان بنا رہنے کیلئے قسم قسم کی مصنوعات ایجاد کی ہیں۔ مرد نے خود اپنے کو پھانسنے کے ہتھیار بنائے ہیں۔ ہزاروں سنگھار کے سامان جن کے بغیر مغربی عورت خود کو مفلوج محسوس کرتی ہے۔ اُسے یہی تربیت دی گئی ہے۔ اشتہاروں سے اسکے دل میں یہ بات بٹھائی گئی ہے کہ اگر وہ مرد کے لئے جاذبِ نظر نہ بنی تو وہ زندہ لوگوں میں شمار نہیں کی جائےگی۔ وہاں بھی لڑکیوں کے دل میں یہ بات بٹھائی گئی ہے کہ اعلیٰ تعلیم پاکر لڑکیاں مردوں کیلئے پُرکشش نہیں رہتیں۔ سب سے زیادہ دلچسپ اور رنگین پیشہ سکریٹری یا ٹائپسٹ کا ہے۔ یورپ میں ہر لڑکی کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ کسی ہینڈسم آدمی کے دفتر میں نوکری حاصل کرے۔ دفتروں میں نوکریاں پانے کیلئے جسمانی حسن کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اور بھی دلچسپ نوکریاں ہوٹلوں میں ہیں جہاں بڑے بڑے امیر گاہک آتے ہیں: اگر لڑکی حسین ہے تو وارے نیارے ہیں۔ کہانیوں قصّوں میں بھی اسی بات پر زور دیا جاتا ہے کہ اگر لڑکی قبول صورت ہو اور اپنے آپ کو بنائے سنوارے رکھے تو لکھ پتی اس پر عاشق ہو سکتے ہیں۔

غرض وہاں بھی ایک طرف تو چاند اور سورج فتح کئے جا رہے ہیں دوسری طرف عورت کو اسی طرح جھنجھنا بنایا جا رہا ہے۔ بیسیوں میگزین عورتوں کے لئے نکلتے ہیں، انھیں دیکھئے تو وہی سگھڑ بننے کے طریقے، حُسن بڑھانے کے نسخے۔ اچھی بیوی اور اچھی ماں بننے پر شدّت سے زور دیا جا رہا ہے تاکہ وہ بلندیوں کی طرف نہ دیکھیں جہاں مرد حاکم بنے اپنی مرضی کی دنیا بناتے رہیں۔

قومی راج

جرمن قوم پر جب فاشزم چھایا تو سب سے پہلے عورت کے رہے سہے پَر کتر لیے گئے۔ اُسے باورچی خانے میں بند کر دیا گیا۔ مسولینی نے عورت کو سپاہی پیدا کرنے کی مشین بنا دیا۔ تاکہ وہ اس کے معاملے میں دخل نہ دے سکے۔ عورت اگر حکومت اور دشمن کے معاملوں میں دخل دے گی، اُس میں زنانہ پن پیدا ہو جائے گا۔ جس بے رحمی اور کٹر پن کی ان معاملوں میں ضرورت ہے وہ نرم پڑ جائےگی۔ عورت شاید مجبور ملکوں کی عورتوں اور بچوں کا بھی خیال کرے۔ وہ اپنے بچوں کو دور دراز ملکوں میں کٹنے مرنے کے لئے راضی نہ ہو اس لئے اُسے ہنڈیا چولہے میں گھسا دو، اور اس خوبی سے کہ وہ اسے ہی اپنا مصرفِ زندگی سمجھے۔

اشتراکی ملکوں میں عورت انسان سمجھی جاتی ہے۔ اُس نے جسمانی بناؤ سنگھار کو اہمیت دینا نہیں سیکھا۔ وہ میدانِ جنگ میں مردوں کے دوش بدوش لڑ چکی ہے۔ وہ آرام سے گھر میں بیٹھی سولہ سنگھار نہیں کرتی رہی۔ ویت نام میں امریکی جوان خون بہاتا رہا اور امریکہ میں عورتیں بیٹھی سجتی رہیں۔ مگر روسی عورت نے ہر مورچہ پر اپنا خون بہایا ملک کی آزادی میں وہ برابر کی حصّہ دار ہے۔ وہ اپنے جسم سے نہیں دماغ سے سوچتی ہے۔ مرد کو بھی اس کی برابری کا اعتراف ہے کہ جب مرد محاذ پر لڑ رہے تھے تو وہ جرمن فاشسٹوں سے اپنے گھر کے مورچے پر مردانہ وار لڑی۔ اس کی نسوانیت کو چار چاند لگ گئے۔ آج وہ ہر مورچہ پر ڈٹی ہوئی ہے اور وہاں کا مرد احساسِ کمتری کا شکار نہیں۔

چین کی عورت کو مرد کے برابر حقوق حاصل ہیں۔ صرف کاغذ پر نہیں زندگی کے ہر موڑ پر مرد اُسے فخریہ ساتھ لے کر چلتا ہے۔ اس کی زندگی کا واحد مقصد مرد کو اپنا گرویدہ بنانا نہیں بلکہ اس کے زندگی کے بوجھ کو برابر بانٹنا ہے۔

جس ملک میں عورت پچھڑی ہوئی ہے وہ ملک زندگی کی دوڑ میں پچھڑا ہوا ہے۔ عورتوں کی اکثریت

جاہل اور مجبور ہے، ہندوستان میں جکڑی ہوئ
پر مذہب کی لگائی پابندیاں عاید ہیں۔ آج
عورتوں کی تعلیم دن بدن ترقی کر رہی ہے،
عورت بھی اصولوں میں جکڑی ہوئی ہے۔ ...
پڑھی لکھی لڑکیوں کی بھی یہی خواہش ہوت
آسان ترین کورس لیکر ڈگری حاصل کر
شادی کے بازار میں اُن کی قیمت بڑھ جائے
ایک انسان سے نہیں کماتے کماتے لڑکے۔
آرام سے انھیں کھلاتا پلاتا رہے۔ کتنی ہ
لڑکیاں اس انتظار میں بیٹھی ہیں کہ کماؤ
اور اُن کو بیاہ لے جائیں۔ وقت گذاری
بھی کر رہی ہیں، مگر انتظار شہزادہ گلفام کا
زندگی کے ساتھی کی تلاش میں کم کی جاتی ہے
کے سہارے کا زیادہ خیال ہوتا ہے۔ بغیر نو
لڑکا شادی کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتا۔ شا
کی جاتی ہے، خواہ لڑکا کتنا بھی بدصورت۔
اور بدمزاج ہو۔ اگر اس کی نوکری شاندار
ٹکڑا بیاہ لاتا ہے۔

اچھی نوکری حاصل کر کے لڑکا موٹر،
اور ٹی وی خریدتا ہے۔ پھر ان سب کو ا
کے لئے ایک اچھی سی بیوی لاکر رکھ دیتا۔
زندگی کو نہایت کامیاب تصوّر کرتا ہے
اس بات کو نہایت ہتک آمیز سمجھتا ہے کہ
بھی کمائے۔ وہ ہزار چار سو بیسی کرتا ہ
ہے، غبن کرتا ہے مگر بیوی کی کمائی نہ
لڑکی کے باپ سے جہیز لینے کو قطعی عی
باپ بھی مہا بیوقوف ہوتا ہے کہ چوری
ڈالتا ہے، قرض لیتا ہے، ایمان بیچتا ہ
ہے۔ اتنے جھوٹ اور بے ایمانی کی بنی
ہوئی زندگی ایک دھوکہ بن جاتی ہے۔
کے مینار تعمیر ہوتے ہیں، اُن کی چولیں
ڈگمگاتی رہتی ہے۔ بے ایمانی زندگی
فرض بن گئی ہے۔

۱۶ ر

فلموں میں بھی عورت کا وہی تصوّر ہے جو زندگی میں ہے۔ ہیروئن کا مقصدِ زندگی ہزار جتن کرکے ہیرو کو حاصل کرنا ہے۔ پہلی فرصت میں وہ ہیرو پہ عاشق ہو جاتی ہے۔ سولہ سنگھار کرکے سنسان جنگلوں میں اس کے ارد گرد منڈلاتی ہے، ناچتی تھرکتی ہے، سو نخرے دکھاتی ہے۔ ہیرو اُسے دبوچتا ہے، کھسوٹتا ہے، مروڑتا ہے۔ وہ اپنے جسم کے دلسوز زاویے نمایاں کرکے اسے لبھاتی ہے، بامعنی گانے گا کر اُسے دعوتِ دست درازی دیتی ہے۔ پھر اس سے کہتی ہے "بارات لے کے آ اور بیاہ لے جا تب آگے قدم بڑھانے دوں گی۔" اگر ہیرو بہت ہی ٹھس ہوتا ہے اور صرف آنچل ڈھلکانے سے معاملہ نہیں پٹتا تو بارش میں بھیگ کر مشکتی ہے۔

کسی زمانہ میں ہیروئن بڑی مرگھلی سی ہوا کرتی تھیں کودنے اچھلنے کے بجائے ناز و ادا سے دھیرے دھیرے چلتی تھی۔ آج کی ہیروئن طوفان میل کی طرح دندناتی ہے وجینتی مالا کے فلم لائین چھوڑنے کے بعد سے فلموں میں ناچ کے نام سے کود پھاند رہ گئی ہے۔ ہر ہیروئن ساید ایک ہی ڈانس ڈائرکٹر کے حکم سے بالکل ایک ہی انداز میں جسم کو مروڑیاں دیتی ہے، پچھاڑیں کھاتی ہے، زمین پر مینڈک کی طرح پھدکتی ہے۔

جب عشق فلمی زبان میں "ایسٹیبلش" ہو جاتا ہے تو اڑنگا لگتا ہے۔ پہلے تو ماں باپ ہی ٹانگ اَڑا دیتے تھے، اب زیادہ تر وِلین پھاند پڑتا ہے۔ اس وِلین کی ایک شعلہ بداماں داشتہ ہوتی ہے جو فی البدیہہ ہیرو پر عاشق ہو بیٹھتی ہے کسی ہوٹل میں کیبرے کے بہانے ہیرو پر لیس کی طرح چپک چپک کر نہایت معنی خیز گانے گاتی ہے۔ وِلین کا ایک ڈین ہوتا ہے۔ وہ زیادہ تر اسمگلر ہوتا ہے اور اپنا بیشتر وقت ناچ گانے میں صَرف کرتا ہے۔

لیکن چند سال سے کچھ ڈھانچہ بدل گیا ہے۔ وِلین اتنے مزے کرتا تھا کہ ہیرو کو اس پر رشک آنے لگا، اس لئے اب ہیرو خود اسمگلر یا ڈاکو بنتا ہے مگر مجبوراً بیوہ ماں یا کنواری بہن کی خاطر وہ یہ روپ دھارتا ہے تاکہ اس کی اِمیج (image) خراب نہ ہو اور تماش بینوں کو اس سے ہمدردی قائم رہے۔

ہیروئن بھی اب مارتے خاں بنتی جا رہی ہے۔ پہلے ویمپ مغربی لباس پہنتی تھی اور جسم کی نمائش کرتی تھی۔ اب ہیروئن بھی پلّو سنبھالنے کے بجائے مغربی لباس پہنتی ہے اور جسم دکھاتی ہے۔ ویمپ رنڈی بھی ہوا کرتی تھی۔ اب یہ کام بھی ہیروئن نے سنبھال لیا ہے اور وہ کسی بہانے سے مجرا کر دیتی ہے۔ پہلے چٹخارے کے لئے ویمپ ننگی ہوتی تھی، شراب پیتی تھی، مارا ماری میں حصّہ لیتی تھی، توپ بندوق چلاتی تھی۔ اب یہ سب کچھ ہیروئن ہی کر لیتی ہے۔

آج کل زیادہ تر کہانیاں ہیرو کے ارد گرد گھومتی ہیں۔ انڈسٹری کی باگ ڈور ہیرو کے ہاتھ میں ہے۔ کئی ہیرو تو پروڈیوسر بھی ہیں۔ روپیہ پیسہ بھی لگاتے ہیں۔ ویسے بھی ہیروئنوں سے زیادہ پڑھے لکھے اور ہوشیار ہیں اس لئے ہیروئن ان کی مرضی سے لی جاتی ہے۔ وہ تجربہ کار منجھی ہوئی ہیروئن سے کتراتے ہیں کہ وہ داد کا کچھ حصّہ بٹور لے جاتی ہیں۔ اس لئے اُن کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ ناتجربہ کار کمسن لڑکی تر نوالہ کی طرح فلم میں ڈال دی جائے جو دماغ کے بجائے صرف جسم سے ایکٹنگ کرے۔ اس کا صرف یہ مصرف ہو کہ ہیرو کے عشق میں گرفتار ہو کر اس کی مردانگی کو چار چاند لگائے۔ اگر ہیروئن کمزور ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ سائیڈ میں اور چٹ پٹی چھوکریاں ڈال دی جائیں، ہانڈی مزے دار ہو جائے گی۔ جتنی لڑکیاں ہیرو پر مرتی دکھائی جائیں اتنی ہی اس کی شان بڑھے گی اور دیکھنے والا خود کو ہیرو کی جگہ تصوّر کرکے چٹخارے لے گا۔

کچھ ایسی بھی فلمیں بنتی ہیں جن میں ہیروئن کا کردار اہم ہوتا ہے۔ وہ یا تو رنڈی ہوتی ہے جو زبردستی بنا دی گئی ہوتی ہے اس لئے سولہ سنگھار کرکے درد بھرے گیت گاتی ہے اور سماج کو شاندار مکالموں کی صورت میں گالیاں دیتی ہے۔ کسی طلسمی ترکیب سے وہ کنواری بھی ہوتی ہے تاکہ اعلیٰ خاندان کا ہیرو اس سے شادی کر سکے۔

ایسی بھی ہیروئن پر فلم بنتی ہے جس کے حرام کا بچّہ پیدا ہو جاتا ہے۔ نادان بچی پہلے تو خوب اپنے عاشق کو لبھاتی ہے جب مصیبت میں پھنس جاتی ہے تو وہ اُسے چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ عموماً کسی بیوا کی رحمدلی کی بدولت وہ بچّے کو جنم دیتی ہے اور ماتمی گیت گاتی ہے یہاں تک کہ اس کا پاجی عاشق راہِ راست پر آکر اس سے بیاہ کر لیتا ہے۔ لیکن اگر بیاہ سے پہلے عاشق دم توڑ دے تو وہ گا گا کر بچّہ پالتی ہے جب وہ جوان ہو جاتا ہے تو کہتا ہے "ماں!"

تب اس کی ساری محنت وصول ہو جاتی ہے۔

شاید ہی کوئی ایسی فلم ہوتی ہے جس میں ایک عدد "ریپ سین" نہیں ہوتا۔ ریپ سین بڑے تھرلنگ (thrilling) ہوتے ہیں۔ دیکھنے والوں کو بڑی لذّت ملتی ہے۔ کپڑے پھاڑنے کا بھی موقع ملتا ہے۔ اگر وِلین ہیروئن کو ریپ کر رہا ہو تو عموماً ہیرو آکر گھونسہ بازی کے بعد اس کی عزّت بچانے کا فخر حاصل کرتا ہے۔ یا ہیرو کی کنواری بہن ہوتی ہے۔ اگر عزّت گنوا دے تو اسے لازم ہے کہ فوراً خودکشی کرے تاکہ ہیرو وِلین سے انتقام لے سکے۔

فلمی ہیروئن کو دیکھ کر بے ساختہ خیال آتا ہے کہ عرب قوم بہت عقلمند تھی کہ پیدا ہوتے ہی لڑکی کو زندہ دفن کر دیتی تھی۔

نیو تھیٹر کبھی ایسی فلمیں بناتا تھا جنہیں دیکھ کر خیال ہوتا تھا کہ عورت ہونا اتنی شرم کی بات نہیں۔ آج بھی کچھ باہمّت لوگ ایسی فلمیں بنا رہے ہیں جن میں عورت صرف کھلونا نہیں، ایک جاندار فرد ہے۔ تامل فلم "دکھتا پاروتی" میں اس عورت کی نظر آتی ہے جو اپنے حالات سے سمجھوتا نہیں کرتی

اُس کا شوہر نکما اور شرابی ہے۔ ایک اور مرد اس میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔ ایک طرف اس کے شوہر کی بے رخی اور لاپروائی ہے اور دوسری طرف اس مرد کی کشش۔ وہ شوہر کی اہمیت کو ٹھکرا دیتی ہے اور خود کو عاشق کے حوالے کر دیتی ہے۔ حالانکہ آخر میں وہ خودکشی کر لیتی ہے مگر بغاوت کی ننھی سی چنگاری چمک دکھا جاتی ہے۔

دوسری فلم "پھر بھی" ہے۔ دو ماں بیٹیاں بغیر کسی مرد کے سہارے کے زندہ ہیں۔ ہیروئن ہیرو کو لُبھانے میں قطعی دلچسپی نہیں رکھتی۔ یہ انوکھی ہیروئن ہے جس کا مقصد زندگی ہیرو کو پھانسنا نہیں ماں بھی ایک مرد سے محبت کرتی ہے مگر اپنی انفرادیت کھونے پر مصر نہیں۔

حال ہی میں ایک فلم بنی ہے "آندھی"۔ ہیروئن پختہ عمر کی ہے مگر شدت سے متاثر کرتی ہے۔ وہ اپنی سیاسی زندگی کو گرہست سے زیادہ اہم اور دلچسپ سمجھتی ہے جس کے لئے قربانیاں کرنی پڑتی ہیں اور وہ کرتی ہے۔ بڑے بوڑھے کہہ گئے ہیں عورت کیلئے اچھی ماں اور بیوی بننا ہی معراج زندگی ہے۔ "پھر بھی" کی طرح اس کی کہانی بھی ہندی کے مشہور ادیب کملیشور نے لکھی ہے۔ کملیشور کو پڑھ کر عجیب سی حیرت ہوتی ہے۔ ادب میں ایک نیا موڑ آرہا ہے۔ عورت کا پرانا ڈھانچہ بدل رہا ہے۔ یہ نئی عورت دھیرے دھیرے سر اُٹھا رہی ہے۔ وہ ایک اصلیت ہے خواب نہیں۔ اس کا وجود محسوس ہونے لگا ہے اور تہہ بہ تہہ جھلک رہا ہے۔

لگے ہاتھوں ایک اور فلم کا ذکر کر جاؤں۔ یہ منی کول کی "دُبدھا" ہے۔ یہ ایک لوک کہانی پر بنائی گئی ہے۔ نئی دُلھن کا شوہر شادی کے فوراً بعد کسی کاروبار کے سلسلے میں پانچ برس کے لئے پردیس چلا جاتا ہے۔ اس کی دنیا اندھیر ہو جاتی ہے مگر ایک آسیب اس پر راستہ میں عاشق ہو جاتا ہے۔ وہ اس کے پتی کا روپ دھار کر اسکے پاس آتا ہے۔ سب سمجھتے ہیں وہ شوہر ہی لوٹ آیا۔ مگر یہ آسیب دیانت داری سے دُلھن کو اصلیت بتا دیتا ہے۔ دُلھن خائف ہونے کے بجائے آسیب کے گلے میں بانہیں ڈال دیتی ہے کہ وہ پانچ برس کی تنہائی کو سمجھتی ہے۔ پانچ برس بیت جاتے ہیں۔ آسیب سے ایک بچہ بھی پیدا ہونے لگتا ہے۔ عین وقت پر شوہر کو پتہ چل جاتا ہے کہ اسکی بیوی کسی اور کے ساتھ رہ رہی ہے۔ وہ واپس آتا ہے۔ دو ہم شکل انسانوں میں فیصلہ دشوار ہو جاتا ہے۔ پھر ایک جھاڑ پھونک کرنے والا اس آسیب کو قابو میں کر لیتا ہے۔ دولہا کو دُلھن مل جاتی ہے۔ وہ دلہن کی نہ ناک کاٹتا ہے نہ گردن مارتا ہے۔ اپنی خوش نصیبی پر ناز کرتا ہے۔ دُلہن اُداس بچہ کو گود میں لئے بیٹھی رہتی ہے۔

کیا واقعی مرد کا دل بدل رہا ہے؟ وہ عورت کی ضرورتوں کو محسوس کرنے لگا ہے؟ گھسے پٹے خیالات بدل رہے ہیں۔ اُن کی جھلک ان نئی فلموں میں نظر آنے لگی ہے۔ ملک کا ایک سمجھدار پڑھا لکھا طبقہ سوچنے کا انداز بدلنے پر تیار ہو رہا ہے۔ وہ عورت کو اپنی طرح ایک فرد سمجھنے کو تیار ہے اور اُسے وہ درجہ دیتا ہے جس کی وہ حقدار ہے کیونکہ ان عورتوں میں اپنا حق لینے کی صلاحیت ہے۔ انھوں نے ریاضت کی تب یہ مقام پایا ہے۔ ملک میں اب ایسے لوگوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے جو اپنی بیویوں کو کام کرنے سے نہیں روکتے بلکہ دوستوں کی طرح مدد کرتے ہیں۔ درمیانہ درجہ کے ضرورت سے زیادہ محتاط لوگ بھی آہستہ آہستہ اپنا رویہ بدل رہے ہیں۔

ایک طرح سے یہ مہنگائی نعمت بن رہی ہے کہ آج جب تک دونوں مل کر کام نہ کریں، گذارا دشوار ہو رہا ہے۔ مرد کو پتہ چل رہا ہے کہ کمانے والی بیوی زیادہ مفید ثابت ہوتی ہے۔ کتنی بھی سُگھڑ بیوی ہو ایک کلرک، ایک ٹیچر، ایک پروفیسر کی تنخواہ میں سگھڑاپہ نہیں دکھا سکتی۔ ایک چپراسی اپنے کو خوش نصیب سمجھتا ہے اگر اس کی بیوی تھوڑا پڑھی لکھی ہے اور کسی میونسپل اسکول میں اُستانی ہے۔ دونوں کی کمائی کے بل بوتے پر وہ اپنے بچوں کو بہتر تعلیم دے سکتے ہیں۔ چھوٹی موٹی خوشیاں خرید سکتے ہیں۔ لڑکیوں کی تعلیم پر اب زیادہ توجہ دی جا رہی ہے۔ کسی زمانہ میں اسکولوں کو لڑکیاں نہیں ملتی تھیں، آج لڑکیوں کو اسکول میں داخلہ کے لئے بھاگ دوڑ کرنا پڑتی ہے۔ سب اسکول اٹا اٹ بھرے ہوئے ہیں۔ کبھی لڑکیاں اسکول جانے کے لئے ترستی تھیں، آج وہ لڑکوں کی طرح زبردستی پابندی سے بھیجی جاتی ہیں۔

لیکن فلمی ہیروئن اسی طرح اُچھل کود مچا رہی ہے۔ اسکولوں کالجوں میں بھی مٹک رہی ہے جسم کی نمائش عیب نہیں مگر اس نمائش کا بیوپار کرنا گناہ ہے اور اس چھچھوری نمائش پر اتنی بڑی انڈسٹری قائم ہے، ترقی کر رہی ہے، اور کروڑوں بنا رہی ہے۔

دیکھنا ہے کہ کب تک فلمی ہیروئن جی کا بہلاوا بنی رہے گی۔ یہ تو معلوم ہے کہ بہت سی فلم ہیروئنیں اپنی اس درگت سے خوش نہیں۔ وہ بھی اچھے رول کرنا چاہتی ہیں مگر مجبور ہیں۔ جس طرح عام عورتیں زندگی میں مجبور ہیں یہ بھی کچھ نہیں کر سکتیں۔ اگر وہ نہ کریں تو ان کی جگہ لینے والیوں کی کمی نہیں۔ یہ بھی ایک نظام کی غلام ہیں۔ ایک ہی راستہ ہے۔ کہ فلم لائین چھوڑدیں مگر عورتوں کے لئے فی الحال کس لائین میں بھلائی ہے؟ اور وہ ایکٹنگ کے سوا اور کر بھی کیا سکتی ہیں۔ جبتک عوام کا مذاق نہ بدلے یہی سب چلتا رہے گا۔ عوام کا مذاق کون بدلےگا؟ خود عوام جب چاہیں گے بدل ڈالیں گے۔ ●●

جسم کی نمائش عیب نہیں۔ اس نمائش کا بیوپار کرنا گناہ ہے!

صنفِ نازک کے بارے میں اقبال کے نظریات اقبال کے اُس نظامِ فکر کا ایک حصّہ ہیں جو سارے سماج کے بارے میں اقبال نے پیش کیا ہے۔ ہم اقبال کے نظریے سے متفق ہوں یا نہ ہوں، یہ ایک حقیقت ہے کہ اقبال نے سماج کے ایک مضبوط کردار پر زور دیا ہے اور اس مضبوط کردار کے سارے قلعے کا سنگِ بنیاد اقبال نے عورت کے کردار کو قرار دیا ہے۔ لہٰذا کلامِ اقبال میں عورت کے مقام پر بحث کرتے ہوئے اس قسم کے جملے قطعاً بے معنی ہیں کہ عورت کے بارے میں اقبال کے نظریات رجعت پسندانہ ہیں یا ترقی پسندانہ، جدید ہیں یا قدیم — اور اقبال سماجی نظام کے بارے میں جو نظریات ۱۹۳۸ء میں پیش کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے انھیں ۱۹۶۵ء کے پیمانے سے ماپ کے صحیح یا غلط قرار دینا اتنی ہی لغو بات ہے۔ خاص طور پر یہ دیکھتے ہوئے کہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد حالات کی رفتار اتنی تیز ہو گئی ہے کہ اس جنگ کے بعد کی چوتھائی صدی نے اس سے قبل کی ایک صدی کے مقابلہ میں زیادہ منزلیں طے کی ہیں۔

یہ کہنے کی ضرورت مجھے اس لئے بھی پیش آئی ہے کہ آجکل ہندوستان میں بعض نقاد اقبال کو سیکولرزم اور متحدہ قومیت کا علمبردار ثابت کرتے ہوئے شعوری طور پر یا غیر شعوری طور پر اقبال کو اس کے بنیادی سرچشمۂ افکار — اسلام — سے لاتعلق ثابت کرنے کی کوشش میں بھی مصروف نظر آتے ہیں۔ ان نقادوں کو اس بات سے سروکار نہیں کہ یہ عمل جائزہ و تحقیق کی پختگی کو ظاہر کرتا ہے یا خامی کو۔ اس کاوش کا دوسرا ضرر رساں پہلو یہ ہے کہ اقبال کی شاعری جو ہمارے مطالعے کا موضوع ہونا چاہئے، ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوتی چلی جا رہی ہے اور توجہ صرف اس بات پر مرکوز ہو رہی ہے کہ اقبال جس نے "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" کا ترانہ لکھا، مشترکہ قومیت کا علمبردار رہے اور اسے ہندوستان میں اپنا کھویا ہوا مقام واپس ملنا چاہئے۔ چاہتا میں بھی یہی ہوں لیکن اپنے مطالبے میں اتنا اضافہ ضرور کر دوں گا کہ اقبال مشترکہ قومیت کا علمبردار ہو یا نہ ہو (اور غالباً مشترکہ قومیت سے ہم آج جو کچھ مراد لے رہے ہیں اقبال اس کا علمبردار نہیں ہے) اسے اس لئے ہندوستان میں کھویا ہوا مقام واپس ملنا چاہئے کہ وہ ہمارا ایک عظیم شاعر ہے اور عظیم شاعر ہونے کی حیثیت سے اسے ہماری اس وکالت کی قطعاً ضرورت نہیں کہ اس نے "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" لکھا۔ اس نے

مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

بھی لکھا اور یہ بھی لکھا

تجھ کو چھوڑا کہ رسولِ عربی کو چھوڑا
بُت گری پیشہ کیا بُت شکنی کو چھوڑا!

ہم نشیں مسلم ہوں میں توحید کا حامل ہوں میں   اس صداقت پر ازل سے شاہدِ عادل ہوں میں

جگن ناتھ آزاد
پی۔آئی۔بی، ریسیڈنسی روڈ، سری نگر

اور یہ بھی اقبال کی ساری شاعری کی طرح عظیم شاعری کی مثالیں ہیں اور چونکہ اس نے ہمیں عظیم شاعری دی ہے اس لئے ہماری زبان اور ادب میں اسے ایک رفیع مقام حاصل ہے۔ اس سے اس مقام کو چھیننے کی کوشش کرنا ہماری ادب شناسی پر نہیں ادب ناشناسی پر دلالت کرتا ہے۔

(۲)

آخرالذکر دو اشعار کا ذکر اس مقالے میں اس لئے بھی ضروری ہے کہ کلامِ اقبال میں عورت کے مقام پر بحث کرنے کے لئے اس ماحول کا تعین ضروری ہے جس میں اقبال کے سماجی نظریات و افکار نے پرورش پائی۔

ترک شاعر ضیاء اقبال کے محبوب شاعر تھے اور کئی محفلوں میں انھوں نے اس کا کلام بڑے والہانہ انداز سے پڑھا (اگر میں غلطی نہیں کرتا تو انھوں نے جامعہ ملیہ کی ایک محفل میں بھی جب کہ اقبال پروفیسر مجیب کے مہمان تھے ضیاء کا کلام سنایا تھا) ضیاء کے قومی افکار کی اقبال نے اپنی اکثر تحریروں میں جی بھر کے تعریف کی ہے لیکن "اسلام میں افکارِ الٰہیہ کی تشکیلِ جدید" میں عورت کے متعلق ضیاء کے نظریات پر بحث کرتے ہوئے آپ کہتے ہیں۔

"مرد اور عورت میں مساوات دیکھنے کے شوق میں وہ (ضیاء) احکامِ اسلام کے خاندانی پہلو میں جو آج مروّج ہے' انتہا پسندانہ تبدیلیاں دیکھنے کا متمنی ہے۔"

وہ لکھتا ہے:

"عورت میری ماں ہے' میری بہن ہے یا میری بیٹی ہے' یہ عورت ہی ہے جو میری روح کی گہرائیوں میں انتہائی پاکیزہ جذبات اُبھارتی ہے!

"عورت میری محبوبہ بھی ہے' میرا سورج میرا چاند اور میرا ستارہ۔

"یہ عورت ہی ہے جس کے طفیل میں زندگی کی شاعری کو سمجھتا ہوں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا کا مقدس قانون اس خوبصورت مخلوق کو ذلیل اور حقیر سمجھے۔ یقیناً علماء نے قرآن کی تفسیر میں کوئی نہ کوئی غلطی کی ہے۔

"قوم اور ملک کی بنیاد خاندان ہے۔

"جب تک کسی قوم کو عورت کی پوری قدر و قیمت کا احساس نہیں ہو جاتا' قومی زندگی نامکمل ہی رہتی ہے۔

"خاندان کی تربیت اور پرورش منصفانہ انداز سے ہونا چاہیئے۔

"اس لئے تین چیزوں میں مساوات کا ہونا ضروری ہے اور وہ ہیں —
طلاق' علیحدگی اور وراثت۔

"جب تک وراثت کے قانون کی رو سے عورت مرد کا نصف اور شادی کے قانون کی رو سے مرد کا ایک چوتھائی تصور کی جاتی رہے گی اس وقت تک نہ تو خاندان ترقی کر سکے گا' اور نہ ملک۔ جہاں تک دوسرے حقوق کا تعلق ہے ہم نے قومی عدالتیں قائم کر دی ہیں۔ دوسری طرف خاندان کو ہم نے اسکول کے حوالے کر رکھا ہے۔

"میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ ہم نے عورت کو کیوں فراموش کر دیا ہے۔

"کیا وہ ملک کے لئے کام نہیں کرتی؟ کیا ہم اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں جب وہ اپنی (کپڑے سینے والی) سوئی کو ایک سنگین میں تبدیل کر کے ایک انقلاب پیدا کرے اور اس سنگین کے زور سے اپنے حقوق ہمارے ہاتھوں سے زبردستی چھین لے۔"

ضیاء کے یہ افکار نقل کرنے کے بعد اقبال ان افکار پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"میں یہ پوچھتا ہوں کہ جس مساوات کا مطالبہ ضیاء نے کیا ہے — یعنی طلاق' علیحدگی اور وراثت میں مساوات — کیا وہ مساوات شریعتِ محمدی کی رو سے بھی ممکن ہے۔ میں نہیں جانتا کہ کیا ترکی میں عورتوں کی بیداری نے ایسے مطالبات پیدا کر دئے ہیں جو بنیادی اصولوں کی از سرِ نو تفسیر کے بغیر پورے نہیں ہو سکتے۔ لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ پنجاب میں ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں جبکہ وہ مسلمان عورتیں جو اپنے غیر پسندیدہ شوہروں سے نجات پانا چاہتی تھیں اپنا مذہب ترک کرنے پر مجبور ہو گئیں۔ یہ صورتِ حال ایک تبلیغی مذہب کے مقاصد کے ساتھ قطعاً ہم آہنگ نہیں ...

"جہاں تک ترک شاعر کے مطالبات کا تعلق ہے غالباً احکامِ اسلام کے خاندانی پہلو سے متعلق اس کی واقفیت زیادہ نہیں ہے۔ نہ ہی غالباً وہ وراثت کے قرآنی حکم کی اقتصادی اہمیت کو سمجھتا ہے۔"

اس کے بعد اقبال نے اس بحث میں شریعت کے ان پہلوؤں پر مفصل روشنی ڈالی ہے جن کا تعلق اسلام میں عورت کے مقام کے ساتھ ہے۔

تو گویا اقبال نے اپنی نظم و نثر میں عورت کا سماجی مقام متعین کرنے میں بنیادی طور پر اپنے افکار کو اس نظام کے تابع رکھا ہے جو انھیں احکامِ قرآنی میں نظر آیا ہے کیونکہ اقبال کے نزدیک عورت کا یہی مقام برقرار رکھنے ہی سے ہمارا معاشرہ ان تمام عیوب سے پاک رہ سکتا ہے جو موجودہ دور نے عورت کے نئے کردار کی صورت میں ہمارے معاشرے کو دئے ہیں۔

رُسوا کیا اِس دور کو جلوت کی ہوس نے
روشن ہے نگہ آئینۂ دل ہے مکدّر
بڑھ جاتا ہے جب ذوقِ نظر اپنی حدوں سے
ہو جاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر
خلوت میں خودی ہوتی ہے خودگیر ولیکن
خلوت نہیں اب دیر و حرم میں بھی میسّر

اقبال کے قلم سے ترک شاعر ضیاء کے افکار کی تردید جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے ۱۹۲۸ء یا ۱۹۲۹ء کی بات ہے۔ اس سے دس برس قبل

ں اقبالؒ کا دوسرا مجموعۂ کلام "رموزِ بیخودی"[1]
، میں ارکانِ اساسی ملّیہ اسلامیہ (رکنِ
ید، رکنِ دوم — رسالت) ایک طویل بحث
حث کی تین نظمیں
ں معنی میں کہ بقائے نوع کا سبب امومت
منظ و احترام امومت اصل اسلام ہے۔
ں معنی میں کہ سیّدۃ النساء فاطمۃ الزہرا
لئے اسوۂ کاملہ ہیں اور
عطاب بہ مخدّراتِ اسلام
ہی کے موضوع پر ہیں۔ پہلی نظم میں آپ

ہ خیز از زخمۂ زن سازِ مرد
نیازِ او دوبالا نازِ مرد
شش عریانیٔ مرداں زن است
ن دلجو عشق را پیراہن است
شق حق پروردۂ آغوشِ او
ں نوا از زخمۂ خاموشِ او
ں کہ نازد بر وجودش کائنات
ر او زمود با طیب و صلوٰۃ
سلے کو را پرستارے شمرد
ہرہ از حکمت قرآں نبرد
ک اگر بینی امومت رحمت است
انکہ او را با نبوّت نسبت است
شفقتِ او شفقتِ پیغمبر است
سیرتِ اقوام را صورت گر است
ز امومت پختہ تر تعمیرِ ما
ر خط سیمائے او تقدیرِ ما
ہست اگر فرہنگ تو معنی رسے
رفِ امّت نکتہ ہا دارد بسے
غت آں مقصود حرفِ کُن فکاں
یر پائے امہات آمد جناں

آں دُرخ رستاق زادے جاہلے
پست بالائے سطبرے بر گلے
ناتراشے پرورش نا دادۂ
کم نگاہے، کم زبانے، سادۂ
دل ز آلام امومت کردہ خون
گردِ چشمش حلقہ ہائے نیلگون
ملّت ار گیرد ز آغوشش بدست
یک مسلمانِ غیور و حق پرست
ہستیٔ ما محکم از آلامِ اوست
صبحِ ما عالم فروز از شامِ اوست

تصویر کا یہ تابناک پہلو پیش کرنے کے بعد اقبالؒ اس کا سنولایا ہوا پہلو بھی ہمارے سامنے لاتے ہیں اور کہتے ہیں :

واں تہی آغوش نازک پیکرے
خانہ پروردِ نگاہش محشرے
فکرِ او از تابِ مغرب روشن است
ظاہرش زن باطنِ او نازن است
بندہائے ملّتِ بیضا گسیخت
تا ز چشمش عشوہ ہا حل کردہ ریخت
شوخ چشم و فتنہ زا آزادیش
از حیا نا آشنا آزادیش
علمِ او بارِ امومت بر نتافت
بر سرِ شامش یکے اختر نتافت
ایں گل از بستانِ ما نا رستہ بہ
داغش از دامانِ ملّت شستہ بہ

اس دوسرے رُخ کی ایک جھلک "ضربِ کلیم" میں ہمیں یوں نظر آتی ہے :

آغوشِ صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے
وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر!

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے
ہند و یوناں ہیں جس کے حلقہ بگوش
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بےکار و زن تہی آغوش؟

کلامِ اقبالؒ میں موضوع کوئی بھی ہو ذہن بےاختیار اس کے کمالِ فن کی طرف جاتا ہے۔ مذکورہ بالا قطعہ کوئی بہت اعلیٰ شاعری کی مثال نہیں لیکن یہی خیال "ضربِ کلیم" سے قبل "جاویدنامہ" میں انتہائی دلکش بلکہ ساحرانہ انداز سے ہمارے سامنے آچکا ہے۔ پس منظر فلکِ مرّیخ ہے۔ اقبالؒ اور رومیؒ ہزاروں کاخ و کوئے سے گزر کر شہرِ مرغدین سے باہر ایک میدان میں پہنچتے ہیں۔" اس میدان میں عورتوں اور مردوں کا ایک ہجوم ہے اور اس ہجوم میں ایک عورت کہ انار کے بوٹے کا سا اس کا قد کھڑی ہے اور تقریر کر رہی ہے۔ اس کا چہرہ ہے تو روشن لیکن روح کے نور کے بغیر ہے اور اس کے معانی، اس کے بیان پر گراں گذر رہے ہیں۔ اس کی گفتگو بےسوز اور آنکھ بےنم ہے اور وہ خود آرزو کے سرور سے نامحرم ہے۔ اس کا سینہ جوشِ جوانی سے قطعاً خالی ہے اور اس کا آئینہ اندھا اور صورت ناپذیر ہے۔ وہ عشق اور آئینِ عشق سے بےخبر ہے۔ وہ ایک ایسی چڑیل ہے جسے شاہینِ عشق نے رد کر دیا ہے"۔

اب وہ حکیم مرّیخی — حکیم نکتہ داں — رومیؒ اور اقبالؒ سے کہتا ہے کہ " یہ دوشیزہ اہلِ مرّیخ میں سے نہیں ہے۔ یہ دراصل ایک 'سادہ و آزادہ و بےریو و رنگ' عورت تھی۔ فرزمرز اسے یورپ سے چرا لایا اور اسے نبوّت کے کام میں پختہ کر کے جہانِ مرّیخ میں چھوڑ دیا۔ اب یہ کہتی ہے کہ میں آسمان سے نازل ہوئی ہوں اور میری دعوت، دعوتِ آخر زمان ہے۔ یہ عورت مرد و زن کے باہمی تعلقات کے بارے میں بات چیت کرتی ہے اور بدن کے رازد

---

[1] "اسرارِ خودی" اور "رموزِ بےخودی" دونوں مل کے ایک ہی کتاب کی صورت میں "اسرار و رموز" کے نام سے شائع ہوئیں۔

کو فاش تر طریقے سے بیان کرتی ہے ۔ اس آخرالزماں کے نزدیک جو تقدیر زلیست کا مفہوم ہے وہ میں اہلِ زمین کی زبان میں تجھ سے بیان کرتا ہوں اور وہ مفہوم یہ ہے :

اے زنان! اے مادران! اے خواہران!
زیستن تا کے مثالِ دلبران؟
دلبری اندر جہاں مظلومی است
دلبری محکومی و محرومی است
در دو گیسو شانہ گردانیم ما
مرد را نخچیر خود دانیم ما
مرد صیادی بہ نخچیری کند
گرد تو گردد کہ زنجیری کند
گرچہ آن کافر حرم سازد ترا
مبتلائے درد و غم سازد ترا
ہمراہ بودن آزارِ حیات
وصلِ او زہر و فراقِ او نبات
مار پیچاں! از خم و پیچش گریز
زہر ہایش را بخون خود مریز!
از اموت زرد روئے مادران
اے خنک آزادی بے شوہران

اسلامی قانون کی رو سے سماج میں عورت کے مقام سے متعلق اقبال کا نظریہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے ۔ اس نظریے کے پیش نظر اقبال کے یہاں نبیۂ مریخ کا جو خود اقبال ہی کے ذہنِ دراک کی اختراع ہے ردِ عمل ڈھونڈنا دشوار نہیں ہے ۔ " اسلام میں افکارِ الٰہیہ کی تشکیلِ جدید" میں مذکورہ ترک شاعر کے نظریے کو ہدفِ تنقید بناتے ہوئے لکھتے ہیں ۔ " قانونِ وراثت کے بارے میں شاعر نے جو اصلاح تجویز کی وہ اس کی غلط فہمی پر مبنی ہے ۔ لڑکے اور لڑکی کے قانونی حصّوں میں عدمِ مساوات کی موجودگی سے یہ فرض نہیں کر لینا چاہیے کہ (اسلامی) قانون مرد کو عورت پر ترجیح دے رہا ہے ۔ اس قسم کا مفروضہ روحِ اسلام کے منافی ہے ۔ قرآن کہتا ہے :

' عورتوں کو مردوں پر وہی حقوق حاصل ہیں جو مردوں کو عورتوں پر ہے'

لڑکی کے حصّے کا تعین اس بنا پر نہیں ہوتا کہ وراثت میں اسے کمتر سمجھا گیا ہے بلکہ یہ فیصلہ اس کے اقتصادی مواقع اور اس مقام کو پیش نظر رکھ کے کیا گیا ہے جو اسے موجودہ سماجی نظام میں جس کا وہ ایک جزو ہے حاصل ہے ....

یہ تو مسئلے کا صرف ایک پہلو ہے ۔ اس مسئلے کے جس قدر بھی پہلو ہیں انھیں اقبال شریعتِ اسلامی کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں ۔ ایک پہلو وہ ہے جسے اقبال نے خود ساختہ نبیۂ مریخ کی بات چیت میں لاکر انتہائی دلکش شاعری بنا دیا ہے ۔ دراصل نبیۂ مریخ کے نظریات سے اقبال کو شروع ہی سے ایک چڑ سی ہے ۔ " بانگِ درا" کے ظریفانہ کلام میں بہت پہلے انھوں نے لکھا :

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
قوم نے ڈھونڈ لی فلاح کی راہ
روشِ مغربی ہے مدّ نظر
وضعِ مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین
پردہ اُٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

لیکن دراصل یہ چڑ اس نظام سے ہے جس نے عورتوں کو مردوں کے مقابلے میں اس طرح لا کے کھڑا کیا کہ گھریلو زندگی شکست و ریخت ہو کر رہ گئی ۔ اس نظریے میں نیٹشے کا وہ جذبہ دور دور تک نظر نہیں آتا جو عورت ذات کی مخالفت اور اس کے ساتھ نفرت پر مبنی ہے بلکہ اقبال کا نظریہ عورت کے لئے احترام سے لبریز نظر آتا ہے ۔

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشتِ خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا دُرِ مکنوں
مکالماتِ فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں

آخری شعر اس اعتبار سے محل نظر ہے کہ تاریخِ عالم میں صنفِ نازک کا علمی مقام اس کی تائید نہیں کرتا لیکن اس کے ساتھ ہی پہلا شعر اور " شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشتِ خاک اس کی " عورت کے لئے عزت و احترام کا جو جذبہ اور عورت سے صحت مند معاشرے کی تشکیل و تکمیل کی جو توقع لئے ہوئے ہیں اس کے پیش نظر یہ اندازہ کرنا دشوار نہیں کہ ایک پختہ کردار سماج کے لئے اقبال عورت کی پختگیٔ کردار کے کس قدر قائل ہیں ۔

جہاں را محکمی از امہات است
نہاد شان امینِ ممکنات است
اگر این نکتہ را قومے نداند
نظامِ کار و بارش بے ثبات است

•

ز شامِ ما برون آور سحر را
بہ قرآن باز خوان اہلِ نظر را
تو می دانی کہ سوزِ قرائت تو
دگرگوں کرد تقدیرِ عمر را

(۳)

مثنوی " رموزِ بے خودی" کا ایک طویل اقتباس جس میں اقبال نے امومت کی عظمت سے بحث کی ہے اس سے قبل نقل ہو چکا ہے ۔ اس اقتباس کو ہم اس عظیم عورت کے کردار سے ہٹ کے نہیں دیکھ سکتے جس کے آغوش میں اقبال نے پرورش پائی اور جس کے انتقال کے بعد اقبال نے اسے اس طرح یاد کیا :

کس کو اب ہوگا وطن میں آہ میرا انتظار
کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بیقرار
خاکِ مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا
دفترِ ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات

اور غیر اغلب نہیں کہ مندرجہ ذیل رباعی کہتے وقت بھی اقبالؔ کے پیشِ نظر ان کی اپنی والدۂ محترمہ ہی رہی ہوں :

مرا داد ایں خرد پرور جنونے'
نگاہِ مادرِ پاک اندرونے'
زمکتب چشم و دل نتواں گرفتن
کہ مکتب نیست جز سحر و فسونے

اقبالؔ کے یہاں امومت کی عظمت پر بات چیت کرتے سوقت شوپن ہارؔ کی جانب خیالات کا منتقل ہونا ناممکنات میں سے نہیں ہے کیونکہ عورت کے بارے میں شوپن ہارؔ کے نظریات بھی اُسی تربیت پر مبنی ہیں جو اُسے ماں کی آغوش میں ملی ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ شوپن ہارؔ کی تربیت نفرت کے ماحول میں ہوئی اور اس کا دل عورت کے خلاف زہریلے جذبات سے لبریز ہوگیا جس کا اظہار اس نے وقتاً فوقتاً اپنی تحریروں میں کیا ہے[1] ان خیالات کی ایک جھلک دیکھئے :

"صرف وہی شخص جس کی عقل پر نفس پرستی کا پردہ پڑا ہے اس ٹھگنے قد' تنگ کندھوں' چوڑے سرین اور چھوٹی چھوٹی ٹانگوں والی مخلوق کو صنفِ نازک کہے گا کیونکہ جنس کے سارے حُسن کا دار و مدار دراصل اسی ہیجان اور ترنگ پر ہے۔ عورت کو خوبصورت کہنے کی بہ نسبت اسے بدصورت کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ عورتوں میں موسیقی' شاعری یا کسی بھی فنِ لطیف سے اثر پذیر ہونے کی صلاحیت ہی نہیں ہے ۔ اگر وہ اس بات کا اظہار کرتی ہیں کہ انھیں شعر و موسیقی یا فنِ لطیف سے کوئی رغبت ہے تو یہ محض دھوکے اور فریب کے سوا اور کچھ نہیں اور مقصد اس کا یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی طرح سے مرد کو خوش کرسکیں۔

" عورتیں کسی بھی معاملے میں خالص معروضی دلچسپی لینے کے قابل نہیں... اس صنف میں اعلیٰ ترین ذہن بھی فنِ لطیف میں کوئی ایسا کارنامہ پیش نہیں کرسکے جو واقعی خالص اور طبعزاد ہو۔ صرف فنِ لطیف ہی نہیں' یہ صنف کسی میدان میں بھی مستقل نوعیت کا کوئی کام نہیں کرسکی....

" اور یہ کتنی لغو بات ہے کہ جائداد کے حقوق عورتوں کو دے دیے جائیں ۔ تمام عورتیں' چند مستثنیات کو چھوڑ کر' فضول خرچی کی جانب مائل ہوتی ہیں ۔ وہ حال میں زندگی بسر کرتی ہیں اور ان کی گھر سے باہر کی سرگرمی محض بازار میں خریداری کرنا ہے ۔ ان کا تعیم ذالعیش کا نظریہ یہی ہے۔ اسلئے میری رائے یہ ہے کہ عورتوں کو اپنے معاملات کا انتظام ہاتھ میں لینے کی اجازت بھی کبھی نہیں دینا چاہیے' بلکہ جیسا کہ ہندوستان میں رواج ہے انھیں ہمیشہ کسی مرد کی نگرانی میں رہنا چاہیئے خواہ وہ باپ ہو' شوہر ہو یا بیٹا ہو۔ (اور اگر یہ) نہیں تو ان پر حکومت کی نگرانی ہونا چاہیئے ۔"

شوپن ہارؔ نے باقی تو جو کچھ کہا ہے سو کہا ہے لیکن ہندوستان کی طرزِ معاشرت کو سمجھنے میں اس نے غلطی کی ہے ۔ باپ' شوہر یا بیٹے کی نگرانی کے معنی یہ نہیں ہیں کہ عورت کو ہندوستان میں کمتر یا ذلیل سمجھا جاتا ہے' بلکہ یہ ہندوستان کے معاشرے کا ایک صحتمند پہلو ہے جسے اقبالؔ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے :

اک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے مستور
کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ نہ تعلیم نئی ہو کہ پرانی
نسوانیتِ زن کا نگہباں ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

اقبالؔ نے اپنے اس نظریے کے پیشِ نظر عورت کی جو تصویر پیش کی ہے اس کا ایک رُخ اگر " والدہ محترمہ کی یاد میں " ہے تو ایک رُخ " فاطمہ بنت عبداللہ " ہے جو طرابلس کی جنگ میں غازیوں کو پانی پلاتی ہوئی شہید ہوئی ۔ اسی طرح " شرف النساء " بھی اسی تصویر کا ایک پہلو ہے اور " حضرت زہرا " بھی' جو ایک انتہائی تابناک پہلو ہے۔

(۳)

اقبالؔ کے ان تمام تجربات کا نچوڑ بعض اقتباسات کی صورت میں اس مقالے میں آچکا ہے ۔ یہاں مولوی شمس تبریز خاں کے الفاظ میں یہ بیان کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ " اقبالؔ اپنے کلام میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ بلند ارشادات بھی لائے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ " حبب الیّ من دنیاکم الطیب والنساء وجعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ " (مجھے دنیا کی چیزوں میں خوشبو اور عورتیں پسند کرائی گئی ہیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔) اقبالؔ نے اس حدیث کا بھی حوالہ دیا ہے کہ " جنّت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔" انھوں نے امومت کو رحمت کہا ہے اور اسے نبوّت سے تشبیہ دی ہے۔ ماں کی شفقت کو وہ پیغمبر کی شفقت کے قریب کہتے ہیں اس لئے' کہ اس سے بھی اقوام کی سیرت سازی ہوتی ہے اور ایک ملّت وجود میں آتی ہے۔

[1] مفصل بحث کے لئے مصنف کی کتاب " اقبالؔ اور مغربی مفکرین " میں مقالہ بعنوان " اقبال اور شوپن ہارؔ " ملاحظہ فرمائیے۔

• تسنیم فاروقی

اُردو شاعری اور غیر مسلم خواتین

اُردو ادب کے ماضی سے حال تک شعر و سخن کا ایک بیکراں سمندر ہے جس کے موتیوں کی آب و جلا پر فرداً فرداً تبصرہ کرنے کیلئے ایک ضخیم و بے مثال اِنسائیکلوپیڈیا بھی تیار کیا جائے تو کم ہے۔ اس ادبی سمندر کی موجوں میں جہاں میرؔ، غالبؔ، بیدلؔ، ذوقؔ اور مومنؔ جیسے مشاہیر کے چہرے اُبھرتے ہیں وہاں شاہانِ مغلیہ کے پردہ ہائے حرم سے داد و دہش کی صدائیں بھی گونجتی ہیں۔ جہاں احساسِ عشق کے سُنسان صحراؤں میں صدائے غزل بلند کرنے والے غبار پوش قافلے گامزن نظر آتے ہیں وہیں محمل ہائے رنگا رنگ سے آنکھ مچولی کرتی ہوئی حسین غزالوں کی قطاریں بھی تبسّم ریز و لغمہ نواز ہیں۔ از ماضی تا حال یہ سلسلہ اپنے تصوّراتی کینوس کے قوس قزح میں مسند نشینی کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ اُردو شاعری کو سنوارنے اور اس سے دلچسپی رکھنے والوں کی فہرست مرتب کرتے وقت طبقۂ نسواں کی قابلِ قدر ہستیوں کو فراموش کر دینا بعید از عدل ہے۔ زبان کے تحفّظ کے سلسلے میں خواتین کا کردار محتاجِ تعارف نہیں۔ انھوں نے گھر کی چہار دیواری میں مقیّد رہ کر بھی زبان و ادب کی خاموش خدمت اور حفاظت جس قرینے سے کی ہے وہ واقعی انھیں کا حصّہ ہے۔

مُسلم خواتین میں شاعری کی ابتدا مشہور زمانہ مقدس خاتون زیب النسا، مخفیؔ شاہزادیٔ حرم اورنگ زیب عالمگیر نے کی تھی، اور اس سے متاثر ہو کر جو خواتین میدانِ شاعری میں آئی تھیں وہ اس دور کے مؤرخین کی بے اعتنائی یا تغافل کی نذر ہو گئیں اور نمایاں نہ ہو سکیں۔ ان حالات میں پردے کے ضوابط کا بھی شدت سے ہاتھ رہا۔ یہی نہیں بلکہ میر تقی میرؔ اور مرزا رفیع احمد سوداؔ کے زمانے تک جتنی بھی اُردو شاعرات گذریں اُن کا مکمل تذکرہ کہیں بھی کسی صورت میں محفوظ نہیں ملتا، البتہ اس دور کی کچھ اردو شاعرات کا نا تمام سا ذکر ضرور مل جاتا ہے جن میں بیگم بنت میر تقی میرؔ، قادری بیگم تلمیذۂ شاہ نصیرؔ، جینا بیگم تلمیذۂ سوداؔ (حرم جہاں دار شاہ بہادر ولی عہد بادشاہ دہلی)، لسم اللہ بیگم لسم اللہ تلمیذۂ انعام اللہ خاں یقینؔ، شاعرۂ گرامی بہو بیگم جانؔی (حرم آصف الدولہ نوابِ اودھ) اور دولھن (حرم آصف الدولہ ثانی) نمایاں حیثیت رکھتی ہیں یا پھر غالبؔ کے دورانِ قیام کلکتہ میں کئی شاعرات کا ذکر ملتا ہے (جو پچاس سے زائد ہیں اور جن میں کچھ یوروپین خواتین بھی ہیں۔) اس کے علاوہ اُمراؤ جان اداؔ کا ذکر بھی اس ضمن میں موضوع سے قریب ہے۔ گو کہ اس شاعرہ کے بارے میں ہنوز اہلِ ادب میں کچھ بدگمانیاں پائی جاتی ہیں اور وثوق شاملِ حال نہیں ہے۔ بہر حال نوابینِ اودھ تک اگر اس سلسلے کو قائم رکھا جائے تو

تاریخ اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ ان شاعرات کے کلام میں اس دور کی جملہ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

اس زمانے کے بعد بعض تذکرہ نگاروں نے اپنے دور کی چند شاعرات کا ذکر اپنی تصانیف میں کیا ہے جن میں مختلف مذاہب و ملت کی اصنافِ نازک شامل ہیں، لیکن یہ ذکر اتنے مبہم اور مختصر انداز میں ہے کہ ان کی شاعری اور ان کے کمالِ فن کے خط و خال شفاف طریقے پر اُجاگر نہیں ہو سکتے ہیں۔ ان شاعرات میں مسلم خواتین کی تعداد کثیر ہے لیکن غیر مسلم خواتین بھی کم نہیں۔ غیر مسلم شاعراؤں میں ہندو، سکھ، عیسائی اور دیگر مذہبوں کی پیرو خواتین شامل ہیں۔ ان غیر مسلم شاعرات نے اپنی ادب دوستی اور اردو شاعری سے تعلق کے ثبوت میں جو نقوشِ تابندہ چھوڑے ہیں انھیں یکجا کرنا تو مورخینِ ادب کا کام ہے، لیکن میں اس وقت زیرِ نظر مختلف تذکروں میں محفوظ چند شاعرات کے حالات اور شاعری کے کچھ نمونے پیش کر رہا ہوں۔ "مشتے نمونہ از خروارے" ملاحظہ فرمائیں:

ملکہ: اپنی نام اور ملکہ تخلص تھا۔ یہ بلاکیر سپرنٹنڈنٹ پولس کلکتہ کی صاحبزادی تھیں۔ نہایت طباع، ذہین اور نفاست پسند تھیں۔ انگلستان میں پیدا ہوئیں اور کلکتہ میں قیام پذیر ہوئیں۔ ان کے والد بزرگوار ۱۸۷۸ء میں حیات تھے۔ کلکتہ ہی میں ملکہ نے اردو اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ موسیقی کی دلدادہ اور علومِ نغمہ و رقص سے آشنا تھیں۔ شعرگوئی میں صاحب نساخ مؤلف تذکرۂ سخن الشعراء کی شاگردہ تھیں۔

نمونۂ کلام:

ہجر میں دل کو بے قراری ہے | جوش، فریاد آہ و زاری ہے
آنکھیں پتھرا کے ہوگئی ہیں سفید | کسی بُت کی جو انتظاری ہے

ہوگئی نیند بھی ہمسایہ کی تا صبح حرام | میں نے نالہ جو کسی کا بھی سرِ شام کیا

نکہار: شیل کماری کول نام اور نکہار تخلص تھا۔ کشمیری نژاد تھیں۔ ان کے والد شنکر پرشاد کول عدالتِ اودھ میں منشی کے عہدے پر فائز تھے۔ حیدر علی خاں کے پھاٹک لکھنؤ میں مولوی جنگ دار خاں سے فارسی اور اردو کی تعلیم حاصل کی۔ اٹھارہویں صدی کے اوائل میں لکھنؤ کی شاعرات میں ممتاز درجہ رکھتی تھیں۔

نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

نگاہوں کے ہر تیر سے کھیلتی ہوں | شب و روز تصویر سے کھیلتی ہوں
ترے نام سے جب سنورتے ہیں کاکل | تو اپنی ہی زنجیر سے کھیلتی ہوں
اپنے آنسو خشک کر لو اے نکہار
تا کجا بیٹھی رہو گی بُت بنی

جمیعت: مسز آرجسٹن کے نام سے مشہور تھیں۔ میجر آرجسٹن کی اہلیہ تھیں۔ آگرہ میں قیام تھا۔ علم موسیقی میں بھی کافی دخل تھا۔ اُردو، فارسی اور ہندی تینوں زبانوں سے واقف تھیں اور تینوں زبانوں میں شعر کہتی تھیں۔ ان کے مزید حالات کسی بھی تذکرے میں نہیں ملتے ہیں۔ کلام پیش ہے:

مقسوم کی خوبی ہے کہ قسمت کا ہے احسان | رہتا ہے خفا مجھ سے جو دلبر کوئی دن سے
خدا کے رو برو جانا ندامت مجھ کو بھاری ہے | کوئی نیکی نہ بن آئی اسی کی شرمساری ہے

راویہ: نام شانتا، تخلص راویہ، ایک غریب چھیپی کی دختر تھیں۔ دہلی میں سیتارام کے بازار میں رہتی تھیں اور بہت اچھے شعر کہتی تھیں۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

ہوتی نہ محبت تو یہ آزار نہ ہوتا | دل عشق کے صدموں سے خبردار نہ ہوتا
چھلنی نہ ہوا ہوتا کبھی دل کا کلیجہ | ناوک تری نظروں کا اگر پار نہ ہوتا

شریر: مس میری فلورا سارکس نام اور شریر تخلص تھا۔ ترّم اکبرآبادی کی دختر تھیں۔ ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوئیں۔ ۱۹۱۱ء میں رامپور میں مقیم تھیں۔ شاعری میں منّا صاحب بزم سکریٹری والیٔ ریاست سے تلمذ تھا۔ ستار بجانے میں ماہر تھیں۔ کتابوں کا مطالعہ کرنے کا شوق خصوصاً تھا۔ سولہ سال کی عمر میں ان کو رام پور میں اختر جہاں بیگم کا اعزازی خطاب ملا تھا۔ بہت خوش فکر اور خوش مذاق شاعرہ تھیں۔ انھوں نے صغر سنی کے باوجود نواب رامپور کی ایک غزل کو تضمین کیا تھا۔ ملاحظہ کیجئے:

یہ جو ہے ملنے میں عار دیکھئے کب تک رہے | دشمنِ جاں وہ نگار دیکھئے کب تک رہے
قلب میں اس کے غبار دیکھئے کب تک رہے | ہم سے خفا ہے وہ یار دیکھئے کب تک رہے
"غیر کا یہ اعتبار دیکھئے کب تک رہے"
موسمِ گل کی بہار دیتی ہے کیا کیا مزے | سارے درختوں نے بھی بدلے ہیں کپڑے نئے
شاخوں پہ پھر بلبلیں کرنے لگیں چہچہے | غنچے چٹکنے لگے، پھول مہکنے لگے
"جوش پہ فصلِ بہار دیکھئے کب تک رہے"
سبز شجر دیکھ کر خوش ہے ہر اک باغباں | ایسا بھلا بار بار ملتا ہے موقع کہاں
دیکھنے کا باغ کے آج ہی کل ہے سماں | حسنِ عروسِ بہار پھولوں کی نیرنگیاں
"بلبلِ شیدا نثار دیکھئے کب تک رہے"

خفی: بلیک صاحب بہادر کی صاحبزادی تھیں (رین بو ریڈکلف نام تھا) انگریزی، فارسی اور اردو میں ماہر تھیں۔ شاعری میں اکثر اشخاص کو اصلاح بھی دیتی تھیں۔ ۱۸۷۸ء میں حیات تھیں۔ نہایت خوش سلیقہ اور مشاق شاعرہ

تھیں جس کا اندازہ کسی حد تک ان کے کلام سے ہوتا ہے :

خود شوقِ اسیری سے پھنسے دام میں صیاد
شرمندہ ترے ایک بھی دانے کے نہیں ہم

جن سے ہم آشنائی کرتے ہیں — ہم سے وہ بے وفائی کرتے ہیں
اے خفی اپنے اشک بے تاثیر — مفت میں جگ ہنسائی کرتے ہیں

اُمّا : لیلا دیوی نام اور اُمّا تخلص تھا۔ لاہور مسکن تھا۔ سلاست صفائی، روانی اور سادگیٔ بیان کے سبب اُن کی شاعری ایک امتیازی شان رکھتی تھی۔ مولانا راشد الخیری کی وفات پر انھوں نے ایک مرثیہ لکھا تھا۔ اس کے چند بند ملاحظہ فرمالیں :

ختم ولی نہ کبھی ہوگا یہ رونا تیرا — اشکِ غم سے ترے رخسار کو دھونا تیرا
ہائے رے اُجڑے چمن ہیچ ہے رونا تیرا — جس کو بھایا کبھی بیکار نہ ہونا تیرا
اُٹھ گیا کیسا قلم کار، قلم کا افسر
داغ ہے راشد خیری کا ادب کے سر پر

صنفِ نازک کیلئے کیسے اٹھائے صدمے — رات دن ایک کئے کیا کیا مضامین لکھے
غم نسواں کے وہ حضرت نے مرقعے کھینچے — اب نہ دیکھیں گے نہ دیکھیں گے کبھی ہم مرکے
کس طرح بھولیں گے احسان تمہارے خیری
اب کسے کہہ کے پکاریں گے ہمارے خیری

سروپ : محترمہ سروپ رانی سروپ انیسویں صدی کے اوائل کی شاعرہ ہیں۔ ان کی شاعری اردو اور ہندی کی ہم آہنگ لطافتوں کا حسین امتزاج ہے۔

پریت کی اُلٹی ریت ہے پیارے — ہارے میں ہے جیت
ہار دے جیون ہار دے تن من — چاہے گر تو میت
بالکل نردھن ہو جا
پاگل مجھ کو کہے ہے دنیا — کیا جانیں یہ لوگ
یارب ان کو بھی ہو جائے — پیار کا میٹھا روگ
پریم روگی ہو جا
نس دن تیرے نام کی مالا — ہے جیون کا جاپ
پاپی میں ہوں پاپی بالم — پریم ہے میرا پاپ
تو بھی پاپی ہو جا

نوبیلا : شریمتی نوبیلا سنگھا نام، تخلص نوبیلا۔ فنِ شاعری اور اظہارِ کلام میں پختگی کے ساتھ ساتھ طرزِ ادا کی پاکیزگی ان کا طرۂ امتیاز تھا، لفظوں کا باسلیقہ صرف، سوز و ساز کے دلکش آتش خانوں سے نرم اور خنک آنچ کو محسوس کرکے اپنے مقدس چراغِ سخن کے لئے اکتسابِ نور کرتی ہوئی نظر آتی تھیں۔ اسی زبان و بیان کے دلگداز طرزِ سخن کے آثار ان کو دوسری خواتین شاعرات کے پیکروں سے الگ کرتے ہیں۔ ان کی شاعری میں کہنہ مشقی عبارت کی طرح جھلکتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان کے یہاں غزل کے لئے نئی سمتوں کی دریافت کے علائم بھی ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔

کیا سنائے کوئی فسانۂ دل
جس کا انجام ہے نہ ہے آغاز
آج کچھ ان لبوں نے فرمایا
ہے یہی میری خامشی کا راز
ہم بھی ہیں در خورِ نگاہِ کرم
ہم بھی ہیں آپ کے رہینِ نیاز

شعر و سخن کے ان روشن میناروں کو جو اپنے عہد کی تیز ہواؤں سے متاثر ہوکر بجھ ضرور گئے لیکن ان کے کھنڈرات آج بھی تہذیب و تمدن کے غماز و نشان ہیں اور یہی وہ مقامات ہیں جہاں فردا کے نقشِ قدم کسی نہ کسی طرح ضرور ملتے ہیں۔

بقول علامہ اقبالؔ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ایک گلاب کا مرجھانا

جواہر لال نہرو کو گلاب بیحد پسند تھے۔ اُن کی اچکن میں ہمیشہ گلاب لگا رہتا تھا۔ اس مخصوص پھول سے انھیں اتنا اُنس کیوں تھا؟

ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ گلاب اُن کی ہستی اور سماجی عقیدوں کا علمبردار ہو۔ یہ پھول کانٹے دار پودوں میں پلتا اور پھولتا ہے۔ دنیا نے بھی کانٹوں کو نظرانداز کیا ہے اور اس خوبصورت اور خوشبودار گُل سے پیار کیا ہے۔ بُرائیوں کو نظرانداز کرنا اور اچھائیوں کو اپنانا جواہر لال جی کی فطرت کا ایک اہم جزو تھا۔ مورّخ نہرو نے اپنی مشہور تصنیفات "دی ڈسکوری آف انڈیا" اور "گلمپسیس آف ورلڈ ہسٹری" میں متعدد جگہ اُن پہلوؤں پر کڑی نکتہ چینی کی ہے جو اس ملک کے اتحاد میں، ترقی میں رخنہ ثابت ہوئے ہیں۔ ان خطرات کے باوجود انھیں اس ملک کی عظمت نیز اس ملک کے باشندوں کے روشن مستقبل کے بارے میں پورا یقین تھا۔

دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ گلاب اور اُسکی پنکھڑیوں میں انھیں ایک قابلِ تقلید نظام کی جھلک نظر آتی ہو۔ گلاب متعدد پنکھڑیوں کے باوجود "وحدت" کی ایک عمدہ مثال بھی ہے۔ ہندوستانی سماج کے متعلق اُن کا یہی تصور تھا ...... ایک خواب تھا جس کی تعبیر نہ ہوسکی۔ وقت کے ساتھ ساتھ گلاب بھی مرجھانے لگا۔

اُن کی تندرستی پر لوگ رشک کرتے تھے۔ ہر روز اٹھارہ گھنٹے کام کیا کرتے۔ اس کے باوجود اُن کی صحت میں کسی قسم کا زوال نظر نہیں آیا۔ سنہ ۱۹۶۰ء میں آپ کسی تقریب کے سلسلہ میں مہاراشٹر آئے تھے۔ قلعہ پرتاپ گڈھ کی سیڑھیوں پر آپ جس تیزی اور سُرعت سے چڑھے اُسے دیکھ کر لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔ اُس وقت مہاراشٹر کی کابینہ کے وزراء جو اُن کے ساتھ سیڑھیاں چڑھ رہے تھے، کافی پیچھے رہ گئے۔ جواہر لال جی نے رُک کر پیچھے دیکھا اور پُرزور قہقہہ لگا کر کہا۔ "اچھا تو اب میں ایک بوڑھے کی رفتار سے سیڑھیاں چڑھتا ہوں۔"

سنہ ۱۹۶۲ء میں چین نے ہمارے ملک پر حملہ کیا۔ یہ ایک دل شکن ضرب تھی۔ ایک ایسا فریب جو کہ انگریز حکمرانوں نے بھی نہرو کو نہ دیا ہوگا۔ اس لعج سوز واقعہ کا اثر ان کے دل و دماغ پر ہوا۔ اُن کے چہرے پر افسردگی، مایوسی چھائی ہوئی رہتی۔ اب انھیں تنہائی زیادہ پسند آنے لگی۔ خیالوں میں ڈوبے رہتے: اُنھیں گُردوں کی بیماری نے آگھیرا۔ جسم میں ایک خم پیدا ہوگیا۔ اب انھیں زیادہ آرام کرنے کی ضرورت پڑنے لگی۔ بایاں پیر کمزور ہوچکا تھا جسکے اُٹھانے میں دِقّت محسوس ہوتی تھی۔ ان کی ہمشیرہ شریمتی وجے لکشمی پنڈت نے جب اُن سے یہ التجا کی کہ اب آپ زیادہ آرام کیا کریں تو یکلخت جواہر لال جی نے جواب دیا "کس لئے؟ اپنی کھوئی ہوئی قوت دوبارہ حاصل کرکے کیا فائدہ؟"

شیوراج سنگھ شتریہ

انھیں دنوں مشہور سیاسی ادیب مائیکل برلیشر نے جب اپنی یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ دو ماہ بعد پھر ملاقات کا شرف حاصل کرنا چاہیں گے تو نہرو نے کہا "دو مہینے! شاید بہت دیر ہو جائے گی۔" یہ المناک پیشینگوئی صحیح ثابت ہوئی۔ مائیکل دوبارہ مل نہ سکے۔

بھوبنیشور میں کانگریس کے سالانہ اجلاس میں شرکت کیلئے نہرو تشریف لے گئے۔ وہاں انھیں شدّت کا دورہ پڑا۔ جسم کا بایاں حصہ غیر متحرک ہوگیا۔

کچھ عرصہ بعد آرام کرنے کی غرض سے ڈیرہ دون تشریف لے گئے۔ وہاں نامہ نگاروں کا ایک اجلاس منعقد کیا گیا تھا۔ وقتِ مقررہ کے دس منٹ بعد تشریف لائے۔ اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا وہ وقت کے بے حد پابند رہا کرتے۔ گھڑی دیکھ کر اُنھوں نے نامہ نگاروں سے معافی مانگی اور دبی آواز میں مخاطب ہوئے۔" کہیے۔ کیا سوالات ہیں؟" جب نامہ نگاروں نے سوالات پوچھنے شروع کئے تو جواہر لال جی کو جواب دینے میں کافی دقّت محسوس ہونے لگی۔ ایک تو یہ کہ ایک جملہ کے بعد دوسرا جملہ کہنے میں کافی وقت لگ جاتا یا ایک دو الفاظ کے درمیان کافی وقفہ تک رُک جاتے۔ ان کا فطری جوش و خروش اب ماند پڑ چکا تھا۔

مئی کے تیسرے ہفتہ میں ڈیرہ دون سے دلّی لوٹے دو روز بعد یعنی ۲۶ مئی کی رات وہ اچانک بیدار ہوئے۔ کمر میں درد محسوس ہونے لگا۔ دوائیاں دی گئیں۔ لیکن دو گھنٹے بعد بستر سے دوبارہ اٹھے۔ اب درد کی شدّت بڑھ گئی تھی۔ ڈاکٹروں کی طرف نظر دوڑائی اور کچھ ہی لمحات بعد بستر پر لیٹ گئے۔ وہ بیہوش ہو چکے تھے۔ اسی عالم میں ۲۷ مئی کی دوپہر ایک بجکر ۴۴ منٹ پر وہ اس عالم فانی کو خیرباد کہہ گئے

شاید وہ گلابی ہونٹ ہمیشہ کے لئے بند ہونے سے قبل فراق کے یہ اشعار دہرا رہے تھے :

" الوداع اے جشن ساتھیو، الفراق اے اہلِ وطن :
ایک اَن سُنی پکار دور سے مجھکو کہیں بلاتی ہے،
اب تم سے رخصت ہوتا ہوں، آؤ سنبھالو سازِ سخن،
نئے ترانے چھیڑ دو میرے نغموں کو نیند آتی ہے"

آج کی نظم

وقار خلیل

قدم بڑھاؤ زمانے کے ساتھ مل کے چلو — حیاتِ نو کے تقاضوں کا احترام ک
جلاؤ جہل کی راتوں میں آگہی کے چراغ — روایتوں کے دھندلکے میں آفتاب
وہ لوگ جن کو سلیقہ نہیں، شعور نہیں — زمانہ کیا ہے؟ یہ سمجھا سکو تو سمجھا
وہ ایک نام جو انسانیت کا محور ہے — اُسی کو شعلۂ احساسِ آرزو کہ
کوئی مقام ہو تسخیرِ مہر و ماہ کے بعد — چلو تو چلتے رہو، رہ میں سوچتے ک
زمیں سے تا بفلک روشنی کا عکسِ جمیل — ہمارے عہد کے آدم کا ارتقا د

لہو بہا تھا جہاں حسنِ آرزو کا وقار
وہیں بہارِ خراماں ہے دیکھتے جاؤ

o

ملازمت پیشہ والدین کے بچوں کی پرورش کا مسئلہ

بڑے شہروں میں رہنے والے متوسط طبقے کے خاندان روز زندگی کے نت نئے مسائل سے دوچار ہوتے رہتے ہیں۔ ملازمت، رہائش، بچّوں کی تعلیم جیسے بنیادی مسائل کے علاوہ ایسے کتنے ہی چھوٹے چھوٹے مسائل ہیں جن کا خاطر خواہ حل تلاش کرنے کی کوشش میں پیڑھیاں گذرتی چلی جا رہی ہیں' تاہم ان مسائل کا اطمینان بخش حل ہنوز نہیں ڈھونڈا جا سکا ہے۔

محولہ بالا مسائل کے ساتھ ایک اہم مسئلہ یہ بھی اُن کی پریشانی کا باعث ہے کہ اگر میاں بیوی دونوں ملازمت کرتے ہوں تو بچّوں کی تعلیم و تربیت کیونکر کی جائے؟

اس ایک سوال سے ایسے کتنے ہی چھوٹے چھوٹے سوالات جُڑے ہیں جو نوکری کرنے والے میاں بیوی کی ازدواجی زندگی کے ساتھ جونکوں کی طرح چمٹے ہوئے ہیں۔ یہی نہیں کبھی کبھی یہ سوال ایک ایسے ناقابلِ حل مسئلہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے جس سے براہ راست میاں بیوی کی ازدواجی زندگی کے متاثر ہونے کے امکانات بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔

اگر ملازمت پیشہ میاں بیوی میں سے کسی ایک سے بھی یہ سوال پوچھا جائے کہ "دونوں کی ملازمت کے کارن آپ لوگوں کے سامنے جو مسائل پیدا ہوتے ہیں' اُن میں سب سے اہم مسئلہ کون سا ہے؟" تو دونوں ایک زبان ہو کر جواب دیں گے۔ "بچّوں کا' سب سے زیادہ اہم' گمبھیر اور مضطرب کن مسئلہ ہمارے بچوں کا ہے۔"

آج کل بڑے شہروں میں قریب قریب ہر کالونی میں ایسے بچّوں کی نگہداشت کے لیے "پالن گھر' یا 'پرورش خانے' بنے ہوئے ہیں جہاں ایک معقول معاوضے پر' والدین کے نوکری پر چلے جانے کے بعد اُن کے بچّوں کی دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ ایسے 'پرورش خانوں' کا منظر بڑا ہی متاثر کن اور دلگداز ہوتا ہے۔ تین مہینے سے لے کر چار پانچ برس کی عمر تک کے بچّے اس "پالن گھر" میں رکھے جاتے ہیں۔ جب ان معصوم بچوں کو اس قیدخانے میں چھوڑ کر اُن کی ماں دن بھر کے لئے اُن سے رخصت ہونے لگتی ہے تب ان ننھے منے بچّوں کا رونا بلکنا دیکھ کر دل کانپ کانپ جاتا ہے۔

ایسے ہی ایک "پالن گھر" کی نگران کار کا کہنا ہے کہ "کچھ بچّے پالن گھر میں داخل ہوتے ہی صبح سے جو رونا شروع کرتے ہیں تو شام کو اپنی ماں کے واپس لوٹنے تک روتے بلکتے رہتے ہیں۔ اُنھیں کسی طرح بھی بہلایا نہیں جا سکتا۔ وہ صرف اپنی ماں ہی کی رَٹ لگائے رہتے ہیں۔ ایسے بچوں کے والدین سے اگر کہا جائے کہ وہ اپنے بچّوں کا کوئی دوسرا انتظام کریں' یا "پالن گھر" بدل دیں تو ان کا جواب ہوتا ہے۔ "فی الحال ہم دوسرا کسی بھی قسم کا انتظام کرنے سے قاصر ہیں۔ بچّہ دھیرے دھیرے اس کا عادی ہو جائے گا۔"

عادی — ناپسندیدہ باتوں کا عادی۔ سو بھی کب سے؟ عمر کے دوسرے تیسرے سال سے —

اگر نزدیک پاس میں ایسے کسی پالن گھر کا انتظام نہ ہو تو ملازمت پیشہ والدین کے سامنے اپنے بچّوں کی نگہداشت کا سوال ایک ٹیڑھی کھیر بن جاتا ہے۔

سلام بن رزاق
۲/۴۸۔بی۔ قریش نگر، کرلا، بمبئی ۴۰۰۰۷۰

قومی راج

اس مسئلے کو حل کرنے کے کئی اُپائے سوچے جاتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ آفس جانے کے بعد گھر میں بچوں کو سنبھالنے کے لئے آیا رکھی جاتی ہے۔ اس سے ایک مشکل تو حل ہو جاتی ہے مگر دوسری شکل آن پڑتی ہے۔ میاں بیوی کے آفس چلے جانے کے بعد گھر میں آیا کا راج ہو جاتا ہے۔ وہ گھر کی اشیا کا بڑی بے دردی سے استعمال کرتی ہے۔ اگر آیا غیر شادی شدہ ہو تو مالک مالکن کے پیچھے گھر میں نئے گل بھی کھلائے جاتے ہیں جس کا خمیازہ مالک مالکن کو بھگتنا پڑتا ہے۔ اگر کوئی پالن گھر قریب میں نہ ہو اور کسی معقول آیا کا بندوبست بھی نہ ہو سکے تو ایسی صورت میں کچھ والدین اپنے بچوں کو اپنے رشتہ داروں یا پڑوسیوں کے حوالے کر جاتے ہیں۔ مگر کب تک؟ بعض اوقات یہی چیز اُن کے آپسی تعلقات کو بگاڑنے کا باعث بھی بن جاتی ہے۔ اگر نوکری پیشہ والدین اپنے بچوں کی نگہداشت کا کوئی معقول انتظام نہ کر سکے تو آخر میں ایک ظالمانہ تجویز سوچی جاتی ہے۔ بچے چار چار پانچ پانچ برس کے ہوں تو والدین آفس جانے کے وقت انھیں گھر میں بند کر کے دروازے کو باہر سے تالا لگا دیتے ہیں اور بے فکر ہو کر آفس چلے جاتے ہیں۔ صبح کے نو بجے سے شام کے چھ سات بجے تک وہ معصوم اسی طرح مقید رہتے ہیں۔ یہ آٹھ نو گھنٹے وہ اس کوٹھری میں کیونکر گذارتے ہوں گے؟ روتے، چلاتے، چھٹپٹاتے، آپس میں جھگڑتے بالآخر تھک کر سو جاتے ہیں۔ پھر اُٹھ کر کھڑکی کی مضبوط سلاخوں کے پیچھے آکھڑے ہوتے ہیں، اور بجھے ہوئے چہرے اور اُداس آنکھوں سے والدین کی راہ دیکھنے لگتے ہیں۔ جس عمر میں انھیں کھلی فضا، کھیل کود اور ہنسنے بولنے کی ضرورت ہوتی ہے اُس عمر میں انھیں ایک تنگ کوٹھری میں جھنجھلاہٹ، اُداسی اور ایک غیر فطری تنہائی کے درمیان جینے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ بچے تھوڑے بڑے ہو جائیں تو وہ اسکول چلے جاتے ہیں اور والدین نوکری پر۔ جب بچے اسکول سے لوٹتے ہیں تو گھر کے دروازے پر ماں کے پیار اور باپ کی چمکار کی بجائے ایک مضبوط آہنی تالا اُنکا استقبال کرتا ہے۔ اُس وقت ان کے ننھے سے دل پر جو گذرتی ہوگی اسے پوری طرح محسوس کرنا شاید آسان نہ ہوگا۔ پھر والدین کے انتظار میں وقت گذارنے کے لئے وہ ادھر اُدھر بھٹکتے ہیں۔ اُنھیں طرح طرح کے ساتھی ملتے ہیں یہ ساتھی کوئی بھی ہو سکتے ہیں۔ آوارہ، جیب کترے، بیڑی سگریٹ پینے والے، گندی گندی گالیاں بکنے والے، سینما کے شوقین وغیرہ۔ اس کے علاوہ ایسے بچے ڈرپوک، شرمیلے اور گھُنے بھی بن سکتے ہیں۔ بچے اور سمجھدار ہو جائیں تو ماں باپ انھیں ہوسٹل میں داخل کر دیتے ہیں۔ اس طرح کچی عمر ہی سے اُن کے ذہن میں اپنے گھر پریوار سے متعلق فطری لگاؤ اور والدین کے لئے جو قدر و محبت ہونی چاہئے وہ باقی نہیں رہتی۔ اگر ایسی اولاد بداخلاق، سرکش اور نافرمان یا گمراہ ہو جائے تو والدین کو حیرت نہیں ہونی چاہئے۔

یہ بچے بڑے ہو کر ملک اور قوم کے ناخدا بننے والے ہیں۔ مگر ان غیر فطری پابندیوں اور غلط طریقۂ تربیت سے اُن کے معصوم دل و دماغ پر پڑنے والے اثرات کی طرف توجہ دینے کا اُن کے والدین کے پاس وقت نہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر آنے والی نسل کے مستقبل کا ذمہ دار کون؟ کیا ان قید نما پرورش خانوں میں پلنے والے بچوں سے مستقبل میں ہم یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ ملک کی حفاظت کرنے والے جانباز سپاہی یا سما[ج] کو سکھ اور شانتی کی راہ پر لے جانے والے دانشور بن سکیں گے؟

یہ ایک ایسا سوال ہے جو نوکری پیشہ والدین کے لئے ایک پریشان کن مسئلہ تو ہے ہی، سماج کے لئے ایک لمحۂ فکریہ ہے۔

جب تک اس مسئلے پر والدین اور سماج باہم طور پر غور و فکر نہ کریں، اس کا کوئی معقول حل ڈھ[ونڈ] نکالنا آسان نہیں۔ یہ تو طے شدہ بات ہے کہ اقتصا[دی] مجبوریوں، گھریلو اخراجات کی تکمیل، نیز گرہستی ٹھیک ڈھنگ سے چلانے کی خاطر مرد اور عورت دو[نوں] ملازمت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ مگر جو مائیں محض شوقیہ ملازمت اختیار کرتی ہیں اُنھیں چاہ[ئے] کہ وہ کم از کم اُس وقت تک نوکری سے پرہیز کر[یں] جب تک اُن کے بچے مدرسے میں داخل ہونے [کی] عمر کو نہیں پہنچ جاتے۔ تاکہ بچہ کم سے کم اُس [عمر] میں ماں کی کمی کو محسوس نہ کر سکے جب بچے کو ایک آیا کی نہیں ماں کی ضرورت ہوتی ہے۔ نیز ملاز[مت] پیشہ والدین کو چاہئے کہ وہ اپنے بچوں کی صحیح تر[بیت] کے سلسلے میں بچوں کے ماہر نفسیات سے گاہے گا[ہے] مشورے طلب کرتے رہیں کہ وہ اپنی ملازمت کے او[قات] کے بعد باقی مختصر سے وقت میں اپنے بچوں کی صحیح نگہ[داشت] کیونکر کر سکتے ہیں۔ یا ایسا کون سا طریقۂ کار ا[پنایا] کیا جا سکتا ہے کہ بچوں کو یہ محسوس نہ ہونے پا[ئے] اُن کے والدین اُن کی جانب سے بے نیازی برت[تے] ہیں۔ سماجی ادارے اس قسم کے ماہر نفسیات خدمات مہیا کر سکتے ہیں جن سے ملازمت پیشہ وا[لدین] براہ راست مشورہ طلب کر سکیں۔

بعض اداروں کی جانب سے خواتین کے ڈ[یوٹی پر] حاضر ہونے کے بعد اُن کے بچوں کی دیکھ بھال کا انتظام ہوتا ہے۔ اُس پر مزید توجہ دینے کی کوش[ش] کی جائے نیز اس قسم کا انتظام ہر ایسے ادارے [میں] لازمی قرار دیا جائے جہاں خواتین ملازمت (باقی صفحہ ۲۸)

> یہ بچے بڑے ہو کر ملک اور قوم کے ناخدا بننے والے ہیں، مگر ان غیر فطری پابندیوں اور غلط طریقۂ تربیت سے ان کے معصوم دل و دماغ پر پڑنے والے اثرات کی طرف توجہ دینے کا اُنکے والدین کے پاس وقت نہیں!

● عورت
جوانوں کے لئے محبوبہ
ادھیڑوں کے لئے ساتھی
اور بوڑھوں کے لئے نرس ہے۔

فرانسس بیکن کے اس قول میں اس بات کا اور اضافہ کرنا چاہئے کہ عورت، وقت، ماحول اور ضرورت کے تحت اپنے آپ کو بدلنے کی پوری قدرت اور ہمت رکھتی ہے۔ ہمت کا لفظ اس لئے استعمال کیا گیا ہے کہ وقت کے تقاضوں کے ساتھ خود کو بدلنا آسان کام نہیں ہے۔ اس صورت میں ذہنی اور جسمانی اذیتوں اور قربانیوں سے گذرنا پڑتا ہے اور یہ عورت ہی کا ظرف ہے کہ وہ اس راہ سے ہنستے کھیلتے گذرتی ہے۔

اس بات سے کون انکار کرسکتا ہے کہ گھونگھٹ اور پردے میں رہنے والی وہ عورت جو گھر کی ڈیوڑھی پار کرنا پاپ تصور کرتی تھی، جنگِ آزادی میں سپاہی بن کر گھر سے نکلی۔ اپنی سوچ و فکر اور روایات پر اٹل رہنے والی اس طرح سب کے سامنے آئی کہ ہمیشہ کے لئے ہندوستانی عورت کا سر بلند کرگئی۔

آزادی کے ابتدائی دور میں عملی طور پر خواتین کا بہت کم حصہ رہا مگر سماجی اصلاح اور آزادی کی مختلف تحریکوں میں وہ قدامت پرست ہونے کے باوجود کبھی رکاوٹ نہیں بنی، بلکہ اس کی ہمدردیاں مجاہدین آزادی کے ساتھ رہیں۔ آزادی کی ابتدائی تحریکوں میں کھل کر حصہ نہ لینے کی سب سے بڑی وجہ اس کی عام حالات سے ناواقفیت اور قدامت پرستی تھی جبکہ آزادی کی تحریک کے لئے انقلابیوں کو ملک کے باہر رہ کر بھی کام کرنا پڑا تھا۔

سروجنی نائیڈو وہ پہلی خاتون تھیں جنھوں نے تحریک آزادی میں ہندوستانی مرد کو عملی سہارا دیا اور سیاسی قیادت میں عورت کے نام کی لاج رکھ لی۔ چونکہ وہ ایک پڑھے لکھے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور انھوں نے خود بھی کیمبرج میں تعلیم پائی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ ایک مشہور و معروف اور روشن خیال ڈاکٹر سے ان کی شادی ہوئی تھی اس لئے میدانِ سیاست میں آنا ان کے لئے آسان ہوگیا تھا۔ انھوں نے اپنی تعلیم و تربیت اور خاندانی عزت سے جائز فائدہ اٹھایا اور اپنے لئے جو راہ منتخب کی وہ نہ صرف ملک کے لئے بلکہ بھارت کی عورت کو جگانے کے لئے بھی بہت مناسب تھی۔ ان کا سیاست میں آنا بھارت کی عورت کے لئے نیک شگون ثابت ہوا اور پھر رفتہ رفتہ کچھ اور عورتیں بھی سامنے آئیں جن میں خصوصی طور پر وجے لکشمی پنڈت، شریمتی لکشمی مینن، بیگم انیس قدوائی، بیگم محمد علی جوہر، امرت شیرگل، راج کماری امرت کور، لیڈی امام، اوما بھارتی، پرنیا بنرجی، بیگم عبداللہ اور کلثوم سیانی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں سے اکثر نے جیل بھی کاٹی ہے۔ ۱۹۴۱ء کی ستیہ گرہ میں سُچیتا کرپلانی، لکشمی پنڈت اور اوما بھارتی اسّی عورتوں سمیت جیل گئیں۔

○ شہناز کنول ○
ففتھ فلور، سوب پیلس، ۱۳۲۔ کا بے کر اسٹریٹ، بمبئی ۳ ۴۰۰۰۰۳

بقیہ کو ایک ہفتہ بعد رہائی مل گئی اور ان کی رہنمائی کرنے والی یہ تینوں ایک سال تک فیض آباد میں نظربند رہیں۔ اپنی لیڈروں کی قید نے عام عورت کو اور زیادہ پُرجوش بنایا۔ ۱۹۴۲ء میں ارونا آصف علی جیل گئیں۔ رہائی کے بعد انھوں نے جواہر لال نہرو کو ایک خط میں لکھا تھا کہ آپ نے میری جن لفظوں میں تعریف کی ہے میں اس کا شکریہ ادا کرنا ضروری نہیں سمجھتی کیونکہ میں جانتی ہوں یہ تعریف اور احترام میری ذات کے لئے نہیں ہے بلکہ آزادی کے ایک غیر معروف سپاہی کے لئے ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خلوص دل سے ملک کی خدمت کر رہی تھیں۔ ان میں نام و نمود کا جذبہ نہیں تھا۔ ہمارے لئے یہ بات آج بھی قابل تقلید ہے۔

'ازادی کی تحریک میں حصہ لینے والی عورتوں نے یہ بات محسوس کی کہ بھارت کی عام عورت ابھی بہت پچھڑی ہوئی ہے۔ لہٰذا ملک کو آزاد کرانے کے کام کے ساتھ ہی انھوں نے عام عورت کو بیدار کرنے کا کام بھی کیا اور یہ چاہا کہ آزاد بھارت کی بیٹیاں تعلیمیافتہ، وسیع ذہن اور اولوالعزم ہوں تاکہ وہ نسل جو بعد میں ملک کو سنبھالنے، سنوارنے اور حکومت کرنے کا کام کرے، اُن عورتوں کی گود میں پلے جو ہانڈی میں کفگیر چلائیں تو وقت پڑنے پر بندوق بھی چلا سکیں، وہ اپنے آنچل کے ساتھ ملک کا ترنگا پرچم بھی لہرا سکیں۔

اور اس میں شک نہیں کہ آزادی کی تحریک نے صدیوں سے سوئی ہوئی عورت کو جیسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ وہ نہ صرف میدانِ جنگ میں کود پڑی بلکہ زندگی کے ہر میدان میں نظر آنے لگی۔ اب ملک آزاد ہے اور عورت اس منزل سے، اس عہد سے بہت آگے بڑھ چکی ہے جب اس کی حیثیت کچھ بھی نہیں تھی۔

کسی نیک مقصد اور بلند آدرش کو زندگی کا اصول بنانے والے ہمیشہ سربلند رہے ہیں۔ آج کی عورت نے آزادی کے بعد اس بات کو سچ کر دکھایا ہے۔ اپنی روایتی نزاکت و لطافت کے باوجود وہ زندگی کے ہر شعبہ میں سرگرم عمل نظر آتی ہے۔ سیاست میں اس کی گونج ہے۔ پہاڑوں کی بلندیاں اس نے ناپ ڈالیں۔ ہواؤں میں وہ اُڑ چکی۔ سمندر کا سینہ وہ چیر چکی۔ غرض آج کی ہندوستانی عورت صحیح معنوں میں اپنے حقوق کا استعمال کرنے لگی ہے۔

وجے لکشمی پنڈت نے ایک سیاسی گھرانے میں آنکھ کھولی۔ سیاسی سوجھ بوجھ انھیں ورثے میں ملی، اور اس کا بھرپور فائدہ انھوں نے ملک و قوم کو پہنچایا۔ وہ ملک کی وزارت میں بھی رہیں۔ سوشل ورک بھی کیا اور ایک عرصہ تک یو۔ این۔ او جیسے بین الاقوامی ادارے کے صدر کی حیثیت سے بھارت کی عورت کے مرتبہ سے ساری دنیا کو روشناس کرایا اور دنیا نے اس بات کا اندازہ لگایا کہ نئے ہندوستان کی عورت مکمل طور پر جاگ چکی ہے۔

ان کے علاوہ ارونا آصف علی، بیگم قدوائی، راجکماری امرت کور، رضیہ سجاد ظہیر جیسی باحوصلہ عورتوں نے آزادی کے بعد دُکھے ہوئے دِلوں کو تسلیاں دیں۔ سیدھے سادے عوام کو آزادی کا مفہوم سمجھایا۔ معمولی سی تکلیف پر آنسو بہانے والی عورت نے پتھر بن کر روتے ہوئے مردوں عورتوں اور بچوں کو اپنی پناہ میں رکھا۔ ان کے آنسو اپنے آنچلوں میں جذب کئے۔ لٹے ہوئے گھرانوں کو ضروریاتِ زندگی فراہم کیں اور فسادات کی بھڑکتی ہوئی آگ میں امن اور شانتی قائم کرنے میں بھی عورت کبھی پیچھے نہیں رہی۔ بیس بائیس سال کی ایک کامنی سی لڑکی دہلی میں ہونے والے ایک فساد کو روکنے کا عزم لے کر گاندھی جی کے پاس پہنچی۔ ان کی اجازت اور آشیرواد لے کر وہ فساد کے بھڑکتے شعلوں میں پہنچ گئی۔ دونوں طرف کے فسادی اس لڑکی کو دیکھ کر ایک لمحہ کو رُکے اور اُس نے اس لمحہ کو کھویا نہیں۔ اس نے انھیں سمجھانا شروع کیا کہ یہ آزادی کتنی قربانیوں کے بعد ملی ہے۔ اب اسکی حفاظت کرنا ہم سب کا فرض ہے۔ اگر ہم آپس میں ہی لڑنے مرنے لگے تو ملک کو کون دیکھے گا۔ وہ کبھی ان پر بگڑتی، کبھی پیار سے سمجھاتی۔ پھر دونوں طرف کے لوگوں نے اس سے شکوے کئے، شکایتیں کیں اور پھر اس کے اشارے پر وہ لوگ آپس میں گلے ملکر بکھر گئے۔ آزاد بھارت کی یہ نڈر لڑکی آج کی وزیراعظم اندرا گاندھی بن کر بھی اتنی ہی بہادر اور بے خوف ہے۔ ۱۹۳۶ء میں لندن سے کرسٹیین ٹالر نے جواہر لال کو لکھا تھا کہ "اندرا سے مل کر ہمیں بہت مسرت ہوئی اس لئے نہیں کہ وہ بہت خوبصورت ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ بہت دلیر ہیں۔ ویسے وہ مجھے ایک ننھا سا پھول نظر آئیں جس کو بڑی آسانی کے ساتھ ہوا کے جھونکے اُڑا لے جائیں مگر میں دیکھتی ہوں کہ وہ ہوا سے نہیں ڈرتیں۔" بھارت کی عورت کے لئے یہ بات کتنے فخر کی ہے کہ اُن ملکوں کی عورت اس کی بہادری اور دلیری کی عزت کرتی ہے جو ملک ہمیشہ سے فارورڈ اور موڈرن کہے جاتے ہیں۔

نئے دور نے کچھ نئی خواتین کو اُبھارا۔ مردُولا سارا بھائی، صالحہ عابد حسین، تارا کیشوری سنہا، مسز زہرہ یاور جنگ، مسز مرنال گورے، پرتیبھا پاٹل، عزیزہ امام (لیڈی امام کی بہو)، مسز محبوب نصراللہ، جمیلہ برج بھوشن، سلمیٰ خان، لطیفہ قاضی وغیرہ ان جیسی تمام خواتین نے حقیقتاً اپنے آنچلوں کو پرچم بنا کر ملک و قوم کی خدمت کی ہے۔ ان خواتین کو قریب سے دیکھنے پر اندازہ ہوتا ہے کہ عوام کی ترقی اور بہبودی کے لئے اکثر نے اپنے گھر بار، اپنے شوق اور دوسرے دلچسپ مشاغل کی قربانی دی

۔ یہاں معترضہ طور پر یہ کہہ دینا بھی ضروری ہے کہ
یہ عورتیں کسی خاص بات یا عوام کے کسی مسئلہ کا
للب کرنے کے لئے احتجاج کرتی ہیں تو اس کا یہ
ب نہیں کہ انھیں ملک اور قوم سے محبت نہیں ہے
مشہور ہے کہ جس سے محبت ہوتی ہے اسی سے
بھی ہوتی ہے۔ کسی اپنے ہی سے شکایت ہوتی
۔ عورت میں صبر و ضبط کا مادہ زیادہ ہوتا ہے
جب وہ اپنے ملک اور قوم کے لئے قربانی دیگی تو
غلط بات پر احتجاج بھی کرے گی۔ چنانچہ آج
اکثر عورتوں کے مورچے گزرتے ہوئے دیکھتے
جن کی کچھ مانگیں ہوتی ہیں۔ عام مسائل حل
نے کی ایک لگن اور کوشش ہوتی ہے۔ دراصل ان
وں کے ذریعہ در پردہ وہ ملک کی ترقی مانگتی ہے۔
حالی چاہتی ہے، کیونکہ ترقی یافتہ ملک ہی عوام
خوشیوں کا ضامن ہے اور عورت جانتی ہے کہ
کی ترقی میں آج وہ مرد کے دوش بدوش ہے،
لئے اپنے مسائل کا حل مانگنے کا حق بھی رکھتی
۔ اور اس کی آواز میں زور اس لئے پیدا ہو جاتا
کہ اس ملک کی وزیر اعظم بھی ایک عورت ہیں۔

سماج خواہ کسی بھی زمانے کا ہو اس میں
دوں عورتوں کا برابر حصہ ہوتا ہے۔ فرق صرف
ہے کہ ترقی یافتہ سماج میں عورت بھی پڑھی
ی اور باشعور ہوتی ہے۔ وقت کے تقاضوں کو
ھتی ہے اور مرد کی صحیح معاون و مددگار بن کر زندگی
ارتی ہے جبکہ پچھڑے ہوئے سماج میں صرف مرد
حکومت ہوتی ہے، عورت کو زندگی کے ہر شعبہ
ے الگ رکھا جاتا ہے۔ جرمن کہاوت ہے کہ عورت
لئے صرف تین مقامات ہیں ــــ عبادت گھر،
ورچی خانہ اور بچوں کا کمرہ۔ لیکن اس قسم کی
یانوسی باتوں کو آج کی عورت بہت پیچھے چھوڑ چکی
۔ وہ جان چکی ہے کہ اس کے کچھ اور بھی فرائض
ہے۔ ملک کی ترقی میں اس کو مرد کے ساتھ مل کر
م کرنا ہے۔ جب ایک معمولی سی گرہستی عورت مرد
کے بغیر نامکمل ہے تو ملک اور سماج میں وہ نظر انداز
نہیں کی جانی چاہئے۔ یہی وہ احساس تھا جس نے
ہندوستانی عورت کو میدانِ عمل میں لا کر کھڑا کر دیا۔

قلم بہت بڑا ہتھیار ہے۔ اس کا صحیح استعمال
جاننے والوں نے قوموں کے مزاج کا رخ موڑا ہے۔
جنگوں کے نقشوں کو بدلا ہے۔ اُٹھے ہوئے سر
جھکائے ہیں اور جھکے ہوئے سروں کو اٹھایا ہے۔
ملکوں میں آنے والے انقلاب میں قلم کا بھی بہت بڑا
حصہ رہا ہے۔ اسی بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہندوستان
کی کچھ خواتین نے قلم بھی اٹھایا۔ ان میں عصمت چغتائی،
صالحہ عابد حسین، قرۃ العین حیدر، امرتا پریتم، منورما
دیوان، کوشلیا اشک، سلمیٰ صدیقی، اصغری بیگم
سحر، امیتا ملک اور انیس جنگ جیسی بے باک اور
جری لکھنے والیاں شامل ہیں جنھوں نے جب بھی
کوئی بات کہی بغیر لاگ لپیٹ کے کہی۔

جنگِ آزادی میں بہنے والے
خون کی سرخی ان کی تحریروں
میں جھلکی جو نہ ہندو کا تھا، نہ
مسلمان کا، نہ سکھ کا نہ پارسی
کا۔ وہ خون تھا تو ہندوستانی
سپاہی کا۔

زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس پر ان خواتین
نے نہ لکھا ہو۔ وہ آزادی کی کہانی ہو یا غلامی
کی داستان۔ محبت ہو یا نفرت۔ عالمی سیاست ہو
یا اپنے ملک کی تاریخ! ان خواتین نے لکھا اور
خوب لکھا۔ ان کی چیزیں غیر ملکی زبانوں میں ترجمہ
ہو کر دادِ تحسین حاصل کر چکی ہیں اور عالمی ادب
میں بھارت کی خواتین کا نام بھی سنائی دیتا ہے۔
سچ پوچھئے تو نئی نسل کی ذہنی تربیت میں خاصا حصہ
ان کا بھی ہے۔ آج کی بہت سی لکھنے والیوں نے
ان کی تحریروں سے متاثر ہو کر لکھنا شروع کیا۔
آزادی کے بعد ملک میں محبت، امن، قومی یکجہتی
اور عام عورت کو سچائی کی راہ دکھانے میں ان
خواتین نے جو حصہ لیا ہے وہ فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں آج ہندوستانی
عورت ایک اہم رول ادا کر رہی ہے۔ یہ اسی کا دم
ہے کہ جس نے صدیوں سے پچھڑے ہوئے سماج کا
آدھا بوجھ اپنے کاندھوں پر لے لیا ہے اور سماج کو
ترقی یافتہ بنانے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے۔
عورت بھی بہر حال انسان ہے اور انسان ہونے
کی حیثیت سے وہ صلاحیتوں میں مرد سے کم نہیں ہے۔
اچھی تعلیم، مناسب تربیت اور سازگار ماحول کی
وجہ سے رفتہ رفتہ اس کے جوہر کھلے ہیں۔ سیاست
ادب، سائنس، تجارت، کھیل کود، رفاہ عامّہ اور
مختلف قسم کے ہنر سیکھنے میں اور جگہ کی عورت
سے بھارت کی عورت پیچھے نہیں ہے۔ ان میں سے
چند کا ذکر ہی ہو سکے گا کیونکہ بھارت کی عورتیں
"منزل کی جستجو میں مرا کارواں تو ہے" کہتی ہوئی
بہت تیزی سے آگے بڑھ رہی ہیں۔ اس قافلے میں
الکا مہا ڈکر ہیں جو جنوبی کوریا میں کوریائی زبان میں
پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کر رہی ہیں اور اس سلسلے میں کئی
انعام حاصل کر چکی ہیں۔ وہ وہاں کی یونیورسٹی میں
ہندی کی لیکچرر ہیں۔ زینب خان ایک تجارتی فرم
گولڈ اسپاٹ میں ایکزیکیوٹیو ڈائرکٹر کے فرائض انجام
دے رہی ہیں۔ لیلیٰ طیب جی ہیں جو بدرالدین طیب
جی کی پوتی ہیں۔ وہ آرٹسٹ ہیں اور لکڑی پر کھرپی
سے نقش و نگار بنانے میں مہارت حاصل کی ہے۔
اس سلسلے میں وہ کئی بار غیر ممالک بھی جا چکی ہیں۔
بھارت کی خواتین ہر کام اتنی دلچسپی اور سلیقے سے کر
رہی ہیں کہ غیر ممالک میں بھی ان کو عزت و شہرت
مل رہی ہے۔ راج کماری بھونیشوری نشانہ بازی
میں ماہر ہیں اور بیکانیر کی راجکماری راج شری
نے نشانہ بازی کے عالمی مقابلہ میں چوتھی پوزیشن
حاصل کر کے ساری دنیا کو حیران کر دیا ہے کیونکہ ان
کی عمر اس وقت صرف سترہ سال کی تھی۔ رضیہ
خان، عطیہ پروین، شریمتی سچدیو، نین تارا سہگل

بہتر مستقبل کے لئے کی جانے والی قومی جدوجہد میں برابر حصہ لے رہی ہیں اور اپنے اپنے رول بہت گرم جوشی سے ادا کر رہی ہیں۔

محبت ہر حال میں عورت رہتی ہے۔ خواہ گھر کی چار دیواری میں مقید رہے، جلسے جلوسوں کی قیادت کرے یا کوٹھے پر ناچ رنگ کی محفل سجائے، لیکن قربانی، پیار اور ایثار کا جذبہ اس کی سب سے بڑی دولت ہے اور جب وہ یہ دولت لٹانے پر آتی ہے تو دنیا کی کوئی محبت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کوئی لالچ اسے روک نہیں سکتا، اس لئے یہ یقیناً ناانصافی ہوگی اگر ان نامور خواتین کے ساتھ اس عورت کا ذکر نہ کیا جائے جو پیشہ اور خاندان کے اعتبار سے ایک طوائف تھی لیکن اس نے ملک کے لئے وہ کام کیا جس نے اس کے سارے گناہ دھو دئے۔ وہ جنگ کے زمانہ میں سپاہیوں کو کھانا پہنچاتی، گولہ بارود لے کر پہنچتی اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھی۔ یہ ذکر ہے کانپور کی مشہور طوائف عزیزن کا، جسے اس سخت راہ میں نہ گھنگھروؤں کی جھنکار یاد آئی، نہ بیش قیمت زیورات، وہ سب کچھ اپنے وطن پر لٹا چکی تھی۔ اگر ہم اپنے ملک سے محبت کرتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ عزیزن طوائف کا نام بھی احترام سے نہ لیں۔

یہ سال بین الاقوامی طور پر عورتوں کا سال کہا گیا ہے۔ اس موقع پر سوویت دیس نے جب صدر جمہوریہ فخرالدین علی احمد کی بیگم، بیگم عابدہ احمد سے ایک انٹرویو لیا تو اُن کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے اُنہوں نے اس بات کا کھل کر اظہار کیا کہ "آزادی کے بعد ہمارے ملک ہندوستان نے ترقی کی بہت سی منزلیں طے کی ہیں اور ملک میں تہذیبی انقلاب بھی کسی قدر آیا ہے لیکن اس میں سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ یہاں کی عورت نے اس انقلاب میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ وہ انقلاب جو دراصل سو سال پہلے شروع ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آزادی کی تحریک کے سلسلے میں اور آزادی کے بعد بھی آج تک عورتوں کی صفوں میں ایک سے ایک بہادر، جَری اور نامور قابلِ قدر ہستیاں رہی ہیں۔ چاند بی بی، رانی جھانسی سے لیکر سروجنی نائیڈو اور محترمہ اندرا گاندھی تک عورتوں کی جدوجہد کی ایک طویل تاریخ ہے جس پر بحیثیت ہندوستانی عورت کے مجھے فخر ہے۔"

بھارت کی عورت نے ملک کی آزادی حاصل کی ہو یا سماجی آزادی، وہ ہمیشہ ہی دوسروں کے لئے نمونہ بنی ہے۔ کیونکہ بے مثال قربانی اور ذاتی محنت و مشقت سے حاصل کردہ یہ انمول چیز اس کی بیداری کا ثبوت ہے۔ اس لحاظ سے ۱۹۷۵ء کم از کم بھارت کی خواتین کے لئے ان کی جدوجہد اور قومی خدمت کا انعام ہے۔

ولولے، ہمّت اور عمل کی کہانی ہی دراصل بھارت کی عورت کی کہانی ہے۔

●●

وزیر اعلیٰ شری ایس۔بی۔چوان ۲ رنومبر ۱۹۷۵ء کو جیون وکاس کیندر، اندھیری (بمبئی) میں پدم شری رام پرشاد کھنڈیل وال سرجری ونگ کا افتتاح کر رہے ہیں۔ شری رام ناتھ پانڈے، وزیر مملکت برائے تعلیم اور شری رجنی پٹیل، صدر بمبئی پردیش کانگریس کمیٹی بھی تصویر میں نظر آ رہے ہیں۔

بقیہ: ملازمت پیشہ والدین

کرتی ہیں۔

بچّوں کی پیدائش کے سلسلے میں ہر ملازم خاتون کو کچھ مخصوص رعایتیں حاصل ہوتی ہیں۔ سرکاری اور نیم سرکاری اداروں میں یہ پابندی عائد کی جا سکتی ہے کہ دو یا تین بچّوں کی پیدائش کے بعد خواتین اُن رعایتوں کو حاصل کرنے کی مجاز نہ ہوں گی۔ اس سے دوہرا فائدہ ہوگا۔ اوّل تو ملازمت پیشہ والدین کے مسائل میں کسی حد تک کمی واقع ہو جائے گی۔ دوئم خاندانی منصوبہ بندی کے امکانات بھی روشن ہو سکتے ہیں۔ ایک اور نکتہ بھی ہے جس پر توجّہ دی جا سکتی ہے۔ اگر شوہر کی تنخواہ معقول ہے اور اس تنخواہ میں گرہستی بآسانی چلائی جا سکتی ہے تب بیوی کو چاہیئے کہ وہ اپنے بچّوں کی نگہداشت اور پرورش کی خاطر ملازمت سے پرہیز کرے اور اپنی ساری توجّہ اور صلاحیتیں اپنے گھر کو ایک آدرش اور نمونے کا گھر بنانے میں صرف کرے۔

یہ اور ایسی بہت سی تجاویز ہو سکتی ہیں جن پر ملازمت پیشہ والدین کو آج نہیں کل غور کرنا ہوگا تاکہ آنیوالی نسل قوم کی صحیح ذمّہ داری کو سمجھے اور ملک کی تعمیر میں ایک اہم رول ادا کر سکے۔

●●

مسلکۂ خیال

ایک انگریزی شاعر کہتا ہے کہ "فنِ موسیقی زندگی کا ہر غم مٹا دیتا ہے۔" ستار کے تار ہوں یا طبلہ کی دھن دھن۔ ڈھولک اور ہارمونیم یا کوئی اور آلۂ موسیقی ہو، جب فنکار ان کو چھیڑتا ہے تو سبھی زندگی کے چراغ رقص کرنے لگتے ہیں اور دنیا کی تاریکی مٹتی نظر آتی ہے۔ جب کوئی موسیقار اور گلوکار کوئی راگ یا نغمہ چھیڑتا ہے تو خزاں رسیدہ گلستانِ حیات میں بہار آجاتی ہے۔ ہر طرف رنگ و نور کی بارش ہوتی ہے۔ موسیقی صرف انسانوں پر ہی نہیں بلکہ ہر جاندار پر اثر انداز ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ موسیقی بے جان پتھر کے صنم پر بھی اثر کرسکتی ہے۔ ساز اور آواز کی دنیا غم کے مارے انسان کو سکونِ قلب سے نوازتی ہے۔

سنگیت کا پھول دیگر فن کے پھولوں کی طرح مذہب یا ذات پات کے رنگ سے بے نیاز رہتا ہے۔ جغرافیائی حدود بھی کسی فن یا فنکار کی حدیں مقرر نہیں کرسکتیں۔ سنگیت کی خوشبو بلا امتیازِ قوم و ملت سب کو مسحور کرتی ہے۔ مثال کے طور پر مشہور خیال سنگر شریمتی گنگو بائی ہنگل کا نام پیش کیا جاسکتا ہے۔ پدم بھوشن شریمتی گنگو بائی ہنگل "کرانا" گھرانے کی واحد نمائندہ خاتون ہیں۔ "کرانا گھرانا" کے بانی ہیں اُستاد خان عبدالکریم خان۔

ہندوستان کی مشترکہ تہذیب پر بجا طور پر تاریخِ عالم ناز کرسکتی ہے۔ ہندوستانی موسیقی جسے "ہندوستانی سنگیت" کہا جاتا ہے۔ اصل میں مسلمانوں کی دین ہے۔ آلاتِ موسیقی کے علاوہ راگ بھی انھوں نے دیئے۔ دورِ وسطیٰ میں سنگیت کی دنیا میں مسلمان فنکاروں نے ہلچل مچادی تھی۔ "خیال" گانے کا رواج بھی اسی دور میں ہوا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ "خیال" جونپور کے حاکم سلطان حسین شرقی نے ایجاد کیا تھا اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ تیرھویں صدی عیسوی میں حضرت امیر خسرو نے ایجاد کیا۔

خیال سنگر جو لوگ فن سے ناواقف ہیں، ان کے لئے بیزار کُن ثابت ہوسکتے ہیں۔ لیکن فن جاننے والوں کے لئے یہ انتہائی مشکل اور جادو اثر فن ہے۔ فنکار جب "خیال" گاتا ہے تو راگ کی حدود میں رہتے ہوئے اپنا خیال، اپنے جذبات اور اپنا فن ظاہر کرتا ہے۔ گنگو بائی کا نام بجا طور پر ملک کے صفِ اوّل کے خیال سنگروں میں لیا جاتا ہے۔

گنگو بائی نے کرناٹک کے ایک مشہور سنگیت کار خاندان میں آنکھ کھولی۔ اِس وقت اُن کی عمر ساٹھ سے تجاوز کرچکی ہے۔ گنگو بائی کو دیکھنے کے بعد یہ کہنا پڑتا ہے کہ صاحبِ طرز فنکار کو فن یا آرٹ کی دیوی عمرِ جاوداں بخشتی ہے۔ ان کو قدرت سدا بہار شباب سے نوازتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں، فنکار کبھی بوڑھا نہیں ہوتا۔

گنگو بائی کے خاندان کی کئی ایک عورتیں اپنے وقت کی مشہور گائیکہ (مغنیہ) اور سنگیت کار ہوئی ہیں۔ ان کی ماں امبا بائی کرناٹکی نے اپنے زمانے میں کرناٹک سنگیت کو خیرباد کہا، تاکہ ان کا اپنی بیٹی پر اثر نہ ہو۔ جب حکومتِ ہند نے ۱۹۷۱ء میں گنگو بائی کو "پدم بھوشن" کے اعزاز سے نوازا تو ایک صحافی نے ان کو ٹیلیفون پر مبارکباد دی۔ انھوں نے جواباً یہ الفاظ کہے۔ "مجھے میری ماں کی یاد رہ رہ کر ستاتی ہے۔ کاش! آج میری ماں زندہ ہوتی .... جس نے میری خاطر کرناٹک سنگیت کو خیرباد کہا۔"

ویسے تو آجکل گنگو بائی صرف "خیال" گاتی ہیں، لیکن اوائلِ زندگی میں انھوں نے ٹھمریاں اور غزلیں بھی گائی ہیں۔ ان کے ریکارڈ قریباً تیس سال پہلے کافی مقبول تھے۔ ۱۹۷۱ء میں حکومتِ ہند نے پدم بھوشن کے خطاب سے اور گذشتہ سال سنگیت ناٹک اکاڈمی نے انعام سے نوازا۔

کرانا گھرانا کی خاتون نمائندہ گنگو بائی بچپن سے ہی اپنے فن کے جوہر بکھیر رہی ہیں۔ گنگو بائی سوائی گندھرو

رحمٰن آذر
پبلک ریلیشنز اسسٹنٹ، کے۔ ایس۔ ٹی۔ ڈی۔ سی۔ لمیٹڈ
جارج اوکسی بلڈنگ، بنگلور ۲ ـ ۵۶۰۰۰۲

نامی فنکار کی شاگرد ہیں۔ سوائی گندھرو استاد خان عبدالکریم خاں کے شاگرد تھے۔

۱۹۲۴ء میں آل انڈیا کانگریس کا اجلاس بیلگام میں ہوا، جس کی صدارت گاندھی جی کے ذمہ تھی۔ اس اجلاس میں کانگریس کا استقبالیہ گیت ایک گیارہ سال کی لڑکی نے گایا تھا۔ یہ اعزاز اسی گنگو بائی کو ملا تھا۔

گنگو بائی ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں خصوصاً ریڈیو پروگرام پیش کرتی رہی ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ انھوں نے نیپال اور پاکستان کا دورہ بھی کیا۔

سننے والوں کو اُن کا فن اور دیکھنے والوں کو ان کی سادگی بڑی متاثر کرتی ہے۔ چونکہ وہ ہندوستانی سنگیت کی نمائندگی کرتی ہیں، شاید اسی لئے وہ ہندوستانی تہذیب کی دلدادہ ہیں۔

موسیقی اور ٹیلی ویژن کے جانے پہچانے تبصرہ نگار سُریندر سنگھ نے گنگو بائی کی دو خصوصیات بتائی ہیں — ایک تو اُن کی مردانہ آواز، دوسرے ان کا انتہائی جذباتی انداز میں گانا — کسی حد تک ان کی پہلی بات سے انکار ہوسکتا ہے، لیکن دوسری بات سو فیصدی سچ ہے۔ ●●

مکمل رفاقت

"آزادی کا انحصار اقتصادی حالات پر ہے اور اگر عورت اقتصادی طور پر آزاد نہیں ہے اور وہ خود اپنی روزی نہیں کما رہی ہے تو اسے اپنے شوہر پر انحصار کرنا ہوگا اور جو دوسروں پر انحصار رکھے، وہ آزاد نہیں ہوسکتا۔ مرد اور عورت کا ارتباط اس طرح کی رفاقت کا مظہر ہونا چاہیے کہ ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے پر انحصار نہ رکھے۔"

جواہر لال نہرو

غزل

شاطر حکیمی
ڈاکٹر شیخ کالونی۔ کامٹی۔ ناگپور

وقت آیا بھی گذر بھی گیا آندھی کی طرح
دل کہ سینے میں تڑپتا رہا بجلی کی طرح

آشنا شہرِ نگاراں میں کوئی مل نہ سکا
ہم کہ پھرتے رہے اک اجنبی راہی کی طرح

قلم و سیف کی آنکھوں نے ہمیں دیکھا ہے
ایک فاضل کی طرح، ایک سپاہی کی طرح

کہیں آرام سے بیٹھے نہ ترے دیوانے
وقت بھی ساتھ رہا دشمن جانی کی طرح

تنگ دل دے نہ سکے وسعتِ نظری کا ثبوت
ہم کہ پربت تھے دکھائی دیئے رائی کی طرح

غیظ کی آگ سے نمرود کوئی بچ نہ سکا
کتنے فرعون یہاں بہہ گئے پانی کی طرح

ہم وہ شائستۂ آئینِ محبت ہیں ندیم
دلِ مجرم میں رہے ہیبتِ شاہی کی طرح

حکمتیں سر بگریباں تھیں خرد محوِ سکوت
ظلم بڑھتا رہا امراضِ وبائی کی طرح

خلشِ دل کا ہوا چارہ گروں سے نہ علاج
چہرۂ حال بھی دیکھا گیا ماضی کی طرح

ہم نے شاطر کبھی تقدیر کا شکوہ نہ کیا
دن گذرتے رہے مفلس کی جوانی کی طرح

شکیل پریاری
صوبانی ہوسٹل، ۹۲، ڈی۔ این۔ روڈ، بمبئی ۱

ملکۂ ترنم بیگم اختر

ہندوستانی کلاسیکل موسیقی کی مایۂ ناز و عظیم المرتبہ مغنیہ و مطربہ بیگم اختر ایک شش جہت، کمیاب خصوصیات کی حامل، اخلاق و رواداری، نفاست اور لکھنوی تہذیب و شرافت اور خلوص و محبت کا ایسا پیکر مجسّم تھیں، جس پر میر کا یہ شعر صادق آتا ہے ؎

مت سہل ہمیں جانو، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

وہ محض شمعِ محفل نہیں بلکہ اپنی ذات سے ایک انجمن تھیں۔ فنِ موسیقی میں ان کی عظمت و مقام سے قطع نظر وہ ہندوستانی تہذیب و ثقافت کی سفیر تھیں، جنہوں نے وقتاً فوقتاً دیارِ غیر میں ہندوستانی موسیقی کی جوت جلا کر وہاں کے عوام کو ہماری تہذیب و تمدن اور ثقافتی قدروں سے روشناس کرایا۔

ہندوستانی کلاسیکل موسیقی نے "جدن بائی" اور "رسولن بائی" جیسی عظیم مغنیہ پیدا کیں اور انہوں نے بھی اس میدان میں اپنے فن کا جادو جگا کر ایک اعلیٰ مقام بنایا، لیکن بیگم اختر کی مقبولیت اور اُن کا مقام ان سے کہیں زیادہ ارفع ہے۔ سنگم شاستریہ سنگیت میں خوش الحان لوگوں کی کمی نہیں البتہ کمی ہے تو اچھی آواز، انوکھے اسلوب اور الفاظ کی گہری معنویت اور گیرائی کو سمجھ کر اسے صالح انداز میں پیش کرنے والوں کی۔ بیگم اختر کی ذات نے ان تقاضوں کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا اور اپنی جدّت پسندی سے گائکی کو ایسا نیا موڑ اور انوکھا اسلوب عطا کیا کہ سارے سُر پھڑک اٹھے، اگر ہم گائکی کے اس انوکھے اسلوب کو جو "پورب" اور "پنجاب" انگ کا امتزاج ہے "بیگم اختر انگ" کے نام سے موسوم کریں تو غلط نہ ہوگا۔ ... بیگم اختر کی گائکی میں آواز، روح اور قلب کی گہرائیوں سے سرشار ہو کر نکلتی ہے، جس میں ایک نورِ ازل ہے اور ایسا رس ہے جو ذہن و قلب کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ جب ہم بیگم اختر کو سنتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے ایک نئی زندگی جاگ رہی ہے، سارے جمالیاتی انداز ایک روحانی کروٹ لے رہے ہیں اور نغمگی، لے اور سُر کا ایک بے پناہ کیف سامعین کو مسحور کئے جا رہا ہے۔ یہ ان کی فنی بلندی کا ایک اہم راز ہے۔

غزل اردو شاعری کی ایک صنفِ لطیف ہے اور اسے بھرپور تاثر کے ساتھ گانے کیلئے ضروری ہے کہ گائک اس کے مفہوم، اس کی گہرائی و گیرائی، روح اور نزاکت کو سمجھے اور اسے اس کے مخصوص لب و لہجہ میں پیش کرے۔ یہ اعلیٰ فنی دسترس ہمیں بیگم اختر کی غزل گائکی میں ملتی ہے۔ اردو غزل، بیگم اختر کی مرہونِ منت ہے کہ انھوں نے غزل کو سنگم شاستریہ سنگیت کے مختلف راگوں میں گا کر وہ شہرت عطا کی کہ اردو غزل شعری مجموعوں کے حصار سے نکل کر محفلوں کی جان اور اصحابِ ذوق کی تسکین کا سامان بنی اور مقبولِ خاص و عام ہوئی۔ بیگم اختر کا غزل پر یہ احسان کم نہیں کہ انہوں نے غالب، جگر مرادآبادی، فیض احمد فیض اور شکیل بدایونی وغیرہ کی غزلوں کو زبان زدِ خاص و عام بنایا۔

موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی
(غالب)

پھول کھلے ہیں گلشن گلشن
لیکن اپنا اپنا دامن
(جگر)

وہ آ رہے ہیں نہ شب انتظار گذری ہے
تلاش میں ہے سحر بار بار گذری ہے
(فیض)

اے محبت ترے انجام پہ رونا آیا
جانے کیوں آج ترے نام پہ رونا آیا
(شکیل)

انہوں نے غزل کے ساتھ ساتھ ٹھمری، دادرا اور گیت کو رفعت کے آسمان پہ پہنچایا - اس سے قبل ٹھمری عموماً بھیرویں، تلنگ، کافی وغیرہ میں گائی جاتی تھی لیکن بیگم اختر کی اختراع پسندی نے اسے مختلف راگوں مثلاً سارنگ، کلاوتی، بھیم پلاسی وغیرہ میں گا کر اس گائیکی کو ایک نیا موڑ اور رنگ عطا کیا - ان کی یہ ٹھمریاں اور دادرے آج بھی عوام کے ورد زبان ہیں۔

"کوئلیا مت کر پکار"
اور
"جب سے شیام سدھارے" (ٹھمریاں)

نظریا کاہے کو پھیرے رے بے ایمان سنوا
اور
گو نوانا ہی جاگوں (دادرے)

غزل، ٹھمری، گیت اور دادرا گائیکی میں انھوں نے فنی مہارت کے وہ گل کھلائے ہیں کہ عرصہ تک لوگ اسے گنگناتے رہیں گے۔ یہ اُن کی فنی معراج ہے کہ اس میدان میں ان کا کوئی ثانی نہیں اور وہ بجا طور پر اس صنف گائیکی کی ملکہ کہلانے کی مستحق ہیں۔

بیگم اختر ۷ر اکتوبر ۱۹۱۴ء کو فیض آباد میں پیدا ہوئیں۔ مکتب میں الف، ب کی تختی سے گذرنے کے بعد حسب منشاء ان کے والدین نے انھیں موسیقی کی ابتدائی تعلیم سے روشناس کیا۔ سات سال کی عمر میں ان کی والدہ محلّے والوں کی منافرت سے دل برداشتہ ہو کر انھیں گیا (بہار) لے گئیں جہاں انہوں نے اُستاد غلام محمد خاں سے سنگم شاستریہ سنگیت کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ چند سال بعد وہ اپنی والدہ کے ہمراہ کلکتہ گئیں جہاں انھوں نے مدّن بائی سے بھی اکتساب فن کیا اور اُستاد عطا محمد خاں سے "پنجاب انگ" میں خیال سیکھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے استاد معزالدین خاں سے بھی استفادہ کیا۔ اس کے بعد کیرانہ گھرانہ اور "پورب انگ" میں پکّے گانے کے ماہر استاد عبدالوحید خاں سے ۱½ سال تک شاستریہ سنگیت میں پکّے گانے یعنی "خیال" اور "دھرپد" وغیرہ سیکھے۔ لیکن "خیال" اور "دھرپد" کی گائیکی سخت جگر کاوی چاہتی ہے، بیگم اختر کی نزاکت پسند طبیعت اس کی متحمل نہ ہو سکی، لہٰذا انھوں نے غزل، دادرا، ٹھمری اور گیت کو اپنا فن ٹھہرایا جو آگے چل کر ان کی انفرادی شان بن گیا۔

۱۹۳۴ء میں کلکتہ کے الفریڈ تھیئٹر میں کوئٹہ کے زلزلے سے متاثرین کیلئے موسیقی کا ایک عظیم امدادی پروگرام ترتیب دیا گیا۔ اس میں پہلی مرتبہ انھوں نے عوام کے سامنے اپنے فن کا مظاہرہ کیا جو بےحد کامیاب رہا۔ ماہرین فن اور ارباب ذوق میں ان کی فنی صلاحیتوں کے خوب چرچے رہے اور وہ "اختری بائی فیض آبادی" کے نام سے مشہور ہوئیں۔ اس وقت ان کی عمر صرف ۲۰ برس تھی۔

۱۹۴۳ء میں اختری بائی فیض آبادی کلکتہ کو خیرباد کہہ کر لکھنؤ آئیں اور نواب رضا علی خاں کے دربار سے بحیثیت مغنیہ وابستہ ہوئیں۔ کچھ عرصہ بعد اس درباری چار دیواری سے نکل کر لکھنؤ کے مشہور بیرسٹر اشتیاق علی عباسی سے ازدواجی بندھنوں میں بندھ گئیں۔ کچھ عرصہ کی غیرحاضری کے بعد جب وہ دوبارہ دنیائے موسیقی میں وارد ہوئیں تو اختری بائی فیض آبادی کے بجائے بیگم اختر کے نام سے موسوم کی جانے لگیں۔

موسیقی کے علاوہ انھوں نے فلموں میں اداکاری بھی کی۔ "ایک دن کی بادشاہت" "ممتاز بیگم" "نصیب کا چکر" اور "روٹی" ان کی اچھی اداکاری کی مثالیں ہیں۔ انھوں نے چند فلموں کی پلے بیک میوزک بھی دی۔

بیگم اختر نے ہندوستان کے علاوہ غیرممالک کا بھی کئی بار دورہ کیا۔ ۱۹۶۱ء میں پاکستان میں مقیم ہندوستانی سفیر نے یوم جمہوریہ کے موقع پر ایک جشن کیا تھا جس میں شرکت کیلئے حکومت ہند نے چند نمائندہ فنکار بھیجے تھے اُن میں بیگم اختر بھی شامل تھیں۔ اس کے بعد ۱۹۶۲ء میں افغانستان کے "جشن استقلال" میں شرکت کیلئے ہندوستان سے ایک ثقافتی وفد روانہ کیا گیا، بیگم اختر بھی اس کی رکن تھیں۔ شاہ افغانستان بیگم اختر کی گلوکاری سے بےحد متاثر ہوئے اور محل کی خواتین کے لئے شاہی محل میں ایک خاص نشست ترتیب دی اور ایک قیمتی قالین سے نوازا۔ ۱۹۶۷ء میں وہ ایک غیرسرکاری وفد کے ہمراہ روس اور ازبکستان گئیں، وہاں تاشقند، سمرقند اور بخارا میں فارسی غزلیں گائیں۔ اس کے بعد ۱۹۷۰ء میں وہ روس اور مشرقی یورپ کے کمیونسٹ ممالک اور نیپال میں حکومت ہند کے ایک وفد کے ساتھ گئیں۔ اس کے علاوہ وہ حج کی نیت سے تین مرتبہ سعودی عرب بھی گئیں۔

بمبئی ہندوستان میں فکر و فن اور اہل ذوق کا ایک اہم مرکز ہے۔ اہل بمبئی کو جو قرب بیگم اختر سے رہا شاید ہی کسی اور شہر کے باشندوں کو رہا ہو۔ بمبئی کے اہل ذوق ہمیشہ اس انتظار میں رہتے کہ بیگم صاحبہ کب بمبئی آتی ہیں، اور جب وہ بمبئی وارد ہوتیں تو پبلک اور پرائیویٹ نشستوں کا ایک تانتا سا بندھ جاتا اور شائقین فن انھیں جی بھر کر سنتے اور خراج تحسین پیش کرتے۔

ہندوستان کی یہ عظیم خاتون ۳۰ر اکتوبر ۱۹۷۴ء کو احمد آباد میں دورۂ قلب سے انتقال کر گئیں۔ بیگم اختر اپنے منفرد اور لاثانی طرز میں ۴۰ سال تک نغمہ ریز رہیں، جن کی ذات سے انجمنیں بنتی رہیں وہ اجل کی آغوش میں ہمیشہ کیلئے سوگئیں۔

مہاراشٹر میں ۲۰۔ نکاتی پروگرام کی تندہی سے عمل آوری

" مہاراشٹر میں ۲۰۔ نکاتی پروگرام نہایت تندہی سے زیر عمل لایا جارہا ہے اور یہ جون ۱۹۷۶ء سے قبل ہی پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا" یہ خیال وزیراعلیٰ شری ایس۔بی۔ چوان نے ۳۱ر اکتوبر کو بمبئی میں منعقدہ ریاستی سطح کمیٹی کے دوسرے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے ظاہر کیا۔ شری نرسمہا راؤ، جنرل سکریٹری، آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے خصوصی طور سے اجلاس میں شرکت کی۔

وزیراعلیٰ نے فرمایا حالانکہ یہ کمیٹی مشاورتی نوعیت کی ہے تاہم اس کی رائے اور مشوروں پر پوری طرح سے غور کیا جائیگا اور انھیں قبول کیا جائے گا کیونکہ یہ مختلف میدانوں میں ماہرین کے مشورے ہوں گے۔

وزیراعلیٰ نے ان مختلف اقدامات پر روشنی ڈالی جو ریاستی حکومت نے ۲۰۔ نکاتی معاشی پروگرام کو زیر عمل لانے کیلئے کئے ہیں۔ آپ نے ممبران کمیٹی کو بتایا کہ کفایت شعاری کے مقصد سے نئی بھرتی پر پابندی، کمیٹیوں کی تعداد میں کمی، تفریحات اور آرائش پر پابندی، ورکشاپ کی سہولتوں میں ربط اور ان سے زیادہ سے زیادہ استفادہ اور سرکاری گاڑیوں کے استعمال پر پابندی وغیرہ جیسے مختلف اقدامات کئے گئے ہیں۔ ' اوور ٹائم ' کے معاملے میں بھی زبردست تخفیف کی گئی ہے۔

لازمی اشیاء کے حصول، پیداوار اور تقسیم کے بارے میں وزیراعلیٰ نے فرمایا کہ ریاست نہ صرف ۵۶ لاکھ ٹن خریف کا نشانہ پورا کرے گی بلکہ ریاست کے بعض حصوں میں زائد بارش کے باوجود اس سے آگے بڑھ جائے گی۔ امید ہے کہ اس سال خریف کی کل پیداوار لگ بھگ ۶۲ لاکھ ٹن ہوگی۔ آپ نے مزید بتایا کہ محصولِ اراضی کی بنیاد پر لیوی عائد کی جائے گی اور لیوی کا نشانہ تقریباً ۶ لاکھ ٹن ہوگا۔

اجلاس میں کنٹرول کپڑے کے معیار کے بارے میں شکایت کی گئی۔ لہٰذا ایک علیحدہ سب کمیٹی مقرر کی گئی تاکہ وہ اس مسئلہ پر غور کرے اور کنٹرول کپڑے کے معیار کو بہتر بنانے اور اس کی سپلائی کو بڑھانے کے بارے میں مشورے دے۔ یہ کمیٹی شری آر۔ اے۔ پاٹل، شری جی۔ بی۔ نیوالکر اور شری منوہر کوتوال پر مشتمل ہے۔

ریاستی سطح کمیٹی نے اراضی حدبندی کی عمل آوری، حقوق ریکارڈ کی برقراری، مکان کی جگہ کی فراہمی اور جھونپڑوں کی تعمیر کے پروگرام پر بھی نظرثانی کی جو معاشی پروگرام کا اہم حصہ ہیں۔ وزیراعلیٰ اور دیگر ممبران کمیٹی

وزیراعلیٰ مہاراشٹر شری ایس۔بی۔ چوان ۳۱ر اکتوبر کو بمبئی میں ۲۰ نکاتی پروگرام سے متعلق ریاستی سطح کمیٹی کے اجلاس سے خطاب کررہے ہیں!

نے ان پروگراموں کی عمل آوری کی رفتار پر اطمینان کا اظہار کیا۔ وزیر اعلیٰ نے کمیٹی کو بتایا کہ ریاست بھر میں مکانات کی جگہ کی تقسیم اور جھونپڑیوں کی تعمیر کے پروگرام کے بارے میں عام دلچسپی حوصلہ افزا ہے۔

دیہی قرضہ جات کی موقوفی کے بارے میں وزیر اعلیٰ نے بتایا کہ تقریباً چالیس پینتالیس فیصدی لوگوں کو انکی رہن جائیداد واپس مل گئی ہے۔ نیز قانونی کارروائی سے جو ریاستی حکومت کی جانب سے کی جارہی ہے خصوصاً غریب طبقہ کو فائدہ پہنچا ہے۔ بہرحال سپریم کورٹ نے قانون سازی کے معاملے میں حکم امتناعی جاری کیا ہے۔

دیگر شرکاء اجلاس یہ ہیں۔ شری وی۔ ایس۔ پاگے، چیرمین مہاراشٹر لیجسلیٹیو کونسل؛ شری وی۔ بی۔ پاٹل، وزیر آبپاشی؛ ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر محصول و شہری ترقیات؛ شری آر۔ ایس۔ گوائی، ڈپٹی چیرمین، لیجسلیٹیو کونسل اور دیگر ممبران کمیٹی۔

دیہی خواتین میں
اسپورٹس کا شوق پیدا کیا جائے
.... شریمتی کاکوڈکر

شریمتی کاکوڈکر، وزیر اعلیٰ گوا نے اس امر کی ضرورت جتائی کہ دیہی علاقوں میں خواتین کے درمیان اسپورٹس کو فروغ دیا جائے اور دیہاتوں میں کھیل کود کی سرکاری سرگرمیاں شروع کی جائیں۔ آپ ۲۹ اکتوبر کو ناگپور میں اسٹیٹ ویمنس اسپورٹس فیسٹول کا افتتاح کر رہی تھیں۔

شری ایم۔ ڈی۔ چودھری، وزیر مالیات نے صدارت کے فرائض انجام دئے۔ آپ نے ریاست کی خواتین چمپئن کو مبارکباد دی اور فرمایا کہ خواتین کو ہر میدان میں کامیابی حاصل کرنا چاہیے۔

"مہاراشٹر مانس"
پندرہ روزہ سرکاری ہندی رسالہ

حکومت مہاراشٹر کا پندرہ روزہ ہندی رسالہ 'مہاراشٹر مانس' ۲ اکتوبر، گاندھی جینتی دن سے شائع ہونا شروع ہوگیا ہے۔

اولین شمارہ جو ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز نے شائع کیا ہے اس میں مہاراشٹر کی تہذیب و تمدن اور ترقی وغیرہ متفرق موضوعات پر ہندی کے ممتاز ادیبوں مثلاً لے۔ جی شیورے، پربھاکر ماچوے، کملیشور، مہاویر ادھیکاری، اروند کمار، سندر لال ترپاٹھی اور چندر کانت بندی واڈیکر کے مضامین شامل ہیں۔ جی۔ پی۔ نینے نے بھی حصہ لیا ہے جنھوں نے مہاراشٹر میں ہندی کے پرچار میں اپنی پوری زندگی وقف کردی ہے۔ نیز آر۔ بی۔ جوشی اور ایم۔ ڈی۔ ڈھونڈ جیسے ودوان مراٹھی لیکھکوں نے بھی مضامین دئے ہیں۔ رام منوہر ترپاٹھی، پیاگ نرائن شکلا 'نرغن'، کشوری رمن ٹنڈن اور مسنم گورکھپوری کی نظمیں شامل ہیں۔

'مہاراشٹر مانس' ہر ماہ کی یکم اور ۱۶ تاریخ کو شائع ہوگا۔

ایکٹ کی اشاعت

صدر ہند کی منظوری پانے کے بعد انسداد غذائی ملاوٹ (مہاراشٹر ترمیم) ایکٹ ۱۹۷۴ء مہاراشٹر سرکار کے غیر معمولی گزٹ مورخہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۷۵ء کے حصہ چہار میں شائع کردیا گیا ہے۔

دیوداسی رواج کا خاتمہ
قانون وضع کیا جائے گا
شری چوان کا اعلان

حکومت مہاراشٹر دیوداسی رواج جیسی سماجی برائیو کے خاتمہ کیلئے قانون وضع کرے گی اور اس کے متعلق ایک بل آئندہ ناگپور سیشن میں مجلس قانون ساز کے سا پیش کیا جائیگا' اس امر کا اعلان وزیر اعلیٰ شری ایس بی۔ چوان نے ۳۰ اکتوبر کو بمبئی میں بین الاقوامی سال خوا سے متعلق ریاستی سطح کمیٹی کے اجلاس میں کیا۔

شری چوان نے جہیز اور بچپن کی شادی وغیرہ کیخلا رائے عامہ بنانے کے لئے مہم چلانے کی ضرورت جتائی

اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ مختلف میدانوں ترقی نسواں کے کاموں میں نمایاں خدمات انجام د والی خواتین کی عزت افزائی کی جائے۔ خواتین کو ان حقوق سے روشناس کرنے نیز ان میں جاگرتی پیدا کر کے لئے سیمینار منعقد کئے جائیں۔ اجلاس میں اس مو

وزیر اعلیٰ شری ایس۔ بی۔ چوان ۸ نومبر ۱۹۷۵ء کو بمبئی میں "جشن دیپاولی" میں حاضرین سے خطاب فرما رہے ہیں۔ شری پی۔ کے۔ ساونت، صدر ایم۔ پی۔ سی۔ سی۔ بھی تصویر میں نظر آرہے ہیں۔

تماگاندھی کو خراجِ عقیدت

کو صبح سچیوالیہ میں منعقدہ سادہ تقریب
ندھی کو اُن کی ۱۰۶ ویں سالگرہ پر
ت پیش کیا گیا۔
ی شری ایس۔بی۔چوان نے مہاتما گاندھی
لپوشی کی۔ اسی طرح کابینہ کے دیگر اراکین
ران اور ملازمین نے بھی خراجِ عقیدت

فلم تیار کرنے کا بھی فیصلہ کیا گیا۔
ین بتایا گیا کہ مختلف مقامات پر عورتوں کے
ئے جائیں گے تاکہ گندی بستیوں کے سدھار
قوت اکٹھا کی جائے۔
نجا پاٹل، وزیر سماجی بہبود اور شری ایس
، وزیرِ مملکت برائے سماجی بہبود بھی موجود تھے۔

سردار ولبھ بھائی پٹیل کی جنم شتابدی

لومت اور سردار پٹیل سینٹینری کمیٹی کے زیرِ اہتمام
بمبئی میں سردار ولبھ بھائی پٹیل کی جنم شتابدی
ری علی یاور جنگ، گورنر مہاراشٹر اس تقریب میں
تھے اور شری ایس۔بی۔چوان، وزیرِ اعلیٰ نے
الض انجام دئے۔
فع پر تقریر کرتے ہوئے گورنر موصوف نے
، زندگی کے کئی واقعات پر روشنی ڈالی۔ آپ
سردار پٹیل اور پنڈت نہرو کے درمیان
، رہتا تھا تاہم وہ دونوں ایک دوسرے کی
تھے۔

شری ایس۔بی۔چوان نے اپنی تقریر میں ریاستوں کے انضمام میں سردار پٹیل کی کارگذاری کو واضح کیا، نیز بتایا کہ ہندوستان کے نظم و نسق میں سردار پٹیل کا کتنا بڑا حصہ ہے۔

شری پی۔کے۔ساونت، صدر مہاراشٹر پردیش کانگریس کمیٹی نے فرمایا کہ سردار پٹیل کو سرمایہ داری کا ہمنوا بتانا غلط ہے۔ درحقیقت وہ تو انڈین نیشنل ٹریڈ یونین کانگریس کے بانیوں میں سے تھے۔

شری رجنی پٹیل، صدر سردار پٹیل صد سالہ تقریبات کمیٹی نے بتایا کہ کمیٹی سردار پٹیل کی یاد میں بمبئی میں ایک ہال اور لائبریری قائم کرے گی۔

ابتدا میں گورنر اور شری رجنی پٹیل نے سردار پٹیل کے مجسمہ پر ہار پھول چڑھائے۔

۳۱ر اکتوبر کو صبح سچیوالیہ میں ایک سادہ تقریب میں سردار ولبھ پٹیل کو اُن کی صد سالہ سالگرہ پر خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔

وزیرِ اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان نے سردار پٹیل کی تصویر کی گل پوشی کی۔ اسی طرح کابینہ کے اراکین، سرکاری افسران اور ملازمین نے بھی سردار پٹیل کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔

'کل ہند یومِ عطیۂ خون'

وزیرِ اعلیٰ اور ملازمین نے خون دیا

وزیرِ اعلیٰ شری ایس۔بی۔چوان نے یکم اکتوبر کو چرچ گیٹ اسٹیشن پر ۳۰۰ سی سی خون دے کر "کل ہند رضاکارانہ عطیۂ خون دن" کا افتتاح فرمایا۔

شریمتی لیلا بائی ملگاؤنکر، چیرمین، فیڈریشن آف دی

ن نے ۳۱ر اکتوبر کو سردار ولبھ بھائی پٹیل کی صد سالہ
ن کی تصویر کو ہار پھول پہنا کر انھیں خراجِ عقیدت

بلڈ بنک نے وزیراعلیٰ کا استقبال کیا۔

بخوشی خون کا عطیہ دینے والوں سے خون جمع کرنے کے لئے خاص طور سے لگائے گئے بوتھ پر خون لینے کے کام کی نگرانی ذاتی طور سے ڈاکٹر وی۔ جی۔ دیوان سپرنٹنڈنٹ سینٹ جارج ہسپتال نے کی اور ڈاکٹر شریمتی ایف۔ ڈی۔ کپور نے مدد فرمائی۔

عطیہ خون کے بعد شریمتی ملگا ونکر نے وزیراعلیٰ کے سینہ پر "فلیگ" آویزاں کیا۔ وزیراعلیٰ کی اہلیہ شریمتی [illegible] تائی بھی اس موقع پر موجود تھیں۔

یکم اکتوبر کو "کل ہند عطیہ خون دن" کے موقع پر [illegible] انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے سچیوالہ میں قائم کردہ خون عطیہ سینٹر پر سچیوالیہ کے ۸۰ افراد نے رضاکارانہ طور پر خون کا عطیہ دیا۔

[illegible] میں یہ کام سرانجام پایا۔ خون کی ۸۰ بوتلیں اکٹھا کی گئیں۔ ہر بوتل میں ۳۰۰ سی سی خون تھا۔

اول قومی میڈیکل کالج

وزیراعلیٰ نے افتتاح کیا

وزیراعلیٰ شری ایس۔ بی۔ چوان نے گذشتہ ۲۸ اکتوبر کو امبے جوگئی، ضلع بیٹر میں ہندوستان کے پہلے میڈیکل کالج کا افتتاح کیا جس کا ماحول کلی طور سے دیہی ہے۔

اس کالج کے قیام سے مراٹھواڑہ کے باشندوں کی دیرینہ آرزو پوری ہوگئی جو حیدرآباد کی تحریک آزادی کے زمانے سے اُن کے دلوں میں موجزن تھی۔ عظیم مجاہد آزادی سوامی رامانند تیرتھ نے ایسے کالج کا خواب دیکھا تھا۔ ان کے ساتھ اپنے تعلقات کو یاد کرتے ہوئے وزیراعلیٰ نے فرمایا کہ میں کابینہ کے سامنے یہ تجویز پیش کروں گا کہ یہ کالج سوامی رامانند تیرتھ کے نام نامی سے موسوم کیا جائے۔

افتتاحی تقریب کے موقع پر صدر، وزیراعظم اور گورنر کے پیغامات موصول ہوئے تھے۔ صدر نے یہ امید ظاہر کی کہ یہ کالج دیہاتوں کے لوگوں کو حفظانِ صحت کی کافی سہولتیں بہم پہنچائے گا۔

وزیراعظم نے کالج کے دیہی روپ کو سراہا اور یہ گذارش کی کہ دیہی علاقوں کو طبی سہولتیں بہم پہنچانے کے لئے نئے طریقے نکالے جائیں۔ انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ وہ اس کالج کی ترقی کو دلچسپی سے دیکھیں گی۔

وزیراعلیٰ نے وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی کے تئیں ممنونیت کا اظہار کیا کیونکہ ان کی دلچسپی کے بغیر کالج کا قیام ممکن نہیں تھا۔ اس سلسلے میں آپ نے بتایا کہ مرکز کی جانب سے صاف طور پر یہ پابندی عائد ہے کہ پانچویں پنجسالہ منصوبے کے دوران کوئی بھی میڈیکل کالج قائم نہ کیا جائے۔ بہرحال وزیراعظم نے امبے جوگئی کالج کو اس سے مستثنیٰ کردیا جس سے مراٹھواڑہ جیسے پسماندہ خطوں سے ان کی ہمدردی کا اظہار ہوتا ہے۔

طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ہر ایک طالب علم پر اوسطاً خرچ تقریباً ایک لاکھ روپے ہوتا ہے جس کا بڑا حصہ دیہی لوگوں سے حاصل ہوتا ہے، چنانچہ میڈیکل کالج سے پاس ہونے والے طالب علموں پر ان لوگوں کی جانب سے فرض عائد ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ اس فرض کو ادا کرنے کے خیال سے بخوشی اپنی خدمات دیہی باشندوں کیلئے پیش کریں گے۔

وزیراعلیٰ نے میڈیکل کالجوں کے اساتذہ سے گذارش

گورنر سری علی یاور جنگ نے ۲۸ اکتوبر کو ایک عام تقریب میں، ایک ڈوبتے ہوئے لڑکے کی جان بچانے والے نابینا سری کونڈی با گائیکواڑ کو مبارکباد دی۔ یہ اسی موقع کی تصویر ہے۔

وہ طلبہ کی بہتر کارکردگی پر پوری توجہ دیں کیونکہ ابتدائی
پر داخل ہونے والے کل طلبہ میں سے صرف ۲۰ فیصدی
مرحلہ پر کامیاب ہوتے ہیں۔ یہ زبردست نقصان
بس کا تدارک ہونا چاہیئے۔

وزیراعلیٰ نے یقین دلایا کہ آئندہ سال کالج کے لئے
ر ۵ ۶ ۳ کروڑ روپے کی رقم بہرصورت مہیا کی جائیگی۔
ابتدا میں وزیر دیہی ترقیات، شری سُندر راؤ سولنکے
جانوں کو خوش آمدید کہا۔

ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر شہری ترقیات نے فرمایا کہ
عظم نے کالج کے دیہی روپ کی وجہ سے اس کے قیام
خاص دلچسپی لی۔ وزیراعظم ہی کی ہدایت پر اس کالج
یام کے معاملہ میں خاص رعایت دی گئی۔ مجھے امید
کہ اس کے طلبہ اور اساتذہ اپنا اپنا فرض پورا کرینگے۔

شریمتی پرتبھا پاٹل، وزیرِ صحت عامہ نے صدارت
رائض انجام دیئے۔ آپ نے فرمایا کہ کالج مندرجہ
وں، مندرج قبائل اور پسماندہ طبقات کیلئے کتابوں
ہ کی فراہمی کا انتظام کریگا۔ آپ نے مزید بتلایا کہ
ت میڈیکل کالجوں کے ڈین صاحبان کے تحت کمیٹیوں
یام کی ایک تجویز پیش ہوئی ہے تاکہ کتابوں اور
ری سامان وغیرہ کے معاملے میں طلبہ کی مدد کی جائے۔

ڈاکٹر لیون ڈیسوزا، وزیر مملکت برائے صحت نے
یہ ادا کیا۔

وزیر اعلیٰ کا امدادی فنڈ

ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر محصول کو ضلع اورنگ آباد کی جلنہ
اضلاع ناندیڑ اور پربھنی میں سیلاب زدگان کی امداد
ے وزیراعلیٰ کے امدادی فنڈ میں ۱,۲۱,۰۰۰ روپے کا چیک
ستمبر کو کلکٹران اور ڈویژنل کمشنران کی کانفرنس کے آغاز
پیش کیا گیا۔

یہ رقم مقررہ نشانہ سے ۲۱,۰۰۰ روپے زائد ہے جب کہ
ر محصول نے وزیراعلیٰ کے ہمراہ ۶ ستمبر کو سیلاب سے متاثرہ
قوں کے دورے کے بعد اورنگ آباد کے قیام کے دوران
ران کی میٹنگ میں ایک لاکھ روپے کا نشانہ مقرر کیا تھا۔

خاندانی منصوبہ بندی کے لئے عوام کا تعاون درکار
شریمتی پرتبھا پاٹل کی اپیل

شریمتی پرتبھا پاٹل، وزیرِ صحتِ عامہ و سماجی بہبود نے اس بات کا اظہار کیا کہ عنقریب خاندانی منصوبہ بندی کیلئے قانون وضع کیا جائے گا نیز اس پروگرام کی تیزی سے عمل آوری کے لئے حکومت کی جانب سے اقدامات کا اعلان کیا جائے گا۔

وزیر موصوفہ ۹ اکتوبر کو کاما اور آلبلس اسپتال بمبئی میں پوسٹ پارٹم بلڈنگ اور خاندانی منصوبہ بندی نمائش کا افتتاح کر رہی تھیں۔

پوسٹ پارٹم بلڈنگ میں ۲۰ بستر ہیں اور یہاں خاندانی منصوبہ بندی نیز اسقاط حمل کے لئے تمام سہولتیں مہیا کی گئی ہیں۔ خاندانی منصوبہ بندی کو کامیاب بنانے کے لئے عوامی تعاون کی ضرورت جتاتے ہوئے آپ نے سوشل ورکروں سے اپیل کی کہ وہ خاندانی منصوبہ بندی کا تیزی سے عمل آوری کے لئے پروگرام مرتب کریں کیونکہ یہ وزیراعظم کے ۲۰ نکاتی پروگرام میں بھی شامل ہے۔

ڈاکٹر لیون ڈیسوزا بھی اس موقع پر موجود تھے۔ انہوں نے بورڈ آف وزیٹرز کے کاموں کو سراہا اور میٹروپولس نیز دیہی علاقوں میں ان اسکیموں کو زیر عمل لانے کی ضرورت جتائی۔

شریمتی زینا سہراب جی، چیرمین، بورڈ آف وزیٹرز نے مہمانوں کا استقبال کیا اور اسپتال کی سپرنٹنڈنٹ ڈاکٹر (شریمتی) ایس۔ بی۔ ویدیا نے شکریہ ادا کیا۔

اس سے قبل شریمتی پاٹل نے اسپتال کے ۱۲ ملازمین کو میرٹ سرٹیفکیٹ اور نقد انعامات دئے، جنھوں نے سرکاری ملازمین کی ہڑتال کے دوران پوری مستعدی اور

بمبئی کے ضلع ادھیکاری شری اے۔ این۔ دلوسکلے نے سیلاب زدگان کی امداد کیلئے مبلغ ۵۰,۰۰۰ روپے کا چیک ۱۳ اکتوبر کو سچیوالیہ میں وزیراعلیٰ شری چوان کی خدمت میں پیش کیا۔ اس موقع پر لی گئی تصویر میں ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر محصول اور شہری ترقیات نیز شری الیشور راج ماتھر، چیف ڈائرکٹر آف ڈائرکٹوریٹ آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز بھی نظر آرہے ہیں۔

ذمہ داری کے ساتھ اپنا فرض ادا کیا تھا۔

بعد ازاں ڈاکٹر لیون ڈیلیوزا نے خاندانی منصوبہ بندی میں اسپتال کے فرائض پر منعقدہ سمپوزیم کے صدارت کے فرائض انجام دئے۔ شریمتی کملا رمن، ایم۔ ایل۔ اے ڈاکٹر بی۔ این۔ پرندرے اور ڈاکٹر (شریمتی) کے۔ ڈی۔ ویرکر اور دیگر افراد شریک تھے۔

وزیر اعظم امدادی فنڈ

بھارت ایجوکیشن سوسائٹی کے سردار ہائی اسکول کھیت واڑی (بمبئی) کے طلبہ اور اسٹاف نے ۳۰ ستمبر کو شری آر۔ ایم۔ پانڈے، وزیر مملکت برائے تعلیم کو وزیر اعظم کے امدادی فنڈ کیلئے مبلغ ۱۵،۰۰۱ روپے کی رقم پیش کی۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری پانڈے نے فرمایا کہ کھیت واڑی کے علاقہ میں معاشی طور پر پسماندہ طبقات کے افراد رہتے ہیں۔ اس لحاظ سے طلبہ اور انکے رہنما اساتذہ کا یہ کام قابلِ ستائش ہے۔

طلبہ نے نہ صرف اپنے جیب خرچ کا عطیہ دیا بلکہ اس علاقہ میں گھر گھر جا کر سیلاب سے متاثرہ افراد کیلئے کپڑا، اناج اور نقد رقم بھی اکٹھا کی۔

اسکول کے پرنسپل شری پی۔ ڈی۔ پال کنڈوار نے مہمانوں کا استقبال کیا۔ ڈاکٹر کے۔ آر۔ جوشی، بھارت ایجوکیشن سوسائٹی کے کامرس اور اکنامکس کالج کے پرنسپل نے شکریہ ادا کیا۔

وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان کو انڈین آئیل کارپوریشن لمیٹیڈ کی جانب سے مبلغ ۶۷،۶۰۹ روپے کا چیک وزیر اعظم کے قومی امدادی فنڈ کیلئے پیش کیا گیا۔ یہ چیک شری ٹی۔ کامت، کارپوریشن کے جنرل منیجر نے وزیر اعلیٰ کو ۱۶ اکتوبر کو ان کے دفتر سچیوالیہ میں پیش کیا۔

۵،۰۰۰ روپے کا ایک اور چیک شری ایس۔ ایم۔ دھاکر نے فرینڈز ریلیف ایسوسی ایشن کی جانب سے وزیر اعظم کے فنڈ کیلئے پیش کیا۔

۸۶۸ روپے کی رقم جو آدرش ودیالیہ، ٹھاکر دوار بمبئی کے طلبہ اور اساتذہ نے جمع کی تھی، شریمتی لمر سدلیش مشرا، اسکول کی پرنسپل نے شری چوان کے حوالہ کی۔

فرانسیسی معمار کی شری انتولے سے ملاقات

مسٹر الیکسس نالڈے، سکریٹری جنرل، انٹرنیشنل فیڈریشن آف پروفیشنل بلڈرز، پیرس نے شری اے۔ آر۔ انتولے، وزیر برائے پبلک ورکس اور ہاؤسنگ سے گزشتہ ۸ اکتوبر کو سچیوالیہ میں ملاقات کی اور ریاست میں مکانات سے متعلق موجودہ مسائل پر تبادلۂ خیال کیا۔

وزیر موصوف نے ریاستی حکومت کی جانب سے پسماندہ طبقوں کے لئے تعمیر مکانات کی اسکیم کے لئے ہر ممکن امداد کا یقین دلایا۔

شری ایس۔ سی۔ جین، صدر، اسٹیٹ ایجنٹس ایسوسی ایشن آف انڈیا بھی اس موقع پر موجود تھے۔

عطیات : گزشتہ ستمبر اور اکتوبر کے دوران وزیر اعظم سیلاب ریلیف فنڈ میں مہاراشٹر کے گیارہ تجارتی، پیشہ ورانہ و تعلیمی اداروں نے ۵،۴۸۲ روپے کی رقم عطا کی۔

•

وفات : اُردو کے نامور جدید شاعر جناب ن۔ م۔ راشد کا ۹ اکتوبر کو لندن میں انتقال ہوگیا۔ وہ حلقۂ اربابِ ذوق کے باشعور شاعر اور کئی شعری مجموعوں کے خالق تھے۔

•

انعامات : اردو کی ترقی میں نمایاں خدمات کے صلہ میں عصمت چغتائی، جمیل مظہری، کنہیالال کپور اور سید حسن عسکری کو ۱۹۷۴ء کے لئے ۱۹ اکتوبر کو صدر جمہوریہ نے غالب ایوارڈ عطا کیا۔

بہ روز شری اے۔ آر۔ انتولے، وزیر تعمیرات عامہ اور انصاف ۹ نومبر ۱۹۷۵ء کو سیسون ڈوک، بمبئی میں ضلع قلابہ کی کاریگر مچھی مار سوسائٹی کی شاخ کی عمارت کا افتتاح کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔

خواتین قیدیوں کو عام معافی

۱۹۷۵ء کے دوران منائے جانے والے بین الاقوامی سالِ
اتین کے سلسلہ میں حکومتِ مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ بعض
جیل کی خواتین قیدیوں کو عام معافی یا سزا میں رعایت دی
ائے گی جنھیں ریاست کے دائرۂ اختیار میں آنے والے معاملات
ں قانون کی خلاف ورزیوں پر سزا دی گئی ہے۔ چنانچہ
ندرجہ ذیل درجوں میں آنے والی خواتین قیدیوں کو یکم دسمبر
۱۹۷۵ء کو رہا کر دیا جائیگا۔

(الف) خواتین قیدی (بشمول ان کے جنھیں ان کی سزا میں تخفیف کے بعد ریلیکو ہوم میں منتقل کر دیا گیا ہے) جن کے خلاف نوزائیدہ بچوں کے قتل پر قانونی کارروائی کی گئی تھی اور انھیں عمر قید کی سزا دی گئی تھی۔ (ب) عمر قید کاٹنے والی وہ خواتین قیدی جنھوں نے یکم دسمبر ۱۹۷۵ء کو یا اس سے قبل اصل قید کے پانچ سال پورے کر لئے ہوں۔ (ج) وہ خواتین قیدی جن کی عمر یکم دسمبر ۱۹۷۵ء کو ساٹھ سال کی ہو گئی ہوگی۔ (د) وہ خواتین قیدی جنھیں ایک سال سے کم مدت کی سزائے قید دی گئی تھی اور جنھوں نے یکم دسمبر ۱۹۷۵ء کو نصف یا نصف سے زیادہ مدت کی سزا کاٹ لی ہو۔ (اسمیں تمام معافیاں شامل ہیں تاہم وہ معافی شامل نہیں ہے جو یکم دسمبر ۱۹۷۵ء کو ریاست کی جانب سے عطا کی جائے گی۔

(ہ) تمام نابینا خواتین قیدی۔

اسی طرح حکومت نے مندرجہ ذیل درجوں کی خواتین قیدیوں کو بھی ان کی سزا (سزائے جرمانہ کو چھوڑ کر) میں یکم دسمبر ۱۹۷۵ء سے رعایت دینے کا فیصلہ کیا ہے:

خواتین قیدی جنھیں تین ماہ تک کی سزا ہوئی ہے (۷ دن)، تین تا چھ ماہ (۱۵ دن)، چھ ماہ تا ایک سال (۲۱ دن)، ایک تا دو سال (ایک ماہ)، دو تا تین سال (دو ماہ)، تین تا چار سال (تین ماہ)، چار تا پانچ سال (چار ماہ)، پانچ تا چھ سال (پانچ ماہ)، چھ تا سات سال (چھ ماہ)، سات تا آٹھ سال (سات ماہ) آٹھ تا نو سال (آٹھ ماہ)، دس تا گیارہ سال (دس ماہ) اور گیارہ سال اور اس سے زیادہ مدت (بارہ ماہ)۔

آٹے کی چکیوں کے خلاف سخت اقدام

حکومتِ مہاراشٹر نے عوام کو دھوکہ دینے والی آٹے کی ایسی چکیوں کے خلاف سخت قدم اٹھایا ہے جو پسائی سے پہلے اور اسکے بعد اناج کا وزن نہیں کرتی ہیں اور اسطرح صارفین کا کافی مقدار میں آٹا چرا لیتی ہیں۔

حکومت کے اوزان و پیمائش ادارہ نے ایسی چکیوں کے خلاف سخت کارروائی کی ہے۔ پچھلے تین مہینوں میں ادارہ نے ۵۶۹ خاطیوں کے خلاف بمبئی اوزان و پیمائش (نفاذ) ایکٹ بابت ۱۹۵۸ء کے تحت قانونی کارروائی کی۔

گزشتہ ماہ ستمبر میں صرف بمبئی ضلع میں ۱۴۴ آٹے کی چکیوں کے خلاف قانونی کارروائی کی گئی۔ ان میں سے ۱۳۰

وزیر تعلیم شریمتی پربھا راؤ ۳۰ر اکتوبر کو بمبئی میں سائنس اور مربوط دیہی ترقی کے موضوع پر منعقدہ سیمینار میں افتتاحی تقریر کر رہی ہیں۔ وزیر مملکت برائے تعلیم شری آر۔ این۔ پانڈے بھی تصویر میں نظر آرہے ہیں!

کو سزا دی گئی اور ان پر ۱۸۰۵۹۵ روپے جرمانہ عائد کیا گیا۔ اسی طرح ۱۲۲ آٹے کی چکیوں کے خلاف پچھلے ماہ اگست میں کارروائی کی گئی تھی۔

اس کے علاوہ پچھلے تین مہینوں میں ریاست کے دیگر حصوں میں ۵۴۹ خاطیوں پر ۰۰۰۔۱۴۱ روپے جرمانہ عائد کیا گیا۔

ڈائرکٹوریٹ آف انڈسٹریز کے ناپ تول ادارے نے ریاست میں گذشتہ چار ماہ کے دوران ۹۰۷ آٹا ملوں کے خلاف قانونی کارروائی کی کیونکہ وہ اناج کو پیسنے سے قبل اور بعد میں نہ تول کر عوام کو دھوکہ دینے کی مرتکب ہوئی تھیں۔ صارفین کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ ایسے معاملات کی اطلاع ڈپٹی کنٹرولر آف ویٹس اینڈ میژرس، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲ کو دیں تاکہ قانونی کارروائی کی جاسکے۔

اخبارات پر پابندی

حکومت مہاراشٹر نے دو مراٹھی ہفت روزہ اخبارات کے حسب ذیل شماروں کی فروخت یا تقسیم کی ممانعت کردی ہے کیونکہ ان میں دفاع اور اندرونی سلامتی ہند قوانین ۱۹۷۱ء کی رو سے مضرت رساں خبریں شائع کی گئی ہیں

(۱) پونا کے 'سادھنا' کے شمارے مورخہ ۴ اور ۱۱ اکتوبر ۱۹۷۵ء جس کے ایڈیٹر، پرنٹر اور پبلشر شری یادو ناتھ دتاتر تھاتے ہیں۔ (۲) بمبئی سے شائع ہونے والے 'آرتی' کا شمارہ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۷۵ء جسکے ایڈیٹر، پرنٹر اور پبلشر شری رمیش کیشو ٹھاکرے ہیں۔

حکومت نے مذکورہ شمارے، ان کی نقل اور اقتباسات بھی سرکار ضبط قرار دئے ہیں۔

اسی طرح حکومت نے مراٹھی ہفت روزہ 'مارمک' کے شمارہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۷۵ء کی فروخت یا تقسیم کی ممانعت کردی ہے۔ اس ہفت روزہ کے ایڈیٹر شری بال ٹھاکرے اور پرنٹر و پبلشر شری شریکانت کیشو ٹھاکرے ہیں۔

مراٹھی ہفتہ وار "جنا وانی" کے شمارہ مورخہ ۲۰ ستمبر پر بھی پابندی عائد کی گئی ہے۔ اس کی مدیرہ شریمتی کمد کرکرے اور طابع و ناشر شری پنالال سوراناہیں 'مارمک' اور 'جنا وانی' کے مذکورہ شمارے، ان کی نقل اور اقتباسات کو بھی سرکار ضبط قرار دیا گیاہے۔

موج پرنٹنگ بیورو پر پابندی

حکومت مہاراشٹر نے شری این۔ جی۔ گورے، مدیر اور شری جی۔ جی۔ پاریکھ، طابع و ناشر "جنتا" انگریزی ہفتہ وار بمبئی کو کسی بھی دستاویز کی طباعت یا اشاعت کیلئے 'موج پرنٹنگ بیورو، کھٹاؤ واڑی، بمبئی ۴۰۰۰۰۴' استعمال کرنے کی ممانعت کردی ہے۔

یہ اقدام اسلئے کیا گیا ہے کہ اس ہفتہ وار کے ۱۲، ۱۹ اور ۲۶ اکتوبر ۱۹۷۵ء کے شماروں میں دفاع اور اندرونی سلامتی قوانین ہند ۱۹۷۱ء کے تحت مضرت رساں خبریں شائع کی گئی ہیں۔

زائد اراضی کے مالکان کو اطلاع

زائد اراضی کی تفصیل داخل کرنے کیلئے نظر ثانی شدہ فارم اب تیار ہوگیا ہے اور وہ متعلقہ ضلع کلکٹران یا تحصیلدار سے ۲ نومبر ۱۹۷۵ء سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ فارم پُر کرکے داخل کرنے کی آخری تاریخ ۱۷ دسمبر ۱۹۷۵ء تک بڑھادی گئی ہے۔

ایسے اشخاص اور خاندان جن کی زمین نظر ثانی شدہ یا کم کی گئی حد سے زائد ہوگی ان کو اس فارم میں تمام تفصیلات بھر کر داخل کرنا ہوگا۔

مجاہدینِ آزادی کو رعایت

حکومت مہاراشٹر نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ایسے مجاہدینِ آزادی یا ان کے بچوں کو جو مہاراشٹر میں صنعتیں قائم کرنے کے خواہشمند ہیں، امداد دینے کے معاملہ میں اوّل فوقیت دی جائے۔

بہر صورت صنعت قائم کرنے کی تجویز معاشی طور سے پائیدار ہو نیز موجودہ قوانین و ضوابط سے بھی انحراف نہ کیا جائے۔ دیگر شرائط وہی رہینگی جو دوسرے درخواست دہندگان کے لئے ہیں۔

●●

وزیر اعلیٰ شری ایس۔ بی۔ چوان ۱۰ نومبر ۱۹۷۵ء کو بمبئی میں قاہرہ یونیورسٹی الازھر کے شیخ الاکبر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود کے اعزاز میں منعقدہ تقریب میں حاضرین سے خطاب فرمارہے ہیں۔

PRINTED AT THE GOVT PHOTOZINCO PRESS, POONA 1975

جلد : ۲ یکم دسمبر ۱۹۷۵ء شمارہ : ۲۲

قیمت فی پرچہ ۵۰ پیسے • سالانہ ۱۰ روپے

زیرنگرانی، خواجہ عبدالغفور آئی۔اے۔ایس

ترسیلِ زر اور مراسلت کا پتہ :
چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومت مہاراشٹر، سچوالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

سخنہائے گفتنی

ہر سال دسمبر کے پہلے ہفتے میں "جنگلی جانوروں کے تحفظ کا ہفتہ" منایا جاتا ہے جس کا مقصد فطرت کی آغوش میں پلنے والے چرند پرند اور نباتات کے تحفظ کی جانب انسان کی توجہ مبذول کرنا ہے جن کے بغیر انسانی زندگی نہایت بے رنگ اور انتہائی دشوار ہو جائے گی۔ شہری اور صنعتی زندگی کے فروغ کی بناء پر انسان فطرت سے دور ہوتا جا رہا ہے اور اب ہمارے لئے بہت ضروری ہو گیا ہے کہ وقتاً فوقتاً اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالیں، اور خود کو اشرف المخلوقات برقرار رکھنے کیلئے دیگر مخلوقات کی بقاء پر توجہ دیں تاکہ فطرت کا توازن خراب نہ ہو۔ اس موقع پر 'قومی راج' حسب سابق یہ خصوصی شمارہ شائع کر رہا ہے۔

خسرو نمبر کی طرح خواتین نمبر بھی کافی مقبول ہوا۔ خواتین نمبر کے سلسلے میں موصولہ کئی مضامین وقت کی تنگی کے باعث نمبر میں شامل نہ ہو سکے تھے تاہم چونکہ ہنوز بین الاقوامی خواتین سال جاری ہے اسلئے چند مضامین زیر نظر شمارہ میں شامل کر لئے گئے ہیں۔

اس کے بعد 'قومی راج' جو خصوصی شمارے شائع کرنے والا ہے ان میں زمین کی حدبندی سے متعلق خصوصی نمبر، گرو تیغ بہادر سنگھ نمبر اور یوم جمہوریہ نمبر شامل ہیں۔

خواجہ عبدالغفور

...•...

•

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس، بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا !

انسان اور حیوان کے درمیان معاہدۂ بقائے باہم

وزیر اعلیٰ کا پیغام

وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان نے یکم تا ۷ دسمبر "دنیہ پرانی ہفتہ ۱۹۷۵ء" کے موقع پر اپنے پیغام میں قدرت کے ساتھ ایک نئے معاہدہ کی ضرورت جتائی، ایسا معاہدہ جس سے کہ ہم اس کے ساتھ مل جل کر رہ سکیں۔ اسی میں انسان اور حیوان کی بقاء ہے۔

وزیر اعلیٰ کے پیغام کا متن حسب ذیل ہے:

"قدرتی ذرائع اور حیوانات کی حفاظت انسان کی بقاء سے مربوط ہے۔ قدرتی ذرائع کا بہتر استعمال اسی بات میں مضمر ہے کہ انسان اور اس کے فطری ماحول میں توازن ہو۔ اگر انسان اپنی فنّی لیاقت کے زعم میں اپنی حدود سے آگے بڑھے گا تو وہ یقیناً ہر اس چیز کو تباہ و برباد کر دیگا جو حیوانات کے زمرہ میں آتی ہے۔ اس طرح وہ محض مشینی زندگی کا عادی ہو جائے گا۔

اپنی نادانی سے انسان یہ سمجھتا ہے کہ زندگی چند روزہ ہے اور جو کچھ ہے اس سے آج ہی فائدہ اٹھالیا جائے۔ اس افادیت پسندی سے وہ مغلوب ہو گیا ہے اور نتیجہ یہ کہ حیوانات اور ان کا مسکن تباہ و برباد ہوتا جا رہا ہے۔ جانوروں کے بہت سے خوبصورت مسکن معدوم ہو گئے ہیں۔ بہت سی اچھی اقسام کے پودے ناپید یا نایاب ہوتے جا رہے ہیں۔ جب پودوں اور جانوروں کے درمیان باہمی رشتہ ٹوٹ جاتا ہے اور ماحول تیزی سے بدل جاتا ہے تو وہ موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ دائمی نقصان ہے کیونکہ اس کی تلافی مشکل ہی ہے۔

ہمارے رنگ برنگی چرند و پرند ہمارا شاندار ورثہ ہیں جس کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم قدرت کے ساتھ نیا معاہدہ کریں، ایسا معاہدہ جس کے تحت ہم ان کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کریں۔ انسان اور حیوان کی بقاء کا راز اسی میں مضمر ہے۔"

جنگلی چرند و پرند ہمارا بیش قیمت ورثہ

حفاظت کے لئے شری آر۔ جے۔ دیوتلے کی اپیل

یکم سے ۷ دسمبر تک منائے جانے والے 'ونیہ پرانی ہفتہ ۱۹۷۵ء' کے موقع پر اپنے پیغام میں شری آر۔ جے۔ دیوتلے، وزیر جنگلات نے جنگلی جانوروں کے بیش قیمت ورثہ کی حفاظت کے لئے از سرِ نو عہد کرنے کی ضرورت جتائی جو ہم سب ہی کے حق میں مفید ہے۔
وزیر موصوف کے پیغام کا متن حسب ذیل ہے :

" قدرت نے ہمیں نوع بہ نوع نباتات اور حیوانات کی شکل میں بیش قیمت ورثہ عطا کیا ہے۔ تاہم یہ ستم ظریفی ہی ہے کہ اب ہم میں قدرتی توازن کو برقرار رکھنے کا احساس پیدا ہوا ہے جبکہ اس کے ساتھ ہی ہم اس توازن کو بگاڑنے کے ذرائع اور قوتِ محرکہ کے حامل بھی ہیں۔ انسانی شقاوت ' غارتگری' سنگدلی اور جہالت کے باعث جنگلی جانوروں کی یہ دولت مٹتی جارہی ہے۔ یہ بڑے دکھ کی بات ہے کہ ریاست کے بعض حصّوں میں خصوصاً مغربی مہاراشٹر اور مراٹھواڑہ میں بعض اقسام کے جنگلی جانوروں کی نسل ختم ہوتی جا رہی ہے اور خوبصورت ہندوستانی سارس (Great Indian Bustard) اور سیاہ سانبھر جیسے جانور ناپید ہوتے جارہے ہیں۔

حکومت بڑی تندہی سے جنگلی جانوروں کی اس دولت کی حفاظت کے لئے کوشش کر رہی ہے لیکن جب تک عام لوگوں میں اس انحطاط پذیر ورثہ کی حفاظت کا احساس پیدا نہ ہو اور وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ یہ جنگلی جانور بڑی معاشی قدر و قیمت رکھتے ہیں نیز خود انسان کی بھلائی کا ہی ذریعہ ہیں' اس وقت تک محض حکومت کی کوششیں کارآمد نہ ہوں گی۔

لہٰذا اس ہفتہ کے موقع پر ہم کو از سرِ نو جنگلی جانوروں کے اس بیش قیمت ورثہ کی حفاظت کا عہد کرنا چاہیے۔ اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے۔"

ریاض آفندی
۱۲۔ مسجد اسٹریٹ
پہلا منزلہ۔ کمرہ نمبر ۵
بمبئی ۳

آزادی کے بعد سے ہماری حکومت ہر سال جانوروں کا ہفتہ مناتی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم ان کی حفاظت کریں، اِن کا بے جا شکار نہ کریں، اور ان کی نسلوں کو پروان چڑھنے میں مدد دیں۔ جس طرح جنگل ہماری دولت ہیں، اسی طرح جانور جنگل کی دولت ہیں۔ ان کی وجہ سے جنگل آباد ہیں۔ جنگلوں کو کھاد ملتی ہے، درخت ہرے بھرے رہتے ہیں اور ہماری قومی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے۔

ان میں سے اکثر جانور ایسے ہیں جو انسان کے دوست بن سکتے ہیں۔ مثلاً ہاتھی ہی کو لیجئے۔ یوں تو ہاتھی جنگلی جانور ہے لیکن سدھانے کے بعد اس سے زیادہ کام آنے والا کوئی جانور نہیں ہے۔ آسام کے گھنے جنگلوں میں جو کام ہاتھی کرتے ہیں، اس کام کو کئی انسان مل کر بھی نہیں کر سکتے۔ اسی طرح گھوڑے کو لیجئے، سدھا ہوا گھوڑا، سواری، بار برداری، لڑائی اور جنگ میں، کھیتوں میں غرض مختلف انسانی ضروریات کو پورا کرنے کے کام آتا ہے۔

اِنسان زندہ جانوروں سے جتنا فائدہ حاصل کر سکتا ہے اتنا ہی فائدہ اُن کے مرنے کے بعد اُسے ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد جانور کی کھال، ہڈیاں، سُم یا کھُر، چربی، سینگ غرض سبھی چیزیں کام آتی ہیں اور ان سے ہماری قومی دولت میں اضافہ ہوتا ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ گائے، بیل اور بھینس ہمارے دیس میں پائے جاتے ہیں۔ تعداد اور شمار کے لحاظ سے اس وقت لگ بھگ ۱۴۰ ملین گائیں اور ۱۵۰ ملین بھینسیں، ۴۰۶۸ ملین بھیڑیں، ۶۷ء۵۰ ملین بکریاں اور ۲ء۵ ملین گھوڑے، اونٹ اور گدھے ہمارے دیش میں پائے جاتے ہیں۔

گائے سے ہمیں دو فائدے ہیں۔ ایک طرف اس سے دودھ ملتا ہے اور دودھ سے گھی، مکھن، دہی اور دوسری چیزیں بنتی ہیں اور دوسری طرف اس سے بیلوں کی نسل پروان چڑھتی ہے۔ بیل صرف ہل چلانے کے ہی کام نہیں آتا بلکہ بار برداری کا کام بھی اس سے لیا جاتا ہے۔ دیہاتوں میں یہ کولھو چلاتا ہے۔ کنوئیں سے پانی نکالنے کے لئے رہٹ چلانے کا کام اس سے لیا جاتا ہے۔

ہمارے دیش میں شمال مغرب کی گائیں بہت مشہور ہیں ۔ کاٹھیاواڑ، راجستھان، پنجاب، کشمیر کی گائیں خوبصورت بھی ہوتی ہیں اور دودھ بھی زیادہ دیتی ہیں ۔ ان علاقوں کے علاوہ مالوہ اور مدراس میں بھی اچھی گائیں ہوتی ہیں ۔

بکریاں زیادہ تر ہمالہ کی وادی، کشمیر اور پنجاب کے میدان اور دکن کی پہاڑیوں پر کثیر تعداد میں ملتی ہیں۔

اونٹ کو صحرا کا جہاز کہتے ہیں۔ یہ جانور راجستھان اور سندھ کے ریگستان میں پایا جاتا ہے ۔

ہمارے دیش میں جعفر آبادی بھینس بہت مشہور ہے ۔ پنجاب، کاٹھیاواڑ، سورت اور پنڈھر پور بھی بھینسوں کے لئے مشہور ہیں ۔

ہمارے دیش کی بھیڑوں سے ہر سال تقریباً بیس کروڑ پونڈ اون حاصل ہوتا ہے ۔ یہ بھیڑیں کشمیر، پنجاب، یوپی اور راجستھان کے علاوہ کوئمبٹور میسور، دکن اور بنگال میں بھی پائی جاتی ہیں ۔

کاٹھیاواڑ کے گھوڑے بہت مضبوط اور طاقتور ہوتے ہیں اور خوب تیز دوڑتے ہیں ۔ ان گھوڑوں کو کاٹھی کہتے ہیں اور مہاراشٹر کے گھوڑوں کو ٹٹو کہتے ہیں ۔ منی پور کے ٹٹو بھی مشہور ہیں۔

مردہ جانوروں سے بھی بے شمار فائدے ہیں ۔ مردہ جانوروں کی کھالوں، ہڈیوں، سموں، کھروں، سینگوں اور دانتوں کی تجارت ہوتی ہے ۔ خون اور چربی بھی منڈی میں بکتی ہے ۔ ہڈیوں اور سینگوں سے بٹن، کھلونے، ہینڈل اور اس قسم کی دیگر چیزیں بنتی ہیں ۔ چربی سے موم، صابن، مشینوں کا تیل، ویسلین، گریز اور اس نوعیت کی دوسری چکنائیاں بنتی ہیں ۔ ہاتھی دانت بہت ہی قیمتی ہوتا ہے ۔ اس سے آرائش کی خوبصورت اور نادر اشیاء بنتی ہیں۔ کھال سے چمڑا بنتا ہے ۔ چمڑے کی مصنوعات میں جوتے، چپل، سینڈل، صندوق، ہینڈ بیگ، کھلونے غرض بہت ساری چیزیں بنتی ہیں ۔ یہ تمام مصنوعات جو جانوروں سے حاصل شدہ اشیاء سے بنتی ہیں، ہماری قومی دولت میں اضافہ کرتی ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ آجکل جانوروں کے تحفظ کے بارے میں خصوصی توجہ دی جا رہی ہے ۔ اس سے ایک طرف تجارت کو فروغ حاصل ہوگا اور دوسری طرف ان کی نسل برقرار رہے گی ۔

●●

تاریخی اور مشہور شخصیتوں کی
جانوروں سے محبت

ہر مذہب نے اس بات کی تاکید کی ہے کہ جانوروں سے محبت کی جائے، اُن کے ساتھ رحم کا برتاؤ کیا جائے اور انھیں ہر طرح کے نقصان سے محفوظ رکھا جائے ۔

پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ خود بکریاں چرایا کرتے تھے اور اُن سے بڑی ہمدردی اور محبت سے پیش آتے تھے ۔

حضرت موسیٰ بھی ریوڑ چرایا کرتے تھے اور اپنے جانوروں سے رحم کا برتاؤ کرتے تھے ۔ حضرت عیسیٰ کا قصہ تو بہت مشہور ہے ۔ ایک دن ایک شخص اپنے خچر پر بہت زیادہ وزن رکھے ہوئے تھا اور اُسے چابک سے مارتے ہوئے ہانک رہا تھا ؛ جب آپ نے یہ منظر دیکھا تو آپ سے برداشت نہیں ہوا ۔ آپ نے ازراہ ہمدردی آدھا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھا لیا ۔

کرشن جی گائیں چراتے تھے اور اُن سے بیحد محبت کرتے تھے ۔ رام چندر جی نے بندروں کی مدد سے لنکا کو فتح کیا ۔ راج کمار سدھارتھ نے جو بعد میں مہاتما بُدھ بنے، زخمی ہنس کی تیمارداری کی ۔ بھگوان مہاویر تو زہریلے ناگ کو بھی مارنے کے حق میں نہیں تھے ۔

حضرت بایزید بسطامیؒ بڑے پایہ کے بزرگ تھے ۔ انھیں یہ مرتبہ اس لئے ملا کہ انھوں نے ایک بلی کے بچے کی جان بچائی تھی ۔ سبکتگین اپنے وقت کا ایک زبردست حکمراں صرف اس لئے بنا کہ اُس نے ہرنی کے بچے کو پکڑ کر چھوڑ دیا تھا ۔ حضرت عمر بن عاص نے جنگ کے بعد خیمہ اس لئے نہیں اٹھایا کہ اس میں کبوتری نے گھونسلہ بنا کر بچے دیئے تھے ۔

ابراہیم لنکن ایک روز ایک اہم اجلاس میں شرکت کی غرض سے جا رہے تھے ۔ راستہ میں انھوں نے کسی کے کراہنے کی آواز سنی، آواز کی طرف متوجہ ہوئے تو پتہ چلا کہ ایک جانور کیچڑ میں پھنسا ہوا ہے اور نکلنے کی کوشش کر رہا ہے ۔ آپ کو رحم آیا ۔ آپ رُکے، اُسے کیچڑ سے باہر نکالا اور پھر آگے بڑھے ۔ وہ کہتے تھے کہ اگر میں اس جانور کی مدد نہیں کرتا تو اجلاس میں میرا من نہیں لگتا ۔

آئزک نیوٹن کے پاس ایک کتا تھا ۔ اُس کا نام ڈائمنڈ تھا ۔ ایک روز ڈائمنڈ کی شرارت سے آئزک کے تمام تحقیقی مسودات آگ کی نذر ہوگئے، لیکن اسکے باوجود انھوں نے اپنے پالتو کتے سے صرف اتنا کہا ۔ " ڈائمنڈ : ڈائمنڈ تم نہیں جانتے کہ تم نے میرا کتنا زبردست نقصان کیا ہے ۔" نیوٹن کی جگہ اگر ہم اور آپ ہوتے تو کیا کرتے ؟

گاندھی جی کے آشرم کے آس پاس بے شمار بچھو تھے ۔ لیکن آپ نے آشرم کے لوگوں کو سختی کے ساتھ منع کیا تھا کہ انھیں کسی بھی قسم کا گزند نہ پہنچائیں ۔ ایک روز سردار ولبھ بھائی پٹیل نے پوچھا کہ آپ ان زہریلے بچھوؤں کو مارنے سے کیوں روکتے ہیں ۔ یہ انسان کو ڈنک مارتے ہیں اور انسان ان کے زہر سے مر جاتا ہے ۔ گاندھی جی نے جواب دیا : " بچھو کا ڈنک زہریلا

ہے، اِس لیے تم اسے مارنا چاہتے ہو، لیکن انسان تو اس سے زیادہ زہریلا ہے، کیا تم اس کو بھی مار ڈالوگے؟"

سینٹ فرانسس جانوروں پر بے حد مہربان تھے۔ وہ سردی کے دنوں میں اپنے گھر میں شہد رکھتے تھے تاکہ کڑاکے کی سردی میں شہد کی مکھیوں کو باہر نہ جانا پڑے۔

شری آچاریہ ونوبا بھاوے کو ایک روز مندر کی سیڑھی کے پاس ایک چیونٹی ملی جو مرنے کے قریب تھی اور تڑپ رہی تھی۔ آپ نے اسے آہستہ سے اٹھایا۔ مندر میں لے گئے اور اُسے پرساد کے تھالے میں رکھ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس میں زندگی کے آثار دکھائی دینے لگے اور پھر وہ تیزی کے ساتھ تھالے سے باہر آئی اور بھگوان کے چرنوں میں غائب ہوگئی۔

اِن واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ جانوروں کو بھی آزادی کے ساتھ رہنے اور جینے کا اتنا ہی حق ہے، جتنا کہ آپ کو اور ہم کو ہے!

—— ••••●•••• ——

انھیں بھی جینے دو — !

جس طرح قدرت نے اِس دنیا میں ہمیں جینے کا حق دیا ہے، اُسی طرح جانوروں کو بھی جینے کا ادھیکار دیا ہے۔ اگر ہم کسی نقصان پہنچانے والے جانور کو مار کر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے کوئی بہت بڑا کام کیا تو یہ ہماری غلطی ہے۔ ہم اُن جانوروں کو اپنی سوجھ بوجھ اور عقل سے رام کر سکتے ہیں۔ انھیں اپنا دوست بنا سکتے ہیں۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو یہ ہماری عقل کی معراج ہوگی۔

قدرت نے ہم کو اچھے بُرے، صحیح، غلط، سچ اور جھوٹ کو سمجھنے کی صلاحیت دی ہے۔ ہم اپنی اس صلاحیت کا صحیح استعمال کر کے ایک روز عظیم اِنسان بن سکتے ہیں۔

—— گاندھی جی

بوریولی گارڈن کے ٹورسٹ پارک کے لئے بمبئی میونسپل کارپوریشن کی جانب سے ببر شیرنیا ایک بچہ بطور عطیہ دینے کی تقریب وزیر جنگلات شری آر۔جے۔ دیوتلے کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ پر لی گئی تصویر میں شری دیوتلے اور بوریولی کے میونسپل کاؤنسلر شری ناناصاحب پار شریمتی جوتسنا پاریکھ نظر آرہے ہیں۔ پنجرے میں ببر شیرنی "رانی" نظر آرہی ہے۔

❀

ببر شیر کا بچّہ "راجو" عمر گیارہ مہینے۔ جو بمبئی میونسپل کارپوریشن کی جانب سے بوریولی پارک کو بطور عطیہ دیا گیا۔

قومی پرندہ

آج سے تقریباً پندرہ سال پہلے جاپان کی راجدھانی ٹوکیو میں دنیا کے مختلف ممالک کا ایک بین الاقوامی اجلاس جانوروں کے تحفظ اور اُن کی نسلی بقا کے لئے منعقد ہوا تھا۔ اس جلسہ میں ہر ملک نے اپنے لئے قومی جانور کا انتخاب کیا۔ اسوقت بھارت نے قومی پرندے کی حیثیت سے "مور" کو منتخب کیا۔

مور بہت ہی خوبصورت پرندہ ہے۔ اس کے رنگ برنگے پَر، سر پر تاج، اس پر اِٹھلاکر ناچنا، یہ خوبیاں دوسرے پرندوں میں نہیں ہیں۔ اسی لئے اس کو پرندوں کا راجہ کہتے ہیں۔ یہ پرندہ صرف بھارت ہی میں ہوتا ہے، اس کے علاوہ کسی اور دیش میں نہیں ہوتا۔ اس بات کی کوشش کی گئی تھی کہ دوسرے ممالک میں بھی اس کی نسل کو پروان چڑھایا جائے، لیکن اس میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

مور کا ایک تاریخی کردار ہے۔ مشہور شاعروں نے اپنی تاریخی نظموں میں خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً کالی داس نے اپنے مشہور زمانہ ڈرامہ "شکنتلا" میں جہاں کہیں بھی دکھ درد کا ذکر کیا ہے وہاں مور کا کردار پیش کیا ہے مثال کے طور پر ایک منظر میں وہ بتاتے ہیں کہ شکنتلا کی شادی ہوئی ہے، اب وہ اپنے باپ سے بچھڑ رہی ہے اور اپنے شوہر کے ساتھ سسرال جا رہی ہے۔ اس وقت کے دکھ اور غم کو انھوں نے اس طرح پیش کیا ہے کہ جنگل کے مور اداس ہو گئے ہیں، انھوں نے اپنے پَر سمیٹ لیے ہیں، اپنی گردنیں جھکالی ہیں اور اپنا ناچ بھول گئے ہیں۔ اسی طرح رشی والمیکی نے رامائن میں شری رامچندر کے بن باس کا ذکر کیا ہے تو لکھا ہے کہ بن کے سب مور اُداس ہوگئے ہیں، اُنھوں نے ناچنا بند کر دیا ہے اور اپنی دُموں کو بند کرکے بیٹھ گئے ہیں۔ پاربتی کو مور اتنا پسند تھا کہ اس نے اپنے شوہر کا نام نیل کنٹھ رکھا تھا۔ شری کرشن جی کو مور سے جو انسیت تھی اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت اپنے سر میں مور کا پر لگایا کرتے تھے۔ شاہجہاں نے تختِ طاؤس بنایا تھا۔

انہیں حقائق کی روشنی میں مور ہمارے دیش کا قومی پرندہ ہے۔

● ریاض آفندی

غزل

سختیٔ گردشِ ایام سے باتیں کی ہیں
بارہا قسمتِ ناکام سے باتیں کی ہیں

چشمِ ساقی پہ ہے توبہ شکنی کا الزام
بے خودی نے مری کیوں جام سے باتیں کی ہیں

تلخیٔ زیست ترے ناز اُٹھائے ہم نے
مسکرا کر غم و آلام سے باتیں کی ہیں

شبِ غم پُرسشِ غم کو نہیں آیا کوئی
بے کسی نے دلِ ناکام سے باتیں کی ہیں

وحشتِ دل کا بُرا ہو، ترے دیوانے نے
ہجر کی رات در و بام سے باتیں کی ہیں

ہمکلامی کا شرف حسن سے مجھ کو نہ مِلا
عشق سے عشق کے انجام کی باتیں کی ہیں

ترے عارض تری زلفوں کا تصور کرکے
ہم نے اکثر سحر و شام سے باتیں کی ہیں

ہجر میں تیرے، مری گریہ و زاری سُن کر
چاند تاروں نے در و بام سے باتیں کی ہیں

بعد مدت کے تری فکرِ رسا نے آزاد
آج پھر شاعرِ گمنام سے باتیں کی ہیں

آزاد نوحی تورڈیلوی
اَپر توڑیل — پہاڑ داسں گاؤں — ضلع قلابہ

جنگلی جانوروں اور پرندوں کی عجیب و غریب زندگی

جانوروں، خاص کر جنگلی جانوروں اور جنگلی پرندوں کے مطالعہ سے ہم بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ بعض جانور ہماری نظروں میں بدصورت ہوتے ہیں، بعض پرندوں کو ہم مصیبت قرار دیتے ہیں۔ لیکن چاہے وہ مصیبت ہوں یا بدصورت، ان کی زندگی کا مطالعہ نہ صرف ہماری معلومات میں اضافہ کرتا ہے بلکہ ہم میں یہ احساس بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ انسان اور حیوان کی زندگی میں کہاں تک مماثلت پائی جاتی ہے۔

عشرت امیر
کپاؤنڈ شادی لال
جی۔ٹی۔ روڈ، ایٹہ (یوپی)

اب تک ہم یہ سمجھتے رہے ہیں کہ انسانوں میں زر، زمین، زن کے لئے لڑائی ہوا کرتی ہے لیکن جانوروں کیلئے زر کا سوال پیدا ہوتا ہے نہ زمین کا، چنانچہ اگر نر پرندے آپس میں لڑتے ہیں تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ مادہ کے لئے لڑتے ہیں، لیکن ایسا نہیں ہے۔ اب یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ یہ لڑائی مادہ کے لئے نہیں بلکہ کسی زمین کی ملکیت کے لئے ہوتی ہے۔

پرندہ اپنی جاگیر کی حد بندی اپنے گیت کے ذریعہ کرتا ہے۔ اگر اس کی جائداد محفوظ ہے تو اسے ایک تمیزدار دلہن حاصل کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی، چوپائے بو کی دنیا میں رہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ شیر ببر اور شیر اپنے حلقۂ اثر و رسوخ کی حد بندی اپنے پیشاب سے کرتے ہیں اور دریائی گھوڑے اپنی لید سے، اگر کوئی اجنبی اس سحر زدہ حلقے کے اندر آجائے تو اس کی شامت آجاتی ہے۔

یہ تو بہت سے لوگ جانتے ہوں گے کہ چیونٹیوں، دیمک اور شہد کی مکھیوں کی اجتماعی زندگی کتنی باسلیقہ ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر کسی دن بہار کے زمانے میں جب دھوپ خوب نکلی ہوئی ہو اور درخت پھولوں سے لدے ہوئے ہوں کوئی شہد کی مکھی وہ جگہ دیکھ لیتی ہے جہاں سے بہت سا شہد حاصل کیا جا سکتا ہے تو وہ اپنے چھتے پر واپس آکر دوسری مکھیوں کو یہ اطلاع دیتی ہے، دوسری مکھیاں بے تابانہ اس کے گرد جمع ہو کر مصروفِ رقص ہو جاتی ہیں۔ جب رقص ہو رہا ہوتا ہے تو خبر لانے والی مکھی اپنے انداز سے یہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ جگہ جہاں اس نے ہر طرف پھول ہی پھول کھلے

بھے ہیں ،کس طرف اور کتنی دور ہے ؟ پتہ معلوم ہوتے
ہچھتے کی مکھیاں شہد اکٹھا کرنے کیلئے چل پڑتی ہیں۔

باسلیقہ اجتماعی زندگی صرف کیڑے مکوڑوں ہی میں
ہیں بلکہ دودھ پلانے والے بڑے جانوروں مثلاً ہاتھیوں
نوں، چیتلوں، بندروں اور جڑی بوٹیاں کھانے والے
ےجانوروں میں بھی پائی جاتی ہے ، گوشت خور جانور
لےجیسے شیر ببر اور شیر جو بڑی محنت سے اپنے بچوں کو
کار کرنا سکھاتے ہیں ، باقاعدہ خانگی زندگی گذارتے ہیں۔
قیوں میں پیار صرف ماؤں تک محدود نہیں ہے ، اکثر
یاں اور خالائیں اپنے بھتیجے بھتیجیوں اور بھانجے
انجیوں سے شفقت کے ساتھ پیش آتی ہیں اور بڑی
حتیاط کے ساتھ ان کی دیکھ بھال کرتی ہیں ، یہاں تک
اگران بچوں کی مائیں اپنے کسی بچے سے اسی کی غلطی
، بناء پر ناراض ہوجاتی ہیں تو وہ ان ماؤں کی ناراضگی
، بھی پروا نہیں کرتیں ۔

بھیڑیوں کے گروہوں کا مشاہدہ کرنے والوں نے
فصیلاً ذکر کیا ہے کہ ان کی برادری کے ارکین درجہ
بہ درجہ بزرگوں کے ساتھ کیسی عقیدت اور احترام کے
ساتھ پیش آتے ہیں۔ سر کا خم کر دینا ، کان نیچے کر دینا ،
م کا زاویہ بدل دینا یہ سب نوعِ انسانی کے کسی شاہی
ربار کے پیچیدہ تکلفات کی طرح مسلّمہ آدابِ محفل نظر
آتے ہیں ۔

پرندوں اور چرندوں میں اپنے قبیلے یا بچوں کی خاطر
قربانی کے جذبے کی شاندار مثالیں ملتی ہیں ۔ ایک قصہ اس
سلسلہ میں ملاحظہ فرمائیے۔ ایک مرتبہ شام کے وقت
بندروں کا ایک غول بڑے نظم و ضبط کے ساتھ اپنی
آرام گاہ کی طرف جارہا تھا کہ ان کے آگے آگے دو
عمر رسیدہ بندر تھے ، جو گویا قافلہ کے رہبر کے فرائض
انجام دے رہے تھے ، ناگاہ ان کی نظر ایک تیندوے
پر پڑی جو دبے قدموں ان کی طرف بڑھ رہا تھا ۔ اگر
تیندوا اس غول پر حملہ کرنے میں کامیاب ہوجاتا تو
نہ صرف وہ کئی بندروں کو مار ڈالتا بلکہ بہت سے اس
بھگدڑ میں اپنی جانیں گنوا بیٹھتے ۔ لیکن دونوں عمر رسیدہ
بندر آہستہ آہستہ پیچھے مڑ کر تیندوے پر جو اپنی نظریں
غول پر لگائے ہوئے تھا جھپٹ پڑے ، اور بڑے
وحشیانہ طور سے اس کی گردن پر جگہ جگہ کھاٹ کھایا ۔
تیندوے نے اپنے دو ہی تھپڑوں میں ان کا کام تمام
کر ڈالا ، لیکن زخموں کی تاب نہ لاکر خود بھی مرگیا ۔ اسطرح
غول کے باقی بندر بخیر و عافیت اپنی منزل پر پہنچ گئے ۔

ایک عظیم فرانسیسی ادیب مچلکے نے کہا ہے "پرندے
اس زمین پر اس حالت میں بھی رہ سکتے ہیں جب یہاں
آدمی بالکل نہ ہوں ، لیکن پرندوں کے بغیر آدمی نہیں
رہ سکتا ۔"

شاید یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہو کہ ہم خوراک
اور بہت سی دیگر چیزوں کیلئے مکمل طور پر حیواناتی اور نباتاتی
دنیا پر انحصار رکھتے ہیں ۔

بعض پرندے اپنی مادہ کو رجھانے کے لئے جو
انداز اختیار کرتے ہیں وہ بہت دلچسپ اور پُرلطف
ہوتا ہے ، مور کا اپنے خوش نما پروں کو پھیلا کر رقص
کرنا خاص طور سے نہایت دلفریب منظر ہوتا ہے ۔

بعض جانوروں کی سونگھنے کی حس بڑی تیز ہوتی ہے
کتے کو اس سلسلہ میں خصوصیت حاصل ہے ۔ چنانچہ
پولس بھی مجرموں کی کھوج لگانے کے لئے کتے استعمال
کرتی ہے ، یہ کتے مجرم کے کسی کپڑے کو سونگھ کر یا اسکے
پاؤں کے نشانات کو سونگھ کر اکثر پولس کو مجرم تک
پہنچا دیتے ہیں ، چاہے وہ مجرم کہیں بھی چھپا ہوا ہو ۔ پرندوں
کی نظر بھی بہت تیز ہوتی ہے ۔ مشاہدہ سے پتہ چلا ہے کہ
ایک ابابیل جو چالیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اُڑی جا
رہی ہو ، سو گز دور مچھر کو دیکھ لیتی ہے ۔ ایک عقاب
تین سو فٹ کی بلندی سے ایک چوہیا کو دیکھ سکتا ہے ۔
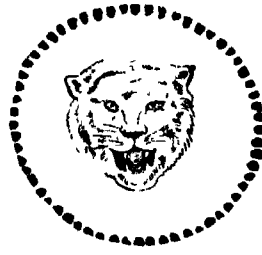
جانوروں اور پرندوں میں بلا کی دوسری صلاحیتیں
ہوتی ہیں ، چمگادڑ باقاعدہ ایک صوتی نظام رکھتی
ہے ۔ وہ ایسی آوازیں نکالتی ہے جو انسانوں کو
سنائی نہیں دیتیں ۔ مگر ان آوازوں کی گونج سے
کیڑے اُچھلتے ہیں ، اور چمگادڑوں کو ان کا ٹھکانہ
معلوم ہوجاتا ہے ۔ وہ گھُپ اندھیرے میں اپنے
شکار پر اس طرح جھپٹتی ہیں کہ کیا مجال نشانہ خطا
ہو جائے ۔ اس کے ساتھ ہی وہ دیواروں اور دوسری
رکاوٹوں سے یہاں تک کہ کسی تاریک کمرے میں پھیلے ہوئے
نازک تاروں کے بیچ سے صاف بچ کر نکل جاتی ہیں
وہ اکثر کافی تیز چلتے ہوئے پنکھے کے پروں کے بیچوں
بیچ اُڑتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں لیکن زخمی نہیں ہوپاتیں۔

نقلِ مکانی کرنے والے پرندوں میں رُخ اور
سمت کا گہرا شعور پایا جاتا ہے ، بطخیں اور ہنس
ہزاروں میل کی مسافت طے کرکے اپنی نسل کشی
کی جگہوں پر پہنچتے ہیں ، اور اکثر وہ سال بہ سال
اس جگہ آتے ہیں ۔

قدیم مشرقی فکر و نظر نے تمام زمینی زندگی کے
اتحاد پر ہمیشہ زور دیا ہے ، سائنس کی پیش قدمی
ہمیں رفتہ رفتہ اس نقطے پر واپس لارہی ہے ۔ ہمارے
ملک میں اپنے جانوروں اور چرند و پرند کو تباہی
سے بچانے کی مہم کو جاری ہوئے دس سال سے
زیادہ عرصہ ہوگیا ہے ۔ خطِ سرطان کے جنوب میں
واقع برّاعظم افریقہ کے بعد ہندوستان جانوروں
اور پرندوں کی انواع و اقسام کے اعتبار سے دنیا کے
تمام ملکوں سے زیادہ مالا مال ہے ، لیکن اگر انکی زندگی
اور دیکھ بھال کی طرف توجہ نہ دی گئی تو وہ وقت
دور نہیں کہ جب ہم اور آنے والی نسلیں قدرت کے ان
عجوبوں سے محروم ہوجائیں گی ۔

ہندوستان میں اب اس طرف خصوصی توجہ دی جارہی
ہے ، ہر سال جنگلی جانوروں کا ہفتہ اسی غرض سے منایا
جاتا ہے ۔ ہر سال جنگلی جانوروں کی پناہ گاہیں اور قومی
پارکوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے ۔ ●●

"ناگ زیرا مامن" ـــــ بہترین قومی پارک

ضلع بھنڈارہ میں واقع ناگ زیرا مامن کو مہاراشٹر حیوانات صلاح کار بورڈ کے اراکین نے درجہ میں بہترین قومی پارک قرار دیا ہے۔ انھوں نے اس خطّہ میں جنگلی جانوروں کے مختلف مامن کا دورہ کیا اور یہ سفارش کی ہے کہ ۱۹۷۵ء سال کا انعام "ناگ زیرا مامن" کو دیا جائے۔

انہوں نے دورے کے دوران چیتل اور بسن وغیرہ کے غول دیکھے نیز ایک تیندوا دیکھا۔ انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ناگ زیرا قومی پارک کو ترقی دے کر ایک بڑا مامن بنایا جاسکتا ہے۔

مامن کا دورہ کرنے والی جماعت کے اراکین کے نام یہ ہیں: ڈاکٹر پی۔ جے دیورس؛ شری سلیم علی، ماہر طیور؛ شری دھرمیندر کمار سنہہ جی، ماہر حیوانات اور شری ایل۔ ایچ۔ رنگو، ریاست کے نگران حیوانات۔

بہار میں تین سال تک شکار کی ممانعت

پٹنہ کی ایک حالیہ خبر کے مطابق حکومت بہار نے مہاتما مہاویر کی ۲۵۰۰ ویں جینتی کے سلسلے میں ریاست بھر میں تقریباً تین سال یعنی ۱۵ ر نومبر ۱۹۷۸ء تک شکار کی ممانعت کردی ہے۔

یہ قدم ریاست میں ظالم شکاریوں کی گولیوں سے جنگلی جانوروں کو بچانے کے لئے گذشتہ ۶ ر اکتوبر سے منائے گئے "۲۱ ویں ہفتۂ حیوانات" کے موقع پر اٹھایا گیا تھا۔

بہار کے وزیر جنگلات اور قبائلی بھلائی، شری تھیوڈورے بودرا نے ریاست کے لوگوں سے اپیل کی ہے کہ وہ جنگلی جانوروں کی حفاظت کے لئے حتی المقدور کوشش کریں۔

ریاست کرناٹک میں شیروں کی حفاظت کی اسکیم

سرکاری ذرائع کے مطابق بندی پور، ضلع میسور (ریاست کرناٹک) کے مامن میں ۱۶ ر مارچ ۱۹۷۳ء کو شیروں کی حفاظت کی اسکیم (Project Tiger Scheme) جاری کی گئی تھی۔ اس کے باعث یہاں شیروں کی آبادی دوگنی ہوگئی ہے۔

پہلے یہاں شیروں کی تعداد ۱۷ تھی جو اب ۳۴ ہوگئی ہے۔ اس طرح ریاست میں شیروں کی تعداد ۱۵۰ ہوگئی ہے جو پہلے اندازاً ۱۳۰ تھی۔

جانوروں سے حُسنِ سلوک

- گائے، بیل اور گھوڑا انسان کی خدمت کرتے ہیں۔ آپ ان کو کم خوراک مت دیجئے۔
- گائے بھینس اور بکری کے تھن سے اتنا بھی دودھ مت نکالئے کہ اس کے بچے کو پینے کے لئے دودھ کا ایک قطرہ بھی نہ ملے۔
- کسی بیمار جانور سے لاپروائی مت برتیئے۔
- جانوروں کو پہچاننے کے لئے ان پر شناختی داغ مت لگائیے۔
- جانوروں سے اتنا ہی کام لیجئے جتنی کہ ان میں کام کرنے کی سکت ہو۔
- اپنے شوق کے لئے بے ضرر جانوروں کا شکار مت کیجئے۔
- اپنے گھروں کے سامنے خوبصورت لٹکے ہوئے پنجروں میں پرندوں کو دیکھنے کی بجائے انھیں آزادی سے اُڑتے اور چہچہاتے ہوئے دیکھنا پسند کیجئے۔
- پیاسے جانوروں کو پانی پلائیے۔
- جانوروں کو نعل لگوائیے، نعل لگوائے بغیر ان سے کام مت لیجئے۔
- کتے، بلی اور دیگر پالتو جانوروں کو بے رحمی سے مت ماریئے۔

• ریاض آفندی

ولی اللہ مہر سروش یزدانی
روڈ ایم۔ ایس۔ لونار، ضلع بلڈانہ

من کے کنارے

آؤ تو سرِ شام کبھی من کے کنارے
پاؤ گے ہر اک سمت فسوں کار نظارے
رقصاں ہیں کہیں اور کہیں گاتے ہوئے دھارے
کرتے ہیں اشاروں ہی اشاروں میں اشارے
بہتی ہوئی موجوں پہ شفق عکس فگن ہے
جیسے کسی آئینہ پہ ہوں خون کے دھارے
منھ دھوتی ہیں ہر صبح کو خورشید کی کرنیں
راتوں کو نہاتے ہیں یہاں چاند ستارے
دیکھا جو خراماں سرِ ساحل کوئی مہرو
پاؤں چومنے آنے لگے ٹوٹے ہوئے تارے
یہ آبِ رواں ہے، کہ ہے آئینۂ خورشید
یہ بوندیں ہیں اسکی یا ہیں مہتاب کے پارے
ساحل پہ فضاؤں میں حسینوں کے ہیں آنچل
یا قوسِ قزح کے ہیں یہ بکھرے ہوئے پارے
کیوں دیکھ کے بے تاب نہ ہو نطقِ گہر بار
کرنوں کی قباؤں میں ہیں شاداب نظارے

ہر سمت فضاؤں میں دھندلکوں کی جبیں پر
انوار منقش ہیں، تقدس کے ہیں دھارے

لہ من ودربھ کی مشہور ندی ہے جس سے ہزاروں ایکڑ زمین سیراب ہوتی ہے اور لاکھوں گھروں میں اُجالا ہوتا ہے۔

رام پرکاش راہی
۱۰/۱۰ سی، قدوائی نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۳

سردار پٹیل - ایک تاثر

برنائیٔ فراست کی نگاہوں سے عیاں تھی
فولاد کا کردار تھا حاکم کی زباں تھی
وہ ثابت و سیّال تھا اُس طرزِ عمل کا
آزادی کی پیکار کی جو روحِ رواں تھی
کیا پیرِ مجرّد کی شباہت تھی یقیناً
اِک روحِ توانائیٔ مجسّم میں جواں تھی
سردارِ حقیقی وہ محافظ تھا وطن کا
حکمت کی لچک اس کیلئے وجہِ زیاں تھی
ماتھے کی شکن، ماضیٔ رفتہ کے فسانے
آنکھوں کی چمک کل کے مقدر کا نشاں تھی
ظاہر کی درشتی میں سیاست کے تقاضے
سینے میں دلِ نرم کی توفیق نہاں تھی
قدروں پہ رکھیں اس نے حکومت کی اساسیں
جمہور کو آسودگیٔ امن و اماں تھی
اربابِ ریاست کو سیاست سے سنبھالا
تنظیم کے ہاتھوں میں تسلّط کی عناں تھی
تخریبی عناصر کے لئے مرگِ مفاجات
وہ ابروئے پیچاں جو جسارت کا نشاں تھی
جس کام کو ہاتھوں میں لیا کر کے دکھایا
وہ جرأتِ تکمیل رفیقوں میں کہاں تھی
بے وقت اُسے چھین لیا موت نے ہم سے
تھی کونسی حکمت جو تجاوز میں نہاں تھی
اے شومیٔ تقدیر کے خود ساختہ کاتب
خوش ظرفی تری ہند کے حصے میں کہاں تھی
اُس روحِ مقدس کو سراسیمہ نہ کرنا،
زنجیرِ تناسخ کی کڑی کتنی گراں تھی

سروجنی نائیڈو کی شخصیت

سری نیواس لاہوٹی
انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش
اردو ہال، حمایت نگر، حیدرآباد ۲۹

سروجنی نائیڈو کا وجود ہماری تہذیب و تمدن کا ایک بیش بہا سرمایہ تھا جو حیدرآباد نے ہندوستان کو اور ہندوستان نے دوسرے متمدن ممالک کو دیا۔ ہم حیدرآبادیوں کے لئے یہ فخر کچھ کم نہیں ہے کہ حیدرآباد کے طبقۂ نسواں میں ایک ایسی بین الاقوامی شخصیت پیدا ہوئی جس نے نہ صرف اپنی شاعری کے سحر طراز نغموں بلکہ ملک و ملت کے لئے اپنی جانبازیوں اور قربانیوں سے ہندوستان کی تاریخ میں ایک لازوال شہرت حاصل کرلی ۔۔۔ سروجنی دیوی کی بین الاقوامی شخصیت ہندوستانی طبقۂ نسواں کے لئے عالمگیر پیام تھی ۔۔۔ خاص طور پر وہ ایک ایسے طبقہ کی نمائندہ تھیں جو آج صدیوں کی گہری نیند کے بعد بیدار ہورہا ہے ۔ جب خود ایسے طبقے کی کوئی شخصیت ہمہ تن ایک پیام بن جاتی ہے تو وہی اس کی عظمت کا صحیح پیمانہ ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں سے ملتیں اور قومیں انسانوں کی برادری میں آبرو پاتی ہیں۔

اُنیسویں صدی عیسوی کے آخری تیس سال کا زمانہ ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں ۱۸۵۷ء کی تباہی کے بعد عوام کی بیداری کا ابتدائی زمانہ تھا اور اسی زمانے میں ہندوستان کی بعض نامور ہستیوں نے جنم لیا۔ ان میں سے ایک سروجنی نائیڈو بھی تھیں ۔ نوجوان سروجنی نے زندگی کا پہلا نظارہ شعر و ادب کے فطری آئینے میں کیا ۔ اس وقت انھوں نے دنیا کو جس نظر سے دیکھا وہ پھولوں کی خوشبو اور قوس قزح کی رنگینی سے معمور تھی۔ لیکن زندگی کا یہ عبوری دور بہت جلد گذر گیا اور ان کے اندر ایک ایسا آتش خانہ روشن ہوا جس نے اپنا ناطہ زندگی کی عریاں حقیقتوں سے جوڑلیا اور اس کے بعد سے سروجنی کے افکار نے آسمانوں سے اُتر کر اپنے وطن کی اس خاک پر قدم رکھا جو اہلِ وطن کی آبرو کے خون سے آلودہ تھی ۔ سروجنی نے اپنی روح کو ملک کے حوالے کردینے کے بعد کسی وقت بھی اس سے پہلوتہی نہیں برتی بلکہ ہر امتحان کی آگ میں تپ کر ایسا جوہرِ خالص بن گئیں کہ اہلِ وطن نے ان کے سر پر کانگریس کی صدارت کا تاج رکھا۔ یہ دور وہ تھا جب قومی سپاہیوں کی نظر میں سروجنی کو بڑی بہن اور ماں کا مقام حاصل تھا اور یہ مقام مسز نائیڈو کو صرف اس لئے حاصل ہوسکا کہ ان کی شخصیت میں بڑی کشش تھی اور جو کوئی بھی ان کے حلقۂ اثر میں آجاتا اس کے لئے ناممکن تھا کہ وہ اس سے کترا کر چلا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ جب فرقہ واری تعصبات کی بے پناہ آگ میں وطن پرستی کا چہرہ بُری طرح جھُلسا جارہا تھا اس وقت بھی سروجنی نائیڈو اپنے خیال اور عمل کی دنیا میں اسی چٹان پر قدم جمائے رہیں جہاں وہ پہلے دن سے اپنی غیر مشروط وطن پرستی کا جھنڈا گاڑے کھڑی تھیں ۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ فرقہ واری فتنہ انگیزی کے اس طوفانی زمانے میں بھی وہ کبھی متزلزل نہیں ہوئیں اور یہی چیز ان کے کردار اور شخصیت کو لافانی بناتی ہے حالانکہ اس فرقہ واری سیلاب میں بہت سے لیڈروں کی قیادت کے جہاز ٹوٹے ہوئے تنکوں کی طرح سے موجوں کے حوالے ہوگئے۔ اور جب ہماری قومی تحریک سامراجیوں سے سمجھوتہ بازی پر اُترآئی تو سروجنی کی آواز مدھم پڑگئی اس لئے کہ کانگریس کو صرف برطانوی سامراج سے لڑنے کیلئے فرقہ واری اتحاد کی ضرورت تھی اور اس سے ہٹ کر کانگریس نے فرقہ وارانہ اتحاد کے تصوّر کو ایک قومی مسئلہ کی حیثیت سے حل کرنے کی کوئی کامیاب کوشش نہیں کی ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ ہمارا قومی اتحاد پارہ پارہ ہوگیا تھا اور ہماری قومی تحریک اپنے دیوالیہ پن کا ثبوت دے کر سرمایہ پرست لیڈروں کی فرقہ پرستی کے قلعوں میں محصور ہوگئی تھی ۔ اس دور میں مسز نائیڈو ہماری قومی تحریک پر کوئی اثر تو نہیں ڈال سکیں لیکن انھوں نے اپنے قریب ہمیشہ ایک چھوٹی سی بزم سجائے

ں میں ہندو اور مسلمانوں کی شرمناک تفریق کا وجود نہیں تھا - یہ بڑی دردناک حقیقت ہے کہ ے قومی رہنما جیسے جیسے ترقی کی منزلیں طے کرتے ان کی خانگی مجلسیں بھی اسی مناسبت سے تنگ ہدود ہوتی گئیں- لیکن سروجنی نائیڈو کے یہاں ان دگی کے آخری دور میں بھی ادیبوں' شاعروں' روں اور دوسرے لوگوں کا بلا امتیاز مذہب و ملت ا لگا رہتا تھا اور یہ سب کچھ ان کی زندگی کی آخری توں تک صرف اس لئے باقی رہ سکا کہ وہ جو کچھ ں کرتی تھیں بلا خوف تردید اس کا اظہار کر دیا تھیں - اس کا ثبوت ہمیں " زوالِ حیدرآباد" کے بعد کے ایک بیان سے ہوتا ہے جس میں انھوں نے آبادیوں سے خطاب کرتے ہوئے ان کی حمیت کو ا تھا- یہی وہ نکتہ ہے جہاں بڑی بڑی ہستیاں خاتون مشرق کی معترف ہو جایا کرتی تھیں۔

یہاں پر میں ایک ایسے واقعہ کا ذکر کرنا چاہتا ، جو مرحومہ کی متاثر کن شخصیت پر روشنی ڈالتا ہے ا ۱۹۴۵ء میں انگریز سامراجیوں نے اپنے مفادات بان بین کرنے اور ہندوستان کے حالات سے واقف سامراجی نقطۂ نظر سے ایک کتاب لکھنے کے لئے انگریز مصنف کو ہندوستان بھجوایا تھا- جب یہ ں ہندوستان کے سفر سے واپس اپنے وطن پہنچا تو کے ایک دوست نے دریافت کیا کہ اس نے ہندوستان لیا دیکھا اور کن کن سے ملاقاتیں کیں تو اس انگریز نف نے ایک لمبی چوڑی فہرست اپنے دوست کے نے پیش کی لیکن وہ یہ کہنا بھول گیا کہ وہ سروجنی ڈو سے بھی ملا تھا - مصنف کے دوست نے جواب کے بعد کہا کہ اگر تم نے ہندوستان میں صرف یہی اور انھیں لوگوں سے ملے ہو تو پھر تم نے ہندوستان کچھ بھی نہیں دیکھا- وہ تعجب سے پوچھنے لگا ں ؟ دوست نے کہا کہ اگر تم نے مسز سروجنی ڈو سے ملاقات نہیں کی ہے تو گویا تمہارا یہ سفر ا رہا ہے اس لئے کہ کانگریسی قائدین میں اس راج

وقت وہ تنہا جیل سے باہر تھیں- انگریز مصنف نے فوراً جواب دیا کہ " میں تو ان سے دو بار ملا ہوں - بمبئی اور حیدرآباد میں !" اس جواب کو سن کر اس کے دوست نے کہا کہ " ہاں — تب تو تمہاری سیاحت مکمل ہو گئی "۔ مصنف نے مسز نائیڈو سے اپنی ملاقات کا حال یوں بیان کیا کہ جب میں پہلی دفعہ بمبئی میں سروجنی نائیڈو سے ملا تو ان کی گفتگو سے یہ محسوس ہوا کہ گویا میں کسی بڑے انقلابی سیاست داں سے گفتگو کر رہا ہوں لیکن جب میں دوبارہ حیدرآباد میں ملا تو اس کے برعکس اثرات مجھ پر مترتب ہوئے - میں ان سے گفتگو کرتے ہوئے یہ محسوس کرنے لگا کہ میں عہد ماضی کے کسی بہت بڑے یونانی فلاسفر سے باتیں کر رہا ہوں اور اس وقت مجھے سروجنی نائیڈو کی شخصیت نے اس قدر متاثر کیا کہ میں اس ملاقات کو مدت العمر نہیں بھول سکتا -

اس واقعہ کو لکھنے کی ضرورت محض اس لئے پیش آئی کہ یہ ایک ایسے شخص کے خیالات ہیں جو مس راتھبون کا ہم خیال تھا اور سامراجیوں نے اسے یہاں اس لئے بھیجا تھا کہ وہ مس میٹو کی طرح سے ہندوستان کا حال لکھے - اس انگریز مصنف نے باضابطہ طور پر ہندوستان سے متعلق کوئی کتاب تو نہیں لکھی البتہ ایک زمانے تک اپنے تاثرات کو جو سامراجی مکتب خیال سے بہت ہی مختلف تھے لندن کے اخبارات میں پیش کرتا رہا - اپنے ایک مضمون میں جو لندن کے ایک بااثر روزنامہ میں شائع ہوا تھا ایک جگہ اپنے ملک والوں سے اپیل کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ میں ہندوستان اس لئے بھجوایا گیا تھا کہ ہمارے ملک کے جمہوری نقارچیوں کا ہمنوا ہو کر ان کی طرح سے ہندیوں کے جذبۂ آزادی کو کچلنے کے لئے اپنی توانائیوں کو صرف کردوں مگر جب میں نے اپنی آنکھوں سے ہندوستان کی غربت' افلاس اور سیاسی زبوں حالی کو دیکھا اور مسز سروجنی نائیڈو جیسی باعزت لیڈروں کی زبان سے وہاں کے حالات معلوم کئے تو میں اس سے اتنا متاثر ہوا کہ اب میں اپنے ضمیر کی آواز کے خلاف

انگلستان کے حکمران طبقے کے اس طرز عمل کی تائید نہیں کر سکتا جو انہوں نے ہندوستان سے متعلق روا رکھا ہے۔

اس دلچسپ اور بصیرت افروز واقعہ کو پڑھنے کے بعد صحیح معنوں میں اس بات کا اندازہ ہو سکے گا کہ قوموں کی حقیقی تعمیر ایسے ہی افراد کے ہاتھوں ہوا کرتی ہے جیسی کہ سروجنی نائیڈو کی شخصیت تھی- ان لوگوں پر جنھوں نے محترمہ کی زندگی کو قریب سے دیکھا تھا اور اسے سمجھنے کی کوشش کی تھی ان پر یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ محترمہ کی خانگی اور سیاسی زندگی میں کوئی فرق نہیں تھا- وہ سیاسی پلیٹ فارم پر بھی وہی بات کہتی تھیں جو خانگی ملاقاتوں میں ایک ملنے والے سے کہا کرتی تھیں - خانگی اور پبلک زندگی میں اختلافات اسی وقت پیدا ہوا کرتے ہیں جب کہ سیاست ایک پیشہ ایک تفریح اور دفع الوقتی ہو- لیکن جہاں سیاست زندگی کا ایک اہم ترین عنصر بنکر کسی فرد کی شخصیت میں سرایت کر گیا ہو تو یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اختلافی شکل اختیار کرے اور یہی وہ چیز ہے جو سروجنی نائیڈو کی شخصیت میں پائی جاتی تھی۔

آج سروجنی نائیڈو ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن وہ اپنی مصروف اور باعمل زندگی میں قربانی' ایثار اور قومی اتحاد کی جس شمع کو روشن کر گئی ہیں اسی روشنی کے سہارے ہندوستانی عوام کا قافلہ ترقی کی منزلیں طے کرتا ہوا اپنی متعین کی ہوئی منزل کی طرف بڑھتا چلا جا رہا ہے ۔

●●

قلمی معاونین : اپنی تخلیقات کے حاشیہ پر یا پشت پر اپنا مکمل پتہ ضرور تحریر فرمائیں- قلمی نام کے ساتھ اصل نام بھی درج فرمائیں - نا طلبیدہ مضامین کی ایک نقل اپنے پاس ضرور رکھیں

*

عندلیبِ نیل

اُمّ کلثوم

۳ فروری کی شام تھی اور سوگوار عرب اور باقی گستاخ کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا جو قاہرہ کی وسیع و عریض تاریخی شاہراہوں پر اُمنڈ آیا تھا۔ اس دن مصر کا بازار حضرت یعقوب کے ویران دل کی طرح سنسان پڑا تھا، اور نہ صرف مصر کا بازار بلکہ دمشق کے ایوان، بغداد کے محلات اور کتنے ہی گلیاں بھی ویران اور اداس تھیں۔ عندلیب نیل اُمّ کلثوم کی ناگہانی موت نے سارے عالم عرب کو تڑپا دیا۔ چار سال قبل ہر دلعزیز صدر جمال عبدالناصر کی موت کے بعد یہ عرب دنیا کا دوسرا ناقابلِ تلافی نقصان تھا۔ عرب بادشاہوں اور سربراہوں نے تعزیتی پیغام بھیجے، فضائی سروسوں نے فاضل طیارے مہیا کیے۔ سیکڑوں ٹرینوں کا بے پناہ ہجوم، گویا ہر سڑک اس دن قاہرہ جا رہی تھی۔ دس لاکھ کا جمِ غفیر ایک جنونی کیفیت میں اس بے مثال اور محبوب ترین مغنیّہ اور ساحرہ کو الوداع کہہ رہا تھا جس کے لافانی نغمے عرب قوم کے مزاج کا ایک جزو بن چکے ہیں۔ بنی نوع انسان کی کل تاریخ میں آج تک کسی فنکار کو اتنا زبردست اعزاز اور بے پایاں خراجِ عقیدت نصیب نہیں ہوا۔

فاطمہ بنتِ ابراہیم (اُمّ کلثوم) دریائے نیل کے ڈیلٹا پر واقع ایک گمنام اور چھوٹے سے گاؤں "طمای الزہایرہ" میں آج سے تقریباً ۷۷ سال قبل ایک مفلوک الحال گھرانے میں پیدا ہوئی۔ اس کے والد شیخ ابراہیم سیّد دیہات کی چھوٹی سی مسجد کے پیش امام اور ایک متقی اور خدا ترس آدمی تھے۔ گھر کا سارا ماحول دینداری اور تشرّع میں ڈوبا ہوا تھا۔

ایک روز ننھی فاطمہ اپنے گھر کے چھوٹے سے آنگن میں کھیلتے ہوئے زور زور سے کچھ گا رہی تھی۔ والد جو باہر کسی ضرورت سے جانے کے لئے نکلے تھے اپنی پانچ سالہ بچّی کو گاتے سُن کر رُک گئے۔ اس وقت وہ ایک دینی نظم جو اس کا بڑا بھائی خالد ہمیشہ لہک لہک کر گایا کرتا تھا، اپنے معصوم انداز میں گا رہی تھی۔ والد نے اچانک آگے بڑھ کر فاطمہ کے سر پر دستِ شفقت رکھا اور پوچھا کہ آیا خالد نے اسے کوئی اور نظم بھی سکھائی ہے۔ ننھی اُمّ کلثوم اچانک اس طرح پکڑے جانے پر گھبرا گئی۔ والد نے اس کا حوصلہ بڑھایا اور تب انھیں معلوم ہوا کہ اس ننھی بچی کو ان گنت نظمیں، گیت اور قصیدے یاد ہیں جنھیں وہ بڑی دلکش اور سُریلی آواز میں گایا کرتی ہے۔ اس گاؤں میں اکثر ترنّم اور نظم خوانی کی محفلیں ہوا کرتی تھیں جیسا کہ سارے مصر میں یہ ایک عام دستور تھا۔ ان محفلوں میں خالد نمایاں طور پر حصّہ لیا کرتا تھا۔ اس بار والد نے اصرار کیا کہ خالد کی بجائے اُمّ کلثوم اپنی نظم سنائے، اس کے عوض انھوں نے اسے ایک بڑا کیک دینے کا وعدہ کیا۔ اس شام اس گاؤں کی باذوق محفل نے ایک نئی آواز سنی، پانچ سالہ مغنیّہ نے ایک سماں باندھ دیا، ایک جادو جگا دیا اور لوگ انگشت بدنداں رہ گئے۔ یہ اس عظیم مغنیّہ کی فنّی اور غنائی زندگی کا پہلا آغاز تھا۔

اس کے بعد اُمّ کلثوم کی شہرت آس پاس کے دیہاتوں اور قریوں میں ہونے لگی اور وہاں کی محفلوں میں اسے مدعو کیا جانے لگا۔ محفل کے اختتام پر اسے ایک روپیہ انعام کے طور پر دیا جاتا۔ پہلی جنگِ عظیم سے

عرفان شرف
۸۳- نظام پور- بھیونڈی- ضلع تھانہ

ستانی روپیہ جو خالص چاندی کا سکہ ہوتا
ر قیمت میں ساڑھے سات مصری قرش
محفل کے اختتام پر گاؤں کا کوئی شخص
ہے پر اٹھا کر گھر لے آتا۔ اس وقت میری
ڈوبی ہوتیں، لیکن روپیہ میں مضبوطی سے
ے ہوتی۔ جب میں گھر پہنچ جاتی اور میری
پر لٹاتیں تو میں آنکھیں کھول دیتی اور
اتی، اور روپیہ ان کے ہاتھ میں تھمادیتی"
لثوم کی شہرت اور مقبولیت میں بتدریج
گا۔ اور ساتھ ہی ساتھ ان کے گیتوں کا
سے پچاس اور پچاس سے ڈیڑھ سو ہوگیا۔
کے وقت کی یعنی آج سے گویا نصف
ت ہے۔ (آج سے دو سال قبل جب
اپنے باقاعدہ ریٹائرمنٹ کا اعلان کیا
ی ایک نشست میں گانے کا معاوضہ
ار روپئے تھا)۔
ء میں جب امّ کلثوم کی عمر بائیس سال
ے پہلی بار قاہرہ کا دورہ کیا۔ اس وقت
، بیشتر قریوں اور قصبوں میں گھوم چکی
دروں میں زیادہ تر مسافت خچر کی پیٹھ
۔ ان کے والد ابراہیم اور بڑے بھائی
یک سفر ہوتے تھے۔ خچر صرف ایک
نوں باری باری اس پر سواری کرتے تھے
بھی تو کمسن مطربہ خچر پر سوار ہوتی اور
س کا والہانہ استقبال کرتے۔ پھر جب
ج ہوا اور بالخصوص جب تیسرا درجہ
تو خچر کی سواری ترک کردی گئی اور ریل
رجہ میں سفر کا آغاز ہوا۔ (پھر امتداد
تہ امّ کلثوم کی زندگی کے ڈبے بھی بدلتے
درجہ سے دوسرا اور پھر دوسرے سے
سکے بعد وہ صرف فضاؤں ہی میں اُڑتی

، عزّالدین بک کے محل میں امّ کلثوم نے

● ۱۹۴۹ء میں جب امّ کلثوم بیمار ہوئیں اور علاج کی غرض سے لندن گئیں تو برطانوی ڈاکٹروں نے ان کے حلق کا آپریشن کرنے کا فیصلہ کیا۔ انھیں شکایت یہ تھی کہ جب وہ بیٹھی ہوتی تھیں تب بھی انھیں محسوس ہوتا تھا گویا چل رہی ہیں۔ آپریشن کی صبح برطانیہ کے وزیرِ خارجہ نے مصری سفیر مقیم لندن سے فوری ملاقات کی اور انھیں بتایا کہ اس آپریشن سے اس بات کا امکان ہے کہ امّ کلثوم کی آواز متاثر ہوجائے اور اگر ایسا ہوا تو سارے مشرقِ وسطیٰ میں برطانیہ کے خلاف نفرت کا ایک طوفان اُٹھ کھڑا ہوگا اور اسلئے وزارتِ خارجہ اس ذاتی معاملہ میں مداخلت کر رہی ہے اور برطانوی ڈاکٹروں کو یہ ہدایت دے رہی ہے کہ وہ یہ آپریشن نہ کریں۔ آخرکار برطانوی ڈاکٹروں کو باوجود اس مداخلت پر سخت اعتراض ہونے کے، سرکار کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے اور برطانوی وزیرِ خارجہ نے پارلیمان میں اس قیامت کے ٹل جانے کی خوشخبری دی۔

● ۱۹۵۳ء میں جب وہ دوبارہ علیل ہوئیں، تو صدر جمال عبدالناصر نے امریکی سفیر کے ذریعہ حکومتِ امریکہ سے ان کے علاج کی سہولت کے لئے درخواست کی اور حکومتِ امریکہ نے اسرکاری طور پر ان کا علاج امریکن نیوی کے اس مخصوص شفا خانہ میں کروایا جہاں صرف اعلیٰ ترین حکّام اور سربراہوں کا علاج کیا جاتا ہے۔ قاہرہ سے روانگی کے وقت نائب صدر انور سادات نے انھیں رخصت کیا اور مصری سفیر احمد حسین ان کے ساتھ ساتھ رہے۔

اپنا پہلا پروگرام دیا۔ اس محفل میں گانے کا معاوضہ انھیں تین سو قرش معہ ایک طلائی انگشتری کے ملا۔" میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار سونا دیکھا"۔
۱۹۲۱ء میں وہ پھر قاہرہ آئیں۔ اس بار اُن کے قاہرہ آنے کا سبب مصر کے مشہور مطرب و فنکار شیخ ابوالعلا تھے۔ شیخ ابوالعلا کے ریکارڈ امّ کلثوم نے اپنے پہلے دورہ قاہرہ میں سُنے تھے اور وہ انھیں اب تک مرحوم تصوّر کیا کرتی تھیں۔ ایک روز اچانک جب وہ ان کے گاؤں طمای میں وارد ہوئے تو امّ کلثوم حیران و پریشان رہ گئیں۔ استاد نے اس اُبھرتی ہوئی مغنیہ کے فن کو سراہا اور ان کے والد کو قاہرہ میں مستقل سکونت اختیار کرنے کا مشورہ دیا جسے بے حد پس و پیش کے بعد امّ کلثوم کے والد نے قبول کیا۔" اس بار ہم نے شارع فولاد پر جارڈن ہاؤس کے پاس ایک ہوٹل میں قیام کیا اور یہاں پہلی بار میں نے اپنی زندگی میں سینما دیکھا۔ سفید پردے پر متحرک انسانی ہیولے اور انکی ایک ناگفتہ بہ حرکت، یعنی ایک خوبصورت تنومند نوجوان نے دن دہاڑے ایک لڑکی کو چوم لیا۔ یہ میرے لئے ایک عجیب و غریب دنیا تھی جس کا میں نے اس سے پہلے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ میرے چھوٹے سے گاؤں

طمای کا ذکر تو درکنار، مصر کے منصورہ جیسے شہروں میں بھی یہ چیز ہنوز ابوالعجائب تھی۔"

قاہرہ میں شیخ ابوالعلا روزانہ اُمِ کلثوم کے یہاں جایا کرتے تھے اور انھیں کے توسط سے اُمِ کلثوم کی ملاقات مشہور شاعر اور نغمہ نگار احمد رامی سے ہوئی اور پھر یہ ملاقات ان کی زندگی کا ایک اہم جزو بن گئی۔ احمد رامی جو "شاعر اُمِ کلثوم" کے لقب سے آج ساری عرب دنیا میں مشہور ہیں اُمِ کلثوم کے فن پر شیدا ہوگئے اور انھوں نے تہیہ کرلیا کہ وہ اگر شاعری کرینگے تو صرف اُمِ کلثوم کے لئے اور پھر ان کی نظموں کا سارا درد اُمِ کلثوم کی ملکوتی آواز میں سمٹ آیا۔ "میں نے آج تک کوئی نظم ایسی نہیں لکھی جسے لکھتے وقت میں نے آنسو نہ بہائے ہوں" (اسّی سالہ غمزدہ شاعر آج بھی بقیدِ حیات ہے اور غالباً اُمِ کلثوم کی موت پر اس کا مرثیہ میر کی آہ سے کسی طرح کم نہ ہوگا۔)

اُمِ کلثوم کی زبردست فنی کامیابی کے اسباب میں سے ایک ان کا شعر و ادب سے والہانہ عشق بھی تھا۔ احمد رامی ان کی آواز پر شیفتہ تھے اور وہ ان کی شاعری پر فریفتہ۔ ادب و شاعری کا یہ اونچا ذوق انھیں مصر کے مشہور انشاپرداز اور صاحبِ طرز ادیب مصطفیٰ لطفی کی زبردست تصانیف "العبرات" اور "النظرات" پڑھ کر حاصل ہوا۔ "مصطفیٰ لطفی کی العبرات" کو میں نے تقریباً دس بار پڑھا تھا لیکن ان دنوں میری دلچسپی صرف نثر تک محدود تھی۔ شعر فہمی کا میرا ذوق کچھ یوں ہی سا تھا۔ بیشتر اشعار میری سمجھ میں نہ آتے تھے۔ ایک دن میں نے ابن الفارض کا دیوان کھولا اور شعر فہمی کے دروازے مجھ پر کھلتے چلے گئے۔ اور پھر یکے بعد دیگرے میں نے البحتری، ابن رومی، المتنبی اور دوسرے تمام مشاہیر شعراء کو اپنے ذہن کے نہاں خانوں میں محفوظ کرنا شروع کر دیا۔" انھیں علم عروض سے بھی دلچسپی پیدا ہوگئی اور چند ہی دنوں میں انھوں نے اس میں مہارت حاصل کرلی۔ اس سلسلہ میں بڑی بڑی ادبی محفلوں میں بھی ان کی رائے مستند سمجھی جاتی تھی۔ ایک بات البتہ قدرے حیرت انگیز ہے کہ انھوں نے اپنی ساری زندگی میں خود کبھی کوئی شعر نہیں کہا۔

قاہرہ کی مغرب زدہ زندگی میں اُمِ کلثوم نے اپنے ابتدائی چار سال سکون اور تنہائی میں گذارے۔ وہ ان دنوں عوامی اجتماعات، عالی شان ہوٹلوں اور فیشن کی چمک دمک سے دور پرے ہٹ کر اپنے محدود حلقہ میں خیمہ زن رہیں ۔۔۔ "قاہرہ کے بارے میں ساری معلومات مجھے اخبارات اور رسالوں سے ملتی رہی یا پھر لوگوں کی زبانی سن کر بہت ساری باتوں کا پتہ چلا۔ لیکن باوجود اپنے آپ کو اس حصار میں مقید کرنے کے، مجھے قاہرہ سے محبت ہوگئی، ایک نہ ختم ہونے والا اُنس اور پیار۔"

یہ وہی قاہرہ تھا جہاں کے اہرام اس کی عظمتِ پارینہ کے محیر العقول اور ہیبت ناک نشان تھے اور یہ وہی سحر زدہ ماحول تھا جس میں اہرام "ابوالہول" کے قرب و جوار میں ایک "بنت نیل" اور "اُمِ نغمات" اپنی ملکوتی آواز کا سحر پھونک رہی تھی۔ قاہرہ میں اُمِ کلثوم کی آمد اور قیام عربی فنِ موسیقی کا نشاۃ ثانیہ تھا۔ اپنی قاہرہ کی زندگی کے ابتدائی سالوں ہی میں وہ عرب دنیا کی سب سے بڑی مغنیہ بن گئیں اور پھر عظمت کا یہ تاج ان کے سر سے کبھی نہیں اُترا۔ اپنے استاذ شیخ ابوالعلا سے انھوں نے مستقل فنی الحاق کرلیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے والد اور فیملی کے ساتھ استاد کے گھر میں منتقل ہوگئیں۔ بزرگ فنکار نے ان کے فن کو جلا بخشی۔ وہ ہر محفل میں اُمِ کلثوم کی مصاحبت کرتے تھے اور سایہ کی طرح ان کے ساتھ لگے رہتے تھے۔

اپنے ابتدائی دور میں اُمِ کلثوم ایک پرانے طرز کے تخت پر بیٹھتی تھیں اور بغیر کسی ساز اور سازندے کے اپنے نغمے سناتی تھیں۔ پھر جیسے جیسے ان کا فن پروان چڑھتا گیا جدید اور قدیم آلاتِ موسیقی کا استعمال شروع ہوگیا۔ آہستہ آہستہ ان کا تختِ جنادری عمامے والے موسیقاروں سے بھر گیا۔ شاعرِ اُمِ کلثوم احمد رامی بھی اکثر ان کے ساتھ ہی تخت پر بیٹھتے اور ان کے نغموں کے سحر میں کھو جاتے۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد اُمِ کلثوم کے انداز میں ایک نمایاں تبدیلی آگئی۔ اب مشرقی عود، طنبور اور دف کے ساتھ ساتھ مغربی گٹار اور وائلن بھی استعمال ہونے لگے۔

اُمِ کلثوم کا تختِ نغمات ڈانس میں بدل گیا، لہٰذا اب وہ بجائے بیٹھ کر گانے کے کھڑی ہوکر گانے لگیں۔ ان کا کھڑے ہوکر گانے کا یہ انداز مشرق اور مغرب کے دوسرے تمام عظیم فنکاروں کے انداز سے جداگانہ تھا۔ وہ اپنے لباس کے انتخاب میں بے حد محتاط تھیں۔ اس کے بارے میں عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ وہ جیسی نظم، قصیدہ، گیت یا مرثیہ پڑھنے والی ہوتیں اسی کی مناسبت سے لباس کا انتخاب کرتی تھیں۔ گاتے وقت وہ اپنے دائیں ہاتھ میں ایک ریشمی رومال تھامے رہتیں۔ یہ عموماً اسی رنگ کا ہوتا تھا جس رنگ کا لباس وہ زیب تن کرتیں۔ اس رومال کو وہ دورانِ لحن اپنے مخصوص انداز میں لہراتی رہتیں۔ (اُمِ کلثوم کا یہ ریشمی رومال (منديل) آج مشرقِ وسطیٰ کی عورتوں کا فیشن بن گیا ہے)۔ گاتے وقت وہ اپنے نغمات کے سحر میں خود بھی ڈوب جاتیں۔ عشق کے پُردرد نغمات اور عرب قوم کے مرثیے گاتے وقت وہ اشکبار ہوجاتیں، آنسو اُن کے گالوں پر ڈھلک آتے اور لہراتا ہوا منديل اچانک رک کر ان امنڈتے ہوئے آنسوؤں کو جذب کرنے لگتا۔ "رونا اور اشکبار ہونا میرے نغمات کی ازلی روح ہے۔"

اُمِ کلثوم نہ صرف اپنی فنی زندگی میں رقیق القلب واقع ہوئی تھیں بلکہ اپنی نجی زندگی میں بھی وہ ایک انتہائی حساس اور تڑپتا ہوا دل رکھتی تھیں۔ یتیموں اور غمزدہ روحوں کیلئے ان کا دل تڑپ اٹھتا تھا۔ وہ ذاتی طور پر کئی فلاحی ادارے چلاتی تھیں اور بیواؤں اور یتیموں کے آنسو پونچھتی تھیں۔ اکثر اوقات وہ خود بھی ان کے ساتھ رو پڑتی تھیں۔ قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے وقت مصحف کے صفحات ان کے آنسوؤں سے بھیگ جاتے۔

"رونا اور اشکبار ہونا میرے نغمات کی ازلی روح ہے!"

خاتونِ مشرق

نور کی شال میں لپٹا ہوا مانندِ گلاب
مُشک بو اور معنبر ہے درخشاں چہرہ
روحِ الماس کی مانند چمکتی ہوئی زُلف
نرگسی آنکھ ہے رُخسار پہ تِل کا پہرہ

مرمریں بانہوں کا اندازِ جوانی کیا خوب
مثلِ یاقوت ترے ہونٹ گلابی شاداب
حور جنت سے کوئی فرش پہ اُترے جیسے
چمپئی شال میں لپٹا ہوا گویا مہتاب

حُسن کا ایک خزینہ ہے سراپا تیرا
شانِ فطرت کا تجھے کہتے ہیں رنگیں شاہکار
روحِ گُل، جانِ چمن، نازشِ نکہت تو ہے
رونقِ بزمِ جہاں، تجھ سے ہے گلشن گلزار

اک بہارِ چمن افروز ہے گنجینۂ حُسن
گوہرِ عصمت و عفت ہے بڑی سادہ مزاج
شرم کی ماری ہوئی نازو حیا کی دیوی
نیکیوں نے ترے الفاظ سے پایا ہے خراج

روشنی چاند ستاروں سے زیادہ ہے تری
شمعِ محفل تجھے کہنے میں کوئی عار نہیں
درو دیوار پہ پھیلا ہے اُجالا تجھ سے
تو ہے اک نورِ مجسم ہمیں انکار نہیں

تیرے عنوانِ محبت سے ہم آہنگ ہے دہر
شوق و کردار میں، آئینِ وفا ہو جیسے
زندگی واقفِ اسرارِ جہاں ہو کے رہی
تیرے پندار کی عظمت کا صلہ ہو جیسے

علامہ خضر برنی
ماشاءاللہ بلڈنگ، بٹلہ ہاؤس
جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

اقبال کی مشہورِ زمانہ نظم "شکوہ" کا جب مصر کے مشہور شاعر احمد شوقی نے "حدیثِ روح" کے نام سے عربی میں ترجمہ کیا تو انہوں نے امّ کلثوم سے درخواست کی کہ وہ اسے اپنی پُردرد آواز میں گائیں اور امّ کلثوم یہ حدیثِ روح سُناتے وقت خود بھی دریائے الم میں ڈوب گئیں اور سامعین کو بھی رُلا دیا۔

(تیونس کی تاریخی مسجد میں جب وہ ایک بار عبادت کے لئے گئیں تو نماز ختم ہونے کے بعد ڈیڑھ گھنٹے تک مصروفِ دعا رہیں۔ باہر سیکڑوں کا ہجوم بے تابی سے ان کا منتظر تھا اور مسجد کے اندر وہ اپنی قوم کے حالِ زار پر خدائے قدّوس کی بارگاہ میں گڑگڑا رہی تھیں)۔

یہ اس لڑکی کی کہانی ہے جو مصر کے ایک گمنام سے گاؤں میں ایک چھوٹی سی مسجد کے غریب پیش امام کے گھر پیدا ہوئی، پھر عالمِ عرب میں فنِ موسیقی اور نغمات کی بے تاج ملکہ بنی اور پھر لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کے دل کی دھڑکن بن گئی!

■■

پروفیسر مسعود حسن رضوی کا انتقال

اردو کے مشہور ادیب و نقاد پروفیسر مسعود حسن رضوی کا ۲۹ نومبر کی شب میں لکھنؤ میں انتقال ہوگیا۔ مرحوم ایک عرصہ سے علیل تھے اور انتقال کے وقت ان کی عمر ۸۲ سال تھی۔ ۴۴ سال تک لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو فارسی سے وابستہ رہنے کے بعد ۱۹۵۳ء میں ریٹائر ہوئے تھے۔

سردار دیوان سنگھ مفتوں

۱۴ر اگست ۱۸۹۰ء — ۲۷ر جنوری ۱۹۷۵ء

عبداللطیف اعظمی

جامعہ ملیہ اسلامیہ
جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

اس سال جنوری کے آخری ہفتے میں میں بمبئی میں تھا، اسی زمانے میں سردار دیوان سنگھ مفتوں کا انتقال ہوگیا اور مجھے اس حادثے کی اطلاع اس وقت ملی جب فروری کے پہلے ہفتے میں دہلی واپس آیا۔ سردار جی کا مشہور ہفتہ وار اخبار "ریاست" جب یکم جنوری ۱۹۶۰ء کو ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا تو وہ دہرہ دون چلے گئے اور ساری دنیا سے کٹ کر وہیں مستقل طور پر مقیم ہوگئے۔ وہاں ان کی کیسی گذرتی تھی، مجھے معلوم نہیں، میں نے انھیں ایک دو خط لکھے تھے، ان کے جواب سے اندازہ ہوتا تھا کہ اب وہ ہنگاموں سے دور گوشۂ عافیت میں سکون کی زندگی گذارنا چاہتے ہیں۔ میں نے ان کا وہ زمانہ بھی دیکھا تھا جب سردار جی اور ان کے اخبار "ریاست" کی بڑی دھوم تھی اور آزادی کے بعد وہ زمانہ بھی دیکھا جب دونوں کی حالت بہت خراب تھی اور وہی سردار جی جنھوں نے لاکھوں پیدا کئے تھے اور لاکھوں اڑائے تھے اب قرض کے بار سے دبے ہوئے تھے۔ وہ تو مولانا ابوالکلام آزاد کی عنایت کہیئے کہ سردار جی کے تامل اور انکار کے باوجود انھوں نے تاحیات ان کیلئے دو سو روپے ماہانہ کا وظیفہ مقرر کردیا، جس کی وجہ سے گوشہ نشینی کی یہ زندگی سکون اور عافیت کے ساتھ گذر گئی۔ وفات سے پانچ چھ روز پہلے جب سردار جی کی طبیعت بہت خراب ہوگئی اور بچنے کی کوئی امید باقی نہیں رہی تو ان کے صاحبزادگان جو دہلی میں رہتے ہیں انھیں دہرہ دون سے دہلی لائے جہاں انھوں نے ۲۶ر اور ۲۷ر جنوری کی درمیانی شب میں انتقال فرمایا۔

سردار جی نے اپنا مشہور اخبار "ریاست" ۱۹۲۴ء میں جاری کیا اور اس کا پہلا شمارہ ۲۴ر اگست کو شائع ہوا۔ اس سے پہلے برصغیر میں اردو کے جو اخبارات نکلتے تھے، ان میں الہلال، ہمدرد اور زمیندار کو بڑی اہمیت اور شہرت حاصل تھی۔ اول الذکر ۱۳ر جولائی ۱۹۱۲ء کو اور ثانی الذکر ۲۳ر فروری ۱۹۱۳ء کو جاری ہوئے تھے، زمیندار جو ان دونوں اخباروں سے پہلے جون ۱۹۰۳ء میں جاری ہوا تھا، پہلے ہفتہ وار تھا اور اس کے پہلے اڈیٹر اور مالک اردو کے مشہور صحافی مولانا ظفر علی خاں کے والد مولانا سراج الدین احمد تھے ان کی وفات کے بعد ۹ر نومبر ۱۹۰۹ء سے مولانا ظفر علی خاں نے اس کی ادارت کی ذمہ داریاں سنبھالیں اور اس کے بعد ہفتہ وار کے علاوہ روزانہ بھی نکلنے لگا۔

سردار دیوان سنگھ نے اردو صحافت کے میدان میں قدم رکھا تو اس وقت مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸ - ۱۹۵۸)، مولانا محمد علی جوہر (۱۸۷۸ - ۱۹۳۱)، مولانا ظفر علی خاں (۱۸۷۰ - ۱۹۵۶)، خواجہ حسن نظامی (۱۸۷۸ - ۱۹۵۵)، عبدالمجید سالک (۱۸۹۴ - ۱۹۵۹) اور مولانا غلام رسول مہر (۱۸۹۵ - ۱۹۷۱) اردو صحافت نگاروں میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے اور اس زمانے میں ان کا طوطی بولتا تھا۔ یہ بزرگ صرف صحافی ہی نہیں بہت بڑے ادیب اور عالم اور اسکالر بھی تھے۔ سردار دیوان سنگھ صحافت کے میدان میں داخل ہوئے تو شہرت اور مقبولیت نے ان کے قدم چومے، تعلیم پانچویں درجے تک تھی جو نہ ہونے کے برابر تھی، لیکن ان کے قلم میں اتنی طاقت تھی کہ بڑے بڑے راجہ مہاراجہ اور نواب ان سے بید ڈرتے تھے۔ انھوں نے مولانا محمد علی اور خواجہ حسن نظامی جیسے چوٹی کے ادیبوں اور صحافیوں سے ٹکر لی اور قلم کے ایسے ایسے جوہر دکھلائے کہ اردو صحافت کی تاریخ میں اس کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ سردار جی کے ایک رفیق کار سردار علی صابری صاحب نے جنھوں نے "ریاست" کے سب ایڈیٹر کی حیثیت سے ان کے ساتھ ۱۴ برس تک کام کیا، لکھتے ہیں: "سردار دیوان سنگھ

معمولی تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود غضب کے ذہین اور مردم شناس تھے، "صحافت کی باریکیوں پر ان کی گہری نظر تھی اور بلا کے محنتی تھے"۔ اسی لئے ان کا اخبار ہر حلقے میں بڑی دلچسپی اور شوق سے پڑھا جاتا تھا۔

خواجہ حسن نظامی صاحب کے شروع میں سردار جی سے تعلقات بڑے اچھے اور خوشگوار تھے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سردار جی کو ایک کامیاب صحافی بنانے میں خواجہ صاحب کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ ۷ اگست ۱۹۲۱ء کے روزنامچہ میں خواجہ صاحب لکھتے ہیں: "آج اخبار 'ریاست' کے نئے پرچے میں مسلمانوں کی حمایت اور ریاست کشمیر کی تردید میں بہت اچھے اچھے کئی نوٹ شائع ہوئے ہیں، تمام دہلی کے مسلمانوں میں ریاست اخبار کی پالیسی پسند کی جاری ہے اور جگہ جگہ لوگ اس پرچے کو خرید کر پڑھ رہے ہیں۔"

سردار جی کی مشہور کتاب "ناقابلِ فراموش" کے ایک تقریظ نگار، ضیا شیخ احسان الحق عشقی نے لکھا ہے کہ:

"سردار دیوان سنگھ ایک کہنہ مشق اور کامیاب اخبار نویس ہی نہیں بلکہ ایک بلند پایہ ادیب و انشا پرداز بھی ہیں۔"

ان کے بلند پایہ اور کامیاب اخبار نویس ہونے میں تو کوئی کلام نہیں، مگر اردو کے بلند پایہ ادیب اور انشا پرداز وہ یقیناً نہیں تھے۔ ان کی مادری زبان اردو نہیں، پنجابی تھی اور انھیں صحیح اردو لکھنے پر وہ قدرت نہیں تھی جو ایک اچھے اور بلند پایہ ادیب کو ہونی چاہیئے۔ بہت سے ایسے لوگ جن کی مادری زبان پنجابی یا کوئی اور زبان ہے، اردو ادیبوں میں بڑی حیثیت کے مالک ہیں اور ان لوگوں پر اردو ادب فخر کرتا ہے، انھوں نے تعلیم، مطالعہ اور مشق سے وہی حیثیت حاصل کرلی ہے جو اُن لوگوں کو حاصل ہے جن کی مادری زبان اردو ہے، مگر سردار دیوان سنگھ کی بات اور تھی، ان کی زندگی بڑی مصروفیت اور ناساعد حالات سے جدوجہد میں گذری ہے، اُن کے لئے نہ موقع تھا اور نہ مناسب کہ زبان کی نزاکتوں کی طرف توجہ کریں۔ ان کے سامنے ایک مقصد تھا اور اس مقصد میں وہ پوری طرح کامیاب تھے۔ پورے ۳۳ سال تک اردو میں لکھتے رہنے کے بعد جب ان کی مشہور کتاب "ناقابلِ فراموش" شائع ہوئی تو اس کے دیباچے میں انھوں نے اعتراف کیا ہے کہ:

"میں نے کوشش کی کہ میری زبان غلطیوں سے پاک ہو، مگر میں ایمانداری کے ساتھ اس کا اقرار کرتا ہوں کہ "بارہ برس دہلی میں رہے بھاڑ جھونکتے رہے" کے مصداق ۳۳ برس میں بھی اردو زبان پر قادر نہ ہوسکا، کیونکہ اردو میری مادری زبان نہیں ۔... میں نے اپنی پچھلی زندگی میں بہت کوشش کی کہ میں صحیح اور درست اردو لکھ سکوں اور اس سلسلے میں ملا واحدی صاحب، مسز ممتاز مرزا بہادر شاہ بادشاہ کے خاندان کی ایک مرحوم خاتون[1] اور بعض دوسرے دوستوں نے میری بہت مدد کی ... مگر پھر بھی مجھے قطعی درست اور صحیح اردو لکھنے میں کامیابی نصیب نہیں ہوئی اور یہ واقعہ ہے کہ اب بھی زبان کی غلطیاں ہوجاتی ہیں۔"

چونکہ سردار جی کی تعلیم زیادہ نہیں تھی، اسلئے زبان کے علاوہ علمی غلطیاں بھی کر جاتے تھے۔ ان کے چودہ سال کے ساتھی سردار علی صابری صاحب نے اپنے حالیہ مضمون میں لکھا ہے کہ: "ایک مرتبہ انھوں نے لکھا: "مصر براعظم ایشیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔" اس قسم کے معاملات میں وہ اکثر مجھ سے مشورہ کرلیا کرتے تھے، میں اتفاق سے موجود نہ تھا، کاپی پریس چلی گئی، اخبار چھپ گیا، میں نے سردار جی کو اس غلطی کی جانب توجہ دلائی کہ مصر براعظم ایشیا کا سب سے بڑا ملک نہیں، براعظم افریقہ کا ایک ملک ہے۔ اس پر خوب قہقہے لگائے اور بولے: کاکا! کوئی مضائقہ نہیں، جو بات مجھے نہ معلوم ہو وہ پبلک کو کیا معلوم ہوگی۔"[2]

ان خامیوں کے باوجود مرحوم کی تحریریں بہت پسند کی جاتی تھیں۔ چنانچہ جب ان کی سرگذشت "ناقابلِ فراموش" نومبر ۱۹۵۷ء میں شائع ہوئی تو بہت جلد ہاتھوں ہاتھ بک گئی اور دیکھتے دیکھتے اس کے کئی ایڈیشن نکل گئے۔ کتابی صورت میں شائع ہونے سے پہلے اسی عنوان کے تحت ۳ اپریل ۱۹۴۳ء کو "ریاست" میں مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا گیا تھا اس کی مقبولیت کے پیش نظر اسے کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ ہمارا خیال تھا کہ اس کتاب کے تمام مضامین خود سردار جی کے لکھے ہوئے ہیں مگر صابری صاحب کے مضمون سے پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ "شرابِ کہنہ

---

[1] غالباً یہ وہی خاتون ہیں، جن کے کاغذات، یکم جنوری ۱۹۵۸ء کو مولانا ابوالکلام آزاد کو پیش کیے تھے۔ سردار جی نے مولانا کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ: "یہ کاغذات غدر کے زمانے کے ہیں جو بہادر شاہ بادشاہ کے سمدھی مرزا الٰہی بخش کے خاندان کی ایک خاتون نے مجھے بطور امانت رکھنے کے لئے دیئے جبکہ وہ ۱۹۴۷ء میں پاکستان چلی گئی تھیں۔ پاکستان جانے کے بعد اس خاتون کا وہیں انتقال ہوگیا۔" ان کاغذات کے متعلق سردار جی نے لکھا ہے کہ: "... کچھ تو پہلے زمانے کے وائسرائے لارڈ لٹن کے خطوط ہیں، کچھ اس زمانے کے سکریٹریوں کی چٹھیاں، کچھ نکاح نامے اور کچھ مولویوں کے جائز و ناجائز اولاد کے متعلق فتوے، کیونکہ بہادر شاہ کے خاندان میں یہ جھگڑا رہتا تھا کہ فلاں اولاد بغیر نکاح پیدا ہوئی جو ناجائز ہے اور فلاں نکاح کے بعد جو جائز قرار دی جاسکتی ہے اور اس سلسلے میں مفتیوں سے فتوے لئے جاتے تھے۔ مولانا کاغذات کو بہت غور اور دلچسپی کے ساتھ دیکھتے رہے اور آپ نے یہ کاغذات اپنے پاس رکھ لئے۔" ("جناب سردار دیوان سنگھ مفتون"۔ شائع کردہ محکمہ السنۂ پنجاب، پٹیالہ صفحہ ۲۸ و ۲۹)

[2] ہفتہ وار "سب ساتھ" (نئی دہلی) ۸ مارچ ۱۹۷۵ء صفحہ ۱۰

در جاہے نو" کے عنوان سے مضامین کا جو سلسلہ "ریاست" میں شائع ہوتا تھا اسے صابری صاحب لکھا کرتے تھے اور ان کے بیان کے مطابق اس سلسلے کے کئی مضامین "ناقابلِ فراموش" میں شامل ہیں۔

سردار جی کی دوسری کتاب "جذباتِ مشرق" ہے سردار جی نے لکھا ہے کہ کام کی کثرت اور انتہائی مصروفیت کی وجہ سے مجھے اخبار کیلئے نئی نئی اسکیمیں بنانے اور نئے نئے عنوانات سوچنے کا موقع نہیں ملتا تھا، مگر جب جیل جانا پڑتا تو اس بے کاری کے زمانے میں طرح طرح کی تجاویز ذہن میں آتی تھیں اور رہائی کے بعد ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ "ناقابلِ فراموش" اور "جذباتِ مشرق" یہ دونوں عنوانات جیل کی دین ہیں۔ دوسرے عنوان کے سلسلے میں سردار جی نے لکھا ہے کہ ۱۹۳۶ء میں بھوپال کے ایک مقدمے کی وجہ سے انھیں تین ماہ کی سزا ہوئی تھی اور وہ ناگپور جیل میں تھے۔ بیکاری کے دن گذارنے کے لئے انھوں نے لائبریری کا رُخ کیا۔ وہاں انھیں ہندی کی بڑی مفید اور نایاب کتابیں ملیں جن کا انھوں نے ترجمہ شروع کر دیا، اور جب وہ جیل سے رہا ہو کر آئے تو "ریاست" میں "جذباتِ مشرق" کے عنوان سے ایک نیا کالم شروع کر دیا۔ ۱۹۴۸ء تک پابندی کے ساتھ یہ سلسلہ جاری رہا اور اس کے بعد اسے کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا۔ اس میں ہندی، پنجابی، فارسی اور عربی وغیرہ کے منتخب اشعار کے ترجمے ہیں۔ ہندی کے ترجمے کے لئے انھوں نے ایک پنڈت کی خدمات حاصل کی تھیں، عربی اور فارسی اشعار کے ترجموں کے بارے میں لکھا ہے کہ مختلف اشخاص نے "ریاست" میں اشاعت کیلئے جو ترجمے بھیجے تھے انھیں اسی کتاب میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اس کتاب کے بارے میں اُردو کے مشہور ادیب جناب کرشن چندر صاحب نے لکھا ہے کہ "جذباتِ مشرق" لوک گیتوں، منظوم لوک کتھاؤں، اور مشرقی شاعری کے حسین ترین مرقعوں کا مجموعہ ہے، کہیں پر منظوم کہاوتوں کے ذریعے زندگی کے تجربات کا نچوڑ پیش کیا گیا ہے تو کہیں پر عشقیہ سوز و گداز کے ذریعے وارداتِ قلب کو بیان کیا گیا ہے، کہیں پر زندگی ایک پرچھائیں کی طرح گذر جاتی ہے تو کہیں پر پھول کی طرح مہکتی ہے، کہیں پر مشرقی مرد کی محنت کے سرسبز کھیت ہیں تو کہیں پر مشرقی عورت کی روح کی محرومی اور دردناکی اپنی زندگی کی ساری حسرتوں کو لئے اُبھر آتی ہے ——— "جذباتِ مشرق" کی ترتیب میں، اس کے مضامین کے انتخاب میں، اس کی شاعری کے روپ میں، اس کے ترجمے کے نکھار میں مصنّف نے برسوں کی عرق ریزی اور محنتِ شاقہ شامل کی ہے تو یہ حسین اور دلآویز مجموعہ تیار ہوا ہے۔" [1]

میں ستمبر ۱۹۳۶ء میں دہلی آیا تو اُس وقت "ریاست" صرف دہلی کا ہی نہیں اُردو کا سب سے زیادہ مقبول اور سب سے زیادہ خوبصورت ہفتہ وار اخبار تھا اور سردار دیوان سنگھ کی دھوم تھی۔ ادبی جلسوں میں شرکت کرنا اور ادیبوں، شاعروں اور اڈیٹروں سے ملاقات کرنا میری ہمیشہ سے عادت رہی ہے۔ دہلی کے مختلف جلسوں میں مشہور ادیبوں اور صحافیوں سے کسی نہ کسی عنوان سے ملاقات ہو ہی جاتی تھی، مگر سردار جی کہیں نظر نہ آتے اور ان کی مزاجی کیفیت کے بارے میں ایسی باتیں سُن رکھی تھیں کہ ان کے دفتر یا گھر پر وقت لے کر ملاقات کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ عام طور پر مشہور تھا کہ وہ بڑے مشتعل مزاج اور سخت گیر ہیں اور گالی گلوچ ان کا عام شیوہ ہے، اسی وجہ سے ان کے یہاں بہت سے سب اڈیٹر آئے اور چلے گئے، صابری صاحب نے لکھا ہے کہ "سردار صاحب کے بارے میں مشہور تھا کہ وہاں کوئی شخص دو ماہ سے زیادہ کام نہیں کر سکتا، لیکن میں اور سردار گجن سنگھ (منیجر) یہ دو خوش نصیب ایسے ہیں کہ میں نے ۱۴ برس اور سردار گجن سنگھ نے ۱۳ برس "ریاست" میں کام کیا۔"

صابری صاحب نے مزید لکھا ہے کہ :

" سردار دیوان سنگھ میں کچھ کمزوریاں تھیں ——
اور کمزوریوں سے کون انسان خالی ہے ——
خاص کر اسٹاف کے ساتھ ان کا برتاؤ اچھا نہ تھا۔ میرے ہی عہدِ ملازمت میں ثاقب زیروی، علامہ ارشد بھاولپوری، مولانا قابل گلاؤٹھی، فیض جھنجھانوی، اختر حسین رائے پوری، محمود بریلوی وغیرہ نہ جانے کتنے اصحاب میرے رفیقِ قلم کی حیثیت سے ادارے میں شریک ہوئے اور سردار صاحب کے مخصوص محاورے میں "تشریف لے گئے"۔" [2]

مگر ۱۹۴۲-۴۳ء میں کاغذ کی قلّت کی وجہ سے اُردو ناشروں اور اڈیٹروں کی دہلی میں ایک ایسوسی ایشن قائم ہوئی تو مکتبہ جامعہ اور ماہنامہ 'جامعہ' کے نمائندے کی حیثیت سے میں بھی اس ایسوسی ایشن کا ممبر تھا اور "ریاست" کے اڈیٹر اور ناشر کی حیثیت سے سردار صاحب بھی تھے۔ اس کے جلسے مختلف اراکین کے یہاں باری باری ہوا کرتے تھے۔ ایک دو جلسے سردار صاحب کے یہاں بھی ہوئے۔ ان مواقع پر مجھے سردار صاحب کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو ان کی خوش مزاجی، فیاضی، دوست داری اور سیرت و کردار کی بہت سی خوبیوں کا علم ہوا۔ ایک واقعہ مجھے کبھی نہیں بھولتا۔ اسی زمانے میں اُن پر جعلی نوٹوں کا مقدمہ چل رہا تھا، جسکے بارے میں اپنی کتاب "ناقابلِ فراموش" میں انھوں نے لکھا ہے کہ:

" یہ مقدمہ جعلی نوٹوں کے رکھنے کے الزام میں تھا اور اس مقدمے میں بری ہوا اور ہائیکورٹ نے پولیس کے خلاف کھُلی عدالت میں سخت ریمارک پاس کئے۔" [3]

غالباً ابھی مقدمے کا فیصلہ نہیں ہوا تھا، ایک روز سردار جی کے دفتر میں اردو ناشروں کی ایسوسی ایشن کا جلسہ ہوا۔ یہ آموں کا زمانہ تھا، جلسے کے بعد اراکین کی تواضع کے لئے سردار صاحب نے آموں اور دودھ کے شربت کا انتظام کیا تھا۔ جب لوگ آم کھا کر شربت پی رہے تھے تو ایک رکن نے بڑی بے تکلفی کے ساتھ سردار

---

[1] "جناب سردار دیوان سنگھ مفتون" صفحہ ۹۹

[2] ہفتہ وار "سب ساتھ" (نئی دہلی) ۸ مارچ ۷۵ء صفحہ ۹

[3] "ناقابلِ فراموش" (چوتھا ایڈیشن) صفحہ ۶۱۵

صاحب سے کہا : "سردار جی : ذرا وہ جگہ تو دکھلائیے جہاں آپ نوٹ بنایا کرتے تھے ۔ سب نے ایک قہقہہ لگایا ' اس قہقہے میں خود سردار جی بھی شریک تھے ۔ اس کے بعد انہوں نے بڑے پُرلطف انداز میں اس واقعہ کو بیان کیا۔

یہ مضمون نامکمل رہے گا اگر چند سطروں میں ان کی صورت و شکل اور عام رہن سہن کے بارے میں کچھ بیان نہ کیا جائے ۔ ۱۹۲۶ء کے وسط میں سردار علی صابری صاحب "ریاست" کے سب اڈیٹر مقرر ہوئے تو وہ لاہور سے روانہ ہوکر دہلی تشریف لائے اور پتہ پوچھتے پوچھتے "ریاست" کے دفتر پہنچے' آگے انھیں کے الفاظ میں ملاحظہ ہو : " آٹھ نو بجے کا وقت ہوگا ' اوپر پہنچا تو گہرے سانولے رنگ کے ایک دیو پیکر سردار جی بالکل ننگ دھڑنگ صرف کچھا (جانگیہ) پہنے ایک کھرّی کھاٹ بلکہ کھٹیا پر براجمان تھے' میں نے پوچھا : " جناب سردار مفتون صاحب کہاں تشریف رکھتے ہیں ؟ " وہ ننگ دھڑنگ دیو قامت شخص بولا : " فرمائیے ! میں ہی دیوان سنگھ ہوں۔" میں نے اپنا نام عرض کیا' بہت اخلاق سے ملے۔ " اوئے مبارکا !" کا نعرہ لگا کر اپنے خاص نوکر مبارک علی کو بلایا ' میرے لئے کرسی منگوائی' ناشتہ کرایا اور میں ۷۵ روپے ماہوار پر "ریاست" کا سب اڈیٹر مقرر کیا گیا۔"[1]

قریب قریب ایسے ہی ایک منظر سے میں بھی دوچار ہوا تھا ' ان کی زندگی کا آخری دور تھا' صحت خراب تھی ' مُٹاپا وبالِ جان ہوگیا تھا ' میں ان سے ملنے کیلئے ان کے یہاں پہنچا تو صحن میں ایک کھرّی کھٹیا پر نہا کر بیٹھے تھے اور کچھا اتار کر تہبند پہننے کی کوشش کر رہے تھے ' غالباً اسی کھٹیا پر نہایا تھا ' کیونکہ اس کے نیچے پانی بہہ رہا تھا ' میں نے انھیں جس حالت میں دیکھا ' کچھ ایسا محسوس ہوا کہ میں غسل خانے میں آگیا ہوں ' مگر جب دیکھا کہ اِدھر اُدھر کچھ اور لوگ بھی ہیں تو واپس جانے کے بجائے ایک طرف کھڑا ہوگیا اور کپڑے بدلنے کا انتظار کرتا رہا۔

مجھے افسوس ہے کہ دہرہ دون چلے جانے کے بعد پھر میں سردار جی کو نہ دیکھ سکا ' بہت جی چاہتا تھا کہ ایک مرتبہ محض ان سے ملنے کے لئے دہرہ دون جاؤں مگر مکروہاتِ زمانہ نے اس کا موقع نہیں دیا اور جب ان کا انتقال ہوا تو اتفاق سے میں بمبئی میں تھا ' اس لئے آخری رسوم میں بھی شریک نہ ہو سکا۔ اُردو کے ایک مشہور صحافت نگار اور ہردلعزیز ہفتہ وار "چٹان" (لاہور) کے اڈیٹر جناب شورش کاشمیری نے سردار جی کی وفات پر ایک نوحہ کہا ہے ' اس کے چند اشعار پر اپنے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں:

"ریاست" کا معجز بیاں چل بسا
کہن سال مردِ جواں چل بسا

قلم مضمحل ہے ' زباں سرنگوں
صحافت کا شیرِ ژیاں چل بسا

لکھا ہے مجھے حضرتِ جوش نے
وہ تھا ایک تیغِ رواں چل بسا

کہاں تک لکھوں داستانِ فراق
صحافی گیا ' نکتہ داں چل بسا

یہی مختصر اس کی تعریف ہے
عزیزِ چمن ' مہرباں چل بسا

❋❋❋

علامہ محوی صدیقی
طویل علالت کے بعد انتقال

ملک کے بزرگ شاعر حضرت علامہ محوی صدیقی کا گذشتہ ۲۷ نومبر کو بھوپال میں انتقال ہوگیا۔
ان کی عمر تقریباً ۹۰ سال تھی اور وہ تقریباً تین برس سے صاحب فراش تھے۔ محوی صاحب مدراس یونیورسٹی میں ریسرچ اسکالر رہے تھے اور پھر شعبۂ اردو کے صدر بنائے گئے تھے۔ ان کی تقریباً ۳۲ کتابیں تصنیف یا تالیف کی صورت میں چھپ چکی ہیں۔
مرحوم کلاسیکی غزل گو اساتذہ کے سلسلے کی آخری کڑی تھے۔ ایک عرصے سے وہ بھوپال میں مقیم تھے۔ انھیں حکومتِ ہند اور حکومتِ مدھیہ پردیش کی جانب سے وظیفہ جاری کیا گیا تھا۔

اردو کے مشہور شاعر و مصنف
طالب دہلوی کا انتقال

اردو کے مشہور و معروف شاعر طالب دہلوی فالج کا حملہ ہونے کی وجہ سے دہلی میں انتقال کر گئے۔ طالب دہلوی کو جن کا پورا نام ششیش چند سکسینہ تھا' ۱۴ نومبر کو نیم بیہوشی کی حالت میں ارون اسپتال میں داخل کیا گیا تھا۔
طالب مرحوم ۱۹۱۰ء میں انبالہ چھاؤنی میں پیدا ہوئے تھے۔ انھوں نے دہلی یونیورسٹی سے گریجویشن کیا تھا۔ کمسنی کے زمانے سے ہی وہ ادبی سرگرمیوں میں مصروف ہوگئے تھے۔ ان کی اولین غزلیں ۱۹۲۷ء میں ایک اردو ادبی رسالہ میں چھپی تھی۔
طالب دہلوی کے کئی شعری مجموعے شائع ہوچکے ہیں۔ ان کی آخری تصنیف "یہ تھی دلی" تھی جس میں انھوں نے ۴۷ - ۱۹۴۷ء کے زمانے کی دلی کی نہایت دلکش تصویر کھینچی تھی۔

---

[1] "سب ساتھ" مورخہ ۸ مارچ ۷۵ء صفحہ ۹

ہوٹلوں کیلئے نیپالی چاول

ہوٹلوں اور ریسٹورانوں کی مختلف امداد باہمی سوسائٹیوں اور دیگر اداروں کی جانب سے نیپال سے درآمد شدہ ابلا ہوا نیپالی چاول بمبئی عظمیٰ اور تھانہ راشننگ علاقوں میں اناج کے پرمٹ رکھنے والے ہوٹلوں اور طعام خانوں کے مالکوں کو ان کے کوٹے کے علاوہ ۵ کلو فی یونٹ ماہانہ کے حساب سے دیا جائے گا۔ ایسے اداروں کے مالکان جو پرمٹ نہیں رکھتے انھیں بھی ابلے ہوئے چاول اسی شرح سے دئے جائینگے۔

اگر ہوٹل مالکان چاہیں تو دو ماہ کا کوٹہ ایک ہی وقت میں حاصل کرسکتے ہیں۔ صارفین کو اس کی تقسیم متعلقہ امداد باہمی سوسائٹیوں اور تقسیم کے مراکز سے کی جائے گی۔

امداد باہمی سوسائٹیاں اپنے ایسے ممبران کو جو اناج حاصل کرنے کا پرمٹ نہیں رکھتے ہیں' ہنگامی کوٹے کے طور پر دو بورے چاول ہر ماہ ضروری اقرار نامہ پیش کرنے پر دے سکتی ہیں۔

تقسیم کے سولہ مراکز مندرجہ ذیل ہیں:

پرگتی منڈل کنزیومرس کو آپریٹیو سوسائٹی لمیٹیڈ؛ نارتھ بمبئی سنٹرل کنزیومرس کو آپریٹیو سوسائٹی لمیٹیڈ (سہکاری بازار - باندرہ)؛ بمبئی کامگار مدھیہ ورتی گراہک سہکاری منڈل لمیٹیڈ' نائیگاؤں؛ اشانیا ممبئی مدھیہ ورتی گراہک سہکاری منڈل لمیٹیڈ' بھانڈپ؛ شیو وبھو مدھیہ ورتی گراہک سہکاری منڈل لمیٹیڈ' ورلی؛ ساؤتھ انڈین کنزیومرس کو آپریٹیو سوسائٹی لمیٹیڈ' ماٹونگا؛ کوسموپولیٹن کنزیومرس کو آپریٹیو سوسائٹی لمیٹیڈ' اندھیری؛ سویاری باغ کنزیومرس کو آپریٹیو سوسائٹی لمیٹیڈ' پریل؛ بمبئی سبربن پیپلز کنزیومرس کو آپریٹیو سوسائٹی لمیٹیڈ' ملاڈ؛ ہوٹل اینڈ ریسٹوراں کو آپریٹیو سوسائٹی لمیٹیڈ (ویسٹرن انڈیا) (اے۔ آر۔ شاپ نمبر ۴۲/ اے/۵) ڈنکن روڈ؛ بیٹر کنزیومرس کو آپریٹیو سوسائٹی لمیٹیڈ' کرلا؛ سمرتھ کنزیومرس کو آپریٹیو سوسائٹی لمیٹیڈ' تھانہ؛ کلیان تعلقہ پرچیز اینڈ سیلز یونین لیمٹیڈ' کلیان؛ ڈومبیولی دودھ کاریہ کاری سہکاری سوسائٹی لمیٹیڈ' ڈومبیولی؛ بھیونڈی تعلقہ پرچیز اینڈ سیلز یونین لمیٹیڈ' بھیونڈی اور ہوٹل کیپرز اینڈ حلوائی کنزیومرس کو آپریٹیو سوسائٹی لمیٹیڈ' الہاس نگر۔

موٹر مالکان کو انتباہ

ایڈیشنل پولس کمشنر ٹریفک' بمبئی عظمیٰ نے موٹر مالکان کو تنبیہہ کی ہے کہ وہ نو پارکنگ (No Parking) پابندیوں پر سختی سے عمل کریں ورنہ غلط جگہوں پر گاڑی کھڑی رکھنے کی صورت میں ٹریفک پولس سخت اقدام کرے گی۔

چنانچہ مندرجہ ذیل جگہوں پر کھڑی کی گئی گاڑیاں ٹریفک پولس کی تحویل میں لے لی جائیں گی: سڑک فٹ پاتھ' کونوں میں' بس اسٹاپ' ٹیکسی ا مقررہ جزیرہ کے باہر اور ٹریفک سگنل کے احاطے کے اندر

دیگر مقامات میں پارکنگ قواعد کی خلاف کرنے والوں کے خلاف بھی ایسی ہی کارروائی کی

مال بردار ٹرک چلانے والوں کو آگاہی

مہاراشٹر ٹیکس بربال (سڑک کے راستے سے جانیوالا مال) ایکٹ بابت ۱۹۶۲ء کو چیلنج کر مال بردار ٹرک چلانے والوں نے ایک رٹ پیٹیشن ذریعہ جو حکم امتناعی (اسٹے آرڈر) حاصل کیا تھا کورٹ نے اسکو ہٹا دیا ہے۔

لہٰذا بمبئی ریجن میں مال ٹرک چلانے والوں ان معاملات میں درخواست گذار تھے' مطلع کی کہ وہ مذکورہ بالا ایکٹ کے تحت ان کی متعل کا بقایا ٹیکس فوری طور پر ریجنل ٹرانسپورٹ بمبئی کو ادا کردیں اور اگر وہ ایسا نہیں کریں ان پر جرمانہ عائد کیا جائے گا۔

کاٹن پریس میں حالت ملازم
کمیٹی کی بیشتر سفارشات منظ

حکومت مہاراشٹر نے کافی غور وخوض کرنے شری بی۔ ایس۔ کالیکر کی زیر صدارت مقرر کرد زیادہ تر سفارشات منظور کرلی ہیں۔ یہ کمی میں کاٹن پریس میں عام حالت ملازمت لینے اور حکومت کو ملازمین کی شرح تنخواہ او سے متعلق مشورہ دینے کی غرض سے ریاستی کی جانب سے مقرر کی گئی تھی۔

کمیٹی نے اس بات کی سفارش کی ہے کہ

کو ملازم رکھنے کے لئے ٹھیکہ داری نظام ختم کردیا جائے نیز رخصتی تنخواہ، باتنخواہ تعطیلات اور پنشن کی سہولتیں جو کہ کل وقتی ملازمین کو کاٹن پریس میں ملتی ہیں، لیبارٹی ملازمین کو بھی جو کہ کام کے لحاظ سے اجرت پاتے ہیں، دی جائیں۔ ریاستی حکومت نے کمیٹی کی اس سفارش کو منظور کرلیا ہے۔

حکومت نے کمیٹی کی بیشتر سفارشات کو منظور کرلیا ہے اور کاٹن پریسیس کے مالکان اور یونینوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ ان سفارشات پر عمل کریں۔

یونیورسٹی و کالج مدرسین کی نئی شرح تنخواہ

حکومت مہاراشٹر نے یونیورسٹی و کالج مدرسین کے لئے نظر ثانی شدہ شرح تنخواہ کے باقاعدہ نفاذ کے سلسلے میں حکم جاری کیا ہے۔ ان نئی شرح تنخواہ میں امتحان کے کاموں کے لئے جو رقم الگ سے دی جاتی ہے وہ شامل کردی گئی ہے۔

حکومت کے احکامات میں یونیورسٹی/کالج مدرسین کو یہ سہولت بھی دی گئی ہے کہ وہ نئی شرح کو اپنائیں یا پرانی شرح کو جاری رکھیں۔

حکومت نے یہ بھی وضاحت کردی ہے کہ اگر کوئی کالج یا یونیورسٹی کا مدرس بالآخر موجودہ شرح تنخواہ کو جاری رکھنا چاہتا ہے تو اس کو امتحانی کاموں کے لئے اور فی الحال لئے جانے والے ضمنی امتحانات کے کام کیلئے بھی معاوضہ دیا جائے۔

ناسک میونسپلٹی کو بنک سے قرض لینے کا اختیار

حکومت مہاراشٹر نے بعض شرائط کے تحت ناسک میونسپل کونسل کو بنک آف بروڈا سے کچرا ڈھونے کے دس ٹرک اور دو فائر فائٹرس خریدنے کے لئے سات لاکھ پچاس ہزار روپے کی رقم بطور قرض لینے کا اختیار دیدیا ہے۔

وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان نے ۱۳ر نومبر ۱۹۷۵ء کو ساس میرا آڈیٹوریم میں پنڈت جواہر لال نہرو کے مجسمہ کی نقاب کشائی کی۔ یہ تصویر اسی موقع پر لی گئی تھی۔

۱۹۷۶ء کے لئے عوامی تعطیلات

حکومت مہاراشٹر نے متعلقہ قانون (نگوشی ایبل انسٹرومنٹ ایکٹ بابت ۱۸۸۱ء) کے تحت ۱۹۷۶ء سال کے دوران مہاراشٹر میں عوامی تعطیلات کے لئے مندرجہ ذیل دنوں کا اعلان کیا ہے:

محرم: ۱۲ر جنوری، یوم جمہوریہ: ۲۶ر جنوری، ہولی (دوسرا دن): ۱۶ر مارچ، گڈی پڑوا: ۳۱ر مارچ، گڈ فرائڈے: ۱۶ر اپریل، یوم مہاراشٹر: یکم مئی، بدھ پورنیما: ۱۳ر مئی، گنیش چترتھی: ۲۸ر اگست، دسہرہ: ۲ر اکتوبر، دیوالی (اماوسیہ): ۲۲ر اکتوبر، گرونانک کا یوم پیدائش: ۶ر نومبر، عیدالضحیٰ: ۲ر دسمبر اور کرسمس: ۲۵ر دسمبر۔

حکومت نے ۳۰ر جون اور ۳۱ر دسمبر کو بھی ریاست میں عام تعطیلات کا اعلان کیا ہے تاکہ بنک اپنے نصف سالہ حساب کتاب کو بند کرسکیں۔

اسٹال مالکان کے خلاف کارروائی

ڈائرکٹوریٹ آف انڈسٹریز کے ناپ تول شعبہ نے حال ہی میں قلابہ اور فورٹ میں ویجیٹیبل مارکیٹوں کے ۷۵ اسٹالوں پر چھاپہ مارا اور بمبئی ناپ تول (نفاذ) ایکٹ بابت ۱۹۵۸ء کی خلاف ورزی پر ۱۲ مقدمات دائر کئے۔ بھاجی سبزی کے یہ تاجران غیر معیاری باٹ اور ترازو استعمال کرکے صارفین کو دھوکہ دینے کے مرتکب ہوئے تھے۔

اقل ترین اجرت ایکٹ سے مستثنیٰ

حکومت مہاراشٹر نے ہاتھ سے بنائے جانے والے کاغذ اور بورڈ کے کارخانوں میں کام کرنے والے ملازمین کو اقل ترین اجرت ایکٹ بابت ۱۹۴۸ء کے قوانین سے ۲۴ر اکتوبر ۱۹۷۵ء سے دو سال کی مدت کے لئے مستثنیٰ قرار دے دیا ہے۔

ویمکت جاتیوں کا سدھار
ریاستی سطح پر بورڈ کی تشکیل

حکومت مہاراشٹر نے ویمکت جاتیوں اور خانہ بدوش قبیلوں کی بہبود سے متعلق حکومت کو مشورہ دینے کی غرض سے ریاستی سطح پر ویمکت جاتیوں و خانہ بدوش قبیلوں کے لئے مہاراشٹر اسٹیٹ مشاورتی بورڈ کی تشکیل کی ہے۔ آغاز میں بورڈ کی مدت کار ایک سال کی ہوگی۔

وزیر اعلیٰ بورڈ کے صدر اور وزیر سماجی بھلائی اس کے نائب صدر ہیں۔

بورڈ کے دیگر ممبران یہ ہیں، وزیر مملکت برائے سماجی بھلائی؛ سکریٹری سماجی بھلائی، ثقافتی امور، اسپورٹس و سیاحت محکمہ؛ شری ایس۔کے۔کوساکر، پونے؛ شری پی۔بی۔ دھونڈسے، بمبئی؛ شری جی۔آر۔ راٹھوڑ، ایم ایل اے، ونگلی، ضلع اکولہ؛ شری بے۔آر۔ چوان، ایم ایل اے، بی بی، ضلع بلڈانہ؛ شری یو۔بی۔ راٹھوڑ، ایم ایل سی، مانڈوی، ضلع ناندیڑ؛ شری دولت راؤ ایم بھوسلے ایم ایل سی، بمبئی؛ شری چندرم چوان، سولاپور؛ شری آسارام جادھو، اورنگ آباد؛ شری بودھک ٹکر، کولہاپور؛ شری ہیرا سنگھ آنند سنگھ گوڑ، منڈھوا، پونے؛ شری بی۔بی۔ شوکھنڈے، صدر آل انڈیا ویمکت جاتی فیڈریشن، ناگپور؛ شری مادھو راؤ یاتم، بمبئی؛ شریمتی نلینی جگدیش راؤ شیٹولے، سولاپور؛ شری داسو پوار، اکھل بھارتیہ لوہار سنگھ، امراوتی؛ شری این۔ ٹی۔ نورسالے، ناگپور؛ شری رام بھارتی گنپت بھارتی، پیپل کھیڈ، ضلع ناندیڑ اور ڈائرکٹر، سماجی بھلائی، ریاست مہاراشٹر، پونے، (ممبر سکریٹری)۔

پیلی روشنیوں کے سگنل
ڈرائیوروں کو ہدایت

ایڈیشنل پولس کمشنر، بمبئی عظمیٰ نے بمبئی عظمیٰ میں موٹر ڈرائیوروں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ ان چوراہوں کو پار کرتے وقت ضروری ہدایات پر عمل کریں جہاں کہ سرخ یا پیلی روشنی جلتی بجھتی رہتی ہے۔

بمبئی عظمیٰ کے چوراہوں پر ٹریفک کے لئے روشنی کے جو سگنل لگے ہیں وہ رات کے دس بجے خود بخود بند ہو جاتے ہیں اور صبح ساڑھے آٹھ بجے خود بخود جاری ہو جاتے ہیں۔ اس عرصے کے درمیان سرخ یا پیلی روشنی جلتی بجھتی رہتی ہے۔

جلتی بجھتی سرخ روشنی چھوٹی سڑک کے سامنے ہوتی ہے جو کہ بڑی سڑک پر پہنچنے والی تمام موٹر گاڑیوں کے لئے تنبیہ ہوتی ہے کہ وہ چوراہے کے پاس رک کر بڑی سڑک کی ٹرافک کو پہلے جانے کیلئے راستہ دیں۔ اس کے بعد چوراہا پار کر کے اپنا سفر جاری رکھیں۔

جلتی بجھتی پیلی روشنی بڑی سڑک کے سامنے ہوتی ہے تاکہ اس پر گاڑی چلانے والے ڈرائیوروں کو یہ ہدایت مل سکے کہ وہ چوراہوں پر پہنچنے سے قبل گاڑی دھیمی کریں اور پھر آگے بڑھیں۔

اناج لیوی
آرڈیننس کا اجراء

گورنر مہاراشٹر نے ۱۲ر نومبر ۱۹۷۵ء کو ایک آرڈیننس کے ذریعہ ضروری اشیاء ایکٹ بابت ۱۹۵۵ء میں ترمیم کرتے ہوئے اناج کے سلسلے میں لیوی لگا دی ہے جو کہ ہر زراعتی اراضی کے مالک پر اس کی کل ملکیت اراضی اور اس پر ادا کی جانیوالی لگان کی بنیاد پر ہوگی اور بعض فصلوں اور اراضی کے درجوں کا بھی لحاظ رکھا جائیگا۔

یہ آرڈیننس یعنی ضروری اشیاء (مہاراشٹر ترمیم) آرڈیننس بابت ۱۹۷۵ء فوری طور پر نافذ العمل ہو گیا ہے۔

چونکہ وصولیابی کا موسم شروع ہو چکا ہے اور ریاستی قانون ساز مجلس کے دونوں ایوانوں کا اجلاس نہیں ہو رہا ہے اس لئے فوری ضرورت کے تحت ضروری اشیاء ایکٹ میں ترمیم کی ضرورت پڑی۔

قدیم یادگار عمارتوں
کے تحفظ کے لئے مہم

حکومت مہاراشٹر نے عوام میں قدیم تاریخی ع[illegible] کے تحفظ کا رجحان پیدا کرنے کی غرض سے کلکٹ[illegible] ضلع پریشدوں کے چیف ایگزیکیٹو افسران او[illegible] اداروں کو ہدایت کی ہے کہ وہ ایسی یادگار عمارتو[illegible] نشاندہی کریں اور ان کی صفائی اور پلستر وغیرہ کے اقدامات کریں۔

یہ مہم یکم نومبر سے شروع کی گئی ہے۔ حکومت[illegible] خواہش ہے کہ مقامی لوگ نیز ادارے اس مہم میں تعاون کریں۔

دفتر کی منتقلی

جائنٹ ڈائرکٹر آف انڈسٹریز، بمبئی کے دفتر چیمبر کمشنر س بلڈنگ، پہلا منزلہ ۸۳، اینی بسنٹ روڈ، ورلی ناکہ، بمبئی ۴۰۰۰۱۸ پر کر دیا گیا ہے۔

اسٹیٹ آرٹ نمائش کیلئے مرکزی کم[illegible]

حکومت مہاراشٹر نے ریاستی آرٹ نمائش[illegible] میں مختلف معاملات پر حکومت کو مشورہ دینے[illegible] سے اسٹیٹ آرٹ نمائش کی مرکزی کمیٹی کی تی[illegible] کے عرصہ کیلئے دوبارہ تشکیل کی ہے۔ نئی کمیٹی[illegible] وزیر تعلیم اور نائب صدر وزیر مملکت برائے تعلیم[illegible] کمیٹی کے دیگران ممبران مندرجہ ذیل ہیں:

غیر سرکاری ممبران: سرو شری وی۔آر۔ امبیکر، کے۔کے۔ ہیبر، بمبئی؛ راج ارجنگی، بمبئی؛ بال ور[illegible] ہریش راؤت، بمبئی؛ بھاؤ سامرتھ، ناگپور؛ [illegible] دینگلے، پونے؛ آر۔ چیٹرجی، بمبئی؛ موہن گھیڈ[illegible] اور ٹی۔ ایس واسیکر، ناندیڑ۔

بہ لحاظ عہدہ ممبران: سکریٹری، محکمہ تعـ

آرٹ ڈائرکٹر، بمبئی؛ ڈین، سرجے جے۔ اسکول آف آرٹ، بمبئی؛ ڈین سرجے جے۔ انسٹی ٹیوٹ آف اپلائیڈ آرٹ، بمبئی؛ چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، بمبئی اور ڈرائنگ وکرافٹ انسپکٹر بمبئی، ممبر سکریٹری۔

کمیٹی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ریاستی آرٹ نمائش منعقد کرنے اور روزمرہ کے کاموں کی دیکھ ریکھ کیلئے مقامی استقبالیہ کمیٹی اور اسٹینڈنگ کمیٹی کے لئے ضرورت کے مطابق ممبران کا تقرر کرے۔

قوانین کی اشاعت

حکومت مہاراشٹر نے مہاراشٹر ضلع پریشد (شرح تنخواہ اور مہنگائی بھتہ) (ترمیم) قوانین ۱۹۷۵ء کے مسودہ سے متعلق موصولہ اعتراضات وتجاویز پر غور کرنے کے بعد یہ قوانین مہاراشٹر سرکار کے غیر معمولی گزٹ مورخہ ۱۶ر اکتوبر ۱۹۷۵ء کے حصہ چہارم ب میں شائع کر دئے ہیں۔

•

حکومت مہاراشٹر نے مہاراشٹر ضلع پریشد (ٹھیکیداری خدمت) (ترمیم) قوانین ۱۹۷۵ء کے مسودہ سے متعلق موصولہ اعتراضات وتجاویز پر غور کرنے کے بعد یہ قوانین مہاراشٹر سرکار کے غیر معمولی گزٹ مورخہ ۱۶ر اکتوبر ۱۹۷۵ء کے حصہ چہارم ب میں شائع کر دئے ہیں۔

•

مہاراشٹر نجی جنگلات (حصولی) قوانین ۱۹۷۵ء کے مسودہ سے متعلق اعتراضات وتجاویز نہ ملنے کی صورت میں حکومت مہاراشٹر نے آخر کار یہ قوانین مہاراشٹر سرکار کے غیر معمولی گزٹ، مورخہ ۱۳ر نومبر ۱۹۷۵ء کے حصہ چہارم ب میں شائع کر دئے ہیں۔

•

مہاراشٹر زرعی اراضی (ملکیت کی حد بندی میں کمی) (فاضل اراضی کا اعلان وقبضہ) نیز ترمیم قوانین ۱۹۷۵ء کے مسودہ سے متعلق موصولہ اعتراضات وتجاویز پر غور کرنے کے بعد آخر کار یہ قوانین مہاراشٹر سرکار کے غیر معمولی گزٹ مورخہ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۷۵ء کے حصہ چہارم ب میں شائع کر دئے ہیں۔

•

مندرج قبائل کیلئے بحالی اراضی قوانین بابت ۱۹۷۵ء کے مسودہ سے متعلق کوئی اعتراض یا تجویز موصول نہ ہونے پر حکومت مہاراشٹر نے یہ قوانین بالآخر مہاراشٹر سرکار کے غیر معمولی گزٹ مورخہ یکم نومبر ۱۹۷۵ء کے حصہ چہارم ب میں شائع کر دئے ہیں۔

•

مہاراشٹر ضلع پریشد (صدر اور نائب صدر) اور پنچایت سمیتی (چیرمین اور نائب صدر) (انتخاب) (ترمیم) قوانین بابت ۱۹۷۵ء کو حکومت مہاراشٹر کے ۷ر اکتوبر ۱۹۷۵ء کے غیر معمولی گزٹ کے حصہ چہارم ب میں آخری طور پر شائع کر دیا گیا ہے۔

•

صدر ہند کی منظوری ملنے کے بعد بمبئی بلڈنگ ریپیرز اور ریکنسٹرکشن بورڈ (دوسری ترمیم) ایکٹ بابت ۱۹۷۵ء حکومت مہاراشٹر کے ۲۵ر اکتوبر ۱۹۷۵ء کے غیر معمولی گزٹ کے حصہ چہارم میں شائع کر دیا گیا ہے۔

•

صدر ہند کی منظوری ملنے کے بعد بمبئی میونسپل کارپوریشن اور بمبئی رینٹ ہوٹل اور لاجنگ ہاؤس ریٹس کنٹرول (ترمیم) ایکٹ بابت ۱۹۷۵ء حکومت مہاراشٹر کے ۲۴ر اکتوبر ۱۹۷۵ء کے غیر معمولی گزٹ کے حصہ چہارم میں شائع کر دیا گیا ہے۔

•

جوار کی قیمت میں کمی

حکومت مہاراشٹر نے یکم نومبر ۱۹۷۵ء سے مدھیہ پردیش اور آندھرا پردیش سے درآمد کی گئی جوار کی قیمت فروخت میں فی کلو ۷ پیسے کے حساب سے مزید کمی کردی ہے۔

تخفیف شدہ قیمتیں یہ ہیں: بمبئی اور تھانے کے راشننگ علاقے اور پونے، ناگپور، شولاپور اور کولہاپور کارپوریشن کے شہروں میں ۱٫۵۰ روپے فی کلو، نیز

گورنر مہاراشٹر عالی جناب علی یاور جنگ نے ۲۰ر نومبر کو بمبئی شہر سماج شکشن سمیتی کے زیر اہتمام "تعلیمی ہفتہ" کا افتتاح فرمایا۔ اس موقع پر لی گئی تصویر میں گورنر موصوف تقریر کرتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ وزیر تعلیم شریمتی پربھا راؤ نے صدارت کے فرائض انجام دئے۔

دیگر علاقوں میں ۱ء۸۴ روپے فی کلو۔
کارڈ مالکان کو راشن کارڈ پیش کئے بغیر کوٹہ کے علاوہ یہ جوار دی جائے گی۔

یگیہ میں غذائی اشیاء کے استعمال پر پابندی

یگیہ میں غذائی اشیاء ضائع کرنے پر کنٹرول حکمنامہ مہاراشٹر بابتہ ۱۹۷۵ء (مہاراشٹر ویسٹیج آف فوڈ اسٹفس ایٹ یگیہ کنٹرول آرڈر ۱۹۷۵) غیر معمولی سرکاری گزٹ مورخہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۷۵ء کے حصہ چہارم الف میں شائع کردیا گیا ہے۔

اس حکمنامہ کے تحت کسی بھی روز ۲ کلو سے زائد غذائی اشیاء (ایک کلو اناج اور ایک کلو گھی، خوردنی تیل بشمول ونسپتی) آہوتی کے طور پر استعمال کرنے پر پابندی عاید کی گئی ہے۔

پلوں اور سڑکوں کی تعمیر

حکومت مہاراشٹر نے ضلع رتناگری میں کسرا پھونڈا سڑک پر پیالی ندی کے اوپر ایک بڑے پل کی تعمیر کے لئے انتظامی منظوری دیدی ہے جس کی تخمینی لاگت ۱۲ء۸۰ لاکھ روپے ہے نیز قلابہ ضلع میں امبیٹ بگنڈل سڑک پر تین بڑے پلوں کے تعمیری کاموں کی منظوری دیدی ہے جن کی تخمینی لاگت ۱۸ء۲۷ لاکھ روپے ہے۔

•

حکومت مہاراشٹر نے شولاپور ضلع میں نظارے ۔ اپٹری روڈ پر نگارے موضع کے قریب جلوان نالہ پر پکے راستہ کی تعمیر کے کاموں کی انتظامی منظوری دے دی ہے۔ اس کام پر لاگت کا تخمینہ ۱۰ء۹۱ لاکھ روپے ہے۔

•

حکومت مہاراشٹر نے ضلع سطح کے تین تعمیراتی کاموں کی منظوری دیدی ہے۔ کاموں کی تفصیل اور تخمینہ حسب ذیل ہے :

منوچیرٹ ۔ جیدنر کانشی روڈ، ضلع ناسک ۔۔۔ ۴ء۵۰ لاکھ روپے، کنڈل گاؤں ۔ پٹنس روڈ پر ولے نالے پر چھوٹا پل ۔۔۔ ۲ء۵۰ لاکھ روپے اور پالی پٹنس سڑک پر راولجا نالے پر ایک پل ۲ء۹۱ لاکھ روپے، یہ دونوں ضلع قلابہ میں ہیں۔

•

حکومت مہاراشٹر نے اقل ترین ضروریات پروگرام کے تحت چھ سڑکوں کے کاموں کی انتظامی منظوری دیدی ہے۔ ان سڑکوں کے نام اور تخمینہ حسب ذیل ہے :

رام تیرتھ ۔ رام گڑھ ۔ نا ندرن سڑک، ضلع امراوتی ۷ء۱۵ لاکھ روپے، پمپ لوڈ ۔ ایوڑا روڈ، ضلع امراوتی ۔ ۵ء۶۵ لاکھ روپے، چیکل گاؤں ۔ راجن کھیڈ سڑک، ضلع اکولہ ۔ ۷ء۰۰ لاکھ روپے، ضلع جلگاؤں میں ہمبارڈی موضع پر ریاستی شاہراہ کو مردل سے ملانے والی سڑک ۔ ۲ء۹۳ لاکھ روپے، منڈھالا جوڑ سڑک جو جامگاؤں ۔ تھوڑی پاؤنی، ضلع ناگپور سے ملتی ہے ۔۔۔ ۱۷ء۰۰ لاکھ روپے، ضلع امراوتی میں چو سالہ سے ریاستی شاہراہ کو جانے والی سڑک ۔ ۱۷ء۰۰ لاکھ روپے۔

•

حکومت مہاراشٹر نے ضلع ناسک میں سوپالا موضع کے قریب منور کھیڑ جیدھر کناشی روڈ پر سوپالا نالہ پر پل کے تعمیری کام کی انتظامی منظوری دیدی ہے۔ اس کام کی تخمینی لاگت ۲،۷۰،۹۰۴ روپے ہے۔

•

حکومت مہاراشٹر نے کم از کم ضرورت پروگرام کے تحت سڑکوں کے پانچ کاموں کی انتظامی منظوری دیدی ہے۔ سڑکوں کی تفصیل اور لاگت کا تخمینہ حسب ذیل ہے :

ڈگراس سڑک احمدنگر ۔ منماڑ کو جوڑنے کے لئے ۔ ۴ء۸۰ لاکھ روپے؛ آرنگاؤں ۔ والکی روڈ ۔ ۴ء۴۱ لاکھ روپے؛ پمپل گاؤں ۔ نیھلا روڈ سنگمنیر دیگاؤں سڑک کو جوڑنے کے لئے ۔۔۔ ۴۳,۰۰۰ روپے؛ جانگاؤں پونے اور ناسک روڈ کو ملانے والی سڑک ۔۔۔ ۳۰,۰۰۰ (سب کی سب ضلع احمدنگر میں) اور جانونہ ۔ کھرسنا ۔ ساؤنیر گاؤں سڑک ضلع امراوتی میں ۳ء۶۶ لاکھ روپے۔

صنعتی تنازعات

ایشین پرنٹرز بمبئی اور ان کے ملازمین کے صنعتی تنازعہ حکومت مہاراشٹر نے بغرض تصفیہ پی ۔ ایس ۔ مالونکر کی صنعتی عدالت کے سپرد کردیا۔ یہ تنازعہ ملازمین کے عام مطالبات سے متعلق ہے۔

•

چاولہ کیمیکل انڈسٹریز پرائیویٹ لمیٹیڈ، ڈ اور ان کے ملازمین کے مابین صنعتی تنازعہ حکومت نے بغرض تصفیہ شری سی ۔ دی ۔ پٹیل کی صنعتی کے سپرد کردیا ہے ۔ یہ تنازعہ ملازمین کے عام سے متعلق ہے۔

•

کمار فرنیچر پرائیویٹ لمیٹیڈ، بمبئی اور ا ملازمین کے مابین صنعتی تنازعہ حکومت مہاراشٹر تصفیہ کی غرض سے شری پی ۔ ایس ۔ مالونکر کی عدالت کے سپرد کردیا ہے۔ یہ تنازعہ ملازمین مطالبات یعنی شرح اُجرت، مہنگائی بھتہ، پراویڈنٹ فنڈ، ٹھیکہ داری طریقہ وغیرہ کے خاتمہ اور ملازمین کی بحالی سے متعلق ہے۔

•

شاہ مینا رائل پلاسٹکس، بمبئی اور ان کے مابین صنعتی تنازعہ حکومت مہاراشٹر نے بغرض شری پی ۔ ایس ۔ مالونکر کی صنعتی عدالت کے سپرد یہ تنازعہ ملازمین کے عام مطالبات مثلاً شرح مہنگائی بھتہ، چھٹی کی سہولت اور پراویڈنٹ فنڈ سے متعلق ہے۔

شری ایل ۔ سی ۔ گپتا

حکومت مہاراشٹر نے شری ایل ۔ سی ۔ گپتا اربن ڈیولپمنٹ اینڈ پبلک ہیلتھ ڈپارٹمنٹ کو مہیا

کاڈائرکٹر بھی مقرر کیا ہے۔

کوآپریٹیو بقایاجات کی وصولی

بنک افسران کو اختیارات

حکومتِ مہاراشٹر نے مہاراشٹر کوآپریٹیو سوسائٹیز ایکٹ بابت ۱۹۶۰ء کی دفعہ ۱۰۱ کے تحت پرائمری ایگریکلچرل کوآپریٹیو سوسائٹیز سے کم مدتی قرضے اور ایکٹ کی دفعہ ۱۳۷ کے تحت مہاراشٹر اسٹیٹ کوآپریٹیو لینڈ ڈیولپمنٹ بنک سے لیے گئے طویل المدتی قرضہ جات کی وصولی کیلئے ڈسٹرکٹ سینٹرل کوآپریٹیو بنک اور مہاراشٹر اسٹیٹ کوآپریٹیو لینڈ ڈیولپمنٹ بنک لیمٹڈ کی اضلاعی شاخوں کے افسران کو سرٹیفیکیٹ جاری کرنے کے اختیارات دے دئے ہیں۔ اب تک یہ اختیارات صرف سرکاری افسران کو ہی حاصل تھے اور زیریں سطح پر اسسٹنٹ رجسٹرار برائے کوآپریٹیو سوسائٹیز حاکم مختار تھے۔ اب بنک افسران اور متذکرہ سرکاری افسران دونوں کو یہ اختیارات ہوں گے۔

یہ اقدام امدادِ باہمی بقایاجات کی وصولی کو تیز تر کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔

سنسکرت کمیٹی

حکومتِ مہاراشٹر نے اسٹینڈنگ سنسکرت کمیٹی کو مزید کام سونپے ہیں جس کے نتیجہ میں کمیٹی مختلف افراد اور اداروں کی جانب سے سنسکرت کے پرچار کیلئے موصول ہونے والی تجاویز نیز سنسکرت سے متعلق مدرسین کو پیش آنے والی مشکلات پر غور کرے گی اور اس سلسلہ میں حکومت کو مناسب سفارشات پیش کریگی۔ یہ کمیٹی تعلیمی اداروں کے لئے بہترین سنسکرت کتابوں نیز رسالوں اور سنسکرت ادب میں بہترین تخلیق پر انعامات عطا کرنے کیلئے سفارش کرے گی۔
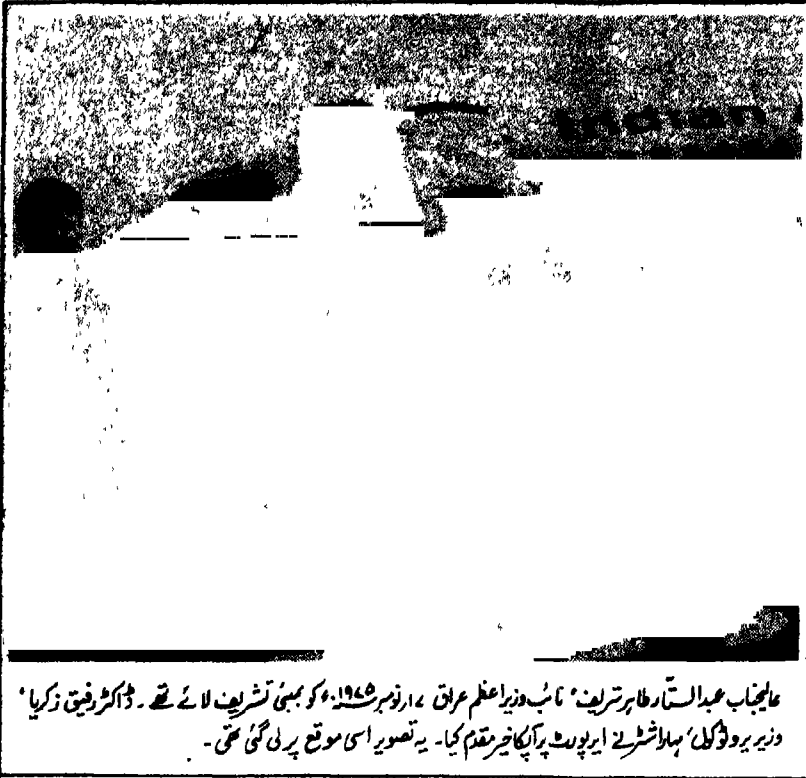
عالیجناب عبدالستار طاہر شریف، نائب وزیراعظم عراق ۷ر نومبر ۱۹۷۵ء کو بمبئی تشریف لائے تھے۔ ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر پروٹوکول، مہاراشٹر نے ایرپورٹ پر آپکا خیر مقدم کیا۔ یہ تصویر اسی موقع پر لی گئی تھی۔

مج مکھی کا انسداد

حکومتِ مہاراشٹر نے ہدایت کی ہے کہ اعلیٰ مخلوط (ہائی برِیڈ) جوار پر مج مکھی کی روک تھام کی موجودہ مہم جاریہ سال کے دوران روایتی خریف جوار فصل کے لئے بھی جاری کی جائے۔

روایتی خریف جوار پر مج مکھی کی روک تھام کی مہم کو باقاعدہ منظم کیا جائے۔ اور کاشتکاروں کو قرضے اور امداد تناسب سے دی جائے۔

روایتی جوار فصل کو بچانے کیلئے وہی جراثیم کش ادویہ استعمال ہونی چاہئیں جو کہ ضلع پریشدوں کے پاس اس اسٹاک میں سے باقی بچی ہے جوکہ اس نے ہائی برِیڈ جوار پر مج مکھی کی روک تھام کے لئے مقررہ اسٹاک سے حاصل کیا تھا۔ کسی بھی مقدار میں کسی اور ذریعہ سے مزید جراثیم کش ادویہ حاصل نہ کی جائیں۔

حکومت نے مزید ہدایت کی ہے کہ روایتی خریف جوار فصل پر مج مکھی کی روک تھام کی مہم ۱۵ر دسمبر ۱۹۷۵ء تک جاری رکھی جائے۔ اس کے بعد ہائی برِیڈ اور روایتی جوار کے جن علاقوں کو اس کے تحت لایا گیا اس کی پوری رپورٹ ضلع پریشد حکومت کو پیش کرے۔

خشک سالی سے متاثرہ علاقوں کا پروگرام

پانچویں پنجسالہ منصوبے کے دوران خشک سالی سے متاثرہ علاقوں کے پروگرام کو نافذ کرنے کیلئے حکومتِ مہاراشٹر نے ضلع اورنگ آباد کے سات تعلقوں کے مختلف کم بارش والے ۶۸ مواضع کے انتخاب کو منظور کر لیا ہے۔

تعلقوں کے نام اور انہیں واقع مواضع کی تعداد یہ ہے: ویجاپور (۱۱)، گنگاپور (۱۱)، کنڑ (۹)، پیٹھان (۱۵)، خلدآباد (۸)، اورنگ آباد (۸) اور امبڑ (۶)۔

●●

مذہبی اور لسانی اقلیتوں کے ساتھ رواداری

وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان کی نصیحت

لسانی اور مذہبی اقلیتی بورڈ کا اوّلین اجلاس!

وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شنکر راؤ چوان نے ۲۲ نومبر کو سچیوالیہ میں مذہبی اور لسانی اقلیتوں کے ریاستی بورڈ کے پہلے اجلاس کا افتتاح کیا۔ یہ بورڈ مہاراشٹر کی مختلف لسانی اور مذہبی اقلیتوں کے درمیان ہم آہنگی اور مفاہمت کے جذبات پیدا کرنے کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ بورڈ مشہور مفکرین، مصنفین اور سماجی کارکنوں پر مشتمل ہے۔

جلسے کا افتتاح کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے جو بورڈ کے چیرمین بھی ہیں، فرمایا کہ زبان، مذہب اور تہذیب کے اختلافات کے باوجود ایک مستقل اور مؤثر جذبۂ اتحاد موجود ہے جو ہندوستانیوں کو ملائے رکھتا ہے۔ وزیر اعلیٰ نے مذہبی اور لسانی اقلیتوں کے تئیں رواداری و دل داری کا رویّہ اپنانے کی ضرورت پر زور دیا تاکہ معمولی جھگڑوں اور عناد سے پیدا ہونے والے پُرتشدد واقعات روکے جاسکیں۔

آپ نے مزید فرمایا کہ عام طور پر مہاراشٹر اور خاص طور پر بمبئی کی تہذیب رنگا رنگ ہے۔ ہم نے زندگی کے مختلف میدانوں میں اکثر رہنمائی کی ہے اور اب میری خواہش ہے کہ ریاست میں امن و مفاہمت کا ایک نیا ماحول پیدا کیا جائے۔ بورڈ کی رہنمائی اور اس کے تعاون سے نہ صرف تشدّد بلکہ مختلف لسانی اور مذہبی اقلیتوں کے درمیان موجود غلط فہمیاں ماضی کا حصّہ بن جائیں گی۔

جب بھی تشدّد بھڑک اٹھتا ہے اکثر اسے لا اینڈ آرڈر کا مسئلہ سمجھ کر نپٹا جاتا ہے۔ ان فسادات کے وجوہات کی چھان بین کے لئے کمیٹیاں اور کمیشن مقرر کئے جاتے ہیں تاکہ آئندہ اس طرح کے رجحانات کا احیاء روکنے کے لئے احتیاطی اقدامات بھی کئے جاسکیں۔

• میں نے فسادات سے متعلق کئی خبریں دیکھی ہیں جو نہ صرف اس ریاست سے بلکہ دوسری ریاستوں سے بھی آئی تھیں۔ میری رائے میں یہ فسادات سماج کے مختلف طبقات اور حصوں کے مابین معمولی جھگڑوں اور رشک و حسد کے جذبات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ کسی دیہی یا شہری علاقے میں کسی پرانی عداوت کے نتی[جے میں] فسادات پھوٹ پڑتے ہیں۔ معاشی، سیاسی یا [...] اسباب بھی ہوسکتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آ[پ کے] تعاون اور آپ کی ہدایت سے اس سلسلے میں [...] پالیسیاں اور پروگرام تشکیل دیئے جائیں۔

وزیر اعلیٰ نے کہا کہ بدنصیبی یہ ہے کہ اکث[ر ...] اس عمر میں جب کہ وہ ہر بات کا جلد اثر قبو[ل کرتے] ہیں ایسی کتابیں پڑھتے ہیں جن سے ان میں [...] اور عصبیت پیدا ہوجاتی ہے۔ تعلیم کے ذریعہ [...] نئے گنگا جمنی سماج کی تشکیل ہونی چاہیئے۔ [...] ہے کہ اس سلسلے میں بورڈ چند مثبت سفارش[ات] کرے گا۔
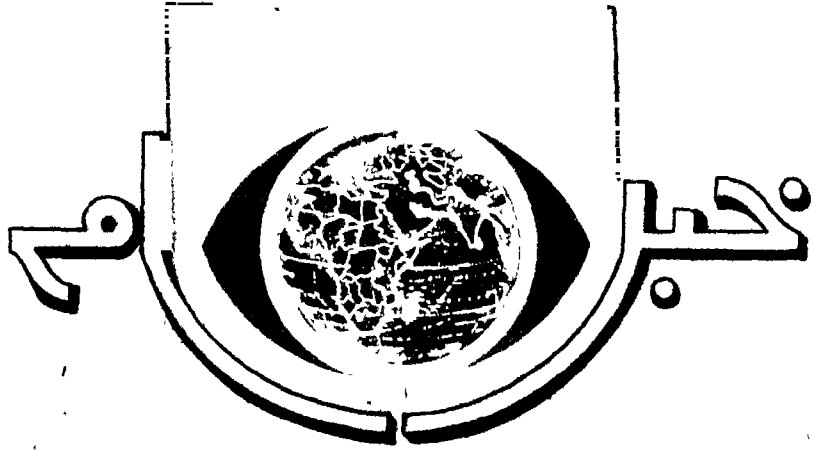
وزیر اعلیٰ نے یہ خیال ظاہر کیا کہ مہاراشٹر یا [...] ریاست میں لسانی اقلیتوں کا مسئلہ بالکل [...] گزشتہ برسوں میں لوگ ایک ریاست سے د[وسری] ریاست میں نوکری، تجارت یا کسی اور غرض [سے ...] ہوئے ہیں۔ قطعی اور آخری بات یہی ہے کہ [...] جہتی معاشی یک جہتی کے ذریعہ ہی حاصل کی جا[سکتی ...]

وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ ملک کے میٹرو پولیٹن [...] میں دیہات کی آبادی کھنچ کر آنے لگی ہے۔ [...] علاقوں کی اس کشش نے مکانات اور حم[ل و نقل] تعلیم اور صفائی کے مسائل کو مزید بڑھا د[یا ...] میری رائے میں آگے چل کر اس رجحان کو [...] دینا ہوگا، اور کم از کم شہری علاقوں میں آب[ادی کے] اس طرح منتقلی کو کم کرنا ہوگا۔ اس لئے دیہ[ات] میں ملازمتوں کے مواقع پیدا کرنے چاہئیں ا[ور ...] سرگرمیاں بڑھانا چاہئیں۔

وزیر اعلیٰ نے اس امر پر خوشی کا اظہار [...] چند برسوں میں یہ رجحانات پس منظر میں [...] ہیں اور زیادہ معقول اور سائنٹفک رویّہ ا[...] رہا ہے۔ صرف اسی طرح کے رویّہ کو اپنا ک[ر ...] کی طاقتوں کو مضبوط بنایا جاسکتا ہے۔ سیکو[لرزم کا] مطلب یہ نہیں کہ اپنے مذہب کو ترک کر دیا [...]

اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے مذہب پر عمل کرتے ہوئے دوسروں کے جذبات کو دھکا نہ پہنچایا جائے۔ آخر میں وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ ہم غریبی دور کرنے کے زبردست کام میں مصروف ہیں۔ ایسے وقت ہماری توانائیاں معمولی جھگڑوں اور اختلافات کی نذر نہیں ہونی چاہئیں۔

اس اجلاس میں وزیر محصولات و شہری ترقیات ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر تعمیرات عامہ و ہاؤسنگ عبدالرحمٰن انتولے، وزیر مملکت برائے غذا و شہری رسد جگیش دیسائی، ڈپٹی اسپیکر مہاراشٹر کونسل آر۔ ایس۔ گوئی، ایڈیٹر السٹریٹیڈ ویکلی خشونت سنگھ، ناری گرسہانی، مصطفٰے فقیہہ، فاروق پاشا، شریمتی ای۔ ایس۔ مودک، کے۔ ایم۔ فلپس، وردراج آدیہ، نروتم چندپوری، نول ٹاٹا اور عبدالستار شیخ نیز ایڈیشنل چیف سکریٹری ایچ، نیجوندیا شامل تھے۔

وزیر اعلیٰ نے مذہبی اور لسانی اقلیتوں کو جو تیقنات دئے ان سے ان لوگوں میں زبردست اعتماد پیدا ہو گیا اور انھوں نے نئی قیادت پر از سرِ نو اعتماد کا اظہار کیا۔

نول ٹاٹا نے بورڈ کی تشکیل کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ اس کی وجہ سے اقلیتوں کے اعتماد کی بحالی پر جادوئی اثر ہوا ہے۔

شریمتی کملا رمن نے وزیر اعلیٰ کو ان کی دلیرانہ قیادت پر مبارکباد دی اور توقع ظاہر کی کہ علاقہ پرست تنظیموں کی سرگرمیاں کچل دی جائیں گی۔

مقررین نے خاص طور پر وزیر اعلیٰ کی مدراس میں کی گئی حالیہ تقریر کا ذکر کیا اور ان کی اس رائے سے مکمل اتفاق کیا کہ اقلیتوں کو اپنے حقوق حاصل کرتے ہوئے مناسب طور پر اپنی ذمہ داریاں بھی پوری کرنی چاہئیں۔

شری فلپس اور شریمتی مودک نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اگرچہ اقلیتوں کا مسئلہ صرف مہاراشٹر ہی کا مسئلہ نہیں ہے تاہم اس ریاست نے اقلیتوں کو مشترکہ پلیٹ فارم پر لانے کے لئے سب سے پہلے اقدام کیا ہے۔ ارکان نے یہ رائے ظاہر کی کہ ہم آہنگی اور خیرسگالی کے جذبات کو فروغ دینے کی سرکاری کوششوں میں رضاکارانہ تنظیموں کو ہاتھ بٹانا چاہئے۔ مصطفٰے فقیہہ صاحب، فاروق پاشا صاحب اور ستار شیخ نے بھی وزیر اعلیٰ

وزیر اعلیٰ شری ایس۔ بی۔ چوان ۲۱ نومبر ۱۹۷۵ء کو بمبئی میں گرو نانک جینتی کے سلسلے میں روزنامہ اردو ٹائمز کے زیر اہتمام کل ہند مشاعرہ میں تقریر کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر محصولات و شہری ترقیات، مشہور فلمسٹار دلیپ کمار اور جناب جاں نثار اختر بھی تصویر میں نظر آ رہے ہیں۔

وزیر مملکت برائے تعلیم شری رام ناتھ پانڈے نے ۱۴ نومبر ۱۹۷۵ء کو سینٹ زیویر ہائی اسکول بمبئی میں "بچوں کی پینٹنگ" مقابلہ کا افتتاح کیا۔ تصویر میں شری پانڈے بچوں سے خطاب فرما رہے ہیں۔

کو مبارکباد دی اور کہا کر حالانکہ بورڈ کی تشکیل خود ایک دلیرانہ اقدام ہے لیکن اس سے قبل وزیراعلیٰ نے جو اعلانات کئے ہیں اس سے اقلیتوں میں زبردست اعتماد پیدا ہوا ہے۔

ڈپٹی چیرمین مہاراشٹر کونسل آر۔ ایس۔ گوئی نے تجویز پیش کی کہ بورڈ کے ارکان نہ صرف اقلیتوں کی طرف سے آواز اٹھائیں بلکہ ریاست کی مذہبی اور لسانی اقلیتوں کی بھی وکالت کریں۔

وزیراعظم ہند شریمتی اندرا گاندھی کی ۵۸ ویں سالگرہ ۱۹ نومبر ۱۹۷۵ء کو کے۔ سی۔ کالج بمبئی میں وزیراعلیٰ شری کی زیرصدارت منعقدہ اجلاس میں منائی گئی۔ اس موقع پر وزیراعلیٰ تقریر کرتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔

دیہی زندگی کے معیار میں تبدیلی

مالیواڑہ پروجیکٹ سے وزیراعلیٰ کی دلچسپی

کل ہند مواضع ترقیاتی اقدامات کے پیش نظر اورنگ آباد سے ۱۶ کلومیٹر دور مالیواڑہ میں انسٹی ٹیوٹ آف کلچرل افیرز، انڈیا نے ایک وسیع سماجی و معاشی ترقیاتی پروگرام اپنے ذمہ لے لیا ہے۔

وزیراعلیٰ شری شنکر راؤ چوان نے اس پروگرام سے متعلق ڈاکٹر جے۔ ڈبلیو۔ میتھیوز (یو۔ ایس۔ اے)، مسٹر آر۔ اسپنسر (آسٹریلیا) اور شری ونود پاریکھ، پروجیکٹ ڈائرکٹر سے تبادلہ خیال کرتے ہوئے اس سے اپنی دلچسپی کا اظہار کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ پروجیکٹ اپنی نوعیت کی بنا پر بیحد اہمیت رکھتا ہے کیونکہ یہ پیداوار کے تمام شعبوں کو سمیٹے ہوئے ہے نیز اس کا مقصد دیہی زندگی اور دیہی معیشت کو بہتر و مضبوط بنانا ہے۔

انسٹی ٹیوٹ آف کلچرل افیرز دنیا کے ۲۳ ممالک میں قائم ہے اور عالمگیر ترقی میں انسانی نقطۂ نظر سے ریسرچ اور تربیتی خدمت انجام دیتا ہے۔ ہندوستان میں اس ادارے کے دفاتر دہلی، بمبئی، کلکتہ اور حیدرآباد میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر میتھیوز نے وزیراعلیٰ کو بتایا کہ ان کی سربراہی میں ایک جماعت آسٹریلیا اور جنوبی جزیرہ میں قدیم باشندوں کے لئے کام کر ہندوستان میں مالی طور پر اس ادارے کو تاجر اور دیگر اداروں کی جانب سے امداد مل رہی ادارہ نے اس پروجیکٹ کا نام ' دیہی ڈیولپمنٹ پروجیکٹ رکھا ہے کیونکہ مالیواڑہ قلعہ کے دامن میں واقع ہے۔

وزیراعلیٰ نے فرمایا کہ پروجیکٹ کے لئے کا تعاون اور دلچسپی درکار ہے لہٰذا ۲۸ سے ۳ جنوری ۱۹۷۶ء تک ماہرین موضع سے اس سلسلہ میں گفتگو کریں گے۔

وزیراعلیٰ کو صدمہ

وزیراعلیٰ شری شنکر راؤ چوان نے ۲۹ ر میں مشہور گاندھی وادی اور مجاہد آزادی ش

جناب رؤف بنعمان، پارلیمنٹری سکریٹری، وزارت اسپورٹس، حکومت ماریشس اور ان کی اہلیہ نے ۱۲ شری اے۔ آر۔ انتولے، وزیر قانون و عدلیہ سے ملا تصویر اسی موقع پر لی گئی تھی۔

، باوراؤ کمانڈے، ساکن لاتور کے انتقال پر اپنے دلی وغم کا اظہار کیا۔

ایک تعزیتی پیغام میں وزیراعلیٰ نے فرمایا کہ "شری ے کی موت پر مجھے بے حد صدمہ پہنچا۔ انھوں نے ۔ آزادی کے دوران بہتوں کو متاثر کیا تھا ۔ آزادی کے انھوں نے اپنی ساری زندگی گاندھی جی کے اصولوں اور دی و دیہی صنعت میں لگادی ۔ ان کی موت نے ہم ایک سچا کارکن چھین لیا۔

نہرو کی زندگی سے سبق حاصل کیجئے

——— پربھاکر کنٹے

شری پی۔ کے۔ کنٹے، وزیر مملکت برائے شہری ترقیات ہیر مکانات نے ۱۴ نومبر کو ناگپور میں آنجہانی شری ہرلال نہرو کی سالگرہ کے موقع پر مشترکہ طور پر ناگپور ضلع ِشد اور سیکنڈری اسکول ہیڈ ماسٹرس یونین کے ہتمام بچوں کی ریلی کو مخاطب کرتے ہوئے بچوں کو ت کی کہ وہ آنجہانی شری جواہرلال نہرو کی بے مثال زندگی سبق حاصل کریں اور ملک و قوم کے تعمیری کاموں میں بساط کے مطابق حصہ لیں۔

شری کنٹے نے جواہرلال نہرو کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ شری نہرو ایک امن پسند اور ہمدرد انسان تھے ۔

اس سے قبل ضلع پریشد کے صدر شری پربھاکر راؤ کنکھیڑے نے وزیر مملکت اور مہمانوں کا استقبال کیا اور بتایا کہ ۸۷ ثانوی اسکولوں کے ۳۰۰۰ بچوں نے اس ریلی میں حصہ لیا ہے ۔

وزیر تعلیم، شریمتی پربھا راؤ نے ۱۴ نومبر ۱۹۷۵ء کو 'بچوں کے دن' کے موقع پر بال بھون میں گڑیوں کی پردرشنی کا افتتاح کیا۔ یہ تصویر اسی موقع پر لی گئی تھی۔

تیل کے نئے ماخذ تلاش کیے جائیں

——— جگیش دیسائی

شری جگیش دیسائی، وزیر مملکت برائے غذا و شہری رسد نے ۸ نومبر کو بمبئی میں آئیل ٹیکنولوجسٹس ایسوسی ایشن (مغربی زون) کے زیر اہتمام "تجزیاتی فن اور مسائل آمیزش تیل و چربی نیز تیل کے بیجوں کی سمیات و غذائیت کی اہمیت" کے موضوع پر منعقدہ سیمینار کا افتتاح کیا۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری دیسائی نے ماہرین سے اپیل کی کہ وہ ملک میں خوردنی تیل و غیر خوردنی تیل

بین الاقوامی خواتین سال میں مہاراشٹر کا مگار کلیان منڈل اور منڈل کی مہیلا گورو سمیتی کی جانب سے ۱۱ نومبر ۱۹۷۵ء کو بمبئی کے مختلف علاقوں میں سماجی خدمات انجام دینے والی خواتین کا ور... منت شری سنکر راؤ پاٹل نے خیر مقدم کیا۔ اس موقع پر لی گئی تصویر میں شری پاٹل تقریر کرتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ شری پاٹل کی دائیں جانب وزیر مملکت برائے محنت شری رام ناتھ پانڈے اور مہیلا گورو سماروہ سمیتی کی صدر شریمتی ویمل رانگنیکر تشریف فرما ہیں۔

شری جگیش دلسائی، وزیر مملکت برائے غذا و شہری رسد ۱۵ر نومبر کو بمبئی میں سہ روزہ یوگا اجتماع کر رہے ہیں ۔ بین الاقوامی یوگا بورڈ کے بانی شری یوگیندر بھی نظر آ رہے ہیں ۔

کے لیے نئے ماخذ تلاش کریں ۔

وزیر موصوف نے فرمایا کہ مہاراشٹر ملک میں سب سے زیادہ کپاس پیدا کرنے والی ریاست ہے ۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ یہاں پر کپاس کے بیجوں سے زیادہ تیل نکالنے کی خاص کوشش کی جائے ۔ انھوں نے ماہرین تیل سے اپیل کی کہ وہ اس طرف خاص توجہ فرمائیں ۔ انہوں نے مزید کہا کہ مہوا، نیم اور سال وغیرہ تیل کے بیجوں سے تیل نکالنے کے کام میں قبائلیوں اور پسماندہ طبقے کے افراد کو لگا کر انھیں روزی بہم پہنچائی جا سکتی ہے ۔

ہم آہنگی کیلئے یوگا کی ضرورت

ــــ جگیش دلیسائی

شری جگیش دیسائی، وزیر مملکت برائے غذا و شہری رسد نے ۱۴ر نومبر ۱۹۷۴ء کو یوگا انسٹی ٹیوٹ، سانتا کروز (بمبئی) میں بین الاقوامی یوگا بورڈ کے زیر اہتمام سہ روزہ یوگا اجتماع (کمیونین) کا افتتاح کیا ۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری دیسائی نے جدید زندگی کے مدنظر جسمانی، دماغی و روحانی ہم آہنگی کے لئے یوگا جیسی قدیم سائنس کی اہمیت واضح کی اور فرمایا کہ بہتر زندگی کے لئے یوگا کی مشق بیحد ضروری ہے ۔

ملک کے مختلف مقامات اور غیر ممالک سے تقریباً ۲۵۰ یوگا کے اساتذہ نے اس اجلاس میں شرکت کی ۔

شری جے نیلمنٹ دای، بورڈ کے سکریٹری نے مہمان خصوصی اور شرکاء اجلاس کا استقبال کیا ۔ شری یوگیندر، بین الاقوامی یوگا بورڈ کے بانی نے بھی اس موقع پر اظہار خیال کیا ۔

میڈیکل تعلیم میں تبدیلی ضرو

ــــ شریمتی پرتبھا

شریمتی پرتبھا پاٹل، وزیر صحت عامہ نے بدلے کی ضرورتوں کے مدنظر میڈیکل پیشہ اور تعلیم بہتر بنانے نیز اخلاقی ضابطہ پر زور دیا ۔ انھوا کہ اس سلسلہ میں نئے راستے اور نئے طریقے کرنے چاہئیں تاکہ مؤثر طور پر سماجی ضرورتوں جا سکے ۔

وزیر موصوفہ نے، جو ، ر نومبر کو بمبئی میں ر کونسلز کی دوسری کانفرنس کا یونیورسٹی کنو میں افتتاح کر رہی تھیں، میڈیکل کونسل آ میں تبدیلی نیز میڈیکل تعلیم میں بہتری کیلئے مرکز کے اٹھائے ہوئے اقدامات کا خیر مقدم کیا ۔

وزیر موصوفہ نے نسخہ میں زیادہ سے زیا لکھنے کے رجحان کی مذمت کی جس کی بنا پر بڑھتا ہے بلکہ دواؤں کی بھرمار سے مرض بھی پیدا ہوتی ہیں ۔ انہوں نے کونسل کو مشو اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کرے ۔

زیکوسلواکیہ لوک ناچ گروپ کا پروگرام ۱۴ر نومبر کو رویندر ناٹیہ مندر میں وزیر مملکت برائے سماجی بہبود شری سوشیل کمار شندے کی صدارت میں انجام پایا ۔ وزیر موصوف کلاکاروں کے ساتھ نظر آ رہے ہیں ۔

l. No. MH-BY-South-544

Licence No. 89 for without prepayment of postage